الرحمٰن علم القرآن

اس الہام کے رو سے خدا نے مجھے علوم قرآنی عطا کئے ہیں

(حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی

تعلیمِ فہمِ قرآن

(آپؑ کے فرمودات کے مطابق)

مؤلفہ

مرزا حنیف احمد

صرف احمدی احباب کے لئے

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ   نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
وَ عَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْد

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی

تعلیمِ فہمِ قرآن

(آپؑ کے فرمودات کے مطابق)

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔ (الحجر:10)
(ترجمہ: ہم نے یہ کلام آپ اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان رہیں گے)

”اللہ تعالیٰ کے اس وعدہٗ واثقہ کی رو سے کہ **اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ** اس زمانہ میں بھی آسمان سے ایک معلم آیا جو **اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ** کا مصداق اور موعود ہے۔ وہ وہی ہے جو تمہارے درمیان بول رہا ہے۔“
(ملفوظات جلد اول صفحہ 60)

ترتیبِ ابواب

نمبر شمار		صفحہ
1 ۔	انتساب	iii
2۔	ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز	v تا vi
3۔	پیش لفظ	vii تا xxii
4۔	اظہار تشکر	xxiii تا xxvi
5۔	باب اوّل ۔ فہم قرآن اور منصب حضرت اقدسؑ (89 ذیلی موضوعات)	1 تا 96
6۔	باب دوم ۔ قرآن کریم میں حضرت اقدسؑ کا ذکر (290 ذیلی موضوعات)	97 تا 302
7۔	باب سوم ۔ فہم قرآن اور علوم قرآنِ کریم (139 ذیلی موضوعات)	303 تا 452
8۔	باب چہارم ۔ فہم قرآن اور عقائد اور مسائل (119 ذیلی موضوعات)	453 تا 562
9۔	باب پنجم ۔ فہم قرآن اور ارکانِ ایمان (54 ذیلی موضوعات)	563 تا 614
10۔	باب ششم ۔ فہم قرآن اور ارکانِ اسلام (33 ذیلی موضوعات)	615 تا 636
11۔	باب ہفتم ۔ فہم قرآن کے علمی لوازمات (شرائط) (72 ذیلی موضوعات)	637 تا 706
12۔	باب ہشتم ۔ فہم قرآن کے روحانی لوازمات (36 ذیلی موضوعات)	707 تا 756
13۔	باب نہم ۔ اصول تفسیر قرآن کریم (25 ذیلی موضوعات)	757 تا 794
14۔	باب دہم ۔ سلوک یعنی محبتِ الٰہی (137 ذیلی موضوعات)	795 تا 926
15۔	انڈیکس آیاتِ قرآن کریم	927 تا 942
16۔	انڈیکس الہامات حضرت اقدس مسیح موعودؑ	943 تا 946

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ　　　نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
وَ عَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

انتساب

خداتعالیٰ نے قرآن کریم کا یہ عرفان آپ ہی کو عطا کیا ہے اور آپ ہی کے الفاظ میں مرتب کیا گیا ہے۔اس لئے یہ خدمت :-

میرے پیارے مہدیٔ دوراں اور امامِ آخرزماں کے نام ہے۔

اس دعا اور تمنا کے ساتھ کہ یہ خدمت خداتعالیٰ کی جناب میں مقبول ہو اور آپ حضور اس کو پسند فرمائیں۔

دررہِ عشقِ محمدؐ ایں سر و جانم رود
(ترجمہ: محمدؐ کے عشق میں میرا سر اور جان قربان ہو۔)
ایں تمنّا ایں دعا ایں دردلم عزمِ صمیم
(ترجمہ: میری یہی تمنا اور دعا ہے اور یہی میرے دل کا پختہ ارادہ ہے)

والسلام
خاکسار۔غلامِ احمدِ آخرزمان
مرزا حنیف احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

و علی عبدہ المسیح الموعودؑ

پیش لفظ

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید رسلہ و صفوۃ احبتہ و خیرتہ من خلقہ و من کل ماذرء وبرء و خاتم انبیائہ و فخر اولیائہ سیدنا و اما منا و نبینا محمدن المصطفے الذي ھو شمس اللہ لتنویر قلوب اھل الارضین۔ و آلہ و صحبہ و کل من آمن و اعتصم بحبل اللہ و اتقی و جمیع عباد اللہ الصالحین۔ (نورالحق۔ر۔خ جلد8 صفحہ 2)

ترجمہ۔تمام تعریفیں خدا کے لئے ثابت ہیں جو تمام عالموں کا پروردگار ہے اور درود اور سلام اسکے نبیوں کے سردار پر جو اسکے دوستوں میں سے برگزیدہ اور اسکی مخلوق اور ہر یک پیدائش میں سے پسندیدہ اور خاتم الانبیاء اور فخر اولیا ہے ہمارا سید ہمارا امام ہمارا نبی محمد مصطفےٰ صلعم جو زمین کے باشندوں کے دل روشن کرنے کے لئے خدا کا آفتاب ہے اور سلام اور درود اس کی آل اور اسکے اصحاب اور ہر یک پر جو مومن اور حبل اللہ سے پنجہ مارنیوالا اور متقی ہو اور ایسا ہی خدا کے تمام نیک بندوں پر سلام۔

حضرت اقدس کی دعا سے برکت حاصل کرتے ہوئے خاکسار اپنے محسن اور پیارے خدا کا بے انتہا شکر گزار ہے کہ اس نے یہ توفیق دی کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان فرمودہ اسالیب فہم قرآن کو آپ ہی کے الفاظ اور اقتباسات میں مختلف موضوعات کی ترتیب کے مطابق پیش کر سکوں۔

حضرت اقدس کے موضوعات قرآن کو سمجھنا اور پھر ان کو موضوعات کے اعتبار سے اپنے اپنے مقام پر مرتب کرنا ایک ایسی خدمت تھی جس کے لئے استعداد قابل اور بے انتہا محنت درکار تھی۔اس لئے اپنی علمی کم مائیگی کو جانتے ہوئے میں بہت خائف رہتا تھا کہ شاید میں نے ایسا کام شروع کیا ہے جو میری قابلیت سے بہت بلند ہے اور شاید میں اس کا حق ادا نہ کر سکوں۔

مگر اوّل یہ سمجھ کر کہ قرآن کریم اور اس کے عرفان کے مخاطب عامی لوگ بھی تو ہیں اور یہ کہ استعداد ایک ایسی قدر ہے جو محنت اور لگن سے بہتر بھی ہو جاتی ہے اور دوسرے درجے پر یہ یقین بھی تھا کہ حضرت اقدس کی تحریر اور تقریر کے خزانوں سے زر و جواہر تلاش کرنے والے ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے اور ایک سے ایک بہتر ہو گا اس لئے اگر ان جوہر شناسوں میں میرا نام بھی آ جائے (خواہ کم درجے کا ہی ہو) تو بہت خوش نصیبی ہوگی۔

ان خیالات اور امیدوں سے تقویت حاصل کر کے خاکسار نے اس شوق کو زندہ رکھا ہے اور محض خدا تعالیٰ کے فضل اور احسان بے پایاں سے اس قابل ہوا ہوں کہ اس خدمت کو مکمل کر سکوں۔فالحمد اللہ الحمد للہ۔الحمد للہ علی ذالک۔

اس ''پیش لفظ'' کوتحریر کرنے سے یہ مقصود نہیں کہ ادبی اور کتابی دستور کے مطابق حضرت اقدس کے عظیم الشان عرفانِ قرآن کے بارے میں ایک رسمی تعارف پیش کیا جائے کیونکہ میں اس حقیقت کوخوب سمجھتا ہوں کہ مرسلین باری تعالیٰ کے علمی اور روحانی افاضات کا حقیقی تعارف تو اوّل خدا تعالیٰ ہی فرماتا ہے جس نے ان کو روحانی معارف عطا کئے ہوتے ہیں۔ اور دوسرے درجے پر مرسلین باری تعالیٰ خود اللہ تعالیٰ کے حکم اور اذن سے ان مناصبِ عالیہ کا اعلان کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کو عطا کئے جاتے ہیں۔

جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے۔

غیر را ہرگز نمی باشد گذر در راہِ حق　　　　ہر کہ آید زآسماں او رازِ آں یار آورد

ترجمہ: (عرفان باری تعالیٰ کی راہ پر غیر کا گزر نہیں ہوسکتا۔ جو آسمان سے آتا ہے وہی اس محبوب کے راز لیکر آتا ہے)

سچی بات یہی ہے۔ آپ کا عرفان قرآن راہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی باتیں ہیں۔ اور ان کے بارے میں وہی کچھ کہہ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔

اس صداقت کی روشنی میں ہم نے آپ کی تفہیمات قرآنیہ کے حقیقی منصب کو ظاہر کرنے کے لئے اس کتاب کا اوّل باب ''فہم قرآن اور منصب حضرت اقدس'' کے عنوان پر قائم کیا ہے تاکہ ابتداء میں ہی ظاہر ہو جائے کہ عرفان قرآن کے تعلق میں اللہ تعالیٰ نے آپ حضرت کو کس منصب اور مقام پر فائز فرمایا ہے اور پھر ایسا ہو کہ آپ اپنے عرفان قرآن کی عظمت اور شان اللہ تعالیٰ کی وحی اور تائیدات کے ساتھ خود ہی اپنے الفاظ میں بیان کریں۔ یہی اس تالیف کو مرتب کرنے کا دستور ہے کہ حضرت اقدس کے سوا کسی اور کے کلام کا اس میں عمل دخل نہ ہو۔

اس دستور کی پاسداری میں ہم جو گزارشات پیش لفظ کے طور پر کرنا چاہتے ہیں ان کو بھی حضرت اقدس کے اقتباسات کی صورت میں پیش کریں گے۔ ہمارا کام صرف اس قدر ہوگا کہ ان کو معنوی ترتیب کے مطابق درج کر دیا جائے۔

دراصل پیش لفظ کے طور پر چند امور کو بیان کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس کی گئی کہ خاکسار نے خیال کیا کہ اقتباسات کی صورت میں جو مضامین بیان ہوتے ہیں۔ ان میں ہزار کوشش پر بھی معنوی تسلسل قائم نہیں رہتا۔ اس لئے بہت سے اہم موضوعات جو دراصل مندرجات کتاب کی جان اور روح رواں ہوتے ہیں قاری کے مطالعہ میں نہیں آتے یا وہ ان پر سرسری نظر ڈال کر گذر جاتا ہے اور کتاب کے مرکزی نکتہ کو اخذ نہ کرنے کی وجہ سے کتاب کی حقیقی افادیت سے محروم ہو جاتا ہے۔

اس لئے جس قاری نے اس کتاب کو جستہ جستہ پڑھنا ہے۔ اوراس کا التزاماً مکمل مطالعہ نہیں کرنا اس کے لئے یہ امر بہت فائدہ مند ہوگا ابتداہی میں یہ واضح کر دیا جائے کہ:

اوّل حضرت اقدس نے نزول معارف قرآن کے بارے میں کیا دستورِ خداوندی بیان کیا ہے۔

اور دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کن مقاصد کے حصول کے لئے آپ کو قرآن کریم کے دقائق اور معارف عطا کئے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی جناب سے جو قرآن کریم کا عرفان اوراس کا فہم وادراک حاصل ہوا ہے۔ اس کے نزول کے محرکات اور مقاصد کو اگر نہایت درجہ اختصار سے بیان کرنا مقصود ہو تو اس کی صورت اسی طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ اس مضمون میں اول اس بنیادی اصول کو بیان کیا جائے جسکو حضرت اقدس نے نہ صرف فہم قرآن بلکہ قرآن کریم کے نزول کے بارے میں سنت اللہ کے طور پر بیان فرمایا ہے۔

آپ فرماتے ہیں۔

'' اصل حقیقت وحی کی یہ ہے جو نزول وحی کا بغیر کسی موجب کے جو مستدعی نزول وحی ہو ہرگز نہیں ہوتا۔ بلکہ ضرورت کے پیش آ جانے کے بعد ہوتا ہے۔ اور جیسی جیسی ضرورتیں پیش آتی ہیں بمطابق ان کے وحی بھی نازل ہوتی ہے کیونکہ وحی کے باب میں یہی عادت اللہ جاری ہے کہ جب تک باعث محرک وحی پیدا نہ ہولے تب تک وحی نازل نہیں ہوتی۔ اور خود ظاہر بھی ہے جو بغیر موجودگی کسی باعث کے جو تحریک وحی کی کرتا ہو یونہی بلا موجب وحی کا نازل ہو جانا ایک بے فائدہ کام ہے جو خداوند تعالیٰ کی طرف جو حکیم مطلق ہے اور ہر یک کام برعایت حکمت اور مصلحت اور مقتضاء وقت کے کرتا ہے منسوب نہیں ہوسکتا۔ (براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 75 حاشیہ 2)

اس اصل الاصول کی صداقت کے ثبوت میں آپ سورۃ الروم کی آیت:42 ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ...... الآیۃ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

'' آپؐ کی آمد کا وہ وقت تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے خود ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ......الآیۃ (الروم:42) سے بیان کیا ہے یعنی نہ خشکی میں امن تھا نہ تری میں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ اہل کتاب اور غیر اہل کتاب سب بگڑ چکے تھے اور قسم قسم کے فساد اور خرابیاں ان میں پھیلی ہوئی تھیں۔ گویا زمانہ کی حالت بالطبع تقاضا کرتی تھی کہ اس وقت ایک زبردست ہادی اور مصلح پیدا ہو۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 578)

اس بنیادی اصول کو سورۃ بنی اسرائیل کی آیت 106 وَ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ ...... کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔'' اور ہم نے اس کو ضرورت حقہ کیساتھ اتارا ہے۔ اور ضرورت حقہ کیساتھ یہ اترا ہے۔ یہ نہیں کہ فضول اور بے فائدہ اور بے وقت نازل ہوا ہے۔''

ایک اور مقام پر اس اصل کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

خدائے تعالیٰ کی حقانی شریعت اور تعلیم کا نازل ہونا ضرورات حقہ سے وابستہ ہے۔ پس جس جگہ ضرورات حقہ پیدا ہوگئیں اور زمانہ کی اصلاح کیلئے واجب معلوم ہوا کہ کلام الٰہی نازل ہو۔ اسی زمانہ میں خدائے تعالیٰ نے جو حکیم مطلق ہے اپنے کلام کو نازل کیا۔ (براہین احمدیہ۔ ر۔خ جلد 1 صفحہ 416 حاشیہ نمبر 11)

اس مقام تک عمومی طور پر جو بھی تعلیم خداوندی انسان کے لئے نازل ہوئی ہے اس کے نزول کا دستورِ خداوندی اور خصوصاً قرآن کریم کی وحی کے نازل ہونے کے محرکات اور موجبات کا بیان ہوا ہے۔

اس کی ترتیب اس طرح سے ہے :۔

اوّل یہ کہ بغیر کسی محرک کے خدا تعالیٰ کی وحی اور اس کی تعلیم نازل نہیں ہوتی۔

دوم یہ کہ محرک نزولِ وحی ضرورت حقّہ ہوتی ہے۔

اور سوم یہ کہ قرآن کریم کے نازل ہونے کا محرک اور ضرورت آنحضرت صلعم کے وقت کا روحانی انحطاط اور کامل گمراہی تھی۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ قرآن کریم کے معارف کے نزول کے بارے میں حضرت اقدس نے کیا دستور خداوندی سنت اللہ کے طور پر پیش کیا ہے۔

اس مضمون میں آپ نے اوّل قدم پر اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ قرآن کا نزول اور رسول اکرم ﷺ کی بعثت کَـافَّةً لِّـلنَّـاسِ یعنی تمام انسانوں کے لئے ہوئی ہے اس لئے یہ ضروری امر ہے کہ قرآن کریم کی بنیادی تعلیمات عام فہم اور آسان ہوں تا کہ ہر قابلیت کا انسان ان کو سمجھ سکے۔

یعنی یہ کہ قرآن کریم کے پیغام سمجھنے کے لئے اعلیٰ علمی اور ذہنی قابلیت شرط نہ ہو۔ بلکہ کم از کم استعداد ذہنی رکھنے والا انسان بھی اس سے راہ نمائی حاصل کر سکے۔

سورۃ آل عمران کی آیت 65 **قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہ** ...... الآیۃ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

’’قرآنی تعلیم کا دوسرا کمال۔کمال تفہیم ہے۔یعنی اس نے ان تمام راہوں کو سمجھانے کے لئے اختیار کیا ہے جو تصور میں آ سکتے ہیں۔**اگر عامی ہے تو اپنی موٹی عقل کے موافق اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور اگر فلسفی ہے تو اپنے دقیق خیال کے مطابق اس سے صداقتیں حاصل کرتا ہے۔**‘‘ (جنگ مقدس۔ر۔خ۔جلد 6 صفحہ 289)

اسی مضمون کو ایک اور مقام پر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو عام تبلیغ کا حق ادا نہ ہو سکتا۔

سورۃ واقعہ کی آیت 76 **فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ** ...... الآیۃ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

’’یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ اگر علم قرآن خاص بندوں سے مخصوص کیا گیا ہے تو دوسروں سے نافرمانی کی حالت میں کیونکر مواخذہ ہوگا۔ **کیونکہ قرآن کریم کی وہ تعلیم جو مدار ایمان ہے وہ عام فہم ہے۔اس کو ایک کافر بھی سمجھ سکتا ہے۔اور ایسی نہیں ہے کہ کسی پڑھنے والے سے مخفی رہ سکے۔وہ اگر عام فہم نہ ہوتی تو کارخانہ تبلیغ ناقص رہ جاتا۔**

(کرامات الصادقین۔ر۔خ۔جلد 7 صفحہ 53)

اسی مضمون کی مزید وضاحت میں سورۃ اعراف کی آیت 159 **یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا** ......الایۃ اور سورۃ احزاب کی آیت 41 **وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ** ......الایۃ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

''جس قدر اس زمانہ کی ضرورتوں کے موافق اس زمانہ میں اسرار ظاہر ہونے ضروری تھے وہ اس زمانہ میں ظاہر کئے گئے۔ **مگر وہ باتیں جو مدار ایمان ہیں اور جن کے قبول کرنے اور جاننے سے ایک شخص مسلمان کہلا سکتا ہے وہ ہر زمانہ میں برابر طور پر شائع ہوتی رہیں۔**'' (کرامات الصادقین۔ر۔خ جلد 7 صفحہ 62)

قرآن کریم اور اس کے عام عرفان کے نزول کے بارے میں اس اول حقیقت کا بیان ہونے کے بعد ہم اس مقام پر آتے ہیں کہ معلوم کریں کہ قرآن کریم کے دقائق اور معارف کے نازل ہونے کا دستور خداوندی کیا ہے۔

اس امر کی وضاحت میں حضرت اقدس بیان فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے دقائق اور معارف کا نزول بغیر کسی ضرورت پیش آمدہ کے نہیں ہوتا اور اُسی قدر ہوتا ہے جتنی کہ اس وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ سورۃ حجر کی آیت 22 کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَ مَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۔ (الحجر:22)

''دنیا کی تمام چیزوں کے ہمارے پاس خزانے ہیں مگر بقدر ضرورت ومقتضائے مصلحت وحکمت ہم ان کو اتارتے ہیں۔ اس آیت سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ ہر یک چیز جو دنیا میں پائی جاتی ہے وہ آسمان سے ہی اتری ہے اس طرح پر کہ ان چیزوں کے علل موجبہ اسی خالق حقیقی کی طرف سے ہیں اور نیز اس طرح پر کہ اسی کے الہام اور القاء اور سمجھانے اور عقل اور فہم بخشنے سے ہر یک صنعت ظہور میں آتی ہے لیکن زمانہ کی ضرورت سے زیادہ ظہور میں نہیں آتے اور **ہر یک مامور من اللہ کو وسعت معلومات بھی زمانہ کی ضرورت کے موافق دی جاتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس قرآن کریم کے دقائق ومعارف وحقائق بھی زمانہ کی ضرورت کے موافق ہی کھلتے ہیں۔**''

(ازالہ اوہام۔ر۔خ جلد 3 صفحہ 451-450)

اس حقیقت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب ضرورت پیش آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی روحانی معلم کو بھیج کر قرآن کے باطنی علوم ظاہر فرماتا ہے۔

فرماتے ہیں۔

قرآن جامع جمیع علوم تو ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی زمانہ میں اسکے تمام علوم ظاہر ہو جائیں بلکہ جیسی جیسی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ویسے ویسے قرآنی علوم کھلتے ہیں اور **ہر یک زمانہ کی مشکلات کے مناسب حال ان مشکلات کو حل کرنے والے روحانی معلم بھیجے جاتے ہیں جو وارث رسل ہوتے ہیں اور ظلی طور پر رسولوں کے کمالات کو پاتے ہیں** اور جس مجدد کی کارروائیاں کسی ایک رسول کی منصبی کارروائیوں سے شدید مشابہت رکھتی ہیں وہ عند اللہ اسی رسول کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ (شہادت القرآن۔ر۔خ جلد 6 صفحہ 348)

اس مقام تک فرمودات حضرت اقدس میں جو حقائق بیان ہوئے ہیں ان کی ترتیب اس طرح سے ہے:

اول یہ کہ قرآن کریم کی وہ تعلیم جو مدار ایمان ہے وہ عام فہم اور آسان ہے۔

دوم یہ کہ قرآن کریم کے دقیق حقائق اور معارف ضرورت زمانہ کے موافق کھلتے ہیں۔

سوم یہ کہ جب کسی زمانے کی دینی اور روحانی مشکلات کے حل کی ضرورت پیش آتی ہے تو ان کو حل کرنے کی غرض سے روحانی معلم بھیجے جاتے ہیں۔

اس حد تک یہ امور تو واضح ہو گئے کہ قرآن کریم کی تعلیم کے نزول میں دستور خداوندی کیا ہے۔ اور یہ کہ وہ کیا محرکات اور عوامل ہوتے ہیں جو شریعت اور اس کے عرفان کے نازل ہونے کا موجب ہوتے ہیں۔ اور یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ نزول شریعت کے اصول کے مطابق قرآن کریم کے دقائق اور معارف بھی بغیر کسی ضرورت پیش آمدہ کے ظاہر نہیں ہوتے۔

اس مقام پر یہ جائزہ لینا ہے کہ حضرت اقدس نے اپنے وقت کی دینی ضروریات کو کس طور سے بیان کیا ہے اور آپ کے وقت کے کیا تقاضے تھے جن سے عہدہ برا ہونے کے لئے آپ حضرت کو وحی الٰہی کی تائید کے ساتھ قرآن کریم کے حقائق اور معارف عطا کئے گئے۔ حضرت اپنے وقت کی دینی مشکلات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وہ پاک وعدہ جس کو یہ پیارے الفاظ ادا کر رہے ہیں کہ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ۔ (الحجر: 10) وہ انہیں دنوں کے لئے وعدہ ہے جو بتلا رہا ہے کہ جب اسلام پر سخت بلا کا زمانہ آئے گا اور سخت دشمن اس کے مقابل کھڑا ہوگا اور سخت طوفان پیدا ہوگا تب خدائے تعالیٰ آپ اس کا معالجہ کرے گا **اور آپ اس طوفان سے بچنے کے لئے کوئی کشتی عنایت کرے گا وہ کشتی اسی عاجز کی دعوت ہے۔** (آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ جلد 5 صفحہ 264 حاشیہ)

مزید فرماتے ہیں۔

اگر خدا تعالیٰ کو اسلام کی غیرت نہ ہوتی اور اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ (آل عمران: 20) خدا کا کلام نہ ہوتا اور اس نے نہ فرمایا ہوتا۔ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر: 10) تو بیشک آج وہ حالت اسلام کی ہو گئی تھی کہ اس کے مٹنے میں کوئی بھی شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی غیرت نے جوش مارا اور اس کی رحمت اور وعدۂ حفاظت نے تقاضا کیا کہ **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز کو پھر نازل کرے اور اس زمانہ میں آپؐ کی نبوت کو نئے سرے سے زندہ کر کے دکھا دے چنانچہ اس نے اس سلسلہ کو قائم کیا اور مجھے مامور اور مہدی بنا کر بھیجا۔**

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 65)

دین اسلام اور رسول اکرم کی نبوت کے خلاف جن بلاؤں اور جن دشمنوں کا ذکر حضرت نے فرمایا ہے۔ ان کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ یہ مخالفت اور دشمنی کا طوفان دو طور سے ظاہر ہوا تھا۔ **ایک امت محمدیہ کے اندرونی اختلافات اور بے راہ روی تھی اور دوسرے اسلام پر بیرونی طور پر اعتراضات اور اس کی حقانیت پر شکوک و شبہات کا طوفان تھا۔**

فرماتے ہیں۔

’’اور مجھے خدا کی پاک اور مطہّر وحی سے اطلاع دی گئی ہے کہ میں اس کی طرف سے مسیح موعود اور مہدی معہود اور اندرونی اور بیرونی اختلافات کا حکم ہوں۔ یہ جو میرا نام مسیح اور مہدی رکھا گیا ان دونوں ناموں سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے مشرف فرمایا اور پھر خدا نے اپنے بلا واسطہ مکالمہ سے یہی میرا نام رکھا اور پھر زمانہ کی حالت موجودہ نے تقاضا کیا کہ یہی میرا نام ہو۔‘‘ (اربعین۔ر۔خ۔جلد17 صفحہ 345-346)

اندرونی اعتبار سے امت مسلمہ کے جن مفاسد اور کج رویوں کی اصلاح آپ کے سپرد ہوئی تھی وہ اسلام کی حقیقی تعلیم کو اور حقیقی اسوۂ نبوی کو بھلا دینا تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیج اعوج (کج رو) کہا ہے اور جس کے بارے میں فرمایا ہے’’ لَیْسُوْا مِنِّیْ وَ لَسْتُ مِنْھُمْ ‘‘ یعنی ان کو میری طرف منسوب نہ کرو اور نہ ہی مجھے ان سے کوئی واسطہ ہے۔

فرماتے ہیں۔

’’جو کچھ اللہ نے چاہا تھا اس کی تکمیل دو ہی زمانوں میں ہونی تھی۔ایک آپؐ کا زمانہ اور ایک آخری مسیح و مہدی کا زمانہ یعنی ایک زمانہ میں تو قرآن اور سچی تعلیم نازل ہوئی لیکن اس تعلیم پر فیج اعوج کے زمانہ نے پردہ ڈال دیا جس پردہ کا اُٹھایا جانا مسیح کے زمانہ میں مقدر تھا جیسے کہ فرمایا کہ رسول اکرمؐ نے ایک تو موجودہ جماعت یعنی جماعت صحابہ کرامؓ کا تزکیہ کیا اور ایک آنے والی جماعت کا جس کی شان میں لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ آیا ہے۔سو یہ ظاہر ہے کہ خدا نے بشارت دی کہ ضلالت کے وقت اللہ تعالیٰ اس دین کو ضائع نہ کرے گا بلکہ آنے والے زمانے میں خدا حقائق قرآینہ کو کھول دے گا۔ **آثار میں ہے کہ آنے والے مسیح کی ایک یہ فضلیت ہوگی کہ وہ قرآنی فہم اور معارف کا صاحب ہوگا اور صرف قرآن سے استنباط کر کے لوگوں کو ان کی غلطیوں سے متنبہ کرے گا جو حقائق قرآن کی ناواقفیت سے لوگوں میں پیدا ہوگئی ہوں‘‘۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 25)

بیرونی اعتبار سے جن مفاسد دینیہ کے حملوں کا آپ نے دفاع کرنا تھا وہ غیر از اسلام دنیا کی طرف سے اعتراضات تھے جو ایک طوفان عظیم کی طرح سے اسلام کے مقابل پر برپا ہو گئے تھے۔

دین اسلام کے دفاع کی اس خدمت کے لئے جو منصب اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

’’جس قدر حق کے مقابل پر اب معقول پسندوں کے دلوں میں اوہام باطلہ پیدا ہوئے ہیں اور عقلی اعتراضات کا ایک طوفان برپا ہوا ہے اس کی نظیر کسی زمانہ میں پہلے زمانوں میں سے نہیں پائی جاتی۔لہٰذا ابتداء سے اس امر کو بھی کہ ان اعتراضات کا براہین شافیہ و کافیہ سے بحوالہ آیات قرآن مجید بکلی استیصال کر کے تمام ادیان باطلہ پر فوقیت اسلام ظاہر کر دی جائے اسی زمانہ پر چھوڑا گیا تھا کیونکہ پیش از ظہور مفاسد ان مفاسد کی اصلاح کا تذکرہ محض بے محل تھا۔اسی وجہ سے حکیم مطلق نے ان حقائق اور معارف کو اپنی کلام پاک میں مخفی رکھا اور کسی پر ظاہر نہ کیا جب تک کہ ان کے اظہار کا وقت آ گیا۔ **ہاں اس وقت کی اس نے پہلے سے اپنی کتاب عزیز میں خبر دے رکھی تھی جو آیت ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی** (الصف:10) **میں صاف اور کھلے کھلے طور پر مرقوم ہے۔سو اب وہی وقت ہے اور ہر یک شخص روحانی روشنی کا محتاج ہو رہا ہے سو خدائے تعالیٰ نے اس روشنی کو دیکر ایک شخص کو دنیا میں بھیجا وہ کون ہے؟ یہی ہے جو بول رہا ہے۔‘‘** (ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 514-515)

یہ قرآن کریم کے حقائق اور عرفان کی دوسری ضرورت تھی جس کو حضرت اقدس نے بہت دلفریب الفاظ میں بیان کیا ہے کہ اس مفسدۂ عظیم کی اصلاح کے لئے ایک فرد کو عرفان قرآن عطا کیا گیا۔ **اور وہ کون ہے؟ یہی جو بول رہا ہے۔**

اندرونی اور بیرونی مفاسد اور حملوں کی وضاحت اور نشاندہی کے تعلق میں مزید دو بہت پیارے اور مدلل فرامین حضرت اقدس پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ فرمودات ان دونوں مفاسد زمانہ کو یکجا طور پر بیان بھی کرتے ہیں اور ان کے اصلاح کے لئے حضرت اقدس کو جو منصب فہم قرآن کی نسبت سے عطا ہے اس پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔

فرماتے ہیں۔

''حضرت عیسیٰ کے مبعوث کرنے سے جو حضرت موسیٰ سے چودہ سو برس بعد آئے۔ خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ تھا کہ موسوی نبوت کی صحت اور اس سلسلہ کی حقانیت پر تازہ شہادت قائم کرے۔ اور نئی تائیدات اور آسمانی گواہوں سے موسوی عمارت کی دوبارہ مرمت کر دیوے۔ اسی طرح جو اس امت کے لئے مسیح موعود بھی چودھویں صدی کے سر پر بھیجا گیا اس کی بعثت سے بھی **یہی مطلب ہوا کہ جو یورپ کے فلسفہ اور یورپ کی دجالیت نے اسلام پر طرح طرح کے حملے کئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور پیشگوئیوں اور معجزات سے انکار اور تعلیم قرآنی پر اعتراض اور برکات اور انوار اسلام کو سخت استہزاء کی نظر سے دیکھا ہے اور ان تمام حملوں کو نیست و نابود کرے اور نبوت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف سلام کو تازہ تصدیق اور تائید سے حق کے طالبوں پر چمکا دے۔**''

(ایام الصلح۔ ر۔خ جلد 14 صفحہ 307`308)

مزید فرماتے ہیں۔

''میں اس وقت محض للہ اس ضروری امر سے اطلاع دیتا ہوں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اس چودھویں صدی کے سر پر اپنی طرف سے مامور کر کے دین متین اسلام کی تجدید اور تائید کے لئے بھیجا ہے **تا کہ میں اس پر آشوب زمانہ میں قرآن کی خوبیاں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتیں ظاہر کروں اور ان تمام دشمنوں کو جو اسلام پر حملہ کر رہے ہیں اُن نوروں اور برکات اور خوارق اور علوم لدنّیہ کی مدد سے جواب دوں جو مجھ کو عطا کئے گئے ہیں۔**''

(برکات الدعا۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 34)

گزشتہ میں بیان کردہ فرمودات حضرت اقدس سے جہاں یہ امر واضح ہو گیا ہے کہ آپ پر عرفان قرآن نازل ہونے کے محرکات اور ضرورت زمانہ کیا تھی۔ وہاں پر یہ بھی بیان ہو گیا ہے کہ ان دینی اور روحانی خدمات کو سرانجام دینے کے لئے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کن روحانی مناصب عالیہ سے سرفراز کیا گیا ہے۔

خدا تعالیٰ کے حکم اور منشاء کے مطابق حضرت اقدس نے اپنی خدمات کو دو مناصب عالیہ کے تحت قرار دیا ہے اور ان مناصب کے حامل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

آپ کا اول منصب اور دعویٰ مہدیٔ معہود ہونے کا ہے۔اور دوسرا منصب اور دعویٰ مسیح موعود ہونے کا ہے۔

فرماتے ہیں۔

مجھے خدا کی پاک اور مطہّر وحی سے اطلاع دی گئی ہے کہ میں اس کی طرف سے مسیح موعود اور مہدیٔ معہود ہوں۔"

(اربعین۔ر۔خ جلد 7 صفحہ 346`345)

اول دعویٰ یعنی مہدیٔ معہود کی ذیل میں جو جلیل القدر مناصب آتے ہیں ان میں سرخیل کے طور پر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانیہ ہے۔اور پھر درجہ بدرجہ آنخضرت کے اسم احمد کی تجلی۔ وارث رسول اکرمؐ نائب رسول اکرمؐ اور دین اسلام میں حکم وعدل ہونے اور چودھویں صدی کے مجدد اسلام ہونے کے دعاوی ہیں جو کہ بنیادی اور اساسی ہیں۔

دوسرا منصب عالیہ یعنی دعویٰ مسیح موعود کی ذیل میں جو مناصب آتے ہیں وہ مثیل مسیح علیہ السلام اور کاسر صلیب کے دعاوی ہیں۔

آپ حضرت نے ان سب دعاوی کو ایک ہی مقام پر ایسے بیان کیا ہے۔فرماتے ہیں۔

ازیں بود کہ چوں سالِ صدی تمام شود ‏ ‏ ‏ برآید آنکہ بدیں نائبِ خدا باشد
رسید مژدہ زغیبم کہ من ہماں مردم ‏ ‏ ‏ کہ او مجدّدِ ایں دین و راہنما باشد
منم مسیح ببانگِ بلند مے گویم ‏ ‏ ‏ منم خلیفۂ شاہے کہ برسما باشد
مویّدیکہ مسیحا دم ست و مہدیٔ وقت ‏ ‏ ‏ بشانِ او دگرے کَے ز اتقیاءِ باشد
منم مسیحِ زمانم منم کلیمِ خدا ‏ ‏ ‏ منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد

مرنج از سخنم ایکہ سخت بے خبری
کہ اینکہ گفتہ ام از وحیٔ کبریا باشد

(تریاق القلوب۔ر۔خ جلد 15 صفحہ 134-132)

ترجمہ: ا۔ یہی وجہ ہے کہ جب صدی کے سال ختم ہوتے ہیں تو ایسا مرد ظاہر ہوتا ہے جو دین کے لئے خدا کا قائمقام ہوتا ہے۔

۲۔ مجھے غیب سے یہ خوشخبری ملی ہے کہ میں وہی انسان ہوں جو اس دین کا مجدد اور راہ نما ہے۔

۳۔ میں بلند آواز سے کہتا ہوں کہ میں ہی مسیح ہوں اور میں ہی اس بادشاہ کا خلیفہ ہوں جو آسمان پر ہے۔

۴۔ وہ تائید یافتہ شخص جو مسیحادم اور مہدیٔ وقت ہے اس کی شان کو اتقیا میں سے کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

۵۔ میں ہی مسیح وقت ہوں اور میں ہی کلیم خدا ہوں میں ہی وہ محمد اور احمد ہوں جو مجتبیٰ ہے۔

٦۔ اے وہ شخص جو بالکل بے خبر ہے میری بات سے ناراض نہ ہو کہ جو میں نے کہا ہے یہ خدا کی وحی سے کہا ہے۔

یہ وہ مناصب عالیہ ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا کئے گئے۔ اور آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ ان روحانی مناصب کے حامل ہونے کا دعویٰ کریں اور تمام دنیا کی سعید روحوں سے ان کی تصدیق پر بیعت لیں۔

حضرت اقدس کے فرمودات سے یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آپ کے تمام روحانی مناصب اور آپ کے دعاوی دراصل اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت کے ثبوت اور استحکام کی غرض سے عطا کئے گئے ہیں۔ آپ ہی کے دین اور آپ ہی کے قرآن اور آپ ہی کی نبوت اور اسوۂ حسنہ کو زندہ کرنے کی خدمت بطور ظل اور بروز آپ کے سپرد کی گئی ہے۔ یہ ایک کامل اتحاد ہے جس کے بیان میں حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں۔

”و انزل الله علی فیض هذا الرسول ۔ فاتمه و اکمله و جذب الی لطفه و جوده حتی صارا وجودی وجوده ۔ فمن دخل فی جماعتی دخل فی صحابة سیدخیر المرسلین۔ و هذا هو معانی ” وآخرین منهم“ کما لایخفی علی المتدبرین۔ و من فرق بینی و بین المصطفیٰ فما عرف و ما رایٰ۔ (خطبہ الہامیہ۔ ر۔خ جلد16 صفحہ 259`258)

ترجمہ: خدا نے مجھ پر اس رسول کا فیض نازل فرمایا اور اس کو کامل بنایا۔ اور نبی کریم کے لطف اور جود کو میری طرف کھینچا یہاں تک کہ میرا وجود اس کا وجود ہو گیا۔ پس جو میری جماعت میں داخل ہوا وہ درحقیقت میرے سردار خیر المرسلین کے صحابہ میں داخل ہوا۔ اور یہی معانی اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کے ہیں۔ جیسا کہ سوچنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ **اور جو شخص مجھ میں اور رسول اکرم میں تفریق کرتا ہے اس نے مجھے نہیں دیکھا اور نہیں پہچانا۔**

اس کامل اتحاد اور یگانگت کو قائم کرنے کی ضرورت کے بیان میں فرماتے ہیں۔

” چونکہ آنحضرت ﷺ کا حسب آیت اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ (لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ) دوبارہ تشریف لانا بجز صورت بروز غیر ممکن تھا۔ اس لئے آنحضرت ﷺ کی روحانیت نے ایک ایسے شخص کو اپنے لئے منتخب کیا جو خلق اور خُو میں اور ہمدردئ خلائق میں آپ کے مشابہہ تھا۔ اور مجازی طور پر نام محمد اور احمد اس کو عطا کیا تا کہ یہ سمجھا جائے کہ گویا اس کا ظہور بعینہٖ آنحضرت ﷺ کا ظہور تھا۔ (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 263)

ان فرمودات کی روشنی میں یہ امر تو لازم قرار پاتا ہے کہ آنحضرتؐ کے دین کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے آپ حضرتؑ کو وہی عرفان قرآن عطا کیا جاتا جو آپ کے آقا اور مطاع کو عطا کیا گیا تھا اور آپ کو وہی روحانی قرب اور اسوۂ حسنہ عطا کیا جاتا جس کو زندہ کرنے کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی تھی۔ کیونکہ جہاں مقاصد میں باہم اشتراک ہو وہاں ان کے حصول کی خاطر قابلیت اور استعداد میں اشتراک اور اتحاد ایک لازم امر ہے۔

اس حقیقت کو حضرت اقدس نے بہت خوب بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

” اس جگہ یہ یہ بھی یاد رہے کہ جب مجھ کو تمام دنیا کی اصلاح کے لئے ایک خدمت سپرد کی گئی ہے۔ اس وجہ سے کہ ہمارا آقا اور مخدوم تمام دنیا کے لئے آیا تھا تو اس عظیم الشان خدمت کے لحاظ سے مجھے وہ قوتیں اور طاقتیں بھی دی گئی ہیں جو اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے ضروری تھیں۔ اور وہ معارف اور نشان بھی دیئے گئے ہیں جن کا دیا جانا اتمام حجت کے لئے مناسب وقت تھا۔ (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد22 صفحہ 155)

اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس پر جو معارف قرآن کی عنایت خاص کی ہے اس کے عالی مرتبہ منصب کے بیان میں ذیل کے فرامین بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

اول تو آپ کا الہام باری تعالیٰ ۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ہے۔ (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد22 صفحہ 73)

اس کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''خدا نے تجھے قرآن سکھلایا یعنی اس کے صحیح معنی تجھ پر ظاہر کئے۔'' اور اسی مضمون میں فرماتے ہیں۔

''**قرآن شریف کے لئے تین تجلیات ہیں۔** وہ سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے نازل ہوا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعہ سے اس نے زمین پر اشاعت پائی اور مسیح موعود کے ذریعہ سے بہت سے پوشیدہ اسرار اس کے کھلے۔ وَلِكُلِّ اَمْرٍ وَقْتٌ مَّعْلُوْمٌ۔ اور جیسا کہ آسمان سے نازل ہوا تھا ویسا ہی آسمان تک اس کا نور پہنچا اور **آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اس کے تمام احکام کی تکمیل ہوئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت میں اس کے ہر ایک پہلو کی اشاعت کی تکمیل ہوئی اور مسیح موعود کے وقت میں اس کے روحانی فضائل اور اسرار کے ظہور کی تکمیل ہوئی۔** منہ'' (براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد21 صفحہ 66 حاشیہ)

اس مقام تک یہ امور تو واضح ہو گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو عظیم المرتبہ عرفان قرآن آپ کو عطا کیا گیا ہے ان کا مقصود وہ خدمات دینیہ ہیں جن کو سرانجام دینے کے لئے آنحضرتؐ کی روحانیت نے آپ کا انتخاب کیا ہے۔ اور یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ یہ خدمات قرآنیہ آپ کے دعاوی کی صداقت کو ثابت کر کے ہی سرانجام دی جا سکتی ہیں۔

سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغام لانے والے کے دعاوی کی صداقت اس پیغام کی صداقت پر گواہ ہوتی ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے کلام کا حقیقی فہم اور اس کی تعلیم کا کامل ادراک مرسلین باری تعالیٰ کے درس ارشاد اور اسوۂ حسنہ سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں۔

وَ قَالُوْا اِلَی الْمَوْعُوْدِ لَیْسَ بِحَاجَةٍ — فَاِنَّ کِتَابَ اللهِ یَهْدِیْ وَ یُخْبِرُ

وَ مَا هِیَ اِلَّا بِالْغُیُوْرِ دَعَابَةً — فَیَا عَجَبًا مِّنْ فِطْرَةٍ تَتَهَوَّرُ

وَ قَدْ جَآءَ قَوْلُ اللهِ بِالرُّسُلِ تَوْءَمًا — وَ مِنْ دُوْنِهِمْ فَهْمُ الْهُدٰی مُتَعَسَّرُ

(ضمیمہ نزول المسیح۔ ر۔خ۔ جلد19 صفحہ 173-172)

* اور انہوں نے کہا کہ مسیح موعود کی طرف کچھ حاجت نہیں۔ کیونکہ اللہ کی کتاب ہدایت دیتی اور خبر دیتی ہے۔
* اور یہ تو خدائے غیور کے ساتھ ہنسی ٹھٹھا ہے۔ پس ایسی بیباک فطرتوں پر تعجب آتا ہے۔
* اور اصل حقیقت یہ ہے کہ خدا کا کلام اور رسول باہم توام ہیں۔ اور ان کے بغیر خدا کے کلام کا سمجھنا مشکل ہے۔

اس امر کی وضاحت کے لئے کہ جو عرفان قرآن آپ کو عطا ہوا ہے وہ آپ کے دعاوی کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے ایک نشان اور گواہ کے طور پر نازل ہوا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

علمِ قرآں علم آں طیب زباں　　علمِ غیب از وحیءِ خلّاقِ جہاں
ایں سہ علم از نشانہا دادہ اند　　ہر سہ ہمچو شاہداں استادہ اند

ترجمہ:- قرآن کا علم اور قرآن کی پاک زبان کا علم اور خدا کی وحی سے غیب کا علم یہ تین علوم مجھے نشان کے طور پر عطا کئے گئے ہیں۔ اور یہ تینوں میرے دعاوی کی صداقت کے ثبوت میں گواہ کے طور پر کھڑے ہیں۔

یہ وہی بات ہے جس کو حضرت نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر کے تعلق میں مرکزی نکتہ کے طور پر بیان کیا ہے یعنی یہ کہ سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں جو عرفان قرآن آپ کو عطا ہوا ہے وہ آپ کے دعاوی کی صداقت پر ایک گواہ ہے۔ اور قرآن کریم کے طالب علم اس حقیقت سے ناآشنا نہیں۔ کہ سورۃ فاتحہ قرآن کریم کے تمام مضامین کا خلاصہ اور سرنامہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

اے دوستو جو پڑھتے ہو ام الکتاب کو　　اب دیکھو میری آنکھوں سے اس آفتاب کو
اس کی قسم کہ جس نے یہ سورۃ اُتاری ہے　　اُس پاک دل پہ جس کی وُہ صورت پیاری ہے
یہ میرے رب سے میرے لئے اِک گواہ ہے　　یہ میرے صدق دعوی پہ مہر اللہ ہے
میرے مسیح ہونے پہ یہ اِک دلیل ہے　　میرے لئے یہ شاہد ربِ جلیل ہے
پھر میرے بعد اَوروں کی ہے انتظار کیا　　توبہ کرو کہ جینے کا ہے اعتبار کیا

آپ مشاہدہ کرلیں اس فرمان میں گواہ کا لفظ بھی آگیا اور شاہد کا لفظ بھی اور عرفان قرآن کا آپ کے دعاوی کے صدق پر مہرِ الٰہ ہونے کا بیان بھی کردیا گیا۔

حضرت اقدس کا فہم قرآن اور آپ کے دعاوی کے باہم تعلق کی اہمیت کو آپ ایک اور مقام پر بہت وضاحت سے ایک حتمی اور فیصلہ کن بیان میں فرماتے ہیں۔

نبوّت اور قرآن شریف کی کلید

میرے دعویٰ کا فہم کلید ہے نبوت اور قرآن شریف کی۔ جو شخص میرے دعویٰ کو سمجھ لے گا، نبوت کی حقیقت اور قرآن شریف کے فہم پر اس کو اطلاع دی جائے گی اور جو میرے دعویٰ کو نہیں سمجھتا۔ اس کو قرآن شریف پر اور رسالت پر پورا یقین نہیں ہوسکتا۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 393)

اس مقام تک جو فرمودات حضرت اقدس پیش کئے گئے ہیں ان میں وہ مرکزی نکتہ بیان ہوا ہے جس کی طرف تمام فرمودات حضرت قدم بقدم اشارہ کرتے ہوئے چلے آرہے تھے۔

اول یہ کہ جو تفہیمات قرآنیہ آپ کو عطا ہوئی ہیں وہ آپ کے وقت کی دینی اور روحانی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق تھیں اور ان سے عہدہ برا ہونے کے لئے تھیں۔ اور اسی قدر تھیں جتنی اس وقت کی ضرورت تھی۔

دوم یہ کہ ان دینی اور روحانی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے جو روحانی مناصب آپ کو عطا ہوئے ہیں۔ ان ہی کی تصدیق وتوثیق میں آپ کو فہم قرآن عطا ہوا ہے۔

اور سوم یہ کہ منشاء باری تعالیٰ یہی ہے کہ مہدی معہود اور مسیح موعود کے دعاوی کی صداقت کی بنیاد پر ہی اسلام کے خلاف حملوں کا دفاع ہو اور قرآن کریم کی صداقت ثابت ہو اور آنحضرت ﷺ کی تعلیم اور اسوہ کا احیاء ہو۔

دین اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے اور اس کی حفاظت اور سرفرازی کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے دو زمانے اور دو احمد مقرر فرمائے تھے۔

اول حقیقی زمانہ اور حقیقی احمد آنحضرت ﷺ تھے کہ آپ خاتم النبیین ہیں اور حقیقت میں آپ ہی احمد اور محمد ﷺ ہیں۔

دوسرا زمانہ اور دوسرا احمد آپ ہی کے ظلّ اور بروز کے طور پر ہونا تھا جس کے فرائض منصبی آپ کے دین اور آپ ہی کے اسوۂ کو زندہ کرنا تھا۔

اس مضمون کو حضرت اقدس سورۃ قصص کی آیت 71 وَ هُوَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ ...... الایۃ۔ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

انه تعالى ما اختار لنفسه ههنا اربعة من الصفات الا ليرى نموذجها فى هذه الدنيا قبل الممات۔ فاشار فى قوله و له الحمد فى الاولى والاخرة الى ان هذا النموذج يعطى لصدر الاسلام۔ ثم للا خرين من الامة الداخرة۔ وكذالك قال فى مقام اخر وهو اصدق القائلين ثلة من الاولين و ثلة من الاخرين فقسم زمان الهداية والعون والنصرة الى زمان نبينا صلى الله عليه وسلم و الى الزمان الاخر الذى هو زمان مسيح هذه الملة وكذالك قال و اخرين منهم لما يلحقوا بهم فاشار الى المسيح الموعود و جماعته والذين اتبعو هم فثبت بنصوص بينة من القران ان هذه الصفات قد ظهرت فى زمن نبينا ثم تظهر فى اخر الزمان و هو زمان يكثر فيه الفسق و الفساد و يقل الصّلاح والسداد ۔ (اعجاز المسیح ر۔خ۔جلد 18 صفحہ 155-153)

(ترجمہ از مرتّب) اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی ذات کی چار صفات کو محض اس لئے اختیار کیا ہے کہ تا وہ اس دنیا میں ہی انسان کو (یعنی دنیا کی) موت سے پہلے ان صفات کا نمونہ دکھائے۔ پس اس نے اپنے کلام لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ میں اشارہ فرمایا۔ کہ یہ نمونہ آغاز اسلام میں بھی عطا کیا جائے گا اور پھر امّت کی خواری کے بعد اس کے آخری لوگوں کو بھی (عطا کیا جائے گا) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ (قرآن مجید میں) فرمایا ہے اور وہ بات کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ سچا ہے۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ۔ (الواقعة:14) پس اللہ تعالےٰ نے ہدایت، مدد اور نصرت کے زمانہ کو ہمارے نبی کریں صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پر اور اس آخری زمانہ پر جو اس اُمّت کے مسیح کا زمانہ ہے تقسیم کر دیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ۔ (الجمعة:4) اس میں مسیح موعودؑ اس کی جماعت اور ان کے تابعین کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ پس قرآن کریم کی نصوص بیّنہ سے ثابت ہؤا کہ یہ صفات ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ظاہر ہوئیں پھر آخری زمانہ میں بھی ظاہر ہوں گی۔ اور آخری زمانہ ایسا زمانہ ہے جس میں بدکاری اور ہر قسم کی خرابیاں بکثرت پھیل جائیں گی اور راستی بہت ہی کم ہو جائے گی۔

اس آیت کی تفسیر میں مزید فرماتے ہیں۔

فاوى فيه الى احمدين و جعلهما من نعمائه الكاثرة۔ فالا ول منهما احمد المصطفى و رسولنا المجتبى۔ و الثانى احمد اخر الزمان الذى سمى مسيحا و مهديا من الله المنان۔ و قد استنبطت هذه النكتة من قوله۔ الحمد لله رب العالمين۔ فليتدبر من كان من المتدبرين۔ (اعجاز المسیح۔ر۔خ۔جلد 18 صفحہ 139)

(ترجمہ از مرتّب) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دو احمدوں کا ذکر فرما کر ہر دو کو اپنی بے پایاں نعمتوں میں شمار کیا ہے۔ **ان میں سے پہلے احمد تو ہمارے نبی احمد مصطفےٰ اور رسول مجتبیٰ صلی اللہ علیہ سلم ہیں اور دوسرا احمد احمد آخرالزمان ہے جس کا نام محسن خدا کی طرف سے مسیح اور مہدی بھی رکھا گیا ہے۔** یہ نکتہ میں نے خدا تعالیٰ کے قول **الحمد للہ رب العالمین** سے اخذ کیا ہے۔ پس ہر غور وفکر کرنے والے کو غور کرنا چاہیئے۔

دین اسلام کی تعلیم یعنی قرآن کریم کی حفاظت کی نسبت سے ان دو ہستیوں کے منصب کے بیان میں ذیل کا فرمان تو اس قابل ہے کہ اس کو آبِ زر سے لکھا جائے۔ سورۃ قصص کی مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

فحاصل هذاالبيان ان الله خلق احمدين فى صدر الاسلام و فى اخر الزمان۔ و اشار اليهما بتكرار لفظ الحمد فى اول الفاتحة و فى اخرها لا هل العرفان و فعل كذالك ليرد على النصرا نيين۔ و انزل احمدين من السماء ليكونا كا لجدارين لحماية الاولين و الاخرين۔ (اعجاز المسیح۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 198)

(ترجمہ از مرتب) پس خلاصہ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو احمد پیدا کئے ایک اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اور ایک آخری زمانہ میں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل عرفان کے لئے سورۃ فاتحہ کے شروع میں اور اس کے آخر میں الحمد کا لفظاً و معناً تکرار کر کے ان دونوں (احمدوں) کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور خدا نے ایسا عیسائیوں کی تردید کے لئے کیا ہے **اور اللہ تعالیٰ نے دو احمد آسمان سے اُتارے تا وہ دونوں پہلوں اور پچھلوں کی حمایت کے لئے دو دیواروں کی طرح ہو جائیں۔**

دیواروں کی تمثیل کو آپ ایک اور مقام پر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''میں اس زمانے کا حصن حصین ہوں۔ جو میرے میں داخل ہوگا وہ چوروں اور درندوں اور قزاقوں سے اپنی جان بچائے گا۔ **اور جو شخص میری دیواروں سے دور رہنا چاہتا ہے ہر طرف سے اس کو موت درپیش ہے۔ اور اس کی لاش بھی سلامت نہیں رہے گی۔** '' (فتح اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 34)

اس تمثیل کو آپ اپنے اردو اشعار میں ایسی خوب صورتی سے بیان کرتے ہیں کہ اس مضمون کے عرفان کا ابلاغ اس سے بہتر انداز میں نہیں ہوسکتا۔ فرماتے ہیں۔

ایک طوفاں ہے خدا کے قہر کا اب جوش میں　　نوح کی کشتی میں جو بیٹھے وہی ہو رستگار
صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے　　ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار
پشتیءِ دیوارِ دیں ہوں مامنِ اسلام ہوں　　نارسا ہے دستِ دشمن تا بفرقِ ایں جدار

ان تماثیل میں جن قد آور دیواروں اور قلعہ کی فصیلوں کا ذکر ہوا ہے وہ کیا ہیں اور ان کو کس غرض کے تحت استوار کیا گیا ہے؟ آپ نے از خود اس کی وضاحت ''پشتیءِ دیوارِ دیں'' اور ''مامنِ اسلام'' کے الفاظ میں بیان کر دی ہے۔ یعنی یہ کہ اس استعارے سے مراد قرآن کریم کی حقیقی تعلیم اور اس کے معارف کی وضاحت کے ظہور کا انتظام ہے۔

دراصل یہ استعارہ قرآن کریم ہی سے ماخوذ ہے۔ قرآن کریم نے اپنی تعلیم کو فرقان اور قولِ فصل قرار دیا ہے۔ یعنی حق و باطل میں امتیاز کرنے والا اور ان دونوں کے درمیان فیصلہ کن عدالت کرنے والا۔ یہ عدالت اول وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور فعل سے قرآن کریم کی تفسیر اور تعبیر کر کے قائم فرمائی۔ اور آخر وقت میں آپ کے فرمان کے مطابق مہدیٔ آخرالزمان نے اپنے منصبِ حَکم وعدل کے تحت قائم کی۔ انہی معنوں میں حضرت اقدسؑ نے دیوار اور حصار کے الفاظ اختیار کئے ہیں۔ کیونکہ دیوار دراصل مالکانہ حقوق کی تعیین اور دراندازی کو روکنے کے لئے قائم کی جاتی ہے۔ اور حضرت اقدسؑ اپنے اس منصب کو بیان کر رہے ہیں کہ فہمِ قرآن اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعیین کے لئے آپ کا فرمان حدِّ فاصل اور ممتاز ہے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ (الطارق:14) اور آپ کا منصبِ حکم وعدل دراصل ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔

اس استعارے میں ایک اور عظیم الشان حقیقت بھی مضمر ہے یعنی یہ کہ جبکہ آپ اس قلعہ کی دوسری دیوار اور حصار ہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ اسلام کے قلعہ کو ایک طرف سے کھلا رکھا گیا تھا۔

اس دروازے اور دیوار کو کھلا رکھنے میں حکمت یہ تھی کہ امت مسلمہ آزادی کے ساتھ قرآن کریم کی تعلیم پر غور وفکر کرسکے اور آنحضرت ﷺ کے فرمودات اور اسوۂ حسنہ کی تدوین اور تبویب ہوکر دینی علوم ہر طبقۂ فکر وخیال کے فہم کے مطابق ظاہر ہو جائیں۔ چنانچہ قرآن کریم کے بے شمار مفسرین ہیں۔ حدیث رسول کی متعدد صحاح اور مسانید ہیں اور فقہا کے متفرق مسالک ہیں اور دین اسلام کے ان گنت متکلمین ہیں۔

اور جب اس آزادئ فکر وخیال کے نتیجے میں قرآن کریم کے مفسرین اور متکلمین اور فقہا میں استنباط فی القرآن اور صحت حدیث رسول اکرم کے بارے میں اختلافات پیدا ہوں تو دین اسلام میں ان اختلافات کو ختم کرنے کے لئے اور قرآن کریم کے فرمودات کے حقیقی معانی بتانے کے لئے اور حقیقی اسوۂ رسول کو ظاہر کرنے کے لئے ایک حکم وعدل نازل ہو جوان تمام اختلافات کو الہام الٰہی اور روح القدس کی تائید کے ساتھ ختم کرے اور دین اسلام کو اندرونی اور بیرونی حملوں سے محفوظ کرنے کے لئے اس قلعہ کی دوسری دیوار کو پشتی ءِ دیوارِ دیں اور مامنِ اسلام بن کر استوار کردے۔

ان گزارشات کی تصدیق میں حضرت اقدس کا درج ذیل فرمان ہے۔ جو اس مضمون کے تمام دلائل اور استدلال کو ایک منطقی نتیجے کے طور پر بیان کررہا ہے۔

میرے پاس آؤ اور میری آواز سنو!

میری حیثیت ایک معمولی مولوی کی حیثیت نہیں بلکہ میری حیثیت سنن انبیاء کی سی حیثیت ہے۔ مجھے ایک سماوی آدمی مانو۔ پھر یہ سارے جھگڑے اور تمام نزاعیں جو مسلمانوں میں پڑی ہوئی ہیں ایک دم میں طے ہوسکتی ہیں۔ **جو خدا کی طرف سے مامور ہوکر حَکَم بن کر آیا ہے۔ جو معنی قرآن شریف کے وہ کرے وہی صحیح ہوں گے اور جس حدیث کو وہ صحیح قرار دے گا وہی حدیث صحیح ہوگی۔''** (ملفوظات جلد اول صفحہ 399)

ان فرمودات کی راہ نمائی میں حضرت اقدس پر قرآن کریم کے دقائق اور معارف کے نازل ہونے کے مقاصد کے تعلق میں چند امور تو روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتے ہیں۔

اول یہ کہ جب تک حضرت اقدس کا دور خسروی ہے اس وقت کی ضرورتوں اور تقاضوں سے عہدہ براء ہونے کے لئے جسقدر معارف قرآن نازل کرنے اللہ تعالیٰ نے درست خیال فرمائے ان کا اظہار کامل طور پر حضرت اقدس پر کردیا گیا ہے۔

اور دوم یہ کہ جو معارف قرآنیہ آپ کو عطا ہوئے ہیں وہ ان دعاوی کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے ہیں جن کے آپ حکمِ الٰہی کے تحت مدعی ہیں۔

نزولِ فہم قرآن کے اس مقصد کی وضاحت میں حضرت اقدس فرماتے ہیں۔

صرف قرآن کا ترجمہ اصل میں مفید نہیں جب تک اس کے ساتھ تفسیر نہ ہو مثلاً غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا الضَّآلِّيۡنَ (الفاتحة:7) کی نسبت کسی کو کیا سمجھ آ سکتا ہے کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جب تک کہ کھول کر نہ بتلایا جاوے اور پھر یہ دعا مسلمانوں کو کیوں سکھلائی گئی۔ اس کا یہی منشا تھا کہ جیسے یہودیوں نے حضرت مسیح کا انکار کر کے خدا کا غضب کمایا ایسے ہی آخری زمانے میں اس اُمّت نے بھی مسیح موعود کا انکار کر کے خدا کا غضب کمانا تھا۔ اسی لیے اوّل ہی ان کو بطور پیشگوئی کے اطلاع دی گئی کہ سعید رُوحیں اس وقت غضب سے بچ سکیں۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 449)

اور تیسرا بہت ہی اہم امر یہ ہے کہ اب جبکہ قرآن کریم کی تعبیر و تفسیر کو ایک مضبوط قلعہ کی دو نا قابل تسخیر فصیلوں میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ تو کسی فردِ امت کو یہ اختیار نہیں کہ وہ قرآن کریم کے ان دو پشتی بانوں اور مامنوں کے فرمودات کی راہ نمائی سے صرف نظر کر کے اور ان کے بتائے ہوئے اسالیب فہم قرآن کے کامل اتباع کئے بغیر اپنی عقل و فہم کے مطابق قرآن کریم کے معانی اور تفسیر بیان کرے۔ اس قلعہ بندی کے بعد جو تفسیر و تعبیر قرآن اس کی دیواروں سے باہر بیٹھ کر لکھی جائے گی اس کی صداقت پر مہر الٰہ نہیں ہوگی اور وہ لوح محفوظ کے مندرجات میں شمار نہیں کی جائے گی۔

حضرت اقدس کی بعثت کے بعد قرآن کریم کے حصن حصین کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔ اس حریم قدس میں کسی غیر کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ یہی وہ راز ہے جس کو آپ نے منصب حکم و عدل کی تعریف میں بیان کیا ہے۔ **آپ قرآن کریم کے عرفان کی آخری تجلّی ہیں۔ آپ امام آخر زمان ہیں۔ اور قرآن کریم کے خمخانے کی شراب معرفت کا آخری دورِ جام ہیں۔ اس لئے قرآن کریم کا فہم و ادراک صرف اور صرف اس جام کو نوش کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے۔**

آپ کا یہ شعر کسقدر بامعنی اور دلفریب ہے۔

احمدِ آخر زماں نامِ من است
آخریں جامے ہمیں جامِ من است

(احمد آخر زمان میرا نام ہے اور (معرفت الٰہی میں) میرا جام آخری جام ہے۔)

والسلام
غلام احمدِ آخر زماں
خاکسار
مرزا حنیف احمد

اظہارِ تشکر

حضرت اقدس کی تحریر اور تقریر سے خاکسار کی محبت بہت قدیم سے ہے۔اس محبت کے اظہار میں ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ آپ کے افاضات کے تعلق میں کوئی خدمت کروں۔آج سے پچاس سال قبل بھی ایک خدمت کا منصوبہ بنایا تھا۔مگر وہ اس زمانے میں وسائل کی کمی اور میری کم ہمتی کی وجہ سے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔

اس دوران میں جماعت کے زیر انتظام تفسیر حضرت اقدس کے عنوان سے کتب کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا تو میری دلی تمنا پھر بیدار ہوئی اور میں نے یہ سمجھا کہ اگر ان کتب کا مطالعہ کر کے حضرت اقدس کے بیان فرمودہ فہم قرآن کے اصول اور اسالیب کو موضوعات کے تحت ترتیب دے دیا جائے تو یہ بھی ایک خدمت ہوگی۔ اور قرآن کریم کی عظمت کے پیش نظر دیگر تمام خدمتوں سے یقیناً بہتر ہوگی۔

چنانچہ اس تالیف میں بیش سے بیشتر اقتباسات ''تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام'' کی آٹھ جلدوں سے اخذ کئے گئے ہیں۔تاہم بعض مقامات میں مضمون کی تشنگی کی بنا پر حضرت کی دوسری کتب سے بھی افادہ کیا گیا ہے۔

موضوعات کے تحت حضرت اقدس کے اردو، فارسی اور عربی اشعار کا چناؤ اور الہامات حضرت اقدس کا انتخاب خالصۃً خاکسار کا ہے۔

اس تالیف کی تکمیل میں بیس سال سے بھی زائد عرصہ صرف ہوا ہے۔اس طویل عرصہ کی ایک وجہ کارکردگی میں بے قاعدگی بھی ہے۔مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی تحریر و تفسیر ایک ایسا بحرِ بیکراں ہے کہ اس کا احاطہ کرنا ایک ناممکن بات ہے۔اس وسعت افاضات حضرت اقدس کیساتھ ایک بہت اہم اور مشکل مرحلہ یہ بھی تھا کہ حضرت کے عرفان کو اس طور سے سمجھنا کہ ان کو موضوعات کے تحت مقرر کیا جائے ایک استعداد علمی کا محتاج تھا۔اور یہ استعداد بار بار مطالعہ کرنے کے بعد آہستہ آہستہ ہی پیدا ہوتی ہے۔چنانچہ اگر بہت ہی کم اندازہ بیان کروں تو ایسے ہے کہ ہر ایک اقتباس کو اس کی معنوی نشست کی تعیین کرنے کے لئے دس مرتبہ سے زائد پڑھا گیا ہے۔اس محنت کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ موضوعات کی تعیین اور اقتباسات کے انتخاب اور ان کی ترتیب وار نشست میں سقم رہ گیا ہوگا۔ اس کوتاہی پر معذرت ہی کر سکتا ہوں۔ **و ما توفیقی الا باللہ۔**

دراصل یہ خدمت حضرت اقدس کے فرمودات کی موضوعات کے اعتبار سے ایک تبویب ہے۔تاکیداً کوشش کی گئی ہے کہ حضرت کے فرمودات کے سوا کسی اور کے قول و بیان کا اس میں دخل نہ ہو۔یہاں تک کہ مضامین کے عنوانات قائم کرنے میں بھی یہ احتیاط برتی گئی ہے کہ ان کے الفاظ حتی المقدور آپ ہی کے ہوں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ اس تالیف کے اکثر حوالے تفسیر حضرت اقدس کے نسخوں سے لئے گئے ہیں۔ مگر حوالہ جات کی مزید تحقیق کی غرض سے تقریباً تمام حوالہ جات حضرت اقدس کی کتب (روحانی خزائن) اور ملفوظات میں دوبارہ مشاہدہ کر کے ان ہی کے مطابق کر دیئے گئے ہیں۔ چند ایک ایسے ہونگے کہ باوجود تلاش بسیار کے اصل کتب میں دستیاب نہ ہوئے ہوں۔ اس صورت میں تفسیر حضرت اقدس کے حوالے کو ہی برقرار رکھا گیا ہے۔

ایک گذارش اور بھی ہے کہ حضرت اقدس کے وہ حوالے جو عربی زبان میں ہیں اس تحریر کو تفسیر کی کتب میں حرکات دی گئی ہیں۔ جبکہ حضرت اقدس کی کتب میں اکثر مقامات میں عربی عبارت پر حرکات نہیں ہیں۔ اس لئے اس اختلاف سے صرف نظر کیا جائے۔

ایک ضروری وضاحت یہ بھی ہے کہ اس تالیف میں چند مقامات پر اقتباسات میں بظاہر تکرار معلوم ہوگی اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ حضرت اقدس کا اسلوب بیان اس طور پر ہے کہ آپ ایک ہی فرمان میں بہت سے مضامین پر روشنی ڈال رہے ہوتے ہیں۔ اس لئے اس فرمان کا مکرّر پیش کرنا ضروری ہوتا ہے۔ شاید چند ایک مقامات میں ہمارے تساہل کا دخل بھی ہو۔ اس کے لئے معذرت کرتے ہیں۔

یہ تالیف حضرت اقدس کے خداداد فہم قرآن کے موضوع کے تحت تیار کی گئی ہے اس لئے اس کا دستور اس طور سے ہے کہ اول اس موضوع پر حضرت اقدس کے جو فرمودات ہیں ان کو اخذ کیا گیا ہے۔ دوسرے درجے پر حضرت اقدس نے جن معانی میں آیات قرآنیہ کی تفسیر و تعبیر کی ہے ان کو آیات کے تحت درج کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس طور پر بھی آپ کے فہم قرآن کے اسالیب پر روشنی پڑتی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے اسالیب فہم قرآن کو اخذ کرنے کا اصل قرینہ یہی ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ آپ نے فرمودات قرآنیہ کا کیا مفہوم لیا ہے اور ان کو کن معانی میں سمجھا ہے۔

اس تالیف کو اول ابواب میں اور ہر باب کے تحت فصول میں ترتیب دیا گیا ہے۔ کل ابواب دس ہیں۔

اوّل باب فہم قرآن اور منصب حضرت اقدس علیہ السلام کے عنوان پر قائم کیا گیا ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا ہے کہ یہ باب دراصل حضرت اقدس کے خداداد فہم قرآن کی اہمیت اور پُرعظمت مقام کا وہ تعارف ہے جو حضرت اقدس نے خدا تعالیٰ سے اطلاع پا کر خود بیان کیا ہے۔ اور دوسرا باب یعنی ''حضرت کا ذکر قرآن میں'' حضرت کے اسالیب فہم قرآن کو اخذ کرنے کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ کیونکہ اس میں دراصل آپ نے اپنے دعاوی کی تصدیق میں قرآنی فرمودات کو پیش کیا ہے۔ اور آپ کا یہ بیان تو پیش کیا جا چکا ہے۔ کہ آپ کے دعاوی کا فہم، فہم قرآن کی کلید ہے۔

دوبارہ عرض کرتا ہوں کہ حضرت اقدسؑ کی تفہیماتِ قرآنیہ کے بارے میں یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ آپ نے اپنے دعاوی کی تصدیق کی غرض سے قرآن کے فرمودات کو پیش کیا ہے۔ اس لئے جس فرمانِ قرآن کو آپ اپنے صدقِ دعویٰ پر محمول کر رہے ہیں اس فرمان کے کوئی اَور معانی اور تفسیر کرنا آپ کے دورِ خسروی میں کسی طور سے روا نہیں ہوسکتا۔ ایسے عمل سے نہ صرف یہ کہ فہمِ قرآن کی کلید ہاتھ سے نکل جاتی ہے بلکہ ایسا عمل آپ کے دعاوی کی صداقت کے قرآنی ثبوت پر پردۂ اخفاء ڈالنے کا موجب ہوتا ہے۔ اور آپ کی بعثت کی وہ اغراض جو قرآنِ کریم نے بیان کی ہیں ان کو کالعدم کرتا ہے۔ یہی وہ مرکزی نکتہ ہے جس کی پاسداری میں ہم نے یہ باب باندھا ہے۔ اور اس کو قدرِ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور آپ کی سورۃ فاتحہ کی تفسیر کو ایک جداگانہ منصب دیا ہے۔ اور یہ حقیقت تو بیان ہو چکی ہے سورۃ فاتحہ قرآن کریم کے مضامین کا خلاصہ اور سرنامہ ہے۔

اس بنا پر خاکسار سمجھتا ہے کہ اس باب کا تفصیلی مطالعہ حضرت اقدس کی تفہیمات قرآنیہ سے حقیقی فائدہ حاصل کرنے کے لئے از بس ضروری ہے۔ اس کے بعد دیگر ابواب آتے ہیں جن کو کتاب کی فہرست مضامین میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

جو علمی اور ادبی کام انتخاب کی نوعیت کے ہوتے ہیں ان میں دستور یہی ہے کہ وہ کام صرف اور صرف اسی کی محنت ہو جس نے انتخاب پیش کیا ہے۔ اس لئے کوشش اور محنت کے اعتبار سے یہ عرض کرنا ہے کہ حضرت اقدس کی کتب کا مطالعہ اور آپ کے فرمودات کے موضوعات کی تعیین اور اقتباسات کا چناؤ خالصۃً خاکسار کی عاجزانہ اور محبت بھری غلامانہ خدمت ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور حضرت اقدس علیہ السلام خاکسار کو اپنے غلاموں میں شمار فرمائیں اور بقول حافظ شیرازی اس طور سے حکم صادر فرمائیں۔

ز حاجبِ درِ خلوت سرائے خاص بگو
فلاں ز گوشہ نشینانِ خاکِ درگہ ماست

(اپنی خلوت سرائے خاص کے دربان کو حکم دو کہ فلاں تو میری درگاہ کے خاک نشینوں میں سے ہے۔)

اس تالیف کے خدمت گزاروں کے ذکر میں چند نام اور بھی ہیں۔

اوّل میجر (ریٹائرڈ) چوہدری سعید احمد صاحب ابن چوہدری محمد بوٹا صاحب مرحوم ہیں۔ آپ نے اس بیس پچیس سالہ کام کے مسودات کو ترتیب دینے میں اور حوالہ جات کو اصل کتب حضرت اقدس کی طرف منتقل کرنے میں بہت مدد کی ہے۔ یہ کام بہت محنت اور احتیاط کا تھا۔ آپ نے بہت محبت اور لگن سے اس کام کو سرانجام دیا ہے۔

دوسرا نام چوہدری محمد ادریس احمد صاحب ابن محترم محمد اسماعیل صاحب دیالگڑی مرحوم کا ہے۔ آپ نے چوہدری سعید احمد کے ساتھ مل کر اس ضخیم کتاب کے متن کی اصلاح کی غرض سے حضرت کی کتب سے اقتباسات کا موازنہ کیا ہے اور کتابت کی اغلاط کی اصلاح کے لئے Proof Reading کا کام بھی کیا ہے۔

یہ دونوں کام بھی بہت محنت طلب اور احتیاط کے طلبگار تھے۔ خاکسار ان دونوں عاشقان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بہت شکر گزار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جزائے خیر دے اور اپنی محبت سے نوازے۔ آمین

Composing اور Setting یہ دو کام بھی بہت نازک اور توجہ طلب تھے۔ محترم کرامت الرحمٰن صاحب اور طاہر محمود احمد صاحب (مربی سلسلہ) نے یہ خدمت بہت محبت اور محنت سے ادا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو جزا دے۔ آمین

خدمت گزاروں میں ایک نام محترم مولنا محمد سعید انصاری مبلغ احمدیت کا ہے۔ آپ نے حضرت اقدسؑ کے عربی اور فارسی زبانوں کے وہ اقتباسات جن کا ترجمہ اصل کتب میں نہیں تھا اس تالیف کے لئے ان کا ترجمہ کیا اور اپنی دعاؤں سے ہمارے کام کی مدد فرمائی۔ اللہ جزائے خیر دے۔ آمین

ایک نام میرے پیارے اور محبّ محترم شیخ رحمت اللہ صاحب بنگوی مرحوم کا ہے۔ آپ نے اپنی شب و روز کی مسلسل دعاؤں سے اس خدمت کی تکمیل کی خاطر میری مدد کی ہے اور ہر دم ہمت افزائی کی ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اس خدمت کا کتابی شکل میں مکمل ہونا آپ ہی کی دعاؤں سے ہوا ہے۔ آپ صاحبِ کشوف والہام تھے اور آپ نے کئی مرتبہ فرمایا تھا کہ آپ نے کشفی نظارے میں اس کتاب کو مکمل صورت میں دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے اور اپنی جناب میں مقعدِ صدق عطا فرمائے۔ آمین آپ کی اس عنایت خاص کی یاد میں خاکسار چاہتا ہے کہ چند الفاظ میں اپنے محسن کا تعارف پیش کروں۔ محترم شیخ صاحب کے والد محترم صحابی تھے۔ آپ کا نام حکیم شیخ عمر الدین تھا۔ شیخ صاحب کی روایت کے مطابق آپ کے والد کی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ اس خواہش کی بنا پر آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دعا کے لئے عرض کیا۔ حضرت اقدس نے خط کے ذریعے جواباً فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بیٹا دیگا۔ خادم دین ہوگا اور عمر دراز ہوگی۔ اس کا نام رحمت اللہ رکھنا۔ یہ ہیں میرے دوست جن کا نام حضرت اقدس نے خود تجویز فرمایا اور جن کے بارے میں خادم دین ہونے کی اور عمر دراز ہونے کی پیشگوئی کی۔ چنانچہ الحمد للہ کہ ایسے ہی ہوا۔ آپ نے باوجود دنیوی مشاغل کے تمام عمر دین کی خدمت میں گذار دی۔ اوّل جماعت لاھور اور پھر ربوہ میں محصل چندہ جات کے طور پر طویل خدمت کی۔ اور باوجود کمزور جسم ہونے کے 88 سال زندگی گذار کر بہشتی مقبرہ میں دفن ہوئے ہیں۔ اللھم اغفر وارحمہ۔ و انت خیر الراحمین۔

خاکسار خلافت لائبریری کے ادارے اور اس کے کارکنوں کا بھی بہت ہی شکر گزار ہے۔ خاص طور پر لائبریرین محترم حبیب الرحمٰن زیروی صاحب کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر لازم ہے۔ آپ نے تقریباً 18 سال تک خاکسار کو لائبریری میں ایک مخصوص جگہ دی اور ہر اعتبار سے میری ہمت افزائی کی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزاء خیر سے نوازے۔ آمین

اظہار تشکر میں عزیزم ڈاکٹر محمد احمد اشرف صاحب کا نام آخر پر آ رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا کام بھی آخر پر ہی ہوسکتا تھا۔ یعنی کتاب کی املاء اور حوالہ جات کو درست کرنا۔ اس لئے آخر پر آنا دراصل آپ کے کام کی غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے ہے۔ عزیزم ڈاکٹر صاحب نے چند ایام میں دن رات محنت کر کے کتاب کو لفظاً لفظاً پڑھا ہے اور بہت سی املاء اور حوالہ جات کی اغلاط کی نشاندہی کی ہے۔ کتاب کی ضخامت کے پیش نظر آپ کا کام بے انتہا تحسین اور تشکر چاہتا ہے۔

خاکسار ان کا صرف ممنون ہی نہیں بلکہ بہت شکر گزار ہے۔ آپ نے کتاب کے مندرجات کی صحت کو قائم کیا اور اس کی افادیت کو دوبالا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم اور فرمودات حضرت مسیح موعودؑ سے آپ کی محبت کو ہمیشہ قائم رکھے اور ترقی دے۔ آمین تعارف کے طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے والد صاحب مکرم محمدؐ شفیع اشرف صاحب مرحوم بھی واقف زندگی مبلغ احمدیت تھے اور صاحب علم و ادب انسان تھے۔ آپ سلسلے کے بہت سے اہم عہدوں پر فائز رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔ آمین

والسلام

خاکسار

مرزا حنیف احمد

باب اوّل

فہمِ قرآنِ کریم

اور

منصب حضرت اقدس علیہ السلام

الہام حضرت اقدسؑ :-

مَآ اَنَا اِلَّا کَالْقُرْاٰنِ وَ سَیَظْھَرُ عَلٰی یَدَیَّ مَا ظَھَرَ مِنَ الْفُرْقَانِ

میں تو بس قرآن ہی کی طرح ہوں اور عنقریب میرے ہاتھ پر ظاہر ہوگا جو کچھ فرقان سے ظاہر ہوا۔

(تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 674)

حضرت مسیح علیہ السلام جیسے اپنی کوئی شریعت لے کر نہ آئے تھے بلکہ توریت کو پورا کرنے آئے تھے۔ **اسی طرح پر محمدی سلسلہ کا مسیح اپنی کوئی شریعت لے کر نہیں آیا بلکہ قرآن شریف کے احیاء کے لئے آیا ہے** اور اس تکمیل کے لئے آیا ہے جو تکمیل اشاعتِ ہدایت کہلاتی ہے۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 361)

حضرت اقدسؑ کی صداقت کے تین گواہ

علمِ قرآن علمِ آں طیّب زباں
علمِ غیب ازوحیِ خلّاقِ جہاں

قرآن کا علم اس پاک زبان کا علم اور الہام الٰہی سے غیب کا علم ۔

ایں سہ علم چوں نشانہا دادہ اند
ہر سہ ہمچوں شاہداں استادہ اند

یہ تین علم مجھے نشان کے طور پر دیے گئے ہیں اور تینوں بطور گواہ میری تائید میں کھڑے ہیں ۔

(درثمین فارسی صفحہ 187 نیا ایڈیشن)(تحفۂ غزنویہ۔ ر۔خ جلد 15 صفحہ 533)

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	پہلی فصل	
	حضرت اقدسؑ کے الہامات ورویاء الٰہیہ کے اعتبار سے	
1	الہامات حضرت اقدسؑ	7
2	رویاء الٰہیہ حضرت اقدسؑ	8
	دوسری فصل	
	جس طرح حضرت عیسیٰؑ توریت کے احیاء کیلئے آئے تھے اسی طرح حضرت اقدسؑ قرآنِ کریم کے احیاء کیلئے آئے ہیں۔	
3	قرآنِ کریم خاتم الکتب ہے۔اس لئے حضرت اقدسؑ کو اسی کے احیاء کے لئے بھیجا گیا۔	9
4	حضرت اقدسؑ قرآنِ کریم کے شارح ہیں۔	10
5	حضرت عیسیٰؑ کی مماثلت میں قرآنِ کریم کی صحیح تعلیم کو بھی پیش کرنا ضروری تھا	״
6	حضرت اقدسؑ قرآنِ کریم کے وارث ہیں۔	״
	تیسری فصل	
	حضرت اقدسؑ قرآنِ کریم کی تیسری تجلّی ہیں۔	
7	الہام حضرت اقدسؑ	11
8	فرمان حضرت اقدسؑ	״
9	حضرت اقدسؑ کے دعاوی کی سمجھ فہمِ قرآن کی کلید ہے۔	11
10	آپ کے وقت میں حقائق قرآنیہ ظاہر ہوں گے۔	12
11	حضرت اقدسؑ قرآنِ کریم کے خزانوں کو تقسیم کرنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔	״
12	اشعار حضرت اقدسؑ	13
	چوتھی فصل	
	اوّلیتِ قرآنِ کریم ثابت کرنے کے اعتبار سے۔	
13	فرمودات اور دعاوی حضرت اقدسؑ ۔	14
14	فرمانِ قرآن حدیث کی صداقت کے لئے محک ہے	״
15	قرآن دینِ قیّم ہے	15
16	فرمانِ قرآن تمام الہامات پر بطور مہیمن اور محک کے ہے۔	16
17	سچا خدا وہی ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے	17
18	جماعت کو نصیحت۔	18
	پانچویں فصل	
	حضرت اقدسؑ کے دل کو کشوف والہام سے روشن کیا گیا۔	

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
19	الہامات وکشوف حضرت اقدسؑ	19
20	حضرت اقدسؑ کی وحی کا ذکر قرآن میں	21
21	حضرت اقدسؑ الہام اور وحی سے قرآن کو سمجھتے ہیں۔	22
22	نبی کی ہر بات جو کامل توجہ سے کی جائے وہ وحیٔ الٰہی کا رتبہ رکھتی ہے۔	23
23	محدث اپنے نبی متبوع کا پورا ہمرنگ ہوتا ہے۔	24
24	انبیاء وحیٔ الٰہی کے احکام کے بغیر کوئی تبلیغ وتعلیم نہیں کرتے۔	25
	چھٹی فصل	
	روح القدس کی تائید کے اعتبار سے۔	
25	تفسیر آیت وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى	26
26	روح القدس کی تائید اور چمک ہمیشہ نبی کے شاملِ حال رہتی ہے	27
	ساتویں فصل	
	حضرت اقدسؑ نے قرآن کریم کے علوم اور معارف خدا تعالیٰ سے حاصل کئے ہیں۔	
27	الہام حضرت اقدسؑ	28
28	اشعار حضرت اقدسؑ	28
28a	مہدیٔ وقت علم دین صرف خدا تعالیٰ سے ہی حاصل کرتا ہے	30
29	حضرت اقدسؑ اپنے وقت کے آدم تھے۔	31
30	فہمِ قرآن کے لئے پاک نفس ہونے کی شرط ہے۔	32
31	حضرت اقدسؑ کو قرآن کریم کے رموز	

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
	بتائے گئے۔	33
32	الہام حضرت اقدسؑ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى۔	35
	آٹھویں فصل	
	نشانات اور معجزاتِ قرآنیہ دوبارہ دکھا کر	
33	الہامات حضرت اقدسؑ۔	36
34	نئے نشانوں کی ضرورت۔	37
35	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک زندہ نبی ہیں۔ آپؐ کے نشانات اور معجزات ہر وقت زندہ موجود ہیں	38
36	قرآن میں بیان شدہ معجزات وخوارق دوبارہ دکھا کر۔	39
37	آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے	//
38	نشانات کے اعتبار سے یہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ہے	40
39	حضرت اقدسؑ اس زمانے کا نور ہیں	41
	نویں فصل	
	احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے۔	
40	الہام حضرت اقدسؑ۔	42
41	فرمودات حضرت اقدسؑ۔	//
42	بیت اللہ کے نیچے کا خزانہ۔	44
	دسویں فصل	
	بعثتِ ثانیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے۔	
43	الہامات حضرت اقدسؑ۔	45

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
44	انبیاء کا وجود ظلی طور پر باقی رہتا ہے	46
45	حقیقتِ مثیل اور ظلِ انبیاء۔	47
46	بروز کی حقیقت	//
47	حضرت اقدسؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بروز ہیں۔	48
	گیارہویں فصل	
	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد اور وارث کامل ہونے کے اعتبار سے۔	
48	الہامات حضرت اقدسؑ۔	50
49	حضرت اقدسؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے علوم کے وارث ہیں۔	53
50	وارث انبیاء ہمیشہ ہوتے رہیں گے	54
51	حضرت اقدسؑ قرآن کریم کے وارث ہیں۔	56
	بارہویں فصل	
	حفاظتِ قرآنِ کریم کے اعتبار سے۔	
52	وعدۂ حفاظتِ قرآنِ کریم۔	57
53	وعدۂ حفاظتِ قرآنِ کریم کے معنی	//
54	حضرت اقدسؑ حفاظتِ قرآن کریم کی غرض سے مبعوث ہوئے ہیں۔	58
	تیرہویں فصل	
	معلمِ قرآنِ کریم ہونے کے اعتبار سے	
55	الہامات حضرت اقدسؑ۔	60
56	حضرت اقدسؑ آسمانی معلمِ قرآن ہیں۔	61
57	معلمِ قرآن کی ضرورت۔	//
58	ہر زمانے میں نئے معلمِ قرآن کی ضرورت ہوتی ہے۔	62
59	معلمِ قرآن عملی نمونہ پیش کرنے کی غرض سے	64
60	حقیقی معلم قرآن کی صفات۔	65
	چودہویں فصل	
	اغراض بعثتِ حضرت اقدسؑ کے اعتبار سے	
61	مسیح موعود کی آمد کا مقصد	66
62	الہام حضرت اقدسؑ	//
63	حضرت اقدسؑ قرآن کریم کے پوشیدہ خزانوں کو ظاہر کرنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔	67
64	حضرت اقدسؑ قرآن کریم کے حقیقی معانی اور منشاء کو ظاہر کرنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔	68
65	حضرت اقدسؑ قرآنِ کریم پر اعتراضات کو دور کرنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔	69
	پندرہویں فصل	
	دعویٰ مجددیت کے اعتبار سے۔	
66	الہامات حضرت اقدسؑ۔	70
67	ضرورتِ تجدیدِ دین۔	71
68	دعویٰء مجددیت حضرت اقدسؑ	72
69	مسلمانوں کو نصیحت۔	73
70	حقیقی تجدید دین۔	//
	سولہویں فصل	
	حَکَمْ اور عَدَلْ ہونے کے اعتبار سے	
71	فرمان حضرت اقدسؑ۔	75
72	نزولِ حکم کا وعدہ قرآنِ حکیم میں	//
73	حکم اور عدل کا نزول فرمانِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے۔	76
74	الہامات حضرت اقدسؑ۔	//

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
75	حضرت اقدسؑ کا دعویٰ حکم وعدل	77
76	حکم وعدل کا فیصلہ۔	78
77	حکم وعدل کی آمد کی ضرورت۔	79
78	حکم وعدل کا کام۔	//
79	حکم وعدل کی اطاعت۔ مسیح موعود ہی حکم و عدل ہے	81
	ستر ہویں فصل	
	احیاءِ دین اسلام اور قیامِ شریعت کے اعتبار سے۔	
80	الہامات حضرت اقدسؑ۔	82
81	باعتبارِ عظمتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صداقتِ قرآن کریم	84
82	باعتبارِ غلبۂ اسلام۔	//
	اٹھارویں فصل	
	تکمیل اشاعتِ ہدایت کے اعتبار سے	
83	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تکمیلِ اشاعت کے لئے وسائل پیدا نہیں ہوئے تھے۔	86
84	تکمیلِ اشاعتِ ہدایت اسلام حضرت اقدسؑ کے ذریعہ مقدر تھی	87
85	حضرت اقدسؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمدِ ثانی ہیں۔	88
86	حضرت اقدسؑ اسلام کے نور کے متمم ہیں۔	90
87	منصب مہدی اور مسیح علیہ السلام	//
	انیسویں فصل	
	معارفِ قرآن کریم میں دعوتِ مقابلہ	
88	دعوتِ مقابلہ معجزات میں۔	96
89	طریقِ مقابلہ۔	//

پہلی فصل

حضرت اقدسؑ کے الہامات ورؤیاء الٰہیہ کے اعتبار سے

الہامات حضرت اقدسؑ

حضرت اقدسؑ نے اپنا ایک پرانا الہام سنایا۔ یٰیَحْیٰ خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّةٍ وَ الْخَیْرُ کُلُّهٗ فِی الْقُرْاٰنِ۔
اور فرمایا کہ :

اس میں ہم کو حضرت یحییٰؑ کی نسبت دی گئی ہے کیونکہ حضرت یحییٰؑ کو یہود کی ان اقوام سے مقابلہ کرنا پڑا تھا جو کتاب اللہ توریت کو چھوڑ بیٹھے تھے اور حدیثوں کے بہت گرویدہ ہو رہے تھے اور ہر بات میں احادیث کو پیش کرتے تھے۔ ایسا ہی اس زمانہ میں ہمارا مقابلہ اہل حدیث کے ساتھ ہوا کہ ہم قرآن پیش کرتے اور وہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 203)

اِنِّیْ مَعَکَ حَیْثُ مَا کُنْتَ وَ اِنِّیْ نَا صِرُکَ وَ اِنِّیْ یُدُّکَ اِلَّا زِمُ وَ عَضُدُکَ الْاَقْوٰی۔ وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَدْعُوَ الْخَلْقَ اِلَی الْفُرْقَانِ وَ دِیْنِ خَیْرِ الْوَرٰی ۔

ترجمہ۔ تو جہاں بھی ہو میں تیرے ساتھ ہوں میں تیری مدد کروں گا اور میں ہمیشہ کے لئے تیرا چارہ اور سہارا اور تیرا نہایت قوی بازو ہوں **اور مجھے حکم دیا کہ میں لوگوں کو قرآن اور آنحضرت ﷺ کے دین کی دعوت دوں۔** (تذکرہ ایڈیشن چہارم 1977 صفحہ 218۔219)

قُلْ اِنَّمَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحیٰ اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَالْخَیْرُ کُلُّهٗ فِیْ الْقُرْآنِ ۔

لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْ نَ ۔وَلَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَاتَعْقِلُوْنَ ۔

کہہ میں صرف تمہارے جیسا ایک آدمی ہوں ۔ مجھ کو یہ وحی ہوتی ہے ۔ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی تمہارا معبود نہیں ۔ وہی اکیلا معبود ہے جس کے ساتھ کسی چیز کو شریک کرنا نہیں چاہیئے ۔ اور تمام خیر اور بھلائی قرآن میں ہے ۔ بجز اس کے اور کسی جگہ سے بھلائی نہیں مل سکتی ۔ **اور قرآنی حقائق صرف ان لوگوں پر کھلتے ہیں ۔ جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے پاک اور صاف کرتا ہے۔** اور میں ایک عمر تک تم میں ہی رہتا رہا ہوں ۔ کیا تم کو عقل نہیں .... ۔ (تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 89۔90)

رویاءِ الٰہیہ حضرت اقدسؑ

آج رات مجھے رویاء میں دکھایا گیا کہ ایک درخت باردار اور نہایت لطیف اور خوبصورت اور پھلوں سے لدا ہوا ہے اور کچھ جماعت تکلف اور زور سے ایک بوٹی کو اس پر چڑھانا چاہتی ہے جسکی جڑ نہیں بلکہ چڑھا رکھی ہے وہ بوٹی افتیمون کی مانند ہے اور جیسے جیسے وہ بوٹی اس درخت پر چڑھتی ہے اس کے پھلوں کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اور اس لطیف درخت میں ایک کھواہٹ اور بدشکلی پیدا ہو رہی ہے۔ اور جن پھلوں کی اس درخت سے توقع کی جاتی ہے ان کے ضائع ہونے کا سخت اندیشہ ہے بلکہ کچھ ضائع ہو چکے ہیں۔ **تب میرا دل اس بات کو دیکھ کر گھبرایا اور پگھل گیا اور میں نے ایک شخص کو جو نیک اور پاک انسان کی صورت پر کھڑا تھا پوچھا کہ یہ درخت کیا ہے اور یہ بوٹی کیا ہے جس نے ایسے لطیف درخت کو شکنجہ میں دبا رکھا ہے تب اس نے جواب میں مجھے یہ کہا یہ درخت قرآن خدا کا کلام ہے اور یہ بوٹی وہ احادیث اور اقوال وغیرہ ہیں جو قرآن کے مخالف ہیں یا مخالف ٹھہرائی جاتی ہیں اور ان کی کثرت نے اس درخت کو دبا لیا ہے** اور اس کو نقصان پہنچا رہی ہیں تب میری آنکھ کھل گئی چنانچہ میں آنکھ کھلتے ہی اس وقت جو رات ہے اس مضمون کو لکھ رہا ہوں اور اب ختم کرتا ہوں اور یہ شنبہ کی رات ہے اور 12 بجے کے بعد 20 منٹ کم دو بجے کا وقت ہے۔ فالحمدللہ علی ذلک م۔غ۔ا۔

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی ر۔خ جلد 19 صفحہ 212 حاشیہ)

دوسری فصل

جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام
توریت کے احیاء کے لئے آئے تھے
اُسی طرح حضرت اقدس علیہ السلام
قرآن کریم کے احیاء کے لئے آئے ہیں

قرآن کریم خاتم الکتب ہے اس لئے حضرت اقدسؑ کو اُسی کے احیاء کے لئے بھیجا گیا

حضرت مسیح علیہ السلام جیسے اپنی کوئی شریعت لے کر نہ آئے تھے بلکہ توریت کو پورا کرنے آئے تھے اسی طرح پر محمدی سلسلہ کا مسیح اپنی کوئی شریعت لے کر نہیں آیا بلکہ قرآن شریف کے احیاء کے لئے آیا ہے اور اس تکمیل کے لئے آیا ہے جو تکمیل اشاعتِ ہدایت کہلاتی ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 361)

ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کامل شریعت لے کر آئے جو نبوت کے خاتم تھے اس لئے زمانہ کی استعدادوں اور قابلیتوں نے ختم نبوت کر دیا تھا۔ پس حضور علیہ السلام کے بعد ہم کسی دوسری شریعت کے آنے کے قائل ہرگز نہیں۔ ہاں جیسے ہمارے پیغمبر خدا ﷺ مثیل موسیٰؑ تھے اسی طرح آپ کے سلسلہ کا خاتم جو خاتم الخلفاء یعنی مسیح موعود ہے ضروری تھا کہ مسیح علیہ السلام کی طرح آتا۔ پس میں وہی خاتم الخلفاء اور مسیح موعود ہوں۔ جیسے مسیح کوئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے بلکہ شریعتِ موسوی کے احیاء کے لئے آئے تھے میں کوئی جدید شریعت لے کر نہیں آیا اور میرا دل ہرگز نہیں مان سکتا کہ **قرآن شریف کے بعد اب کوئی اور شریعت آسکتی ہے کیونکہ وہ کامل شریعت اور خاتم الکتب ہے اسی طرح خدا تعالیٰ نے مجھے شریعت محمدیؐ کے احیاء کے لئے اس صدی میں خاتم الخلفاء کے نام سے مبعوث فرمایا ہے۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 490)

حضرت اقدسؑ قرآن کریم کے شارح ہیں

مسیح ناصری شارح توریت اور مسیح موعود شارح قرآن ہے

پوچھا گیا کہ عیسائی لوگ توریت کونہیں مانتے۔انجیل کو ہی مانتے ہیں۔فرمایا:-
''انجیل میں ہرگز کوئی شریعت نہیں ہے بلکہ توریت کی شرح ہے اور عیسائی لوگ توریت کو الگ نہیں کرتے جیسے مسیح توریت کی شرح بیان کرتے تھے۔**اسی طرح ہم بھی قرآن شریف کی شرح بیان کرتے ہیں**۔جیسا کہ وہ مسیحؑ موسیٰ علیہ السلام سے چودہ سو برس بعد آئے تھے۔اسی طرح ہم بھی پیغمبر خدا ﷺ کے بعد چودھویں صدی میں آئے ہیں۔'' (ملفوظات جلد2 صفحہ 666)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مماثلت میں قرآن کریم کی صحیح تعلیم کو بھی پیش کرنا ضروری تھا

علاوہ اس کے خدائے تعالیٰ نے اسی غرض سے اس عاجز کو بھیجا ہے کہ تا روحانی طور پر مردے زندہ کئے جائیں۔بہروں کے کان کھولے جائیں اور مجذوموں کو صاف کیا جائے اور وہ جو قبروں میں ہیں باہر نکالے جائیں **اور نیز یہ بھی وجہ مماثلت ہے کہ جیسے مسیح بن مریم نے انجیل میں توریت کا صحیح خلاصہ اور مغز اصلی پیش کیا تھا اسی کام کے لئے یہ عاجز مامور ہے تا غافلوں کے سمجھانے کے لئے قرآن شریف کی اصلی تعلیم پیش کی جائے۔مسیح صرف اسی کام کے لئے آیا تھا کہ توریت کے احکام شدومد کے ساتھ ظاہر کرے۔ایسا ہی یہ عاجز بھی اسی کام کیلئے بھیجا گیا ہے کہ تا قرآن شریف کے احکام بہ وضاحت بیان کر دیوے۔** (ازالہ اوہام۔ ر۔خ جلد3 صفحہ 103)

''میں وہی ہوں جو وقت پر اصلاح خلق کے لئے بھیجا گیا تا دین کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کر دیا جائے۔میں اس طرح بھیجا گیا ہوں جس طرح سے وہ شخص بعد کلیم اللہ مرد خدا کے بھیجا گیا تھا جس کی روح ہیروڈیس کے عہد حکومت میں بہت تکلیفوں کے بعد آسمان کی طرف اٹھائی گئی۔ .... دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہیں کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔''

یہ انسان کی بات نہیں خدا تعالیٰ کا الہام اور رب جلیل کا کلام ہے۔(فتح اسلام۔روحانی خزائن جلد3 صفحہ 8/9)

حضرت اقدس علیہ السلام قرآن کریم کے وارث ہیں

اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ جب کہ مجھ کو تمام دنیا کی اصلاح کیلئے ایک خدمت سپرد کی گئی ہے۔اس وجہ سے کہ ہمارا آقا اور مخدوم تمام دنیا کیلئے آیا تھا تو اس عظیم الشان خدمت کے لحاظ سے مجھے وہ قوتیں اور طاقتیں بھی دی گئی ہیں جو اس بوجھ کے اٹھانے کیلئے ضروری تھیں اور وہ معارف اور نشان بھی دیئے گئے ہیں جن کا دیا جانا اتمام حجت کیلئے مناسب وقت تھا۔ مگر ضروری نہ تھا کہ حضرت عیسیٰ کو وہ معارف اور نشان دیئے جاتے کیونکہ اس وقت ان کی ضرورت نہ تھی اس لئے حضرت عیسیٰ کی سرشت کو صرف وہ قوتیں اور طاقتیں دی گئی جو یہودیوں کے ایک تھوڑے سے فرقہ کی اصلاح کیلئے ضروری تھیں **اور ہم قرآن شریف کے وارث ہیں جس کی تعلیم جامع تمام کمالات ہے اور تمام دنیا کیلئے ہے۔** مگر حضرت عیسیٰ صرف توریت کے وارث تھے جس کی تعلیم ناقص اور مختص القوم ہے اسی وجہ سے انجیل میں ان کو وہ باتیں تاکید کے ساتھ بیان کرنی پڑیں جو توریت میں مخفی اور مستور تھیں لیکن قرآن شریف سے ہم کوئی امر زیادہ بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی تعلیم اتم اور اکمل ہے اور وہ توریت کی طرح کسی انجیل کا محتاج نہیں۔ (حقیقۃ الوحی۔ر۔خ جلد22 صفحہ 155)

تیسری فصل

حضرت اقدس علیہ السلام قرآن کریم کی تیسری تجلّی ہیں

الہام حضرت اقدسؑ

یَا اَحْمَدُ بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ ۔مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا اُنْذِرَ اٰبَآءُ ھُمْ وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ۔قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَo

یعنی اے احمد! خدانے تجھ میں برکت رکھ دی۔ جو کچھ تو نے چلایا تو نے نہیں چلایا بلکہ خدانے چلایا۔ وہ خدا ہے جس نے تجھے قرآن سکھایا یعنی اس کے حقیقی معنوں پر تجھے اطلاع دی تا کہ تو ان لوگوں کو ڈرائے جن کے باپ دادے نہیں ڈرائے گئے۔ اور تا کہ مجرموں کی راہ کھل جائے اور تیرے انکار کی وجہ سے ان پر حجّت پوری ہوجائے۔ ان لوگوں کو کہہ دے کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہوکر آیا ہوں اور میں وہ ہوں جو سب سے پہلے ایمان لایا۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ ر۔خ جلد21 صفحہ 66)

فرمان حضرت اقدسؑ

قرآن شریف کیلئے تین تجلیات ہیں۔ وہ سیدنا حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ سے نازل ہوا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعہ سے اس نے زمین پر اشاعت پائی اور مسیح موعود کے ذریعہ سے بہت سے پوشیدہ اسرار اس کے کھلے۔ وَلِکُلِّ اَمْرٍ وَقْتٌ مَعْلُوْمٌ۔ اور جیسا کہ آسمان سے نازل ہوا تھا ویسا ہی آسمان تک اس کا نور پہنچا اور آنحضرت ﷺ کے وقت میں اس کے تمام احکام کی تکمیل ہوئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقت میں اس کے ہر ایک پہلو کی اشاعت کی تکمیل ہوئی اور مسیح موعود کے وقت میں اس کے روحانی فضائل اور اسرار کے ظہور کی تکمیل ہوئی۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ر۔خ جلد21 صفحہ 66 حاشیہ)

حضرت اقدسؑ کے دعاوی کی سمجھ فہم قرآن کی کلید ہے

میرے دعوٰی کا فہم کلید ہے نبوت اور قرآن شریف کی۔ جو شخص میرے دعویٰ کو سمجھ لے گا نبوت کی حقیقت اور قرآن شریف کے فہم پر اس کو اطلاع دی جائے گی اور جو میرے دعوٰی کو نہیں سمجھتا اس کو قرآن شریف پر اور رسالت پر پورا یقین نہیں ہوسکتا۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 393)

علمِ قرآں علمِ آں طیّبِ زباں — علمِ غیب از وحیِٔ خلّاقِ جہاں
قرآن کا علم اُس پاک زبان کا علم اور الہام الٰہی سے غیب کا علم۔

ایں سہ علم چوں نشانہا دادہ اند — ہر سہ ہمچوں شاہداں استادہ اند
یہ تین علم مجھے نشان کے طور پر دیئے گئے ہیں اور تینوں بطور گواہ میری تائید میں کھڑے ہیں۔

(تحفہ غزنویہ ر۔خ جلد15 صفحہ 533)

آپ کے وقت میں حقائق قرآنیہ ظاہر ہوں گے

لیکن افسوس ہے کہ جیسے حدیث میں آیا ہے کہ ایک درمیانی زمانہ آوے گا جو فیج اعوج ہے۔یعنی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک میرا زمانہ برکت والا ہے۔ایک آنے والے مسیح ومہدی کا۔مسیح ومہدی کوئی دو الگ اشخاص نہیں ان سے مراد ایک ہی ہے۔مہدی ہدایت یافتہ سے مراد ہے۔کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مسیح مہدی نہیں۔مہدی مسیح ہو یا نہ ہو،لیکن مسیح کے مہدی ہونے سے انکار کرنا مسلمان کا کام نہیں۔اصل میں اللہ تعالیٰ نے یہ دو الفاظ سب وشتم کے مقابل بطور ذب کے رکھے ہیں کہ وہ کافر، ضال مُضِلّ نہیں۔ بلکہ مہدی ہے۔ چونکہ اس کے علم میں تھا کہ آنیوالے مسیح ومہدی کو دجال و گمراہ کہا جائے گا،اس لئے اسے مسیح ومہدی کہا گیا۔دجال کا تعلق اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ (الاعراف:177) سے تھا اور مسیح کا رفع آسمانی ہونا تھا۔سو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا اس کی تکمیل دو ہی زمانوں میں ہونی تھی۔**ایک آپؐ کا زمانہ اور ایک آخری مسیح ومہدی کا زمانہ۔یعنی ایک زمانے میں تو قرآن اور سچی تعلیم نازل ہوئی،لیکن اس پر فیج اعواج کے زمانہ نے پردہ ڈال دیا۔جس پردہ کا اٹھایا جانا مسیحؑ کے زمانہ میں مقدر تھا۔**جیسے کہ فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک تو موجودہ جماعت یعنی جماعت صحابہ کرامؓ کا تزکیہ کیا اور ایک آنیوالی جماعت کا جس کی شان میں لَمَّا یَلْحَقُوْا بِہِمْ (الجمعہ:4) آیا ہے۔یہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے بشارت دی کہ ضلالت کے وقت اللہ تعالیٰ اس دین کو ضائع نہ کرے گا۔ **بلکہ آنیوالے زمانہ میں خدا تعالیٰ حقائق قرآنیہ کو کھول دے گا۔آثار میں ہے۔کہ آنے والے مسیح کی ایک یہ فضیلت ہوگی۔کہ وہ قرآنی فہم اور معارف کا صاحب ہوگا اور صرف قرآن سے استنباط کر کے لوگوں کو ان کی غلطیوں سے متنبہ کرے گا۔ جو حقائق قرآن کی ناواقفیت سے لوگوں میں پیدا ہوگئی ہوں گی۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 25)

حضرت اقدسؑ قرآن کریم کے خزانوں کو تقسیم کرنے کیلئے مبعوث ہوئے ہیں

یہی زمانہ ہے کہ جس میں ہزار ہا قسم کے اعتراضات اور شبہات پیدا ہو گئے ہیں۔اور انواع واقسام کے عقلی حملے اسلام پر کئے گئے ہیں۔اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۔ (الحجر:22) یعنی ہر ایک چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں مگر بقدر معلوم اور بقدر ضرورت ہم ان کو اتارتے ہیں۔**سو جس قدر معارف وحقائق بطون قرآن میں چھپے ہوئے ہیں جو ہر ایک قسم کے ادیان فلسفیہ وغیر فلسفیہ کو مقہور ومغلوب کرتے ہیں۔ان کے ظہور کا زمانہ یہی تھا۔کیونکہ وہ بجز تحریک پیش آمدہ کے ظاہر نہیں ہو سکتے تھے۔**اب مخالفانہ حملے جو نئے فلسفہ کی طرف سے ہوئے تو ان معارف کے ظاہر ہونے کا وقت آگیا اور ممکن نہیں تھا کہ بغیر اس کے کہ وہ معارف ظاہر ہوں اسلام تمام ادیان باطلہ پر فتح پا سکے کیونکہ سیفی فتح کچھ چیز نہیں اور چندروزہ اقبال کے دور ہونے سے وہ فتح بھی معدوم ہو جاتی ہے۔ سچی اور حقیقی فتح وہ ہے جو معارف اور حقائق اور کامل صداقتوں کے لشکر کے ساتھ حاصل ہو۔سو وہ یہ فتح ہے جو اب اسلام کو نصیب ہو رہی ہے۔بلاشبہ یہ پیشگوئی اس زمانہ کے حق میں ہے۔اور سلف صالح بھی ایسا ہی سمجھتے آئے ہیں۔**یہ زمانہ درحقیقت ایسا زمانہ ہے جو بالطبع تقاضا کر رہا ہے جو قرآن شریف ان تمام بطون کو ظاہر کرے جو اس کے اندر مخفی چلے آتے ہیں**............یہ بات ہر ایک فہیم کو جلدی سمجھ میں آسکتی ہے کہ اللہ جل شانہٗ کے کوئی مصنوع دقائق وغرائب خواص سے خالی نہیں۔اور اگر ایک مکھی کے خواص وعجائبات کی قیامت تک تفتیش وتحقیقات کرتے جائیں تو بھی کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔تو اب سوچنا چاہیئے کہ کیا خواص وعجائبات قرآن کریم کے اپنے قدر واندازہ میں

مکھی جتنے نہیں؟ بلاشبہ وہ عجائبات تمام مخلوقات کے مجموعی عجائبات سے بہت بڑھ کر ہیں اور ان کا انکار درحقیقت قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے کا انکار ہے کیونکہ دنیا میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے صادر ہوا اور اس میں بے انتہا عجائبات نہ پائے جائیں...............وہ نکات وحقائق جو معرفت کو زیادہ کرتے ہیں وہ ہمیشہ حسب ضرورت کھلتے رہتے ہیں۔اور نئے نئے فسادوں کے وقت نئے نئے پرحکمت معانی بمنصۂ ظہور آتے رہتے ہیں۔یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن کریم بذات خود معجزہ ہے۔اور بڑی بھاری وجہ اعجاز کی اس میں یہ ہے کہ وہ جامع حقائق غیر متناہیہ ہے مگر بغیر وقت کے وہ ظاہر نہیں ہوتے۔جیسے جیسے وقت کے مشکلات تقاضا کرتے ہیں وہ معارف خفیہ ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔دیکھو دینوی علوم جو اکثر مخالف قرآن کریم اور غفلت میں ڈالنے والے کیسے آجکل ایک زور سے ترقی کر رہے ہیں۔اور زمانہ اپنے علوم ریاضی اور طبعی اور فلسفہ کی تحقیقاتوں میں کیسی ایک عجیب طور کی تبدیلیاں دکھلا رہا ہے کیا ایسے نازک وقت میں ضرور نہ تھا کہ ایمانی اور عرفانی ترقیات کے لئے بھی دروازہ کھولا جاتا تا شرور محدثہ کی مدافعت کے لئے آسانی پیدا ہو جاتی۔سو یقیناً سمجھو کہ وہ دروازہ کھولا گیا ہے۔اور خدا تعالیٰ نے ارادہ کر لیا ہے کہ تا قرآن کریم کے عجائبات مخفیہ اس دنیا کے متکبر فلسفیوں پر ظاہر کرے۔اب نیم ملاں دشمن اسلام اس ارادہ کو روک نہیں سکتے۔اگر اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئینگے تو ہلاک کئے جائینگے اور قہری طمانچہ حضرت قہار کا ایسا لگے گا کہ خاک میں مل جائیں گے۔ان نادانوں کو حالت موجودہ پر بالکل نظر نہیں۔چاہتے ہیں کہ قرآن کریم مغلوب اور کمزور اور ضعیف اور حقیر سا نظر آوے لیکن اب وہ ایک جنگی بہادر کی طرح نکلے گا۔ہاں وہ ایک شیر کی طرح میدان میں آئے گا اور دنیا کے تمام فلسفہ کو کھا جائے گا اور اپنا غلبہ دکھائے گا اور لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصّف:10) کی پیشگوئی پوری کرے گا۔اور پیشگوئی وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمْ (التوبہ:33) کو روحانی طور سے کمال تک پہنچائے گا۔کیونکہ دین کا زمین پر بوجہ کمال قائم ہو جانا محض جبر و اکراہ سے ممکن نہیں۔دین اس وقت زمین پر قائم ہوتا ہے کہ جب اس کے مقابل پر کوئی دین کھڑا نہ رہے اور تمام مخالف سپر ڈال دیں۔سو اب وہی وقت آگیا۔اب وہ وقت نادان مولویوں کے روکنے سے رک نہیں سکتا۔**اب وہ ابن مریم جس کا روحانی باپ زمین پر بجز معلم حقیقی کے کوئی نہیں جو اس وجہ سے آدم سے بھی مشابہت رکھتا ہے بہت سا خزانہ قرآن کریم کا لوگوں میں تقسیم کرے گا۔**یہاں تک کہ لوگ قبول کرتے کرتے تھک جائیں گے۔اور لَا يَقْبَلُهٗ اَحَد کا مصداق بن جائیں گے اور ہر یک طبیعت اپنے ظرف کے مطابق پُر ہو جائیگی۔ (ازالہ اوہام۔ر۔خ جلد 3 صفحہ 464 تا 467)

اشعار حضرت اقدسؑ

اِک کرم کر پھیر دے لوگوں کو فرقاں کی طرف — نیز دے توفیق تا وہ کچھ کریں سوچ اور بچار
ایک فرقاں ہے جو شک اور رَیب سے وہ پاک ہے — بعد اسکے ظنِّ غالب کو ہیں کرتے اختیار
پھر یہ نقلیں بھی اگر میری طرف سے پیش ہوں — تنگ ہو جائے مخالف پر مجالِ کارزار
باغ مُرجھایا ہوا تھا گر گئے تھے سب ثمر — میں خُدا کا فضل لایا پھر ہوئے پیدا ثمار
مرہمِ عیسیٰ نے دی تھی محض عیسیٰ کو شفا — میری مرہم سے شفا پائیگا ہر مُلک و دیار
جھانکتے تھے نُور کو وُہ روزنِ دیوار سے — لیک جب دَر کھل گئے پھر ہوگئے شپّر شعار
وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے — اَب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے اُمیدوار

(درثمین اردو)(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ر۔خ جلد 21 صفحہ 147)

چوتھی فصل — اوّلیتِ قرآن کریم ثابت کرنے کے اعتبار سے

فرمودات اور دعاوی حضرت اقدسؑ

یٰیَحۡیٰ خُذِالۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ وَ اٰتَیۡنٰہُ الۡحُکۡمَ صَبِیًّا O (مریم:13)

حضرت اقدسؑ نے اپنا ایک پرانا الہام سنایا یٰاَیَحۡیٰ خُذِالۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ (اور فرمایا) وَالۡخَیۡرُ کُلُّہٗ فِی الۡقُرۡاٰنِ اور فرمایا کہ اس میں ہم کو حضرت یحیٰی کی نسبت دی گئی ہے کیونکہ حضرت یحیٰی کو یہود کی ان اقوام سے مقابلہ کرنا پڑا تھا جو کتاب اللہ توریت کو چھوڑ بیٹھے تھے اور حدیثوں کے بہت گرویدہ ہو رہے تھے اور ہر بات میں احادیث کو پیش کرتے تھے۔ **ایسا ہی اس زمانہ میں ہمارا مقابلہ اہل حدیث کے ساتھ ہوا کہ ہم قرآن پیش کرتے اور وہ حدیث پیش کرتے ہیں۔** (ملفوظات جلد دوم صفحہ 203)

فرمانِ قرآن حدیث کی صداقت کے لئے محک ہے

وَلَقَدۡ جِئۡنٰھُمۡ بِکِتٰبٍ فَصَّلۡنٰہُ عَلٰی عِلۡمٍ ھُدًی وَّرَحۡمَۃً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ o (اعراف:53)

فَصَّلۡنٰہُ عَلٰی عِلۡمٍ ۔ وہ (قرآن کریم) مفصل کتاب ہے۔۔۔۔ یہ عظمتیں اور خوبیاں کہ جو قرآن کریم کی نسبت فرمائی گئیں ہیں احادیث کی نسبت ایسی تعریفوں کا کہاں ذکر ہے؟ پس میرا مذہب ''فرقہ ضالہ نیچریہ'' کی طرح یہ نہیں ہے کہ میں عقل کو مقدم رکھ کر قال اللہ اور قال الرسول پر کچھ نکتہ چینی کروں۔ ایسے نکتہ چینی کرنے والوں کو ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ **بلکہ میں جو کچھ آنحضرت ﷺ نے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہم کو پہنچایا ہے اس سب پر ایمان لاتا ہوں۔ صرف عاجزی اور انکسار کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ قرآن کریم ہر یک وجہ سے احادیث پر مقدم ہے اور احادیث کی صحت وعدم صحت پرکھنے کے لئے وہ محک ہے اور مجھ کو خدا تعالی نے قرآن کریم کی اشاعت کے لئے مامور کیا ہے تا میں جو ٹھیک ٹھیک منشا قرآن کریم کا ہے لوگوں پر ظاہر کروں۔** (الحق مباحثہ لدھیانہ۔ ر۔خ جلد 4 صفحہ 30)

ما مسلمانیم از فضلِ خدا — مصطفٰی ما را امام و مقتدا
ہم خدا کے فضل سے مسلمان ہیں — محمد مصطفٰی ہمارے امام اور پیشوا ہیں
اندریں دیں آمدہ از مادریم — ہم بریں ازدار دنیا بگذریم
ہم ماں کے پیٹ سے اسی دین میں پیدا ہوئے — اور اسی دین پر دنیا سے گذر جائیں گے
آں کتابِ حق کہ قرآں نامِ اوست — بادۂ عرفان ما از جامِ اوست
خدا کی وہ کتاب جس کا نام قرآن ہے — ہماری شراب معرفت اسی جام سے ہے
الغرض فرقاں مدارِ دینِ ماست — اُو انیسِ خاطرِ غمگینِ ماست
الغرض قرآن ہمارے دین کی بنیاد ہے — وہ ہمارے غمگین دل کو تسلی دینے والا ہے
نورِ فرقاں مے کشد سوئے خدا — مے تواں دیدن ازو روئے خدا
فرقان کا نور خدا کی طرف کھینچتا ہے — اس سے خدا کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں

(درثمین (فارسی) نیا ایڈیشن صفحہ 164۔ 166)(سراج منیر۔ ر۔خ جلد 12 صفحہ 96۔95)

قرآن کریم دین قیم ہے

التبلیغ

یـا اهـل دار لندوة تعالو الیٰ کلمة سو اء بیننا و بینکم ان لا نحکم الا القراٰن ۔ولا نقبل الا ماوافق قو ل الـرحـمٰـن ۔ و هٰذا هو الدین القیم۔ ایهاالمتقا عسو ن ۔و انالقراٰن کتاب ختم به الهدٰی ۔وفیه کتب قیمة و خبر مایأ تـی و مـا مضٰی فبأیی حدیث بعده تؤ منون اعلمو انالخیر کله فی القراٰن وشر الا حادیث ما خالفه فا حذر و ها ایها الـمتـقون ۔وکلما خالف هدی القراٰن وقصصه فاعلمو اانه سقط ولا یقبله الا الفسقو ن۔ وانی انا المسیح وبالحق امشی واسیح والله انادی واصیح واذکر کم ایام الله فهل انتم تتذکرون۔وانی جئتکم ببینة من ربی و علمت ما لم تعلمو ا و ابصرت مالا تبصرون ۔ (تحفۃ الندوہ ر۔خ جلد19 صفحہ 89)

ترجمہ۔اے اہل ندوہ آؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے **اور ہم کوئی فیصلہ نہ کریں بلکہ وہ جو قرآن کہتا ہے۔اور ہم کوئی ایسی بات باہمی طور پر تسلیم نہ کریں جو قرآن سے موافقت نہ رکھتی ہو۔اور یہ وہ دین قیم ہے یعنی قرآن کریم**۔اے سرکشی کرنے والے۔اور یقیناً قرآن کریم ایسی کتاب ہے جس میں ہدایت کامل کر دی گئی ہے۔اور اس میں مضبوط کتابیں (دلائل) ہیں۔اور اس میں ماضی اور حال کی خبریں ہیں۔پس تم اس کو چھوڑ کر کس حدیث پر ایمان لاؤ گے۔**جان لو کہ یقیناً ساری کی ساری بھلائی قرآن میں ہے۔اور سب سے بُری وہ حدیث ہے جو قرآن کے مخالف ہو۔پس اے تقویٰ والو۔تم اس سے بچتے رہو**۔اور جب کبھی وہ قرآن کریم اور اس کے بیان کے مخالف پڑے۔تو تم جان لو کہ وہ اعتبار کے قابل نہیں ساقط ہے۔اور اسے سوائے فاسقوں کے کوئی قبول نہیں کرتا اور یقیناً میں مسیح ہوں اور حق کے ساتھ چلتا اور سیر کرتا ہوں اور اللہ کے لئے میں پکار کر اور بلند آواز سے کہتا ہوں میں تمہیں اللہ کے ایام یاد دلاتا ہوں کیا تم اس سے نصیحت نہیں پکڑتے۔میں اپنے رب کی طرف سے تمہارے پاس کھلے دلائل کے ساتھ آیا ہوں۔مجھے وہ سکھایا گیا ہے جو تمہیں نہیں سکھایا گیا۔اور مجھے بصیرت عطا کی گئی ہے جس سے تم محروم ہو۔

وان الـقـراٰن مـقـدم علی کل شئی ووحی الحکم مقدم علی احا دیث ظـنیة بشرط ان تطابق القراٰن وحیـه مـطـابـقة تا مة۔ وبشر ان تکون الاحادیث غیر مطابقة للقرآن و توجد فی قصصها مخالفة لقصص صـحـف مـطهرة۔ ذالک بان وحی الحکم ثمرة غض وقد جنی مخالفة لقصص صحف مطهرة۔ ذالک بـان وحـی الحکم ثمرة غض وقد جنی مـن شـجـرة یقینیة ۔ فمن لم یقبل وحی الامام الموعود۔ ونبذه لروایات لیست کالمحسوس المشهود۔ فقد ضل ضلا لاًمبینا ومات میتة جاهلیة (مواهب الرحمٰن ۔ر۔خ جلد 19 صفحہ 288)

ترجمہ۔ **اور یقیناً قرآن مجید ہر چیز پر مقدم ہے۔اور وحی حَـکَـم یعنی مسیح موعود احادیث ظنیہّ پر مقدم ہے۔اس شرط کے ساتھ کہ مسیح موعود کی وہ وحی قرآن کریم سے بکلی مطابقت رکھتی ہو۔اور اس شرط کے ساتھ کہ حدیث کے بیان قرآن کریم کے بیان سے مطابقت نہ رکھتے ہوں۔یعنی قرآن اور حدیث کے بیان میں باہمی تضاد ہو۔یا مخالف ہو۔یہ اعتقاد اس لئے ضروری ہے۔کیونکہ مسیح موعود کی وحی ایک تازہ پھل ہے۔جو یقین کے درخت سے چنا گیا ہے۔پس ہر وہ شخص جو وحی امام موعود کو تسلیم نہ کرے اور غیر مشہور روایات کے لئے اس کو ترک کر دے پس وہ واضح گمراہی میں پڑ گیا اور وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔**

فرمان قرآن کریم تمام الہامات پر بطور مہیمن اور محک کے ہے

یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر ایک الہام کے لئے وہ سنت اللہ بطور امام اور مہیمن اور پیشرو کے ہے جو قرآن کریم میں وارد ہو چکی ہے۔ اور ممکن نہیں کہ کوئی الہام اس سنت کو توڑ کر ظہور میں آوے کیونکہ اس سے پاک نوشتوں کا باطل ہونا لازم آتا ہے۔ (تبلیغ رسالت جلد سوم صفحہ 156 طباعت دسمبر 1920ء فاروق پریس قادیان)

ہر ایک ایسے شخص کو جو قرآن کریم پر ایمان لاتا ہے خواہ وہ گذر چکا ہے یا موجود ہے اسی اعتقاد کا پابند جانتا ہوں کہ وہ احادیث کے پرکھنے کے لئے قرآن کریم کو میزان اور معیار اور محک سمجھتا ہوگا۔ کیونکہ جس حالت میں قرآن کریم خود یہ منصب اپنے لئے تجویز فرماتا ہے اور کہتا ہے فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ۔(الاعراف:186) اور فرماتا ہے قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی (البقرہ:121) اور فرماتا ہے ۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا (ال عمران:104) اور فرماتا ہے هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی (البقرۃ:186) اور فرماتا ہے۔اَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ ۔(الشوریٰ:118) اور فرماتا ہے۔اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۔(الطارق:14) لَا رَیْبَ فِیْهِ ۔(البقرۃ:3) تو پھر اس کے بعد کون ایسا مومن ہے جو قرآن شریف کو حدیثوں کے لئے حکم مقرر نہ کرے؟ اور جبکہ وہ خود فرماتا ہے کہ یہ کلام حکم ہے قول فصل ہے اور حق اور باطل کی شناخت کے لئے فرقان ہے اور میزان ہے۔ تو کیا یہ ایمان داری ہوگی کہ ہم خدا تعالیٰ کے ایسے فرمودہ پر ایمان نہ لائیں؟ **اور اگر ہم ایمان لاتے ہیں تو ہمارا ضرور یہ مذہب ہونا چاہیے کہ ہم ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول کو قرآن کریم پر عرض کریں تا ہمیں معلوم ہو کہ وہ واقعی طور پر اسی مشکوٰۃ وحی سے نور حاصل کرنے والے ہیں جس سے قرآن نکلا ہے یا اس کے مخالف ہیں۔**

(الحق مباحثہ لدھیانہ ر۔خ جلد 4 صفحہ 22)

ہاں اگر کوئی ایسی حدیث جو قرآن کریم سے مخالف نہ ہو تو پھر میں اسکی صحت کاملہ کی نسبت قائل ہو جاؤں گا۔ اور آپ کا یہ فرمانا کہ قرآن کریم کو کیوں محک صحت احادیث ٹھہراتے ہو۔ سو اس کا جواب میں بار بار یہی دونگا کہ قرآن کریم مہیمن اور امام اور میزان اور قول فصل اور ہادی ہے۔ اگر اس کو محک نہ ٹھہراؤں تو اور کس کو ٹھہراؤں؟ کیا ہمیں قرآن کریم کے اس مرتبہ پر ایمان نہیں لانا چاہیئے ۔ جو مرتبہ وہ خود اپنے لئے قرار دیتا ہے؟ دیکھنا چاہیے کہ وہ صاف الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۔ (ال عمران:104) کیا اس حبل سے حدیثیں مراد ہیں؟ پھر جس حالت میں وہ اس حبل سے پنجہ مارنے کے لئے تاکید شدید فرماتا ہے تو کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم ہر ایک اختلاف کے وقت قرآن کریم کی طرف رجوع کریں؟ اور پھر فرماتا ہے۔ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی ۔ (طٰہٰ:125) یعنی جو شخص میرے فرمودہ سے اعراض کرے اور اس کے مخالف کی طرف مائل ہو تو اس کے لئے تنگ معشیت ہے یعنی وہ حقائق اور معارف سے بے نصیب ہے۔ اور قیامت کو اندھا اٹھایا جائے گا۔ اب ہم اگر ایک حدیث کو صریح قرآن کریم کے خلاف پائیں اور پھر مخالفت کی حالت میں بھی اس کو مان لیں اور اس تخالف کی کچھ بھی پروا نہ کریں تو گویا اس بات پر راضی ہو گئے کہ معارف حقہ سے بے نصیب رہیں اور قیامت کو اندھے اٹھائے جائیں۔ اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے۔ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ (الزخرف:44) وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ۔ (الزخرف:45) یعنی قرآن کریم کو ھر یک امر میں دستاویز پکڑو۔ تم سب کا اسی میں شرف ہے کہ تم قرآن کو دستاویز پکڑو۔ اور اسی کو مقدم رکھو، اب

اگر ہم مخالفت قرآن اور حدیث کے وقت میں قرآن کو دستاویز نہ پکڑیں تو گویا ہماری یہ مرضی ہوگی کہ جس شرف کا ہم کو وعدہ دیا گیا ہے اس شرف سے محروم رہیں۔ اور پھر فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ۔(الزخرف:37) یعنی جو شخص قرآن سے اعراض کرے اور جو اس کے صریح مخالف ہے، اس کی طرف مائل ہو ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں کہ ہر وقت اسکے دل میں وساوس ڈالتا ہے اور حق سے اسکو پھیرتا ہے اور نابینائی کو اسکی نظر میں آراستہ کرتا ہے اور ایک دم اس سے جدا نہیں ہوتا۔ اب اگر ہم کسی ایسی حدیث کو قبول کر لیں جو صریح قرآن کی مخالف ہے تو گویا ہم چاہتے ہیں کہ شیطان ہمارا دن رات کا رفیق ہو جائے اور اپنے وساوس میں ہمیں گرفتار کرے اور ہم پر نابینائی طاری ہو۔ اور ہم حق سے بےنصیب رہ جائیں۔(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ ر۔خ جلد4 صفحہ 37)

اک کرم کر پھیر دے لوگوں کو فرقاں کی طرف — نیز دے توفیق تا وہ کچھ کریں سوچ و بچار
ایک فرقاں ہے جو شک اور ریب سے وہ پاک ہے — بعد اس کے ظن غالب کو ہیں کرتے اختیار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ ر۔خ جلد21 صفحہ 147)

سچا خدا وہی ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے

اور وہ واحد ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور افعال میں اور قدرتوں میں اور اس تک پہنچنے کے لیے تمام دروازے بند ہیں مگر ایک دروازہ جو فرقان مجید نے کھولا ہے۔ اور تمام نبوتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گذر چکیں ان کی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی کیونکہ نبوت محمدیہ اُن سب پر مشتمل اور حاوی ہے اور بجز اس کے سب راہیں بند ہیں۔ تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں اسی کے اندر ہیں۔ نہ اس کے بعد کوئی نئی سچائی آئے گی اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی جو اس میں موجود نہیں۔ اس لئے اس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے اور ہونا چاہیے تھا کیونکہ جس چیز کے لئے ایک آغاز ہے اس کے لیے ایک انجام بھی ہے لیکن یہ نبوت محمدیہ اپنی ذاتی فیض رسانی سے قاصر نہیں بلکہ سب نبوتوں سے زیادہ اس میں فیض ہے۔ اس نبوت کی پیروی خدا تک بہت سہل طریق سے پہنچا دیتی ہے اور اس کی پیروی سے خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کے مکالمہ مخاطبہ کا اس سے بڑھ کر انعام مل سکتا ہے جو پہلے ملتا تھا۔ مگر اس کا کامل پیرو صرف نبی نہیں کہلا سکتا کیونکہ نبوت کاملہ تامہ محمدیہ کی اس میں ہتک ہے ہاں امتی اور نبی دونوں لفظ اجتماعی حالت میں اس پر صادق آ سکتے ہیں کیونکہ اس میں نبوت تامہ کاملہ محمدیہ کی ہتک نہیں بلکہ اس نبوت کی چمک اس فیضان سے زیادہ تر ظاہر ہوتی ہے۔ (رسالہ الوصیت۔ ر۔خ جلد20 صفحہ 311)

نورِ فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا — پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا!
حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا — ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفیٰ نکلا
یا الٰہی! تیرا فرقان ہے کہ اک عالم ہے — جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا
سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں — مئے عرفاں کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا
کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ — وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا
پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں — پھر جو سوچا تو ہر اک لفظ مسیحا نکلا

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ جلد1 صفحہ 305)

جماعت کو نصیحت

اے میری عزیز جماعت یقیناً سمجھو کہ زمانہ اپنے آخر کو پہنچ گیا ہے اور ایک صریح انقلاب نمودار ہو گیا ہے۔ سو اپنی جانوں کو دھوکہ مت دو اور بہت جلد راستبازی میں کامل ہو جاؤ۔ قرآن کریم کو اپنا پیشوا پکڑو اور ہر ایک بات میں اس سے روشنی حاصل کرو اور حدیثوں کو بھی ردی کی طرح مت پھینکو کہ وہ بڑی کام کی ہیں۔ اور بڑی محنت سے انکا ذخیرہ طیار ہوا ہے۔ **لیکن جب قرآن کے قصّوں سے حدیث کا کوئی قصّہ مخالف ہو تو ایسی حدیث کو چھوڑ دو تا گمراہی میں نہ پڑو۔ قرآن شریف کو بڑی حفاظت سے خدا تعالیٰ نے تمہارے تک پہنچایا ہے۔ سو تم اس پاک کلام کی قدر کرو اس پر کسی چیز کو مقدم نہ سمجھو کہ تمام راست روی اور راستبازی اسی پر موقوف ہے۔** کسی شخص کی باتیں لوگوں کے دلوں میں اسی حد تک موثر ہوتی ہیں جس حد تک اس شخص کی معرفت اور تقویٰ پر لوگوں کو یقین ہوتا ہے۔ (تذکرۃ الشہادتین ر۔خ جلد20 صفحہ64)

اسلام اس بات کا نام ہے کہ قرآن شریف کی اتباع سے خدا کو راضی کیا جاوے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ622)

اسلام چیز کیا ہے؟ خدا کے لئے فنا ترکِ رضائے خویش پئے مرضیٔ خدا
جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات اس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات

(درثمین اردو صفحہ103)(براہین احمدیہ۔ر۔خ جلد21 صفحہ18)

پانچویں فصل

وحیِ الٰہی کے اعتبار سے

حضرت اقدسؑ کے دل کو کشوف والہام سے روشن کیا گیا

یَا اَحۡمَدُ بَارَکَ اللّٰہُ فِیکَ۔ اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّآ اُنۡذِرَ اٰبَآءُ ھُمۡ وَلِتَسۡتَبِیۡنَ سَبِیۡلُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ۔ قُلۡ اِنِّیۡ اُمِرۡتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ۔ ھُوَ الَّذِیۡ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡھُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡھِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ۔ (اربعین۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 351)

ترجمہ: **اے احمد! خدا نے تجھ میں برکت ڈالی۔ اس نے تجھے قرآن سکھایا** تا تو ان لوگوں کو ڈراوے جن کے باپ دادے نہیں ڈرائے گئے اور تا کہ مجرموں کی راہ کھل جائے یعنی معلوم ہو جائے کہ کون کون مجرم ہے۔ کہہ دے کہ میرے پر خدا کا حکم نازل ہوا ہے اور میں تمام مومنوں سے پہلا ہوں۔ وہ خدا جس نے اپنے فرستادہ کو بھیجا اس نے دو امر کے ساتھ اسے بھیجا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کو نعمت ہدایت سے مشرف فرمایا ہے یعنی اپنی راہ کی شناخت کیلئے روحانی آنکھیں اس کو عطا کی ہیں **اور علم لدنّی سے ممتاز فرمایا ہے اور کشف اور الہام سے اس کے دل کو روشن کیا ہے۔** اور اس طرح پر الٰہی معرفت اور محبت اور عبادت کا جو اس پر حق تھا اس حق کی بجا آوری کیلئے آپ اس کی تائید کی ہے اور اس لئے اس کا نام مہدی رکھا۔ دوسرا امر جس کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے وہ دین الحق کے ساتھ روحانی بیماریوں کو اچھا کرنا ہے۔ یعنی شریعت کے صدہا مشکلات اور معضلات حل کر کے دلوں سے شبہات کو دور کرنا ہے۔ پس اس لحاظ سے اس کا نام عیسیٰ رکھا ہے یعنی بیماروں کو چنگا کرنے والا۔

الہامات و کشوف حضرت اقدسؑ

یَا اَحۡمَدُ بَارَکَ اللّٰہُ فِیۡکَ۔ مَارَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّآ اُنۡذِرَ اٰبَآءُ ھُمۡ وَلِتَسۡتَبِیۡنَ سَبِیۡلُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ۔ قُلۡ اِنِّی اُمِرۡتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ o

یعنی اے احمد! خدا نے تجھ میں برکت رکھ دی۔ جو کچھ تو نے چلایا تو نے نہیں چلایا بلکہ خدا نے چلایا۔ **وہ خدا ہے جس نے تجھے قرآن سکھلایا یعنی اس کے حقیقی معنوں پر تجھے اطلاع دی** تا کہ تو ان لوگوں کو ڈرائے جن کے باپ دادے نہیں ڈرائے گئے۔ اور تا کہ مجرموں کی راہ کھل جائے اور تیرے انکار کی وجہ سے ان پر حجت پوری ہو جائے۔ ان لوگوں کو کہدے کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہوں اور میں وہ ہوں جو سب سے پہلے ایمان لایا۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ ر۔خ جلد 21 صفحہ 66)

اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡآنَ۔ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّا اُنۡذِرَ آبَآؤُھُمۡ وَلِتَسۡتَبِیۡنَ سَبِیۡلَ الۡمُجۡرِمِیۡنَ قُلۡ اِنِّیۡ اُمِرۡتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ۔

اس الہام کے رو سے خدا نے مجھے علوم قرآنی عطا کئے ہیں۔ اور میرا نام اول المومنین رکھا۔ اور مجھے سمندر کی طرح معارف اور حقائق سے بھر دیا ہے اور مجھے بار بار الہام دیا ہے کہ اس زمانہ میں کوئی معرفت الٰہی اور کوئی محبت الٰہی تیری معرفت اور محبت کے برابر نہیں۔ پس بخدا میں کشتی کے میدان میں کھڑا ہوں۔ جو شخص مجھے قبول نہیں کرتا۔ عنقریب وہ مرنے کے بعد شرمندہ ہوگا۔ اور اب حجۃ اللہ کے نیچے ہے۔ اے عزیز کوئی کام دنیا کا ہو یا دین کا بغیر لیاقت کے نہیں ہو سکتا۔

(ضرورت الامام۔ ر۔خ جلد 13 صفحہ 502)

کیونکہ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اس روز اس کی پاک کتاب کا جلوہ ظاہر ہو۔ میں نے عالم کشف میں اس کے متعلق دیکھا کہ میرے محل پر غیب سے ایک ہاتھ مارا گیا اور اس ہاتھ کے چھونے سے اس محل میں سے ایک نور ساطعہ نکلا جو ارد گرد پھیل گیا اور میرے ہاتھوں پر بھی اس کی روشنی ہوئی۔ **تب ایک شخص جو میرے پاس کھڑا تھا۔ وہ بلند آواز سے بولا کہ اللہ اکبر۔ خربت خیبر۔ اس کی یہ تعبیر ہے کہ اس محل سے میرا دل مراد ہے جو جائے نزول وحلول انوار ہے اور وہ نور قرآنی معارف ہیں۔ اور خیبر سے مراد تمام خراب مذہب ہیں جن میں شرک اور باطل کی ملونی ہے اور انسان کو خدا کی جگہ دی گئی یا خدا کی صفات کو اپنے کامل محل سے نیچے گرادیا ہے۔ سو مجھے جتلایا گیا کہ اس مضمون کے خوب پھیلنے کے بعد جھوٹے مذہبوں کا جھوٹ کھل جائیگا اور قرآنی سچائی دن بدن زمین پر پھیلتی جائے گی جب تک کہ اپنا دائرہ پورا کرے** پھر میں اس کشفی حالت سے الہام کی طرف منتقل کیا گیا اور مجھے یہ الہام ہوا۔ **انّ اللّٰہ معک انّ اللّٰہ یقوم اینما قمت ۔** یعنی خدا تیرے ساتھ ہے خدا وہیں کھڑا ہوتا ہے جہاں تو کھڑا ہو۔ یہ حمایت الٰہی کیلئے ایک استعارہ ہے۔

(تریاق القلوب ۔ ر۔خ جلد 15 صفحہ 227-226)

تو نورِ آں خدائی کیں خلق آفریدہ	**اے کانِ دلربائی دانم کہ از کجائی**
تو تو اس خدا کا نور ہے جس نے یہ مخلوقات پیدا کی	**اے کان حُسن میں جانتا ہوں کہ تو کس سے تعلق رکھتی ہے**
زیرا کہ زاں فغاں رس نورت بما رسیدہ	**میلم نماند باکس محبوبِ من توئی بس**
کیونکہ اس خدائے فریاد رس کی طرف سے تیرا نور ہم کو پہنچا ہے	**مجھے کسی سے تعلق نہ رہا اب تو ہی میرا محبوب ہے**

(براہین احمدیہ ۔ ر۔خ جلد 1 صفحہ 305 حاشیہ نمبر 2)

"رَاَیْتُ اَنَّ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یُرِیْنِیْ کِتَابًا وَّ یَقُوْلُ ھٰذَا تَفْسِیْرُ الْقُرْاٰنِ اَنَا اَلَّفْتُہٗ وَ اَمَرَنِیْ رَبِّیْ اَنْ اُعْطِیَکَ فَبَسَطْتُ اِلَیْہِ یَدِیْ وَاَخَذْتُہٗ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرٰی وَیَسْمَعُ وَلَا یَتَکَلَّمُ وَکَاَنَّہٗ حَزِیْنٌ لِّاَجَلِ بَعْضِ اَحْزَانِیْ ۔ وَرَاَیْتُہٗ فَاِذَاالْوَجْہُ ھُوَ الْوَجْہُ االَّذِیْ رَاَیْتُ مِنْ قَبْلُ اَنَارَتِ الْبَیْتُ مِنْ نُّوْرِہٖ ۔ فَسُبْحَانَ اللّٰہِ خَالِقِ النُّوْرِوَ النُّوْرَانِیِّیْنَ۔"

ترجمہ از مرتب: میں نے دیکھا کہ علی رضی اللہ عنہ مجھے ایک کتاب دکھاتے اور کہتے ہیں کہ یہ قرآن کی تفسیر ہے جس کو میں نے تالیف کیا ہے اور مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو دوں۔ تب میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے لے لیا اور رسول اللہ ﷺ دیکھ رہے تھے اور سن رہے تھے مگر آپ بولتے نہیں تھے۔ گویا آپ میرے بعض غموں کی وجہ سے غمگین تھے۔ اور میں نے جب آپ کو دیکھا تو آپ کا وہی چہرہ تھا جو میں نے پہلے دیکھا تھا۔ آپ کے نور سے گھر روشن ہو گیا۔ پس پاک ہے وہ خدا جو نور اور نورانی وجودوں کا خالق ہے۔ (آئینہ کمالات اسلام ۔ ر۔خ جلد 5 صفحہ 550)

آمدم تا نگار باز آید بیدلاں را قرار باز آید

میں اس لئے آیا ہوں تا کہ محبوب لوٹ آئے اور بددل لوگوں کو پھر آرام نصیب ہو

دستِ غیبم پرورد ہردم کرو وحیش بمن ظہورِ اتم

ایک غیبی ہاتھ ہر دم میری پرورش کرتا ہے اور اس کی وحی نے کامل طور سے مجھ پر ظہور کیا ہے

نورِ الہام ہمچو بادِ صبا نزدم آرد زغیب خوشبوہا

الہام الٰہی کا نور باد صبا کی طرح غیب سے میرے پاس خوشبوئیں لا رہا ہے

زندہ شد ہر نبی بآمدنم ہر رسولے نہاں بہ پیرہنم

ہر نبی میرے آنے سے زندہ ہوگیا ہر رسول میرے پیراہن میں پوشیدہ ہے

(نزول المسیح ۔ر۔خ جلد18 صفحہ 478)

حضرت اقدسؑ کی وحی کا ذکر قرآن کریم میں

فرمایا کہ ’’آج میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ قرآن شریف کی وحی اور اس سے پہلی وحی پر ایمان لانے کا ذکر تو قرآن شریف میں موجود ہے۔ ہماری وحی پر ایمان لانے کا ذکر کیوں نہیں۔ اسی امر پر توجہ کر رہا تھا کہ **خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور القاء کے یکا یک میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ آیۂ کریمہ وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ وَبِالۡاٰخِرَۃِ هُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ** (البقرہ:5) **میں تینوں وحیوں کا ذکر ہے۔ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ سے قرآن شریف کی وحی اور مَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ سے انبیاء سابقین کی وحی اور اٰخرۃ سے مراد مسیح موعودؑ کی وحی ہے۔** آخرۃ کے معنی ہیں پیچھے آنے والی۔ وہ پیچھے آنے والی چیز کیا ہے۔ سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پیچھے آنیوالی چیز سے مراد وہ وحی ہے جو قرآن کریم کے بعد نازل ہوگی۔ کیونکہ اس سے پہلے وحیوں کا ذکر ہے۔ ایک وہ جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی۔ دوسری وہ جو آنحضرت ﷺ سے قبل نازل ہوئی اور تیسری وہ جو آپ کے بعد آنے والی تھی۔

(تفسیر حضرت اقدس سورۃ البقرۃ جلد2 صفحہ 63)

(ریویو آف ریلیجنز جلد 14 نمبر 4 بابت ماہ مارچ و اپریل 1915ء صفحہ 164 حاشیہ)

حضرت اقدس کا اپنی وحی کی صداقت پر یقینِ کامل

آنچہ داد است ہر نبی راجام داد آں جام را مرا بتمام

جو جام اس نے ہر نبی کو عطا کیا تھا وہی جام اس نے کامل طور سے مجھے بھی دیا ہے

آنچہ من بشنوم ز وحیِ خدا بخدا پاک دانمش زخطا

جو کچھ خدا کی وحی سے میں سنتا ہوں خدا کی قسم میں اسے غلطی سے پاک سمجھتا ہوں

ہمچو قرآں منزہ اش دانم از خطاہا ہمیں است ایمانم

میں اسے قرآن کی طرح غلطیوں سے پاک جانتا ہوں اور یہی میرا ایمان ہے

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے من بعرفاں نہ کمترم ز کسے

اگرچہ انبیاء بہت ہوئے ہیں مگر میں معرفت الٰہی میں کسی سے کم نہیں ہوں

وارثِ مصطفیٰ شدم بہ یقیں شدہ رنگیں برنگِ یارِ حسیں

میں یقیناً مصطفیٰ کا وارث ہوں اور اس حسین محبوب کے رنگ میں رنگین ہوں

(نزول المسیح ۔ر۔خ جلد18 صفحہ 477)

حضرت اقدسؑ الہام اور وحی سے قرآن کو سمجھتے ہیں

علمِ قرآن علمِ آں طیّب زباں علمِ غیب از وحیِ خلاقِ جہاں
قرآن کا علم اس پاک زبان کا علم اور الہام الٰہی سے غیب کا علم۔
ایں سہ علم چوں نشانہا دادہ اند ہر سہ ہمچوں شاہداں استادہ اند
یہ تین علم مجھے نشان کے طور پر دیے گئے ہیں اور تینوں بطور گواہ میری تائید میں کھڑے ہیں۔

(درثمین فارسی صفحہ 187 نیا ایڈیشن)(تحفہ غزنویہ۔ر۔خ جلد 15 صفحہ 533)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام: یہ خدا کا بڑا فضل ہے اور خوش قسمتی آپ کی ہے کہ آپ ادھر آنکلے۔ یہ بات واقعی سچ ہے کہ جو مسلمان ہیں یہ قرآن شریف کو بالکل نہیں سمجھتے **لیکن اب خدا کا ارادہ ہے کہ صحیح معنی قرآن کے ظاہر کرے خدا نے مجھے اسی لئے مامور کیا ہے اور میں اس کے الہام اور وحی سے قرآن شریف کو سمجھتا ہوں** قرآن شریف کی ایسی تعلیم ہے کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں آسکتا اور معقولات سے ایسی پُر ہے کہ ایک فلاسفر کو بھی اعتراض کا موقعہ نہیں ملتا مگر ان مسلمانوں نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا ہے اور اپنی طرف سے ایسی ایسی باتیں بنا کر قرآن شریف کی طرف منسوب کرتے ہیں جس سے قدم قدم پر اعتراض وارد ہوتا ہے اور ایسے دعاوی اپنی طرف سے کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں نہیں ہے اور وہ سراسر اس کے خلاف ہیں مثلاً اب یہی واقعہ صلیب کا دیکھو کہ اس میں کس قدر افتراء سے کام لیا گیا ہے اور قرآن کریم کی مخالفت کی گئی ہے اور یہ بات عقل کے بھی خلاف ہے اور قرآن کے بھی برخلاف ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 451-450)

ان لوگوں کو قرآن کا علم نہیں ہے اور نہ خدا سے الہام پاتے ہیں کہ تا خدا کے کلام کے معنی خدا سے معلوم کریں۔ اور اس طرح پر ناحق ایک خلاف واقعہ بات کی یاد دہانی کراتے رہتے ہیں۔ مجھے خدا نے قرآن کا علم دیا ہے۔ اور زبان عرب کے محاورات کے سمجھنے کیلئے وہ فہم عطا کیا ہے کہ میں بلافخر کہتا ہوں کہ اس ملک میں کسی دوسرے کو یہ فہم عطا نہیں ہوا میں زور سے کہتا ہوں کہ قرآن میں ایسی تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ دین کو تلوار کے ساتھ مدد دی جائے یا اعتراض کرنے والوں پر تلوار اٹھائی جائے۔ (کشف الغطاء۔ر۔خ جلد 14 صفحہ 208)

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ o وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ o (الجمعة:3 تا4)

منعم علیہم کے کامل طور پر مصداق باعتبار کثرت کمیت اور صفائی کیفیت اور نعمائے حضرت احدیت از روئے نصّ صریح قرآنی اور احادیث متواترہ حضرت مرسل یزدانی دو گروہ ہیں ایک گروہ صحابہؓ اور دوسرا گروہ جماعت مسیح موعود۔ کیونکہ یہ دونوں گروہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ کے تربیت یافتہ ہیں کسی اپنے اجتہاد کے محتاج نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ پہلے گروہ میں رسول اللہ ﷺ موجود تھے جو خدا سے براہ راست ہدایت پا کر وہی ہدایت نبوت کی پاک توجہ کے ساتھ صحابہؓ کے دل میں ڈالتے تھے اور ان کیلئے مربی بے واسطہ تھے **اور دوسرے گروہ میں مسیح موعود ہے جو خدا سے الہام پاتا اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی روحانیت سے فیض اٹھاتا ہے** لہٰذا اس کی جماعت بھی اجتہاد خشک کی محتاج نہیں ہے جیسا کہ آیت وَ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعہ:4) سے سمجھا جاتا ہے۔ (تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ جلد 17 صفحہ 224)

چھٹے کشوف اور الہامات کا سلسلہ ہے جو امام الزمان کیلئے ضروری ہوتا ہے۔ **امام الزمان اکثر بذریعہ الہامات کے خدا تعالیٰ سے علوم اور حقائق اور معارف پاتا ہے۔ اور اسکے الہامات دوسروں پر قیاس نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ کیفیت اور کمیت میں اس اعلیٰ درجہ پر ہوتے ہیں جس سے بڑھ کر انسان کیلئے ممکن نہیں۔ اور ان کے ذریعہ سے علوم کھلتے ہیں اور قرآنی معارف معلوم ہوتے ہیں**۔ اور دینی عقدے اور معضلات حل ہوتے ہیں اور اعلیٰ درجہ کی پیشگوئیاں جو مخالف قوموں پر اثر ڈال سکیں ظاہر ہوتی ہیں۔ غرض جو لوگ امام الزمان ہوں انکے کشوف اور الہام صرف ذاتیات تک محدود نہیں ہوتی۔ بلکہ نصرت دین اور تقویت ایمان کیلئے نہایت مفید اور مبارک ہوتے ہیں۔

(ضرورت الامام۔ ر۔خ جلد 13 صفحہ 483)

نبی کی ہر بات جو کامل توجہ سے کی جائے وہ وحی الٰہی کا رتبہ رکھتی ہے

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى o مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى o وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى o اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى o عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى o ذُوْمِرَّةٍ ط فَاسْتَوٰى o (النجم: 2 تا 7)

نبی کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں اور جو کچھ خواطر اس کے نفس میں پیدا ہوتی ہیں درحقیقت وہ تمام وحی ہوتی ہیں جیسا کہ قرآن کریم اس پر شاہد ہے **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى** لیکن قرآن کی وحی دوسری وحی سے جو صرف معانی منجانب اللہ ہوتی ہیں تمیز کلی رکھتی ہے اور نبی کے اپنے تمام اقوال وحی غیر متلو میں داخل ہوتے ہیں کیونکہ روح القدس کی برکت اور چمک ہمیشہ نبی کے شامل حال رہتی ہے اور ہر یک بات اس کی برکت سے بھری ہوئی ہوتی ہے اور وہ برکت روح القدس سے اس کلام میں رکھی جاتی ہے **لہٰذا ہر یک بات نبی کی جو نبی توجہ تام سے اور اس کے خیال کی پوری مصروفیت سے اس کے منہ سے نکلتی ہے وہ بلا شبہ وحی ہوتی ہے تمام احادیث اس درجہ کی وحی میں داخل ہیں جن کو غیر متلو وحی کہتے ہیں**۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ جلد 5 صفحہ 352-353)

مرا بگلشنِ رضوانِ حق شدست گذر
اللہ تعالیٰ کی رضا کے باغ میں میرا گذر ہوا ہے

مقامِ من چمنِ قدس و اصطفا باشد
میرا مقام برگزیدگی اور تقدس کا چمن ہے

کمالِ پاکی و صدق و صفا کہ گم شدہ بود
پاکیزگی اور صدق و صفا کا کمال جو معدوم ہو گیا تھا

دوبارہ از سخن و وعظِ من بپا باشد
وہ دوبارہ میرے کلام اور وعظ سے قائم ہوا ہے

مرنج از سخنم ایکہ سخت بے خبری
اے وہ شخص جو بالکل بے خبر ہے میری بات سے ناراض نہ ہو

کہ اینکہ گفتہ ام از وحیِ کبریا باشد
کہ جو میں نے کہا ہے یہ خدا کی وحی سے کہا ہے

کسیکہ گم شدہ از خود بنورِ حق پیوست
جو شخص اپنی خودی کو چھوڑ کر خدا کے نور میں جا ملا

ہر آنچہ از دہنش بشنوی بجا باشد
اس کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات حق ہو گی

(تریاق القلوب۔ ر۔خ جلد 15 صفحہ 134)

محدث اپنے نبیٔ متبوع کا پورا ہمرنگ ہوتا ہے

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْمِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْيُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ط اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌo (الشوریٰ:52)

صاحب وحی محدثیت اپنے نبی متبوع کا پورا ہمرنگ ہوتا ہے اور بغیر نبوت اور تجدید احکام کے وہ سب باتیں اس کو دی جاتی ہیں جو نبی کو دی جاتی ہیں اور اس پر یقینی طور پر سچی تعلیم ظاہر کی جاتی ہے اور نہ صرف اسی قدر بلکہ اس پر وہ سب امور بطور انعام و اکرام کے وارد ہو جاتے ہیں جو نبی متبوع پر وارد ہوتے ہیں سو ان کا بیان محض اٹکلیں نہیں ہوتیں بلکہ وہ دیکھ کر کہتا ہے اور سن کر بولتا ہے اور یہ راہ اس امت کیلئے کھلی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وارث حقیقی کوئی نہ رہے۔ (برکات الدعا۔ ر۔خ جلد6 صفحہ 21-20)

کیا عام لفظوں میں کسی حدیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بعض گذشتہ رسولوں میں سے پھر اس امت میں آئیں گے جیسا کہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کے مثیل آئیں گے اور امثل آئیں گے جو فطرتاً انبیاء سے بہت اقرب ہیں سو جن کے آنے کا صاف طور پر بلا تعارض وعدہ دیا گیا ہے ان سے منہ مت پھیرو اور ان کے الہام سے بھی شہادت کا فائدہ اٹھاؤ کیونکہ ان کی گواہی اس بات کو کھولتی ہے جو تم اپنی عقلوں سے نہیں کھول سکتے **آسمانی گواہی کے رد کرنے میں جرات نہ کرو کیونکہ یہ بھی اسی پاک چشمہ سے نکلی ہے جس سے وحی نبوت نکلی ہے۔ سو یہ وحی کے معنی کی شارح اور صراط مستقیم کو دکھلانے والی ہے۔** (ازالہ اوہام۔ ر۔خ جلد3 صفحہ 381-380)

غرض قرآن ایسی مجمل کتاب نہیں جو کبھی اور کسی صورت میں معیار کا کام نہ دے سکے۔ جس کا ایسا خیال ہے بے شک وہ سخت نادان ہے۔ بلکہ ایمان اس کا خطرہ کی حالت میں ہے اور حدیث **انی اوتیت الکتاب و مثله** سے آپ کے خیال کو کیا مدد پہنچ سکتی ہے؟ آپ کو معلوم نہیں کہ وحی متلو کا خاصہ ہے جو اس کے ساتھ تین چیزیں ضرور ہوتی ہیں خواہ وہ وحی رسول کی ہو یا نبی کی یا محدث کی۔

اول۔ مکاشفات صحیحہ جو اخبارات اور بیانات وحی کو کشفی طور پر ظاہر کرتے ہیں۔ گویا خبر کو معائنہ کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے نبی ﷺ کو وہ بہشت اور دوزخ دکھلایا گیا جس کا قرآن کریم نے بیان کیا تھا۔ اور ان گذشتہ رسولوں سے ملاقات کرائی گئی جن کا قرآن حمید میں ذکر کیا گیا تھا ایسا ہی بہت سی معاد کی خبریں کشفی طور پر ظاہر کی گئیں۔ **تا وہ علم جو قرآن کے ذریعہ سے دیا گیا تھا۔ زیادہ تر انکشاف پکڑے اور موجب طمانیت اور سکینت کا ہو جائے۔**

دوئم۔ وحی متلو کے ساتھ رویائے صالحہ دی جاتی ہے جو نبی اور رسول اور محدث کیلئے ایک قسم کی وحی میں ہی داخل ہوتی ہے اور باوجود کشف کے رویا کی اس لئے ضرورت ہوتی ہے کہ تا علم استعارات کا جو رویا پر غالب ہے وحی یاب پر کھل جائے اور علوم تعبیر میں مہارت پیدا ہو اور تا کشف اور رویا اور وحی بباعث تعدد طرق کے ایک دوسرے پر شاہد ہوں اور اس وجہ سے نبی اللہ کمالات اور معارف یقینیہ کی طرف ترقی رکھے۔

سوئم۔ وحی متلو کے ساتھ ایک خفی وحی عنایت ہوتی ہے جو تفہیمات الٰہیہ سے نامزد ہو سکتی ہے یہی وحی ہے جس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں اور متصوفہ اس کا نام وحی خفی اور وحی دل بھی رکھتے ہیں اس وحی سے یہ غرض ہوتی ہے کہ بعض مجملات اور اشارات وحی متلو کے منزل علیہ پر ظاہر ہوں۔ سو یہ وہ تینوں چیزیں ہیں جو آنحضرت ﷺ کیلئے اوتیت الکتاب کے ساتھ مثلہ کا مصداق ہیں۔ **اور ہر ایک رسول اور نبی اور محدث کو اس کی وحی کے ساتھ یہ تینوں چیزیں حسب مراتب اپنی اپنی حالت قرب کے دی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں راقم تقریر ہذا صاحب تجربہ ہے یہ مویدات ثلثہ یعنی کشف اور رویا اور وحی خفی دراصل امور زائدہ نہیں ہوتے بلکہ وحی متلو کے جو متن کی طرح ہے مفسر اور مبین ہوتے ہیں۔ فتدبر**

(الحق بحث لدھیانہ۔ ر۔ خ جلد 4 صفحہ 109-108)

انبیاء وحیٔ الٰہی کے احکام کے بغیر کوئی تبلیغ و تعلیم نہیں کرتے

وَ کَذٰلِکَ اَوْ حَیْنَا اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ط مَاکُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِهٖ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ط وَ اِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍo

(الشوریٰ:53)

یاد رکھو کہ ہر ایک نبی کو جب تک وحی نہ ہو وہ کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ ہر ایک چیز کی اصل حقیقت تو وحیٔ الٰہی سے ہی کھلتی ہے۔ یہی وجہ تھی جو آنحضرت ﷺ کو ارشاد ہوا مَاکُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانِ یعنی تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا چیز ہے؟ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی وحی آپؐ پر ہوئی تو پھر وَ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ (یونس:105) آپؐ کو کہنا پڑا۔ اسی طرح آپؐ کے زمانۂ وحی سے پیشتر مکہ میں بت پرستی اور شرک، فسق و فجور ہوتا تھا لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ وحی الٰہی کے آنے سے پہلے بھی آپؐ نے بتوں کے خلاف وعظ کیا اور تبلیغ کی تھی لیکن جب فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (الحجر:95) کا حکم ہوا تو پھر ایک سیکنڈ کی بھی دیر نہیں کی اور ہزاروں مشکلات اور مصائب کی بھی پرواہ نہیں کی۔ بات یہی ہے کہ جب کسی امر کے متعلق وحی الٰہی آ جاتی ہے تو پھر ماموراس کے پہنچانے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے اور اس کا چھپانا اسی طرح شرک سمجھتے ہیں جس طرح وحیٔ الٰہی سے اطلاع پانے کے بغیر کسی امر کی اشاعت شرک سمجھتے ہیں۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 392)

چھٹی فصل

روح القدس کی تائید کے اعتبار سے

تفسیر آیت وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی o اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (النجم :4،5)

(اور نہیں وہ بولتا اپنی خواہش سے نہیں وہ مگر وحی ہے جو کی جاتی ہے)

یاد رہے کہ اگرچہ ہر ایک نبی میں مہدی ہونے کی صفت پائی جاتی ہے کیونکہ سب نبی تلامیذ الرحمان ہیں اور نیز اگرچہ ہر ایک نبی میں مؤید بروح القدس ہونے کی صفت بھی پائی جاتی ہے کیونکہ تمام نبی روح القدس سے تائید یافتہ ہیں لیکن پھر بھی یہ دونام دونبیوں سے کچھ خصوصیت رکھتے ہیں یعنی مہدی کا نام ہمارے نبی ﷺ سے خاص ہے اور مسیح یعنی مؤید بروح القدس کا نام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کچھ خصوصیت رکھتا ہے گو ہمارے نبی ﷺ اس نام کے رو سے بھی فائق ہیں کیونکہ ان کو شدید القویٰ کا دائمی انعام دیا گیا ہے لیکن روح القدس کے مرتبہ میں جو شدید القویٰ سے کم مرتبہ ہے حضرت مسیح کو یہ خصوصیت دی گئی ہے جیسا کہ یہ دونوں خصوصیتیں قرآن شریف سے ظاہر ہیں آنحضرتؐ کا دوسرا نام اُمّی مہدی رکھا اور وعلمہ شدید القویٰ فرمایا اور حضرت مسیح کو روح القدس سے تائید یافتہ قرار دیا جیسا کہ کسی شاعر نے بھی کہا ہے۔

فیض روح القدس از باز مدد فرماید ہمہ آں کارکنند آنچہ مسیحا مے کرد

اور نبیوں کی پیشگوئی میں یہ تھا کہ امام آخر الزمان میں یہ دونوں صفتیں اکٹھی ہو جائیں گی یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ آدھا اسرائیلی ہوگا اور آدھا اسماعیلی۔ (اربعین نمبر 2۔ر۔خ جلد 17 صفحہ 359-358 حاشیہ)

اس عاجز کو اپنے ذاتی تجربہ سے یہ معلوم ہے کہ روح القدس کی قدسیّت ہر وقت اور ہر دم اور ہر لحظہ بلافصل ملہم کے تمام قویٰ میں کام کرتی رہتی ہے اور وہ بغیر روح القدس اور اس کی تاثیر قدسیت کے ایک دم بھی اپنے تئیں ناپاکی سے بچا نہیں سکتا اور انوار دائمی اور استقامت دائمی اور محبت دائمی اور عصمت دائمی اور برکات دائمی کا بھی سبب ہوتا ہے کہ روح القدس ہمیشہ اور ہر وقت ان کے ساتھ ہوتا ہے پھر امام المعصومین اور امام المتبرکین اور سید المقربینؐ کی نسبت کیونکر خیال کیا جائے نعوذ باللہ کسی وقت ان تمام برکتوں اور پاکیزگیوں اور روشنیوں سے خالی رہ جاتے تھے۔ افسوس کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ تینتیس برس روح القدس ایک دم کیلئے بھی ان سے جدا نہیں ہوا مگر اس جگہ اس قرب سے منکر ہیں۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ جلد 5 صفحہ 94-93 حاشیہ)

مہدی کے مفہوم میں یہ معنی ماخوذ ہیں کہ وہ کسی انسان کا علم دین میں شاگرد یا مرید نہ ہو اور خدا کی ایک خاص تجلی تعلیم لدنی کے نیچے دائمی طور پر نشوونما پاتا ہو جو روح القدس کے ہر ایک تمثل سے بڑھ کر ہے اور ایسی تعلیم پانا صفت محمدی ہے اور اسی کی طرف آیت عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی میں اشارہ ہے اور اس فیض کے دائمی اور غیر منفک ہونے کی طرف آیت وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی میں اشارہ ہے اور مسیح کے مفہوم میں یہ معنی ماخوذ ہیں جو دائمی طور پر وہ روح القدس اس کے شامل حال ہو جو شدید القویٰ کے درجہ سے کم تر ہو کیونکہ روح القدس کی تاثیر یہ ہے کہ وہ اپنی منزل علیہ میں ہو کر انسانوں کو راستی کا ملزم بناتا ہے مگر شدید القویٰ راستی کا اعلیٰ رنگ منزل علیہ میں ہو کر انسانوں کے دلوں میں چڑھاتا ہے۔

(اربعین نمبر 2۔ر۔خ جلد 17 صفحہ 361-360 حاشیہ)

روح القدس کی تائیداور چمک ہمیشہ نبی کے شامل حال رہتی ہے

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِہٖ ج فَیَنْسَخُ اللّٰہُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ ط وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ o(سورۃ الحج:53)

یہ بات خدا تعالیٰ کے قانون قدرت کے برخلاف ہے کہ وہ شیاطین کو ان کے مواضع مناسبہ سے معطل کردیوے۔ اللہ جل شانہ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِہٖ فَیَنْسَخُ اللّٰہُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ o یعنی ہم نے کوئی ایسا رسول اور نبی نہیں بھیجا کہ اس کی یہ حالت نہ ہو کہ جب وہ کوئی تمنا کرے یعنی اپنے نفس سے کوئی بات چاہے تو شیطان اس کی خواہش میں کچھ نہ ملا دے یعنی جب کوئی رسول یا کوئی نبی اپنے نفس کے جوش سے کسی بات کو چاہتا ہے تو شیطان اس میں بھی دخل دیتا ہے تب وحی متلو جو شوکت اور ہیبت اور روشنی تام رکھتی ہے اس دخل کو اٹھا دیتی ہے اور منشاء الٰہی کو مصفا کرکے دکھلا دیتی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں اور جو کچھ خواطر اس کے نفس میں پیدا ہوتی ہیں درحقیقت وہ تمام وحی ہوتی ہیں جیسا کہ قرآن کریم اس پر شاہد ہے **ومـا ینطق عـن الهوی o ان هـو الا وحـی یـوحی o**(الـنـجم: 5،4) لیکن قرآن کی وحی دوسری وحی سے جو صرف معانی منجانب اللہ ہوتی ہیں تمیز کلی رکھتی ہے **اور نبی کے اپنے تمام اقوال وحی غیر متلو میں داخل ہوتے ہیں کیونکہ روح القدس کی برکت اور چمک ہمیشہ نبی کے شامل حال رہتی ہے اور ہر یک بات اس کی برکت سے بھری ہوئی ہوتی ہے اور وہ برکت روح القدس سے اس کلام میں رکھی جاتی ہے لہٰذا ہر یک بات نبی کی جو نبی کی توجہ تام سے اور اس کے خیال کی پوری مصروفیت سے اس کے منہ سے نکلتی ہے وہ بلاشبہ وحی ہوتی ہے۔** (آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ جلد 5 صفحہ 353-352)

جو علما عارف باللہ اور مؤید من اللہ ہوتے ہیں وہ بتائید روح القدس جملہ علوم کا استخراج قرآن مجید سے کر سکتے ہیں قـال الله تعالیٰ لا رطب و لا یا بس الا فی کتاب مبین (الانعام:60) **و ایضا قال الله تعالیٰ والـذیـن جاهدو افینا لنهدینهم سبلنا** (العنکبوت:70) **و ایـضـا قـال الله تعالیٰ وعلمنا ہ من لد نا عـلـمـا** (الـکهف:66)۔ **اور علماء ظاہر کو یہ بات نصیب نہیں ہو سکتی ان کو البتہ اشد احتیاج طرف علوم رسمیہ اور فنون درسیہ کی ہوتی ہے۔** (الحق مباحثہ دہلی۔ ر۔خ جلد 4 صفحہ 294)

تفسیر نویسی: اس بات کا ذکر آیا کہ آج کل لوگ بغیر سچے علم اور واقفیت کے تفسیریں لکھنے بیٹھ جاتے ہیں۔

اس پر فرمایا:

"تفسیر قرآن میں دخل دینا بہت نازک امر ہے۔ مبارک اور سچا دخل اس کا ہے جو روح القدس سے مدد لے کر دخل دے؛ ورنہ علوم مروجہ کا لکھنا دنیاداروں کی چالاکیاں ہیں۔" (ملفوظات جلد اول صفحہ 505)

ساتویں فصل

حضرت اقدسؑ نے قرآن کریم کے علوم اور معارف خداتعالیٰ سے حاصل کئے ہیں

الہام حضرت اقدسؑ

مَااَنَا اِلَّا کَالْقُرْاٰنِ وَسَیَظْهَرُ عَلٰی یَدَیَّ مَا ظَهَرَ مِنَ الْفُرْقَانِ۔

میں تو بس قرآن ہی کی طرح ہوں اور عنقریب میرے ہاتھ پر ظاہر ہوگا جو کچھ فرقان سے ظاہر ہوا۔

(تذکرہ ایڈیشن 4 صفحہ 674)

اشعار حضرت اقدسؑ

علمِ قرآں علمِ آں طیّب زباں
علمِ غیب ازوحیِ خلّاقِ جہاں

قرآن کا علم ۔ اس پاک زبان کا علم
اور الہام الٰہی سے غیب کا علم

ایں سہ علمم چوں نشانہا دادہ اند
ہر سہ ہمچوں شاہداں استادہ اند

یہ تین علم مجھے نشان کے طور پر دیئے گئے ہیں
اور تینوں بطور گواہ میری تائید میں کھڑے ہیں

(درثمین فارسی)(تحفہ غزنویہ۔ ر۔خ جلد 15 صفحہ 533)

اشعار حضرت اقدسؑ

باغ مرجھایا ہوا تھا گر گئے تھے سب ثمر
میں خدا کا فضل لایا پھر ہوئے پیدا ثمار

مرہمِ عیسیٰؑ نے دی تھی محض عیسےٰ کو شفا
میری مرہم سے شفا پائے گا ہر ملک و دیار

جھانکتے تھے نور کو وہ روزنِ دیوار سے
لیک جب در کھل گئے پھر ہو گئے شپر شعار

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے
اب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے امیدوار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ ر۔خ جلد 21 صفحہ 147)

الہام حضرت اقدسؑ

مجھے ایک دفعہ یہ الہام ہوا کہ:۔

الرحمن علم القران۔ یا احمد فاضت الرحمة علی شفتیک۔

یعنی خدا نے تجھے اے احمد قرآن سکھلایا اور تیرے لبوں پر رحمت جاری کی گئی۔

اور اس الہام کی تفہیم مجھے اس طرح پر ہوئی کہ کرامت اور نشان کے طور پر قرآن اور زبان قرآن کی نسبت دو طرح کی نعمتیں مجھ کو عطا کی گئی ہیں۔(۱) ایک یہ کہ معارف عالیہ فرقان حمید بطور خارق عادت مجھ کو سکھلائے گئے جن میں دوسرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔(۲) دوسرے یہ کہ زبان قرآن یعنی عربی میں وہ بلاغت اور فصاحت مجھے دی گئی۔ کہ اگر تمام علماء مخالفین باہم اتفاق کر کے بھی اس میں میرا مقابلہ کرنا چاہیں تو ناکام اور نامراد رہیں گے۔ اور وہ دیکھ لیں گے کہ جو حلاوت اور بلاغت اور فصاحت لسان عربی مع التزام حقائق و معارف و نکات میری کلام میں ہے وہ ان کو اور انکے دوستوں اور ان کے استادوں اور ان کے بزرگوں کو ہرگز حاصل نہیں۔ (تریاق القلوب۔ر۔خ جلد15 صفحہ230)

اشعار حضرت اقدسؑ

عِلْمِیْ مِنَ الرَّحْمٰنِ ذِیْ الْاٰلَاءِ	بِاللّٰہِ حُزْتُ الْفَضْلَ لَا بِدَھَاءِ
میرا علم خدائے رحمان کی طرف سے جو نعمتوں والا ہے	**میں نے خدا کے ذریعہ فضل الٰہی کو حاصل کیا ہے نہ کہ عقل کے ذریعہ**
کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی مَدَارِجِ شُکْرِہٖ	نُثْنِیْ عَلَیْہِ وَلَیْسَ حَوْلُ ثَنَاءِ
ہم اس کے شکر کی منزلوں تک کیسے پہنچ سکتے ہیں	کہ ہم اس کی ثنا کرتے ہیں اور ثنا کی طاقت نہیں
اَللّٰہُ مَوْلٰنَا وَکَافِلُ اَمْرِنَا	فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا وَبَعْدَ فَنَاءِ
خدا ہمارا مولیٰ ہے اور ہمارے کام کا متکفل ہے	اس دنیا میں بھی اور فنا کے بعد بھی
لَوْلَا عِنَایَتُہٗ بِزَمِنِ تَطَلُّبِیْ	کَادَتْ تُعَفِّیْنِیْ سُیُوْلُ بُکَاءِ
اگر میری جستجوئے پیہم کے دور میں اسکی عنایت نہ ہوتی	تو قریب تھا کہ آہ وزاری کے سیلاب مجھے نابود کر دیتے
أُعْطِیْتُ مِنْ اِلْفٍ مَعَارِفَ لُبَّھَا	أُنْزِلْتُ مِنْ حِبٍّ بِدَارِ ضِیَاءِ
مجھے محبوب کی طرف سے معارف کا مغز عطاء کیا گیا ہے	**اور میں اپنے محبوب کی طرف سے روشنی کی جگہ میں اتارا گیا ہوں**

(انجام آتھم۔ر۔خ جلد11 صفحہ266)

مہدیٔ وقت علم دین صرف خدا تعالیٰ سے ہی حاصل کرتا ہے

چوں حاجتے بود بہ ادیبِ وگرمرا من تربیت پذیر زربِّ مہیمنم

مجھے کسی اور استاد کی ضرورت کیوں ہو میں تو اپنے خدا سے تربیت حاصل کیے ہوئے ہوں

(درثمین فارسی نیا ایڈیشن)(آئینہ کمالات اسلام آخری صفحات۔ر۔خ جلد5 صفحہ 658)

آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا سو اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ آنے والا علم دین خدا سے ہی حاصل کرے گا۔ اور قرآن اور حدیث میں کسی اُستاد کا شاگرد نہیں ہوگا۔ سو میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرا حال یہی حال ہے۔ کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے۔ یا کسی مفسر یا محدث کی شاگردی اختیار کی ہے۔ پس یہی مہدویت ہے جو نبوت محمدیہ کے منہاج پر مجھے حاصل ہوئی۔ اور اسرار دین بلا واسطہ میرے پر کھولے گئے۔ (ایام الصلح۔ر۔خ جلد14 صفحہ 394)

والذی نفسی بیده انه نظر لی فقبلنی واحسن الی وبانی و اعطا نی من لدنه فهما سليماو عقلا مستقيما و کم من نور قذف فی قلبی فعرفت من القرآن ما لا یعرف غیری و ادرکت منه ما لا یدرک مخالفی ووصلت فی فهمه الی مرتبة تتقا صر عنها افهام اکثر الناس و ان هذا الاحسانه وهو خیر المحسنین۔ (حمامۃ البشریٰ۔ر۔خ جلد7 صفحہ 284، 285)

ترجمہ اردو از مرتب

اور میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے میری طرف نظر رحمت کی اور مجھے قبول کیا۔ اور مجھ پر احسان کیا اور میری تربیت کی اور اس نے اپنے حضور سے مجھے فہم عطا کیا۔ جو سلیم تھا۔ اور ایسی عقل مستقیم جو بغیر کجی کے ہے عطا کی اور کتنے ہی نور ہیں جو اُس نے میرے دل میں ڈالے اور مجھے قرآن کی معرفت عطا کی گئی جو میرے علاوہ کسی اور کو نہیں دی گئی۔ اور اس میں سے میں نے وہ پایا اور حاصل کیا جو میرا مخالف کوشش کے باوجود نہ پا سکا۔ اور میں اس قرآن کے فہم میں اس عالی مرتبہ تک پہنچا جہاں تک اکثر لوگوں کی عقلیں پہنچنے سے قاصر ہیں۔ اور یہ اس اللہ کے احسان کے علاوہ نہیں ہو سکتا۔ اور وہ سب محسنوں میں سے زیادہ احسان کرنے والا ہے۔

میں وہ پانی ہوں کہ آیا آسماں سے وقت پر میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

(درثمین اردو)(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ر۔خ جلد21 صفحہ 145)

اے کانِ دلربائی دانم کہ از کجائی تو نورِ آں خدائی کیں خلق آفریدہ

اے کانِ حسن میں جانتا ہوں کہ تو کس سے تعلق رکھتی ہے تُو تو اس خدا کا نور ہے جس نے یہ مخلوقات پیدا کی

میلم نماند باکس محبوب من توئی بس زیرا کہ زاں فغاں رس نورت بما رسیدہ

مجھے کسی سے تعلق نہ رہا اب تو ہی میرا محبوب ہے کیونکہ اس خدائے فریادرس کی طرف سے تیرا نور ہم کو پہنچا ہے

(براہین احمدیہ۔ر۔خ جلد1 صفحہ 305)

میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہزار ہا نشان میرے اطمینان کے لئے میرے پر ظاہر ہوئے ہیں جن میں سے بعض کو میں نے لوگوں کو بتایا اور بعض کو بتایا بھی نہیں اور میں نے دیکھا کہ یہ نشان خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔اور کوئی دوسرا بجز اس وحدہٗ لاشریک کے ان پر قادر نہیں۔

اور مجھ کو ماسواء اس کے علم قرآن دیا گیا اور احادیث کے صحیح معنے میرے پر کھولے گئے۔ پھر میں ایسی روشن راہ کو چھوڑ کر ہلاکت کی راہ کیوں اختیار کروں؟ جو کچھ میں کہتا ہوں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں اور جو کچھ آپ لوگ کہتے ہیں وہ صرف ظن ہے۔ اِنَّ الظَّنَّ لَایُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئاً (النجم:29) اور اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ جیسے ایک اندھا ایک اونچی نیچی زمین میں تاریکی میں چلتا ہے اور نہیں جانتا کہ کہاں قدم پڑتا ہے۔ سو میں اس روشنی کو چھوڑ کر جو مجھ کو دی گئی ہے تاریکی کو کیونکر لے لوں۔ **جبکہ میں دیکھتا ہوں کہ خدا میری دعائیں سنتا اور بڑے بڑے نشان میرے لئے ظاہر کرتا اور مجھ سے ہم کلام ہوتا اور اپنے غیب کے اسرار پر مجھے اطلاع دیتا ہے اور دشمنوں کے مقابل پر اپنے قوی ہاتھ کے ساتھ میری مدد کرتا ہے اور ہر میدان میں مجھے فتح بخشتا ہے۔ اور قرآن شریف کے معارف اور حقائق کا مجھے علم دیتا ہے تو میں ایسے قادر اور غالب خدا کو چھوڑ کر اس کی جگہ کس کو قبول کرلوں۔** (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ر۔خ جلد 21 صفحہ 297,298)

حضرت اقدسؑ اپنے وقت کے آدم تھے

اب وہ ابن مریم جس کا روحانی باپ زمین پر بجز معلم حقیقی کے کوئی نہیں۔ جو اس وجہ سے آدم سے بھی مشابہت رکھتا ہے بہت سا خزانہ قرآن کریم کا لوگوں میں تقسیم کرے گا۔ یہاں تک کہ لوگ قبول کرتے کرتے تھک جائیں گے اور لا یقبلہ اِحدٌ کا مصداق بن جائیں گے۔ اور ہر یک طبیعت اپنے ظرف کے مطابق پر ہو جائے گی۔ وہ خلافت جو آدم سے شروع ہوئی تھی۔ خدائے تعالیٰ کی کامل اور بے تغیر حکمت نے آخر کار آدم پر ہی ختم کردی۔ **یہی حکمت اس الہام میں ہے کہ اَرَدْتُ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فخلقْتُ آدَمَ یعنی میں نے ارادہ کیا کہ اپنا خلیفہ بناؤں سو میں نے آدم کو پیدا کردیا۔ چونکہ استدارت زمانہ کا یہی وقت ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر ناطق ہیں اس لئے خدا تعالیٰ نے آخر اور اول کے لفظ کو ایک ہی کرنے کے لئے آخری خلیفہ کا نام آدم رکھا۔** اور آدم اور عیسیٰ میں کسی وجہ سے روحانی مبائنت نہیں۔ بلکہ مشابہت ہے اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَاللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ (ال عمران:60)۔ (ازالہ اوہام۔ر۔خ جلد 3 صفحہ 467)

غیر کیا جانے کہ دِلبر سے ہمیں کیا جوڑ ہے ۔۔۔ وہ ہمارا ہو گیا اس کے ہوئے ہم جاں نثار
میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں ۔۔۔ نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار
اک شجر ہُوں جسکو داؤدی صفت کے پھل لگے ۔۔۔ میں ہُوا داؤد اور جالوت ہے میرا شکار
پر مسیحا بن کے میں بھی دیکھتا روئے صلیب ۔۔۔ گر نہ ہوتا نامِ احمدؐ جس پہ میرا سب مدار
روضۂ آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تلک ۔۔۔ میرے آنے سے ہوا کامل بجملہ برگ و بار
سر سے میرے پاؤں تک وُہ یار مُجھ میں ہے نہاں ۔۔۔ اے مرے بد خواہ کرنا ہوش کرکے مجھ پہ وار

(درثمین اردو) (براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ر۔خ جلد 21 صفحہ 133)

فہم قرآن کے لئے پاک نفس ہونے کی شرط ہے

اورخدائے تعالیٰ کی عنایات خاصہ میں سے ایک یہ بھی مجھ پر ہے کہ اس نے علم حقائق ومعارف قرآنی مجھ کوعطا کیا ہے۔اورظاہر ہے کہ مطہرین کی علامتوں میں سے یہ بھی ایک عظیم الشان علامت ہے کہ علم معارف قرآن حاصل ہوکیونکہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے **لَایَمَسُّہٗ اِلَّاالْمُطَھَّرُوْنَ** (الواقعہ: 80)سومخالف پربھی لازم ہے کہ جس قدر میں اب تک معارف قرآن کریم اپنی متفرق کتابوں میں بیان کرچکا ہوں۔اس کے مقابل پرکچھ اپنے معارف کا نمونہ دکھلاویں اورکوئی رسالہ چھاپ کرمشتہر کریں تا لوگ دیکھ لیں کہ جودقائق علم ومعرفت اہل اللہ کو ملتے ہیں۔وہ کہاں تک ان کوحاصل ہیں مگر بشرطیکہ کتابوں کی نقل نہ ہو۔ (ازالۂ اوہام۔ر۔خ جلد3صفحہ443)

وَمِنْ آیَاتِ صِدْقِیْ اَنَّہٗ اَعْطَانِیْ عِلْمَ الْقُرْآنِ وَاَخْبَرَنِیْ مِنْ دَقَآئِقِ الْفُرْقَانِ الَّذِیْ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّاالْمُطَھَّرُوْنَ۔ وَمِنْ آیَاتِ صِدْقِیْ اَنَّہٗ اَدَّبَنِیْ فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ وَجَعَلَ مَشْرَبِی الصَّبْرَوَالرَّضَآءَ وَالْمُوَافِقَۃَ لِرَبِّیْ۔ وَالْاِتْبَاعِ لِرَسُوْلِیْ وَاَوْدَعَ فِیْ فِطْرَتِیْ رَمُوْزَالْعِرْفَانِ وَجَعَلَنِیْ عَارِ فَالْمَصَالِحِ الْاُمُوْرِ وَ مَفَاسِدِ ھَا وَاَدْخَلَنِیْ فِی الَّذِیْنَ ھُمْ مُنْفَرِدُوْنَ۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ جلد5صفحہ 484۔485)

ترجمہ:- **اورمیری صداقت کے نشانات میں سے یہ ہے کہ اس نے مجھے علم قرآنی عطا کیا ہے اورقرآن کریم کے دقائق (اسراراورموز) سے آگاہ کیا ہے قرآن فرقان ہے جس کے متعلق اللہ فرماتا ہے لَایَمَسُّہٗ اِلَّاالْمُطَھَّرُوْنَ (یعنی سوائے متقیوں کے کوئی اسے چھوبھی نہیں سکتا)۔اورمیری صداقت کے نشانات میں سے ہے اس نے مجھے سکھایا جس طرح سکھانے کا حق تھا یعنی بہترین سکھانا۔اورمیری طبیعت میں صبرورضا رکھا ہے اوراپنے رب کے احکامات موافقت اوراپنے رسول عظیم اتباع کامل اورمیری فطرت میں اس عرفان کے اسرارودیعت کئے ہیں اور مجھے عارف بنایا ہے۔تاکہ میں بگڑے ہوئے اموردینیہ کی اصلاح کروں اوراس پاک ذات نے مجھے ان لوگوں میں شامل فرمایا ہے۔جواس کی نگاہ میں چنیدہ ہیں اورایک منفردحیثیت پرفائز ہیں۔**

یک قدم دوری ازاں روشن کتاب — نزد ماکفراست و خسران و تباب
اس نورانی کتاب سے ایک قدم بھی دور رہنا — ہمارے نزدیک کفرو زیاں اور ہلاکت ہے

لیک دوناں را بمغزش راہ نیست — ہردلے از سرِّ آں آگاہ نیست
لیکن ذلیل لوگوں کو قرآن کی حقیقت کی خبر نہیں — ہرایک دل اس کے بھیدوں سے واقف نہیں ہے

تا نباشد طالبے پاک اندروں — تا نجوشد عشقِ یار بے چگوں
جب تک طالب حق پاک باطن نہیں ہوتا اور جب تک — اس یار بے مثال کا عشق اس کے دل میں جوش نہیں مارتا

رازِ قرآں راکجا فہمد کسے — بہر نورے نورے باید بسے
تب تک کوئی قرآنی اسرار کو کیونکر سمجھ سکتا ہے — نور کے سمجھنے کے لیے بہت سا نور باطن ہونا چاہیئے

ایں نہ من قرآں ہمیں فرمودہ است — اندرو شرط تطھّر بودہ است
یہ میری بات نہیں بلکہ قرآن نے بھی یہی فرمایا ہے — کہ قرآن کو سمجھنے کے لئے پاک ہونے کی شرط ہے

گر بقرآں ہر کسے را راہ بود — پس چرا شرطِ تطھّر را فزود
اگر ہر شخص قرآن کو (خود ہی) سمجھ سکتا ہو — توخدانے تطھر کی شرط کیوں زائد لگائی

نور را داند کسے کو نور شد — واز حجابِ سرکشی ہا دور شد
نور کو وہی شخص سمجھتا ہے جو خود نور ہوگیا ہو — اور سرکشی کے حجابوں سے دور ہوگیا ہو

(درثمین فارسی صفحہ203)(سراج منیر۔ر۔خ جلد12صفحہ96)

حضرت اقدسؑ کو قرآنِ کریم کے رموز بتائے گئے

اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَارَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا (الانبیاء:31)

زمین اور آسمان دونوں ایک گٹھڑی کی طرح بندھے ہوئے تھے جن کے جوہر مخفی تھے ہم نے مسیح کے زمانہ میں وہ دونوں گٹھڑیاں کھول دیں اور دونو کے جوہر ظاہر کر دئے۔ (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 17)

فبعثنی ربی لیجعلنی دلیلا علی وجوده ۔ ولیصیر نی ازھر الزھر من ریاض لطفه وجوده ۔ فجئت وقد ظھر بی سبیله ۔ واتضح دلیله وعلمت مجاھله۔ ووردت مناھله۔ ان السموات والارض کانتارتقا ففتقتا بقدومی۔ وعلم الطلباء بعلومی نانا الباب للدخول فی الھدیٰ۔ وانا النور الذی یری ولایری۔ وانی من اکب نعماء الرحمان ۔ واعظم آلاء الدیان ۔ رزقت من ظواھر الملة وخوافیھا واعطیت علم الصحف المطھرة ومافیھا۔ ولیس احد اشقی من الذی یجھل مقامی ۔ ویعرض عن دعونی وطعامی۔ وما صئت من نفسی بل ار سلنی ربی لا مون الاسلام داراعی شئونه والاحکام ۔ (تذکرہ الشہادتین۔ ر۔خ جلد 20 صفحہ 90-91)

ترجمہ: پس میرے رب نے مجھے مبعوث کیا تا کہ مجھے اس کے وجود پر دلیل ٹھہرائے تا کہ مجھے اپنے لطف کے باغ کا ایک خوبصورت پھول بنا دے اور عطا کا۔ پس میں آیا اور میرے ذریعے اس کا راستہ کھولا گیا۔ اور دلیل واضح ہوگئی۔ اور مجھے اس کے مشکل مقامات کا علم دیا گیا۔ اور اس کے احسان مجھ پر وارد ہوئے۔ یقیناً آسمان اور زمین بند تھے پس وہ دونوں میرے آنے سے کھول دیئے گئے اور علم کے طالب کو میرا علم دیا گیا۔ پس میں ہدایت میں داخل ہونے کا دروازہ ہوں اور یقیناً ایک ایسا نور ہوں جن سے دیکھا جاتا ہے دکھایا نہیں جاتا۔ میں یقیناً رحمان خدا کی بڑی نعمتوں میں سے ہوں اور ان نعمتوں کا بہت بڑا بدلہ دینے ولا ہوں مجھے ملت کے اندرونے اور ظاہر کے بارے میں بتایا گیا ہے **اور صحف مطھرہ (قرآن کریم) کے کلمات اور ان کے رموز عطا کئے گئے ہیں۔** اور جو کوئی بد بخت ہی ہوگا جو میرے مقام کو نہ پہچانے۔ اور میری دعوت اور خوان سے اعراض کرے۔ اور میں خود سے نہیں آیا بلکہ مجھے میرے رب نے بھیجا ہے تا کہ اسلام کو بچاؤں۔ اور اس کے کاموں اور احکام کی نگرانی کروں۔

بعلم و فضل و کرامت کسے بما نہ رسد — کجا ست آنکہ ز اربابِ ادّعا باشد
علم وفضل اور کرامت کے زور سے کوئی ہم تک نہیں پہنچ سکتا — کہاں ہے وہ شخص جو علم و فضل و کرامت کا مدعی ہے

ہزار نقد نمائی یکے چوسکۂ ما — بہ نقش خوب و عیار و صفا کجا باشد
تو ہزاروں سکے دکھائے پھر بھی چمک دمک اور — کھرا ہونے میں ہمارے سکہ کی برابری نہیں کرسکتا

مویّد یکہ مسیحا دم ست و مہدیٔ وقت — بشانِ اودگرے کے زاتقیا باشد
وہ تائید یافتہ شخص جو مسیحا دم اور مہدیٔ وقت ہے — اس کی شان کو اتقیا میں سے کوئی نہیں پہنچ سکتا

چو غنچہ بود جہانے خموش و سربستہ — من آمدم بقدومیکہ از صبا باشد
یہ جہان ایک غنچہ کی طرح بند تھا میں اس کے لیے — ان برکتوں کو لے کر آیا ہوں جو باد صبا لایا کرتی ہے

(درثمین فارسی صفحہ 270)(تریاق القلوب۔ ر۔خ جلد 15 صفحہ 133)

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔(الجمعة:3`4)

فرماتا ہے۔ وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ یعنی اس نبی کے اَور شاگرد بھی ہیں جو ہنوز ظاہر نہیں ہوئے اور آخری زمانہ میں ان کا ظہور ہوگا۔ یہ آیت اِسی عاجز کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جیسا کہ ابھی الہام میں ذکر ہو چکا ہے یہ عاجز روحانی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگردوں میں سے ہے اور یہ پیشگوئی جو قرآنی تعلیم کی طرف اشارہ کرتی ہے اسی کی تصدیق کے لئے کتاب کرامات الصادقین لکھی گئی تھی جس کی طرف کسی مخالف نے رُخ نہیں کیا **اور مجھے خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے قرآن کے حقائق اور معارف کے سمجھنے میں ہر ایک رُوح پر غلبہ دیا گیا ہے** اور اگر کوئی مولوی مخالف میرے مقابل پر آتا جیسا کہ میں نے قرآنی تفسیر کے لئے بار بار ان کو بلایا تو خدا اس کو ذلیل اور شرمندہ کرتا۔ سو فہم قرآن جو مجھ کو عطا کیا گیا یہ اللہ جل شانہٗ کا ایک نشان ہے۔ میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ عنقریب دنیا دیکھے گی کہ میں اس بیان میں سچا ہوں۔ (سراج منیر ر۔خ۔جلد12 صفحہ41)

جو کچھ اللہ نے چاہا تھا اس کی تکمیل دو ہی زمانوں میں ہونی تھی ایک آپ کا زمانہ اور ایک آخری مسیح ومہدی کا زمانہ یعنی ایک زمانہ میں تو قرآن اور سچی تعلیم نازل ہوئی لیکن اُس تعلیم پر فیجِ اَعوج کے زمانہ نے پردہ ڈال دیا جس پردہ کا اٹھایا جانا مسیح کے زمانہ میں مقدر تھا جیسے کہ فرمایا کہ رسولِ اکرمؐ نے ایک تو موجودہ جماعت یعنی جماعتِ صحابہ کرامؓ کا تزکیہ کیا اور ایک آنے والی جماعت کا جس کی شان میں لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ آیا ہے۔ **سو یہ ظاہر ہے کہ خدا نے بشارت دی کہ ضلالت کے وقت اللہ تعالیٰ اس دین کو ضائع نہ کرے گا بلکہ آنے والے زمانہ میں خدا حقائقِ قرآنیہ کو کھول دے گا۔** آثار میں ہے کہ آنے والے مسیح کی ایک یہ فضیلت ہوگی کہ وہ قرآنی فہم اور معارف کا صاحب ہوگا اور صرف قرآن سے استنباط کر کے لوگوں کو اُن کی غلطیوں سے متنبہ کرے گا جو حقائقِ قرآن کی ناواقفیت سے لوگوں میں پیدا ہو گئی ہوں۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 25)

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا۔ (الفرقان:31)

مسلمانوں کی حالت اس وقت ایسی ہی ہو رہی ہے وہ جانتے ہیں کہ ساری ترقیوں اور کامیابیوں کی کلید یہی قرآن شریف ہے جس پر ہم کو عمل کرنا چاہئے۔ مگر نہیں۔ اس کی پروا بھی نہیں کی جاتی۔ ایک شخص جو نہایت ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ اور پھر نری ہمدردی ہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے حکم اور ایماء سے اس طرف بلاوے تو اسے کذاب اور دجال کہا جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا قابل رحم حالت اس قوم کی ہوگی۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 140)

الہام حضرت اقدس: قُلْ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی ط

قُلْ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی ان کو کہہ دے کہ تمہارے خیالات کیا چیز ہیں ہدایت وہی ہے جو خدا تعالیٰ براہ راست آپ دیتا ہے ورنہ انسان اپنے غلط اجتہادات سے کتاب اللہ کے معنی بگاڑ دیتا ہے اور کچھ کا کچھ سمجھ لیتا ہے وہ خدا ہی ہے جو غلطی نہیں کھاتا لہٰذا ہدایت اسی کی ہدایت ہے۔ انسانوں کے اپنے خیالی معنی بھروسے کے لائق نہیں ہیں۔

(براہین احمدیہ حصّہ پنجم۔ ر۔خ جلد21 صفحہ 87،88)

اے اسیرِ عقلِ خود بر ہستیءِ خود کم بناز کیں سپہرِ بو العجائب چوں تو بسیار آورد
اے اپنی عقل کے قیدی اپنی ہستی پر ناز نہ کر کہ یہ عجیب آسمان تیری طرح کے بہت سے آدمی لایا کرتا ہے

غیر راہر گز نمے باشد گذر در کوئے حق ہر کہ آید ز آسماں اُو رازِ آں یار آورد
خدا کے کوچہ میں غیر کو ہرگز دخل نہیں جو آسمان سے آتا ہے وہی اس یار کے اسرار ہمراہ لاتا ہے

خود بخود فہمیدنِ قرآں گمانِ باطل است ہر کہ از خود آورد او نجس و مردار آورد
آپ ہی آپ قرآن کو سمجھ لینا ایک غلط خیال ہے جو شخص اپنے پاس سے اس کا مطلب بیان کرتا ہے
وہ گندگی اور مردار پیش کرتا ہے

(برکات الدعا۔ ر۔خ جلد6 صفحہ 5)

آٹھویں فصل

نشانات اور معجزات قرانیہ دوبارہ دکھا کر

الہامات حضرت اقدسؑ

بیس برس کا عرصہ ہوا کہ مجھے یہ الہام ہوا:

"قل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً۔ کل برکة من محمد ﷺ فتبارک من علّم وتعلّم ۔ قل ان افتریتهٗ فعلی اجرامی ۔ ھوالذی ارسل رسوله با لھدٰی ودین الحق لیظھرهٗ علی الدین کله لا مبدّل لکلما ت اللہ۔ظُلموا وان اللہعلٰی نصر ھم لقدیر ۔

"بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلندتر محکم افتاد۔ پاک محمد مصطفٰے نبیوں کا سردار۔ خدا تیرے سب کام درست کر دیگا۔اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔رب الافواج اس طرف توجہ کریگا۔اس نشان کا مدعا یہ ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔جنابِ الٰہی کے احسانات کا دروازہ کھلا ہےاوراُس کی پاک رحمتیں اس طرف متوجہ ہیں۔وہ دن آتے ہیں کہ خدا تمہاری مدد کرے گا۔وہ خدا جوذوالجلال اورزمین وآسمان کو پیدا کرنے والا ہے........"

ان تمام الہامات میں یہ پیشگوئی تھی کہ خدا تعالٰی میرے ہاتھ سےاور میرے ہی ذریعہ سے دین اسلام کی سچائی اورتمام مخالف دینوں کا باطل ہونا ثابت کر دیگا۔سوآج وہ پیشگوئی پوری ہوئی۔**کیونکہ میرے مقابل پرکسی مخالف کو تاب وتواں نہیں کہ اپنے دین کی سچائی ثابت کرسکے میرے ہاتھ سے آسمانی نشان ظاہر ہورہے ہیں اور میرے قلم سے قرآنی حقائق اور معارف چمک رہے ہیں**۔اٹھواورتمام دنیا میں تلاش کرو کہ کیا کوئی عیسائیوں میں سے یاسکھوں میں سے یایہودیوں میں سے یا کسی اورفرقہ میں سے کوئی ایسا ہے کہ آسمانی نشانوں کے دکھلانے اورمعارف اورحقائق کے بیان کرنے میں میرا مقابلہ کرسکے۔میں وہی ہوں جس کی نسبت یہ حدیث صحاح میں موجود ہے کہ اس کے عہد میں تمام ملتیں ہلاک ہوجائیں گی مگر اسلام کہ وہ ایسا چمکے گا جودرمیانی زمانوں میں کبھی نہیں چمکا ہوگا۔

(تریاق القلوب۔ر۔خ جلد15 صفحہ265 تا268)

نئے نشانوں کی ضرورت

اب نئے معلّموں کی اس وجہ سے بھی ضرورت پڑتی ہے کہ بعض حصّے تعلیم قرآن شریف کے از قبیل حال ہیں نہ از قبیل قال۔ اور آنحضرت ﷺ نے جو پہلے معلم اور اصل وارث اس تخت کے ہیں حالی طور پر ان دقائق کو اپنے صحابہؓ کو سمجھایا ہے مثلاً خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ میں عالم الغیب ہوں اور میں مجیب الدعوات ہوں اور میں قادر ہوں اور میں دعاؤں کو قبول کرتا ہوں اور طالبوں کو حقیقی روشنی تک پہنچاتا ہوں اور میں اپنے صادق بندوں کو الہام دیتا ہوں اور جس پر چاہتا ہوں اپنے بندوں میں سے اپنی روح ڈالتا ہوں یہ تمام باتیں ایسی ہیں کہ جب تک معلم خود ان کا نمونہ بن کر نہ دکھلاوے تب تک یہ کسی طرح سمجھ ہی نہیں آسکتیں۔ (شہادت القرآن۔ر۔خ جلد6 صفحہ348۔349)

ہماں ز نوعِ بشر کامل از خدا باشد ۔۔۔ کہ با نشانِ نمایاں خدانما باشد

انسانوں میں وہی خدا کی طرف سے کامل ہوتا ہے ۔۔۔ جو روشن نشانوں کے ساتھ خدا نما ہوتا ہے

بتابد از رخِ او نورِ عشق و صدق و وفا ۔۔۔ زِ خلقِ او کرم و غربت و حیا باشد

اس کے چہرے سے عشق اور صدق وصفا کا نور چمکتا ہے ۔۔۔ کرم ، انکسار اور حیا اس کے اخلاق ہوتے ہیں

صفاتِ او ہمہ ظلِّ صفات حق باشند ۔۔۔ ہم استقامتِ او ہمچو انبیا باشد

اس کی ساری صفات خدا کی صفات کا پرتو ہوتی ہیں ۔۔۔ اور اس کا استقلال بھی انبیا کے استقلال کی مانند ہوتا ہے

روان بچشمۂ او بحرِ سرمدی باشد ۔۔۔ عیاں در آئینہ اش روئے کبریا باشد

اس کے سرچشمہ سے ابدی فیضان کا سمندر جاری ہوتا ہے ۔۔۔ اور اس کے چہرہ میں خدائے بزرگ کا چہرہ نظر آتا ہے

ازیں بود کہ چو سالِ صدی تمام شود ۔۔۔ بر آید آنکہ بدیں نائبِ خدا باشد

یہی وجہ ہے کہ جب صدی کے سال ختم ہوتے ہیں ۔۔۔ تو ایسا مرد ظاہر ہوتا ہے جو دین کیلئے خدا کا قائم مقام ہوتا ہے

رسید مژدہ زغیبم کہ من ہماں مردم ۔۔۔ کہ او مجددِ ایں دین و رہنما باشد

مجھے غیب سے یہ خوشخبری ملی ہے کہ میں وہی انسان ہوں ۔۔۔ جو اس دین کا مجدد اور راہنما ہے

لوائے ما پنہءِ ہر سعید خواہد بود ۔۔۔ ندائے فتح نمایاں بنامِ ما باشد

ہمارا جھنڈا ہر خوش قسمت انسان کی پنہ گاہ ہو گا ۔۔۔ اور کھلی کھلی فتح کا شہرہ ہمارے نام پر ہوگا

مرا بگلشنِ رضوانِ حق شدست گزر ۔۔۔ مقامِ من چمنِ قدس و اصطفا باشد

اللہ تعالیٰ کی رضا کے باغ میں میرا گذر ہوا ہے ۔۔۔ میرا مقام برگزیدگی اور تقدس کا چمن ہے

کمالِ پاکی و صدق و صفا کہ گم شدہ بود ۔۔۔ دوبارہ از سخن و وعظِ من بپا باشد

پاکیزگی اور صدق وصفا کا کمال جو معدوم ہو گیا تھا ۔۔۔ وہ دوبارہ میرے کلام اور وعظ سے قائم ہوا ہے

مرنج از سخنم ایکہ سخت بے خبری ۔۔۔ کہ آنکہ گفتہ ام ازوحیِ کبریا باشد

اے وہ شخص جو بالکل بے خبر ہے میری بات سے ناراض نا ہو ۔۔۔ کہ جو میں نے کہا ہے یہ خدا کی وحی سے کہا ہے

کیسکہ گم شدہ از خود بنورِ حق پیوست ۔۔۔ ہر آنچہ از دہنش بشنوی بجا باشد

جو شخص اپنی بے خودی کو چھوڑ کر خدا کے نور میں جا ملا ۔۔۔ اس کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات حق ہوگی

(تریاق القلوب۔ر۔خ جلد15 صفحہ129 تا134)

آنحضرت ﷺ ایک زندہ نبی ہیں آپؐ کے معجزات ہر وقت زندہ موجود ہیں

قرآن شریف زندہ اعجاز ہے اور آنحضرت ﷺ زندہ نبی ہیں

ہمارے نبی ﷺ کے معجزات ایسے ہیں کہ وہ ہر زمانہ میں اور ہر وقت تازہ بتازہ اور زندہ موجود ہیں۔ ان معجزات کا زندہ ہونا اور ان پر موت کا ہاتھ نہ چلنا صاف طور پر اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہی زندہ نبی ہیں۔ اور حقیقی زندگی یہی ہے جو آپ کو عطا ہوئی ہے۔ اور کسی دوسرے کو نہیں ملی۔ آپ کی تعلیم اس لئے زندہ تعلیم ہے کہ اس کے ثمرات اور برکات اس وقت بھی ویسے ہی موجود ہیں جو آج سے تیرہ سو سال پیشتر موجود تھے۔ دوسری کوئی تعلیم ہمارے سامنے اس وقت ایسی نہیں ہے جس پر عمل کرنے والا یہ دعویٰ کر سکے کہ اس کے ثمرات اور برکات اور فیوض سے مجھے حصہ دیا گیا ہے اور میں ایک آیۃ اللہ ہو گیا ہوں۔ لیکن ہم خدا تعالیٰ کے فضل و کرم، قرآن شریف کی تعلیم کے ثمرات اور برکات کا نمونہ اب بھی موجود پاتے ہیں اور ان تمام آثار اور فیوض کو جو نبی کریم ﷺ کی سچی اتباع سے ملتے ہیں۔ اب بھی پاتے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو اس لئے قائم کیا ہے تا وہ اسلام کی سچائی پر زندہ گواہ ہو اور ثابت کرے کہ وہ برکات اور آثار اس وقت بھی رسول اللہ ﷺ کے کامل اتباع سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جو تیرہ سو برس پہلے ظاہر ہوتے تھے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 27)

الا اے منکر از شانِ محمدؐ   ہم از نورِ نمایانِ محمدؐ

خبردار ہو جاؤ! اے وہ شخص جو محمد ﷺ کی شان نیز محمد ﷺ کے چمکتے ہوئے نور کا منکر ہے۔

کرامت گرچہ بے نام و نشان است   بیا بنگر زِ غلمانِ محمدؐ

اگرچہ کرامت اب مفقود ہے مگر تو آ اور اسے محمد ﷺ کے غلاموں میں دیکھ لے

(درثمین فارسی نیا ایڈیشن صفحہ 142)(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ جلد 5 صفحہ 649)

قرآن میں بیان شدہ معجزات وخوارق دوبارہ دکھا کر

جماعت میں سے ایک ہمارے مکرم دوست نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کے متعلق دریافت کیا کہ آریہ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ ان لوگوں کے اعتراض کی اصل جڑ معجزات اور خوارق پر نکتہ چینی کرنا ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ دعویٰ کرتے ہیں **اور اسی لئے خدا تعالیٰ نے ہمیں مبعوث کیا ہے کہ قرآن کریم میں جس قدر معجزات اور خوارق انبیاء کے مذکور ہوئے ہیں ان کو خود دکھا کر قرآن کی حقانیت کا ثبوت دیں** ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر دنیا کی کوئی قوم ہمیں آگ میں ڈالے یا کسی اور خطرناک عذاب اور مصیبت میں مبتلا کرنا چاہے تو خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق ضرور ہمیں محفوظ رکھے گا۔ بعد اس کے خدا تعالیٰ کے تصّرفات اور اپنے بندوں کو عجیب طرح ہلاکت سے نجات دینے کی مثالیں دیتے رہے اور اسی کے ضمن میں فرمایا:

آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے

پس اسے کوئی مخالف آزمالے اور آگ جلا کر ہمیں اس میں ڈال دے آگ ہرگز ہم پر کام نہ کرے گی اور وہ ضرور ہمیں اپنے وعدہ کے موافق بچالے گا، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم خود آگ میں کودتے پھریں۔ یہ طریق انبیاء کا نہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرة:196) پس ہم خود آگ میں دیدہ دانستہ نہیں پڑتے۔ بلکہ یہ حفاظت کا وعدہ دشمنوں کے مقابلہ پر ہے کہ اگر وہ آگ میں ہمیں جلانا چاہیں تو ہم ہرگز نہ جلیں گے۔ **اس لئے میرا ایمان تو یہ ہے کہ ہمیں تکلف اور تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے جیسے خدا کے باطنی تصرفات ہیں ویسے ہی ظاہری بھی ہم مانتے ہیں بلکہ اسی لئے خدا نے اوّل ہی سے الہام کر دیا ہوا ہے کہ آگ سے ہمیں مت ڈراؤ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔**

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 480-479)

نشانات کے اعتبار سے یہ سلسلہ آنحضرت ﷺ کا ہی ہے

اس کو غور سے پڑھو کہ اس میں آپ لوگوں کے لئے خوشخبری ہے

بخدمت امراءورئیسان ومنعمان ذی مقدرت ووالیان ارباب حکومت ومنزلت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اے بزرگان اسلام خدا تعالیٰ آپ لوگوں کے دلوں میں تمام فرقوں سے بڑھ کر نیک ارادے پیدا کرے اوراس نازک وقت میں آپ لوگوں کو اپنے پیارے دین کا سچا خادم بنادے۔میں اس وقت محض للہ اس ضروری امر سے اطلاع دیتا ہوں کہ **مجھے خدا تعالیٰ نے اِس چودھویں صدی کے سر پر اپنی طرف سے مامور کر کے دین متین اسلام کی تجدید اور تائید کے لئے بھیجا ہے تا کہ میں اِس پُر آشوب زمانہ میں قرآن کی خوبیاں اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی عظمتیں ظاہر کروں اور ان تمام دشمنوں کو جو اسلام پر حملہ کر رہے ہیں ان نوروں اور برکات اور خوارق اور علوم لدنیہ کی مدد سے جواب دوں جو مجھ کو عطا کئے گئے ہیں۔**

(برکات الدعا۔ر۔خ جلد6 صفحہ 34)

اس زمانے میں بھی قرآن شریف کے کلام کے اعجاز کے لئے کلام کا معجزہ دیا گیا ہے۔اسی طرح پر جیسے دوسرے خوارق اور نشانات آنحضرت ﷺ کے نشانات اور خوارق کے ثبوت کے لئے دیے گئے ہیں۔جس جس قسم کے نشانات آنحضرت ﷺ کو ملے تھے اسی رنگ پر اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے نشانات کو رکھا ہے کیونکہ یہ سلسلہ اسی نقشِ قدم پر ہے اور دراصل وہی سلسلہ ہے۔آنحضرت ﷺ کی بروزی آمد کی پہلے ہی سے پیشگوئی ہو چکی تھی اور اٰخَرِیۡنَ مِنۡھُمۡ میں یہ وعدہ کیا گیا تھا۔پس جیسے آپ کو اس وقت کلام کا معجزہ اور نشان دیا گیا تھا اور قرآن شریف جیسی لانظیر کتاب آپ کو ملی اسی طرح پر اس رنگ میں آپ کی اس بروزی آمد میں بھی کلام کا نشان دیا گیا۔ (ملفوظات جلد 2 صفحہ 41)

محدّث وہ لوگ ہیں جو شرفِ مکالمہ الٰہی سے مشرف ہوتے ہیں اور ان کا جوہر نفس انبیاء کے نفس سے اشد مشابہت رکھتا ہے اور وہ خواص عجیبہ نبوت کے لئے بطور آیاتِ باقیہ کے ہوتے ہیں تا یہ دقیق مسئلہ نزولِ وحی کا کسی زمانے میں بے ثبوت ہو کر صرف بطور قصہ کے نہ ہو جائے۔ (برکات الدعا۔ر۔خ جلد6 صفحہ 23۔24)

چوں گمانے کنم اینجا مددِ روح قدس — کہ مرا در دلِ شاں دیو نظر مے آید

میں یہاں روح القدس کی مدد کا گمان کیونکر کرسکتا ہوں کہ مجھے تو ان کے دل میں دیو بیٹھا ہوا نظر آتا ہے

ایں مدد ہاست در اسلام چو خورشید عیاں — کہ بہر عصر مسیحا ئے دگر مے آید

اسلام میں یہ امداد سورج کی طرح ظاہر ہے کہ ہر زمانہ کے لئے نیا مسیحا آتا ہے

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 152)(سرمہ چشم آریہ۔ر۔خ جلد2 صفحہ 287)

حضرت اقدسؑ اس زمانے کا نور ہیں

آمدم چوں سحرِ بلجۂ نور تا شود تیرگی زِنورم دور
میں نور کا ایک طوفان لے کر صبح کی طرح آیا ہوں تا کہ یہ اندھیرا میرے نور کی وجہ سے دور ہو جائے
شور افگندہ ام کہ تا زیں کار خلق گردد زخوابِ خود بیدار
میں نے شور برپا کر رکھا ہے تا کہ اس کی وجہ سے خلقت اپنی نیند سے بیدار ہو جائے
غافلاں من زِ یار آمدہ ام ہمچو بادِ بہار آمدہ ام
اے غافلو میں محبوب کے پاس سے آیا ہوں اور بادِ بہار کی طرح آیا ہوں
ایں زمانم زمانۂ گلزار موسم لالہ زار و وقتِ بہار
یہ میرا زمانہ گلزار کا زمانہ ہے یعنی لالہ زار کا موسم اور بہار کا وقت ہے

(درثمین فارسی نیا ایڈیشن صفحہ 251)(نزول مسیح۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 478)

اس تاریکی کے زمانے کا نور میں ہی ہوں۔ جو شخص میری پیروی کرتا ہے وہ ان گڑھوں اور خندقوں سے بچایا جائے گا جو شیطان نے تاریکی میں چلنے والوں کے لئے تیار کئے ہیں۔ مجھے اس نے بھیجا ہے کہ تا میں امن اور حلم کے ساتھ دنیا کو سچے خدا کی طرف رہبری کروں اور اسلام میں اخلاقی حالتوں کو دوبارہ قائم کر دوں۔ اور مجھے اس نے حق کے طالبوں کی تسلی پانے کے لئے آسمانی نشان بھی عطا فرمائے ہیں اور میری تائید میں اپنے عجیب کام دکھلائے ہیں۔ اور غائب کی باتیں اور آئندہ کے بھید جو خدا تعالیٰ کی پاک کتابوں کی رو سے صادق کی شناخت کے لئے اصل معیار ہے میرے پر کھولے ہیں اور پاک معارف اور علوم مجھے عطا فرمائے ہیں اس لئے اُن روحوں نے مجھ سے دشمنی کی جو سچائی کو نہیں چاہتیں اور تاریکی سے خوش ہیں مگر میں نے چاہا کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے نوع انسان کی ہمدردی کروں۔ (مسیح ہندستان میں۔ ر۔خ جلد 15 صفحہ 13)

اس بات کو بھی دل سے سنو کہ میرے مبعوث ہونے کی علت غائی کیا ہے! میرے آنے کی غرض اور مقصود صرف اسلام کی تجدید اور تائید ہے۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ میں اسلئے آیا ہوں کہ کوئی نئی شریعت سکھاؤں یا نئے احکام دوں یا کوئی نئی کتاب نازل ہوگی۔ ہرگز نہیں اگر کوئی شخص یہ خیال کرتا ہے تو میرے نزدیک وہ سخت گمراہ اور بے دین ہے۔ آنحضرت ﷺ پر شریعت اور نبوت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اب کوئی شریعت نہیں آسکتی۔ قرآن مجید خاتم الکتب ہے۔ اس میں اب ایک شعشہ یا نقطہ کی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے۔ **ہاں یہ سچ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے برکات اور فیوضات اور قرآن شریف کی تعلیم اور ہدایت کے ثمرات کا خاتمہ نہیں ہو گیا۔ وہ ہر زمانہ میں تازہ بتازہ موجود ہیں اور انہیں فیوضات اور برکات کے ثبوت کے لئے خدا تعالیٰ نے مجھے کھڑا کیا ہے۔**

(لیکچر لدھیانہ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 279)

میں وہ پانی ہُوں کہ آیا آسماں سے وقت پر
میں وُہ ہوں نورِ خُدا جس سے ہوا دِن آشکار

(درثمین اردو صفحہ 137)(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ ر۔خ جلد 21 صفحہ 145)

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا — نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے
اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا — کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے — لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے
آج ان نوروں کا اک زور ہے اِس عاجز میں — دل کو ان نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے
جب سے یہ نور ملا نور پیمبرؐ سے ہمیں — ذات سے حق کے وجود اپنا ملایا ہم نے

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ جلد 5 صفحہ 224`225)

نویں فصل

احادیث آنحضرت ﷺ کے اعتبار سے

الہام حضرت اقدسؑ

اَرَدْتُّ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ لِيُقِيْمَ الشَّرِيْعَةَ وَيُحْيِ الدِّيْنَ۔ كِتَابُ الْوَلِيِّ ذُوالْفَقَارِ عَلِيٍّ۔ وَلَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رَجُلٌ مِّنْ اَبْنَاءِ الْفَارِسِ يَكَادُ زَيْتُهٗ يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ۔ جَرِيُّ اللّٰهِ فِيْ حُلَلِ الْمُرْسَلِيْنَ۔

ترجمہ: میں نے چاہا کہ میں خلیفہ بناؤں۔پس میں نے آدم کو پیدا کیا۔تاکہ وہ شریعت کو قائم کرے اور دین کو زندہ کرے۔ولی کی کتاب علی کی ذوالفقار ہے۔**اور اگر ایمان ثریا سے لٹکا ہوتا۔تو ابناء فارس میں سے ایک شخص اسے وہاں سے لے آتا۔**قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ آگ اسے چھوئی بھی نہ ہو۔اللہ کا رسول تمام رسولوں کے لباس میں۔ (تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 243 ضیاءالاسلام پریس ربوہ)

فرمودات حضرت اقدسؑ

خدا کے کلام میں یہ امر قرار یافتہ تھا کہ دوسرا حصہ اس امت کا وہ ہوگا جو مسیح موعود کی جماعت ہوگی اسی لئے خدا تعالیٰ نے اس جماعت کو دوسروں سے علیحدہ کر کے بیان کیا جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (سورۃ الجمعۃ:4) یعنی امت محمدیہ میں سے ایک اور فرقہ بھی ہے جو بعد میں آخری زمانہ میں آنے والے ہیں **اور حدیث صحیح میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت آنحضرت ﷺ نے اپنا ہاتھ سلمان فارسی کی پشت پر مارا اور فرمایا لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ اور یہ میری نسبت پیشگوئی تھی جیسا کہ خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں اس پیشگوئی کی تصدیق کے لیے وہی حدیث بطور وحی میرے پر نازل کی اور وحی کی رو سے مجھ سے پہلے اسکا کوئی مصداق معین نہ تھا اور خدا کی وحی نے مجھے معین کر دیا۔**فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

(حقیقۃ الوحی۔ر۔خ جلد22 صفحہ 407 حاشیہ)

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ

اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:۱۰) کس وقت کے لیے کیا گیا تھا؟ کیا ابھی کوئی اور مصیبت بھی رہ گئی تھی جو اسلام پر آنی باقی ہو؟ یاد رکھو حفاظت سے اوراق کی حفاظت ہی مراد نہیں بلکہ اس کی تشریح ایک حدیث میں ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ قرآن شریف دنیا سے اٹھ جاوے گا۔ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ لوگ قرآن کو پڑھتے ہوں گے تو اٹھ کیسے جاوے گا؟ فرمایا کہ میں تو تمہیں عقلمند خیال کرتا تھا مگر تم بڑے بیوقوف ہو کیا عیسائی انجیل نہیں پڑھتے؟ اور کیا یہودی توریت نہیں پڑھتے؟ قرآن شریف کے اٹھ جانے سے مراد یہ ہے کہ قرآن شریف کا علم اٹھ جاوے گا اور ہدایت دنیا سے نابود ہو جاوے گی۔انوار اور اسرار قرآنیہ سے لوگ بے بہرہ ہو جاویں گے اور عمل کوئی نہ کرے گا۔قرآن جس کے سکھانے کو آیا ہے لوگ اس راہ کو ترک کر دیں گے اور اپنی ہوا و ہوس کے پابند ہو جاویں گے۔**جب یہ حال ہوگا تو ابنائے فارس میں سے ایک شخص آوے گا اور وہ دین کو ازسرنو واپس لائے گا اور دین کو اور قرآن کو ازسرنو تازہ کرے گا۔قرآن کی کھوئی ہوئی عظمت اور بھولی ہوئی ہدایت اور ثریا پر چڑھ گیا ہوا ایمان دوبارہ دنیا میں پھیلاوے گا۔**

لَوْكَانَ الْاِيْمَانُ مُعَلَّقًا عِنْدَالثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رَجُلٌ مِّنْ هٰٓؤُلَآءِ (ای ابناء فارس)

(ملفوظات جلد5 صفحہ 553`552)

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ ۔ فَبِذَالِکَ فَلْیَفْرَحُوْا هُوَ خَیْرٌ مِمَّا یَجْمَعُوْنَ ۔(سورۃ یونس:59)

ان کو کہہ دے کہ خدائے تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے یہ قرآن ایک بیش قیمت مال ہے سو اس کو تم خوشی سے قبول کرو یہ ان مالوں سے اچھا ہے جو تم جمع کرتے ہو۔ **یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم وحکمت کی مانند کوئی مال نہیں یہ وہی مال ہے جس کی نسبت پیشگوئی کے طور پر لکھا تھا کہ مسیح دنیا میں آکر اس مال کو اس قدر تقسیم کرے گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے۔** یہ نہیں کہ مسیح درم و دینار کو جو مصداق آیت انما اموالکم واولادکم فتنة (التغابن:16) ہے جمع کریگا اور دانستہ ہر ایک کو مال کثیر دے کر فتنہ میں ڈال دے گا۔ مسیح کی پہلی فطرت کو بھی ایسے مال سے مناسبت نہیں وہ خود انجیل میں بیان کر چکا ہے کہ مومن کا مال درم و دینار نہیں بلکہ جواہر حقائق و معارف اس کا مال ہیں۔ یہی مال انبیاء خدائے تعالیٰ سے پاتے ہیں اور اس کو تقسیم کرتے ہیں۔ اسی مال کی طرف اشارہ ہے کہ انما انا قاسم واللہ ھو المعطی **حدیثوں میں یہ بات بوضاحت لکھی گئی ہے کہ مسیح موعود اس وقت دنیا میں آئے گا کہ جب علم قرآن زمین پر سے اُٹھ جائیگا اور جہل شیوع پا جائے گا یہ وہی زمانہ ہے جس کی طرف ایک حدیث میں یہ اشارہ ہے** لو کان الایمان معلقا عند الثریا لناله رجل من فارس ۔ یہ وہ زمانہ ہے جو اس عاجز پر کشفی طور پر ظاہر ہوا جو کمال طغیان اس کا اس سنہ ہجری میں شروع ہوگا جو آیت وانا علی ذھاب بہ لقادرون (المومنون:19) میں بحساب جمل مخفی ہے یعنی <u>1274</u>ھ اس مقام کو غور سے دیکھو اور جلدی سے نکل نہ جاؤ اور خدا سے دعا مانگو کہ وہ تمہارے سینوں کو کھول دے۔ **آپ لوگ تھوڑے سے تامل کے ساتھ اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ حدیثوں میں یہ وارد ہے کہ آخری زمانہ میں قرآن زمین سے اٹھالیا جائے گا اور علم قرآن مفقود ہو جائے گا۔ اور جہل پھیل جائے گا۔ اور ایمانی ذوق اور حلاوت دلوں سے دور ہو جائیگی۔ پھر ان حدیثوں میں یہ حدیث بھی ہے کہ اگر ایمان ثریا کے پاس بھی جا ٹھیرے گا یعنی زمین پر اس کا نام ونشان نہیں رہے گا تو ایک آدمی فارسیوں میں سے اپنا ہاتھ پھیلائے گا اور وہیں ثریا کے پاس سے اس کو لے لے گا۔** اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جب جہل اور بے ایمانی اور ضلالت جو دوسری حدیثوں میں دخان کے ساتھ تعبیر کی گئی ہے دنیا میں پھیل جائیگی اور زمین میں حقیقی ایمانداری ایسی کم ہو جائے گی کہ گویا وہ آسمان پر اٹھ گئی ہوگی اور قرآن کریم ایسا متروک ہو جائے گا کہ گویا وہ خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھایا گیا ہوگا **تب ضرور ہے کہ فارس کی اصل سے ایک شخص پیدا ہو اور ایمان کو ثریا سے لے کر پھر زمین پر نازل ہو۔ سو یقیناً سمجھو کہ نازل ہونے والا ابن مریم یہی ہے۔**(ازالہ اوہام۔ ر۔خ جلد 3 صفحہ 456-454)

بیت اللہ کے نیچے کا خزانہ

هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ O(الصّف:10)

علوم اور معارف بھی جمالی طرز میں داخل ہیں۔اور قرآن شریف کی آیت لیظھرہ علی الدین کلہ میں وعدہ تھا کہ یہ علوم اور معارف مسیح موعود کو اکمل اور اتم طور پر دیئے جائیں گے کیونکہ تمام دینوں پر غالب ہونے کا ذریعہ علوم حقہ اور معارف صادقہ اور دلائل بینہ اور آیات قاہرہ ہیں۔اور غلبہ دین کا انہیں پر موقوف ہے اسی کی طرف اشارہ ہے کہ جو کہا گیا کہ ان دنوں میں بیت اللہ کے نیچے سے ایک بڑا خزانہ نکلے گا یعنی بیت اللہ کے لئے جو خدا کو غیرت ہے وہ تقاضا کرے گی جو بیت اللہ سے روحانی معارف اور آسمانی خزائن ظاہر ہوں۔یعنی جب مخالفوں کے ظالمانہ حملے بیت اللہ کی عزت کا انہدام چاہیں گے تو اس انہدام کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے نیچے سے ایک بھاری خزانہ نکل آئے گا جو معارف کا خزانہ ہوگا۔اور یہ بیت اللہ پر موقوف نہیں بلکہ قرآن کے ہر ایک ایسے فقرہ کے نیچے ایک خزانہ ہے جس کو کافروں کے ہاتھ مخالفانہ حربہ سے منہدم کر کے جھوٹ کے رنگ میں دکھلانا چاہتے ہیں۔**کوئی مسلمان نہ بیت اللہ کو گرائے گا اور نہ قرآنی عمارت کو گرانا چاہے گا۔ بلکہ حدیث کے مضمون کے موافق کافر لوگ اس عمارت کو گرا رہے ہیں اور اس کے نیچے سے خزانے نکل رہے ہیں۔ میں کافر کو بھی اس وجہ سے دوست رکھتا ہوں کہ ان کے ذریعہ سے بیت اللہ اور کتاب اللہ کے پوشیدہ خزانے ہمیں مل رہے ہیں۔اور ان معنوں کو قائم رکھ کر ایک اور معنے بھی اس جگہ ہیں اور وہ یہ ہے کہ خدا نے اپنے الہامات میں میرا نام بیت اللہ بھی رکھا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس قدر اس بیت اللہ کو مخالف گرانا چاہیں گے اس میں سے معارف اور آسمانی نشانوں کے خزانے نکلیں گے۔** چنانچہ میں دیکھتا ہوں کہ ہر یک ایذاء کے وقت ضرور ایک خزانہ نکلتا ہے۔اور اس بارے میں الہام یہ ہے۔ یکے پائے من می بوسید و من میگفتم کہ حجر اسود منم [1]

(اربعین نمبر4۔ر۔خ جلد17 صفحہ 445`444 حاشیہ)

---

[1] ترجمہ۔کسی نے میرا پاؤں چوما۔اور میں نے کہا کہ حجرِ اسود میں ہی ہوں۔

دسویں فصل

بعثت ثانیہ آنحضرت ﷺ کے اعتبار سے

الہامات حضرت اقدسؑ

یلقی الروح علٰی من یشاء من عبادہٖ ط کلّ برکۃ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم

جس پر اپنے بندوں میں سے چاہتا ہے اپنی روح ڈالتا ہے یعنی منصب نبوت اس کو بخشتا ہے اور یہ تو تمام برکت محمد ﷺ سے ہے۔

فَتَبَارَکَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ ط خدا کی فیلنگ اور خدا کی مُہر نے کتنا بڑا کام کیا۔

پس بہت برکتوں والا ہے جس نے اس بندہ کو تعلیم دی اور بہت برکتوں والا ہے جس نے تعلیم پائی خدا نے وقت کی ضرورت محسوس کی اور اسکے محسوس کرنے اور نبوت کی مہر نے جس میں بشدت قوت کا فیضان ہے بڑا کام کیا **یعنی تیرے مبعوث ہونے کے دو باعث ہیں خدا کا ضرورت کو محسوس کرنا اور آنحضرتؐ کی مہر نبوت کا فیضان۔**

(حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ جلد22 صفحہ 99)

حاشیہ: **یہ وحی الٰہی کہ خدا کی فیلنگ اور خدا کی مہر نے کتنا بڑا کام کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے اس زمانہ میں محسوس کیا کہ یہ ایسا فاسد زمانہ آ گیا ہے جس میں ایک عظیم الشان مصلح کی ضرورت ہے اور خدا کی مہر نے یہ کام کیا کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی کرنے والا اس درجہ کو پہنچا کہ ایک پہلو سے وہ امتی ہے اور ایک پہلو سے نبی کیونکہ اللہ جلشانہٗ نے آنحضرت ﷺ کو صاحب خاتم بنایا۔ یعنی آپ کو افاضہ کمال کیلئے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی اسی وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے اور یہ قوت قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔** یہی معنی اس حدیث کے ہیں علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہونگے اور بنی اسرائیل میں اگرچہ بہت نبی آئے مگر انکی نبوت موسیٰ کی پیروی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ وہ نبوتیں براہ راست خدا کی ایک موہبت تھیں حضرت موسیٰ کی پیروی کا اس میں ایک ذرہ کچھ دخل نہ تھا اسی وجہ سے میری طرح ان کا یہ نام نہ ہوا کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے امتی بلکہ وہ انبیاء مستقل نبی کہلائے اور براہ راست ان کو منصب نبوت ملا۔ اور ان کو چھوڑ کر جب اور بنی اسرائیل کا حال دیکھا جائے **تو معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کو رشد اور صلاح اور تقویٰ سے بہت ہی کم حصہ ملا تھا اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی امت اولیاء اللہ کے وجود سے عموماً محروم رہی تھی اور کوئی شاذ و نادر ان میں ہوا تو وہ حکم معدوم کا رکھتا ہے۔**

(حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ جلد22 صفحہ 99-101 حاشیہ)

چوں گمانے کنم اینجا مددِ روح قدس — کہ مرا در دلِ شاں دیو نظرے آید

میں یہاں روح القدس کی مدد کا گمان کیونکر کہہ سکتا — ہوں کہ مجھے تو انکے دل میں دیو بیٹھا ہوا نظر آتا ہے

ایں مدد ہاست در اسلام چو خورشید عیاں — کہ بہر عصر مسیحائے دگر مے آید

اسلام میں یہ امداد سورج کی طرح ظاہر ہے — کہ ہر زمانہ کیلئے نیا مسیحا آتا ہے

(سرمہ چشم آریہ۔ ر۔خ جلد2 صفحہ 287 حاشیہ)

انبیاء کا وجود ظلّی طور پر باقی رہتا ہے

دوم جس طرح پر کہ عقل اس بات کو واجب اور متحتم ٹھہراتی ہے کہ کتب الٰہی کی دائمی تعلیم اور تفہیم کیلئے ضروری ہے کہ ہمیشہ انبیاء کی طرح وقتاً فوقتاً ملہم اور مکلّم اور صاحب علم لدنی پیدا ہوتے رہیں۔اسی طرح جب ہم قرآن پر نظر ڈالتے ہیں اور غور کی نگاہ سے اسکو دیکھتے ہیں تو وہ بھی باواز بلند یہی فرمار ہا ہے کہ روحانی معلّموں کا ہمیشہ کیلئے ہونا اس کے ارادہ قدیم میں مقرر ہو چکا ہے دیکھو اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ (الرعد:18) الجز و نمبر 13 یعنی جو چیز انسانوں کو نفع پہنچاتی ہے وہ زمین پر باقی رہتی ہے اب ظاہر ہے کہ دنیا میں زیادہ تر انسانوں کو نفع پہنچانے والے گروہ انبیاء ہیں جو خوارق سے معجزات سے پیشگوئیوں سے حقائق سے معارف سے اپنی راستبازی کے نمونہ سے انسانوں کے ایمان کو قوی کرتے ہیں اور حق کے طالبوں کو دینی نفع پہنچاتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ دنیا میں کچھ بہت مدت تک نہیں رہتے بلکہ تھوڑی سی زندگی بسر کر کے اس عالم سے اٹھائے جاتے ہیں۔لیکن آیت کے مضمون میں خلاف نہیں اور ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ کا کلام خلاف واقع ہو۔پس انبیاء کی طرف نسبت دیکر معنی آیت کے یوں ہونگے کہ انبیاء من حیث الظلّ باقی رکھے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ ظلّی طور پر ہر یک ضرورت کے وقت میں کسی اپنے بندہ کو ان کی نظیر اور مثیل پیدا کر دیتا ہے۔جو انہیں کے رنگ میں ہو کر انکی دائمی زندگی کا موجب ہوتا ہے اور اسی ظلّی وجود قائم رکھنے کیلئے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ دعا سکھائی ہے اِهۡدِ نَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ (الفاتحہ:6-7) یعنی اے خدا ہمارے ہمیں وہ سیدھی راہ دکھا جو تیرے ان بندوں کی راہ ہے جن پر تیرا انعام ہے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کا انعام جو انبیاء پر ہوا تھا جس کے مانگنے کیلئے اس دعا میں حکم ہے اور وہ درم اور دینار کی قسم میں سے نہیں بلکہ وہ انوار اور برکات اور محبت اور یقین اور خوارق اور تائید سماوی اور قبولیت اور معرفت تامہ کاملہ اور وحی اور کشف کا انعام ہے اور خدا تعالیٰ نے اس امّت کو اس انعام کے مانگنے کیلئے تبھی حکم فرمایا کہ اول اس انعام کے عطا کرنے کا ارادہ بھی کر لیا۔پس اس آیت سے بھی کھلے کھلے طور پر یہی ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ اس امّت کو ظلّی طور پر تمام انبیاء کا وارث ٹھہراتا ہے تا انبیاء کا وجود ظلّی طور پر ہمیشہ باقی رہے اور دنیا ان کے وجود سے کبھی خالی نہ ہو اور نہ صرف دعا کیلئے حکم کیا بلکہ ایک آیت میں وعدہ بھی فرمایا ہے اور وہ یہ ہے وَالَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا فِيۡنَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَا ۔(العنکبوت:70) یعنی جو لوگ ہماری راہ میں جو صراط مستقیم ہے مجاہدہ کرینگے تو ہم ان کو اپنی راہیں بتلا دینگے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہیں وہی ہیں جو انبیاء کو دکھلائی گئیں تھیں۔

(شہادت القرآن۔ر۔خ جلد 6 صفحہ 352-351)

اور کس انسان کی کانشنس اس بات کو قبول کر سکتی ہے کہ بغیر اس کے کہ قرآن کریم کا منجانب اللہ ہونا اس پر ثابت کیا جائے یونہی اس پر چھری پھیر دی جائے پس یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے دائمی خلیفوں کا وعدہ دیا تا وہ ظلّی طور پر انوار نبوت پا کر دنیا کو ملزم کریں۔اور قرآن کریم کی خوبیاں اور اسکی پاک برکات لوگوں کو دکھلاویں۔

(شہادت القرآن۔ر۔خ جلد 6 صفحہ 342،341)

آدم نیز احمدِ مختار	در برم جامۂ ہمہ ابرار
میں آدم بھی ہوں اور احمد مختار بھی	میرے جسم پر تمام ابرار کے خلعت ہیں
کار ہائے کہ کرد بامن یار	برتر آں دفتر است از اظہار
وہ کام جو خدا نے میرے ساتھ کیے	وہ اتنے زیادہ ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے
آنچہ داداست ہر نبی را جام	داد آں جام را مرا بتمام
جو جام اس نے ہر نبی کو عطا کیا تھا	وہی جام اس نے کامل طور پر سے مجھے بھی دیا ہے

(درثمین فارسی صفحہ 334)(نزول المسیح۔ر۔خ جلد 18 صفحہ 477)

حقیقت مثیل اور ظلِّ انبیاء

آنکہ اُورا ظلمتے گیرد براہ
نیستش چوں روئے احمدؐ مہر و ماہ

وہ شخص جسے تاریکی گھیر لے اس کیلئے
احمدؐ کے چہرہ کی طرح اور کوئی چاند سورج نہیں ہے

تابعش بحرِ معانی مے شود
از زمینی آسمانی مے شود

اس کا پیرو معرفت کا ایک سمندر بن جاتا ہے
اور زمینی سے آسمانی ہو جاتا ہے

ہر کہ در راہِ محمدؐ زد قدم
انبیاء راشد مثیل آں محترم

جس نے محمدؐ کے طریقہ پر قدم مارا
وہ قابل عزت شخص نبیوں کا مثیل بن جاتا ہے

تو عجب داری ز فوزِ ایں مقام
پائی بندِ نفس گشتہ صبح و شام

تو اس درجہ کی کامیابی پر تعجب کرتا ہے
کیونکہ تو ہر وقت اپنے نفس کا غلام ہے

(ضیاءالحق۔ر۔خ جلد9 صفحہ 255`254)

بروز کی حقیقت

پھر بروز کے متعلق سلسلہ کلام یوں شرع ہوا۔فرمایا:

نیکوں اور بدوں کے بروز ہوتے ہیں نیکوں کے بروز میں جو موعود ہے وہ ایک ہی ہے یعنی مسیح موعود۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (الفاتحہ:7-6) سے نیکوں کا بروز اور ضَآلِّیْن سے عیسائیوں کا بروز اور مَغْضُوْب سے یہودیوں کا بروز مراد ہے **اور یہ عالم بروزی صفت میں پیدا کیا گیا ہے جیسے پہلے نیک یا بد گزرے ہیں ان کے رنگ اور صفات کے لوگ اب بھی ہیں خدا تعالیٰ ان اخلاق اور صفات کو ضائع نہیں کرتا۔** ان کے رنگ میں اور آ جاتے ہیں جب یہ امر ہے **تو ہمیں اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ابرار اور اخیار اپنے اپنے وقت پر ہوتے رہیں گے اور یہ سلسلہ قیامت تک چلا جاوے گا جب یہ سلسلہ ختم ہو جاوے گا تو دنیا کا بھی خاتمہ ہے لیکن وہ موعود جس کے سپرد عظیم الشان کام ہے وہ ایک ہی ہے کیونکہ جس کا وہ بروز ہے یعنی محمد ﷺ وہ بھی ایک ہی ہے۔** (ملفوظات جلد دوم صفحہ 460)

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ق وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍo وَّاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ ط وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ o(الجمعة:4،3)

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے بڑے فائدے دو ہیں جن کے پہنچانے کیلئے آنحضرت ﷺ تشریف لائے ایک حکمت فرقان یعنی معارف و دقائق قرآن ۔ دوسری تاثیر قرآن جو موجب تزکیہ نفوس ہے اور قرآن کی حفاظت صرف اسی قدر نہیں جو اس کے صحف مکتوبہ کو خوب نگہبانی سے رکھیں کیونکہ ایسے کام تو اوائل حال میں یہود اور نصاریٰ نے بھی کئے یہاں تک کہ توریت کے نقطے بھی گن رکھے تھے بلکہ **اس جگہ مع حفاظت ظاہری فوائد و تاثیرات قرآنی مراد ہیں اور وہ موافق سنت اللہ کے تبھی ہو سکتی ہے کہ جب وقتاً فوقتاً نائب رسول آویں جن میں ظلی طور پر رسالت کی تمام نعمتیں موجود ہوں اور جن کو وہ تمام برکات دی گئی ہوں جو نبیوں کو دی جاتی ہوں۔**

(شہادت القرآن۔ر۔خ جلد6 صفحہ 338)

حضرت اقدسؑ آنحضرت ﷺ کے بروز ہیں

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ o(الحجر:10)

بیشک آج وہ حالت اسلام کی ہوگئی تھی کہ اس کے مٹنے میں کوئی بھی شبہ نہیں ہوسکتا تھا مگر اللہ تعالیٰ کی غیرت نے جوش مارااوراس کی رحمت اور وعدہ حفاظت نے تقاضا کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے بروز کو پھر نازل کرے اوراس زمانہ میں آپ کی نبوت کو نئے سرے سے زندہ کر کے دکھاوے چنانچہ اس نے اس سلسلہ کو قائم کیا اور مجھے ماموراور مہدی بنا کر بھیجا...... یہ وعدہ حفاظت چاہتا تھا کہ جب غارت گری کا موقع ہوتو وہ خبر لے۔ چوکیدار کا کام ہے کہ وہ نقب دینے والوں کو پوچھتے ہیں اور دوسرے جرائم والوں کو دیکھ کر اپنے منصبی فرائض عمل میں لاتے ہیں۔اسی طرح پر آج چونکہ فتن جمع ہوگئے تھے اوراسلام کے قلعہ پر ہر قسم کے مخالف ہتھیار باندھ کر حملہ کرنے کو طیار ہوگئے تھے اس لئے خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ منہاج نبوت قائم کرے یہ مواد اسلام کی مخالفت کے دراصل ایک عرصہ دراز سے پک رہے تھے اورآخراب پھوٹ نکلے جیسے ابتداء میں نطفہ ہوتا ہے اور پھر ایک عرصہ مقررہ کے بعد بچہ بن کرنکلتا ہے اسی طرح پر اسلام کی مخالفت کے بچہ کا خروج ہو چکا ہے اوراب وہ بالغ ہوکر پورے جوش اور قوت میں ہے اس لئے اس کو تباہ کرنے کیلئے خدا تعالیٰ نے آسمان سے ایک حربہ نازل کیا اوراس مکروہ شرک کو جو اندرونی اور بیرونی طور پر پیدا ہوگیا تھا دور کرنے کیلئے **اور پھر خدا تعالیٰ کی توحید اور جلال قائم کرنے کے واسطے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ یہ سلسلہ خدا کی طرف سے ہے اور میں بڑے دعویٰ اور بصیرت سے کہتا ہوں کہ بیشک یہ خدا کی طرف سے ہے اس نے اپنے ہاتھ سے اس کو قائم کیا ہے جیسا کہ اس نے اپنی تائیدوں اور نصرتوں سے جو اس سلسلہ کیلئے اس نے ظاہر کی ہیں دکھا دیا ہے۔** (ملفوظات جلد دوم صفحہ 66-65)

یہ ظلم اور شرارت کی بات ہے کہ ختم نبوت سے خدا تعالیٰ کا اتنا ہی منشاء قرار دیا جائے کہ منہ سے ہی خاتم النّبیّین مانو اور کرتوتیں وہی کرو جو تم خود پسند کرو اور اپنی ایک الگ شریعت بنالو۔ بغدادی نماز، معکوس نماز وغیرہ ایجاد کی ہوئی ہیں۔ کیا قرآن شریف یا نبی کریم ﷺ کے عمل میں بھی اس کا کہیں پتہ لگتا ہے۔ اور ایسا ہی ''یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ'' کہنا اس کا ثبوت بھی کہیں قرآن سے ملتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے وقت تو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا وجود بھی نہ تھا۔ پھر یہ کس نے بتایا تھا۔ شرم کرو۔ کیا شریعتِ اسلام کی پابندی اور التزام اسی کا نام ہے؟ اب خود ہی فیصلہ کرو کہ کیا ان باتوں کو مان کر ایسے عمل رکھ کر تم اس قابل ہو کہ مجھے الزام دو کہ میں نے خاتم النّبیّین کی مہر کو توڑا ہے۔ **اصل اور سچی بات یہی ہے کہ اگر تم اپنی مساجد میں بدعات کو دخل نہ دیتے اور خاتم النّبیّین ﷺ کی سچی نبوت پر ایمان لاکر آپ کے طرزِ عمل اور نقش قدم کو اپنا امام بنا کر چلتے، تو پھر میرے آنے ہی کیا ضرورت ہوتی۔ تمہاری ان بدعتوں اور نئی نبوتوں نے ہی اللہ تعالیٰ کی غیرت کو تحریک دی کہ رسول اللہ ﷺ کی چادر میں ایک شخص کو مبعوث کرے جو ان جھوٹی نبوتوں کے بت کو توڑ کر نیست و نابود کرے۔ پس اسی کام کے لئے خدا نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے۔** میں نے سنا ہے کہ غوث علی پانی پتی کے ہاں شاکت مت کا ایک منتر رکھا ہوا ہے جس کا وظیفہ کیا جاتا ہے اوران گدی نشینوں کو سجدہ کرنا یا ان کے مکانات کا طواف کرنا، یہ تو بالکل معمولی اور عام باتیں ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو اسی لیے قائم کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت اور عزت کو دوبارہ قائم کریں۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 65)

چونکہ آنحضرت ﷺ کا حسب آیت وَ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ دوبارہ تشریف لانا بجز صورت بروز غیر ممکن تھا اس لئے آنحضرت ﷺ کی روحانیت نے ایک ایسے شخص کو اپنے لئے منتخب کیا جو خلق اور خُو اور ہمت اور ہمدردیٔ خلائق میں اس کے مشابہ تھا اور مجازی طور پر اپنا نام احمد اور محمد اس کو عطا کیا تا یہ سمجھا جائے کہ گویا اس کا ظہور بعینہٖ آنحضرت ﷺ کا ظہور تھا۔

(تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ جلد 17 صفحہ 263)

ہمچنیں عشقم بروئے مصطفیٰ دل پرد چوں مرغ سوئے مصطفیٰ
ایسا ہی عشق مجھے مصطفیٰ کی ذات سے ہے میرا دل ایک پرندہ کی طرح مصطفیٰ کی طرف اڑ کر جاتا ہے

تا مرا داوند از حسنش خبر شدد لم از عشقِ او زیر و زبر
جب سے مجھے اس کے حسن کی خبر دی گئی ہے میرا دل اسکے عشق میں بے قرار رہتا ہے

منکہ مے بینم رخِ آں دلبرے جاں فشانم گر دہد دل دیگرے
میں جو کہ اس دلبر کا چہرہ دیکھ رہا ہوں اور اگر کوئی اسے دل دے تو میں اس کے مقابلہ پر جان نثار

ساقئ من ہست آں جاں پرورے ہر زماں مستم کند از ساغرے
وہی روح پرور شخص تو میرا ساقی ہے جو ہمیشہ جام شراب سے مجھے سرشار رکھتا ہے

محوِ روئے او شد است ایں روئے من بوئے او آید زبام و کوئے من
یہ میرا چہرہ اس کے چہرہ میں محو اور گم ہو گیا اور میرے مکان اور کوچہ سے اسی کی خوشبو آرہی ہے

بسکہ من در عشقِ او ہستم نہاں من ہمانم ۔ من ہمانم ۔ من ہماں
از بسکہ میں اس کے عشق میں غائب ہوں میں وہی ہوں ۔ میں وہی ہوں ۔ میں وہی ہوں

جانِ من از جانِ او یابد غذا از گریبانم عیاں شد آں ذکا !
میری روح اسکی روح سے غذا حاصل کرتی ہے اور میرے گریبان سے وہی سورج نکل آیا ہے

احمدؐ اندر جانِ احمدؐ شدپدید اسمِ من گردید اسمِ آں وحید
احمدؐ کی جان کے اندر احمدؐ ظاہر ہو گیا اس لئے میرا وہی نام ہو گیا جو اس لاثانی انسانؐ کا نام ہے

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 228)(سراج منیر۔ر۔خ جلد 12 صفحہ 97-96)

گیارہویں فصل

آنحضرت ﷺ کے شاگرد اور وارث کامل ہونے کے اعتبار سے

الہامات حضرت اقدسؑ

بارھویں پیشگوئی جو براہین احمدیہ کے صفحہ 238 اور 239 میں لکھی ہے علم قرآن ہے اس پیشگوئی کا ماحاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تجھ کو علم قرآن دیا گیا ہے ایسا علم جو باطل کو نیست کرے گا۔ اور اسی پیشگوئی میں فرمایا کہ دو انسان ہیں جن کو بہت ہی برکت دی گئی۔ ایک وہ معلم جس کا نام محمد مصطفیٰ ﷺ ہے اور ایک یہ متعلم یعنی اس کتاب کا لکھنے والا۔ اور یہ اس آیت کی طرف بھی اشارہ ہے جو قرآن شریف میں اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے واخرین منھم لما یلحقوا بھم۔ (الجمعۃ: 4) یعنی اس نبی کے اور شاگرد بھی ہیں جو ہنوز ظاہر نہیں ہوئے اور آخری زمانہ میں ان کا ظہور ہوگا۔ یہ آیت اسی عاجز کی طرف اشارہ تھا کیونکہ جیسا کہ ابھی الہام میں ذکر ہو چکا ہے یہ عاجز روحانی طور پر آنحضرت ﷺ کے شاگردوں میں سے ہے۔ اور یہ پیشگوئی جو قرآنی تعلیم کی طرف اشارہ فرماتی ہے۔ اسی کی تصدیق کیلئے کتاب کرامات الصادقین لکھی گئی تھی۔ جس کی طرف کسی مخالف نے رُخ نہیں کیا۔ اور مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے قرآن کے حقائق اور معارف کے سمجھنے میں ہر ایک روح پر غلبہ دیا گیا ہے۔ اور اگر کوئی مولوی مخالف میرے مقابل پر آتا جیسا کہ میں نے قرآنی تفسیر کیلئے بار بار ان کو بلایا تو خدا اس کو ذلیل اور شرمندہ کرتا۔ سو فہم قرآن جو مجھ کو عطا کیا گیا یہ اللہ جلشانہٗ کا ایک نشان ہے۔ میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ عنقریب دنیا دیکھے گی کہ میں اس بیان میں سچا ہوں۔ (سراج منیر۔ ر۔خ جلد 12 صفحہ 41-40)

آں رسولے کش محمدؐ ہست نام — دامنِ پاکش بدستِ ما مدام !
وہ رسول جس کا نام محمدؐ ہے — اس کا مقدس دامن ہر وقت ہمارے ہاتھ میں ہے

مہرِ او باشیر شد اندر بدن — جاں شد و باجاں بدر خواہد شدن
اس کی محبت ماں کے دودھ کے ساتھ ہمارے بدن میں داخل — ہوئی وہ جان بن گئی اور جان کے ساتھ ہی باہر نکلے گی

ہست او خیرالرسل خیرالانام — ہر نبوت را بروشد اختتام
وہی خیرالرُّسل اور خیرالانام ہے — اور ہر قسم کی نبوت کی تکمیل اس پر ہوگئی

ما از و نوشیم ہر آبے کہ ہست — زو شدہ سیراب سیرابے کہ ہست
جو بھی پانی ہے وہ ہم اسی سے لے کر پیتے ہیں — جو بھی سیراب ہے وہ اسی سے سیراب ہوا ہے

آنچہ مارا وحی و ایمائے بود ! — آں نہ از خود از ہماں جائے بود !
جو وحی و الہام ہم پر نازل ہوتا ہے — وہ ہماری طرف سے نہیں وہیں سے آتا ہے

ما ازو یا بیم ہر نور و کمال ! — وصلِ دلدارِ ازل بے او محال !
ہم ہر روشنی اور ہر کمال اسی سے حاصل کرتے ہیں — محبوب ازلی کا وصل بغیر اس کے ناممکن ہے

اقتدائے قولِ او درجانِ ماست — ہرچہ زو ثابت شود ایمانِ ماست
اسکے ہر ارشاد کی پیروی ہماری فطرت میں ہے — جو بھی اس کا فرمان ہے اس پر ہمارا پورا ایمان ہے

(سراج منیر۔ ر۔خ جلد 12 صفحہ 95)

کلّ برکۃ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتبارک من عَلّمَ وَتعَلّم ؕ

خدا کی فیلنگ اور خدا کی مہر نے کتنا بڑا کام کیا۔ انّی معک ومع اھلک

یہ تو تمام برکت محمد ﷺ سے ہے۔ پس بہت برکتوں والا ہے جس نے اس بندہ کو تعلیم دی اور بہت برکتوں والا ہے جس نے تعلیم پائی۔ خدا نے وقت کی ضرورت محسوس کی اور اس کے محسوس کرنے اور نبوت کی مہر نے جس میں بشدت قوت کا فیضان ہے بڑا کام کیا یعنی تیرے مبعوث ہونے کے دو باعث ہیں۔ خدا کا ضرورت محسوس کرنا اور آنحضرت ؐ کی مہر نبوت کا فیضان۔

(حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ جلد 22 صفحہ 99)

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے　　لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے
جب سے یہ نور ملا نورِ پیمبرؐ سے ہمیں　　ذات سے حق کے وجود اپنا ملایا ہم نے
مصطفٰے پر ترا بیحد ہو سلام اور رحمت　　اس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے
ربط ہے جانِ محمدؐ سے مری جاں کو مدام
دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ جلد 5 صفحہ 225)

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ق وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ وَ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ط وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُo (الجمعہ:3`4)

وَاِنَّ اٰدَمَ اٰخِرِ الزَّمَانِ حَقِیْقَةً هُوَ نَبِیُّنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ط وَ النِّسْبَةُ بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ کَنِسْبَةِ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ ط وَ اِلَیْهِ اَشَارَ سُبْحَانَهٗ فِیْ قَوْلِهٖ وَ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ فَفَکِّرْ فِیْ قَوْلِهٖ اٰخَرِیْنَ ۔ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیَّ فَیْضَ هٰذَا الرَّسُوْلِ فَاَتَمَّهٗ وَ اَکْمَلَهٗ وَ جَذَبَ اِلَیَّ لُطْفَهٗ وَجُوْدَهٗ ط حَتّٰی صَارَ وَجُوْدِیْ وُجُوْدَهٗ ط فَمَنْ دَخَلَ فِیْ جَمَاعَتِیْ دَخَلَ فِیْ صَحَابَةِ سَیِّدِیْ خَیْرِ الْمُرْسَلِیْنَ وَهٰذَا هُوَ مَعْنٰی وَ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ کَمَا لَا یَخْفٰی عَلَی الْمُتَدَبِّرِیْنَ۔وَمَنْ فَرَّقَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ الْمُصْطَفٰی ط فَمَا عَرَفَنِیْ وَمَا رَاٰی ط

اور آخر زمانہ کا آدم درحقیقت ہمارے نبی کریم ہیں ﷺ اور میری نسبت اس کی جناب کے ساتھ استاداور شاگرد کی نسبت ہے اور خدا تعالیٰ کا یہ قول کہ وَ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے پس اٰخَرِیْنَ کے لفظ میں فکر کرو اور خدا نے مجھ پر اس رسول کریم کا فیض نازل فرمایا اور اس کو کامل بنایا اور اس نبی کریم کے لطف اور جود کو میری طرف کھینچا یہاں تک کہ میرا وجود اس کا وجود ہو گیا۔ پس وہ جو میری جماعت میں داخل ہوا درحقیقت میرے سردار خیر المرسلین کے صحابہ میں داخل ہوا اور یہی معنی اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ کے لفظ کے بھی ہیں جیسا کہ سوچنے والوں پر پوشیدہ نہیں **اور جو شخص مجھ میں اور مصطفیٰ میں تفریق کرتا ہے اس نے مجھے نہیں دیکھا ہے اور نہیں پہچانا ہے۔** (خطبہ الہامیہ۔ ر۔خ جلد 16 صفحہ 259-257)

مسیحِ وقت اب دنیا میں آیا خدا نے عہد کا دن ہے دکھایا
مبارک وہ جو اب ایمان لایا صحابہؓ سے ملا جب مجھ کو پایا
وہی ے ان کو ساقی نے پلادی فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

(درثمین مطبوعہ 1901ء)(بشیر احمد، شریف احمد اور مبارکہ کی آمین)

حضرت اقدسؑ آنحضرت ﷺ کے علوم کے وارث ہیں

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے　　من بعرفاں نہ کمترم ز کسے
اگرچہ انبیاء بہت ہوئے ہیں　　مگر میں معرفت الٰہی میں کسی سے کم نہیں ہوں
وارثِ مصطفٰی شدم بہ یقیں　　شدہ رنگیں برنگِ یارِ حسیں
میں یقیناً مصطفٰی کا وارث ہوں　　اور اس حسین محبوب کے رنگ میں رنگین ہوں
لیک آئینہ ام ز ربِّ غنی　　از پئے صورتِ مہ مدنی
لیکن میں رب غنی کی طرف سے آئینہ کی مانند ہوں　　اس مدینہ کے چاند کی صورت دنیا کو دکھانے کیلئے

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 335-336)(نزول المسیح۔ر۔خ جلد 18 صفحہ 477-478)

اسلام کے زندہ ہونے کا ثبوت اور نبوت کی یقینی حقیقت جو ہمیشہ ہر ایک زمانہ میں منکرین وحی کو ساکت کر سکے اسی حالت میں قائم رہ سکتی ہے کہ سلسلہ وحی برنگ محدثیت ہمیشہ کیلئے جاری رہے۔ سو اس نے ایسا ہی کیا۔ محدث وہ لوگ ہیں جو شرف مکالمۂ الٰہی سے مشرف ہوتے ہیں اور ان کا جوہر نفس انبیاء کے جوہر نفس سے اشد مشابہت رکھتا ہے۔ اور وہ خواص عجیبہ نبوت کیلئے بطور آیات باقیہ کے ہوتے ہیں تا یہ دقیق مسئلہ نزول وحی کا کسی زمانہ میں بے ثبوت ہو کر صرف بطور قصہ کے نہ ہو جائے اور یہ خیال ہرگز درست نہیں کہ انبیاء علیہم السلام دنیا سے بے وارث ہی گذر گئے اور اب ان کی نسبت کچھ رائے ظاہر کرنا بجز قصہ خوانی کے اور کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتا **بلکہ ہر ایک صدی میں ضرورت کے وقت ان کے وارث پیدا ہوتے رہے ہیں اور اس صدی میں یہ عاجز ہے** خدا تعالیٰ نے مجھ کو اس زمانہ کی اصلاح کیلئے بھیجا ہے تا وہ غلطیاں جو بجز خدا تعالیٰ کی خاص تائید کے نکل نہیں سکتی تھیں وہ مسلمانوں کے خیالات سے نکالی جائیں اور منکرین کو سچے اور زندہ خدا کا ثبوت دیا جائے اور اسلام کی عظمت اور حقیقت تازہ نشانوں سے ثابت کی جائے۔ سو یہی ہو رہا ہے **قرآن کریم کے معارف ظاہر ہو رہے ہیں لطائف اور دقائق کلام ربانی کے کھل رہے ہیں نشان آسمانی اور خوارق ظہور میں آ رہے ہیں اور اسلام کے حسنوں اور نوروں اور برکتوں کا خدا تعالیٰ نئے سر سے جلوہ دکھلا رہا ہے۔** جس کی آنکھیں دیکھنے کی ہیں دیکھے اور جس میں سچا جوش ہے وہ طلب کرے اور جس میں ایک ذرہ حب اللہ اور رسول کریم کی ہے وہ اٹھے اور آزمائے اور خدا تعالیٰ کی اس پسندیدہ جماعت میں داخل ہووے جس کی بنیادی اینٹ اس نے اپنے پاک ہاتھ سے رکھی ہے۔

(برکات الدعا۔ر۔خ جلد 6 صفحہ 23-24)

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے　　کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلائے　　یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے
آزمائش کیلئے کوئی نہ آیا ہر چند　　ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے
آؤ لوگو ! کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے!!　　لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے
آج ان نوروں کا اک زور ہے اس عاجز میں　　دل کو ان نوروں کا ہر رنگ دلایا ہم نے
جب سے یہ نورِ ملا نور پیمبر سے ہمیں　　ذات سے حق کی وجود اپنا ملایا ہم نے
مصطفٰی پر ترا بیحد ہو سلام اور رحمت　　اس سے یہ نور لیا بار خدایا ہم نے
ربط ہے جان محمدؐ سے مری جاں کو مدام　　دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے

(آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ جلد 5 صفحہ 224`225)

دَعُوْا کُلَّ فَخْرٍ لِلنَّبِیِّ مُحَمَّدٍ　　اَمَامَ جَلَالَۃِ شَانِہِ الشَّمْسُ اَحْقَرُ
وَصَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا اَیُّھَا الْوَرٰی　　وَذَرُوْا لَہُ طُرُقَ التَّشَاجُرِ تُؤْجَرُوْا
وَوَاللّٰہِ اِنِّیْ قَدْ تَبِعْتُ مُحَمَّدًا　　وَفِیْ کُلِّ اٰنٍ مِّنْ سَنَاہُ اُنَوَّرُ
وَفَوَّضَنِیْ رَبِّیْ اِلٰی رَوْضِ فَیْضِہٖ　　وَاِنِّیْ بِہٖ اَجْنِیْ الْجَنٰی وَاُنَضَّرُ
وَلِدِیْنِہٖ فِیْ جَذْرِ قَلْبِیْ لَوْعَۃٌ　　وَاَنَّ بَیَانِیْ عَنْ جَنَانِیْ یُخْبِرُ
وَرِثْتُ عُلُوْمَ الْمُصْطَفٰی فَاَخَذْتُھَا　　وَکَیْفَ اَرُدُّ عَطَاءَ رَبِّیْ وَاَفْجُرُ

ہر فخر کو رہنے دو نبی محمد ﷺ کے ہی لئے　　آپکی جلالت شان کے سامنے تو سورج بھی بہت حقیر ہے
اور اے تمام لوگو ! اس پر درود و سلام بھیجو　　اور اس کی خاطر جھگڑے کی راہیں چھوڑ دو کہ اجر پاؤ
اور خدا کی قسم ! یقیناً میں نے پیروی کی ہے محمد ﷺ کی　　اور ہر لحظہ آپ کی روشنی سے ہی منور ہو رہا ہوں
مجھے میرے رب نے آپ کے فیض کے باغوں کے سپرد کردیا ہے　　اور یقیناً میں آپ کے ذریعہ ہی پھل چنتا اور تروتازہ کیا جاتا ہوں
اور آپ کے دین کیلئے میرے دل کی گہرائی میں ایک تڑپ ہے　　اور یقیناً میرا بیان میرے دل کی حالت کی خبر دے رہا ہے
میں مصطفٰی کے علوم کا وارث ہوا سو میں نے ان کو لے لیا　　اور میں اپنے رب کی عطا کو کیسے رد کروں اور گنہگار بنوں

(درثمین عربی)(حمامۃ البشریٰ۔ر۔خ جلد 7 صفحہ 331`332)

وارث انبیاء ہمیشہ ہوتے رہیں گے

پھر بعض اور آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرور خداوند کریم نے یہی ارادہ فرمایا ہے کہ روحانی معلم جو انبیاء کے وارث ہیں ہمیشہ ہوتے رہیں اور وہ یہ ہیں۔ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ (النور:56)۔ وَ لَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا تُصِیْبُھُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَۃٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِنْ دَارِ ھِمْ حَتّٰی یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَاد (الرعد:32) وَ مَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل:16)۔یعنی خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے اے مومنان امت محمد یہ وعدہ کیا ہے کہ تمہیں بھی وہ زمین میں خلیفہ کرے گا جیسا کہ تم سے پہلوں کو کیا اور ہمیشہ کفار پر کسی قسم کی کوفتیں جسمانی ہوں یا روحانی پڑتی رہیں گی یا ان کے گھر سے نزدیک آ جائیں گی۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ آ پہنچے گا۔اور خدا تعالیٰ اپنے وعدوں میں تخلف نہیں کرتا۔اور ہم کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ایک رسول بھیج نہ لیں۔

ان آیات کو اگر کوئی شخص تامل اور غور کی نظر سے دیکھے تو میں کیونکر کہوں کہ وہ اس بات کو سمجھ نہ جائے کہ خدا تعالیٰ اس امت کیلئے خلافت دائمی کا صاف وعدہ فرماتا ہے۔ اگر خلافت دائمی نہیں تھی تو شریعت موسوی کے خلیفوں سے تشبیہہ دینا کیا معنی رکھتا تھا اور اگر خلافت راشدہ صرف تیس برس تک رہ کر پھر ہمیشہ کیلئے اس کا دور ختم ہو گیا تھا تو اس سے لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ہر گز یہ ارادہ نہ تھا کہ اس امت پر ہمیشہ کیلئے ابواب سعادت مفتوح رکھے کیونکہ روحانی سلسلہ کی موت سے دین کی موت لازم آتی ہے اور ایسا مذہب ہر گز زندہ نہیں کہلا سکتا جس کے قبول کرنے والے خود اپنی زبان سے ہی یہ اقرار کریں کہ تیرہ سو برس سے یہ مذہب مرا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس مذہب کیلئے ہر گز یہ ارادہ نہیں کیا کہ حقیقی زندگی کا وہ نور جو نبی کریم کے سینہ میں تھا وہ توارث کے طور پر دوسروں میں چلا آوے۔

افسوس کہ ایسے خیال پر جمنے والے خلیفہ کے لفظ کو بھی جو استخلاف سے مفہوم ہوتا ہے تدبر سے نہیں سوچتے کیونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اور رسول کا جانشین حقیقی معنوں کے لحاظ سے وہی ہو سکتا ہے جو ظلی طور پر رسول کے کمالات اپنے اندر رکھتا ہو اس واسطے رسول کریم نے نہ چاہا کہ ظالم بادشاہوں پر خلیفہ کا لفظ اطلاق ہو کیونکہ خلیفہ **درحقیقت رسول کا ظل ہوتا ہے اور چونکہ کسی انسان کیلئے دائمی طور پر بقا نہیں لہٰذا خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ رسولوں کے وجود کو جو تمام دنیا کے وجودوں سے اشرف و اولیٰ ہیں ظلی طور پر ہمیشہ کیلئے تا قیامت قائم رکھے۔ سو اسی غرض سے خدا تعالیٰ نے خلافت کو تجویز کیا تا دنیا کبھی اور کسی زمانہ میں برکات رسالت سے محروم نہ رہے۔ پس جو شخص خلافت کو صرف تیس برس تک مانتا ہے وہ اپنی نادانی سے خلافت کی علت غائی کو نظر انداز کرتا ہے۔**

(شہادت القرآن۔ر۔خ جلد6 صفحہ 353-352)

آنکہ اُورا ظلمتے گیرد براہ — نیستش چوں روئے احمدؐ مہر و ماہ
وہ شخص جسے تاریکی گھیر لے اس کیلئے — احمد کے چہرہ کی طرح اور کوئی چاند سورج نہیں ہے
تابعش بحرِ معانی مے شود — از زمینی آسمانی مے شود
اس کا پیرو معرفت کا ایک سمندر بن جاتا ہے — اور زمینی سے آسمانی ہو جاتا ہے
ہر کہ در راہِ محمدؐ زد قدم — انبیاء را شد مثیل آں محترم
جس نے محمدؐ کے طریقہ پر قدم مارا — وہ قابل عزت شخص نبیوں کا مثیل بن جاتا ہے
تو عجب داری ز فوزِ ایں مقام — پائی بندِ نفس گشتہ صبح و شام
تو اس درجہ کی کامیابی پر تعجب کرتا ہے — کیونکہ تو ہر وقت اپنے نفس کا غلام ہے

(ضیاء الحق۔ر۔خ جلد9 صفحہ 255`254)

حضرت اقدسؑ قرآن کریم کے وارث ہیں

اس جگہ یہ بھی یادرہے کہ جب کہ مجھ کو تمام دنیا کی اصلاح کیلئے ایک خدمت سپرد کی گئی ہے۔اس وجہ سے کہ ہمارا آقا اور مخدوم تمام دنیا کیلئے آیا تھا تو اس عظیم الشان خدمت کے لحاظ سے مجھے وہ قوتیں اور طاقتیں بھی دی گئی ہیں جو اس بوجھ کے اٹھانے کیلئے ضروری تھیں اور وہ معارف اور نشان بھی دیے گئے ہیں جن کا دیا جانا اتمام حجت کیلئے مناسب وقت تھا۔ مگر ضروری نہ تھا کہ حضرت عیسیٰ کو وہ معارف اور نشان دئے جاتے۔ کیونکہ اس وقت انکی ضرورت نہ تھی اس لئے حضرت عیسیٰ کی سرشت کو صرف وہ قوتیں اور طاقتیں دی گئیں جو یہودیوں کے ایک تھوڑے سے فرقہ کی اصلاح کیلئے ضروری تھیں **اور ہم قرآن شریف کے وارث ہیں جس کی تعلیم جامع تمام کمالات ہے تمام دنیا کیلئے ہے۔** مگر حضرت عیسیٰ صرف توریت کے وارث تھے جس کی تعلیم ناقص اور مختص القوم ہے اسی وجہ سے انجیل میں ان کو وہ باتیں تاکید کے ساتھ بیان کرنی پڑیں جو توریت میں مخفی اور مستور تھیں لیکن قرآن شریف سے ہم کوئی امر زیادہ بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی تعلیم اتم اور اکمل ہے اور وہ توریت کی طرح کسی انجیل کا محتاج نہیں۔

(حقیقۃ الوحی۔ر۔خ جلد22 صفحہ155)

و استمرت عادته انه اذا جاء زمان الظلام و جعل دین الاسلام غرض
اور عادت اسی طرح پر جاری ہے کہ جب تاریکی کا زمانہ آجائے اور دین اسلام تیروں کا نشانہ ٹھہرایا جاوے
السهام و طال علیه السنة الخواص و العوام و اختار الناس طرق الا رتداد
اور اس پر خواص اور عوام کی زبانیں جاری ہوں اور لوگ ارتداد کے طریقے اختیار کریں
وافسدوا فی الارض غایة الا فساد فتتوجه القیومیة الالهیة الی حفظه
اور زمین میں نہایت درجہ کا فساد ڈالدیں **پس قیومیت الٰہیہ توجہ فرماتی ہے کہ تا دین کی حفاظت کرے**
وصیانته ویبعث عبد الا عانته فیجدد دین الله بعلمه وصدقه و امانته و
اور کوئی بندہ اس کی اعانت کیلئے کھڑا کر دیتا ہے پس وہ دین اسلام کو اپنے علم اور صدق اور امانت کے ساتھ
یجعل الله ذلک المبعوث زکیا و بالفیوض حریا و یکشف عینه ویهب له
تازہ کر دیتا ہے۔ اور خدا اس مبعوث کو ذکی اور لائق فیض بناتا ہے اور اس کی آنکھ کھولتا ہے اور اسکو تازہ بتازہ
علما غضا طریا ویجعله لعلوم الانبیاء من الوارثین - فیاتی فی حلل
علم بخشتا ہے اور نبیوں کے علموں کا اس کو وارث ٹھہراتا ہے ۔ پس وہ ایسے پیرایوں میں
تقابل حلل فساد الزمان وما یقول الا ما علمه لسان الرحمان و
آتا ہے جو فساد زمانہ کے پیرایوں کے مقابل پر ہوتے ہیں اور وہی کہتا ہے جو خدا کی زبان نے اسے سکھایا ہو اور
تعطی له فنعن من مبدء الفیضان علیٰ مناسبات فسادا هل البلدان
مبدء فیضان سے کئی قسم کے علم اس کو دیئے جاتے ہیں جو زمانہ کے فساد کے موافق ہوں۔

(نور الحق حصہ دوم۔ر۔خ جلد8 صفحہ236)

بارہویں فصل

حفاظتِ قرآن کریم کے اعتبار سے

وعدہ حفاظتِ قرآن کریم

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ (الحجر:10)

(یہ آیت) صاف بتلا رہی ہے کہ جب ایک قوم پیدا ہوگی کہ اس ذکر کو دنیا سے مٹانا چاہے گی تو اس وقت خدا آسمان سے اپنے کسی فرستادہ کے ذریعہ سے اس کی حفاظت کرے گا۔ (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 267 حاشیہ)

اسلام کی حفاظت کا ذمہ اسی حیّ و قیوم خدا نے اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کہہ کر اٹھایا ہوا ہے۔ پس ہر زمانہ میں یہ دین زندوں سے زندگی پاتا ہے اور مردوں کو جلاتا ہے۔ یاد رکھو اس میں قدم قدم پر زندے آتے ہیں۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 346)

یہ امر قرآن شریف سے بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے دین کی حفاظت کرتا رہا ہے اور کرے گا جیسا کہ فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ یعنی بے شک ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کا لفظ صاف طور پر دلالت کرتا ہے کہ صدی کے سر پر ایسے آدمی آتے رہیں گے جو گم شدہ متاع کو لائیں اور لوگوں کو یاد دلائیں۔ (ملفوظات جلد 4 صفحہ 629)

وعدہ حفاظت قرآن کریم کے معنی

اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ اللہ جلّشانہٗ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (الحجر:10) یعنی ہم نے ہی اس کتاب کو اتارا اور ہم ہی اس تنزیل کی محافظت کریں گے اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ کلام ہمیشہ زندہ رہے گا اور اس کی تعلیم کو تازہ رکھنے والے اور اس کا نفع لوگوں کو پہنچانے والے ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے۔ اور اگر یہ سوال ہو کہ قرآن کے وجود کا فائدہ کیا ہے جس فائدہ کے وجود پر اس کی حقیقی حفاظت موقوف ہے تو اس دوسری آیت سے ظاہر ہے هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔(الجمعۃ:3) اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے بڑے فائدے دو ہیں جن کے پہنچانے کیلئے آنحضرت ﷺ تشریف لائے تھے۔

ایک حکمت فرقان یعنی معارف ودقائق قرآن دوسری تاثیر قرآن جو موجب تزکیہ نفوس ہے اور قرآن کی حفاظت صرف اسی قدر نہیں جو اس کے صحف مکتوبہ کو خوب نگہبانی سے رکھیں کیونکہ ایسے کام تو اوائل حال میں یہود اور نصاریٰ نے بھی کئے یہاں تک کہ توریت کے نقطے بھی گن رکھے تھے۔ بلکہ اس جگہ مع حفاظت ظاہری حفاظت فوائد وتاثیرات قرآنی مراد ہے اور وہ موافق سنت اللہ کے تبھی ہو سکتی ہے کہ جب وقتاً فوقتاً نائب رسول آویں جن میں ظلّی طور پر رسالت کی تمام نعمتیں موجود ہوں اور جن کو وہ تمام برکات دی گئی ہوں جو نبیوں کو دی جاتی ہوں جیسا کہ ان آیات میں اسی امر عظیم کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔(النور:56) (شہادت القرآن۔ ر۔خ جلد 6 صفحہ 339-338)

یہ حدیث (اِنَّ اللّٰہ یبعث لھٰذہ الا مّۃ علٰی رأس کُلّ مائۃ سنۃ من یجدّ دلھا دینھا ۔نا قل) اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ کی شرح ہے۔صدی ایک عام آدمی کی عمر ہوتی ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا کہ سوسال بعد کوئی نہ رہے گا۔جیسے صدی جسم کو مارتی ہے اسی طرح ایک روحانی موت بھی واقع ہوتی ہے۔اس لئے صدی کے بعد ایک نئی ذریت پیدا ہو جاتی ہے۔جیسے اناج کے کھیت۔اب دیکھتے ہیں کہ ہرے بھرے ہیں ایک وقت میں بالکل خشک ہوں گے پھر نئے سرے سے پیدا ہو جائیں گے اس طرح پر ایک سلسلہ جاری رہتا ہے پہلے اکابر سوسال کے اندر فوت ہو جاتے ہیں اس لئے خدا تعالیٰ ہر صدی پر نیا انتظام کر دیتا ہے جیسا رزق کا سامان کرتا ہے۔پس قرآن کی حمایت کے ساتھ یہ حدیث تواتر کا حکم رکھتی ہے۔

کپڑا پہنتے ہیں تو اس کی بھی تجدید کی ضرورت پیدا ہوتی ہے اسی طریق پر نئی ذریت کو تازہ کرنے کیلئے سنت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ ہر صدی پر مجدد آتا ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 86-87)

حضرت اقدسؑ حفاظت قرآن کریم کی غرض سے مبعوث ہوئے ہیں

وہ پاک وعدہ جس کو یہ پیارے الفاظ ادا کر رہے ہیں کہ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ۔(الحجر:10) وہ انہیں دنوں کیلئے وعدہ ہے جو بتلا رہا ہے کہ جب اسلام پر سخت بلا کا زمانہ آئے گا اور سخت دشمن اس کے مقابل کھڑا ہوگا اور سخت طوفان پیدا ہوگا تب خدائے تعالیٰ آپ اس کا معالجہ کرے گا اور آپ اس طوفان سے بچنے کیلئے کوئی کشتی عنایت کرے گا وہ کشتی اسی عاجز کی دعوت ہے۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ جلد 5 صفحہ 264 حاشیہ)

یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کیلئے غیور ہے۔اس نے سچ فرمایا ہے اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۔(الحجر:10) اس نے اس وعدہ کے موافق اپنے ذکر کی محافظت فرمائی اور مجھے مبعوث کیا اور آنحضرت ﷺ کے وعدہ کے موافق کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آتا ہے اس نے مجھے صدی چہاردہم کا مجدد کیا جس کا نام کاسِرُ الصَّلِیۡب بھی رکھا ہے۔اگر ہم اس دعویٰ میں غلطی پر ہیں تو پھر سارا کاروبار نبوت کا ہی باطل ہوگا اور سب وعدے جھوٹے ٹھہریں گے اور پھر سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہوگی کہ خدا تعالیٰ بھی جھوٹوں کی حمایت کرنے والا ثابت ہوگا (معاذ اللہ) کیونکہ ہم اس سے تائیدیں پاتے ہیں اور اس کی نصرتیں ہمارے ساتھ ہیں۔(ملفوظات جلد 2 صفحہ 370،371)

اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق کہ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ(الحجر:10) قرآن شریف کی عظمت کو قائم کرنے کیلئے چودھویں صدی کے سر پر مجھے بھیجا ۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 433)

اس وقت میرے مامور ہونے پر بہت سی شہادتیں ہیں اول اندرونی شہادت دوم بیرونی شہادت سوم صدی کے سر پر آنے والے مجدد کی نسبت حدیث صحیح۔چہارم اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡن۔(الحجر:10) کا وعدہ حفاظت۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 360)

قرآن کریم جس کا دوسرا نام ذکر ہے اس ابتدائی زمانہ میں انسان کے اندر چھپی ہوئی اور فراموش ہوئی ہوئی صداقتوں اور ودیعتوں کو یاد دلانے کے لئے آیا تھا۔اللہ تعالیٰ کے اس وعدۂ واثقہ کی رو سے کہ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ۔(الحجر:10) اس زمانے میں بھی آسمان سے ایک معلم آیا جو اٰخَرِیۡنَ مِنۡھُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡابِھِم کا مصداق اور موعود ہے۔وہ وہی ہے جو تمہارے درمیان بول رہا ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 60)

وَّ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ O (الجمعہ:4)

جو کچھ اللہ نے چاہا تھا اس کی تکمیل دو ہی زمانوں میں ہونی تھی ایک آپ کا زمانہ اور ایک آخری مسیح ومہدی کا زمانہ۔ یعنی ایک زمانہ میں تو قرآن اور سچی تعلیم نازل ہوئی لیکن اس تعلیم پر فیجِ اعوج کے زمانہ نے پردہ ڈال دیا جس پردہ کا اٹھایا جانا مسیح کے زمانہ میں مقدر تھا جیسے کہ فرمایا رسول اکرم ﷺ نے ایک تو موجودہ جماعت یعنی جماعتِ صحابہ کرامؓ کا تزکیہ کیا اور ایک آنے والی جماعت کا جس کی شان میں لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ آیا ہے۔ **یہ ظاہر ہے کہ خدا نے بشارت دی کہ ضلالت کے وقت اللہ تعالیٰ اس دین کو ضائع نہ کرے گا بلکہ آنے والے زمانہ میں خدا حقائق قرآنیہ کو کھول دے گا۔ آثار میں ہے کہ آنے والے مسیح کی ایک یہ فضیلت ہوگی کہ وہ قرآنی فہم اور معارف کا صاحب ہوگا اور صرف قرآن سے استنباط کر کے لوگوں کو ان کی غلطیوں سے متنبہ کرے گا جو حقائق قرآن کی ناواقفیت سے لوگوں میں پیدا ہوگئی ہوں۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 25)

مجھے خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے قرآن کے حقائق اور معارف کے سمجھنے میں ہر ایک روح پر غلبہ دیا گیا ہے اور اگر کوئی مولوی مخالف میرے مقابل پر آتا جیسا کہ میں نے قرآنی تفسیر کیلئے بار بار ان کو بلایا تو خدا اس کو ذلیل اور شرمندہ کرتا۔ سو فہم قرآن جو مجھ کو عطا کیا گیا یہ اللہ جل شانہٗ کا ایک نشان ہے۔ میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ عنقریب دنیا دیکھے گی کہ میں اس بیان میں سچا ہوں۔ (سراج منیر۔ ر۔خ جلد 12 صفحہ 41)

فَارَادَاللّٰهُ اَنْ يَّحْفَظَ عِزَّةَ كِتَابِهٖ وَدِيْنَ طُلَّابِهٖ مِنْ فِتَنِ تِلْكَ النَّوَادِرِ كَمَا وَعَدَ فِيْ قَوْلِهٖ اِنَّانَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ فَاَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَاَيَّدَ عَبْدَهٗ فَضْلًا مِّنْهُ وَرَحْمَةً وَّ اَوْحٰى اِلَيَّ اَنْ اَقُوْمَ بِالْاِنْذَارِ وَ اَنْزَلَ مَعِىَ نَوَادِرَ النِّكَاتِ وَالْعُلُوْمِ وَلتَّائِيْدَاتِ مِنَ السَّمَاءِ لِيَكْسَرِ بَهَانَوَادِرَ الْمُتَنَصِّرِيْنَ وَصَلِيْبَهُمْ۔

پس اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی کتاب اور اپنے طالبوں کے دین کی عزت کو ان نوادر کے فتنہ سے محفوظ رکھے جیسا کہ اس نے اپنے قول اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّالَهٗ لَحٰفِظُوْنَ میں وعدہ کیا تھا **پس اس نے اپنے وعدہ کو پورا فرمایا اور اپنے فضل اور رحمت سے اپنے بندہ کی تائید فرمائی اور میری طرف وحی کی کہ میں منذر بن کر کھڑا ہو جاؤں۔ اور میرے ساتھ نادر نکات وعلوم اور آسمانی تائیدات اتاریں تا اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے** عیسائیوں کے نوادر اور ان کی صلیب کو پاش پاش کر دے۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ جلد 5 صفحہ 480)

عیاں کر ان کی پیشانی پہ اقبال — نہ آوے ان کے گھر تک رُعب دجال
بچانا ان کو ہر غم سے بہر حال — نہ ہوں وہ دکھ میں اور رنجوں میں پامال
یہی امید ہے دل نے بتا دی — فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

(درثمین اردو صفحہ 43)

تیرہویں فصل

معلّمِ قرآن ہونے کے اعتبار سے

الہامات حضرت اقدسؑ

یَا اَحْمَدُ بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ مَارَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اٰبَآؤُھُمْ وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلَ الْمُجْرِمِیْنَ قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ۔

اے اول تائب الی اللّٰہ بامراللّٰہ فی ہذاالزمان و اول من یؤمن بہذاالامر واللّٰہ اعلم۔

اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا۔ کُلُّ بَرَکَۃٍ مِّنْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ فَتَبَارَکَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُہ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ ھُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ ظُلِمُوْا۔

اے لیظہر دین الاسلام بالحجج القاطعۃ والبراہین الساطعۃ علی کل دین ماسواہ ای ینصراللّٰہ المؤمنین المظلومین باشراق دینہم و اتمام حجتہم۔

(براہین احمدیہ۔ر۔خ جلد 1 صفحہ 265)

بارھویں پیشگوئی جو براہین احمدیہ کے صفحہ 238 اور 239 میں لکھی ہے علم قرآن ہے اس پیشگوئی کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تجھ کو علم قرآن دیا گیا ہے ایسا علم جو باطل کو نیست کریگا۔ **اور اسی پیشگوئی میں فرمایا کہ دو انسان ہیں جنکو بہت ہی برکت دی گئی۔ ایک وہ معلم جس کا نام محمد مصطفےٰ ﷺ ہے اور ایک یہ متعلم یعنی اس کتاب کا لکھنے والا۔** (سراج منیر۔ر۔خ جلد 12 صفحہ 40 تا 41)

حضرت اقدسؑ آسمانی معلّمِ قرآن ہیں

اس زمانہ میں بھی آسمان سے ایک معلم آیا

اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ واثقہ کی رو سے کہ

اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْن (الحجر:10) **اس زمانہ میں بھی آسمان سے ایک معلّم آیا جو اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ** (الجمعۃ:4) **کا مصداق اور موعود ہے۔ وہ وہی ہے جو تمھارے درمیان بول رہا ہے۔** میں پھر رسول کریم ﷺ کی پیشین گوئی کی طرف عود کر کے کہتا ہوں کہ آپ نے اس زمانہ کی ہی بابت خبر دی تھی کہ لوگ قرآن کو پڑھیں گے لیکن وہ اُن کے حلق سے نیچے نہ اُترے گا۔ اب ہمارے مخالف۔ نہیں نہیں اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی قدر نہ کرنے والے اور رسول اللہ ﷺ کی باتوں پر دھیان نہ دینے والے خوب گلے مروڑ مروڑ کر **یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ** (آل عمران:56) اور **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ** (المائدہ:118) قرآن میں عجیب لہجہ سے پڑھتے ہیں، لیکن سمجھتے نہیں اور افسوس تو یہ ہے کہ اگر کوئی ناصح مشفق بن کر سمجھانا چاہے تو سمجھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 60)

مسیح وقت اب دنیا میں آیا ۔ خدا نے عہد کا دن ہے دکھایا
مبارک وہ جو اب ایمان لایا ۔ صحابہؓ سے ملا جب مجھ کو پایا
وہی مے ان کو ساقی نے پلا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

(بشیر احمد شریف احمد اور مبارکہ کی آمین مطبوعہ 1900) (درثمین اردو صفحہ 52)

معلّمِ قرآن کی ضرورت

سچ تو یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتا وہ قرآن کو بھی نہیں پہچان سکتا۔ ہاں یہ بات بھی درست ہے کہ قرآن ہدایت کیلئے نازل ہوا ہے **مگر قرآن کی ہدایتیں اس شخص کے وجود کے ساتھ وابستہ ہیں جس پر قرآن نازل ہوا یا وہ شخص جو منجانب اللہ اس کا قائم مقام ٹھہرایا گیا** اگر قرآن اکیلا ہی کافی ہوتا تو خدا تعالیٰ قادر تھا کہ قدرتی طور پر درختوں کے پتوں پر قرآن لکھا جاتا یا لکھا لکھایا آسمان سے نازل ہو جاتا مگر خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ قرآن کو دنیا میں نہیں بھیجا جب تک معلم القرآن دنیا میں نہیں بھیجا گیا۔ قرآن کریم کو کھول کر دیکھو کتنے مقام میں اس مضمون کی آیتیں ہیں کہ **یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ** (الجمعۃ:3) یعنے وہ نبی کریم ﷺ قرآن اور قرآنی حکمت لوگوں کو سکھلاتا ہے اور پھر ایک جگہ اور فرماتا ہے **وَلَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ** (الواقعۃ:80) یعنے **قرآن کے حقائق و دقائق اُنھیں پر کھلتے ہیں جو پاک کئے گئے ہیں۔ پس ان آیات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے سمجھنے کیلئے ایک ایسے معلم کی ضرورت ہے جسکو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پاک کیا ہو۔**

(شہادت القرآن۔ ر۔ خ جلد 6 صفحہ 347۔348)

صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں تو یقین کے چشمے جاری تھے اور وہ خدائی نشانوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور انہیں نشانوں کے ذریعہ سے خدا کی کلام پر انہیں یقین ہو گیا تھا اس لئے ان کی زندگی نہایت پاک ہو گئی تھی لیکن بعد میں جب وہ زمانہ جاتا رہا اور اس زمانہ پر صدہا سال گذر گئے تو پھر ذریعہ یقین کا کونسا تھا۔ سچ ہے کہ قرآن شریف ان کے پاس تھا اور قرآن شریف اس ذوالفقار تلوار کی مانند ہے جس کے دو طرف دھاریں ہیں۔ ایک طرف کی دھار مومنوں کی اندرونی غلاظت کو کاٹتی ہے اور دوسری طرف کی دھار دشمنوں کا کام تمام کرتی ہے مگر پھر بھی وہ تلوار اس کام کے لئے ایک بہادر کے دست و بازو کی محتاج ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ (الجمعة:3)۔ پس قرآن سے جو تزکیہ حاصل ہوتا ہے اس کو اکیلا بیان نہیں کیا بلکہ وہ نبی کی صفت میں داخل کر کے بیان کیا یہی وجہ ہے کہ **خدا تعالیٰ کا کلام یوں ہی آسمان پر سے کبھی نازل نہیں ہوا بلکہ اس تلوار کو چلانے والا بہادر ہمیشہ ساتھ آیا ہے جو اس تلوار کا اصل جوہر شناس ہے۔ لہٰذا قرآن شریف پر سچا اور تازہ یقین دلانے کے لئے اور اس کے جوہر دکھانے کے لئے اور اس کے ذریعہ سے اتمام حجت کرنے کے لئے ایک بہادر کے دست بازو کی ہمیشہ حاجت ہوتی رہی ہے اور آخری زمانہ میں یہ حاجت سب سے زیادہ پیش آئی کیونکہ دجالی زمانہ ہے اور زمین و آسمان کی باہمی لڑائی ہے۔** (نزول المسیح ۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 468-469)

وَقَالُوْا اِلَى الْمَوْعُوْدِ لَيْسَ بِحَاجَةٍ ۔۔۔ فَاِنَّ كِتَابَ اللّٰهِ يَهْدِيْ وَ يُخْبِرُ
وَمَا هِيَ اِلَّا بِالْغُيُوْرِ دُعَابَةً ۔۔۔ فَيَا عَجَبًا مِّنْ فِطْرَةٍ تَتَهَوَّرُ
وَقَدْ جَاءَ قَوْلُ اللّٰهِ بِالرُّسْلِ تَوأَمًا ۔۔۔ وَمِنْ دُوْنِهِمْ فَهْمُ الْهُدٰى مُتَعَسِّرُ
فَاِنَّ ظُبَى الْاَسْيَافِ تَحْتَاجُ دَائِمًا ۔۔۔ اِلٰى سَاعِدٍ يُّجْرِى الدِّمَاءَ وَ يُنْدِرُ
بِعَضْبٍ رَّقِيْقِ الشَّفْرَتَيْنِ هَزِيْمَةً ۔۔۔ اِذَا نَاشَهُ طِفْلٌ ضَعِيْفٌ مُحَقَّرُ

اور انہوں نے کہا کہ مسیح موعود کی طرف کچھ حاجت نہیں۔ کیونکہ اللہ کی کتاب ہدایت دیتی اور خبر دیتی ہے اور یہ تو خدائے غیور کے ساتھ ہنسی ٹھٹھا ہے۔ پس ایسی بیباک فطرتوں پر تعجب آتا ہے **اور اصل حقیقت یہ ہے کہ خدا کا کلام اور رسول باہم توام ہیں۔ اور ان کے بغیر خدا کے کلام کا سمجھنا مشکل ہے کیونکہ تلواروں کی دھار ہمیشہ ایسے بازو کی طرف محتاج ہے۔** جو خون کو جاری کرتا اور سر کو بدن سے الگ کر دیتا ہے۔ تلوار گو باریک دھاریں رکھتی ہو مگر تب بھی شکست ہو گی جبکہ اس کو کمزور اور حقیر بچہ ہاتھ میں پکڑے گا۔ (اعجاز احمدی قصیدہ اعجازیہ۔ ر۔خ جلد 19 صفحہ 173)

ہر زمانہ میں نئے معلّمِ قرآن کی ضرورت ہوتی ہے۔

اگر قرآن کے سیکھنے کے لئے معلم کی حاجت نہ ہوتی تو ابتدائے زمانہ میں بھی نہ ہوتی۔ اور یہ کہنا کہ ابتدا میں تو حل مشکلات قرآن کے لئے ایک معلم کی ضرورت تھی لیکن جب حل ہو گئیں تو اب کیا ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے، کہ حل شدہ بھی ایک مدت کے بعد پھر قابل حل ہو جاتی ہیں ماسوا اسکے امت کو ہر ایک زمانہ میں نئی مشکلات بھی تو پیش آتی ہیں **اور قرآن جامع جمیع علوم تو ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی زمانہ میں اس کے تمام علوم ظاہر ہو جائیں بلکہ جیسی جیسی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ویسے ویسے قرآنی علوم کھلتے ہیں** اور ہر یک زمانہ کی مشکلات کے مناسب حال ان مشکلات کو حل کرنے والے روحانی معلم بھیجے جاتے ہیں جو وارث رسل ہوتے ہیں اور ظلی طور پر رسولوں کے کمالات کو پاتے ہیں اور جس مجدد کی کاروائیاں کسی ایک رسول کی منصبی کاروائیوں سے شدید مشابہت رکھتی ہیں وہ عند اللہ اسی رسول کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ (شہادت القرآن ۔ ر۔خ جلد 6 صفحہ 348)

گفت پیغمبرِ ستو دہ صفات از خدائے علیم مخفیّات
ستو وہ صفات پیغمبر نے غیب دان علیم خدا سے علم پاکر کہا ہے
بر سرِ ہر صدی بروں آید آنکہ ایں کار را ہے شاید
کہ ہرصدی کے سرپرایک ایساشخص ظاہرہوتا ہے جو اس کام کے لایق ہوتا ہے
تا شود پاک ملت از بدعات تا بیابند خلق زو برکات
تاکہ مذہب بدعات سے پاک ہو جائے اور مخلوق اس سے برکتیں حاصل کرے
الغرض ذاتِ اولیائے کرام ہست مخصوصِ ملتِ اسلام
خلاصۂ کلام یہ کہ اولیائے کرام کی ذات مذہب اسلام کے ساتھ مخصوص ہے

(درثمین فارسی نیاایڈیشن صفحہ 52\51) (براہین احمدیہ۔ر۔خ جلد1صفحہ 362)

کیا ہزاروں مولوی ایسے نہیں ہیں جو بڑے بڑے علوم عربیہ کی تحصیل کر چکے ہیں مگر پھر بھی وہ اس سلسلہ حقہ کی مخالفت کرتے ہیں اور وہ علوم ان کے واسطے اور بھی زیادہ حجاب کا موجب ہو رہے ہیں۔ ہزاروں مولوی ہیں جو بجز گالیاں دینے کے اور کچھ کام نہیں رکھتے۔ **بے شک معارف قرآنی کا ذخیرہ سب عربی میں ہے تاہم جب ایک مدت گذر جاتی ہے اور خدا کے ایک رسول کو بہت زمانہ گذر جاتا ہے تب لوگوں کے ہاتھ میں صرف الفاظ ہی رہ جاتے ہیں۔ جن کے معانی اور معارف کسی پر نہیں کھل سکتے جب تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے واسطے کوئی چابی پیدا نہ کردے۔** جب خدا کی طرف سے راہ کھلتا ہے تب کوئی منور قلب والا زندہ دل پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ صاحب حال ہوتا ہے اس واسطے اس کی تفسیر درست ہوتی ہے زندہ دل کے سوا کچھ نہیں۔ یہ باتیں سیدھی ہیں مگر افسوس ہے کہ ان لوگوں کو سمجھ نہیں آتی۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 277)

اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ اسلام کا خدا حیّ و قیوم خدا ہے پھر وہ مردوں سے پیار کیوں کرنے لگا۔ وہ حی و قیوم خدا بار بار مردوں کو جلاتا ہے۔ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الحدید:18) تو کیا مردوں کے ساتھ تعلق پیدا کرا کر جلاتا ہے۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اسلام کی حفاظت کا ذمہ اسی حی و قیوم خدا نے اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:10) کہہ کر اٹھایا ہوا ہے۔ **پس ہر زمانہ میں یہ دین زندوں سے زندگی پاتا ہے۔ اور مردوں کو جلاتا ہے۔ یاد رکھو اس میں قدم قدم پر زندے آتے ہیں۔** پھر فرمایا ثُمَّہٗ فُصِّلَتْ۔ ایک تو وہ تفصیل ہے جو قرآن کریم میں ہے۔ دوسری یہ کہ قرآن کریم کے معارف وحقائق کے اظہار کا سلسلہ قیامت تک دراز کیا گیا ہے۔ ہر زمانہ میں نئے معارف اور اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ فلسفی اپنے رنگ میں طبیب اپنے مذاق پر۔ صوفی اپنے طرز پر بیان کرتے ہیں۔ اور پھر یہ تفصیل بھی حکیم و خبیر خدا نے رکھی ہے۔ حکیم اس کو کہتے ہیں کہ جن چیزوں کا علم مطلوب ہو وہ کامل طور پر ہو اور پھر عمل بھی کامل ہو ایسا کہ ہر ایک چیز کو اپنے اپنے محل و موقع پر رکھ سکے۔ حکمت کے معانی وَضْعُ الشَّیْئِ فِیْ مَحَلِّهٖ اور خبیر مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی ایسا وسیع علم کہ کوئی چیز اس کی خبر سے باہر نہیں **چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب مجید کو خاتم الکتب ٹھہرایا تھا اور اس کا زمانہ قیامت تک دراز تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ کس طرح پر یہ تعلیمیں ذہن نشین کرنی چاہیئں۔ چنانچہ اسی کے مطابق تفاصیل کی ہیں۔ پھر اسکا سلسلہ جاری رکھا کہ جو مجدد و مصلح احیاء دین کے لئے آتے ہیں وہ خود مفصل آتے ہیں۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 346)

معلّمِ قرآن۔ عملی نمونہ پیش کرنے کی غرض سے

اب نئے معلموں کی اس وجہ سے بھی ضرورت پڑتی ہے کہ بعض حصے تعلیم قرآن شریف کے ازقبیل حال ہیں نہ ازقبیل قال اور آنحضرت ﷺ نے جو پہلے معلم اور اصل وارث اس تخت کے ہیں حالی طور پر ان دقائق کو اپنے صحابہ کو سمجھایا ہے مثلاً خدا تعالیٰ کا کہنا میں عالم الغیب ہوں اور میں مجیب الدعوات ہوں اور میں قادر ہوں اور میں دعاؤں کو قبول کرتا ہوں اور طالبوں کو حقیقی روشنی تک پہنچا تا ہوں اور میں اپنے صادق بندوں کو الہام دیتا ہوں اور جس پر چاہتا ہوں اپنے بندوں میں سے اپنی روح ڈالتا ہوں یہ تمام باتیں ایسی ہیں کہ جب تک معلم خود ان کا نمونہ بن کر نہ دکھلادے تب تک یہ کسی طرح سمجھ ہی نہیں آسکتیں پس ظاہر ہے کہ صرف ظاہری علماء خود اندھے ہیں ان تعلیمات کو سمجھا نہیں سکتے بلکہ وہ تو اپنے شاگردوں کو ہر وقت اسلام کی عظمت سے بدظن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ باتیں آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہیں اور ان کے ایسے بیانات سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ گویا اسلام اب زندہ مذہب نہیں اور اس کی حقیقی تعلیم پانے کے لئے اب کوئی بھی راہ نہیں رہی۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کا اپنی مخلوق کے لئے یہ ارادہ ہے کہ وہ ہمیشہ قرآن کریم کے چشمہ سے ان کو پانی پلاوے تو بے شک وہ اپنے ان قوانین قدیمہ کی رعائیت کرے گا جو قدیم سے کرتا آیا ہے۔ اور اگر قرآن کی تعلیم اسی حد تک محدود ہے۔ جس حد تک ایک تجربہ کار اور لطیف الفکر فلاسفر کی تعلیم محدود ہوسکتی ہے اور آسمانی تعلیم جو محض حال کے نمونہ سے سمجھائی جاتی ہے اس میں نہیں تو پھر نعوذ باللہ قرآن کا آنا لاحاصل ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اگر کوئی ایک دم کے واسطے بھی اس مسئلہ میں فکر کرے کہ انبیا کی تعلیم اور حکیموں کی تعلیم میں بصورت فرض کرنے صحت ہر دو تعلیم کے مابہ الامتیاز کیا ہے تو بجز اس کے اور کوئی مابہ الامتیاز قرار نہیں دے سکتا کہ انبیا کی تعلیم کا بہت سا حصہ فوق العقل ہے جو بجز حالی تفہیم اور تعلیم کے اور کسی راہ سے سمجھ ہی نہیں آسکتا۔ اور اس حصہ کو وہی لوگ دلنشین کراسکتے ہیں جو صاحب حال ہوں مثلاً ایسے ایسے مسائل کہ اس طرح پر فرشتے جان نکالتے ہیں اور پھر یوں آسمان پر لے جاتے ہیں۔ اور پھر قبر میں حساب اس طور پر ہوتا ہے اور بہشت ایسا ہے اور دوزخ ایسا۔ اور پل صراط ایسا۔ اور عرش اللہ کو چار فرشتے اٹھا رہے ہیں اور پھر قیامت کو آٹھ اٹھائیں گے اور اسطرح پر خدا اپنے بندوں پر وحی نازل کرتا ہے۔ یا مکاشفات کا دروازہ ان پر کھولتا ہے۔ یہ تمام حالی تعلیم ہے۔ اور مجرد قیل وقال سے سمجھ نہیں آسکتی اور جبکہ یہ حال ہے۔ تو پھر میں دوبارہ کہتا ہوں۔ کہ اگر اللہ جلشانہ نے اپنے بندوں کے لئے یہ ارادہ فرمایا ہے۔ کہ اس کی کتاب کا یہ حصہ تعلیم ابتدائی زمانہ پر محدود نہ رہے۔ تو بے شک اس نے یہ بھی انتظام کیا ہوگا کہ اس حصہ کی تعلیم کے معلم بھی ہمیشہ آتے رہیں کیونکہ حصہ حالی تعلیم کا بغیر توسط ان معلموں کے جو مرتبہ حال پر پہنچ گئے ہوں ہرگز سمجھ نہیں آسکتا اور دنیا ذری ذری بات پر ٹھوکریں کھاتی ہے پس اگر اسلام میں بعد آنحضرت ﷺ ایسے معلم نہیں آئے جن میں ظلی طور پر نور نبوت تھا تو گویا خدا تعالیٰ نے عمداً قرآن کو ضائع کیا کہ اس کے حقیقی اور واقعی طور پر سمجھنے والے بہت جلد دنیا سے اٹھا لئے مگر یہ بات اس کے وعدہ کے برخلاف ہے، جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّالَہٗ لَحَافِظُوْنَ ۔ (الحجر: 10) یعنی ہم نے ہی قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اسکی حفاظت کرتے رہیں گے۔ (شہادت القرآن۔ ر۔خ جلد 6 صفحہ 348 تا 350)

رازِ قرآں راکجا فہمد کسے بہرِ نورے نورے باید بسے
تب تک کوئی قرآنی اسرار کو کیونکر سمجھ سکتا ہے نور کے سمجھنے کے لیے بہت سا نور باطن ہونا چاہیے
ایں نہ من قرآں ہمیں فرمودہ است اندرو شرطِ تطہّر بودہ است
یہ میری بات نہیں بلکہ قرآن نے بھی یہی فرمایا ہے قرآن کو سمجھنے کے لیے پاک ہونے کی شرط ہے
گر بقرآن ہر کسے راراہ بود پس چرا شرط تطہّر رافزود (لایمسّہ الاالمطھرون)
اگر ہر شخص قرآن کو (خود ہی) سمجھ سکتا۔تو خدا نے تطہر کی شرط کیوں زاید لگائی
نور را داند کسے کو نور شد وز حجابِ سرکشی ہا دور شد
نورکو وہی شخص سمجھتا ہے جو خود نور ہو گیا ہو اورسرکشی کے حجابوں سے دور ہو گیا ہو

(سراج منیر۔ر۔خ جلد12 صفحہ96)

حقیقی معلّمِ قرآن کی صفات

اور یہ کہنا کہ ہمارے لئے قرآن اور احادیث کافی ہیں اور صحبت صادقین کی ضرورت نہیں یہ خود مخالفت تعلیم قرآن ہے کیونکہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبہ: 119) اور صادق وہ ہیں جنہوں نے صدق کو علیٰ وجہ البصیرت شناخت کیا اور پھر اس پر دل و جان سے قائم ہوگئے اور یہ اعلیٰ درجہ بصیرت کا بجز اس کے ممکن نہیں کہ سماوی تائید شامل حال ہو کر اعلیٰ مرتبہ حق الیقین تک پہنچا دیوے۔ پس ان معنوں کو کر کے صادق حقیقی انبیاء اور رسل اور محدث اولیاء کاملین مکملین ہیں جن پر آسمانی روشنی پڑی اور جنہوں نے خدا کو اسی جہان میں یقین کی آنکھوں سے دیکھ لیا اور آیت موصوفہ بالا بطور اشارت ظاہر کر رہی ہے کہ دنیا صادقوں کے وجود سے کبھی خالی نہیں ہوتی کیونکہ دوام حکم كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ دوام وجود صادقین کو مستلزم ہے۔

(شہادت القرآن۔ر۔خ جلد6 صفحہ347)

اے اسیرِ عقلِ خود بر ہستئی خود کم بناز کیں سپہرِ بو العجائب چو ں تو بسیار آورد
اے اپنی عقل کے قیدی اپنی ہستی پر ناز نہ کر کہ یہ عجیب آسمان تیری طرح کے بہت سے آدمی لایا کرتا ہے
غیر را ہر گز نمے باشد گذر در کوئے حق ہر کہ آید ز آسمان اُو رازِ آں یار آورد
خدا کے کوچہ میں غیر کو ہرگز دخل نہیں جو آسمان سے آتا ہے وہی اس یار کے اسرار ہمراہ لاتا ہے
خود بخود فہمیدنِ قرآن گمانِ باطل است ہر کہ از خود آورد او نجس و مُردار آورد

آپ ہی آپ قرآن کو سمجھ لینا ایک غلط خیال ہے جو شخص اپنے پاس سے اس کا مطلب پیش کرتا ہے وہ گندگی اور مردار ہی پیش کرتا ہے۔ (برکات الدعا۔ر۔خ جلد6 صفحہ5)

چودہویں فصل

اغراض بعثت حضرت اقدسؑ کے اعتبار سے

مسیح موعودؑ کی آمد کا مقصد

حضرت مسیح علیہ السلام جیسے اپنی کوئی شریعت لے کر نہ آئے تھے بلکہ توریت کو پورا کرنے آئے تھے اسی طرح پر محمدی سلسلہ کا مسیح اپنی کوئی شریعت لے کر نہیں آیا بلکہ قرآن شریف کے احیاء کے لئے آیا ہے اور اس تکمیل کے لئے آیا ہے جو تکمیل اشاعتِ ہدایت کہلاتی ہے۔

تکمیل اشاعتِ ہدایت کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ آنخضرت ﷺ پر جو اتمام نعمت اور اکمال الدین ہوا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول، تکمیل ہدایت۔ دوسری تکمیل اشاعت ہدایت۔ تکمیل ہدایت من کل الوجوہ آپؐ کی آمد اول سے ہوئی اور تکمیل اشاعت ہدایت آپ کی آمد ثانی سے ہوئی کیونکہ سورۃ جمعہ میں جو اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ (الجمعۃ:4) والی آیت آپؐ کے فیض اور تعلیم سے ایک اور قوم کے تیار کرنے کی ہدایت کرتی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ایک بعثت اور ہے اور یہ بعثت بروزی رنگ میں ہے جو اس وقت ہو رہی ہے پس یہ وقت تکمیل اشاعت ہدایت کا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اشاعت کے تمام ذریعے اور سلسلے مکمل ہو رہے ہیں چھاپہ خانوں کی کثرت اور آئے دن ان میں نئی باتوں کا پیدا ہونا، ڈاکخانوں، تار برقیوں، ریلوں، جہازوں، کا اجرا اور اخبارات کی اشاعت، ان سب امور نے مل ملا کر دنیا کو ایک شہر کے حکم میں کر دیا ہے پس یہ ترقیاں بھی دراصل آنخضرت ﷺ کی ہی ترقیاں ہیں کیونکہ آپ کی کامل ہدایت کے کمال کا دوسرا جزو تکمیل اشاعت ہدایت پورا ہو رہا ہے۔ **اور یہ اسی کے موافق ہے جیسے مسیح نے کہا تھا کہ میں توریت کو پورا کرنے آیا ہوں۔ اور میں کہتا ہوں کہ میرا ایک کام یہ بھی ہے تکمیل اشاعت ہدایت کروں۔ غرض یہ عیسوی مماثلت بھی ہے۔** (ملفوظات جلد دوم صفحہ 361۔362)

الہام حضرت اقدسؑ

چو دَورِ خسروی آغاز کردند — مسلماں را مسلماں باز کردند
جب (ہمارا) شاہی زمانہ شروع ہوا — تو مسلمانوں کو دوبارہ مسلمان کیا گیا
مقامِ او مبیں از راہِ تحقیر — بدورانش رسولاں ناز کروند
اس کے درجہ کو تحقیر کی نظر سے نہ دیکھ — کہ رسولوں نے اس کے زمانے پر ناز کیا ہے

(مصرع نمبرا تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 601`665)(مصرع نمبر۲ // // // 604)

حضرت اقدسؑ قرآن کریم کے پوشیدہ خزانوں کو ظاہر کرنے کیلئے مبعوث ہوئے ہیں

الہام حضرت اقدسؑ

كُنْتُ كَنْزًا مَّخْفِيًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ ۔اِنَّ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۔ وَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۔ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ ۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَیَّ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِی الْقُرْاٰنِ لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ وَلَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔

پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ فرماتے ہیں۔’’میں نے ایک روز حضرت اقدسؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت کنت کنزًا ...... کے معانی میں صوفیاء نے اور نیز دیگر علماء نے بہت کچھ زور لگائے۔آپ فرمائیں کہ اس جملہ مبارک کے کیا معنی ہیں۔فرمایا۔آسان معنی اس کے یہی ہیں کہ جب دنیا میں ضلالت اور گمراہی اور کفر وشرک اور بدعات ورسومات مخترعات پھیل جاتی ہیں۔اور خدا تعالیٰ کی معرفت اور اُس تک پہنچنے کی راہیں گم ہو جاتی ہیں۔اور دل سخت اور خشیت اللہ سے خالی ہو جاتے ہیں۔تو ایسے وقت اور ایسے زمانہ میں خدا تعالیٰ مخفی خزانہ کی طرح ہو جاتا ہے۔تو اس کے بعد خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ میں پھر دنیا پر ظاہر ہوؤں۔اور دنیا مجھے پہچانے۔

(بقیہ حاشیہ) خدا تعالیٰ کسی اپنے بندہ کو اپنے بندوں میں سے چُن لیتا ہے اور اُس کو خلعتِ خلافت عطا فرماتا ہے اُس کے ذریعہ سے وہ شناخت کیا جاتا ہے۔وہ پسندیدہ اور برگزیدہ بندہ خدا تعالیٰ کی محبت ازسرِ نو خالی دلوں میں بھرتا اور اُس کی معرفت کے اسرار لوگوں پر ظاہر کرتا ہے۔ ہر ایک زمانہ میں ابتدائے آفرینش سے یہی سنت اللہ اور یہی طریقۃ اللہ رہا ہے۔بالآخر ہمارے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوا۔کہ لوگ معرفت الٰہی کو کھو بیٹھے۔**صفات الٰہی میں کچھ کا کچھ اپنی طرف سے تصرف کیا۔اسماء اللہ سے غافل ہوگئے۔اس کی کتابوں اور صحیفوں کو ترک کر بیٹھے۔اس کے ندّ اور شریک بنالئے۔پس خدا تعالیٰ پوشیدہ خزانہ کی طرح ہوگیا۔تو خدا تعالیٰ نے ہمیں اپنی معرفت اور محبت دے کر بھیجا۔تاکہ دنیا کو راہ راست پر لگایا جاوے۔پس اسی واسطے ہم تحریر سے،تقریر سے،توجہ سے،دعا سے،اپنے چال چلن سے پُرہیبت پیشگوئیوں اور اسرارِ غیب سے جو خدا نے ہمیں عطا کئے۔اور معارف وحقائق ودقائق قرآنی سے رات دن لگے ہوئے ہیں**۔اور ہم کیا خدا تعالیٰ نے ہمارے سب کاروبار اور اعضا اور ہاتھ اور زبان اور ہر ایک حرکت وسکون کو اپنے قبضہ میں کر رکھا ہے جس طرح اس کی مرضی ہوتی ہے۔وہ ہمیں چلاتا ہے اور ہم اُسی طرح چلتے ہیں۔ہمارا اس میں کچھ اختیار نہیں۔‘‘ (تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 89-90)

باغ مُرجھایا ہُوا تھا گر گئے تھے سب ثمر ۔۔۔ میں خدا کا فضل لایا پھر ہُوئے پیدا ثمار
مرہمِ عیسیٰ نے دی تھی محض عیسیٰ کو شفا ۔۔۔ میری مرہم سے شفا پائے گا ہر مُلک و دیار
جھانکتے تھے نُور کو وہ روزنِ دیوار سے
لیک جب در کھل گئے پھر ہو گئے شپّرّ شعار
وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے ۔۔۔ اب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے اُمّید وار

(درثمین اردو)(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ر۔خ جلد 21 صفحہ 147)

حضرت اقدسؑ قرآن کریم کے حقیقی معانی اور منشاء کو ظاہر کرنے کیلئے مبعوث ہوئے ہیں

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (الاعراف:53)

فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ ۔ وہ (قرآن کریم) مفصل کتاب ہے..... یہ عظمتیں اور خوبیاں کہ جو قرآن کریم کی نسبت بیان فرمائی گئیں احادیث کی نسبت ایسی تعریفوں کا کہاں ذکر ہے؟ پس میرا مذہب ''فرقہ ضالہ نیچریہ'' کی طرح یہ نہیں ہے کہ میں عقل کو مقدم رکھ کر قال اللہ اور قال الرسول پر کچھ نکتہ چینی کروں۔ ایسے نکتہ چینی کرنے والوں کو ملحد اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں۔ بلکہ میں جو کچھ آنحضرت ﷺ نے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہم کو پہنچایا ہے اس سب پر ایمان لاتا ہوں۔ **صرف عاجزی اور انکسار کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ قرآن کریم ہر یک وجہ سے احادیث پر مقدم ہے اور احادیث کی صحت وعدم پرکھنے کے لئے وہ محک ہے اور مجھ کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کی اشاعت کے لئے مامور کیا ہے تا میں جو ٹھیک ٹھیک منشاء قرآن کریم کا ہے لوگوں پر ظاہر کروں۔** (الحق مباحثہ لدھیانہ۔ ر۔خ جلد 4 صفحہ 30)

الہام حضرت اقدسؑ

يَا اَحْمَدُ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ ۔ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآءُ هُمْ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۔ قُلْ اِنِّيْ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

یعنی اے احمد! خدا نے تجھ میں برکت رکھ دی۔ جو کچھ تو نے چلایا تو نے نہیں چلایا بلکہ خدا نے چلایا۔ **وہ خدا ہے جس نے تجھے قرآن سکھلایا یعنی اس کے حقیقی معنوں پر تجھے اطلاع دی** تا کہ تو ان لوگوں کو ڈرائے جن کے باپ دادے نہیں ڈرائے گئے۔ اور تا کہ مجرموں کی راہ کھل جائے اور تیرے انکار کی وجہ سے ان پر حجت پوری ہو جائے۔ ان لوگوں کو کہہ دے کہ میں خدا کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہوں اور میں وہ ہوں جو سب سے پہلے ایمان لایا۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ ر۔خ جلد 21 صفحہ 66)

خدائے تعالیٰ نے اسی غرض سے اس عاجز کو بھیجا ہے کہ تا روحانی طور پر مردے زندہ کئے جائیں۔ بہروں کے کان کھولے جائیں اور مجذوموں کو صاف کیا جائے اور جو قبروں میں ہیں باہر نکالے جائیں اور نیز یہ بھی وجہ مماثلت ہے کہ جیسے مسیح ابن مریم نے انجیل میں توریت کا صحیح خلاصہ اور مغز اصلی پیش کیا تھا **اسی کام کے لئے یہ عاجز مامور ہے تا غافلوں کے سمجھانے کے لئے قرآن شریف کی اصلی تعلیم پیش کی جائے مسیح صرف اسی کام کیلئے آیا تھا کہ توریت کے احکام شدّ ومد کے ساتھ ظاہر کرے۔ ایسا ہی یہ عاجز بھی اسی کام کیلئے بھیجا گیا ہے کہ تا قرآن شریف کے احکام بہ وضاحت بیان کر دیوے۔** فرق صرف اتنا ہے کہ وہ مسیح موسیٰ کو دیا گیا تھا اور یہ مسیح مثیل موسیٰ کو عطا کیا گیا۔ (ازالہ اوہام۔ ر۔خ جلد 3 صفحہ 103)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام: عام لوگ جو بیان کرتے ہیں یہ منشا قرآن کریم کا ہرگز نہیں ہے اور اس سے لوگوں کو دھوکا لگا ہے۔

محمد عبد الحق صاحب: اسلام کے عقائد ہم تک عیسائیوں کے ذریعہ پہنچے ہیں اور اسلام کا اصل چہرہ دیکھنے کے واسطے میں باہر نکلا ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام: یہ خدا کا بڑا فضل ہے اور خوش قسمتی آپ کی ہے کہ آپ ادھر آنکلے۔ یہ بات واقعی سچ ہے کہ جو مسلمان ہیں یہ قرآن شریف کو بالکل نہیں سمجھتے **لیکن اب خدا کا ارادہ ہے کہ صحیح معنی قرآن کے ظاہر کرے خدا نے مجھے اسی لئے مامور کیا ہے اور میں اس کے الہام اور وحی سے قرآن شریف کو سمجھتا ہوں۔** (ملفوظات۔ جلد سوم صفحہ 450)

حضرت اقدسؑ قرآن کریم پر اعتراضات کو دور کرنے کیلئے مبعوث ہوئے ہیں

یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اس کی بے حد عنایت ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ میرے جیسے عاجز انسان کے ہاتھ سے اس کے دین کی عزت ظاہر ہو۔ میں نے ایک وقت ان اعتراضات اور حملات کو شمار کیا تھا جو اسلام پر ہمارے مخالفین نے کئے ہیں تو ان کی تعداد میرے خیال اور اندازہ میں تین ہزار ہوئی تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ اب تو اور بھی تعداد بڑھ گئی ہوگی۔ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ اسلام کی بناء ایسی کمزور باتوں پر ہے کہ اس پر تین ہزار اعتراض وارد ہو سکتا ہے۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں۔ یہ اعتراضات تو کوتاہ اندیشیوں اور نادانوں کی نظر میں اعتراض ہیں مگر میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ میں نے جہاں ان اعتراضات کو شمار کیا وہاں یہ بھی غور کیا ہے کہ ان اعتراضات کی تہ میں دراصل بہت ہی نادر صداقتیں موجود ہیں جو عدم بصیرت کی وجہ سے معترضین کو دکھائی نہیں دیں اور درحقیقت میں یہ خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ جہاں نابینا معترض آ کر اٹکا ہے۔ وہیں حقائق و معارف کا مخفی خزانہ رکھا ہے **اور خدا تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے کہ میں ان خزائن مدفونہ کو دنیا پر ظاہر کروں اور ناپاک اعتراضات کا کیچڑ جو ان درخشاں جواہرات پر تھوپا گیا ہے۔ اس سے ان کو پاک صاف کروں۔** خدا تعالیٰ کی غیرت اس وقت بڑی جوش میں ہے کہ قرآن شریف کی عزت کو ہر ایک خبیث دشمن کے داغ اعتراض سے منزّہ و مقدس کرے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 38)

مجھے بھیجا گیا ہے تاکہ میں آنحضرت ﷺ کی کھوئی ہوئی عظمت کو پھر قائم کروں اور قرآن شریف کی سچائیوں کو دنیا کو دکھاؤں اور یہ سب کام ہو رہا ہے لیکن جن کی آنکھوں پر پٹی ہے وہ اس کو دیکھ نہیں سکتے حالانکہ اب یہ سلسلہ سورج کی طرح روشن ہو گیا ہے اور اس کی آیات و نشانات کے اس قدر لوگ گواہ ہیں کہ اگر ان کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو ان کی تعداد اس قدر ہو کہ روئے زمین پر کسی بادشاہ کی بھی اتنی فوج نہیں ہے۔

اس قدر صورتیں اس سلسلہ کی سچائی کی موجود ہیں کہ ان سب کو بیان کرنا بھی آسان نہیں۔ چونکہ اسلام کی سخت توہین کی گئی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسی توہین کے لحاظ سے اس سلسلہ کی عظمت کو دکھایا ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 9)

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۔ (الصف:10)

جس قدر حق کے مقابل پر اب معقول پسندوں کے دلوں میں اوہام باطلہ پیدا ہوتے ہیں اور عقلی اعتراضات کا ایک طوفان برپا ہوا ہے اس کی نظیر کسی زمانہ میں پہلے زمانوں میں سے نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا ابتداء سے اس امر کو بھی کہ ان اعتراضات کا براہین شافیہ و کافیہ سے بحوالہ آیات قرآن مجید بکلّی استیصال کر کے تمام ادیان باطلہ پر فوقیت اسلام ظاہر کر دی جائے اسی زمانہ پر چھوڑا گیا تھا **کیونکہ پیش از ظہور مفاسد ان مفاسد کی اصلاح کا تذکرہ محض بے محل تھا۔ اسی وجہ سے حکیم مطلق نے ان حقائق اور معارف کو اپنی کلام پاک میں مخفی رکھا اور کسی پر ظاہر نہ کیا جب تک کہ ان کے اظہار کا وقت آ گیا۔** ہاں اس وقت کی اس نے پہلے سے **اپنی کتاب عزیز میں خبر دے رکھی تھی جو آیت هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی میں صاف اور کھلے طور پر مرقوم ہے سو اب وہی وقت ہے اور ہر یک شخص روحانی روشنی کا محتاج ہو رہا ہے۔ سو خدائے تعالیٰ نے اس روشنی کو دے کر ایک شخص کو دنیا میں بھیجا۔ وہ کون ہے؟ یہی ہے جو بول رہا ہے۔** (ازالہ اوہام۔ ر۔خ جلد 3 صفحہ 515)

پندرہویں فصل

دعویٰ مجددیت کے اعتبار سے

الہامات حضرت اقدسؑ

اور پھر جب تیرھویں صدی کا اخیر ہوا اور چودھویں صدی کا ظہور ہونے لگا تو خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے مجھے خبر دی کہ تُو اِس صدی کا مجدّد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا کہ:

الرحمن علم القرآن لتنذر قوماً ما اُنذر آباء هم ولتستبين سبيل المجرمين۔

قل انّی اُمرتُ وانا اوّل المؤمنين۔

یعنی خدا نے تجھے قرآن سکھلایا اور اسکے صحیح معنے تیرے پر کھول دئے۔

یہ اس لئے ہؤا کہ تا تو ان لوگوں کو بدانجام سے ڈراوے۔ کہ جو بباعث پشت در پشت کی غفلت اور نہ متنبہّ کئے جانے کے غلطیوں میں پڑ گئے اور تا اُن مجرموں کی راہ کھل جائے کہ جو ہدایت پہنچنے کے بعد بھی راہ راست کو قبول کرنا نہیں چاہتے ان کو کہہ دے کے میں مامور من اللہ اور اوّل المومنین ہوں۔ اور یہ الہام براہین احمدیہ میں چھپ چکا ہے جو اُنہی دنوں میں جس کو آج اٹھارہ سال کا عرصہ ہوا ہے۔ میں نے تالیف کر کے شائع کی تھی۔ اس کتاب کے الہامات پر نظر غور ڈالنے سے ہر ایک کو معلوم ہو جائے گا کہ خدا نے کیوں اور کس غرض سے مجھے اس خدمت پر مامور کیا اور کیا حالت موجودہ زمانہ کی اور صدی کا سر اس بات کو چاہتا تھا یا نہیں کہ کوئی شخص ایسے غربت اسلام کے زمانہ اور کثرت بدعات اور سخت بارش بیرونی حملوں کے دنوں میں خدا تعالیٰ کی طرف سے تائید اور تجدید دین کے لئے آوے۔ (کتاب البریّہ۔ ر۔خ جلد 13 صفحہ 202-201)

هُوَالَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ

یَجْتَبِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ

اللہ وہ ذات کریم ہے کہ جو نا اُمیدی کے پیچھے مینہہ برساتا ہے۔ اور اپنی رحمت کو دنیا میں پھیلاتا ہے **یعنی عین ضرورت کے وقت تجدید دین کی طرف متوجہ ہوتا ہے جس کو چاہتا ہے بندوں میں سے چُن لیتا ہے۔**

(تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 101)

ضرورت تجدیدِ دین

وَوَاللّٰہِ اِنِّی جِئْتُ مِنْہُ مُجَدِّدًا ۔ بِوَقْتٍ اَضَلَّ النَّاسَ غُوْلٌ مُّسَخِّرُ

اور خدا کی قسم! یقیناً میں اس کی طرف سے مجدّد ہوکر آیا ہوں ۔ ایسے وقت میں کہ قابو کر لینے والے دیو نے لوگوں کو گمراہ کر دیا تھا

وَعَلَّمَنِیْ رَبِّی عُلُوْمَ کِتَابِہٖ ۔ وَاُعْطِیْتُ مِمَّا کَانَ یُخْفٰی وَیُسْتَرُ

مجھے میرے رب نے اپنی کتاب کے علوم سکھائے ۔ اور مجھے وہ علم دیا گیا جو مخفی اور مستور تھا

وَاَسْرَارُ قُرْاٰنٍ مَجِیْدٍ تَبَیَّنَتْ ۔ عَلَیَّ وَیَسَّرَلِیْ عَلِیْمٌ مُّیَسِّرُ

اور قرآن مجید کے بھید مجھ پر ظاہر ہوگئے۔ آسانی پیدا کرنے والے خدائے علیم نے میرے لئے آسانی پیدا کردی

اَلَا اِنَّمَا الْاَیَّامُ رَجَعَتْ اِلَی الْھُدٰی ۔ ھَنِیْـأً لَّکُمْ بَعْثِیْ فَبَشُّوا وَابْشِرُوْا

سُن لو! زمانہ ہدایت کی طرف لوٹ آیا۔ مبارک ہو ۔ تمہارے لئے میری بعثت۔ تم خوش ہوجاؤ اور خوشی مناؤ

(حمامۃ البشریٰ ۔ ر۔خ جلد 7 صفحہ 334)

والصلوٰۃ والسّلام علی خاتم الرسل الذی اقتضیٰ ختم نبوتہ۔ ان تبعث مثل الانبیاء من امّتہٖ وان تنوّر و تثمر الی انقطاع ھذا العالم اشجارہ ولا تعفّی اٰثارہ ولا تغیب تذکارہ۔ فلاجل ذٰلک جرت عادۃ اللّٰہ انّہ یرسل عبادًا من الذین استطابھم لتجدید ھذا الدین۔ ویعطیھم من عندہ علم اسرار القراٰن ویُبلغھم الی حق الیقین لیظھرو امعارف الحق علی الخلق بسلطانھا۔ وقوتھا ولمعانھا۔

اور صلوٰۃ اور سلام خاتم رُسل پر جس کی نبوّت کے ختم نے چاہا کہ آپ کی اُمت سے نبیوں کی مانند لوگ پیدا ہوں۔ اور آپ کے درخت زمانہ کے آخر تک پھلتے پھولتے رہیں۔ اور نہ آپ کے نشان مٹائے جائیں۔ اور نہ آپ کی یاد دُنیا سے بھول جائے۔ اسی لئے خدا کی عادت ہے کہ وہ ایسے بندوں کو بھیجا کرتا ہے جنہیں اس دین کی تجدید کے لئے پسند فرمالیتا ہے اور انہیں اپنے حضور سے قرآن کے اسرار عطا کرتا۔ اور حق الیقین تک پہنچاتا ہے۔ اسلئے کہ وُہ لوگوں پر حق کے معارف کو پوری قوت اور غلبہ اور چمک کے رنگ میں ظاہر کریں۔

(الھدیٰ ۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 248-247)

نور دل جاتا رہا اک رسم دیں کی رہ گئی ۔ پھر بھی کہتے ہیں کہ کوئی مصلح دیں کیا بکار

راگ وہ گاتے ہیں جسکو آسماں گاتا نہیں ۔ وہ ارادے ہیں کہ جو ہیں برخلافِ شہریار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ۔ ر۔خ جلد 21 صفحہ 132)

دعویٰ مجددیت حضرت اقدسؑ

خدا تعالیٰ نے مجھے چودھویں صدی کے سر پر اس تجدید ایمان اور معرفت کے لئے مبعوث فرمایا ہے اور اس کی تائید اور فضل سے میرے ہاتھ پر آسمانی نشان ظاہر ہوتے ہیں اور اس کے ارادہ اور مصلحت کے موافق دُعائیں قبول ہوتی ہیں اور غیب کی باتیں بتلائی جاتی ہیں۔ اور حقائق اور معارف قرآنی بیان فرمائے جاتے اور شریعت کے معضلات و مشکلات حل کئے جاتے ہیں اور مجھے اس خدائے کریم و عزیز کی قسم ہے جو جھوٹ کا دشمن اور مفتری کا نیست و نابود کرنے والا ہے کہ میں اُس کی طرف سے ہوں اور اس کے بھیجنے سے عین وقت پر آیا ہوں اور اس کے حکم سے کھڑا ہوا ہوں۔ اور وہ میرے ہر قدم میں میرے ساتھ ہے۔ اور وہ مجھے ضائع نہیں کرے گا اور نہ میری جماعت کو تباہی میں ڈالیگا جب تک وہ اپنا تمام کام پورا نہ کرلے جس کا اُس نے ارادہ فرمایا ہے۔ اُس نے مجھے چودھویں صدی کے سر پر تکمیل نور کے لئے مامور فرمایا۔ (اربعین نمبر 2۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 348)

بخدمت امراء و رئیسان و منعمان ذی مقدرت و والیان ارباب حکومت و منزلت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلّی علی رسولہ الکریم

اے بزرگان اسلام! خدا تعالیٰ آپ لوگوں کے دلوں میں تمام فرقوں سے بڑھ کر نیک ارادے پیدا کرے اور اس نازک وقت میں آپ لوگوں کو اپنے پیارے دین کا سچا خادم بناوے۔ میں اس وقت محض للّٰہ اس ضروری امر سے اطلاع دیتا ہوں کہ **مجھے خدا تعالیٰ نے چودھوں صدی کے سر پر اپنی طرف سے مامور کر کے دین متین اسلام کی تجدید اور تائید کے لئے بھیجا ہے تا کہ میں اس پُر آشوب زمانہ میں قرآن کی خوبیاں اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی عظمتیں ظاہر کروں اور ان تمام دشمنوں کو جو اسلام پر حملہ کر رہے ہیں ان نوروں اور برکات اور خوارق اور علوم لدنّیہ کی مدد سے جواب دوں جو مجھ کو عطا کئے گئے ہیں۔** (برکات الدعا۔ ر۔خ جلد 6 صفحہ 34)

سو میں اِن ہی باتوں کا مجدّد ہوں اور یہی کام ہیں جن کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔ اور منجملہ ان اُمور کے جو میرے مامور ہونے کی علّت غائی ہیں مسلمانوں کے ایمان کو قوی کرنا ہے۔ اور انکو خدا اور اسکی کتاب اور اسکے رسول کی نسبت ایک تازہ یقین بخشنا۔ اور یہ طریق ایمان کے تقویت کا دو طور سے میرے ہاتھ سے ظہور میں آیا ہے۔ اوّل قرآن شریف کی تعلیم کی خوبیاں کرنی اور اسکے اعجازی حقائق اور معارف اور انوار اور برکات کو ظاہر کرنے سے جن سے قرآن شریف کا منجانب اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ میری کتابوں کو دیکھنے والے اِس بات کی گواہی دے سکتے ہیں کہ وہ کتابیں قرآن شریف کے عجائب اسرار اور نکات سے پُر ہیں اور ہمیشہ یہ سلسلہ جاری ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جسقدر مسلمانوں کا علم قرآن شریف کی نسبت ترقی کریگا اسیقدر اُنکا ایمان بھی ترقی پذیر ہوگا۔ اور دوسرا طریق جو مسلمانوں کا ایمان قوی کرنے کے لئے مجھے عطا کیا گیا ہے تائیدات سماوی اور دعاؤں کا قبول ہونا اور نشانوں کا ظاہر ہونا ہے۔ چنانچہ اب تک جو نشان ظاہر ہو چکے ہیں وہ اس کثرت سے ہیں جن کے قبول کرنے سے کسی منصف کو گریز کی جگہ نہیں۔ (کتاب البرّیہ۔ ر۔خ جلد 13 صفحہ 294 تا 297 حاشیہ)

مسلمانوں کو نصیحت

میں ہر ایک مسلمان کی خدمت میں نصیحتاً کہتا ہوں کہ اسلام کے لئے جاگو کہ اسلام سخت فتنہ میں پڑا ہے۔ اس کی مدد کرو کہ اب یہ غریب ہے اور میں اس لئے آیا ہوں **اور مجھے خدا تعالیٰ نے علم قرآن بخشا ہے اور حقائق معارف اپنی کتاب کے میرے پر کھولے ہیں اور خوارق مجھے عطا کئے ہیں سو میری طرف آؤ تا اس نعمت سے تم بھی حصّہ پاؤ۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔** کیا ضرور نہ تھا کہ ایسی عظیم الفتن صدی کے سر پر جس کی کھلی کھلی آفات ہیں ایک مجدّد کھلے کھلے دعویٰ کے ساتھ آتا۔ سو عنقریب میرے کاموں کے ساتھ تم مجھے شناخت کرو گے۔ ہر ایک جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا اس وقت کے علماء کی ناسمجھی اس کی سدّ راہ ہوئی۔ آخر جب وہ پہچانا گیا تو اپنے کاموں سے پہچانا گیا۔ کہ تلخ درخت شیریں پھل نہیں لاسکتا اور خدا غیر کو وہ برکتیں نہیں دیتا جو خاصوں کو دی جاتی ہیں۔ اے لوگو! اسلام نہایت ضعیف ہو گیا ہے اور اعدائے دین کا چاروں طرف سے محاصرہ ہے۔ اور تین ہزار سے زیادہ مجموعہ اعتراضات کا ہو گیا ہے۔ ایسے وقت میں ہمدردی سے اپنا ایمان دکھاؤ۔ اور مردانِ خدا میں جگہ پاؤ۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

(برکات الدّعا۔ ر۔خ جلد 6 صفحہ 37-36)

حقیقی تجدید دین

صرف رسمی اور ظاہری طور پر قرآن شریف کے تراجم پھیلانا یا فقط کتب دینیہ اور احادیث نبویہ کو اردو یا فارسی میں ترجمہ کر کے رواج دینا یا بدعات سے بھرے ہوئے خشک طریقے جیسے زمانہ حال کے اکثر مشائخ کا دستور ہو رہا ہے سکھلانا یہ امور ایسے نہیں ہیں جن کو کامل اور واقعی طور پر تجدید دین کہا جائے بلکہ مؤخر الذکر تو شیطانی راہوں کی تجدید ہے اور دین کا رہزن۔ قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کو دنیا میں پھیلانا بے شک عمدہ طریق ہے مگر رسمی طور پر اور تکلف اور فکر اور خوض سے یہ کام کرنا اور اپنا نفس واقعی طور پر حدیث اور قرآن کا مورد نہ ہونا ایسی ظاہری اور بے مغز خدمتیں ہر ایک باعلم آدمی کر سکتا ہے اور ہمیشہ جاری ہیں ان کو مجدّدیت سے کچھ علاقہ نہیں یہ تمام امور خدا تعالیٰ کے نزدیک فقط استخوان فروشی ہے اس سے بڑھکر نہیں اللہ جلشانہ فرماتا ہے لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ (الصف:4،3) اور فرماتا ہے يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ (المائدۃ:106)۔ اندھا اندھے کو کیا راہ دکھاویگا اور مجزوم دوسروں کے بدنوں کو کیا صاف کریگا تجدید دین وہ پاک کیفیت ہے کہ اول عاشقانہ جوش کے ساتھ اس پاک دل پر نازل ہوتی ہے کہ جو مکالمہ الٰہی کے درجہ تک پہنچ گیا ہو پھر دوسروں میں جلد یا دیر سے اسکی سرایت ہوتی ہے **جو لوگ خدا تعالےٰ کی طرف سے مجددیت کی قوت پاتے ہیں وہ نرے استخوان فروش نہیں ہوتے بلکہ وہ واقعی طور پر نائب رسول اللہ ﷺ اور روحانی طور پر آنجناب کے خلیفہ ہوتے ہیں خدا تعالیٰ انہیں ان تمام نعمتوں کا وارث بناتا ہے جو نبیوں اور رسولوں کو دی جاتی ہیں اور ان کی باتیں از قبیل جوشیدن ہوتی ہیں نہ محض از قبیل پوشیدن اور وہ حال سے بولتے ہیں نہ مجرد قال سے اور خدا تعالیٰ کے الہام کی تجلّی اُنکے دلوں پر ہوتی ہے اور وہ ہر ایک مشکل کے وقت روح القدس سے سکھلائے جاتے ہیں اور انکی گفتار اور کردار میں دنیا پرستی کی ملونی نہیں ہوتی کیونکہ وہ بکلّی مصفا کئے گئے اور تمام و کمال کھینچے گئے ہیں۔ منہ۔**

(فتح اسلام۔ ر۔خ جلد 3 صفحہ 6-7 حاشیہ)

کسیکہ دل زپےء خلق سو زدش شب و روز   محقق است کہ اُو خادم الوریٰ باشد

جس کادل مخلوق کی خاطر دن رات بےچین رہے یہ ثابت شدہ   بات ہے کہ وہی لوگوں کا خادم ہوا کرتا ہے

نہیبِ حادثہ بنیادِ دیں زجا ببرد   اگر زملتِ ماظلِّ شاں جدا باشد

حادثات کی غارتگری دین کی بنیاد کو ہلا دے   اگر ہمارے مذہب سے ان لوگوں کا سایہ الگ ہوجائے

ازیں بود کہ چو سالِ صدی تمام شود   بر آید آنکہ بدیں نائبِ خدا باشد

یہی وجہ ہے کہ جب صدی کے سال ختم ہوتے ہیں تو ایسا   مرد ظاہر ہوتا ہے جو دین کیلئے خدا کا قائم مقام ہوتا ہے

رسید مژدہ زغیبم کہ من ہماں مردم   کہ او مجدّدِ ایں دین و رہنما باشد

مجھے غیب سے یہ خوشخبری ملی ہے کہ میں وہی انسان ہوں   جو اس دین کا مجدّد اور راہ نما ہے

لوائے ماپنہِ ہر سعید خواہد بود   ندائے فتحِ نمایاں بنامِ ماباشد

ہمارا جھنڈا ہر خوش قسمت انسان کی پناہ ہوگا   اور کھلی کھلی فتح کا شہرہ ہمارے نام پر ہوگا

عجب مدار اگر خلق سوئے مابدوند   کہ ہر کجاکہ غنی ے بود گدا باشد

اگر مخلوقات ہماری طرف دوڑ کر آئے تو تعجب نہ کر   کہ جہاں دولتمند ہوتا ہے وہاں فقیر جمع ہوجاتے ہیں

گُلے کہ روئے خزاں را گہے نخواہد دید   بباغِ ماست اگر قسمتت رسا باشد

وہ پھول جو کبھی خزاں کا منہ نہیں دیکھے گا   وہ ہمارے باغ میں ہے اگر تیری قسمت یاور ہو

منم مسیح ببانگِ بلند ے گویم   منم خلیفۂ شاہے کہ بر سما باشد

میں بلند آواز سے کہتا ہوں کہ میں ہی مسیح ہوں   اور میں ہی اس بادشاہ کا خلیفہ ہوں جو آسمان پر ہے

مقدر است کہ روزے بریں ادیمِ زمیں   ہزارہا دل وجاں بررہم فدا باشد

یہ بات مقدر ہوچکی ہے کہ ایک دن روئے زمین پر   ہزاروں جان و دل میری راہ میں قربان ہونگے

(درثمین فارسی صفحہ 267)(تریاق القلوب۔ر۔خ جلد 15 صفحہ 132)

سولہویں فصل

حَکَم اور عَدَل ہونے کے اعتبار سے فرمان حضرت اقدسؑ

میرے پاس آؤ اور میری سنو!

میری حیثیت ایک معمولی مولوی کی حیثیت نہیں ہے بلکہ میری حیثیت سُنن انبیاء کی سی حیثیت ہے۔ مجھے ایک سماوی آدمی مانو۔ پھر یہ سارے جھگڑے اور تمام نزاعیں جو مسلمانوں میں پڑی ہوئی ہیں، ایک دم میں طے ہوسکتی ہیں۔ جو خدا کی طرف سے مامور ہوکر حَکَم بن کر آیا ہے۔ جو معنے قرآن شریف کے وہ کرے گا وہی صحیح ہوں گے اور جس حدیث کو وہ صحیح قرار دے گا وہی حدیث صحیح ہوگی۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 399)

نزول حکم کا وعدہ قرآنِ حکیم میں

یہی وعدہ قرآن میں بھی دیا گیا تھا جسکی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے کہ

"آخرین منھم لمّا یلحقوابھم" (سورۃ الجمعہ:4)۔ اور حدیثوں میں اسکی بہت تفصیل ہے چنانچہ لکھا ہے کہ یہ اُمّت بھی اسی قدر فرقے ہو جائیں گے جسقدر کہ یہود کے فرقے ہوئے تھے۔ اور ایک دوسرے کی تکذیب اور تکفیر کرے گا۔ اور یہ سب لوگ عناد اور بغض باہمی میں ترقی کرینگے۔ اُسوقت تک کہ مسیح موعود حکم ہوکر دنیا میں آوے۔ اور جب وہ حکم ہوکر آئے گا۔ تو بغض اور شحناء کو دور کردے گا۔ اور اُس کے زمانہ میں بھیڑیا اور بکری ایک جگہ جمع ہو جائینگے۔ چنانچہ یہ بات تمام تاریخ جاننے والوں کو معلوم ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام ایسے ہی وقت میں آئے تھے کہ جب اسرائیلی قوموں میں بڑا تفرقہ پیدا ہوگیا تھا۔ اور ایک دوسرے کے مکفّر اور مکذّب ہوگئے تھے۔ اسی طرح یہ عاجز بھی ایسے وقت میں آیا ہے کہ جب اندرونی اختلافات انتہا تک پہنچ گئے اور ایک فرقہ دوسرے کو کافر بنانے لگا اس تفرقہ کے وقت میں **اُمتِ محمدیہ کو ایک حَکَم کی ضرورت تھی سو خدا نے مجھے حَکَم کرکے بھیجا ہے۔** (کتاب البریّہ۔ ر۔خ جلد13 صفحہ 256۔257)

آں خدائے کہ وعدۂ حَکَمے	داد از راہِ رحم ولطف ھمے
وہ خدا جس نے ایک حَکَم کا وعدۂ اپنے لطف	اور رحم کی راہ سے کیا تھا
اوبدانست از ازل کہ انام	راہِ خود گم کنند از اوہام
وہ ازل سے یہ جانتا تھا کہ مخلوقات شک وشبہات	میں پڑکر اپنا راستہ بھول جائیگی
ورنہ کارِ حکم چہ خواہد بود	رہ نمائی بمردِ راہ چہ سود
ورنہ پھر حَکَم کا کام کیا ہوگا ٹھیک راستے پر چلنے والے	انسان کو راہ دکھانے کا کیا فائدہ
راہ گم کردہ را حَکَم باید	تا بدو راہ راست بنماید
حکم تو گمراہ کے لئے درکار ہوتا ہے	تاکہ وہ اس کو سیدھا رستہ دکھائے
ایں مگوماخودیم عالمِ دیں	توبہ کن ازمکالماتِ چنیں
تو یہ نہ کہہ ہم خود دین کے عالم ہیں	ایسی باتوں سے توبہ کر
کور را کور کے نماید راہ	ہر کہ آگاہ از خدا آگاہ
اندھے کو اندھا کس طرح راستہ دکھا سکتا ہے	جو بھی واقفِ راہ ہے وہ خدا کی طرف سے آگاہ کیا گیا ہے۔

(درثمین فارسی صفحہ 348)(نزول المسیح۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 480)

حَکَم اور عدل کا نزول

فرمان حضرت رسول اکرم ﷺ کے مطابق ہے

علاوہ اس کے مسلم کی حدیث میں جو ابوہریرہ سے مروی ہے عیسیٰ کے آنے کی یہ نشانیاں لکھی ہیں لینزلن ابن مریم حکما عد لا فلیکسرن الصلیب ولیقتلن الخنزیر ولیضن الجزیه ولیترکن القلاص فلا یسعٰی علیھا **یعنی عیسیٰ حَکَم اور عدل ہونے کی حالت میں اترے گا اس طرح پر کہ مسلمانوں کے اختلافات پر حق کے ساتھ حکم کرے گا اور عدل کو زمین پر قائم کردیگا** صلیب کو توڑیگا خنزیروں کو قتل کرے گا اور جزیہ کو اُٹھادے گا اور اس کے آنے کا ایک یہ نشان ہوگا کہ جوان اُونٹنیاں جو بار برداری اور سواری کا بخوبی کام دیتی ہیں چھوڑ دی جائیں گی پھر اُن پر سواری نہیں کی جائے گی۔ (ازالہ اوھام حصہ دوم۔ ر۔خ جلد 3 صفحہ 555-556)

غرض جب طرح طرح کی عملی بداعتقادی پھیل جائے گی۔تب بطور حکم کے مسیح اُن میں آوے گا۔

اسی طرح ہمارے ہادیٔ کامل ﷺ نے ہم کو اطلاع دی کہ جب تم میں بھی یہودیوں کی طرح کثرت سے فرقے ہو جاویں گے اور اُن کی طرح مختلف قسم کی بداعتقادیاں اور بدعملیاں شروع ہونگی۔علماء یہود کی طرح بعض بعض کے مُکفّر ہوں گے۔ **اُس وقت اِس اُمت مرحومہ کا مسیح بھی بطور حَکَم کے آئے گا، جو قرآن شریف سے ہر امر کا فیصلہ کرے گا۔** وہ مسیح کی طرح قوم کے ہاتھ سے ستایا جائے گا اور کافر قرار دیا جائے گا۔اگر ان لوگوں نے کم سمجھی سے اس شخص کو دجال اور کافر کہا، تو ضرور تھا کہ ایسا ہوتا کیوں کہ حدیث میں آچکا تھا کہ آنے والا مسیح کافر اور دجال ٹھہرایا جائیگا۔لیکن جو عقیدہ آپ کو سکھلایا جاتا ہے وہ بالکل صاف اور اُجلا ہے اور محتاج دلائل بھی نہیں برہان قاطع اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 29)

الہامات حضرت اقدسؑ

دنی فتدلی فکان قاب قوسین اوادنی

یحیی الدین ویقیم الشریعته

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ر۔خ جلد 21 صفحہ 78)

پھر بقیہ ترجمہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ شخص مجھ سے نزدیک ہوا۔اور میرا قرب کامل اس نے پایا۔اور پھر بعد اس کے ہمدردی خلائق کے لئے ان کی طرف متوجہ ہوا اور مجھ میں اور مخلوق میں ایک واسطہ ہوگیا جیسا کہ دو قوسوں میں وتر ہو۔اور اس لئے وہ اس درمیانی مقام پر ہے۔ **وہ دین کو از سرے نو زندہ کرے گا۔اور شریعت کو قائم کردیگا۔یعنی بعض غلطیاں جو مسلمانوں میں رائج ہو گئی ہیں اور ناحق آنحضرت ﷺ کی طرف ان غلطیوں کو منسوب کیا جاتا ہے ان سب غلطیوں کو ایک حکم کے منصب پر ہو کر دور کردے گا۔اور شریعت کو جیسا کہ ابتداء میں سیدھی تھی سیدھی کر کے دکھلا دے گا۔**

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ر۔خ جلد 21 صفحہ 81)

حضرت اقدسؑ کا دعویٰ ءِ حَکَم وعَدَل

مجھے بتلایا گیا ہے کہ تمام دینوں میں سے دینِ اسلام ہی سچا ہے ۔ مجھے فرمایا گیا ہے کہ تمام ہدایتوں میں صرف قرآنی ہدایت ہی صحت کے کامل درجہ پر اور انسانی ملاوٹوں سے پاک ہے ۔ مجھے سمجھایا گیا ہے کہ تمام رسولوں میں سے کامل تعلیم دینے والا اور اعلیٰ درجہ کی پاک اور پُرحکمت تعلیم دینے والا اور انسانی کمالات کا اپنی زندگی کے ذریعہ سے اعلیٰ نمونہ دکھلانے والا صرف حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور مجھے خدا کی پاک اور مطہر وحی سے اطلاع دی گئی ہے کہ میں اس کی طرف سے مسیح موعود اور مہدی موعود اور اندرونی اور بیرونی اختلافات کا حَکَم ہوں ۔ یہ جو میرا نام مسیح اور مہدی رکھا گیا ان دونوں ناموں سے رسول اللہ ﷺ نے مجھے مشرف فرمایا اور پھر خدا نے اپنے بلاواسطہ مکالمہ سے یہی میرا نام رکھا اور پھر زمانہ کی حالت موجودہ نے تقاضا کیا کہ یہی میرا نام ہو۔ غرض میرے ان ناموں پر یہ تین گواہ ہیں ۔ میرا خدا جو آسمان اور زمین کا مالک ہے میں اس کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ میں اس کی طرف سے ہوں اور وہ اپنے نشانوں سے میری گواہی دیتا ہے ۔ اگر آسمانی نشانوں میں کوئی میرا مقابلہ کر سکے تو میں جھوٹا ہوں ۔ اگر دعاؤں کے قبول ہونے میں کوئی میرے برابر اُتر سکے تو میں جھوٹا ہوں ۔ اگر قرآن کے نکات اور معارف بیان کرنے میں کوئی میرا ہم پلہ ٹھہر سکے تو میں جھوٹا ہوں ۔ اگر غیب کی پوشیدہ باتیں اور اسرار جو خدا کی اقتداری قوت کے ساتھ پیش از وقت مجھ سے ظاہر ہوتے ہیں ان میں کوئی میری برابری کر سکے تو میں خدا کی طرف سے نہیں ہوں۔ (اربعین ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 345-346)

ومن کان نجما کیف یخفیٰ بریقه ومن صار بدرًا لا محالته یبهرُ

اور جو ستارہ ہو اس کی روشنی کیونکر چھپ سکے اور جو بدر بن گیا وہ غالب آجائے گا

وانّی ببرهان قوی دعوتهم وانی من الرحمٰن حکمٌ مُعَذِّرُ

اور میں نے ایک قوی حجت کیساتھ انکو بلایا ہے اور میں خدا کی طرف سے اختلاف کا فیصلہ کرنے والا آیا ہوں

وقد جئت فی بدر المئین لیعملوا کمالی و نوری ثم هم لم یَبْصُروا

اور میں ان کے پاس چودھویں صدی میں آیا جو صدیوں کی بدر ہے تا کہ وہ میرا کمال اور میرا نور جان لیں۔ پھر وہ نہیں دیکھتے

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ۔ ر۔خ جلد 21 صفحہ 328)

حَکَم و عَدَل کا فیصلہ

اور میں امام مالکؒ اور ابن حزمؒ اور معتزلہ کے قول کو مسیح کی وفات کے بارے میں صحیح قرار دیتا ہوں اور دوسرے اہل سنت کو غلطی کا مرتکب سمجھتا ہوں۔سو میں بحیثیت حکم ہونے کے ان جھگڑا کرنے والوں میں یہ حکم صادر کرتا ہوں کہ نزول کے اجمالی معنوں میں یہ گروہ اہل سنت کا سچا ہے کیونکہ مسیح کا بروزی طور پر نزول ہونا ضروری تھا ہاں نزول کی کیفیت بیان کرنے میں ان لوگوں نے غلطی کھائی ہے نزول صفت بروزی تھا نہ کہ حقیقی۔**اور مسیح کی وفات کے مسئلہ میں معتزلہ اور امام مالک اور ابن حزم وغیرہ ہمکلام ان کے سچے ہیں کیونکہ بموجب نص صریح آیت کریمہ یعنی آیت** فلما توفیتنی **کے مسیح کا عیسائیوں کے بگڑنے سے پہلے وفات پانا ضروری تھا۔یہ میری طرف سے بطور حکم کے فیصلہ ہے اب جو شخص میرے فیصلہ کو قبول نہیں کرتا وہ اس کو قبول نہیں کرتا جس نے مجھے حکم مقرر فرمایا ہے۔**
اگر یہ سوال پیش ہو کہ تمہارے حکم ہونے کا ثبوت کیا ہے؟اس کا یہ جواب ہے کہ جس زمانہ کے لئے حکم آنا چاہیئے تھا وہ زمانہ موجود ہے۔اور جس قوم کی صلیبی غلطیوں کی حکم نے اصلاح کرنی تھی وہ قوم موجود ہے اور جن نشانوں نے اس حکم پر گواہی دینی تھی وہ نشان ظہور میں آچکے ہیں۔اور اب ان نشانوں کا سلسلہ شروع ہے۔آسمان نشان ظاہر کر رہا ہے زمین نشان ظاہر کر رہی ہے اور مبارک وہ جن کی آنکھیں اب بند نہ رہیں۔

میں یہ نہیں کہتا کہ پہلے نشانوں پر ہی ایمان لاؤ۔بلکہ میں کہتا ہوں اگر میں حکم نہیں ہوں تو میرے نشانوں کا مقابلہ کرو۔میرے مقابل پر جو اختلاف عقائد کے وقت آیا ہوں اور سب بحثیں نکمی ہیں۔ صرف حکم کی بحث میں ہر ایک کا حق ہے جس کو میں پورا کر چکا ہوں۔ خدا نے مجھے چار نشان دیئے ہیں۔

(1) ۔ میں قرآن شریف کے معجزہ کے ظل پر عربی بلاغت فصاحت کا نشان دیا گیا ہوں۔کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

(2)۔ میں قرآن شریف کے حقائق و معارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں۔کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

(3)۔ میں کثرت قبولیت دعا کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میری دعائیں تیس ہزار کے قریب قبول ہو چکی ہیں اور ان کا میرے پاس ثبوت ہے۔

(4)۔ میں غیبی اخبار کا نشان دیا گیا ہوں۔کوئی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے۔یہ خدا تعالیٰ کی گواہیاں میرے پاس ہیں۔اور رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئیاں میرے حق میں چمکتے ہوئے نشانوں کیطرح پوری ہوئیں۔

آسمان بارو نشان الوقت مے گویدزمیں ایں دو شاہد ازپئے تصدیق من استادہ اند

ترجمہ۔آسمان سے نشانات کی بارش ہو رہی ہے اور زمین مسیح موعود کے وقت کو ظاہر کر رہی ہے۔یہ دو گواہ میری صداقت کے لئے قائم کئے گئے ہیں۔ (ضرورت الامام۔ر۔خ جلد 13 صفحہ 496۔497)

حکم وعدل کی آمد کی ضرورت

جب مدت دراز گذر جاتی ہے اور غلطیاں پڑ جاتی ہیں تو خدا ایک حکم مقرر کرتا ہے جو ان غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ حضرت مسیح کے سات سو برس بعد آئے اس وقت ساتویں صدی میں ضرورت پڑی تو کیا اب چودھویں صدی میں بھی ضرورت نہ پڑتی۔ اور پھر جس حال میں کہ ایک ملہم ایک صحیح حدیث کو وضعی اور وضعی کو صحیح بذریعہ الہام قرار دے سکتا ہے اور یہ اصول ان لوگوں کا مسلم ہے تو پھر حکم کو کیوں اختیار نہیں ہے؟ ایک حدیث کیا اگر وہ لاکھ حدیث بھی پیش کریں تو ان کی پیش کب چل سکتی ہے؟ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 276/277)

اس دین میں بہت سے اسرار ایسے تھے کہ درمیانی زمانہ میں پوشیدہ ہو گئے تھے۔ مگر مسیح موعود کے وقت میں ان غلطیوں کا کھل جانا ضروری تھا کیونکہ وہ حکم ہو کر آیا۔ اگر درمیانی زمانہ میں یہ غلطیاں نہ پڑتیں تو پھر مسیح موعود کا آنا فضول اور انتظار کرنا بھی فضول تھا۔ **کیونکہ مسیح موعود مجدّد ہے اور مجدّد غلطیوں کی اصلاح کے لئے ہی آیا کرتے ہیں۔ وہ جس کا نام جناب رسول اللہ ﷺ نے حکم رکھا ہے۔ وہ کس بات کا حکم ہے اگر کوئی اصلاح اس کے ہاتھ سے نہ ہو۔ یہی سچ ہے۔ مبارک وہ جو قبول کریں اور خدا سے ڈریں۔** (براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ ر۔خ جلد21 صفحہ 56)

حکم وعدل کا کام

یہی حال حکم کے آنے پر ہونا چاہیے۔ وہ خود ساختہ اور موضوع باتوں کو رد کر دے گا اور سچ کو لے گا۔ یہی وجہ ہے اس کا نام حکم رکھا گیا ہے۔ اسی لئے آثار میں آیا ہے کہ اس پر کفر کا فتویٰ دیا جاوے گا کیونکہ وہ جس فرقہ کی باتوں کو رد کرے گا وہی اس پر کفر کا فتویٰ دے گا۔ یہاں تک کہا ہے کہ مسیح موعود کے نزول کے وقت ہر ایک شخص اٹھ کر کھڑا ہو گا اور منبر پر چڑھ کر کہے گا۔

اِنَّ ھٰذَا الرَّجُلَ غَیَّرَ دِیْنَنَا۔

اس شخص نے ہمارے دین کو بدل دیا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت اس امر کا ہو گا کہ وہ بہت سی باتوں کو رد کر دے گا جیسا کہ اس کا منصب اس کو اجازت دے گا۔

غرض اس بات کو سرسری نظر سے ہرگز نہیں دیکھنا چاہیے بلکہ غور کرنا چاہیے کہ حکم عدل کا آنا اور اس کا نام دلالت کرتا ہے کہ وہ اختلاف کے وقت آئے گا اور اس اختلاف کو مٹائے گا۔ ایک کو رد کر دے گا اور اندرونی غلطیوں کی اصلاح کریگا۔ وہ اپنے نور فراست اور خدا تعالیٰ کے اعلام والہام سے بعض ڈھیروں کے ڈھیر جلا دے گا اور پکی اور محکم باتیں رکھ لے گا۔ جب یہ مسلم امر ہے۔ تو پھر مجھ سے یہ اُمید کیوں کی جاتی ہے کہ میں اُن کی ہر بات مان لوں قطع نظر اس کہ وہ بات غلط اور بیہودہ ہے اگر میں ان کا سارا رطب و یابس مان لوں تو پھر میں حکم کیسے ٹھہر سکتا ہوں؟

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 21۔22)

مرا بگلشنِ رضوانِ حق شدست گذر
اللہ تعالیٰ کی رضاکے باغ میں میرا گذر ہوا ہے

مقام من چمنِ قدس واصطفا باشد
میرا مقام برگزیدگی اور تقدس کا چمن ہے

کمالِ پاکی وصدق وصفا کہ گم شدہ بود
پاکیزگی اور صدق وصفا کا کمال جو معدوم ہو گیا تھا

دوبارہ ازسخن و وعظِ من بپا باشد
وہ دوبارہ میرے کلام اور وعظ سے قائم ہوا ہے

مرنج از سخنم ایکہ سخت بے خبری
اے شخص جو بالکل بیخبر ہے میری بات سے ناراض نہ ہو

کہ اینکہ گفتہ ام از وحیءِ کبریا باشد
کہ جو میں نے کہا ہے یہ خدا کی وحی سے کہا ہے

کسیکہ گم شدہ از خود بنورِ حق پیوست
جو شخص اپنی خودی کو چھوڑ کر خدا کے نور میں

ہر آنچہ از دہنش بشنوی بجا باشد
جاملا اس کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات حق ہوگی

(تریاق القلوب۔ر۔خ جلد15 صفحہ134)

اب میں جناب مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ جناب من آپکا مخاطب ایک مدعی امامت ہے۔ اگرچہ آپ اس کو کاذب اور مفتری جانتے ہیں پس اسکے مسلّمات سے اسے ساکت کرنا لازم ہے۔ تفسیر برغانی اور طبرانی ابونعیم وغیرہ کا حوالہ دینا یا انکی روایات غیر مصحح پیش کرنا ایک مدعی کے بالمقابل **جس کا دعویٰ ہو کہ میں حکم ہو کر قرآن مجید اور رسول اکرم ﷺ کی عظمت قائم کرنے کے لیے دنیا میں آیا ہوں** اپنے اوپر جہالت کا الزام قائم کرنے سے زیادہ نتیجہ خیز نہیں ہوسکتا۔ وہ نہ حنفی ہے نہ شافعی نہ مالکی نہ حنبلی اور نہ جعفری نہ مقلّد نہ اہل حدیث۔ پھر آپ حنفیوں یا شافیوں یا مالکیوں وغیرہ کے علماء یا مفسرین کے اقوال پیش کر کے اسکو ملزم کیونکر کر سکتے ہیں اگر وہ ان اقوال کا پابند ہوتو منصب امامت در حقیقت اسکے لیے سزاوار نہیں ہے وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں اس وقت کا حکم ہوں برغانی ہو یا طبرانی ان میں مفسروں کے اپنے عندیات کا ذخیرہ ہوگا یا کچھ اور۔ اگر آپ کہیں کہ تفسیر قرآن ہے تو ہم کہیں گے کہ پھر اس قدر مختلف الاقوال تفاسیر جنکی تعداد ہزارہا سے بڑھ گئی کیوں شائع ہوئی ہیں اور ان میں اختلاف ہی کیوں واقع ہوا۔ اور حضرت مہدی آخرالزمان کی نسبت کیا آپکے مسلمات میں درج نہیں کہ وہ اختلاف رفع کرنے کو آویں گے اور سب ادیان کو ایک دین بنادینگے۔ کیا جب امام مہدی تشریف لائینگے بلا وعظ اور بلا نصیحت اور بلا تغیر وتبدل دین خود بخود ایک ہو جاویگا آیا کچھ ترمیم و تنسیخ بھی کرینگے یا نہیں۔ کیا وہ ظاہر ہوکر مجتہدین کربلا کے فتوے پر چلیں گے یا مجتہدین نجف ایران یا مجتہدین لکھنوٴ و لاہور۔ فرمادیں وہ کس مجتہد کے مقلد ہوں گے اور کس کے فتوے پر عمل کریں گے نہیں میں بھول گیا وہ ضرور آپ کے فتوے پر چلیں گے۔ مگر افسوس کہ آپ یہ بھی نہیں مانیں گے۔ **پس جو امام ہوتا ہے وہ کسی کا مقلد نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ خود حکم ہوتا ہے اس کے بالمقابل تفسیر برغانی اور دلائل النبوت کا حوالہ دینا کوئی عقلمند طبیعت اس کو جائز نہیں رکھ سکتی ہے۔**

(نزول المسیح۔ر۔خ جلد18 صفحہ424-425 حاشیہ)

حکم وعدل کی اطاعت

مسیح موعود ہی حکم عدل ہے

ہماری جماعت کے لئے تو یہ امر دور از ادب ہے کہ وہ اس قسم کی باتیں پیش کریں یا ان کے وہم میں بھی ایسی باتیں آئیں۔ **اور میں سچ کہتا ہوں کہ میں جو کرتا ہوں۔ وہ خدا تعالیٰ کی تفہیم اور اشارہ سے کرتا ہوں۔** پھر کیوں اس کو مقدم نہیں کرتے اور پیشگوئی سمجھ کر اسکی عزت نہیں کرتے۔ جیسے حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کی پیشگوئی سمجھ کر ایک صحابی کو سونے کے کڑے پہنا دیئے۔ اب تم بتاؤ کہ اور کیا چاہتے ہو۔ خدا نے اس قدر نشان تمہارے لئے جمع کر دیئے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ پر ایمان ہو تو کوئی وہم اور خیال اس قسم کا پیدا نہیں ہو سکتا جس سے اعتراض کا رنگ پایا جائے اور اگر اس قدر نشان دیکھتے ہوئے بھی کوئی اعتراض کرتا اور علیحدہ ہوتا ہو تو وہ بے شک نکل جائے اور علیحدہ ہو جاوے۔ اسکی خدا کو کیا پرواہ ہے۔ وہ کہیں جگہ نہیں پا سکتا۔ جبکہ خدا تعالیٰ نے مجھے حکم عدل ٹھہرایا ہے۔ اور تم نے مان لیا ہے۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 50-51)

اب تم خود یہ سوچ لو اور اپنے دلوں میں فیصلہ کر لو کہ کیا تم نے میرے ہاتھ پر جو بیعت کی ہے۔ اور مجھے مسیح موعود حکم، عدل مانا ہے تو اس ماننے کے بعد میرے کسی فیصلہ یا فعل پر اگر دل میں کوئی کدورت یا رنج آتا ہے۔ تو اپنے ایمان کا فکر کرو۔ وہ ایمان جو خدشات اور توہمات سے بھرا ہوا ہے، کوئی نیک نتیجہ پیدا کرنے والا نہیں ہوگا۔ **لیکن اگر تم نے سچے دل سے تسلیم کر لیا ہے کہ مسیح موعود واقعی حکم ہے۔ تو پھر اس کے حکم اور فعل کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دو۔ اور اس کے فیصلوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھو تا تم رسول اللہ ﷺ کی پاک باتوں کی عزت اور عظمت کرنے والے ٹھہرو رسول اللہ کی شہادت کافی ہے۔** وہ تسلی دیتے ہیں کہ وہ تمہارا امام ہوگا، وہ حکم عدل ہوگا۔ اگر اس پر تسلی نہیں ہوئی تو پھر کب ہوگی۔ یہ طریق ہرگز اچھا اور مبارک نہیں ہو سکتا کہ ایمان بھی ہو اور دل کے بعض گوشوں میں بدظنیاں بھی ہوں۔ **میں اگر صادق نہیں ہوں تو پھر جاؤ اور صادق تلاش کرو اور یقیناً سمجھو کہ اس وقت اور صادق نہیں مل سکتا۔ اور پھر اگر کوئی دوسرا صادق نہ ملے اور نہیں ملے گا تو پھر میں اتنا حق مانگتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو دیا ہے۔**

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 52)

اے حسرت ایں گروہِ عزیزاں مرا ندید　　وقتے بہ بینند کہ ازیں خاک بگذرم

افسوس عزیزوں نے مجھے نہ پہچانا۔ یہ مجھے اس وقت جانیں گے جب میں اس دنیا سے گذر جاؤں گا۔

امروز قومِ من نشناسد مقامِ من　　روزے بگریہ یاد کند وقتِ خوشترم

آج کے دن میری قوم میرا درجہ نہیں پہچانتی لیکن ایک دن آئے گا کہ وہ رو رو کر میرے مبارک وقت کو یاد کرے گی۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 165`166)(ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 184)

سترہویں فصل

احیاءدین اسلام اور قیام شریعت کے اعتبار سے

الہامات حضرت اقدسؑ

چو دورِ خسروی آغاز کردند مسلماں را مسلماں باز کردند
جب (ہمارا) شاہی زمانہ شروع ہوا تو مسلمانوں کو دوبارہ مسلمان کیا گیا
مقامِ او مبیں ازراہِ تحقیر بدورانش رسولاں ناز کردند
اس کے درجہ کو تحقیر کی نظر سے نہ دیکھ کہ رسولوں نے اس کے زمانہ پرناز کیا ہے

(مصرعہ نمبر ا تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 665-601)

(〃 نمبر2 〃 〃 صفحہ 604)

کیونکہ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اس روز اس کی پاک کتاب کا جلوہ ظاہر ہو۔ میں نے عالم کشف میں اس کے متعلق دیکھا کہ میرے محل پر غیب سے ایک ہاتھ مارا گیا اور اس ہاتھ کے چھونے سے اس محل میں سے ایک نور ساطعہ نکلا جو اردگرد پھیل گیا اور میرے ہاتھوں پر بھی اسکی روشنی ہوئی۔تب ایک شخص جو میرے پاس کھڑا تھا وہ بلند آواز سے بولا کہ اللّٰہ اکبر۔ خربت خیبر۔اس کی یہ **تعبیر کہ اس محل سے میرا دل مراد ہے جو جائے نزول وحلول انوار ہے اور وہ نور قرآنی معارف ہیں۔اور خیبر سے مراد تمام خراب مذہب ہیں جن میں شرک اور باطل کی ملونی ہے اور انسان کو خدا کی جگہ دیگئی یا خدا کی صفات کو اپنے کامل محل سے نیچے گرادیا ہے۔**سو مجھے جتلایا گیا کہ اس مضمون کے خوب پھیلنے کے بعد جھوٹے مذہبوں کا جھوٹ کھل جائیگا اور قرآنی سچائی دن بدن زمین پر پھیلتی جائیگی جب تک کہ اپنا دائرہ پورا کرے پھر میں اس کشفی حالت سے الہام کی طرف منتقل کیا گیا اور مجھے یہ الہام ہوا۔

انّ اللّٰہ معک انّ اللّٰہ یقوم اینما قمت

یعنی خدا تیرے ساتھ ہے خدا وہیں کھڑا ہوتا ہے جہاں تو کھڑا ہو۔

یہ حمایتِ الٰہی کے لئے ایک استعارہ ہے۔ (تریاق القلوب۔ر۔خ جلد 15 صفحہ 227۔226)

میں نے ارادہ کیا کہ اس زمانہ میں اپنا خلیفہ مقرر کروں سو میں نے اس آدم کو پیدا کیا۔ وہ دین کو زندہ کرے گا اور شریعت کو قائم کرے گا جب مسیح السلطان کا دور شروع کیا گیا۔تو مسلمان کو جو صرف رسمی مسلمان تھے نئے سرے سے مسلمان بنانے لگے آسمان اور زمین ایک گٹھڑی کی طرح بندھے ہوئے تھے ہم نے ان دونوں کو کھول دیا یعنی زمین نے اپنی پوری قوت ظاہر کی اور آسمان نے بھی۔ (تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 665)

جب تیرھویں صدی کا آخیر ہوا اور چودھویں صدی کا ظہور ہونے لگا تو خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے مجھے خبر دی کہ تو اس صدی کا مجدد ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا کہ:۔

"اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ .لِتُنْذِرَقَوْ مًامَّآ اُنْذِرَ اٰبَاءُ هُمْ وَ لِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ۔ قُلْ اِنِّيْ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ"۔ (کتاب البریہ ر۔خ جلد13 صفحہ 202۔201 حاشیہ)

ترجمہ:۔اے احمد! خدا نے تجھ میں برکت ڈالی۔اس نے تجھے قرآن سکھایا تا تو ان لوگوں کو ڈراوے جن کے باپ دادے نہیں ڈرائے گئے اور تا کہ مجرموں کی راہ کھل جائے یعنی معلوم ہو جائے کہ کون کون مجرم ہے۔ کہہ دے کہ میرے پر خدا کا حکم نازل ہوا ہے اور میں تمام مومنوں سے پہلا ہوں۔وہ خدا جس نے اپنے فرستادہ کو بھیجا اس نے دو امر کے ساتھ اسے بھیجا ہے۔ایک تو یہ کہ اس کو نعمت ہدایت سے مشرف فرمایا ہے یعنی اپنی راہ کی شناخت کے لئے روحانی آنکھیں اس کو عطا کی ہیں۔اور علم لدنی سے ممتاز فرمایا ہے۔اور کشف اور الہام سے اس کے دل کو روشن کیا ہے اور اسطرح پر الٰہی معرفت اور محبت اور عبادت کا جو اس پر حق تھا اس حق کی بجا آوری کے لئے آپ اسکی تائید کی ہے۔اور اس لئے اسکا نام مہدی رکھا دوسرا امر جسکے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے وہ دین الحق کے ساتھ روحانی بیماریوں کو اچھا کرنا ہے یعنی شریعت کے صدہا مشکلات اور معضلات حل کر کے دلوں سے شبہات کو دور کرنا ہے پس اس لحاظ سے اس کا نام عیسٰی رکھا ہے یعنی بیماروں کو چنگا کرنے والا۔ (اربعین جلد2۔ر۔خ جلد17 صفحہ 356`355)

اَرَدْتُّ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ ۔ یُحْیِ الدِّیْنَ وَیُقِیْمَ الشَّرِیْعَۃَ۔

چو دَو رِ خسروی آغاز کردند ۔ مسلما ںرا مسلماں باز کر دند۔

اِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَا نَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا۔

خدا کے احسان کا دروازہ تیرے پر کھولا گیا ہے اور اسکی پاک رحمتیں تیری طرف متوجہ ہو رہی ہیں اور وہ دن آتے ہیں (بلکہ قریب ہے) کہ خدا تیری مدد کریگا۔وہی خدا جو جلال والا اور زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا ہے دیکھو براہین احمدیہ صفحہ 239۔اور صفحہ 522 ان تمام الہامات میں یہ پیشگوئی تھی کہ خدا تعالیٰ میرے ہاتھ سے اور میرے ہی ذریعہ سے دین اسلام کی سچائی اور تمام مخالف دینوں کا باطل ہونا ثابت کر دیگا۔سو آج وہ پیشگوئی پوری ہوئی۔کیونکہ میرے مقابل پر کسی مخالف کو تاب وتواں نہیں کہ اپنے دین کی سچائی ثابت کر سکے۔میرے ہاتھ سے آسمانی نشان ظاہر ہو رہے ہیں اور میری قلم سے قرآنی حقائق اور معارف چمک رہے ہیں۔اٹھو اور تمام دنیا میں تلاش کرو کہ کیا کوئی عیسائیوں میں سے یا سکھوں میں سے یا یہودیوں میں سے یا کسی اور فرقہ میں سے کوئی ایسا ہے۔کہ آسمانی نشانوں کے دکھلانے اور معارف اور حقائق کے بیان کرنے میں میرا مقابلہ کر سکے۔میں وہی ہوں جسکی نسبت یہ حدیث صحاح میں موجود ہے کہ اس کے عہد میں تمام ملتیں ہلاک ہو جائیں گی۔مگر اسلام کہ وہ ایسا چمکے گا۔جو درمیانی زمانوں میں کبھی نہیں چمکا ہوگا۔مگر ہلاک ہونے سے یہ مراد نہیں کہ مخالف تلوار سے زیر کئے جائیں گے۔ایسے خیالات غلطیاں ہیں۔بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ برکت کی روح ان تمام مذہبوں میں سے جاتی رہے گی۔اور وہ ایسے ہو جائیں گے جیسا کہ بدن بیجان۔سو یہ وہی زمانہ ہے۔کیا کبھی کسی آنکھ نے دیکھا کہ جس مقابلہ کے لئے میں لوگوں کو بلاتا ہوں کبھی کسی نے درمیانی زمانوں میں سے اس طرح بلایا۔یہ انسان کے دن نہیں بلکہ خدا کے دن ہیں اور ایام اللہ ہیں۔یہ کاروبار زمین سے نہیں بلکہ اس کے ہاتھ سے ہے جو ذوالجلال اور حی اور قیوم ہے۔مبارک وہ دل جو پشیمانی کے دن سے پہلے سمجھ لے۔اور مبارک وہ آنکھیں جو مواخذہ کی گھڑی سے پہلے دیکھ لیں۔ (تریاق القلوب۔ر۔خ جلد15 صفحہ 267 تا268)

بااعتبار عظمت رسول اکرمؐ اور صداقت قرآن کریم

مجھے بھیجا گیا ہے تا کہ میں آنحضرت ﷺ کی کھوئی ہوئی عظمت کو پھر قائم کروں اور قرآن شریف کی سچائیوں کو دنیا کو دکھاؤں اور یہ سب کام ہو رہا ہے لیکن جن کی آنکھوں پر پٹی ہے وہ اس کو دیکھ نہیں سکتے حالانکہ اب یہ سلسلہ سورج کی طرح روشن ہو گیا ہے اور اس کی آیات و نشانات کے اس قدر لوگ گواہ ہیں کہ اگر ان کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو ان کی تعداد اس قدر ہو کہ روئے زمین پر کسی بادشاہ کی بھی اتنی فوج نہیں ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 9)

هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَO (سوررۃ الصف :10)

خداوند تعالیٰ نے اس احقر العباد کو اس زمانے میں پیدا کر کے اور صدہا نشان آسمانی اور خوارق غیبی اور معارف و حقائق مرحمت فرما کر اور صدہا دلائل عقلیہ قطعیہ پر علم بخش کر یہ ارادہ فرمایا ہے کہ تا تعلیمات حقہ قرآنی کو ہر قوم اور ہر ملک میں شائع اور رائج فرما دے اور اپنی حجت ان پر پوری کرے۔

(براہین احمدیہ ۔ر۔خ جلد1 صفحہ 596۔حاشیہ درحاشیہ 3)

بااعتبار غلبۂ اسلام

تخمیناً عرصہ بیس سال کا گذرا ہے کہ مجھ کو اس قرآنی آیت کا الہام ہوا تھا اور وہ یہ ہے **هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ** وہ خدا جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا وہ اپنے دین کو تمام دینوں پر غالب کرے **اور مجھ کو اس الہام کے یہ معنے سمجھائے گئے تھے کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تا میرے ہاتھ سے خدا تعالیٰ اسلام کو تمام دینوں پر غالب کرے۔** اور اس جگہ یاد رہے کہ یہ قرآن شریف میں ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جس کی نسبت علماء محققین کا اتفاق ہے کہ یہ مسیح موعود کے ہاتھ پر پوری ہوگی۔ سو جس قدر اولیاء اور ابدال مجھ سے پہلے گذر گئے ہیں کسی نے ان میں سے اپنے تئیں اس پیشگوئی کا مصداق نہیں ٹھہرایا اور نہ یہ دعویٰ کیا کہ اس آیت مذکورہ بالا کا مجھ کو اپنے حق میں الہام ہوا ہے **لیکن جب میرا وقت آیا تو مجھ کو یہ الہام ہوا اور مجھ کو بتلایا گیا کہ اس آیت کا مصداق تو ہے اور تیرے ہی ہاتھ سے اور تیرے ہی زمانہ میں دین اسلام کی فوقیت دوسرے دینوں پر ثابت ہوگی۔** (تریاق القلوب۔ر۔خ جلد15 صفحہ 231۔232)

وانی بعثت علی راس ھذہ المائۃ۔ المبارکۃ الربا نیہ۔ لا جمع شمل الملۃ الاسلامیۃ۔ وادفع ما .صیل علی کتاب اللہ و خیر البریۃ ۔ واکسر عصا من عصیٰ واقیم جدران الشریعۃ۔ وقد بینت مرارًا ۔ و اظہرت للناس اظہارا۔ انی انا المسیح الموعود۔ و المہدی المعہود ۔ وکذالک امرت وما کان لی ان اعصی امر ربی والھق بالمجرمین۔

(اعجاز المسیح ۔ر۔خ جلد18 صفحہ 8۔9)

ترجمہ از مرتب:- **میں اللہ کی اس بابرکت صدی کے سر پر مبعوث کیا گیا ہوں تا کہ میں ملت اسلامیہ کے بکھرے ہوئے شیرازے کو مجتمع کروں اور اللہ کی کتاب (قرآن) اور خیر البریہ (حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ) کی ذات پر جو حملے کئے گئے ہیں ان کا دفاع کروں** اور نافرمانوں کے عصا کو توڑوں اور شریعت کی دیواروں کو استوار کروں میں نے بارہا بیان کیا ہے اور لوگوں پر کھل کر یہ اظہار کیا ہے کہ میں ہی مسیح موعود اور مہدی معہود ہوں۔ مجھے ایسا ہی حکم دیا گیا ہے اور میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کروں اور مجرموں کے گروہ میں شامل ہو جاؤں۔

بکار خانۂ قدرت ہزار ہا نقش اند — مگر تجلئ رحماں ز نقشِ ما باشد
قدرت کے کار خانے میں ہزاروں نقش ہیں — مگر رحمٰن کا جلوہ صرف ہمارے نقش سے نظر آتا ہے
بیامدم کہ رہِ صدق را درخشانم — بدلستاں برم آں راکہ پارسا باشد
میں اس لیے آیا ہوں کہ صدق کی راہ کو روشن کروں — اور دلبر کے پاس اسے لے چلوں جو نیک و پارسا ہے
بیامدم کہ درِ علم و رشد بکشایم — بخاک نیز نمایم کہ در سما باشد
میں اس لئے آیا ہوں کہ علم و ہدایت کا دروازہ کھولوں — اور اہل زمین کو وہ چیزیں دکھاؤں جو آسمانی ہیں
چنیں زمانہ چنیں دور ایں چنیں برکات — تو بے نصیب روی وہ چہ ایں شقا باشد
ایسا وقت ایسا زمانہ اور ایسی ایسی برکتیں ! — پھر بھی اگر تو بے نصیب رہے تو اس بدبختی پر کیا تعجب ہے

(تریاق القلوب ۔ ر۔خ جلد 15 صفحہ 135`134)

یہ عاجز تو محض اس غرض کے لئے بھیجا گیا ہے کہ تا یہ پیغام خلق اللہ کو پہنچا دے کہ دنیا کے تمام مذاہب موجودہ میں سے وہ مذہب حق پر اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے جو قرآن کریم لایا ہے ۔ اور دارالنجات میں داخل ہونے کے لئے دروازہ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه ہے ۔

(حجۃ الاسلام ۔ ر۔خ جلد 6 صفحہ 53،52)

اب اتمام حجت کے لئے میں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اس کے موافق جو ابھی میں نے ذکر کیا ہے ۔ خدائے تعالیٰ نے اس زمانے کو تاریک پا کر اور دنیا کو غفلت اور کفر اور شرک میں غرق دیکھ کر اور ایمان اور صدق اور تقویٰ اور راستبازی کو زائل ہوتے ہوئے مشاہدہ کر کے مجھے بھیجا ہے **تا کہ وہ دوبارہ دنیا میں علمی اور عملی اور اخلاقی اور ایمانی سچائی کو قائم کرے اور تا اسلام کو ان لوگوں کے حملوں سے بچائے جو فلسفیت اور نیچریت اور اباحت اور شرک اور دہریت کے لباس میں اس الٰہی باغ کو کچھ نقصان پہنچانا چاہتے ہیں ۔**

(آئینہ کمالات اسلام ۔ ر۔خ جلد 5 صفحہ 251)

باغ مرجھایا ہوا تھا گر گئے تھے سب ثمر — میں خدا کا فضل لایا پھر ہوئے پیدا ثمار
مرہم عیسیٰ نے دی تھی محض عیسیٰ کو شفا — میری مرہم سے شفا پائے گا ہر ملک و دیار
جھانکتے تھے نور کو وہ روزن دیوار سے — لیک جب در کھل گئے پھر ہوگئے شپر شعار
وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے — اب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے امیدوار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ۔ ر۔خ جلد 21 صفحہ 147)

اٹھارویں فصل

تکمیل اشاعتِ ہدایت کے اعتبار سے

آنحضرت ﷺ کے وقت میں تکمیل اشاعت کیلئے وسائل پیدا نہیں ہوئے تھے

اس وقت کے تمام مخالف مولویوں کو ضرور یہ بات ماننی پڑے گی کہ چونکہ آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء تھے اور آپ کی شریعت تمام دنیا کیلئے عام تھی اور آپ کی نسبت فرمایا گیا تھا وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (الاحزاب:41) اور نیز آپ کو یہ خطاب عطا ہوا تھا۔ قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف:159) سو اگرچہ آنحضرت ﷺ کے عہد حیات میں وہ تمام متفرق ہدایتیں جو حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک تھیں۔ قرآن شریف میں جمع کی گئیں لیکن مضمون آیت قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا آنحضرت ﷺ کی زندگی میں عملی طور پر پورا نہیں ہوسکا۔ کیونکہ کامل اشاعت اس پر موقوف تھی کہ تمام ممالک مختلفہ یعنی ایشیا اور یورپ اور افریقہ اور امریکہ اور آبادیٔ دنیا کے انتہائی گوشوں تک آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہی تبلیغ قرآن ہو جاتی اور یہ اس وقت غیر ممکن تھا بلکہ اس وقت تک تو دنیا کی کئی آبادیوں کا ابھی پتہ بھی نہیں لگا تھا اور دور دراز سفروں کے ذرائع ایسے مشکل تھے کہ گویا معدوم تھے بلکہ اگر وہ ساٹھ برس الگ کر دئے جائیں جو اس عاجز کی عمر کے ہیں تو 1257 ہجری تک بھی اشاعت کے وسائل کاملہ گویا کالعدم تھے اور اس زمانہ تک امریکہ کل اور یورپ کا اکثر حصہ قرآنی تبلیغ اور اس کے دلائل سے بےنصیب رہا ہوا تھا بلکہ دور دور ملکوں کے گوشوں میں تو ایسی بےخبری تھی کہ گویا وہ لوگ اسلام کے نام سے بھی ناواقف تھے۔ **غرض آیت موصوفہ بالا میں جو فرمایا گیا تھا کہ اے زمین کے باشندو! میں تم سب کی طرف رسول ہوں عملی طور پر اس آیت کے مطابق تمام دنیا کو ان دنوں سے پہلے ہرگز تبلیغ نہیں ہوسکی اور نہ اتمام حجت ہوا کیونکہ وسائل اشاعت موجود نہیں تھے** اور نیز زبانوں کی اجنبیت سخت روک تھی اور نیز یہ کہ دلائل حقانیت اسلام کی واقفیت اس پر موقوف تھی کہ اسلامی ہدایتیں غیر زبانوں میں ترجمہ ہوں اور یا وہ لوگ خود اسلام کی زبان سے واقفیت پیدا کر لیں اور یہ دونوں امر اس وقت غیر ممکن تھے۔ لیکن قرآن شریف کا یہ فرمانا کہ وَمَنْۢ بَلَغَ (انعام:20) یہ امید دلاتا تھا کہ ابھی اور بہت سے لوگ ہیں جو ابھی تبلیغ قرآنی ان تک نہیں پہنچی ایسا ہی آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (الجمعة:4) اس بات کو ظاہر کر رہی تھی کہ گو آنحضرت ﷺ کی حیات میں ہدایت کا ذخیرہ کامل ہو گیا مگر ابھی اشاعت ناقص ہے۔

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔ خ جلد 17 صفحہ 260-261)

تکمیل اشاعتِ ہدایت اسلام حضرت اقدسؑ کے ذریعہ مقدر تھی

ضرور تھا کہ جیسا کہ تکمیلِ ہدایت آنحضرت ﷺ کے ہاتھ سے ہوئی ایسا ہی تکمیل اشاعتِ ہدایت بھی آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے ہو کیونکہ یہ دونوں آنحضرت ﷺ کے منصبی کام تھے لیکن سنت اللہ کے لحاظ سے اس قدر خلود آپ کے لئے غیر ممکن تھا کہ آپ اس آخری زمانہ کو پاتے اور نیز ایسا خلود شرک کے پھیلنے کا ایک ذریعہ تھا اس لئے **خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی اس خدمتِ منصبی کو ایک ایسے امّتی کے ہاتھ سے پورا کیا کہ جو اپنی خو اور روحانیت کے رو سے گویا آنحضرت ﷺ کے وجود کا ایک ٹکڑا تھا یا یوں کہو کہ وہی تھا اور آسمان پر ظلّی طور پر آپؐ کے نام کا شریک تھا** اور ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ تکمیل ہدایت کا چھٹا دن تھا یعنی جمعہ۔ اس لئے رعایت تناسب کے لحاظ سے تکمیل اشاعت ہدایت کا دن بھی چھٹا دن ہی مقرر کیا گیا یعنی آخر الف ششم جو خدا کے نزدیک دنیا کا چھٹا دن ہے جیسا کہ اس وعدہ کی طرف آیت لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصّف:10) اشارہ فرما رہی ہے **اور اس چھٹے دن میں آنحضرت ﷺ کے خو اور رنگ پر ایک شخص جو مظہر تجلیاتؐ احمدیہ اور محمدیہ تھا مبعوث فرمایا گیا تا تکمیل ہدایت فرقانی اس مظہر تام کے ذریعہ سے ہو جائے۔** (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 259-258)

خدا تعالیٰ نے جو اتمام نعمت کی ہے وہ یہی دین ہے جس کا نام اسلام رکھا ہے۔ پھر نعمت میں جمعہ کا دن بھی ہے جس روز اتمام نعمت ہوا۔ یہ اس کی طرف اشارہ تھا کہ پھر اتمام نعمت جو لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی صورت میں ہوگا وہ بھی ایک عظیم الشان جمعہ ہوگا۔ وہ جمعہ اب آ گیا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے وہ جمعہ مسیح موعود کے ساتھ مخصوص رکھا ہے اس لئے کہ اتمام نعمت کی صورتیں دراصل دو ہیں اول تکمیل ہدایت دوم تکمیل اشاعت ہدایت۔ اب تم غور کر کے دیکھو تکمیل ہدایت تو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کامل طور پر ہو چکی **لیکن اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا تھا کہ تکمیل اشاعت ہدایت کا زمانہ دوسرا زمانہ ہو جبکہ آنحضرت ﷺ بروزی رنگ میں ظہور فرماویں اور وہ زمانہ مسیح موعود اور مہدی کا زمانہ ہے۔ یہی وجہ کہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصّف:10) اس شان میں فرمایا گیا ہے۔ تمام مفسّرین نے بالاتفاق اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ یہ آیت مسیح موعود کے زمانہ سے متعلق ہے۔** درحقیقت اظہارِ دین اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ کل مذاہب میدان میں نکل آویں اور اشاعتِ مذہب کے ہر قسم کے مفید ذریعے پیدا ہو جائیں اور وہ زمانہ خدا کے فضل سے آ گیا ہے۔ چنانچہ اس وقت پریس کی طاقت سے کتابوں کی اشاعت اور طبع میں جو جو سہولتیں میسر آئی ہیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ ڈاکخانوں کے ذریعہ سے کل دنیا میں تبلیغ ہو سکتی ہے۔ اخباروں کے ذریعہ سے تمام دنیا کے حالات پر اطلاع ملتی ہے۔ ریلوں کے ذریعہ سے سفر آسان کر دیے گئے ہیں۔ غرض جس قدر آئے دن نئی ایجادیں ہوتی جاتی ہیں اسی قدر عظمت کے ساتھ مسیح موعود کے زمانہ کی تصدیق ہوتی جاتی ہے اور اظہارِ دین کی صورتیں نکلتی آتی ہیں۔ اس لئے یہ وقت وہی وقت ہے جس کی پیشگوئی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کہہ کر فرمائی تھی۔ یہ وہی زمانہ ہے جو اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (المائدہ:4) کی شان کو بلند کرنے والا اور تکمیل اشاعت ہدایت کی صورت میں دوبارہ اتمام نعمت کا زمانہ ہے اور پھر یہ وہی وقت اور جمعہ ہے جس میں وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعہ:4) کی پیشگوئی پوری ہوتی ہے **اس وقت رسول اللہ ﷺ کا ظہور بروزی رنگ میں ہوا ہے** اور ایک جماعتِ صحابہؓ کی پھر قائم ہوئی ہے۔ اتمام نعمت کا وقت آ پہنچا ہے لیکن تھوڑے ہیں جو اس سے آگاہ ہیں اور بہت ہیں جو ہنسی کرتے اور ٹھٹھوں میں اڑاتے ہیں۔ مگر وہ وقت قریب ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق تجلّی فرمائے گا اور اپنے زور آور حملوں سے دکھاوے گا کہ اس کا نذیر سچا ہے۔ (ملفوظات جلد 2 صفحہ 135-134)

حضرت اقدسؑ آنحضرت ﷺ کی آمد ثانی ہیں

چونکہ آنحضرت ﷺ کا دوسرا فرض منصبی جو تکمیل اشاعت ہدایت ہے آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بوجہ عدم وسائل اشاعت غیر ممکن تھا اس لئے قرآن شریف کی آیت وَ اٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ (الجمعہ:4) میں آنحضرت ﷺ کی آمد ثانی کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اس وعدہ کی ضرورت اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ تا دوسرا فرض منصبی آنحضرت ﷺ کا یعنی تکمیل اشاعت ہدایت دین جو آپ کے ہاتھ سے پورا ہونا چاہئے تھا اس وقت بباعث عدم وسائل پورا نہیں ہوا۔ **سو اس فرض کو آنحضرت ﷺ نے اپنی آمد ثانی سے جو بروزی رنگ میں تھی ایسے زمانہ میں پورا کیا جبکہ زمین کی تمام قوموں تک اسلام پہنچانے کیلئے وسائل پیدا ہو گئے تھے۔** (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 263 حاشیہ)

اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو جو مسیح موعود کے ساتھ ہے یہ درجہ عطا فرمایا ہے کہ وہ صحابہؓ کی جماعت سے ملنے والی ہے وَ اٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ (الجمعہ:4) **مفسّروں نے مان لیا ہے کہ یہ مسیح موعود والی جماعت ہے اور یہ گویا صحابہؓ کی ہی جماعت ہوگی اور وہ مسیح موعود کے ساتھ نہیں درحقیقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی ہیں کیونکہ مسیح موعود آپ ؐ ہی کے ایک جمال میں آئے گا اور تکمیل تبلیغ اشاعت کے کام کیلئے وہ مامور ہوگا۔**

(ملفوظات جلد اول صفحہ 405)

ہمچنیں عشقم بروئے مصطفٰے
دل پرد چوں مرغ سوئے مصطفٰے

ایسا ہی عشق مجھے مصطفٰے کی ذات سے ہے
میرا دل ایک پرندہ کی طرح مصطفٰے کی طرف اڑ کر جاتا ہے

تامرا داوند از حسنش خبر
شد دلم از عشقِ او زیر و زبر

جب سے مجھے اس کے حسن کی خبر دی گئی ہے
میرا دل اس کے عشق میں بے قرار رہتا ہے

منکہ مے بینم رخِ آں دلبرے
جاں فشانم گر دہد دل دیگرے

میں اس دلبر کا چہرہ دیکھ رہا ہوں اگر کوئی
اسے دل دے تو میں اسکے مقابلہ پر جان نثار کردوں

ساقیِ من ہست آں جاں پرورے
ہر زماں مستم کند از ساغرے

وہی روح پرور شخص تو میرا ساقی ہے
جو ہمیشہ جام شراب سے مجھے سرشار رکھتا ہے

محوِ روئے او شد است ایں روئے من
بوئے او آید زبام و کوئے من

یہ میرا چہرہ اس کے چہرہ میں محو اور گم ہو گیا
اور میرے مکان اور کوچہ سے اسی کی خوشبو آرہی ہے

بسکہ من در عشقِ او ہستم نہاں
من ہمانم ۔ من ہمانم ۔ من ہماں

از بسکہ میں اس کے عشق میں غائب ہوں
میں وہی ہوں ۔ میں وہی ہوں ۔ میں وہی ہوں

جانِ من از جانِ او یا بد غذا
از گریبانم عیاں شد آں ذکا!

میری روح اس کی روح سے غذا حاصل کرتی ہے
اور میرے گریباں سے وہی سورج نکل آیا ہے

احمد اندر جانِ احمد شد پدید
اسمِ من گردید آں اسمِ وحید

احمد کی جان کے اندر احمد ظاہر ہو گیا اس لئے
میرا وہی نام ہو گیا جو اس لاثانی انسان کا نام ہے

(سراج منیر۔ ر۔خ جلد 12 صفحہ 97`96)

وَ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (سورة الجمعة: 4)

اور اس آیت میں جو منہم کا لفظ ہے وہ ظاہر کر رہا تھا کہ ایک شخص اس زمانہ میں جو تکمیل اشاعت کیلئے موزوں ہے مبعوث ہوگا جو آنخضرت ﷺ کے رنگ میں ہوگا اور اس کے دوست مخلص صحابہ کے رنگ میں ہوں گے............اس وقت حسب منطوق آیت وَ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ اور نیز حسب منطوق آیت قُلْ یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّی رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف:159) آنخضرت ﷺ کے دوسرے بعث کی ضرورت ہوئی اور ان تمام خادموں نے جو ریل اور تار اور اگن بوٹ اور مطابع اور احسن انتظام ڈاک اور باہمی زبانوں کا علم اور خاص کر ملک ہند میں اردو نے جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک زبان مشترک ہوگئی تھی آنخضرت ﷺ کی خدمت میں بزبان حال درخواست کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم تمام خدام حاضر ہیں اور فرض اشاعت پورا کرنے کیلئے بدل وجان سرگرم ہیں۔ آپ تشریف لائیے اور اس اپنے فرض کو پورا کیجئے کیونکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ میں تمام کافہ ناس کیلئے آیا ہوں اور اب یہ وہ وقت ہے کہ آپ ان تمام قوموں کو جو زمین پر رہتی ہیں قرآنی تبلیغ کر سکتے ہیں اور اشاعت کو کمال تک پہنچا سکتے ہیں اور اتمام حجت کیلئے تمام لوگوں میں دلائل حقانیت قرآن پھیلا سکتے ہیں۔ **تب آنخضرت ﷺ کی روحانیت نے جواب دیا کہ دیکھو میں بروز کے طور پر آتا ہوں۔ مگر میں ملک ہند میں آؤں گا کیونکہ جوش مذاہب واجتماع جمیع ادیان اور مقابلہ جمیع ملل ونحل اور امن اور آزادی اسی جگہ ہے اور نیز آدم علیہ السلام اسی جگہ نازل ہوا تھا۔ پس ختم دور زمانہ کے وقت بھی وہ جو آدم کے رنگ میں آتا ہے اسی ملک میں اس کو آنا چاہئے تا آخر اور اول کا ایک ہی جگہ اجتماع ہو کر دائرہ پورا ہو جائے۔** (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 263-261)

وہ آیا منتظر تھے جس کے دن رات ۔۔۔ معمہ کھل گیا روشن ہوئی بات
دکھائیں آسماں نے ساری آیات ۔۔۔ زمیں نے وقت کی دے دیں شہادات
پھر اس کے بعد کون آئے گا ہیہات ۔۔۔ خدا سے کچھ ڈرو چھوڑو معادات
خدا نے اک جہاں کو یہ سنادی ۔۔۔ فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

مسیح وقت اب دنیا میں آیا ۔۔۔ خدا نے عہد کا دن ہے دکھایا
مبارک وہ جو اب ایمان لایا ۔۔۔ صحابہؓ سے ملا جب مجھ کو پایا
وہی مے ان کو ساقی نے پلادی ۔۔۔ فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

خدا کا ہم پہ بس لطف و کرم ہے ۔۔۔ وہ نعمت کون سی باقی جو کم ہے
زمینِ قادیاں اب محترم ہے ۔۔۔ ہجومِ خلق سے ارضِ حرم ہے
ظہورِ عون و نصرت دمبدم ہے ۔۔۔ حسد سے دشمنوں کی پشت خم ہے
سنو ! اب وقتِ توحیدِ اَتم ہے ۔۔۔ ستم اب مائلِ ملکِ عدم ہے
خدا نے روک ظلمت کی اٹھادی ۔۔۔ فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

(درثمین اردو۔ بشیر احمد، شریف احمد، اور مبارکہ کی آمین)

حضرت اقدسؑ اسلام کے نور کے متمم ہیں

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَ اللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ o (الصف:9)

مسیح موعود اسلام کے قمر کا متمم نور ہے اس لئے اس کی تجدید چاند کی چودھویں رات سے مشابہت رکھتی ہے اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیت میں کہ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ (الصّف:10) کیونکہ اظہار تام اور اتمام نور ایک ہی چیز ہے اور یہ قول کہ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الْاَدْیَانِ کُلَّ الْاِظْھَارِ مساوی اس قول سے ہے کہ لِیُتِمَّ نُوْرَہٗ کُلَّ الْاِتْمَامِ۔ (تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ جلد17 صفحہ124)

مسیح موعود کو چودھویں صدی کے سر پر پیدا کرنا اس طرف اشارہ تھا کہ اس کے وقت میں اسلامی معارف اور برکات کمال تک پہنچ جائیں گی جیسا کہ آیت لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ **(الصّف:10) میں اسی کمال تام کی طرف اشارہ ہے۔** (تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ جلد 17 صفحہ 209 حاشیہ)

تھا برس چالیس کا میں اس مسافر خانہ میں جبکہ میں نے وحیِ ربّانی سے پایا افتخار

اس قدر یہ زندگی کیا افترا میں کٹ گئی پھر عجب تر یہ کہ نصرت کے ہوئے جاری بحار

ہر قدم پر میرے مولیٰ نے دیے مجھ کو نشاں ہر عدو پر حجت حق کی پڑی ہے ذوالفقار

نعمتیں وہ دیں مرے مولیٰ نے اپنے فضل سے جن سے ہیں معنی اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ **آشکار**

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ر۔خ جلد 21 صفحہ 135)

منصب مہدی اور مسیح علیہ السلام

افسوس ہے کہ جیسے حدیث میں آیا ہے کہ ایک درمیانی زمانہ آوے گا جو فیج اعوج ہے۔ یعنی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک میرا زمانہ برکت والا ہے۔ ایک آنے والے مسیح و مہدی کا۔ مسیح و مہدی کوئی دو الگ اشخاص نہیں ان سے مراد ایک ہی ہے۔ مہدی ہدایت یافتہ سے مراد ہے۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مسیح مہدی نہیں۔ مہدی مسیح ہو یا نہ ہو لیکن مسیح کے مہدی ہونے سے انکار کرنا مسلمان کا کام نہیں۔ اصل میں اللہ تعالیٰ نے یہ دو الفاظ سب وشتم کے مقابل بطور ذبّ کے رکھے ہیں کہ وہ کافر، ضال، مضل نہیں۔ بلکہ مہدی ہے۔ چونکہ اس کے علم میں تھا کہ آنیوالے مسیح و مہدی کو دجال و گمراہ کہا جائے گا، اس لئے اسے مسیح و مہدی کہا گیا۔ دجال کا تعلق اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ (الاعراف:177) سے تھا اور مسیح کا رفع آسمانی ہونا تھا۔ **سو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا اس کی تکمیل دو ہی زمانوں میں ہونی تھی۔ ایک آپ ﷺ کا زمانہ اور ایک آخری مسیح و مہدی کا زمانہ** یعنی ایک زمانے میں تو قرآن اور سچی تعلیم نازل ہوئی، لیکن اس تعلیم پر فیج اعوج کے زمانہ نے پردہ ڈال دیا۔ جس پردہ کا اٹھایا جانا مسیح کے زمانہ میں مقدر تھا۔ جیسے کہ فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک تو موجودہ جماعت یعنی جماعت صحابہ کرامؓ کا تزکیہ کیا اور ایک آنیوالی جماعت کا جسکی شان میں لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (الجمعہ:4) آیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ **خدا تعالیٰ نے بشارت دی کہ ضلالت کے وقت اللہ تعالیٰ اس دین کو ضائع نہ کرے گا۔ بلکہ آنے والے زمانہ میں خدا تعالیٰ حقائق قرآنیہ کو کھول دے گا۔ آثار میں ہے۔ کہ آنے والے مسیح کی ایک یہ فضیلت ہوگی۔ کہ وہ قرآنی فہم اور معارف کا صاحب ہوگا اور صرف قرآن سے استنباط کر کے لوگوں کو ان کی غلطیوں سے متنبہ کرے گا۔ جو حقائق قرآن کی ناواقفیت سے لوگوں میں پیدا ہوگئی ہوں گی۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 25)

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰ ھُمْ اقْتَدِہْط قُلْ لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَo (الانعام:91)

یہ کمالات متفرقہ اس امت میں جمع کرنے کا کیوں وعدہ دیا گیا؟ اس میں بھید یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ جامع کمالات متفرقہ ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَبِھُدٰ ھُمُ اقْتَدِہْ (الانعام:91) یعنی تمام نبیوں کو جو ہدایتیں ملی تھیں۔ ان سب کا اقتدا کر۔ **پس ظاہر ہے کہ جو شخص ان تمام متفرق ہدایتوں کو اپنے اندر جمع کرے گا۔ اس کا وجود ایک جامع وجود ہو جائے گا اور تمام نبیوں سے وہ افضل ہوگا۔ پھر جو شخص اس نبی جامع الکمالات کی پیروی کرے گا ضرور ہے کہ ظلی طور پر وہ بھی جامع الکمالات ہو۔**

(چشمہ مسیحی۔ ر۔خ جلد 20 صفحہ 381)

غیر کیا جانے کہ دلبر سے ہمیں کیا جوڑ ہے — وہ ہمارا ہو گیا اس کے ہوئے ہم جاں نثار
میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں — نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار
اک شجر ہوں جس کو داؤدی صفت کے پھل لگے — میں ہوا داؤد اور جالوت ہے میرا شکار

(درثمین اردو صفحہ 123 نیا ایڈیشن)

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ ر۔خ جلد 21 صفحہ 133)

انیسویں فصل

معارف قرآن کریم میں دعوت مقابلہ

مقابلہ کی دعوتِ عام

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے — کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشان دکھلائے — یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا — نور ہے نور اُٹھو دیکھو سُنایا ہم نے
اور دینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا — کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
تھک گئے ہم تو اِنہی باتوں کو کہتے کہتے — ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے
آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند — ہر مخالف کو مقابل پہ بُلایا ہم نے

(آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ جلد 5 صفحہ 225`224)

این ست نشانِ آسمانی! — مثلش بنما اگر توانی ! !

اس کتاب کا نام ''نشانِ آسمانی'' ہے اگر ہوسکتا ہے تو اسکی نظیر لا

یا صوفیءِ خویش را بروں آر — یا توبہ بکن ز بدگمانی ! !

یا تو اپنے صوفی کو باہر نکال یا پھر بدگمانی سے توبہ کر

(نشانِ آسمانی۔ر۔خ جلد 4 صفحہ 355)

اے شک کرنے والو! آسمانی فیصلہ کی طرف آجاؤ!

اے بزرگو! اے مولویو! اے قوم کے منتخب لوگو! خدا تعالیٰ آپ لوگوں کی آنکھیں کھولے۔ غیظ اور غضب میں آکر حد سے مت بڑھو۔ میری اس کتاب کے دونوں حصوں کو غور سے پڑھو کہ ان میں نور اور ہدایت ہے خدا تعالیٰ سے ڈرو اپنی زبان کو تکفیر سے تھام لو۔ خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں ایک مسلمان ہوں۔

اٰمنت باللّٰہ وملٰئکتہٖ و کتبہٖ ورُسُلِہٖ ولبعث بعد الموت واشھد ان لا الٰہ الّا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشھد انّ محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ فاتقو اللّٰہ ولا تقولوا لستَ مسلماً واتّقو الملک الذی الیہ ترجعون۔

اور اگر اب بھی اس کتاب کے پڑھنے کے بعد شک ہے تو آؤ آزمالو خدا کس کے ساتھ ہے اے میرے مخالف الرائے مولویو اور صوفیو! اور سجادہ نشینو! جو مکفّر اور مکذّب ہو مجھے یقین دلایا گیا ہے کہ اگر آپ لوگ مل جُل کر یا ایک ایک آپ میں سے اُن آسمانی نشانوں میں میرا مقابلہ کرنا چاہیں جو اولیاء الرحمٰن کے لازم حال ہوا کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ تمہیں شرمندہ کریگا اور تمہارے پردوں کو پھاڑ دیگا اور اُسوقت تم دیکھو گے کہ وہ میرے ساتھ ہے کیا کوئی تم میں ہے؟ کہ اس آزمائش کے لئے میدان میں آوے اور عام اعلان اخباروں کے ذریعہ سے دیکر ان تعلّقات قبولیت میں جو میرا ربّ میرے ساتھ رکھتا ہے اپنے تعلقات کا موازنہ کرے۔ یاد رکھو کہ خدا صادقوں کا مددگار رہے وہ اسی کی مدد کریگا جسکو وہ سچا جانتا ہے۔ چالاکیوں سے باز آجاؤ کہ وہ نزدیک ہے۔ کیا تم اُس سے لڑوگے؟ کیا کوئی متکبّرانہ اُچھلنے سے درحقیقت اُونچا ہوسکتا ہے کیا صرف زبان کی تیزیوں سے سچائی کو کاٹ دوگے اُس ذات سے ڈرو جس کا غضب سب غضبوں سے بڑھ کر ہے۔

اِنَّہٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّہٗ مجْرِماً فَاِنَّ لَہٗ جَہَنَّم لَا یَمُوْتُ فِیْہَاوَلَا یَحییٰ

النَّاصِح

خاکسار غلام احمد قادیانی از لودھیانہ محلّہ اقبال گنج

(ازالہ اوھام۔ ر۔خ جلد 3 صفحہ 102)

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجام کار

(درثمین اردو صفحہ 128) (براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 137)

مردِ میداں باش و حالِ ما ببیں نصرتِ آں ذوالجلالِ ما ببیں

مرد میدان بن اور ہمارا حال دیکھ۔ نیز ہمارے اس ذوالجلال کی مدد دیکھ

طعنہ ہا بے امتحاں نامردی است امتحان کن پس مآلِ ما ببیں

بغیر امتحان کے طعنے دینا نامردی ہے۔ امتحان کر پھر ہمارا نتیجہ اور انجام دیکھ

(حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ جلد 22 صفحہ 599)

پھر ایک اور پیشگوئی نشان الٰہی ہے۔ جو براہین کے صفحہ 238 میں درج ہے۔ اور وہ یہ ہے الرحمن علم القرآن۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے علم قرآن کا وعدہ دیا تھا۔ سو اس وعدہ کو ایسے طور سے پورا کیا کہ اب کسی کو معارف قرآنی میں مقابلہ کی طاقت نہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر کوئی مولوی اس ملک کے تمام مولویوں میں سے معارف قرآنی میں مجھ سے مقابلہ کرنا چاہے اور کسی سورۃ کی ایک تفسیر میں لکھوں اور ایک کوئی اور مخالف لکھے تو وہ نہایت ذلیل ہوگا اور مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ اور یہی وجہ ہے کہ باوجود اصرار کے مولویوں نے اس طرف رخ نہیں کیا۔ پس یہ ایک عظیم الشان نشان ہے مگر ان کیلئے جو انصاف اور ایمان رکھتے ہیں۔ (انجام آتھم۔ ر۔خ جلد 11 صفحہ 291-293)

مذہب وہی مذہب ہے جو زندہ مذہب ہو اور زندگی کی روح اپنے اندر رکھتا ہو اور زندہ خدا سے ملاتا ہو۔ **اور میں صرف یہی دعویٰ نہیں کرتا کہ خدا تعالیٰ کی پاک وحی سے غیب کی باتیں میرے پر کھلتی ہیں اور خارق عادت امر ظاہر ہوتے ہیں بلکہ یہ بھی کہتا ہوں کہ جو شخص دل کو پاک کر کے اور خدا اور اس کے رسول پر سچی محبت رکھ کر میری پیروی کرے گا وہ بھی خدا تعالیٰ سے یہ نعمت پائے گا۔ مگر یاد رکھو کہ تمام مخالفوں کے لئے یہ دروازہ بند ہے** اور اگر دروازہ بند نہیں ہے تو کوئی آسمانی نشانوں میں مجھ سے مقابلہ کرے۔ اور یاد رکھیں کہ ہرگز نہیں کر سکیں گے۔ پس یہ اسلامی حقیت اور میری حقانیت کی ایک زندہ دلیل ہے۔

ختم ہوا پہلا نمبر اربعین کا۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ

المشتہر مرزا غلام احمد مسیح موعود از قادیان 23 / جولائی 1900ء

(اربعین نمبر 1۔ ر۔ خ جلد 17 صفحہ 346)

آؤ لوگو! کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے !! لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

(درثمین اردو) (آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔ خ جلد 5 صفحہ 225)

الہام حضرت اقدسؑ

بارھویں پیشگوئی جو براہین احمدیہ کے صفحہ 238 اور 239 میں لکھی ہے علم قرآن ہے اس پیشگوئی کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تجھ کو علم قرآن دیا گیا ہے ایسا علم جو باطل کو نیست کریگا۔ اور اسی پیشگوئی میں فرمایا کہ دو انسان ہیں جنکو بہت ہی برکت دی گئی۔ ایک وہ معلم جس کا نام محمد مصطفی ﷺ ہے اور ایک یہ متعلم یعنی اس کتاب کا لکھنے والا۔ اور یہ اس آیت کی طرف بھی اشارہ ہے جو قرآن شریف میں اللہ جلّشانہٗ فرماتا ہے۔ **وآخرین منھم لما یلحقوا بھم۔** (الجمعۃ:4) یعنی اس نبی کے اور شاگرد بھی ہیں جو ہنوز ظاہر نہیں ہوئے اور آخری زمانہ میں انکا ظہور ہوگا۔ یہ آیت اسی عاجز کی طرف اشارہ تھا کیونکہ جیسا کہ ابھی الہام میں ذکر ہو چکا ہے یہ عاجز روحانی طور پر آنحضرت ﷺ کے شاگردوں میں سے ہے۔ اور یہ پیشگوئی جو قرآنی تعلیم کی طرف اشارہ فرماتی ہے۔ اسی کی تصدیق کیلئے کتاب کرامات الصادقین لکھی گئی تھی۔ جسکی طرف کسی مخالف نے رُخ نہیں کیا۔ **اور مجھے اس خدا کی قسم ہے جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے قرآن کے حقائق اور معارف کے سمجھنے میں ہر ایک روح پر غلبہ دیا گیا ہے اور اگر کوئی مولوی مخالف میرے مقابل پر آتا جیسا کہ میں نے قرآنی تفسیر کے لئے بار بار انکو بلایا تو خدا اسکو ذلیل اور شرمندہ کرتا۔** سو فہم قرآن جو مجھ کو عطا کیا گیا یہ اللہ جلّشانہٗ کا ایک نشان ہے میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ عنقریب دنیا دیکھے گی کہ میں اس بیان میں سچا ہوں۔ (سراج منیر۔ ر۔ خ جلد 12 صفحہ 41-40)

چوتھا نشان قرآن کریم کے دقائق اور معارف کا ہے کیونکہ معارفِ قرآن اُس شخص کے سِوا اور کسی پر نہیں کُھل سکتے جس کی تطہیر ہو چکی ہو۔

لا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ (الواقعہ:80)

میں نے کئی مرتبہ کہا ہے کہ میرے مخالف بھی ایک سُورۃ کی تفسیر کریں اور مَیں بھی تفسیر کرتا ہوں۔ پھر مقابلہ کر لیا جاوے، مگر کسی نے جُرأت نہیں کی۔ محمد حسین وغیرہ نے تو یہ کہہ دیا کہ ان کو عربی کا صیغہ نہیں آتا اور جب کتابیں پیش کی گئیں تو بودے اور رکیک عذر کر کے ٹال دیا کہ یہ عربی توا روی کچا لوہے۔ مگر یہ نہ ہو سکا کہ ایک صفحہ ہی بنا کر پیش کر دیتا اور دکھا دیتا کہ عربی یہ ہے۔

غرض یہ چار نشان ہیں جو خاص طور پر میری صداقت کے لئے مجھے ملے ہیں۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 183)

پانچواں وہ امر جو مباہلہ کے بعد میرے لئے عزّت کا موجب ہوا۔علم قرآن میں اتمام حجت ہے۔ میں نے یہ علم پا کر تمام مخالفوں کو کیا عبدالحق کا گروہ اور کیا بطالوی کا گروہ **غرض سب کو بلند آواز سے اس بات کے لئے مدعو کیا کہ مجھے علم حقائق اور معارف قرآن دیا گیا ہے۔ تم لوگوں میں سے کسی کی مجال نہیں کہ میرے مقابل پر قرآن شریف کے حقائق ومعارف بیان کر سکے۔** سو اس اعلان کے بعد میرے مقابل ان میں سے کوئی بھی نہ آیا۔ اور اپنی جہالت پر جو تمام ذلتوں کی جڑ ہے انہوں نے مہر لگا دی۔ سو یہ سب کچھ مباہلہ کے بعد ہوا۔ اور اسی زمانہ میں کتاب کرامات الصادقین لکھی گئی۔ اس کرامت کے مقابل پر کوئی شخص ایک حرف بھی نہ لکھ سکا۔ تو کیا اب تک عبدالحق اور اس کی جماعت ذلیل نہ ہوئی۔ اور کیا اب تک یہ ثابت نہ ہوا کہ مباہلہ کے بعد یہ عزت خدا نے مجھے دی۔

(انجام آتھم۔ ر۔خ جلد11 صفحہ 311 حاشیہ)

ان تمام الہامات میں یہ پیشگوئی تھی کہ خدا تعالیٰ میرے ہاتھ سے اور میرے ہی ذریعہ سے دین اسلام کی سچائی اور تمام مخالف دینوں کا باطل ہونا ثابت کر دے گا۔ سو آج وہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ کیونکہ میرے مقابل پر کسی مخالف کو تاب وتواں نہیں کہ اپنے دین کی سچائی ثابت کر سکے میرے ہاتھ سے آسمانی نشان ظاہر ہو رہے ہیں اور **میرے قلم سے قرآنی حقائق اور معارف چمک رہے ہیں۔** اٹھو اور تمام دنیا میں تلاش کرو کہ کیا کوئی عیسائیوں میں سے یا سکھوں میں سے یا یہودیوں میں سے یا کسی اور فرقہ میں سے کوئی ایسا ہے کہ آسمانی نشانوں کے دکھلانے اور معارف اور حقائق کے بیان کرنے میں میرا مقابلہ کر سکے میں وہی ہوں جسکی نسبت یہ حدیث صحاح میں موجودہ ہے کہ اس کے عہد میں تمام ملتیں ہلاک ہو جائیں گی مگر اسلام کہ وہ ایسا چمکے گا جو درمیانی زمانوں میں کبھی نہیں چمکا ہوگا۔

(تریاق القلوب۔ ر۔خ جلد 15 صفحہ 267)

علم قرآں ۔ علمِ آں طیّب زباں — علمِ غیب از وحیءِ خلّاقِ جہاں
قرآن کا علم اور اس پاک کلام کا علم — اور الہام الٰہی سے غیب کا علم
ایں سہ علم چوں نشا نہا دادہ اند — ہر سہ ہمچوں شاہداں استادہ اند
یہ تین علم مجھے نشان کے طور پر دیئے گئے ہیں — اور تینوں بطور گواہ میری تائید میں کھڑے ہیں

(درثمین فارسی)(تحفہ غزنویہ۔ ر۔خ جلد 15 صفحہ 533)

دعوت مقابلہ معجزات میں

الہام حضرت اقدسؑ

اور مجھے آگ سے مت ڈراؤ۔ کیونکہ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام[1] ہے۔ (اربعین نمبر3 صفحہ 37`38)

[1] - ''یہ فقرہ بطور حکایت میری طرف سے خدا تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔'' (اربعین نمبر3 صفحہ 38 حاشیہ)

عرض کیا گیا کہ آریہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے پر اعتراض کرتے ہیں تو فرمایا:۔

ان لوگوں کے اعتراض کی جڑ معجزات اور خوارق پر نکتہ چینی کرنا ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے دعویٰ کرتے ہیں اور اسی لئے خدا تعالیٰ نے ہمیں مبعوث کیا ہے کہ قرآن کریم میں جس قدر معجزات اور خوارق انبیاء کے مذکور ہوئے ہیں ان کو خود دکھا کر قرآن کی حقانیت کا ثبوت دیں۔ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر دنیا کی کوئی قوم ہمیں آگ میں ڈالے یا کسی اور خطرناک عذاب اور مصیبت میں مبتلا کرنا چاہے تو خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق ضرور ہمیں محفوظ رکھے گا۔......... (ملفوظات جلد سوم صفحہ 479-480)

نشاں کو دیکھ کر انکار کب تک پیش جائے گا — ارے اک اور جھوٹوں پر قیامت آنیوالی ہے
یہ کیا عادت ہے کیوں سچی گواہی کو چھپاتا ہے — تری اک روز اے گستاخ شامت آنیوالی ہے
ترے مکروں سے اے جاہل مرا نقصاں نہیں ہرگز — کہ یہ جاں آگ میں پڑکر سلامت آنیوالی ہے
اگر تیرا بھی کچھ دیں ہے بدل دے جو میں کہتا ہوں — کہ عزت مجھ کو اور تجھ پر ملامت آنیوالی ہے

(حقیقت الوحی۔ ر۔خ جلد22 صفحہ 595)

طریق مقابلہ

علامات چہارم یعنے معارف قرآنی کا کھلنا اسمیں احسن انتظام یہ ہے کہ ہر یک فریق چند آیات قرآنی کے معارف وحقائق ولطائف لکھ کر انجمن میں عین جلسہ عام میں سناوے پھر اگر جو کچھ کسی فریق نے لکھا ہے کسی پہلی تفسیر کی کتاب میں ثابت ہو جائے تو یہ شخص محض ناقل متصور ہو کر مورد عتاب ہو **لیکن اگر اسکے بیان کردہ حقائق ومعارف قرآنی جو فی حد ذاتہا صحیح اور غیر مخدوش بھی ہوں ایسے جدید اور نو وارد ہوں جو پہلے مفسرین کے ذہن انکی طرف سبقت نہ لے گئے ہوں اور باایں ہمہ وہ معنے من کل الوجوہ تکلف سے پاک اور قرآن کریم کے اعجاز اور کمال عظمت اور شان کو ظاہر کرتے ہوں اور اپنے اندر ایک جلالت اور ہیبت اور سچائی کا نور رکھتے ہوں تو سمجھنا چاہیے کہ وہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہیں جو خداوند تعالیٰ نے اپنے مقبول کی عزت اور قبولیت اور قابلیت ظاہر کرنے کیلئے اپنے لدنی علم سے عطا فرمائی ہیں۔** یہ ہر چہار محک امتحان جو میں نے لکھی ہیں یہ ایسی سیدھی اور صاف ہیں کہ جو شخص غور کے ساتھ انکو زیر نظر لائیگا وہ بلا شبہ اس بات کو قبول کرلیگا کہ متخاصمین کے فیصلہ کیلئے اس سے صاف اور سہل تر اور کوئی روحانی طریق نہیں **اور میں اقرار کرتا ہوں اور اللہ جلشانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میں اس مقابلہ میں مغلوب ہوگیا تو اپنے ناحق پر ہونے کا خود اقرار شائع کردونگا۔ اور پھر میاں نذیر حسین صاحب اور شیخ بٹالوی کی تکفیر اور مفتری کہنے کی حاجت نہیں رہے گی۔** (آسمانی فیصلہ۔ ر۔خ جلد4 صفحہ 330)

باب دوم حضرت اقدسؑ کا ذکر قرآن کریم میں

قرآن کریم میں انبیاء کے ذکر کا دستورِ خداوندی

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِکَ مِنْھُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْکَ وَ مِنْھُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ وَ مَا کَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلاَّ بِاِذْنِ اللّٰہِ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰہِ قُضِیَ بِالْحَقِّ وَ خَسِرَ ھُنَالِکَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ (المومن:79)

سورۃ نور میں بھی ذکر فرمایا گیا ہے کہ سلسلہ محمدیہ موسویہ سلسلہ کا مثیل ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیانی انبیاء کا ذکر قرآن شریف نے نہیں کیا لَمْ نَقْصُصْ کہہ دیا۔ یہاں بھی سلسلہ محمدیہ میں درمیانی خلفاء کا نام نہیں لیا۔ جیسے وہاں ابتداء اور انتہا بتائی یہاں بھی یہ بتا دیا کہ ابتداء مثیل موسیٰ سے ہوگی اور انتہاء مثیل عیسیٰ پر۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 475)

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	پہلی فصل **اصولی فرمودات**	
1	حضرت اقدسؑ کے الہامات وکشوف	105
2	سارا قرآن ہمارے ذکر سے بھرا ہوا ہے	106
3	قرآن شریف کی جس آیت میں آنحضرتؐ مراد ہوں۔ اسی آیت کا مصداق مسیح موعود بھی ہوتا ہے۔	107
4	حضرت اقدسؑ کے دعاوی کا فہم قرآن کے فہم کی کلید ہے۔	//
5	حضرت اقدسؑ کا ذکر اجمالاً قرآن حکیم میں اور تفصیلاً احادیث میں پایا جاتا ہے۔	//
6	اللہ تعالیٰ پردہ برانداز کلام نہیں فرماتا۔	108
7	مختلف پیرایوں میں ذکر کی حکمت	//
8	قرآن کریم کی سورتوں میں حضرت اقدسؑ اوران کی جماعت کا ذکر۔	//
9	قرآن کریم میں حضرت اقدسؑ کے کئی نام ہیں۔	109
10	سب نبیوں کے نام حضرت اقدسؑ کو دیئے گئے ہیں۔	//
11	مسیح موعود تمام انبیاء کے مظہر ہیں۔	110
	حضرت اقدس تمام انبیاء کے کمالات متفرقہ کے ظلی طور پر حامل ہیں	111
12	حضرت اقدسؑ وارث مصطفیٰؐ ہیں	112
13	قرآن کریم میں آئندہ کی پیشگوئیوں سے مراد حضرت اقدسؑ ہیں۔	113
14	حضرت اقدسؑ کا ذکر قرآن کریم میں اور آپ کی شان	114
	دوسری فصل	
15	سورۃ فاتحہ میں حضرت اقدسؑ کا ذکر	115
16	ترجمہ سورۃ فاتحہ بیان فرمودہ حضرت اقدسؑ	//
17	سورۃ فاتحہ میں قرآن کریم کی تمام تعلیم کا خلاصہ ہے۔	116
18	سورۃ الفاتحہ کا مقصد اعلیٰ حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی جماعت کی ترقی کی خبر ہے۔	//
19	سورۃ فاتحہ کا پہلا نام فاتحۃ الکتاب اور اس کی وجہ۔	//
20	السبع المثانی ...... سورۃ فاتحہ حضرت اقدسؑ پر دوبارہ نازل ہوئی ہے۔	117
21	سورۃ فاتحہ ایک پیشگوئی ہے۔	//
22	سورۃ فاتحہ کے نزول کی پیشگوئی۔	119
23	سورۃ فاتحہ میں تین دعائیں اور مسیح موعودؑ	121
24	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کریم کا خلاصہ ہے۔	122
25	بسم اللہ کا مقام اور مقصد	123
26	اسمِ اعظم کے ساتھ اَلرَّحْمٰنِ اَلرَّحِیْم تمام صفاتِ عظیمہ کا خلاصہ ہے۔	124
27	اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ ترجمہ بیان فرمودہ حضرت اقدسؑ	125
28	تفسیر۔ لفظ ''حمد''	//
29	اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں آنحضرتؐ کی طرف اشارہ ہے۔	126
30	اللہ تعالیٰ ظلّی طور پر اپنی صفات دینا چاہتا ہے۔	//

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
31	صحابہ رسول اکرمؐ میں بھی ان صفات کی تجلی چمکی۔	//
32	حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت بھی صحابہ ہی ہوگی۔	127
33	الحمد میں دو احمدوں کا ذکر ہے یعنی آنحضرتؐ اور حضرت مسیح موعودؑ	//
34	رب العالمین۔ ترجمہ اور معانی	129
35	روحانی پرورش بھی خدا تعالیٰ ہی کرتا ہے	130
36	رب العالمین میں حضرت اقدسؑ کا ذکر	131
37	الرحمن......ترجمہ اور معنی	132
38	الرحیم ...... تعریف و معانی	133
39	صفتِ رحیمیت صرف مومنوں کے ساتھ مخصوص ہے	134
40	رسول اکرمؐ صفاتِ رحمٰن اور رحیم کے مظہر اوّل ہیں۔	//
41	اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو صفتِ رحیمیت یعنی اسمِ احمد کا وارث بنایا ہے	136
42	قرآن کریم نے اسمِ محمدؐ کو موسیٰ اور اسمِ احمد کو عیسیٰ کا مثیل قرار دیا ہے۔	138
43	مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ...... لفظ دین کے لغوی معانی	140
44	آنحضرت ﷺ صفت مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے مظہر ہیں۔	141
45	حضرت مسیح موعودؑ کے زمانے کا نام یوم الدین ہے۔	//
46	اسمِ احمدؐ کے وارث حضرت اقدسؑ ہیں اور جمالی اعتبار سے یوم الدین کا ظہور ہے۔	142
47	آنحضرتؐ کی حضرت موسیٰ سے مماثلت اور حضرت اقدسؑ مثیل عیسیٰ ہیں۔	//
48	یوم الدین کی تجلی حضرت مسیح موعودؑ کے لئے بطور معجزات کے ہے۔	143
49	صفاتِ اربعہ میں حضرت اقدسؑ کا ذکر مجموعی اعتبار سے	146
50	صفاتِ اربعہ کا موصوف اللہ تعالیٰ ہے۔	//
51	صفاتِ اربعہ کی معنوی وضاحت۔	//
52	صفاتِ اربعہ مظہر الوہیت ہیں۔	//
53	آنحضرت صفاتِ اربعہ باری تعالیٰ کے مظہر کامل ہیں۔	147
54	باری تعالیٰ کی صفاتِ اربعہ میں ایک تعلیم ہے	148
55	جماعت احمدیہ میں داخل ہونے والے کا فرض	149
56	صفاتِ اربعہ کا ظہور مسیح موعود امامِ آخر الزمان میں	//
57	اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ ترجمہ اور معانی	153
58	معانی و تفسیر۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ	//
59	آیت اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں حضرت اقدسؑ کا ذکر	155
60	اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ۔ آیت کے لفظی معنی	156
61	معانیء ہدایت	//
62	تفسیری معنی ہدایت	157
63	ہدایت کی اقسام	158
64	ہدایت خدا تعالیٰ ہی سے ملتی ہے۔	160
65	ہدایت سے مراد بعثت حضرت اقدسؑ	//
66	معانی ”صراط“	161
67	حقیقی معانیء صراط	162
68	صراط سے مراد مسیح موعودؑ کی راہ ہے۔	//

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
69	معانیءِ استقامت	164
70	اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اُمّ الادعیہ ہے	165
71	صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے حقیقی معانی	//
72	کمالاتِ امامت کا راہ ہمیشہ کیلئے کھلا ہے	166
73	ہر زمانہ میں خدا تعالیٰ کے کلام کے زندہ ثبوت موجود ہوتے ہیں۔	167
74	اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے مراد حضرت اقدسؑ اوران کی جماعت ہے۔	168
75	ایک عزت کا خطاب	169
76	منعم علیہ دو گروہ ہیں۔	//
77	اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ وعدۂ مثیل وظلِ انبیاء ہے	170
78	ظلّی اور بروزی نبوّت دائمی ہے۔	171
79	حضرت اقدسؑ کی بعثت بطور بروز آنحضرتؐ ہے۔	173
80	اس آیت میں حضرت اقدسؑ کا ذکر ایک دعا کے اعتبار سے	175
81	غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ......معانی مغضوب علیہم	177
82	الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد مولوی فرقہ ہے۔	//
83	الْمَغْضُوْب عَلَيْهِمْ سے مراد مسیح موعود کے دشمن ہیں۔	//
84	الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ میں حضرت اقدسؑ کی بعثت کی پیشگوئی ہے۔	179
85	مثیل مسیحؑ اور مغضوب علیہم	180
86	حضرت اقدسؑ کا ذکر قرآن میں غیر المغضوب کے اعتبار سے	181
87	الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ایک دعا ہے۔	181
88	الضالین ...... معانی	183
89	الضالین......اور دجال سے مراد عیسائی ہیں	//
90	حضرت اقدسؑ کا ذکر قرآن کریم میں ولا الضالین کے اعتبار سے	//
91	غیر المغضوب علیھم و لا الضالین میں ایک تعلیم ہے	184
92	معانی ''مغضوب'' اور ''ضال'' حدیثِ رسول اکرمؐ کے مطابق	185
93	تفسیر ''مغضوب علیھم اور ضالین'' حضرت اقدسؑ کے فرمودات کے مطابق	186
94	غیر المغضوب علیھم ولا الضالین دعا کے اعتبار سے حضرت اقدسؑ کا ذکر	187
95	الدجال سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں	189
96	سورۃ الفاتحہ کا مقصود اعلیٰ مسیح موعود اور ان کی جماعت کی ترقی کی خبر ہے۔	190
97	حضرت اقدسؑ کا ذکر قرآن کریم کے اوّل و آخر میں۔	//
	تیسری فصل	
	حضرت اقدسؑ کا ذکر متفرق آیات قرآنیہ میں	
98	باری تعالیٰ کے اسمِ آخر کے مظہر ہونے کے اعتبار سے	192
99	دو احمد ہونے کے اعتبار سے	193
100	مثیلِ انبیاءؑ ہونے کے اعتبار سے	194
101	آخر زمانہ کے حقیقی آدم آنحضرتؐ ہیں	195
102	محدث نبی کا مثیل ہو کر وہی نام پاتا ہے	196
103	آدمؑ ثانی ہونے کے اعتبار سے	//

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
104	حضرت اقدسؑ کی پیدائش جمعہ کے دن اور عصر کے وقت ہوئی۔	196
105	حضرت اقدسؑ آدمؑ کی طرح سے توام پیدا ہوئے	197
106	آدمؑ ہزار ششم ہونے کے اعتبار سے	198
107	آدمؑ آخرزمان ہونے کے اعتبار سے	199
108	خاتم الخلفاء اور آدم ایک ہیں۔	201
109	مثیلِ نوحؑ ہونے اعتبار سے۔	//
110	مثیلِ ابراہیم ہونے کے اعتبار سے	203
111	مثیلِ یحیٰؑ ہونے کے اعتبار سے	//
112	خلافتِ موسویؑ اور خلافتِ محمدی کی مماثلت کے اعتبار سے	204
113	ہر مجدد کا خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک خاص نام ہے۔	206
114	حضرت اقدسؑ مثیل مسیح ابن مریمؑ ہیں	//
115	کاسرالصلیب ہونے کے اعتبار سے	211
116	آنحضرت ﷺ کے بروز ہونے کے اعتبار سے	212
117	آنحضرت ﷺ کی بعثت ثانی کے اعتبار سے	215
118	قرآن میں بیان کردہ دو گروہوں کے اعتبار سے	216
119	گروہِ آخرین سے حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی جماعت مراد ہے۔	218
120	آنحضرت ﷺ کے جمالی مظہر ہونے کے اعتبار سے	219
121	خلیفۃ اللہ اور خاتم الخلفاء ہونے کے اعتبار سے	//
122	ایک نیا نکتہ	221
123	حضرت اقدسؑ کی رسالت کے اعتبار سے	222
124	لفظ مُطَهِّرُکَ سے مراد حضرت اقدسؑ ہیں	223
125	خلفاء سلسلہ محمدیہ کی تعیین کے اعتبار سے	224
126	مکفرین کے سب وشتم کے اعتبار سے	//
127	ذاتی نمونے کے اعتبار سے	225
128	صاحب انعام ہونے کے اعتبار سے	226
129	معراج اور مسجد اقصیٰ سے مراد حضرت اقدسؑ کا زمانہ اور مسجد آپؑ کی مسجد ہے	227
130	غلبۂ اسلام عقلی استدلال کے اعتبار سے	228
131	حضرت اقدسؑ کو شناخت کئے جانے کے اعتبار سے	//
132	جہادِ بالسیف کی ممانعت کے اعتبار سے	229
133	حضرت اقدسؑ کا ملہم من اللہ ہونے کے اعتبار سے	230
134	تبتل الی اللہ کے اعتبار سے	231
135	مرسلین باری تعالیٰ کی فتح کے اعتبار سے	//
136	حضرت اقدسؑ کی رسالت کی مشکلات کے اعتبار سے	232
137	حضرت اقدسؑ کی آمد سے قیامتِ کبریٰ کا التوا ہوا	233
138	حضرت اقدسؑ کی وحی کا ذکر قرآن شریف میں	//
139	مسلمانوں کا یہود صفت ہونے کے اعتبار سے	234
140	وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا...... کے اعتبار سے	235
141	کامل علم غیب اور مکالمہ مخاطبہ کے اعتبار سے	236
142	عذاب کے نازل ہونے کی خبر کے اعتبار سے	237
143	عذاب سے مراد طاعون ہے	238
144	دابۃ الارض کے ظاہر ہونیکے اعتبار سے	240
145	نئی زمین اور نیا آسمان کے اعتبار سے	241

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
146	مردہ زمین کو زندہ کرنے کے اعتبار سے	241
147	مردے زندہ کئے جانے کے فرمان کے اعتبار سے	242
148	بنی نوع انسان کی ہمدردی کے اعتبار سے	243
149	دعوت اور تبلیغ عام کے اعتبار سے	〃
150	حضرت اقدسؑ نوع انسان کو جمع کریں گے	244
151	دین اور دنیا کی بھلائی کے اعتبار سے	〃
152	نشانات دکھلانے کے اعتبار سے	245
153	اِنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا...... میں حضرت اقدسؑ کا ذکر	246
154	قرآنی معجزات اور خوارق کو خود کر کے دکھانے کے اعتبار سے	〃
155	لیلۃ القدر سے حضرت اقدسؑ کا زمانہ ہے	247
156	دخان سے مراد حضرت اقدسؑ کے زمانہ کا حال ہے	248
157	امر حکیم سے مراد معارفِ الٰہیہ کا ظہور ہے	〃
158	مخصوص ستاروں کے ظہور کے اعتبار سے	249
159	مطھّر اور متقی ہونے کے اعتبار سے	〃
160	حضرت اقدسؑ کو خدا کے ہاتھ نے پاک کیا ہے	250
	چوتھی فصل	
	حضرت اقدسؑ کا ذکر قرآن حکیم میں مکمل سورۃ قرآنیہ کے اعتبار سے	
161	سورۃ الکہف۔ فتنہ دجال اور حضرت اقدسؑ	252
162	حضرت اقدسؑ کی بعثت یاجوج ماجوج کے وقت میں ہوگی	〃

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
163	اصحاب کہف اور رقیم سے مراد حضرت اقدسؑ ہیں	253
164	محدث کا الہام قطعی اور یقینی ہوتا ہے	〃
165	حضرت اقدسؑ کا نام ذوالقرنین ہے	〃
166	نفخ صور سے آسمانی مصلح کی بعثت کی خبر ہے	259
167	حضرت اقدسؑ کے وقت میں انسانیت جمع ہوگی	260
168	آفات کا تدارک مسیح موعودؑ کی دعا سے ہوگا	261
169	حضرت اقدسؑ کے وقت کی پیشگوئی	263
170	سورۃ الجمعۃ ...... وَ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ کے مصداق حضرت اقدسؑ ہیں	264
171	حضرت اقدسؑ اور ان کی جماعت بھی صحابہ رسول اکرمؐ ہیں	265
172	آنحضرتؐ کے معجزات و برکات کا مشاہدہ کرنے والے دو گروہ	267
173	حضرت اقدسؑ رسول اکرمؐ کے شاگرد اور بروز ہیں	268
174	بروز تکمیل اشاعت کے اعتبار سے	270
175	حضرت اقدسؑ رسول اکرمؐ کی جمالی تجلی ہیں	272
176	سورۃ التکویر۔ علامات ظہورِ مہدی	273
177	سورۃ الانفطار	275
178	سورۃ الانشقاق	276
179	سورۃ القدر۔ سورۃ القدر میں اول آنحضرتؐ کی آمد کی خبر ہے	〃
180	لیلۃ القدر کے ایک اور معانی بھی ہیں	277

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
181	مصلحین کی آمد کے ساتھ انتشارِ روحانیت ہوتا ہے	277
182	انا انزلنه فی لیلة القدر ......میں حضرت اقدسؑ کی بعثت کی خبر ہے	278
183	تنزل الملئکة و الروح ......میں حضرت اقدسؑ کی بعثت کی خبر ہے	279
184	حضرت اقدسؑ کے دوست اور پیارے کون ہیں؟	280
185	سورۃ الزلزال۔ یہ سورۃ اپنی نشانیوں کے ساتھ ایک مصلح کی آمد کی خبر ہے	281
186	اخرجت الارض ......حضرت اقدسؑ کے وقت کے لئے مخصوص تھا	283
187	فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ۔ کے مطابق حصرت اقدسؑ کو قبول کرنا ایک بشارت ہے	284
188	احمدیت میں داخل ہونا ایک شہادت ہے	285
189	سورۃ العصر۔حضرت اقدسؑ مثیل آدمؑ ہیں	286
190	ہدایت اور ضلالت کے ہزار سالہ ادوار میں حضرت اقدسؑ کا دورِ ہدایت ساتواں ہزار ہے	287
191	آنحضرتؐ کا وقت عصر کا وقت تھا۔ آپؐ کا وقت قریب غروبِ آفتاب ہے	288
192	الف شھر سے مراد ''الف سنة'' ہے	//
193	سورۃ الفیل۔حضرت اقدسؑ پر الہام ہوئی	289
194	سورۃ قریش۔قادیان مکہ کے مماثل ہے	290
195	سورۃ الکوثر میں ایک بروزی وجود کا وعدہ ہے	291
196	حضرت اقدسؑ اور آپ کی جماعت آنحضرتؐ کی اولاد ہے	//
197	حضرت اقدسؑ آنحضرتؐ کے بیٹے ہیں	292
198	سورۃ اللھب۔ابولہب سے مراد حضرت اقدسؑ کا دشمن ہے	293
199	سورۃ الاخلاص۔اس سورۃ میں مسیح موعود کی آمد اور غلبۂ نصرانیت کی پیشگوئی ہے	294
200	دجال یعنی آخری مظہر شیطان کا ذکر قرآن کے اول و آخر میں	//
201	حضرت اقدسؑ کا ذکر قرآن کریم کے اول و آخر میں	295
202	سورۃ الفلق۔ حضرت اقدسؑ کو دکھ دینے سے پناہ مانگی گئی ہے	297
203	''صبح صادق'' میں حضرت اقدسؑ کی آمد کی بشارت ہے	//
204	سورۃ الناس۔لفظ ناس سے مراد دجال ہے۔اس کے شر کو مسیح موعود دور کرے گا	298
205	حضرت اقدسؑ مثیل آدمؑ ہیں	299
206	دجال سے مراد نصاریٰ کا گروہ ہے	//
207	دجال مسیح موعود کے مقابلہ میں ہلاک ہوگا	//
208	سورۃ الفلق اور الناس میں مسیح موعود کے زمانے کا ذکر ہے	300
209	حضرت اقدسؑ کا ذکر قرآن کریم کی آخری تین سورتوں میں یکجا طور پر	301

پہلی فصل

اصولی فرمودات

حضرت اقدسؑ کے الہامات وکشوف

اِنَّنِیۡ فِیۡ الۡکِتٰبِ مَسۡطُوۡرٌ

ترجمہ از مرتب۔ میں کتاب میں لکھا ہوا ہوں یعنی میرا کتاب میں ذکر ہے۔

(تذکرہ صفحہ 512 ایڈیشن چہارم 1977 ضیاء الاسلام پریس ربوہ)

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَاہُ قَرِیۡبًا مِّنَ الۡقَادِیَانِ۔ وَبِالۡحَقِّ اَنۡزَلۡنَاہُ وَبِالۡحَقِّ نَزَلَ۔ صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ۔

وَکَانَ اَمۡرُاللّٰہِ مَفۡعُوۡلًا۔ قَوۡلَ الۡحَقِّ الَّذِیۡ فِیۡہِ تَمۡتَرُوۡنَ ۔

.... ہم نے اس کو قادیان کے قریب اُتارا۔ اور حق کے ساتھ اُتارا۔ اور حق کے ساتھ اُترا۔ اور اس میں وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو قرآن اور حدیث میں تھی۔ **یعنی وہی مسیح موعود ہے۔ جس کا ذکر قرآن شریف اور حدیثوں میں تھا۔** سچی بات یہی ہے۔ جس میں تم لوگ شک کرتے ہو۔ (اربعین نمبر 2 ر۔خ جلد 17 صفحہ 354)

اس جگہ مجھے یاد آیا کہ جس روز وہ الہام مذکورہ بالا جس میں قادیان میں نازل ہونے کا ذکر ہے ہوا تھا اس روز کشفی طور پر میں نے دیکھا کہ میرے بھائی صاحب مرحوم میرزا غلام قادر میرے قریب بیٹھ کر بآواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے پڑھتے انہوں نے ان فقرات کو پڑھا **اِنَّـآ اَنۡـزَلۡـنٰـہُ قَرِیۡبًا مِنَ الۡقَادِیَان** تو میں نے سن کر بہت تعجب کیا کہ قادیان کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے؟ تب انہوں نے کہا کہ یہ دیکھو لکھا ہوا ہے تب میں نے نظر ڈال کر جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت قرآن شریف کے دائیں صفحہ میں شاید قریب نصف کے موقع پر یہی الہامی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے **تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہاں واقعی طور پر قادیان کا نام قرآن شریف میں درج ہے اور میں نے کہا کہ تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے مکہ اور مدینہ اور قادیان یہ کشف تھا۔** (ازالہ اوہام۔ ر۔خ جلد 3 صفحہ 140 حاشیہ)

اب اس رسالہ (خطبہ الہامیہ) کی تحریر کے وقت میرے پر یہ منکشف ہوا کہ جو کچھ براہین احمدیہ میں قادیان کے بارے میں کشفی طور پر میں نے لکھا یعنی یہ اس کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے درحقیقت یہ صحیح بات ہے۔ کیونکہ یہ یقینی امر ہے کہ قرآن شریف کی یہ آیت کہ **سُبۡحَانَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَی الَّذِیۡ بَارَکۡنَا حَوۡلَہٗ** (بنی اسرائیل:2) معراج مکانی اور زمانی دونوں پر مشتمل ہے۔ اور بغیر اسکے معراج ناقص رہتا ہے۔ پس جیسا کہ سیر مکانی کے لحاظ سے خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مسجد

الحرام سے بیت المقدّس تک پہنچا دیا تھا۔ایسا ہی سیر زمانی کے لحاظ سے آنجناب کو شوکت اسلام کے زمانہ سے جو آنحضرت ﷺ کا تھا۔ برکات اسلامی کے زمانہ تک، جو مسیح موعود کا زمانہ ہے، پہونچا دیا۔پس اس پہلو کے رو سے جو اسلام کے انتہا زمانہ تک آنحضرت ﷺ کا سیر کشفی ہے۔**مسجد اقصیٰ سے مراد مسیح موعود کی مسجد ہے جو قادیان میں واقع ہے۔جس کی نسبت براہین احمدیہ میں خدا کا کلام یہ ہے۔مُبَارَکٌ وَّ مُبَارِکٌ وَکُلُّ اَمْرٍ مُّبَارَکٍ یُّجْعَلُ فِیْہِ ۔ اور یہ مبارک کا لفظ جو بصیغہ مفعول اور فاعل واقع ہوا۔قرآن شریف کی آیت بَارَکْنَا حَوْلَہٗ کے مطابق ہے۔پس کچھ شک نہیں جو قرآن شریف میں قادیان کا ذکر ہے۔** (تذکرہ صفحہ نمبر 352 ایڈیشن چہارم مطبوعہ 1977ء ربوہ)

مجھے بتلایا گیا تھا کہ تیری خبر قرآن اور حدیث میں موجود ہے اور تُو ہی اِس آیت کا مصداق ہے کہ

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ ۔(سورۃ الصّف:10)

(نزول المسیح ر۔خ جلد 19 صفحہ 113)

سارا قرآن ہمارے ذکر سے بھرا ہوا ہے

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:-

اگر کوئی ہم سے سیکھے تو سارا قرآن ہمارے ذکر سے بھرا ہوا ہے۔ ابتداء ہی میں ہے۔صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ (الفاتحہ:5 تا 7) اب ان سے کوئی پوچھے کہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ کون سا فرقہ تھا تمام فرقے اسلام کے اس پر متفق ہیں کہ وہ یہودی تھے اور ادھر حدیث شریف میں ہے کہ میری امت یہودی ہو جائے گی تو پھر بتلاؤ کہ اگر مسیح نہ ہوگا تو وہ یہودی کیسے بنیں گے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 583)

لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں مسیح موعود کا ذکر نہیں ہے وہ نہایت غلطی پر ہیں بلکہ حق یہ ہے کہ مسیح موعود کا ذکر نہایت اکمل اور اتم طور پر قرآن شریف میں پایا جاتا ہے۔ دیکھو اوّل قرآن شریف نے آیت کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزمل:16) میں صاف طور پر ظاہر کر دیا کہ آنحضرت ﷺ مثیلِ موسیٰ ہیں کیونکہ اس آیت کے یہی معنے ہیں کہ ہم نے اس نبی کو اُس نبی کی مانند بھیجا ہے جو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا اور واقعات نے ظاہر کر دیا کہ یہ بیان اللہ جلّ شانہٗ کا بالکل سچا ہے۔..

(ایام الصلح۔ر۔خ جلد 14 صفحہ 290)

الہامی اشعار

کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیح کے — جس کی مماثلت کو خدا نے بتا دیا
حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب — خُوبوں کو بھی تو تم نے مسیحا بنا دیا

(منقول از ٹائیٹل پیج فتح اسلام۔ر۔خ جلد 3)(تذکرہ صفحہ 170)(درثمین اردو)

قرآن شریف کی جس آیت میں آنحضرت ﷺ مراد ہوں اُسی آیت کا مصداق مسیح موعود بھی ہوتا ہے۔

آیت هُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ (الصّف:10) آنحضرت ﷺ کے حق میں ہے۔ اور پھر یہی آیت مسیح موعود کے حق میں بھی ہے۔ جیسا کہ تمام مفسّر اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ پس یہ بات کوئی غیر معمولی امر نہیں ہے کہ ایک آیت کا مصداق آنحضرت ﷺ ہوں اور پھر مسیح موعود بھی اسی آیت کا مصداق ہو۔ **بلکہ قرآن شریف جو ذوالوجوہ ہے اُس کا محاورہ اسی طرز پر واقع ہو گیا ہے کہ ایک آیت میں آنحضرت ﷺ مراد اور مصداق ہوتے ہیں اور اسی آیت کا مصداق مسیح موعود بھی ہوتا ہے۔** جیسا کہ آیت هُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی (الصّف:10) سے ظاہر ہے۔ اور رسول سے مراد اس جگہ آنحضرت ﷺ بھی ہیں اور مسیح بھی مراد ہے۔ (تحفہ گولڑویہ۔ رخ جلد 17 صفحہ 217)

حضرت اقدسؑ کے دعاوی کا فہم قرآن کے فہم کی کلید ہے

میرے دعویٰ کا فہم کلید ہے نبوت اور قرآن شریف کی جو شخص میرے دعویٰ کو سمجھ لے گا' نبوت کی حقیقت اور قرآن شریف کے فہم پر اس کو اطلاع دی جائے گی اور جو میرے دعویٰ کو نہیں سمجھتا' اس کو قرآن شریف پر اور رسالت پر پورا یقین نہیں ہو سکتا۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 393)

حضرت اقدسؑ کا ذکر اجمالاً قرآن حکیم میں اور تفصیلاً احادیث میں پایا جاتا ہے

اس قدر تقریر ہو چکی تھی کہ اس اثناء میں خلیفہ رجب الدین صاحب نے بلند آواز سے لاہور کی پبلک کی طرف سے حضرت مرزا صاحب کو ماننے کی ضرورت کا سوال پیش کیا اگرچہ بعض لوگوں کو یہ دخل اس لئے ناگوار ہوا کہ خدا تعالیٰ کا فرستادہ نُورِ فراست سے جس ضرورت کو محسوس کر کے کلام فرما رہا تھا اس کی توجہ ادھر سے پھیر دی گئی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ تحریک بھی مصالح ایزدی سے باہر نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ :-

اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ میں نے بہت سی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ سے یہ بات سمجھا دی ہوئی ہے کہ **میں وہ مسیح ہوں جس کا ذکر اور وعدہ اجمالاً قرآن میں اور تفصیلاً احادیث میں پایا جاتا ہے** اور جو لوگ اسے نہیں مانتے قرآن شریف کی رُو سے ان کا نام فاسق ہے اور احادیث سے واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو اس مسیح کو نہیں مانتا وہ گویا مجھے نہیں مانتا اور جو اس کی معصیت کرتا ہے گویا میری معصیت کرتا ہے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 107)

اللہ تعالیٰ پردہ برانداز کلام نہیں فرماتا

مولوی عبداللہ صاحب کشمیری نے دھرم کوٹ میں جو ان کا مباحثہ ہوا تھا اس کا مختصر سا تذکرہ کیا اور مہر نبی بخش صاحب بٹالوی کا بھی ذکر کیا کہ وہ وہاں آئے تھے اور انہوں نے ایک مختصر سی تقریر کی تھی مولوی عبداللہ صاحب نے کہا کہ وہ بار بار یہ اعتراض کرتے تھے کہ مرزا صاحب کا نام قرآن سے نکال کر دکھاؤ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:

وہ احمق نہیں جانتے کہ اگر خدا تعالیٰ ایسے صاف طور پر کہتا تو اختلاف کیوں ہوتا؟ یہودی اسی طرح تو ہلاک ہوگئے۔ بات یہ ہے کہ اگر خدا اس طرح پر پردہ برانداز کلام کرے تو ایمان ایمان ہی نہ رہے فراست سے دیکھنا چاہیئے کہ حق کیا ہے؟ ہماری تائید میں تو اس قدر دلائل ہیں کہ فراست والا سیر ہو کر کہتا ہے کہ یہ صحیح ہے۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 316)

مختلف پیرایوں میں ذکر کی حکمت

اور یاد رہے قرآن کریم میں ایک جگہ رسل کے لفظ کیساتھ بھی مسیح موعود کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن یہ سوال کہ انہی الفاظ کے ساتھ جو احادیث میں آئے ہیں کیوں قرآن میں ذکر نہیں کیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تا پڑھنے والوں کو دھوکا نہ لگ جاوے کہ مسیح موعود سے مراد درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں جن پر انجیل نازل ہوئی تھی۔ اور ایسا ہی دجال سے کوئی خاص مفسد مراد ہے سو خدا تعالیٰ نے فرقان حمید میں ان تمام شبہات کو دور کر دیا۔ اس طرح پر کہ اول نہایت تصریح اور توضیح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی **وفات** کی خبر دی جیسا کہ آیت **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ** (المائدہ:118) سے ظاہر ہے اور پھر ہمارے نبی ﷺ کا **خاتم الانبیاء** ہونا بھی ظاہر کر دیا جیسا کہ فرمایا وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب:41)۔ (شہادت القرآن ر۔خ جلد 6 صفحہ 361)

قرآن کریم کی سورتوں میں حضرت اقدسؑ اور ان کی جماعت کا ذکر ہے

"قرآن شریف میں چار سورتیں ہیں جو بہت پڑھی جاتی ہیں۔ ان میں مسیح موعودؑ اور اس کی جماعت کا ذکر ہے (1) سورۃ فاتحہ جو ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ اس میں ہمارے دعوے کا ثبوت ہے۔ جیسا کہ اس تفسیر میں ثابت کیا جائے گا۔ (2) سورۃ جمعہ جس میں اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ (الجمعہ:4) مسیح موعودؑ کی جماعت کے متعلق ہے۔ یہ ہر جمعہ میں پڑھی جاتی ہے (3) سورۃ کہف جس کے پڑھنے کے واسطے رسول اللہ ﷺ نے تاکید فرمائی ہے اس کی پہلی اور پچھلی دس آیتوں میں دجال کا ذکر ہے۔ (4) آخری سورۃ میں قرآن کی جس میں دجال کا نام خَنَّاسُ رکھا گیا ہے۔ یہ وہی لفظ ہے جو عبرانی توریت میں دجال کے واسطے آیا ہے۔ یعنی نخاش Wn ב۔ ایسا ہی قرآن شریف کے اور مقامات میں بھی بہت ذکر ہے"۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 442)

عرب صاحب نے سوال کیا کہ مسیح موعود کے متعلق قرآن میں کہاں کہاں ذکر ہے۔فرمایا:
سورۃ فاتحہ،سورۃ نور،سورۃ تحریم وغیرہ میں۔سورۃ فاتحہ میں تو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحہ:6)سورۃ نور میں وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ مِنْكُمْ (النور:56)اورسورۃ تحریم میں جہاں مومنوں کی مثالیں بیان کی ہیں۔ان میں فرمایا وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (التحریم:13) ۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 668)

قرآن کریم میں حضرت اقدسؑ کے کئی نام ہیں

بعض ناواقف یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مسیح موعود کا قرآن شریف میں کہاں ذکر ہے؟اس کا یہ جواب ہے کہ خدا کی کتابوں میں مسیح موعود کے کئی نام ہیں منجملہ ان کے ایک نام خاتم الخلفاء ہے یعنی ایسا خلیفہ جو سب سے آخر آنے والا ہے سواس نام کے ساتھ قرآن شریف میں مسیح موعود کے بارے میں پیشگوئی موجود ہے چنانچہ سورۃ نور میں خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے آخری دنوں تک اُن کے دین کی تقویت کے لئے خلیفے پیدا کرتا رہے گا اوران کے ذریعہ سے خوف کے بعد امن کی صورت پیدا کردے گا۔آخری دنوں تک خلیفوں کا پیدا ہونا اس قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بموجب نص صریح قرآن شریف کے اسلام کا دور دنیا کے آخری دنوں تک ہے پس ماننا پڑا کہ اسلام میں بھی ایک خاتم الخلفاء ہے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے سلسلہ میں حضرت عیسیٰؑ خاتم الخلفاء تھے۔اور یہ عجیب راز ہے کہ جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ حضرت موسیٰؑ سے بموجب قول یہود کے چودھویں صدی میں پیدا ہوئے اسی طرح اسلام کا خاتم الخلفاء اسی مدت کے بعد مبعوث ہوا۔منہ۔ (چشمہ معرفت ر۔خ جلد 23 صفحہ 333 حاشیہ)

سب نبیوں کے نام حضرت اقدسؑ کو دیئے گئے ہیں

جب سن ہجری کی تیرھویں صدی ختم ہو چکی تو خدا نے چودھویں صدی کے سر پر مجھے اپنی طرف سے مامور کر کے بھیجا۔اور آدم سے لیکر اخیر تک جس قدر نبی گذر چکے ہیں سب کے نام میرے نام رکھ دئے اور سب سے آخری نام میرا عیسیٰ موعود اور احمد اور محمد معہود رکھا۔اور دونوں ناموں کے ساتھ بار بار مجھے مخاطب کیا ان دونوں ناموں کو دوسرے لفظوں میں مسیح اور مہدی کر کے بیان کیا گیا۔

(چشمہ معرفت۔ر۔خ جلد 23 صفحہ 328)

یہ لوگ جو بار بار پوچھتے ہیں کہ قرآن میں کہاں نام ہے؟ان کو معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ نے میرا نام احمد رکھا ہے۔بُوْرِكْتَ يَا اَحْمَدُ وغیرہ بہت سے الہام ہیں۔میرا نام محمد رکھا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔اور احمد نام پر ہی ہم بیعت لیتے ہیں۔کیا یہ نام قرآن شریف میں نہیں ہیں؟ پھر جس قدر میرے نام آدم،عیسٰی، داؤد ، سلیمٰن وغیرہ رکھے ہیں وہ سب قرآن میں موجود ہیں ماسوائے اس کے یہ سلسلہ اپنے ساتھ ایک علمی ثبوت رکھتا ہے اگر ان علمی امور کو یکجائی طور پر دیکھا جاوے تو آفتاب کی طرح اس سلسلہ کی سچائی روشن نظر آتی ہے خدا تعالیٰ نے میرے سارے نبیوں کے نام رکھے ہیں اور آخر جَرِيُّ اللّٰهِ فِيْ حُلَلِ الْاَنْبِيَآءِ کہہ دیا ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 316 تا 317)

مسیح موعود تمام انبیاء کے مظہر ہیں

جَرِیُّ اللّٰہِ فِیۡ حُلَلِ الۡاَنۡبِیَآءِ

جری اللہ نبیوں کے حُلّوں میں۔

میری نسبت براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں یہ بھی فرمایا:- جَرِیُّ اللّٰہِ فِیۡ حُلَلِ الۡاَنۡبِیَآءِ۔ یعنی رسول خدا تمام گذشتہ انبیاء علیہم السلام کے پیرائیوں میں۔ اس وحی الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ آدم سے لیکر اخیر تک جسقدر انبیاء علیہم السلام خدا تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں آئے ہیں۔ خواہ وہ اسرائیلی ہیں یا غیر اسرائیلی۔ ان سب کے خاص واقعات یا خاص صفات میں سے اس عاجز کو کچھ حصہ دیا گیا ہے **اور ایک بھی نبی ایسا نہیں گذرا جس کے خواص یا واقعات میں سے اس عاجز کو حصہ نہیں دیا گیا۔ ہر ایک نبی کی فطرت کا نقش میری فطرت میں ہے اسی پر خدا نے مجھے اطلاع دی۔** (براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ ر۔خ جلد 21 صفحہ 116)

اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام آدمؑ بھی رکھا ہے۔ نوحؑ بھی رکھا ہے۔ موسیٰؑ بھی رکھا ہے۔ داؤدؑ، سلیمانؑ، عیسیٰؑ، محمد ﷺ غرض بہت سے انبیاء کے نام ہم کو دیئے ہیں اور پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ جَرِیُّ اللّٰہِ فِیۡ حُلَلِ الۡاَنۡبِیَآءِ **جس میں یہ اشارہ ہے کہ مسیح موعود تمام انبیاء گزشتہ کا مظہر ہے** ہمارے مخالف مولوی ہم پر اس وجہ سے فتویٰ کفر لگاتے ہیں کہ ہم نے عیسیٰؑ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ نے ہمارا نام محمدؐ بھی رکھا ہے وہ اس وجہ سے کیوں کفر کا فتویٰ نہیں لگاتے۔ کیا اُن کے نزدیک محمد ﷺ کا درجہ حضرت عیسیٰؑ سے کم ہے یا ان کو عیسیٰؑ سے بہت محبت ہے اور حضرت محمد ﷺ کے واسطے ان کے دل میں کوئی غیرت باقی نہیں رہی۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 296)

اِنِّیۡ مُہِیۡنٌ مَنۡ اَرَادَ اِہَانَتَکَ۔ اِنِّیۡ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الۡمُرۡسَلُوۡنَ۔

میں اس شخص کی اہانت کروں گا جو تیری اہانت کا ارادہ کرے گا۔ میرے قرب میں میرے رسول کسی دشمن سے نہیں ڈرا کرتے۔

کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ۔ وَ ہُمۡ مِّنۡ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ

خدا نے لکھ چھوڑا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے اور وہ مغلوب ہونے کے بعد جلد غالب ہو جائیں گے۔

اس وحی الٰہی میں خدا نے میرا نام رسل رکھا۔ کیونکہ جیسا کہ براہین احمدیہ میں لکھا گیا ہے خدا تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء علیہم السلام کا مظہر ٹھہرایا ہے۔ اور تمام نبیوں کے نام میری طرف منسوب کئے ہیں۔ میں آدم ہوں۔ میں شیث ہوں۔ میں نوح ہوں۔ میں ابراہیم ہوں۔ میں اسحٰق ہوں۔ میں اسمٰعیل ہوں۔ میں یعقوب ہوں۔ میں یوسف ہوں۔ میں موسیٰ ہوں۔ میں داؤد ہوں۔ میں عیسیٰ ہوں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نام کا میں مظہر اتم ہوں۔ یعنی ظلی طور پر محمدؐ اور احمد ہوں۔ (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ جلد 22 صفحہ 75`76 حاشیہ)

غیر کیا جانے کہ دلبر سے ہمیں کیا جوڑ ہے — وہ ہمارا ہو گیا اُس کے ہم ہوئے جاں نثار
میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں — نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار
اِک شجر ہوں جسکو داؤدی صفت کے پھل لگے — میں ہوا داؤد اور جالوت ہے میرا شکار
پر مسیحا بن کے میں بھی دیکھتا رُوئے صلیب — گر نہ ہوتا نامِ احمدؐ جس پہ میرا سب مدار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ر۔خ جلد21 صفحہ 133)

حضرت اقدسؑ تمام انبیاء کے کمالات متفرقہ کے ظلی طور پر حامل ہیں

فرمایا: کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے تھے۔ وہ سب حضرت رسول کریمؐ میں ان سے بڑھ کر موجود تھے۔ **اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم ﷺ سے ظلی طور پر ہم کو عطا کئے گئے** ۔ اور اس لئے ہمارا نام آدم، ابراہیم، موسیٰ، نوح، داؤد، یوسف، سلیمان، یحییٰ، عیسیٰ وغیرہ ہے۔ چنانچہ ابراہیم ہمارا نام اس واسطے ہے کہ حضرت ابراہیم ایسے مقام میں پیدا ہوئے تھے کہ وہ بت خانہ تھا اور لوگ بت پرست تھے۔ اور اب بھی لوگوں کا یہی حال ہے کہ قسم قسم کے خیال اور وہمی بتوں کی پرستش میں مصروف ہیں اور وحدانیت کو چھوڑ بیٹھے ہیں **پہلے تمام انبیاء ظل تھے نبی کریم ﷺ کی خاص خاص صفات میں اور اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریم ﷺ کے ظل ہیں**۔ سو مولانا روم نے خوب فرمایا ہے

نامِ احمدؐ نامِ جملہ انبیاء است — چوں بیامد صد نود ہم پیشِ ما است

(ترجمہ:- احمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کا نام ہے۔ جب سو کا ہندسہ آ گیا تو نوے کا بھی اس میں شامل ہوتا ہے۔)

نبی کریم ﷺ نے گویا سب لوگوں سے چندہ وصول کیا اور وہ لوگ تو اپنے اپنے مقامات اور حالات پر رہے پر نبی کریم ﷺ کے پاس کروڑوں روپے ہو گئے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 201)

فرمایا: ''اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ'' کی دعا سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ظلی سلسلہ پیغمبروں کا اس اُمت میں قائم کرنا چاہتا ہے۔ مگر جیسا کہ قرآن کریم میں سارے انبیاء کا ذکر نہیں اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا ذکر کثرت سے ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ **اس اُمت میں بھی مثیلِ موسیٰؑ یعنی آنحضرت ﷺ اور مثیلِ عیسیٰؑ یعنی امام مہدی سب سے عظیم الشان اور خاص ذکر کے قابل ہیں۔**''

(ملفوظات جلد اول صفحہ 455)

حضرت اقدسؑ وارث مصطفیٰ ہیں

آدم نیز احمدِ مختار در برم جامۂ ہمہ ابرار

میں آدم بھی ہوں اور احمد مختار بھی میرے جسم پر تمام ابرار کے خلعت ہیں

کارہائے کہ کرد بامن یار بر تر آں دفتر است از اظہار

وہ کام جو خدا نے میرے ساتھی کئے وہ اتنے زیادہ ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے

آنچہ داد است ہر نبی را جام داد آں جام را مرا بتمام

جو جام اس نے ہر نبی کو عطا کیا تھا وہی جام اس نے کامل طور سے مجھے بھی دیا ہے

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے من بعرفاں نہ کمترم زکسے

اگرچہ انبیاء بہت ہوئے ہیں مگر میں معرفت الٰہی میں کسی سے کم نہیں ہوں

زندہ شد ہر نبی بآمدنم ہر رسولے نہاں بہ پیرہنم

ہر نبی میرے آنے سے زندہ ہوگیا اور ہر رسول میرے پیراھن میں پوشیدہ ہے

لیک آئینہ ام زربِّ غنی از پئے صورتِ مہِ مدنی

لیکن میں رب غنی کی طرف سے آئینہ کی مانند ہوں اُس مدینہ کے چاند کی صورت دنیا کو دکھانے کے لئے

وارثِ مصطفیٰ شدم بہ یقیں شدہ رنگیں برنگِ یار حسین

میں یقیناً مصطفیٰ کا وارث ہوں اور اس حسین محبوب کے رنگ میں رنگین ہوں

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 335-334)(نزول المسیح ۔ر۔خ۔جلد 18 صفحہ 477)

وَ نَحۡنُ کَمَاۃُ اللّٰہِ جِئۡنَا بِاَمۡرِہٖ حَلَلۡنَا بِلَادَالشِّرۡکِ وَاللّٰہُ یَخۡفُرُ

ہم خدا کے سوار ہیں۔اس کے حکم سے آئے ہیں۔اور شرک کے شہروں میں ہم داخل ہوئے ہیں اور خدا رہنمائی کررہا ہے۔

اَقُوۡلُ وَلَا اَخۡشٰی فَاِنِّیۡ مَسِیۡحُہٗ وَلَوۡ عِنۡدَ ھٰذَا الۡقَوۡلِ بِالسَّیۡفِ اُنۡحَرُ

میں بے دھڑک کہتا ہوں کہ میں خدا کا مسیح موعود ہوں۔اگرچہ میں اس قول پر تلوار سے قتل بھی کیا جاؤں۔

وَقَدۡ جَاءَ فِی الۡقُرۡاٰنِ ذِکۡرُ فَضَائِلِیۡ وَذِکۡرُ ظُھُوۡرِیۡ عِنۡدَ فِتَنٍ تُثَوَّرُ

اور میرے فضائل کا ذکر قران کریم میں موجود ہے۔اور میرے ظہور کا ذکر بھی پرآشوب زمانہ میں ہونا لکھا ہے

وَمَا اَنَا اِلَّا الۡمُرۡسَلُ عِنۡدَ فِتۡنَۃٍ فَرُدَّ قَضَاءَ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتَ تَقۡدِرُ

اور میں خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔پس خدا کے حکم کو تو بدل دے اگر تجھے قدرت ہے۔

تَخَیَّرَنِی الرَّحۡمَانُ مِنۡ بَیۡنِ خَلۡقِہٖ لَہُ الۡحُکۡمُ یَقۡضِیۡ مَایَشَاءُ وَیَاۡمُرُ

خدا نے مجھے اپنی مخلوقات میں سے چن لیا ہے۔حکم اسی کا حکم ہے جو چاہے کرے۔

(نزول المسیح ر۔خ جلد 18 صفحہ 477۔478)(اعجاز احمدی القصیدہ ر۔خ جلد 19 صفحہ 169۔170)

قرآن کریم میں آئندہ کی پیشگوئیوں سے مراد حضرت اقدسؑ ہیں

دوسرا امر تنقیح طلب یہ تھا کہ قرآن کریم میں مسیح موعود کی نسبت کچھ ذکر ہے یا نہیں اس کا فیصلہ دلائل قطعیہ نے اِس طرح پر دیا ہے کہ ضرور یہ ذکر قرآن کریم میں موجود ہے اور کچھ شک نہیں کہ جو شخص قرآن کریم کی ان آئندہ پیشگوئیوں پر غور کرے گا جو اس امت کے آخری زمانہ کی نسبت اس مقدس کتاب میں ہیں۔ تو اگر وہ فہیم اور زندہ دل اپنے سینہ میں رکھتا ہے تو اس کو اس بات کے ماننے سے چارہ نہیں ہوگا کہ قرآن کریم میں یقینی اور قطعی طور پر ایک ایسے مصلح کی خبر موجود ہے جس کا دوسرے لفظوں میں مسیح موعود ہی نام ہونا چاہیئے نہ اور کچھ اس خبر کو سمجھنے کیلئے پہلے مندرجہ ذیل آیات کو یکجائی نظر سے دیکھ لینا چاہیئے۔ مثلاً یہ آیات وَ الَّتِیۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَہَا فَنَفَخۡنَا فِیۡہَا مِنۡ رُّوۡحِنَا وَ جَعَلۡنٰہَا وَ ابۡنَہَاۤ اٰیَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ۔ اِنَّ ہٰذِہٖۤ اُمَّتُکُمۡ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ۫ۖ وَّ اَنَا رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡنِ ۔وَ تَقَطَّعُوۡۤا اَمۡرَہُمۡ بَیۡنَہُمۡ ؕ کُلٌّ اِلَیۡنَا رٰجِعُوۡنَ (الانبیاء:92تا94) حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتۡ یَاۡجُوۡجُ وَ مَاۡجُوۡجُ وَ ہُمۡ مِّنۡ کُلِّ حَدَبٍ یَّنۡسِلُوۡنَ ۔وَ اقۡتَرَبَ الۡوَعۡدُ الۡحَقُّ فَاِذَا ہِیَ شَاخِصَۃٌ اَبۡصَارُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ یٰوَیۡلَنَا قَدۡ کُنَّا فِیۡ غَفۡلَۃٍ مِّنۡ ہٰذَا بَلۡ کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ۔ (الانبیاء:97۔98) **یعنی خدا تعالیٰ** نے اس عورت کو ہدایت دی جس نے اپنی شرمگاہ کو نامحرم سے بچایا۔ پس خدا نے اس میں اپنی روح کو پھونک دیا اور اس کو اور اس کے بیٹے کو دنیا کے لئے ایک نشان ٹھہرایا اور خدا نے کہا کہ یہ امت تمہاری ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں سو تم میری ہی بندگی کرو۔ مگر وہ فرقہ فرقہ ہوگئے اور اپنی بات کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور باہم اختلاف ڈال دیا۔ اور آخر ہر ایک ہماری ہی طرف رجوع کرے گا۔ اور تمام فرقے ایسی ہی حالت پر رہیں گے یہاں تک کہ یاجوج اور ماجوج کھولے جائیں گے اور وہ ہر ایک بلندی سے دوڑتے ہوں گے اور جب تم دیکھو کہ یاجوج ماجوج زمین پر غالب ہوگئے تو سمجھو کہ وعدہ سچا مذہب حق کے پھیلنے کا نزدیک آ گیا اور وہ وعدہ یہ ہے۔ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ ۔(الصّف:10) اور پھر فرمایا کہ اس وعدے کے ظہور کے وقت کفار کی آنکھیں چڑھی ہوں گی اور کہیں گے اے وائے ہم کو۔ ہم اس سے غفلت میں تھے بلکہ ہم ظالم تھے یعنی ظہور حق بڑے زور سے ہوگا اور کفار سمجھ لیں گے کہ ہم خطا پر ہیں۔ **ان تمام آیات کا ماحصل یہ ہے کہ آخری زمانہ میں دنیا میں بہت سے مذہب پھیل جائیں گے اور بہت سے فرقے ہو جائیں گے پھر دو قومیں خروج کریں گی جنکا عیسائی مذہب ہوگا اور ہر ایک طور کی بلندی وہ حاصل کریں گے اور جب تم دیکھو کہ عیسائی مذہب اور عیسائی حکومتیں دنیا میں پھیل گئیں تو جانو کہ وعدہ کا وقت نزدیک ہے۔** پھر دوسرے مقام میں فرمایا ہے۔ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّیۡ جَعَلَہٗ دَکَّآءَ ۚ وَ کَانَ وَعۡدُ رَبِّیۡ

حَقًّا۔وَتَرَکْنَا بَعْضَھُمْ یَوْمَئِذٍیَّمُوْ جُ فِیْ بَعْضٍ وَّ نُفِخَ فِی الصُّوْ رِ فَجَمَعْنٰا ھُمْ جَمْعًا (الکہف:99`100)۔
یعنی جب وعدہ خدا تعالیٰ کا نزدیک آجائے گا تو خدا تعالیٰ اس دیوار کو ریزہ ریزہ کر دے گا جو یاجوج ماجوج کی روک ہے اور خدا تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور ہم اس دن یعنی یاجوج ماجوج کی سلطنت کے زمانہ میں متفرق فرقوں کو مہلت دیں گے کہ تا ایک دوسرے میں موجزنی کریں یعنی ہر یک فرقہ اپنے مذہب اور دین کو دوسرے فرقہ پر غالب کرنا چاہے گا اور جس طرح ایک موج اس چیز کو اپنے نیچے دبانا چاہتی ہے جس کے اوپر پڑتی ہے اسی طرح موج کی مانند بعض بعض پر پڑیں گی تا ان کو دبالیں اور کسی کی طرف سے کمی نہیں ہوگی ہر یک فرقہ اپنے مذہب کو عروج دینے کے لیے کوشش **کرے گا اور وہ انہیں لڑائیوں میں ہوں گے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے صور پھونکا جائے گا۔تب ہم تمام فرقوں کو ایک ہی مذہب پر جمع کر دیں گے صور پھونکنے سے اس جگہ یہ اشارہ ہے کہ اس وقت عادت اللہ کے موافق خدا تعالیٰ کی طرف سے آسمانی تائیدوں کے ساتھ کوئی مصلح پیدا ہوگا۔** (شہادت القرآن ر۔ خ جلد6 صفحہ 309 تا311)

حضرت اقدسؑ کا ذکر قرآن کریم میں اور آپ کی شان

ہماں زنوعِ بشر کامل از خدا باشد — کہ با نشانِ نمایاں خدانما باشد

انسانوں میں وہی خدا کی طرف سے کامل ہوتا ہے جو روشن نشانوں کے ساتھ خدانما ہوتا ہے

بتابد از رُخِ او نورِ عشق و صدق و وفا — زخلقِ اُو کرم و غربت و حیا باشد

اس کے چہرہ سے عشق اور صدق وصفا کا نور چمکتا ہے کرم انکسار اور حیا اس کے اخلاق ہوتے ہیں۔

صفاتِ او ہمہ ظِلِّ صفاتِ حق باشند — ہم استقامت او ہمچو انبیا باشد

اس کی ساری صفات خدا کی صفات کا پرتو ہوتی ہیں اور اس کا استقلال بھی انبیا کے استقلال کی مانند ہوتا ہے۔

رواں بچشمۂ او بحرِ سرمدی باشد — عیاں در آئینہ اش روئے کبریا باشد

اسکے سرچشمہ سے ابدی فیضان کا سمندر جاری ہوتا ہے اور اس کے چہرہ میں خدائے بزرگ کا چہرہ نظر آتا ہے۔

صعودِ او ہمہ سوئے فلک بود ہر دم — وجودِ او ہمہ رحمت چو مصطفیٰ باشد

اس کی پرواز ہر وقت آسمان کی طرف ہی ہوتی ہے اور اس کا وجود مصطفیٰ کی طرح سراسر رحمت ہوتا ہے۔

خبر دہد بقدومش خدا بہ مصحفِ پاک — ہم از رسول سلامے بصد ثنا باشد

خدا اُس کی تشریف آوری کی خبر قرآن مجید میں دیتا ہے اور رسول کی طرف سے بھی سینکڑوں ثنا اور سلام بھیجے جاتے ہیں۔

(تریاق القلوب۔ر۔خ جلد 15 صفحہ 129 تا133)

دوسری فصل

سورۃ الفاتحہ میں حضرت اقدسؑ کا ذکر

اُمّ الکتاب

اَے دوستو جو پڑھتے ہو اُمّ الکتاب کو
اب دیکھو میری آنکھوں سے اس آفتاب کو
سوچو دُعاء فاتحہ کو پڑھ کے بار بار
کرتی ہے یہ تمام حقیقت کو آشکار
دیکھو خدا نے تم کو بتائی دعا یہی
اُس کے حبیبؐ نے بھی پڑھائی دعا یہی
پڑھتے ہو پنج وقت اِسی کو نماز میں
جاتے ہو اس کی رہ سے درِ بے نیاز میں
اسکی قسم کہ جس نے یہ سورۃ اُتاری ہے
اُس پاک دل پہ جس کی وہ صورت پیاری ہے
یہ میرے رب سے میرے لئے اِک گواہ ہے
یہ میرے صدق دعویٰ پہ مُہرِ الٰہ ہے
میرے مسیح ہونے پہ یہ اِک دلیل ہے
میرے لئے یہ شاہدِ ربِّ جلیل ہے
پھر میرے بعد اَوروں کی ہے انتظار کیا
توبہ کرو کہ جینے کا ہے اعتبار کیا

(درثمین اردو نیا ایڈیشن صفحہ 44)(اعجاز المسیح ۔ر۔خ جلد 18 صفحہ 2)

ترجمہ سورۃ الفاتحہ بیان فرمودہ حضرت اقدس علیہ السلام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ○الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ○ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ○اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ○ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ○صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ○اٰمِیۡنَ

ترجمہ ۔خدا جس کا نام اللہ ہے تمام اقسام تعریفوں کا مستحق ہے اور ہر ایک تعریف اسی کی شان کے لائق ہے کیونکہ وہ ربّ العالمین ہے ۔وہ رحمان ہے۔وہ رحیم ہے ۔وہ مالک یوم الدین ہے ۔ہم (اے صفات کاملہ والے) تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور مدد بھی تجھ سے ہی چاہتے ہیں ۔ہمیں وہ سیدھی راہ دکھلا جو ان لوگوں کی راہ ہے جن پر تیرا انعام ہے اور ان راہوں سے بچا جو ان لوگوں کی راہیں ہیں جن پر تیرا غضب طاعون وغیرہ عذابوں سے دنیا ہی میں وارد ہوا اور نیز ان لوگوں کی راہوں سے بچا کہ جن پر اگرچہ دنیا میں کوئی عذاب وارد نہیں ہوا۔مگر اُخروی نجات کی راہ سے وہ دور جا پڑے ہیں اور آخر عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ (ایام الصلح ۔ر۔خ جلد 14 صفحہ 246)

سورۃ فاتحہ میں قرآن شریف کی تمام تعلیم کا خلاصہ ہے

سورۃ الفاتحہ کا نام اُمّ الکتاب

اس کا نام ام الکتاب بھی ہے کیونکہ قرآن شریف کی تمام تعلیم کا اس میں خلاصہ اور عطر موجود ہے۔

(ایام الصلح ر۔خ جلد14 صفحہ 246۔247)

چوتھا لطیفہ یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ مجمل طور پر تمام مقاصد قرآن شریف پر مشتمل ہے گویا یہ سورۃ مقاصد قرآنیہ کا ایک ایجازِ لطیف ہے اِسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ o (الحجر:88) یعنی ہم نے تجھے اے رسول سات آیتیں سورۃ فاتحہ کی عطا کی ہیں جو مجمل طور پر تمام مقاصد قرآنیہ پر مشتمل ہیں اور ان کے مقابلہ پر قرآن عظیم بھی عطا فرمایا ہے جو مفصل طور پر مقاصد دینیہ کو ظاہر کرتا ہے اور اسی جہت سے اس سورۃ کا نام ام الکتاب اور سورۃ الجامع ہے۔ اُم الکتاب اس جہت سے کہ جمیع مقاصد قرآنیہ اُس سے مستخرج ہوتے ہیں اور سورۃ الجامع اِس جہت سے کہ علوم قرآنیہ کے جمیع انواع پر بصورتِ اجمال مشتمل ہے اسی جہت سے آنحضرت ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ جس نے سورۃ فاتحہ کو پڑھا گویا اُس نے سارے قرآن کو پڑھ لیا غرض قرآن شریف اور حدیث نبوی سے ثابت ہے کہ سورۃ فاتحہ ممدوحہ ایک آئینہ قرآن نما ہے۔ (براہین احمدیہ ۔ر۔خ جلد1 صفحہ 580۔581 حاشیہ نمبر11)

سورۃ فاتحہ پر جو قرآن شریف کا باریک نقشہ ہے اور اُمّ الکتاب بھی جس کا نام ہے خوب غور کرو کہ اس میں اجمال کے ساتھ قرآن کریم کے تمام معارف درج ہیں۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 125)

سورۃ الفاتحہ کا مقصد اعلیٰ حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی جماعت کی ترقی کی خبر ہے

سورۃ فاتحہ میں ایک مخفی پیشگوئی موجود ہے اور وہ یہ کہ جس طرح یہودی لوگ حضرت عیسیٰ کو کافر اور دجال کہہ کر مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ بن گئے بعض مسلمان بھی ایسے ہی بنیں گے۔ اسی لئے نیک لوگوں کو یہ دعا سکھلائی گئی کہ وہ منعم علیہم میں سے حصہ لیں اور مغضوب علیہم نہ بنیں سورۃ فاتحہ کا اعلیٰ مقصود مسیح موعود اور اس کی جماعت اور اسلامی یہودی اور ان کی جماعت اور ضالین یعنی عیسائیوں کے زمانہ ترقی کی خبر ہے سو کس قدر خوشی کی بات ہے کہ وہ باتیں آج پوری ہوئیں۔ (نزول المسیح ۔ر۔خ جلد18 صفحہ 414 تا415)

سورۃ فاتحہ کا پہلا نام فاتحۃ الکتاب اور اس کی وجہ

اِعْلَمْ اَنَّ ھٰذِہِ السُّوْرَۃَ لَھَآ اَسْمَآءٌ کَثِیْرَۃٌ فَاَوَّلُھَا فَاتِحَۃُ الْکِتَابِ وَسُمِّیَتْ بِذَالِکَ لِاَنَّہٗ یُفْتَتَحُ بِھَا فِی الْمُصْحَفِ وَفِی الصَّلٰوۃِ وَفِیْ مَوَاضِعِ الدُّعَآءِ مِنْ رَّبِّ الْاَرْبَابِ۔ وَعِنْدِیْ اَنَّھَا سُمِّیَتْ بِھَا لِمَا جَعَلَھَا اللّٰہُ حَکَمًا لِّلْقُرْاٰنِ وَمُلِئَ فِیْھَا مَا کَانَ فِیْہِ مِنْ اَخْبَارٍ وَّ مَعَارِفَ مِنَ اللّٰہِ الْمَنَّانِ۔ وَاَنَّھَا جَامِعَۃٌ لِّکُلِّ مَایَحْتَاجُ الْاِنْسَانُ اِلَیْہِ فِیْ مَعْرِفَۃِ الْمَبْدَءِ وَالْمَعَادِ کَمِثْلِ الْاِسْتِدْلَالِ عَلٰی وُجُوْدِ الصَّانِعِ وَ ضُرُوْرَۃِ النُّبُوَّۃِ وَالْخِلَافَۃِ فِی الْعِبَادِ۔ وَمِنْ اَعْظَمِ الْاَخْبَارِ وَاَکْبَرِھَا اَنَّھَا تُبَشِّرُ بِزَمَانِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ۔ وَاَیَّامِ الْمَھْدِیِّ الْمَعْھُوْدِ۔ وَسَنَذْکُرُہٗ فِیْ مَقَامِہٖ بِتَوْفِیْقِ اللّٰہِ الْوَدُوْدِ۔

(ترجمہ از مرتب) جاننا چاہیئے کہ سورۃ فاتحہ کے بہت سے نام ہیں جن میں سے پہلا نام فاتحۃ الکتاب ہے اور اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ قرآن مجید اسی سورۃ سے شروع ہوتا ہے۔ نماز میں بھی پہلے یہی سورۃ پڑھی جاتی ہے اور خدا تعالیٰ سے جو ربّ الارباب ہے دعا کرتے وقت اسی (سورۃ) سے ابتدا کی جاتی ہے۔ **اور میرے نزدیک اس سورۃ کو فاتحہ اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو قرآن کریم کے مضامین کے لئے حکم قرار دیا ہے اور جو اخبار غیبیہ اور حقائق و معارف قرآن مجید میں احسان کرنے والے خدا کی طرف سے بیان کیے گئے ہیں وہ سب اس میں بھر دیئے گئے ہیں** اور جن امور کا انسان کو مبدء و معاد (دنیا اور آخرت) کے سلسلہ میں جاننا ضروری ہے، وہ سب اس میں موجود ہیں۔ مثلاً وجود باری، ضرورت نبوت اور مومن بندوں میں سلسلہ خلافت کے قیام پر استدلال **اور اس سورۃ کی سب سے بڑی اور اہم خبر یہ ہے کہ یہ سورۃ مسیح موعود اور مہدی معہود کے زمانہ کی بشارت دیتی ہے** اور اسے ہم خدائے ودود کی دی ہوئی توفیق سے اس کے محل پر بیان کریں گے۔ (اعجاز المسیح۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 70-71)

السبع المثانی

سورۃ فاتحہ حضرت اقدس علیہ السلام پر دوبارہ نازل ہوئی ہے

(تذکرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ 46)

ایک دفعہ مسجد مبارک میں حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ السلام تشریف رکھتے تھے۔۔۔سبع مثانی کی تحقیق کا ذکر ہوا۔ کسی نے الحمد کا نام بتلایا۔ اور کسی نے دوسری آیتوں کا۔ اور کسی نے کہا کہ الحمد مکہ معظّمہ اور مدنیہ منورہ میں نازل ہوئی۔ اس لئے دونوں مقام پر نازل ہونے کے باعث اس کا نام سبع مثانی ہوا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا۔ ممکن ہے کہ ایسا ہو۔ **لیکن ہمارے نزدیک اس سورۃ کا ایک بار آنحضرت ﷺ پر نازل ہونا اور دوسری بار مہدی و مسیح موعود پر نازل ہونا ہے جس کے سبب سے اس کا نام سبع مثانی ہوا۔**

(مکتوب (2) صاحبزادہ پیر سراج الحق صاحب نعمانیؓ (1))

(1) یعنی صاحبزادہ پیر سراج الحق صاحب نعمانی (مرتب)

(2) یہ مکتوب قلمی دفتر تالیف و تصنیف صدر انجمن احمدیہ ربوہ میں بوقت تیاری تذکرہ طبع دوم موجود تھا جس سے خاکسار نے نقل کیا۔ مگر اب کہیں غائب ہے۔ (مرتب) (تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 800)

سورۃ فاتحہ ایک پیشگوئی ہے

سورۃ فاتحہ نری تعلیم ہی نہیں بلکہ اس میں ایک بڑی پیشگوئی بھی ہے اور وہ یہ کہ خدا نے اپنی چاروں صفات ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت۔ مالکیت یوم الدین یعنی اقتدار جزا سزا کا ذکر کر کے اور اپنی عام قدرت کا اظہار فرما کر **پھر اسکے بعد کی آیتوں میں یہ دعا سکھلائی ہے کہ خدایا ایسا کر کہ گذشتہ راستباز نبیوں رسولوں کے ہم وارث ٹھہرائے جائیں ان کی راہ ہم پر کھولی جائے اور ان کی نعمتیں ہم کو دی جائیں خدایا ہمیں اس سے بچا کہ ہم اس قوم میں سے ہو**

جائیں جن پر دنیا میں ہی تیرا عذاب نازل ہوا۔ یعنی یہود جو حضرت عیسیٰؑ مسیح کے وقت میں تھی جو طاعون سے ہلاک کئے گئے۔ خدایا ہمیں اس سے بچا کہ ہم اس قوم میں سے ہو جائیں جن کے شامل حال تیری رہنمائی نہ ہوئی اور وہ گمراہ ہو گئی یعنی نصاریٰ۔ اس دعا میں یہ پیشگوئی مخفی ہے کہ بعض مسلمانوں میں سے ایسے ہوں گے کہ وہ اپنے صدق و صفا کی وجہ سے پہلے نبیوں کے وارث ہو جائیں گے اور نبوت اور رسالت کی نعمتیں پائیں گے اور بعض ایسے ہوں گے کہ وہ یہودی صفت ہو جائیں گے جن پر دنیا میں ہی عذاب نازل ہوگا اور بعض ایسے ہوں گے کہ وہ عیسائیت کا جامہ پہن لیں گے کیونکہ خدا کے کلام میں یہ سنت مستمرہ ہے کہ جب ایک قوم کو ایک کام سے منع کیا جاتا ہے تو ضرور بعض ان میں سے ایسے ہوتے ہیں کہ خدا کے علم میں اس کام کے مرتکب ہونے والے ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ نیکی اور سعادت کا حصہ لیتے ہیں ابتداء دنیا سے اخیر تک جس قدر خدا نے کتابیں بھیجیں ان تمام کتابوں میں خدا تعالیٰ کی یہ قدیم سنت ہے کہ جب وہ ایک قوم کو ایک کام سے منع کرتا ہے یا ایک کام کی رغبت دیتا ہے تو اس کے علم میں یہ مقدر ہوتا ہے کہ بعض اس کام کو کریں گے اور بعض نہیں۔ **پس یہ سورۃ پیشگوئی کر رہی ہے کہ کوئی فرد اس امت میں سے کامل طور پر نبیوں کے رنگ میں ظاہر ہوگا تا وہ پیشگوئی جو آیت صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے مستنبط ہوتی ہے وہ اکمل اور اتم طور پر پوری ہو جائے۔** اور کوئی گروہ ان میں سے ان یہودیوں کے رنگ میں ظاہر ہوگا جن پر حضرت عیسیٰؑ نے لعنت کی تھی اور عذاب الٰہی میں مبتلا ہوئے تھے تا وہ پیشگوئی جو آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مستنبط ہوتی ہے ظہور پذیر ہو۔ **اور کوئی گروہ ان میں سے عیسائیوں کے رنگ میں ہو جائے گا عیسائی بن جائے گا جو خدا کی رہنمائی سے بوجہ اپنی شراب خواری اور اباحت اور فسق و فجور کے بے نصیب ہو گئے۔ تا وہ پیشگوئی جو آیت وَلَا الضَّآلِّيْنَ سے مترشح ہو رہی ہے ظاہر ہو جائے** اور چونکہ یہ بات مسلمانوں کے عقیدہ میں داخل ہے کہ آخری زمانہ میں ہزارہا مسلمان کہلانے والے یہودی صفت ہو جائیں گے اور قرآن شریف کے کئی ایک مقامات میں بھی یہ پیشگوئی موجود ہے اور صدہا مسلمانوں کا عیسائی ہو جانا یا عیسائیوں کی سی بے قید اور آزاد زندگی اختیار کرنا خود مشہود اور محسوس ہو رہا ہے بلکہ بہت سے لوگ مسلمان کہلانے والے ایسے ہیں کہ وہ عیسائیوں کی طرز معاشرت پسند کرتے ہیں اور مسلمان کہلا کر نماز روزہ اور حلال اور حرام کے احکام کو بڑی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ دونوں فرقے یہودی صفت اور عیسائی صفت اس ملک میں پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں تو یہ دو پیشگوئیاں سورۃ فاتحہ کی تو تم پوری ہوتے دیکھ چکے ہو اور بچشم خود مشاہدہ کر چکے ہو کہ کس قدر مسلمان یہودی صفت اور کس قدر عیسائیوں کے لباس میں ہیں۔ تو اب تیسری پیشگوئی خود ماننے کے لائق ہے کہ جیسا کہ مسلمانوں نے یہودی عیسائی بننے سے یہود نصاریٰ کی بدی کا حصہ لیا ایسا ہی ان کا حق تھا کہ بعض افراد ان کے ان مقدس لوگوں کے مرتبہ اور مقام سے بھی حصہ لیں جو بنی اسرائیل میں گذر چکے ہیں یہ خدا تعالیٰ پر بدظنی ہے کہ اس نے مسلمانوں کو یہود نصاریٰ کی بدی کا تو حصہ دار ٹھہرا دیا ہے یہاں تک کہ ان کا نام یہود بھی رکھ دیا ہے مگر ان کے رسولوں اور نبیوں کے مراتب میں سے اس امت کو کوئی حصہ نہ دیا پھر یہ امت خیر الامم کس وجہ سے ہوئی بلکہ شرّ الامم ہوئی کہ ہر ایک نمونہ شرّ کا ان کو ملا مگر نیکی کا نمونہ نہ ملا کیا ضرور

نہیں کہ اس امت میں بھی کوئی نبیوں اور رسولوں کے رنگ میں نظر آئے جو بنی اسرائیل کے تمام نبیوں کا وارث اور اُن کا ظل ہو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے بعید ہے کہ وہ اس امت میں اس زمانہ میں ہزار ہا یہودی صفت لوگ تو پیدا کرے اور ہزار ہا عیسائی مذہب میں داخل کرے مگر ایک شخص بھی ایسا ظاہر نہ کرے جو انبیاء گذشتہ کا وارث اور ان کی نعمت پانے والا ہوتا پیشگوئی جو آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے مستنبط ہوتی ہے وہ بھی ایسی ہی پوری ہو جائے جیسا کہ یہودی اور عیسائی ہونے کی پیشگوئی پوری ہوگئی اور جس حالت میں اس امت کو ہزار ہا برے نام دیئے گئے ہیں اور قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہود ہو جانا بھی ان کے نصیب میں ہے تو اس صورت میں خدا کے فضل کا خود یہ مقتضا ہونا چاہئے تھا کہ جیسے گذشتہ نصاریٰ سے انہوں نے بری چیزیں لیں اسی طرح وہ نیک چیز کے بھی وارث ہوں **اسی لئے خدا نے سورۃ فاتحہ میں آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں بشارت دی کہ اِس امت کے بعض افراد انبیاء گذشتہ کی نعمت بھی پائیں گے نہ یہ کہ نرے یہود بنیں یا عیسائی بنیں اور ان قوموں کی بدی تو لے لیں مگر نیکی نہ لے سکیں۔**

(کشتی نوح ۔ ر۔خ جلد 19 صفحہ 45 تا 48)

سورۃ فاتحہ کے نزول کی پیشگوئی

وَمِنْ اَخْبَارِهَا اَنَّهَا تُبَشِّرُ بِعُمُرِ الدُّنْيَا الدَّنِيَّةِ وَسَنَكْتُبُهٗ بِقُوَّةٍ مِّنَ الْحَضْرَةِ الْاَحَدِيَّةِ۔ وَهٰذِهٖ هِيَ الْفَاتِحَةُ الَّتِيْ اَخْبَرَ بِهَا نَبِيٌّ مِّنَ الْاَنْبِيَاءِ وَقَالَ رَئَيْتُ مَلَكًا قَوِيًّا نَّازِلًا مِّنَ السَّمَآءِ وَفِيْ يَدِهِ الْفَاتِحَةُ عَلٰى صُوْرَةِ الْكِتَابِ الصَّغِيْرِ فَوَقَعَ رِجْلُهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْبَحْرِ وَالْيُسْرٰى عَلَى الْبَرِّ بِحُكْمِ الرَّبِّ الْقَدِيْرِ۔ وَصَرَخَ بِصَوْتٍ عَظِيْمٍ كَمَا يَزْئَرُ الضِّرْغَامُ وَظَهَرَتِ الرُّعُوْدُ السَّبْعَةُ بِصَوْتِهٖ وَكُلٌّ مِّنْهَا وُجِدَ فِيْهِ الْكَلَامُ۔ وَقِيْلَ اخْتِمْ عَلٰى مَاتَكَلَّمَتْ بِهِ الرُّعُوْدُ۔ وَلَا تَكْتُبْ كَذَالِكَ قَالَ الرَّبُّ الْوَدُوْدُ۔ وَ الْمَلَكُ النَّازِلُ اَقْسَمَ بِالْحَيِّ الَّذِيْ اَضَآءَ نُوْرُهٗ وَجْهَ الْبِحَارِ وَ الْبُلْدَانِ اَنْ لَّا يَكُوْنَ زَمَانٌ بَعْدَ ذَالِكَ الزَّمَانِ بِهٰذَا الشَّاْنِ۔ وَقَدِ اتَّفَقَ الْمُفَسِّرُوْنَ اَنَّ هٰذَا الْخَبَرَ يَتَعَلَّقُ بِزَمَانِ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ الرَّبَّانِيِّ۔ فَقَدْ جَآءَ الزَّمَانُ وَظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ السَّبْعَةُ مِنَ السَّبْعِ الْمَثَانِيْ۔ وَهٰذَا الزَّمَانُ لِلْخَيْرِ وَالرُّشْدِ كَاٰخِرِ الْاَزْمِنَةِ۔ وَلَا يَاْتِيْ زَمَانٌ بَعْدَهٗ كَمِثْلِهٖ فِي الْفَضْلِ وَالْمَرْتَبَةِ۔ وَاِنَّا اِذَا وَدَّعْنَا الدُّنْيَا فَلَا مَسِيْحَ بَعْدَنَآ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَلَا يَنْزِلُ اَحَدٌ مِّنَ السَّمَآءِ وَلَا يَخْرُجُ رَأْسٌ مِّنَ الْمَغَارَةِ اِلَّا مَاسَبَقَ مِنْ رَّبِّيْ قَوْلٌ فِي الذُّرِّيَّةِ (1) وَاِنَّ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ وَقَدْ نَزَلَ مَنْ كَانَ نَازِلًا مِّنَ الْحَضْرَةِ وَتَشْهَدُ عَلَيْهِ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَلٰكِنَّكُمْ لَا تَطَّلِعُوْنَ عَلٰى هٰذِهِ الشَّهَادَةِ۔ وَ سَتَذْكُرُوْنَنِيْ بَعْدَ الْوَقْتِ وَالسَّعِيْدُ مَنْ اَدْرَكَ الْوَقْتَ وَمَا اَضَاعَهٗ بِالْغَفْلَةِ۔ (اعجاز المسیح ۔ ر۔خ ۔ جلد 18 صفحہ 71 تا 73)

(ترجمہ از مرتب) اسی طرح اس سورۃ میں بیان شدہ خبروں میں سے ایک خبر یہ بھی ہے کہ یہ سورۃ اس دنیا کی عمر بتاتی ہے اور ہم عنقریب اسے بھی اللہ کی دی ہوئی قوت سے لکھیں گے۔ یہ وہی سورۃ فاتحہ ہے جس کی خبر خدا تعالیٰ کے انبیاء میں سے ایک نبی نے دی۔ اس نبی نے کہا میں نے ایک قوی فرشتہ دیکھا جو آسمان سے اترا، اس کے ہاتھ میں سورۃ فاتحہ ایک چھوٹی سی کتاب کی شکل میں تھی اور خدائے قادر کے حکم سے اُس کا دایاں پاؤں سمندر پر اور بایاں پاؤں خشکی پر پڑا اور وہ شیر کے غرّانے کی مانند بلند آواز میں پکارا، اس کی آواز سے سات گرجیں پیدا ہوئیں جن میں سے ہر ایک میں ایک مخصوص کلام (جملہ) سنائی دیا اور کہا گیا کہ اگر ان گرجوں میں سے پیدا ہونے والے کلمات کو سر بمُہر کر دے اور انہیں مت لکھ خدائے مہربان نے ایسا ہی فرمایا ہے **اور نازل ہونے والے فرشتے نے اس زندہ خدا کی قسم کھا کر جس کے نور نے سمندروں اور آبادیوں کو روشن کیا ہے کہا اس (مسیح موعود) کے زمانہ کے بعد اس شان و مرتبہ کا زمانہ نہ آئے گا اور مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ پیشگوئی مسیح موعود کے زمانہ سے متعلق ہے۔** سو اب وہ زمانہ آ گیا ہے اور سورۃ فاتحہ کی سات آیات سے وہ آوازیں ظاہر ہو گئی ہیں اور یہ زمانہ نیکی اور ہدایت کے لحاظ سے آخری زمانہ ہے اور اس کے بعد کوئی زمانہ اس زمانہ کی شان و مرتبہ کا نہیں آئے گا **اور جب ہم اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو پھر ہمارے بعد قیامت تک کوئی اور مسیح نہیں آئے گا اور نہ ہی کوئی آسمان سے اترے گا اور نہ ہی کوئی غار سے نکلے گا۔** سوائے اس موعود لڑکے کے (1) جس کے بارے میں پہلے سے میرے رب کے کلام میں ذکر آ چکا ہے۔ **یہی بات سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو (مسیح موعود) آنے والا تھا وہ آ گیا ہے اور زمین و آسمان اس پر گواہی دے رہے ہیں، لیکن تم اس گواہی کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے، تم عنقریب وقت نکل جانے کے بعد مجھے یاد کرو گے سعادت مند وہی شخص ہے جس نے اس وقت کو پایا اور اس کو غفلت میں ضائع نہ کیا۔**

اے حسرت ایں گروہِ عزیزاں مرا نہ دید　　وقتے بہ بینندم کہ ازیں خاک بگزرم

(ترجمہ: افسوس عزیزوں نے مجھے نہ پہچانا۔ یہ مجھے اس وقت جانیں گے جب میں اس دنیا سے گذر جاؤں گا)

امروز قومِ من نشناسد مقامِ من　　روزے بگریہ یاد کند وقتِ خوشترم

(ترجمہ: آج کے دن میری قوم میرا درجہ نہیں جانتی لیکن ایک دن آئے گا کہ وہ رو رو کر میرے مبارک وقت کو یاد کرے گی)

(درثمین صفحہ 165 ` 166)

سورۃ فاتحہ میں تین دعائیں اور مسیح موعود علیہ السلام

سورۃ فاتحہ میں تین دعائیں سکھلائی گئی ہیں (1) **ایک یہ دعا کہ خدا تعالیٰ اُس جماعت میں داخل رکھے جو صحابہ کی جماعت ہے اور پھر اس کے بعد اس جماعت میں داخل رکھے جو مسیح موعود کی جماعت ہے جن کی نسبت قرآن شریف فرماتا ہے وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ** (الجمعہ:4) **غرض اسلام میں یہی دو جماعتیں منعم علیھم کی جماعتیں ہیں اور انہی کی طرف اشارہ ہے آیت صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں کیونکہ تمام قرآن پڑھ کر دیکھو جماعتیں دو ہی ہیں۔** ایک صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت۔ دوسری وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ کی جماعت جو صحابہ کے رنگ میں ہے اور وہ مسیح موعود کی جماعت ہے۔ پس جب تم نماز میں یا خارج نماز کے یہ دعا پڑھو کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ تو دل میں یہی ملحوظ رکھو کہ میں صحابہ اور مسیح موعود کی جماعت طلب کرتا ہوں۔ یہ تو سورۃ فاتحہ کی پہلی دعا ہے۔ (2) دوسری دعا غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ہے جس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسیح موعود کو دکھ دیں گے اور اس دعا کے مقابل پر قرآن شریف کے اخیر میں سورۃ تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ ہے (3) تیسری دعا وَلَا الضَّآلِّيْنَ ہے۔ اور اس کے مقابل پر قرآن شریف کے اخیر میں سورۃ اخلاص ہے یعنی قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ اور اس کے بعد دو اور سورتیں جو ہیں یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس یہ دونوں سورتیں سورۃ تبت اور سورۃ اخلاص کے لئے بطور شرح کے ہیں اور ان دونوں سورتوں میں اس تاریک زمانہ سے خدا کی پناہ مانگی گئی ہے جب کہ لوگ خدا کے مسیح کو دکھ دیں گے اور جب کہ عیسائیت کی ذلالت تمام دنیا میں پھیلے گی **پس سورۃ فاتحہ میں ان تینوں دعاؤں کی تعلیم بطور براعت الاستہلال ہے یعنی وہ اہم مقصد جو قرآن میں مفصل بیان کیا گیا ہے سورۃ فاتحہ میں بطور اجمال اس کا افتتاح کیا ہے اور پھر سورۃ تبت اور سورۃ اخلاص اور سورۃ فلق اور سورۃ الناس میں ختم قرآن کے وقت میں انہی دونوں بلاؤں سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے۔ پس افتتاح کتاب اللہ بھی انہی دونوں دعاؤں سے ہوا۔ اور پھر اختتام کتاب اللہ بھی انہی دونوں دعاؤں پر کیا گیا۔**

اور یاد رہے کہ ان دونوں فتنوں کا قرآن شریف میں مفصل بیان ہے اور سورۃ فاتحہ اور آخری سورتوں میں اجمالاً ذکر ہے۔ مثلاً سورۃ فاتحہ میں دعا وَلَا الضَّآلِّيْنَ میں صرف دو لفظ میں سمجھایا گیا ہے کہ عیسائیت کے فتنہ سے بچنے کے لئے دعا مانگتے رہو جس سے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی فتنہ عظیم الشان درپیش ہے جس کے لیے یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ نماز کے پنج وقت میں یہ دعا شامل کر دی گئی اور یہاں تک تاکید کی گئی کہ اس کے بغیر نماز ہو نہیں سکتی جیسا کہ حدیث لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِالْفَاتِحَةِ سے ظاہر ہوتا ہے......

سو اب یہ وہی فتنہ کا زمانہ ہے جس میں تم آج ہو۔ تیرہ سو برس کی پیشگوئی جو سورۃ فاتحہ میں تھی آج تم میں اور تمہارے ملک میں پوری ہوئی اور اس فتنہ کی جڑ مشرق ہی نکلا اور جیسا کہ اس فتنہ کا ذکر قرآن کے ابتدا میں فرمایا گیا ایسا ہی قرآن شریف کے انتہا میں بھی ذکر فرمایا تا یہ امر مؤکّد ہو کر دلوں میں بیٹھ جائے۔

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 220-217)

ضالین پر اس سورۃ کو ختم کیا ہے یعنی ساتویں آیت پر جو ضالین کے لفظ پر ختم ہوتی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ضالین پر قیامت آئے گی۔ یہ سورۃ درحقیقت بڑے دقائق اور حقائق کی جامع ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں اور اس سورۃ کی یہ دعا کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ **یہ صاف اشارہ کر رہی ہے کہ اس امت کے لئے ایک آنے والے گروہ مغضوب علیھم کے ظہور سے اور دوسرے گروہ ضالین کے غلبہ کے زمانہ میں ایک سخت ابتلا درپیش ہے جس سے بچنے کیلئے پانچ وقت دعا کرنی چاہیئے۔** (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ۔ جلد 17 صفحہ 284-285 حاشیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قرآن کریم کا خلاصہ ہے

صفاتِ جمالیہ

فرمایا:-

''سارے **قرآن شریف کا خلاصہ** **بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ** ہے اور اللہ تعالیٰ کی اصل صفات بھی جمالی ہیں اور اصل نام خدا بھی جمالی ہے۔ یہ تو کفّار لوگ اپنی ہی کرتُوتوں سے ایسے سامان بہم پہنچاتے ہیں کہ بعض وقت جلالی رنگ دکھانا پڑتا ہے۔**اس وقت چونکہ اس کی ضرورت نہیں اس واسطے ہم جمالی رنگ میں آئے ہیں۔''**

(ملفوظات جلد اول صفحہ 447)

بسم اللہ کا مقام اور مقصد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اب یہ آیت جن کامل صداقتوں پر مشتمل ہے ان کو بھی سن لینا چاہیئے سومنجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اصل مطلب اس آیت کے نزول سے یہ ہے کہ تا عاجز اور بے خبر بندوں کو اس نکتۂ معرفت کی تعلیم کی جائے کہ ذات واجب الوجود کا اسمِ اعظم جو اللہ ہے کہ جو اصطلاح قرآنی ربّانی کے رو سے ذات مستجمع جمیع صفاتِ کاملہ اور منزّہ عن جمیع رذائل اور معبودِ برحق اور واحد لاشریک اور مبدء جمیع فیوض پر بولا جاتا ہے اس **اسمِ اعظم کی بہت سی صفات میں سے جو دو صفتیں بسم اللہ میں بیان کی گئی ہیں یعنی صفت رحمانیت ورحیمیت انہیں دوصفتوں کے تقاضا سے کلام الٰہی کا نزول اوراس کے انوار و برکات کا صدور ہے۔** اس کی تفصیل یہ ہے کہ خدا کے پاک کلام کا دنیا میں اترنا اور بندوں کو اس سے مطلع کیا جانا یہ صفت رحمانیت کا تقاضا ہے کیونکہ صفت رحمانیت کی کیفیت (جیسا کہ آگے بھی تفصیل سے لکھا جائے گا) یہ ہے کہ وہ صفت بغیر سبقت عمل کسی عامل کے محض جود اور بخشش الٰہی کے جوش سے ظہور میں آتی ہے جیسا خدا نے سورج اور چاند اور پانی اور ہوا وغیرہ کو بندوں کی بھلائی کیلئے پیدا کیا ہے یہ تمام جُود اور بخشش صفتِ رحمانیت کے رو سے ہے اور کوئی شخص دعویٰ نہیں کرسکتا کہ یہ چیزیں میرے کسی عمل کی پاداش میں بنائی گئی ہیں اسی طرح خدا کا کلام بھی کہ جو بندوں کی اصلاح اور راہ نمائی کے لئے اترا وہ بھی اس صفت کے رو سے اترا ہے اور کوئی ایسا متنفس نہیں کہ یہ دعویٰ کر سکے کہ میرے کسی عمل یا مجاہدہ یا کسی پاک باطنی کے اجر میں خدا کا پاک کلام کہ جو اس کی شریعت پر مشتمل ہے نازل ہوا ہے۔

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ جلد 1 صفحہ 415 حاشیہ نمبر 11)

اسم اعظم کے ساتھ رحمٰن الرحیم تمام صفات عظیمہ کا خلاصہ ہے

وَ ھٰھُنَا سُؤَالٌ عُضَالٌ نَّکْتُبُہٗ فِی الْکِتٰبِ مَعَ الْجَوَابِ لِیُفَکِّرَ فِیْہِ مَنْ کَانَ مِنْ اُوْلِی الْاَ لْبَابِ۔وَھُوَ اَنَّ اللّٰہَ اخْتَارَ مِنْ جَمِیْعِ صِفَاتِہٖ صِفَتَیِ الرَّحْمَانِ وَالرَّحِیْمِ فِی الْبَسْمَلَۃِ وَمَا ذَکَرَ صِفَۃً اُخْرٰی فِیْ ھٰذِہِ الْاٰ یَۃِ۔مَعَ اَنَّ اسْمَہُ الْاَ عْظَمَ یَسْتَحِقُّ جَمِیْعَ مَا ھُوَ مِنَ الصِّفَا تِ الْکَامِلَۃِ کَمَا ھِیَ مَذْ کُوْرَۃٌ فِی الصُّحُفِ الْمُطَھَّرَۃِ۔ثُمَّ اِنَّ کَثْرَۃَ الصِّفَاتِ تَسْتَلْزِمُ کَثْرَۃَ الْبَرَکَاتِ عِنْدَالتِّلَا وَۃِ۔فَا لْبَسْمَلَۃُ اَحَقُّ وَاَوْلٰی بِھٰذَا الْمَقَامِ وَالْمَرْتَبَۃِ۔وَقَدْ نُدِبَ لَھَا عِنْدَ کُلِّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ کَمَا جَآءَ فِی الْاَ حَادِیْثِ النَّبَوِیَّۃِ۔وَاِنَّھَا اَکْثَرُ وِرْدًا عَلٰی اَلْسُنِ اَھْلِ الْمِلَّۃِ وَاَ کْثَرُ تَکْرَارًا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ ذِی الْعِزَّ ۃِ۔فَبِاَیِّ حِکْمَۃٍ وَّمَصْلَحَۃٍ لَّمْ یُکْتَبْ صِفَا تٌ اُخْرٰی مَعَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ الْمُتَبَرَّکَۃِ۔فَالْجَوَابُ اَنَّ اللّٰہَ اَرَادَ فِیْ ھٰذَا الْمَقَامِ۔اَنْ یَذْ کُرَمَعَ اسْمِہِ الْاَعْظَمِ صِفَتَیْنِ ھُمَا خُلَاصَۃُ جَمِیْعِ صِفَاتِہِ الْعَظِیْمَۃِ عَلَی الْوَجْہِ التَّآمِّ۔وَھُمَا الرَّحْمَانُ الرَّحِیْمُ۔

ترجمہ:- یہاں ایک مشکل سوال ہے جسے ہم اس جگہ مع جواب لکھتے ہیں تا کہ عقل منداس میں غور وفکر کر سکیں اور وہ سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بسم اللہ میں اپنی تمام صفات میں سے صرف دوصفات الرحمٰن اور الرحیم کو ہی اختیار کیا ہے اور کسی اور صفت کا اس آیت میں ذکر نہیں کیا۔حالانکہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم (یعنی اللہ) تمام ان صفات کاملہ کا مستحق ہے جو مقدس صحیفوں میں مذکور ہیں۔پھر کثرت صفات تلاوت کے وقت کثرتِ برکات کو مستلزم ہے۔پس بسم اللہ کی آیت کریمہ اللہ کی کثرت صفات کے بیان کے مقام اور مرتبہ کی زیادہ حقدار اور سزاوار ہے اور حدیث نبوی میں ہر اہم کام شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا مستحسن قرار دیا گیا ہے، نیز یہ آیت مسلمانوں کی زبانوں پر اکثر جاری رہتی ہے۔اور خدائے عزیز کی کتاب قرآن کریم میں بڑی کثرت سے دہرائی گئی ہے۔تو پھر کس حکمت اور مصلحت کے ماتحت اس مبارک آیت میں خدا تعالیٰ کی دوسری صفات درج نہیں کی گئیں۔**اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ ارادہ فرمایا کہ اپنے اسم اعظم کے ساتھ انہی دوصفات کا ذکر کرے جو اس کی تمام صفات عظیمہ کا پورا پورا خلاصہ ہیں اور وہ دونوں صفات الرحمٰن اور الرحیم ہیں۔** (اعجاز المسیح ۔ر۔خ جلد 18 صفحہ 96 تا 98)

فَاَرَادَاللّٰہُ اَنْ یُّعْطِیَھَا مَا اقْتَضَتْھَا وَیُتِمَّ عَلَیْھَا نَعْمَہٗ بِجُوْدِہِ الْعَمِیْمِ۔فَتَجَلّٰی عَلَیْھَا بِصَفَتَیْہِ الرَّحْمَانِ وَالرَّحِیْمِ۔وَلَا رَیْبَ اَنَّ ھَاتَیْنِ الصِّفَتَیْنِ ھُمَا الْوُصْلَۃُ بَیْنَ الرُّبُوْ بِیَّۃِوَالْعُبُوْدِیَّۃِ۔وَبِھِمَا یَتِمُّ دَائِرَۃُ السُّلُوْکِ وَالْمَعَارِفِ الْاِنْسَانِیَّۃِ۔فَکُلُّ صِفَۃٍ بَعْدَ ھُمَا دَاخِلَۃٌفِیْ اَنْوَارِھِمَا وَقَطْرَۃٌ مِّنْ بِحَارِھِمَا۔

پس خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ کہ جو کچھ انسان کی فطرت تقاضا کرتی ہے وہ اسے عطا کرے اور اپنی وسیع بخشش کے طفیل اس پر اپنی نعمتوں کو پورا کرے۔سو اس نے اپنی انہی دو صفات الرحمٰن اور الرحیم کے ساتھ اس پر تجلی فرمائی۔**اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دونوں صفات ربوبیت اور عبودیت کے درمیان ایک واسطہ ہیں اور انہی دونوں کے ذریعہ انسانی معرفت اور سلوک کا دائرہ مکمل ہوتا ہے۔** ان دونوں کے علاوہ خدا تعالیٰ کی باقی تمام صفات انہی دوصفتوں کے انوار میں شامل ہیں۔اور ان سمندروں کا ایک قطرہ ہیں۔ (اعجاز المسیح ۔ر۔خ جلد 18 صفحہ 99-100)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ترجمہ بیان فرمودہ حضرت اقدس علیہ السلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَo الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِo مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِo

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۔تمام محامد اِس ذات معبودِ برحق مستجمع جمیع صفات کاملہ کو ثابت ہیں جس کا نام اللہ ہے۔۔۔۔ قرآن شریف کی اصطلاح میں اللہ اس ذات کامل کا نام ہے کہ جو معبود برحق مستجمع جمیع صفات کاملہ اور تمام رذائل سے منزّہ اور واحد لاشریک اور مبدء جمیع فیوض ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اپنے کلام پاک قرآن شریف میں اپنے نام اللہ کو تمام دوسرے اسماء وصفات کا موصوف ٹھہرایا ہے اور کسی جگہ کسی دوسرے اسم کو یہ رتبہ نہیں دیا۔پس اللہ کے اسم کو بوجہ موصوفیت تامہ ان تمام صفتوں پر دلالت ہے جن کا وہ موصوف ہے اور چونکہ وہ جمیع اسماء اور صفات کا موصوف ہے اس لیے اس کا مفہوم یہ ہوا کہ وہ جمیع صفات کاملہ پر مشتمل ہے۔**پس خلاصہ مطلب الحمدللہ کا یہ نکلا کہ تمام اقسام حمد کے کیا باعتبار ظاہر کے اور کیا باعتبار باطن کے اور کیا باعتبار ذاتی کمالات کے اور کیا باعتبار قدرتی عجائبات کے اللہ سے مخصوص ہیں** اور اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں اور نیز جس قدر محامد صحیحہ اور کمالات تامہ کو عقل کسی عاقل کی سوچ سکتی ہے یا فکر کسی متفکر کا ذہن میں لاسکتا ہے وہ سب خوبیاں اللہ تعالیٰ میں موجود ہیں اور کوئی ایسی خوبی نہیں کہ عقل اس خوبی کے امکان پر شہادت دے۔مگر اللہ تعالیٰ بدقسمت انسان کی طرح اس خوبی سے محروم ہو بلکہ کسی عاقل کی عقل ایسی خوبی پیش ہی نہیں کرسکتی کہ جو خدا میں نہ پائی جائے۔ جہاں تک انسان زیادہ سے زیادہ خوبیاں سوچ سکتا ہے وہ سب اس میں موجود ہیں اور اس کو اپنی ذات اور صفات اور محامد میں من کل الوجوہ کمال حاصل ہے اور رذائل سے بکلّی منزّہ ہے۔

(براہین احمدیہ۔ر۔خ جلد1 صفحہ 435۔436)

تفسیر۔ لفظ ’’حمد‘‘

ثُمَّ اِنَّ لَفْظَ الْحَمْدِ مَصْدَرٌ مَّبْنِیٌّ عَلَی الْمَعْلُوْمِ وَالْمَجْهُوْلِ۔ وَلِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ۔مِنَ اللّٰهِ ذِی الْجَلَالِ۔وَمَعْنَاهُ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ مُحَمَّدٌ وَّهُوَ اَحْمَدُ عَلٰی وَجْهِ الْکَمَالِ۔وَالْقَرِیْنَةُ الدَّآلَّةُ عَلٰی هٰذَا الْبَیَانِ۔اَنَّهٗ تَعَالٰی ذَکَرَ بَعْدَ الْحَمْدِ صِفَاتًا تَسْتَلْزِمُ هٰذَا الْمَعْنٰی عِنْدَ اَهْلِ الْعِرْفَانِ۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَوْ مَأَ فِیْ لَفْظِ الْحَمْدِ اِلٰی صِفَاتٍ تُوْجَدُ فِیْ نُوْرِهِ الْقَدِیْمِ۔ثُمَّ فَسَّرَا لْحَمْدَ وَجَعَلَهٗ مُخَدَّرَةً سَفَرَتْ عَنْ وَجْهِهَا عِنْدَ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ وَالرَّحِیْمِ۔ فَاِنَّ الرَّحْمَانَ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ الْحَمْدَ مَبْنِیٌّ عَلَی الْمَعْلُوْمِ۔وَالرَّحِیْمَ یَدُلُّ عَلَی الْمَجْهُوْلِ کَمَا لَا یَخْفٰی عَلٰی اَهْلِ الْعُلُوْمِ۔

ترجمہ: - پھر یہ بھی یاد رہے کہ لفظ حمد جو اس آیت میں اللہ ذوالجلال کی طرف سے استعمال ہوا ہے مصدر ہے جو بطور مبنی للمعلوم اور مبنی للمجہول ہے۔یعنی فاعل اور مفعول دونوں کے لئے ہے۔اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کامل طور پر تعریف کیا گیا اور تعریف کرنے والا ہے۔اور اس بیان پر دلالت کرنے والا قرینہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حمد کے بعد ایسی صفات کا ذکر فرمایا ہے جو اہل عرفان کے نزدیک ان معنی کو مستلزم ہیں۔اور اللہ تعالیٰ نے لفظ حمد میں ان صفات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جو اس کے ازلی نور میں پائی جاتی ہیں۔پھر اس نے اس لفظ حمد کی تفسیر فرمائی ہے اور اسے ایک ایسی پردہ نشین قرار دیا ہے جو رحمان اور رحیم کے ذکر پر اپنے چہرہ سے نقاب اٹھاتی ہے کیونکہ رحمان کا لفظ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ لفظ حمد مصدر معروف ہے اور اسی طرح رحیم کا لفظ حمد کے مصدر مجہول ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔ (اعجاز المسیح۔ر۔خ جلد 18 صفحہ 130-131)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ ہے

(1) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے قرآن شریف اسی لئے شروع کیا گیا ہے تا کہ رسول اللہ ﷺ کے نام کی طرف ایما ہو۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 396)

(2) اب میں پھر بتانا چاہتا ہوں کہ حمد ہی سے محمدؐ اور احمدؐ نکلا ہے۔ ﷺ اور یہ رسول اللہ ﷺ کے دو نام تھے۔گویا حمد کے دو مظہر ہوئے اور پھر الحمد للہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی چار صفتیں رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔الرَّحْمٰنِ۔الرَّحِیْمِ۔ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ بیان کی ہیں۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 429- 430)

اللہ تعالیٰ ظلّی طور پر اپنی صفات دینا چاہتا ہے

الحمد للہ کا مظہر

میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا مظہر رسول اللہ ﷺ کے دو ظہوروں محمدؐ اور احمدؐ میں ہوا۔اب نبی کامل ﷺ کی ان صفات اربعہ کو بیان کر کے صحابہ کرام کی تعریف میں پورا بھی کر دیا۔گویا اللہ تعالیٰ ظلّی طور پر اپنی صفات دینا چاہتا ہے اس لئے فنافی اللہ کے یہی معنی ہیں کہ انسان الٰہی صفات کے اندر آ جاوے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 430)

صحابہ رسول اکرم ﷺ میں بھی ان صفات کی تجلی چمکی

نبی کریمؐ کی قوّتِ قُدسی کا ثبوت

یہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی قوّتِ قُدسی کے کامل اور سب سے بڑھ کر ہونے کا ایک اور ثبوت ہے کہ آپؐ کے تربیت یافتہ گروہ میں وہ استقلال اور رسوخ تھا کہ وہ آپؐ کے لیے اپنی جان مال تک دینے سے دریغ نہ کرنے والے میدان میں ثابت ہوئے۔اور مسیحؑ کے نقص کا یہ بدیہی ثبوت ہے کہ جو جماعت تیار کی، وہی گرفتار کرانے اور جان سے مروانے اور لعنت کرنے والے ثابت ہوئے۔غرض رسول اللہ ﷺ کی رحمیت کا اثر تھا کہ صحابہؓ میں ثباتِ قدم اور استقلال تھا۔پھر مالک یوم الدین کا عملی ظہور صحابہؓ کی زندگی میں یہ ہوا کہ خدا نے ان میں اور اُن کے غیروں میں فُرقان رکھ دیا۔جو معرفت اور خدا کی محبت دنیا میں ان کو دی گئی، یہ اُن کی دُنیا میں جزا تھی۔اب قصّہ کوتاہ کرتا ہوں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں ان صفاتِ اربعہ کی تجلّی چمکی۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 430)

حضرت مسیح موعودؑ کی جماعت بھی صحابہ ہی ہوگی

لیکن بات بڑی غور طلب ہے کہ صحابہؓ کی جماعت اتنی ہی نہ سمجھو جو پہلے گزر چکے بلکہ ایک اور گروہ بھی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ذکر کیا ہے۔ وہ بھی صحابہؓ ہی میں داخل ہے جو احمدؑ کے بروز کے ساتھ ہوں گے؛ چنانچہ فرمایا، **وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ** (الجمعة:4) یعنی صحابہؓ کی جماعت کو اسی قدر نہ سمجھو بلکہ **مسیح موعودؑ کے زمانہ کی جماعت بھی صحابہؓ ہی ہوگی۔**

اس آیت کے متعلق مفسروں نے مان لیا ہے کہ یہ مسیح موعودؑ کی جماعت ہے مِنْھُمْ کے لفظ سے پایا جاتا ہے کہ باطنی توجہ اور استفاضہ صحابہؓ ہی کی طرح ہوگا۔ صحابہؓ کی تربیت ظاہری طور پر ہوئی تھی، مگر ان کو کوئی دیکھ نہیں سکتا وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی تربیت کے نیچے ہوں گے۔ اس لئے سب علماء نے اس گروہ کا نام صحابہ ہی رکھا ہے۔ جیسے ان صفاتِ اربعہ کا ظہور ان صحابہؓ میں ہوا تھا ویسے ہی ضروری ہے کہ **وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ** کی مصداق جماعت صحابہ میں بھی ہو۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 431)

مسیحِ وقت اب دُنیا میں آیا ۔۔۔ خُدا نے عہد کا دن ہے دکھایا
مبارک وُہ جو اب ایمان لایا ۔۔۔ صحابہؓ سے ملا جب مجھ کو پایا
وُہی مے ان کو ساقی نے پلا دی ۔۔۔ فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

(درثمین اردو صفحہ 59)

الحمد میں دو احمدوں کا ذکر ہے یعنی آنحضرت ﷺ اور حضرت مسیح موعودؑ

اِعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی افْتَتَحَ کِتَابَہٗ بِالْحَمْدِ لَا بِالشُّکْرِ وَلَا بِالثَّنَآءِ۔ لِاَ نَّ الْحَمْدَ اَتَمُّ وَاَکْمَلُ مِنْھُمَا وَاَحَاطَھُمَا بِالْاِ سْتِیْفَآءِ۔ ثُمَّ ذَالِکَ رَدٌّ عَلٰی عَبَدَۃِ الْمَخْلُوْقِیْنَ وَالْاَوْثَانِ۔ فَاِنَّھُمْ یَحْمَدُوْنَ طَوَا غِیْتَھُمْ وَیَنْسِبُوْنَ اِلَیْھَا صِفَاتِ الرَّحْمٰنِ۔ وَفِی الْحَمْدِ اِشَارَۃٌ اُخْرٰی۔ وَھِیَ اَنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی یَقُوْلُ اَیُّھَا الْعِبَادُ اعْرِفُوْنِیْ بِصِفَاتِیْ وَاٰمِنُوْا بِیْ لِکَمَالَاتِیْ وَانْظُرُوْا اِلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِیْنَ ھَلْ تَجِدُوْنَ کَمِثْلِیْ رَبَّ الْعَالَمِیْنَ وَاَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَمَالِکَ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ وَمَعَ ذَالِکَ اِشَارَۃٌ اِلٰی اَنَّ اِلٰھَکُمْ اِلٰہٌ جَمَعَ جَمِیْعَ اَنْوَاعِ الْحَمْدِ فِیْ ذَاتِہٖ وَتَفَرَّدَ فِیْ سَآئِرِ مَحَاسِنِہٖ وَ صِفَاتِہٖ۔ وَاِشَارَۃٌ اِلٰی اَنَّہٗ تَعَالٰی مُنَزَّہٌ شَاْنُہٗ عَنْ کُلِّ نَقْصٍ وَّ حُوُوْلِ حَالَۃٍ وَّ لُحُوْقِ وَصْمَۃٍ کَالْمَخْلُوْقِیْنَ۔ بَلْ ھُوَ الْکَامِلُ الْمَحْمُوْدُ وَلَا تُحِیْطُہُ الْحُدُوْدُ وَلَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ وَمِنَ الْاَزَلِ اِلٰی اَبَدِالْاٰبِدِیْنَ۔ وَلِذَالِکَ سَمَّی اللّٰہُ نَبِیَّہٗ اَحْمَدَ وَ کَذَالِکَ سَمّٰی بِہِ الْمَسِیْحَ الْمَوْعُوْدَ لِیُشِیْرَ

اِلٰی مَاتَعَمَّدَ ۔وَاِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الْحَمْدَ عَلٰی رَاْسِ الْفَاتِحَۃِ ثُمَّ اَشَارَ اِلَی الْحَمْدِ فِیْ اٰخِرِ ھٰذِہٖ السُّوْرَۃِ فَاِنَّ اٰخِرَھَالَفْظُ الضَّآلِیْنَ وَھُمُ النَّصَارَی الَّذِیْنَ اَعْرَضُوْا عَنْ حَمْدِ اللّٰہِ وَاَعْطَوْا حَقَّہٗ لِاَحَدٍ مِّنَ الْمَخْلُوْقِیْنَ ۔فَاِنَّ حَقِیْقَۃَ الضَّلَالَۃِ ھِیَ تَرْکُ الْمَحْمُوْدِالَّذِیْ یَسْتَحِقُّ الْحَمْدَ وَالثَّنَآءَ کَمَا فَعَلَ النَّصَارٰی وَ نَحَتُوْا مِنْ عِنْدِ ھِمْ مَحْمُوْدًا اٰخَرَ وَ بَالَغُوْافِی الْاِطْرَآءِ وَاتَّبَعُواالْاَھْوَآءَ ۔ وَبَعُدُوْا مِنْ عَیْنِ الْحَیَاۃِ وَھَلَکُوْا کَمَا یَھْلِکُ الضَّآلُّ فِی الْمَوْمَاۃِ۔ وَاِنَّ الْیَھُوْدَ ھَلَکُوْافِیْ اَوَّلِ اَمْرِ ھِمْ وَبَآءُ وْابِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ الْقَھَّارِ۔ وَالنَّصَارٰی سَلَکُوْا قَلِیْلًا ثُمَّ ضَلُّوْا وَ فَقَدُ واالْمَآءَ فَمَا تُوْا فِیْ فَلَاۃٍ مِّنَ الْاِضْطِرَارِ ۔فَحَاصِلُ ھٰذَا الْبَیَانِ اَنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اَحْمَدَ یْنِ فِیْ صَدْرِ الْاِسْلَامِ وَ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ۔ وَاَشَارَاِلَیْھِمَا بِتَکْرَارِ لَفْظِ الْحَمْدِ فِیْ اَوَّلِ الْفَاتِحَۃِ وَفِیْ اٰخِرِ ھَا لِاَ ھْلِ الْعِرْ فَانِ۔ وَفَعَلَ کَذَالِکَ لِیَرُدَّ عَلَی النَّصْرَانِیِّیْنَ ۔وَاَنْزَلَ اَحْمَدَیْنِ مِنَ السَّمَآءِ لِیَکُوْ نَا کَالْجِدَرَیْنِ لِحِمَایَۃِ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰ خِرِیْنَ ۔

(ترجمہ از مرتب) جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو شکر اور ثناء سے نہیں بلکہ حمد سے شروع کیا ہے کیونکہ حمد کا لفظ ان دونوں سے زیادہ مکمل اور جامع ہے اور ان دونوں پر پورے طور پر محیط ہے ۔پھر لفظ الحمد مخلوق کے پرستاروں اور بتوں کے پوجاریوں کی تردید ہے ۔کیونکہ وہ اپنے باطل معبودوں کی حمد کرتے ہیں ۔اور خدائے رحمان کی صفات ان کی طرف منسوب کرتے ہیں ۔الحمد میں ایک اور اشارہ بھی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو مجھے میری صفات کے ذریعہ پہچانو ۔اور میرے کمالات کی بناء پر مجھ پر ایمان لاؤ ۔اور آسمانوں اور زمینوں پر غور کرو ۔کیا تم میرے جیسا کسی اور کو رب العالمین اور ارحم الراحمین اور مالک یوم الدین پاتے ہو ۔مزید براں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تمہارا معبود ایسا معبود ہے جس کی ذات ہر قسم کی حمد کی جامع ہے ۔اور اپنی تمام خوبیوں اور صفتوں میں منفرد اور یگانہ ہے ۔اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان ہر نقص اور ہر تغیر اور ہر عیب کے لاحق ہونے سے پاک ہے جو مخلوق میں پایا جاتا ہے بلکہ وہ اپنی ذات میں قابل تعریف ہے ۔اور وہ حد بندی سے بالا ہے اور آنحضرت ﷺ کی پہلی بعثت اور پچھلی بعثت بلکہ ازل سے ابد الا باد تک سب تعریف اسی کے لیے ہے ۔**اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا نام احمد رکھا اور اسی طرح مسیح موعود کا بھی یہی نام رکھا ۔تا اس نے جو قصد کیا تھا اس کی طرف اشارہ فرمائے ۔**اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ کے ابتداء میں الحمد لکھا ہے پھر اس سورۃ کے آخر میں بھی الحمد کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ اس کے آخر میں الضالین کا لفظ ہے ۔اور وہ نصاریٰ ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کی حمد کرنے سے منہ موڑ لیا ۔اور اس کا حق مخلوق کے ایک فرد کو دے دیا ۔کیونکہ گمراہی کی حقیقت یہ ہے کہ اس قابل تعریف ہستی کو جو حمد و ثنا کی مستحق ہے چھوڑ دیا جائے جیسا کہ نصاریٰ نے کیا ہے ۔انہوں نے اپنے پاس سے ایک اور قابل تعریف معبود بنا لیا اور انہوں نے اس کی تعریف میں بڑا مبالغہ کیا ہے ۔انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی اور زندگی کے چشمہ سے دور نکل گئے اور اس طرح ہلاک ہو گئے جس طرح ایک راہ گم کردہ شخص بیابان میں ہلاک ہو جاتا ہے ۔اور

یہود تو اپنی ابتدا میں ہی ہلاک ہو گئے تھے۔اور خدائے قہار کے غضب کے مورد بن گئے تھے۔نصاریٰ چند قدم چلے پھر گمراہ ہو گئے اور روحانی پانی کھو دیا۔اور آخر کار لاچار ہو کر بیابانوں میں ہی مر گئے۔**پس خلاصہ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو احمد پیدا کئے (ایک) اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اور (ایک) آخری زمانہ میں۔اور اللہ تعالیٰ نے اہل عرفان کے لیے سورۃ فاتحہ کے شروع میں اور اس کے آخر میں الحمد کا لفظاً ومعناً تکرار کر کے ان دونوں (احمدوں) کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔اور خدا نے ایسا عیسائیوں کی تردید کے لیے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے دو احمد آسمان سے اتارے تا وہ دونوں پہلوں اور پچھلوں کی حمایت کے لیے دو دیواروں کی طرح ہو جائیں۔**

(اعجاز المسیح۔ر۔خ جلد 18 صفحہ 195 تا 198)

ربّ العالمین

ترجمہ اور معانی

(1) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔۔۔۔یعنی تمام محامد اللہ کے لئے ثابت ہیں جو تمام عالموں کا ربّ ہے یعنی اُس کی ربوبیت تمام عالموں پر محیط ہے۔ (جنگ مقدس۔ر۔خ جلد 6 صفحہ 101)

(2) ربّ۔لسان العرب اور تاج العروس میں جو لغت کی نہایت معتبر کتابیں ہیں لکھا ہے کہ زبان عرب میں ربّ کا لفظ سات معنوں پر مشتمل ہے اور وہ یہ ہیں۔(1) مالک۔(2) سیّد۔(3) مدبّر۔(4) مربّی۔(5) قیّم۔(6) منعم۔(7) متمم۔چنانچہ ان سات معنوں میں سے تین معنی خدا تعالیٰ کی ذاتی عظمت پر دلالت کرتے ہیں منجملہ اُن کے مالک ہے اور مالک لغت عرب میں اُس کو کہتے ہیں جس کا اپنے مملوک پر قبضہ تامہ ہو اور جس طرح چاہے اپنے تصرف میں لا سکتا ہو اور بلا اشتراک غیر اُس پر حق رکھتا ہو اور **یہ لفظ حقیقی طور پر یعنی بلحاظ اُس کے معنوں کے بجز خدا تعالیٰ کے کسی دوسرے پر اطلاق نہیں پا سکتا۔کیونکہ قبضہ تامہ اور تصرف تام اور حقوق تامہ بجز خدا تعالیٰ کے اور کسی کے لیے مسلم نہیں۔**

(منن الرحمٰن۔ر۔خ جلد 9 صفحہ 152۔153 حاشیہ)

(3) رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کیسا جامع کلمہ ہے۔اگر ثابت ہو کہ اجرام فلکی میں آبادیاں ہیں تب بھی وہ آبادیاں اس کلمہ کے نیچے آئیں گی۔ (کشتی نوح۔ر۔خ جلد 19 صفحہ 42)

(4) رب العالمین اس لیے بھی فرمایا تا کہ یہ ثابت کرے کہ وہ بسائط اور عالم امر کا بھی رب ہے کیونکہ بسیط چیزیں امر سے ہیں اور مرکب خلق سے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 389)

(5) قرآن شریف میں جس قدر صفات اور افعال الٰہیہ کا ذکر ہے ان سب صفات کا موصوف اسم اللہ ٹھہرایا گیا ہے مثلاً کہا گیا ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔۔۔۔ (حقیقۃ الوحی۔ر۔خ جلد 22 صفحہ 146)

روحانی پرورش بھی خدا تعالیٰ ہی کرتا ہے

اَشَارَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ فِیْ قَوْلِہٖ ” رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ “ اِلٰی اَنَّہٗ ھُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْ ءٍ وَّمِنْہُ کُلُّ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَ رْضِیْنَ ۔وَمِنَ الْعَالَمِیْنَ مَایُوْ جَدُ فِی الْاَ رْضِین مِنْ زُمَرِ الْمُھْتَدِیْنَ وَطَوَآئِفِ الْغَاوِیْنَ وَ الضَّالِّیْنَ ۔فَقَدْ یَزِ یْدُ عَالَمُ الضَّلَا لِ وَا لْکُفْرِ وَالْفِسْقِ وَ تَرْکِ الْاِعْتِدَالِ حَتّٰی یُمْلَأُ الْاَ رْضُ ظُلْمًا وَّ جَوْ رًا وَّ یَتْرُ کُ النَّا سُ طُرُ قَ اللّٰہِ ذَاالْجَلَا لِ ۔ لَا یَفْھَمُوْنَ حَقِیْقَۃَ الْعُبُوْدِ یَّۃِ۔ وَلَا یُؤَ دُّوْ نَ حَقَّ الرُّ بُوْ بِیَّۃِ ۔فَیَصِیْرُ الزَّمَانُ کَا للَّیْلَۃِ اللَّیْلَآءِ۔ وَیُدَاسُ الدِّیْنُ تَحْتَ ھٰذِہِ اللَّا وَآءِ۔ ثُمَّ یَاْ تِی اللّٰہُ بِعَالَمٍ اٰخَرَ فَتُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَ رْضِ وَ یَنْزِلُ الْقَضَآءُ مُبَدَّ لًا مِّنَ السَّمَآءِ وَ یُعْطٰی للنَّاسِ قَلْبٌ عَارِفٌ وَّلِسَانٌ نَّا طِقٌ لِّشُکْرِ النَّعْمَآءِ ۔فَیَجْعَلُوْ نَ نُفُوْ سَھُمْ کَمَوْ رٍ مُّعَبَّدٍ لِّحَضْرَ ۃِ الْکِبْرِیَآءِ وَ یَاْ تُوْ نَہٗ خَوْ فًا وَّ رَجَآءً بِطَرْفٍ مَّغْضُوْ ضٍ مِّنَ الْحَیَآ ءِ ۔

اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے قول ربّ العالمین میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اسی کی طرف سے ہے اور اس زمین پر جو بھی ہدایت یافتہ جماعتیں یا گمراہ اور خطا کار گروہ پائے جاتے ہیں وہ سب عالمین میں شامل ہیں کبھی گمراہی ،کفر ،فسق اور اعتدال کو ترک کرنے کا ’’عالم‘‘ بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ زمین ظلم و جور سے بھر جاتی ہے اور لوگ خدائے ذوالجلال کے راستوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔نہ وہ عبودیت کی حقیقت کو سمجھتے ہیں اور نہ ربوبیت کا حق ادا کرتے ہیں۔زمانہ ایک تاریک رات کی طرح ہو جاتا ہے اور دین اس مصیبت کے نیچے روندا جاتا ہے۔ **پھر اللہ تعالیٰ ایک اور ’’عالم‘‘ لے آتا ہے تب یہ زمین ایک دوسری زمین سے بدل دی جاتی ہے۔اور ایک نئی تقدیر آسمان سے نازل ہوتی ہے۔اور لوگوں کو عارف (شناسا) دل اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے ناطق (گویا) زبانیں عطا ہوتی ہیں۔پس وہ اپنے نفوس کو خدا تعالیٰ کے حضور ایک پامال راستہ کی طرح بنا لیتے ہیں اور خوف اور امید کے ساتھ اسکی طرف آتے ہیں ایسی نگاہ کے ساتھ جو حیا کی وجہ سے نیچی ہوتی ہیں۔** (اعجاز المسیح ۔ر۔خ جلد 18 صفحہ 131-132)

رب العالمین میں حضرت اقدسؑ کا ذکر

ثُمَّ هُوَ سُبْحَانَهٗ اَشَارَ فِیْ قَوْلِهٖ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ -اِلٰی اَنَّهٗ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّ اَنَّهٗ یُحْمَدُ فِی السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِیْنَ -وَاَنَّ الْحَامِدِیْنَ کَانُوْا عَلٰی حَمْدِهٖ دَآئِمِیْنَ - وَ عَلٰی ذِکْرِهِمْ عَاکِفِیْنَ -وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُهٗ وَ یَحْمَدُهٗ فِیْ کُلِّ حِیْنٍ -وَّاَنَّ الْعَبْدَ اِذَاانْسَلَخَ عَنْ اِرَادَاتِهٖ - وَتَجَرَّدَ عَنْ جَذَبَاتِهٖ وَفَنٰی فِی اللّٰهِ وَفِیْ طُرُقِهٖ وَعِبَادَاتِهٖ- وَعَرَفَ رَبَّهُ الَّذِیْ رَبَّاهُ بِعِنَایَاتِهٖ -حَمِدَهٗ فِیْ سَآئِرِ اَوْقَاتِهٖ وَاَحَبَّهٗ بِجَمِیْعِ قَلْبِهٖ بَلْ بِجَمِیْعِ ذَرَّاتِهٖ - فَعِنْدَذَالِکَ هُوَ عَالَمٌ مِّنَ الْعَالَمِیْنَ-وَلِذَالِکَ سُمِّیَ اِبْرَاهِیْمُ اُمَّةً فِیْ کِتَابِ عَالَمِ الْعَالَمِیْنَ -وَمِنَ الْعَالَمِیْنَ زَمَانٌ اُرْسِلَ فِیْهِمْ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ-وَعَالَمٌ اٰخَرُ فِیْهِ یَاْتِی اللّٰهُ بِاٰخَرِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ -فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ رَحْمَةً عَلَی الطَّالِبِیْنَ-وَاِلَیْهِ اَشَارَ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی" لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَ الْاٰخِرَةِ"- فَاَوْمَأَ فِیْهِ اِلٰی اَحْمَدَیْنِ وَجَعَلَهُمَا مِنْ نَّعْمَآئِهِ الْکَاثِرَةِ-فَالْاَوَّلُ مِنْهُمَا اَحْمَدُ الْمُصْطَفٰی وَرَسُوْلُنَا الْمُجْتَبٰی - وَالثَّانِیْ اَحْمَدُ اٰخِرِ الزَّمَانِ الَّذِیْ سُمِّیَ مَسِیْحًا وَّمَهْدِیًّا مِّنَ اللّٰهِ الْمَنَّانِ -وَقَدِاسْتَنْبَطْتُ هٰذِهِ النُّکْتَةَ مِنْ قَوْلِهٖ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ -فَلْیَتَدَبَّرْ مَنْ کَانَ مِنَ الْمُتَدَبِّرِیْنَ -

پھر اللہ پاک ذات نے اپنے قول ربّ العالمین میں یہ اشارہ فرمایا ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے اور آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی حمد ہوتی ہے۔اور پھر حمد کرنے والے ہمیشہ اس کی حمد میں لگے رہتے ہیں۔اور اپنی یاد خدا میں محو رہتے ہیں۔اور کوئی نئی چیز ایسی نہیں مگر ہر وقت اس کی تسبیح وتحمید کرتی رہتی ہے اور جب اس کا کوئی بندہ اپنی خواہشات کا چولہ اتار پھینکتا ہے اپنے جذبات سے الگ ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کی راہوں اور اس کی عبادات میں فنا ہوجاتا ہے اپنے اس رب کو پہچان لیتا ہے جس نے اپنی عنایات سے اس کی پرورش کی وہ اپنے تمام اوقات میں اس کی حمد کرتا ہے اور اپنے پورے دل بلکہ اپنے (وجود کے) تمام ذرات سے اس سے محبت کرتا ہے تو اس وقت وہ شخص عالمین میں سے ایک عالم بن جاتا ہے اسی لئے اعلم العالمین کی کتاب (قرآن کریم) میں **حضرت ابراہیمؑ کا نام امّت رکھا گیا اور عالمین سے ایک عالم وہ بھی ہے جس میں حضرت خاتم النبیین ﷺ مبعوث کئے گئے ایک اور عالم وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے طالبوں پر رحم کر کے آخری زمانہ میں مومنوں کے ایک دوسرے گروہ کو پیدا کرے گا اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَةِ(القصص:71) میں اشارہ فرمایا ہے۔اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دو احمدوں کا ذکر فرما کر ہر دو کو اپنی بے پایاں نعمتوں میں شمار کیا ہے۔ان میں سے پہلے احمد تو ہمارے نبی احمد مصطفیٰ اور رسول مجتبیٰ ﷺ ہیں اور دوسرا احمد احمد آخر الزمان ہے جس کا نام محسن خدا کی طرف سے مسیح اور مہدی بھی رکھا گیا ہے۔یہ نکتہ میں نے خدا تعالیٰ کے قول اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے اخذ کیا ہے۔پس ہر غور و فکر کرنے والے کو غور کرنا چاہیئے۔**

(اعجاز المسیح۔ر۔خ جلد18 صفحہ137 تا139)

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلرَّحْمٰن

ترجمہ اور معنی

ثُمَّ نُکَرِّرُ خُلَاصَۃَ الْکَلَامِ فِیْ تَفْسِیْرِ ’’ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ‘‘۔ فَاعْلَمْ اَنَّ اسْمَ اللّٰہِ اسْمٌ جَامِدٌ لَّا یَعْلَمُ مَعْنَاہُ اِلَّا الْخَبِیْرُ الْعَلِیْمُ۔ وَقَدْ اَخْبَرَ عَزَّ اسْمُہٗ بِحَقِیْقَۃِ ھٰذَا الْاِسْمِ فِیْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ۔ وَاَشَارَ اِلٰی اَنَّہٗ ذَاتٌ مُّتَّصِفَۃٌ بِالرَّحْمَانِیَّۃِ وَالرَّحِیْمِیَّۃِ۔ اَیْ مُتَّصِفَۃٌ بِرَحْمَۃِ الْاِمْتِنَانِ۔ وَرَحْمَۃٍ مُّقَیَّدَۃٍ بِالْحَالَۃِ الْاِیْمَانِیَّۃِ۔ وَھَاتَانِ رَحْمَاتَانِ کَمَآءٍ اَصْفٰی وَغِذَآءٍ اَحْلٰی مِنْ مَّنْبَعِ الرُّبُوْبِیَّۃِ۔ وَکُلُّ مَا ھُوَ دُوْنَھُمَا مِنْ صِفَاتٍ فَھُوَ کَشُعَبٍ لِّھٰذِہِ الصِّفَاتِ۔ وَالاصْلُ رَحْمَانِیَّۃٌ وَّرَحِیْمِیَّۃٌ وَّھُمَا مَظْھَرُ سِرِّ الذَّاتِ۔

اب ہم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمَانِ الرَّحِیْمِ کی تفسیر کا خلاصہ دوبارہ بیان کرتے ہیں۔ پس واضح ہو کہ اللہ کا لفظ اسم جامد ہے اور اسکے معنی سوائے خدائے خبیر و علیم کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور اللہ تعالیٰ عزّ اسمہ نے اس آیت میں اس اسم کی حقیقت بتائی ہے اور اشارہ کیا ہے کہ اللہ اس ذات کا نام ہے جو رحمانیت اور رحیمیت کی صفات سے متصف ہے یعنی (بلا استحقاق) احسان والی رحمت اور ایمانی حالت سے وابستہ رحمت ہر دو رحمتوں سے (وہ ذات) متصف ہے۔ یہ دونوں رحمتیں صاف پانی اور شیریں غذا کی مانند ہیں جو ربوبیت کے چشمہ سے نکلتی ہیں اور ان دونوں کے علاوہ باقی تمام صفات ان دو صفات کے لئے بمنزلہ شاخوں کے ہیں اور اصل رحمانیت اور رحیمیت ہی ہے اور یہ دونوں صفات ذات الٰہی کے بھید کی مظہر ہیں۔

(اعجاز المسیح۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 115-116)

فرمایا (کہ) ھُوَ الرَّحْمٰنُ۔ یعنی وہ جانداروں کی ہستی اور ان کے اعمال سے پہلے محض اپنے لطف سے نہ کسی غرض سے اور نہ کسی کے عمل کی پاداش میں ان کیلئے سامان راحت میسر کرتا ہے جیسا کہ آفتاب اور ماہتاب اور زمین اور دوسری تمام چیزوں کو ہمارے وجود اور ہمارے اعمال کے وجود سے پہلے ہمارے لئے بنا دیا اس عطیہ کا نام خدا کی کتاب میں رحمانیت ہے اور اس کام کے لحاظ سے خدا تعالیٰ رَحْمٰن کہلاتا ہے اور پھر فرمایا کہ اَلرَّحِیْمُ یعنی وہ خدا نیک عملوں کی نیک تر جزا دیتا ہے اور کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ اور اس کام کے لحاظ سے رَحِیْم کہلاتا ہے اور یہ صفت رحیمیت کے نام سے موسوم ہے۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ جلد 10 صفحہ 373)

رحمان پھر اللہ کی صفت الرحمٰن بیان کی ہے اور اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ انسان کی فطری خواہشوں کو اس کی دعا یا التجا کے بغیر اور بدوں کسی عمل عامل کے عطا (پورا) کرتا ہے۔ مثلاً جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کے قیام و بقاء کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ پہلے سے موجود ہوتی ہیں پیدا پیچھے ہوتا ہے لیکن ماں کی چھاتیوں میں دودھ پہلے آ جاتا ہے۔ آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، پانی، ہوا وغیرہ یہ تمام اشیاء جو اس نے انسان کیلئے بنائی ہیں یہ اس کی صفت رحمانیت ہی کے تقاضے ہیں۔ لیکن دوسرے مذہب والے یہ نہیں مانتے کہ وہ بلا مبادلہ بھی فضل کر سکتا ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 36)

دوسری صداقت رحمان ہے کہ جو بعد رب العالمین بیان فرمایا گیا اور رحمان کے معنی جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں یہ ہیں کہ جس قدر جاندار ہیں خواہ ذی شعور اور خواہ غیر ذی شعور اور خواہ نیک اور خواہ بد ان سب کے قیام اور بقاء وجود اور بقائے نوع کے لئے اور ان کی تکمیل کیلئے **خدائے تعالیٰ نے اپنی رحمت عامہ کی رو سے ہر یک قسم کے اسباب مطلوبہ میسر کردیئے ہیں اور ہمیشہ میسر کرتا رہتا ہے اور یہ عطیہ محض ہے کہ جو کسی عامل کے عمل پر موقوف نہیں۔**

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ جلد 1 صفحہ 459 حاشیہ نمبر 11)

الرَّحِيْم

تعریف و معانی

اللہ تعالیٰ کی صفت رحیم بیان کی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس کا تقاضا ہے کہ محنت اور کوشش کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ان پر ثمرات اور نتائج مترتب کرتا ہے اگر انسان کو یہ یقین ہی نہ ہو کہ اس کی محنت اور کوشش کوئی پھل لاوے گی تو پھر وہ سست اور نکما ہو جاوے گا یہ صفت انسان کی امیدوں کو وسیع کرتی اور نیکیوں کے کرنے کی طرف جوش سے لے جاتی ہے **اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ رحیم قرآن شریف کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ اس وقت کہلاتا ہے جبکہ لوگوں کی دعا، تضرع اور اعمال صالح کو قبول فرما کر آفات اور بلاؤں اور تضیع اعمال سے ان کو محفوظ رکھتا ہے۔** رحمانیت تو بالکل عام تھی لیکن رحیمیت خاص انسانوں سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری مخلوق میں دعا، تضرع، اور اعمال صالحہ کا ملکہ اور قوت نہیں یہ انسان ہی کو ملا ہے۔

رحمانیت اور رحیمیت میں یہی فرق ہے کہ رحمانیت دعا کو نہیں چاہتی مگر رحیمیت دعا کو چاہتی ہے اور یہ انسان کے لئے ایک خلعت خاصہ ہے اور اگر انسان انسان ہو کر اس صفت سے فائدہ نہ اٹھاوے تو گویا ایسا انسان حیوانات بلکہ جمادات کے برابر ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 37-36)

اَلرَّحِيْم ۔اس کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نیک عمل کے بدلہ نیک نتیجہ دیتا ہے جیسا کہ نماز پڑھنے والا، روزہ رکھنے والا، صدقہ دینے والا دنیا میں بھی رحم پاوے گا اور آخرت میں بھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ** (التوبہ:120) اور دوسری جگہ فرماتا ہے **مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝** (الزلزال:8-9) یعنی اللہ تعالیٰ کسی کے اجر کو ضائع نہیں کرتا جو کوئی ذرہ سی بھی بھلائی کرتا ہے وہ اس کا بدلہ پالیتا ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 349)

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا نام رحیم ہے جو صالح الاعمال۔ عشق و محبت میں محو ہو جاتا ہے۔ اس کے مدارج بلند کروں گا جتنے اولیاء اور بڑے بڑے راست باز ہوئے ہیں ان سب نے پہلے ضرور مجاہدات کئے ہیں۔ جب جا کر ان پر یہ دروازہ کھلا۔ قرآن مجید میں ہے **وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۝** (العنکبوت:70) جو بندہ یا بندہ۔ جس نے مجاہدات کئے اُسی نے پایا۔ پس یہ رحیم ان لوگوں کے رد میں ہے جو کہتے ہیں کہ جو ہونا ہے وہ ہو جائے گا۔ ہمیں عبادات کی کیا ضرورت ہے۔ غالباً چوروں ڈاکوؤں کا بھی یہی مذہب ہوتا ہے اور یہی خیالات وہ اندر ہی اندر رکھتے ہیں۔ (البدر 9 جنوری 1908ء صفحہ 5) (تفسیر حضرت اقدسؑ سورۃ فاتحہ جلد اول صفحہ 67)

صفت رحیمیت صرف مومنوں کے ساتھ مخصوص ہے

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی " وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ "۔(الانبیاء:108) وَلَا یَسْتَقِیْمُ ھٰذَا الْمَعْنٰی اِلَّا فِی الرَّحْمَانِیَّۃِ فَاِنَّ الرَّحِیْمِیَّۃَ یَخْتَصُّ بِعَالَمٍ وَّاحِدٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔اے نبی۔ہم نے تمہیں تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا۔ آپ کا رحمۃ للعالمین ہونا صفت رحمانیت کے لحاظ سے ہی درست ہوسکتا ہے۔**کیونکہ رحیمیت تو صرف مومنوں کی دنیا کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔** (اعجاز المسیح۔ر۔خ جلد18 صفحہ 118 حاشیہ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صفات رحمٰن ورحیم کے مظہر اوّل ہیں

وَلَمَّا جَآءَ زَمَنُ خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ وَسَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ۔اَرَادَھُوَ سُبْحَانَہٗ اَنْ یَّجْمَعَ ھَاتَیْنِ الصِّفَتَیْنِ فِیْ نَفْسٍ وَّ اَحِدَۃٍ فَجَمَعَھُمَا فِیْ نَفْسِہٖ عَلَیْہِ اَلْفُ اَلْفِ صَلٰوۃٍ وَّتَحِیَّۃٍ۔فَلِذَالِکَ ذَکَرَ تَخْصِیْصًا صِفَۃَ الْمَحْبُوْبِیَّۃِ وَالْمُحِبِّیَّۃِ عَلٰی رَأْسِ ھٰذِہِ السُّوْرَۃِ۔لِیَکُوْنَ اِشَارَۃً اِلٰی ھٰذِہِ الْاِرَادَۃِ۔وَسَمّٰی نَبِیَّنَا مُحَمَّدًا وَّاَحْمَدَ کَمَا سَمّٰی نَفْسَہٗ الرَّحْمَانَ وَالرَّحِیْمَ فِیْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ۔فَھٰذِہٖ اِشَارَۃٌ اِلٰی اَنَّہٗ لَا جَامِعَ لَھُمَا عَلَی الطَّرِیْقَۃِ الظِّلِّیَّۃِ اِلَّا وُجُوْدُ سَیِّدِنَا خَیْرِ الْبَرِیَّۃِ۔وَقَدْ عَرَفْتَ اَنَّ ھَا تَیْنِ الصِّفَتَیْنِ اَکْبَرُ الصِّفَا تِ مِنْ صِفَاتِ الْحَضْرَۃِ الْاَحَدِیَّۃِ۔بَلْ ھُمَا لُبُّ اللُّبَابِ وَحَقِیْقَۃُ الْحَقَآئِقِ لِجَمِیْعِ اَسْمَآءِ الصِّفَاتِیَّۃِ۔وَھُمَا مِعْیَارُ کَمَالِ کُلِّ مَنِ اسْتَکْمَلَ وَتَخَلَّقَ بِالْاَخْلَاقِ الْاِلٰھِیَّۃِ۔وَمَا اُعْطِیَ نَصِیْبًا کَامِلًا مِّنْھُمَا اِلَّا نَبِیُّنَا خَاتَمُ سِلْسِلَۃِ النُّبُوَّۃِ۔فَاِنَّہٗ اُعْطِیَ اسْمَیْنِ کَمِثْلِ ھَا تَیْنِ الصِّفَتَیْنِ۔اَوَّ لُھُمَا مُحَمَّدٌ وَّ الثَّانِیْ اَحْمَدُ مِنْ فَضْلِ رَبِّ الْکَوْنَیْنِ۔اَمَّا مُحَمَّدٌ فَقَدِ ارْتَدٰی رِدَآءَ صِفَۃِ الرَّحْمَانِ۔وَتَجَلّٰی فِیْ حُلَلِ الْجَلَالِ وَالْمَحْبُوْبِیَّۃِ وَ حُمِّدَ لِبِرٍّ مِّنْہُ وَالْاِحْسَانِ۔وَاَمَّا اَحْمَدُ فَتَجَلّٰی فِیْ حُلَّۃِ الرَّحِیْمِیَّۃِ وَالْمُحِبِّیَّۃِ وَالْجَمَالِیَّۃِ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ الَّذِیْ یَتَوَلَّی الْمُؤْمِنِیْنَ بِالْعَوْنِ وَالنُّصْرَۃِ۔فَصَارَ اسْمَا نَبِیِّنَا بِحِذَآءِ صِفَتَیْ رَبِّنَا الْمَنَّانِ کَصُوَرٍ مُّنْعَکِسَۃٍ تُظْھِرُھَا مِرْاٰتَانِ مُتَقَابِلَتَانِ۔

ترجمہ:- اور جب ہمارے آقا سید المرسلین وخاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا تو اللہ تعالیٰ کی پاک ذات نے ارادہ فرمایا کہ ان دونوں صفات کو ایک ہی شخصیت میں جمع کردے چنانچہ اس نے آنحضرت کی ذات میں (آپ پر ہزاروں ہزار درود اور سلام ہو) یہ دونوں صفات جمع کردیں یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ کے شروع میں صفت محبوبیت اور صفت محبیت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے تا اس سے خدا تعالیٰ کے اس ارادہ کی طرف اشارہ ہو اور اس نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد اور احمد رکھا۔جیسا کہ اس نے اس آیت میں اپنا نام الرحمٰن اور الرحیم رکھا۔پس یہ بات اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ان دونوں صفات کا ہمارے آقا فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کوئی جامع وجود نہیں۔اور آپ کو معلوم ہے کہ یہ دونوں صفات خدا تعالیٰ کی صفات میں سے سب سے بڑی صفات ہیں۔بلکہ یہ اس کے تمام صفاتی ناموں کے خلاصوں کا خلاصہ اور حقیقتوں کی نچوڑ ہیں۔یہ ہر

اس شخص کے کمال کا معیار ہیں جو کمال کا طالب ہے اور اخلاق الٰہیہ کا رنگ اختیار کرتا ہے۔ پھر ان دونوں صفات میں سے کامل حصہ صرف ہمارے نبی سلسلہ نبوت کے خاتم ﷺ کو ہی دیا گیا ہے کیونکہ آپ کو پروردگار دوعالم کے فضل سے ان دونوں صفات کی طرح دو نام دیئے گئے ہیں، جن میں سے پہلا محمد ہے اور دوسرا احمد۔ **پس اسم محمد نے صفت الرحمان کی چادر پہنی اور جلال اور محبوبیت کے لباس میں جلوہ گر ہوا اور اپنی نیکی اور احسان کی بناء پر بار بار تعریف بھی کیا گیا۔ اور اسم احمد نے خدا تعالیٰ کے فضل سے جو مومنوں کی مدد اور نصرت کا متولّی ہے رحیمیت محبیت اور جمال کے لباس میں تجلی فرمائی۔** پس ہمارے نبی ﷺ کے دونوں نام (محمد اور احمد) ہمارے رب محسن کی دونوں صفتوں (الرحمان، الرحیم) کے مقابلہ میں منعکس صورتوں کی طرح ہیں جن کو دو مقابل کے آئینے ظاہر کرتے ہیں۔ (اعجاز المسیح۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 101 تا 103)

ثُمَّ أُعْطِيَ مِنْهُمَا نَصِيبٌ كَامِلٌ لِّنَبِيِّنَا اِمَامِ النَّهْجِ الْقَوِيمِ۔ فَجُعِلَ اسْمُهٗ مُحَمَّدٌ ظِلَّ الرَّحْمَانِ وَاسْمُهٗ اَحْمَدُ ظِلَّ الرَّحِيمِ۔ وَالسِّرُّ فِيهِ اَنَّ الْاِنْسَانَ الْكَامِلَ لَا يَكُوْنُ كَامِلًا اِلَّا بَعْدَ التَّخَلُّقِ بِالْاَخْلَاقِ الْاِلٰهِيَّةِ وَ صِفَاتِ الرُّبُوْبِيَّةِ۔ وَقَدْ عَلِمْتَ اَنَّ اَمْرَ الصِّفَاتِ كُلِّهَا تَئُوْلُ اِلَى الرَّحْمَتَيْنِ اللَّتَيْنِ سَمَّيْنَا هُمَا بِالرَّحْمَانِيَّةِ وَالرَّحِيْمِيَّةِ۔ وَعَلِمْتَ اَنَّ الرَّحْمَانِيَّةَ رَحْمَةٌ مُّطْلَقَةٌ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِمْتِنَانِ۔ وَيَرِدُ فَيْضَانُهَا عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَّ كَافِرٍ بَلْ كُلِّ نَوْعِ الْحَيَوَانِ۔ وَاَمَّا الرَّحِيْمِيَّةُ فَهِيَ رَحْمَةٌ وُّجُوْبِيَّةٌ مِّنَ اللّٰهِ اَحْسَنِ الْخَالِقِيْنَ۔ وَجَبَتْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ خَاصَّةً مِّنْ دُوْنِ حَيَوَانَاتٍ اُخْرٰى وَالْكَافِرِيْنَ۔ فَلَزِمَ اَنْ يَّكُوْنَ الْاِنْسَانُ الْكَامِلُ اَعْنِيْ مُحَمَّدًا مَّظْهَرَ هَاتَيْنِ الصِّفَتَيْنِ۔ فَلِذَالِكَ سُمِّيَ مُحَمَّدًا وَّ اَحْمَدَ مِنْ رَّبِّ الْكَوْنَيْنِ۔ وَقَالَ اللّٰهُ فِيْ شَأْنِهٖ" لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ"۔ (توبہ:128)

ترجمہ۔ پھر ان دونوں صفات سے ہمارے نبی ﷺ کو جو صراط مستقیم کے امام ہیں کامل حصہ عطا کیا گیا۔ پس آپ کا نام محمد بطور رحمان کے ظل کے اور احمد نام بطور رحیم کے ظل کے رکھا گیا۔ اور اس میں یہ راز ہے کہ کامل انسان الٰہی اخلاق اور ربانی صفات کے رنگ میں رنگین ہونے کے بعد ہی کامل ہوتا ہے اور آپ جان چکے ہیں کہ تمام صفات کا مآل یہی دو رحمتیں ہیں۔ جن کا نام ہم نے رحمانیت اور رحیمیت رکھا ہے۔ پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ رحمانیت ایک عام رحمت ہے جو بطور احسان ہوتی ہے اور اس کا فیضان ہر مومن، کافر بلکہ ہر نوع حیوان کو پہنچتا ہے لیکن رحیمیت خدائے احسن الخالقین کی طرف سے ایک رحمت ہے، جو جانوروں اور کافروں کے علاوہ بالضرور صرف مومنوں سے مختص ہے۔ **پس لازم ہوا کہ انسان کامل یعنی محمد رسول اللہ ﷺ اِن دونوں صفات کے مظہر ہوتے اسی لئے پروردگارِ عالم کی طرف سے آپ کا نام محمد اور احمد رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی شان میں فرماتا ہے:**

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ"O (توبہ:128)

ترجمہ۔ (اے مومنو!) تمہارے پاس تمہاری ہی قوم کا ایک فرد رسول ہو کر آیا ہے تمہارا تکلیف میں پڑنا اس پر شاق گزرتا ہے اور وہ تمہارے لئے خیر کا بھوکا ہے اور مومنوں کے ساتھ بہت محبت کرنے والا اور کرم کرنے والا ہے۔

(اعجاز المسیح۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 117)

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو صفت رحیمیّت یعنی اسم احمد کا وارث بنایا ہے

وَلَا رَیْبَ اَنَّ نَبِیَّنَا سُمِّیَ مُحَمَّدًا لِّمَا اَرَادَاللّٰہُ اَنْ یَّجْعَلَہٗ مَحْبُوْبًا فِیْ اَعْیُنِہٖ وَاَعْیُنِ الصَّالِحِیْنِ۔ وَکَذَالِکَ سَمَّاہُ اَحْمَدَ لِمَا اَرَادَ سُبْحَانَہٗ اَنْ یَجْعَلَہٗ مُحِبَّ ذَاتِہٖ وَمُحِبَّ الْمُؤْمِنِیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ فَھُوَ مُحَمَّدٌ بِشَاْنٍ وَّ اَحْمَدُ بِشَاْنٍ۔ وَّاخْتُصَّ اَحَدُ ھٰذَیْنِ الْاِسْمَیْنِ بِزَمَانٍ وَّالْاٰخَرُ بِزَمَانٍ۔ وَّقَدْ اَشَارَ اِلَیْہِ سُبْحَانَہٗ فِیْ قَوْلِہٖ ”دَنٰی فَتَدَلّٰی“ وَفِی ”قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْاَدْنٰی“۔ ثُمَّ لَمَّا کَانَ یُظَنُّ اَنَّ اخْتِصَاصَ ھٰذَا النَّبِیِّ الْمُطَاعِ السَّجَّادِ۔ بِھٰذِہِ الْمَحَامِدِ مِنْ رَّبِّ الْعِبَادِ۔ یَجُرُّ اِلَی الشِّرْکِ کَمَا عُبِدَ عِیْسٰی لِھٰذَا الْاِعْتِقَادِ۔ اَرَادَاللّٰہُ اَنْ یُّوْرِثَھُمَا الْاُمَّۃَ الْمَرْحُوْمَۃَ عَلَی الطَّرِیْقَۃِ الظِّلِّیَّۃِ لِیَکُوْنَا لِلْاُمَّۃِ کَالْبَرَکَاتِ الْمُتَعَدِّیَۃِ۔ وَلِیَزُوْلَ وَھْمُ اشْتِرَاکِ عَبْدٍ خَاصٍ فِی الصِّفَاتِ الْاِلٰھِیَّۃِ۔ فَجَعَلَ الصَّحَابَۃَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ مَظْھَرَ اسْمِ مُحَمَّدٍ بِالشُّئُوْنِ الرَّحْمَانِیَّۃِ الْجَلَالِیَّۃِ۔ وَجَعَلَ لَھُمْ غَلَبَۃً وَّنَصَرَھُمْ بِالْعِنَایَاتِ الْمُتَوَالِیَّۃِ۔ وَجَعَلَ الْمَسِیْحَ الْمَوْعُوْدَ مَظْھَرَ اسْمِ اَحْمَدَ وَبَعَثَہٗ بِالشُّئُوْنِ الرَّحِیْمِیَّۃِ الْجَمَالِیَّۃِ۔ وَکَتَبَ فِیْ قَلْبِہِ الرَّحْمَۃَ وَالتَّحَنُّنَ وَھَذَّبَہٗ بِالْاَخْلَاقِ الْفَاضِلَۃِ الْعَالِیَۃِ۔ فَذَالِکَ ھُوَ الْمَھْدِیُّ الْمَعْھُوْدُ الَّذِیْ فِیْہِ یَخْتَصِمُوْنَ۔ وَقَدْ رَءَ وُا الْاٰیَاتِ ثُمَّ لَا یَھْتَدُوْنَ۔ وَیُصِرُّوْنَ عَلَی الْبَاطِلِ وَاِلَی الْحَقِّ لَا یَرْجِعُوْنَ۔ وَذٰلِکَ ھُوَا لْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ وَلٰکِنَّھُمْ لَا یَعْرِفُوْنَ۔

پس بلاشبہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اس لئے محمد رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا کہ آپ کو اپنی نگاہ میں بھی اور صالح لوگوں کی نظر میں بھی محبوب بنائے۔ اور ایسا ہی آپ کا نام احمد اس لئے رکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی ذات اور مومن مسلمانوں سے محبت کرنے والے ہوں۔ پس آپ ایک پہلو سے محمد ہیں اور ایک پہلو سے احمد ہیں۔ اور ان دونوں ناموں میں سے (ظہور کامل کے لحاظ سے) ایک نام کو ایک زمانہ سے مخصوص کیا گیا اور دوسرے نام کو دوسرے زمانہ سے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آیت دَنٰی فَتَدَلّٰی (النجم:9) اور آیت قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْاَدْنٰی (النجم:10) میں اسی (محبوبیت اور محبیت کے مضمون) کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر چونکہ یہ گمان پیدا ہوسکتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو لوگوں کے مطاع اور اللہ تعالیٰ کے بہت عبادت گزار ہیں پروردگار عالم کا ان دو صفات سے متصف کرنا لوگوں کو شرک کی طرف مائل کرسکتا ہے۔ جیسا کہ ایسے ہی اعتقاد کی بناء پر حضرت عیسیٰؑ کو معبود بنالیا گیا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ وہ امتِ مرحومہ کو بھی (علی حسب مراتب) ظلّی طور پر ان دونوں صفات کا وارث بنادے۔ تا یہ دونوں نام امت کے لئے برکات جاریہ کا موجب بنیں۔ اور تا صفات الٰہیہ میں کسی خاص بندہ کے شریک ہونے کا وہم بھی دور ہوجائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے صحابہ اور بعد آنے والے مسلمانوں کو رحمانی اور جلالی شان کی بناء پر اسم محمد کا مظہر بنایا اور انہیں غلبہ عطا فرمایا۔ اور متواتر عنایات سے ان کی مدد کی اور مسیح موعود کو اسم احمد کا مظہر بنایا اور اسے رحیمی اور جمالی صفات کے ساتھ مبعوث فرمایا اور اس کے دل میں رحمت اور شفقت رکھ دی اور اسے بلند اخلاق فاضلہ کے ساتھ آراستہ کیا۔ اور یہ وہی مہدی معہود ہے جس کے بارے میں لوگ جھگڑتے ہیں اور جس کی صداقت کے نشانات دیکھ کر بھی سچائی قبول نہیں کرتے اور باطل پر اصرار کرتے ہیں اور حق کی طرف رجوع نہیں کرتے یہ وہی مسیح موعود ہے لیکن لوگ اسے نہیں پہچانتے۔ (اعجاز المسیح۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 109 تا 111)

وَقَدْ عَلِمْتَ اَنَّ کُلَّ کَمَالٍ مِّنْ کَمَالَاتِ الْاَخْلَاقِ الْاِلٰھِیَّۃِ مُنْحَصِرٌ فِیْ کَوْنِہٖ رَحْمَانًاوَّرَحِیْمًا وَّلِذَالِکَ خَصَّھُمَا اللّٰہُ بِالْبَسْمَلَۃِ۔وَعَلِمْتَ اَنَّ اسْمَ مُحَمَّدٍ وَّاَحْمَدَ قَدْ أُقِیْمَا مَقَامَ الرَّحْمَانِ وَالرَّحِیْمِ۔وَأُوْدِعَھُمَا کُلُّ کَمَالٍ کَانَ مَخْفِیًّا فِیْ ھَاتَیْنِ الصِّفَتَیْنِ مِنَ اللّٰہِ الْعَلِیْمِ الْحَکِیْمِ۔فَلَا شَکَّ اَنَّ اللّٰہَ جَعَلَ ھٰذَیْنِ الْاِسْمَیْنِ ظِلَّیْنِ لِصِفَتَیْہِ وَمَظْھَرَیْنِ لِسِیْرَتَیْہِ۔لِیُرِیَ حَقِیْقَۃَ الرَّحْمَانِیَّۃِ وَالرَّحِیْمِیَّۃِ۔فِیْ مِرْاٰۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃِ وَالْاَحْمَدِیَّۃِ۔ثُمَّ لَمَّا کَانَ کُمَّلُ أُمَّتِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ مِنْ اَجْزَآءِ الرُّوْحَانِیَّۃِ وَکَالْجَوَارِحِ لِلْحَقِیْقَۃِ النَّبَوِیَّۃِ۔اَرَادَاللّٰہُ لِاِبْقَآءِ اٰثَارِ ھٰذَا النَّبِیِّ الْمَعْصُوْمِ۔اَنْ یُّوَرِّثَھُمْ ھٰذَیْنِ الْاِسْمَیْنِ کَمَا جَعَلَھُمْ وُرَثَآءَ الْعُلُوْمِ۔فَاَدْخَلَ الصَّحَابَۃَ تَحْتَ ظِلِّ اسْمِ مُحَمَّدِ نِالَّذِیْ ھُوَ مَظْھَرُ الْجَلَالِ۔وَاَدْخَلَ الْمَسِیْحَ الْمَوْعُوْدَ تَحْتَ اسْمِ اَحْمَدَ الَّذِیْ ھُوَ مَظْھَرُ الْجَمَالِ۔وَمَا وَجَدَ ھٰٓؤُلَآءِ ھٰذِہِ الدَّوْلَۃَ اِلَّا بِالظِّلِّیَّۃِ۔فَاِذَنْ مَّا ثَمَّ شَرِیْکٌ عَلَی الْحَقِیْقَۃِ۔وَکَانَ غَرَضُ اللّٰہِ مِنْ تَقْسِیْمِ ھٰذَیْنِ الْاِسْمَیْنِ اَنْ یُّفَرِّقَ بَیْنَ الْاُمَّۃِ وَیَجْعَلَھُمْ فَرِیْقَیْنِ۔فَجَعَلَ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ کَمِثْلِ مُوْسٰی مَظْھَرِ الْجَلَالِ۔وَھُمْ صَحَابَۃُ النَّبِیِّ الَّذِیْنَ تَصَدَّوْا اَنْفُسَھُمْ لِلْقِتَالِ۔وَجَعَلَ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ کَمِثْلِ عِیْسٰی مَظْھَرِ الْجَمَالِ وَجَعَلَ قُلُوْبَھُمْ لَیِّنَۃً وَّاَوْدَعَ السِّلْمَ صُدُوْرَھُمْ وَاَقَامَھُمْ عَلٰی اَحْسَنِ الْخِصَالِ۔وَھُوَ الْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ مِنَ النِّسَآءِ وَالرِّجَالِ۔

اور آپ کو معلوم ہے کہ اخلاق الٰہیہ کا ہر کمال اللہ تعالیٰ کے رحمان و رحیم ہونے پر منحصر ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صفات کو بسم اللہ کے ساتھ مخصوص کر دیا۔اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ محمد اور احمد نام ’’الرحمٰن ،الرحیم‘‘ کے مظہر ہیں اور ہر کمال جو ان دونوں صفات الٰہیہ میں مخفی تھا وہ علیم وحکیم خدا کی طرف سے (محمد اور احمد کے) دونوں ناموں میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔پس بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں ناموں (محمد اور احمد) کو اپنی دونوں صفات کے ظل اور اپنی دونوں سیرتوں کے مظہر ٹھہرایا ہے۔تا کہ رحمانیت اور رحیمیت کی حقیقت کو محمدیت اور احمدیت کے آئینہ میں دکھائے ۔پھر جبکہ آنحضرت ﷺ کی امت کے کامل افراد جو آنحضرت ﷺ کی روحانیت کے اجزاء اور حقیقت نبویہ کے اعضاء کی طرح ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اس نبی معصوم ﷺ کے آثار کو باقی رکھنے کیلئے انہیں (امت کے کامل افراد کو) بھی اسی طرح ان دونوں ناموں کا وارث بنائے جیسے اس نے انہیں علوم نبویہ کا وارث بنایا ہے پس اس نے صحابہ کو اسم محمد کے ظل کی ذیل میں داخل کر دیا جو اسم کے جلال کا مظہر ہے اور مسیح موعود کو اسم احمد کے ذیل میں داخل کر دیا جو جمال کا مظہر ہے اور ان سب نے اس دولت کو محض ظلیت کے طور پر پایا ہے۔پس حقیقت کی رو سے اس مقام پر خدا تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں اور ان دونوں ناموں کی تقسیم سے اللہ تعالیٰ کی غرض یہی تھی کہ وہ امت کو تقسیم کرے اور اس کے دو گروہ کر دے۔پس اس نے ان میں سے ایک گروہ کو حضرت موسیٰؑ مظہر جلال کی مانند بنایا اور وہ رسول کریم ﷺ کے صحابہ ہیں جنہوں نے جہاد کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا تھا۔اور ایک گروہ کو حضرت عیسیٰؑ مظہر جمال کی مانند بنایا اور ان کو دل کا حلیم بنایا۔ان کے سینوں میں صلح جوئی ودیعت کی اور ان کو اعلیٰ اخلاق پر قائم کیا اور (امت کا) یہ گروہ مسیح موعود اور اس کے متبعین ہیں خواہ مرد ہوں یا عورتیں۔

(اعجاز المسیح۔روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 123 تا 125)

قرآن کریم نے اسمِ محمدؐ کو موسیٰؑ اور اسمِ احمد کو عیسیٰؑ کا مثیل قرار دیا ہے۔

فَتَمَّ مَا قَالَ مُوْسٰی وَمَا فَاهَ بِكَلَامِ عِيسٰى وَتَمَّ وَعْدُالرَّبِّ الْفَعَّالِ- فَاِنَّ مُوْسٰى اَخْبَرَ عَنْ صَحْبٍ كَانُوْا مَظْهَرَ اسْمِ مُحَمَّدٍ نَّبِيِّنَا الْمُخْتَارِ-وَصُوَرَ جَلَالِ اللّٰهِ الْقَهَّارِ-بِقَوْلِهٖ "اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ"-وَاِنَّ عِيْسٰى اَخْبَرَ عَنْ "اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ" وَعَنْ اِمَامِ تِلْكَ الْاَبْرَارِ-اَعْنِي الْمَسِيْحَ الَّذِىْ هُوَ مَظْهَرُ اَحْمَدَ الرَّاحِمِ السَّتَّارِ-وَمَنْبَعُ جَمَالِ اللّٰهِ الرَّحِيْمِ الْغَفَّارِ-بِقَوْلِهٖ "كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَهٗ" "الَّذِىْ هُوَ مُعْجِبُ الْكُفَّارِ-وَكُلٌّ مِّنْهُمَا اَخْبَرَ بِصِفَاتٍ تُنَاسِبُ صِفَاتَهُ الذَّاتِيَّةَ-وَاخْتَارَ جَمَاعَةً تُشَابِهُ اَخْلَاقُهُمْ اَخْلَاقَهُ الْمَرْضِيَّةَ-فَاَشَارَ مُوْسٰى بِقَوْلِهٖ "اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ"-اِلٰى صَحَابَةٍ اَدْرَكُوْا صُحْبَةَ نَبِيِّنَا الْمُخْتَارِ-وَاَرَوْا شِدَّةً وَّغِلْظَةً فِي الْمِضْمَارِ-وَاَظْهَرُوْا جَلَالَ اللّٰهِ بِالسَّيْفِ الْبَتَّارِ-وَصَارُوْا ظِلَّ اسْمِ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ الْقَهَّارِ-عَلَيْهِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَاَهْلِ السَّمَآءِ وَاَهْلِ الْاَرْضِ مِنَ الْاَبْرَارِ وَالْاَخْيَارِ- وَاَشَارَ عِيْسٰى بِقَوْلِهٖ "كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَهٗ" اِلٰى قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ وَاِمَامِهِمِ الْمَسِيْحِ-بَلْ ذَكَرَ اسْمَهٗ اَحْمَدَ بِالتَّصْرِيْحِ-وَاَشَارَ بِهٰذَا الْمَثَلِ الَّذِىْ جَآءَ فِى الْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ-اِلٰى اَنَّ الْمَسِيْحَ الْمَوْعُوْدَ لَا يَظْهَرُ اِلَّا كَنَبَاتٍ لَّيِّنٍ لَّا كَالشَّيْءِ الْغَلِيْظِ الشَّدِيْدِ-ثُمَّ مِنْ عَجَآئِبِ الْقُرْاٰنِ الْكَرِيْمِ-اَنَّهٗ ذَكَرَ اسْمَ اَحْمَدَ حِكَايَتًا عَنْ عِيْسٰى وَذَكَرَ اسْمَ مُحَمَّدٍ حِكَايَتًا عَنْ مُوْسٰى-لِيَعْلَمَ الْقَارِئُ اَنَّ النَّبِيَّ الْجَلَالِيَّ اَعْنِيْ مُوْسٰى اخْتَارَ اسْمًا يُّشَابِهُ شَانَهٗ اَعْنِيْ مُحَمَّدَ نِالَّذِىْ هُوَ اسْمُ الْجَلَالِ وَكَذَالِكَ اخْتَارَ عِيْسٰى اسْمَ اَحْمَدَ الَّذِىْ هُوَ اسْمُ الْجَمَالِ بِمَا كَانَ نَبِيًّا جَمَالِيًّا وَّمَا اُعْطِيَ لَهٗ شَيْءٌ مِّنَ الْقَهْرِ وَالْقِتَالِ-فَحَاصِلُ الْكَلَامِ اَنَّ كُلًّا مِّنْهُمَا اَشَارَ اِلٰى مَثِيْلِهِ التَّآمِ-فَاحْفَظْ هٰذِهِ النُّكْتَةَ فَاِنَّهَا تُنْجِيْكَ مِنَ الْاَوْهَامِ-وَتَكْشِفُ عَنْ سَاقِ الْجَلَالِ وَالْجَمَالِ وَتُرِى الْحَقِيْقَةَ بَعْدَ رَفْعِ الْفِدَامِ-وَاِذَا قَبِلْتَ هٰذَا فَدَخَلْتَ فِيْ حِفْظِ اللّٰهِ وَكَلَاءِهٖ مِنْ كُلِّ دَجَّالٍ-وَّنَجَوْتَ مِنْ كُلِّ ضَلَالٍ-

پس جو کچھ حضرت موسیٰ نے فرمایا تھا وہ بھی اور جو حضرت عیسیٰ (علیہما السلام) نے فرمایا تھا وہ بھی پورا ہوا۔ اور اس طرح خدائے قادر کا وعدہ بھی پورا ہو گیا کیونکہ حضرت موسیٰؑ نے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّار (الفتح:30) کہہ کر ان صحابہ کے متعلق پیشگوئی فرمائی تھی، جو ہمارے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کے اسم محمد کے مظہر اور خدائے قہار کے جلال کا انعکاس تھے۔ اور حضرت عیسیٰؑ نے صحابہ کے ایک دوسرے گروہ اور ان ابرار کے امام کے متعلق اپنے قول كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَهٗ (الفتح: 30) میں اس روئیدگی کی پیشگوئی فرمائی تھی جو کسانوں کو خوش کرتی ہے۔ یعنی اس مسیح کے متعلق جو رحم کرنے والے اور پردہ پوش (اسم) احمد کا مظہر اور رحیم وغفار خدا کے جمال کا منبع ہے۔ پس موسیٰؑ وعیسیٰؑ ہر دو نے پیشگوئی میں ایسی صفات کی خبر دی تھی جو ان کی اپنی صفات ذاتیہ سے مناسبت رکھتی ہیں۔ اور ہر ایک نے اس جماعت کو (پیشگوئی کے لئے) چُنا جن کے اخلاق اس کے اپنے پسندیدہ اخلاق کے مشابہ تھے۔ پس حضرت موسیٰؑ نے اپنے الفاظ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّار (الفتح:30) میں ان صحابہ کی طرف اشارہ فرمایا جنہوں نے ہمارے نبی اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ کی صحبت پائی اور انہوں نے جنگ کے میدانوں میں سختی ومضبوطی کا مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے جلال کو سیف قاطع کے ذریعہ ظاہر کیا۔ اور خدائے قہار کے رسول کے اسم محمدؐ کے ظل بن گئے۔ آپ پر اللہ تعالیٰ اہل آسمان، اور اہل زمین میں سے راستبازوں اور نیکوکاروں کا صلوٰۃ اور سلام ہو۔ **اور حضرت عیسیٰؑ نے اپنے قول كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَهٗ (الفتح: 30) سے اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ (الجمعۃ:4) کی قوم اور ان کے امام مسیح کی طرف اشارہ کیا بلکہ اس کے احمد نام کا صراحت سے ذکر کر دیا۔ اور اس مثال سے جو قرآن کریم میں آئی ہے آپ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ مسیح موعود کسی بہت سخت چیز کی طرح نہیں بلکہ صرف نرم ونازک سبزہ کی طرح ظاہر ہو گا۔** پھر یہ بھی قرآن کریم کے عجائبات میں سے ہے کہ اس نے احمد نام کا ذکر حضرت عیسیٰؑ سے نقل کیا اور محمد نام کا ذکر حضرت موسیٰؑ سے نقل کیا تا کہ پڑھنے والے کو معلوم ہو جائے کہ جلالی نبی یعنی حضرت موسیٰؑ نے وہ نام چُنا جو ان کی اپنی شان کے مطابق ہے یعنی اسم محمد جو جلالی نام ہے اور اسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے احمد کا نام چُنا جو جمالی نام ہے کیونکہ وہ خود جمالی نبی تھے اور انہیں شدت اور جنگ سے کوئی حصہ نہیں دیا گیا تھا۔ **خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نبی نے اپنے اپنے کامل مثیل کی طرف اشارہ کیا پس (اے مخاطب) اس نکتہ کو یاد رکھ کیونکہ یہ تجھے شکوک وشبہات سے نجات دے گا۔ اور جلال اور جمال کے دونوں پہلوؤں کو آشکار کرے گا اور پردہ اٹھا کر حقیقت کو واضح کر دے گا اور جب تو اس بیان کو قبول کر لے تو ہر دجّال (کے شر) سے خدا تعالیٰ کے حفظ وامان میں آ جائے گا اور ہر گمراہی سے نجات پا جائے گا۔** (اعجاز المسیح۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 125 تا 128)

مٰلِکِ یَوْ مِ الدِّیْنِ

لفظ ’’دین‘‘ کے لغوی معانی

وَاِلَیْہِ اَشَارَعَزَّ اسْمُہٗ بِقَوْلِہٖ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ-وَاِنَّہٗ اٰخِرُالْفُیُوْضِ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ- وَمَاذُکِرَ فَیْضٌ بَعْدَہٗ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اَعْلَمِ الْعَالِمِیْنَ -

وَالْفَرْقُ فِیْ ھٰذَا الْفَیْضِ وَفَیْضِ الرَّحِیْمِیَّۃِ -اَنَّ الرَّحِیْمِیَّۃَ تُبَلِّغُ السَّالِکَ اِلٰی مَقَامٍ ھُوَ وَسِیْلَۃُ النِّعْمَۃِ -وَاَمَّا فَیْضُ الْمَالِکِیَّۃِ بِالْمُجَازَاۃِ -فَھُوَ یُبَلِّغُ السَّالِکَ اِلٰی نَفْسِ النِّعْمَۃِ وَاِلٰی مُنْتَھَی الثَّمَرَاتِ وَغَایَۃِ الْمُرَادَاتِ وَاَقْصَی الْمَقْصُوْدَاتِ-فَلَا خَفَآءَ اَنَّ ھٰذَا الْفَیْضَ ھُوَاٰخِرُالْفُیُوْضِ مِنَ الْحَضْرَۃِ الْاَحَدِیَّۃِ وَلِلنَّشْأَۃِ الْاِنْسَانِیَّۃِ کَالْعِلَّۃِ الْغَآئِیَّۃِ-وَعَلَیْہِ یَتِمُّ اِنْعَمُ کُلُّھَا وَ تَسْتَکْمِلُ بِہٖ دَآئِرَۃُ الْمَعْرِفَۃِ وَدَآئِرَۃُ السِّلْسِلَۃِ -اَلَا تَرٰی اَنَّ سِلْسِلَۃَ خُلَفَآءِ مُوْسٰی انْتَھَتْ اِلٰی نُکْتَۃِ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ- فَظَھَرَ عِیْسٰی فِیْ اٰخِرِ ھَاوَ بُدِّلَ الْجَوْرُوَالظُّلْمُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ مِنْ غَیْرِ حَرْبٍ وَّ مُحَارِبِیْنَ -کَمَا یُفْھَمُ مِنْ لَّفْظِ الدِّیْنِ فَاِنَّہٗ جَآءَ بِمَعْنَی الْحِلْمِ وَالرِّفْقِ فِیْ لُغَۃِ الْعَرَبِ وَعِنْدَ اُدَبَآءِ ھِمْ اَجْمَعِیْنَ -

ترجمہ: اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مٰلِکِ یَوْ مِ الدِّیْن میں اشارہ فرمایا ہے۔اور یہ فیض پروردگار عالم کی طرف سے آخری فیض ہے۔اوراس کے بعد سب عالموں سے زیادہ علم رکھنے والے خدا کی کتاب میں کسی اور فیض کا ذکر نہیں کیا گیا۔

اِس فیض اور رحیمیت کے فیض میں یہ فرق ہے کہ رحیمیت سالک کو اس مقام تک پہنچاتی ہے جو نعمت ملنے کا وسیلہ ہے باقی رہا جزا سزا کے مالک کا فیض ،سو وہ سالک کو **حقیقی نعمت اور آخری ثمرہ اور مرادوں کی انتہا اور مقاصد کی آخری حد تک پہنچا دیتا ہے۔پس ظاہر ہے کہ بارگاہ ایزدی کے فیوض میں سے یہ انتہائی فیض ہے اور انسانی پیدائش کی علت غائی ہے۔اور اسی پر تمام نعمتیں ختم ہو جاتی ہیں۔** اور اس پر دائرہ معرفت اور دائرہ سلسلہ مکمل ہو جاتا ہے۔کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خلفائے موسیٰ کا سلسلہ مٰلِکِ یَوْ مِ الدِّیْن کے نکتہ پر ختم ہو گیا تھا۔چنانچہ اس سلسلہ کے آخر میں حضرت عیسیٰ آئے اور ظلم و جور کو بغیر کسی لڑائی اور لڑنے والوں کے عدل و احسان سے بدل دیا گیا۔**جیسا کہ** الدِّیْن **کے لفظ سے سمجھا جاتا ہے۔کیونکہ لغت عرب اور اہل عرب کے سب ادیبوں کے نزدیک یہ لفظ بردباری اور نرمی کے معنوں میں آیا ہے۔** (اعجاز المسیح۔ر۔خ جلد 18 صفحہ 142 تا143)

آنحضرت ﷺ صفت مالک یوم الدین کے مظہر ہیں

سورۃ فاتحہ میں جو اللہ تعالیٰ کی صفات اربعہ بیان ہوئی ہیں آنحضرت ﷺ ان چاروں صفات کے مظہر کامل تھے۔مثلاً پہلی صفت رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے آنحضرت ﷺ اس کے بھی مظہر ہوئے جب کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ(الانبیاء:108) جیسے رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ عام ربوبیت کو چاہتا تھا اسی طرح آنحضرت ﷺ کے فیوض و برکات اور آپ کی ہدایت وتبلیغ کل دنیا اور کل عالموں کے لیے قرار پائی۔پھر دوسری صفت رَحْمٰن کی ہے آنحضرت ﷺ اس صفت کے بھی کامل مظہر ٹھہرے کیونکہ آپ کے فیوض و برکات کا کوئی بدل اور اجر نہیں مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ (الفرقان:58) پھر آپ رحیمیت کے مظہر ہیں آپ نے اور آپ کے صحابہ نے جو محنتیں اسلام کے لیے کیں اور ان خدمات میں جو تکالیف اٹھائیں وہ ضائع نہیں ہوئیں بلکہ ان کا اجر دیا گیا اور خود رسول اللہ ﷺ پر قرآن شریف میں رحیم کا لفظ بولا ہی گیا ہے پھر آپ مالکیت یوم الدین کے مظہر بھی ہیں اس کی کامل تجلی فتح مکہ کے دن ہوئی۔ایسا کامل ظہور اللہ تعالیٰ کی ان صفات اربعہ کا جو ام الصفات ہیں اور کسی نبی میں نہیں ہوا۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 381-382)

حضرت مسیح موعودؑ کے زمانے کا نام یوم الدین ہے

ثُمَّ اَرَادَ اَنْ یُّرِیَ نَمُوْذَجَ ھٰذِہِ الصِّفَاتِ فِیْ اٰخِرِیْنَ مِنَ الْاُمَّۃِ لِیَکُوْنَ اٰخِرُ الْمِلَّۃِ کَمِثْلِ اَوَّلِھَا فِی الْکَیْفِیَّۃِ -وَلِیَتِمَّ اَمْرُ الْمُشَابَھَۃِ بِالْاُمَمِ السَّابِقَۃِ -کَمَا اُشِیْرَ اِلَیْہِ فِیْ ھٰذِہِ السُّوْرَۃِ اَعْنِیْ قَوْلَہٗ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ فَتَدَبَّرْ اَلْفَاظَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ -وَ سُمِّیَ زَمَانُ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ یَوْمَ الدِّیْنِ لِاَنَّہٗ زَمَانٌ یُّحْیٰی فِیْہِ الدِّیْنُ - وَ تُحْشَرُ النَّاسُ لِیُقْبِلُوا بِالْیَقِیْنِ-وَلَا شَکَّ وَلَا خِلَافَ اَنَّہٗ رَبّٰی زَمَانَنَا ھٰذَا بِاَنْوَاعِ التَّرْبِیَّۃِ وَاَرَانَا کَثِیْرًا مِّنْ فُیُوْضِ الرَّحْمَانِیَّۃِ وَالرَّحِیْمِیَّۃِ -کَمَا اَرَی السَّابِقِیْنَ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالرُّسُلِ وَاَرْبَابِ الْوَلَایَۃِ وَالْخُلَّۃِ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ امت (محمدیہ) کے آخری دور میں بھی ان صفات کا نمونہ دکھائے،تا بلحاظ کیفیت ملت کا آخری حصہ پہلے حصہ کی طرح ہو جائے اور تا گزشتہ امتوں کے ساتھ (اس امت کی) مشابہت پوری ہو جائے۔جس کی طرف اس سورۃ میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی ارشاد باری تعالیٰ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ میں۔پس اس آیت کے الفاظ پر غور کریں۔**مسیح موعود کے زمانہ کا نام اس لیے بھی یوم الدین رکھا گیا کہ یہ ایسا زمانہ ہے جس میں دین کو زندہ کیا جائے گا اور لوگوں کو اس امر پر مجتمع کیا جائے گا کہ وہ (دلی) یقین کے ساتھ آگے بڑھیں۔**اور اس میں نہ کوئی شبہ ہے اور نہ ہی (کسی کو) کچھ اختلاف (ہوسکتا) ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اس زمانہ کی کئی طریق سے تربیت فرمائی ہے اور رحمانیت اور رحیمیت کے بہت سے فیوض ہمیں دکھائے ہیں جیسا کہ اس نے پہلے نبیوں،رسولوں،ولیوں اور اپنے دوستوں کو دکھائے تھے۔ (اعجاز المسیح ۔ر۔خ جلد 18 صفحہ 146-148)

اسمِ احمدؐ کے وارث حضرت اقدسؑ ہیں۔اور جمالی اعتبار سے یوم الدین کا ظہور ہے

وَ بَقِيَتْ بَعْدَ ذَالِکَ صِفَةُ الْاَحْمَدِيَةِ الَّتِیْ مُصَبَّغَةٌ بِالْاَلْوَانِ الْجَمَالِيَّةِ مُحَرَّقَةٌ بِالنِّيْرَانِ الْمُحِبِّيَّةِ ۔فَوَرِثَهَا الْمَسِيْحُ الَّذِیْ بُعِثَ فِیْ زَمَنِ انْقِطَاعِ الْاَسْبَابِ وَ تَكَسُّرِ الْمِلَّةِ مِنَ الْاَنْيَابِ۔وَفُقْدَانِ الْاَنْصَارِ وَالْاَحْبَابِ وَغَلَبَةِ الْاَعْدَاءِ وَصَوْلِ الْاَحْزَابِ لِيُرِیَ اللّٰهُ نَمُوْذَجَ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔بَعْدَ لَيَالِي الظَّلَامِ وَبَعْدَ انْهِدَامِ قُوَّةِ الْاِسْلَامِ وَسَطْوَةِ السَّلَاطِيْنِ۔وَ بَعْدَ كَوْنِ الْمِلَّةِ كَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ ۔فَالْيَوْمَ صَارَدِيْنُنَا كَالْغُرَبَآءِ وَمَا بَقِيَتْ لَهٗ سَلْطَنَةٌ اِلَّا فِی السَّمَآءِ ۔وَمَا عَرَفَهٗ اَهْلُ الْاَرْضِ فَقَامُوْا عَلَيْهِ كَالْاَعْدَآءِ۔ فَاُرْسِلَ عِنْدَ هٰذَا الضُّعْفِ وَذَهَابِ الشُّوْكَةِ عَبْدٌ مِّنَ الْعِبَادِ لِيَتَعَهَّدَ زَمَانًا مَّاحِلًا تَعَهُّدَالْعِهَادِ ۔وَذَالِکَ هُوَ الْمَسِيْحُ الْمَوْعُوْدُ الَّذِیْ جَآءَ عِنْدَ ضُعْفِ الْاِسْلَامِ ۔

اب رہی صفتِ احمدیت جو جمالی رنگوں سے رنگین ہے اور عشق و محبت کی آگ سے سوختہ ہے۔سو مسیح موعود اس صفت (احمدیت) کا وارث ہوا۔جو ذرائع (ترقی) کے خاتمہ، دشمنوں کی کچلیوں سے ملت کی بربادی اور مددگاروں اور دوستوں کے معدوم ہونے اور دشمنوں کے غلبہ اور مخالف جماعتوں کے حملہ کے وقت مبعوث کیا گیا تا اللہ تعالیٰ اندھیری راتوں کے بعد اسلام کی قوت اور (مسلمان) سلاطین کا رعب مٹنے کے بعد اور ملت محمدیہ کے اپاہجوں کی مانند ہو جانے کے بعد اپنی مالکیت یوم الدین کا نمونہ دکھائے۔پس آج ہمارا دین بے وطنوں کی طرح ہو گیا۔اس کی حکومت سوائے آسمان کے اور کہیں باقی نہیں رہی (اس وقت کے) اہل زمین نے اس کو نہیں پہچانا۔اور اس کے خلاف دشمنوں کی طرح اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔پس اس ضعف اور شان و شوکت کے مٹنے کے وقت (خدا تعالیٰ کے) بندوں میں سے ایک بندہ مبعوث کیا گیا۔تا وہ اس (روحانی پانی کے) قحط زدہ زمانہ کو بارش کی طرح سیراب کرے پس یہ وہی مسیح موعود ہے جو اسلام کے ضعف کے وقت آیا ہے۔

(اعجاز المسیح ۔ر۔خ جلد18 صفحہ151 تا153)

آنحضرتؐ کی حضرت موسیٰؑ سے مماثلت ہے اور حضرت اقدسؑ مثیل عیسیٰؑ ہیں

فَاقْتَضَتْ مُمَاثَلَةُ نَبِيِّنَا بِمُوْسَى الْكَلِيْمِ ۔وَمُشَابَهَةُ خُلَفَآءِ مُوْسٰى بِخُلَفَآءِ نَبِيِّنَا الْكَرِيْمِ ۔اَنْ يَّظْهَرَ فِیْ اٰخِرِ هٰذِهِ السِّلْسِلَةِ رَجُلٌ يُّشَابِهُ الْمَسِيْحَ وَ يَدْعُوْاِلَى اللّٰهِ بِالْحِلْمِ وَيَضَعُ الْحَرْبَ وَيَقْرِبُ السَّيْفَ الْمُجِيْحَ فَيَحْشُرُ النَّاسَ بِالْاٰيَاتِ مِنَ الرَّحْمَانِ لَا بِالسَّيْفِ وَالسِّنَانِ۔فَيُشَابِهُ زَمَانُهٗ زَمَانَ الْقِيَامَةِ وَيَوْمَ الدِّيْنِ وَالنُّشُوْرِ ۔ وَيَمْلَأُ الْاَرْضَ نُوْرًا كَمَا مُلِئَتْ بِالْجَوْرِ وَالزُّوْرِ ۔وَقَدْ كَتَبَ اللّٰهُ اَنَّهٗ يُرِیْ نَمُوْذَجَ يَوْمِ الدِّيْنِ قَبْلَ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔وَيَحْشُرُ النَّاسَ بَعْدَ مَوْتِ التَّقْوٰی وَذَالِکَ وَقْتُ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ وَهُوَ زَمَانُ هٰذَا الْمِسْكِيْنِ ۔وَاِلَيْهِ اَشَارَفِیْ اٰيَةِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔فَلْيَتَدَبَّرْ مَنْ كَانَ مِنَ الْمُتَدَبِّرِيْنَ ۔

پس ہمارے نبی اکرم ﷺ کی موسیٰ کلیم اللہ سے مماثلت اور خلفائے موسیٰ کی آنحضرت ﷺ کے خلفاء سے مشابہت نے چاہا کہ اس سلسلہ (محمدیؐ) کے آخر میں بھی کوئی ایسا مرد کامل پیدا ہو جو حضرت عیسیٰؑ کا مثیل ہو اور وہ (لوگوں کو) نرمی کے ساتھ اللہ کی طرف بلائے۔ جنگ کو موقوف کرے، تباہی پھیلانے والی تلوار کو نیام میں کرے اور لوگوں کو تلوار اور نیزہ کی بجائے خدائے رحمان کے چمکتے ہوئے نشانوں سے ایک نئی زندگی عطا کرے۔ پس اس کا زمانہ روز قیامت اور یوم جزا وحشر ونشر سے مشابہت رکھتا ہے۔ اور وہ زمین کو نور سے بھر دے گا۔ جیسا کہ وہ اس سے پہلے ظلم اور جھوٹ سے بھری ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کر رکھا ہے کہ وہ حقیقی یوم الجزاء سے پہلے لوگوں کو اس کا نمونہ دکھائے اور تقویٰ کے مر جانے کے بعد لوگوں کو نئی زندگی بخشے اور یہی مسیح موعود کا زمانہ ہے۔ اور وہ (درحقیقت) اس عاجز کا (ہی) زمانہ ہے۔ اور اس کی طرف (اللہ تعالیٰ نے) آیت یَوْمِ الدِّیْن میں اشارہ کیا ہے پس تدبّر کرنے والے اس بات میں تدبّر کریں۔ (اعجاز المسیح۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 143 تا 145)

یوم الدین کی تجلی حضرت مسیح موعودؑ کے لئے بطور معجزات کے ہے

بَقِیَتِ الصِّفَةُ الرَّابِعَةُ مِنْ هٰذِهِ الصِّفَاتِ اَعْنِیْ التَّجَلِّی الَّذِیْ یَظْهَرُ فِیْ حُلَّةِ مَلِکٍ اَوْمَالِکٍ فِیْ یَوْمِ الدِّیْنِ لِلْمُجَازَاتِ۔فَجَعَلَهٗ لِلْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ کَالْمُعْجِزَاتِ وَجَعَلَهٗ حَکَمًاوَّ مَظْهَرًا لِّلْحُکُوْمَةِ السَّمَاوِیَّةِ بِتَائِیْدٍ مِّنَ الْغَیْبِ وَالْاٰیَاتِ۔وَسَتَعْلَمُ عِنْدَ تَفْسِیْرِ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ هٰذِهِ الْحَقِیْقَةَ۔وَمَاقُلْتُ مِنْ عِنْدِ نَفْسِیْ بَلْ اُعْطِیْتُ مِنْ لَّدُنْ رَّبِّیْ هٰذِهِ النِّکَاتِ الدَّقِیْقَةَ۔

<u>ترجمہ</u>: ان صفات میں سے اب صرف چوتھی صفت باقی رہ گئی۔ میری مراد اس سے خدا تعالیٰ کی وہ تجلی ہے جس کا ظہور بادشاہ یا مالک کے لباس میں جزا سزا دینے کے لیے یوم جزا میں ہوگا لہٰذا خدا تعالیٰ نے اس (تجلی) کو مسیح موعود کے لیے معجزات کی طرح قرار دیا اور اُسے (مسیح موعود کو) غیبی تائید اور چمکتے نشانوں کے ساتھ حَکَم اور آسمانی حکومت کا نمائندہ بنایا۔ اے مخاطب تجھے عنقریب اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کی تفسیر کے موقع پر اس حقیقت کا علم ہو جائے گا اور میں نے یہ باتیں اپنے پاس سے نہیں کہیں بلکہ یہ باریک نکات مجھے اپنے رب کی طرف سے عطا کیے گئے ہیں۔ (اعجاز المسیح۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 148)

وَكَانَ قَدَرًا مُقَدَّرًا مِّنَ الْاِبْتِدَآءِ وَوَعْدًا مَّوْقُوْتًا جَارِيًا عَلٰی اَلْسُنِ الْاَنْبِيَاءِ۔ اِنَّ اسْمَ اَحْمَدَ لَا تَتَجَلّٰى بِتَجَلِّی تَآمٍّ فِیْ اَحَدٍ مِّنَ الْوَارِثِيْنَ اِلَّا فِی الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ الَّذِیْ يَأْتِی اللّٰهُ بِهٖ عِنْدَ طُلُوْعِ يَوْمِ الدِّيْنِ وَ حَشْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔وَيَرَی اللّٰهُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالضُّعَفَآءِ۔ وَالْاِسْلَامَ كَصَبِیٍّ نُّبِذَ بِالْعَرَآءِ فَيَفْعَلُ لَهُمْ اَفْعَالًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيَنْزِلُ لَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ۔ فَهُنَاكَ تَكُوْنُ لَهُ السَّلْطَنَةُ فِی الْاَرْضِ كَمَا هِیَ فِی الْاَفْلَاكِ۔ وَتَهْلِكُ الْاَبَاطِيْلُ مِنْ غَيْرِ ضَرْبِ الْاَعْنَاقِ وَتَنْقَطِعُ الْاَسْبَابُ كُلُّهَا وَتُرْجَعُ الْاُمُوْرُ اِلٰى مَالِكِ الْاَمْلَاكِ۔ وَعْدٌ مِّنَ اللّٰهِ حَقٌّ كَمِثْلِ وَعْدٍ تَمَّ فِیْ اٰخِرِ زَمَنِ بَنِیْ اِسْرَآئِيْلَ۔ اِذْ بُعِثَ فِيْهِمْ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ فَاَشَاعَ الدِّيْنَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّقْتُلَ مَنْ عَصَى الرَّبَّ الْجَلِيْلَ۔ وَكَانَ فِیْ قَدَرِ اللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَلِيْمِ۔ اَنْ يَّجْعَلَ اٰخِرَ هٰذِهِ السِّلْسِلَةِ كَاٰخِرِ خُلَفَآءِ الْكَلِيْمِ ۔فَلِاَجْلِ ذَالِكَ جَعَلَ خَاتِمَةَ اَمْرِهَا مُسْتَغْنِيَةً مِّنْ نَّصْرِ النَّاصِرِيْنَ۔ وَمَظْهَرًا لِّحَقِيْقَةِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔

ترجمہ: **اور ابتدا سے یہی الٰہی تقدیر اور مقرر وعدہ تھا۔ جو انبیاء کی زبانوں پر جاری تھا کہ صفتِ احمد کی کامل تجلی اس کے وارثوں میں سے مسیح موعود کے سوا کسی پر نہ ہوگی جسے اللہ تعالیٰ (اس دنیا) میں جزا سزا کا دن طلوع ہونے اور مومنوں کے جمع کئے جانے کے وقت مبعوث فرمائے گا۔** اس دن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کمزور اور اسلام کو اس بچے کی طرح پائے گا جسے جنگل میں پھینک دیا گیا ہو۔ تب ان کے لیے اپنے ہاں سے بہت سے کام بروئے کار لائے گا اور ان کی خاطر خود آسمان سے اُتر آئے گا۔ اس وقت زمین پر بھی ویسے ہی اسکی (روحانی) بادشاہت قائم ہو جائے گی جیسا کے آسمانوں پر ہے (لوگوں کی) گردنیں اڑائے بغیر تمام باطل مٹ جائیں گے اور (کفر کے) سب ذرائع کٹ جائیں گے اور تمام امور بادشاہوں کے بادشاہ (خدا تعالیٰ) کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اسی وعدہ کی مانند ہے جو بنی اسرائیل کے آخری زمانہ میں پورا ہوا۔ جب ان میں حضرت عیسیٰؑ مبعوث ہوئے اور آپ نے خدا تعالیٰ کے نافرمانوں کو قتل کئے بغیر دین کی اشاعت کی۔ **عالم الغیب اور عالی مرتبہ خداوند کی تقدیر میں یہی تھا کہ وہ اس امت محمدیہ کے سلسلہ کے آخری حصہ کو حضرت موسیٰؑ کے خلفاء کے آخری حصہ کی طرح بنائے اس لیے اس (امت) کے انجام کو انسانی مددگاروں کی مدد سے مستغنی رکھا اور اُسے ''مالک یوم الدین'' کی حقیقت کے اظہار کا ذریعہ بنا دیا۔** (اعجاز المسیح۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 121-122)

وَاَنَّ الْاَرْضَ زُلْزِلَتْ لَنَا زِلْزَالًا ۔فَاَخْرَجَتْ اَثْقَالًا۔وَّ فُجِّرَتِ الْاَنْهَارُ۔ وَسُجِّرَتِ الْبِحَارُ۔وَجُدِّدَتِ الْمَرَاكِبُ وَعُطِّلَتِ الْعِشَارُ ۔وَاِنَّ السَّابِقِيْنَ مَارَءَ وْاكَمِثْلِ مَا رَئَيْنَا مِنَ النَّعْمَآءِ وَ فِیْ كُلِّ قَدَمٍ نِّعْمَةٌ وَّ قَدْ خَرَجَتْ مِنَ الْاِحْصَاءِ۔وَمَعَ ذَالِكَ كَثُرَتْ مَوْتُ الْقُلُوْبِ وَ قَسَاوَةُ الْاَفْئِدَةِ۔كَاَنَّ النَّاسَ كُلَّهُمْ مَّاتُوْا وَلَمْ يَبْقَ فِيْهِمْ رُوْحُ الْمَعْرِفَةِ۔اِلَّا قَلِيْلُ نِ الَّذِیْ هُوَكَالْمَعْدُوْمِ مِنَ النُّدْرَةِ ۔ وَاِنَّا فَهِمْنَا مِمَّا ذَكَرْنَا مِنْ ظُهُوْرِ الصِّفَاتِ۔ وَتَجَلِّی الرُّبُوْبِيَّةِ وَالرَّحْمَانِيَّةِ وَالرَّحِيْمِيَّةِ كَمِثْلِ الْاٰيَاتِ۔ثُمَّ مِنْ كَثْرَةِ الْاَمْوَاتِ وَمَوْتِ النَّاسِ مِنْ سَمِّ الضَّلَالَاتِ۔اَنَّ يَوْمَ الْحَشْرِوَالنَّشْرِ قَرِيْبٌ بَلْ عَلَی الْبَابِ ۔كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ مِّنْ ظُهُوْرِالْعَلَامَاتِ وَا لْاَسْبَابِ ۔فَاِنَّ الرُّبُوْبِيَّةَوَالرَّحْمَانِيَّةَ وَالرَّحِيْمِيَّةَ تَمَوَّجَتْ كَتَمَوُّجِ الْبِحَارِ۔وَظَهَرَتْ وَ تَوَاتَرَتْ وَجَرَتْ كَا لْاَنْهَارِ ۔فَلَا شَكَّ اَنَّ وَقْتَ الْحَشْرِ وَا لنُّشُوْرِ قَدْاَتٰی۔وَقَدْ مَضَتْ هٰذِهِ السُّنَّةُ فِیْ صَحَابَةِ خَيْرِالْوَرٰی۔وَلَا شَكَّ اَنَّ هٰذَاالْيَوْمُ الدِّيْنِ وَيَوْمُ الْحَشْرِ وَيَوْمُ مَالِكِيَّةِ رَبِّ السَّمَآءِ وَظُهُوْرِ اٰثَارِهَا عَلٰی قُلُوْبِ اَهْلِ الْاَرْضِيْنَ۔وَلَا شَكَّ اَنَّ الْيَوْمَ يَوْمُ الْمَسِيْحِ الْحَكَمِ مِنَ اللّٰهِ اَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ ۔وَاَنَّهٗ حَشْرٌ بَعْدَ هَلَاكِ النَّاسِ ۔وَقَدْ مَضٰی نَمُوْذَجُهٗ فِیْ زَمَنِ عِيْسٰی وَ زَمَنِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ۔فَتَدَبَّرْ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ۔

ترجمہ از مرتب:- پس زمین ہماری خاطر خوب جھنجھوڑی گئی ہے اوراس نے اپنے بوجھ (یعنی خزانے) باہر نکال پھینکے ہیں نہریں جاری کی گئی ہیں۔دریا خشک کردیئے گئے ہیں۔نئی نئی سواریاں نکل آئی ہیں اوراونٹنیاں بیکار ہوگئی ہیں۔ہمارے پہلوں نے ایسی نعمتیں نہیں دیکھی تھیں جو ہم نے دیکھی ہیں۔ہر قدم پر ایک (نئی) نعمت (موجود) ہے اور یہ (نعمتیں) حدشمار سے باہر ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی دلوں کی موت اوران کی سختی بہت بڑھ گئی گویا کہ تمام لوگ مرچکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شناخت کرنے کی روح ان میں باقی نہیں رہی سوائے بہت کم لوگوں کے جو شاذ و نادر ہونے کی وجہ سے نہ ہونے کے برابر ہیں پس ان صفات کے ظہور سے جن کا ذکر ہم پہلے کرچکے ہیں اور ربوبیت،رحمانیت اور رحیمیت کی روشن نشانوں کی طرح تجلّی سے اور پھر کثرت اموات اور گمراہیوں کے زہر سے لوگوں کے مرنے سے ہم نے جان لیا ہے کہ حشرونشر کا دن قریب ہے بلکہ دروازے پر ہے جیسا کہ ان علامات اور اسباب کے ظہور سے واضح ہوگیا ہے کیونکہ ربوبیت، رحمانیت اور رحیمیت سمندروں کے جوش مارنے کی طرح موجزن ہیں اور ظاہر ہوچکی ہیں اور پے در پے نازل ہورہی ہیں اور دریاؤں کی طرح جاری ہیں۔لہٰذا بلا شبہ اب حشرونشر کا وقت آگیا ہے۔یہ سنت اللہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ (کے وقت) میں بھی ہوگذری ہے۔**پس بلاشبہ یہ زمانہ یوم الدین ہے یوم حشر ہے آسمانوں کے ربّ کی مالکیت اوراس (مالکیت) کے آثار اہل زمین کے دلوں پر ظاہر ہونے کا دن ہے اور (اس امر میں بھی) کوئی شک نہیں یہ زمانہ اس مسیح کا زمانہ ہے جو خدائے احکم الحاکمین کی طرف سے حَکَم ہے اورلوگوں کی ہلاکت (روحانی) کے بعد ایک حشر کا وقت ہے۔**اوراس کا نمونہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں بھی اور حضرت خاتم النبیین ﷺ کے زمانہ میں بھی گذر چکا ہے۔پس تم بھی غور کرو اور غافلوں (کی صف) میں شامل نہ ہو۔ (اعجاز المسیح۔ر۔خ جلد 18 صفحہ 162 تا 164)

صفات اربعہ باری تعالیٰ میں حضرت اقدسؑ کا ذکر مجموعی اعتبار سے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِo

اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَo الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِo مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِo

صفات اربعہ کا موصوف اللہ تعالیٰ ہے

قرآن شریف میں جس قدر صفات اورافعال الٰہیہ کا ذکر ہے ان سب صفات کا موصوف اسم اللہ ٹھہرایا گیا ہے مثلاً کہا گیا ہے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ مَالِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ۔

(حقیقۃ الوحی ۔ ر۔ خ جلد22 صفحہ 146)

اب واضح ہو کہ خدا تعالیٰ نے اس سورۃ میں ان چار صفتوں کو اپنی الوہیّت کا مظہر اتم قرار دیا ہے اوراسی لئے صرف اس قدر ذکر پر یہ نتیجہ مرتب کیا ہے کہ ایسا خدا کہ یہ چار صفتیں اپنے اندر رکھتا ہے وہی لائق پرستش ہے اور درحقیقت یہ صفتیں بہروجہ کامل ہیں اور ایک دائرہ کے طور پر الوہیت کے تمام لوازم اور شرائط پر محیط ہیں کیونکہ ان صفتوں میں خدا کی ابتدائی صفات کا بھی ذکر ہے اور درمیانی زمانہ کی رحمانیت اور رحیمیت کا بھی ذکر ہے اور پھر آخری زمانہ کی صفت مجازات کا بھی ذکر ہے اور اصولی طور پر کوئی فعل اللہ تعالیٰ کا ان چار صفتوں سے باہر نہیں پس یہ چار صفتیں خدا تعالیٰ کی پوری صورت دکھلاتی ہیں سو درحقیقت استوا علی العرش کے یہی معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی یہ صفات جب دنیا کو پیدا کر کے ظہور میں آگئیں تو خدا تعالیٰ ان معنوں سے اپنے عرش پر پوری وضع استقامت سے بیٹھ گیا کہ کوئی صفت صفات لازمہ الوہیت سے باہر نہیں رہی اور تمام صفات کی پورے طور پر تجلی ہوگئی جیسا کہ جب اپنے تخت پر بادشاہ بیٹھتا ہے تو تخت نشینی کے وقت اس کی ساری شوکت ظاہر ہوتی ہے۔

(نسیم دعوت ۔ ر۔ خ جلد19 صفحہ 455-457 حاشیہ)

صفات اربعہ کی معنوی وضاحت

ان آیات سورۃ فاتحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا جس نے اللہ کے نام سے قرآن میں اپنے تئیں ظاہر کیا۔ وہ رب العالمین ہو کر مبدأ ہے تمام فیضوں کا اور رحمان ہو کر مُعطی ہے تمام انعاموں کا۔ اور رحیم ہو کر قبول کرنے والا ہے تمام سُودمند دعاؤں اور کوششوں کا اور مالک یوم الدین ہو کر بخشنے والا ہے کوششوں کے تمام آخری ثمرات کا۔

(ایام الصلح ۔ ر۔ خ جلد14 صفحہ 246 حاشیہ)

صفات اربعہ مظہر الوہیّت ہیں

خدا تعالیٰ کی ان صفات رب، رحمٰن، رحیم، مالک یوم الدین پر توجہ کی جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ کیسا عجیب خدا ہے پھر جن کا رب ایسا ہو گیا وہ کبھی نامراد اور محروم رہ سکتا ہے؟ رب کے لفظ سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ دوسرے عالم میں بھی ربوبیت کام کرتی رہے گی۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 192)

خدا تعالیٰ کی چار صفتیں ہیں جن سے ربوبیت کی پوری شوکت نظر آتی ہے اور کامل طور پر چہرہ اس ذات ابدی ازلی کا دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ان ہر چہار صفتوں کو سورۃ فاتحہ میں بیان کر کے اپنی ذات کو معبود قرار دینے کے لئے ان لفظوں سے لوگوں کو اقرار کرنے کی ہدایت دی ہے کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ یعنی اے وہ خدا جو ان چار صفتوں سے موصوف ہے ہم خاص تیری ہی پرستش کرتے ہیں کیونکہ تیری ربوبیت تمام عالموں پر محیط ہے اور تیری رحمانیت بھی تمام عالموں پر محیط ہے اور تیری رحیمیت بھی تمام عالموں پر محیط ہے۔ اور تیری صفت مالکانہ جزاو سزا کی بھی تمام عالموں پر محیط ہے اور تیرے اس حسن اور احسان میں بھی کوئی شریک نہیں اس لئے ہم تیری عبادت میں بھی کوئی شریک نہیں کرتے۔

اب واضح ہو کہ خدا تعالیٰ نے اس سورۃ میں ان چار صفتوں کو اپنی الوہیت کا مظہر اتم قرار دیا ہے اور اسی لئے صرف اس قدر ذکر پر یہ نتیجہ مرتب کیا ہے کہ ایسا خدا کہ یہ چار صفتیں اپنے اندر رکھتا ہے وہی لائق پرستش ہے۔

(نسیم دعوت۔ ر۔خ جلد 19 صفحہ 455۔456 حاشیہ)

آنحضرت ﷺ صفات اربعہ باری تعالیٰ کے مظہر کامل ہیں۔

سورۃ فاتحہ میں جو اللہ تعالیٰ کی صفات اربعہ بیان ہوئی ہیں آنحضرت ﷺ ان چاروں صفات کے مظہر کامل تھے۔ مثلاً پہلی صفت رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ہے آنحضرت ﷺ اس کے بھی مظہر ہوئے جب کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء:ع7) جیسے رَبِّ الْعَالَمِيْن عام ربوبیت کو چاہتا تھا اسی طرح آنحضرت ﷺ کے فیوض و برکات اور آپ کی ہدایت و تبلیغ کل دنیا اور کل عالموں کے لئے قرار پائی۔ پھر دوسری صفت رَحْمٰن کی ہے آنحضرت ﷺ اس صفت کے بھی کامل مظہر ٹھہرے کیونکہ آپ کے فیوض و برکات کا کوئی بدل اور اجر نہیں مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْر (الفرقان:ع5) پھر آپ رحیمیت کے مظہر ہیں آپ نے اور آپ کے صحابہ نے جو محنتیں اسلام کے لئے کیں اور ان خدمات میں جو تکالیف اٹھائیں وہ ضائع نہیں ہوئیں بلکہ ان کا اجر دیا گیا اور خود رسول اللہ ﷺ پر قرآن شریف میں رحیم کا لفظ بولا ہی گیا ہے پھر آپ مالکیت یوم الدین کے مظہر بھی ہیں اس کی کامل تجلی فتح مکہ کے دن ہوئی۔ **ایسا کامل ظہور اللہ تعالیٰ کی ان صفات اربعہ کا جوام الصفات ہیں اور کسی نبی میں نہیں ہوا۔**

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 382-381)

ثُمَّ اَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ اسْمٌ جَامِدٌ لَّا تُدْرَكُ حَقِيْقَتُهٗ لِاَنَّهٗ اسْمُ الذَّاتِ۔ وَالذَّاتُ لَيْسَتْ مِنَ الْمُدْرَكَاتِ۔ وَكُلُّ مَا يُقَالُ فِيْ مَعْنَاهُ فَهُوَ مِنْ قَبِيْلِ الْاَبَاطِيْلِ وَالْخُزَعْبِيْلَاتِ۔ فَاِنَّ كُنْهَ الْبَارِئِ اَرْفَعُ مِنَ الْخَيَالَاتِ وَ اَبْعَدُ مِنَ الْقِيَاسَات۔ وَاِذَا قُلْتَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَمَعْنَاهُ اَنَّ مُحَمَّدًا مَّظْهَرُ صِفَاتِ هٰذِهِ الذَّاتِ وَخَلِيْفَتُهَا فِيْ الْكَمَالَاتِ وَ مُتَمِّمُ دَآئِرَةِ الظِّلِّيَّةِ وَخَاتَمُ الرِّسَالَاتِ۔ فَحَاصِلُ مَا اُبْصِرُ وَاَرٰى اَنَّ نَبِيَّنَا خَيْرُ الْوَرٰى۔ (اعجاز المسیح۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 151`150)

پھر جان لو کہ اللہ اسم جامد ہے اور اسکی حقیقت کا ادراک نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ اسم ذات ہے اور ذات ایسے امور میں سے نہیں جن کا ادراک ہو سکے۔ لفظ اللہ کو مشتق قرار دے کر جو معنے کئے جاتے ہیں وہ سب جھوٹ اور محض خرافات ہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی کنہہ (حقیقت) کا پانا (تمام) خیالات سے بالا اور قیاسات سے دور ہے۔ **جب تم محمد رسول اللہ کہتے ہو تو اس کے معنے یہ ہیں کہ محمد (ﷺ) ذات باری کی صفات کے مظہر ہیں کمالات میں اس کے جانشین ہیں اور دائرہ ظلیت کو کامل کرنے والے اور سب رسالتوں کے خاتم ہیں۔** پس جو کچھ میں دیکھتا اور پاتا ہوں اس کا ماحصل یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا مظہر رسول اللہ ﷺ کے دو ظہوروں محمد اور احمد میں ہوا۔ اب نبی کامل ﷺ کی ان صفات اربعہ کو بیان کر کے صحابہ کرامؓ کی تعریف میں پورا بھی کر دیا گویا اللہ تعالیٰ ظلّی طور پر اپنی صفات دینا چاہتا ہے۔ اس لئے فنا فی اللہ کے یہی معنی ہیں کہ انسان الٰہی صفات کے اندر آجاوئے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 430)

باری تعالیٰ کی صفات اربعہ میں ایک تعلیم ہے

خدا تعالیٰ کی چار اعلیٰ درجہ کی صفتیں ہیں جو اُمّ الصفات ہیں اور ہر ایک صفت ہماری بشریت سے ایک امر مانگتی ہے اور وہ چار صفتیں یہ ہیں:۔ ربوبیّت۔ رحمانیّت۔ رحیمیّت۔ مالکیّت یوم الدین۔ (1) ربوبیّت اپنے فیضان کیلئے عدم محض یا مشابہ بالعدم کو چاہتی ہے اور تمام انواع مخلوق کی جاندار ہوں یا غیر جاندار اُسی سے پیرایۂ وجود پہنتے ہیں۔ (2) رحمانیت اپنے فیضان کیلئے صرف عدم کو ہی چاہتی ہے۔ یعنی اس عدم محض کو جس کے وقت میں وجود کا کوئی اثر اور ظہور نہ ہوا۔ اور صرف جانداروں سے تعلق رکھتی ہے اور چیزوں سے نہیں۔ (3) رحیمیت اپنے فیضان کے لئے موجود ذوالعقل کے منہ سے نیستی اور عدم کا اقرار چاہتی ہے اور صرف نوع انسان سے تعلق رکھتی ہے۔ (4) مالکیّت یوم الدین اپنے فیضان کے لئے فقیرانہ تضرع اور الحاح کو چاہتی ہے اور صرف ان انسانوں سے تعلق رکھتی ہے جو گداؤں کی طرح حضرت احدیت کے آستانہ پر گرتے ہیں اور فیض پانے کیلئے دامن افلاس پھیلاتے ہیں۔ اور سچ مچ اپنے تئیں تہی دست پا کر خدا تعالیٰ کی مالکیّت پر ایمان لاتے ہیں۔

یہ چار الٰہی صفتیں ہیں جو دنیا میں کام کر رہی ہیں اور ان میں سے جو رحیمیت کی صفت ہے وہ دعا کی تحریک کرتی ہے اور مالکیت کی صفت خوف اور قلق کی آگ سے گداز کر کے سچا خشوع اور خضوع پیدا کرتی ہے کیونکہ اس صفت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ مالک جزا ہے۔ کسی کا حق نہیں جو دعویٰ سے کچھ طلب کرے اور مغفرت اور نجات محض فضل پر ہے۔ (ایام الصلح۔ ر۔ خ جلد 14 صفحہ 242۔243)

جماعت احمدیہ میں داخل ہونے والے کا فرض

جو شخص عام مسلمانوں میں سے ہماری جماعت میں داخل ہو جائے اس کا پہلا فرض یہی ہے کہ جیسا کہ قرآن شریف کے سورہ فاتحہ میں پنج وقت اپنی نماز میں یہ اقرار کرتا ہے کہ خدا رب العالمین ہے اور خدا رحمان ہے اور خدا رحیم ہے اور خدا ٹھیک ٹھیک انصاف کرنے والا ہے۔ یہی چاروں صفتیں اپنے اندر بھی قائم کرے ورنہ وہ اس دعا میں کہ اسی سورۃ میں پنج وقت اپنی نماز میں کہتا ہے کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ یعنی اے ان چار صفتوں والے اللہ میں تیرا ہی پرستار ہوں اور تو ہی مجھے پسند آیا ہے سراسر جھوٹا ہے کیونکہ خدا کی ربوبیت یعنی نوع انسان اور نیز غیر انسان کا مربی بننا اور ادنیٰ سے ادنیٰ جانور کو بھی اپنی مربیانہ سیرت سے بے بہرہ نہ رکھنا یہ ایک ایسا امر ہے کہ اگر ایک خدا کی عبادت کا دعویٰ کرنے والا خدا کی اس صفت کو محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کو پسند کرتا ہے یہاں تک کہ کمال محبت سے اس الٰہی سیرت کا پرستار بن جاتا ہے تو ضروری ہوتا ہے کہ وہ آپ بھی اس صفت اور سیرت کو اپنے اندر حاصل کرلے تا اپنے محبّ کے رنگ میں آ جائے ایسا ہی خدا کی رحمانیت یعنی بغیر عوض کسی خدمت کے مخلوق پر رحم کرنا یہ بھی ایک ایسا امر ہے کہ سچا عابد جس کو یہ دعویٰ ہے کہ میں خدا کے نقش قدم پر چلتا ہوں ضرور یہ خلق بھی اپنے اندر پیدا کرتا ہے ایسا ہی خدا کی رحیمیت یعنی کسی کے نیک کام میں اس کام کی تکمیل کیلئے مدد کرنا۔ یہ بھی ایک ایسا امر ہے کہ سچا عابد جو خدائی صفات کا عاشق ہے اس صفت کو اپنے اندر حاصل کرتا ہے ایسا ہی خدا کا انصاف جس نے ہر ایک حکم عدالت کے تقاضا سے دیا ہے نہ نفس کے جوش سے یہ بھی ایک ایسی صفت ہے کہ سچا عابد کہ جو تمام الٰہی صفات اپنے اندر لینا چاہتا ہے اس صفت کو چھوڑ نہیں سکتا **اور راست باز کی خود بھاری نشانی یہی ہے کہ جیسا کہ وہ خدا کے لئے ان چار صفتوں کو پسند کرتا ہے ایسا ہی اپنے نفس کے لئے بھی یہی پسند کرے لہٰذا خدا نے سورۃ فاتحہ میں یہی تعلیم کی تھی جس کو اس زمانہ کے مسلمان ترک کر بیٹھے ہیں۔** (تریاق القلوب۔ ر۔ خ جلد 15 صفحہ 518۔519)

صفات اربعہ کا ظہور مسیح موعود امام آخر الزمان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا مظہر رسول اللہ ﷺ کے دو ظہوروں محمد اور احمد میں ہوا۔ اب نبی کامل ﷺ کی اُن صفات اربعہ کو بیان کر کے صحابہ کرام کی تعریف میں پورا بھی کر دیا گویا اللہ تعالیٰ ظلی طور پر اپنی صفات دینا چاہتا ہے۔ اس لئے فنافی اللہ کے یہی معنے ہیں کہ انسان الٰہی صفات کے اندر آ جائے۔

اب قصہ کوتاہ کرتا ہوں کہ صحابہؓ میں ان صفات اربعہ کی تجلّی چمکی لیکن بات بڑی غور طلب ہے کہ صحابہ کی جماعت اتنی ہی نہ سمجھو جو پہلے گزر چکے بلکہ ایک اور گروہ بھی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ذکر کیا ہے وہ بھی صحابہ میں داخل ہے جو احمد کے بروز کے ساتھ ہوں گے چنانچہ فرمایا ہے وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (الجمعۃ:4) یعنی صحابہ کی جماعت کو اسی قدر نہ سمجھو بلکہ مسیح موعود کے زمانہ کی جماعت بھی صحابہ ہی ہوگی۔ اس آیت کے متعلق مفسروں نے مان لیا ہے کہ یہ مسیح موعود کی جماعت ہے۔ مِنْھُمْ کے لفظ سے پایا جاتا ہے کہ باطنی توجہ اور استفاضہ صحابہ کی طرح ہوگا۔ صحابہ کی تربیت ظاہری طور پر ہوئی تھی۔ مگر ان کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ وہ بھی رسول اللہ ﷺ ہی کی تربیت کے نیچے ہونگے۔ اس لئے سب علماء نے اس گروہ کا نام صحابہ ہی رکھا ہے۔ جیسے ان صفات اربعہ کا ظہور ان صحابہ میں ہوا تھا۔ ویسے ہی ضروری تھا کہ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ کی مصداق جماعت صحابہ میں بھی ہو۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 430۔431)

وَههُنَا نُكْتَةٌ كَشْفِيَّةٌ لَّيْسَتْ مِنَ الْمَسْمُوْعِ۔ فَاسْمَعْ مُصْغِيًا وَّعَلَيْكَ بِالْمَوْدُوْعِ۔ وَهُوَ اَنَّهٗ تَعَالٰى مَا اخْتَارَ لِنَفْسِهٖ ههُنَا اَرْبَعَةً مِّنَ الصِّفَاتِ اِلَّا لِيُرِىَ نَمُوْذَجَهَا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا قَبْلَ الْمَمَاتِ۔ فَاَشَارَ فِىْ قَوْلِهٖ "لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ"۔ (القصص:ع7) اِلٰى اَنَّ هٰذَا النَّمُوْذَجَ يُعْطٰى لِصَدْرِ الْاِسْلَامِ۔ ثُمَّ لِلْاٰخَرِيْنَ مِنَ الْاُمَّةِ الدَّاخِرَةِ۔ وَكَذٰلِكَ قَالَ فِىْ مَقَامٍ اٰخَرَ وَهُوَ اَصْدَقُ الْقَائِلِيْنَ۔ "ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخَرِيْنَ"۔ (الواقعۃ:ع2) فَقَسَّمَ زَمَانَ الْهِدَايَةِ وَالْعَوْنِ وَالنُّصْرَةِ اِلٰى زَمَانِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِلَى الزَّمَانِ الْاٰخِرِ الَّذِىْ هُوَ زَمَانُ مَسِيْحِ هٰذِهِ الْمِلَّةِ۔ وَكَذٰلِكَ قَالَ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ۔ (الجمعۃ:ع1) فَاَشَارَ اِلَى الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ وَجَمَاعَتِهٖ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ۔ فَثَبَتَ بِنُصُوْصٍ بَيِّنَةٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ اَنَّ هٰذِهِ الصِّفَاتِ قَدْ ظَهَرَتْ فِىْ زَمَنِ نَبِيِّنَا ثُمَّ تَظْهَرُ فِىْ اٰخِرِ الزَّمَانِ۔

یہاں ایک کشفی نکتہ ہے جو پہلے کبھی نہیں سنا گیا۔ پس کان لگا کر اطمینان سے سنو اور وہ نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی ذات کے لئے چار صفات کو محض اس لئے اختیار کیا ہے کہ تا وہ اس دنیا میں ہی انسان کو (یعنی دنیا کی) موت سے پہلے ان صفات کا نمونہ دکھائے۔ پس اس نے اپنے کلام لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ (ابتدائے آفرینش میں بھی وہی تعریف کا مستحق تھا اور آخرت میں بھی وہی تعریف کا مستحق ہوگا) میں اشارہ فرمایا کہ یہ نمونہ آغاز اسلام میں بھی عطا کیا جائے گا۔ اور پھر امت کی خواری کے بعد اس کے آخری لوگوں کو بھی (عطا کیا جائے گا) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ (قرآن میں) فرمایا ہے اور وہ بات کرنے والوں میں سے سب سے زیادہ سچا ہے ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (اصحاب الیمین کا) یہ گروہ شروع میں ایمان لانے والے لوگوں میں بھی کثرت سے ہوگا اور آخر میں ایمان لانے والے لوگوں میں بھی کثرت سے ہوگا۔ **پس اللہ تعالیٰ نے ہدایت، مدد اور نصرت کے زمانہ کو ہمارے نبی کریم ﷺ کے زمانہ پر اور اس آخری زمانہ پر جو اس امت کے مسیح کا زمانہ ہے تقسیم کر دیا۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (ترجمہ: اور اسی طرح ان کے سوا ایک دوسری قوم میں بھی (وہ اس کو بھیجے گا) جو ابھی تک ان سے نہیں ملی)۔ اس میں مسیح موعود، اس کی جماعت اور ان کے تابعین کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ پس قرآن کریم کی نصوص بیّنہ سے ثابت ہوا کہ یہ صفات ہمارے نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں بھی ظاہر ہوئیں۔ پھر آخری زمانہ میں بھی ظاہر ہوں گی۔** (اعجاز المسیح۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 153-154)

ثُمَّ اَرَادَ اَنْ يُّرِىَ نَمُوْذَجَ هٰذِهِ الصِّفَاتِ فِى الْاٰخِرِيْنَ مِنَ الْاُمَّةِ لِيَكُوْنَ اٰخِرُ الْمِلَّةِ كَمِثْلِ اَوَّلِهَا فِى الْكَيْفِيَّةِ۔ وَلِيَتِمَّ اَمْرُ الْمُشَابَهَةِ بِالْاُمَمِ السَّابِقَةِ۔ كَمَا اُشِيْرَ اِلَيْهِ فِىْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ اَعْنِىْ قَوْلَهٗ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ فَتَدَبَّرْ اَلْفَاظَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ۔ وَسُمِّىَ زَمَانُ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ يَوْمَ الدِّيْنِ لِاَنَّهٗ زَمَانٌ يُّحْيٰى فِيْهِ الدِّيْنُ۔ وَتُحْشَرُ النَّاسُ لِيَقْبَلُوْا بِالْيَقِيْنِ۔ وَلَا شَكَّ وَلَا خِلَافَ اَنَّهٗ رَبّٰى زَمَانَنَا هٰذَا بِاَنْوَاعِ التَّرْبِيَةِ وَاَرَانَا كَثِيْرًا مِّنْ فُيُوْضِ الرَّحْمَانِيَّةِ وَالرَّحِيْمِيَّةِ۔ كَمَا اَرَى السَّابِقِيْنَ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ وَاَرْبَابِ الْوَلَايَةِ وَالْخُلَّةِ۔

(اعجاز المسیح۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 146-149)

پھر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ امت (محمدیہؐ) کے آخری دور میں بھی ان صفات کا نمونہ دکھائے، تا بلحاظ کیفیت ملّت کا آخری حصہ پہلے حصہ کی طرح ہو جائے اور تا گزشتہ امتوں کے ساتھ (اس امت کی) مشابہت پوری ہو جائے۔ جس کی طرف اس سورۃ میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی ارشاد باری تعالیٰ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں۔ پس اس آیت کے الفاظ پر غور کریں۔ مسیح موعود کے زمانہ کا نام اس لئے بھی یوم الدین رکھا گیا ہے کہ یہ ایسا زمانہ ہے جس میں دین کو زندہ کیا جائے گا اور لوگوں کو اس امر پر مجتمع کیا جائے گا کہ وہ (دلی) یقین کے ساتھ آگے بڑھیں اور اس میں نہ کوئی شبہ ہے اور نہ ہی (کسی کو) کچھ اختلاف (ہو سکتا) ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اس زمانہ کی کئی طریق سے تربیت فرمائی ہے اور رحمانیت اور رحیمیت کے بہت سے فیوض ہمیں دکھائے ہیں جیسا کہ اس نے پہلے نبیوں، رسولوں، ولیوں اور اپنے دوستوں کو دکھائے تھے۔

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ز وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَO(القصص:71)

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْاَزَلِ اِلٰى اَبَدِ الْاٰبِدِيْنَ وَلِذَالِكَ سَمَّى اللّٰهُ نَبِيَّهٗ اَحْمَدَ وَكَذَالِكَ سَمّٰى بِهِ الْمَسِيْحَ الْمَوْعُوْدَ لِيُشِيْرَ اِلٰى مَا تَعَمَّدَ۔ وَاَنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْحَمْدَ عَلٰى رَأْسِ الْفَاتِحَةِ ثُمَّ اَشَارَ اِلَى الْحَمْدِ فِيْ اٰخِرِ هٰذِهِ السُّوْرَةِ فَاِنَّ اٰخِرَ هَا لَفْظُ الضَّآلِّيْنَ وَهُمُ النَّصَارٰى الَّذِيْنَ اَعْرَضُوْا عَنْ حَمْدِ اللّٰهِ وَاَعْطَوْا احَقَّهٗ لِاَحَدٍ مِّنَ الْمَخْلُوْقِيْنَ۔ فَاِنَّ حَقِيْقَةَ الضَّلَالَةِ هِيَ تَرْكُ الْمَحْمُوْدِ الَّذِيْ يَسْتَحِقُّ الْحَمْدَ وَالثَّنَاءَ كَمَا فَعَلَ النَّصَارٰى وَنَحَتُوا مِنْ عِنْدِهِمْ مَحْمُوْدًا اٰخَرَ وَبَالَغُوْا فِي الْاِطْرَاءِ وَاتَّبَعُوا الْاَهْوَاءَ وَبَعُدُوا مِنْ عَيْنِ الْحَيَاتِ وَهَلَكُوْا كَمَا يَهْلَكُ الضَّالُّ فِي الْمَوْفَاةِ وَاِنَّ الْيَهُوْدَ هَلَكُوْا فِيْ اَوَّلِ اَمْرِهِمْ وَبَاؤُا بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰهِ الْقَهَّارِ۔ وَالنَّصَارٰى سَلَكُوْا قَلِيْلًا ثُمَّ ضَلُّوْا وَفَقَدُوا الْمَاءَ فَمَا تُوْا فِيْ فَلَاةٍ مِنَ الْاِضْطِرَارِ۔ فَحَاصِلُ هٰذَا الْبَيَانِ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اَحْمَدَيْنِ فِيْ صَدْرِ الْاِسْلَامِ وَفِي اٰخِرِ الزَّمَانِ۔ وَاَشَارَ اِلَيْهِمَا بِتَكْرَارِ لَفْظِ الْحَمْدِ فِيْ اَوَّلِ الْفَاتِحَةِ وَفِيْ اٰخِرِ هَا لِاَهْلِ الْعِرْفَانِ وَفَعَلَ كَذَالِكَ لِيَرُدَّ عَلَى النَّصْرَانِيِّيْنَ۔ وَاَنْزَلَ اَحْمَدَيْنِ مِنَ السَّمَاءِ لِيَكُوْنَا كَالْجِدَارَيْنِ لِحِمَايَةِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ۔

(اعجاز المسیح۔ ر۔خ جلد18 صفحہ 198`197)

(ترجمہ از مرتّب) **اور آنحضرت ﷺ کی پہلی بعثت اور پچھلی بعثت میں بلکہ ازل سے ابدالاباد تک سب تعریف اسی کے لئے ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا نام احمد رکھا۔ اور اسی طرح مسیح موعود کا بھی یہی نام رکھا تا اس نے جو قصد کیا تھا اس کی طرف اشارہ فرمائے۔** اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ کے ابتداء میں الحمد لکھا ہے پھر اس سورۃ کے آخر میں بھی الحمد کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ اس کے آخر میں اَلضَّآلِّیْن کا لفظ ہے اور وہ نصاریٰ ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کی حمد کرنے سے منہ موڑ لیا اور اس کا حق مخلوق کے ایک فرد کو دے دیا کیونکہ گمراہی کی حقیقت یہ ہے کہ اس قابل تعریف ہستی کو جو حمد و ثناء کی مستحق ہے چھوڑ دیا جائے جیسا کہ نصاریٰ نے کیا ہے۔ انہوں نے اپنے پاس سے ایک اور قابل تعریف معبود بنا لیا ہے اور انہوں نے اس کی تعریف میں بڑا مبالغہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی اور زندگی کے چشمہ سے دور نکل گئے اور اسی طرح ہلاک ہو گئے جس طرح ایک راہ گم کردہ شخص بیابان میں ہلاک ہو جاتا ہے اور یہود تو اپنی ابتداء ہی میں ہلاک ہو گئے تھے اور خدائے قہّار کے غضب کے مورد بن گئے تھے۔ نصاریٰ چند قدم چلے پھر گمراہ ہو گئے اور روحانی پانی کھو دیا اور آخر کار لاچار ہو کر بیابانوں میں مر گئے۔ پس خلاصہ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو احمد پیدا کئے ایک اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اور ایک آخری زمانہ میں۔ **اور اللہ تعالیٰ نے اہل عرفان کے لئے سورۃ فاتحہ کے شروع میں اور اس کے آخر میں الحمد کا لفظاً و معناً تکرار کر کے ان دونوں (احمدوں) کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور خدا نے ایسا عیسائیوں کی تردید کے لئے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے دو احمد آسمان سے اتارے تا وہ دونوں پہلوں اور پچھلوں کی حمایت کے لئے دو دیواروں کی طرح ہو جائیں۔**

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ

ترجمہ اور معانی

چھٹی صداقت جو سورۃ فاتحہ میں مُندرج ہے۔اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ہے۔جس کے معنے یہ ہیں کہ اے صاحب صفات کاملہ اور مبدء فیوض اربعہ ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور پرستش وغیرہ ضرورتوں اور حاجتوں میں مدد بھی تجھ سے ہی چاہتے ہیں یعنی خالصاً معبود ہمارا تو ہی ہے اور تیرے تک پہنچنے کے لیے کوئی اور دیوتا ہم اپنا ذریعہ قرار نہیں دیتے نہ کسی انسان کو نہ کسی بُت کو نہ اپنی عقل اور علم کو کچھ حقیقت سمجھتے ہیں اور ہر بات میں تیری ذات قادرِ مطلق سے مدد چاہتے ہیں۔ (براہین احمدیہ۔ر۔خ جلد1 صفحہ 525۔526 حاشیہ نمبر 11)

معانی وتفسیر۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ

اِعۡلَمۡ اَنَّ حَقِیۡقَةَ الۡعِبَادَةِ الَّتِیۡ یَقۡبَلُهَا الۡمَوۡلٰی بِامۡتِنَانِهٖ ۔هِیَ التَّذَلُّلُ التَّامُّ بِرُؤۡیَةِ عَظۡمَتِهٖ وَعُلُوِّ شَأۡنِهٖ۔وَالثَّنَآءُ عَلَیۡهِ بِمُشَاهَدَةِ مِنَنِهٖ وَاَنۡوَاعِ اِحۡسَانِهٖ وَاِیۡثَارُهٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ بِمَحَبَّةِ حَضۡرَتِهٖ وَتَصَوُّرِ مَحَامِدِهٖ وَجَمَالِهٖ وَلَمَعَانِهٖ وَتَطۡهِیۡرُ الۡجَنَانِ مِنۡ وَّسَاوِسِ الۡجِنَّةِ نَظۡرًا اِلٰی جِنَانِهٖ ۔

واضح ہو کہ اس عبادت کی حقیقت جسے اللہ تعالیٰ اپنے کرم و احسان سے قبول فرماتا ہے۔ (وہ درحقیقت چند امور پر مشتمل ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی بلند و بالا شان کو دیکھ کر مکمل فروتنی اختیار کرنا نیز اس کی مہربانیاں اور قسم قسم کے احسان دیکھ کر اس کی حمد و ثنا کرنا اس کی ذات سے محبت رکھتے ہوئے اور اس کی خوبیوں جمال اور نور کا تصور کرتے ہوئے اسے ہر چیز پر ترجیح دینا اور اس کی جنت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے دل کو شیطانوں کے وسوسوں سے پاک کرنا ہے۔ (اعجاز المسیح۔ر۔خ جلد 18 صفحہ 165)

جب انسان اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کہہ کر صدق اور وفاداری کے ساتھ قدم اٹھاتا ہے تو خدا تعالیٰ ایک بڑی نہر صدق کی کھول دیتا ہے جو اس کے قلب پر آ کر گرتی ہے اور اسے صدق سے بھر دیتی ہے وہ اپنی طرف سے بضاعۃ مزجاۃ لاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اعلیٰ درجہ کی گراں قدر جنس اس کو عطا کرتا ہے اور اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس مقام میں انسان یہاں تک قدم مارے کہ وہ صدق اس کے لیے ایک خارق عادت نشان ہو۔اس پر اس قدر معارف اور حقائق کا دریا کھلتا ہے اور ایسی قوت دی جاتی ہے کہ ہر شخص کی طاقت نہیں ہے کہ اس کا مقابلہ کرے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 253)

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ میں فاصلہ کوئی نہیں ہے۔ہاں اِیَّاکَ نَعۡبُدُ میں ایک قسم کا تقدم زمانی ہے کیونکہ جس حال میں محض اپنی رحمانیت سے بغیر ہماری دعا اور درخواست کے ہمیں انسان بنایا اور انواع و اقسام کی قوتیں اور نعمتیں عطا فرمائیں۔اُس وقت ہماری دعا نہ تھی۔ بلکہ محض اُس کا فضل ہمارے شامل حال تھا۔اور یہی تقدم ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 127)

صدیق کے کمال کے حصول کا فلسفہ یہ ہے کہ جب وہ اپنی کمزوری اور ناداری کو دیکھ کر اپنی طاقت اور حیثیت کے موافق اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہتا ہے اور صدق اختیار کرتا اور جھوٹ کو ترک کر دیتا ہے اور ہر قسم کے رجس اور پلیدی سے جو جھوٹ کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ دور بھاگتا ہے اور عہد کر لیتا ہے کہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گا جھوٹی گواہی نہ دوں گا۔ اور نہ جذبہ نفسانی کے رنگ میں کوئی جھوٹا کلام کرونگا۔ نہ لغو طور پر نہ کسب خیر اور نہ دفع شر کے لئے یعنی کسی رنگ اور حالت میں بھی جھوٹ کو اختیار نہیں کروں گا۔ جب اس حد تک وعدو کرتا ہے۔ تو گویا اِیَّاکَ نَعْبُدُ پر وہ ایک خاص عمل کرتا ہے اور اس کا وہ عمل اعلیٰ درجہ کی عبادت ہوتی ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ سے آگے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہے۔ خواہ یہ اس کے مونہہ سے نکلے یا نہ نکلے لیکن اللہ تعالیٰ جو مبدءِ الفیوض اور صدق اور راستی کا سرچشمہ ہے اس کو ضرور مدد دے گا۔ اور صداقت کے اعلیٰ اصول اور حقائق اس پر کھول دیگا۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 242-243)

استعانت کے متعلق یہ بات یاد رکھنا چاہیئے کہ اصل استمداد کا حق اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے اور اسی پر قرآن کریم نے زور دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پہلے صفات الٰہی رب، رحمان، رحیم، مالک یوم الدین کا اظہار فرمایا۔ **پھر سکھایا کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ یعنی عبادت بھی تیری کرتے ہیں اور استمداد بھی تجھ ہی سے چاہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اصل حق استمداد کا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ کسی انسان، حیوان، چرند، پرند، غرضیکہ کسی مخلوق کے لئے نہ آسمان پر نہ زمین پر یہ حق نہیں ہے۔ مگر ہاں دوسرے درجہ پر ظلّی طور سے یہ حق اہل اللہ اور مردان خدا کو دیا گیا ہے۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 340)

دعا کرنے سے پہلے اپنی تمام طاقتوں کو خرچ کرنا ضروری ہے۔ اور یہی معانی اس دعا کے ہیں۔ پہلے لازم ہے کہ انسان اپنے اعتقاد اعمال میں نظر کرے۔ **کیونکہ خدائے تعالیٰ کی عادت ہے کہ اصلاح اسباب کے پیرایہ میں ہوتی ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی ایسا سبب پیدا کر دیتا ہے کہ جو اصلاح کا موجب ہو جاتا ہے وہ لوگ اس مقام پر ذرا خاص غور کریں جو کہتے ہیں کہ جب دعا ہوئی تو اسباب کی کیا ضرورت ہے۔ وہ نادان سوچیں کہ دعا بجائے خود ایک مخفی سبب ہے جو دوسرے اسباب کو پیدا کر دیتا ہے اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ کا تقدم اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پر جو کلمہ دعائیہ ہے۔ اس امر کی خاص تشریح کر رہا ہے۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 78)

اس سورۃ میں جس کا نام خاتم الکتاب اور ام الکتاب بھی ہے صاف طور پر بتا دیا کہ انسانی زندگی کا کیا مقصد ہے اور اس کے حصول کی کیا راہ ہے؟

اِیَّاکَ نَعْبُدُ گویا انسانی فطرت کا اصل تقاضا اور منشاء ہے اور اسے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پر مقدم کر کے یہ بتایا ہے کہ پہلے ضروری ہے کہ جہاں تک انسان کی اپنی طاقت، ہمت اور سمجھ میں ہو خدا تعالیٰ کی رضامندی کی راہوں کے اختیار کرنے میں سعی اور مجاہدہ کرے اور خدا تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں سے پورا کام لے اور اس کے بعد پھر خدا تعالیٰ سے اس کی تکمیل اور نتیجہ خیز ہونے کے لئے دعا کرے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 235)

توحید تین قسم کی ہے ایک توحید علمی کہ جو تصحیح عقائد سے حاصل ہوتی ہے۔ دوسری توحید عملی کہ جو قویٰ اخلاق کو خدا کے راستہ میں کرنے سے یعنی فنا فی اخلاق اللہ سے حاصل ہوتی ہے۔ تیسری توحید حالی جو اپنے ہی نفس کا حال اچھا بنانے سے حاصل ہوتی ہے یعنی نفس کو کمال تزکیہ کے مرتبہ تک پہنچانا اور غیر اللہ سے صحن قلب کو بالکل خالی کرنا۔ اور نابود اور بے نمود ہو جانا یہ توحید بوجہ کامل تب میسر آتی ہے کہ جب جذبہ الٰہی انسان کو پکڑے اور بالکل اپنے نفس سے نابود کر دے اور بجز فضلِ الٰہی کے نہ یہ علم سے حاصل ہو سکتی ہے اور نہ عمل سے۔ اسی کے لئے عابدین مخلصین کی زبان پر نعرہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہے۔

(الحکم 24 ستمبر 1905ء صفحہ 4 کالم نمبر 3) (تفسیر حضرت طبع اول سورۃ فاتحہ جلد 1 صفحہ 209)

(کالم نمبر 3 نمبر 33 جلد 9 حضرت اقدس کی پرانی اور اچھوتی تحریریں)

آیت۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں حضرت اقدسؑ کا ذکر

ثُمَّ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ حَمِدَ ذَاتَہٗ اَوَّلًا فِیْ قَوْلِہٖ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ ثُمَّ حَثَّ النَّاسَ عَلَی الْعِبَادَۃِ بِقَوْلِہٖ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ فَفِیْ ھٰذِہٖ اِشَارَۃٌ اِلٰی اَنَّ الْعَابِدَ فِی الْحَقِیْقَۃِ ھُوَ الَّذِیْ یَحْمَدُہٗ حَقَّ الْمَحْمَدَۃِ۔ فَحَاصِلُ ھٰذَا الدُّعَآءِ وَالْمَسْئَلَۃِ۔ اَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ اَحْمَدَ کُلَّ مَنْ تَصَدّٰی لِلْعِبَادَۃِ۔ وَعَلٰی ھٰذَا کَانَ مِنَ الْوَاجِبَاتِ اَنْ یَّکُوْنَ اَحْمَدُ فِیْ اٰخِرِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی قَدَمِ اَحْمَدَ الْاَوَّلِ الَّذِیْ ھُوَ سَیِّدُ الْکَائِنَاتِ۔ لِیُفْھَمَ اَنَّ الدُّعَآءَ سُتُجِیْبَ مِنْ حَضْرَۃِ مُسْتَجِیْبِ الدَّعْوَاتِ وَلِیَکُوْنَ ظُھُوْرُہٗ لِلْاِسْتِجَابَۃِ کَالْعَلَامَاتِ۔ فَھٰذَا ھُوَ الْمَسِیْحُ الَّذِیْ کَانَ وَعْدُ ظُھُوْرِہٖ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ۔ مَکْتُوْبًا فِی الْفَاتِحَۃِ وَفِی الْقُرْاٰنِ۔

نیز سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے الفاظ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ میں اپنی حمد بیان فرمائی۔ پھر اپنے کلام اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں لوگوں کو عبادت کی ترغیب دی۔ پس اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ درحقیقت عبادت گذار وہی ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی حمد اس طور پر کرے جو حمد کے کرنے کا حق ہے۔ پس اس دعا اور درخواست کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو احمد بنا دیتا ہے جو (اس کی) عبادت میں لگا رہے۔ اس بناء پر ضروری تھا کہ اس امت کے آخر میں بھی کوئی احمد ظاہر ہو اس پہلے احمدؐ کے نقش قدم پر جو سرور کائنات (حضرت محمد) ﷺ ہیں تا معلوم ہو جائے کہ دعاؤں کو قبول فرمانے والی بارگاہ سے اس دعاء فاتحہ کو قبولیت کا شرف حاصل ہے اور تا کہ اس (احمد) کا ظہور قبولیت دعا کے لیے بطور نشانات کے ہو۔ یہی وہ مسیح ہے جس کا آخری زمانہ میں ظہور کا وعدہ سورۃ فاتحہ میں بھی قرآن کریم میں بھی لکھا ہوا ہے۔ (اعجاز المسیح۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 167-168)

ایسا ہی خدا تعالیٰ یہ بھی جانتا تھا کہ دشمن یہ بھی تمنا کرینگے کہ یہ شخص منقطع النسل رہ کر نابود ہو جائے۔تا نادانوں کی نظر میں یہ بھی ایک نشان ہو۔لہٰذا اس نے پہلے سے براہین احمدیہ میں خبر دے دی کہ ینقطع اباوک و یبدء منک یعنی تیرے بزرگوں کی پہلی نسلیں منقطع ہو جائیں گی۔اوران کے ذکر کا نام ونشان نہ رہے گا۔اور خدا تجھ سے ایک نئی بنیاد ڈالے گا۔اسی بنیاد کی مانند جو ابرہیم سے ڈالی گئی اسی مناسبت سے خدا نے براہین احمدیہ میں میرا نام ابراہیم رکھا۔ جیسا کہ فرمایا سلا م علی ابراھیم صافیناہ ونجیناہ من الغم۔و اتخذوا من مقام ابراہیم مصلی۔ قل رب لا تذر نی فردا وانت خیر الوارثین۔یعنی سلام ہے ابراہیم پر(یعنی اس عاجز پر) ہم نے اس سے خالص دوستی کی اور ہر ایک غم سے اس کو نجات دیدی اور تم جو پیروی کرتے ہو۔تم اپنی نماز گاہ ابراہیم کے قدموں میں اپنی جگہ بناؤ۔یعنی کامل پیروی کرو تا نجات پاؤ۔اور پھر فرمایا کہ اے میرے خدا! مجھے اکیلا مت چھوڑ اور تو بہتر وارث ہے۔ اس الہام میں یہ اشارہ ہے کہ خدا اکیلا نہیں چھوڑے گا۔اور ابراہیم کی طرح کثرت نسل کرے گا اور بہتیرے اس نسل سے برکت پائیں گے۔**اور یہ جو فرمایا کہ** و اتخذوا من مقام ابر اہیم مصلّی **یہ قرآن شریف کی آیت ہے اور اس مقام میں اس کے یہ معنے ہیں کہ یہ ابراہیم جو بھیجا گیا تم اپنی عبادتوں اور عقیدوں کو اس کی طرز پر بجالاؤ۔اور ہر ایک امر میں اس کے نمونہ پر اپنے تئیں بناؤ۔**اور جیسا کہ آیت ومبشرا بر سول یاتی من بعد ی اسمہ احمد (الصّف:7)میں یہ اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا آخر زمانہ میں ایک مظہر ظاہر ہوگا۔گو یا وہ اس کا ایک ہاتھ ہوگا جس کا نام آسمان پر احمد ہوگا۔اور وہ حضرت مسیح کے رنگ میں جمالی طور پر دین کو پھیلائے گا۔**ایسا ہی آیت** واتخذوا من مقام ابر اہیم مصلی **(البقرۃ:126) اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ جب امت محمدیہ میں بہت فرقے ہو جائیں گے تب آخر زمانہ میں ایک ابراہیم پیدا ہوگا اور ان سب فرقوں میں وہ فرقہ نجات پائیگا کہ اس ابراہیم کا پیرو ہوگا۔** (اربعین۔ر۔خ جلد 17 صفحہ 420-421)

اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ o صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ

آیت کے لفظی معنی

انسانی زندگی کا مقصد اور غرض صراط مستقیم پر چلنا اور اس کی طلب ہے جس کو اس سورۃ میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ۔ **یا اللہ ہم کو سیدھی راہ دکھا ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا انعام ہوا۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 235)

معانیءِ ہدایت

اَمَّا الۡھِدَایَۃُ الَّتِیۡ قَدۡ اُمِرۡنَا لِطَلَبِھَا فِی الۡفَاتِحَۃِ فَھُوَ اقۡتِدَآءُ مَحَامِدِ ذَاتِ اللّٰہِ وَصِفَاتِہِ الۡاَرۡبَعَۃِ وَاِلٰی ھٰذَا یُشِیۡرُ اللَّامُ الَّذِیۡ مَوۡجُوۡدٌ فِیۡ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ وَیَعۡرِفُہٗ مَنۡ اَعۡطَاہُ اللّٰہُ الۡفَہۡمَ السَّلِیۡمَ وَلَا شَکَّ اَنَّ ھٰذِہِ الصِّفَاتِ اُمَّھَاتُ الصِّفَاتِ وَھِیَ کَافِیَۃٌ لِتَطۡھِیۡرِ النَّاسِ مِنَ الۡھَنَاتِ وَاَنۡوَاعِ السَّیِّاٰتِ فَلَا یُؤۡمِنُ بِھَا عَبۡدٌ اِلَّا بَعۡدَ اَنۡ یَّاۡ خُذَ مِنۡ کُلِّ صِفَۃٍ حَظَّہٗ وَیَتَخَلَّقَ بِاَخۡلَاقِ رَبِّ الۡکَائِنَاتِ۔

ترجمہ:۔ **جس ہدایت کے طلب کرنے کا ہمیں سورۃ فاتحہ میں حکم دیا گیا ہے وہ ذاتِ باری کی خوبیوں اور اس کی چاروں (مذکورہ) صفات کی پیروی کرنا ہے اور اسی کی طرف وہ الف لام اشارہ کر رہا ہے جو اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں موجود ہے۔** اس بات کو وہ شخص سمجھ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عقلِ سلیم عطا فرمائی ہو اور کچھ شک نہیں کہ یہ چاروں صفات (باقی تمام) صفات کے لئے بطور اصل ہیں اور یہ لوگوں کو قابل نفرت باتوں اور قسماقسم کی برائیوں سے پاک کرنے کے لئے کافی ہیں۔ پس کوئی بندہ اس وقت تک ان پر ایمان نہیں لاتا جب تک کہ وہ ان میں سے ہر صفت سے اپنا حصہ نہ لے لے اور پروردگارِ عالم کے اخلاق کو اختیار نہ کر لے۔ (کرامات الصادقین۔ ر۔خ جلد 7 صفحہ 145)

تفسیری معنی ہدایت

اَمَّا قَوْلُہٗ تَعَالٰی اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ فَمَعْنَاہُ اَرِنَا النَّھْجَ الْقَوِیْمَ وَثَبِّتْنَا عَلٰی طَرِیْقٍ یُّوْصِلُ اِلٰی حَضْرَتِکَ وَیُنْجِیْ مِنْ عُقُوْبَتِکَ۔ ثُمَّ اعْلَمْ اَنَّ لِتَحْصِیْلِ الْھِدَایَةِ طُرُقًا عِنْدَ الصُّوْفِیَّةِ مُسْتَخْرَجَةً مِّنَ الْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ۔ اَحَدُھَا طَلَبُ الْمَعْرِفَةِ بِالدَّلِیْلِ وَالْحُجَّةِ۔ وَالثَّانِیْ تَصْفِیَةُ الْبَاطِنِ بِاَنْوَاعِ الرِّیَاضَةِ۔ وَالثَّالِثُ الْاِنْقِطَاعُ اِلَی اللّٰہِ وَصَفَاءُ الْمَحَبَّةِ وَطَلَبُ الْمَدَدِ مِنَ الْحَضْرَةِ بِالْمُوَافَقَةِ التَّآمَّةِ وَبِنَفْیِ التَّفْرِقَةِ وَبِالتَّوْبَةِ اِلَی اللّٰہِ وَالْاِبْتِھَالِ وَالدُّعَآءِ وَعَقْدِ الْھِمَّةِ۔ ثُمَّ لَمَّا کَانَ طَرِیْقُ طَلَبِ الْھِدَیَةِ وَالتَّصْفِیَةِ لَایَکْفِیْ لِلْوُصُوْلِ مِنْ غَیْرِ تَوَسُّلِ الْاَئِمَّةِ وَالْمَھْدِیِّیْنَ مِنَ الْاُمَّةِ۔ مَا رَضِیَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی ھٰذَا الْقَدْرِ مِنْ تَعْلِیْمِ الدُّعَآءِ۔ بَلْ حَثَّ بِقَوْلِہٖ صِرَاطَ الَّذِیْنَ عَلٰی تَحَسُّسِ الْمُرْشِدِیْنَ وَالْھَادِیْنَ مِنْ اَھْلِ الْاِجْتِھَادِ وَالْاِصْطِفَآءِ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ وَالْاَنْبِیَاءِ۔

کلامِ الٰہی اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے معنی یہ ہیں کہ (اے ہمارے پروردگار) ہمیں سیدھا رستہ دکھا اور ہمیں اس راستہ پر قائم رکھ جو تیری جناب تک پہنچاتا ہو اور تیری سزا سے بچاتا ہو۔ پھر واضح ہو کہ صوفیوں کے نزدیک ہدایت کے حصول کے کئی طریق ہیں جو کتابِ (الٰہی) اور سُنّت (رسول) سے اخذ کئے گئے ہیں۔ ان میں سے پہلا طریق دلیل اور برہان کے ساتھ خدا کی معرفت طلب کرنا ہے۔ دوسرا طریق مختلف قسم کی ریاضتوں کے ذریعہ اپنے باطن کو صاف کرنا ہے اور تیسرا (طریق) ہے سب سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رخ کرنا اور اس سے اپنی محبت کو خالص کرنا اور اس کی صفات سے پوری موافقت پیدا کر کے اور خدا سے علیحدگی ترک کر کے توبہ، زاری، دُعاء اور عقدِ ہمّت کے ساتھ بارگاہِ ایزدی سے مدد طلب کرنا ہے۔ **پھر چونکہ تلاشِ ہدایت اور تصفیۂ نفس کا طریق ائمہ اور اُمّت کے ہدایت یافتہ لوگوں کے وسیلہ کے بغیر وصول الی اللہ کے لئے کافی نہیں اس لئے خدا تعالیٰ محض اس قدر (یعنی اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ تک) دعاء سکھانے پر راضی نہ ہوا۔ بلکہ اس نے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کہہ کر ان مُرشدوں اور ہادیوں کی تلاش کی ترغیب دلائی جو صاف باطن اور اجتہاد کرنے والے لوگوں میں سے ہادی اور راہنما ہیں یعنی رسولوں اور نبیوں کی۔** (اعجاز المسیح۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 171۔172)

ہدایت کی اقسام

وَکَذَالِکَ عَلَّمَ اللّٰہُ عِبَادَہٗ دُعَآءَ اِھْدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ط

وَمَعْلُوْمٌ اَنَّ مِنْ اَنْوَاعِ الْھِدَایَۃِ کَشْفٌ وَّاِلْھَامٌ وَّرُؤْیَا صَالِحَۃٌ وَّمُکَالَمَاتٌ وَّمُخَاطَبَاتٌ وَّتَحْدِیْثٌ لِّیَنْکَشِفَ بِھَا غَوَامِضُ الْقُرْاٰنِ وَیَزْدَادَ الْیَقِیْنُ۔بَلْ لَّا مَعْنٰی لِلْاِنْعَامِ مِنْ غَیْرِ ھٰذِہٖ الْفُیُوْضِ السَّمَاوِیَّۃِ فَاِنَّھَا اَصْلُ الْمَقَاصِدِ لِلسَّالِکِیْنَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ تَنْکَشِفَ عَلَیْھِمْ دَقَآئِقُ الْمَعْرِفَۃِ وَیَعْرِفُوْا رَبَّھُمْ فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا وَیَزْدَادُوْا حُبًّا وَّاِیْمَانًا وَّیَصِلُوْا مَحْبُوْبَھُمْ مُتَبَتِّلِیْنَ فَلِاَ جْلِ ذَالِکَ حَثَّ اللّٰہُ عِبَادَہٗ عَلٰی اَنْ یَّطْلُبُوْا ھٰذَا الْاِنْعَامَ مِنْ حَضْرَتِہٖ فَاِنَّہٗ کَانَ عَلِیْمًا بِمَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ مِّنْ عَطَشِ الْوِصَالِ وَالْیَقِیْنِ وَالْمَعْرِفَۃِ فَرَحِمَھُمْ وَاَعَدَّ کُلَّ مَعْرِفَۃٍ لِّلطَّالِبِیْنَ۔ثُمَّ اَمَرَھُمْ لِیَطْلُبُوْھَا فِی الصَّبَاحِ وَالْمَسَآءِ وَاللَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَمَا اَمَرَھُمْ اِلَّا بَعْدَ مَا رَضِیَ بِاِعْطَآءِ ھٰذِہِ النَّعْمَآءِ بَلْ بَعْدَ مَاقَدَّرَلَھُمْ اَنْ یُرْزَقُوْا مِنْھَا وَبَعْدَ مَا جَعَلَھُمْ وُرَثَآءَ الْاَنْبِیَآءِ الَّذِیْنَ اُوْتُوْا مِنْ قَبْلِھِمْ کُلَّ نِعْمَۃِ الْھِدَایَۃِ عَلٰی طَرِیْقِ الْاِصَالَۃِ فَانْظُرْ کَیْفَ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا وَاَمَرَنَا فِیْ اُمِّ الْکِتَابِ لِنَطْلُبَ فِیْہِ ھِدَایَاتِ الْاَنْبِیَاءِ کُلَّھَا لِیَکْشِفَ عَلَیْنَا کُلَّمَا کَشَفَ عَلَیْھِمْ وَلٰکِنْ بِالْاِتِّبَاعِ وَالظِّلِّیَّۃِ وَعَلٰی قَدَرِظُرُوْفِ الْاِسْتِعْدَادَاتِ وَالْھِمَمِ فَکَیْفَ نَرُدُّ نِعْمَۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ اُعِدَّتْ لَنَا اِنْ کُنَّا طُلَبَآءَ الْھِدَایَۃِ وَکَیْفَ نُنْکِرُھَا بَعْدَ مَا اُخْبِرْنَا عَنْ اَصْدَقِ الصَّادِقِیْنَ۔

ترجمہ از مرتب: **اوراسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اِھْدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کی دعا سکھائی ہے۔اور یہ بات واضح ہے کہ ہدایت کی اقسام میں کشف، الہام، رؤیا صالحہ، مکالمات ومخاطبات اور محدثیت شامل ہیں تا کہ ان کے ذریعہ قرآن کریم کے اسرار کھلیں اور یقین بڑھے۔ان آسمانی فیوض کے سوا انعام کے اور کوئی معنے نہیں۔کیونکہ یہ چیزیں اُن سالکوں کا اصل مقصد ہیں۔جو چاہتے ہیں کہ ان پر معرفتِ الٰہی کے دقائق کھلیں اور وہ اپنے ربّ کو اسی دنیا میں پہچان لیں۔محبت اور ایمان میں ترقی کریں۔اور دنیا سے منہ موڑ کر اپنے محبوب کا وصال حاصل کر لیں۔** اِسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس بات کی ترغیب دلائی ہے کہ وہ اس کی بارگاہ سے یہ انعام طلب کیا کریں کیونکہ وہ (اللہ) ان کے دلوں میں وصال اور یقین اور معرفت کے حصول کی جو پیاس ہے اسے خوب جانتا ہے پس اس نے ان پر رحم کیا اور اپنے طالبوں کے لئے ہر قسم کی معرفت تیار کی۔پھر ان (طالبوں) کو حکم دیا کہ وہ صبح وشام اور رات اور دن معرفت طلب کرتے رہیں اور اس نے انہیں یہ حکم تبھی دیا جب وہ خود ان نعمتوں کے عطا کرنے پر راضی تھا۔بلکہ اس بات کا فیصلہ کر لیا تھا کہ انہیں ان (نعمتوں) میں سے (کچھ حصہ ضرور) دیا جائے گا اور انہیں ان نبیوں کا وارث بنانا مقدّر کیا جنہیں ان سے پہلے براہِ راست ہدایت کی ہر نعمت دی گئی تھی۔پس دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر

کتنا احسان کیا ہے اور ہمیں اُمُّ الکتاب (یعنی سورۃ فاتحہ) میں حکم دیا ہے کہ ہم اس سورۃ میں انبیاء کی تمام ہدایتیں طلب کریں تا کہ ہم پر بھی وہ تمام امور منکشف کردے جو ان (نبیوں) پر منکشف کئے تھے۔لیکن یہ سب کچھ متابعت اور ظلّیت کے طور پر اور استعدادوں اور ہمتوں کے اندازہ کے مطابق ہے۔پس اگر ہم (سچ مچ) ہدایت کے خواہشمند ہیں تو پھر ہم کس طرح اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو ردّ کریں جو ہمارے لئے تیار کی گئی ہے اور ہم اللہ اصدق الصادقین (خدا) کی طرف سے اطلاع دیے جانے کے بعد کس طرح اس نعمت کا انکار کریں۔(حمامۃ البشریٰ۔ر۔خ جلد 7 صفحہ 299)

اِنَّ تَعْلِيْمَ كِتَابِ اللّٰهِ الْاَحْكَمِ وَرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مُنْقَسِمًا عَلٰى ثَلٰثَةِ اَقْسَامٍ۔اَلْاَوَّلُ اَنْ يَّجْعَلَ الْوُحُوْشَ اُنَاسًا وَّيُعَلِّمَهُمْ دَابَ الْاِنْسَانِيَّةِ وَيَهَبَ لَهُمْ مَدَارِكَ وَحَوَآسًّا۔وَالثَّانِيْ اَنْ يَجْعَلَهُمْ بَعْدَ الْاِنْسَانِيَّةِ اَكْمَلَ النَّاسِ فِيْ مَحَاسِنِ الْاَخْلَاقِ۔وَالثَّالِثُ اَنْ يَّرْفَعَهُمْ مِّنْ مَّقَامِ الْاَخْلَاقِ اِلٰى ذُرٰى مَرْتَبَةِ حُبِّ الْخَلَّاقِ۔وَيُوْصِلَ اِلٰى مَنْزِلِ الْقُرْبِ وَالرِّضَآءِ وَالْمَعِيَّةِ وَالْفَنَآءِ وَالذَّوْبَانِ وَالْمَحْوِيَّةِ اَعْنِيْ اِلٰى مَقَامٍ يَّنْعَدِمُ فِيْهِ اَثَرُ الْوُجُوْدِ وَالْاِخْتِيَارِ۔وَيَبْقَى اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَمَاهُوَ يَبْقٰى بَعْدَ فَنَآءِ هٰذَا الْعَالَمِ بِذَاتِهِ الْقَهَّارِ۔فَهٰذِهٖ اٰخِرُ الْمَقَامَاتِ لِلسَّالِكِيْنَ وَالسَّالِكَاتِ وَاِلَيْهِ تَنْتَهِيْ مَطَايَاالرِّيَاضَاتِ۔وَفِيْهِ يَخْتَتِمُ سُلُوْكُ الْوَلَايَاتِ۔وَهُوَ الْمُرَادُ مِنَ الْاِسْتِقَامَةِ فِيْ دُعَآءِ سُوْرَةِ الْفَاتِحَةِ۔وَكُلَّمَا يَتَضَرَّمُ مِنْ اَهْوَآءِ النَّفْسِ الْاَمَّارَةِ۔فَتَذُوْبُ فِيْ هٰذَا الْمَقَامِ بِحُكْمِ اللّٰهِ ذِى الْجَبَرُوْتِ وَالْعِزَّةِ فَتُفْتَحُ الْبَلْدَةُ كُلُّهَا وَلَا تَبْقَى الضَّوْضَاةُ لِعَآمَّةِ الْاَهْوَآءِ۔وَيُقَالُ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ ذِى الْمَجْدِ وَالْكِبْرِيَاءِ۔

ترجمہ: قرآن شریف کی تعلیم اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت تین قسم پر منقسم تھی۔پہلی یہ کہ وحشیوں کو انسان بنایا جائے اور انسانی آداب اور حواس اُن کو عطا کئے جائیں۔اور دوسری یہ کہ انسانیت سے ترقی دے کر اخلاق کاملہ کے درجے تک اُن کو پہنچایا جائے۔اور تیسری یہ کہ اخلاق کے مقام سے اُن کو اٹھا کر محبت الٰہی کے مرتبہ تک پہنچایا جائے۔اور یہ کہ قرب اور رضا اور معیّت اور فنا (اور گدازش) اور محویت کے مقام اُن کو عطا ہوں یعنی وہ مقام جس میں وجود اور اختیار کا نشان باقی نہیں رہتا اور خدا اکیلا باقی رہ جاتا ہے جیسا کہ وہ اس عالم کے فنا کے بعد اپنی ذات قہار کے ساتھ باقی رہے گا۔

(نجم الہدیٰ۔ر۔خ جلد 14 صفحہ 34 تا 36)

ہدایت خدا تعالیٰ ہی سے ملتی ہے

وَحَثَّ عَلٰی طَلَبِ الْھِدَایَۃِ اِشَارَۃً اِلٰی اَنَّ الثَّبَاتَ عَلَی الْھِدَایَۃِ لَا یَکُوْنُ اِلَّا بِدَوَامِ الدُّعَآءِ وَالتَّضَرُّعِ فِیْ حَضْرَۃِ اللّٰہِ وَمَعَ ذَالِکَ اِشَارَۃٌ اِلٰی اَنَّ الْھِدَایَۃَ اَمْرٌ مِّنْ لَّدُیْہِ وَالْعَبْدُ لَایَھْتَدِیْ اَبَدًا مِّنْ غَیْرِاَنْ یَّھْدِیَہُ اللّٰہُ وَیُدْخِلَہٗ فِی الْمَھْدِیِّیْنَ۔ وَاِشَارَۃٌ اِلٰی اَنَّ الْھِدَایَۃَ غَیْرُمُتَنَاھِیَۃٍ وَّتَرَقِّی النُّفُوْسِ اِلَیْھَا بِسُلَّمِ الدَّعْوَاتِ وَمَنْ تَرَکَ الدُّعَآءَ فَاَضَاعَ سُلَّمَہٗ فَاِنَّمَا الْحَرِیُّ بِالْاِھْتِدَآءِ مَنْ کَانَ رَطْبَ اللِّسَانِ بِالدُّعَآءِ وَذِکْرِ رَبِّہٖ وَکَانَ عَلَیْہِ مِنَ الْمُدَاوِمِیْنَ۔

ترجمہ: اور ہدایت کے طلب کرنے کی ترغیب دی اس (بات کی) طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ ہدایت پر ثابت قدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا اور گریہ وزاری میں دوام کے بغیر ممکن نہیں۔ مزید برآں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ہدایت ایک ایسی چیز ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی (ملتی) ہے اور جب تک خدا تعالیٰ خود بندہ کی رہنمائی نہ کرے اور اُسے ہدایت یافتہ لوگوں میں داخل نہ کردے وہ ہرگز ہدایت نہیں پاسکتا۔ پھر اس (امر کی) طرف بھی اشارہ ہے کہ ہدیت کی کوئی انتہاء نہیں اور انسان دعاؤں کی سیڑھی کے ذریعہ ہی اس تک پہنچ سکتے ہیں اور جس شخص نے دعا کو چھوڑ دیا اس نے اپنی سیڑھی کھودی۔ یقیناً ہدیت پانے کے قابل وہی ہے جس کی زبان ذکر الٰہی اور دعا سے تر رہے اور وہ اس پر دوام اختیار کرنے والوں میں سے ہو۔ (کرامات الصادقین۔ ر۔خ جلد7 صفحہ 124)

ہدایت سے مراد بعثت حضرت اقدسؑ

1۔ **چھٹی آیت اس سورۃ کی اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہے گویا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چھٹے ہزار کی تاریکی آسمانی ہدایت کو چاہے گی اور انسانی سلیم فطرتیں خدا کی جناب سے ایک ہادی کو طلب کریں گی یعنی مسیح موعود کو۔** (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 7 صفحہ 284)

2۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی راہ پایوں کہو کہ ہدایت کے اسباب اور وسائل تین ہیں۔ یعنی ایک یہ کہ کوئی گم گشتہ محض خدا کی کتاب کے ذریعہ سے ہدایت یاب ہو جائے۔ اور دوسرے یہ کہ اگر خدا تعالیٰ کی کتاب سے اچھی طرح سمجھ نہ سکے تو عقلی شہادتوں کی روشنی اس کو راہ دکھلا دے۔ اور تیسرے یہ کہ اگر عقلی شہادتوں سے بھی مطمئن نہ ہو سکے تو آسمانی نشان اس کو اطمینان بخشیں۔ یہ طریق ہیں جو بندوں کے مطمئن کرنے کے لئے قدیم سے عادۃ اللہ میں داخل ہیں یعنی ایک سلسلہ کتب ایمانیہ جو سماع اور نقل کے رنگ میں عام لوگوں تک پہنچتا ہے جن کی خبروں اور ہدایتوں پر ایمان لانا ہر ایک مومن کا فرض ہے اور ان کا مخزن اتم اور اکمل قرآن شریف ہے۔ دوسرا سلسلہ معقولات کا جس کا منبع اور ماخذ دلائل عقلیہ ہیں۔ **تیسرا سلسلہ آسمانی نشانوں کا جس کا سرچشمہ نبیوں کے بعد ہمیشہ امام الزمان اور مجدّد الوقت ہوتا ہے۔ اصل وارث ان نشانوں کے انبیاء علیہم السلام ہیں۔ پھر جب ان کے معجزات اور نشان مدت مدید کے بعد منقول کے رنگ میں ہو کر ضعیف التاثیر ہو جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ ان کے قدم پر کسی اور کو پیدا کرتا ہے تا پیچھے آنے والوں کے لئے نبوت کے عجائب کرشمے بطور منقول ہو کر مُردہ اور بے اثر نہ ہو جائیں۔ بلکہ وہ لوگ بھی بذات خود نشانوں کو دیکھ کر اپنے ایمانوں کو تازہ کریں۔** (کتاب البریہ۔ ر۔خ جلد13 صفحہ 49)

یہ قرآنی دعا اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ (الفاتحہ:6) آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے قبول ہو کر اخیار و ابرار مسلمان بالخصوص ان کے کامل فرد انبیاء بنی اسرائیل کے وارث ٹھہرائے گئے اور دراصل مسیح موعود کا اس امّت میں سے پیدا ہونا یہ بھی اسی دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے کیونکہ گو مخفی طور پر بہت سے اخیار و ابرار نے انبیاء بنی اسرائیل کی مماثلت کا حصہ لیا ہے۔ مگر اس امّت کا مسیح موعود کھلے کھلے طور پر خدا کے حکم اور اِذن سے اسرائیلی مسیح کے مقابل پر کھڑا کیا گیا ہے۔ تا موسوی اور محمدی سلسلہ کی مماثلت سمجھ آجائے۔ اِسی غرض سے اس مسیح کو ابنِ مریم سے ہر ایک پہلو سے تشبیہہ دی گئی ہے یہاں تک کہ اس ابن مریم پر ابتلاء بھی اسرائیلی ابن مریم کی طرح آئے۔ اوّل جیسا کہ عیسیٰ بن مریم محض خدا کے نفخ سے پیدا کیا گیا اسی طرح یہ مسیح بھی سورۃ تحریم کے وعدہ کے موافق محض خدا کے نفخ سے مریم کے اندر سے پیدا کیا گیا اور جیسا کہ عیسیٰ ابنِ مریم کی پیدائش پر بہت شور اٹھا اور اندھے مخالفوں نے مریم کو کہا لَقَدۡ جِئۡتِ شَيۡـًٔا فَرِيًّا (مریم:28) اسی طرح اس جگہ بھی کہا گیا اور شور قیامت مچایا گیا اور جیسا کہ خدا نے اسرائیلی مریم کے وضع حمل کے وقت مخالفوں کو عیسیٰ کی نسبت یہ جواب دیا وَلِنَجۡعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحۡمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِيًّا (مریم:22) یہی جواب خدا تعالیٰ نے میری نسبت براہین احمدیہ میں روحانی وضع حمل کے وقت جو استعارہ کے رنگ میں تھا مخالفوں کو دیا اور کہا کہ تم اپنے فریبوں سے اس کو نابود نہیں کر سکتے میں اس کو لوگوں کے لئے رحمت کا نشان بناؤں گا اور ایسا ہونا ابتداء سے مقدر تھا۔ (کشتی نوح۔ر۔خ جلد 19 صفحہ 52۔ 53)

نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد ﷺ اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اور اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اس کے افاضہ تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا اور آخرکار اس کی روحانی فیض رسانی سے اس مسیح موعود کو دنیا میں بھیجا جس کا آنا اسلامی عمارت کی تکمیل کے لئے ضروری تھا کیونکہ ضرور تھا کہ یہ دنیا ختم نہ ہو جب تک کہ محمدی سلسلہ کے لئے ایک مسیح روحانی رنگ کا نہ دیا جاتا جیسا کہ موسوی سلسلہ کے لئے دیا گیا تھا اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے کہ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ۔ (کشتی نوح۔ر۔خ جلد 19 صفحہ 14)

معانی ''صراط''

صراط لغت عرب میں ایسی راہ کو کہتے ہیں۔ جو سیدھی ہو یعنی تمام اجزاء اس کے وضع استقامت پر واقع ہوں اور ایک دوسرے کی نسبت عین محاذات پر ہوں۔ (کالم نمبر 2 زیر عنوان ''مذہب اور سات کا عدد'' تفسیر حضرت اقدس سورۃ فاتحہ جلد 1 صفحہ 217)

وَقِيۡلَ اِنَّ الطَّرِيۡقَ لَا يُسَمّٰى صِرَاطًا عِنۡدَ قَوۡمٍ ذَوِىۡ قَلۡبٍ وَّنُوۡرٍ حَتّٰى يَتَضَمَّنَ خَمۡسَةَ اُمُوۡرٍ مِّنۡ اُمُوۡرِ الدِّيۡنِ۔ وَهِىَ (1) الۡاِسۡتِقَامَةُ (2) وَالۡاِيۡصَالُ اِلَى الۡمَقۡصُوۡدِ بِالۡيَقِيۡنِ۔ (3) وَقُرۡبُ الطَّرِيۡقِ (4) وَسَعَتُهٗ لِلۡمَآرِّيۡنَ (5) وَتَعۡيِيۡنُهٗ طَرِيۡقًا لِّلۡمَقۡصُوۡدِ فِىۡ اَعۡيُنِ السَّالِكِيۡنَ۔ وَهُوَ تَارَةً يُّضَافُ اِلَى اللّٰهِ اِذۡ هُوَ شَرَعَهٗ وَهُوَ سَوّٰى سُبُلَهٗ لِلۡمَاشِيۡنَ۔ وَتَارَةً يُّضَافُ اِلَى الۡعِبَادِ لِكَوۡنِهِمۡ اَهۡلَ السُّلُوۡكِ وَالۡمَآرِّيۡنَ عَلَيۡهَا وَالۡعَابِدِيۡنَ۔

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ صاحب دل اور روشن ضمیر لوگوں کے نزدیک طَرِیق (راستہ) کو اس وقت تک صِرَاط کا نام نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ وہ امور دین میں سے پانچ امور پر مشتمل نہ ہو اور وہ یہ ہیں:۔
(1) استقامت ۔(2) یقینی طور پر مقصود تک پہنچنا۔(3) اُس کا نزدیک ترین (راہ) ہونا۔(4) گزرنے والوں کے لئے اس کا وسیع ہونا۔(5) سالکوں کی نگاہ میں مقصود تک پہنچنے کے لئے اس راستہ کا متعین کیا جانا۔

اور صِرَاط کا لفظ کبھی تو خدا تعالیٰ کی طرف مضاف کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اس کی شریعت ہے اور وہ چلنے والوں کے لئے ہموار راستہ ہے۔اور کبھی اسے بندوں کی طرف سے مُضاف کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اس پر چلنے والے اور گزرنے والے اور اسے عبور کرنے والے ہیں۔ (کرامات الصادقین۔ر۔خ جلد7 صفحہ 137)

اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ ۔ یعنی اے ہمارے خدا ہمیں رسولوں اور نبیوں کی راہ پر چلا جن پر تیرا انعام اور اکرام ہوا ہے۔اب اس آیت سے کہ جو پنج وقتہ نماز میں پڑھی جاتی ہے۔ظاہر ہے کہ خدا کا روحانی انعام جو معرفت اور محبت الٰہی ہے صرف رسولوں اور نبیوں کے ذریعہ سے ملتا ہے نہ کسی اور ذریعہ سے۔ (حقیقۃ الوحی۔ر۔خ جلد 22 صفحہ 134۔135)

حقیقی معانیٔ صراط

قرآن شریف نے جیسا کہ جسمانی تمدن کے لئے یہ تاکید فرمائی ہے کہ ایک بادشاہ کے زیرحکم ہو کر چلیں یہی تاکید روحانی تمدن کے لئے بھی کی ہے اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ یہ دعا سکھلاتا ہے اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ ۔پس سوچنا چاہیئے کہ یوں تو کوئی مومن بلکہ کوئی انسان بلکہ کوئی حیوان بھی خدا تعالیٰ کی نعمت سے خالی نہیں مگر نہیں کہہ سکتے کہ ان کی پیروی کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا ہے **لہذا اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ جن لوگوں پر اکمل اور اتم طور پر نعمت روحانی کی بارش ہوئی ہے ان کی راہوں کی ہمیں توفیق بخش کہ تا ہم ان کی پیروی کریں۔سو اس آیت میں یہی اشارہ ہے کہ تم امام الزمان کے ساتھ ہو جاؤ۔یادرہے کہ امام الزمان کے لفظ میں نبی رسول محدث مجدد سب داخل ہیں مگر جو لوگ ارشاد اور ہدایت خلق اللہ کے لئے مامور نہیں ہوتے اور نہ وہ کمالات ان کو دیئے گئے وہ گو ولی ہوں یا ابدال ہوں امام الزمان نہیں کہلا سکتے۔** (ضرورت الامام۔ر۔خ جلد12 صفحہ 494)

قرآن کریم اور حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ مرشد کے ساتھ مرید کا تعلق ایسا ہونا چاہیئے جیسا عورت کا تعلق مرد سے ہو مرشد کے کسی حکم کا انکار نہ کرے اور اس کی دلیل نہ پوچھے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ فرمایا ہے کہ **منعم علیہم کی راہ کے مقید رہیں** انسان چونکہ طبعاً آزادی کو چاہتا ہے پس حکم کر دیا کہ اس راہ کو اختیار کرے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 404)

صراط سے مراد مسیح موعودؑ کی راہ ہے

اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ سے پایا جاتا ہے کہ جب انسانی کوششیں تھک کر رہ جاتی ہیں تو آخر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔دعا کامل تب ہوتی ہے کہ ہر قسم کی خیر کی جامع ہو اور شر سے بچاوے پس اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ میں سارے خیر جمع ہیں اور غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ میں سب شروں حتی کہ دجالی فتنہ سے بچنے کی دعا ہے۔**مغضوب سے بالاتفاق یہودی اور الضالین سے نصاریٰ مراد ہیں اب اگر اس میں کوئی رمز اور حقیقت نہ تھی تو اس دعا کی تعلیم سے کیا غرض تھی؟ اور پھر ایسی تاکید کہ اس دعا کے بدوں نماز ہی نہیں ہوتی۔اور ہر رکعت میں اس کا پڑھا جانا ضروری قرار دیا بھید اس میں یہی تھا کہ یہ ہمارے زمانہ کی طرف ایما ہے۔اس وقت صراط مستقیم یہی ہے جو ہماری راہ ہے۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 397)

پھر خدا جانے کہ کب آویں یہ دن اور یہ بہار

مجھ کو خود اس نے دیا ہے چشمۂ توحیدِ پاک　　تا لگاوے از سرِ نو باغِ دیں میں لالہ زار
دوش پر میرے وہ چادر ہے کہ دی اُس یار نے　　پھر اگر قدرت ہے اے مُنکر تو یہ چادر اُتار
خیرگی سے بدگمانی اس قدر اچھی نہیں　　ان دنوں میں جبکہ ہے شورِ قیامت آشکار
ایک طوفاں ہے خدا کے قہر کا اب جوش پر　　نوحؑ کی کشتی میں جو بیٹھے وہی ہو رُستگار
صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے　　ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار
پُشتیِ دیوار دیں اور مامنِ اسلام ہُوں　　نارسا ہے دستِ دشمن تا بفرقِ ایں جِدار
آسمان سے ہے چلی توحید خالق کی ہوا　　دل ہمارے ساتھ ہیں گو مُنہ کریں بک بک ہزار
اِسۡمَعُوا صَوۡتَ السَّمَآءَ جَاءَ المسیح جَاءَ المسیح　　نیز بشنو از زمیں آمد امامِ کامگار
آسمان بارد نشان الوقت مے گوید زمیں　　ایں دو شاہد از پئے من نعرہ زن چوں بیقرار
اب اسی گلشن میں لوگو راحت وآرام ہے　　وقت ہے جلد آؤ اے آوارگانِ دشتِ خار
اِک زماں کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا　　پھر خُدا جانے کہ کب آویں یہ دن اور یہ بہار

(درثمین اردو صفحہ 122 نیا ایڈیشن) (براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ر۔خ جلد 21 صفحہ 132)

ہماری بعثت کی علّتِ غائی بھی تو یہی ہے کہ رستۂ منزلِ جاناں کے بھولے بھٹکوں، دل کے اندھوں جزامِ ضلالت کے مبتلاؤں۔ ہلاکت کے گڑھے میں گرنے والے کور باطنوں کو صراط مستقیم پر چلا کر وصالِ ذات ذوالجلال کا شیریں جام پلایا جاوے اورعرفانِ الٰہی کے اس نقطہ انتہائی تک اُن کو پہنچایا جاوے تا کہ اُن کو حیاتِ ابدی وراحتِ دائمی نصیب ہو اور جوارِ رحمتِ ایزدی میں جگہ لے کر مست وسرشار رہیں۔

ہماری معّیت اور رفاقت کی پاک تاثیرات کے ثمراتِ حسنہ بالکل صاف ہیں۔ہاں ان کے ادراک کے لئے فہمِ رسا چاہیئے۔ان کے حصول کے لئے رُشد وصفا چاہیئے۔ساتھ ہی استقامت کے لئے اتقا چاہیئے ورنہ ہماری جانب سے تو چاردانگ کے عالم کے کانوں میں عرصہ سے کھول کھول کر منادی ہو رہی ہے۔

بیامدم کہ رہِ صدق را درخشانم　　بدلستاں بُرم آنرا کہ پارسا باشد
کسیکہ سایۂ بالِ ہماش سود نداد　　بیایدش کہ دو روزے بظلِّ ما باشد
گُلے کہ روئے خزاں راگہے نخواہد دید　　بباغِ ماست اگر قسمتت رسا باشد

(ترجمہ:- میں اس لئے آیا ہوں کہ صدق کی راہ کو روشن کروں اور دلبر کے پاس لے چلوں جو نیک و پارسا ہے۔وہ شخص جسے بال ہمانے بھی فائدہ نہ دیا ہو۔اسے چاہئے کہ دو دن ہمارے زیر سایہ رہے۔وہ پھول جو کبھی خزاں کا منہ نہیں دیکھے گا۔وہ ہمارے باغ میں ہے اگر تیری قسمت یاور ہو۔)

ہم نے تو اس مائدہ الٰہی کو ہر کس و ناکس کے آگے رکھنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا مگر آگے اُن کی اپنی قسمت۔ وما علینا الا البلاغ۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 466)

اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی کہ تم پنج وقت نمازوں میں یہ دعا پڑھا کرو کہ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ یعنی اے ہمارے خدا اپنے منعم علیہم بندوں کی ہمیں راہ بتا وہ کون ہیں نبی اور صدیق اور شہید اور صلحاء۔ **اس دعا کا خلاصہ مطلب یہی تھا کہ اِن چاروں گروہوں میں سے جس کا زمانہ تم پاؤ اُس کے سایہ صحبت میں آجاؤ اور اُس سے فیض حاصل کرو۔** (آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ جلد 5 صفحہ 612)

مکالمہ الٰہی کا اگر انکار ہو تو پھر اسلام ایک مردہ مذہب ہوگا۔ اگر یہ دروازہ بھی بند ہو تو اس اُمت پر قہر ہوا خیر الامم نہ ہوئی۔ اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ دعا بے سود ٹھہری۔ تعجب ہے کہ یہود تو یہ اُمت بن جاوے اور مسیح دوسروں سے آوے۔ (ملفوظات جلد 3 صفحہ 53 حاشیہ)

ارادۂ ازلی ایں زمان و وقت آورد ۔ تو چیستی کہ زتو ردِّ ایں قضا باشد

خدا کا ازلی ارادہ یہ زمانہ اور یہ وقت لایا ہے تو ہے کیا چیز کہ اس قضا وقدر کو پلٹ دے۔

مرور بہ خردی نزدِما بیاد نشیں ۔ کہ ظلِ اہل صفا موجب شفا باشد

بے وقوفی سے چلا نہ جا بلکہ ہمارے پاس آکر بیٹھ کہ اہل اللہ کا سایہ شفا کا موجب ہوا کرتا ہے۔

مقیم حلقۂ ابرار باش روزے چند ۔ مگر عنایت قادر گرہ کشا باشد

کچھ دن نیکوں کے حلقہ میں آکر بسر کر شاید اس قادر کی مہربانی تیری گرہ کو کھول دے۔

زہے خجستہ زمانے کہ سوئے ما آئی ۔ زہے نصیب تو گر شوق و التجا باشد

وہ کیسا اچھا زمانہ ہوگا جب تو ہماری طرف آئے گا زہے قسمت اگر تجھے شوق اور آرزو پیدا ہو جائے۔

(تریاق القلوب۔ ر۔خ جلد 15 صفحہ 137) (درثمین فارسی مترجم صفحہ 278)

معانیءِ استقامت

استقامت سے کیا مراد ہے؟ ہر ایک چیز جب اپنے عین محل اور مقام پر ہو وہ حکمت اور استقامت سے تعبیر پاتی ہے مثلاً دوربین کے اجزاء کو اگر جدا جدا کر کے اُن کو اصل مقامات سے ہٹا کر دوسرے مقام پر رکھ دیں وہ کام نہ دے گی۔ غرض وَضْعُ الشَّیْءِ فِی مَحَلِّہٖ کا نام استقامت ہے یا دوسرے الفاظ میں یہ کہو کہ ہیئت طبعی کا نام استقامت ہے۔ پس جب تک انسانی بناوٹ کو ٹھیک اسی حالت پر نہ رہنے دیں اور اسے مستقیم حالت میں نہ رکھیں وہ اپنے اندر کمالات نہیں پیدا کر سکتی۔ دعا کا طریق یہی ہے کہ دونوں اسم اعظم جمع ہوں اور یہ خدا کی طرف جاوے کسی غیر کی طرف رجوع نہ کرے خواہ وہ اس کی ہوا و ہوس ہی کا بت کیوں نہ ہو؟ جب یہ حالت ہو جائے تو اس وقت اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المؤمن:61) کا مزا آجاتا ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 37)

استقامت۔۔۔۔وہی ہے جس کو صوفی لوگ اپنی اصطلاح میں فنا کہتے ہیں اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے معنے بھی فنا ہی کے کرتے ہیں۔ یعنی روح، جوش اور ارادے سب کے سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہو جائیں اور اپنے جذبات اور نفسانی خواہشیں بالکل مر جائیں۔ بعض انسان جو اللہ تعالیٰ کی خواہش اور ارادے کو اپنے ارادوں اور جوشوں پر مقدم نہیں کرتے وہ اکثر دفعہ دنیا ہی کے جوشوں اور ارادوں کی ناکامیوں میں اس دنیا سے اٹھ جاتے ہیں .... نماز جو دعا ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ کو جو خدائے تعالیٰ کا اسم اعظم ہے مقدم رکھا ہے۔ ایسا ہی انسان کا اسم اعظم استقامت ہے۔ اسم اعظم سے مراد یہ ہے کہ جس ذریعہ سے انسانیت کے کمالات حاصل ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں اس کی طرف ہی اشارہ فرمایا ہے اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا اَلَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (حم السجدۃ:31) یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے نیچے آگئے اور اس کے اسم اعظم استقامت کے نیچے جب بیضۂ بشریت رکھا گیا پھر اس میں اس قسم کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ ملائکہ کا نزول اس پر ہوتا ہے اور کسی قسم کا خوف و حزن اُن کو نہیں رہتا۔ میں نے کہا ہے کہ استقامت بڑی چیز ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 35 تا 37)

اِهۡدِنَاالصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ اُمّ الادعیہ ہے

نماز کا (جو مومن کی معراج ہے) مقصود یہی ہے کہ اس میں دعا کی جاوے اوراسی لئے ام الادعیہ اِھۡدِنَاالصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ دعا مانگی جاتی ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 346)

اسلام وہ مذہب ہے جس کے سچے پیروؤں کو خدا تعالیٰ نے تمام گزشتہ راست بازوں کا وارث ٹھہرایا ہے اور ان کی متفرق نعمتیں اس امتِ مرحومہ کو عطا کر دی ہیں۔ اور اُس نے اس دعا کو قبول کر لیا ہے جو قرآن شریف میں آپ سکھلائی تھی اور وہ یہ ہے اِھۡدِنَاالصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ غَیۡرِالۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ۔ ہمیں وہ راہ دکھلا۔ جو ان راست بازوں کی راہ ہے۔ جن پر تو نے ہر یک انعام اکرام کیا ہے۔ یعنی جنہوں نے تجھ سے ہر ایک قسم کی برکتیں پائی ہیں اور تیرے مکالمہ مخاطبہ سے مشرف ہوئے ہیں اور تجھ سے دعاؤں کی قبولیتیں حاصل کی ہیں۔ اور تیری نصرت اور مدد اور راہ نمائی ان کے شامل حال ہوئی ہے اور ان لوگوں کی راہوں سے ہمیں بچا۔ جن پر تیرا غضب ہے اور جو تیری راہ کو چھوڑ کر اور راہوں کی طرف چلے گئے ہیں۔ یہ وہ دعا ہے جو نماز میں پانچ وقت پڑھی جاتی ہے اور یہ بتلا رہی ہے کہ اندھا ہونے کی حالت میں دنیا کی زندگی بھی ایک جہنم ہے اور پھر مرنا بھی ایک جہنم ہے اور درحقیقت خدا کا سچا تابع اور واقعی نجات پانے والا وہی ہو سکتا ہے جو خدا کو پہچان لے اور اُس کی ہستی پر کامل ایمان لے آوے اور وہی ہے جو گناہ کو چھوڑ سکتا ہے اور خدا کی محبت میں محو ہو سکتا ہے۔ (لیکچر لاہور۔ ر۔خ جلد 20 صفحہ 161۔162)

صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ کے حقیقی معانی

اس بات کو کبھی بھولنا نہیں چاہیئے کہ قرآن شریف کے بعض حصے دوسرے حصوں کی تفسیر اور شرح ہیں ایک جگہ ایک امر بطریق اجمال بیان کیا جاتا ہے۔ تو دوسری جگہ وہی امر کھول کر بیان کر دیا گیا ہے گویا دوسرا پہلے کی تفسیر ہے۔ پس اس جگہ جو یہ فرمایا۔ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ تو یہ بطریق اجمال ہے لیکن دوسرے مقام پر منعم علیہم کی خود ہی تفسیر کر دی ہے۔ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ (النساء:70) منعم علیہ چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں نبی، صدیق، شہدا اور صالح انبیاء علیہم السلام میں چاروں شانیں جمع ہوتی ہیں کیونکہ یہ اعلیٰ کمال ہے۔ ہر ایک انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ ان کمالات کے حاصل کرنے کے لیے جہاں تک مجاہدہ صحیحہ کی ضرورت ہے اس طریق پر جو آنحضرت ﷺ نے اپنے عمل سے دکھا دیا ہے کوشش کرے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 236)

غور سے قرآن کریم کو دیکھو تو تمہیں معلوم ہو گا کہ پہلی ہی سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے دعا کی تعلیم دی ہے اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ غَیۡرِالۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَلَاالضَّآلِّیۡنَ۔ دعا تب ہی جامع ہو سکتی ہے کہ وہ تمام منافع اور مفاد کو اپنے اندر رکھتی ہو اور تمام نقصانوں اور مضرتوں سے بچاتی ہو۔ پس اس دعا میں بہترین منافع جو ہو سکتے ہیں اور ممکن ہیں وہ اس دعا میں مطلوب ہیں اور بڑی سے بڑی نقصان رساں چیز جو انسان کو ہلاک کر دیتی ہے اُس سے بچنے کی دعا ہے میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ منعم علیہ چار قسم کے لوگ ہیں۔ اول نبی، دوم صدیق، سوم شہید، چہارم صالحین۔ پس اس دعا میں گویا ان چاروں گروہوں کے

کمالات کی طلب ہے نبیوں کا عظیم الشان کمال یہ ہے کہ وہ خدا سے خبریں پاتے ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے فَلَا یُظۡہِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ (الجن:27-28) یعنی خدا تعالیٰ کے غیب کی باتیں کسی دوسرے پر ظاہر نہیں ہوتیں ہیں ہاں اپنے نبیوں میں سے جس کو وہ پسند کرے۔ جو لوگ نبوت کے کمالات سے حصہ لیتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو قبل از وقت آنے والے واقعات کی اطلاع دیتا ہے اور یہ بہت بڑا عظیم الشان نشان خدا کے ماموراور مرسلوں کا ہوتا ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی معجزہ نہیں۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 274)

کمالات امامت کا راہ ہمیشہ کے لیے کھلا ہے

اگر یہی سچ ہے کہ خدا تعالیٰ تمام برکتوں اور اماموں اور ولایتوں پر مہر لگا چکا ہے اور آئندہ بکلی وہ راہیں بند ہیں تو خدا تعالیٰ کے سچے طالبوں کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی دل توڑنے والا واقعہ نہ ہوگا گویا وہ جیتے ہی مر گئے اور ان کے ہاتھ میں بجز چند خشک قصوں کے اور کوئی مغز اور بات نہیں اور اگر شیعہ لوگ اس عقیدہ کو سچ مانتے ہیں تو پھر کیوں پنج وقت نماز میں یہ دعا پڑھتے ہیں اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ **کیونکہ اس دعا کے تو یہ معانی ہیں کہ اے خدائے قادر ہم کو وہ راہ اپنے قرب کا عنایت کر جو تو نے نبیوں اور اماموں اور صدیقوں اور شہیدوں کو عنایت کیا تھا۔ پس یہ آیت صاف بتلاتی ہے کہ کمالات امامت کا راہ ہمیشہ کے لیے کھلا ہے** اور ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا اس عاجز نے اسی راہ کے اظہار ثبوت کے لیے بیس ہزار اشتہار مختلف دیار وامصار میں بھیجا ہے۔ اگر یہ برکت نہیں تو پھر اسلام میں فضلیت ہی کیا ہے۔

(1) مکتوبات احمد جلد 5 نمبر 5 صفحہ 2-3 مکتوب نمبر 1) (2) اصحاب احمد جلد دوم صفحہ 50 سوانح حضرت نواب محمد علی خان صاحب)

چوں گمانے کنم اینجا مددِ روحِ قدس   کہ مرا در دلِ شاں دیو نظر مے آید

میں یہاں روح القدس کی مدد کا گمان کیونکر کر سکتا ہوں کہ مجھے تو ان کے دل میں دیو بیٹھا ہوا نظر آتا ہے۔

ایں مدد ہاست در اسلام چو خورشید عیاں   کہ بہر عصر مسیحائے دگر مے آید

اسلام میں یہ امداد سورج کی طرح ظاہر ہے کہ ہر زمانہ کے لیے نیا مسیحا آتا ہے۔

(سرمہ چشمہ آریہ ۔ر۔خ جلد 2 صفحہ 287 حاشیہ)

یاد رکھو کہ خدا کے فیوض بے انتہا ہیں جو ان کو محدود کرتا ہے۔ وہ اصل میں خدا کو محدود کرتا ہے۔ اور اس کی کلام کو عبث قرار دیتا ہے وہی بتلا دے کہ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ میں جب وہ انہی کمالات اور انعامات کو طلب کرتا ہے جو کہ سابقین پر ہوئے تو اب ان کو محدود کیسے مانتا ہے اگر وہ محدود ہیں اور بقول شیعہ بارہ امام تک ہی رہے تو پھر سورۃ فاتحہ کو نماز میں کیوں پڑھتا ہے وہ تو اس کے عقیدے کے خلاف تعلیم کر رہی ہے۔ اور خدا کو ملزم گردانتی ہے کہ ایک طرف تو وہ خود ہی کمالات کو بارہ امام تک ختم کرتا ہے اور پھر لوگوں کو قیامت تک ان کے طلب کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ **دیکھو مایوس ہونا مومن کی شان نہیں ہوتی اور ترقیات اور مراتب قرب کی کوئی حد بست نہیں ہے یہ بڑی غلطی ہے کہ کسی فرد خاص پر ایک بات قائم کر دی جائے۔** (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 64)

ہر زمانے میں خدا تعالیٰ کے کلام کے زندہ ثبوت موجود ہوتے ہیں

افسوس ان لوگوں کی عقلوں کو کیا ہوا یہ کیوں نہیں سمجھتے؟ کیا قرآن میں جو اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (الفاتحہ:6-7) تھا یہ یونہی ایک بے معنی اور بے مطلب بات تھی۔ اور نرا ایک قصہ ہی قصہ ہے؟ کیا وہ انعام کچھ نہ تھا خدا نے نرا دھوکا ہی دیا ہے؟ اور وہ اپنے سچے طالبوں اور صادقوں کو بدنصیب ہی رکھنا چاہتا ہے؟ کس قدر ظلم ہے اگر یہ خدا کی نسبت قرار دیا جائے کہ وہ نری لفاظی سے ہی کام لیتا ہے۔

حقیقت یہ نہیں ہے یہ ان لوگوں کی اپنی خیالی باتیں ہیں قرآن شریف در حقیقت انسان کو ان مراتب اور اعلیٰ مدارج پر پہنچانا چاہتا ہے جو **اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ** کے مصداق لوگوں کو دیئے گئے تھے **اور کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوتا جب کہ خدا تعالیٰ کے کلام کے زندہ ثبوت موجود نہ ہوں۔** ہمارا یہ مذہب ہرگز نہیں کہ آریوں کی طرح خدا کا پریمی اور بھگت کتنی ہی دعائیں کرے اور رو رو کر اپنی جان کھوئے اور اس کا کوئی نتیجہ نہ ہو **اسلام خشک مذہب نہیں ہے اسلام ہمیشہ ایک زندہ مذہب ہے اور اس کے نشانات اس کے ساتھ ہیں پیچھے رہے ہوئے نہیں۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 550)

ہے غضب کہتے ہیں اب وحیِ خدا مفقود ہے　　اب قیامت تک ہے اِس اُمّت کا قصّوں پر مدار
یہ عقیدہ برخلافِ گفتۂ دادار ہے!　　پر اُتارے کون برسوں کا گلے سے اپنے ہار
وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم　　اب بھی اُس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار
نُورِ دل جاتا رہا اِک رسم دیں کی رہ گئی　　پھر بھی کہتے ہیں کہ کوئی مُصلحِ دیں کیا بکار
راگ وہ گاتے ہیں جس کو آسماں گاتا نہیں　　وہ ارادے ہیں کہ جو ہیں برخلافِ شہر یار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ ر۔خ جلد 21 صفحہ 137)

اصلی نعمت (جس پر قوتِ ایمان اور اعمال صالحہ موقوف ہیں) خدا تعالیٰ کا مکالمہ اور مخاطبہ ہے جس کے ذریعہ سے اول اس کا پتہ لگتا ہے اور پھر اس کی قدرتوں سے اطلاع ملتی ہے اور پھر اس اطلاع کے موافق انسان ان قدرتوں کو بچشم خود دیکھ لیتا ہے۔ یہی وہ نعمت ہے جو انبیاء علیہم السلام کو دی گئی تھی اور پھر اس امت کو حکم ہوا کہ اس نعمت کو تم مجھ سے مانگو کہ میں تمہیں بھی دوں گا۔۔۔۔ **خدا تعالیٰ کا مکالمہ اور مخاطبہ یہی تو ایک جڑ ہے معرفت کی اور تمام برکات کا سرچشمہ ہے۔ اگر اس امت پر یہ دروازہ بند ہوتا تو سعادت کے تمام دروازے بند ہوتے۔**

(ضمیمہ براہین احمدیہ۔ ر۔خ جلد 21 صفحہ 308 تا 309)

یہ سچ ہے کہ جو پاک ہو جاتے ہیں　　خدا سے خدا کی خبر لاتے ہیں
اگر اُس طرف سے نہ آوے خبر　　تو ہو جائے یہ راہ زیر و زبر
طلب گار ہو جائیں اُس کے تباہ　　وُہ مر جائیں دیکھیں اگر بند راہ
مگر کوئی معشوق ایسا نہیں　　کہ عاشق سے رکھتا ہو یہ بُغض و کیں
خدا پر تو پھر یہ گماں عیب ہے　　کہ وُہ راحم و عالم الغیب ہے

(درثمین اردو ۔ نیا ایڈیشن صفحہ 21) (ست بچن۔ ر۔خ جلد 10 صفحہ 166)

اگر یہ کہا جائے کہ اس امت پر قیامت تک دروازہ مکالمہ مخاطبہ اور وحی الٰہی کا بند ہے تو پھر اس صورت میں کوئی امتی نبی کیوں کر کہلا سکتا ہے کیونکہ نبی کے لیے ضروری ہے کہ خدا اس سے ہم کلام ہو تو اس کا یہ جواب ہے کہ **اس امت پر یہ دروازہ ہرگز بند نہیں ہے۔ اور اگر اس امت پر یہ دروازہ بند ہوتا تو یہ امت ایک مردہ امت ہوتی اور خدا تعالیٰ سے دور اور مہجور ہوتی اور اگر یہ دروازہ اس امت پر بند ہوتا تو کیوں قرآن میں یہ دعا سکھلائی جاتی کہ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ۔** (براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ ر۔خ جلد 21 صفحہ 353)

پس اے سست اعتقادو اور کمزور ہمتو کیا تمہیں یہ خیال ہے کہ تمہارے خدا نے جسمانی طور پر تو بنی اسرائیل کے تمام املاک کا تمہیں قائم مقام کر دیا۔ مگر روحانی طور پر تمہیں قائم مقام نہ کر سکا **بلکہ خدا کا تمہاری نسبت اس سے زیادہ فیض رسانی کا ارادہ ہے خدا نے ان کے روحانی جسمانی متاع و مال کا تمہیں وارث بنایا مگر تمہارا وارث کوئی دوسرا نہ ہو گا جب تک قیامت آ جاوے۔ خدا تمہیں نعمت وحی اور الہام اور مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ سے ہرگز محروم نہیں رکھے گا۔ وہ تم پر وہ سب نعمتیں پوری کرے گا جو پہلوں کو دی گئیں۔۔۔۔ سو تم صدق اور راستی اور تقویٰ اور محبت ذاتیہ الٰہیہ میں ترقی کرو اور اپنا کام یہی سمجھو جب تک زندگی ہے پھر خدا تم میں سے جس کی نسبت چاہے گا اس کو اپنے مکالمہ مخاطبہ سے مشرف کرے گا۔** (کشتی نوح۔ ر۔خ جلد 19 صفحہ 27)

کوئی پادری تو میرے سامنے لاؤ جو یہ کہتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی پیشگوئی نہیں کی۔ یاد رکھو وہ زمانہ مجھ سے پہلے ہی گذر گیا اب وہ زمانہ آ گیا جس میں خدا یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ رسول محمد عربیؐ جس کو گالیاں دی گئیں۔ جس کے نام کی بے عزتی کی گئی۔ جس کی تکذیب میں بدقسمت پادریوں نے کئی لاکھ کتابیں اس زمانہ میں لکھ کر شائع کر دیں۔ وہی سچا اور سچوں کا سردار ہے۔ اس کے قبول میں حد سے زیادہ انکار کیا گیا۔ مگر آخر اسی رسول کو تاج عزت پہنایا گیا۔ **اس کے غلاموں☆ اور خادموں میں سے ایک میں ہوں۔ جس سے خدا مکالمہ مخاطبہ کرتا ہے اور جس پر خدا کے غیبوں اور نشانوں کا دروازہ کھولا گیا ہے۔** (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 286)

☆ اس کے متعلق ایک الہامی شعر بھی ہے جو یہ ہے ۔

برتر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے   جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے

(حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ جلد 22 صفحہ 286 حاشیہ)

اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ سے مراد حضرت اقدسؑ اور ان کی جماعت ہے

یاد رکھنا چاہیئے کہ اس اُمت کے لیے مخاطبات اور مکالمات کا دروازہ کھلا ہے۔ اور یہ دروازہ گویا قرآن مجید کی سچائی اور آنحضرت ﷺ کی سچائی پر ہر وقت تازہ شہادت ہے اور اس کے لیے خدا تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ ہی میں یہ دعا سکھائی ہے اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ۔

اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ کی راہ کے لیے جو دعا سکھائی تو اس میں انبیاء علیہ السلام کے کمالات کے حصول کا اشارہ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ انبیاء علیہ السلام کو جو کمال دیا گیا وہ معرفت الٰہی ہی کا کمال تھا اور یہ نعمت ان کو مکالمات اور مخاطبات سے ملی تھی اسی کے تم بھی خواہاں ہو۔ (لیکچر لدھیانہ۔ ر۔خ جلد 20 صفحہ 286)

ایک عزت کا خطاب

سورہ فاتحہ سے ایک عزت کا خطاب مجھے عنایت ہوا۔ وہ کیا ہے اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ۔

(مجموعہ اشتہارات جلد 3 صفحہ 396 مورخہ 20 فروری 1901ء)(تفسیر حضرت اقدس سورۃ فاتحہ جلد 1 صفحہ 283)

14 ستمبر 1899ء کو یہ الہام ہوا:۔

ایک عزت کا خطاب۔ ایک عزت کا خطاب لَکَ خِطَابُ الْعِزَّۃِ۔ ایک بڑا نشان اسکے ساتھ ہوگا۔

"مجھے امتیازی مرتبہ بخشنے کے لئے خدا نے میرا نام نبی رکھ دیا ہے اور مجھے یہ ایک عزت کا خطاب دیا گیا ہے۔"

(مکتوب حضرت مسیح موعود علیہ السلام مورخہ 23 مئی 1908ء مندرجہ اخبار عام 26 مئی 1908ء)(تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 339)

منعم علیہ دو گروہ ہیں

یہ بھی یاد رہے کہ سورۃ فاتحہ کے عظیم الشان مقاصد میں سے یہ دعا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔ اور جس طرح انجیل کی دعا میں روٹی مانگی گئی ہے اس دعا میں خدا تعالیٰ سے وہ تمام نعمتیں مانگی گئی ہیں جو پہلے رسولوں اور نبیوں کو دی گئی تھیں یہ مقابلہ بھی قابل نظارہ ہے **اور جس طرح حضرت مسیح کی دعا قبول ہو کر عیسائیوں کو روٹی کا سامان بہت کچھ مل گیا ہے اسی طرح یہ قرآنی دعا آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے قبول ہو کر اخیار و ابرار مسلمان بالخصوص ان کے کامل فرد انبیاء بنی اسرائیل کے وارث ٹھہرائے گئے اور دراصل مسیح موعود کا اس امت میں سے پیدا ہونا یہ بھی اسی دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے کیونکہ گو مخفی طور پر بہت سے اخیار و ابرار نے انبیاء بنی اسرائیل کی مماثلت کا حصہ لیا ہے مگر اس امت کا مسیح موعود کھلے کھلے طور پر خدا کے حکم اور اذن سے اسرائیلی مسیح کے مقابل کھڑا کیا گیا ہے تا موسوی اور محمدی سلسلہ کی مماثلت سمجھ آ جائے۔** (کشتی نوح۔ ر۔خ جلد 19 صفحہ 52-53)

حسب منطوق آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (الواقعہ: 40، 41) خالص محمدی گروہ جو ہر ایک پلید ملونی اور آمیزش سے پاک اور توبہ نصوح سے غسل دیئے ہوئے ایمان اور دقائق عرفان اور علم اور عمل اور تقویٰ کے لحاظ سے ایک کثیر التعداد جماعت ہے یہ اسلام میں صرف دو گروہ ہیں یعنی گروہ اولین و گروہ آخرین جو صحابہ اور مسیح موعود کی جماعت سے مراد ہے اور چونکہ حکم کثرت مقدار اور کمال صفائی انوار پر ہوتا ہے اس لیے اس سورۃ میں اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے فقرہ سے مراد یہی دونوں گروہ ہیں یعنی آنحضرت ﷺ مع اپنی جماعت کے اور مسیح موعود مع اپنی جماعت کے۔ خلاصہ کلام یہ کہ خدا نے ابتدا سے اِس امت میں دو گروہ ہی تجویز فرمائے ہیں **اور انہی کی طرف سورۃ فاتحہ کے فقرہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں اشارہ ہے (1) ایک اولین جو جماعت نبوی ہے (2) دوسرے آخرین جو جماعت مسیح موعود ہے۔** (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 225-226)

غرض منعم علیہم لوگوں میں جو کمالات ہیں اور صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے ان کو حاصل کرنا ہر انسان کا اصل مقصد ہے اور ہماری جماعت کو خصوصیت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ **کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کے قائم کرنے سے یہی چاہا ہے کہ وہ ایسی جماعت تیار کرے جیسی آنحضرت ﷺ نے تیار کی تھی تا کہ اس آخری زمانہ میں یہ جماعت قرآن شریف اور آنحضرت ﷺ کی سچائی اور عظمت پر بطور گواہ ٹھہرے۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 237)

نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد ﷺ اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے اور کسی کیلئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے **اور اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اس کے افاضہ تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا اور آخر کار اُس کی روحانی فیض رسانی سے اس مسیح موعود کو دنیا میں بھیجا جس کا آنا اسلامی عمارت کی تکمیل کے لیے ضروری تھا کیونکہ ضرور تھا کہ یہ دنیا ختم نہ ہو جب تک محمدی سلسلہ کے لئے ایک مسیح روحانی رنگ کا نہ دیا جاتا جیسا کہ موسوی سلسلہ کے لئے دیا گیا تھا اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے کہ** اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (کشتی نوح۔ ر۔خ جلد 19 صفحہ 14)

خدا تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو سورۃ فاتحہ میں یہ دعا سکھلائی ہے کہ وہ اس فریق کی راہ خدا تعالیٰ سے طلب کرتے رہیں جو منعم علیہم کا فریق ہے **اور منعم علیہم کے کامل طور پر مصداق باعتبار کثرت کمیت اور صفائی کیفیت اور نعماء حضرت احدیت از رُوئے نص صریح قرآنی اور احادیث متواترہ حضرت مرسل یزدانی دو گروہ ہیں ایک گروہ صحابہ اور دوسرا گروہ جماعت مسیح موعود** چونکہ یہ دونوں گروہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ کے تربیت یافتہ ہیں کسی اپنے اجتہاد کے محتاج نہیں وجہ یہ کہ پہلے گروہ میں رسول اللہ ﷺ موجود تھے جو خدا سے براہ راست ہدایت پا کر وہی ہدایت نبوت کی پاک توجہ کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں ڈالتے تھے اور ان کے لیے مربی بے واسطہ تھے۔ **اور دوسرے گروہ میں مسیح موعود ہے جو خدا سے الہام پاتا اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی روحانیت سے فیض اٹھاتا ہے لہٰذا اس کی جماعت بھی اجتہاد خشک کی محتاج نہیں ہے۔** (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 224)

اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں وعدۂ مثیل وظلِّ انبیاء ہے

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ **اس جگہ تمام مفسر قائل ہیں کہ** صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ **کی ہدایت سے غرض تشبہ بالانبیاء ہے جو اصل حقیقت اتباع ہے۔**.......... **خدا نے انبیاء علیہم السلام کو اسی لئے دنیا میں بھیجا ہے کہ تا دنیا میں اُن کے مثیل قائم کرے** اگر یہ بات نہیں تو پھر نبوت لغو ٹھہرتی ہے۔ نبی اس لئے نہیں آتے کہ اُن کی پرستش کی جائے بلکہ اس لئے آتے ہیں کہ لوگ اُن کے نمونے پر چلیں اور اُن سے تشبّہ حاصل کریں اور اُن میں فنا ہو کر گویا وہی بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (ال عمران:32) پس خدا جس سے محبت کرے گا کونسی نعمت ہے جو اُس سے اٹھا رکھے گا اور اتباع سے مراد بھی مرتبہ فنا ہے جو مثیل کے درجے تک پہنچاتا ہے اور یہ مسئلہ سب کا مانا ہوا ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کرے گا مگر وہی جو جاہل سفیہ یا ملحد بے دین ہوگا۔ (ایام الصلح۔ ر۔خ جلد 32 صفحہ 411-412)

ثُمَّ لَمَّا كَانَ طَرِيْقُ طَلَبِ الْهِدَايَةِ وَالتَّصْفِيَةِ لَا يَكْفِيْ لِلْوُصُوْلِ مِنْ غَيْرِ تَوَسُّلِ الْاَئِمَّةِ وَالْمَهْدِيِّيْنَ مِنَ الْاُمَّةِ۔ مَارَضِيَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَلٰى هٰذَا الْقَدَرِ مِنْ تَعْلِيْمِ الدُّعَاءِ۔ بَلْ حَثَّ بِقَوْلِهٖ صِرَاطَ الَّذِيْنَ عَلٰى تَحَسُّسِ الْمُرْشِدِيْنَ وَالْهَادِيْنَ مِنْ اَهْلِ الْاِجْتِهَادِ وَالْاِصْطِفَاءِ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ وَالْاَنْبِيَاءِ۔

پھر چونکہ تلاش ہدایت اور تصفیہ نفس کا طریق ائمہ اور اُمّت کے ہدایت یافتہ لوگوں کے وسیلہ کے بغیر وصول الی اللہ کے لیے کافی نہیں اس لئے خدا تعالیٰ محض اس قدر (یعنی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ **تک) دعا سکھانے پر راضی نہ ہوا۔ بلکہ اس نے** صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ **کہہ کر اُن مرشدوں اور ہادیوں کی تلاش کی ترغیب دلائی جو صاف باطن اور اجتہاد کرنے والے لوگوں میں سے ہادی اور راہنما ہیں یعنی رسولوں اور نبیوں کی۔** (اعجاز المسیح۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 172)

یہ ضرور یاد رکھو کہ اس اُمت کے لیے وعدہ ہے کہ وہ ہر ایک ایسے انعام پائے گی جو پہلے نبی اور صدیق پا چکے ہیں پس منجملہ ان انعامات کے وہ نبوتیں اور پیشگوئیاں ہیں جن کی رو سے انبیاء علیہ السلام نبی کہلاتے رہے لیکن قرآن شریف بجز نبی بلکہ رسول ہونے کے دوسروں پر علوم غیب کا دروازہ بند کرتا ہے جیسا کہ آیت لَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن:ع2) سے ظاہر ہے۔ **پس مصفا غیب پانے کے لیے نبی ہونا ضروری ہوا اور آیت اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ گواہی دیتی ہے کہ اس مصفا غیب سے یہ امت محروم نہیں اور مصفا غیب حسب منطوق آیت نبوت اور رسالت کو چاہتا ہے اور وہ طریق براہ راست بند ہے۔ اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ اس موہبت کے لیے محض بروز اور ظلیت اور فنافی الرسول کا دروازہ کھلا ہے۔** (ایک غلطی کا ازالہ۔ ر۔خ جلد18 صفحہ 209)

سورۃ فاتحہ میں تمہیں دعا سکھلائی گئی ہے۔ یعنی یہ دعا کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ پس جبکہ خدا تمہیں یہ تاکید کرتا ہے کہ پنج وقت یہ دعا کرو کہ وہ نعمتیں جو نبیوں اور رسولوں کے پاس ہیں۔ وہ تمہیں بھی ملیں پس تم بغیر نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ کے وہ نعمتیں کیونکر پا سکتے ہو **لہٰذا ضرور ہوا کہ تمہیں یقین اور محبت کے مرتبہ پر پہونچانے کے لئے خدا کے انبیاء وقتاً بعد وقتٍ آتے رہیں جن سے تم وہ نعمتیں پاؤ۔** (لیکچر سیالکوٹ۔ ر۔خ جلد20 صفحہ 227)

ظلی اور بروزی نبوّت دائمی ہے

وَاَنَّهُمْ نُوْرُ اللّٰهِ وَيُعْطٰى بِهِمْ نُوْرٌ لِّلْقُلُوْبِ وَتِرْيَاقٌ لِّسَمِّ الذُّنُوْبِ وَسَكِيْنَةٌ عِنْدَالْاِحْتِضَارِوَالْغَرْغَرَةِ وَثَبَاتٌ عِنْدَالرِّحْلَةِ وَتَرْكِ الدُّنْيَا الدَّنِيَّةِ۔ اَتَظُنُّ اَنْ يَّكُوْنَ الْغَيْرُ كَمِثْلِ هٰذِهِ الْفِئَةِ الْكَرِيْمَةِ۔ كَلَّا وَالَّذِيْ اَخْرَجَ الْعَذْقَ مِنَ الْجَرِيْمَةِ۔ وَلِذَالِكَ عَلَّمَ اللّٰهُ هٰذَاالدُّعَآءَ مِنْ غَايَةِ الرَّحْمَةِ۔ وَاَمَرَالْمُسْلِمِيْنَ اَنْ يَّطْلُبُوْا صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ مِنَ الْحَضْرَةِ وَقَدْ ظَهَرَ مِنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ عَلٰى كُلِّ مَنْ لَّهٗ حَظٌّ مِّنَ الدِّرَايَةِ۔ اَنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ قَدْ بُعِثَتْ عَلٰى قَدَمِ الْاَنْبِيَآءِ۔ وَاِنْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا لَهٗ مَثِيْلٌ فِيْ هٰٓؤُلَآءِ۔ وَلَوْلَا هٰذِهِ الْمُضَاهَاةُ وَالسَّوَآءُ۔ لَبَطَلَ طَلَبُ كَمَالِ السَّابِقِيْنَ وَبَطَلَ الدُّعَآءُ۔ فَاللّٰهُ الَّذِيْ اَمَرَنَا اَجْمَعِيْنَ۔ اَنْ نَّقُوْلَ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ مُصَلِّيْنَ وَمُمْسِيْنَ وَمُصْبِحِيْنَ۔ وَاَنْ نَّطْلُبَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ۔ اَشَارَاِلٰى اَنَّهٗ قَدْقَدَّرَ مِنَ الْاِبْتِدَآءِ۔ اَنْ يَّبْعَثَ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ بَعْضَ الصُّلَحَآءِ عَلٰى قَدَمِ الْاَنْبِيَآءِ وَاَنْ يَّسْتَخْلِفَهُمْ كَمَااسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ۔ وَاِنَّ هٰذَالَهُوَ الْحَقُّ فَاتْرُكِ الْجَدَلَ الْفُضُوْلَ وَالْاَقَاوِيْلَ۔ وَكَانَ غَرَضُ اللّٰهِ اَنْ يَّجْمَعَ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ كَمَالَاتٍ مُّتَفَرِّقَةً وَّاَخْلَاقًا مُّتَبَدِّدَةً۔

وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا ایک نور ہیں اور ان کے ذریعہ (لوگوں کے) دلوں کو روشنی اور گناہوں کے زہر کے لئے تریاق دیا جاتا ہے اور جان کندنی اور غرغرہ کے وقت سکینت اور رحلت اور اس حقیر دنیا کو ترک کرنے کے وقت ثبات عطا کیا جاتا ہے۔ کیا تو خیال کرتا ہے کہ کوئی اور بھی اس صاحب شرف جماعت جیسا ہو سکتا ہے؟ مجھے اُس ذات کی قسم جس نے گٹھلی سے کھجور کا درخت پیدا کیا (اس جماعت جیسا) ہرگز نہیں (ہو سکتا) اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنی انتہائی رحمت سے یہ دعا سکھائی اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ خدا تعالیٰ سے ان لوگوں کا راستہ طلب کریں جن

پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے یعنی نبیوں اور رسولوں کا راستہ۔ اِس آیت سے ہر اُس شخص پر جسے سمجھ بوجھ کا کچھ حصہ ملا ہے واضح ہو جاتا ہے کہ اِس اُمت کو نبیوں کے قدم پر قائم کیا گیا ہے اور ایسا کوئی نبی نہیں جس کا مثیل اس اُمت میں نہ پایا جاتا ہو۔ اگر یہ مشابہت اور مماثلت نہ ہوتی تو پہلوں جیسے کمال کا طلب کرنا بھی عبث ٹھہرتا اور دعا بھی باطل ہو جاتی۔ پس اللہ تعالیٰ جس نے ہم سب کو نماز پڑھتے وقت اور صبح کے وقت اور شام کے وقت اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی دعا مانگنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ منعم علیہ گروہ یعنی نبیوں اور رسولوں کا راستہ طلب کرتے رہیں۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اُس نے شروع سے ہی مقدر کر رکھا ہے کہ بعض نیک لوگوں کو نبیوں کے نقش قدم پر اس اُمت میں مبعوث کرتا رہے گا اور اُنہیں اُسی طرح خلیفہ بنا دے گا جیسا کہ اُس نے اس سے پہلے بنی اسرائیل سے خلفاء بنائے تھے۔ اور یقیناً یہی (بات) حق ہے۔ پس تو فضول جھگڑے اور قیل و قال چھوڑ دے اور اللہ تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ اِس اُمت میں مختلف کمالات اور گونا گوں اخلاق جمع کر دے۔ (اعجاز المسیح۔ ر۔خ جلد18 صفحہ 174 تا176)

انبیاء من حیث الظل باقی رکھے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ ظلی طور پر ہر یک ضرورت کے وقت میں کسی اپنے بندہ کو اُن کی نظیر اور مثیل پیدا کر دیتا ہے جو انہیں کے رنگ میں ہو کر ان کی دائمی زندگی کا موجب ہوتا ہے اور اسی ظلی وجود کے قائم رکھنے کے لیے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ دعا سکھائی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (شہادت القرآن۔ ر۔خ جلد6 صفحہ 351 تا352)

نورِ دل جاتا رہا اک رسم دیں کی رہ گئی — پھر بھی کہتے ہیں کہ کوئی مصلحِ دیں کیا بکار
راگ وہ گاتے ہیں جس کو آسماں گاتا نہیں — وہ ارادے ہیں کہ جو ہیں برخلافِ شہریار

(درثمین اردو صفحہ 105)(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ ر۔خ جلد21 صفحہ 132)

اِنَّ الْمُعْجِزَاتِ تَقْتَضِی الْكَرَامَاتِ لِيَبْقٰى اَثَرُهَا اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ وَاِنَّ الَّذِيْنَ وَرِثُوْا نَبِيَّهُمْ يُعْطَوْنَ مِنْ نِّعَمِهٖ عَلَى الطَّرِيْقَةِ الظِّلِّيَّةِ وَلَوْلَا ذٰلِكَ لَبَطَلَتْ فُيُوْضُ النُّبُوَّةِ۔

(ترجمہ) معجزات چاہتے ہیں کرامات کو تا کہ اُن کا نشان قیامت تک باقی رہے اور اپنے نبی علیہ السلام کے وارثوں کو بطور ظلیت کے آپ کی نعمتیں مرحمت ہوتی ہیں اور اگر یہ قاعدہ جاری نہ رہتا تو نبوت کے فیض بالکل باطل ہو جاتے۔ (الھدیٰ۔ ر۔خ جلد18 صفحہ 275`274)

الا اے منکر از شانِ محمد — ہم از نورِ نمایانِ محمد
خبردار ہو جا! اے وہ شخص جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سان نیز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چمکتے ہوئے نور کا منکر ہے۔
کرامت گرچہ بے نام و نشان است — بیا بنگر زِ غلمانِ محمد
اگرچہ کرامت اب مفقود ہے۔ مگر تو آ اور اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں دیکھ لے۔

(درثمین فارسی صفحہ 193)(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد5 صفحہ 649)

نبوت محمدیہ اپنی ذاتی فیض رسانی سے قاصر نہیں بلکہ سب نبوتوں سے زیادہ اس میں فیض ہے۔اس نبوت کی پیروی خدا تک بہت سہل طریق سے پہنچا دیتی ہے۔اور اس کی پیروی سے خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کے مکالمہ مخاطبہ کا اس سے بڑھ کر انعام مل سکتا ہے جو پہلے ملتا تھا۔۔۔۔۔اور جب کہ وہ مکالمہ مخاطبہ اپنی کیفیت اور کمیت کی رو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے اور اس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو۔اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوت کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔جس پر تمام نبیوں کا اتفاق ہے پس یہ **ممکن نہ تھا کہ وہ قوم جس کے لیے فرمایا گیا کہ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (ال عمران:111) اور جن کے لیے یہ دعا سکھائی گئی کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۔ان کے تمام افراد اس مرتبہ عالیہ سے محروم رہتے اور کوئی ایک فرد بھی اس مرتبہ کو نہ پاتا** اور ایسی صورت میں صرف یہی خرابی نہیں تھی کہ اُمّت محمدیہ ناقص اور ناتمام رہتی اور سب کے سب اندھوں کی طرح رہتے بلکہ یہ بھی نقص تھا کہ آنحضرت ﷺ کی قوت فیضان پر داغ لگتا تھا اور آپ کی قوت قدسیہ ناقص ٹھہرتی تھی اور ساتھ اس کے وہ دعا جس کا پانچ وقت نماز میں پڑھنا تعلیم کیا گیا ہے۔اس کا سکھلانا بھی عبث ٹھہرتا تھا۔ (رسالہ الوصیت۔ر۔خ جلد20 صفحہ 311-312)

یہ تعلیم دے کر کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ تمام سچے طالبوں کو خوش خبری دی کہ وہ اپنے رسول مقبول کی تبعیّت سے اُس علم ظاہری اور باطنی تک پہنچ سکتے ہیں کہ جو بالاصالت خدا کے نبیوں کو دیا گیا **انہیں معنوں کر کے تو علماء وارث الانبیاء کہلاتے ہیں اور اگر باطنی علم کا ورثہ اُن کو نہیں مل سکتا تو پھر وہ وارث کیوں کر اور کیسے ہوئے۔** (براہین احمدیہ۔ر۔خ جلد1 صفحہ 256 حاشیہ نمبر 1)

حضرت اقدسؑ کی بعثت بطور بروز آنحضرت ﷺ ہے

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

نیکوں اور بدوں کے بروز ہوتے ہیں نیکوں کے بروز میں جو موعود ہے وہ ایک ہی ہے یعنی مسیح موعود ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے نیکوں کا بروز اور ضالین سے عیسائیوں کا بروز اور مغضوب سے یہودیوں کا بروز مراد ہے اور یہ عالم بروزی صفت میں پیدا کیا گیا ہے جیسے پہلے نیک یا بد گزرے ہیں ان کے رنگ اور صفات کے لوگ اب بھی ہیں خدا تعالیٰ ان اخلاق اور صفات کو ضائع نہیں کرتا ان کے رنگ میں اور آ جاتے ہیں جب یہ امر ہے تو **ہمیں اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ابرار اور اخیار اپنے اپنے وقت پر ہوتے رہیں گے۔اور یہ سلسلہ قیامت تک چلا جاوے گا جب یہ سلسلہ ختم ہو جاوے گا تو دنیا کا بھی خاتمہ ہے لیکن وہ موعود جس کے سپرد عظیم الشان کام ہے وہ ایک ہی ہے کیونکہ جس کا وہ بروز ہے یعنی محمد ﷺ وہ بھی ایک ہی ہے۔**

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 460)

ساقئ من ہست آں جاں پرورے ہر زماں مستم کند از ساغرے

وہی روح پرور شخص تو میرا ساقی ہے جو ہمیشہ جامِ شراب سے مجھے سرشار رکھتا ہے

محوِ روئے او شد است ایں روئے من بوئے او آید زبام و کوئے من

یہ میرا چہرہ اُس کے چہرہ میں محو اور گم ہو گیا اور میرے مکان اور کوچہ سے اُسی کی خوشبو آ رہی ہے

بسکہ من در عشقِ او ہستم نہاں من ہمانم ۔ من ہمانم ۔ من ہماں

از بسکہ میں اُس کے عشق میں غائب ہوں ۔ میں وہی ہوں ۔ میں وہی ہوں ۔ میں وہی ہوں

جانِ من از جانِ او یابد غذا از گریبانم عیاں شد آں ذکا !

میری روح اُس کی روح سے غذا حاصل کرتی ہے اور میرے گریبان سے وہی سورج نکل آیا ہے

احمدؐ اندر جانِ احمدؑ شد پدید اسمِ من گر دید اسمِ آں وحید

احمدؐ کی جان کے اندر احمدؑ ظاہر ہو گیا اس لئے میرا وہی نام ہو گیا جو اِس لاثانی انسانؐ کا نام ہے

(سراج منیر ۔ ر۔خ جلد 12 صفحہ 97)

نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد ﷺ اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے اور کسی کیلئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اور اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اس کے افاضہ تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا اور آخر کار اُس کی روحانی فیض رسانی سے اس مسیح موعود کو دنیا میں بھیجا جس کا آنا اسلامی عمارت کی تکمیل کے لیے ضروری تھا کیونکہ ضرور تھا کہ یہ دنیا ختم نہ ہو جب تک محمدی سلسلہ کے لئے ایک مسیح روحانی رنگ کا نہ دیا جاتا جیسا کہ موسوی سلسلہ کے لئے دیا گیا تھا اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے کہ اِھْدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ۔ (کشتی نوح ۔ ر۔خ جلد 19 صفحہ 14)

لَا شَکَّ اَنَّ سَیِّدَنَا سَیِّدَالْاَنَامِ وَصَدْرَالْاِسْلَامِ کَانَ مَثِیْلَ مُوْسٰی۔ فَاقْتَضَتْ رِعَایَۃُ الْمُقَابَلَۃِ اَنْ یُّبْعَثَ فِیْ اٰخِرِ زَمَنِ الْاُمَّۃِ مَثِیْلُ عِیْسٰی وَاِلَیْہِ اَشَارَ رَبُّنَا فِی الصُّحُفِ الْمُطَھَّرَۃِ۔ فَاِنْ شِئْتُمْ فَفَکِّرُوْا فِیْ سُوْرَۃِ النُّوْرِ وَالتَّحْرِیْمِ وَالْفَاتِحَۃِ۔ ھٰذَا مَا کَتَبَ رَبُّنَا الَّذِیْ لَایَبْلُغُ عِلْمَہُ الْعَالِمُوْنَ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ تُؤْمِنُوْنَ ۔

ترجمہ ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے آقا سرورِ کائنات اور بانی اسلام ﷺ حضرت موسیٰؑ کے مثیل تھے ۔ اسی تقابل کی مناسبت نے اِس بات کا تقاضا کیا کہ اس اُمت کے آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰؑ کا ایک مثیل مبعوث ہو اسی کی طرف خدا تعالیٰ نے پاک صحیفوں میں اشارہ فرمایا ہے ۔ اگر تم چاہو تو سُورۂ نور، سُورۂ تحریم اور سُورۂ فاتحہ میں غور کرو یہ ہمارے رب کا نوشتہ ہے جس کو عالم لوگ از خود نہیں جان سکتے ۔ پھر تم اس کے بعد کس بات پر ایمان لاؤ گے ۔ (مواہب الرحمٰن ۔ ر۔خ جلد 19 صفحہ 278-279)

اس آیت میں حضرت اقدسؑ کا ذکر ایک دعا کے اعتبار سے

سورۃ فاتحہ میں دعا مانگی گئی ہے اور یہ دعا جس وقت اکٹھی پڑھی جاتی ہے یعنی اس طرح پر کہا جاتا ہے کہ اے خدا ہمیں منعم علیہم میں داخل کر اور مغضوب علیہم اور ضالین سے بچا تو اُس وقت صاف سمجھ آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے علم میں منعم علیہم میں سے ایک وہ فریق ہے جو مغضوب علیہم اور ضالین کا ہمعصر ہے اور جبکہ مغضوب علیہم سے مراد اس سورۃ میں بالیقین وہ لوگ ہیں جو مسیح موعود سے انکار کرنے والے اور اس کی تکفیر اور تکذیب اور توہین کرنے والے ہیں تو بلاشبہ ان کے مقابل پر منعم علیہم سے وہی لوگ اس جگہ مراد رکھے گئے ہیں جو صدق دل سے مسیح موعود پر ایمان لانے والے اور اُس کی دل سے تعظیم کرنے والے اور اسکے انصار ہیں اور دنیا کے سامنے اسکی گواہی دیتے ہیں۔ رہے ضالین۔ پس جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں آنحضرت ﷺ کی شہادت اور تمام اکابر اسلام کی شہادت سے ضالین سے مراد عیسائی ہیں۔ (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 228-229)

یہ بھی یاد رہے کہ سورۃ فاتحہ کے عظیم الشان مقاصد میں سے یہ دعا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور جس طرح انجیل کی دعا میں روٹی مانگی گئی ہے اس دعا میں خدا تعالیٰ سے وہ تمام نعمتیں مانگی گئی ہیں جو پہلے رسولوں اور نبیوں کو دی گئیں تھیں یہ مقابلہ بھی قابل نظارہ ہے اور جس طرح حضرت مسیح کی دعا قبول ہو کر عیسائیوں کو روٹی کا سامان بہت کچھ مل گیا ہے اِسی طرح یہ قرآنی دعا آنحضرت ﷺ کے ذریعہ سے قبول ہو کر اخیار و ابرار مسلمان بالخصوص ان کے کامل فرد انبیاء بنی اسرائیل کے وارث ٹھہرائے گئے اور دراصل مسیح موعود کا اِس اُمت میں سے پیدا ہونا یہ بھی اسی دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے کیونکہ گو مخفی طور پر بہت سے اخیار و ابرار نے انبیاء بنی اسرائیل کی مماثلت کا حصہ لیا ہے مگر اس امت کا مسیح موعود کھلے کھلے طور پر خدا کے حکم اور اذن سے اسرائیلی مسیح کے مقابل کھڑا کیا گیا ہے تا موسوی اور محمدی سلسلہ کی مماثلت سمجھ آ جائے۔ (کشتی نوح۔ ر۔خ جلد 19 صفحہ 52-53)

میں بیان کر چکا ہوں کہ سورۃ فاتحہ میں تین دعائیں سکھلائی گئی ہیں (۱) ایک یہ دعا کہ خدا تعالیٰ اس جماعت میں داخل رکھے جو صحابہ کی جماعت ہے اور پھر اس کے بعد اس جماعت میں داخل رکھے جو مسیح موعود کی جماعت ہے جن کی نسبت قرآن شریف فرماتا ہے وآخرین منهم لمّا يلحقوبهم (الجمعة:4)۔ غرض اسلام میں یہی دو جماعتیں منعم علیہم کی جماعتیں ہیں اور انہی کی طرف اشارہ ہے آیت صراط الذين انعمت عليهم میں کیونکہ تمام قرآن پڑھ کر دیکھو جماعتیں دو ہی ہیں۔ ایک صحابہؓ کی جماعت۔ دوسری واخرين منهم کی جماعت جو صحابہ کے رنگ میں ہے اور وہ مسیح موعود کی جماعت ہے۔ پس جب تم نماز میں یا خارج نماز کے یہ دعا پڑھو کہ اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم تو دل میں یہی ملحوظ رکھو کہ میں صحابہ اور مسیح موعود کی جماعت کی راہ طلب کرتا ہوں۔ یہ تو سورۃ فاتحہ کی پہلی دعا ہے (2) دوسری دعا غير المغضوب عليهم

ہے جس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسیح موعود کو دکھ دینگے اور اس دعا کے مقابل پر قرآن شریف کے اخیر میں سورۃ تبت یدا ابی لھب ہے (3) تیسری دعا ولا الضالین ہے اور اس کے مقابل پر قرآن شریف کے اخیر میں سورۃ اخلاص ہے یعنی **قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یو لد ولم یکن لہ کفوا احد** اور اس کے بعد دو اور سورتیں جو ہیں یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس یہ دونوں سورتیں سورۃ تبت اور سورۃ اخلاص کیلئے بطور شرح کے ہیں اور **ان دونوں سورتوں میں اس تاریک زمانہ سے خدا کی پناہ مانگی گئی ہے جب کہ لوگ خدا کے مسیح کو دکھ دیں گے اور جب کہ عیسائیت کی ضلالت تمام دنیا میں پھیلے گی۔**

(تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ جلد17 صفحہ 217۔218)

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ سے پایا جاتا ہے کہ جب انسانی کوششیں تھک رہ جاتی ہیں تو آخر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ دعا کامل تب ہوتی ہے کہ ہر قسم کی خیر کی جامع ہو اور ہر شر سے بچاوے پس اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں ساری خیر جمع ہیں اور غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ میں سب شروں حتیّٰ کہ دجالی فتنہ سے بچنے کی دعا ہے۔ مغضوب سے بالاتفاق یہودی اور الضالین سے نصاریٰ مراد ہیں **اب اگر اس میں کوئی رمز اور حقیقت نہ تھی تو اس دعا کی تعلیم سے کیا غرض تھی؟ اور پھر ایسی تاکید کہ اس دعا کے بدوں نماز ہی نہیں ہوتی۔ اور ہر رکعت میں اس کا پڑھا جانا ضروری قرار دیا بھید اس میں یہی تھا کہ یہ ہمارے زمانہ کی طرف ایما ہے۔ اس وقت صراط مستقیم یہی ہے جو ہماری راہ ہے۔**

(ملفوظات جلد اول صفحہ 397`396)

غَیرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ

معانی مغضوب علیہم

یہود ایک قوم کا نام ہے جو حضرت موسیٰؑ کی امت کہلائی ان بد قسمتوں نے شوخیاں کی تھیں۔سب نبیوں کو دکھ دیا۔یہ قاعدے کی بات ہے کہ جو کسی بدی میں کمال تک پہنچتا ہے اور نامی ہو جاتا ہے تو پھر اس بدی میں اسی کا نام لیا جاتا ہے۔ڈاکو تو کئی ہوئے مگر بعض ڈاکو خصوصیت سے مشہور ہیں۔دیکھو ہزاروں پہلوان گزرے ہیں مگر رستم کا نام ہی مشہور ہے۔**یہ یہود چونکہ اول درجے کے شرارت کرنے والے تھے اور نبیوں کے سامنے شوخیاں کرتے۔اس لئے ان کا نام مغضوب علیہم ہو گیا یوں تو مغضوب علیہم اور بھی ہیں۔** (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 389۔390)

اگر کوئی ہم سے سیکھے تو سارا قرآن ہمارے ذکر سے بھرا ہوا ہے ابتدا ہی میں ہے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔**اب ان سے کوئی پوچھے کہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ کونسا فرقہ تھا تمام فرقے اسلام کے اس بات پر متفق ہیں کہ وہ یہودی تھے اور ادھر حدیث شریف میں ہے کہ میری امت یہودی ہو جائے گی تو پھر بتلاؤ کہ اگر مسیح نہ ہوگا تو وہ یہودی کیسے بنیں گے۔**(ملفوظات جلد دوم صفحہ 583)

المغضوب علیھم سے مراد مولوی فرقہ ہے

یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ انجیل اور قرآن شریف میں جہاں یہودیوں کا کچھ خراب حال بیان کیا ہے وہاں دنیاداروں اور عوام کا تذکرہ نہیں بلکہ اُن کے مولوی اور فقیہ اور سردار کاہن مراد ہیں جن کے ہاتھ میں کفر کے فتوے ہوتے ہیں اور جن کے وعظوں پر عوام افروختہ ہو جاتے ہیں اسی واسطے قرآن شریف میں ایسے یہودیوں کی اس گدھے سے مثال دی ہے جو کتابوں سے لدا ہوا ہو۔ظاہر ہے کہ عوام کو کتابوں سے کچھ سروکار نہیں کتابیں تو مولوی لوگ رکھا کرتے ہیں۔**لہٰذا یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جہاں انجیل اور قرآن اور حدیث میں یہودیوں کا ذکر ہے وہاں ان کے مولوی اور علماء مراد ہیں اور اسی طرح غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ کے لفظ سے عام مسلمان مراد نہیں ہیں بلکہ ان کے مولوی مراد ہیں۔** (تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ جلد 17 صفحہ 329 تا 330)

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ **سے مراد مولوی ہیں** کیونکہ ایسی باتوں میں اول نشانہ مولوی ہی ہوا کرتے ہیں دنیاداروں کو تو دین سے تعلق ہی کم ہوتا ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 297)

المغضوب علیھم سے مراد مسیح موعودؑ کے دشمن ہیں

اس لئے قرآنی اصطلاح میں اُن کا نام مغضوب علیہم ہے۔اور خداتعالیٰ نے قرآن شریف میں حقیقی مصداق اس نام کا ان یہودیوں کو ٹھہرایا ہے جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو نابود کرنا چاہا تھا۔پس ان کے دائمی غضب کے مقابل پر خدا نے بھی ان کو دائمی غضب کے وعید سے پامال کیا جیسا کہ آیت وجاعل الذین تبعوک فوق الذین کفروا الٰی یوم القیامۃ (ال عمران:56) سے سمجھا جاتا ہے اس قسم کا غضب جو قیامت تک منقطع نہ ہو اس کی نظیر قرآن شریف میں بجز حضرت مسیح کے دشمنوں کے یا آنے والے مسیح موعودؑ کے دشمنوں کے اور کسی قوم کے لئے نہیں پائی جاتی اور **مغضوب علیہم کے لفظ میں دنیا کے غضب کی وعید ہے جو دونوں مسیحوں کے دشمنوں کے متعلق ہے۔یہ ایسی نص صریح ہے کہ اس سے انکار قرآن سے انکار ہے۔** (تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ جلد 17 صفحہ 214)

ان معنوں کے لئے یہ قرینہ کافی ہے کہ مغضوب علیہم صرف اُن یہودیوں کا نام ہے جنہوں نے حضرت مسیح کو ایذا دی تھی اور حدیثوں میں آخری زمانہ کے علماء کا نام یہود رکھا گیا ہے یعنی وہ جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکفیر و توہین کی تھی اور اس دعا میں ہے کہ یا الٰہی ہمیں وہ فرقہ مت بنا جن کا نام مغضوب علیہم ہے۔ پس دعا کے رنگ میں یہ ایک پیشگوئی ہے جو دو خبر پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ اس امت میں بھی ایک مسیح موعود پیدا ہوگا اور دوسری یہ پیشگوئی ہے کہ بعض لوگ اس امت میں سے اُس کی تکفیر اور توہین کریں گے اور وہ لوگ مورد غضب الٰہی ہوں گے اور اس وقت کا نشان یہ ہے کہ فتنہ نصاریٰ بھی ان دنوں میں حد سے بڑھا ہوا ہوگا جن کا نام ضالین ہے اور ضالین پر بھی یعنی عیسائیوں پر بھی اگرچہ خدا تعالیٰ کا غضب ہے کہ وہ خدا کے حکم کے شنوا نہیں ہوئے مگر اس غضب کے آثار قیامت کو ظاہر ہوں گے اور اس جگہ مغضوب علیہم سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر بوجہ تکفیر و توہین و ایذا و ارادہ قتل مسیح موعود کے دنیا میں ہی غضب الٰہی نازل ہوگا یہ میرے جانی دشمنوں کے لیے قرآن کی پیشگوئی ہے۔ (تحفہ گولڑویہ ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 213-212)

یاد وہ دن جبکہ کہتے تھے یہ سب ارکانِ دیں   مہدیٔ موعودِ حق اب جلد ہوگا آشکار
کون تھا جس کی تمنّا یہ نہ تھی اک جوش سے   کون تھا جس کو نہ تھا اس آنیوالے سے پیار
پھر وہ دِن جب آگئے اور چودھویں آئی صدی   سب سے اوّل ہوگئے منکر یہی دیں کے منار
پھر دوبارہ آگئی احبار میں رسمِ یہود   پھر مسیحِ وقت کے دشمن ہوئے یہ جُبّہ دار
تھا نوشتوں میں یہی از ابتداء تا انتہاء   پھر مٹے کیونکر کہ ہے تقدیر نے نقشِ جدار

(درثمین اردو) (براہین احمدیہ حصہ پنجم ۔ ر۔خ جلد 21 صفحہ 137`138)

وَتَفْصِيْلُ الْمَقَامِ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَخْبَرَ عَنْ بَعْضِ الْيَهُوْدِ فِي السُّوْرَةِ الْفَاتِحَةِ اَنَّهُمْ كَانُوْا مَحَلَّ غَضَبِ اللّٰهِ فِيْ زَمَنِ عِيْسَى ابْنِ الصِّدِّيْقَةِ فَاِنَّهُمْ كَفَّرُوْهُ وَاٰذَوْهُ وَاَثَارُوْا لَهٗ كُلَّ نَوْعِ الْفِتْنَةِ ثُمَّ اَشَارَ اِلٰى اَنَّ طَآئِفَةً مِّنْكُمْ كَمِثْلِهِمْ يُكَفِّرُوْنَ مَسِيْحَهُمْ وَيُكَمِّلُوْنَ جَمِيْعَ اَنْحَآءِ الْمُشَابَهَةِ وَيَفْعَلُوْنَ بِهٖ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۔ وَاَنْتُمْ تَقْرَئُوْنَ اٰيَةَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ثُمَّ لَا تَلْتَفِتُوْنَ۔ اَعَلَّمَكُمُ اللّٰهُ هٰذِهِ السُّوْرَةَ عَبَثًا كَوَضْعِ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَحَلِّهٖ اَوْ كَتَبَهَا لِتَذْكِيْرِ جَرِيْمَةٍ تَرْتَكِبُوْنَهَا مَالَكُمْ لَا تُمْعِنُوْنَ وَمَا غَضِبَ اللّٰهُ عَلٰى تِلْكَ الْيَهُوْدِ اِلَّا لِمَا كَفَّرُوْا رَسُوْلَهٗ عِيْسٰى وَكَذَّبُوْهُ وَشَتَمُوْهُ وَكَادُوْا اَنْ يَّقْتُلُوْهُ مِنَ الْحَسَدِ وَالْهَوٰى۔ وَقَدْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ قَدَرُ اللّٰهِ اَنَّكُمْ تَفْعَلُوْنَ بِمَسِيْحِكُمْ كَمَا فَعَلَ الْيَهُوْدُ بِمَسِيْحِهِمْ۔

اس مقام کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ خدا تعالیٰ سورۃ فاتحہ میں ان بعض یہودیوں کی نسبت اطلاع دیتا ہے جن پر عیسیٰ بن صدیقہ کے زمانہ میں خدا کا غضب ان پر نازل ہوا کیونکہ انہوں نے اس کو کافر کہا اور ستایا اور ہر طرح کا فتنہ اٹھایا۔ پھر خدا تعالیٰ اشارہ فرماتا ہے کہ تم میں سے ایک گروہ یہود کی طرح اپنے مسیح کی تکفیر کرے گا اور ہر طرح کی مشابہت ان سے پیدا کرلیں گے۔ اور ان کے ہاتھوں سے وہ سب کام ہونگے جو یہود نے کئے اور تم مغضوب علیہم کی آیت پڑھتے ہو پھر اس کی طرف توجہ نہیں کرتے کیا خدا نے یونہی یہ سورۃ تم کو سکھلائی جیسا کہ کوئی کسی چیز کو بے ٹھکانے رکھ دے یا اس سورۃ کو اس لئے اتارا کہ تم کو وہ گناہ یاد دلائے جو تمہارے ہاتھ سے ہوگا کیوں غور سے نہیں دیکھتے اور خدا اُن یہودیوں پر عیسیٰؑ کو کافر کہنے کے سبب اور اس کی تکذیب اور اُس کو گالیاں دینے کے سبب غضب ناک ہوا اور اس لئے بھی کہ وہ ہوا و حسد کے مارے چاہتے تھے کہ اس کو قتل کردیں خدا تعالیٰ کی تقدیر تمہارے حق میں اسی طرح جاری ہوئی ہے کہ تم اپنے مسیح سے وہی کرو جو یہود نے اپنے مسیح سے کیا۔ (خطبہ الہامیہ ۔ ر۔خ جلد 16 صفحہ 215-216)

المغضوب علیھم میں حضرت اقدسؑ کی بعثت کی پیشگوئی ہے

یہ نکتہ یادرکھنے کے لائق ہے کہ سورۃ فاتحہ میں جو آیا ہے کہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ وہ اسی معرکہ کی طرف اشارہ ہے یعنی یہود نے خدا کے پاک اور مقدس نبی کو عمداً محض شرارت سے لعنتی ٹھہرا کر خدا تعالیٰ کا غضب اپنے پر نازل کیا اور مغضوب علیہم ٹھہرے حالانکہ ان کو پتہ بھی لگ گیا تھا کہ حضرت مسیح قبر میں نہیں رہے اور وہ پیشگوئی اُن کی پوری ہوئی کہ یونس کی طرح میرا حال ہوگا یعنی زندہ ہی قبر میں جاؤں گا اور زندہ ہی نکلوں گا اور نصاریٰ کو حضرت مسیح سے محبت کرتے تھے مگر محض اپنی جہالت سے انہوں نے بھی لعنت کا داغ حضرت مسیح کے دل کی نسبت قبول کرلیا اور یہ نہ سمجھا کہ لعنت کا مفہوم دل کی ناپاکی سے تعلق رکھتا ہے اور نبی کا دل کسی حالت میں ناپاک اور خدا کا دشمن اور اس سے بیزار نہیں ہوسکتا پس **اس سورۃ میں بطور اشارت مسلمانوں کو یہ سکھلایا گیا ہے کہ یہود کی طرح آنیوالے مسیح موعود کی تکذیب میں جلدی نہ کریں اور حیلہ بازی کے فتوے تیار نہ کریں اور اس کا نام لعنتی نہ رکھیں۔ ورنہ وہی لعنت الٹ کران پر پڑے گی** ایسا ہی عیسائیوں کی طرح نادان دوست نہ بنیں اور ناجائز صفات اپنے پیشوا کی طرف منسوب نہ کریں پس بلاشبہ اس سورۃ میں مخفی طور پر میرا ذکر ہے اور ایک لطیف پیرایہ میں میری نسبت یہ ایک پیشگوئی ہے اور دعا کے رنگ میں مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ ایسا زمانہ تم پر بھی آئے گا اور تم بھی حیلہ جوئی سے مسیح موعود کو لعنتی ٹھہراؤ گے کیونکہ یہ بھی حدیث ہے کہ اگر یہودی سوسمار کے سوراخ میں داخل ہوئے ہیں تو مسلمان بھی داخل ہونگے یہ عجیب خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ قرآن شریف کہ پہلی سورۃ میں ہی جس کو پنج وقت مسلمان پڑھتے ہیں میرے آنے کی نسبت پیشگوئی کردی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔ (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 110-111 حاشیہ)

وَقَدْ سَمَّی اللّٰہُ تِلْکَ الْیَھُوْدَ الْمَغْضُوْبَ عَلَیْھِمْ وَحَذَّرَکُمْ فِیْ اُمِّ الْکِتَابِ اَنْ تَکُوْنُوْا کَمِثْلِھِمْ وَذَکَّرَکُمْ اَنَّھُمْ اُھْلِکُوْا بِالطَّاعُوْنِ فَمَا لَکُمْ تَنْسَوْنَ وَصَایَا اللّٰہِ وَلَا تَتَّقُوْنَ رَبَّکُمْ وَلَا تَحْذَرُوْنَ۔ وَلَا تُفَکِّرُوْنَ فِیْ قَوْلِ اللّٰہِ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَمْ یَقُلْ غَیْرِ الْیَھُوْدِ فَاِنَّہٗ اَوْمٰی فِیْ ھٰذِہٖ اِلٰی عَذَابٍ اَصَابَھُمْ وَاِلٰی عَذَابٍ یُّصِیْبُکُمْ اِنْ لَّمْ تَنْتَھُوْا فَھَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَھُوْنَ وَاِنَّہٗ نَبَأٌ عَظِیْمٌ وَّقَدْ ظَھَرَتْ اٰثَارُہٗ وَاِنَّ فِیْ ھٰذَا لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یُّفَکِّرُوْنَ۔

خدا نے ان یہودیوں کا نام مغضوب علیہم رکھا اور سورۃ فاتحہ میں تم کو اس بات سے ڈرایا کہ تم اُن جیسے ہو جاؤ اور تم کو یاد دلایا کہ وہ طاعون سے ہلاک کئے گئے۔ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم خدا کے حکموں کو بھول گئے اور اُس سے نہیں ڈرتے **خدا تعالیٰ کی کلام میں غور نہیں کرتے کہ غیر المغضوب فرمایا غیر الیہود نہیں فرمایا کیونکہ اس میں اشارہ اس عذاب کی طرف ہے جو ان کو پہنچا اور جو تمہیں پہنچے گا اگر تم باز نہ آئے پس کیا ممکن ہے کہ تم بچے رہو اور یہ بڑی اطلاع ہے اور اس کے نشان ظاہر ہوگئے اور اس میں ان کے لئے نشان ہے جو فکر کرتے ہیں۔**

(خطبہ الہامیہ۔ ر۔خ جلد 16 صفحہ 147-148)

مردمِ نااہل گویندم کہ چوں عیسیٰ شدی — بشنو از من ایں جوابِ شاں کہ اے قومِ حسود

نالائق لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تو عیسیٰ کیونکر ہو گیا مجھ سے اُن کا جواب سُن جو یہ ہے کہ اے حاسد قوم

چوں شمارا شد یہود اندر کتابِ پاک نام — پس خدا عیسیٰ مرا کرد است از بہرِ یہود

چونکہ قرآن میں تمہارا نام یہودی رکھا گیا ہے اس لئے خدا نے مجھے یہودیوں کے لئے عیسیٰ بنا دیا

ورنہ از روئے حقیقت تخمِ ایشاں نیستید — نیز ہم من ابن مریم نیستم اندر وجود

ورنہ دراصل تم اُن یہودیوں کے تخم سے نہیں اور میں بھی جسمانی طور پر ابن مریم نہیں ہوں

گر نہ بودندے شما مارا نبودے ہم اثر — از شما شد ہم ظہورم پس زغوغاہا چہ سود

اگر تم نہ ہوتے تو ہمارا نشان بھی نہ ہوتا صرف تمہاری وجہ سے میرا ظہور ہوا پھر غُل مچانے سے کیا فائدہ؟

ہر چہ بود از نیک و بد در دینِ اسرائیلیاں — آں ہمہ درملّتِ احمد نقوشِ خود نمود

یہودیوں کے مذہب میں جو بھلی بری باتیں موجود تھیں وہ سب دین احمد میں بھی پیدا ہو گئیں

(درثمین فارسی صفحہ 234 نیا ایڈیشن) (براھینِ احمدیہ حصہ پنجم۔ر۔خ جلد21 صفحہ 304)

مثیل مسیح علیہ السلام اور مغضوب علیہم

وہ یہودی جو حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت میں موجود تھے خدا نے دعا غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ سکھلا کر اشارہ فرما دیا کہ وہ بروزی طور پر اس امّت میں بھی آنے والا ہے تا بروزی طور پر وہ بھی اس مسیح موعود کو ایذا دیں جو اِس اُمّت میں بروزی طور پر آنے والے ہیں۔ بلکہ یہ فرمانا کہ تم نمازوں میں سورۃ فاتحہ کو ضروری طور پر پڑھو یہ سکھلاتا ہے کہ مسیح موعود کا ضروری طور پر آنا مقدر ہے ایسا ہی قرآن شریف میں اس امت کے اشرار کو یہود سے نسبت دی گئی اور صرف اِسی قدر نہیں بلکہ ایسے شخص جو مریمی صفت سے محض خدا کے نفخ سے عیسوی صفت حاصل کرنے والا تھا اُس کا نام سورۃ تحریم میں ابن مریم رکھ دیا ہے کیونکہ فرمایا ہے کہ جب کہ مثالی مریم نے بھی تقویٰ اختیار کیا تو ہم نے اپنی طرف سے روح پھونک دی اس میں اشارہ تھا کہ **مسیح ابن مریم میں کلمۃ اللہ ہونے کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ آخری مسیح بھی کلمۃ اللہ ہے اور روح اللہ بھی بلکہ اِن دونوں صفات میں وہ پہلے سے زیادہ کامل ہے جیسا کہ سورۃ تحریم اور سورۃ فاتحہ اور سورۃ النور اور آیت کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ (ال عمران:111) سے سمجھا جاتا ہے۔** (تریاق القلوب۔ر۔خ جلد15 صفحہ 484)

قابل غور یہ امر ہے کہ یہودی کیسے مغضوب ہوئے۔انہوں نے پیغمبروں کو نہ مانا اور حضرت عیسیٰؑ کا انکار کیا تو ضرور تھا کہ **اس امت میں بھی کوئی زمانہ ایسا ہوتا اور ایک مسیح آتا جس سے یہ لوگ انکار کرتے اور وہ مماثلت پوری ہوتی۔ ورنہ کوئی ہم کو بتائے کہ اگر اسلام پر کوئی ایسا زمانہ آنے والا ہی نہ تھا اور نہ کوئی مسیح آنا تھا پھر اس دعائے فاتحہ کی تعلیم کا کیا فائدہ تھا۔** (ملفوظات جلد دوم صفحہ 665)

حضرت اقدسؑ کا ذکر قرآن میں غیر المغضوب علیھم کے اعتبار سے

خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں میں یہ سنت اور عادت مستمرہ ہے کہ جب وہ ایک گروہ کو کسی کام سے منع کرتا ہے یا اس کام سے بچنے کے لئے دعا سکھلاتا ہے تو اس کا اس سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ بعض ان میں سے ضرور اس جرم کا ارتکاب کریں گے لہٰذا اس اصول کے رو سے جو خدا تعالیٰ کی تمام کتابوں میں پایا جاتا ہے صاف سمجھ آتا ہے جو غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ کی دعا سکھلانے سے یہ مطلب تھا کہ ایک فرقہ مسلمانوں میں سے پورے طور پر یہودیوں کی پیروی کرے گا اور خدا کے مسیح کی تکفیر کر کے اور اس کی نسبت قتل کا فتویٰ لکھ کر اللہ تعالیٰ کو غضب میں لائے گا اور یہودیوں کی طرح مغضوب علیہم کا خطاب پائے گا۔ یہ ایسی صاف پیشگوئی ہے کہ جب تک انسان عمداً بے ایمانی پر کمر بستہ نہ ہو اس سے انکار نہیں کر سکتا اور صرف قرآن نے ہی ایسے لوگوں کو یہودی نہیں بنایا بلکہ حدیث بھی یہی خطاب ان کو دے رہی ہے اور صاف بتلا رہی ہے کہ یہودیوں کی طرح اس امت کے علماء بھی مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ لگائیں گے اور مسیح موعود کے سخت دشمن اس زمانہ کے مولوی ہونگے کیونکہ اس سے ان کی عالمانہ عزتیں جاتی رہیں گی اور لوگوں کے رجوع میں فرق آجائے گا **اور یہ حدیثیں اسلام میں بہت مشہور ہیں یہاں تک کہ فتوحات مکی میں بھی اس کا ذکر ہے کہ مسیح موعود جب نازل ہوگا تو اس کی یہی عزت کی جائے گی کہ اس کو دائرہ اسلام سے خارج کیا جائے گا اور ایک مولوی صاحب اٹھیں گے اور کہیں گے اِنَّ ھٰذَا الرَّجُلَ غَیَّرَ دِیْنَنَا یعنی یہ شخص کیسا مسیح موعود ہے اس شخص نے تو ہمارے دین کو بگاڑ دیا یعنی یہ ہماری حدیثوں کے اعتقاد کو نہیں مانتا اور ہمارے پرانے عقیدوں کی مخالفت کرتا ہے۔** (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 328`329)

غیر المغضوب علیھم ایک دعا ہے

وَاِنَّ الْفَاتِحَۃَ کَفَتْ لِسَعِیْدٍ یَّطْلُبُ الْحَقَّ وَلَا یَمُرُّ عَلَیْنَا کَالَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ فَاِنَّ اللّٰہَ ذَکَرَ فِیْہِ فِرَقًا ثَلٰثًا خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَھُمُ الْمُنْعَمُ عَلَیْھِمْ وَالْمَغْضُوْبُ عَلَیْھِمْ وَالضَّآلُّوْنَ۔ثُمَّ جَعَلَ ھٰذِہِ الْاُمَّۃَ فِرْقَۃً رَّابِعَۃً وَّاَوْمَأَ الْفَاتِحَۃُ اِلٰی اَنَّھُمْ وَرِثُوْا تِلْکَ الثَّلٰثَۃَ اِمَّا مِنَ الْمُنْعَمِ عَلَیْھِمْ اَوْ مِنَ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ اَوْ مِنَ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ وَیَتَنَصَّرُوْنَ وَاَمَرَ اَنْ یَسْئَلَ الْمُسْلِمُوْنَ رَبَّھُمْ اَنْ یَّجْعَلَھُمْ مِّنَ الْفِرْقَۃِ الْاُوْلٰی وَلَا یَجْعَلَھُمْ مِّنَ الَّذِیْنَ غَضِبَ عَلَیْھِمْ وَلَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ الَّذِیْنَ یَعْبُدُوْنَ عِیْسٰی وَبِرَبِّھِمْ یُشْرِکُوْنَ۔وَکَانَ فِیْ ھٰذَا اَنْبَآءٌ ثَلٰثَۃٌ لِّقَوْمٍ یَّتَفَرَّسُوْنَ۔

اور فاتحہ کی سورۃ اس سعادت مند کے لئے جو حق تلاش کرتا اور ہمارے سامنے سے متکبر کی طرح نہیں گزرتا کافی ہے کیونکہ خدا نے اس سورۃ میں تین فرقوں کا ذکر کیا ہے جو اگلے زمانہ میں گزرے اور وہ یہ ہیں منعم علیہم اور مغضوب علیہم اور ضالین۔ پھر اس امت کو چوتھا فرقہ قرار دیا اور فاتحہ میں اشارہ کیا کہ وہ ان تین فرقوں میں سے یا تو منعم علیہم کے وارث ہونگے یا مغضوب علیہم کے وارث ہونگے یا ضالین کے وارث ہونگے۔ **اور حکم دیا ہے کہ مسلمان اپنے رب سے چاہیں کہ ان کو پہلے فرقہ میں سے بناوے اور مغضوب علیہم اور ضالین میں سے نہ بناوے جو (ضالین) عیسیٰ کو پوجتے ہیں اور اپنے پروردگار کے برابر بناتے ہیں اور اس میں اُن کے لئے جو فراست سے کام لیتے ہیں تین پیشگوئیاں ہیں۔** (خطبہ الہامیہ۔ ر۔خ جلد 16 صفحہ 160)

فَظَهَرَ مِنْ هٰذَا الْمَقَامِ بِالظُّهُوْرِ الْبَيِّنِ التَّآمِّ اَنَّهٗ مَنْ قَرَءَ هٰذَا الدُّعَآءَ فِیْ صَلَاتِهٖ اَوْخَارِجَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ سَاَلَ رَبَّهٗ اَنْ یُّدْخِلَهٗ فِیْ جَمَاعَةِ الْمَسِیْحِ الَّذِیْ یُکَفِّرُهٗ قَوْمُهٗ وَیُکَذِّبُوْنَهٗ وَیُفَسِّقُوْنَهٗ وَیَحْسَبُوْنَهٗ شَرَّ الْمَخْلُوْقَاتِ وَیُسَمُّوْنَهٗ دَجَّالًا وَّمُلْحِدًا ضَآلًا کَمَا سَمّٰی عِیْسَی الْیَهُوْدُ الْمَلْعُوْن۔

اس مقام سے اچھی طرح سے معلوم ہوا کہ جو کوئی نماز میں یا نماز سے باہر اس دعا کو پڑھتا ہے وہ اپنے پروردگار سے سوال کرتا ہے کہ اس کو اُس مسیح کی جماعت میں داخل فرمادے جس کو اس کی قوم کافر کہے گی اور اس کی تکذیب کرے گی اور اس کو سب مخلوقات سے بدتر سمجھے گی اور اس کا نام دجال اور ملحد اور گمراہ رکھے گی جیسا کہ یہود ملعون نے عیسیٰ کا نام رکھا تھا۔ (خطبہ الہامیہ۔ ر۔خ جلد 16 صفحہ 197-198)

فَفَکِّرُوْا فِیْ اُمِّ الْکِتٰبِ حَقَّ الْفِکْرِ لِمَ حَذَّرَکُمُ اللّٰهُ اَنْ تَکُوْنُوْا الْمَغْضُوْبَ عَلَیْهِمْ مَّا لَکُمْ لَا تُفَکِّرُوْنَ۔ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ السِّرَّ فِیْهِ اَنَّ اللّٰهَ کَانَ یَعْلَمُ اَنَّهٗ سَوْفَ یُبْعَثُ فِیْکُمُ الْمَسِیْحُ الثَّانِیْ کَاَنَّهٗ هُوَ وَکَانَ یَعْلَمُ اَنَّ حِزْبًا مِّنْکُمْ یُکَفِّرُوْنَه وَیُکَذِّبُوْنَهٗ وَیُحَقِّرُوْنَهٗ وَیَشْتُمُوْنَه وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّقْتُلُوْهُ وَیَلْعَنُوْنَهٗ فَعَلَّمَکُمْ هٰذَا الدُّعَآءَ رُحْمًا عَلَیْکُمْ وَاِشَارَةً اِلٰی نَبَاءٍ قَدَّرَهٗ فَقَدْ جَآءَ کُمْ مَّسِیْحُکُمْ فَاِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا فَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ۔

چاہیئے کہ ام الکتاب میں خوب غور کرو کہ کیوں تم کو خدا نے اس سے ڈرایا کہ تم مغضوب علیہم ہو جاؤ۔ جان لو کہ اس میں یہ راز تھا کہ خدا جانتا تھا کہ مسیح ثانی تم میں پیدا ہوگا اور گویا وہ وہی ہوگا اور خدا جانتا تھا کہ ایک گروہ تم میں سے اس کو کافر اور جھوٹا کہے گا اسے گالیاں دیں گے اور حقیر جانیں گے اور اس کے قتل کا ارادہ کریں گے اور اس پر لعنت کریں گے۔ پس اس نے رحم کر کے اور اس خبر کی طرف جو مقدر تھی اشارہ کے لئے یہ دعا تم کو سکھائی۔ پس تمہارا مسیح تمہارے پاس آ گیا اب اگر تم ظلم سے باز نہ آئے تو ضرور پکڑے جاؤ گے۔ (خطبہ الہامیہ۔ ر۔خ جلد 16 صفحہ 190 تا 192)

میں ایک فضل کی طرح اہل حق کے لئے آیا پر مجھ سے ٹھٹھا کیا گیا اور مجھے کافر اور دجّال ٹھہرایا گیا اور بے ایمانوں میں سے مجھے سمجھا گیا۔ اور ضرور تھا کہ ایسا ہی ہوتا تا وہ پیشگوئی پوری ہوتی جو آیت غیر المغضوب علیہم کے اندر مخفی ہے کیونکہ خدا نے منعم علیہم کا وعدہ کر کے اس آیت میں بتا دیا ہے کہ اس امت میں وہ یہودی بھی ہونگے جو یہود کے علماء سے مشابہ ہونگے۔ جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو سولی دینا چاہا اور جنہوں نے عیسیٰؑ کو کافر اور دجال اور ملحد قرار دیا تھا اب سوچو کہ یہ کس بات کی طرف اشارہ تھا اسی بات کی طرف اشارہ تھا کہ مسیح موعود اس امت میں سے آنے والا ہے اس لئے اس کے زمانہ میں یہود کے رنگ کے لوگ بھی پیدا کئے جائیں گے جو اپنے زعم میں علماء کہلائیں گے سو آج تمہارے ملک میں وہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ (تذکرہ الشہادتین۔ ر۔خ جلد 20 صفحہ 65-66)

اَلضَّآلِّیْنَ

معانی ۔اَلضَّآلِّیْنَ

ضالین سے مراد صرف گمراہ نہیں بلکہ وہ عیسائی مراد ہیں جو افراط محبت کی وجہ سے حضرت عیسیٰؑ کی شان میں غلو کرتے ہیں کیونکہ ضلالت کے یہ بھی معنے ہیں کہ افراط محبت سے ایک شخص کو ایسا اختیار کیا جائے کہ دوسرے کا عزت کے ساتھ نام سننے کی بھی برداشت نہ رہے جیسا کہ اس آیت میں بھی یہی معنے مراد ہیں کہ اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ(یوسف:11)۔

(تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ جلد17 صفحہ269 حاشیہ درحاشیہ)

اَلضَّآلِّیْنَ اور دجّال سے مراد عیسائی ہیں۔

بڑی غور طلب بات یہ ہے کہ قرآن شریف نے ابتداء میں بھی ان (عیسائیوں) کا ہی ذکر کیا جیسے کہ وَلَاالضَّآلِّیْنَ پر سورۃ فاتحہ کو ختم کیا اور پھر قرآن شریف کو بھی اسی پر تمام کیا کہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ سے لے کر قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تک غور کرو اور وسط قرآن میں بھی ان کا ہی ذکر کیا اور تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْہُ (سورۃ مریم:91) کہا۔ بتاؤ اس دجّال کا بھی کہیں ذکر کیا جس کا ایک خیالی نقشہ اپنے دلوں میں بنائے بیٹھے ہیں۔ پھر حدیث میں آیا ہے کہ دجّال کیلئے سورۃ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھو اس میں بھی ان کا ہی ذکر ہے۔ اور احادیث میں ریل کا بھی ذکر ہے۔ **غرض جہاں تک غور کیا جاوے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ امر ذہن میں آجاتا ہے کہ دجّال سے مراد یہی نصاریٰ کا گروہ ہے۔**

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 352)

آخری مظہر شیطان کے اسم دجّال کا جو مظہر اتم اور اکمل اور خاتم المظاہر ہے وہ قوم ہے جس کا قرآن کے اول میں بھی ذکر ہے اور قرآن کے آخر میں بھی یعنی وہ ضالین کا فرقہ جس کے ذکر پر سورۃ فاتحہ ختم ہوتی ہے اور پھر قرآن شریف کی آخری تین سورتوں میں بھی اس کا ذکر ہے یعنی سورۃ اخلاص اور سورۃ فلق اور سورۃ ناس میں.........سورۃ فلق میں یہ اشارہ کیا گیا کہ یہ قوم اسلام کے لئے خطرناک ہے۔

(تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ جلد17 صفحہ269 تا272 حاشیہ)

حضرت اقدسؑ کا ذکر قرآن کریم میں وَلَاالضَّآلِّیْنَ کے اعتبار سے

صرف قرآن کا ترجمہ اصل میں مفید نہیں جب تک اس کے ساتھ تفسیر نہ ہو مثلاً غَیْرِالْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَاالضَّآلِّیْنَ۔ کی نسبت کسی کو کیا سمجھ آ سکتا ہے کہ اس سے مراد یہود نصاریٰ ہیں جب تک کہ کھول کر نہ بتلایا جاوے اور پھر یہ دعا مسلمانوں کو کیوں سکھلائی گئی۔ **اس کا یہی منشا تھا کہ جیسے یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کا انکار کر کے خدا کا غضب کمایا۔ ایسے ہی آخری زمانہ میں اس امت نے بھی مسیح موعود کا انکار کر کے خدا کا غضب کمانا تھا۔ اسی لئے اول ہی ان کو بطور پیشگوئی کے اطلاع دی گئی کہ سعید روحیں اس وقت غضب سے بچ سکیں۔**

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 449)

المغضوب علیھم سے وہ علماء یہودی مراد ہیں جنہوں نے شدت عداوت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ کی نسبت یہ بھی روا نہ رکھا کہ ان کو مومن قرار دیا جائے بلکہ کافر کہا اور واجب القتل قرار دیا اور مغضوب علیہ وہ شدید الغضب انسان ہوتا ہے جس کے غضب کے غلو پر دوسرے کو غضب آوے اور یہ دونوں لفظ باہم مقابل واقع ہیں یعنی ضالین وہ ہیں جنہوں نے افراط محبت سے حضرت عیسیٰ کو خدا بنایا اور المغضوب علیہم وہ یہودی ہیں جنہوں نے خدا کے مسیح کو افراط عداوت سے کافر قرار دیا اس لئے مسلمانوں کو سورۃ فاتحہ میں ڈرایا گیا اور اشارہ کیا گیا کہ تمہیں یہ دونوں امتحان پیش آئیں گے مسیح موعود آئے گا اور پہلے مسیح کی طرح اس کی بھی تکفیر کی جائیگی اور ضالین یعنی عیسائیوں کا غلبہ بھی کمال کو پہنچ جائے گا جو حضرت عیسیٰ کو خدا کہتے ہیں تم ان دونوں فتنوں سے اپنے تئیں بچاؤ اور بچنے کے لئے نمازوں میں دعائیں کرتے رہو۔ (تحفہ گولڑیہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 269 حاشیہ در حاشیہ)

اُمّتِ احمدؐ نہاں دارد ، دو ضد را در وجُود ے تُوانَد شُد مسیحا،ے تُوانَد شُد یہُود

احمدؐ کی اُمّت اپنے وجود میں دو مخالف باتیں مخفی رکھتی ہے۔ (اُس کا فرد) مسیح بھی بن سکتا ہے اور یہودی بھی

زُمرۂ زیشاں، ہمہ بدطینتاں را جائے ننگ زُمرۂ دیگر، بجائے انبیاء دارد قعُود

ایک گروہ تو بدفطرت انسانوں کے لئے بھی جائے ننگ و عار ہے۔ اور دوسرا گروہ انبیاء کا جانشین ہے

(درثمین فارسی مترجم حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ صفحہ 151) (ازالہ اوہام حصہ دوم۔ ر۔خ جلد 3 صفحہ 512)

غیر المغضوب علیھم و لا الضالین میں ایک تعلیم ہے

کتاب اللہ کو کھول کر دیکھو وہ فیصلہ کرتی ہے؟ پہلی ہی سورۃ کو پڑھو جو سورۃ فاتحہ ہے جس کے بغیر نماز بھی نہیں ہوسکتی دیکھو اس میں کیا تعلیم دی ہے اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَلَاالضَّآلِّیۡنَ۔

اب صاف ظاہر ہے کہ اس دعا میں مغضوب اور ضالین کی راہ سے بچنے کی دعا ہے۔ مغضوب سے بالاتفاق یہودی مراد ہیں اور ضالین سے عیسائی۔ اگر اس امت میں یہ فتنہ اور فساد پیدا نہ ہونے والا تھا تو پھر اس دعا کی تعلیم کی کیا غرض تھی؟ سب سے بڑا فتنہ تو اَلدَّجَّال کا تھا مگر یہ نہیں کہا وَلَاالدَّجَّال کیا خدا تعالیٰ کو اس فتنہ کی خبر نہ تھی؟ اصل یہ ہے کہ یہ دعا بڑی پیشگوئی اپنے اندر رکھتی ہے ایک وقت امت پر ایسا آنے والا تھا کہ یہودیت کا رنگ اس میں آجاویگا اور یہودی وہ قوم تھی جس نے حضرت مسیح کا انکار کیا تھا۔ پس یہاں جو فرمایا کہ یہودی سے بچنے کی دعا کرو۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ تم بھی یہودی نہ بن جانا یعنی مسیح موعود کا انکار نہ کر بیٹھنا۔.......................

اور ضالین یعنی نصاریٰ کی راہ سے بچنے کی دعا جو تعلیم کی تو اس سے معلوم ہوا کہ اُس وقت صلیبی فتنہ خطرناک ہوگا اور یہی سب فتنوں کی جڑ اور ماں ہوگا دجال کا فتنہ اس سے الگ نہ ہوگا۔ ورنہ اگر الگ ہوتا تو ضرور تھا کہ اس کا بھی نام لیا جاتا۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 382)

اللہ تعالیٰ نے ہم کو سورۃ فاتحہ میں یہ دعا سکھائی۔ کہ اے خدا نہ تو ہمیں مغضوب علیہم میں سے بنائیو اور نہ ضالین میں سے۔ اب سوچنے کا مقام ہے کہ ان ہر دو کا مرجع حضرت عیسیٰ ہی ہیں مغضوب علیہ وہ قوم ہے جس نے حضرت عیسیٰ کے ساتھ عداوت کرنے اور ان کو ہر طرح سے دکھ دینے میں غلوّ کیا اور ضالین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اُن کے ساتھ محبت کرنے میں غلو کیا اور خدائی صفات اُن کو دیدیئے۔ صرف ان دونو کی حالت سے بچنے کے واسطے ہم کو دعا سکھلائی گئی ہے اگر دجّال ان کے علاوہ کوئی اور ہوتا۔ تو یہ دعا اس طرح سے ہوتی کہ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَلَا الدَّجَّال۔ **یہ ایک پیشگوئی ہے جو کہ اس زمانہ کے ہر دو قسم کے شر سے آگاہ کرنے کے واسطے مسلمانوں کو پہلے سے خبردار کرتی ہے۔** یہ عیسائیوں کے مشن ہی ہیں جو کہ اس زمانہ میں ناخنوں تک زور لگا رہے ہیں کہ اسلام کو سطح دنیا سے نابود کر دیں اسلام کے واسطے یہ سخت مضر ہو رہے ہیں۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 57-58)

قرآن شریف سے مستنبط ہوتا ہے کہ اس امت پر دو زمانے بہت خوفناک آئیں گے ایک وہ زمانہ جو ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آیا اور دوسرا وہ زمانہ جو دجالی فتنہ کا زمانہ ہے جو مسیح کے عہد میں آنیوالا تھا جس سے پناہ مانگنے کے لئے اس آیت میں اشارہ ہے غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ اور اسی زمانہ کے لئے یہ پیشگوئی سورۃ نور میں موجود ہے وَلَیُبَدِّلَنَّھُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِھِمۡ اَمۡنًا۔(النور:56) اس آیت کے معنے پہلی آیت کے ساتھ ملا کر یہ ہیں کہ **خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دین پر آخری زمانہ میں ایک زلزلہ آئے گا اور خوف پیدا ہو جائیگا کہ یہ دین ساری زمین پر سے گم نہ ہو جائے۔ تب خدا تعالیٰ دوبارہ اس دین کو روئے زمین پر متمکن کر دے گا اور خوف کے بعد امن بخش دیگا۔** (لیکچر لاہور۔ ر۔خ جلد 20 صفحہ 187)

معانی ’’مغضوب‘‘ اور ’’ضال‘‘ حدیثِ رسولِ اکرمؐ کے مطابق

بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ سورۃ فاتحہ میں اَلۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ سے مراد یہود اور الضَّآلِّیۡنَ سے مراد نصاریٰ ہیں۔ (دیکھو کتاب درمنثور صفحہ نمبر 9)۔ اور عبدالرزاق اور احمد نے اپنی مسند میں اور عبدابن حمید اور ابن جریر اور بغوی نے معجم الصحابہ میں اور ابن منذر اور ابوالشیخ نے عبداللہ بن شقیق سے روایت کی ہے۔ قَالَ اَخۡبَرَنِیۡ مَنۡ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ بِوَادِیۡ الۡقُرٰی عَلٰی فَرَسٍ لَّہٗ وَسَالَہٗ رَجُلٌ مِّنۡ بَنِیۡ الۡعَیۡنِ فَقَالَ مَنِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ یَارَسُوۡلُ اللّٰہِ۔ قَالَ الۡیَھُوۡدُ۔ قَالَ فَمَنِ الضَّآلُّوۡنَ قَالَ النَّصَارٰی۔ **یعنی کہا کہ مجھے اس شخص نے خبر دی ہے جس نے آنحضرت ﷺ سے سنا تھا جب کہ آپ وادی قُریٰ میں گھوڑے پر سوار تھے کہ بنی عین میں سے ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ سورۃ فاتحہ میں مغضوب علیہم سے کون مراد ہے فرمایا کہ یہود پھر سوال کیا کہ ضالین سے کون مراد ہے فرمایا کہ نصاریٰ۔** (درمنثور صفحہ 17)

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 حاشیہ صفحہ 229)

تفسیر ’’مغضو ب علیھم‘‘اور’’ضالین‘‘حضرت اقدسؑ کےفرمودات کے مطابق

اَلْـمَـغْضُوْبِ عَلَيْہِمْ سے وہ علماء یہودی مراد ہیں جنہوں نے شدت عداوت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ کی نسبت یہ بھی روا نہ رکھا کہ اُن کو مومن قرار دیا جائے بلکہ کافر کہا اور واجب القتل قرار دیا اور مغضوب علیہ وہ شدید الغضب انسان ہوتا ہے جس کے غضب کے غلو پر دوسرے کو غضب آوے اور یہ دونوں لفظ باہم مقابل واقع ہیں یعنی ضالین وہ ہیں جنہوں نے افراط محبت سے حضرت عیسیٰ کو خدا بنایا اور اَلْـمَـغْـضُـوْبِ عَلَيْہِمْ وہ یہودی ہیں جنہوں نے خدا کے مسیح کو افراط عداوت سے کافر قرار دیا اس لئے مسلمانوں کو سورۃ فاتحہ میں ڈرایا گیا اور اشارہ کیا گیا کہ تمہیں یہ دونوں امتحان پیش آئیں گے مسیح موعود آئے گا اور پہلے مسیح کی طرح اس کی بھی تکفیر کی جائیگی اور ضالین یعنی عیسائیوں کا غلبہ بھی کمال کو پہنچ جائے گا جو حضرت عیسیٰ کو خدا کہتے ہیں تم ان دونوں فتنوں سے اپنے تئیں بچاؤ اور بچنے کے لئے نمازوں میں دعائیں کرتے رہو۔ (تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ جلد 17 صفحہ 269 حاشیہ درحاشیہ)

سورۃ فاتحہ میں صِـرَاطَ الَّـذِيْـنَ اَنْـعَـمْـتَ عَلَيْہِمْ کہہ کر مسیح موعود کی پیشگوئی فرمائی۔اور پھر اس سورۃ میں مغضوبؔ اور ضالینؔ دو گروہوں کا ذکر کر کے یہ بھی بتا دیا کہ جب مسیح موعود آئے گا تو اس وقت ایک قوم مخالفت کرنے والی ہوگی جو مغضوب قوم یہودیوں کے نقش قدم پر چلے گی اور ضالین میں یہ اشارہ کیا کہ قتل دجال اور کسر صلیب کے لئے آئے گا۔کیونکہ مغضوب سے یہود اور ضالینؔ سے نصاریٰ بالاتفاق مراد ہیں۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 32)

ضالین پر اس سورۃ کو ختم کیا ہے یعنی ساتویں آیت پر جو ضالین کے لفظ پر ختم ہوتی ہے۔یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ضالین پر قیامت آئے گی۔یہ سورۃ درحقیقت بڑے دقائق اور حقائق کی جامع ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں اور اس سورۃ کی یہ دعا کہ اِھْدِنَـا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِـرَاطَ الَّـذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْہِمْ غَيْرِا لْمَغْضُوْبِ عَلَيْہِمْ وَلَاالضَّآلِّيْنَ یہ صاف اشارہ کر رہی ہے کہ اس امت کے لئے ایک آنے والے گروہ مغضوب علیہم کے ظہور سے اور دوسرے گروہ ضالین کے غلبہ کے زمانے میں ایک سخت ابتلاء در پیش ہے جس سے بچنے کے لئے پانچ وقت دعا کرنی چاہیئے اور یہ دعا سورۃ فاتحہ کی اس طور پر سکھائی گئی کہ پہلے الحمدللہ سے مالک یوم الدین تک خدا کے محامد اور صفات جمالیہ اور جلالیہ ظاہر فرمائے گئے تا دل بول اٹھے کہ وہی معبود ہے چنانچہ انسانی فطرت نے ان پاک صفات کا دلدادہ ہو کر اِيَّـاكَ نَـعْـبُدُ کا اقرار کیا اور پھر اپنی کمزوری کو دیکھا تو اِيَّـاكَ نَسْتَـعِيْـنُ کہنا پڑا اور پھر خدا سے مدد پا کر یہ دعا کی جو جمیع اقسام شر سے بچنے کے لئے اور جمیع اقسام خیر کو جمع کرنے کے لئے کافی ووافی ہے یعنی یہ دعا کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْہِمْ غَيْرِا لْمَغْضُوْبِ عَلَيْہِمْ وَلَاالضَّآلِّيْنَ۔اٰمین۔ (تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ جلد 17 صفحہ 284۔285 حاشیہ)

غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَلَاالضَّآلِیۡنَ دعا کے اعتبار سے حضرت اقدسؑ کا ذکر

یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ سورۃ فاتحہ میں صرف دو فتنوں سے بچنے کے لئے دعا سکھلائی گئی ہے۔(1)اول یہ فتنہ کہ اسلام کے مسیح موعود کو کافر قرار دینا۔اس کی توہین کرنا۔اس کی ذاتیات میں نقص نکالنے کی کوشش کرنا۔اس کے قتل کا فتویٰ دینا۔جیسا کہ آیت غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ میں انہی باتوں کی طرف اشارہ ہے(2)دوسرے نصاریٰ کے فتنے سے بچنے کے لئے دعا سکھلائی گئی اور سورۃ کو اسی کے ذکر پر ختم کرکے اشارہ کیا گیا ہے کہ فتنہ نصاریٰ ایک سیل عظیم کی طرح ہوگا اس سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں۔

(تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ جلد17صفحہ212)

پس دعا کے رنگ میں یہ ایک پیشگوئی ہے جو دو خبر پر مشتمل ہے۔ایک یہ کہ اس امت میں بھی ایک مسیح موعود پیدا ہوگا۔اور دوسری یہ پیشگوئی ہے کہ بعض لوگ اس امت میں سے بھی اس کی تکفیر اور توہین کریں گے اور وہ لوگ مورد غضب الٰہی ہوں گے اور اس وقت کا نشان یہ ہے کہ فتنہ نصاریٰ بھی ان دنوں حد سے بڑھا ہوا ہوگا جن کا نام ضالین ہے اور ضالین پر بھی یعنی عیسائیوں پر بھی اگرچہ خدا تعالیٰ کا غضب ہے کہ وہ خدا کے حکم کے شنوا نہیں ہوئے مگر اس غضب کے آثار قیامت کو ظاہر ہوں گے اور اس جگہ مغضوب علیہم سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر بوجہ تکفیر و توہین و ایذا ارادہ قتل مسیح موعود کے دنیا میں ہی غضب الٰہی نازل ہوگا یہ میرے جانی دشمنوں کے لئے قرآن کی پیشگوئی ہے۔

(تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ جلد17صفحہ213)

یہ جو اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں فرمایا ہے کہ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَلَاالضَّآلِیۡنَ ۔اِس میں ہم نے غور کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ آنے والے شخص میں دو قسم کی صفات کی ضرورت ہے۔اول تو عیسوی صفات اور دوم محمدی صفات کی کیونکہ مغضوب علیہم سے مراد یہود اور الضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔جب یہود نے شرارت کی تھی تو حضرت عیسیٰؑ ان کے واسطے آئے تھے جب نصاریٰ کی شرارت زیادہ بڑھ گئی تو آنحضرت ﷺ تشریف آور ہوئے تھے اور یہاں خدا تعالیٰ نے دونوں کا فتنہ جمع کیا اندرونی یہود اور بیرونی نصاریٰ جن کے لئے آنے والا بھی آنحضرت ﷺ کا کامل بروز اور حضرت عیسیٰؑ کا پورا نقشہ ہونا چاہئے تھا۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ296)

چونکہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ آخری زمانہ میں اِسی اُمت میں سے مسیح موعود آئے گا۔اور بعض یہودی صفت مسلمانوں میں سے اس کو کافر قرار دیں گے اور اس کو قتل کے درپے ہوں گے اور اس کی سخت توہین و تکفیر کریں گے اور نیز جانتا تھا کہ اس زمانہ میں تثلیث کا مذہب ترقی پر ہوگا اور بہت سے بدقسمت انسان عیسائی ہو جائیں گے اس لئے اس نے مسلمانوں کو یہ دعا سکھلائی اور اِس دعا میں مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ کا جو لفظ ہے وہ بلند آواز سے کہہ رہا ہے کہ وہ لوگ جو اِسلامی مسیح کی مخالفت کریں گے وہ بھی خدا تعالیٰ کی نظر میں مغضوب علیہم ہوں گے جیسا کہ اسرائیلی مسیح موعود کے مخالفت مغضوب علیہم تھے۔ (نزول المسیح۔ر۔خ جلد18صفحہ419)

غرض اس دعا میں غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ کا فقرہ مسلمانوں کے ایک گروہ کی اس حالت کا پتہ دیتا ہے، جو وہ مسیح موعود کے مقابل مخالفت اختیار کرے گا اور ایسا ہی اَلضَّآلِّیْن سے مسیح موعود کے زمانہ کا پتہ لگتا ہے کہ اس وقت صلیبی فتنہ کا زور اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچ جائے گا۔ اس وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے جو سلسلہ قائم کیا جائیگا وہ مسیح موعود ہی کا سلسلہ ہوگا اور اسی لئے احادیث میں مسیح موعود کا نام خدا تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی معرفت کاسر الصّلیب رکھا ہے۔ کیونکہ یہ سچی بات ہے کہ ہر ایک مجدّد فتن موجودہ کی اصلاح کے لئے آتا ہے۔ اب اس وقت خدا کے لیے سوچو، تو کیا معلوم نہ ہوگا کہ صلیبی نجات کی تائید میں قلم اور زبان سے وہ کام لیا گیا ہے کہ صفحاتِ عالم کو ٹٹولا جائے تو باطل پرستی کی تائید میں یہ سرگرمی اور زمانہ میں ثابت نہ ہوگی اور جبکہ صلیبی فتنہ کے حامیوں کی تحریریں اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچ چکی ہیں اور توحید حقیقی اور نبی کریم ﷺ کی عِفّت عزّت اور حقانیت اور کتاب اللہ کے منجانب اللہ ہونے پر ظلم اور زور کی راہ سے حملے کئے گئے ہیں، تو کیا اللہ تعالیٰ کی غیرت کا تقاضہ نہیں ہونا چاہیئے کہ اُس کاسر الصّلیب کو نازل کرے؟ کیا خدا تعالیٰ اپنے وعدہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (الحجر:10) کو بھول گیا؟ یقیناً یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں اُس نے اپنے وعدہ کے موافق دنیا میں ایک نذیر بھیجا ہے۔ دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا۔ مگر خدا تعالیٰ اس کو ضرور قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی کو ظاہر کرے گا۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ میں خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق مسیح موعود ہو کر آیا ہوں۔ چاہو تو قبول کرو چاہو تو رَدّ کرو۔

مگر تمہارے رَدّ کرنے سے کچھ نہ ہوگا، خدا تعالیٰ نے جو ارادہ فرمایا ہے، وہ ہو کر رہے گا کیونکہ خدا تعالیٰ نے پہلے سے براہین میں فرما دیا ہے۔ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 133)

اور یہ دعا جس وقت اکٹھی پڑھی جاتی ہے یعنی اس طرح پر کہا جاتا ہے کہ اے خدا ہمیں منعم علیہم میں داخل کر اور مغضوب علیہم اور ضالین سے بچا تو اس وقت صاف سمجھ میں آتا ہے کہ خدا کے علم میں منعم علیہم میں سے ایک وہ فریق ہے جو مغضوب علیہم اور ضالین کا ہم عصر ہے اور جب کہ مغضوب علیہم سے مراد اسی سورۃ میں بالیقین وہ لوگ ہیں جو مسیح موعود سے انکار کرنے والے اور اس کی تکفیر اور تکذیب اور توہین کرنے والے ہیں تو بلاشبہ ان کے مقابل پر منعم علیہم سے وہی لوگ اس جگہ مراد رکھے گئے ہیں جو صدق دل سے مسیح موعود پر ایمان لانے والے اور اس کی دل سے تعظیم کرنے والے اور اس کے انصار ہیں اور دنیا کے سامنے اس کی گواہی دیتے ہیں رہے ضالین۔ پس جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں آنحضرت ﷺ کی شہادت اور تمام اکابر اسلام کی شہادت سے ضالین سے مراد عیسائی ہیں۔

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 228۔229)

الدَّجّال سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں

کتاب اللہ کو کھول کر دیکھو وہ فیصلہ کرتی ہے؟ پہلی ہی سورۃ کو پڑھو جو سورۃ فاتحہ ہے جس کے بغیر نماز بھی نہیں ہو سکتی دیکھو اس میں کیا تعلیم دی ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِالْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَاالضَّآلِّیْنَ۔

اب صاف ظاہر ہے کہ اس دعا میں مغضوب اور ضالین کی راہ سے بچنے کی دعا ہے۔ مغضوب سے بالاتفاق یہودی مراد ہیں اور ضالین سے عیسائی۔ اگر اس اُمت میں یہ فتنہ اور فساد نہ پیدا ہونے والا تھا تو پھر اس دعا کی تعلیم کی کیا غرض تھی؟ سب سے بڑا فتنہ تو اَلدَّجَّال کا تھا مگر یہ نہیں کہا کہ وَلَا الدَّجَّال کیا خدا تعالیٰ کو اس فتنہ کی خبر نہ تھی؟ اصل یہ ہے کہ یہ دعا بڑی پیشگوئی اپنے اندر رکھتی ہے ایک وقت امت پر ایسا آنے والا تھا کہ یہودیت کا رنگ اس میں آجاوے گا اور یہودی وہ قوم تھی جس نے حضرت مسیح کا انکار کیا تھا پس یہاں جو فرمایا کہ یہودیوں سے بچنے کی دعا کرو۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ تم بھی یہودی نہ بن جانا یعنی مسیح موعود کا انکار نہ کر بیٹھنا۔

اور ضالین یعنی نصاریٰ کی راہ سے بچنے کی دعا جو تعلیم کی تو اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت صلیبی فتنہ خطرناک ہوگا۔ اور یہی سب فتنوں کی جڑ اور ماں ہوگا دجال کا فتنہ اس سے الگ نہ ہوگا۔ ورنہ اگر الگ ہوتا تو ضرور تھا کہ اس کا بھی نام لیا جاتا۔ (الحکم 21 فروری 1903ء صفحہ 2) (تفسیر حضرت اقدس سورۃ فاتحہ جلد 1 صفحہ 321)

اللہ تعالیٰ نے ہم کو سورۃ فاتحہ میں یہ دعا سکھائی۔ کہ اے خدا نہ تو ہمیں مغضوب علیہم میں سے بنائیو اور نہ ضالین میں سے۔ اب سوچنے کا مقام ہے کہ ان ہر دو کا مرجع حضرت عیسیٰ ہی ہیں مغضوب علیہم وہ قوم ہے جس نے حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ عداوت کرنے اور ان کو ہر طرح سے دکھ دینے میں غلو کیا اور ضالین وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کے ساتھ محبت کرنے میں غلو کیا اور خدائی صفات ان کو دے دیئے۔ صرف ان دونو کی حالت سے بچنے کے واسطے ہم کو دعا سکھلائی گئی ہے **اگر دجال ان کے علاوہ کوئی اور ہوتا۔ تو یہ دعا اس طرح سے ہوتی کہ** غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الدَّجَّال ۔ یہ ایک پیشگوئی ہے جو کہ اس زمانہ کے ہر دو قسم کے شر سے آگاہ کرنے کے واسطے مسلمانوں کو پہلے سے خبردار کرتی ہے۔ یہ عیسائیوں کے مشن ہی ہیں جو کہ اس زمانہ میں ناخنوں تک زور لگا رہے ہیں کہ اسلام کو سطح دنیا سے نابود کردیں اسلام کے واسطے یہ سخت مضر ہو رہے ہیں۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 58`57)

قرآن شریف سے مستنبط ہوتا ہے کہ اس امت پر دو زمانے بہت خوفناک آئیں گے ایک وہ زمانہ جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آیا اور دوسرا وہ زمانہ جو دجالی فتنہ کا زمانہ ہے جو مسیح کے عہد میں آنیوالا تھا جس سے پناہ مانگنے کے لئے اس آیت میں اشارہ ہے غَیْرِالْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَاالضَّآلِّیْنَ اور اسی زمانہ کے لئے یہ پیشگوئی سورۃ نور میں موجود ہے۔ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا۔ (56) اس آیت کے معانی پہلی آیت کیساتھ ملا کر یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس دین پر آخری زمانہ میں ایک زلزلہ آئے گا اور خوف پیدا ہو جائے گا کہ یہ دین ساری زمین پر سے گم نہ ہو جائے۔ تب خدا تعالیٰ دوبارہ اس دین کو روئے زمین پر متمکن کر دے گا اور خوف کے بعد امن بخش دے گا۔ (لیکچر لاہور۔ ر۔ خ جلد 20 صفحہ 187)

سورۃ الفاتحہ کا مقصود اعلیٰ مسیح موعود اور ان کی جماعت کی ترقی کی خبر ہے

سورۃ فاتحہ میں ایک مخفی پیشگوئی موجود ہے اور وہ یہ کہ جس طرح یہودی لوگ حضرت عیسیٰؑ کو کافر اور دجال کہہ کر مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ بن گئے بعض مسلمان بھی ایسے ہی بنیں گے۔ اسی لئے نیک لوگوں کو یہ دعا سکھلائی گئی کہ وہ منعم علیہم میں سے حصہ لیں اور مغضوب علیہم نہ بنیں **سورۃ فاتحہ کا اعلیٰ مقصود مسیح موعود اور اس کی جماعت اور اسلامی یہودی اور اُن کی جماعت اور ضالین یعنی عیسائیوں کے زمانہ ترقی کی خبر ہے سو کس قدر خوشی کی بات ہے کہ وہ باتیں آج پوری ہوئیں۔** (نزول المسیح۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 414، 415)

قرآن نے اپنے اول میں بھی مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ (الفاتحہ) اور ضَآ لِّیۡنَ (الفاتحہ) کا ذکر فرمایا ہے اور اپنے آخر میں بھی جیسا کہ آیت لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ بصراحت اس پر دلالت کر رہی ہے اور یہ تمام اہتمام تاکید کے لئے کیا گیا اور نیز اس لئے کہ تا مسیح موعود اور غلبہ نصرانیت کی پیشگوئی نظری نہ رہے اور آفتاب کی طرح چمک اٹھے۔ (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 222)

حضرت اقدسؑ کا ذکر قرآن کریم کے اوّل و آخر میں

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آیت تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ جو قرآن شریف کے آخر میں ہے، آیت مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ کی ایک شرح ہے جو قرآن شریف کے اول میں ہے کیونکہ قرآن شریف کے بعض حصے بعض کی تشریح ہیں۔ پھر اس کے بعد جو سورۃ فاتحہ میں وَلَا الضَّآ لِّیۡنَ ہے اس کے مقابل پر اور اس کی تشریح میں سورۃ تَبَّتۡ کے بعد سورۃ اخلاص ہے میں بیان کر چکا ہوں کہ سورۃ فاتحہ میں تین دعائیں سکھلائی گئی ہیں (1) ایک یہ دعا کہ خدا تعالیٰ اُس جماعت میں داخل رکھے جو صحابہ کی جماعت ہے اور پھر اس کے بعد اس جماعت میں داخل رکھے جو مسیح موعود کی جماعت ہے جن کی نسبت قرآن شریف فرماتا ہے۔ وَّاٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ (الجمعة: 4) غرض اسلام میں یہی دو جماعتیں منعم علیہم کی جماعتیں ہیں اور انہی کی طرف اشارہ ہے آیت صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ میں کیونکہ تمام قرآن پڑھ کر دیکھو جماعتیں دو ہی ہیں۔ ایک صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت۔ دوسری وَاٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ کی جماعت جو صحابہ کے رنگ میں ہے اور وہ مسیح موعود کی جماعت ہے۔ پس جب تم نماز میں یا خارج نماز کے یہ دعا پڑھو کہ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ تو دل میں یہی ملحوظ رکھو کہ میں صحابہ اور مسیح موعود کی جماعت کی راہ طلب کرتا ہوں۔ یہ تو سورۃ فاتحہ کی پہلی دعا

ہے۔(2) دوسری دعا غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ ہے جس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسیح موعود کو دکھ دیں گے اور اس دعا کے مقابل پر قرآن شریف کے اخیر میں سورۃ تَبَّتۡ یَدَآ اَبِیۡ لَہَبٍ ہے (3) تیسری دعا وَلَا الضَّآلِّیۡنَ ہے۔ اور اس کے مقابل پر قرآن شریف کے اخیر میں سورۃ اخلاص ہے یعنی قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اللّٰہُ الصَّمَدُ لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ اور اس کے بعد دو اور سورتیں جو ہیں یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس یہ دونوں سورتیں سورۃ تبت اور سورۃ اخلاص کے لئے بطور شرح کے ہیں اور ان دونوں سورتوں میں اس تاریک زمانہ سے خدا کی پناہ مانگی گئی ہے جب کہ لوگ خدا کے مسیح کو دکھ دیں گے اور جب کہ عیسائیت کی ضلالت تمام دنیا میں پھیلے گی۔ **پس سورۃ فاتحہ میں ان تینوں دعاؤں کی تعلیم بطور براعت الاستہلال ہے یعنی وہ اہم مقصد جو قرآن میں مفصل بیان کیا گیا ہے سورۃ فاتحہ میں بطور اجمال اس کا افتتاح کیا ہے اور پھر سورۃ تبت اور سورۃ اخلاص اور سورۃ فلق اور سورۃ الناس میں ختم قرآن کے وقت میں انہی دونوں بلاؤں سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے پس افتتاح کتاب اللہ بھی انہی دونوں دعاؤں سے ہوا اور پھر اختتام کتاب اللہ بھی انہی دونوں دعاؤں پر کیا گیا۔**

اور یاد رہے کہ ان دونوں فتنوں کا قرآن شریف میں مفصل بیان ہے اور سورۃ فاتحہ اور آخری سورتوں میں اجمالاً ذکر ہے۔ مثلاً سورۃ فاتحہ میں دعا ولا الضالین میں صرف دو لفظ میں سمجھایا گیا ہے کہ عیسائیت کے فتنہ سے بچنے کے لئے دعا مانگتے رہو جس سے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی فتنہ عظیم الشان درپیش ہے جس کے لئے یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ نماز کے پنج وقت میں یہ دعا شامل کر دی گئی اور یہاں تک تاکید کی گئی کہ اس کے بغیر نماز ہو نہیں سکتی جیسا کہ حدیث لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِالۡفَاتِحَۃِ سے ظاہر ہوتا ہے۔ (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 217-219)

تیسری فصل — حضرت اقدسؑ کا ذکر متفرق آیاتِ قرآنیہ میں باری تعالیٰ کے اسم آخر کے مظہر ہونے کے اعتبار سے

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (الحدید : 4)

وَاِنَّ الْمَسِيْحَ مَظْهَرٌ لِاِ سْمِ اللّٰهِ الَّذِىْ هُوَ خَاتَمُ سِلْسَلَةِالْمَخْلُوْ قَاتِ. اَعْنِى الْاٰ خِرَ الَّذِىْ اُشِيْرَ اِلَيْهِ فِىْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى هُوَ الْاٰخِرُ لِمَا هُوَ عَلَا مَةُلِمُنْتَهَى الْكَائِنَاتِ. فَلِاَ جْلِ ذَالِكَ اِقْتَضَتْ نَفْسُ الْمَسِيْحِ خَتَمَ سِلْسَلَةِالْكَثْرَ ةِ بِالْمَمَاتِ.اَوْ بِرَدِّ الْمَذَاهِبِ اِلٰى دِيْنٍ فِيْهِ مَوْ تُ النُّفُوْسِ مِنَ الْاَهْوَاءِ وَالْاِرَادَاتِ.وَالْاِسْلَا كِ عَلَى الشَّرِ يْعَةِ الْفِطْرِ يَّةِ الَّتِىْ تَجْرِ ىْ تَحْتَ الْمَصَالِحِ الْاِ لٰهِيَّةِ وَتَخْلِيْصِ النَّاسِ مِنْ مَيْلِ النَّفْسِ بِهَوَاهَا اِلَى الْعَفْوِ وَالْاِنْتِقَامِ وَالْمُحَبَّةِوَ الْمُعَادَاتِ.

ترجمہ ازمرتب:۔ **یقیناً مسیح جو سلسلہ مخلوقات کا خاتم ہے وہ اللہ کے اِسم آخر کا مظہر ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے قول ھُوَ الْاٰخِرُ میں اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ وہ کائنات کی انتہاء کی علامت ہے** اس لئے نفسِ مسیح نے کثرت کے سلسلہ کو موت کے ذریعہ ختم کرنے کا تقاضا کیا یا مذہب کو ایسے دین کی طرف لوٹا دینے کے ساتھ جس میں نفس کو ارادوں اور شہوات سے مار دینے کی تعلیم دیتا ہے اور ایسی فطری شریعت پر چلنے کی تعلیم ہے جو مصالح الٰہیّہ کے ماتحت چلتی ہے اور جس میں لوگوں کے نفوس کو ان کی خواہشات کے مطابق عفو، انتقام، محبت اور دشمنی کی طرف مائل ہونے سے نجات دلانے کا سامان ہے۔ (خطبہ الہامیہ۔ر۔خ جلد16 صفحہ308)

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ایک انسان خدا کی اولیت کا مظہر تھا اور ایک انسان خدا کی آخریت کا مظہر ہوگا اور لازم تھا کہ دونو انسان ایک صفت میں بر عایت خصوصیات متحد ہوں۔ پس جبکہ آدم نر اور مادہ پیدا کیا گیا اور ایسا ہی شیث کو بھی۔تو چاہیئے تھا کہ آخری انسان بھی نر اور مادہ کی شکل پر پیدا ہو اس لئے قرآن کے حکم کے رو سے وہ وعدہ کا خلیفہ اور خاتم الخلفاء جس کو دوسرے لفظوں میں مسیح موعود کہنا چاہئے اسی طور سے پیدا ہونا ضروری تھا کہ وہ توام کی طرح تولد پاوے اس طرح سے کہ پہلے اس سے لڑکی نکلے اور بعد اس کے لڑکا خارج ہو تا وہ خاتم الولد ہو۔

(تریاق القلوب۔ر۔خ۔جلد15 صفحہ485`484)

پیکرم شد پیکرِ یارِ ازل — کارِ من شد کارِ دلدارِ ازل

میرا وجود اس یارِ ازلی کا وجود بن گیا اور میرا کام اس دلدار قدیم کا کام ہو گیا۔

بسکہ جانم شد نہاں در یارِ من — بوئے یار آمد ازیں گلزارِ من

چونکہ مری جان میرے یار کے اندر مخفی ہو گئی اس لئے یار کی خوشبو میرے گلزار سے آنے لگی۔

نورِ حق داریم زیرِ چادرے — از گریبانم بر آمد دلبرے

ہماری چادر کے اندر خدا کا نور ہے۔ وہ دلبر میرے گریبان میں سے نکلا۔

احمدِ آخر زماں نام من است — آخریں جامے ہمیں جامِ من است

احمد آخر زماں میرا نام ہے اور میرا جام ہی (دنیا کے لئے) آخری جام ہے۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ239) (سراج منیر۔ر۔خ جلد12 صفحہ101)

دواحمد ہونے کے اعتبار سے

وَھُوَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَ الْاٰخِرَۃِ
وَ لَہُ الْحُکْمُ وَ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ۔ (القصص: 71)

فَاَوْمٰی فِیْہِ اِلٰی اَحْمَدَیْنِ وَ جَعَلَھُمَا مِنْ نُعَمَائِہِ الْکَاثِرَۃِ۔ فَالْاَوَّلُ مِنْھُمَا اَحْمَدُ الْمُصْطَفٰی وَ رَسُوْلُنَا الْمُجْتَبٰی۔ وَ الثَّانِیُّ اَحْمَدُ اٰخِرُ الزَّمَانِ الَّذِیْ سُمِّیَ مَسِیْحًا وَ مَھْدِیًّا مِّنَ اللّٰہِ الْمَنَّانِ۔ وَقَدِ اسْتُنْبِطَتْ ھٰذِہِ النُّکْتَۃُ مِنْ قَوْلِہٖ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ فَلْیَتَدَبَّرْ مَنْ کَانَ مِنَ الْمُتَدَبِّرِیْنَ۔

(اعجاز المسیح ۔ر۔خ جلد18 صفحہ139)

(ترجمہ از مرتب) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دو احمدوں کا ذکر فرما کر ہر دو کو اپنی بے پایاں نعمتوں میں شمار کیا ہے۔ ان میں سے پہلے احمد تو ہمارے نبی احمد مصطفٰے اور رسول مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرا احمد احمدِ آخر الزمان ہے جس کا نام محسن خدا کی طرف سے مسیح اور مہدی بھی رکھا گیا ہے۔ یہ نکتہ میں نے خدا تعالیٰ کے قول اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ سے اخذ کیا ہے۔ پس ہر غور وفکر کرنے والے کو غور کرنا چاہئے۔

فَحَاصِلُ ھٰذَا الْبَیَانِ اَنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اَحْمَدَیْنِ فِیْ صَدْرِ الْاِسْلَامِ وَ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ۔ وَ اَشَارَ اِلَیْھِمَا بِتَکْرَارِ لَفْظِ اَلْحَمْدَ فِیْ اَوَّلِ الْفَاتِحَۃِ وَ فِیْ اٰخِرِھَا لِاَھْلِ الْعِرْفَانِ وَ فَعَلَ کَذَالِکَ لِیَرُدَّ عَلَی النَّصْرَانِیِّیْنَ۔ وَ اَنْزَلَ اَحْمَدَیْنِ مِنَ السَّمَاءِ لِیَکُوْنَا کَالْجِدَارَیْنِ لِحِمَایَۃِ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ۔

(اعجاز المسیح ۔ر۔خ جلد18 صفحہ198)

(ترجمہ از مرتب)۔ پس خلاصہ بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو احمد پیدا کئے ایک اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اور ایک آخری زمانہ میں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل عرفان کے لئے سورۃ فاتحہ کے شروع میں اور اس کے آخر میں الحمد کا لفظاً ومعناً تکرار کرکے ان دونوں (احمدوں) کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور خدا نے ایسا عیسائیوں کی تردید کے لئے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے دو احمد آسمان سے اتارے تا وہ دونوں پہلوں اور پچھلوں کی حمایت کے لئے دو دیواروں کی طرح ہو جائیں۔

ایک طوفاں ہے خدا کے قہر کا اب جوش میں — نوحؑ کی کشتی میں جو بیٹھے وہی ہو رستگار
صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے — ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار
پشتیء دیوار دیں اور مامنِ اسلام ہوں — نارسا ہے دستِ دشمن تا بفرقِ ایں جدار

(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ145)(درثمین اردو صفحہ 137`136)

مثیل انبیاء علیہم السلام ہونے کے اعتبار سے

اس وقت میں امت موسوی کی طرح جو ماموراور مجد دین آئے ان کا نام نبی نہ رکھا گیا تو اس میں یہ حکمت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ختم نبوت میں فرق نہ آوے (جس کا مفصل ذکر قبل ازیں گذر چکا ہے)اوراگر کوئی نبی نہ آتا تو پھر مماثلت میں فرق آتا۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے آدم۔ابراہیم۔نوح اورموسیٰ وغیرہ میرے نام رکھے حتیٰ کہ آخرکار جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَاءِ کہا۔**گویا اس سے سب اعتراض رفع ہو گئے اور آپ کی امت میں ایک آخری خلیفہ ایسا آیا جو موسیٰ کے تمام خلفاء کا جامع تھا۔**

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 255)

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے　　　من بعرفاں نہ کمترم زکسے

اگرچہ انبیاء بہت ہوئے ہیں۔مگر میں معرفت الٰہی میں کسی سے کم نہیں ہوں۔

وارثِ مصطفےٰ شدم بہ یقیں　　　شدہ رنگیں برنگِ یارِ حسیں

میں یقیناً مصطفےٰ کا وارث ہوں اوراس حسین محبوب کے رنگ میں رنگین ہوں۔

آدمم نیز احمدِ مختار　　　در برم جامۂ ہمہ ابرار

میں آدم بھی ہوں اوراحمد مختار بھی میرے جسم پر تمام ابرار کے خلعت ہیں۔

زندہ شد ہر نبی بآمدنم　　　ہر رسولے نہاں بپیرہنم

ہر نبی میرے آنے سے زندہ ہوگیا اور ہر رسول میرے پیرہن میں پوشیدہ ہے۔

آنچہ داداست ہر نبی راجام　　　داد آں جام را مرا بتمام

جو جام اس نے ہر نبی کو عطا کیا تھا وہی جام اس نے کامل طور سے مجھے بھی دیا ہے۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 334-335)(نزول المسیح ر۔خ جلد 18 صفحہ 477)

میں کبھی آدمؑ کبھی موسیٰؑ کبھی یعقوبؑ ہوں　　　نیز ابراہیمؑ ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

اک شجر ہوں جس کو داؤدی صفت کے پھل لگے　　　میں ہوا داؤد اور جالوت ہے میرا شکار

پر مسیحا بن کے میں بھی دیکھتا روئے صلیب　　　گر نہ ہوتا نام احمدؐ جس پہ میرا سب مدار

(درثمین اردو)(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد 21 صفحہ 106)

آخرزمانہ کے حقیقی آدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

وَ اِنَّ اٰدَمَ اٰخِرِ الزَّمَانِ حَقِیْقَةً هُوَنَبِیُّنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالنِّسْبَةُ بَیْنِیْ وَبَیْنَهٗ کَنِسْبَةِ مَنْ عَلَّمَ وَ تَعَلَّمَ وَ اِلَیْهِ اَشَارَ سُبْحَانَهٗ فِیْ قَوْلِهٖ وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ فَفَکِّرْ فِیْ قَوْلِهٖ اٰخَرِیْنَ۔ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیَّ فَیْضَ هٰذَا الرَّسُوْلِ فَاَتَمَّهٗ وَاَکْمَلَهٗ وَجَذَبَ اِلٰی لُطْفِهٖ وَجُوْدِهٖ حَتّٰی صَارَ وُجُوْدِیْ وُجُوْدَهٗ فَمَنْ دَخَلَ فِیْ جَمَاعَتِیْ دَخَلَ فِیْ صَحَابَةِ سَیِّدِیْ خَیْرِ الْمُرْسَلِیْنَ وَهٰذَا هُوَ مَعْنٰی وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ کَمَا لَا یَخْفٰی عَلَی الْمُتَدَبِّرِیْنَ وَ مَنْ فَرَّقَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ الْمُصْطَفٰی فَمَا عَرَفَنِیْ وَمَا رَاٰی۔

ترجمہ از اصل:-**اور آخرزمانہ کا آدم درحقیقت ہمارے نبی کریم ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اور میری نسبت اس کی جناب کے ساتھ استاد اور شاگرد کی نسبت ہے** اور خدا تعالیٰ کا یہ قول کہ وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے پس اٰخَرِیْنَ کے لفظ میں فکر کرو اور خدا نے مجھ پر اس رسول کریم کا فیض نازل فرمایا اور اس کو کامل بنایا اور اس نبی کریم کے لطف اور جود کو میری طرف کھینچا یہاں تک کہ میرا وجود اس کا وجود ہوگیا۔ **پس وہ جو میری جماعت میں داخل ہوا درحقیقت میرے سردار خیرالمرسلین کے صحابہ میں داخل ہوا اور یہی معنے اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ کے لفظ کے بھی ہیں جیسا کہ سوچنے والوں پر پوشیدہ نہیں اور جو شخص مجھ میں اور مصطفٰے میں تفریق کرتا ہے اس نے مجھے نہیں دیکھا ہے اور نہیں پہچانا ہے۔** (خطبہ الہامیہ ر۔خ۔جلد 16 صفحہ 258-257)

بس کہ من در عشقِ او ہستم نہاں　　　من ہما نم ۔ من ہمانم ۔ من ہماں

ازبس کہ میں اس کے عشق میں غایب ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں۔

جانِ من از جانِ اُو یابد غذا　　　از گریبانم عیاں شد آں زکا!

میری روح اس کی روح سے غذا حاصل کرتی ہے اور میرے گریباں سے وہی سورج نکل آیا ہے۔

احمد اندر جانِ احمد شد پدید　　　اسم من گر دید آں اسم وحید

احمد کی جان کے اندر احمد ظاہر ہوگیا اس لئے میرا وہی نام ہوگیا جو اس لاثانی انسان کا نام ہے۔

(سراج منیر۔ر۔خ۔جلد 12 صفحہ 97)(درثمین فارسی مترجم صفحہ 228)

محدث نبی کا مثیل ہو کر وہی نام پاتا ہے

وَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔(النساء: 65)

یعنی ہر یک رسول مطاع اور امام بنانے کے لئے بھیجا جاتا ہے اس غرض سے نہیں بھیجا جاتا کہ کسی دوسرے کا مطیع اور تابع ہو ہاں محدث جو مرسلین میں سے ہے امتی بھی ہوتا ہے اور ناقص طور پر نبی بھی۔ امتی وہ اس وجہ سے کہ وہ بکلی تابع شریعت رسول اللہ اور مشکوٰۃ رسالت سے فیض پانے والا ہوتا ہے اور نبی اس وجہ سے کہ خدائے تعالیٰ نبیوں سا معاملہ اس سے کرتا ہے اور محدث کا وجود انبیا اور امم میں بطور برزخ کے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے وہ اگرچہ کامل طور پر امتی ہے مگر ایک وجہ سے نبی بھی ہوتا ہے۔ **اور محدث کے لئے ضرور ہے کہ وہ کسی نبی کا مثیل ہو اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک وہی نام پاوے جو اس نبی کا نام ہے۔** (ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 407)

آدمؑ ثانی ہونے کے اعتبار سے

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔(البقرہ: 31)

(ترجمہ) اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ انہوں نے کہا کیا تو بناوے گا اس میں جو فساد کرے گا اس میں اور بہائے گا خون اور ہم تسبیح کرتے ہیں ساتھ تیری حمد کے اور ہم تقدیس کرتے ہیں تیرے لیے فرمایا یقیناً میں خوب جانتا ہوں جو نہیں تم جانتے۔

حضرت کی پیدائش جمعہ کے دن اور عصر کے وقت ہوئی

غرض وجود آدم ثانی بھی جامع جلال و جمال ہے اور اسی وجہ سے آخر ہزار ششم میں پیدا کیا گیا اور ہزار ششم کے حساب سے دنیا کے دنوں کا یہ جمعہ ہے اور جمعہ میں سے یہ عصر کا وقت ہے جس میں یہ آدم پیدا ہوا اور سورۃ فاتحہ میں اس مقام کے متعلق ایک لطیف اشارہ ہے اور وہ یہ کہ چونکہ سورۃ فاتحہ ایک ایسی سورت ہے جس میں مبداء اور معاد کا ذکر ہے یعنی خدا کی ربوبیت سے لیکر یوم الدین تک سلسلہ صفات الٰہیہ کو پہنچایا ہے۔ اسی مناسبت کے لحاظ سے حکیم ازلی نے اس سورت کو سات آیتوں پر تقسیم کیا ہے تا دنیا کی عمر میں سات ہزار کی طرف اشارہ ہو اور چھٹی آیت اس سورت کی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہے **گویا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چھٹے ہزار کی تاریکی آسمانی ہدایت کو چاہے گی اور انسانی سلیم فطرتیں خدا کی جناب سے ایک ہادی کو طلب کریں گی یعنی مسیح موعود کو** اور ضَآلِّيْنَ پر اس سورت کو ختم کیا ہے یعنی ساتویں آیت پر جو ضَآلِّيْنَ کے لفظ پر ختم ہوتی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ضالین پر قیامت آئے گی۔

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ۔ جلد 17 صفحہ 284، حاشیہ)

ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَھَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا ط قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ o فَقَضٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَھَا ط وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ق وَحِفْظًا ط ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ o (حم السجدة:12`13)

اگر چہ جمعہ کا دن سعد اکبر ہے لیکن اس کے عصر کے وقت کی گھڑی ہر ایک اس کی گھڑی سے سعادت اور برکت میں سبقت لے گئی ہے سو آدم جمعہ کی اخیر گھڑی میں بنایا گیا یعنی عصر کے وقت پیدا کیا گیا۔ اسی وجہ سے احادیث میں ترغیب دی گئی ہے کہ جمعہ کی عصر اور مغرب کے درمیان بہت دعا کرو کہ اس میں ایک گھڑی ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے یہ وہی گھڑی ہے جس کی فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی۔ اس گھڑی میں جو پیدا ہو وہ آسمان پر آدم کہلاتا ہے اور ایک بڑے سلسلہ کی اس سے بنیاد پڑتی ہے سو آدم اسی گھڑی میں پیدا کیا گیا۔ **اس لئے آدم ثانی یعنی اِس عاجز کو یہی گھڑی عطا کی گئی۔ اِسی کی طرف براہین احمدیہ کے اِس الہام میں اشارہ ہے کہ یَنْقَطِعُ اٰبَآؤُکَ وَیُبْدَءُ مِنْکَ**

(تحفہ گولڑویہ ۔ ر۔خ۔ جلد 17 صفحہ 281 تا 280 حاشیہ)

حضرت اقدسؑ آدمؑ کی طرح سے توام پیدا ہوئے

اہل اسلام کے اہل کشف نے مسیح موعود کو جو آخری خلیفہ اور خاتم الخلفاء ہے صرف اس بات میں ہی آدم سے مشابہ قرار نہیں دیا کہ آدم چھٹے دن کے آخر میں پیدا ہوا اور **مسیح موعود چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہوگا بلکہ اس بات میں بھی مشابہ قرار دیا ہے کہ آدم کی طرح وہ بھی جمعہ کے دن پیدا ہوگا اور اس کی پیدائش بھی توام کے طور پر ہوگی** یعنی جیسا کہ آدم توام کے طور پر پیدا ہوا تھا۔ پہلے آدم اور بعد میں حوا ایسا ہی مسیح موعود بھی توام کے طور پر پیدا ہوگا سو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْمِنَّۃِ کہ متصوفین کی اس پیشگوئی کا میں مصداق ہوں۔

(حقیقت الوحی ۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 209)

آدمؑ ہزار ششم میں ہونے کے اعتبار سے

وَ یَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ (الحج:48)

اس عاجز کو جو خدا تعالیٰ نے آدم مقرر کر کے بھیجا اس کا یہ نشان رکھا کہ الف ششم میں جو قائم مقام روز ششم ہے یعنی آخری حصہ الف میں جو وقت عصر سے مشابہ ہے اس عاجز کو پیدا کیا جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ (الحج:48) اور ضرور تھا کہ وہ ابن مریم جس کا انجیل اور فرقان میں آدم بھی نام رکھا گیا ہے وہ آدم کی طرز پر الف ششم کے آخر میں ظہور کرتا۔ **سو آدم اول کی پیدائش سے الف ششم میں ظاہر ہونے والا یہی عاجز ہے۔ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ بنی آدم کی عمر سات ہزار برس ہے اور آخری آدم پہلے آدم کی طرز ظہور پر الف ششم کے آخر میں جو روز ششم کے حکم میں ہے پیدا ہونے والا ہے سو وہ یہی ہے جو پیدا ہو گیا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔** (ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد3 صفحہ 476-475)

قرآن شریف سے بھی صاف طور پر یہی نکلتا ہے کہ آدم سے اخیر تک عمر بنی آدم کی سات ہزار سال ہے اور ایسا ہی پہلی تمام کتابیں بھی باتفاق یہی کہتی ہیں اور آیت اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (الحج:48) سے بھی یہی نکلتا ہے اور تمام نبی واضح طور پر یہی خبر دیتے آئے ہیں اور جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں سورۃ وَالْعَصْرِ کے اعداد سے بھی یہی صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آدم سے الف پنجم میں ظاہر ہوئے تھے اور اس حساب سے یہ زمانہ جس میں ہم ہیں ہزار ہفتم ہے۔ جس بات کو خدا نے اپنی وحی سے ہم پر ظاہر کیا اس سے ہم انکار نہیں کر سکتے اور نہ ہم کوئی وجہ دیکھتے ہیں کہ خدا کے پاک نبیوں کے متفق علیہ کلمہ سے انکار کریں۔ پھر جبکہ اس قدر ثبوت موجود ہے اور بلاشبہ احادیث اور قرآن شریف کے رو سے یہ آخری زمانہ ہے پھر آخری ہزار ہونے میں کیا شک رہا۔ **اور آخری ہزار کے سر پر مسیح موعود کا آنا ضروری ہے۔**

(لیکچر سیالکوٹ۔ ر۔خ۔ جلد20 صفحہ 210-209)

آدمؑ آخرزماں ہونے کے اعتبار سے

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔(السجدہ:6)

وَ اِنَّ زَمَانَ خَلْقِىْ اَلْفُ سَادِسٌ لَا رَيْبَ فِيْهِ فَاسْئَلِ الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ نَطَقَ بِهِ التَّوْرَاةُ الَّتِىْ يُؤْمِنُ بِهَا الْمُسْلِمُوْنَ وَلَمْ يَثْبُتْ بِنُصُوْصٍ صَرِيْحَةٍ مَايُخَالِفُ هٰذِهِ الْعِدَّةَ وَيَعْلَمُهُ الْعَالِمُوْنَ۔ فَمَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِعِدَّةِ التَّوْرَاةِ وَمَا قَالَ النَّبِيُّوْنَ۔ وَكَيْفَ وَمَا خَالَفَهُ الْقُرْاٰنُ بَلْ صَدَّقَهٗ سُوْرَةُ الْعَصْرِ فَاَيْنَ يَفِرُّوْنَ۔ بَلْ اِلَيْهِ يُشِيْرُ قَوْلُهٗ تَعَالٰى يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۔وَ اقْرَءُ وْا مَعَهَا اٰيَةَ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۔ هٰذِهٖ اٰيَةٌ كَتَبْنَاهَا مِنْ سُوْرَةِ السَّجْدَةِ وَمِنَ السُّنَّةِ اَنَّهَا تُقْرَءُ فِىْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ مِنَ الْجُمْعَةِ وَ اَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى يَقُوْلُ فِىْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ اِنَّهٗ دَبَّرَ اَمْرَ الشَّرِيْعَةِ بِاِنْزَالِ الْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ۔ وَ اَكْمَلَ لِلنَّاسِ دِيْنَهُمْ بِالْكَلَامِ الْمَجِيْدِ۔ ثُمَّ يَاْتِىْ بَعْدَ ذَالِكَ زَمَانٌ تَمْتَدُّ ضَلَالَتُهٗ اِلٰى اَلْفِ سَنَةٍ وَ يَرْفَعُ كِتَابُ اللّٰهِ اِلَيْهِ وَ يَعْرُجُ اِلَى اللّٰهِ اَمْرِهٖ بِشِقَّيْهِ يَعْنِىْ يُضَاعُ فِيْهِ حَقُّ اللّٰهِ وَ حَقُّ الْعِبَادِ۔ وَ تَهُبُّ صَرَاصِرُ الْفَسَادِ عَلٰى قِسْمَيْهِ۔ وَ يَفْشُوا الْكَذِبُ وَ الْفِرِيَّةُ يَعْنِى الْفِتَنُ الدَّجَّالِيَّةُ وَ يَظْهَرُ الْفِسْقُ وَالْكُفْرُ وَ الشِّرْكُ وَ تَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُعْرِضِيْنَ عَنْ رَّبِّهِمْ وَظَهِيْرِيْنَ عَلَيْهِ۔ ثُمَّ يَاْتِىْ بَعْدَ ذَالِكَ اَلْفٌ اٰخَرُ يُغَاثُ فِيْهِ النَّاسُ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ وَيُرْسَلُ اٰدَمُ اٰخِرِ الزَّمَانِ لِيُجَدِّدَ الدِّيْنَ۔ وَ اِلَيْهِ اَشَارَ فِىْ اٰيَةٍ هِىَ بَعْدَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ اَعْنِىْ قَوْلُهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ۔ وَ اِنَّ هٰذَا الْاِنْسَانَ هُوَ الْمَسِيْحُ الْمَوْعُوْدُ وَ قُدِّرَ بَعْثُهٗ بَعْدَ انْقِضَاءِ اَلْفِ سَنَةٍ مِنَ الْقُرُوْنِ الَّتِىْ هِىَ خَيْرُ الْقُرُوْنَ۔ وَاتَّفَقَ عَلَيْهِ مَعْشَرُ النَّبِيِّيْنَ۔

(خطبہء الہامیہ۔ر۔خ۔جلد16 صفحہ 332-331)

ترجمہ ازمرتب:۔لاریب میری پیدائش کا زمانہ چھٹا ہزار ہے پس تو اہل علم لوگوں سے دریافت کرلے اور تورات نے بھی جس پر مسلمان ایمان رکھتے ہیں یہی بیان کیا ہے اورنصوص صریحہ سے اس گنتی کے خلاف کوئی بات ثابت نہیں اوراہل علم اسے خوب جانتے ہیں پس ان کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ تورات کی گنتی اورانبیاء کے بیان کا انکارکریں اور یہ ہوبھی کیسے سکتا ہے جبکہ خودقرآن کریم نے اس کی مخالفت نہیں کی بلکہ سورۃ العصر نے اس کی تصدیق کردی ہے پس وہ اس حقیقت سے بھاگ کرکہاں جاسکتے ہیں بلکہ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے کہ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا

تَعُدُّوْنَ۔(السجدة: 6) اوراس کے ساتھ آیت قرآنیہ اِلٰی یَوْمِ یُّبْعَثُوْنَ بھی پڑھو۔ یہ آیت ہم نے سورہ سجدہ سے لی ہے اور یہ سنت نبوی ہے کہ یہ سورۃ ہر جمعہ کو صبح کی نماز میں پڑھی جاتی ہے اوراللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں بیان فرمایا ہے کہ اس نے قرآن کریم نازل کر کے اپنی شریعت کے حکم کو اپنی تدبیر کے مطابق قائم کر دیا اور کلام مجید کے ساتھ لوگوں کے لئے ان کے دین کو مکمل کر دیا۔ اس کے بعد پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا جس کی ضلالت ایک ہزار سال تک ممتد رہے گی اور کتاب اللہ اٹھالی جائے گی اور قرآن کریم کے احکام اپنے دونوں حصوں سمیت اللہ کی طرف عروج کر جائیں گے یعنی اس زمانہ میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ضائع کر دیئے جائیں گے اوراس کی دونوں قسموں پر فساد کی تند ہوائیں چلیں گی اور جھوٹ اور افتراء یعنی دجالی فتنے پھیل جائیں گے اور نافرمانی' کفر اور شرک عام ہو جائے گا تو مجرم لوگوں کو اپنے رب سے سرتابی کرتے ہوئے اور خدا تعالیٰ کی مخالفت میں سرگرم دیکھے گا۔ **پھر اس کے بعد دوسرا ہزار سال آئے گا جس میں رب العالمین کی طرف سے لوگوں کی فریادرسی کی جائے گی اور آدم آخر زمان کو تجدید دین کے لئے مبعوث کیا جائے گا۔ چنانچہ اس کی طرف اس کے بعد کی آیت یعنی وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ میں اشارہ کیا گیا ہے اور یہ موعود انسان مسیح موعود ہی ہے اوراس کی بعثت کا زمانہ خیر القرون سے ایک ہزار سال ختم ہونے کے بعد ہی مقدر تھا اوراسی پر انبیاء کی جماعت نے اتفاق کیا ہے۔**

فَلَمَّا قَضَیْنَا عَلَیْهِ الْمَوْتَ مَادَلَّهُمْ عَلٰی مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ج فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ o (سبا: 15)

یہ مسلمان دابۃ الارض ہیں اور اسی لئے اس کے مخالف ہیں جو آسمان سے آتا ہے۔ جو زمینی بات کرتا ہے وہ دابۃ الارض ہے۔ خدا تعالیٰ نے ایسا ہی فرمایا تھا۔ رُوحانی امور کو وہی دریافت کرتے ہیں جن میں مناسبت ہو چونکہ ان میں مناسبت نہ تھی اِس لئے انہوں نے عصائے دین کو کھا لیا جیسے سلیمان کے عصا کو کھا لیا تھا۔ اوراس سے آگے قرآن شریف میں لکھا ہے کہ جب جنوں کو یہ پتہ لگا تو انہوں نے سرکشی اختیار کی۔ اسی طرح پر عیسائی قوم نے جب اسلام کی یہ حالت دیکھی یعنی دابۃ الارض نے اس عصائے راستی کو کمزور کر دیا تو اِن قوموں کو اس پر وار کرنے کا موقع دے دیا۔ جن وہ ہے جو چھپ کر وار کرے اور پیار کے رنگ میں دشمنی کرتے ہیں وہی پیار جو ؔ اسے آکر نحاش نے کیا تھا۔ اس پیار کا انجام وہی ہونا چاہیئے جو ابتداء میں ہوا۔ آدم پر اسی سے مصیبت آئی۔ اُس وقت گویا وہ خدا سے بڑھ کر خیر خواہ ہو گیا۔ **اسی طرح پر یہ بھی وہی حیاتِ ابدی پیش کرتے ہیں جو شیطان نے کی تھی اِس لئے قرآن شریف نے اوّل اور آخر کو اس پر ختم کیا۔ اِس میں سِرّ یہ تھا کہ تا بتایا جاوے کہ ایک آدم آخر میں بھی آنے والا ہے۔**

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 143-144)

خاتم الخلفاء اور آدمؑ ایک ہیں

خدا نے آدم کو چھٹے دن بروز جمعہ بوقت عصر پیدا کیا۔توریت اور قرآن اور احادیث سے یہی ثابت ہے اور خدا نے انسانوں کے لئے سات دن مقرر کئے ہیں اور ان دنوں کے مقابل پر خدا کا ہر ایک دن ہزار سال کا ہے۔اس کی رو سے استنباط کیا گیا ہے کہ آدم سے عمر دنیا کی سات ہزار سال ہے اور چھٹا ہزار جو چھٹے دن کے مقابل پر ہے وہ آدم ثانی کے ظہور کا دن ہے یعنی مقدر یوں ہے کہ چھٹے ہزار کے اندر دینداری کی روح دنیا سے مفقود ہو جائے گی اور لوگ سخت غافل اور بیدین ہو جائیں گے تب انسان کے روحانی سلسلہ کو قائم کرنے کے لئے مسیح موعود آئے گا اور وہ پہلے آدم کی طرح ہزار ششم کے اخیر میں جو خدا کا چھٹا دن ہے ظاہر ہوگا چنانچہ وہ ظاہر ہو چکا اور وہ وہی ہے جو اس وقت اس تحریر کی رو سے تبلیغ حق کر رہا ہے۔**میرا نام آدم رکھنے سے اس جگہ یہ مقصود ہے کہ نوع انسان کا فرد کامل آدم سے ہی شروع ہوا اور آدم پر ہی ختم ہوا کیونکہ اس عالم کی وضع دوری ہے اور دائرہ کا کمال اسی میں ہے کہ جس نقطہ سے شروع ہوا ہے اسی نقطہ پر ختم ہو جائے پس خاتم الخلفاء کا آدم نام رکھنا ضروری تھا۔**

(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد 21 صفحہ 260)

روضۂ آدم کہ تھا وہ نامکمل اب تلک میرے آنے سے ہوا کامل بجملہ برگ و بار

(درثمین اردو) (براہین احمدیہ۔ر۔خ جلد 21 صفحہ 144)

مثیل نوحؑ ہونے کے اعتبار سے

فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِىْ فِى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ○ (المومنون:28)

اسی طرح براہین احمدیہ کے حصص سابقہ میں خدا تعالیٰ نے میرا نام نوح بھی رکھا ہے اور میری نسبت فرمایا ہے وَلَا تُخَاطِبْنِىْ فِى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ یعنی میری آنکھوں کے سامنے کشتی بنا اور ظالموں کی شفاعت کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کر کہ میں اُن کو غرق کروں گا۔ خدا نے نوحؑ کے زمانہ میں ظالموں کو قریباً ایک ہزار سال تک مہلت دی تھی اور اب بھی خیر القرون کی تین صدیوں کو علیحدہ رکھ کر ہزار برس ہی ہوجاتا ہے۔اس حساب سے اب یہ زمانہ اس وقت پر آ پہنچا ہے جب کہ نوحؑ کی قوم عذاب سے ہلاک کی گئی تھی **اور خدا تعالیٰ نے مجھے فرمایا اِصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ یعنی میری آنکھوں کے رُوبرو اور میرے حکم سے کشتی بنا۔** (براہین احمدیہ۔ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 113)

تبلیغ

میں اِس جگہ ایک اور پیغام بھی خلق اللہ کو عمومًا اور اپنے بھائی مسلمانوں کو خصوصًا پہنچا تا ہوں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ حق کے طالب ہیں وہ سچا ایمان اور سچی ایمانی پاکیزگی اور محبتِ مولیٰ کا راہ سیکھنے کے لئے اور گندی زیست اور کاہلانہ اور غدارانہ زندگی کے چھوڑنے کے لئے مجھ سے بیعت کریں۔ پس جو لوگ اپنے نفسوں میں کسی قدر یہ طاقت پاتے ہیں انہیں لازم ہے کہ میری طرف آویں کہ میں ان کا غمخوار ہوں گا اور ان کا بار ہلکا کرنے کے لئے کوشش کرونگا اور خدا تعالیٰ میری دعا اور میری توجہ میں اُن کے لئے برکت دے گا بشرطیکہ وہ ربانی شرائط پر چلنے کے لئے بدل و جان تیار ہونگے یہ ربانی حکم ہے جو آج میں نے پہنچا دیا ہے۔ اس بارہ میں عربی الہام یہ ہے۔ **اذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ واصنع الفلک باعیننا و وحینا۔ الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدیھم۔ والسلام علٰی من اتبع الھدٰی۔**

المبلغ خاکسار

غلام احمد عفی عنہ

(یکم دسمبر 1888ء)

(سبز اشتہار۔ ر۔خ۔ جلد 2 صفحہ 470)

واللہ کہ ہمچو کشتیءِ نوحم زکردگار بے دولت آن کردور بماندز لنگرم

ترجمہ:۔ بخدا۔ میں اپنے پروردگار کی طرف سے نوحؑ کی کشتی کے مانند ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو میرے لنگر انداز ہونے کی جگہ سے دور رہتا ہے۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 167) (ازالہ اوہام۔ ر۔خ جلد 3 صفحہ 185)

جہاں رادل ازیں طاعون دونیم است نہ ایں طاعون کہ طوفانِ عظیم است

دنیا کا دل اس طاعون کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ یہ طاعون نہیں بلکہ طوفان عظیم ہے۔

بیا بشتاب سوئے کشتیءِ ما کہ ایں کشتی ازاں ربِّ عظیم است

جلدی سے ہماری کشتی کی طرف آ جا۔ کہ یہ کشتی خدائے عظیم کی طرف سے ہے۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 279)(کشتی نوح۔ ر۔خ۔ جلد 19 صفحہ ٹائٹل)

مثیلِ ابراہیمؑ ہونے کے اعتبار سے

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ط وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ط وَعَهِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ O(البقرہ:126)

آیت وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ جب امت محمدیہ میں بہت فرقے ہو جائیں گے تب آخر زمانہ میں ایک ابراہیم پیدا ہوگا اوران سب فرقوں میں وہ فرقہ نجات پائے گا کہ اُس ابراہیم کا پیرو ہوگا۔

(اربعین۔ر۔خ جلد17 صفحہ 421)

یہ ابراہیم جو بھیجا گیا تم اپنی عبادتوں اور عقیدوں کو اس کی طرز پر بجالاؤ اور ہر ایک امر میں اس کے نمونہ پر اپنے تئیں بناؤ۔ (اربعین۔ر۔خ جلد17 صفحہ 421۔420)

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی اور ابراہیم کے مقام سے نماز کی جگہ پکڑو۔ اِس جگہ مقامِ ابراہیم سے اخلاقِ مرضیہ ومعاملہ باللہ مُراد ہے یعنی محبت الٰہیہ اور تفویض اور رضا اور وفا یہی حقیقی مقام ابراہیم کا ہے جو اُمّتِ محمدیہ کو بطور تبعیت و وراثت عطا ہوتا ہے **اور جو شخص قلبِ ابراہیم پر مخلوق ہے۔ اُس کی اتباع بھی اسی میں ہے۔**

(براہین احمدیہ۔ر۔خ جلد1 صفحہ 608)

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

(درثمین اردو)(براہین احمدیہ۔ر۔خ جلد21 صفحہ 106)

مثیلِ یحییٰؑ ہونے کے اعتبار سے

یٰیَحْیٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ط وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا O(مریم:13)

حضرت اقدسؑ نے اپنا ایک پرانا الہام سُنایا یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّةٍ (اور فرمایا) وَالْخَیْرُ کُلُّهٗ فِی الْقُرْاٰن ۔**اور فرمایا کہ اس میں ہم کو حضرت یحییٰ کی نسبت دی گئی ہے۔** کیونکہ حضرت یحییٰ کو یہود کی اُن اقوام سے مقابلہ کرنا پڑا تھا جو کتاب اللہ توریت کو چھوڑ بیٹھے تھے اور حدیثوں کے بہت گرویدہ ہو رہے تھے اور ہر بات میں احادیث کو پیش کرتے تھے۔ ایسا ہی اِس زمانہ **میں ہمارا مقابلہ اہلِ حدیث کے ساتھ ہوا کہ ہم قرآن پیش کرتے اور وہ حدیث پیش کرتے ہیں۔** (ملفوظات جلد دوم صفحہ 203)

خلافتِ موسویٰؑ اور خلافتِ محمدیﷺ کی مماثلت کے اعتبار سے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ۔(البقرہ:88)

یعنی ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور بہت سے رُسل اس کے پیچھے آئے۔۔۔چونکہ مماثلت فی انعامات ہونا ازبس ضروری ہے اور مماثلت تامہ تبھی متحقق ہوسکتی تھی کہ جب مماثلت فی الانعامات متحقق ہو پس اِسی لئے یہ ظہور میں آیا کہ جیسے حضرت موسیٰؑ کو قریباً چودہ سو برس تک ایسے خدام شریعت عطا کئے گئے کہ وہ رسول اور مُلہم من اللہ تھے اور اختتام اس سلسلہ کا ایک ایسے رسول پر ہوا جس نے تلوار سے نہیں بلکہ فقط رحمت اور خلق سے حق کی طرف دعوت کی اِسی طرح ہمارے نبی ﷺ کو بھی وہ خُدّام شریعت عطا کئے گئے جو برطبق حدیث عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ مُلہم اور مُحدث تھے **اور جس طرح موسیٰؑ کی شریعت کے آخری زمانہ میں حضرت مسیحؑ بھیجے گئے جنہوں نے نہ تلوار سے بلکہ صرف خلق اور رحمت سے دعوت حق کی۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے اِس شریعت کے لئے مسیح موعود کو بھیجا تا وہ بھی صرف خلق اور رحمت اور انوار آسمانی سے راہ راست کی دعوت کرے اور جس طرح حضرت مسیح حضرت موسیٰؑ سے قریباً چودہ سو برس بعد آئے تھے اس مسیح موعود نے بھی چودھویں صدی کے سر پر ظہور کیا اور محمدی سلسلہ موسوی سلسلہ سے انطباق کلّی پا گیا** اور اگر یہ کہا جائے کہ موسوی سلسلہ میں تو حمایت دین کے لئے نبی آتے رہے اور حضرت مسیح بھی نبی تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرسل ہونے میں نبی اور محدث ایک ہی منصب رکھتے ہیں اور جیسا کہ خدا تعالیٰ نے نبیوں کا نام مرسل رکھا ایسا ہی محدثین کا نام بھی مرسل رکھا۔ اِسی اشارہ کی غرض سے قرآن شریف میں وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ آیا ہے اور یہ نہیں آیا کہ قَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالْاَنْبِيَآءِ پس یہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ رُسل سے مراد مُرسل ہیں خواہ وہ رسول ہوں یا نبی ہوں یا محدث ہوں چونکہ ہمارے سید و رسول ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اور بعد آنحضرت ﷺ کوئی نبی نہیں آسکتا اِس لئے اِس شریعت میں نبی کے قائم مقام محدث رکھے گئے اور اسی کی طرف اِس آیت میں اشارہ ہے کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ(الواقعہ:40-41) چونکہ ثلہ کا لفظ دونوں فقروں میں برابر آیا ہے اِس لئے قطعی طور پر یہاں سے ثابت ہوا کہ اِس اُمت کے محدث اپنی تعداد میں اور اپنے طولانی سلسلہ میں موسوی اُمت کے مرسلوں کے برابر ہیں اور درحقیقت اسی کی طرف اس دوسری آیت میں بھی اشارہ ہے اور وہ یہ ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ ۔۔۔(الی) لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا (النور:56) یعنی خدا نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے یہ وعدہ کیا ہے کہ البتہ انہیں زمین میں اسی طرح خلیفہ کرے گا۔ جیسا کہ ان لوگوں کو کیا۔ جو ان سے پہلے گذر گئے۔ اور ان کے دین کو جو ان کے لئے پسند کیا ہے۔ ثابت کر دے گا۔ اور ان کے لئے خوف کے بعد امن کو بدل دے گا۔ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

(شہادۃ القرآن۔ ر۔خ جلد 6 صفحہ 322 تا 324)

سورۃ نور میں صریح اشارہ فرماتا ہے کہ ہر ایک رنگ میں جیسے بنی اسرائیل میں خلیفے گذرے ہیں وہ تمام رنگ اس امت کے خلیفوں میں بھی ہوں گے چنانچہ اسرائیلی خلیفوں میں سے حضرت عیسیٰ ایسے خلیفے تھے جنہوں نے نہ تلوار اٹھائی اور نہ جہاد کیا۔ سواس امت کو بھی اسی رنگ کا مسیح موعود دیا گیا دیکھو آیت **وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ...... وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ (النور:56)** **اس آیت میں فقرہ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قابل غور ہے کیونکہ اس سے سمجھا جاتا ہے کہ محمدی خلافت کا سلسلہ موسوی خلافت کے سلسلہ سے مشابہہ ہے اور چونکہ موسوی خلافت کا انجام ایسے نبی پر ہوا یعنی حضرت عیسیٰ پر جو حضرت موسیٰ سے چودھویں صدی کے سر پر آیا اور نیز کوئی جنگ اور جہاد نہیں کیا اس لئے ضروری تھا کہ آخری خلیفہ سلسلہ محمدی کا بھی اسی شان کا ہو۔**(لیکچر سیالکوٹ۔ ر۔خ جلد 20 صفحہ 214-213)

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ○(یونس:15)

قرآن شریف کی رُو سے سلسلہ محمدیہ سلسلہ موسویہ سے ہر ایک نیکی اور بدی میں مشابہت رکھتا ہے اِسی کی طرف اِن آیتوں میں اشارہ ہے کہ ایک جگہ یہود کے حق میں لکھا ہے فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (الاعراف: 130) دوسری جگہ مسلمان کے حق میں لکھا ہے لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (یونس:15) اِن دونوں آیتوں کے یہ معنی ہیں کہ خدا تمہیں خلافت وحکومت عطا کر کے پھر دیکھے گا کہ تم راستبازی پر قائم رہتے ہو یا نہیں۔ اِن آیتوں میں جو الفاظ یہود کے لئے استعمال کئے ہیں وہی مسلمانوں کے لئے۔ یعنی ایک ہی آیت کے نیچے اِن دونوں کو رکھا ہے پس اِن آیتوں سے بڑھ کر اس بات کے لئے اور کونسا ثبوت ہوسکتا ہے کہ خدا نے بعض مسلمانوں کو یہود قرار دے دیا اور صاف اشارہ کر دیا ہے کہ جن بدیوں کے یہود مرتکب ہوئے تھے یعنی علماء ان کے اِس اُمت کے علماء بھی انہیں بدیوں کے مرتکب ہوں گے اور اسی مفہوم کی طرف آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ میں بھی اشارہ ہے کہ کیونکہ اس آیت میں باتفاق کُل مفسرین مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد وہ یہود ہیں جن پر حضرت عیسیٰ کے انکار کی وجہ سے غضب نازل ہوا تھا اور احادیث صحیحہ میں مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد وہ یہود جو مورد غضبِ الٰہی دُنیا میں ہی ہوئے تھے اور قرآن شریف یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ یہود کو مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ٹھہرانے کے لئے حضرت عیسیٰؑ کی زبان پر لعنت جاری ہوئی تھی۔ **پس یقینی اور قطعی طور پر مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد وہ یہود ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو سُولی پر ہلاک کرنا چاہا تھا۔ اب خدا تعالیٰ کا یہ دعا سکھلانا کہ خدایا ایسا کر کہ ہم وہی یہودی نہ بن جائیں جنہوں نے عیسیٰؑ کو قتل کرنا چاہا تھا صاف بتلا رہا ہے کہ اُمتِ محمدیہ میں بھی ایک عیسیٰ پیدا ہونے والا ہے ورنہ اِس دعا کی کیا ضرورت تھی۔**

(تذکرۃ الشہادتین۔ ر۔خ جلد 20 صفحہ 13)

ہر مجدّد کا خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک خاص نام ہے

اس لئے خدا نے چودھویں صدی کے سر پر اپنے وعدہ کے موافق جو اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: 10) ہے۔ اس فتنہ کی اصلاح کے لئے ایک مجدد بھیجا مگر چونکہ ہر ایک مجدد کا خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک خاص نام ہے اور جیسا کہ ایک شخص جب ایک کتاب تالیف کرتا ہے تو اس کے مضامین کے مناسب حال اس کتاب کا نام رکھ دیتا ہے۔ ایسا ہی **خدا تعالیٰ نے اس مجدد کا نام خدمات مفوضہ کے مناسب حال مسیح رکھا کیونکہ یہ بات مقرر ہو چکی تھی کہ آخر الزمان کے صلیبی فتنوں کی مسیح اصلاح کرے گا۔ پس جس شخص کو یہ اصلاح سپرد ہوئی ضرور تھا کہ اس کا نام مسیح موعود رکھا جائے۔** پس سوچو کہ یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ کی خدمت کس کو سپرد ہے؟ اور کیا اب یہ وہی زمانہ ہے یا کوئی اور ہے؟ سو چو خدا تمہیں تھام لے۔

(ایام الصلح۔ ر۔ خ۔ جلد 14 صفحہ 289-290)

حضرت اقدسؑ مثیل مسیح ابن مریمؑ ہیں

جائیکہ از مسیح و نزولش سخن رود گویم سخن اگرچہ ندارند باورم

جس جگہ مسیح اور اس کے نزول کا ذکر ہو۔ وہاں میں یہی کہتا ہوں اگرچہ لوگ یقین نہ کریں۔

کاندر دلم و مید خداوندِ کردگار کاں برگزیدہ راز رہِ صدق مظہرم

کہ خداوند کردگار نے مجھے الہام کیا ہے کہ میں اس برگزیدہ کا سچا مظہر ہوں۔

موعودم و بحلیۂ ماثور آمدم حیف است گر بدیدہ نہ بینند منظرم

میں موعود ہوں اور میرا حلیہ حدیثوں کے مطابق ہے۔ افسوس ہے اگر آنکھیں کھول کر مجھے نہ دیکھیں۔

رنگم چو گندم است وبمو فرقِ بین ست زانساں کہ آمدست در اخبارِ سرورم

میرا رنگ گندمی ہے اور بالوں میں نمایاں فرق ہے۔ جیسا کہ میرے آقا کی احادیث میں وارد ہے۔

ایں مقدمم نہ جائے شکوک ست والتباس سید جدا کند ز مسیحاءِ احمرم

میرے آنے میں شک وشبہ کی گنجایش نہیں۔ میرا آقا مجھے سرخ رنگ والے مسیح سے علیحدہ کر رہا ہے۔

از کلمۂ منارۂ شرقی عجب مدار چوں خود ز مشرق است تجلی نیرم

مشرقی منارہ والی بات سے تعجب نہ کر۔ جبکہ میرے سورج کا طلوع مشرق سے ہی ہے۔

اینک منم کہ حسبِ بشارات آمدم عیسیٰ کجاست تا بنہد پا بہ منبرم

میں ہی ہوں جو بشارات کے مطابق آیا ہوں۔ عیسیٰ کہاں ہے جو میرے منبر پر قدم رکھے۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 160)(ازالہ اوہام۔ ر۔ خ۔ جلد 3 صفحہ 180)

اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح — نیز بشنو از زمیں آمد امامِ کامگار
آسماں بار و نشاں الوقت مے گوید زمیں — ایں دوشاہد از پئے من نعرہ زن چوں بے قرار
اب اسی گلشن میں لوگو راحت و آرام ہے — وقت ہے جلد آؤ اے آوارگانِ دشتِ خار
اک زماں کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا — پھر خدا جانے کہ کب آویں یہ دن اور یہ بہار

(درثمین اردو صفحہ 131-130)(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 132)

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ۔ کَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰھُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْھُمَا مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَّ قِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ۔ وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِہٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ وَ مَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَھَا فَنَفَخْنَا فِیْہِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِکَلِمٰتِ رَبِّھَا وَ کُتُبِہٖ وَکَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ۔ (التحریم:11تا13)

اُنْظُرُوْا کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلَ مَرْیَمَ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ۔ فِیْ ھٰذِہِ السُّوْرَۃِ ۔ وَ وَعَدَ فِیْ ھٰذِہِ الْحُلَّۃِ اَنَّ ابْنَ مَرْیَمَ مِنْکُمْ عِنْدَ التُّقَاۃِ الْکَامِلَۃِ۔ وَکَانَ مِنَ الْوَاجِبِ لِتَحْقِیْقِ ھٰذَا الْمَثَلِ الْمَذْکُوْرِ فِیْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ ۔ بِاَنْ یَّکُوْنَ فَرْدٌ مِنْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ۔ لِیَتَحَقَّقَ الْمَثَلُ فِی الْخَارِجِ مِنْ غَیْرِ الشَّکِّ وَ الشُّبْھَۃِ۔ وَ اِلَّا فَیَکُوْنُ ھٰذَا الْمَثَلُ عَبَثًا وَکِذْبًا۔ لَیْسَ مِصْدَاقُہٗ فَرْدًا مِنْ اَفْرَادِ ھٰذِہِ الْمِلَّۃِ وَ ذٰلِکَ مِمَّا لَا یَلِیْقُ بِشَانِ حَضْرَۃِ التَّقَدُّسِ وَ الْعِزَّۃِ۔

ترجمہ از مرتب:۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں کس طرح مریم علیہا السلام کی مثال اس امت کے لئے بیان کی ہے اور اس لباس میں وعدہ فرمایا ہے کہ ابن مریم کامل متقیوں کے نزدیک تمہیں میں سے ہوگا۔ **اس آیت میں مثال مذکورہ کے متحقق ہونے کے لئے ضروری تھا کہ اسی امت کا ایک فرد عیسیٰ بن مریم ہوتا۔ یہ مثال خارج میں بھی بلاشک وشبہ متحقق ہو ورنہ یہ مثال عبث اور جھوٹ ہوگی جس کا مصداق اس امت کے افراد میں سے کوئی نہیں ہوگا اور یہ ایسی بات ہے جو خدائے قدوس اور رب العزت کی شان کے شایاں نہیں۔** (خطبہ الہامیہ۔ر۔خ۔جلد16 صفحہ 310)

الہام حضرت اقدسؑ

جَعَلْنٰکَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ۔ ہم نے تجھ کو مسیح ابن مریم بنایا۔ ان کو کہہ دے کہ میں عیسیٰ کے قدم پر آیا ہوں۔ (تذکرہ صفحہ 185)

ایسے شخص کو جو مریمی صفت سے محض خدا کے نفخ سے عیسوی صفت حاصل کرنے والا تھا اس کا نام سورۃ تحریم میں ابن مریم رکھ دیا ہے کیونکہ فرمایا ہے کہ جبکہ مثالی مریم نے بھی تقویٰ اختیار کیا تو ہم نے اپنے طرف سے روح پھونک دی اس میں اشارہ تھا کہ مسیح ابن مریم میں کلمۃ اللہ ہونے کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ آخری مسیح بھی کلمۃ اللہ ہے اور روح اللہ بھی بلکہ ان دونوں صفات میں وہ پہلے سے زیادہ کامل ہے جیسا کہ سورت تحریم اور سورت فاتحہ اور سورۃ النور اور آیت کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّتٍ اُخْرِجَتْ (ال عمران:111) سے سمجھا جاتا ہے۔ (تریاق القلوب۔ر۔خ۔جلد15 صفحہ 484)

الہام میں خدا تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ رکھا اور مجھے اس قرآنی پیشگوئی هُوَ الَّذِىْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصّف:10) کا مصداق ٹھہرایا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے خاص تھی اور آنے والے مسیح موعود کے تمام صفات مجھ میں قائم کئے۔

(ایام الصلح ۔ ر۔خ۔ جلد 14 صفحہ 272)

چوں مرا نورے پئے قومے مسیحی دادہ اند مصلحت را ابن مریم نامِ من بنہادہ اند

چونکہ مجھے عیسائی قوم کے لیے ایک نور دیا گیا ہے۔ اس وجہ سے میرا نام ابن مریم رکھا گیا۔

مے درخشم چوں قمر تابم چو قرص آفتاب کور چشم آنانکہ در انکار ہا افتادہ اند

میں چاند کی طرح روشن ہوں اور آفتاب کی طرح چمکتا ہوں۔ وہ اندھے ہیں جو انکار میں پڑے ہوئے ہیں۔

بشنوید اے طالباں کز غیب بکنند ایں ندا مصلحے باید کہ در ہر جا مفاسد زادہ اند

اے طالبو! سنو غیب سے یہ آواز آ رہی ہے کہ ایک مصلح درکار ہے کیونکہ ہر جگہ فساد پیدا ہو گئے ہیں۔

صادقم و از طرف مولیٰ با نشانہا آمدم صدورِ علم و ہدیٰ بر روئے من بکشادہ اند

میں صادق ہوں اور مولیٰ کی طرف سے نشان لے کر آیا ہوں۔ علم و ہدایت کے سینکڑوں در مجھ پر کھولے گئے ہیں۔

آسمان بارد نشان الوقت میگوید زمیں ایں دو شاہد از پئے تصدیقِ من استادہ اند

آسمان نشان برسا رہا ہے اور زمین پکار رہی ہے کہ یہی وقت ہے میری تصدیق کے لیے یہ دو گواہ کھڑے ہیں۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 190-189)(آئینہ کمالات اسلام ۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 358)

ابن مریم ہوں مگر اترا نہیں میں چرخ سے نیز مہدی ہوں مگر بے تیغ اور بے کارزار

ملک سے مجھکو نہیں مطلب نہ جنگوں سے ہے کام کام میرا ہے دلوں کو فتح کرنا نے دیار

تاج و تخت ہند قیصر کو مبارک ہو مدام ان کی شاہی میں میں پاتا ہوں رفاہ روزگار

مجھکو کیا ملکوں سے میرا ملک ہے سب سے جدا مجھکو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوان یار

ہم تو بستے ہیں فلک پر اس زمیں کو کیا کریں آسماں کے رہنے والوں کو زمیں سے کیا نقار

(درثمین اردو)(براہین احمدیہ حصہ پنجم ۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 141)

وَالَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَo (الانبیاء:92)

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے مومن کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں **ایک مثال فرعون کی عورت سے ہے جو کہ اس قسم کے خاوند سے خدا کی پناہ چاہتی ہے۔ یہ اُن مومنوں کی مثال ہے جو نفسانی جذبات کے آگے گر جاتے ہیں اور غلطیاں کر بیٹھتے ہیں** پھر پچھتاتے ہیں توبہ کرتے ہیں خدا سے پناہ مانگتے ہیں اُن کا نفس فرعون سے خاوند کی طرح اُن کو تنگ کرتا رہتا ہے وہ لوگ نفسِ لوّامہ رکھتے ہیں بدی سے بچنے کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔ **دوسرے مومن وہ ہیں جو اس سے اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں وہ صرف بدیوں سے ہی نہیں بچتے بلکہ نیکیوں کو حاصل** کرتے ہیں۔ **اُن کی مثال اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم سے دی ہے** اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ

رُوۡحِنَا ۔ ہرایک مومن جوتقویٰ اورطہارت میں کمال پیدا کرے وہ بروزی طور پر مریم ہوتا ہےاور خدااس میں اپنی روح پھونک دیتا ہے جو کہ ابنِ مریم بن جاتی ہے ۔زمخشری نے بھی اس کے یہی معنے کئے ہیں کہ یہ آیت عام ہے اوراگر یہ معنی نہ کئے جاویں تو حدیث شریف میں آیا ہے کہ مریم اورابنِ مریم کے سوامسِ شیطان سے کوئی محفوظ نہیں ۔اِس سے لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ تمام انبیاء پرشیطان کا دخل تھا۔پس دراصل اِس آیت میں بھی اشارہ ہے کہ ہرایک مومن جو اپنے تئیں اس کمال کو پہنچائے ۔خدا کی روح اس میں پھونکی جاتی ہےاور وہ ابنِ مریم بن جاتا ہے اوراس میں ایک پیشگوئی ہے کہ اس اُمّت میں ابنِ مریم پیدا ہوگا۔ **تعجب ہے کہ لوگ اپنے بیٹوں کا نام محمد اور عیسیٰ اورموسیٰ اور یعقوب اوراسحاق اوراسمٰعیل اورابراہیم رکھ لیتے ہیں اوراس کو جائز جانتے ہیں پر خدا کے لئے ناجائز نہیں جانتے کہ وہ کسی کا نام عیسیٰ یاابنِ مریم رکھ دے۔** (ملفوظات جلداول صفحہ 522۔523)

زیں سبب شد ابن مریم نامِ من زانکہ مریم بود اوّل گامِ من!

میرانام ابن مریم اس لیے ہؤا۔کہ مریم بننا میرا پہلا قدم تھا۔

بعد ازاں ازنفخ حق عیسیٰ شدم شد زِ جائے مریمی بر تر قدم

پھرمیں خدائی نفخ کےسبب سےعیسیٰ ہوگیااورمقامِ مریمی سے میرا قدم اونچا ہوگیا۔

ایں ہمہ گفت است ربّ العالمین گرنمے دانی براہیں راببیں

یہ سب باتیں رب العالمین کی فرمودہ ہیں۔اگر تجھے علم نہیں تو براہین احمدیہ کودیکھ۔

(درثمین فارسی صفحہ 304)(حقیقت الوحی ۔ر۔خ۔جلد22 صفحہ 408)

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاهِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا ۔(المزمل:16)

ترجمہ:۔یقیناً ہم نے بھیجاتمہاری طرف رسول گواہی دینے والاتم پرجیسا کہ بھیجا ہم نے طرف فرعون کی رسول۔

میں وہی ہوں جووقت پراصلاح خلق کے لئے بھیجا گیا تا دین کوتازہ طور پر دلوں میں قائم کردیا جائے۔ میں اسی طرح بھیجا گیا ہوں جس طرح سے وہ شخص بعدکلیم اللہ مردخدا کے بھیجا گیا تھا جس کی روح ہیروڈیس کے عہد حکومت میں بہت تکلیفوں کے بعدآسمان کی طرف اٹھائی گئی۔ سوجب دوسراکلیم اللہ جوحقیقت میں سب سے پہلا اورسیدالانبیاء ہے دوسرے فرعونوں کی سرکوبی کے لئے آیاجس کے حق میں ہےاِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاهِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا سواس کو بھی جواپنی کارروائیوں میں کلیم اول کامثیل مگر رتبہ میں اس سے بزرگ ترتھاایک مثیل المسیح کاوعدہ دیا گیااوروہ مثیل المسیح قوت اورطبع اورخاصیت مسیح ابن مریم کی پاکراسی زمانہ کی مانند اوراسی مدت کے قریب قریب جوکلیم اول کے زمانہ سے مسیح ابن مریم کے زمانہ تک تھی یعنی چودھویں صدی میں آسمان سے اترااوروہ اترناروحانی طور پر تھاجیسا کہ مکمل لوگوں کاصعود کے بعدخلق اللہ کی اصلاح کے لئے نزول ہوتاہےاورسب باتوں میں اسی زمانہ کے ہم شکل زمانہ میں اتراجومسیح ابن مریم کے اترنے کازمانہ تھاتاسمجھنے والوں کے لئے نشان ہو۔ (فتح اسلام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 8)

میں تو آیا اس جہاں میں ابن مریم کی طرح — میں نہیں مامور از بہر جہاد و کار زار
پر اگر آتا کوئی جیسی انہیں امید تھی — اور کرتا جنگ اور دیتا غنیمت بے شمار
ایسے مہدی کے لئے میداں کھلا تھا قوم میں — پھر تو اس پر جمع ہوتے ایک دم میں صد ہزار
پر یہ تھا رحم خداوندی کہ میں ظاہر ہوا — آگ آتی گر نہ میں آتا تو پھر جاتا قرار
آگ بھی پھر آ گئی جب دیکھ کر اتنے نشاں — قوم نے مجھ کو کہا کذاب ہے اور بدشعار
ہے یقیں یہ آگ کچھ مدت تلک جاتی نہیں — ہاں مگر توبہ کریں باصد نیاز و انکسار

(درثمین اردو صفحہ 137)(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 138)

ایک شخص کا اس اُمت میں سے مسیحؑ کے نام پر آنا ضروری ہے۔ کیوں ضروری ہے۔ تین وجہ سے۔ اوّل یہ کہ مماثلتِ تامہ کاملہ ہمارے نبی ﷺ کی حضرت موسیٰؑ سے جو آیت کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا سے مفہوم ہوتی ہے اس بات کو چاہتی ہے۔ وجہ یہ کہ آیت اِنَّـآ اَرْسَلْنَـآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا **(المزمل: 16)** صاف بتلا رہی ہے کہ جیسے حضرت موسیٰؑ اپنی اُمت کی نیکی بدی پر شاہد تھے ایسا ہی ہمارے ﷺ بھی شاہد ہیں مگر یہ شہادت دوامی طور پر بجز صورت اِستخلاف کے حضرت موسیٰؑ کے لئے ممکن نہیں ہوئی یعنی خدا تعالیٰ نے اسی اتمام حجت کی غرض سے حضرت موسیٰؑ کے لئے چودہ سو برس تک خلیفوں کا سلسلہ مقرر کیا جو درحقیت توریت کے خادم اور حضرت موسیٰؑ کی شریعت کی تائید کے لئے آتے تھے تا خدا تعالیٰ بذریعہ ان خلیفوں کے حضرت موسیٰؑ کی شہادت کے سلسلہ کو کامل کردیوے اور وہ اس لائق ٹھہریں کہ قیامت کو تمام بنی اسرائیل کی نسبت خدا تعالیٰ کے سامنے شہادت دے سکیں ایسا ہی اللہ جل شانہٗ نے اسلامی اُمت کے کل لوگوں کیلئے ہمارے نبی ﷺ کو شاھد ٹھہرایا ہے اور فرمایا اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ اور فرمایا وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا (النساء:42) **مگر ظاہر ہے کہ ظاہری طور پر تو آنحضرت ﷺ صرف تئیس برس تک اپنی اُمت میں رہے پھر یہ سوال کہ دائمی طور پر وہ اپنی اُمت کے لئے کیونکر شاہد ٹھہر سکتے ہیں یہی واقعی جواب رکھتا ہے کہ بطور استخلاف کے یعنی موسیٰ علیہ السلام کی مانند خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے لئے بھی قیامت تک خلیفے مقرر کردیئے اور خلیفوں کی شہادت بعنیہ آنحضرت ﷺ کی شہادت متصور ہوئی اور اس طرح پر مضمون آیت** اِنَّـآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ۔ **ہر یک پہلو سے درست ہو گیا۔ غرض شہادتِ دائمی کا عقیدہ جو نص قرآنی سے متواتر ثابت اور تمام مسلمانوں کے نزدیک مسلم ہے تبھی معقولی اور تحقیقی طور پر ثابت ہوتا ہے جب خلافتِ دائمی کو قبول کیا جائے اور یہ امر ہمارے مدّعا کو ثابت کرنے والا ہے** فتدبر۔

(شہادت القرآن۔ر۔خ جلد6 صفحہ 362 تا363)

کاسرالصلیب ہونے کے اعتبار سے

حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاجُوْجُ وَ مَاجُوْجُ وَ هُمْ مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ۔(انبیاء:97)

حضرت اقدس نے جو حجرہ دعائیہ بنایا ہے۔اس کی نسبت فرمایا کہ:-

ہمارا اس سے بڑا کام تو کسرِ صلیب ہے اگر یہ کام ہو جاوے تو ہزاروں شبہات اور اعتراضات کا جواب خود بخود ہی ہو جاتا ہے اور اسی کے ادھورا رہنے سے سینکڑوں اعتراضات ہم پر وارد ہو سکتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ چالیس یا پچاس کتابیں لکھی ہیں مگر ان سے ابھی وہ کام نیں نکلا جس کے لئے ہم آئے ہیں۔اصل میں ان لوگوں نے جس طرح قدم جمائے اور اپنا دام فریب پھیلایا ہے وہ ایسا نہیں کہ کسی انسان طاقت سے درہم برہم ہو سکے۔ دانا آدمی جانتا ہے کہ اس قوم کا تختہ کس طرح پلٹا جا سکتا ہے۔ **یہ کام بجز خدائی ہاتھ کے انجام پزیر ہوتا نظر نہیں آتا اسی واسطے ہم نے ان ہتھیاروں یعنی قلم کو چھوڑ کر دعا کے واسطے یہ مکان (حجرہ) بنوایا ہے کیونکہ دعا کا میدان خدا نے بڑا وسیع رکھا ہے اس کی قبولیت کا بھی اس نے وعدہ فرمایا ہے۔**

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ۔(الانبیاء:97) اس امر کے اظہار کے واسطے کافی ہے کہ یہ کل دنیا کی زمینی طاقتوں کو زیر پا کریں گے ورنہ اس کے سوا اور کیا معنے ہیں؟ کیا یہ قومیں دیواروں اور ٹیلوں کو کودتی پھاندتی پھریں گی؟ **نہیں بلکہ اس کے یہی معنے ہیں کہ وہ دنیا کی کل ریاستوں اور سلطنتوں کو زیر پا کرلیں گی اور کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔** (ملفوظات جلد سوم صفحہ 191)

اب خدا کی غیرت نے نہ چاہا کہ اس کی توحید اور جلال کی ہتک ہو اور اس کے رسول کی زیادہ بے عزتی کی جاوے۔اس کی غیرت نے تقاضا کیا کہ اپنے نور کو اب روشن کرے اور سچائی اور حق کا غلبہ ہو سو اس نے مجھے بھیجا اور اب میرے دل میں تحریک پیدا کی کہ میں ایک حجرہ بیت الدعا صرف دعا کے واسطے مقرر کروں اور بذریعہ دعا کے اس فساد پر غالب آؤں تا کہ اول آخر سے مطابق ہو جاوے اور جس طرح سے پہلے آدم کو دعا ہی کے ذریعہ سے شیطان پر فتح نصیب ہوئی تھی اب آخری آدم کے مقابل پر آخری شیطان پر بھی بذریعہ دعا کے فتح ہو۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 192)

آنحضرتؐ کے بروز ہونے کے اعتبار سے

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًاo(الاحزاب:41)

آنحضرت ﷺ کے بعد جو درحقیقت خاتم النّبیّین تھے مجھے رسول اور نبی کے لفظ سے پکارے جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں اور نہ اس سے مُہرِ ختمیّت ٹوٹتی ہے کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (الجمعہ:4) بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت ﷺ کا وجود قرار دیا ہے پس اِس طور پر آنحضرت ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظِلّ اپنے اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔اور چونکہ میں ظلّی طور پر محمد ہوں ﷺ۔پس اس طور سے خاتم النّبیّین کی مُہر نہیں ٹوٹی کیونکہ محمد ﷺ کی نبوت محمدؐ تک ہی محدود رہی یعنی بہر حال محمد ﷺ ہی نبی رہے نہ اور کوئی۔یعنی جبکہ میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالاتِ محمدیؐ مع نبوّتِ محمدیہؐ کے میرے آئینۂ ظلّیت میں مُنعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا۔(ایک غلطی کا ازالہ۔ر۔خ جلد18 صفحہ 212)

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا فرض منصبی جو تکمیل اشاعت ہدایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بوجہ عدم وسائل اشاعت غیر ممکن تھا اس لئے قرآن شریف کی آیت وَ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (الجمعہ:4) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ثانی کا وعدہ دیا گیا ہے۔اس وعدہ کی ضرورت اسی وجہ سے پیدا ہوئی کہ تا دوسرا فرض منصبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یعنی تکمیل اشاعت ہدایت دین جو آپ کے ہاتھ سے پورا ہونا چاہیئے تھا اس وقت بباعث عدم وسائل پورا نہیں ہوا۔**سو اس فرض کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آمد ثانی سے جو بروزی رنگ میں تھی** ایسے زمانہ میں پورا کیا جبکہ زمین کی تمام قوموں تک اسلام پہنچانے کیلئے وسائل پیدا ہوگئے تھے۔ (تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ۔جلد17 صفحہ 263 حاشیہ)

اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو جو مسیح موعود کے ساتھ ہے یہ درجہ عطا فرمایا ہے کہ وہ صحابہؓ کی جماعت سے ملنے والی ہے وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ ۔**مفسروں نے مان لیا ہے کہ یہ مسیح موعود والی جماعت ہے اور یہ گویا صحابہؓ کی ہی جماعت ہوگی اور وہ مسیح موعود کے ساتھ نہیں درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی ساتھ ہے کیونکہ مسیح موعود آپؐ ہی کے ایک جمال میں آئے گا اور تکمیل تبلیغ اشاعت کے کام کے لئے وہ مامور ہوگا۔**

(ملفوظات جلد اول صفحہ 405)

وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (الجمعة:4)

وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ يَعْنِيْ يُزَكِّي النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ اٰخَرِيْنَ مِنْ اُمَّتِهٖ بِتَوَجُّهَاتِهِ الْبَاطِنِيَّةِ كَمَا كَانَ يُزَكِّيْ صَحَابَتَهٗ۔

ترجمہ ازمرتب:۔ **وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے آخرین کا اپنی باطنی توجہات کے ذریعہ اسی طرح تزکیہ فرمائیں گے جیسا کہ آپ اپنے صحابہؓ کا تزکیہ فرمایا کرتے تھے۔**

(حمامۃ البشریٰ۔ر۔خ۔جلد7صفحہ 244)

اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ خداوہ خدا ہے جس نے ایسے وقت میں رسول بھیجا کہ لوگ علم اور حکمت سے بے بہرہ ہو چکے تھے اور علوم حکمیہ دینیہ جن سے تکمیل نفس ہو اور نفوس انسانیہ علمی اور عملی کمال کو پہنچیں بالکل گم ہو گئی تھی اور لوگ گمراہی میں مبتلا تھے یعنی خدا اور اس کی صراط مستقیم سے بہت دور جا پڑے تھے تب ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے اپنا رسول امی بھیجا اور اس رسول نے ان کے نفسوں کو پاک کیا اور علم الکتاب اور حکمت سے ان کو مملو کیا یعنی نشانوں اور معجزات سے مرتبہ یقین کامل تک پہنچایا اور خدا شناسی کے نور سے ان کے دلوں کو روشن کیا **اور پھر فرمایا کہ ایک گروہ اور ہے جو آخری زمانے میں ظاہر ہوگا۔ وہ بھی اول تاریکی اور گمراہی میں ہوں گے اور علم اور حکمت اور یقین سے دور ہوں گے تب خدا** ان کو بھی صحابہؓ کے رنگ میں لائے گا یعنی جو کچھ صحابہؓ نے دیکھا وہ ان کو بھی دکھایا جائے گا یہاں تک کہ ان کا صدق اور یقین بھی صحابہؓ کے صدق اور یقین کی مانند ہو جائے گا اور حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر کے وقت سلمان فارسیؓ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا **لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ** یعنی اگر ایمان ثریا پر یعنی آسمان پر بھی اٹھ گیا ہوگا تب بھی ایک آدمی فارسی الاصل اس کو واپس لائے گا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ایک شخص آخری زمانے میں فارسی الاصل پیدا ہوگا۔ اس زمانہ میں جس کی نسبت لکھا گیا ہے قرآن آسمان پر اٹھایا جائے گا۔ **یہی وہ زمانہ ہے جو مسیح موعود کا زمانہ ہے اور یہ فارسی الاصل وہی ہے جس کا نام مسیح موعود ہے۔** (ایام الصلح۔ر۔خ۔جلد14صفحہ 304)

اسلام پر تین زمانے گذرے ہیں ایک قرون ثلاثہ اس کے بعد فیج اعوج کا زمانہ جس کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ **لَيْسُوْا مِنِّيْ وَ لَسْتُ مِنْهُمْ** یعنی نہ وہ مجھ سے ہیں اور نہ میں ان سے ہوں **اور تیسرا زمانہ مسیح موعود کا زمانہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ سے ملحق ہے بلکہ حقیقت میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے** فیج اعوج کا ذکر اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بھی فرماتے تو یہی قرآن شریف ہمارے ہاتھ میں ہے اور **وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ** صاف ظاہر کرتا ہے کہ کوئی زمانہ ایسا بھی ہے جو صحابہؓ کے مشرب کے خلاف ہے اور واقعات بتارہے ہیں کہ اس ہزار سال کے درمیان اسلام بہت ہی مشکلات اور مصائب کا نشانہ رہا ہے۔ معدودے چند کے سوا سب نے اسلام کو چھوڑ دیا اور بہت سے فرقے معتزلہ اور اباحتی وغیرہ پیدا ہو گئے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 67)

چونکہ آنحضرت ﷺ کا حسب آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ دوبارہ تشریف لانا بجز صورت بروز غیر ممکن تھا اس لئے آنحضرت ﷺ کی روحانیت نے ایک ایسے شخص کو اپنے لئے منتخب کیا جو خلق اور خو اور ہمت اور ہمدردی خلائق میں اس کے مشابہ تھا اور مجازی طور پر اپنا نام احمد اور محمد اس کو عطا کیا تا یہ سمجھا جائے کہ گویا اس کا ظہور بعینہٖ آنحضرت ﷺ کا ظہور تھا۔ (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ۔ جلد 17 صفحہ 263)

ہمچنیں عشقم بروئے مصطفیٰ — دل پرد چوں مرغ سوئے مصطفیٰ
ایسا ہی عشق مجھے مصطفیٰ کی ذات سے ہے میرا دل — ایک پرندہ کی طرح مصطفیٰ کی طرف اڑ کر جاتا ہے

تا مرا داوند از حسنش خبر — شد دلم از عشقِ او زیر و زبر
جب سے مجھے اس کے حسن کی خبر دی گئی ہے — میرا دل اسکے عشق میں بے قرار رہتا ہے

منکہ مے بینم رخِ آں دلبرے — جاں فشانم گر دہد دل دیگرے
میں جو کہ اس دلبر کا چہرہ دیکھ رہا ہوں اور اگر — کوئی اسے دل دے تو میں اس کے مقابلہ پر جان نثار

ساقیٔ من ہست آں جاں پرورے — ہر زماں مستم کند از ساغرے
وہی روح پرور شخص تو میرا ساقی ہے — جو ہمیشہ جام شراب سے مجھے سرشار رکھتا ہے

محو روئے او شد است ایں روئے من — بوئے او آید زبام و کوئے من
یہ میرا چہرہ اس کے چہرہ میں محو اور گم ہو گیا — اور میرے مکان اور کوچہ سے اسی کی خوشبو آ رہی ہے

بسکہ من در عشقِ او ہستم نہاں — من ہمانم ۔ من ہمانم ۔ من ہماں
از بسکہ میں اس کے عشق میں غائب ہوں — میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں

جانِ من از جانِ او یابد غذا — از گریبانم عیاں شد آں ذکا !
میری روح اسکی روح سے غذا حاصل کرتی ہے — اور میرے گریباں سے وہی سورج نکل آیا ہے

احمدؐ اندر جانِ احمدؐ شد پدید — اسم من گردید اسم آں وحید
احمدؐ کی جان کے اندر احمدؐ ظاہر ہو گیا اس لئے — میرا وہی نام ہو گیا جو اس لاثانی انسان کا نام ہے

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 228)(سراج منیر۔ ر۔خ۔ جلد 12 صفحہ 97-96)

آنحضرت ﷺ کی بعثت ثانی کے اعتبار سے

یہ عجیب بات ہے کہ نادان مولوی جن کے ہاتھ میں صرف پوست ہی پوست ہے حضرت مسیح کے دوبارہ آنے کی انتظار کر رہے ہیں مگر قرآن شریف ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دوبارہ آنے کی بشارت دیتا ہے کیونکہ افاضہ بغیر بعث غیر ممکن ہے۔ اور بعث بغیر زندگی کے غیر ممکن ہے **اور حاصل اس آیت کریمہ یعنی وَ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ کا یہی ہے کہ دنیا میں زندہ رسول ایک ہی ہے یعنی محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم جو ہزار ششم میں بھی مبعوث ہو کر ایسا ہی افاضہ کرے گا جیسا کہ وہ ہزار پنجم میں افاضہ کرتا تھا۔ اور مبعوث ہونے کے اسجگہ یہی معنی ہیں کہ جب ہزار ششم آئیگا اور مہدی موعود اس کے آخر میں ظاہر ہوگا تو گو بظاہر مہدی معہود کے توسط سے دنیا کو ہدایت ہوگی لیکن دراصل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی نئے سرے اصلاح عالم کی طرف ایسی سرگرمی سے توجہ کرے گی کہ گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دوبارہ مبعوث ہو کر دنیا میں آگئے ہیں۔ یہی معنے اس آیت کے ہیں کہ وَ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (الجمعة: 4)۔**

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ۔ جلد 17 صفحہ 249-248 حاشیہ)

لہذا جیسا کہ مومن کے لئے دوسرے احکام الٰہی پر ایمان لانا فرض ہے ایسا ہی اس بات پر بھی ایمان فرض ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دو بعث (۱) ایک بعث محمدی جو جلالی رنگ میں ہے جو ستارہ مریخ کی تاثیر کے نیچے ہے جس کی نسبت بحوالہ توریت قرآن شریف میں یہ آیت ہے **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ** (الفتح: 30) (۲) دوسرا بعث احمدی جو جمالی رنگ میں ہے جو ستارہ مشتری کی تاثیر کے نیچے ہے جس کی نسبت بحوالہ انجیل قرآن شریف میں یہ آیت ہے **وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗۤ اَحْمَدُ** (الصف: 7) اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باعتبار اپنی ذات اور اپنے تمام سلسلہء خلفاء کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک ظاہر اور کھلی کھلی مماثلت ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے بلا واسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ کے رنگ پر مبعوث فرمایا۔ **لیکن چونکہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عیسٰی سے ایک مخفی اور باریک مماثلت تھی اس لئے خدا تعالیٰ نے ایک بروز کے آئینہ میں اس پوشیدہ مماثلت کا کامل طور پر رنگ دکھلا دیا۔ پس درحقیقت مہدی اور مسیح ہونے کے دونوں جوہر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات میں موجود تھے۔ خدا تعالےٰ سے کامل ہدایت پانے کی وجہ سے جس میں کسی استاد کا انسانوں میں سے احسان نہ تھا۔**

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ۔ جلد 17 صفحہ 254)

قرآن میں بیان کردہ دو گروہوں کے اعتبار سے

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ۔ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ۔ (الواقعة:41,40)

کیا تم وہ باتیں یاد نہیں کرتے جو عالم الغیب نے کہیں اور اس نے تمہیں ایک آنے والے امام کی قرآن کریم میں خبر دی ہے اور کہا کہ ایک گروہ پہلوں میں سے اور ایک گروہ پچھلوں میں سے ہوگا اور ہر ایک گروہ کے لئے ایک امام ہوتا ہے سو سوچو کیا اس میں کوئی کلام ہے؟ سو تم امام الآخرین سے کہاں بھاگتے ہو۔

(نورالحق۔ر۔خ۔جلد8صفحہ217)

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ز سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ج وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ج كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ط وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا o(الفتح: 30)

فَاِنَّ مُوْسٰى اَخْبَرَ عَنْ صَحْبٍ كَانُوْا مَظْهَرَ اسْمِ مُحَمَّدٍ نَبِيِّنَا الْمُخْتَارِ وَصُوَرَ جَلَالِ اللّٰهِ الْقَهَّارِ بِقَوْلِهٖ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ۔وَاِنَّ عِيْسٰى اَخْبَرَ عَنْ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ وَعَنْ اِمَامَ تِلْكَ الْاَبْرَارِ ۔اَعْنِى الْمَسِيْحَ الَّذِىْ هُوَ مَظْهَرُ اَحْمَدَ الرَّاحِمِ السَّتَّارِ وَمَنْبَعُ جَمَالِ اللّٰهِ الرَّحِيْمِ الْغَفَّارِ بِقَوْلِهٖ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ الَّذِىْ هُوَ مُعْجِبُ الْكُفَّارِ وَكُلٌّ مِنْهُمَا اَخْبَرَ بِصِفَاتٍ تُنَاسِبُ صِفَاتِهِ الذَّاتِيَةَ وَاخْتَارَ جَمَاعَةً تُشَابِهُ اَخْلَاقُهُمُ الْمَرْضِيَّةَ ۔فَاَشَارَ مُوْسٰى بِقَوْلِهٖ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ اِلٰى صَحَابَةٍ اَدْرَكُوْا صُحْبَةَ نَبِيِّنَا الْمُخْتَارِ وَاَرَوْا شِدَّةً وَغِلْظَةً فِى الْمِضْمَارِ وَاَظْهَرُوْا جَلَالَ اللّٰهِ بِالسَّيْفِ الْبَتَّارِ ۔وَصَارُوْا ظِلَّ اسْمِ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ الْقَهَّارِ عَلَيْهِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَاَهْلِ السَّمَاءِ وَاَهْلِ الْاَرْضِ مِنَ الْاَبْرَارِ وَالْاَخْيَارِ۔ وَاَشَارَ عِيْسٰى بِقَوْلِهٖ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ اِلٰى قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ وَاِمَامِهِمِ الْمَسِيْحِ بَلْ ذَكَرَ اسْمُهٗ اَحْمَدَ بِالتَّصْرِيْحِ وَاَشَارَ بِهٰذَا الْمَثَلِ الَّذِىْ جَآءَ فِى الْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ اِلٰى اَنَّ الْمَسِيْحَ الْمَوْعُوْدَ لَا يَظْهَرُ اِلَّا كَنَبَاتٍ لِيْنٍ لَا كَالشَّىْءِ الْغَلِيْظِ الشَّدِيْدِ۔

ترجمہ از مرتب:۔موسیٰ علیہ السلام نے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کہہ کراُن اصحاب کی خبر دی جو ہمارے برگزیدہ نبی ﷺ کے محمد نام کے مظہر تھے اور خدائے قہّار کے جلال کو ظاہر کرنے والے تھے اور عیسیٰؑ نے ایک دوسرے گروہ اوران کے امام مسیح موعود کی خبر دی جورحم کرنے والےاور پردہ پوشی کرنے والےاحمد نام کے مظہراور خدائے رحیم وغفار کے جمال کا سرچشمہ ہیں ان الفاظ میں کہ وہ گروہ اُس پودہ کی مانند ہے جس نے خوبصورت کونپلیں نکالی ہوں اور جو کسانوں کو تعجب میں ڈال رہا ہو اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ ہر دو نے ان صفات کی خبر دی جو ان کی ذاتی صفات سے مناسبت رکھتی تھیں اور ہر ایک نے ایک ایسی جماعت کی خبر دی جو ان کے پسندیدہ اخلاق کے مشابہہ اخلاق رکھتی تھی۔پس حضرت موسیٰؑ نے اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کہہ کران اصحاب کی طرف اشارہ کیا جنہوں نے ہمارے محبوب نبی ﷺ کی صحبت کو پایا اور انہوں نے میدانِ جنگ میں کافروں کا نہایت سختی سے مقابلہ کیا اور شمشیرِ بُرّاں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جلال کو ظاہر کیا اور وہ محمد رسول اللہ کے نام کے ظلّ ہو گئے جو اللہ تعالیٰ کے اِسم قہّار کے مظہر ہیں۔آپ کو اللہ تعالیٰ کا اور آسمان وزمین کے برگزیدہ لوگوں کا سلام پہنچے۔اور **عیسیٰ علیہ اسلام نے کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَہٗ کہہ کر بعد میں آنے والے ایک گروہ اوران کے امام مسیح موعود کی طرف اشارہ کیا بلکہ آپ نے صراحت سے اس کے نام احمد کا بھی ذکر کر دیا اوراس کے ساتھ اس مثال کی طرف بھی اشارہ کیا جو قران مجید میں مذکورہ ہے کہ مسیح موعود نرم سبزہ کی طرح ظاہر ہوگا نہ کہ کسی سخت چیز کی مانند۔**

(اعجاز المسیح ۔ر۔خ جلد18 صفحہ 125 تا127)

گروہِ آخرین سے حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی جماعت مراد ہے

اگرچہ زمانہ فیج اعوج میں بھی جماعت کثیر گمراہوں کے مقابل نیک اور اہل اللہ اور ہر صدی کے سر پر مجدد بھی ہوتے رہے ہیں لیکن جس منطوق آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ خالص محمدی گروہ ایک پلید ملونی اور آمیزش سے پاک اور توبہ نصوح سے غسل دیئے ہوئے ایمان اور دقائق عرفان اور علم اور عمل اور تقویٰ کے لحاظ سے ایک کثیر التعداد جماعت ہے۔ **یہ اسلام میں صرف دو گروہ ہیں یعنی گروہ اولین و گروہ آخرین جو صحابہ اور مسیح موعود کی جماعت سے مراد ہے۔ اس لئے اس سورہ (فاتحہ) میں اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے فقرہ سے مراد یہی دونوں گروہ ہیں یعنی آنخضرت ﷺ مع اپنی جماعت کے اور مسیح موعود مع اپنی جماعت کے۔ خلاصہ کلام یہ کہ خدا نے ابتداء سے اس امت میں دو گروہ ہی تجویز فرمائے ہیں اور انہی کی طرف سورہ فاتحہ کے فقرہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں اشارہ ہے (۱) ایک اولین جو جماعت نبوی ہے (۲) دوسرے آخرین جو جماعت مسیح موعود ہے** اور افراد کاملہ جو درمیانی زمانہ میں ہیں جو فیج اعوج کے نام سے موسوم ہے جو بوجہ اپنی کمی مقدار اور کثرتِ اشرار و فجار و ہجوم افواج بدمذاہب و بدعقائد و بداعمال شاذ و نادر کے حکم میں سمجھے گئے گو دوسرے فرقوں کی نسبت درمیانی زمانہ کے صلحائے امت محمدیہ بھی باوجود طوفان بدعات کے ایک دریائے عظیم کی طرح ہیں۔ (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ۔ جلد 17 صفحہ 225-226)

ھر کہ در عہدم زمن ماند جدا
جو میرے زمانہ میں مجھ سے جدا رہتا ہے
مے کند بر نفسِ خود جور و جفا
تو وہ خود اپنی جان پر ظلم کرتا ہے

پر ز نورِ دلستاں شد سینہ ام
محبوب کے نور سے میرا سینہ بھر گیا
شد ز دستے صیقلِ آئینہ ام
میرے آئینہ کا صیقل اسی کے ہاتھ نے کیا

پیکرم شد پیکرِ یارِ ازل
میرا وجود اس یار ازلی کا وجود بن گیا
کارِ من شد کارِ دلدارِ ازل
اور میرا کام اس دلدار قدیم کا کام ہو گیا

بسکہ جانم شد نہاں در یارِ من
چونکہ میری جان میرے یار کے اندر مخفی ہو گئی
بوئے یار آمد ازیں گلزارِ من
اس لئے یار کی خوشبو میرے گلزار سے آنے لگی

نورِ حق داریم زیرِ چادرے
ہماری چادر کے اندر خدا کا نور ہے
از گریبانم بر آمد دلبرے
وہ دلبر میرے گریبان میں سے نکلا

احمدِ آخر زماں نامِ من است
"احمد آخر زماں" میرا نام ہے اور میرا جام ہی
آخریں جامے ہمیں جامِ من است
(دنیا کے لئے) آخری جام ہے

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 239) (سراج منیر۔ ر۔خ۔ جلد 12 صفحہ 101)

آنحضرت ﷺ کے جمالی مظہر ہونے کے اعتبار سے

وَاِذْقَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًالِّمَابَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ ط فَلَمَّا جَآءَ ھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا ھٰذَاسِحْرٌ مُّبِیْنٌ O (الصّف:7)

آیت وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ میں یہ اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا آخر زمانہ میں ایک مظہر ظاہر ہوگا گویا وہ اس کا ایک ہاتھ ہوگا جس کا نام آسمان پر احمد ہوگا اور حضرت مسیحؑ کے رنگ میں جمالی طور پر دین کو پھیلائے گا۔ (تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ جلد17 صفحہ 68،69)

آنحضرت ﷺ کے دو بعث ہیں۔۔۔۔دوسرا بعث احمدی جو جمالی رنگ میں ہے جو ستارہ مشتری کی تاثیر کے نیچے ہے جس کی نسبت بحوالہ انجیل قرآن شریف میں آیت ہے وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ۔ (تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ جلد17 صفحہ 254)

خلیفۃ اللہ اور خاتم الخلفاء ہونے کے اعتبار سے

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَااسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَایُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَّ مَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (النور:56)

اور جب آیات ممدوحہ بالا کو غور سے دیکھتے ہیں تو ہمیں ان کے اندر سے یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ ضرور آخری خلیفہ اس امت کا جو چودھویں صدی کے سر پر ظہور کرے گا حضرت مسیح کی صورت مثالی پر آئیگا اور بغیر آلاتِ حرب ظہور کرے گا۔ دو سلسلوں کی مماثلت میں یہی قاعدہ ہے کہ اول اور آخر میں اشد درجہ کی مشابہت ان میں ہوتی ہے کیونکہ ایک لمبے سلسلہ اور ایک طولانی مدت میں تمام درمیانی افراد کا مفصل حال معلوم کرنا طول بلا طائل ہے۔ پس جبکہ قرآن کریم نے صاف صاف بتلا دیا کہ خلافت اسلامی کا سلسلہ اپنی ترقی اور تنزل اپنی جلالی اور جمالی حالت کی رو سے خلافت اسرائیلی سے بکلی مطابق ومشابہ ومماثل ہوگا اور یہ بھی بتلا دیا کہ نبی عربی امی مثیل موسیٰ ہے تو اس ضمن میں قطعی اور یقینی طور پر بتلایا

گیا کہ جیسے اسلام میں سر دفتر الٰہی خلیفوں کا مثیل موسیٰ ہے جو اس سلسلہ اسلامیہ کا سپہ سالار اور بادشاہ اور تخت عزت کے اول درجے پر بیٹھنے والا اور تمام کا مصدر اور اپنی روحانی اولاد کا مورث اعلیٰ ہے صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی **اس سلسلہ کا خاتم باعتبار نسبت تامہ وہ مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے جو اس امت کے لوگوں میں سے بحکم ربی مسیحی صفات سے رنگین ہو گیا ہے اور فرمان** **جَعَلْنٰکَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ** **نے اس کو درحقیقت وہی بنا دیا ہے** وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا اور اس آنے والے کا نام جو احمد رکھا گیا ہے وہ بھی اس کے مثیل ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ محمد جلالی نام ہے اور احمد جمالی اور احمد اور عیسیٰ اپنے جمالی معنوں کی رو سے ایک ہی ہیں۔ اسی کی طرف یہ اشارہ ہے وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فقط احمد ہی نہیں بلکہ محمد بھی ہیں یعنی جامع جلال و جمال ہیں لیکن آخری زمانہ میں برطبق پیشگوئی مجرد احمد جو اپنے اندر حقیقت عیسویت رکھتا ہے بھیجا گیا۔ (ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد3 صفحہ 463-462)

آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر ایک سلسلہ خلافت قائم کرنے کا وعدہ فرمایا اور اس سلسلہ کو پہلے سلسلہ خلافت کے ہم رنگ قرار دیا جیسا فرمایا کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ اب اس وعدہ استخلاف کے موافق اور اس کی مماثلت کے لحاظ سے ضروری تھا کہ جیسے موسوی سلسلہ خلافت کا خاتم الخلفاء مسیح تھا ضرور ہے کہ سلسلہ محمد یہ کے خلفاء کا خاتم بھی ایک مسیح ہی ہو۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 383)

اِعْلَمْ اَنَّ الْمَسِیْحَ الْمَوْعُوْدَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ لَیْسَ ھُوَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ صَاحِبَ الْاِنْجِیْلِ وَ خَادِمَ الشَّرِیْعَۃِ الْمُوْسَوِیَّۃِ کَمَاظَنَّ بَعْضُ الْجُھَلَاءِ مِنَ الْفَیْجِ الْاَعْوَجِ وَ الْفِئَۃِ الْخَاطِئَۃِ۔ بَلْ ھُوَ خَاتَمُ الْخُلَفَآءِ مِنْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ کَمَا کَانَ عِیْسٰی خَاتَمَ خُلَفَآءِ السِّلْسِلَۃِ الْکَلِیْمِیَّۃِ۔ وَ کَانَ لَھَا کَاٰخِرِ اللَّبْنَۃِ وَ خَاتَمَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ وَ اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْحَقُّ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَقْرَءُ وْنَ الْقُرْاٰنَ ثُمَّ یَمُرُّوْنَ مُنْکِرِیْنَ۔ وَ اِنَّ الْفُرْقَانَ قَدْ حَکَمَ بَیْنَ الْمُتَنَازِعِیْنَ فِیْ ھٰذِہِ الْمَسْئَلَۃِ۔ فَاِنَّہٗ صَرَّحَ فِیْ سُوْرَۃِ النُّوْرِ بِقَوْلِہٖ مِنْکُمْ بِاَنَّ خَاتَمَ الْاَئِمَّۃِ مِنْ ھٰذِہِ الْمِلَّۃِ۔

(ترجمہ از اصل) جان لو کہ کتاب اللہ میں جس مسیح موعود کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہے وہ صاحب انجیل اور خادم شریعت موسوی عیسیٰ ابن مریم نہیں جیسا کہ فیج اعوج کے بعض جاہل لوگوں اور غلط کار فرقہ میں سے بعض نے خیال کیا ہے **بلکہ وہ خاتم الخلفاء اسی امت میں سے ہوگا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خلفاء سلسلہ موسویہ کے خاتم تھے اور اس عمارت کی وہ آخری اینٹ اور اس سلسلہ کے آخری مرسل تھے اور یقیناً یہی بات سچی ہے۔** ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے جو قرآن تو پڑھتے ہیں پھر اس سے منکروں کی طرح اعراض کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس مسئلہ کے بارے میں جھگڑا کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے اور مِنْکُمْ کے لفظ سے سورۃ نور میں صراحت کر دی ہے **کہ خاتم الائمہ امت محمدیہ میں سے ہی ہوگا۔** (خطبہ الہامیہ۔ ر۔خ۔ جلد16 صفحہ 309)

ابن مریم پر فضیلت کے دعویٰ کو یہ لوگ بڑی بُری نگاہ سے دیکھتے ہیں' مگر میں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی صریح وحی سے مجھے معلوم کرایا گیا ہے کہ محمدی سلسلہ کا خاتم الخلفاء موسوی سلسلہ کے خاتم الخلفاء سے بڑھ کر ہے اور غور کر کے دیکھ لو ہر ایک بات اس سلسلہ کی موسوی سلسلہ سے بڑھی ہوئی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کیلئے آئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل دنیا کے لیے مبعوث ہوئے اور فرمایا گیا۔ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ۔ (الانبیاء :108) پھر آپ کی تائیدات موسیٰ علیہ السلام کی تائیدات سے بڑھ کر۔ آپ کے اعجازی نشان بڑھ کر۔ آپ کو جو کتاب دی گئی' وہ موسیٰ کی کتاب سے بڑھ کر۔ ہمیشہ کے لیے۔ غرض کل سامان بڑھ کر۔ کامیابیاں بڑھ کر۔ **پھر کیا وجہ ہے کہ اس سلسلہ کا خاتم الخلفاء موسوی سلسلہ کے خاتم الخلفاء سے بڑھ کر نہ ہو؟ ہم ایسے نبی کے وارث ہیں جو رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ اور کَآفَّةً لِّلنَّاسِ** (سباء:29) **کے لیے رسول ہو کر آیا۔ جس کی کتاب کا خدا محافظ اور جس کے حقائق و معارف سب سے بڑھ کر ہیں۔ پھر ان معارف اور حقائق کو پانے والا کیوں کم ہے؟**

(ملفوظات جلد دوم صفحہ -291)

ایک نیا نکتہ

بعد نماز مغرب حضرت اقدس نے اس تقریر کا اعادہ فرمایا جو کہ مورخہ 15 اپریل کی سیر میں درج ہو چکی ہے۔ اسکی تکمیل میں ایک نئی بات یہ فرمائی کہ:۔

اس وقت میں امت موسوی کی طرح جو مامور اور مجددین آئے ان کا نام نبی نہ رکھا گیا تو اس میں یہ حکمت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ختم نبوت میں فرق نہ آوے (جس کا مفصل ذکر قبل ازیں گذر چکا ہے) اور اگر کوئی نبی نہ آتا تو پھر مماثلت میں فرق آتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آدم۔ ابراہیم۔ نوح اور موسیٰ وغیرہ میرے نام رکھے حتیٰ کہ آخر کار جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَآءِ کہا۔ گویا اس سے سب اعتراض رفع ہو گئے **اور آپ کی امت میں ایک آخری خلیفہ ایسا آیا جو موسیٰ کے تمام خلفاء کا جامع تھا۔** (ملفوظات جلد سوم صفحہ 255)

عجب مدار اگر خلق سوئے ما بدوند — کہ ہر کجا کہ غنی مے بود گدا باشد
اگر مخلوقات ہماری طرف دوڑ کر آئے تو تعجب نہ کر — کہ جہاں دولتمند ہوتا ہے وہاں فقیر جمع ہو جاتے ہیں
گلے کہ روئے خزاں راگہے نخواہد دید — بباغِ ماست اگر قسمت رسا باشد
وہ پھول جو کبھی خزاں کا منہ نہیں دیکھے گا وہ — ہمارے باغ میں ہے اگر تیری قسمت یاور ہو
منم مسیح ببانگِ بلندمے گویم — منم خلیفۂ شاہے کہ برسما باشد
میں بلند آواز سے کہتا ہوں کہ میں ہی مسیح ہوں اور — میں ہی اس بادشاہ کا خلیفہ ہوں جو آسمان پر ہے
مقدر است کہ روزے بریں ادیم زمیں — ہزارہا دل و جاں بر رہم فدا باشد
یہ بات مقدر ہو چکی ہے کہ ایک دن روئے زمین پر — ہزاروں جان و دل میری راہ میں قربان ہوں گے

(تریاق القلوب۔ ر۔ خ۔ جلد 15 صفحہ 132)(درثمین فارسی مترجم صفحہ 267)

ذکریا14 باب میں مذکور ہے کہ آخری زمانہ میں مسیح موعود کے عہد میں سخت طاعون پڑیگی۔ اس زمانہ میں تمام فرقے دنیا کے متفق ہونگے کہ یروشلم کو تباہ کردیں۔ تب انہی دنوں میں طاعون پھوٹے گی اور اسی دن یوں ہوگا کہ جیتا پانی یوروشلم سے جاری ہوگا۔ یعنی خدا کا مسیح ظاہر ہو جائے گا۔ **اور اس جگہ یروشلم سے مراد بیت المقدس نہیں ہے بلکہ وہ مقام ہے جس سے دین کے زندہ کرنے کے لئے الٰہی تعلیم کا چشمہ جوش ماریگا اور وہ قادیان ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی نظر میں دارالامان ہے۔ خدا تعالیٰ نے جیسا کہ اس امت کے خاتم الخلفاء کا نام مسیح رکھا ویسا ہی اسکے خروج کی جگہ کا نام یروشلم رکھدیا اور اس کے مخالفوں کا نام یہود رکھ دیا۔ منہ** (نزول المسیح۔ ر۔خ۔ جلد18 صفحہ 420)

ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کامل شریعت لے کر آئے جو نبوت کے خاتم تھے اس لئے زمانہ کی استعدادوں اور قابلیتوں نے ختم نبوت کر دیا تھا۔ پس حضور علیہ السلام کے بعد ہم کسی دوسری شریعت کے آنے کے قائل ہرگز نہیں۔ ہاں جیسے ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰؑ تھے اسی طرح آپ کے سلسلہ کا خاتم جو خاتم الخلفاء یعنی مسیح موعود ہے ضروری تھا کہ مسیح علیہ السلام کی طرح آتا۔ **پس میں وہی خاتم الخلفاء اور مسیح موعود ہوں۔ جیسے مسیح کوئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے بلکہ شریعت موسوی کے احیاء کے لئے آئے تھے میں کوئی جدید شریعت لے کر نہیں آیا** اور میرا دل ہرگز نہیں مان سکتا کہ قرآن شریف کے بعد اب کوئی اور شریعت آسکتی ہے کیونکہ وہ کامل شریعت اور خاتم الکتب ہے **اسی طرح خدا تعالیٰ نے مجھے شریعت محمدی کے احیاء کے لئے اس صدی میں خاتم الخلفاء کے نام سے مبعوث فرمایا ہے۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 490)

حضرت اقدس کی رسالت کے اعتبار سے

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِىٌّ عَزِيْزٌ۔ (المجادلہ:22)

خدا نے ابتداء سے لکھ چھوڑا ہے اور اپنا قانون اور اپنی سنت قرار دے دیا ہے کہ وہ اور اس کے رسول ہمیشہ غالب رہیں گے پس چونکہ میں اس کا رسول یعنی فرستادہ ہوں مگر بغیر کسی نئی شریعت اور نئے دعوے اور نئے نام کے بلکہ اسی نبی کریم خاتم الانبیاء کا نام پا کر اور اسی میں ہو کر اور اسی کا مظہر بن کر آیا ہوں اس لئے میں کہتا ہوں کہ جیسا کہ قدیم سے یعنی آدم کے زمانہ سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ہمیشہ مفہوم اس آیت کا سچا نکلتا آیا ہے ایسا ہی اب بھی میرے حق میں سچا نکلے گا۔ (نزول المسیح۔ ر۔خ۔ جلد18 صفحہ 381-380)

بِمُطَّلِعٍ عَلٰى اَسْرَارِ بَالِىْ ‏ ‏ ‏ ‏ بِعَالِمِ عَيْبَتِىْ فِىْ كُلِّ حَالِىْ

قسم اس ذات کی جو میرے دل کے بھیدوں سے آگاہ ہے اور قسم اس ذات کی جو ہر حال میں میرے سینے کا راز سے واقف ہے۔

بِوَجْهٍ قَدْ رَاٰى اَعْشَارَ قَلْبِىْ ‏ ‏ ‏ ‏ بِمُسْتَمِعٍ لِّصَرْخِىْ فِى اللَّيَالِىْ

قسم اس ذات کی جو میرے دل کے تمام گوشوں سے واقف ہے اور قسم اس ذات کی جو راتوں کو میرے آہ و زاری کو سننے والا ہے۔

لَقَدْ اُرْسِلْتُ مِنْ رَّبٍّ كَرِيْمٍ ‏ ‏ ‏ ‏ رَحِيْمٍ عِنْدَ طُوْفَانِ الضَّلَالِ

بے شک میں رب کریم رحیم کی طرف سے طوفانِ ضلالت کے وقت بھیجا گیا ہوں۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد5 صفحہ 594)

لفظ مُطَهِّرُکَ سے مراد حضرت اقدسؑ ہیں

اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ج ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاَحْکُمُ بَیْنَکُمْ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَO(آل عمران:56)

لیکن خدا تعالیٰ تمام الزاموں سے تجھے پاک کرے گا اور قیامت تک تیرے گروہ کو غلبہ بخشے گا اور یہ فقرہ آیت موصوفہ بالا میں ہے کہ مُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اس میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح جب مسیحؑ پر یہودیوں اور عیسائیوں نے بہت الزام لگائے تو حضرت مسیح کو وعدہ دیا گیا کہ **خدا تعالیٰ تیرے بعد ایک نبی پیدا کرے گا جو ان تمام الزامات سے تیرے دامن کا پاک ہونا ثابت کر دے گا ایسا ہی تیری نسبت خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ آخری زمانہ میں جب کہ دشمنوں کی نکتہ چینی اور عیب گیری کمال کو پہنچ جائے گی تیری تصدیق کے لئے تیری ہی اُمّت میں سے ایک شخص جو مسیح موعود ہے پیدا کیا جائے گا وہ تیرے دامن کو ہر ایک الزام سے پاک ثابت کر دے گا اور تیرے معجزات تازہ کرے گا** اور اس پیشگوئی میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ قتل نہیں ہوں گے اور آپ کا رفع الی السماء اپنی نبوت کے رو سے آفتاب کی طرح چمکے گا۔ کیونکہ ہزارہا اولیاء اس امت میں پیدا ہوں گے۔ اور اس پیشگوئی میں صاف لفظوں میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت مسیح اس زمانہ سے پہلے وفات پا جائیں گے جب کہ وہ رسول مقبول ظاہر ہو گا جو مخالفوں کے اعتراضات سے ان کے دامن کو پاک کرے گا۔

(تریاق القلوب۔ ر۔خ جلد 15 صفحہ 453-454 بقیہ حاشیہ)

یہ زمانہ جس میں ہم ہیں یہ وہی زمانہ ہے جس میں دشمنوں کی طرف سے ہر یک قسم کی بدزبانی کمال کو پہنچ گئی ہے اور بدگوئی اور عیب گیری اور افترا پردازی اُس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اب اس سے بڑھ کر ممکن نہیں اور ساتھ اِس کے مسلمانوں کی اندرونی حالت بھی نہایت خطرناک ہو گئی ہے صدہا بدعات اور انواع اقسام کے شرک اور الحاد اور انکار ظہور میں آ رہے ہیں اس لئے قطعی یقینی طور پر اب **یہ وہی زمانہ ہے جس میں پیشگوئی مُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کے مطابق عظیم الشان مصلح پیدا ہو سو الحمد للّٰہ کہ وہ میں ہوں۔** (تریاق القلوب۔ ر۔خ جلد 15 صفحہ 453 حاشیہ در حاشیہ)

خلفاء سلسلہ محمدیہؐ کی تعیین کے اعتبار سے

وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ۔ (المرسلٰت:12)

وہ آخری زمانہ جس سے رسولوں کے عدد کی تعیین ہو جائے گی یعنی آخری خلیفہ کے ظہور سے قضاء وقدر کا اندازہ مرسلین کی تعداد کی نسبت مخفی تھا ظہور میں آجائے گا۔ یہ آیت بھی اِس بات پر نص صریح ہے کہ مسیح موعود اسی اُمت میں سے ہوگا کیونکہ اگر پہلا مسیح ہی دوبارہ آجائے تو وہ افادہ تعیین عدد نہیں کر سکتا کیونکہ وہ تو بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے ایک رسول ہے جو فوت ہو چکا ہے اور اس جگہ خلفاء سلسلہ محمدیہ کی تعیین مطلوب ہے اور اگر یہ سوال ہو کہ اُقِّتَتْ کے یہ معنے یعنی معین کرنا اس عدد کا جو ارادہ کیا ہے کہاں سے معلوم ہوا؟ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ کتب لغت لسان العرب وغیرہ میں لکھا ہے قَدْ يَجِئُ التَّوْقِيْتُ بِمَعْنٰى تَبْيِيْنِ الْحَدِّ وَالْعَدَدِ وَالْمِقْدَارِ كَمَا جَآءَ فِيْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَمْ يَقُتْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْخَمْرِ حَدًّا اَىْ لَمْ يُقَدِّرْ وَلَمْ يَحُدَّهٗ بِعَدَدٍ مَخْصُوْصٍ یعنی توقیت جس سے اُقِّتَت نکلا ہے کبھی حد اور شمار اور مقدار بیان کرنے کیلئے آتا ہے جیسا کہ حدیث ابن عباسؓ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خمر کی کچھ توقیت نہیں کی۔ یعنی خمر کی حد کی کوئی تعداد اور مقدار بیان نہیں کی اور تعیین عدد بیان نہیں فرمائی۔ (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد17 صفحہ 245`244)

مکفّرین کے سب وشتم کے اعتبار سے

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ج مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○ (يٰسٓ:31)

اِن لوگوں نے کوئی ہمیں ہی گالیاں نہیں دیں بلکہ یہ معاملہ تمام انبیاء کے ساتھ اِسی طرح چلا آیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو بھی کذاب، ساحر، مجنون، مفتری وغیرہ الفاظ سے یاد کیا گیا تھا اور انجیل کھول کر دیکھو تو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسیٰؑ سے بھی ایسا ہی برتاؤ کیا گیا۔ حضرت موسیٰؑ کو بھی گالیاں دی گئی تھیں۔ اصل میں تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ کوئی بھی ایسا سچا نبی نہیں آیا کہ آتے ہی اس کی عزت کی گئی ہو۔ ہم کیونکر سنّت اللہ سے باہر ہو سکتے ہیں۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 610)

کوئی نبی نہیں جس سے ٹھٹھا نہ کیا گیا۔ پس ضرور تھا کہ مسیح موعود سے بھی ٹھٹھا کیا جاتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ پس خدا کی طرف سے یہ نشانی ہے کہ ہر ایک نبی سے ٹھٹھا کیا جاتا ہے مگر ایسا آدمی جو تمام لوگوں کے رُوبرو آسمان سے اُترے اور فرشتے بھی اس کے ساتھ ہوں اُس سے کون ٹھٹھا کرے گا۔ پس اِس دلیل سے بھی عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ مسیح موعود کا آسمان سے اُترنا محض جھوٹا خیال ہے۔ (تذکرۃ الشہادتین۔ ر۔خ جلد20 صفحہ 66۔67)

کافر و ملحد و دجال ہمیں کہتے ہیں!
نام کیا کیا غمِ ملت میں رکھایا ہم نے

گالیاں سن کے دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو
رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے

تیرے منہ کی ہی قسم میرے پیارے احمد
تیری خاطر سے یہ سب بار اٹھایا ہم نے

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 225)

ذاتی نمونے کے اعتبار سے

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا تَلَوْتُہٗ عَلَیْکُمْ وَلَآ اَدْرٰکُمْ بِہٖ ز فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ o (یونس:17)

دوسری خوبی جو شرط کے طور پر مامورین کے لئے ضروری ہے وہ نیک چال چلن ہے کیونکہ بد چال چلن سے بھی دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے اور یہ خوبی بھی بدیہی طور پر ہمارے نبی ﷺ میں پائی جاتی ہے جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ قرآن شریف میں فرماتا ہے فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یعنی ان کفار کو کہہ دے کہ اس سے پہلے میں نے ایک عمر تم میں ہی بسر کی ہے۔ پس کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں کس درجہ کا امین اور راستباز ہوں۔ اب دیکھو کہ یہ دونوں صفتیں جو مرتبہ نبوت اور ماموریت کے لئے ضروری ہیں یعنی بزرگ خاندان میں سے ہونا اور اپنی ذات میں امین اور راست باز اور خدا ترس اور نیک چلن ہونا قرآن کریم نے آنحضرت ﷺ کی نسبت کمال درجہ پر ثابت کی ہیں اور آپ کی اعلیٰ چال چلن اور اعلیٰ خاندان پر خود گواہی دی ہے اس جگہ میں اِس شکر کے ادا کرنے سے رہ نہیں سکتا کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کی تائید میں اپنی وحی کے ذریعہ سے کفار کو ملزم کیا اور فرمایا کہ یہ میرا نبی اس اعلیٰ درجہ کا نیک چال چلن رکھتا ہے کہ تمہیں طاقت نہیں کہ اس کی گذشتہ چالیس برس کی زندگی میں کوئی عیب اور نقص نکال سکو باوجود اس کے کہ وہ چالیس برس تک دن رات تمہارے درمیان ہی رہا ہے اور نہ تمہیں یہ طاقت ہے کہ اس کے اعلیٰ خاندان میں جو شرافت اور طہارت اور ریاست اور امارت کا خاندان ہے ایک ذرّہ عیب گیری کر سکو۔ پھر تم سوچو کہ جو شخص ایسے اعلیٰ اور اطہر اور انفس خاندان میں سے ہے اور اس کی چالیس برس کی زندگی جو تمہارے رُوبرو گذری گواہی دے رہی ہے جو افترا اور دروغ بافی اس کا کام نہیں ہے تو پھر ان خوبیوں کے ساتھ جب کہ آسمانی نشان وہ دکھلا رہا ہے اور خدا تعالیٰ کی تائیدیں اس کے شامل حال ہو رہی ہیں اور تعلیم وہ لایا ہے جس کے مقابل پر تمہارے عقائد سراسر گندے اور ناپاک اور شرک سے بھرے ہوئے ہیں تو پھر اس کے بعد تمہیں اس نبی کے صادق ہونے میں کون سا شک باقی ہے۔ **اسی طور سے خدا تعالیٰ نے میرے مخالفین اور مکذبین کو ملزم کیا ہے۔ چنانچہ براہین احمدیہ کے صفحہ 512 میں میری نسبت یہ الہام ہے جس کے شائع کرنے میں بیس برس گذر گئے اور وہ یہ ہے وَلَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یعنی ان مخالفین کو کہہ دے کہ میں چالیس برس تک تم میں ہی رہتا رہا ہوں اور اس مدت دراز تک تم مجھے دیکھتے رہے ہو کہ میرا کام افترا اور دروغ نہیں اور خدا نے ناپاکی کی زندگی سے مجھے محفوظ رکھا ہے تو پھر جو شخص اس قدر مدّت دراز تک یعنی چالیس برس تک ہر ایک افترا اور شرارت اور مکر اور خباثت سے محفوظ رہا اور کبھی اس نے خلقت پر جھوٹ نہ بولا تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ برخلاف اپنی عادت قدیم کے اب وہ خدا تعالیٰ پر افترا کرنے لگا۔** (تریاق القلوب۔ ر۔ خ جلد 15 صفحہ 281 تا 283)

صاحب انعام ہونے کے اعتبار سے

وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًاO(النساء:70)

ایک عزت کا خطاب

سورۃ فاتحہ سے ایک عزت کا خطاب مجھے عنایت ہوا۔ وہ کیا ہے۔ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ۔

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 396)

منعم علیہ لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں۔ نبی، صدیق، شہدا اور صالح۔ انبیاء علیہم السلام میں چاروں شانیں جمع ہوتی ہیں کیونکہ یہ اعلیٰ کمال ہے۔ ہر ایک انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ ان کمالات کے حاصل کرنے کے لئے جہاں مجاہدہ صحیحہ کی ضرورت ہے اس طریق پر جو آنحضرت ﷺ نے اپنے عمل سے دکھایا ہے کوشش کرے۔۔۔۔۔اور **ہماری جماعت کو خصوصیت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کے قائم کرنے سے یہی چاہا ہے کہ وہ ایسی جماعت تیار کرے جیسی آنحضرت ﷺ نے تیار کی تھی تا کہ اس آخری زمانہ میں یہ جماعت قرآن شریف اور آنحضرت ﷺ کی سچائی اور عظمت پر گواہ ٹھہرے۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 236۔237)

مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ کی تفسیر

الہام صحیح اور سچے کے لئے یہی شرط لازمی ہے کہ اس کے مقامات مجملہ کی تفصیل بھی اسی الہام کے ذریعہ سے کی جائے جیسا کہ قرآن کریم میں یعنی سورہ فاتحہ میں یہ آیت ہے۔ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ۔ اب اس آیت میں اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ کا لفظ ہے یہ ایک مجمل لفظ تھا اور تشریح طلب تھا تو خدا تعالیٰ نے دوسرے مقام میں خود اس کی تشریح کر دی اور فرمایا کہ اُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ۔(النساء:70) (جنگ مقدس۔ ر۔خ جلد 6 صفحہ 115)

معراج اور مسجد اقصیٰ سے مراد حضرت اقدسؑ کا زمانہ اور مسجد آپ کی مسجد ہے

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ○(بنی اسرائیل:2)

قرآن شریف کی یہ آیت .... معراج مکانی اور زمانی دونوں پر مشتمل ہے اور بغیر اس کے معراج ناقص رہتا ہے۔ پس جیسا کہ سیر مکانی کے لحاظ سے خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مسجد الحرام سے بیت المقدس تک پہنچا دیا تھا ایسا ہی سیر زمانی کے لحاظ سے آنجناب کو شوکتِ اسلام کے زمانہ سے جو آنحضرت ﷺ کا زمانہ تھا برکات اسلامی کے زمانہ تک جو مسیح موعود کا زمانہ ہے پہنچا دیا۔ پس اس پہلو کی رُو سے جو اسلام کے انتہاء زمانہ تک آنحضرت ﷺ کا سیر کشفی ہے۔ **مسجد اقصیٰ سے مراد مسیح موعود کی مسجد ہے جو قادیان میں واقع ہے جس کی نسبت براہین احمدیہ میں خدا کا کلام ہے مُبَارَکٌ وَّ مُبَارِکٌ وَّ کُلُّ اَمۡرٍ مُّبَارَکٍ یُّجۡعَلُ فِیۡہِ اور یہ مبارک کا لفظ جو بصیغہ مفعول اور فاعل واقع ہوا قرآن شریف کی آیت بَارَکۡنَا حَوۡلَہٗ کے مطابق ہے۔ پس کچھ شک نہیں جو قرآن شریف میں قادیان کا ذکر ہے** جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَی الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ اس آیت کے ایک تو وہی معنے ہیں جو علماء میں مشہور ہیں یعنی یہ کہ آنحضرت ﷺ کے مکانی معراج کا یہ بیان ہے مگر کچھ شک نہیں کہ اس کے سوا آنحضرت ﷺ کا ایک زمانی معراج بھی تھا جس سے یہ غرض تھی کہ تا آپ کی نظر کشفی کا کمال ظاہر ہو اور نیز ثابت ہو کہ مسیحی زمانہ کے برکات بھی درحقیقت آپ ہی کے برکات ہیں جو آپ کی توجہ اور ہمت سے پیدا ہوئی ہیں اسی وجہ سے مسیح ایک طور سے آپ ہی کا رُوپ ہے اور وہ معراج یعنی بلوغ نظر کشفی دنیا کی انتہا تک تھا جو مسیح کے زمانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس معراج میں جو آنحضرت ﷺ مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ تک سیر فرما ہوئے **وہ مسجد اقصیٰ یہی ہے جو قادیان میں بجانب مشرق واقع ہے جس کا نام خدا کے کلام نے مبارک رکھا ہے۔ یہ مسجد جسمانی طور پر مسیح موعود کے حکم سے بنائی گئی ہے اور روحانی طور پر مسیح موعود کے برکات اور کمالات کی تصویر ہے جو آنحضرت ﷺ کی طرف سے بطور موہبت ہیں** اور جیسا کہ مسجد الحرام کی روحانیت حضرت آدم اور حضرت ابراہیم کے کمالات ہیں اور بیت المقدس کی روحانیت انبیاء بنی اسرائیل کے کمالات ہیں ایسا ہی مسیح موعود کی یہ مسجد اقصیٰ جس کا قرآن شریف میں ذکر ہے اس کے روحانی کمالات کی تصویر ہے۔

(خطبہ الہامیہ۔ ر۔خ جلد 16 صفحہ 21۔22)

غلبۂ اسلام ۔ عقلی استدلال کے اعتبار سے

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ (الصّف:10) پر سوچتے سوچتے مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں دو لفظ ہدیٰ اور حق کے رکھے ہیں۔ہدیٰ تو یہ ہے کہ اندر روشنی پیدا کرے معمہ نہ رہے یہ گویا اندرونی اصلاح کی طرف اشارہ ہے جو مہدی کا کام ہے اور حق کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خارجی طور پر باطل کو شکست دیوے چنانچہ دوسری جگہ آیا ہے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط **اور خود اس آیت میں بھی فرمایا ہے لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ یعنی اُس رسول کی آمد کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ حق کو غلبہ دے گا یہ غلبہ تلوار اور تفنگ سے نہیں ہوگا بلکہ وجوہِ عقلیہ سے ہوگا۔** (ملفوظات جلد دوم صفحہ 175)

حضرت اقدسؑ کو شناخت کئے جانے کی پیشگوئی کے اعتبار سے

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ط اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا o(بنی اسرائیل:108)

مجھے خدا نے اطلاع دی ہے کہ آخر بڑے بڑے مفسد اور سرکش تجھے شناخت کرلیں گے جیسا کہ فرماتا ہے یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۔ ٹھوڑیوں پر سجدہ کرتے ہوئے گریں گے۔ (براہین احمدیہ۔ر۔خ جلد21 صفحہ 103)

مسیح موعود کے دعاوی کا انحصار نشانات پر ہوگا

قرآن شریف نے جو فرمایا اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ (النمل:83)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود جس کے وقت کے متعلق یہ پیشگوئی ہے اس کے دعاوی کا بہت بڑا انحصار اور دارومدار نشانات پر ہوگا اور خدا تعالیٰ نے اسے بھی بہت سے نشانات عطا فرما رکھے ہوں گے۔ کیونکہ یہ جو فرمایا کہ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ ۔یعنی اس عذاب کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہمارے نشانات کی کچھ بھی پروا نہ کی اور ان کو نہ مانا اس واسطے ان کو یہ سزا ملی۔ ان نشانات سے مراد صرف مسیح موعود کے نشانات ہیں ورنہ یہ امر تو ٹھیک نہیں کہ گناہ تو زید کرے اور اس کی سزا عمرو کو ملے جو اس سے تیرہ سو سال بعد آیا ہے۔آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اگر لوگوں نے نشانات دیکھے اور ان سے انکار کیا تو اس انکار کی سزا تو ان کو اسی وقت مل گئی اور وہ تباہ اور برباد ہو گئے۔ ....

پس معلوم ہوا کہ ان نشانات سے مراد مسیح موعود ہی کے نشانات ہیں جن کا انکار کرنے کی وجہ سے عذاب کی تنبیہ ہے اور خدا تعالیٰ کا غضب ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے مسیح موعود کے نشانات سے انکار کیا ہے اور یہ خدائی فیصلہ ہے جس کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نصِ صریح ہے اس بات پر کہ طاعون مسیح موعود کے انکار کی وجہ سے آئی ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 287۔288)

جہاد بالسیف کی ممانعت کے اعتبار سے

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط حَتّٰی اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْھُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ لا فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَھَا ج ذٰلِکَ ط وَلَوْ یَشَآءُ اللّٰہُ لَانْتَصَرَ مِنْھُمْ وَلٰکِنْ لِّیَبْلُوَا بَعْضَکُمْ بِبَعْضٍ ط وَالَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَلَنْ یُّضِلَّ اَعْمَالَھُمْ O (محمد:5)

تیرہ سو برس ہوئے کہ مسیح موعود کی شان میں آنحضرت ﷺ کے منہ سے کلمہ یَضَعُ الْحَرْبَ جاری ہو چکا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ مسیح موعود جب آئے گا تو لڑائیوں کا خاتمہ کر دے گا اور اسی کی طرف اشارہ اِس قرآنی آیت کا ہے حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَھَا یعنی اس وقت تک لڑائی کرو جب تک کہ مسیح کا وقت آ جائے یہی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَھَا ہے۔ دیکھو صحیح بخاری موجود ہے جو قران شریف کے بعد اصح الکتاب مانی گئی ہے اس کو غور سے پڑھو۔ (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 8)

اب چھوڑ دو جہاد کا اَے دوستو خیال
دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آ گیا مسیح جو دیں کا امام ہے
دیں کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسماں سے نورِ خدا کا نزول ہے
اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دُشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد
منکر نبیؐ کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد
کیوں چھوڑتے ہو لوگو نبیؐ کی حدیث کو
جو چھوڑتا ہے چھوڑ دو تم اُس خبیث کو
کیوں چھوڑتے ہو تم یَضَعُ الْحَرْب کی خبر
کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھول کر
فرما چکا ہے سیدِ کونین مصطفٰے
عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التوا
جب آئے گا تو صلح کو وہ ساتھ لائے گا
جنگوں کے سلسلے کو وہ یکسر مٹائے گا
پیویں گے ایک گھاٹ پہ شیر اور گوسپند
کھیلیں گے بچے سانپوں سے بےخوف و بےگزند
یعنی وہ وقت امن کا ہو گا نہ جنگ کا
بھولیں گے لوگ مشغلہ تیر و تفنگ کا
یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا
وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائے گا
اِک معجزہ کے طور سے یہ پیش گوئی ہے
کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

(ضمیمہ تحفۂ گولڑویہ روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 77، 78)

حضرت اقدسؑ کا ملہم من اللہ ہونے کے اعتبار سے

وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی اَنۡ اَرۡضِعِیۡہِ ۚ فَاِذَا خِفۡتِ عَلَیۡہِ فَاَلۡقِیۡہِ فِی الۡیَمِّ وَلَا تَخَافِیۡ وَلَا تَحۡزَنِیۡ ۚ اِنَّا رَآدُّوۡہُ اِلَیۡکِ وَجَاعِلُوۡہُ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَO (القصص:8)

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ اِنَّ بَابَ الۡاِلۡھَامِ مَسۡدُوۡدٌ عَلٰی ھٰذِہِ الۡاُمَّۃِ وَمَا تَدَبَّرَ فِی الۡقُرۡاٰنِ حَقَّ التَّدَبُّرِ وَمَا لَقِیَ الۡمُلۡھَمِیۡنَ۔ فَاعۡلَمۡ اَیُّھَا الرَّشِیۡدُ اَنَّ ھٰذَا الۡقَوۡلَ بَاطِلٌ بِالۡبَدَاھَۃِ وَیُخَالِفُ الۡکِتَابَ وَالسُّنَّۃَ وَشَھَادَاتِ الصَّالِحِیۡنَ۔ اَمَّا کِتَابُ اللّٰہِ فَاَنۡتَ تَقۡرَءُ فِی الۡقُرۡاٰنِ الۡکَرِیۡمِ اٰیَاتٍ تُؤَیِّدُ قَوۡلَنَا ھٰذَا وَقَدۡ اَخۡبَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیۡ کِتَابِہِ الۡمُحۡکَمِ عَنۡ بَعۡضِ رِجَالٍ وَّنِسَاءٍ کَلَّمَھُمۡ رَبُّھُمۡ وَخَاطَبَھُمۡ وَاَمَرَھُمۡ وَنَھَاھُمۡ وَمَا کَانُوۡا مِنَ الۡاَنۡبِیَاءِ وَلَا رُسُلِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ۔ اَلَا تَقۡرَءُ فِی الۡقُرۡاٰنِ لَا تَخَافِیۡ وَلَا تَحۡزَنِیۡ اِنَّا رَآدُّوۡہُ اِلَیۡکِ وَجَاعِلُوۡہُ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ۔

فَتَدَبَّرۡ اَیُّھَا الۡمُنۡصِفُ الۡعَاقِلُ کَیۡفَ لَایَجُوۡزُ مُکَالِمَاتُ اللّٰہِ بِبَعۡضِ رِجَالِ ھٰذِہِ الۡاُمَّۃِ الَّتِیۡ ھِیَ خَیۡرُ الۡاُمَمِ وَقَدۡ کَلَّمَ اللّٰہُ نِسَاءَ قَوۡمٍ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَقَدۡ اَتَاکُمۡ مَثَلُ الۡاَوَّلِیۡنَ۔

(ترجمہ از مرتب) **بعض لوگ کہتے ہیں کہ اِس اُمّت میں الہام کا دروازہ بند ہے ایسے لوگوں نے قرآن کریم پر پوری طرح تدبر نہیں کیا اور نہ ہی مُلہمین سے ملے ہیں۔ پس اے صاحبِ رُشد جان لے کہ یہ بات بالکل غلط ہے اور کتاب اللہ، سُنّتِ نبویؐ اور صالحین کی شہادت کے خلاف ہے۔ کتاب اللہ ہی کو دیکھو تم اس میں بہت سے ایسی آیات پڑھو گے جو ہماری بات کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں بعض مردوں اور عورتوں سے متعلق خبر دی ہے کہ ان کے ربّ نے ان سے کلام کیا اور انہیں مخاطب کیا۔ انہیں بعض باتوں کے کرنے کا حکم دیا گیا اور بعض امور سے منع کیا اور وہ ربّ العالمین کی طرف سے نہ تو نبی ہے اور نہ ہی رسول۔ کیا تو قرآن کریم میں یہ آیت نہیں پڑھتا جس میں حضرت موسیٰؑ کی ماں کو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ** لَا تَخَافِیۡ وَلَا تَحۡزَنِیۡ اِنَّا رَآدُّوۡہُ اِلَیۡکِ وَجَاعِلُوۡہُ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ۔ **پس اے منصف اور عقل مند تم اِس بات پر غور کرو کہ اس اُمّت میں جو خیر الاُمم ہے کیوں بعض مردوں سے خدا تعالیٰ کا کلام کرنا جائز نہیں حالانکہ اس نے تم سے پہلی اُمتوں کی عورتوں سے بھی کلام کیا ہے اور پہلوں کی مثالیں تمہارے پاس موجود ہیں۔** (حمامۃ البشریٰ۔ ر۔خ جلد 7 صفحہ 297)

ہے غضب کہتے ہیں اب وحیِ خدا مفقود ہے — اب قیامت تک ہے اس امت کا قصوں پر مدار
یہ عقیدہ برخلاف گفتۂ داوار ہے — پر اتارے کون برسوں کا گلے سے اپنے ہار
وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم — اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 137)(درثمین صفحہ 127)

انکارِ مرسلین کی سنت کے اعتبار سے

سِحۡرٌ مُّفۡتَرًی وَّمَا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِیۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِیۡنَ ○ (القصص:37)

ان کی بدقسمتی یہ ہے کہ جب ان کو وہ اصل اسلام جو آنحضرت ﷺ لے کر آئے تھے پیش کیا جائے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا اسی طرح مانتے آئے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ کیا اتنی بات کہہ کر یہ اپنے آپ کو بَری کر سکتے ہیں؟ **نہیں بلکہ قرآن شریف کے موافق اور خدا تعالیٰ کی سُنّتِ قدیم کے مطابق اس قول سے بھی ایک حجت ان پر پوری ہوتی ہے۔ جب کبھی کوئی خدا کا مامور اور مُرسل آیا ہے تو مخالفوں نے اس کی تعلیم کو سن کر یہی کہا ہے** مَاسَمِعۡنَا بِهٰذَا فِیۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِیۡنَ۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 189)

تبتّل الی اللّٰہ کے اعتبار سے

وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡهِ تَبۡتِیۡلًا ○(المزمل:9)

میرے نزدیک رؤیا میں یہ بتانا کہ تبتل کے معنے مجھ سے دریافت کئے جائیں اس سے مراد ہے کہ جو میرا مذہب اِس بارہ میں ہے وہ اختیار کیا جاوے۔ منطقیوں یا نحویوں کی طرح معنے کرنا نہیں ہوتا بلکہ حال کے موافق معنے کرنے چاہئیں۔ ہمارے نزدیک اُس وقت کسی کو متبتل کہیں گے جب وہ عملی طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام اور رضا کو دنیا اور اس کی متعلقات ومکروہات پر مقدم کرے۔ کوئی رسم وعادت کوئی قومی اصول اس کے رہزن نہ ہو سکے نہ نفس رہزن ہو سکے نہ بھائی نہ جورو نہ بیٹا نہ باپ۔ غرض کوئی شے اور کوئی متنفس اس کو خدا تعالیٰ کے احکام اور رضا کے مقابلہ میں اپنے اثر کے نیچے نہ لا سکے اور وہ خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول میں ایسا اپنے آپ کھودے کہ اس پر فنائے اتم طاری ہو جاوے اور اسکی ساری خواہشوں اور ارادوں پر ایک موت وارد ہو کر خدا ہی خدا رہ جاوے۔ دنیا کے تعلقات بسا اوقات خطرناک رہزن ہو جاتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ اسلام کی رہزن حضرت حوّا ہو گئی۔ پس تبتل تام کی صورت میں یہ ضروری امر ہے کہ ایک سکر اور فنا انسان پر وارد ہو مگر نہ ایسی کہ وہ اسے خدا سے گم کرے بلکہ خدا میں گم کرے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 552)

مرسلین باری تعالیٰ کی فتح کے اعتبار سے

کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ○ (المجادلہ:22)

میں خدا سے یقینی علم پا کر کہتا ہوں کہ اگر یہ تمام مولوی اور ان کے سجادہ نشین اور ان کے ملہم اکٹھے ہو کر الہامی امور میں مجھ سے مقابلہ کرنا چاہیں تو خدا ان سب کے مقابل پر میری فتح کرے گا کیونکہ میں خدا کی طرف سے ہوں۔ پس ضرور ہے کہ بموجب آیت کریمہ کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ **میری فتح ہو۔**

(انجام آتھم۔ ر۔ خ جلد 11 صفحہ 341-342)

خدانے ابتداء سے لکھ چھوڑا ہے اور اپنا قانون اور اپنی سنت قرار دے دیا ہے کہ وہ اور اس کے رسول ہمیشہ غالب رہیں گے پس چونکہ میں اس کا رسول یعنی فرستادہ ہوں مگر بغیر کسی نئی شریعت اور نئے دعوے اور نئے نام کے بلکہ اُسی نبی کریم خاتم الانبیاء کا نام پا کر اور اُسی میں ہو کر اور اُسی کا مظہر بن کر آیا ہوں اِس لئے میں کہتا ہوں کہ جیسا کہ قدیم سے یعنی آدم کے زمانہ سے لے کر آنحضرت ﷺ تک ہمیشہ مفہوم اِس آیت کا سچا نکلتا آیا ہے اور ایسا ہی اب بھی میرے حق میں سچا نکلے گا۔ (نزول المسیح ۔ ر۔خ جلد 18 صفحہ 380-381)

حضرت اقدسؑ کی رسالت کی مشکلات کے اعتبار سے

فَاَجَآءَ هَاالْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَةِ ج قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّاO (مریم :24)

میری دعوت کی مشکلات میں سے ایک رسالت اور وحی الٰہی اور مسیح موعود ہونے کا دعویٰ تھا۔اسی کی نسبت میری گھبراہٹ ظاہر کرنے کے لئے یہ الہام ہوا تھا فَاَجَآءَ هَاالْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۔مخاض سے مراد اس جگہ وہ امور ہیں جن سے خوفناک نتائج پیدا ہوتے ہیں۔اور جِذْعِ النَّخْلَةِ سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کی اولاد مگر صرف نام کے مسلمان ہیں۔ بامحاورہ ترجمہ یہ ہے کہ دردانگیز دعوت جس کا نتیجہ قوم کا جانی دشمن ہو جانا تھا اس مامور کو قوم کے لوگوں کی طرف لائی جو کھجور کی خشک شاخ یا جڑ کی مانند ہیں تب اس نے خوف کھا کر کہا کہ کاش میں اس سے پہلے مر جاتا اور بھولا بسرا ہو جاتا۔ (براہین احمدیہ ۔ر۔خ جلد 21 صفحہ 68-69 حاشیہ)

وَ مَا كَانَ جَوْرُ الْخَلْقِ مُسْتَحْدَثًا لَّنَا فَاِنَّ اَذَاهُمْ سُنَّةٌ لَّا تَغَيَّرُ

اِذَا قِيْلَ اِنَّكَ مُرْسَلٌ خِلْتُ اَنَّنِىْ دُعِيْتُ اِلٰى اَمْرٍ عَلَى الْخَلْقِ يَعْسِرُ

ا۔اور مخلوق کا ظلم ہمارے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی کیونکہ ان کا دکھ دینا ایک غیر متبدل سنت ہے۔

۲۔جب مجھے کہا گیا کہ تو مرسل ہے تو میں نے خیال کیا کہ میں ایک ایسے امر کی طرف بلایا گیا ہوں جو مخلوق پر دشوار گذرے گا۔ (خطبہ الہامیہ۔ر۔خ جلد 16 صفحہ 305)(القصائد الاحمدیہ صفحہ 358)

حضرت مسیح موعودؑ کی آمد سے قیامت کبریٰ کا التوا ہوا

وَقَالُوْا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًاO لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّاO
تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّاO
اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًاO (مریم:92`89)

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اور آیت چونکہ ذوالوجہین ہے اِس لئے دوسرے معنے اس کے یہ بھی ہیں کہ قیامتِ کبریٰ کے قریب عیسائیت کا زمین پر بہت غلبہ ہوجائے گا جیسا کہ آجکل ظاہر ہورہا ہے اوراس آیت کریمہ کا منشاء یہ ہے کہ اگر اس فتنہ کے وقت خدا تعالیٰ اپنے مسیح کو بھیج کر اصلاح اس فتنہ کی نہ کرے تو فی الفور قیامت آجائے گی اور آسمان پھٹ جائیں گے مگر چونکہ باوجود اس قدر عیسائیت کے غلو کے اوراس قدر تکذیب کے جواب تک کروڑ ہا کتابیں اور رسالے اور ردو ورقہ کا غذات ملک میں شائع ہوچکے ہیں قیامت نہیں آئی تو یہ دلیل اِس بات پر ہے کہ خدا نے اپنے بندوں پر رحم کر کے اپنے مسیح کو بھیج دیا ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ خدا کا وعدہ جھوٹا نکلے۔ (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 287)

حضرت اقدسؑ کی وحی کا ذکر قرآن شریف میں

فرمایا کہ

’’آج میرے دل میں یہ خیال ہوا کہ قرآن شریف کی وحی اوراس سے پہلی وحی پر ایمان لانے کا ذکر تو قرآن شریف میں موجود ہے۔ ہماری وحی پر ایمان لانے کا ذکر کیوں نہیں۔ اس امر پر توجہ کررہا تھا کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور القاء کے یکا یک میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ آیت کریمہ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (البقرہ:5) میں تینوں وحیوں کا ذکر ہے۔ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ سے قرآن شریف کی وحی اور مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ سے انبیاء سابقین کی وحی اور اٰخِرَۃ سے مراد مسیح موعودؑ کی وحی ہے۔ آخرۃ کے معنے ہیں پیچھے آنے والی۔ وہ پیچھے آنے والی چیز کیا ہے۔ سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پیچھے آنے والی چیز سے مراد وہ وحی ہے جو قرآن کریم کے بعد نازل ہوگی۔ کیونکہ اس سے پہلے وحیوں کا ذکر ہے۔ ایک وہ جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی۔ دوسری وہ جو آنحضرت ﷺ سے قبل نازل ہوئی اور تیسری وہ جو آپ کے بعد آنے والی تھی۔

(ریویو آف ریلیجنز جلد 14 نمبر 4 بابت ماہ مارچ واپریل 1915ء صفحہ 164 حاشیہ)

(تفسیر حضرت اقدس طبع اول سورۃ البقرۃ جلد 2 صفحہ 63)

من میزیم بوحیِ خدائے کہ بامن است　　پیغامِ اوست چوں نفسِ روح پرورم

میں تو اس خدا کی وحی کے سہارے جیتا ہوں جو میرے ساتھ ہے اس کا الہام میرے لئے زندگی بخش سانس کی طرح ہے۔

من رخت بروہ ام بعمارتِ یارِ خویش　　دیگر خبر مپرس ازیں تیرہ کشورم

میں نے تو اپنے دوست کے گھر میں ڈیرہ ڈال دیا ہے پس تو اس اندھیرے جہان کے متعلق مجھ سے کچھ نہ پوچھ۔

عشقش بتارو پودِ دلِ من دروں شداست　　مہرش شداست در رہِ دیں مہرِ انورم

اس کا عشق میرے دل کے رگ وریشہ میں داخل ہو گیا ہے اور اس کی محبت راہِ دین میں میرے لئے چمکتا ہوا سورج بن گئی ہے۔

رازِ محبتِ من و اُو فاش گرشدے　　بسیارتن کہ جاں بفشاندے بریں ورم

اگر میری اور اس کی محبت کا راز ظاہر ہو جاتا۔ تو بہت سی خلقت میرے دروازہ پر اپنی جانیں قربان کر دیتی۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 163)(ازالہ اوہام۔ ر۔خ جلد 3 صفحہ 182،183)

مسلمانوں کا یہود صفت ہونے کے اعتبار سے

تب اس یہودیت کی بیخکنی کے لئے مسیح ابنِ مریم نازل ہو گا یعنی مامور ہو کر آئے گا اور فرمایا کہ جیسا کہ یہ امت یہودی بن جائے گی ایسا ہی ابنِ مریم بھی اپنی صورت مثالی میں اسی امت میں سے پیدا ہو گا نہ یہ کہ یہودی تو یہ امت بنی اور ابنِ مریم بنی اسرائیل میں سے آوے۔ ایسا خیال کرنے میں سراسر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسرِ شان ہے اور نیز آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (الواقعہ:40`41) کے برخلاف۔

(ازالہ اوہام۔ ر۔خ جلد 3 صفحہ 420)

مردمِ نااہل گویندم کہ چوں عیسیٰ شدی　　بشنو از من ایں جوابِ شاں کہ اے قومِ حسود

نالائق لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تو عیسیٰ کیونکر ہو گیا مجھ سے ان کا جواب سن جو یہ ہے کہ اے حاسد قوم۔

چوں شمارا شد یہود اندر کتابِ پاک نام　　پس خدا عیسیٰ مرا کرد است از بہرِ یہود

چونکہ قرآن میں تمہارا نام یہودی رکھا گیا ہے اس لئے خدا نے مجھے یہودیوں کے لئے عیسیٰ بنا دیا۔

ورنہ از روئے حقیقت تخمِ ایشاں نیستید　　نیز ہم من ابن مریم نیستم اندر وجود

ورنہ دراصل تم ان یہودیوں کے تخم سے نہیں اور میں بھی جسمانی طور پر ابنِ مریم نہیں ہوں۔

گر نہ بودندے شما مارا نبودے ہم اثر　　از شما شد ہم ظہورم پس زغوغاہا چہ سود

اگر تم نہ ہوتے تو ہمارا نشان بھی نہ ہوتا صرف تمہاری وجہ سے میرا ظہور ہوا۔ پھر غل مچانے سے کیا فائدہ؟

ہرچہ بود از نیک و بد در دینِ اسرائیلیاں　　آں ہمہ در ملتِ احمد نقوشِ خود نمود

یہودیوں کے مذہب میں جو بھلی بری باتیں موجود تھیں وہ سب دین احمد میں بھی پیدا ہو گئیں۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 311)(براہین احمدیہ۔ ر۔خ جلد 21 صفحہ 304)

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا...... کے اعتبار سے

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ o لَاَ خَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ o ثُمَّ لَقَطَعْنَامِنْهُ الْوَتِيْنَ o فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍعَنْهُ حٰجِزِيْنَ o (الحاقة:45-48)

تَقَوَّلَ کا حکم قطع اور یقین کے متعلق ہے۔ پس جیسا کہ میں نے بار بار بیان کر دیا ہے کہ یہ کلام جو میں سنا تا ہوں یہ قطعی اور یقینی طور پر خدا کا کلام ہے جیسا کہ قرآن اور توریت خدا کا کلام ہے اور میں خدا کا ظلّی اور بروزی طور پر نبی ہوں اور ہر ایک مسلمان کو دینی امور پر میری اطاعت واجب ہے اور مسیح موعود ماننا واجب ہے اور ہر ایک جس کو میری تبلیغ پہنچ گئی ہے گو وہ مسلمان ہے مگر مجھے اپنا حکم نہیں ٹھہراتا اور نہ مجھے مسیح موعود مانتا ہے اور نہ میری وحی کو خدا کی طرف سے جانتا ہے وہ آسمان پر قابلِ مؤاخذہ ہے کیونکہ جس امر کو اُس نے اپنے وقت پر قبول کرنا تھا اُس کو ردّ کر دیا۔ میں صرف یہ نہیں کہتا کہ میں اگر جھوٹا ہوتا تو ہلاک کیا جاتا بلکہ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ موسیٰ اور عیسیٰ اور داؤد اور آنحضرت ﷺ کی طرح میں سچا ہوں اور میری تصدیق کے لئے خدا نے دس ہزار سے بھی زائد نشان دکھلائے ہیں۔ قرآن نے میری گواہی دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے میری گواہی دی ہے۔ پہلے نبیوں نے میرے آنے کا زمانہ متعین کر دیا ہے کہ جو یہی زمانہ ہے اور قرآن بھی میرے آنے کا زمانہ متعین کرتا ہے کہ جو یہی زمانہ ہے اور میرے لئے آسمان نے بھی گواہی دی ہے اور زمین نے بھی۔ اور کوئی نبی نہیں جو میرے لئے گواہی نہیں دے چکا اور یہ جو میں نے کہا کہ میرے دس ہزار نشان ہیں یہ بطور کفایت لکھا گیا ورنہ مجھے قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر یہ سفید کتاب ہزار جز کی بھی کتاب ہو اور اس میں میں اپنے دلائل صدق لکھنا چاہوں تو میں یقین رکھتا ہوں وہ کتاب ختم ہو جائے گی اور وہ دلائل ختم نہیں ہوں گے۔ (تحفۃ الندوہ۔ ر۔خ جلد19 صفحہ 95-96)

ہم اپنی زبان سے کسی کو مفتری نہیں کہتے جبکہ وحی شیطانی بھی ہوتی ہے تو ممکن ہے کسی سادہ لوح کو دھوکا لگا ہو اِس لئے ہم فعلِ الٰہی کی سند پیش کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ پیش کی تھی اور خدا تعالیٰ نے فعل پر بہت مدار رکھا ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ o لَاَ خَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ o **میں فعل ہی کا ذکر ہے۔ پس جبکہ یہ مسنون طریق ہے تو اس سے کیوں گریز ہے۔ ہم لوگوں کے سامنے ہیں اور اگر فریب سے کام کر رہے ہیں تو خدا تعالیٰ ایسے عذاب سے ہلاک کرے گا کہ لوگوں کو عبرت ہو جاوے گی اور اگر یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ضرور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے تو پھر دوسرے لوگ ہلاک ہو جاویں گے۔** (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 235)

یاد رکھو جو مجھ سے مقابلہ کرتا ہے وہ مجھ سے نہیں بلکہ اس سے مقابلہ کرتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اگر ادنیٰ چپڑاسی کی ہتک کی جائے اس کی بات نہ مانی جائے تو گورنمنٹ سے ہتک کرنے والے یا نہ ماننے والے کو سزا ملتی ہے اور باز پرس ہوتی ہے تو پھر خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے کی بے عزتی کرنا اس کی بات کی پرواہ نہ کرنا کیونکر خالی جا سکتا ہے۔ **میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر میرا سلسلہ خدا کی طرف سے نہیں تو یونہی بگڑ جائے گا خواہ کوئی اس کی مخالفت کرے یا نہ کرے کیوں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ** قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی (طٰہٰ:62) **اور فرمایا** مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا (انعام:22) **اور وہ شخص جو رات کو ایک بات بناتا اور دن کو لوگوں کو بتاتا اور کہتا ہے کہ مجھے خدا نے ایسا کہا ہے وہ کیوں کر بامراد اور بابرگ و بار ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو فرماتا ہے** وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ **جب ایک ایسے عظیم الشان انسان کے واسطے ایسا فرمان ہے تو پھر ادنیٰ انسان کے واسطے چھوٹی سی چُھری کی ضرورت تھی اور کبھی کا فیصلہ ہو گیا ہوتا۔** (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 670-671)

کامل علم غیب اور کثرتِ مکالمہ مخاطبہ کے اعتبار سے

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۝ (الجن:28`27)

کامل طور پر غیب کا بیان کرنا صرف رسولوں کا کام ہے دوسرے کو یہ مرتبہ عطا نہیں ہوتا۔ رسولوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں خواہ وہ نبی ہوں یا رسول یا محدّث اور مجدّد ہوں۔

(ایام الصلح ۔ر۔خ جلد 14 صفحہ 419 حاشیہ)

احادیث نبویہ میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اُمت میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جو عیسیٰ اور ابن مریم کہلائے گا اور نبی کے نام سے موسوم کیا جائے گا یعنی اِس کثرت مکالمہ و مخاطبہ کا شرف اس کو حاصل ہوگا اور اس کثرت سے امورِ غیبیہ اس پر ظاہر ہوں گے کہ بجز نبی کے کسی پر ظاہر نہیں ہو سکتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ یعنی خدا اپنے غیب پر کسی کو پوری قدرت اور غلبہ نہیں بخشتا جو کثرت اور صفائی سے حاصل ہو سکتا ہے بجز اُس شخص کے جو اس کا برگزیدہ رسول ہو اور یہ بات ایک ثابت شدہ امر ہے کہ جس قدر خدا نے مجھ سے مکالمہ و مخاطبہ کیا ہے اور جس قدر امورِ غیبیہ مجھ پر ظاہر فرمائے ہیں تیرہ سو برس میں ہجری میں کسی شخص کی آج تک بجز میرے یہ نعمت عطا نہیں کی گئی۔ اگر کوئی منکر ہو تو بارِ ثبوت اس کی گردن پر ہے۔ (حقیقۃ الوحی ۔ر۔خ جلد 22 صفحہ 406)

عذاب کے نازل ہونے کی خبر کے اعتبار سے

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۔(بنی اسرائیل:16)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انبیاء اور رسل آتے ہیں وہ ایک وقت تک صبر کرتے ہیں اور مخالفوں کی مخالفت جب انتہا تک پہنچ جاتی ہے تو ایک وقت توجہ تام سے اقبال علی اللہ کر کے فیصلہ چاہتے ہیں اور پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے وَ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ۔ اِسْتَفْتَحُوْا سنت اللہ کو بیان کرتا ہے کہ وہ اس وقت فیصلہ چاہتے ہیں اور اس فیصلہ چاہنے کی خواہش ان میں پیدا ہی اس وقت ہوتی ہے جب گویا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔(ملفوظات جلد دوم صفحہ 158)

اس سے مسیح موعود کی نسبت پیشگوئی کھلے کھلے طور پر قرآن شریف میں ثابت ہوتی ہے کیونکہ جو شخص غور اور ایمانداری سے قرآن شریف کو پڑھے گا اس پر ظاہر ہوگا کہ آخری زمانہ کے سخت عذابوں کے وقت جبکہ اکثر حصے زمین کے زیروزبر کئے جائیں گے اور سخت طاعون پڑے گی اور ہر ایک پہلو سے موت کا بازار گرم ہوگا اس وقت ایک رسول کا آنا ضروری ہے جیسا کہ خداتعالیٰ نے فرمایا وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا **یعنی ہم کسی قوم پر عذاب نہیں بھیجتے جب تک عذاب سے پہلے رسول نہ بھیج دیں۔ پھر جس حالت میں چھوٹے چھوٹے عذابوں کے وقت میں رسول** آئے ہیں جیسا کہ زمانہ کے گذشتہ واقعات سے ثابت ہے تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس عظیم الشان عذاب کے وقت میں جو آخری زمانہ کا عذاب ہے اور تمام عالم پر محیط ہونے والا ہے جس کی نسبت تمام نبیوں نے پیشگوئی کی تھی خدا کی طرف سے رسول ظاہر نہ ہو اس سے تو صریح تکذیب کلام اللہ لازم آتی ہے۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد22 صفحہ 499)

آیت قرآنی وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا سے صاف ظاہر ہے کہ اس قسم کے قہری عذاب کے نازل ہونے سے پہلے خدا کی طرف سے کوئی رسول ضرور مبعوث ہوتا ہے جو خلقت کو آنے والے عذاب سے ڈراتا ہے اور یہ عذاب اس کی تصدیق کے واسطے قہری نشانات ہوتے ہیں۔ **اس وقت بھی خدا کا ایک رسول تمہارے درمیان ہے جو مدت سے تم کو ان عذابوں کے آنے کی خبر دے رہا ہے۔ پس سوچو اور ایمان لاؤ تا کہ نجات پاؤ۔**

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 530 حاشیہ)

وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا اس میں حکمت یہ ہے کہ خداتعالیٰ غنی بے نیاز ہے اس کو کسی کی پرواہ نہیں۔ پس جب نبی پیدا ہوتا ہے اور وہ دعائیں کرتا ہے تب ان دعاؤں کے اثر سے عذاب نازل ہوتا ہے اور وہ عذاب اگرچہ گذشتہ گناہوں کی شامت سے ہو مگر نبی کی دعاؤں سے ہوتا ہے **اسی طرح اگرچہ کوئی مجھ سے ناواقف اور بے خبر ہو یورپ میں یا امریکہ میں مگر میری دعائیں اس کے عذاب کا موجب ہو جاتی ہیں اور وہ عذاب نہیں آتا ہے جب تک میری دعائیں اس کو ظاہر نہ کریں یہی معنے ہیں** اس آیت کے وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۔

(تفسیر حضرت اقدسؑ سورۃ بنی اسرائیل جلد 5 صفحہ 203)(الفضل جلد 1 نمبر 29 مورخہ 31 دسمبر 1913 صفحہ 9)

اگر میں نہ آیا ہوتا تو ان بلاؤں میں کچھ تاخیر ہو جاتی پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب کے وہ مخفی ارادے جو ایک بڑی مدت سے مخفی تھے ظاہر ہو گئے جیسا کہ خدا نے فرمایا وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۔ اور توبہ کرنے والے امان پائیں گے اور وہ جو بلا سے پہلے ڈرتے ہیں ان پر رحم کیا جائے گا۔ (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد22 صفحہ 268)

اصل بات یہ ہے کہ نبی عذاب کونہیں لاتا بلکہ عذاب کا مستحق ہوجانا اتمام حجت کے لئے نبی کولاتا ہے اور اس کے قائم ہونے کے لئے ضرورت پیدا کرتا ہے اور سخت عذاب بغیر نبی قائم ہونے کے آتا ہی نہیں جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلاً۔ (تجلیات الٰہیہ۔ ر۔ خ جلد20 صفحہ 400)

عادت اللہ ہمیشہ سے اس طرح پر جاری ہے کہ جب دنیا ہر ایک قسم کے گناہ کرتی ہے اور بہت سے گناہ ان کے جمع ہو جاتے ہیں تب اس زمانہ میں خدا اپنی طرف سے کسی کو مبعوث فرماتا ہے اور کوئی حصہ دنیا کا اس کی تکذیب کرتا ہے تب اس کا مبعوث ہونا دوسرے شریر لوگوں کی سزا دینے کے لئے بھی جو پہلے مجرم ہو چکے ہیں ایک محرک ہو جاتا ہے اور جو شخص اپنے گذشتہ گناہوں کی سزا پاتا ہے اس کے لئے اس بات کا علم ضروری نہیں کہ اس زمانہ میں خدا کی طرف سے کوئی نبی یا رسول بھی موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلاً ۔

(حقیقۃ الوحی۔ ر۔ خ جلد22 صفحہ 165-164)

وَ اسْتَفْتَحُوْا و خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ۔ (ابراهيم:16)

نبیوں نے اپنے تئیں مجاہدہ کی آگ میں ڈال کر فتح چاہی۔ پھر کیا تھا ہر ایک ظالم سرکش تباہ ہو گیا اور اسی کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے

تا دلِ مردِ خدا نامد بدرد ہیچ قومے راخدا رسوا نکرد

(حقیقۃ الوحی۔ ر۔ خ۔ جلد22 صفحہ 324)

ہر نبی پہلے صبر کی حالت میں ہوتا ہے پھر جب ارادہ الٰہی کسی قوم کی تباہی سے متعلق ہوتا ہے تو نبی میں درد کی حالت پیدا ہوتی ہے۔ وہ دعا کرتا ہے پھر اس قوم کی تباہی یا خیر خواہی کے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں۔ دیکھو نوح علیہ السلام پہلے صبر کرتے رہے اور بڑی مدت تک قوم کی ایزائیں سہتے رہے پھر ارادہ الٰہی جب ان کی تباہی سے متعلق ہوا تو درد کی حالت پیدا ہوئی اور دل سے نکلا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح: 27) جب تک خدا کا ارادہ نہ ہو وہ حالت پیدا نہیں ہوتی۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال پہلے صبر کرتے رہے پھر جب درد کی حالت پیدا ہوئی تو قتال کے ذریعے مخالفین پر عذاب نازل ہوا۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 199)

عذاب سے مراد طاعون ہے

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ۔ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَ قَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ۔ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ۔ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ۔ (الدخان:13 تا16)

وہ وقت ایسا ہوگا کہ یہ بلاء روئے زمین پر عام ہوگی کوئی شہر یا بستی الا ماشاء اللہ اس سے خالی نہ رہے گی بلکہ دریاؤں اور جنگلوں میں بھی طاعون ہوگا اس وقت لوگ بھاگنے کی جگہ ڈھونڈیں گے مگر نہ پاویں گے۔

(حقیقۃ الوحی۔ ر۔ خ۔ جلد22 صفحہ 425-424)

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًاoفَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًاoوَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًاoفَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًاo

فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًاoعُذْرًا اَوْنُذْرًاo(المرسلٰت:2 تا7)

اس آیت قرآن کریم میں اس زمانہ اور طاعون کے متعلق پیشگوئی ہے......قسم ہے ان ہواؤں کی جو آہستہ آہستہ چلتی ہیں۔یعنی پہلا وقت ایسا ہوگا کہ کوئی کوئی واقعہ طاعون کا ہو جایا کرے پھر وہ زور پکڑے اور تیز ہو جاوے۔پھر وہ ایسی ہو کہ لوگوں کو پراگندہ کر دے اور پریشان خاطر کر دے۔پھر ایسے واقعات ہوں کہ مومن اور کافر کے درمیان فرق اور تمیز کر دیں۔اس وقت لوگوں کو سمجھ آجائے گی کہ حق کس امر میں ہے۔آیا اس امام کی اطاعت میں یا اس کی مخالفت میں۔یہ سمجھ میں آنا بعض کے لئے صرف حجت کا موجب ہوگا۔(عُذْرًا) یعنی مرتے مرتے اُن کا دل اقرار کر جائے گا کہ ہم غلطی پر تھے اور بعض کے نزدیک (نُذْرًا) یعنی ڈرانے کا موجب ہوگا کہ وہ توبہ کر کے بدیوں سے باز آویں۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 204)

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا

شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًاo(بنی اسرائیل:59)

قرآن شریف میں بھی پیشگوئی ہے۔وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا یعنی کوئی ایسی بستی نہیں جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا اُس پر شدید عذاب نازل نہ کریں گے یعنی آخری زمانہ میں ایک سخت عذاب نازل ہوگا اور دوسری طرف یہ فرمایا وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا **پس اِس سے بھی آخری زمانہ میں ایک رسول کا مبعوث ہونا ظاہر ہوتا ہے اور وہی مسیح موعود ہے۔**

(حقیقۃ الوحی۔ر۔خ جلد22 صفحہ 500)

پھر مسیح موعود کے وقت کا ایک نشان طاعون تھا۔انجیل توریت میں بھی یہ نشان موجود تھا اور قرآن شریف سے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نشان مسیح موعود کا خدا تعالیٰ نے ٹھہرایا تھا۔چنانچہ فرمایا وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا یہ باتیں معمولی نہیں ہیں بلکہ غور سے سمجھنے کے لائق ہیں اور اب دیکھ لو کہ طاعون ملک میں پھیلی ہوئی ہے یا نہیں؟ اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 14)

قَالَ اللّٰہُ ھٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُھُمْ ط لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ط رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ط ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُO(المائدہ:120)

طاعون کے بارے میں خواہ کوئی حیلہ حوالہ کریں ہرگز کام نہ آوے گا آخر مستقر اللہ تعالیٰ ہی ہوگا۔لوگ جب اُس کو مانیں گے تب وہ اس سے رہائی دے گا۔اَیْنَ الْمَفَرّ(القیامۃ:11) بھی اسی پر چسپاں ہے کیونکہ دوسرے آفات میں تو کوئی نہ کوئی مفر ہوتا ہے مگر طاعون میں کوئی مفر نہیں ہے۔صرف خدا کی پناہ ہی کام آوے گی۔ **خدا کی طرف ظلم کبھی منسوب نہیں ہوسکتا۔جوصادق ہوگا وہ ضرور اپنے صدق سے نفع پاوے گا۔یہ وہی دن ہیں جن کی نسبت کہا گیا ہے ھٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُھُمْ۔** (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 54)

جہاں را دل ازیں طاعون دو نیم است نہ ایں طاعون کہ طوفانِ عظیم است

دنیا کا دل اس طاعون کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا یہ طاعون نہیں بلکہ طوفانِ عظیم ہے۔

بیا بشتاب سوئے کشتی ما کہ ایں کشتی ازاں ربِّ عظیم است

جلدی سے ہماری کشتی کی طرف آ جا۔کہ یہ کشتی خدائے علیم کی طرف سے ہے۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 270)(کشتی نوح۔ر۔خ۔جلد19 ٹائیٹل پیج)

دابۃ الارض کے ظاہر ہونے کے اعتبار سے

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْھِمْ اَخْرَجْنَا لَھُمْ دَآبَّۃً مِّنَ الْاَرْضِ تُکَلِّمُھُمْ لا اَنَّ النَّاسَ کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَO(النمل:83)

تب میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہی طاعون ہے اور یہی وہ دابۃ الارض ہے جس کی نسبت قرآن شریف میں وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں ہم اس کو نکالیں گے اور وہ لوگوں کو اس لئے کاٹے گا کہ وہ ہمارے نشانوں پر ایمان نہیں لاتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْھِمْ اَخْرَجْنَا لَھُمْ دَآبَّۃً مِّنَ الْاَرْضِ تُکَلِّمُھُمْ لا اَنَّ النَّاسَ کَانُوْا بِاٰیٰتِنَا لَا یُوْقِنُوْنَ **اور جب مسیح موعود کے بھیجنے سے خدا کی حجت ان پر پوری ہوجائے گی تو ہم زمین میں سے ایک جانور نکال کر کھڑا کریں گے وہ لوگوں کو کاٹے گا اور زخمی کرے گا اِس لئے کہ لوگ خدا کے نشانوں پر ایمان نہیں لائے تھے۔** اور پھر آگے فرمایا ہے وَیَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ فَوْجًا مِّمَّنْ یُّکَذِّبُ بِاٰیٰتِنَا فَھُمْ یُوْزَعُوْنَ ۔حَتّٰی اِذَا جَآءُ وْ قَالَ اَکَذَّبْتُمْ بِاٰیٰتِیْ وَلَمْ تُحِیْطُوْا بِھَا عِلْمًا اَمَّا ذَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْھِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَھُمْ لَا یَنْطِقُوْنَ (النمل:84 تا86) ترجمہ:اُس دن ہم ہر ایک اُمت میں سے اُس گروہ کو جمع کریں گے جو ہمارے نشانوں کو جھٹلاتے تھے اور ان کو ہم جدا جدا جماعتیں بنا دیں گے یہاں تک کہ جب وہ عدالت میں حاضر کئے جائیں گے تو خدائے عزّ وجلّ ان کو کہے گا کہ کیا تم نے میرے نشانوں کی بغیر تحقیق کے تکذیب کی۔یہ تم نے کیا کیا اور ان پر بوجہ اُن کے ظالم ہونے کے حجت پوری ہوجائے گی اور وہ بول نہ سکیں گے۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہی دابۃ الارض جوان آیات میں مذکور ہے جس کا مسیح موعود کے زمانہ میں ظاہر ہونا ابتداء سے مقرر ہے یہی وہ مختلف صورتوں کا جانور ہے جو مجھے عالم کشف میں نظر آیا اور دل میں ڈالا گیا کہ یہ طاعون کا کیڑا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کا نام دابۃ الارض رکھا کیونکہ زمین کے کیڑوں میں سے ہی یہ بیماری پیدا ہوتی ہے۔ اِسی لئے پہلے چوہوں پر اس کا اثر ہوتا ہے اور مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے اور جیسا کہ انسان کو ایسا ہی ہر ایک جانور کو یہ بیماری ہوسکتی ہے اِسی لئے کشفی عالم میں اس کی مختلف شکلیں نظر آئیں۔

(نزول المسیح۔ ر۔ خ جلد 18 صفحہ 415-416)

نئی زمین اور نیا آسمان کے اعتبار سے

یَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَیۡرَ الۡاَرۡضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوۡا لِلّٰہِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ ○ (ابراهيم: 49)

صورت عالم پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہزار ششم میں زمین پر ایک انقلاب عظیم آیا ہے۔ بالخصوص اس ساٹھ برس کی مدت میں کہ جو تخمیناً میری عمر کا اندازہ ہے۔ اس قدر صریح تغیر صفحہ ہستی پر ظہور پذیر ہے کہ گویا وہ دُنیا ہی نہیں رہی نہ وہ سواریاں رہیں اور نہ وہ طریق تمدن رہا اور نہ بادشاہوں میں وہ وسعت اقتدار حکومت رہی نہ وہ راہ رہی اور نہ وہ مرکب اور یہاں تک ہر ایک بات میں جدّت ہوئی کہ **انسان کی پہلی طرز یں تمدن کی گویا تمام منسوخ ہوگئیں اور زمین اور اہل زمین نے ہر ایک پہلو میں گویا پیرایہ جدید پہن لیا اور بُدِّلَتِ الۡاَرۡضُ غَیۡرَ الۡاَرۡضِ کا نظارہ آنکھوں کے سامنے آ گیا۔**

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔ خ جلد 17 صفحہ 286)

مردہ زمین کو زندہ کرنے کے اعتبار سے

اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ قَدۡ بَیَّنَّا لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ○ (الحديد: 18)

خدا تعالیٰ کے ساتھ صدق، وفاداری، اخلاص، محبت اور خدا پر توکل کالعدم ہو گئے ہیں اب خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ پھر نئے سرے سے ان قوتوں کو زندہ کرے۔ وہ خدا ہمیشہ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا کرتا رہا ہے اس نے ارادہ کیا ہے اور اس کے لئے کئی راہیں اختیار کی گئی ہیں **ایک طرف مامور کو بھیج دیا ہے جو نرم الفاظ میں دعوت کرے** اور لوگوں کو ہدایت کرے دوسری طرف علوم وفنون کی ترقی ہے اور عقل آتی جاتی ہے۔

(ملفوضات جلد سوم صفحہ 580)

مردے زندہ کئے جانے کے فرمان کے اعتبار سے

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ۔(الحجر: 37`38)

وَ اِنَّ اٰدَمَ ھَوٰی مِنْ قَبْلُ فِیْ مَصَآفٍّ ۔ وَھَزَمَهُ الشَّیْطَانُ فَمَارَاَی الْغَلَبَةَ اِلٰی سِتَّةِ اٰلافٍ وَ مُزِّقَتْ ذُرِّیَّتُهٗ وَ فُرِّقَتْ فِیْ اَطْرَافٍ فَاِلٰی کَمْ یَکُوْنُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ۔ اَلَمْ یُغْوِ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ اِلَّا قَلِیْلًا مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ ۔ فَقَدْ اَتَمَّ اَمْرَهٗ وَ کَمَّلَ فِعْلَهٗ وَ حَانَ اَنْ یُّعَانَ اٰدَمُ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ وَ لَا شَکَّ وَ لَا شُبْهَةَ اَنَّ اِنْظَارَ الشَّیْطَانِ۔ کَانَ اِلٰی اٰخِرِ الزَّمَانِ کَمَا یُفْهَمُ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۔ اَعْنِیْ لَفْظَ الْاِنْظَارِ الَّذِیْ جَآءَ فِی الْفُرْقَانِ۔ فَاِنَّ اللّٰہَ خَاطَبَهٗ وَ قَالَ اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ یَعْنِیْ یَوْمِ الْبَعْثِ الَّذِیْ یُبْعَثُ النَّاسُ فِیْهِ بَعْدَ مَوْتِ الضَّلَالَةِ بِاِذْنِ الْحَیِّ الْقَیُّوْمِ۔ وَ لَاشَکَّ اَنَّ هٰذَا الْیَوْمَ یَوْمٌ یُّشَابِهُ یَوْمَ خَلْقَةِ اٰدَمَ بِمَا اَرَادَ اللّٰہُ فِیْهِ اَنْ یَّخْلُقَ مَثِیْلَ اٰدَمَ ثُمَّ یُبُثَّ فِی الْاَرْضِ ذُرِّیَّتَهُ الرُّوْحَانِیَّةَ وَ یَجْعَلَهُمْ فَوْقَ کُلِّ مَنْ قُطِعَ مِنَ اللّٰہِ وَ تَجَذَّمَ وَ اشْتَدَّتِ الْحَاجَةُ اِلٰی اٰدَمَ الثَّانِیْ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ لِیَتَدَارَکَ مَا فَاتَ فِیْ اَوَّلِ الْاَوَانِ وَلِیَتِمَّ وَعِیْدُ اللّٰہِ فِی الشَّیْطَانِ فَاِنَّ اللّٰہَ جَعَلَهٗ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی اٰخِرِ الدُّنْیَا وَ اَشَارَ فِیْهِ اِلٰی اِهْلَاکِهٖ وَ اِخْرَاجِهٖ مِنْ اَمْلَاکِهٖ۔

(خطبہ الہامیہ۔ر۔خ۔جلد 16 صفحہ 320-321)

(ترجمہ) اور یقیناً آدم اس سے قبل میدان مقابلہ میں گر گئے تھے اور شیطان نے انہیں شکست دے دی تھی پس چھ ہزار سال تک وہ غلبہ کو نہ دیکھ سکے۔ ان کی اولاد پراگندہ ہوگئی اور اطراف عالم میں منتشر کر دی گئی۔ پس کب تک شیطان مہلت پائے گا۔ کیا اس نے سب لوگوں کو گمراہ نہیں کیا بجز اس تھوڑی تعداد کے جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی تھی۔ سو اس نے اپنا کام پورا کر لیا اور اپنا عمل مکمل کر لیا اور اب وقت آ گیا ہے کہ خدائے رب العالمین کی طرف سے حضرت آدم کی مدد کی جائے۔ **اور یہ بات بلا شک وشبہ درست ہے کہ شیطان کا مہلت پانا جیسا کہ قرآن مجید سے سمجھا جاتا ہے آخر الزمان تک تھا۔** میری مراد لفظ ’’اِنْظَار‘‘ سے ہے جو قرآن مجید میں وارد ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔ اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (الحجر 39-38) یعنی تجھے اس وقت تک مہلت دی جاتی ہے جب لوگ گمراہی کی موت کے بعد خدائے حی و قیوم کے اذن سے دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ حقیقت میں یہ دن حضرت آدم کی پیدائش کے دن سے مشابہت رکھتا ہے اس وجہ سے کہ **اللہ نے آج ارادہ فرمایا ہے کہ مثیل آدم کو پیدا کرے اور روئے زمین پر اس کی روحانی اولاد کو پھیلا دے اور ان تمام لوگوں پر ان کو غالب کرے جو اللہ تعالیٰ سے کٹ گئے اور اس سے علیحدہ ہو گئے** اور آخری زمانہ میں آدم ثانی کی اشد ضرورت پیدا ہوگئی تا کہ پہلے زمانہ میں جو کوتاہی ہوئی ہے اس کی تلافی کرے اور شیطان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی وعید پوری ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے آخر تک شیطان کو مہلت پانے والوں میں قرار دیا اور اشارہ کیا کہ وہ اس وقت ہلاک کیا جائے گا اور اپنی قوتوں سے محروم کیا جائے گا۔

(خطبہ الہامیہ۔ر۔خ۔جلد 16 صفحہ 320-321)

بنی نوع انسان کی ہمدردی کے اعتبار سے

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ○ (الشعراء:4)

چونکہ (حقانی ریفارمر) بنی نوع کی ہمدردی میں محو ہوتے ہیں اِس لئے رات دن سوچتے رہتے ہیں اور اِس فکر میں کُڑھتے رہتے ہیں کہ لوگ کسی نہ کسی طرح اس راہ پر آ جائیں اور ایک بار اس چشمہ سے ایک گھونٹ پی لیں۔ یہ ہمدردی یہ جوش ہمارے سید و مولیٰ نبی کریم ﷺ میں غایت درجہ کا تھا اس سے بڑھ کر کسی دوسرے میں ہوسکتا ہی نہیں۔ **چنانچہ آپ کی ہمدردی اور غمگساری کا یہ عالم تھا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کا نقشہ کھینچ کر دکھایا ہے۔ لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ یعنی کیا تو اپنی جان کو ہلاک کردے گا اِس غم میں کہ یہ کیوں مومن نہیں ہوتے۔ اِس آیت کی حقیقت آپ پورے طور پر نہ سمجھ سکیں تو جدا امر ہے مگر میرے دل میں اس کی حقیقت یوں پھرتی ہے جیسے بدن میں خون۔**

بدل در ویکہ دارم از برائے طالبانِ حق نے گرد و بیان آن درد از تقریر کوتاہم

ترجمہ: میرے دل میں صداقت کے متلاشیوں کے لئے ایسا درد ہے کہ اس کو اپنی زبان سے بیان نہیں کر سکتا۔

میں خوب سمجھتا ہوں کہ اِن حقانی واعظوں کو کس قسم کا جانگداز دردِ اصلاحِ خلق کا لگا ہوا ہوتا ہے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 268)

دعوت اور تبلیغ عام کے اعتبار سے

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ○ (الفرقان:2)

ہم نے اِس لئے بھیجا ہے کہ تمام دنیا کو ڈراوے لیکن ہم بڑے زور سے کہتے ہیں کہ قرآن شریف سے پہلے دنیا کی کسی الہامی کتاب نے یہ دعویٰ نہیں کیا بلکہ ہر ایک نے اپنی رسالت کو اپنی قوم تک ہی محدود رکھا۔ یہاں تک کہ جس نبی کو عیسائیوں نے خدا قرار دیا اُس کے مُنہ سے بھی یہی نکلا کہ ''میں اسرائیل کی بھیڑوں کے سوا اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا'' اور زمانہ کے حالات نے بھی گواہی دی کہ قرآن شریف کا یہ دعویٰ تبلیغ عام کا عین موقع پر ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے ظہور کے وقت تبلیغِ عام کا دروازہ کھل گیا تھا اور آنحضرت ﷺ نے خود اپنے ہاتھ سے بعد نزول اس آیت کے کہ قُلۡ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا (الاعراف: 159) دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کی طرف دعوتِ اسلام کے خط لکھے تھے کسی اور نبی نے غیر قوموں کے بادشاہوں کی طرف دعوتِ دین کے ہرگز خطوط نہیں لکھے کیونکہ وہ دوسری قوموں کی دعوت کے لئے مامور نہ تھے **یہ عام دعوت کی تحریک آنحضرت ﷺ کے ہاتھ سے ہی شروع ہوئی اور مسیح موعود کے زمانہ میں اور اُس کے ہاتھ سے کمال تک پہنچی۔** (چشمہ معرفت۔ ر۔خ جلد 23 صفحہ 76-77)

حضرت اقدسؑ نوع انسان کو جمع کریں گے

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ○ (النساء:2)

وَتَرَکْنَا بَعْضَھُمْ یَوْمَئِذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰھُمْ جَمْعًا (الکہف:100)۔جس سے ظاہر ہے کہ نہایت درجہ کا اختلاف پیدا ہوجائے گا اور سب مذاہب ایک دنگل میں ہوکر نکلیں گے ''تَرَکْنَا'' کا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آزادی کا زمانہ ہوگا۔اور یہ آزادی کمال تک پہنچ جائے گی۔**تو اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے مامور کی معرفت ان کو جمع کرنے کا ارادہ کرے گا۔** پہلے دیکھو جَمَعْنٰھُمْ فرمایا۔اور ابتدائے عالم کے لئے خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۔فرمایا۔لفظ بثّ اور جمعؔ آپس میں پورا تناقض رکھتے ہیں۔گویا دائرہ پورا ہوکر پھر وہی زمانہ ہوجائے گا۔ پہلے تو وحدۃ شخصی تھی۔اب اخیر میں وحدت نوعی ہوجائے گی۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 427-428)

اس لئے خدا نے تکمیل اس فعل کی جو تمام قومیں ایک قوم کی طرح بن جائیں اور ایک ہی مذہب پر ہو جائیں۔زمانہ محمدی کے آخری حصہ میں ڈال دی جو قرب قیامت کا زمانہ ہے اور اس تکمیل کے لئے اسی امت میں سے ایک نائب مقرر کیا جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے اور اسی کا نام خاتم الخلفاء ہے پس زمانہ محمدی کے سر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کے آخر میں مسیح موعود ہے اور ضرور تھا کہ یہ سلسلہ دنیا کا منقطع نہ ہو جب تک کہ وہ پیدا نہ ہولے کیونکہ وحدت اقوامی کی خدمت کسی نائب النبوت کے عہد سے وابستہ کی گئی ہے اور اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے اور وہ یہ ہے ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ (الصف:10) یعنی خدا وہ خدا ہے جس نے اپنے رسول کو ایک کامل ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا اس کو ہر ایک قسم کے دین پر غالب کر دے یعنی ایک عالمگیر غلبہ اس کو عطا کرے اور چونکہ وہ عالمگیر غلبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ظہور میں نہیں آیا اور ممکن نہیں کہ خدا کی پیشگوئی میں کچھ تخلف ہو اس لئے اس آیت کی نسبت ان سب متقدمین کا اتفاق ہے جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں کہ یہ عالمگیر غلبہ مسیح موعود کے وقت میں ظہور میں آئے گا۔

(چشمۂ معرفت۔ر۔خ۔جلد 23 صفحہ 90)

دین اور دنیا کی بھلائی کے اعتبار سے

جو لوگ مجھے قبول کرتے ہیں ان کی دین و دنیا بھی اچھی ہوگی۔کیونکہ اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ **(آل عمران:56) درحقیقت وہ زمانہ آتا ہے کہ ان کو امیت سے نکال کر خود قوت بیان عطا کرے گا اور وہ منکروں پر غالب ہونگے۔** (ملفوظات جلد دوم صفحہ 54)

نشانات دکھلانے کے اعتبار سے

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ○ (الانبیاء:6)

غور سے سنو کہ عقلمندوں اور سوچنے والوں کے لئے میرے دعوے کے ساتھ اِس قدر نشان موجود ہیں کہ اگر وہ انصاف سے کام لیں تو ان کے تسلّی پانے کے لئے نہایت کافی وشافی ذخیرہ خوارق موجود ہے۔ ہاں اگر کوئی اس شخص کی طرح جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مینہ کے بارے میں معجزہ استجابت دعا دیکھ کر یعنی کئی برسوں کے امساک باراں کے بعد مینہ برستا ہوا مشاہدہ کر کے پھر کہہ دیا تھا کہ یہ کوئی معجزہ نہیں اِتفاقاً بادل آیا اور مینہ برس گیا۔ انکار سے باز نہ آوے تو ایسے شخص کا علاج ہمارے پاس نہیں۔ ایسے لوگ ہمارے سید ومولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیشہ آسمانی نشان دیکھتے رہے پھر یہ کہتے رہے فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ۔ **جو شخص سچے دِل سے خدا کا نشان دیکھنا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ سب سے پہلے اس نشان پر نظر کرے کہ اس عاجز کا ظاہر ہونا عین اس وقت میں ہے جس وقت کا ذکر ہمارے سید خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے آپ فرمایا ہے یعنی صدی کا سر۔ پھر آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ صلیب کے غلبہ کے وقت ایک شخص پیدا ہوگا جو صلیب کو توڑے گا۔ ایسے شخص کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح ابنِ مریم رکھا ہے۔**

(انجام آتھم۔ ر۔خ جلد 11 صفحہ 285)

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (الانبیاء:31)

یعنی زمین اور آسمان دونوں ایک گٹھڑی کی طرح بندھے ہوئے تھے جن کے جوہر مخفی تھے ہم نے مسیح کے زمانہ میں وہ دونوں گٹھڑیاں کھول دیں اور دونوں کے جوہر ظاہر کر دیئے۔ (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 17)

کیا یہ سچ نہیں کہ اِس زمانہ میں زمین کی گٹھڑی ایسی کھلی ہے کہ ہزار ہا نئی حقیقتیں اور خواص اور کلیں ظاہر ہوتی جاتی ہیں پھر آسمانی گٹھڑی کیوں بند رہے۔ **آسمانی گٹھڑی کی نسبت گزشتہ نبیوں نے بھی پیشگوئی کی تھی کہ بچے اور عورتیں بھی خدا کا اِلہام پائیں گی اور وہ مسیح موعود کا زمانہ ہوگا۔**

(گورنمنٹ انگریزی اور جہاد۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 17 حاشیہ)

بہ علم و فضل و کرامت کسے بما نرسد کجاست آنکہ ز اربابِ ادّعا باشد
علم وفضل اور کرامت کے زور سے کوئی ہم تک نہیں پہنچ سکتا کہاں ہے وہ شخص جو علم وفضل وکرامت کا مدعی ہے

ہزار نقد نمائی یکے چوسکۂ ما بہ نقشِ خوب و عیار و صفا کُجا باشد
تو ہزاروں سکے دکھائے پھر بھی چمک دمک اور کھرا ہونے میں ہمارے سکہ کی برابری نہیں کر سکتا

مُویّد یکہ مسیحا دم ست و مہدیٔ وقت بشانِ اُود گرے کے ز اتقیا باشد
وہ تائید یافتہ شخص جو مسیحا دم اور مہدیٔ وقت ہے اُس کی شان کو اتقیا میں سے کوئی نہیں پہنچ سکتا

چو غنچہ بود جہانے خموش و سر بستہ من آمدم بقدومیکہ از صبا باشد
یہ جہان ایک غنچہ کی طرح بند تھا میں (اس کے لئے) ان برکتوں کو لے کر آیا ہوں جو بادِ صبا لایا کرتی ہے۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 270) (تریاق القلوب۔ ر۔خ جلد 15 صفحہ 133)

اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ......میں حضرت اقدسؑ کا ذکر

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَ هُمْ حَتّٰی طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ط اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ط اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَo (الانبیاء: 45)

خلاصہ کلام یہ کہ سنت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ جب کوئی خدا کی طرف سے آتا ہے اوراُس کی تکذیب کی جاتی ہے تو طرح طرح کی آفتیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں جن میں اکثر ایسے لوگ پکڑے جاتے ہیں جن کا اس تکذیب سے کچھ تعلق نہیں۔ پھر رفتہ رفتہ ائمۃ الکفر پکڑے جاتے ہیں اور سب سے آخر بڑے شریروں کا وقت آتا ہے۔ اِسی کی طرف اللہ تعالیٰ اِس آیت میں اشارہ فرماتا ہے اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا یعنی ہم آہستہ آہستہ زمین کی طرف آتے جاتے ہیں۔ **اِس میرے بیان میں اُن بعض نادانوں کے اعتراضات کا جواب آگیا ہے جو کہتے ہیں کہ تکفیرتو مولویوں نے کی تھی اور غریب آدمی طاعون سے مارے گئے۔**

(حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ جلد 22 صفحہ 166)

طاعون کے متعلق بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اکثر غریب مرتے ہیں اور امراء اور ہمارے بڑے بڑے مخالف ابھی تک بچے ہوئے ہیں۔ **لیکن سنت اللہ یہی ہے کہ ائمۃ الکفر اخیر میں پکڑے جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰؑ کے وقت جس قدر عذاب پہلے نازل ہوئے ان سب میں فرعون بچا رہا۔** چنانچہ قرآن شریف میں بھی آیا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا (الرعد: 42) یعنی ابتداء عوام سے ہوتا ہے اور پھر خواص پکڑے جاتے ہیں اور بعض کے بچانے میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے آخر میں توبہ کرنی ہوتی ہے یا ان کی اولاد میں سے کسی نے اسلام قبول کرنا ہوتا ہے۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 200۔201)

قرآنی معجزات اور خوارق کو خود کر کے دکھانے کے اعتبار سے

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِيْمَo (الانبیاء: 70)

(عرض کیا گیا کہ آریہ حضرت ابراہیمؑ کے آگ میں ڈالے جانے پر اعتراض کرتے ہیں تو) فرمایا:

ان لوگوں کے اعتراض کی اصل جڑ معجزات اور خوارق پر نکتہ چینی کرنا ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے دعویٰ کرتے ہیں اور اسی لئے خدا تعالیٰ نے ہمیں مبعوث کیا ہے کہ قرآن کریم میں جس قدر معجزات اور خوارق انبیاء کے مذکور ہوئے ہیں اُن کو خود دکھا کر قرآن کی حقانیت کا ثبوت دیں۔ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر دنیا کی کوئی قوم ہمیں آگ میں ڈالے یا کسی اور خطرناک عذاب اور مصیبت میں مبتلا کرنا چاہے تو خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق ضرور ہمیں محفوظ رکھے گا۔۔۔

اور اسی ضمن میں فرمایا:۔

خدا نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے اور اس پر ہمارا ایمان ہے وہ وعدہ وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ کا ہے۔ پس اسے کوئی مخالف آزمالے اور آگ جلا کر ہمیں اس میں ڈال دے آگ ہرگز ہم پر کام نہ کرے گی اور وہ ضرور ہمیں اپنے وعدہ کے موافق بچالے گا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم خود آگ میں کودتے پھریں۔ یہ طریق انبیاء کا نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ (البقرہ:196) پس ہم خود آگ میں دانستہ نہیں پڑتے بلکہ یہ حفاظت کا وعدہ دشمنوں کے مقابلہ پر ہے کہ اگر وہ آگ میں ہمیں جلانا چاہیں تو ہم ہرگز نہ جلیں گے اس لئے میرا تو یہ ایمان ہے کہ ہمیں تکلف اور تاویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے جیسے خدا کے باطنی تصرفات ہیں ویسے ہی ظاہری بھی۔ ہم مانتے ہیں بلکہ اِسی لئے خدا نے اوّل ہی سے الہام کر دیا ہوا ہے کہ

’’آگ سے ہمیں مت ڈرا آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے‘‘۔

بجز اس طریق کے کہ خدا خود ہی تجلی کرے اور کوئی دوسرا طریق نہیں ہے جس سے اس ذات پر یقینِ کامل حاصل ہو۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 479۔480)

ترے مکروں سے اے جاہل مرا نقصاں نہیں ہرگز — کہ یہ جاں آگ میں پڑ کر سلامت آنے والی ہے

(درثمین اردو صفحہ 85)(حقیقۃ الوحی۔ر۔خ۔جلد 22 صفحہ 595)

لیلۃ القدر سے حضرت اقدسؑ کا زمانہ مراد ہے

حٰمٓ ۝ وَالۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۝ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ ۝ فِیۡہَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ ۝ اَمۡرًا مِّنۡ عِنۡدِنَا ؕ اِنَّا کُنَّا مُرۡسِلِیۡنَ ۝ رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۝ (الدخان: 2 تا 7)

نائبِ رسول ﷺ کے نزول کے وقت جو لیلۃ القدر مقرر کی گئی ہے وہ درحقیقت اس لیلۃ القدر کی ایک شاخ ہے یا یوں کہو کہ اس کا ایک ظلّ ہے جو آنحضرت ﷺ کو ملی ہے خدا تعالیٰ نے اس لیلۃ القدر کی نہایت درجہ کی شان بلند کی ہے جیسا کہ اس کے حق میں یہ آیتِ کریمہ ہے کہ فِیۡہَا یُفۡرَقُ کُلُّ اَمۡرٍ حَکِیۡمٍ یعنی اس لیلۃ القدر کے زمانہ میں جو قیامت تک ممتد ہے ہر ایک حکمت اور معرفت کی باتیں دنیا میں شائع کر دی جائیں گی اور انواع و اقسام کے علوم غریبہ وفنونِ نادرہ صناعات عجیبہ صفحۂ عالم میں پھیلا دیئے جائیں گے اور انسانی قویٰ میں موافق ان کی مختلف اِستعدادوں اور مختلف قسم کے امکان بسطت علم اور عقل کے جو کچھ لیاقتیں مخفی ہیں یا جہاں تک وہ ترقی کر سکتے ہیں سب کچھ بمنصّہ ظہور لایا جائے گا **لیکن یہ سب کچھ ان دنوں میں پرزور تحریکوں سے ہوتا رہے گا کہ جب کوئی نائب رسول ﷺ دنیا میں پیدا ہوگا۔** درحقیقت اِسی آیت کو سورۃ الزلزال میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے کیونکہ سورۃ الزلزال سے پہلے سورۃ القدر نازل کر کے یہ ظاہر فرمایا گیا ہے کہ سنّۃ اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ خدائے تعالیٰ کا کلام لیلۃ القدر میں ہی نازل ہوتا ہے اور اسی کا نبی لیلۃ القدر میں ہی دنیا میں نزول فرماتا ہے اور لیلۃ القدر میں ہی وہ فرشتے اُترتے ہیں جن کے ذریعہ سے دنیا میں نیکی کی طرف تحریکیں پیدا ہوتی ہیں اور وہ ضلالت کی پرظلمت رات سے شروع کر کے طلوعِ صبحِ صداقت تک اسی کام میں لگے رہتے ہیں کہ مستعد دلوں کو سچائی کی طرف کھینچتے ہیں۔

(ازالہ اوہام۔ر۔خ جلد 3 صفحہ 159۔160)

دخان سے مراد حضرت اقدسؑ کے زمانہ کا حال ہے

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ○ يَّغْشَى النَّاسَ ط هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (الدخان: 11 ‘12)

اور روحانی طور پر صداقت اور امانت اور دیانت کا قحط ہو گیا اور مکر اور فریب اور علوم فنون مظلمہ دُخان کی طرح دنیا میں پھیل گئی ہیں اور روز بروز ترقی پر ہیں۔ اس زمانہ کے مفاسد کی صورت پہلے زمانوں کے مفاسد سے بالکل مختلف ہے۔ **پہلے زمانوں میں اکثر نادانی اور امیّت رہزن تھی۔ اس زمانہ میں تحصیل علوم رہزن ہو رہی ہے** ہمارے زمانہ کی نئی روشنی جس کو دوسرے لفظوں میں دُخان سے منسوب کرنا چاہیئے عجیب طور پر ایمان اور دیانت اور اندرونی سادگی کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ سوفسطائی تقریروں کے غبار نے صداقت کے آفتاب کو چھپا دیا ہے اور فلسفی مغالطات سادہ لوحوں کو طرح طرح کے شبہات میں ڈال دیا ہے۔ خیالاتِ باطلہ کی تعظیم کی جاتی ہے اور حقیقی صداقتیں اکثر لوگوں کی نظر میں کچھ حقیر سی معلوم ہوتی ہیں۔ **سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ عقل کے رہزدوں کو عقل سے درست کرے اور فلسفہ کے سرگشتوں کو آسمانی فلسفہ کے زور سے راہ پر لاوے۔ سو یہ کامل درجہ کا دُخانِ مبین ہے جو اِس زمانہ میں ظاہر ہوا ہے۔** (ازالہ اوہام حصہ دوم۔ ر۔خ جلد 3 صفحہ 376)

امر حکیم سے مراد معارف الٰہیہ کا ظہور ہے

اس روشن اور کھلی کھلی کتاب کی قسم ہے کہ ہم نے اس قرآن کریم کو ایک مبارک رات میں اتارا ہے کیونکہ ہمیں منظور تھا کہ نافرمانی کے نتائج سے ڈراویں وہ رات ایک ایسی بابرکت رات ہے کہ تمام حکمت کی باتیں اس میں کھولی جاتی ہیں اور ایسا ہی ہم نے چاہا ہے اور تیرے رب نے رحمت کی راہ سے ایسا ہی ارادہ کیا ہے کہ کل معارف و دقائق الٰہیہ کا تیری بعثت مبارکہ پر ہی خاتمہ ہو اور وہی کلام کل معارف حکیمہ کا جامعہ ہو جو تجھ پر نازل ہوا ہے اور اس برکت والی رات سے مراد ایک تو وہی معانی ہیں جو مشہور ہیں اور دوسرے آنحضرت ﷺ کے زمانہ بعثت کی رات ہے اور اس کا دامن قیامت کے دن تک پھیلا ہوا ہے اور آیت **فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ (الدخان:5) میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ وہ تمام زمانہ جو قیامت تک آنحضرت ﷺ کے عہد رسالت کے تحت میں ہے فیوض قرآن کریم سے بہت فائدہ اٹھائے گا اور وہ تمام معارف الٰہیہ جو دنیا میں مخفی چلے آتے ہیں اس زمانہ میں وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوتے رہیں گے۔** اور نیز آیت فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس زمانہ بابرکت کے خواص میں سے یہ بھی ہوگا کہ معاش اور معاد کے کل علوم حکمیہ اپنے اعلیٰ درجہ کے کمالات کے ساتھ ظہور پذیر ہوں گے اور کوئی امر حکمت ایسا نہیں رہے گا جس کی تفصیل نہ کی جائے۔ (ازالہ اوہام۔ ر۔خ جلد 3 صفحہ 374، 375)

مخصوص ستاروں کے ظہور کے اعتبار سے

فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ۔(الواقعة: 176)

فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ۔ وانت تفهم ان فی هذا القول اشارة الی ان للنجوم وموا قعها صلة بتجسس زمان النبوة و نزول الوحی ولا جل ذلک قیل ان بعض النجوم لا یطلع الا فی وقت ظهور نبی من الانبیاء۔ فطوبی للذی یفهم اشارات الله ثم یقبلها کا لتقات۔

ترجمہ از مرتب:۔ فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ۔ تو سمجھتا ہے کہ اس قول میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ستاروں اور ان کے مواقع کو زمانِ نبوت اور نزول وحی کے تجسس سے ایک تعلق ہے۔ **اسی لئے کہا گیا ہے کہ بعض ستارے صرف کسی نبی کے وقت میں ہی نکلتے ہیں۔ پس مبارک ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے اشاروں کو سمجھتے ہیں پھر انہیں متقیوں کی طرح قبول کرتے ہیں۔**

(حمامۃ البشریٰ۔ ر۔خ۔ جلد 7 صفحہ 289)

مطہّر اور متقی ہونے کے اعتبار سے

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ۔(الواقعہ:80)

علم دین آسمانی علوم میں سے ہے اور یہ علوم تقویٰ اور طہارت اور محبت الٰہیہ سے وابستہ ہیں اور سگ دنیا کو مل نہیں سکتے۔ سو اس میں کچھ شک نہیں کہ قول موجّہ سے اتمام حجّت کرنا انبیاء اور مردان خدا کا کام ہے اور حقانی فیوض کا مورد ہونا فانیوں کا طریق ہے اور اللہ جل شانہ فرماتا لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ پس کیونکر ایک گندہ اور منافق اور دنیا پرست ان آسمانی فیضوں کو پا سکتا ہے جن کے بغیر کوئی فتح نہیں ہو سکتی اور کیونکر اس دل پر روح القدس بول سکتا ہے جس میں شیطان بولتا ہو۔

(البلاغ۔ ر۔خ۔ جلد 13 صفحہ 372-373)

حضرت اقدسؑ کو خدا کے ہاتھ نے پاک کیا ہے

یقولون انا لانری ضرورۃ مسیح و لامھدی و کفانا القران و انا مھتدون و یعلمون ان القران کتاب لایمسہ الا المطھرون۔ فاشتدت الحاجۃ الی مفسر زکی من ایدی اللہ و ادخل فی الذین یبصرون۔ (خطبہ الہامیہ۔ر۔خ جلد 16 صفحہ 183 تا 184)

ترجمہ از اصل۔ کہتے ہیں کہ ہم کو مسیح اور مہدی کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ قرآن ہمارے لئے کافی ہے اور ہم سیدھے رستے پر ہیں۔ **حالانکہ جانتے ہیں کہ قرآن ایسی کتاب ہے کہ سوائے پاکوں کے اور کسی کی فہم اس تک نہیں پہنچتی۔ اس وجہ سے ایک ایسے مفسر کی حاجت پڑی کہ خدا کے ہاتھ نے اسے پاک کیا ہو اور بینا بنایا ہو۔**

مسیح موعود اور مہدی کا کام یہی ہے کہ وہ لڑائیوں کے سلسلہ کو بند کرے گا اور قلم' دعا' توجہ سے اسلام کا بول بالا کرے گا اور افسوس ہے کہ لوگوں کو یہ بات سمجھ نہیں آتی اس لئے کہ جس قدر توجہ دنیا کی طرف ہے دین کی طرف نہیں۔ دنیا کی آلودگیوں اور ناپاکیوں میں مبتلا ہو کر یہ امید کیونکر کر سکتے ہیں کہ ان پر قرآن کریم کے معارف کھلیں وہاں تو صاف لکھا ہے **لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ۔** (لیکچر لدھیانہ۔ر۔خ جلد 20 صفحہ 279)

ہمیں اس یار سے تقویٰ عطا ہے ۔۔۔ نہ یہ ہم سے کہ احسانِ خدا ہے
کرو کوشش اگر صدق و صفا ہے ۔۔۔ کہ یہ حاصل ہو جو شرطِ لقا ہے
یہی آئینۂ خالق نما ہے ۔۔۔ یہی اِک جوہرِ سیفِ دُعا ہے
ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے ۔۔۔ اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے
(الہامی مصرعہ)
یہی اک فخر شانِ اولیاء ہے ۔۔۔ بجز تقویٰ زیادت ان میں کیا ہے
ڈرو یارو کہ وہ بینا خدا ہے ۔۔۔ اگر سوچو ۔ یہی دارُالجزاء ہے
مجھے تقویٰ سے اس نے یہ جزا دی ۔۔۔ **فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ**

(بشیر احمد' شریف احمد اور مبارکہ کی آمین ۔ درثمین اردو صفحہ 44)

حضرت اقدسؑ کا ذکر قرآنِ حکیم میں
مکمل سورہ قرآنیہ کے اعتبار سے

نوٹ:- سورۃ الفاتحہ کو اس باب کی ایک مستقل فصل کے طور پر بیان کردیا گیا ہے۔

سورۃ الکھف

فتنہ دجال اور حضرت اقدسؑ

حدیث میں آیا ہے کہ جب تم دجال کو دیکھو تو سورۃ کہف کی پہلی آیتیں پڑھو اور وہ یہ ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا o قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْہُ۔۔۔۔وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا o مَا لَھُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِھِمْ ط کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ ط اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا o (الکہف:2 تا 6) ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دجال سے کس گروہ کو مراد رکھا ہے اور عوج کے لفظ سے اس جگہ مخلوق کو شریک الباری ٹھہرانے سے مراد ہے جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ٹھہرایا ہے اور اسی لفظ سے فیج اعوج مشتق ہے اور فیج اعوج سے وہ درمیانی زمانہ مراد ہے جس میں مسلمانوں نے عیسائیوں کی طرح حضرت مسیح کو بعض صفات میں شریک الباری ٹھہرا دیا۔ اس جگہ ہر انسان سمجھ سکتا ہے کہ اگر دجال کا بھی کوئی علیحدہ وجود ہوتا تو سورۃ فاتحہ میں اس کے فتنہ کا بھی ذکر ضرور ہوتا اور اس کے فتنہ سے بچنے کے لئے بھی کوئی علیحدہ دعا ہوتی۔ مگر ظاہر ہے کہ اس جگہ یعنی سورۃ فاتحہ میں صرف مسیح موعود کو ایذا دینے سے بچنے کیلئے اور نصاریٰ کے فتنے سے محفوظ رہنے کے لئے دعا کی گئی ہے حالانکہ بموجب خیالات حال کے مسلمانوں کا دجال ایک اور شخص ہے اور اس کا فتنہ تمام فتنوں سے بڑھ کر ہے تو گویا نعوذ باللہ خدا بھول گیا کہ ایک بڑے فتنے کا ذکر بھی نہ کیا اور صرف دو فتنوں کا ذکر کیا ایک اندرونی یعنی مسیح موعود کو یہودیوں کی طرح ایذا دینا دوسرے عیسائی مذہب اختیار کرنا۔ **یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ سورۃ فاتحہ میں صرف دو فتنوں سے بچنے کیلئے دعا سکھلائی گئی ہے۔ (1) اوّل یہ فتنہ کہ اسلام کے مسیح موعود کو کافر قرار دینا۔ اُس کی توہین کرنا۔ اس کی ذاتیات میں نقص نکالنے کی کوشش کرنا۔ اُس کے قتل کا فتویٰ دینا جیسا کہ آیت** غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ **میں انہیں باتوں کی طرف اشارہ ہے (2) دوسرے نصاریٰ کے فتنے سے بچنے کے لئے دعا سکھلائی گئی اور سورۃ کو اسی کے ذکر پر ختم کر کے اشارہ کیا گیا ہے کہ فتنہ نصاریٰ ایک سیلِ عظیم کی طرح ہوگا۔ اس سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں۔** (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 210۔212)

حضرت اقدسؑ کی بعثت یاجوج ماجوج کے وقت میں ہوگی

مسیح موعود کا یاجوج ماجوج کے وقت میں آنا ضروری ہے اور کیونکہ اجیج آگ کو کہتے ہیں جس سے یاجوج ماجوج کا لفظ مشتق ہے اس لئے جیسا کہ خدا نے مجھے سمجھایا ہے یاجوج ماجوج وہ قوم ہے جو تمام قوموں سے زیادہ دنیا میں آگ سے کام لینے میں استاد بلکہ اس کام کی موجد ہے۔ اور ان ناموں میں یہ اشارہ ہے کہ ان کے جہاز ان کی ریلیں۔ ان کی کلیں آگ کے ذریعہ سے چلیں گی اور ان کی لڑائیاں آگ کے ساتھ ہوں گی اور وہ آگ سے خدمت لینے کے فن میں تمام دنیا کی قوموں سے فائق ہوں گے اور اسی وجہ سے وہ یاجوج ماجوج کہلائیں گے سو وہ یورپ کی قومیں ہیں جو آگ کے فنون میں ایسے ماہر اور چابک اور یکتائے روزگار ہیں کہ کچھ بھی ضرور نہیں کہ اس میں زیادہ بیان کیا جائے۔ پہلی کتابوں میں بھی جو بنی اسرائیل کے نبیوں کو دی گئیں یورپ کے لوگوں کو ہی یاجوج ماجوج ٹھہرایا ہے بلکہ ماسکو کا نام بھی لکھا ہے جو قدیم پایۂ تخت روس تھا سو مقرر ہو چکا تھا کہ **مسیح موعود یاجوج ماجوج کے وقت میں ظاہر ہوگا۔**

(ایام الصلح۔ ر۔خ جلد 14 صفحہ 424 تا 425)

اصحاب کہف اور رقیم سے مراد حضرت اقدس ہیں

اَمۡ حَسِبۡتَ اَنَّ اَصۡحٰبَ الۡکَہۡفِ وَالرَّقِیۡمِ کَانُوۡا مِنۡ اٰیٰتِنَا عَجَبًا۔ (الکہف: 10)

میں دیکھتا ہوں براہین میں میرا نام اصحاب الکہف بھی رکھا ہے۔ اس میں یہ سر ہے کہ جیسے کہ وہ مخفی تھے اسی طرح پر تیرہ سو برس سے یہ راز مخفی رہا اور کسی پر نہ کھلا اور ساتھ اس کے جو رقیم کا لفظ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے باوجود مخفی ہونے کہ اس کے ساتھ ایک کتبہ بھی ہے اور وہ کتبہ یہی ہے کہ تمام نبی اس کے متعلق پیشگوئی کرتے چلے آئے ہیں۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 313-314)

محدّث کا الہام قطعی اور یقینی ہوتا ہے

فَوَجَدَا عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَاۤ اٰتَیۡنٰہُ رَحۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَعَلَّمۡنٰہُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا۔ (الکہف: 66)

پس جبکہ بہر صورت ثابت ہے کہ خضر کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے علم یقینی اور قطعی دیا گیا تھا تو پھر کیوں کوئی شخص مسلمان کہلا کر اور قرآن شریف پر ایمان لا کر اس بات سے منکر رہے کہ کوئی فرد بشر امت محمدّیہ میں سے باطنی کمالات میں خضر کی مانند نہیں ہو سکتا بلاشبہ ہو سکتا ہے بلکہ خدائے حی و قیوم اس بات پر قادر ہے کہ امت مرحومہ کے افرادِ خاصہ کو اُس سے بھی بہتر و زیادہ تر باطنی نعمتیں عطا فرماوے۔

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ۔

(براہین احمدیہ۔ ر۔ خ جلد 1 صفحہ 295 حاشیہ در حاشیہ)

حضرت اقدسؑ کا نام ذوالقرنین ہے

وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنۡ ذِی الۡقَرۡنَیۡنِ قُلۡ سَاَتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ مِّنۡہُ ذِکۡرًا ۝ اِنَّا مَکَّنَّا لَہٗ فِی الۡاَرۡضِ وَاٰتَیۡنٰہُ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ سَبَبًا ۝ فَاَتۡبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ وَجَدَہَا تَغۡرُبُ فِیۡ عَیۡنٍ حَمِئَۃٍ وَّوَجَدَ عِنۡدَہَا قَوۡمًا ؕ قُلۡنَا یٰذَاالۡقَرۡنَیۡنِ اِمَّاۤ اَنۡ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنۡ تَتَّخِذَ فِیۡہِمۡ حُسۡنًا ۝ قَالَ اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ فَسَوۡفَ نُعَذِّبُہٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّہٖ فَیُعَذِّبُہٗ عَذَابًا نُّکۡرًا ۝ وَاَمَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَہٗ جَزَآءَ ۨ الۡحُسۡنٰی ۚ وَسَنَقُوۡلُ لَہٗ مِنۡ اَمۡرِنَا یُسۡرًا ۝ ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطۡلِعَ الشَّمۡسِ وَجَدَہَا تَطۡلُعُ عَلٰی قَوۡمٍ لَّمۡ نَجۡعَلۡ لَّہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہَا سِتۡرًا ۝ کَذٰلِکَ ؕ وَقَدۡ اَحَطۡنَا بِمَا لَدَیۡہِ خُبۡرًا ۝ ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیۡنَ السَّدَّیۡنِ وَجَدَ مِنۡ دُوۡنِہِمَا قَوۡمًا ۙ لَّا یَکَادُوۡنَ یَفۡقَہُوۡنَ قَوۡلًا ۝ قَالُوۡا یٰذَاالۡقَرۡنَیۡنِ اِنَّ یَاۡجُوۡجَ وَمَاۡجُوۡجَ مُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَہَلۡ نَجۡعَلُ لَکَ خَرۡجًا عَلٰۤی اَنۡ تَجۡعَلَ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَہُمۡ سَدًّا ۝ قَالَ مَا مَکَّنِّیۡ فِیۡہِ رَبِّیۡ خَیۡرٌ فَاَعِیۡنُوۡنِیۡ بِقُوَّۃٍ اَجۡعَلۡ بَیۡنَکُمۡ وَبَیۡنَہُمۡ رَدۡمًا ۝ اٰتُوۡنِیۡ زُبَرَ الۡحَدِیۡدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیۡنَ الصَّدَفَیۡنِ قَالَ انۡفُخُوۡا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَہٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوۡنِیۡۤ اُفۡرِغۡ عَلَیۡہِ قِطۡرًا ۝ فَمَا اسۡطَاعُوۡۤا اَنۡ یَّظۡہَرُوۡہُ وَمَا اسۡتَطَاعُوۡا لَہٗ نَقۡبًا ۝ قَالَ ہٰذَا رَحۡمَۃٌ مِّنۡ رَّبِّیۡ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ رَبِّیۡ جَعَلَہٗ دَکَّآءَ ۚ وَکَانَ وَعۡدُ رَبِّیۡ حَقًّا ۝ وَتَرَکۡنَا بَعۡضَہُمۡ یَوۡمَئِذٍ یَّمُوۡجُ فِیۡ بَعۡضٍ وَّنُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَجَمَعۡنٰہُمۡ جَمۡعًا ۝ وَّعَرَضۡنَا جَہَنَّمَ یَوۡمَئِذٍ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ عَرۡضَا ۝ نِ الَّذِیۡنَ کَانَتۡ اَعۡیُنُہُمۡ فِیۡ غِطَآءٍ عَنۡ ذِکۡرِیۡ وَکَانُوۡا لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ سَمۡعًا ۝ (الکہف: 84-102)

خداتعالیٰ نے میرا نام ذوالقرنین بھی رکھا کیونکہ خداتعالیٰ کی میری نسبت یہ وحی مقدس کہ جَرِیُّ اللّٰہِ فِیۡ حُلَلِ الۡاَنۡبِیَاءِ جس کے یہ معنے ہیں کہ خدا کا رسول تمام نبیوں کے پیرایوں میں یہ چاہتی ہے کہ مجھ میں ذوالقرنین کے بھی صفات ہوں کیونکہ سورۃ کہف سے ثابت ہے کہ ذوالقرنین بھی صاحب وحی تھا۔ خداتعالیٰ نے اس کی نسبت فرمایا ہے قُلۡنَا یٰذَاالۡقَرۡنَیۡنِ ۔ **پس اس وحی الٰہی کی رو سے کہ جَرِیُّ اللّٰہِ فِیۡ حُلَلِ الۡاَنۡبِیَاءِ اس امت کے لیے ذوالقرنین میں ہوں اور قرآن شریف میں مثالی طور پر میری نسبت پیشگوئی موجود ہے** مگر ان کے لئے جو فراست رکھتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ذوالقرنین وہ ہوتا ہے جو دو صدیوں کو پانے والا ہو اور میری نسبت یہ عجیب بات ہے کہ اس زمانے کے لوگوں نے جس قدر اپنے اپنے طور پر صدیوں کی تقسیم کر رکھی ہے ان تمام تقسیموں کے لحاظ سے جب دیکھا جائے تو ظاہر ہوگا کہ میں نے ہر ایک قوم کی دو صدیوں کو پالیا ہے میری عمر اس وقت تخمیناً 67 سال ہے پس ظاہر ہے کہ اس حساب سے جیسا کہ میں نے دو ہجری صدیوں کو پا لیا ہے ایسا ہی دو عیسائی صدیوں کو بھی پالیا ہے ایسا ہی دو ہندی صدیوں کو بھی جن کا سن بکر ماجیت سے شروع ہوتا ہے۔ اور میں نے جہاں تک ممکن تھا قدیم زمانے کے تمام ممالک شرقی اور غربی کی مقرر شدہ صدیوں کا ملاحظہ کیا ہے کوئی قوم ایسی نہیں جس کی مقرر کردہ صدیوں میں سے دو صدئین میں نے نہ پائی ہوں اور بعض احادیث میں بھی آچکا ہے کہ آنے والے مسیح کی ایک یہ بھی علامت ہے کہ وہ ذوالقرنین ہوگا۔

غرض بموجب نص وحی الٰہی کے میں ذوالقرنین ہوں اور جو کچھ خداتعالیٰ نے قرآن شریف کی ان آیتوں کی نسبت جو سورۃ کہف میں ذوالقرنین کے قصہ کے بارے میں ہیں اور میرے پر پیش گوئی کے رنگ میں معنے کھولے ہیں۔ میں ذیل میں ان کو بیان کرتا ہوں۔ مگر یاد رہے کہ پہلے معنوں سے انکار نہیں ہے وہ گزشتہ سے متعلق ہیں یہ آئندہ کے متعلق۔ اور قرآن شریف صرف قصہ گو کی طرح نہیں ہے بلکہ اس کے ہر ایک قصہ کے نیچے پیشگوئی ہے اور ذوالقرنین کا قصہ مسیح موعود کے زمانہ کے لیے ایک پیشگوئی اپنے اندر رکھتا ہے جیسا قرآن شریف کی عبارت یہ ہے۔ وَیَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنۡ ذِی الۡقَرۡنَیۡنِ قُلۡ سَاَتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ مِّنۡہُ ذِکۡرًا۔ یعنی یہ لوگ تجھ سے ذوالقرنین کا حال دریافت کرتے ہیں ان کو کہو کہ میں ابھی تھوڑا سا تذکرہ ذوالقرنین کا تم کو سناؤں گا اور بعد اس کے فرمایا۔ اِنَّا مَکَّنَّا لَہٗ فِی الۡاَرۡضِ وَاٰتَیۡنٰہُ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ سَبَبًا۔ **یعنی ہم اس کو یعنی مسیح موعود کو جو ذوالقرنین بھی کہلائے گا روئے زمین پر ایسا مستحکم کریں گے کہ کوئی اس کو نقصان نہ پہنچا سکے گا** اور ہم ہر طرح سے ساز وسامان اس کو دے دیں گے اور اس کی کاروائیوں کو سہل اور آسان کر دیں گے۔ یاد رہے کہ یہ وحی براہین احمدیہ حصص سابقہ میں بھی میری نسبت ہوئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّکَ سُھُوۡلَۃً فِیۡ کُلِّ اَمۡرٍ۔ یعنی کیا ہم نے ہر ایک امر میں تیرے لئے آسانی نہیں کر دی یعنی کیا ہم نے تمام وہ سامان تیرے لئے میسر نہیں کر دیئے جو تبلیغ اور اشاعت حق کے لئے ضروری تھے جیسا کہ ظاہر ہے کہ اس نے میرے لیے وہ سامان تبلیغ اور اشاعت حق کے میسر کر دیئے جو کسی نبی کے وقت میں موجود نہ تھے۔ تمام قوموں کی آمد و رفت کی راہیں کھولی گئیں۔ طے مسافرت کے

لیے وہ آسانیاں کر دی گئیں کہ برسوں کی راہیں دنوں میں طے ہونے لگیں اور خبر رسانی کے وہ ذریعے پیدا ہوئے کہ ہزاروں کوس کی خبریں چند منٹوں میں آنے لگیں۔ ہر ایک قوم کی وہ کتابیں شائع ہوئیں جو مخفی اور مستور تھیں اور ہر ایک چیز کے بہم پہنچانے کے لئے ایک سبب پیدا کیا گیا۔ کتابوں کے لکھنے میں جو دقتیں تھیں وہ چھاپہ خانوں سے دفع اور دور ہو گئیں یہاں تک کہ ایسی ایسی مشینیں نکلی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے دس دن میں کسی مضمون کو اس کثرت سے چھاپ سکتے ہیں کہ پہلے زمانوں میں دس سال میں بھی وہ مضمون قید تحریر میں نہیں آسکتا تھا اور پھر ان کے شائع کرنے کے اس قدر حیرت انگیز سامان نکل آئے ہیں کہ ایک تحریر صرف چالیس دن میں تمام دنیا کی آبادی میں شائع ہو سکتی ہے اور اس زمانہ سے پہلے ایک شخص بشرطیکہ اس کی عمر بھی لمبی ہو سو برس تک بھی اس وسیع اشاعت پر قادر نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر بعد اس کے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

فَاَتْبَعَ سَبَبًا۔ حَتّٰیٓ اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ط قُلْنَا یٰذَاالْقَرْنَیْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا ۔ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا۔ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ نِ الْحُسْنٰی وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا ۔

یعنی جب ذوالقرنین کو جو مسیح موعود ہے ہر ایک کی طرح سامان دیئے جائیں گے۔ پس وہ ایک سامان کے پیچھے پڑے گا یعنی وہ مغربی ممالک کی اصلاح کے لئے کمر باندھے گا اور وہ دیکھے گا کہ آفتاب صداقت اور حقانیت ایک کیچڑ کے چشمہ میں غروب ہو گیا اور اس غلیظ چشمہ اور تاریکی کے پاس ایک قوم کو پائے گا جو مغربی قوم کہلائے گی یعنی مغربی ممالک میں عیسائیت کے مذہب والوں کو نہایت تاریکی میں مشاہدہ کرے گا نہ ان کے مقابل پر آفتاب ہو گا جس سے وہ روشنی پا سکیں اور نہ ان کے پاس پانی صاف ہو گا جس کو وہ پیویں یعنی ان کی علمی اور عملی حالت نہایت خراب ہو گی اور وہ روحانی روشنی اور روحانی پانی سے بے نصیب ہوں گے تب ہم ذوالقرنین یعنی مسیح موعود کو کہیں گے کہ تیرے اختیار میں ہے چاہے تو ان کو عذاب دے یعنی عذاب نازل ہونے کیلئے بددعا کرے (جیسا کہ احادیث صحیحہ میں مروی ہے) یا ان کے ساتھ حُسن سلوک کا شیوا اختیار کرے تب ذوالقرنین یعنی مسیح موعود جواب دے گا کہ ہم اسی کو سزا دلانا چاہتے ہیں جو ظالم ہو۔ وہ دنیا میں بھی ہماری بددعا سے سزا یاب ہو گا اور پھر آخرت میں سخت عذاب دیکھے گا۔ لیکن جو شخص سچائی سے منہ نہیں پھیرے گا اور نیک عمل کرے گا اس کو نیک بدلہ دیا جائے گا اور اس کو انہی کاموں کی بجا آوری کا حکم ہو گا جو سہل ہیں اور آسانی سے ہو سکتے ہیں۔ **غرض یہ مسیح موعود کے حق میں پیشگوئی ہے کہ وہ ایسے وقت میں آئے گا جب کہ مغربی ممالک کے لوگ نہایت تاریکی میں پڑے ہوں گے اور آفتاب صداقت ان کے سامنے سے بالکل ڈوب جائے گا اور ایک گندے اور بدبودار چشمہ میں ڈوبے گا** یعنی بجائے سچائی کے بدبودار عقائد اور اعمال ان میں پھیلے ہوئے ہوں گے اور وہی ان کا پانی ہو گا جس کو وہ پیتے ہوں گے اور روشنی کا نام و نشان نہ ہو گا تاریکی میں پڑے ہوں گے۔ اور ظاہر ہے کہ یہی حالت عیسائی مذہب کی آجکل ہے جیسا کہ قرآن شریف نے ظاہر فرمایا ہے اور عیسائیت کا بھاری مرکز ممالک مغربیہ ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا۔حَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا۔ كَذٰلِكَ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا۔

یعنی پھر ذوالقرنین جو مسیح موعود ہے جس کو ہر ایک سامان عطا کیا جائے گا ایک اور سامان کے پیچھے پڑے گا یعنی ممالک مشرقیہ کے لوگوں کی حالت پر نظر ڈالے گا اور وہ جگہ جس سے سچائی کا آفتاب نکلتا ہے اس کو ایسا پائے گا کہ ایک ایسی نادان قوم پر آفتاب نکلا ہے جس کے پاس دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی بھی سامان نہیں یعنی وہ لوگ ظاہر پرستی اور افراط کی دھوپ سے جلتے ہوں گے اور حقیقت سے بے خبر ہوں گے اور ذوالقرنین یعنی مسیح موعود کے پاس حقیقی راحت کا سامان سب کچھ ہوگا جس کو ہم خوب جانتے ہیں مگر وہ لوگ قبول نہیں کریں گے اور وہ لوگ افراط کی دھوپ سے بچنے کے لئے کچھ بھی پناہ نہیں رکھتے ہوں گے نہ گھر نہ سایہ دار درخت نہ کپڑے جو گرمی سے بچا سکیں اس لئے آفتاب صداقت جو طلوع کرے گا ان کی ہلاکت کا موجب ہو جائے گا۔ یہ ان لوگوں کے لئے ایک مثال ہے جو آفتاب ہدایت کی روشنی تو ان کے سامنے موجود ہے اور اس گروہ کی طرح نہیں ہیں جن کا آفتاب غروب ہو چکا ہے لیکن ان لوگوں کو اس آفتاب ہدایت سے بجز اس کا کوئی فائدہ نہیں کہ دھوپ سے چمڑا ان کا جل جائے اور رنگ سیاہ ہو جائے اور آنکھوں کی روشنی بھی جاتی رہے۔ اس تقسیم سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسیح موعود کا اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے لئے تین قسم کا دور ہوگا اول اس قوم پر نظر ڈالے گا جو آفتاب ہدایت کو کھو بیٹھے ہیں اور ایک تاریکی اور کیچڑ کے چشمہ میں بیٹھے ہیں۔ دوسرا دورہ اس کا ان لوگوں پر ہوگا جو ننگ دھڑنگ آفتاب کے سامنے بیٹھے ہیں یعنی ادب سے حیا سے اور تواضع سے اور نیک ظن سے کام نہیں لیتے نرے ظاہر پرست ہیں گویا آفتاب کے ساتھ لڑنا چاہتے ہیں سو وہ بھی فیض آفتاب سے بے نصیب ہیں اور ان کو آفتاب سے بجز جلنے کے اور کوئی حصہ نہیں۔ یہ ان مسلمانوں کی طرف اشارہ ہے جن میں مسیح موعود ظاہر تو ہوا مگر وہ انکار اور مقابلہ سے پیش آئے اور حیا اور ادب اور حسن ظن سے کام نہ لیا اس لئے سعادت سے محروم رہ گئے بعد اس کے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا o حَتّٰی اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا o قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓی اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا o قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِيْهِ رَبِّیْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا o اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ حَتّٰی اِذَا سَاوٰی بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا حَتّٰی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا o فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا o قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا o وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا o وَّ عَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا o الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِیْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا o اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِيَآءَ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا O (الکھف : 93 تا 103)

پھر ذوالقرنین یعنی مسیح موعود ایک اور سامان کے پیچھے پڑے گا اور جب وہ ایک ایسے موقعہ پر پہنچے گا یعنی جب وہ ایک ایسا نازک زمانہ پائے گا جس کو بین السدین کہنا چاہئے یعنی دو پہاڑوں کے بیچ۔ مطلب یہ کہ ایسا وقت پائے گا جبکہ دوطرفہ خوف میں لوگ پڑے ہونگے۔ اور ضلالت کی طاقت حکومت کی طاقت کے ساتھ مل کرخوفناک نظارہ دکھائیگی تو ان دونوں طاقتوں کے ماتحت ایک قوم کو پائے گا جو اس کی بات کو مشکل سے سمجھیں گے۔ یعنی غلط خیالات میں مبتلا ہونگے اور بباعث غلط عقائد مشکل سے اس ہدایت کو سمجھیں گے جو وہ پیش کرے گا۔ لیکن آخر کار سمجھ لیں گے اور ہدایت پالیں گے۔ اور یہ تیسری قوم ہے جو مسیح موعود کی ہدایات سے فیضیاب ہونگے تب وہ اس کو کہیں گے کہ اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج نے زمین پر فساد مچا رکھا ہے۔ پس اگر آپ کی مرضی ہو تو ہم آپ کے لئے چندہ جمع کر دیں تا آپ ہم میں اور ان میں کوئی روک بنا دیں۔ وہ جواب میں کہے گا کہ جس بات پر خدا نے مجھے قدرت بخشی ہے وہ تمہارے چندوں سے بہتر ہے ہاں اگر تم نے کچھ مدد کرنی ہو تو اپنی طاقت کے موافق کرو تا میں تم میں اور ان میں ایک دیوار کھینچ دوں۔ یعنی ایسے طور پر ان پر حجت پوری کروں کہ وہ کوئی طعن تشنیع اور اعتراض کا تم پر حملہ نہ کر سکیں لوہے کی سلیں مجھے لا دو تا آمدورفت کی راہوں کو بند کیا جائے یعنی اپنے تئیں میری تعلیم اور دلائل پر مضبوطی سے قائم کرو اور پوری استقامت اختیار کرو اور اس طرح پر خود لوہے کی سل بن کر مخالفانہ حملوں کو روکو اور پھر سلوں میں آگ پھونکو جب تک کہ وہ خود آگ بن جائیں۔ یعنی محبت الٰہی اس قدر اپنے اندر بھڑکاؤ کہ خود الٰہی رنگ اختیار کرو۔ یاد رکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ سے کمال محبت کی یہی علامت ہے کہ محبّ میں ظلی طور پر الٰہی صفات پیدا ہو جائیں۔ اور جب تک ایسا ظہور میں نہ آوے تب تک دعویٰ محبت جھوٹ ہے۔ محبت کاملہ کی مثال بعینہٖ لوہے کی وہ حالت ہے جبکہ وہ آگ میں ڈالا جائے اور اس قدر آگ اس میں اثر کرے کہ وہ خود آگ بن جائے۔ پس اگرچہ وہ اپنی اصلیت میں لوہا ہے۔ آگ نہیں ہے۔ مگر چونکہ آگ نہایت درجہ اس پر غلبہ کر گئی ہے اس لئے آگ کے صفات اس سے ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ آگ کی طرح جلا سکتا ہے۔ آگ کی طرح اس میں روشنی ہے۔ پس محبت الٰہیہ کی حقیقت یہی ہے کہ انسان اس رنگ سے رنگین ہو جائے اور اگر اسلام اس حقیقت تک پہنچا نہ سکتا تو وہ کچھ چیز نہ تھا۔ لیکن اسلام اس حقیقت تک پہنچاتا ہے۔ اول انسان کو چاہئے کہ لوہے کی طرح اپنی استقامت اور ایمانی مضبوطی میں بن جائے۔ کیونکہ اگر ایمانی حالت خس و خاشاک کی طرح ہے تو آگ اس کو چھوتے ہی بھسم کر دے گی۔ پھر کیونکر وہ آگ کا مظہر بن سکتا ہے۔ افسوس بعض نادانوں نے عبودیت کے اس تعلق کو جو ربوبیت کے ساتھ ہے جس سے ظلی طور پر صفات الٰہیہ بندہ میں پیدا ہوتے ہیں نہ سمجھ کر میری اس وحی من اللہ پر اعتراض کیا ہے کہ **انما امرک اذا اردت شیئا ان تقول له کن فیکون**۔ یعنی تیری یہ بات ہے کہ جب تو ایک بات کو کہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے جو میرے پر نازل ہوا یہ میری طرف سے نہیں ہے اور اس کی تصدیق اکابر صوفیاء اسلام کر چکے ہیں جیسا کہ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے بھی فتوح الغیب میں یہی لکھا ہے اور عجیب تر یہ کہ سید عبدالقادر جیلانیؓ نے بھی یہی آیت پیش کی ہے۔ افسوس لوگوں نے صرف رسمی ایمان پر کفایت کر لی ہے اور پوری معرفت کی طلب ان

کے نزدیک کفر ہے اور خیال کرتے ہیں کہ یہی ہمارے لئے کافی ہے حالانکہ وہ کچھ بھی چیز نہیں اور اس سے منکر ہیں کہ کسی سے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کا مکالمہ مخاطبہ یقینی اور واقعی طور پر ہو سکتا ہے۔ ہاں اس قدر ان کا خیال ہے کہ دلوں میں القاء تو ہوتا ہے مگر نہیں معلوم کہ وہ القاء شیطانی ہے یا رحمانی ہے اور نہیں سمجھتے کہ ایسے القاء سے ایمانی حالت کو فائدہ کیا ہوا۔ اور کونسی ترقی ہوئی بلکہ ایسا القاء تو ایک سخت ابتلاء ہے جس میں معصیت کا اندیشہ یا ایمان جانے کا خطرہ ہے کیونکہ اگر ایسی مشتبہ وحی میں جو نہیں معلوم شیطان سے ہے یا رحمان سے ہے کسی کو تاکیدی حکم ہو کہ یہ کام کر تو اگر اس نے وہ کام نہ کیا۔ اس خیال سے کہ شاید یہ شیطان نے حکم دیا ہے۔ اور دراصل وہ خدا کا حکم تھا تو یہ انحراف موجب معصیت ہوا۔ اور اگر اس حکم کو بجالایا اور اصل میں شیطان کی طرف سے وہ حکم تھا تو اس سے ایمان گیا۔ پس ایسے الہام پانے والوں سے وہ لوگ اچھے رہے جو ایسے خطرناک الہامات سے جن میں شیطان بھی حصہ دار ہو سکتا ہے محروم ہیں۔ ایسے عقیدہ کی حالت میں عقل بھی کوئی فیصلہ نہیں کرسکتی ممکن ہے کہ کوئی الہام الٰہی ایسا ہو جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا تھا جس کی تعمیل میں اس کے بچہ کی جان خطرہ میں پڑتی تھی۔ یا جیسا کہ خضر علیہ السلام کا الہام تھا جس نے بظاہر حال ایک نفس زکیہ کا ناحق خون کیا۔ اور چونکہ ایسے امور بظاہر شریعت کے برخلاف ہیں اس لئے شیطانی دخل کے احتمال سے کون ان پر عمل کرے گا۔ اور بوجہ عدم تعمیل معصیت میں گرے گا اور ممکن ہے کہ شیطان لعین کوئی ایسا حکم دے کہ بظاہر شریعت کے مخالف معلوم نہ ہو اور دراصل بہت فتنہ اور تباہی کا موجب ہو یا پوشیدہ طور پر ایسے امور ہوں جو موجب سلب ایمان ہوں۔ پس ایسے مکالمہ مخاطبہ سے فائدہ کیا ہوا۔

پھر آیات متذکرہ بالا کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ذوالقرنین یعنی مسیح موعود اس قوم کو جو یاجوج ماجوج سے ڈرتی ہے کہے گا کہ مجھے تانبا لادو کہ میں اس کو پگھلا کر اس دیوار پر انڈیل دوں گا۔ پھر بعد اس کے یاجوج ماجوج طاقت نہیں رکھیں گے کہ ایسی دیوار پر چڑھ سکیں یا اس میں سوراخ کرسکیں۔ یاد رہے کہ لوہا اگرچہ بہت دیر تک آگ میں رہ کر آگ کی صورت اختیار کر لیتا ہے مگر مشکل سے پگھلتا ہے مگر تانبا جلد پگھل جاتا ہے اور سالک کے لئے خدا تعالیٰ کی راہ میں پگھلنا بھی ضروری ہے۔ پس یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایسے مستعد دل اور نرم طبیعتیں لاؤ کہ جو خدا تعالیٰ کے نشانوں کو دیکھ کر پگھل جائیں۔ کیونکہ سخت دلوں پر خدا تعالیٰ کے نشان کچھ اثر نہیں کرتے۔ لیکن انسان شیطانی حملے سے تب محفوظ ہوتا ہے کہ اول استقامت میں لوہے کی طرح ہو اور پھر وہ لوہا خدا تعالیٰ کی محبت کی آگ سے آگ کی صورت پکڑ لے اور پھر دل پگھل کر اس لوہے پر پڑے اور اس کو منتشر اور پراگندہ ہونے سے تھام لے۔ سلوک تمام ہونے کے لئے یہ تین ہی شرطیں ہیں جو شیطانی حملوں سے محفوظ رہنے کے لئے سدسکندری ہیں اور شیطانی روح اس دیوار پر چڑھ نہیں سکتی اور نہ اس میں سوراخ کرسکتی ہے۔ اور پھر فرمایا کہ یہ خدا کی رحمت سے ہوگا اور اس کا ہاتھ یہ سب کچھ کرے گا۔ انسانی منصوبوں کا اس میں دخل نہیں ہوگا۔ اور جب قیامت کے دن نزدیک آجائیں گے تو پھر دوبارہ فتنہ برپا ہو جائے گا۔ یہ خدا کا وعدہ ہے۔ اور پھر فرمایا کہ ذوالقرنین کے زمانہ میں جو مسیح موعود ہے ہر ایک قوم اپنے مذہب کی حمایت میں اٹھے گی اور جس طرح ایک موج دوسری موج پر پڑتی ہے ایک دوسرے پر حملہ

کریں گے اتنے میں آسمان پر کرناء پھونکی جائے گی یعنی آسمان کا خدا مسیح موعود کو مبعوث فرما کر ایک تیسری قوم پیدا کر دے گا اوران کی مدد کے لئے بڑے نشان دکھلائے گا یہاں تک کہ تمام سعید لوگوں کو ایک مذہب پر یعنی اسلام پر جمع کر دے گا اور وہ مسیح کی آواز سنیں گے اور اس کی طرف دوڑیں گے تب ایک ہی چوپان اور ایک ہی گلہ ہوگا اور وہ دن بڑے ہی سخت ہوں گے اور خدا ہیبت ناک نشانوں کے ساتھ اپنا چہرہ ظاہر کر دے گا اور جو لوگ کفر پر اصرار کرتے ہیں اور وہ اسی دنیا میں بباعث طرح طرح کی بلاؤں کے دوزخ کا منہ دیکھ لیں گے۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کی آنکھیں میری کلام سے پردہ میں تھیں اور جن کے کان میرے حکم کو سن نہیں سکتے تھے۔ کیا ان منکروں نے یہ گمان کیا تھا کہ یہ امر سہل ہے کہ عاجز بندوں کو خدا بنا دیا جائے اور میں معطل ہو جاؤں اس لئے ہم ان کی ضیافت کے لئے اسی دنیا میں جہنم نمودار کر دیں گے یعنی بڑے بڑے ہولناک نشان ظاہر ہوں گے اور یہ سب نشان مسیح موعود کی سچائی پر گواہی دیں گے۔ اس کریم کے فضل کو دیکھو کہ یہ انعامات اس مشت خاک پر ہیں جس کو مخالف کافر اور دجال کہتے ہیں۔

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ جلد 21 صفحہ 118 تا 126)

اَلَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا (الکھف:102)

ذکر سے مراد یہ ہے کہ جو میں نے ان کو اپنے مامور کی معرفت یاد کیا۔ خدا تعالیٰ کا یاد کرنا یہی ہوتا ہے کہ اپنی طرف سے ایک مصلح کو بھیج دیا سو اس مامور سے وہ غفلت میں رہے۔ ان کی آنکھوں کے آگے طرح طرح کے شبہات کے حجاب چھائے رہے اور حق کا نور نظر نہ آیا۔ کیوں کہ جوش تعصب سے ان کی ایسی حالت ہوگئی جو وہ اس مامور کی بات سن ہی نہیں سکتے (وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا۔) اب ان لوگوں کی حالت یہی ہو رہی ہے اور اس کی سزا بھی وہی مل رہی ہے جو قرآن مجید میں ہے کہ عَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا۔ (الکھف:101) (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 429)

نفخ صور سے آسمانی مصلح کی بعثت مراد ہے

نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا۔ (الکھف:100) یاد رہے کہ صور کا لفظ ہمیشہ عظیم الشان تبدیلیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے گویا جب خدا تعالیٰ اپنی مخلوقات کو ایک صورت سے منتقل کر کے دوسری صورت میں لاتا ہے۔ تو اس تغیر صور کے وقت کو نفخ صور سے تعبیر کرتے ہیں اور اہل کشف پر مکاشفات کی رو سے اس صور کا ایک وجود جسمانی بھی محسوس ہوتا ہے اور یہ عجائبات اس عالم میں سے ہیں جن کے سِر اس دنیا میں بجز منقطعین کے اور کسی پر کھل نہیں سکتے۔ بہرحال آیت موصوفہ بالا سے ثابت ہے کہ آخری زمانہ میں عیسائی مذہب اور حکومت کا زمین پر غلبہ ہوگا اور مختلف قوموں میں بہت سے تنازعات مذہبی پیدا ہوں گے اور ایک قوم دوسری قوم کو دبانا چاہے گی اور ایسے زمانہ میں صور پھونک کر تمام قوموں کو دین اسلام پر جمع کیا جاویگا یعنی سنت اللہ کے موافق آسمانی نظام قائم ہوگا اور ایک آسمانی مصلح آئے گا درحقیقت اسی مصلح کا نام مسیح موعود ہے۔ (شہادت القرآن۔ ر۔خ جلد 6 صفحہ 312)

ایسا ہی قرآن کریم میں آنے والے مجدد کا بلفظ **مسیح موعود کہیں ذکر نہیں بلکہ لفظ نفخ صور سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ تا معلوم ہو** مسیح موعود ارضی اور زمینی ہتھیاروں کے ساتھ ظاہر نہیں ہوگا بلکہ آسمانی نفخ پر اس کے اقبال اور عروج کا مدار ہوگا اور وہ پر حکمت کلمات کی قوت سے اور آسمانی نشانوں سے لوگوں کو حق اور سچائی کی طرف کھینچے گا۔ کیونکہ وہ معقولی فتنوں کے وقت آئے گا نہ سیفی فتنوں کے وقت اور اصل حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہر ایک فتنہ کی طرز کے موافق نبی اور مجدد کو بھیجتا ہے۔ (شہادت القرآن۔ ر۔خ جلد 6 صفحہ 360)

اور پھر دوسری آیت میں فرمایا۔ وَعَرَضۡنَا جَهَنَّمَ يَوۡمَئِذٍ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ عَرۡضًا۔ (الکھف:101) **اور اس دن جو لوگ مسیح موعود کی دعوت کو قبول نہیں کریں گے ان کے سامنے ہم جہنم کو پیش کریں گے یعنی طرح طرح کے** عذاب نازل کریں گے جو جہنم کا نمونہ ہوں گے اور پھر فرمایا اَلَّذِيۡنَ كَانَتۡ اَعۡيُنُهُمۡ فِىۡ غِطَآءٍ عَنۡ ذِكۡرِىۡ وَكَانُوۡا لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ سَمۡعًا۔ (الکھف:102) **یعنی وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ مسیح موعود کی دعوت اور تبلیغ سے** ان کی آنکھیں پردہ میں رہیں گی اور وہ اس کی باتوں کو سن بھی نہیں سکیں گے۔ اور سخت بیزار ہوں گے اس لئے عذاب نازل ہوگا۔ اس جگہ صور کے لفظ سے مراد مسیح موعود ہے۔ کیونکہ خدا کے نبی اسی کے صور ہوتے ہیں یعنی قرنا جن کے دلوں میں وہ اپنی آواز پھونکتا ہے۔ یہی محاورہ پہلی کتابوں میں بھی آیا ہے کہ خدا کے نبیوں کو خدا کی قرنا قرار دیا گیا یعنی جس طرح قرنا بجانے والا قرنا میں اپنی آواز پھونکتا ہے اسی طرح خدا ان کے دلوں میں آواز پھونکتا ہے اور **یاجوج ماجوج کے قرینہ سے قطعی طور سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ قرنا مسیح موعود ہے۔** کیونکہ احادیث صحیحہ سے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ یاجوج ماجوج کے زمانہ میں ظاہر ہونے والا مسیح موعود ہی ہوگا۔ (چشمہ معرفت۔ ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 84 تا 86)

حضرت اقدسؑ کے وقت انسانیت جمع ہوگی

وَنُفِخَ فِى الصُّوۡرِ جَمَعۡنٰهُمۡ جَمۡعًا۔ **اس سے بھی مسیح موعود کی دعاؤں کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔** نزول از آسمان کے یہی معانی ہیں کہ جب کوئی امر آسمان سے پیدا ہوتا ہے تو کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور اسے رد نہیں کر سکتا۔ **آخری زمانہ میں شیطان کی ذریت بہت جمع ہو جائے گی کیونکہ وہ شیطان کا آخری جنگ ہے مگر مسیح موعود کی دعائیں اس کو ہلاک کر دیں گی۔** (ملفوظات جلد سوم صفحہ 559)

اللہ تعالیٰ نے دو فرقوں کا ذکر فرمادیا۔ ایک تو وہ سعید جنہوں نے مسیح موعود کو قبول کیا دوسرے وہ شقی جو مسیح کا کفر کرنے والے ہوں گے۔ ان کے لئے فرمایا ہم طاعون بطور جہنم بھیجیں گے اور وَ نُفِخَ فِى الصُّوۡرِ (الکھف:100) سے یہ مراد ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں وحی کے ذریعہ ان میں آواز دی جاتی ہے اور پھر آواز ان کی معرفت تمام جہان میں پہنچتی ہے پھر ان میں ایک ایسی کشش پیدا ہو جاتی ہے کہ لوگ باوجود اختلاف خیالات وطبائع وحالات کے اس کی آواز پر جمع ہونے لگتے ہیں اور آخر کار وہ زمانہ آجاتا ہے کہ ایک ہی گلہ اور ایک ہی گلہ بان ہو۔

خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے خود ہی ایسے اسباب مہیا کر دیئے ہیں کہ جس سے تمام سعید روحیں ایک دین پر جمع ہو سکیں۔ آنحضرت ﷺ کو فرمایا گیا تھا۔ قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعًا۔ (الاعراف:159) ایک طرف یہ جَمِيۡعًا اور دوسری طرف جَمَعۡنٰهُمۡ ایک خاص علاقہ رکھتا ہے۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 428)

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ...... فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا۔ بہرحال آیات موصوفہ بالا سے ثابت ہے کہ آخری زمانہ میں عیسائی مذہب اور حکومت کا زمین پر غلبہ ہوگا اور مختلف قوموں میں بہت سے تنازعات مذہبی پیدا ہوں گے اور ایک قوم دوسری قوم کو دبانا چاہے گی اور ایسے زمانہ میں صور پھونک کر تمام قوموں کو دین اسلام پر جمع کیا جاوے گا۔ **یعنی سنت اللہ کے موافق آسمانی نظام قائم ہوگا اور ایک آسمانی مصلح آئیگا درحقیقت اسی مصلح کا نام مسیح موعود ہے۔** (شہادت القرآن ۔ر۔خ جلد 4 صفحہ 312)

آفات کا تدارک مسیح موعودؑ کی دعا سے ہوگا

وَاَمَّا الْاٰفَاتُ الَّتِیْ قُدِّرَ ظُهُوْرُهَا فِیْ وَقْتِ الْمَسِیْحِ فَمِنْ اَعْظَمِهَا خُرُوْجُ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ وَخُرُوْجُ الدَّجَّالِ الْوَقِیْحِ وَهُمْ فِتْنَةٌ لِّلْمُسْلِمِیْنَ عِنْدَ عِصْیَانِهِمْ وَفِرَارِهِمْ مِنَ اللّٰهِ الْوَدُوْدِ وَبَلَآءٌ عَظِیْمٌ سُلِّطَ عَلَیْهِمْ كَمَا سُلِّطَ عَلَی الْیَهُوْدِ وَاعْلَمْ اَنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ قَوْمَانِ یَسْتَعْمِلُوْنَ النَّارَ وَاَجِیْجَهٗ فِی الْمُحَارَبَاتِ وَغَیْرِهَا مِنَ الْمَصْنُوْعَاتِ وَلِذٰلِكَ سُمُّوْا بِهٰذَیْنِ الْاِسْمَیْنِ فَاِنَّ الْاَجِیْجَ صِفَةُ النَّارِ وَكَذٰلِكَ یَكُوْنُ حَرْبُهُمْ بِالْمَوَادِ النَّارِیَّاتِ وَیَفُوْقُوْنَ كُلَّ مَنْ فِی الْاَرْضِ بِهٰذَا الطَّرِیْقِ مِنَ الْقِتَالِ وَمِنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ وَلَا یَمْنَعُهُمْ بَحْرٌ وَّلَا جَبَلٌ مِّنَ الْجِبَالِ وَیَخِرُّ الْمُلُوْكُ اَمَامَهُمْ خَائِفِیْنَ وَلَا تَبْقٰی لِاَحَدٍ یَّدُ الْمُقَاوَمَةِ وَیُدَاسُوْنَ تَحْتَهُمْ اِلَی السَّاعَةِ الْمَوْعُوْدَةِ وَمَنْ دَخَلَ فِیْ هَاتَیْنِ الْحَجَارَتَیْنِ وَلَوْ كَانَ لَهٗ مَمْلَكَةٌ عُظْمٰی فَطُحِنَ كَمَا یُطْحَنُ الْحَبُّ فِی الرَّحٰی وَتُزَلْزَلُ بِهِمَا الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَتُحَرَّكُ جِبَالُهَا وَیُشَاعُ ضَلَالُهَا وَلَا یُسْمَعُ دُعَآءٌ وَّلَا یَصِلُ اِلَی الْعَرْشِ بُكَآءٌ وَّیُصِیْبُ الْمُسْلِمِیْنَ مُصِیْبَةٌ تَاْكُلُ اَمْوَالَهُمْ وَاِقْبَالَهُمْ وَاَعْرَاضَهُمْ وَتَهْتِكُ اَسْرَارَ مُلُوْكِ الْاِسْلَامِ وَیَظْهَرُ عَلَی النَّاسِ اَنَّهُمْ كَانُوْا مَوْرِدَ غَضَبِ اللّٰهِ مِنَ الْعِصْیَانِ وَالْاِجْرَامِ وَیُنْزَعُ مِنْهُمْ رُعْبُهُمْ وَاِقْبَالُهُمْ وَشَوْكَتُهُمْ وَجَلَالُهُمْ بِمَا كَانُوْا لَا یَتَّقُوْنَ وَیُبَارُوْنَ الْاَعْدَآءَ مِنْ طَرِیْقٍ وَیَنْهَزِمُوْنَ مِنْ سَبْعَةِ طُرُقٍ بِمَا كَانُوْا لَا یُحْسِنُوْنَ یُرَاءُوْنَ النَّاسَ وَلَا یَتَّبِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسُنَّتَهٗ وَلَا یَتَدَیَّنُوْنَ وَاِنْ هُمْ اِلَّا كَالصُّوَرِ لَیْسَ الرُّوْحُ فِیْهِمْ فَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمُ اللّٰهُ بِالرَّحْمَةِ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ وَكَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ اِنْ كَانُوْا یَتَضَرَّعُوْنَ فَمَا تَابُوْا وَمَا تَضَرَّعُوْا فَنَزَلَ عَلَی الْمُجْرِمِیْنَ وَبَالُهُمْ اِلَّا الَّذِیْنَ یَخْشَعُوْنَ وَیَرَوْنَ اَیَّامَ الْمَصَائِبِ وَلَیَالِیَهَا كَمَا رَاَی الْمَلْعُوْنُوْنَ فَعِنْدَ ذٰلِكَ یَقُوْمُ الْمَسِیْحُ اَمَامَ رَبِّهِ الْجَلِیْلِ وَیَدْعُوْهُ فِی اللَّیْلِ الطَّوِیْلِ بِالصُّرَاخِ وَالْعَوِیْلِ وَیُذُوْبُ ذَوَبَانَ الثَّلْجِ عَلَی النَّارِ وَیَبْتَهِلُ لِمُصِیْبَةٍ نَّزَلَتْ عَلَی الدِّیَارِ وَیَذْكُرُ اللّٰهَ بِدُمُوْعٍ جَارِیَةٍ وَّعَبَرَاتٍ مُّتَحَدِّرَةٍ فَیُسْمَعُ دُعَاءُهٗ لِمُقَامٍ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَتَنْزِلُ مَلَآئِكَةُ الْاِیْوَاءِ فَیَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَفْعَلُ وَیُنَجِّی النَّاسَ مِنَ الْوَبَاءِ فَهُنَاكَ یُعْرَفُ الْمَسِیْحُ فِی الْاَرْضِ كَمَا عُرِفَ فِی السَّمَآءِ وَیُوْضَعُ لَهُ الْقُبُوْلُ فِیْ قُلُوْبِ الْعَآمَّةِ وَالْاُمَرَآءِ حَتّٰی یَتَبَرَّكَ الْمُلُوْكُ بِثِیَابِهٖ وَهٰذَا كُلُّهٗ مِنَ اللّٰهِ وَجَنَابِهٖ وَفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ عَجِیْبٌ۔

(خطبہ الہامیہ ۔ر۔خ جلد 16 صفحہ 317 تا 318)

(ترجمہ از مرتب) اور وہ آفات جن کا ظہور مسیح موعود کے وقت کے لئے مقدر تھا ان میں سے سب سے بڑی آفت یاجوج ماجوج اور بے شرم دجال کا خروج ہے اور وہ مسلمانوں کیلئے فتنہ ہیں جبکہ مسلمانوں نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی اور خدائے ودود سے انحراف کیا۔ اور یہ ایک بڑی بلا ہے جو مسلمانوں پر اس طرح مسلط کی گئی ہے جس طرح یہود پر مسلط کی گئی تھی اور جان لو کہ یہ یاجوج اور ماجوج ایسی قومیں ہیں جو اپنی لڑائیوں میں نیز مصنوعات میں آگ اور اس کے شعلوں کا استعمال کرتی ہیں اور اسی بنا پر ان دونوں کے یہ نام رکھے گئے ہیں کیونکہ اجیج آگ کی صفت ہے اور اسی طرح ان کی جنگ آتشیں اسلحہ کے ذریعہ ہوتی ہے اور اسی طریق سے وہ تمام زمین والوں پر جنگ میں غالب آرہے ہیں اور وہ ہر بلندی سے پھلانگتے پھرتے ہیں۔ انہیں نہ کوئی سمندر روک رہا ہے اور نہ کوئی پہاڑ۔ بادشاہ ان کے سامنے خوف کے مارے سربسجود ہو جاتے ہیں اور کسی کو ان سے مقابلہ کی طاقت نہیں اور وہ بادشاہ موعود وقت تک ان کے پاؤں تلے روندے جائیں گے۔ اور جو شخص ان دونوں پتھروں کے درمیان آجائے گا خواہ وہ کتنا بڑا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو وہ اس طرح پیسا جائے گا۔ جس طرح دانے چکی میں پیسے جاتے ہیں اور انکی وجہ سے زمین میں زلزلے آتے رہیں گے۔ اسکے پہاڑ حرکت کریں گے اور اس کی گمراہی پھیل جائے گی اور اس وقت کوئی دعا قبول نہ ہوگی اور نہ عرش تک آہ و فغاں پہنچے گی اور مسلمانوں پر ایسی مصیبت آئے گی جو ان کے اموال اقبال اور عزتوں کو کھا جائے گی اور اسلامی بادشاہوں کے پردے پھاڑ دے گی اور لوگوں پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور جرم کرنے کی وجہ سے اس کے غضب کے مورد ہیں اور انکا رعب شوکت اور جلال ان سے چھن جائے گا کیونکہ وہ تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔ اگر وہ دشمنوں کا ایک طریق سے مقابلہ کریں گے تو سات طریقوں سے ان کے مقابلہ میں شکست کھائیں گے کیونکہ وہ نیکوکار نہ تھے وہ صرف لوگوں کے دکھاوے کی خاطر کام کرتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی سنت کی پیروی نہیں کرتے تھے اور نہ دین داری اختیار کرتے تھے۔ اور وہ محض ڈھانچے ہیں جن میں کوئی روح نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان کی طرف رحمت کی نگاہ سے نہ دیکھے گا اور نہ مدد دیئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ تو ان پر رجوع برحمت ہونا چاہے گا بشرطیکہ وہ تضرع اختیار کریں مگر نہ انہوں نے توبہ کی اور نہ تضرع اختیار کیا۔ پس ان مجرموں پر وبال وارد ہوا سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے خشوع وخضوع اختیار کیا اور وہ مجرمین ملعونوں کی طرح شب روز مصائب کو دیکھیں گے۔ **تب اس وقت مسیح موعود اپنے رب الجلیل کے حضور کھڑا ہوگا اور رات بھر آہ و بکا کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا اور اسی طرح پگھل جائے گا جس طرح آگ پر برف پگھل جاتی ہے اور اس مصیبت کی وجہ سے جو ملک پر نازل ہو چکی ہوگی گریہ وزاری کرے گا اور اللہ تعالیٰ کو بہتے ہوئے اشکوں سے یاد کرے گا تب اس کی دعا سنی جائے گی اور اس کے بلند مقام کی وجہ سے جو اسے اپنے رب کے حضور حاصل ہے اور پناہ دینے والے فرشتے نازل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی تجلی کریگا اور لوگوں کو مصیبت سے نجات دے گا تب اس وقت مسیح موعود کو زمین پر بھی اسی طرح پہچانا جائے گا جس طرح وہ آسمان پر پہچانا گیا اور اس وقت اسے عوام اور امراء کے دلوں میں قبولیت حاصل ہوگی یہاں تک کہ بادشاہ اس کے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کی جناب سے ہوگا اور لوگوں کی نگاہ میں عجیب۔**

ہر طرف سے پڑ رہے ہیں دینِ احمدؐ پر تبر
کیا نہیں تم دیکھتے قوموں کو اور انکے وہ وار
کونسی آنکھیں جو اس کو دیکھ کر روتی نہیں
کون سے دل ہیں جو اس غم سے نہیں ہیں بے قرار
کھا رہا ہے دیں طمانچے ہاتھ سے قوموں کے آج
اک تزلزل میں پڑا اسلام کا عالی منار
یہ مصیبت کیا نہیں پہنچی خدا کے عرش تک
کیا یہ شمس الدیں نہاں ہو جائیگا اب زیرِ غار
جنگ روحانی ہے اب اس خادم و شیطان کا
دل گھٹا جاتا ہے یا رب سخت ہے یہ کارزار
ہر نبیؑ وقت نے اس جنگ کی دی تھی خبر
کر گئے وہ سب دعائیں با دو چشمِ اشکبار
اے خدا شیطاں پہ مجھکو فتح دے رحمت کے ساتھ
وہ اکٹھی کر رہا ہے اپنی فوجیں بے شمار
جنگ یہ بڑھ کر ہے جنگِ روس اور جاپان سے
میں غریب اور ہے مقابل پر حریفِ نامدار
دل نکل جاتا ہے قابو سے یہ مشکل سوچ کر
اے مری جاں کی پناہ فوجِ ملائک کو اتار
نسل انساں سے مدد اب مانگنا بے کار ہے
اب ہماری ہے تری درگاہ میں یا رب پکار

(درثمین اردو صفحہ 141)(براہین احمدیہ۔ر۔خ جلد21 صفحہ 149)

حضرت اقدسؑ کے وقت کی پیشگوئی

قَدْ وَعَدَ اللّٰهُ عِنْدَ الْفِتْنَةِ الْعُظْمٰى فِىْ اٰخِرِ الزَّمَانِ وَالْبَلِيَّةِ الْكُبْرٰى قَبْلَ يَوْمِ الدِّيَانِ اَنَّهٗ يَنْصُرُ دِيْنَهٗ مِنْ عِنْدِهٖ فِىْ تِلْكَ الْاَيَّامِ وَهُنَاكَ يَكُوْنُ الْاِسْلَامُ كَالْبَدْرِ التَّامِّ وَاِلَيْهِ اَشَارَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ فِىْ قَوْلِهٖ وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا وَ قَدْ اَخْبَرَ فِىْ اٰيَةٍ هِىَ قَبْلَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ مِّنْ تَفْرِقَةٍ عَظِيْمَةٍ بِقَوْلِهٖ تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِىْ بَعْضٍ ثُمَّ بَشَّرَ بِقَوْلِهٖ وَ نُفِخَ فِى الصُّوْرِ بِجَمْعٍ بَعْدَ التَّفْرِقَةِ فَلَا يَكُوْنُ هٰذَا الْجَمْعُ اِلَّا فِىْ مِائَةِ الْبَدْرِ لِيَدُلَّ الصُّوْرَةُ عَلٰى مَعْنَاهَا كَمَا كَانَتِ النُّصْرَةُ الْاُوْلٰى بِبَدْرٍ فَهَاتَانِ بِشَارَتَانِ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَتَبْرُقَانِ كَدُرَّةٍ فِى الْكِتَابِ الْمُبِيْنِ۔

خدا نے وعدہ فرمایا ہے کہ جب کہ آخر زمانہ میں بڑا بھاری فتنہ اور بلا قیامت سے پہلے ظاہر ہوگی ان دنوں میں اپنی طرف سے اپنے دین کی مدد اور تائید فرمائے گا اور اس زمانہ میں اسلام بدر کامل کی طرح ہو جائے گا اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس قول میں وَ نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا۔ اور اس آیت سے ایک بڑے تفرقے کی خبر دی جہاں کہ فرمایا ہے وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ الخ پھر نُفِخَ فِى الصُّوْرِ کے قول سے بشارت دی کہ اس پراگندگی کے بعد جمعیت حاصل ہوگی پس یہ جمعیت حاصل نہ ہوگی مگر بدر کی صدی میں تا کہ صورت اپنے معانی پر دلالت کرے جیسا کہ پہلی نصرت بدر میں وقوع میں آئی۔ پس یہ دو خوش خبریاں مومنوں کے لئے ہیں اور موتی کی طرح کتاب مبین میں چمکتی ہیں۔

(خطبہ الہامیہ۔ر۔خ جلد16 صفحہ 286 تا 288)

سورۃ الجمعۃ

وَ اٰخَرِیۡنَ مِنۡھُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡ بِہِمۡ

اس آیت کے مصداق حضرت اقدس ہیں

ھُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡ لًا مِنۡھُمۡ یَتۡلُوۡ عَلَیۡھِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡھِمۡ وَیُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَوَاِنۡ کَانُوۡ مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍO وَ اٰخَرِیۡنَ مِنۡھُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡ بِھِمۡ وَھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ O (الجمعۃ:3-4)

اس آیت کا ماحَصل یہ ہے کہ خدا وہ خدا ہے جس نے ایسے وقت میں رسول بھیجا کہ لوگ علم اور حکمت سے بے بہرہ ہو چکے تھے اور علوم حکمیہ دینیہ جن سے تکمیل نفس ہو اور نفوس انسانیہ علمی اور عملی کمال کو پہنچیں بالکل گم ہو گئی تھی اور لوگ گمراہی میں مبتلا تھے یعنی خدا اور اس کی صراطِ مستقیم سے بہت دور جا پڑے تھے تب ایسے وقت میں خدا تعالیٰ نے اپنا رسول اُمّی بھیجا اور اس رسول نے ان کے نفسوں کو پاک کیا اور علم الکتاب اور حکمت سے ان کو مملو کیا یعنی نشانوں اور معجزات سے مرتبہ یقین کامل تک پہنچایا اور خدا شناسی کے نور سے ان کے دلوں کو روشن کیا اور پھر فرمایا کہ **ایک گروہ اور ہے جو آخری زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ وہ بھی اوّل تاریکی اور گمراہی میں ہوں گے اور علم اور حکمت اور یقین سے دور ہوں گے تب خدا انکو بھی صحابہؓ کے رنگ میں لائے گا یعنی جو کچھ صحابہ نے دیکھا وہ ان کو بھی دکھایا جائے گا یہاں تک کہ اُن کا صدق اور یقین بھی صحابہؓ کے صدق اور یقین کی مانند ہو جائے گا** اور حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی تفسیر کے وقت سلمان فارسیؓ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا لَوۡ کَا نَ الۡاِ یۡمَانُ مُعَلَّقًا بِا لثُّرَیَّا لَنَا لَہٗ رَجُلٌ مِّنۡ فَا رِسَ یعنی اگر ایمان ثریا پر یعنی آسمان پر بھی اٹھ گیا ہوگا تب بھی ایک آدمی فارسی الاصل اس کو واپس لائے گا۔ **یہ اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ایک شخص آخری زمانہ میں فارسی الاصل پیدا ہو گا۔ اس زمانہ میں جس کی نسبت لکھا گیا ہے کہ قرآن آسمان پر اٹھایا جائے گا۔ یہی وہ زمانہ ہے جو مسیح موعود کا زمانہ ہے اور یہ فارسی الاصل وہی ہے جس کا نام مسیح موعود ہے۔** (ایام الصلح ۔ ر۔خ جلد 14 صفحہ 304)

خدا کے کلام میں یہ امر قرار یافتہ تھا کہ دوسرا حصہ اس امت کا وہ ہوگا جو مسیح موعود کی جماعت ہوگی اسی لئے خدا تعالیٰ نے اس جماعت کو دوسروں سے علیحدہ کر کے بیان کیا جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَ اٰخَرِیۡنَ مِنۡھُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡ بِہِمۡ یعنی امّت محمدیہ میں سے ایک اور فرقہ بھی ہے جو بعد میں آخری زمانہ میں آنے والے ہیں اور حدیث صحیح میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت آنحضرت ﷺ نے اپنا ہاتھ سلمان فارسیؓ کی پشت پر مارا اور فرمایا لَوۡ کَا نَ الۡاِ یۡمَانُ مُعَلَّقًا بِا لثُّرَیَّا لَنَا لَہٗ رَجُلٌ مِّنۡ فَا رِسَ اور یہ میری نسبت پیشگوئی تھی جیسا کہ خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں اس پیشگوئی کی تصدیق کے لئے وہی حدیث بطور وحی میرے پر نازل کی اور وحی کی رو سے مجھ سے پہلے اس کا کوئی مصداق معیّن نہ تھا اور خدا کی وحی نے مجھے معیّن کر دیا۔ فَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ۔ (حقیقۃ الوحی ۔ ر۔خ جلد 22 صفحہ 407 حاشیہ)

قرآن کریم جس کا دوسرا نام ذِکر ہے اس ابتدائی زمانہ میں انسان کے اندر چھپی ہوئی اور فراموش شدہ صداقتوں اور ودیعتوں کو یاد دلانے کے لئے آیا تھا۔ **اللہ تعالیٰ کے اس وعدۂ واثقہ کی رو سے کہ** اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ (الحجر: 10) **اس زمانہ میں بھی آسمان سے ایک معلم آیا جو** اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ **(الجمعہ:4) کا مصداق اور موعود ہے۔ وہ وہی ہے جو تمہارے درمیان بول رہا ہے۔** (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 60)

جو کچھ اللہ نے چاہا تھا اس کی تکمیل دو ہی زمانوں میں ہونی تھی ایک آپؐ کا زمانہ اور ایک آخری مسیح و مہدی کا زمانہ۔ یعنی ایک زمانہ میں تو قرآن اور سچی تعلیم نازل ہوئی لیکن اس تعلیم پر فیج اعوج کے زمانہ نے پردہ ڈال دیا جس پردہ کا اٹھایا جانا مسیح کے زمانہ میں مقدر تھا جیسے کہ فرمایا کہ رسول اکرمؐ نے ایک تو موجودہ جماعت یعنی جماعت صحابہ کرامؓ کا تزکیہ کیا اور ایک آنے والی جماعت کا جس کی شان میں لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ آیا ہے۔ سو یہ ظاہر ہے کہ خدا نے بشارت دی کہ ضلالت کے وقت اللہ تعالیٰ اس دین کو ضائع نہ کرے گا بلکہ آنے والے زمانہ میں خدا حقائقِ قرآنیہ کو کھول دے گا۔ **آثار میں ہے کہ آنیوالے مسیح کی ایک یہ فضیلت ہوگی کہ وہ قرآنی فہم اور معارف کا صاحب ہوگا اور صرف قرآن سے استنباط کر کے لوگوں کو ان کی غلطیوں سے متنبہ کرے گا جو حقائق قرآن کی ناواقفیت سے لوگوں میں پیدا ہوگئی ہوں گی۔** (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 25)

حضرت اقدسؑ اور ان کی جماعت بھی صحابہءِ رسول اکرم ﷺ ہیں

صحابہؓ کی جماعت اتنی ہی نہ سمجھو جو پہلے گذر چکے بلکہ ایک اور گروہ بھی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ذکر کیا ہے۔ وہ بھی صحابہؓ ہی میں داخل ہے جو احمدؐ کے بروز کے ساتھ ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ یعنی صحابہ کی جماعت کو اسی قدر نہ سمجھو بلکہ مسیح موعودؑ کے زمانہ کی جماعت بھی صحابہؓ ہی ہوگی۔ اس آیت کے متعلق مفسروں نے مان لیا ہے کہ یہ مسیح موعود کی جماعت ہے مِنْھُمْ کے لفظ سے پایا جاتا ہے کہ باطنی توجہ اور استفاضہ صحابہؓ ہی کی طرح ہوگا۔ صحابہ کی تربیت ظاہری طور پر ہوئی تھی مگر ان کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ وہ بھی رسول ﷺ کی تربیت کے نیچے ہوں گے اس لئے سب علماء نے اس گروہ کا نام صحابہ ہی رکھا ہے جیسے ان صفاتِ اربعہ کا ظہور ان صحابہ میں ہوا تھا ویسے ہی ضروری ہے کہ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ کی مصداق جماعت صحابہ میں بھی ہو۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 431)

بکوشید اے نو جواناں تا بدیں قوت شود پیدا　　بہار و رونق اندر روضۂ ملت شود پیدا

اے جوانو! کوشش کرو کہ دین میں قوت پیدا ہو اور ملت اسلام کے باغ میں بہار اور رونق آئے۔

اگر یاراں کنوں بر غربت اسلام رحم آرید　　با صحاب نبیؐ نزد خدا نسبت شود پیدا

اے دوستو! اگر اب تم اسلام کی غربت پر رحم کرو تو خدا کے ہاں تمہیں آنحضرتؐ کے صحابہ سے مناسبت پیدا ہو جائے۔

نفاق و اختلافِ ناشناساں از میاں خیزد　　کمالِ اتفاق و خلّت و الفت شود پیدا

نااہل لوگوں کا آپس کا اختلاف اور نفاق دور ہو جائے اور کمال درجہ کا اتفاق دوستی اور محبت پیدا ہو جائے۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 172) (آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ جلد 5 صفحہ 2)

وہ رحیم خدا وہ خدا ہے جس نے امّیوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھلاتا ہے اگرچہ وہ پہلے اس سے صریح گمراہ تھے اور ایسا ہی وہ رسول جو ان کی تربیت کر رہا ہے ایک دوسرے گروہ کی بھی تربیت کرے گا جو انہیں میں سے ہو جائیں گے اور انہیں کے کمالات پیدا کرلیں گے مگر ابھی وہ ان سے ملے نہیں اور خدا غالب ہے اور حکمت والا۔ اس جگہ یہ نکتہ یاد رہے کہ آیت وَ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ میں آخرین کا لفظ مفعول کے محل پر واقع ہے گویا تمام آیت معہ اپنے الفاظ مقدرہ کے یوں ہے۔

ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ و یعلم الاٰ خَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ

یعنی ہمارے خالص اور کامل بندے بجز صحابہؓ کے اور بھی ہیں جن کا گروہ کثیر آخری زمانہ میں پیدا ہوگا اور جیسی نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ کی تربیت فرمائی ایسا ہی آنحضرتؐ اس گروہ کی بھی باطنی طور پر تربیت فرمائیں گے یعنی وہ لوگ ایسے زمانہ میں آئیں گے کہ جس زمانہ میں ظاہری افادہ اور استفادہ کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اور مذہب اسلام بہت سی غلطیوں اور بدعتوں سے پُر ہو جائے گا اور فقراء کے دلوں سے بھی باطنی روشنی جاتی رہے گی تب خدا تعالیٰ کسی نفسِ سعید کو بغیر وسیلہ ظاہری سلسلوں اور طریقوں کے صرف نبی کریمؐ کی روحانیت کی تربیت سے کمالِ روحانی تک پہنچا دے گا اور اس کو ایک گروہ بنائے گا اور وہ گروہ صحابہؓ کے گروہ سے نہایت شدید مشابہت پیدا کرے گا کیونکہ وہ تمام و کمال آنحضرت ﷺ کی ہی زراعت ہوگی اور آنحضرت ﷺ کا فیضان ان میں جاری و ساری ہوگا اور صحابہؓ سے وہ ملیں گے۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ جلد 5 صفحہ 208 تا 210)

منعم علیہم کے کامل طور پر مصداق باعتبار کثرت کمیت اور صفائی کیفیت اور نعمائے حضرت احدیت از روئے نصِ صریح قرآنی اور احادیث متواترہ حضرت مرسل یزدانی دو گروہ ہیں ایک گروہ صحابہؓ اور دوسرا گروہ جماعتِ مسیح موعود۔ کیونکہ یہ دونوں گروہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ کے تربیت یافتہ ہیں کسی اپنے اجتہاد کے محتاج نہیں۔ وجہ یہ کہ پہلے گروہ میں رسول ﷺ موجود تھے جو خدا سے براہ راست ہدایت پا کر وہی ہدایت نبوت کی پاک توجہ کے ساتھ صحابہؓ کے دل میں ڈالتے تھے اور ان کے لئے مربی بے واسطہ تھے **اور دوسرے گروہ میں مسیح موعود ہے جو خدا سے الہام پاتا اور حضرت رسول ﷺ کی روحانیت سے فیض اٹھاتا ہے لہٰذا اس کی جماعت بھی اجتہادِ خشک کی محتاج نہیں ہے جیسا کہ آیت وَ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْ بِھِمْ سے سمجھا جاتا ہے۔**

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 224)

مسیح وقت اب دنیا میں آیا خدا نے عہد کا دن ہے دکھایا
مبارک وہ جو اب ایمان لایا صحابہؓ سے ملا جب مجھ کو پایا
وہی مَے ان کو ساقی نے پلا دی فَسُبْحَانَ الَّذِیْ اَخْزَی الْاَعَادِیْ

(درثمین اردو صفحہ 52)

ہر ایک نبی کا ایک بعث ہے مگر ہمارے نبی ﷺ کے دو بعث ہیں اور اس پر نص قطعی آیت کریمہ وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (الجمعة:4) ہے تمام اکابر مفسرین اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس امت کا آخری گروہ یعنی مسیح موعود کی جماعت صحابہؓ کے رنگ میں ہوں گے اور صحابہؓ کی طرح بغیر کسی فرق کے آنحضرت ﷺ سے فیض اور ہدایت پائیں گے پس جبکہ یہ امر نص صریح قرآن شریف سے ثابت ہو کہ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کا فیض صحابہؓ پر جاری ہوا ایسا ہی بغیر کسی امتیاز اور تفریق کے مسیح موعود کی جماعت پر فیض ہوگا تو اس صورت میں آنحضرت ﷺ کا ایک اور بعث ماننا پڑا جو آخری زمانہ میں مسیح موعود کے وقت میں ہزار ششم میں ہوگا اور اس تقریر سے یہ بات بپایہ ثبوت پہنچ گئی کہ آنحضرت ﷺ کے دو بعث ہیں یا بہ تبدیلِ الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں کہ ایک بروزی رنگ میں آنحضرت ﷺ کا دوبارہ آنا دنیا میں وعدہ دیا گیا تھا جو مسیح موعود اور مہدی موعود کے ظہور سے پورا ہوا غرض جبکہ آنحضرت ﷺ کے دو بعث ہوئے تو جو بعض حدیثوں میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت ﷺ ہزار ششم کے اخیر میں مبعوث ہوئے تھے اس سے بعث دوئم مراد ہے جو نص قطعی آیت کریمہ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ سے سمجھا جاتا ہے۔

(تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ جلد 17 صفحہ 248 تا 249 حاشیہ)

آنحضرت ﷺ کے معجزات و برکات کا مشاہدہ کرنے والے دو گروہ

پس جس حالت میں مسیح موعود اور فارسی الاصل کا زمانہ بھی ایک ہی ہے اور کام بھی ایک ہی ہے یعنی ایمان کو دوبارہ قائم کرنا اِس لئے یقینی طور پر ثابت ہوا کہ مسیح موعود ہی فارسی الاصل ہے اور اسی کی جماعت کے حق میں یہ آیت ہے وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْ بِھِمْ۔ اِس آیت کے معنے یہ ہیں کہ کمال ضلالت کے بعد ہدایت اور حکمت پانے والے اور آنحضرت ﷺ کے معجزات اور برکات کو مشاہدہ کرنے والے صرف دو ہی گروہ ہیں اوّل صحابہؓ آنحضرت ﷺ جو آنحضرت ﷺ کے ظہور سے پہلے سخت تاریکی میں مبتلا تھے اور پھر بعد اس کے خدا تعالیٰ کے فضل سے انہوں نے زمانۂ نبوی پایا اور معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھے اور پیشگوئیوں کا مشاہدہ کیا اور یقین نے ان میں ایک تبدیلی پیدا کی کہ گویا صرف ایک روح رہ گئے۔ دوسرا گروہ جو بموجب آیت موصوفہ بالا صحابہؓ کی مانند ہیں مسیح موعود کا گروہ ہے کیونکہ یہ گروہ بھی صحابہؓ کی مانند آنحضرت ﷺ کے معجزات کو دیکھنے والا ہے اور تاریکی اور ضلالت کے بعد ہدایت پانے والا۔ اور آیت اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ میں جو اس گروہ کو مِنْھُمْ کی دولت سے یعنی صحابہؓ سے مشابہ ہونے کی نعمت سے حصہ دیا گیا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے یعنی جیسا کہ صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کے معجزات دیکھے اور پیشگوئیاں مشاہدہ کیں ایسا ہی وہ بھی مشاہدہ کریں گے۔ (ایام الصلح۔ر۔خ جلد 14 صفحہ 305)

حضرت اقدسؑ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد اور بروز ہیں

وَاِنَّ اٰدَمَ اٰخِرِ الزَّمَانِ حَقِیْقَةً هُوَ نَبِیُّنَا صلی اللہ علیہ وسلم۔ وَالنِّسْبَةُ بَیْنِی وَ بَیْنَهٗ كَنِسْبَةِ مَنْ عَلَّمَ وَ تَعَلَّمَ۔ وَاِلَیْهِ اَشَارَ سُبْحَانَهٗ فِی قَوْلِهٖ وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ فَفَكِّرْ فِی قَوْلِهٖ اٰخَرِیْنَ۔ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیَّ فَیْضَ هٰذَا الرَّسُوْلِ فَاَتَمَّهٗ وَاَكْمَلَهٗ وَجَذَبَ اِلَیَّ لُطْفَهٗ وَجُوْدَهٗ حَتّٰی صَارَ وُجُوْدِیْ وُجُوْدَهٗ۔ فَمَنْ دَخَلَ فِیْ جَمَاعَتِیْ دَخَلَ فِیْ صَحَابَةِ سَیِّدِیْ خَیْرِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ هٰذَا هُوَ مَعْنٰی وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ كَمَا لَا یَخْفٰی عَلَی الْمُتَدَبِّرِیْنَ ۔ وَمَنْ فَرَّقَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ الْمُصْطَفٰی۔ فَمَا عَرَفَنِیْ وَ مَا رَاٰی۔

ترجمہ از اصل:- اور آخر زمانہ کا آدم درحقیقت ہمارے نبی کریم ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اور میری نسبت اس کی جناب کے ساتھ استاد اور شاگرد کی نسبت ہے اور خدا تعالیٰ کا یہ قول کہ **وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے پس اٰخَرِیْنَ کے لفظ میں فکر کرو اور خدا نے مجھ پر اس رسول کریم کا فیض نازل فرمایا اور اس کو کامل بنایا اور اس نبی کریم کے لطف اور جود کو میری طرف کھینچا یہاں تک کہ میرا وجود اس کا وجود ہو گیا**۔ پس وہ جو میری جماعت میں داخل ہوا درحقیقت میرے سردار خیر المرسلین کے صحابہ میں داخل ہوا اور یہی معنے اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ کے لفظ کے بھی ہیں جیسا کہ سوچنے والوں پر پوشیدہ نہیں **اور جو شخص مجھ میں اور مصطفےٰ میں تفریق کرتا ہے اس نے مجھے نہیں دیکھا ہے اور نہیں پہچانا ہے۔** (خطبۃ الہامیہ۔ ر۔خ جلد 16 صفحہ 257 تا 259)

اِنّ اللّٰهَ كَانَ اَوْحٰی اِلَیَّ وَقَالَ كُلُّ بَرَكَةٍ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ یَعْنِیْ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم عَلَّمَكَ مِنْ تَاثِیْرِ رُوْحَانِیَّتِهٖ وَ اَفَاضَ اِنَاءَ قَلْبِكَ بِفَیْضِ رَحْمَتِهٖ لِیُدْخِلَكَ فِیْ صَحَابَتِهٖ وَ لِیُشْرِكَكَ فِیْ بَرَكَتِهٖ وَلِیُتِمَّ نَبَاءَ اللّٰهِ وَ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ بِفَضْلِهٖ وَ مِنَّتِهٖ

ترجمہ از مرتب:- **اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اور فرمایا كُلُّ بَرَكَةٍ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں اپنی روحانیت کی تاثیر کے ذریعہ سکھایا** اور اپنی رحمت کا فیض تیرے دل کے برتن میں ڈال دیا تا تجھے اپنے صحابہؓ میں داخل کریں اور تجھے اپنی برکت میں شریک کریں اور تا اللہ تعالیٰ کی خبر وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ اس کے فضل اور اس کے احسان سے پوری ہو۔

(خطبۃ الہامیہ۔ ر۔خ جلد 16 صفحہ 310 حاشیہ)

ساقیٔ من ہست آں جاں پرورے　　ہر زمان مستم کند از ساغرے
وہی روح پرور شخص تو میرا ساقی ہے　　جو ہمیشہ جامِ شراب سے مجھے سرشار رکھتا ہے
محو روئے اُو شد است ایں روئے من　　بوئے او آید زبام و کوئے من
یہ میرا چہرہ اُس کے چہرہ میں محو اور گم ہوگیا　　اور میرے مکان اور کوچہ سے اُسی کی خوشبو آرہی ہے
بسکہ من در عشقِ او ہستم نہاں　　من ہمانم من ہمانم من ہماں
از بسکہ میں اُس کے عشق میں غائب ہوں میں　　وہی ہوں میں وہی ہوں میں وہی ہوں
جانِ من از جانِ اُو یابد غذا　　از گریبانم عیاں شد آں ذکا!
میری روح اُس کی روح سے غذا حاصل کرتی ہے　　اور میرے گریباں سے وہی سورج نکل آیا ہے
احمد اندر جانِ احمد شد پدید　　اسم من گردید آں اسمِ وحید
احمد کی جان کے اندر احمد ظاہر ہوگیا اس لئے میرا　　وہی نام ہوگیا جو اس لاثانی انسان کا نام ہے

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 228)(سراج منیر۔ر۔خ۔جلد12 صفحہ 96-97)

رجل فارسی اور مسیح موعود ایک ہی شخص کے نام ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْ بِھِمْ یعنی آنحضرت کے اصحاب میں سے ایک اور فرقہ ہے جو ابھی ظاہر نہیں ہوا۔ یہ تو ظاہر ہے اصحاب وہی کہلاتے ہیں جو نبی کے وقت میں ہوں اور ایمان کی حالت میں اس کی صحبت سے مشرف ہوں اور اس سے تعلیم اور تربیت پاویں۔ **پس اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنے والی قوم میں اک نبی ہوگا کہ وہ آنحضرت ﷺ کا بروز ہوگا اس لئے اس کے اصحاب آنحضرت ﷺ کے اصحاب کہلائیں گے اور جس طرح صحابہؓ نے اپنے رنگ میں خدا تعالیٰ کی راہ میں دینی خدمتیں ادا کی تھیں وہ اپنے رنگ میں ادا کریں گے۔ بہرحال یہ آیت آخری زمانہ میں ایک نبی کے ظاہر ہونے کی نسبت ایک پیشگوئی ہے ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ایسے لوگوں کا نام اصحاب رسول اللہ رکھا جائے جو آنحضرت ﷺ کے بعد پیدا ہونے والے تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو نہیں دیکھا** ۔آیت ممدوحہ بالا میں یہ تو نہیں فرمایا وَاٰخَرِیْنَ مِنَ الْاُمَّۃِ بلکہ یہ فرمایا وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ اور ہر ایک جانتا ہے کہ مِنْھُمْ کی ضمیر اصحابؓ کی طرف راجع ہے ۔**لہٰذا وہی فرقہ مِنْھُمْ میں داخل ہو سکتا ہے جس میں ایسا رسول موجود ہو کہ جو آنحضرت ﷺ کا بروز ہے۔** (حقیقۃ الوحی۔ر۔خ جلد22 صفحہ 502 تا 501)

یہ ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں آجائیں اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی اظہار کریں **اور یہ بروز خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قرار یافتہ عہد تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْ بِھِمْ** اور انبیاء کو اپنے بروز پر غیرت نہیں ہوتی کیونکہ وہ انہی کی صورت اور انہی کا نقش ہے لیکن دوسرے پر ضرور غیرت آتی ہے۔

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 440-439)

بروز تکمیل اشاعت کے اعتبار سے

قُلْ یٰٓاَ یُّھَا النَّا سُ اِنِّی رَسُوْ لُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا ۨالَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰہَ اِلَّاھُوَ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ فَاٰمِنُوْ بِا للّٰہِ وَ رَسُوْ لِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْ مِنُ بِاللّٰہِ وَ کَلِمٰتِہٖ وَ اتَّبِعُوْ ہُ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ o (الاعراف:159)

اس وقت کے تمام مخالف مولویوں کوضرور یہ بات ماننی پڑے گی کہ چونکہ آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء تھے اور آپ کی شریعت تمام دنیا کے لئے عام تھی اور آپ کی نسبت یہ فرمایا گیا تھا۔ وَلٰکِنْ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (الاحزاب:41) اور نیز آپ کو یہ خطاب عطا ہوا تھا قُلْ یٰٓاَ یُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْ لُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا سوا گرچہ آنحضرت ﷺ کے عہد حیات میں وہ تمام متفرق ہدایتیں جو حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک تھیں ۔قرآن شریف میں جمع کی گئیں لیکن مضمون آیت قُلْ یٰٓاَ یُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْ لُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف:159) آنحضرت ﷺ کی زندگی میں عملی طور پر پورا نہیں ہوسکا۔کیونکہ کامل اشاعت اس پر موقوف تھی کہ تمام ممالک مختلفہ یعنی ایشیا اور یورپ اور افریقہ اور امریکہ اور آبادی دنیا کے انتہائی گوشوں تک آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہی تبلیغ قرآن ہو جاتی اور یہ اس وقت غیر ممکن تھا بلکہ اس وقت تک تو دنیا کی کئی آبادیوں کا ابھی پتہ بھی نہیں لگا تھا اور دور دراز سفروں کے ذرائع ایسے مشکل تھے کہ گویا معدوم تھے بلکہ اگر وہ ساٹھ برس الگ کر دیے جائیں جو اس عاجز کی عمر کے ہیں تو 1257 ہجری تک بھی اشاعت کے وسائل کاملہ گویا کالعدم تھے اور اس زمانہ تک امریکہ کل اور یورپ کا اکثر حصہ قرآنی تبلیغ اور اس کے دلائل سے بے نصیب رہا ہوا تھا بلکہ دور دور ملکوں کے گوشوں میں تو ایسی بے خبری تھی کہ گویا وہ لوگ اسلام کے نام سے بھی ناواقف تھے۔غرض آیت موصوفہ بالا میں جو فرمایا گیا تھا کہ اے زمین کے باشندو! میں تم سب کی طرف رسول ہوں عملی طور پر اس آیت کے مطابق تمام دنیا کو ان دنوں سے پہلے ہرگز تبلیغ نہیں ہو سکی اور نہ اتمام حجت ہوا کیونکہ وسائل اشاعت موجود نہیں تھے اور نیز زبانوں کی اجنبیت سخت روک تھی اور نیز یہ کہ دلائل حقانیت اسلام کی واقفیت اس پر موقوف تھی کہ اسلامی ہدایتیں غیر زبانوں میں ترجمہ ہوں اور یا وہ لوگ خود اسلام کی زبان سے واقفیت پیدا کر لیں اور یہ دونوں امر اس وقت غیر ممکن تھے۔لیکن قرآن شریف کا یہ فرمانا کہ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام: 20) یہ امید دلاتا تھا کہ ابھی اور بہت سے لوگ ہیں جو ابھی تبلیغ

قرآنی ان تک نہیں پہنچی ایسا ہی آیت وَ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْ بِھِمْ (جمعہ:4) اس بات کو ظاہر کر رہی تھی کہ گو آنحضرت ﷺ کی حیات میں ہدایت کا ذخیرہ کامل ہو گیا مگر ابھی اشاعت ناقص ہے **اور اس آیت میں جو مِنْھُمْ کا لفظ ہے وہ ظاہر کر رہا تھا کہ ایک شخص اس زمانہ میں جو تکمیل اشاعت کے لئے موزوں ہے مبعوث ہوگا جو آنحضرت ﷺ کے رنگ میں ہوگا اور اس کے دوست مخلص صحابہ کے رنگ میں ہوں گے**....اس وقت حسب منطوق آیت وَ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْ بِھِم اور نیز حسب منطوق قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا آنحضرت ﷺ کے دوسرے بعث کی ضرورت ہوئی اور ان تمام خادموں نے جو ریل اور تار اور اگن بوٹ اور مطابع اور احسن انتظام ڈاک اور باہمی زبانوں کا علم اور خاص کر ملک ہند میں.... بزبان حال درخواست کی کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم تمام خدام حاضر ہیں اور فرض اشاعت پورا کرنے کے لئے بدل وجان سرگرم ہیں۔ آپ تشریف لایئے اور اس اپنے فرض کو پورا کیجئے کیونکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ میں تمام کافہ ناس کے لئے آیا ہوں اور اب یہ وہ وقت ہے کہ آپ ان تمام قوموں کو جو زمین پر رہتی ہیں قرآنی تبلیغ کر سکتے ہیں اور اشاعت کو کمال تک پہنچا سکتے ہیں اور اتمام حجت کے لئے تمام لوگوں میں دلائل حقانیت قرآن پھیلا سکتے ہیں۔ تب آنحضرت ﷺ کی روحانیت نے جواب دیا کہ دیکھو میں بروز کے طور پر آتا ہوں۔ مگر میں ملک ہند میں آؤں گا کیونکہ جوش مذاہب و اجتماع جمیع ادیان اور مقابلہ جمیع ملل و نحل اور امن اور آزادی اسی جگہ ہے اور نیز آدمؑ اسی جگہ نازل ہوا تھا۔ پس ختم دور زمانہ کے وقت بھی وہ جو آدم کے رنگ میں آتا ہے اسی ملک میں اس کو آنا چاہیے تا آخر اور اوّل کا ایک ہی جگہ اجتماع ہو کر دائرہ پورا ہو جائے۔ (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 260 تا 263)

روحانی زندگی کے لحاظ سے ہم تمام نبیوں میں سے اعلیٰ درجے پر اپنے نبی ﷺ کو زندہ سمجھتے ہیں اور قرآن شریف کی آیت وَ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْ بِھِمْ میں آنحضرت ﷺ کی آمد ثانی کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اس وعدہ کی ضرورت اسی وجہ سے پیدا ہوئی کہ تا دوسرا فرض منصبی آنحضرت ﷺ کا یعنی تکمیل اشاعت ہدایتِ دین جو آپ کے ہاتھ سے پورا ہونا چاہیے تھا اس وقت بباعث عدم وسائل پورا نہیں ہوا۔ **سو اس فرض کو آنحضرت ﷺ نے اپنی آمدِ ثانی سے جو بروزی رنگ میں تھی ایسے زمانہ میں پورا کیا جبکہ زمین کی تمام قوموں تک اسلام پہنچانے کے لئے وسائل پیدا ہو گئے تھے۔**

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 263 حاشیہ)

حضرت اقدسؑ رسول اکرمؐ کی جمالی تجلّی ہیں

یاد رہے کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ کے دو ہاتھ جلالی اور جمالی ہیں۔ اسی نمونہ پر چونکہ ہمارے نبی ﷺ جل شانہ کے مظہر اتم ہیں لہٰذا خدا تعالیٰ نے آپ کو بھی وہ دونوں ہاتھ رحمت اور شوکت کے عطا فرمائے۔ جمالی ہاتھ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ قرآن شریف میں ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ(الانبیاء:108) یعنی ہم نے تمام دنیا پر رحمت کر کے تجھے بھیجا ہے اور جلالی ہاتھ کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (الانفال:18) **اور چونکہ خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ یہ دونوں صفتیں آنحضرت ﷺ کی اپنے اپنے وقتوں میں ظہور پذیر ہوں اس لئے خدا تعالیٰ نے صفتِ جلالی کو صحابہؓ کے ذریعہ سے ظاہر فرمایا اور صفت جمالی کو مسیح موعود کے اور اس گروہ کے ذریعہ سے کمال تک پہنچایا۔** اس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ۔ (اربعین۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 421 حاشیہ)

ہمارے نبی ﷺ جلال اور جمال دونوں میں جامع تھے مکہ کی زندگی جمالی رنگ میں تھی اور مدینہ کی زندگی جلالی رنگ میں۔ **اور پھر یہ دونوں صفتیں امت کے لئے اس طرح پر تقسیم کی گئیں کہ صحابہؓ کو جلالی رنگ کی زندگی عطا ہوئی اور جمالی رنگ کی زندگی کے لئے مسیح موعود کو آنحضرت ﷺ کا مظہر ٹھہرایا۔** یہی وجہ ہے کہ اس کے حق میں فرمایا گیا کہ یَضَعُ الْحَرْبَ یعنی لڑائی نہیں کرے گا اور یہ خدا تعالیٰ کا قرآن شریف میں وعدہ تھا کہ اس حصہ کو پورا کرنے کے لئے مسیح موعودؑ اور اس کی جماعت کو ظاہر کیا جائے گا جیسا کہ آیت وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ میں اس طرف اشارہ ہے اور آیت حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَھَا بھی اشارہ کر رہی ہے۔ (اربعین۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 443 تا 444)

اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو جو مسیح موعود کے ساتھ ہے یہ درجہ عطا فرمایا ہے کہ وہ صحابہؓ کی جماعت سے ملنے والی ہے وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ۔ **مفسرین نے مان لیا ہے کہ یہ مسیح موعود کے ساتھ نہیں درحقیقت رسول اللہ ﷺ کے ہی ساتھ ہے کیونکہ مسیح آپ ہی کے ایک جمال میں آئے گا اور تکمیل تبلیغ اشاعت کے کام کے لئے وہ مامور ہوگا۔** (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 405)

سورۃ التکویر

اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ ۔ وَاِذَا النُّجُوۡمُ انۡكَدَرَتۡ ۔ وَاِذَا الۡجِبَالُ سُيِّرَتۡ ۔ وَاِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ ۔ وَاِذَا الۡوُحُوۡشُ حُشِرَتۡ ۔ وَاِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ ۔ وَاِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ ۔ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ ۔ (التکویر: 2 تا 11)

علاماتِ ظہورِ مہدی

اس بات کے ثبوت کے لئے کہ درحقیقت یہ آخری زمانہ ہے جس میں مسیح ظاہر ہو جانا چاہیے دو طور کے دلائل موجود ہیں۔(ا) اول وہ آیت قرآنیہ اور آثار نبویہ جو قیامت کے قرب پر دلالت کرتے ہیں اور پورے ہو گئے ہیں جیسا کہ ......اونٹوں کی سواری کا موقوف ہو جانا جس کی تصریح آیت وَاِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ سے ظاہر ہے ...... اور سخت قسم کا کسوف شمس واقع ہونا جس سے تاریکی پھیل جائے جیسا کہ آیت اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ سے ظاہر ہے اور پہاڑوں کو اپنی جگہ سے اٹھا دینا جیسا کہ وَاِذَا الۡجِبَالُ سُيِّرَتۡ سے سمجھا جاتا ہے اور جو لوگ وحشی اور اراذل اور اسلامی شرافت سے بے بہرہ ہیں ان کا اقبال چمک اٹھنا جیسا کہ آیت وَاِذَا الۡوُحُوۡشُ حُشِرَتۡ سے مترشح ہو رہا ہے اور تمام دنیا میں تعلقات اور ملاقاتوں کا سلسلہ گرم ہو جانا اور سفر کے ذریعہ سے ایک کا دوسرے کو ملنا سہل ہو جانا جیسا کہ بدیہی طور پر آیت وَاِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ سے سمجھا جاتا ہے اور کتابوں اور رسالوں اور خطوط کا ملکوں میں شائع ہو جانا جیسا کہ آیت وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ سے ظاہر ہو رہا ہے اور علماء کی باطنی حالت کا جو نجوم اسلام ہیں مکدر ہو جانا جیسا کہ وَاِذَا النُّجُوۡمُ انۡكَدَرَتۡ سے صاف معلوم ہوتا ہے۔

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 242 تا 243)

دجالی زمانہ......کی علامات میں جب کہ ارضی علوم وفنون زمین سے نکالے جائیں گے بعض ایجادات اور صناعات کو بطور نمونہ کے بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے...... وَاِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ یعنی اس وقت اونٹنی بیکار ہو جائے گی اور اس کا کچھ قدر ومنزلت نہیں رہے گا عشار حملدار اونٹنی کو کہتے ہیں جو عربوں کی نگاہ میں بہت عزیز ہے اور ظاہر ہے کہ قیامت سے اس آیت کو کچھ تعلق نہیں کیونکہ قیامت ایسی جگہ نہیں جس میں اونٹ اونٹنی کو ملے اور حمل ٹھہرے بلکہ یہ ریل کے نکلنے کی طرف اشارہ ہے اور حملدار ہونے کی اس لئے قید لگا دی کہ تا یہ قید دنیا کے واقعہ پر قرینہ قویہ ہو اور آخرت کی طرف ذرہ بھی وہم نہ جائے...... وَاِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ اور جس وقت جانیں باہم ملائی جائیں گی۔ یہ تعلقات اقوام اور بلاد کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آخری زمانہ میں بباعث راستوں کے کھلنے اور انتظام ڈاک اور تار برقی کے تعلقات بنی آدم کے بڑھ جائیں گے اور ایک قوم دوسری قوم کو ملے گی اور دور دور کے رشتے اور تجارتی اتحاد ہوں گے اور بلاد بعیدہ کے دوستانہ تعلقات بڑھ جائیں گے۔ وَاِذَا الۡوُحُوۡشُ

حُشِرَتۡ۔ اور جس وقت وحشی آدمیوں کے ساتھ اکٹھے کئے جائیں گے مطلب یہ ہے کہ وحشی قومیں تہذیب کی طرف رجوع کریں گی اور ان میں انسانیت اور تمیز آئے گی اور اراذل دنیوی مراتب اور عزت سے ممتاز ہو جائیں گے اور بباعث دنیوی علوم و فنون پھیلنے کے شریفوں اور رذیلوں میں کچھ فرق نہیں رہے گا بلکہ رذیل غالب آجائیں گے یہاں تک کہ کلید دولت اور عنان حکومت ان کے ہاتھ میں ہوگی اور مضمون اس آیت کا ایک حدیث کے مضمون سے بھی ملتا ہے......اور فرمایا اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ جس وقت سورج لپیٹا جاوے گا یعنی سخت ظلمت جہالت اور معصیت کی دنیا پر طاری ہو جائے گی وَاِذَا النُّجُوۡمُ انۡکَدَرَتۡ اور جس وقت تارے گدلے ہو جائیں گے یعنی علما کا نور اخلاص جاتا رہے گا۔ (شہادت القرآن۔ر۔خ جلد 6 صفحہ 317 تا 319)

میں وہی ہوں جس کے وقت میں اونٹ بیکار ہو گئے اور پیشگوئی آیت کریمہ وَاِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ پوری ہوئی اور پیشگوئی حدیث وَلَیُتۡرَکَنَّ الۡقِلَاصُ فَلَا یُسۡعٰی عَلَیۡھَا نے اپنی پوری پوری چمک دکھلا دی یہاں تک کہ عرب اور عجم کے اڈیٹران اور اخبار اور جرائد والے بھی اپنے پرچوں پر بول اٹھے کہ **مدینہ اور مکہ کے درمیان جو ریل تیار ہو رہی ہے یہی اس پیشگوئی کا ظہور ہے جو قرآن اور حدیث میں ان لفظوں سے کی گئی تھی جو مسیح موعود کے وقت کا یہ نشان ہے۔** (اعجاز احمدی۔ر۔خ جلد 19 صفحہ 108)

چھٹا نشان کتابوں اور نوشتوں کا ظاہر ہونا جیسا کہ آیت وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتۡ (التکویر: 11) سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ بباعث چھاپہ کی کلوں کے جس قدر اس زمانہ میں کثرت اشاعت کتابوں کی ہوئی ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں............

آٹھواں نشان نوع انسان کے باہمی تعلقات کا بڑھنا اور ملاقاتوں کا طریق سہل ہو جانا جیسا کہ آیت وَاِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ سے ظاہر ہے سو بذریعہ ریل اور تار کے یہ عمل ایسا ظہور میں آیا کہ گویا دنیا بدل گئی۔

(حقیقۃ الوحی۔ر۔خ جلد 22 صفحہ 206)

وَاِذَا النُّفُوۡسُ زُوِّجَتۡ (التکویر:8) **بھی میرے ہی لئے ہے......** پھر یہ بھی جمع ہے کہ خدا تعالیٰ نے **تبلیغ** کے سارے سامان جمع کر دیئے ہیں۔ **چنانچہ مطبع کے سامان، کاغذ کی کثرت، ڈاکخانوں، تار، ریل، اور دخانی جہازوں کے ذریعہ کل دنیا ایک شہر کا حکم رکھتی ہے۔** اور پھر نت نئی ایجادیں اس جمع کو اور بڑھا رہی ہیں کیونکہ اسباب تبلیغ جمع ہو رہے ہیں۔ اب فونوگراف سے بھی تبلیغ کا کام لے سکتے ہیں اور اس سے بہت عجیب کام نکلتا ہے۔ اخباروں اور رسالوں کا اجراء غرض اس قدر سامان تبلیغ کے جمع ہوئے ہیں کہ اس کی نظیر کسی پہلے زمانہ میں ہم کو نہیں مل سکتی۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 49)

وَالَّيۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ ۔وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۔(18`19)

وَلِكُلِّ كَمَالٍ زَوَالٌ۔وَلِكُلِّ تَرَعْرُعٍ اِضْمِحْلَالٌ۔كَمَا تَرٰى اَنَّ السَّيْلَ اِذَا وَصَلَ اِلَى الْجَبَلِ الرَّاسِي وَقَفَ ۔وَالَّيْلُ اِذَا بَلَغَ اِلَى الصُّبْحِ الْمُسْفِرِ انْكَشَفَ ۔كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۔فَجَعَلَ تَنَفُّسَ الصُّبْحِ كَاَمْرٍ لَا زِمٍ بَعْدَ كَمَالِ ظُلُمَاتِ الَّيْلِ۔۔۔فَاَرَادَاللّٰهُ اَنْ يَّرُدَّ اِلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَّامَهُمُ الْاُوْلٰى۔وَاَنْ يُرِيَهُمْ اَنَّهٗ رَبُّهُمْ وَاَنَّهُ الرَّحْمٰنُ وَالرَّحِيْمُ وَمَالِكُ يَوْمٍ فِيْهِ يُجْزٰى۔وَيُبْعَثُ فِيْهِ الْمَوْتٰى ۔

(ترجمہ ازمرتب) ہر کمال کو آخرزوال دیکھنا پڑتا ہے۔اسی طرح ہر ترقی کے بعد تنزل کا دور آتا ہے۔جیسا کہ تم دنیا میں مشاہدہ کرتے ہو کہ جب سیلاب بلند پہاڑوں تک پہنچتا ہے تو رک جاتا ہے۔اوررات جب روشن صبح تک پہنچتی ہے تواس کی تاریکی ختم ہوجاتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَالَّيۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ہم رات کوشہادت کےطور پر پیش کرتے ہیں جب وہ خاتمہ کو پہنچ جاتی ہےاورصبح کوجب وہ سانس لینےلگتی ہے۔اس آیہ کریمہ میں رات کےاندھیروں کےکمال تک پہنچنے کےبعد صبح کےظاہرہونے کولازم قراردیاہے........... **پس اللہ تعالیٰ نےارادہ کیاہے کہ وہ مومنوں پر پہلے ترقی کے زمانہ کولوٹادے اوران کودکھادے کہ ان کاایک قادررب ہے جورحمٰن اوررحیم ہےاوراس دن کامالک ہے جب سب لوگوں کوان کےاعمال کا بدلہ دیاجائے گااورجس میں مردے زندہ کرکےاٹھائے جائیں گے۔** (اعجازالمسیح ۔ر۔خ جلد18 صفحہ 158 تا159)

سورۃ الانفطار

اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۔وَاِذَا الۡكَوَاكِبُ انۡتَثَرَتۡ ۔وَاِذَا الۡبِحَارُ فُجِّرَتۡ ۔(2 تا 4)

اس زمانہ کی علامات میں جبکہ ارضی علوم وفنون زمین سے نکالے جائیں گے بعض ایجادات اورصناعات کو بطورنمونہ کے بیان فرمایاہےاوروہ یہ ہے........... وَاِذَا الۡبِحَارُ فُجِّرَتۡ ۔اورجس وقت دریاچیرے جاویں گے یعنی زمین پرنہریں پھیل جائیں گی اورکاشت کاری کثرت سے ہوگی........... وَاِذَا الۡكَوَاكِبُ انۡتَثَرَتۡ اور جس وقت تارے جھڑجائیں گے یعنی ربانی علماءفوت ہوجائیں گے کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ زمین پرتارے گریں اور پھرزمین پرلوگ آبادرہ سکیں۔**یادرہے مسیح موعود کےآنے کے لئے اسی قسم کی پیشگوئی انجیل میں بھی ہے کہ وہ اس وقت آئیگا کہ جب زمین پرتارے گرجائیں گےاورسورج اورچاند کانورجاتارہے گا۔**اوران پیشگوئیوں کوظاہر پرحمل کرنااس قدرخلاف قیاس ہے کہ کوئی داناہرگز یہ تجویز نہیں کرے گا کہ درحقیقت سورج کی روشنی جاتی رہے گی اور ستارے زمین پرگرپڑیں اورپھرزمین بدستورآدمیوں سے آبادہواوراس حالت میں مسیح موعودآوے۔۔۔۔ایساہی فرمایا۔ اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ اورانجیل میں بھی اس کےمطابق مسیح موعود کےآنے کی خبردی ہے مگران آیتوں سے یہ مراد نہیں ہے کہ درحقیقت اس وقت آسمان پھٹ جائے گایااس کی قوتیں سست ہوجائیں گی بلکہ مدعایہ ہے کہ جیسے پھٹی ہوئی چیز بیکارہوجاتی ہے ایساہی آسمان بھی بیکارساہوجائے گا۔آسمان سے فیوض نازل نہیں ہوں گے اوردنیاظلمت اورتاریکی سے بھرجائیگی۔ (شہادت القرآن ۔ر۔خ جلد6 صفحہ 318 تا319)

سورۃ الانشقاق

اِذَاالسَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۔(2)

وہ آیت قرآنیہ اور آثار نبویہ جو قیامت کے قرب پر دلالت کرتے ہیں اور پورے ہو گئے ہیں جیسا کہ......
بدعتوں اور ضلالتوں اور ہر قسم کے فسق و فجور کا پھیل جانا جیسا کہ آیت اِذَاالسَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۔

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 242 تا 243)

وَاِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ۔ وَاَلۡقَتۡ مَا فِيۡهَا وَتَخَلَّتۡ ۔(4`5)

اسی زمانہ کی علامات میں جب کہ ارضی علوم وفنون زمین سے نکالے جائیں گے بعض ایجادات اور صناعات کو بطور نمونہ کے بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے وَاِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ۔ وَاَلۡقَتۡ مَا فِيۡهَا وَتَخَلَّتۡ ۔ جبکہ زمین کھینچی جاوے گی یعنی زمین صاف کی جائیگی اور آبادی بڑھ جائیگی اور جو کچھ زمین میں ہے اس کو زمین باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائیگی یعنی تمام ارضی استعدادیں ظہور و بروز میں آ جائیں گی۔

(شہادت القرآن۔ ر۔خ جلد 6 صفحہ 317 تا 318)

سورۃ القدر

سورۃ القدر میں اوّل آنحضرت ﷺ کی آمد کی خبر ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۔
اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۔وَمَاۤ اَدۡرٰٮكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ،لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ،خَيۡرٌ
مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ۔تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ فِيۡهَا بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ ،مِنۡ كُلِّ
اَمۡرٍ ۔سَلٰمٌ ،هِىَ حَتّٰى مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ۔(1 تا 6)

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِىۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۔ یہ لیلۃ القدر اگرچہ اپنے مشہور معنوں کے رو سے ایک بزرگ رات ہے لیکن قرآنی اشارات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ظلمانی حالت بھی اپنی پوشیدہ خوبیوں میں لیلۃ القدر کا ہی حکم رکھتی ہے اور اس ظلمانی حالت کے دنوں میں صدق اور صبر اور زہد اور عبادت خدا کے نزدیک بڑا قدر رکھتا ہے اور وہی ظلمانی حالت تھی کہ جو آنحضرت ﷺ کے بعثت کے وقت تک اپنے کمال کو پہنچ کر ایک عظیم الشان نور کے نزول کو چاہتی تھی اور اسی ظلمانی حالت کو دیکھ کر اور ظلمت زدہ بندوں پر رحم کر کے صفت رحمانیت نے جوش مارا اور آسمانی برکتیں زمین کی طرف متوجہ ہوئیں سو وہ ظلمانی حالت دنیا کیلئے مبارک ہو گئی اور دنیا نے اس سے ایک عظیم الشان رحمت کا حصہ پایا کہ ایک کامل انسان اور سید الرسل کہ جس سا کوئی پیدا نہ ہوا اور نہ ہو گا دنیا کی ہدایت کے لئے آیا اور دنیا کیلئے

اس روشن کتاب کو لایا جس کی نظیر کسی آنکھ نے نہیں دیکھی پس یہ خدا کی کمال روحانیت کی ایک بزرگ تجلّی تھی کہ جو اس نے ظلمت اور تاریکی کے وقت ایسا عظیم الشان نور نازل کیا جس کا نام فرقان ہے جو حق اور باطل میں فرق کرتا ہے جس نے حق کو موجود اور باطل کو نابود کر کے دکھلا دیا وہ اس وقت زمین پر نازل ہوا جب زمین ایک موت روحانی کے ساتھ مر چکی تھی اور براور بحر میں ایک بھاری فساد واقع ہو چکا تھا پس اس نے نزول فرما کر وہ کام کر دکھایا جس کی طرف اللہ نے آپ اشارہ فرما کر کہا ہے اِعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰہَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا (الحدید:18) یعنی زمین مرگئی تھی اب خدا اس کو نئے سرے سے زندہ کرتا ہے۔ (براہین احمدیہ ۔ر۔خ جلد1 صفحہ 419`418)

لیلۃ القدر کے ایک اور معانی بھی ہیں

خدا تعالیٰ نے میرے پر یہ نکتہ معارف قرآنیہ کا ظاہر کیا کہ اِنَّـآ اَنۡزَلۡنٰـهُ فِیۡ لَيۡلَةِ الۡقَدۡرِ کے صرف یہی معانی نہیں کہ ایک بابرکت رات ہے جس میں قرآن شریف اترا بلکہ باوجود ان معنوں کے جو بجائے خود صحیح ہیں اس آیت کے بطن میں دوسرے معانی بھی ہیں جو رسالہ فتح اسلام میں درج کئے گئے ہیں۔

(ازالہ اوہام ۔ر۔خ۔ جلد3 صفحہ 259)

اب دیکھنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے اس سورۂ مبارکہ میں صاف اور صریح لفظوں میں فرما دیا کہ جب کوئی مصلح خدا کی طرف سے آتا ہے تو ضرور دلوں کو حرکت دینے والے ملائکہ زمین پر نازل ہوتے ہیں تب ان کے نزول سے ایک حرکت اور تموج دلوں میں نیکی اور راہ حق کی طرف پیدا ہو جاتا ہے پس ایسا خیال کرنا یہ حرکت اور تموج بغیر ظہور مصلح کے خود بخود پیدا ہو جاتا ہے خدا تعالیٰ کے پاک کلام اور اس کے قدیم قانون قدرت کے مخالف ہے اور ایسے اقوال صرف ان لوگوں کے منہ سے نکلتے ہیں جو الٰہی اسرار سے بے خبر محض اور صرف اپنے بے بنیاد اوہام کے تابع ہیں بلکہ یہ آسمانی مصلح پیدا ہونے کی علامات خاصہ ہیں اور اس آفتاب کے گرد ذرّات کی مانند ہیں۔ ہاں اس حقیقت کو دریافت کرنا ہر ایک کا کام نہیں۔ ایک دنیا دار کی دود آمیز نظر اس نور کو دریافت نہیں کر سکتی۔ دینی صداقتیں اس کی نظر میں ایک ہنسی کی بات ہے اور معارف الٰہی اس کے خیال میں بیوقوفیاں ہیں۔ (شہادت القرآن ۔ر۔خ جلد6 صفحہ 314)

مصلحین کی آمد کے ساتھ انتشار روحانیت ہوتا ہے

اور اس جگہ یہ بات بھی یاد رہے کہ زمانے کے فساد کے وقت جب کوئی مصلح آتا ہے اسکے ظہور کے وقت آسمان سے ایک انتشار نورانیت ہوتا ہے یعنی اس کے اترنے کے ساتھ زمین پر ایک نور بھی اترتا ہے اور مستعد دلوں پر نازل ہوتا ہے تب دنیا خود بخود بشرط استعداد نیکی سعادت کے طریقوں کی طرف رغبت کرتی ہے اور ہر ایک دل تحقیق اور تدقیق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور نہ معلوم اسباب سے طلب حق کے لئے ہر یک طبعیت مستعدہ میں ایک حرکت پیدا ہو جاتی ہے غرض ایک ایسی ہوا چلتی ہے جو مستعد دلوں کو آخرت کی طرف ہلا دیتی ہے اور سوئی ہوئی قوتوں کو جگا دیتی ہے۔ (شہادت القرآن ۔ر۔خ جلد6 صفحہ 312 تا313)

اِنَّا اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ

میں حضرت اقدس کی بعثت کی خبر ہے

اس زمانہ کا نام بطور استعارہ کے لیلۃ القدر رکھا گیا ہے۔مگر درحقیقت یہ رات نہیں۔ یہ ایک زمانہ ہے جو بوجہ ظلمت رات کے ہمرنگ ہے۔ نبی کی وفات یا اس کے روحانی قائم مقام کی وفات جب ہزار مہینہ جو بشری عمر کے قریب الاختتام کرنے والا اور انسانی حواس کے الوداع کی خبر دینے والا ہے گذر جاتا ہے تو یہ رات اپنا رنگ جمانے لگتی ہے۔تب آسمانی کاروائی سے ایک یا کئی مصلحوں کی پوشیدہ طور پر تخم ریزی ہو جاتی ہے جو نئی صدی کے سر پر ظاہر ہونے کے لئے اندر ہی اندر طیار ہو رہے ہیں۔اسی طرف اللہ جل شانہ اشارہ فرماتا ہے کہ لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ ، خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ یعنی اس لیلۃ القدر کے نور کو دیکھنے والا اور مصلح وقت کی صحبت سے شرف حاصل کرنے والا اس اسّی برس کے بڈھے سے اچھا ہے جس نے اس نورانی وقت کو نہیں پایا اور اگر ایک ساعت بھی اس کو پالیا ہے تو یہ ایک ساعت اس ہزار مہینے سے بہتر ہے جو پہلے گذر چکے۔کیوں بہتر ہے؟ اس لئے اس لیلۃ القدر میں خدا کے فرشتے اور روح القدس اس مصلح کے ساتھ رب جلیل کے اذن سے آسمان سے اترتے ہیں نہ عبث طور پر بلکہ اس لئے کہ تا مستعد دلوں پر نازل ہوں اور سلامتی کی راہیں کھولیں سو وہ تمام راہوں کے کھولنے اور تمام پردوں کے اٹھانے میں مشغول رہتے ہیں یہاں تک کہ ظلمت غفلت دور ہو کر صبح ہدایت نمودار ہو جاتی ہے۔

اب اے مسلمانو غور سے ان آیات کو پڑھو کہ کس قدر اللہ تعالیٰ اس زمانہ کی تعریف بیان فرماتا ہے جس میں ضرورت کے وقت پر کوئی مصلح دنیا میں بھیجتا ہے۔کیا تم ایسے زمانے کی قدر نہیں کرو گے۔کیا تم خدا تعالیٰ کے فرمودوں کو بہ نظر استہزاء دیکھو گے؟

(فتح اسلام۔ر۔خ جلد 3 صفحہ 32 تا 33 حاشیہ)

تَنَزَّلَ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ

میں حضرت اقدسؑ کی بعثت کی خبر ہے

غرض اس زمانہ میں جو کچھ نیکی کی طرف حرکتیں ہوتی ہیں اور راستی کے قبول کرنے کے لئے جوش پیدا ہوتے ہیں خواہ وہ جوش ایشائی لوگوں میں پیدا ہوں یا یورپ کے باشندوں میں یا امریکہ کے رہنے والوں میں وہ درحقیقت انہی فرشتوں کی تحریک سے جو اس خلیفۃ اللہ کے ساتھ اترتے ہیں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ یہی الٰہی قانون ہے جس میں کبھی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ اور بہت صاف اور صریح الفہم ہے۔ اور تمہاری بدقسمتی ہے اگر تم اس پر غور نہ کرو۔ چونکہ یہ عاجز راستی اور سچائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اس لئے تم صداقت کے نشان ہر ایک طرف سے پاؤ گے۔ وہ وقت دور نہیں بلکہ بہت قریب ہے کہ جب تم فرشتوں کی فوجیں آسمان سے اترتی اور ایشاء اور یورپ اور امریکہ کے دلوں پر نازل ہوتی دیکھو گے۔ یہ تم قرآن شریف سے **معلوم کر چکے ہو کہ خلیفۃ اللہ کے نزول کے ساتھ فرشتوں کا نازل ہونا ضروری ہے تا کہ دلوں کو حق کی طرف پھیریں۔ سو تم اس نشان کے منتظر رہو۔ اگر فرشتوں کا نزول نہ ہوا اور ان کے اترنے کی نمایاں تاثیریں تم نے دنیا میں نہ دیکھیں اور حق کیطرف دنیا میں نہ دیکھیں اور حق کیطرف دلوں کی جنبش کو معمولی سے زیادہ نہ پایا تو تم نے یہ سمجھنا کہ آسمان سے کوئی نازل نہیں ہوا۔ لیکن اگر یہ سب باتیں ظہور میں آ گئیں تو تم انکار سے باز آؤ تا تم خدا تعالیٰ کے نزدیک سرکش قوم نہ ٹھہرو۔**

(فتح اسلام۔ ر۔خ جلد 3 صفحہ 13، 14 حاشیہ)

جب مامور مامور ہو کر آتا ہے تو بے شمار فرشتے اس کے ساتھ نازل ہوتے ہیں اور دلوں میں اسی طرف نیک اور پاک خیال پیدا ہوتے ہیں جیسے اس سے پہلے شیاطین برے خیالات پیدا کیا کرتے ہیں اور یہ سب مامور کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے آنے سے یہ تحریکیں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح فرمایا اِنَّـآ اَنْـزَلْنٰـہُ فِیْ لَیْـلَۃِ الْـقَدْرِ ۔وَمَآ اَدْرٰلکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خدا تعالیٰ نے مقدر کیا ہوا ہوتا ہے کہ مامور کے زمانہ میں ملائک نازل ہوں۔ کیا یہ کام بغیر امداد الٰہی کے ہو سکتا ہے؟ **کیا یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ ایک شخص خود بخود اٹھے اور کسر صلیب کر ڈالے نہیں۔ ہاں اگر خدا اسے اٹھاوے تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔**

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 222 تا 223)

حضرت اقدسؑ کے دوست اور پیارے کون ہیں

اور تم اے میرے عزیزو! میرے پیارو! میرے درخت وجود کی سرسبز شاخو! جو خدا تعالیٰ کی رحمت سے جو تم پر ہے میرے سلسلہ بیعت میں داخل ہو اور اپنی زندگی اور اپنا آرام اپنا مال اس راہ میں فدا کر رہے ہو اگرچہ میں جانتا ہوں میں جو کچھ کہوں تم اسے قبول کرنا اپنی سعادت سمجھو گے اور جہاں تک تمہاری طاقت ہے دریغ نہیں کرو گے لیکن میں اس خدمت کیلئے معین طور پر اپنی زبان سے تم پر کچھ فرض نہیں کر سکتا تا کہ تمہاری خدمتیں نہ میرے کہنے کی مجبوری سے بلکہ اپنی خوشی سے ہوں میرا دوست کون ہے؟ اور میرا عزیز کون ہے؟ وہی جو مجھے پہچانتا ہے مجھے کون پہنچاتا ہے صرف وہی جو مجھ پر یقین رکھتا ہے کہ میں بھیجا گیا ہوں اور مجھے اس طرح قبول کرتا ہے جس طرح وہ لوگ قبول کئے جاتے ہیں جو بھیجے گئے ہوں۔ دنیا مجھے قبول نہیں کر سکتی کیونکہ میں دنیا میں سے نہیں ہوں مگر جن کی فطرت کو اس عالم کا حصہ دیا گیا ہے وہ مجھے قبول کرتے ہیں اور کریں گے جو مجھے چھوڑتا ہے وہ اس کو چھوڑتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور **جو مجھ سے پیوند کرتا ہے وہ اس سے کرتا ہے جس کی طرف سے میں آیا ہوں میرے ہاتھ میں ایک چراغ ہے جو شخص میرے پاس آتا ہے ضرور اس روشنی سے حصہ لے گا** مگر جو شخص وہم اور بدگمانی سے دور بھاگتا ہے وہ ظلمت میں ڈال دیا جائے گا۔ **اس زمانہ کا حصن حصین میں ہوں جو مجھ میں داخل ہوتا ہے وہ چوروں اور قزاقوں اور درندوں سے اپنی جان بچائے گا مگر جو شخص میری دیواروں سے دور رہنا چاہتا ہے ہر طرف سے اس کو موت درپیش ہے اور اس کی لاش بھی سلامت نہیں رہے گی** مجھ میں کون داخل ہوتا ہے وہی جو بدی کو چھوڑتا اور نیکی اختیار کرتا ہے کجی کو چھوڑتا ہے اور راستی پر قدم مارتا ہے اور شیطان کی غلامی سے آزاد ہوتا اور خدا تعالیٰ کا ایک بندہ مطیع بن جاتا ہے ہر ایک جو ایسا کرتا ہے وہ مجھ میں ہے اور میں اس میں ہوں مگر ایسا کرنے پر فقط وہی قادر ہوتا ہے جس کو خدا تعالیٰ نفس مزکی کے سائے میں ڈال دیتا ہے۔

(فتح اسلام۔ ر۔ خ جلد 3 صفحہ 34)

ایک طوفاں ہے خدا کے قہر کا اب جوش میں — نوح کی کشتی میں جو بیٹھے وہی ہو رستگار
صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے — ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار
پشتیٔ دیوار دیں اور مامن اسلام ہوں — نارسا ہے دست دشمن تا بغرق ایں جدار

(براہین احمدیہ۔ ر۔ خ جلد 21 صفحہ 145) (درثمین صفحہ 137`136)

سورۃ الزلزال

یہ سورۃ اپنی نشانیوں کے ساتھ ایک مصلح کی آمد کی خبر دیتی ہے

اِذَا زُلْـزِلَـتِ کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب تم یہ نشانیاں دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ لیلۃ القدر اپنے تمام تر زور کے ساتھ پھر ظاہر ہوئی ہے اور کوئی ربانی مصلح خدائے تعالیٰ کی طرف سے مع ہدایت پھیلانے والے فرشتوں کے نازل ہو گیا جیسا کہ فرماتا ہے۔

اِذَا زُلْـزِلَـتِ الْاَرْ ضُ زِلْزَ الَهَا ۔وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا۔ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا۔ يَوْ مَـئِـذٍ تُـحَـدِّثُ اَخْبَـارَهَـا۔ بِـاَنَّ رَبَّکَ اَوْ حٰـى لَـهَـا ۔ يَـوْمَـئِـذٍيَّصْدُرُالنَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَ وْ ا اَعْمَالَهُمْ۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّ ةٍ خَيْرًايَّرَ هٗ ۔وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّ ايَّرَهٗ۔

یعنی ان دنوں کا جب آخری زمانہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی عظیم الشان مصلح آئے گا اور فرشتے نازل ہوں گے یہ نشان ہے کہ زمین جہاں تک اس کا ہلانا ممکن ہے ہلائی جائے گی یعنی طبیعتوں اور دلوں اور دماغوں کو غایت درجہ پر جنبش دی جائے گی اور خیالات عقلی اور فکری اور سبعی اور بہیمی پورے پورے جوش کے ساتھ حرکت میں آجائیں گے اور زمین اپنے تمام بوجھوں کو باہر نکال دے گی یعنی انسانوں کے دل اپنی تمام استعدادات مخفیہ کو بمنصہ ظہور لائیں گے اور جو کچھ ان کے اندر علوم وفنون کا ذخیرہ ہے یا جو کچھ عمدہ عمدہ دلی اور دماغی طاقتیں اور لیاقتیں ان میں مخفی ہیں سب کی سب ظاہر ہو جائیں گی اور انسانی قوتوں کا آخری نچوڑ نکل آئے گا اور جو جو ملکات انسان کے اندر ہیں یا جو جو جذبات اس کی فطرت میں مودع ہیں وہ تمام ممکن قوت سے حیز فعل میں آجائیں گے اور انسانی حواس کی ہر ایک نوع کی تیزیاں اور بشری عقل کی ہر قسم کی باریک بینیاں نمودار ہو جائیں گی اور تمام دفائن وخزائن علوم مخفیہ و فنون مستورہ کے جو چھپے ہوئے چلے آتے تھے ان سب پر انسان فتح یاب ہو جائے گا اور اپنی فکری اور عقلی تدبیروں کو ہر ایک باب میں انتہاء تک پہنچا دے گا اور انسان کی تمام قوتیں جو نشاء انسانی میں مخمر ہیں صد ہا طرح کی تحریکوں کی وجہ سے حرکت میں آجائیں گی۔ اور فرشتے جو اس لیلۃ القدر میں مرد مصلح کے ساتھ آسمان سے اترے ہوں گے ہر ایک شخص پر اس کی استعداد کے موافق خارق عادت اثر ڈالیں گے یعنی نیک لوگ اپنے نیک خیال میں ترقی کریں گے اور جن کی نگاہیں دنیا تک محدود ہیں وہ ان فرشتوں کی تحریک سے دنیوی عقلوں اور معاشرے کی تدبیروں میں وہ ید بیضا دکھلائیں گے کہ ایک مرد عارف متحیر ہو کر اپنے دل میں کہے گا کہ یہ عقلی اور فکری طاقتیں ان لوگوں کو کہاں سے ملیں؟ تب اس روز ہر یک استعداد انسانی بزبان حال باتیں کرے گی کہ یہ اعلیٰ درجہ کی طاقتیں میری طرف سے نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک وحی ہے جو ہر یک استعداد پر بحسب اس کی حالت کے اتر رہی ہے یعنی صاف

نظر آئے گا کہ جو کچھ انسانوں کے دل و دماغ کام کر رہے ہیں یہ ان کی طرف سے نہیں بلکہ غیبی تحریک ہے کہ ان سے یہ کام کرا رہی ہے سو اس دن ہر ایک قسم کی قوتیں جوش میں دکھائی دیں گی۔ دنیا پرستوں کی قوتیں فرشتوں کی تحریک سے جوش میں آ کر اگر چہ بباعث نقصان استعداد کے سچائی کی طرف رخ نہیں کریں گی لیکن ایک قسم کا ابال اُن میں پیدا ہو کر اور انجماد اور افسردگی دور ہو کر اپنی معاشرت کے طریقوں میں عجیب قسم کی تدبیریں اور صنعتیں اور کلیں ایجاد کر لیں گے اور نیکوں کی قوتوں میں خارق عادت طور پر الہامات اور مکاشفات کا چشمہ صاف صاف طور پر بہت نظر آئے گا اور یہ بات شاذ و نادر ہوگی کہ مومن کی خواب جھوٹی نکلے تب انسانی قویٰ کے ظہور و بروز کا دائرہ پورا ہو جائے گا اور جو کچھ انسان کے نوع میں پوشیدہ طور پر ودیعت رکھا گیا تھا وہ سب خارج میں جلوہ گر ہو جائیگا تب خدائے تعالیٰ کے فرشتے ان تمام راستبازوں کو جو زمین کی چاروں طرفوں میں پوشیدہ طور پر زندگی بسر کرتے تھے ایک گروہ کی طرح اکٹھا کر دیں گے اور دنیا پرستوں کا بھی کھلا کھلا ایک گروہ نظر آئیگا تا ہر ایک گروہ اپنی کوششوں کے ثمرات کو دیکھ لیوے تب آخر ہو جائے گی **یہ آخری لیلۃ القدر کا نشان ہے جس کی بناء ابھی سے ڈالی گئی ہے جس کی تکمیل کے لئے سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو بھیجا ہے اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ** اَنْتَ اَشَدُّ مُنَاسَبَةً بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَشْبَهُ النَّاسِ بِهٖ خُلُقًا وَّ خَلْقًا وَّ زَمَانًا **مگر یہ تاثیرات اس لیلۃ القدر کی اب بعد اس کے کم نہیں ہوں گی۔ بلکہ بالاتصال کام کرتی رہیں گی جب تک وہ سب کچھ پورا نہ ہو لے جو خدائے تعالیٰ آسمان پر مقرر کر چکا ہے۔**

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اترنے کے لئے جو زمانہ انجیل میں بیان فرمایا ہے یعنی یہ کہ حضرت نوحؑ کے زمانے کی طرح امن اور آرام کا زمانہ ہوگا درحقیقت اسی مضمون پر سورہ الزلزال جس کی تفسیر ابھی کی گئی ہے دلالت التزامی کے طور پر شہادت دے رہی ہے۔ کیونکہ علوم وفنون کے پھیلنے اور انسانی عقول کی ترقیات کا زمانہ درحقیقت ایسا ہی چاہیے جس میں غایت درجہ کا امن و آرام ہو کیونکہ لڑائیوں اور فسادوں اور خوف جان اور خلاف امن زمانہ میں ہرگز ممکن نہیں کہ لوگ عقلی و عملی امور میں ترقیات کر سکیں۔ یہ باتیں تو کامل طور پر تبھی سوجھتی ہیں کہ جب کامل طور پر امن حاصل ہو۔

ہمارے علماء نے جو ظاہری طور پر اس سورۃ الزلزال کی یہ تفسیر کی ہے کہ درحقیقت زمین کو آخری دنوں میں سخت زلزلہ آئے گا اور وہ ایسا زمانہ ہوگا کہ تمام زمین اس سے زیر و زبر ہو جائیگی اور جو زمین کے اندر چیزیں ہیں وہ سب باہر آ جائیں گی اور انسان یعنی کافر لوگ زمین کو پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہوا تب اس روز زمین باتیں کرے گی اور اپنا حال بتائے گی۔ یہ سراسر غلط تفسیر ہے کہ جو قرآن شریف کے سیاق وسباق سے مخالف ہے۔ **اگر قرآن شریف کے اس مقام پر بنظر غور تدبر کرو تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں سورتیں یعنی سورہ البیّنہ اور سورہ الزلزال سورہ القدر کے متعلق ہیں اور آخری زمانہ تک اس کا کل حال بتلا رہی ہیں ماسوا اس کے کہ ہر ایک عقل سلیم سوچ سکتی ہے کہ ایسے بڑے زلزلہ کے وقت میں کہ جب ساری زمین تہ و بالا ہو جائیگی ایسے کافر کہاں زندہ رہیں گے؟** جو زمین سے اس کے حالات استفسار کریں گے کیا ممکن ہے کہ زمین تو ساری کی ساری زیر و زبر ہو جائے یہاں تک کہ اوپر کا طبقہ اندر

اور اندر کا طبقہ باہر آ جائے اور پھر لوگ زندہ بچ رہیں بلکہ اس جگہ زمین سے مراد زمین کے رہنے والے ہیں اور یہ عام محاورہ قرآن شریف کا ہے کہ زمین کے لفظ سے انسانوں کے دل اور ان کی باطنی قویٰ مراد ہوتی ہیں جیسا کہ اللہ جل شانہ ایک جگہ فرماتا ہے اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا۔ (الحدید:18) اور جیسا کہ فرماتا ہے وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذْنِ رَبِّہٖ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا (الاعراف:59) ایسا ہی قرآن شریف میں بیسیوں نظیریں موجود ہیں جو پڑھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ماسوا اس کے روحانی واعظوں کا ظاہر ہونا اور ان کے ساتھ فرشتوں کا آنا ایک روحانی قیامت کا نمونہ ہوتا ہے جس سے مردوں میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور جو قبروں کے اندر ہیں وہ باہر آ جاتے ہیں اور نیک اور بدلوگ اپنی سزا وجزا پا لیتے ہیں۔ سو اگر سورہ الزلزال کو **قیامت کے آثار میں قرار دیا جائے تو اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ ایسا وقت روحانی طور پر ایک قسم کی قیامت ہی ہوتی ہے۔ خدائے تعالیٰ کے تائید یافتہ بندے قیامت کا ہی روپ بن کر آتے ہیں اور انہیں کا وجود قیامت کے نام سے موسوم ہوسکتا ہے جن کے آنے سے روحانی مردے زندہ ہونے شروع ہو جاتے ہیں** اور نیز اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ جب ایسا زمانہ آ جائے گا کہ تمام انسانی طاقتیں اپنے کمالات کو ظاہر کر دکھائیں گی اور جس حد تک بشری عقول اور افکار کا پرواز ممکن ہے اس حد تک وہ پہنچ جائیں گی اور جن مخفی حقیقتوں کو ابتدا سے ظاہر کرنا مقدر ہے وہ سب ظاہر ہو جائیں گی تب اس عالم کا دائرہ پورا ہو کر یک دفعہ اس کی صف لپیٹ دی جائے گی۔

کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ۔ وَّ یَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ (الرحمن: 27`28)

(ازالہ اوہام۔ ر۔خ جلد 3 صفحہ 161 تا 169)

ان آیات میں یعنی اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَھَا۔ میں حقیقت میں اسی دجالی زمانہ کی طرف اشارہ ہے جس کو ذرہ بھی عقل ہو وہ سمجھ سکتا ہے اور یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ وہ قوم ارضی علوم میں کہاں تک ترقی کرے گی۔

(شہادت القرآن۔ ر۔خ جلد 6 صفحہ 317)

اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ۔ حضرت اقدسؑ کے وقت کے لئے مخصوص تھا

آج جو اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَھَا۔ کا زمانہ ہے یہ مسیح موعود ہی کے وقت کے لئے مخصوص تھا چنانچہ اب دیکھو کہ کس قدر ایجادیں اور نئے کانیں نکل رہی ہیں۔ ان کی نظیر پہلے کسی زمانہ میں نہیں ملتی ہے۔ میرے نزدیک طاعون بھی اسی میں داخل ہے، اس کی جڑ زمین میں ہے۔ پہلا اثر چوہوں پر ہوتا ہے۔ غرض اس وقت جبکہ زمینی علوم کمال تک پہنچ رہے ہیں توہین اسلام کی حد ہو چکی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس پچاس ساٹھ سال میں جس قدر کتابیں، اخبار، رسالے توہین اسلام میں شائع ہوئے ہیں کبھی ہوئے تھے۔ پس جب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے تو کوئی مومن نہیں بنتا جب تک اس کے دل میں غیرت نہ ہو۔ بے غیرت آدمی دیوث ہوتا ہے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 477)

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَہٗ کے مطابق حصرت اقدسؑ کو قبول کرنا ایک بشارت ہے

اس وقت ثواب کے لئے مستعد ہو جاؤ اور یہ بھی مت سمجھو کہ اگر اس راہ میں خرچ کریں گے تو کچھ کم ہو جاوے گا خدا تعالیٰ کی بارش کی طرح سب کمیاں پر ہو جائیں گی۔ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَہٗ ۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 478)

وان الارض زلزلت لنا زلزالا۔ فاخرجت اثقالا۔ و فجرت الانهار۔ و سجرت البحار۔ وجددت المراكب و عطلت العشار۔ و ان السابقين مارء واكمثل ما رئينا من النعماء و فى كل قدم نعمة و قد خرجت من الاحصاء۔ و معزالک كثرت موت القلوب و قساوة الافئدة۔ كان الناس كلهم ماتوا ولم يبق فيهم روح المعرفة۔ الا قليل الذى هو كالمعدوم من الندرة۔ و انا فهمنا مما ذكرنا من ظهور الصفات۔ و تجلى الربوبية و الرحمانية و الرحيمية كمثل الايات۔ ثم من كثرة الاموات و موت الناس من سم الضلالات۔ ان يوم الحشر و النشر قريب بل على الباب۔ كما هو ظاهر من ظهور العلامات و الاسباب۔ فان الربوبية و الرحمانية والرحيمية تموجت كتموج البحار۔ و ظهرت و تواترت و جرت كالانهار۔ فلاشک ان وقت الحشر و النشور قد اتى۔ وقد مضت هذه السنة فى صحابة خير الورى ۔ ولاشک ان هذا اليوم الدين و يوم الحشر و يوم مالكية رب السماء و ظهور اثارها على قلوب اهل الارضين۔ و لاشک ان اليوم يوم المسيح الحكم من الله احكم الحاكمين۔ و انه حشر بعد هلاک الناس۔ و قد مضى نموذجه فى زمن عيس و زمن خاتم النبين۔ فتدبر و لاتكن من الغافلين۔

ترجمہ از مرتب۔ پس زمین ہماری خاطر خوب جھنجھوڑی گئی ہے اور اس نے اپنے بوجھ (یعنی خزانے) باہر نکال پھینکے ہیں نہریں جاری کی گئی ہیں۔ دریا خشک کر دیئے گئے ہیں۔ نئی نئی سواریاں نکل آئی ہیں اور اونٹنیاں بیکار ہو گئی ہیں۔ ہمارے پہلوں نے ایسی نعمتیں نہیں دیکھی تھیں جو ہم نے دیکھی ہیں۔ ہر قدم پر ایک (نئی) نعمت (موجود) ہے اور یہ (نعمتیں) حد شمار سے باہر ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی دلوں کی موت اور ان کی سختی بہت بڑھ گئی گویا کہ تمام لوگ مر چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شناخت کرنے کی روح ان میں باقی نہیں رہی سوائے بہت کم لوگوں کے جو شاذ و نادر ہونے کی وجہ سے نہ ہونے کے برابر ہیں پس ان صفات کے ظہور سے جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں اور ربوبیت'

رحمانیت اور رحمیت کی روشن نشانوں کی طرح تجلی سے اور پھر کثرت اموات اور گمراہیوں کے زہر سے لوگوں کے مرنے سے ہم نے جان لیا ہے کہ حشر و نشر کا دن قریب ہے بلکہ دروازے پر ہے جیسا کہ ان علامات اور اسباب کے ظہور سے واضح ہو گیا ہے کیونکہ ربوبیت' رحمانیت اور رحمیت سمندروں کے جوش مارنے کی طرح موجزن ہیں اور ظاہر ہو چکی ہیں اور پے در پے نازل ہو رہی ہیں اور دریاؤں کی طرح جاری ہیں۔ لہٰذا بلا شبہ اب حشر و نشر کا وقت آ گیا ہے۔ یہ سنت اللہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ (کے وقت) میں بھی ہو گزری ہے۔ **پس بلاشبہ یہ زمانہ یوم الدین ہے یوم حشر ہے آسمانوں کے رب کی مالکیت اور اس (مالکیت) اور اس (مالکیت) کے آثار اہل زمین کے دلوں پر ظاہر ہونے کا دن ہے اور (اس امر میں بھی) کوئی شک نہیں یہ زمانہ اس مسیح کا زمانہ ہے جو خدائے احکم الحاکمین کی طرف سے حکم ہے اور لوگوں کی ہلاکت (روحانی) کے بعد ایک حشر کا وقت ہے۔ اور اس کا نمونہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں بھی اور حضرت خاتم النبیین ﷺ کے زمانہ میں بھی گذر چکا ہے۔ پس تم بھی غور کرو اور غافلوں (کی صف) میں شامل نہ ہو۔**

(اعجاز المسیح۔ ر۔ خ جلد 18 صفحہ 162 تا 164)

احمدیت میں داخل ہونا ایک شہادت ہے

یہ سچ ہے کہ جب ایک شخص محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کسی قسم کی نفسانی اغراض کے بغیر ایک قوم سے قطع تعلق کرتا ہے اور خدا ہی کو راضی کرنے کے لئے دوسری قوم میں داخل ہوتا ہے تو ان تعلقات قومی کے توڑنے میں سخت تکلیف اور دکھ ہوتا ہے مگر یہ بات خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑی قابل قدر ہے اور یہ ایک شہادت ہے جس کا بڑا اجر اللہ تعالیٰ کے حضور ملتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ (الزلزال:8) یعنی جو شخص ایک ذرہ برابر بھی نیکی کرتا ہے اسے بھی ضائع نہیں کرتا بلکہ اجر دیتا ہے تو پھر جو شخص اتنی بڑی نیکی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی رضا کیلئے ایک موت اپنے لئے روا رکھتا ہے اسے اجر کیوں نہ ملے؟

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 327)

سورۃ العصر

وَالۡعَصۡرِ o اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ o اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ، وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ o (العصر:2 تا4)

حضرت اقدسؑ مثیل آدمؑ ہیں

اِنَّ الۡقُرۡاٰنَ اَشَارَا فِیۡ اَعۡدَادِ سُوۡرَۃِ الۡعَصۡرِ اِلٰی وَقۡتٍ مَّضٰی مِنۡ اٰدَمَ اِلٰی نَبِیِّنَا بِحَسَابِ الۡقَمَرِ فَعُدُّوۡا اِنۡ کُنۡتُمۡ تَشُکُّوۡنَ ۔ وَاِذَا تَقَرَّرَ هٰذَا فَاعۡلَمُوۡا اَنِّیۡ خُلِقۡتُ فِی الۡاَلۡفِ السَّادِسِ فِیۡ اٰخِرِ اَوۡقَاتِهٖ کَمَا خُلِقَ اٰدَمُ فِی الۡیَوۡمِ السَّادِسِ فِیۡ اٰخِرِ سَاعَاتِهٖ فَلَیۡسَ لِمَسِیۡحٍ مِّنۡ دُوۡنِیۡ مَوۡضِعُ قَدَمٍ بَعۡدَ زَمَانِیۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُفَکِّرُوۡنَ ۔

(ترجمہ از اصل) **قرآن سورہ عصر کے اعداد میں قمری حساب سے اس وقت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو آدم سے ہمارے نبی تک گزرا ہے۔ پس اگر شک ہے تو گن لو۔ اور جب یہ تحقیق ہو گیا تو جان لو کہ میں چھٹے ہزار کے آخر اوقات میں پیدا کیا گیا ہوں جیسا کہ آدم چھٹے دن میں اس کی آخری ساعت میں پیدا کیا گیا۔ پس میرے سوا دوسرے مسیح کے لئے میرے زمانہ کے بعد قدم رکھنے کی جگہ نہیں اگر فکر کرو۔**

(خطبہ الہامیہ۔ ر۔خ جلد16 صفحہ 242 تا 243)

میری پیدائش اس وقت ہوئی جب چھے ہزار برس میں سے گیارہ برس رہتے تھے۔ سو جیسا کہ آدم علیہ السلام اخیر حصہ میں پیدا ہوا ایسا ہی میری پیدائش ہوئی۔ خدا نے منکروں کے عذروں کو توڑنے کے لئے یہ خوب بندوبست کیا ہے کہ مسیح موعود کے لئے چار ضروری علامتیں رکھ دی ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ اس کی پیدائش حضرت آدمؑ کی پیدائش کے رنگ میں آخر ہزار ششم میں ہو۔ (۲) دوسری یہ کہ اس کا ظہور بروز صدی کے سر پر ہو (۳) تیسری یہ کہ اس کے دعویٰ کے وقت آسمان پر رمضان کے مہینہ میں خسوف وکسوف ہو (۴) چوتھی یہ کہ اس کے دعویٰ کے وقت میں بجائے اونٹوں کے ایک اور سواری دنیا میں پیدا ہو جائے۔ اب ظاہر چاروں علامتیں ظہور میں آ چکی ہیں چنانچہ مدت ہوئی کہ ہزار ششم گذر گیا اور اب قریباً پچاسواں سال اس پر زیادہ جا رہا ہے اور اب دنیا ہزار ہفتم کو بسر کر رہی ہے اور صدی کے سر پر سے بھی سترہ برس گذر گئے اور خسوف وکسوف پر بھی کئی سال گذر چکے اور اونٹوں کی جگہ ریل کی سواری بھی نکل آئی۔ **پس اب قیامت تک کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں مسیح موعود ہوں کیونکہ اب مسیح موعود کی پیدائش اور اس کے ظہور کا وقت گذر گیا۔**

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد17 صفحہ 252 حاشیہ)

ہدایت اور ضلالت کے ہزار سالہ ادوار میں حضرت اقدس ؑ کا

دورِ ہدایت ساتواں ہزار ہے

جیسا کہ سورۃ والعصر میں یعنی اس کے حروف میں ابجد کے لحاظ سے قرآن شریف میں اشارہ فرما دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وقت میں جب وہ سورۃ نازل ہوئی تب آدم کے زمانے پر اسی قدر مدت گذر چکی تھی جو سورۃ موصوفہ کے عددوں سے ظاہر ہے۔ اس حساب سے انسانی نوع کی عمر میں سے اب اس زمانہ میں چھ ہزار برس گذر چکے ہیں اور ایک ہزار برس باقی ہیں۔ **قرآن شریف میں بلکہ اکثر پہلی کتابوں میں بھی یہ نوشتہ موجود ہے کہ وہ آخری مرسل جو آدم کی صورت پر آئے گا اور مسیح کے نام سے پکارا جائے گا ضرور ہے کہ وہ چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہو جیسا کہ آدم چھٹے دن کے آخر میں پیدا ہوا** یہ تمام نشان ایسے ہیں کہ تدبر کرنے والے کے لئے کافی ہیں اور ان سات ہزار برس کی قرآن شریف اور دوسری خدا کی کتابوں کے رو سے تقسیم یہ ہے کہ پہلا ہزار نیکی اور ہدایت کے پھیلنے کا زمانہ ہے اور دوسرا ہزار شیطان کے تسلط کا زمانہ ہے اور پھر تیسرا ہزار نیکی اور ہدایت کے پھیلنے کا۔ اور چوتھا ہزار شیطان کے تسلط کا اور پھر پانچواں ہزار نیکی اور ہدایت کے پھیلنے کا۔ **یہی وہ ہزار ہے جس میں ہمارے سید و مولیٰ ختمی پناہ حضرت محمد ﷺ دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے اور شیطان قید کیا گیا** اور پھر چھٹا ہزار شیطان کے کھلنے اور مسلط ہونے کا زمانہ ہے جو قرون ثلاثہ کے بعد شروع ہوتا اور چودھویں صدی کے سر پر ختم ہو جاتا ہے اور پھر ساتواں ہزار خدا اور اس کے مسیح کا اور ہر ایک خیر و برکت اور ایمان اور صلاح اور تقویٰ اور توحید اور خدا پرستی اور ہر ایک قسم کی نیکی اور ہدایت کا زمانہ ہے۔ **اب ہم ساتویں ہزار کے سر پر ہیں۔ اس کے بعد کسی دوسرے مسیح کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں کیونکہ زمانے سات ہی ہیں جو نیکی اور بدی میں تقسیم کئے گئے ہیں۔ اس تقسیم کو تمام انبیاء نے بیان کیا ہے کسی نے اجمال کے طور پر اور کسی نے مفصل کے طور پر اور یہ تفصیل قرآن شریف میں موجود ہے جس سے مسیح موعود کی نسبت قرآن شریف میں سے صاف طور پر پیشگوئی نکلتی ہے۔**

(لیکچر لاہور۔ ر۔ خ جلد 20 صفحہ 185 تا 186)

آنخضرتؐ کا وقت عصر کا وقت تھا آپؐ کا وقت قریب غروبِ آفتاب ہے

خدا تعالیٰ نے اس دنیا کو ایک دن مقرر کر کے آنخضرت ﷺ کے زمانے کو عصر کے وقت سے تشبیہ دی ہے پھر جب آنخضرت ﷺ کا زمانہ عصر ہوا تو پھر اب تیرہ سو چوبیس برس کے بعد اس زمانے کا کیا نام رکھنا چاہیے کیا یہ وقت قریب غروب نہیں اور پھر جب قریب غروب ہوا تو مسیح کے نازل ہونے کا اگر یہ وقت نہیں تو اس کے بعد کوئی وقت نہیں ۔

اسی طرح احادیث صحیحہ میں جو بعض ان کی صحیح بخاری میں پائی جاتی ہیں۔آنخضرت ﷺ کے زمانے کو عصر سے تشبیہ دی ہے۔ پس اس سے ماننا پڑتا ہے کہ ہمارا زمانہ قیامت کے قرب کا زمانہ ہے اور پھر دوسری حدیثوں سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ عمر دنیا کی سات ہزار سال ہے اور قرآن شریف کی اس آیت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ(الحج:48) یعنی ایک دن خدا کے نزدیک تمہارے ہزار سال کے برابر ہے پس جبکہ خدا تعالیٰ کی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دن سات ہیں پس اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ انسانی نسل کی عمر سات ہزار سال ہے جیسا کہ خدا نے میرے پر ظاہر کیا کہ سورۃ العصر کے عدد جس قدر حساب جمل کی رو سے معلوم ہوتے ہیں اسی قدر نسل انسان کا آنخضرت ﷺ کے عہد مبارک تک بحساب قمری گذر چکا تھا کیونکہ خدا نے حساب قمری رکھا ہے اور اس حساب سے ہماری اس وقت تک نسل انسان کی عمر چھ ہزار برس تک ختم ہو چکی ہے اور اب ہم ساتویں ہزار میں ہیں اور یہ ضرور تھا کہ مثیل آدم جس کو دوسرے لفظوں میں مسیح موعود کہتے ہیں چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہو جو جمعہ کے دن کے قائم مقام ہے **جس میں آدم پیدا ہوا اور ایسا ہی خدا نے مجھے پیدا کیا۔ پس اس کے مطابق چھٹے ہزار میں میری پیدائش ہوئی** اور یہ عجیب اتفاق ہوا کہ میں معمولی دنوں کی رو سے جمعہ کے دن پیدا ہوا تھا اور جیسا کہ آدم نر اور مادہ پیدا ہوئے تھے میں بھی توام کی شکل پر پیدا ہوا تھا۔ ایک میرے ساتھ لڑکی تھی جو پہلے پیدا ہوئی اور بعد میں اس کے میں پیدا ہوا۔ (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ جلد22 صفحہ 457 تا 458)

’’الف شهر‘‘ سے مراد ’’الف سنة‘‘ ہے

وَاِلَیْهِ اَشَارَ سُبْحَانَهٗ تَعَالٰی فِیْ قَوْلِهٖ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ یَعْنِیْ مِنْ اَلْفِ سَنَةٍ۔ وَکَثُرَتِ الْاِسْتِعَارَاتُ کَمِثْلِهٖ فِیْ کُتُبٍ سَابِقَةٍ۔ ثُمَّ بَعْدَ ذَالِکَ الْاَلْفِ زَمَانُ الْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَزَمَانُ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ فَقَدْتَمَّ الْیَوْمَ اَلْفُ الضَّلَالَةِ وَالْمَوْتِ وَجَاءَ وَقْتُ بَعْدَ الْاِسْلَامِ الْمَوْءُوْدِ۔ وَتَمَّتْ حُجَّةُ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اَیُّهَا الْمُنْکِرُوْنَ۔ فَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الظَّانِّیْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ۔

ترجمہ از مرتب ۔اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے قول لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ میں اشارہ فرمایا ہے۔ اَلْفِ شَهْرٍ سے مراد یہاں الف سنة ہے اور ایسے استعارات کتب سابقہ میں کثرت سے آئے ہیں۔ **اسلام پر اس ہزار سالہ موت کے بعد بعث الموت اور مسیح موعود کا زمانہ ہے** پس آج ضلالت اور موت کا ہزار سال پورا ہو گیا اور زندہ درگور اسلام کے بعد کا وقت آ گیا۔ اور اے منکرو! تم پر اللہ کی حجت پوری ہو گئی ۔ پس تم اللہ پر بدگمانی کرنے والے نہ بنو۔ (خطبہ الہامیہ۔ ر۔خ جلد16 صفحہ 330)

سورۃ الفیل

حضرت اقدسؑ پر الہام ہوئی

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ۔(الفیل:2)

اس وقت اصحاب الفیل کی شکل میں اسلام پر حملہ کیا گیا ہے۔مسلمانوں میں بہت کمزوریاں ہیں۔اسلام غریب ہے۔اور اصحاب الفیل زور میں ہیں مگر اللہ تعالیٰ وہی نمونہ پھر دکھانا چاہتا ہے۔چڑیوں سے وہی کام لے گا۔ہماری جماعت ان کے مقابلہ میں کیا ہے۔ان کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ان کے اتفاق اور طاقت اور دولت کے سامنے نام بھی نہیں رکھتے۔لیکن ہم اصحاب الفیل کا واقعہ سامنے دیکھتے ہیں کہ کیسی تسلی کی آیات نازل فرمائی ہیں۔ مجھے یہی الہام ہوا ہے جس سے صاف صاف پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی نصرت اور تائید اپنا کام کر کے رہے گی۔ہاں اس پر وہی یقین رکھتے ہیں جن کو قرآن سے محبت ہے جسے قرآن سے محبت نہیں وہ ان باتوں کی کب پرواہ کرسکتا۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 110 تا 111)

اس پیشگوئی میں ہمارے مخاطب صرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے حد سے زیادہ مجھے ستایا اور گالیاں دینے اور بدزبانی میں حد سے زیادہ بڑھ گئے بلکہ بعض نے ان میں سے میرے قتل کے فتوے دیئے اور وہ سب لوگ چاہتے ہیں کہ میں قتل کیا جاؤں اور زمین سے نابود کیا جاؤں اور میرا تمام سلسلہ پراگندہ اور نابود ہو جائے مگر خدا جو میرے دل کی حالت کو جانتا ہے وہ وہی فیصلہ کرے گا جو اس کے علم کے موافق ہے۔اس نے مجھے اپنے فیصلہ کی خبر دی ہے اور وہ یہ ہے۔

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ۔اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَھُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ۔
اِنَّکَ بِمَنۡزِلَۃِ رَحَی الۡاِسۡلَامِ۔ اٰثَرۡتُکَ وَ اخۡتَرۡتُکَ۔

ترجمہ۔ تو نے دیکھ لیا یعنی تو ضرور دیکھے گا کہ اصحاب الفیل یعنی وہ جو بڑے حملے والے ہیں جو آئے دن تیرے پر حملہ کرتے ہیں اور جیسا کہ اصحاب الفیل نے خانہ کعبہ کو نابود کرنا چاہا تھا وہ تجھے نابود کرنا چاہتے ہیں ان کا انجام کیا ہوگا یعنی ان کا وہی انجام ہوگا جو اصحاب الفیل کا ہوا۔

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 589)

سورۃ قریش

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ۔اٖلٰفِهِمۡ رِحۡلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّیۡفِ۔فَلۡیَعۡبُدُوۡا

رَبَّ هٰذَاالۡبَیۡتِ۔الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ۔

وَّاٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ ۔

قادیان مکہ کے مماثل ہے

(نوٹ از ایڈیٹر) عرب صاحب نے ادھرادھرغیرآبادی کو دیکھ کرعرض کی کہ یہ صرف حضور ہی کا دم ہے کہ جس کی خاطر اس قدر انبوہ ہے ورنہ اس غیر آباد جگہ میں کون اور کب آتا ہے۔(حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سنکر فرمایا:۔)

اس کی مثال مکہ کی ہے کہ وہاں بھی عرب لوگ دور دراز جگہوں سے جا کر مال وغیرہ لاتے تھے اور وہاں بیٹھ کر کھاتے تھے اس کی طرف اشارہ ہے اس سورۃ میں لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ-اٖلٰفِهِمۡ رِحۡلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّیۡفِ۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 674)

خدا کا ہم پہ بس لطف و کرم ہے — وہ نعمت کون سی باقی جو کم ہے
زمینِ قادیاں اب محترم ہے — ہجومِ خلق سے ارضِ حرم ہے
ظہورِ عون و نصرت دمبدم ہے — حسد سے دشمنوں کی پشت خم ہے
سنو اب وقتِ توحیدِ اتم ہے — ستم اب مائلِ ملکِ عدم ہے
خدا نے روک ظلمت کی اٹھا دی
فَسُبۡحَانَ الَّذِیۡ اَخۡزَی الۡاَعَادِیۡ

(بشیر احمد شریف احمد اور مبارکہ کی آمین۔درثمین اردو صفحہ 52-53)

سورۃ الکوثر

اِنَّآاَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ۔فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ ۔ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الۡاَبۡتَرُ۔(2 تا4)

سورۃ الکوثر میں ایک بروزی وجود کا وعدہ ہے

اِنَّـآ اَعۡـطَیۡـنٰکَ الۡـکَوۡ ثَـرَ میں ایک بروزی وجود کا وعدہ دیا گیا جس کے زمانہ میں کوثر ظہور میں آئے گا۔یعنی دینی برکات کے چشمے بہہ نکلیں گے اور بکثرت دنیا میں سچے اہل اسلام ہو جائیں گے۔اس آیت میں بھی ظاہری اولاد کی ضرورت کو نظر تحقیر سے دیکھا اور بروزی اولاد کی پیشگوئی کی گئی۔ (مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 441)

حضرت اقدسؑ اور آپ کی جماعت آنحضرتؐ کی اولاد ہے

اگر آپ کا سلسلہ آپ سے ہی شروع ہو کر آپ پر ہی ختم ہو گیا تو آپ ابتر ٹھہریں گے معاذ اللہ حالانکہ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے اِنَّ شَـانِـئَـکَ ھُوَ الۡاَبۡتَرُ۔یعنی تجھے تو ہم نے کثرت کیساتھ روحانی اولاد عطا کی ہے جو تجھے بے اولاد کہتا ہے وہی ابتر ہے۔ آنحضرت ﷺ کا جسمانی فرزند تو کوئی تھا نہیں اگر روحانی طور پر بھی آپ کی اولاد کوئی نہیں تو ایسا شخص خود بتلاؤ کیا کہلاویگا؟ میں تو اس کو سب سے بڑھ کر بے ایمانی اور کفر سمجھتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ کی نسبت اس قسم کا خیال بھی کیا جاوے۔اِنَّـآ اَعۡـطَیۡـنٰکَ الۡکَوۡثَر کسی دوسرے نبی کو نہیں کہا گیا یہ تو آنحضرت ﷺ کا ہی خاصہ ہے۔آپ کو اس قدر روحانی اولاد عطا کی گئی جس کا شمار بھی نہیں ہو سکتا اس لئے قیامت تک یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔روحانی اولاد ہی کے ذریعہ آنحضرت ﷺ زندہ نبی ہیں کیونکہ آپ کے انوار و برکات کا سلسلہ برابر جاری ہے۔اور جیسے اولاد میں والدین کے نقوش ہوتے ہیں اسی طرح روحانی اولاد میں آنحضرت ﷺ کے کمالات اور فیوض کے آثار نشانات موجود ہیں۔اَلۡوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیۡہِ۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 433)

یہ جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو فرمایا اِنَّـآ اَعۡـطَیۡـنٰکَ الۡکَوۡثَرَ(الکوثر:2) یہ اس وقت کی بات ہے کہ ایک کافر نے کہا کہ آپ کی اولاد نہیں ہے۔معلوم نہیں اس نے اَبتر کا لفظ بولا تھا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ شَـانِـئَـکَ ھُوَ الۡاَبۡتَرُ۔(الکوثر:3) تیرا دشمن ہی بے اولاد رہے گا۔

روحانی طور پر جولوگ آئیں گے وہ آپؐ ہی کی اولاد سمجھے جائیں گے وہ آپ کے علوم و برکات کے وارث ہوں گے۔اوراس سے حصہ پائیں گے۔اس آیت کو مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّ جَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ (الاحزاب:41) کیساتھ ملا کر پڑھو تو حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔اگر آنحضرت ﷺ کی روحانی اولاد بھی نہیں تھی تو پھر معاذ اللہ آپؐ ابتر ٹھہرتے ہیں جو آپ کے اعداء کے لئے ہے اور اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو روحانی اولاد کثیر دی گئی ہے پس اگر ہم یہ اعتقاد نہ رکھیں گے کہ کثرت کے ساتھ آپ کی روحانی اولاد ہوئی ہے تو اس پیشگوئی کے بھی منکر ٹھہریں گے۔

اس لئے ہر حالت میں ایک سچے مسلمان کو یہ ماننا پڑے گا اور ماننا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ کی تاثیرات قدسی ابدالاباد کے لئے ویسی ہی ہیں جیسی تیرہ سو برس پہلے تھیں۔چنانچہ ان تاثیرات کے ثبوت کیلئے ہی خدا تعالیٰ نے سلسلہ قائم کیا ہے اوراب وہی آیات برکات ظاہر ہو رہے ہیں جو اس وقت ہو رہے تھے۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 38 تا 39)

حضرت اقدسؑ آنحضرتؐ کے بیٹے ہیں

الہام حضرت اقدسؑ

رات عجیب طرز کا الہام ہوا تھا۔اگرچہ اس سے پہلے اس مفہوم کا ایک الہام ہو چکا ہے۔مگر یہ طرز عجیب ہے۔

اِنِّیْ مَعَکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ

دوسرا الہام اس کے ساتھ یہ ہے۔

سب مسلمانوں کو جو روئے زمین پر ہیں جمع کرو۔ عَلٰی دِیْنٍ وَّاحِدٍ۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 569)

اشعار حضرت اقدسؑ

جان و دلم فدائے جمالِ محمد است   خاکم نثارِ کوچۂ آلِ محمد است

میری جان و دل محمد کے جمال پر فدا ہیں۔اور میری خاک آل محمد کے کوچے پر قربان ہے۔

دیدم بعینِ قلب و شنیدم بگوشِ ہوش   در ہر مکان ندائے جلالِ محمد است

میں نے دل کی آنکھوں سے دیکھا اور عقل کے کانوں سے سنا۔ہر جگہ محمد کے جلال کا شہرہ ہے۔

ایں چشمۂ رواں کہ بخلقِ خدا دہم   یک قطرۂ زبحرِ کمالِ محمد است

معارف کا یہ دریائے رواں جو میں مخلوقِ خدا کو دے رہا ہوں یہ محمد کے کمالات کے سمندر میں سے ایک قطرہ ہے۔

ایں آتشم زِ آتشِ مہرِ محمدی ست   وایں آبِ من ز آبِ زلالِ محمد است

یہ میری آگ محمد کے عشق کی آگ کا ایک حصہ ہے اور میرا پانی محمد کے مصفا پانی میں سے لیا ہوا ہے۔

(درثمین فارسی صفحہ 145)(اخبار۔ریاض ہند امرتسر مورخہ یکم مارچ 1886ء)

سورۃ اللّھب

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ (اللھب:2)

ابولہب سے مراد حضرت اقدسؑ کا دشمن ہے

سورۃ تبت کی پہلی آیت یعنی تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ اس موذی کی طرف اشارہ کرتی ہے جو مظہر جمال احمدی یعنی احمد مہدی کا مکفر اور مکذب اور مہین ہوگا۔ (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 214 تا215)

غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ ....(سورۃ الفاتحہ 7) **سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسیح موعود کو دکھ دیں گے اور اس دعا کے مقابل پر قرآن شریف کے اخیر میں سورۃ تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ ہے۔**

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 218)

الہام حضرت اقدسؑ

تَبَّتۡ یَدَا اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ۔ مَا کَانَ لَہٗ اَنۡ یَّدۡخُلَ فِیۡھَا اِلَّا خَائِفًا وَّ مَا اَصَابَکَ فَمِنَ اللّٰہِ ۔

ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے اور وہ بھی ہلاک ہوا۔ اور اس کو لائق نہ تھا کہ اس کام میں بجز خائف اور ترسان ہونے کے یوں ہی دلیری سے داخل ہو جاتا اور جو تجھ کو پہنچے وہ تو خدا کی طرف سے ہے۔

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 609 حاشیہ در حاشیہ نمبر 3)

(الہام) ہلاک ہو گئے دونو ہاتھ ابی لہب کے (جبکہ اس نے یہ فتویٰ لکھا) اور وہ آپ بھی ہلاک ہو گیا۔............ اس الہام میں سورۃ تبت کی پہلی آیت کا مصداق اس شخص کو ٹھہرایا ہے جس نے سب سے پہلے خدا کے مسیح موعود پر تکفیر اور توہین کے ساتھ حملہ کیا۔ اور یہ دلیل اس بات پر ہے کہ قرآن شریف نے بھی اسی سورت میں ابولہب کے ذکر میں علاوہ دشمن رسول اللہ ﷺ کے مسیح موعود کے دشمن کو بھی مراد لیا ہے اور یہ تفسیر اس الہام کے ذریعہ سے کھلی ہے۔............ اس لئے یہ تفسیر سراسر حقانی ہے اور تکلف اور تصنّع سے پاک ہے۔............ غرض آیت تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ جو قرآن شریف کے آخری سپارہ میں چار آخری سورتوں میں سے پہلی سورۃ ہے جس طرح آنحضرت ﷺ کے موذی دشمنوں پر دلالت کرتی ہے **ایسا ہی بطور اشارۃ النّص اسلام کے مسیح موعود کے ایذا دہندہ دشمنوں پر اس کی دلالت ہے**............ خلاصہ کلام یہ کہ آیت تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ جو قرآن شریف کے آخر میں ہے آیت مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ کی ایک شرح ہے جو قرآن شریف کے اوّل میں ہے کیونکہ قرآن شریف کے بعض حصے بعض کی تشریح ہیں۔

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 216 تا217)

سورۃ الاخلاص

اس سورت میں مسیح موعودؑ کی آمد اور غلبۂ نصرانیت کی پیشگوئی ہے

قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمۡ يَلِدۡ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ۝ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (2 تا 5)

قرآن نے اپنے اول میں بھی مَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ اور ضَآلِّيۡن کا ذکر فرمایا ہے۔ اور اپنے آخر میں بھی جیسا کہ آیت لَمۡ يَلِدۡ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ بصراحت اس پر دلالت کر رہی ہے اور یہ تمام اہتمام تاکید کیلئے کیا گیا اور نیز **اس لئے کہ تا مسیح موعود اور غلبہ نصرانیت کی پیشگوئی نظری نہ رہے اور آفتاب کی طرح چمک اٹھے۔**

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 222)

دجال یعنی آخری مظہر شیطان کا ذکر قرآن کے اول و آخر میں

آخری مظہر شیطان کے اسم دجال کا جو مظہر اتم اور اکمل اور خاتم المظاہر ہے وہ قوم ہے جس کا قرآن کے اول میں بھی ذکر ہے اور قرآن کے آخر میں بھی یعنی وہ ضالین کا فرقہ جس کے ذکر پر سورۃ فاتحہ ختم ہوتی ہے اور پھر قرآن شریف کی آخری تین سورتوں میں بھی اس کا ذکر ہے یعنی سورۃ اخلاص اور سورہ فلق اور الناس میں ....

سورہ اخلاص میں تو اس قوم کی اعتقادی حالت کا بیان ہے جیسا کہ فرمایا قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمۡ يَلِدۡ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ۝ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ یعنی خدا ایک ہے اور احد ہے یعنی اس میں کوئی ترکیب نہیں نہ کوئی اس کا بیٹا اور نہ وہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے پس اس سورت میں تو اس قوم کے عقائد بتلائے گئے۔

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 269 تا 270 حاشیہ)

الضَّآلِّيۡن کے مقابل آخری تین سورتیں ہیں۔ اصل تو قُلۡ هُوَ اللّٰهُ ہے اور باقی دونوں سورتیں اس کی شرح ہیں۔ قُلۡ هُوَ اللّٰهُ کا ترجمہ یہ ہے کہ نصاریٰ سے کہہ دو کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کے برابر ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 169)

وہ اپنی ذات میں نظیر اور مثیل سے پاک اور منزہ ہے۔۔۔۔ دونوں سورتوں (اخلاص اور فلق) میں ایک ہی فرقہ (یعنی نصاریٰ) کا ذکر ہے صرف فرق یہ ہے کہ سورۃ اخلاص میں اس فرقہ کی اعتقادی حالت کا بیان ہے اور سورت فلق میں اس فرقہ کی عملی حالت کا ذکر ہے۔ (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 271-272 بقیہ حاشیہ)

حضرت اقدسؑ کا ذکر قرآن کریم کے اول و آخر میں

سورۃ فاتحہ میں تین دعائیں سکھائی گئی ہیں (۱) ایک یہ دعا کہ خدا تعالیٰ اس جماعت میں داخل رکھے جو صحابہؓ کی جماعت ہے اور پھر اس کے بعد اس جماعت میں داخل رکھے جو مسیح موعود کی جماعت ہے جن کی نسبت قرآن شریف فرماتا ہے وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِہِمْ (الجمعۃ:4) غرض اسلام میں یہی دو جماعتیں منعم علیہم کی جماعتیں ہیں اور انہی کی طرف اشارہ ہے آیت صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ میں کیونکہ تمام قرآن پڑھ کر دیکھو جماعتیں دو ہی ہیں ایک صحابہؓ کی جماعت۔ دوسری واخرین منہم کی جماعت جو صحابہ کے رنگ میں ہے اور وہ مسیح موعود کی جماعت ہے پس جب تم نماز میں یا خارج نماز کے یہ دعا پڑھو کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ تو دل میں یہی ملحوظ رکھو کہ میں صحابہ اور مسیح موعود کی جماعت کی راہ طلب کرتا ہوں۔ یہ تو سورہ فاتحہ کی پہلی دعا ہے (۲) دوسری دعا غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ ہے جس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسیح موعود کو دکھ دیں گے اور اس دعا کے مقابل پر قرآن شریف کے اخیر میں سورہ تبت ید ابی لھب ہے (۳) تیسری دعا ولا لضالین ہے۔ اور اس کے مقابل پر قرآن شریف کے اخیر میں سورہ اخلاص ہے یعنی قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ اور اس کے بعد دو اور سورتیں جو ہیں یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس یہ دونوں سورتیں سورۃ تبت اور سورۃ اخلاص کے بطور شرح ہیں اور ان دونوں سورتوں میں اس تاریک زمانہ سے خدا کی پناہ مانگی گئی ہے جب کہ لوگ خدا کے مسیح کو دکھ دیں گے اور جب کہ عیسائیت کی ضلالت تمام دنیا میں پھیلے گی پس سورہ فاتحہ میں ان تینوں دعاؤں کی تعلیم بطور براعت الاستہلال ہے یعنی وہ اہم مقصد جو قرآن میں مفصل بیان کیا گیا ہے سورہ فاتحہ میں بطور اجمال اس کا افتتاح کیا ہے اور پھر سورہ تبت اور سورہ اخلاص اور سورہ فلق اور سورہ الناس میں ختم قرآن کے وقت میں انہی دونوں بلاؤں سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے پس افتتاح کتاب اللہ بھی انہی دونوں دعاؤں سے ہوا۔ اور پھر اختتام کتاب اللہ بھی انہی دونوں دعاؤں پر کیا گیا۔

اور یاد رہے کہ ان دونوں فتنوں کا قرآن شریف میں مفصل بیان ہے اور سورہ فاتحہ اور آخری سورتوں میں اجمالاً ذکر ہے۔ مثلاً سورہ فاتحہ میں دعا ولا الضالین میں صرف دو لفظ میں سمجھایا گیا ہے کہ عیسائیت کے فتنہ سے بچنے کے لئے دعا مانگتے رہو جس سے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی فتنہ عظیم الشان درپیش ہے جس کے لئے یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ نماز کے پنج وقت میں یہ دعا شامل کر دی گئی اور یہاں تک تاکید کی گئی کہ اس کے بغیر نماز ہو نہیں سکتی جیسا کہ حدیث لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِالْفَاتِحَۃِ سے ظاہر ہوتا ہے۔

.... سو اب یہ وہی فتنہ کا زمانہ ہے جس میں تم آج ہو۔ تیرہ سو برس کی پیشگوئی جو سورہ فاتحہ میں تھی آج تم میں اور تمہارے ملک میں پوری ہوئی اور اس فتنہ کی جڑ مشرق ہی نکلا اور جیسا کہ اس فتنہ کا ذکر قرآن کے ابتدا میں فرمایا گیا اور ایسا ہی قرآن شریف کے انتہا میں بھی ذکر فرمایا تا یہ امر موکد ہو کر دلوں میں بیٹھ جائے۔

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ جلد 17 صفحہ 217 تا 220)

قرآن شریف کوسورہ فاتحہ سے شروع کر کے غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ وَلَا لضَآلِیۡنَ پرختم کیا ہے ۔لیکن جب ہم مسلمانوں کے معتقدات پرنظر کرتے ہیں تو دجال کا فتنہ ان کے ہاں عظیم الشان فتنہ ہے اور یہ ہم کبھی تسلیم نہیں کر سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ دجال کا ذکر ہی بھول گیا ہو۔نہیں بات اصل یہ ہے کہ دجال کا مفہوم سمجھنے میں لوگوں نے دھوکہ کھایا ہے۔سورہ فاتحہ میں جو دو فتنوں سے بچنے کی دعا سکھائی ہے۔اول غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ ۔غیر المغضوب سے مراد باتفاق جمیع اہل اسلام یہود ہیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت امت پر آنے والا ہے جب کہ وہ یہود سے تشابہ پیدا کرے گی اور وہ زمانہ مسیح موعود ہی کا ہے جب کہ اس انکار اور کفر پر اسی طرح زور دیا جائے۔جیسا کہ حضرت مسیح ابن مریم کے کفر پر یہودیوں نے دیا تھا۔غرض اس دعا میں یہ سکھایا گیا کہ یہود کی طرح مسیح موعود کی توہین اور تکفیر سے ہم کو بچا اور دوسرا عظیم الشان فتنہ جس کا ذکر سورۃ فاتحہ میں کیا ہے اور جس پر سورۃ فاتحہ کو ختم کر دیا ہے وہ نصاریٰ کا فتنہ ہے۔جو ولا لضالین میں بیان فرمایا ہے۔

اب جب قرآن شریف کے انجام پر نظر کی جاتی ہے تو وہ بھی ان دونوں فتنوں کے متعلق کھلی کھلی شہادت دیتا ہے مثلاً غَیۡـرِ الۡـمَـغۡضُوۡبِ کے مقابل میں سورہ تبت یدا ہے مجھے بھی فتویٰ کفر سے پہلے یہ الہام ہوا تھا۔وَاِذۡ یَـمۡـکُـرُ بِکَ الَّـذِیۡ کَـفَّـرَ اَوۡقِـدۡ لِیۡ یَا ھَا مَانُ لَعَلِّیۡ اَطَّلِعُ عَلٰیٓ اِلٰہِ مُوۡسٰی وَاِنِّیۡ لَاَ ظُنُّہٗ مِنَ الۡـکَـاذِبِیۡـنَ ۔تَبَّـتۡ یَـدَآ اَبِیۡ لَھَبٍ وَّتَبَّ ۔مَا کَانَ لَہٗ اَنۡ یَّدۡ خُلَ فِیۡھَآ اِلَّا خَائِفًا۔ وَمَآ اَصَابَکَ فَـمِـنَ الـلّٰـہِ۔ یعنی وہ زمانہ یاد کر جب کہ مکفر تجھ پر تکفیر کا فتویٰ لگائے گا۔اور اپنے کسی حامی کو جس کا لوگوں پر اثر پڑ سکتا ہو کہے گا کہ میرے لئے اس فتنہ کی آگ بھڑکا تا میں دیکھ لوں کہ یہ شخص جو موسیٰ کی طرح کلیم اللہ ہونے کا مدعی ہے خدا اس کا معاون ہے یا نہیں اور میں تو اسے جھوٹا خیال کرتا ہوں ۔ابی لہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو گئے اور آپ بھی ہلاک ہو گیا اس کو نہیں چاہیے تھا کہ اس میں دخل دیتا مگر ڈرڈر کر اور جو رنج تجھے پہنچے گا۔وہ خدا کی طرف سے ہے۔

غرض سورۃ تبت میں غَیۡـرِ الۡـمَـغۡـضُـوۡبِ عَلَیۡہِمۡ کے فتنہ کی طرف اشارہ ہے اور ولا الضالین کے مقابل قرآن شریف کے آخر میں سورہ اخلاص ہے اور اس کے بعد کی دونوں سورتیں سورہ الفلق اور سورہ الناس ان دونوں کی تفسیر ہیں۔ان دونوں سورتوں میں اس تیرہ و تار زمانہ سے پناہ مانگی گئی ہے جب کہ مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ لگا کر مغضوب علیھم کا فتنہ پیدا ہوگا اور عیسائیت کی ظلالت اور ظلمت دنیا پر محیط ہونے لگے گی۔پس جیسے سورہ فاتحہ میں جو ابتدائے قرآن ہے ان دونو بلاؤں سے محفوظ رہنے کی دعا سکھائی گئی ہے اسی طرح قرآن شریف کے آخر میں بھی ان فتنوں سے محفوظ رہنے کی دعا تعلیم کی تا کہ یہ بات ثابت ہو جاوے کہ اول با آخر نسبتے دارد............

الضالین کے مقابل آخر کی تین سورتیں ہیں ۔اصل تو قل ھو اللہ ہے اور باقی دونوں سورتیں اس کی شرح ہیں......آخر سورۃ میں شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہنے کی دعا تعلیم فرمائی ہے جیسے سورہ فاتحہ کو الضالین پر ختم کیا تھا ویسے ہی آخری سورۃ میں خناس کے ذکر پر ختم کیا تا کہ خناس اور الضالین کا تعلق معلوم ہو......کس طرح پر ایک دائرہ کی طرح خدا نے اس سلسلہ کو جاری رکھا ہوا ہے ولا الضالین پر سورۃ فاتحہ کو جو قرآن کا آغاز ہے ختم کیا اور پھر قرآن شریف کے آخر میں وہ سورتیں رکھیں جن کا تعلق سورۃ فاتحہ کے انجام سے ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 168 تا 170)

سورۃ الفلق

قُلْ اَعُوْ ذُ بِرَ بِّ الْفَلَقِo مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَo وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَo
وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِیْ الْعُقَدِo وَمِنْ شَرِّحَاسِدٍ اِذَا حَسَدَo

حضرت اقدسؑ کو دکھ دینے سے پناہ مانگی گئی ہے

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس یہ دونوں سورتیں سورہ تبت اور سورہ اخلاص کیلئے بطور شرح کے ہیں اور ان دونوں سورتوں میں اس تاریک زمانہ سے خدا کی پناہ مانگی گئی ہے۔ **جب کہ خدا کے مسیح کو دکھ دیں گے اور جبکہ عیسائیت کی ضلالت تمام دنیا میں پھیلے گی۔** (تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ جلد17 صفحہ 218)

''صبح صادق'' میں حضرت اقدسؑ کی آمد کی بشارت ہے

اور لفظ رَ بِّ الْـفَلَق اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس تاریکی کے بعد پھر صبح کا زمانہ بھی آئیگا جو مسیح موعود کا زمانہ ہے..........ان دونوں سورتوں (اخلاص اور فلق) میں ایک ہی فرقہ کا ذکر ہے صرف فرق یہ ہے کہ سورۃ اخلاص میں اس فرقہ کی اعتقادی حالت بیان ہے اور سورۃ فلق میں اس فرقہ کی عملی حالت کا ذکر ہے اور اس فرقہ کا نام سورۃ الفلق میں شَرِّ مَا خَلَق رکھا گیا ہے یعنی شَـرُّ الْبَرِیَّہ۔ اور احادیث پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال معہود کا نام بھی شرالبریہ ہے کیونکہ آدم کے وقت سے اخیر تک شر میں اس کے برابر کوئی نہیں۔

(تحفہ گرلڑویہ۔ر۔خ جلد17 صفحہ 272 حاشیہ)

سورہ فلق میں یعنی آیت وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَب میں آنے والی ایک سخت تاریکی سے ڈرایا گیا اور فقرہ قُلْ اَعُـوْ ذُ بِـرَ بِّ الْفَلَق میں آنیوالی ایک صبح صادق کی بشارت دی گئی اور اس مطلب کے حصول کے لئے سورۃ الناس میں صبر اور ثبات کیساتھ وساوس سے بچنے کیلئے تاکید کی گئی۔ (تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ جلد17 صفحہ 285 حاشیہ)

سورۃ الناس

قُلۡ اَعُوۡ ذُ بِرَبِّ النَّاسِo مَلِکِ النَّاسِo اِلٰهِ النَّا سِ oمِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَ اسِ الۡخَنَّاسِ oالَّذِیۡ یُوَسۡوِ سُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ o مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ o

لفظ ناس سے مراد دجال ہے اس کے شر کو مسیح موعود دور کرے گا

دجال معہود ایک شخص نہیں ہے ورنہ ناس کا نام اس پر اطلاق نہ پاتا اور اس میں کیا شک ہے کہ ناس کا لفظ صرف گروہ پر بولا جاتا ہے۔ سو جو گروہ شیطان کے وساوس کے نیچے چلتا ہے وہ دجال کے نام سے موسوم ہوتا ہے اسی کی طرف قرآن شریف کی اس ترتیب کا اشارہ ہے کہ وہ اَلۡحَمۡدُلِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ سے شروع کیا گیا اور اس آیت پر ختم کیا گیا اَلَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۔مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۔ پس لفظ الناس سے مراد اس جگہ بھی دجال ہے۔ ماحصل اس سورت کا یہ ہے کہ تم دجال کے فتنہ سے خدا تعالیٰ کی پناہ پکڑو اس سورہ سے پہلے سورہ اخلاص ہے جو عیسائیت کے اصول کے رد میں ہے بعد اس کے سورۃ فلق ہے جو ایک تاریک زمانہ اور عورتوں کی مکاری کی خبر دے رہی ہے اور پھر آخر ایسے گروہ سے پناہ مانگنے کا حکم ہے جو شیطان کے زیر سایہ چلتا ہے۔ اس ترتیب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی گروہ ہے جس کو دوسرے لفظوں میں شیطان کہا ہے اور اخیر میں اس گروہ کے ذکر سے اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ آخری زمانہ میں اس گروہ کا غلبہ ہوگا جن کے ساتھ نفثت فی العقد ہوں گی یعنی ایسی عیسائی عورتیں جو گھروں میں پھر کر کوشش کریں گی کہ عورتوں کو خاوندوں سے علیحدہ کریں اور عقد نکاح کو توڑیں۔ **خوب یاد رکھنا چاہیے کہ یہ تینوں سورتیں قرآن شریف کی دجالی زمانہ کی خبر دے رہی ہیں اور حکم ہے کہ اس زمانہ سے خدا کی پناہ مانگو تا اس شر سے محفوظ رہو۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ شرور صرف آسمانی انوار اور برکات سے دور رہوں گے جن کو آسمانی مسیح اپنے ساتھ لائے گا۔** (ایام الصلح ۔ر۔خ جلد 14 صفحہ 296 تا 297)

حضرت اقدسؑ مثیل آدمؑ ہیں

جیسے سورہ فاتحہ کو الضَّآلِّیْنَ پرختم کیا تھا ویسے آخری سورۃ میں خناس کے ذکر پرختم کیا تا کہ خناس اور ضالین کا تعلق معلوم ہو اور آدم کے وقت میں بھی خناس جس کو عبرانی زبان میں نحاش کہتے ہیں جنگ کے لئے آیا تھا **اس وقت بھی مسیح موعود کے زمانہ میں جو آدم کا مثیل بھی ہے ضروری تھا کہ وہی نحاش ایک دوسرے لباس میں آتا اور** اسی لئے عیسائیوں اور مسلمانوں نے باتفاق یہ بات تسلیم کی ہے کہ آخری زمانہ میں آدم اور شیطان کی ایک عظیم الشان لڑائی ہوگی جس میں شیطان ہلاک کیا جاوے گا۔ اب ان تمام امور کو دیکھ کر ایک خدا ترس آدمی ڈر جاتا ہے۔ کیا یہ میرے اپنے بنائے ہوئے امور ہیں جو خدا نے جمع کر دیئے ہیں۔

کس طرح ایک دائرہ کی طرح خدا نے اس سلسلہ کو رکھا ہوا ہے۔ ولا الضالین پر سورت فاتحہ کو جو قرآن کا آغاز ہے ختم کیا اور پھر قرآن شریف کے آخر میں وہ سورتیں رکھیں جن کا تعلق سورت فاتحہ کے انجام سے ہے۔ ادھر مسیح اور آدم کی مماثلت ٹھہرائی اور مجھے مسیح موعود بنایا تو ساتھ ہی آدم بھی میرا نام رکھا۔ یہ باتیں معمولی باتیں نہیں ہیں یہ ایک علمی سلسلہ ہے جس کو کوئی رد نہیں کر سکتا کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اس کی بنیاد رکھی ہے۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 170)

دجال سے مراد نصاریٰ کا گروہ ہے

بڑی غور طلب بات یہ ہے کہ قرآن شریف نے ابتداء میں بھی ان (عیسائیوں) کا ذکر کیا ہے جیسے کہ وَلَاالضَّآلِّیْنَ پر سورہ فاتحہ کو ختم کیا اور پھر قرآن شریف کو بھی اسی پر تمام کیا کہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ سے لے کر قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تک غور کرو اور **وسط قرآن میں بھی ان کا ہی ذکر کیا اور** تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ **(مریم:91) کہا۔ بتاؤ اس دجال کا بھی کہیں ذکر کیا جس کا ایک خیالی نقشہ اپنے دلوں میں بنائے بیٹھے ہیں۔ پھر حدیث میں آیا ہے کہ دجال کے لئے سورہ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھو اس میں بھی ان کا ہی ذکر ہے۔ اور احادیث میں ریل کا بھی ذکر ہے۔ غرض جہاں تک غور کیا جاوے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ امر ذہن میں آجاتا ہے کہ دجال سے مراد یہی نصاریٰ کا گروہ ہے۔** (ملفوظات جلد دوم صفحہ 352)

دجال مسیح موعود کے مقابلہ میں ہلاک ہوگا

جن وہ ہے جو چھپ کر وار کرے اور پیار کے رنگ میں دشمنی کرتے ہیں۔ وہی پیار جو حوا سے آکر نحاش نے کیا تھا۔ اس پیار کا انجام وہی ہونا چاہیے جو ابتداء میں ہوا۔ آدم پر اس سے مصیبت آئی۔ اس وقت وہ گویا خدا سے بڑھ کر خیر خواہ ہو گیا۔ اسطرح یہ بھی وہی حیات ابدی پیش کرتے ہیں جو شیطان نے کی تھی۔ اس لئے قرآن شریف نے اول اور آخر اس پر ختم کیا۔ اس میں یہ سر تھا کہ تا بتایا جاوے کہ ایک آدم آخر میں بھی آنے والا ہے۔ قرآن شریف

کے اول یعنی سورہ فاتحہ کو ولا الضالین پر ختم کیا۔ یہ امر تمام مفسر بالاتفاق مانتے ہیں کہ ضالین سے عیسائی مراد ہیں اور آخر جس پر ختم ہوا وہ یہ ہے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۔مَلِکِ النَّاسِ اِلٰہِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ۔الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۔مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ ۔سورہ الناس سے پہلے **قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ** میں خدا تعالیٰ کی توحید بیان فرمائی اور اس طرح پر گویا تثلیث کی تردید کی۔اس کے بعد سورۃ الناس کا بیان کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ عیسائیوں کیطرف اشارہ ہے۔پس آخری وصیت یہ کی شیطان سے بچتے رہو۔یہ شیطان وہی نحاش ہے جس کو اس سورت میں خناس کہا۔جس سے بچنے کی ہدایت کی۔اور یہ جو فرمایا کہ رب کی پناہ میں آؤ اس سے معلوم ہوا کہ یہ جسمانی امور نہیں ہیں بلکہ روحانی ہیں۔خدا کی معرفت، معارف اور حقائق پر پکے ہو جاؤ تو اس سے بچ جاؤ گے اس آخری زمانہ میں شیطان اور آدم کی آخری جنگ کا خاص ذکر ہے۔شیطان کی لڑائی خدا اور اس کے فرشتوں سے آدم کے ساتھ ہو کر ہوتی ہے۔**اور خدا تعالیٰ اس کے ہلاک کرنے کو پورے سامان کے ساتھ اترے گا اور خدا کا مسیح اس کا مقابلہ کرے گا یہ لفظ مشیح ہے جس کے معنی خلیفہ ہیں عربی اور عبرانی میں۔حدیثوں میں مسیح لکھا ہے اور قرآن شریف میں خلیفہ لکھا ہے۔غرض اس کیلئے مقدر تھا کہ اس آخری جنگ میں خاتم الخلفاء جو چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہو۔کامیاب ہو۔** (ملفوظات جلد دوم صفحہ 144)

سورۃ الفلق اور الناس میں مسیح موعود کے زمانے کا ذکر ہے

غرض سورہ تبت میں غیر المغضوب علیھم کے فتنہ کی طرف اشارہ ہے اور ولا الضالین کے مقابل قرآن شریف کے آخر میں سورہ اخلاص ہے اور اسکے بعد کی دونوں سورتیں سورۃ الفلق سورۃ الناس اور ان دونوں کی تفسیر ہیں۔**ان دونوں سورتوں میں تیرہ و تار زمانہ سے پناہ مانگی گئی ہے۔جبکہ مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ لگا کر مغضوب علیھم کا فتنہ پیدا ہو گا اور عیسائیت کی ضلالت اور ظلمت دنیا پر محیط ہونے لگے گی** پس جیسے سورہ فاتحہ جو ابتدائے قرآن ہے ان دونوں بلاؤں سے محفوظ رہنے کی دعا سکھائی گئی ہے اسی طرح قرآنِ شریف کے آخر میں بھی ان فتنوں سے محفوظ رہنے کی دعا تعلیم کی تا کہ یہ ثابت ہو جاوے کہ اول با آخر نسبتے دارد۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 169)

کہو کہ تم یوں دعا مانگا کرو کہ ہم وسوسہ انداز شیطان کے وسوسوں سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے اور ان کو دین سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے کبھی بطور خود اور کبھی کسی انسان میں ہو کر خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔وہ خدا جو انسانوں کا پرورندہ ہے ،انسانوں کا بادشاہ ہے،انسانوں کا خدا ہے ،یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک زمانہ آنے والا ہے جو اس میں نہ ہمدردی انسانی رہے گی جو پرورش کی جڑ ہے اور نہ سچا انصاف رہے گا جو بادشاہت کی شرط ہے تب اس زمانے میں خدا ہی خدا ہو گا جو مصیبت زدوں کا مرجع ہو گا **یہ تمام کلمات آخری زمانہ کی طرف اشارات ہیں جب کہ امان اور امانت دنیا سے اٹھ جائے گی۔** (تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ جلد 17 صفحہ 221 تا 222)

حضرت اقدسؑ کا ذکر

قرآن کریم کی آخری تین سورتوں میں یکجا طور پر

سورۃ اخلاص ۔سورۃ فلق ۔سورۃ الناس

سواب یہ وہی فتنہ کا زمانہ ہے جس میں تم آج ہو۔ تیرہ سو برس کی پیشگوئی جو سورۃ فاتحہ میں تھی آج تم میں اور تمہارے ملک میں پوری ہوئی اور اس فتنہ کی جڑ مشرق ہی نکلا ۔اور جیسا کہ اس فتنہ کا ذکر قرآن کے ابتداء میں فرمایا گیا۔ایسا ہی قرآن شریف کے انتہا میں بھی ذکر فرمادیا تا یہ امر موکد ہو کر دلوں میں بیٹھ جائے ۔ابتدائی ذکر جو سورہ فاتحہ میں ہے وہ تو تم بار بار سن چکے ہو۔اور انتہائی ذکر یعنی جو قرآن شریف کے آخر میں اس فتنۂ عظیمہ کا ذکر ہے اس کی ہم کچھ اور تفصیل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ سورتیں یہ ہیں۔

(1۔سورۃ) قل هو الله احدo الله لصمدo لم يلد ولم يولدo
ولم يكن له كفو ا احد o

(2۔سورۃ) قل اعو ذ برب الفلق oمن شر ما خلق oومن شر غاسق اذا وقبo
ومن شر النّٰفّٰثت فى العقدoومن شرّ حاسد اذا حسدo

(3۔سورۃ) قل اعو ذ بر ب الناس oملك الناس oاله الناسo من شر الوسواس
الخنّاسoالذى يو سوس فى صدور الناسoمن الجنّة والنّاس o

ترجمہ: **تم اے مسلمانو! نصاریٰ سے کہو کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔ اور تم جو نصاریٰ کا فتنہ دیکھو گے اور مسیح موعود کے دشمنوں کا نشانہ بنو گے یوں دعا مانگا کرو** کہ میں تمام مخلوق کے شر سے جو اندرونی اور بیرونی دشمن ہیں اس خدا کی پناہ مانگتا ہوں جو صبح کا مالک ہے۔ یعنی روشنی کا ظاہر کرنا اس کے اختیار میں ہے اور میں اس اندھیری رات کے اس شر سے جو عیسائیت کے فتنہ اور انکار مسیح موعود کے فتنہ کی رات ہے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس وقت کے لئے یہ دعا ہے جبکہ تاریکی اپنے کمال کو پہنچ جائے۔ اور میں خدا کی پناہ ان زن مزاج لوگوں کی شرارت سے مانگتا ہوں جو گنڈوں پر پڑھ پڑھ کر پھونکتے ہیں

یعنی جو عقدے شریعت محمدیہ میں قابل حل ہیں اور جو ایسے مشکلات اور معضلات ہیں جن پر جاہل مخالف اعتراض کرتے ہیں اور ذریعہ تکذیب دین ٹھیراتے ہیں ان پر اور بھی عناد کی وجہ سے پھونکیں مارتے ہیں یعنی شریر لوگ اسلامی دقیق مسائل کو جو ایک عقدہ کی شکل پر ہیں دھوکہ دہی کے طور پر ایک پیچیدہ اعتراض کی صورت پر بنا دیتے ہیں تا لوگوں کو گمراہ کریں۔ان نظری امور پر اپنی طرف سے کچھ حاشیے لگا دیتے ہیں اور یہ لوگ دو قسم کے ہیں۔ایک تو صریح مخالف اور دشمن دیں ہیں جیسے پادری جو ایسی تراش خراش سے اعتراض بناتے رہتے ہیں۔اور دوسرے وہ علماء اسلام ہیں جو اپنی غلطی کو چھوڑنا نہیں چاہتے اور نفسانی پھونکوں سے خدا کے فطری دین میں عقدے پیدا کر دیتے ہیں اور زنانہ خصلت رکھتے ہیں کہ کسی مرد خدا کے سامنے میدان میں نہیں آسکتے صرف اپنے اعتراضات کو تحریف تبدیل کی پھونکوں سے عقدہ لاینحل کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح پر زیادہ تر مشکلات خدا کے مصلح کی راہ میں ڈال دیتے ہیں۔وہ قرآن کے مکذب ہیں کہ اس کی منشاء کے برخلاف اصرار کرتے ہیں۔اور اپنے ایسے افعال سے جو مخالفِ قرآن ہیں اور دشمنوں کے عقائد سے ہمرنگ ہیں دشمنوں کو مدد دیتے ہیں۔پس اس طرح ان عقدوں میں پھونک مار کر انکو لاینحل بنانا چاہتے ہیں۔پس ہم ان کی شرارتوں سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں اور نیز ہم ان لوگوں کی شرارتوں سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں جو حسد کرتے اور حسد کے طریقے سوچتے ہیں اور ہم اس وقت سے پناہ مانگتے ہیں جب وہ حسد کرنے لگیں۔اور کہو کہ تم یوں دعا مانگا کرو کہ ہم وسوسہ انداز شیطان کے وسوسوں سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے اور ان کو دین سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے کبھی بطور خود اور کبھی کسی انسان میں ہو کر۔خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

(تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ جلد 17 صفحہ 220 تا 222)

باب سوم

فہمِ قرآن اور علومِ قرآن

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۔ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ آبَآؤُهُمْ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلَ الْمُجْرِمِيْنَ قُلْ اِنِّيْ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔

اس الہام کے رو سے خدا نے مجھے علوم قرآنی عطا کئے ہیں۔ اور میرا نام اول المومنین رکھا۔ اور مجھے سمندر کی طرح معارف اور حقائق سے بھر دیا ہے اور مجھے بار بار الہام دیا ہے کہ اس زمانہ میں کوئی معرفت الٰہی اور کوئی محبت الٰہی تیری معرفت اور محبت کے برابر نہیں۔ پس بخدا میں کشتی کے میدان میں کھڑا ہوں۔ جو شخص مجھے قبول نہیں کرتا۔ عنقریب وہ مرنے کے بعد شرمندہ ہوگا۔ اور اب حجۃ اللہ کے نیچے ہے۔ اے عزیز کوئی کام دنیا کا ہو یا دین کا بغیر لیاقت کے نہیں ہوسکتا۔

(ضرورت الامام۔ ر۔خ جلد13 صفحہ 502)

باغ مُرجھایا ہوا تھا گر گئے تھے سب ثمر
مَیں خدا کا فضل لایا پھر ہوئے پیدا ثمار

مرہمِ عیسیٰ نے دی تھی محض عیسےٰ کو شفا
میری مرہم سے شفا پائے گا ہر ملک و دیار

جھانکتے تھے نور کو وہ روزنِ دیوار سے
لیک جب دَر کُھل گئے پھر ہو گئے شپّر شعار

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے
اب مَیں دیتا ہوں اگر کوئی مِلے اُمیدوار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ر۔خ جلد21 صفحہ 147)

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	پہلی فصل	
1	اسماءِ قرآنِ کریم	309
2	ابتداءِ قرآن	311
3	تلاوتِ قرآن سے قبل استعاذہ کا حکم	312
4	تلاوتِ قرآن کریم کی تلقین	//
5	قرآن شریف کی ایک برکت	313
6	آداب تلاوت قرآنِ کریم	//
7	تلاوت قرآن خوش الحانی سے کرنا	314
8	تلاوت قرآن کریم اور اعمالِ صالحہ	//
9	تلاوت قرآن اور معارف قرآن	315
10	قرآن کریم کو ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ پڑھنا	316
11	قرآن کریم کا صرف ترجمہ	//
12	غلط اور ناپاک تلاوت قرآن	317
13	قرآن کی قرأت دیگر (مختلفہ)۔ دوسری قرأت حدیث صحیح کا حکم رکھتی ہے۔	318
14	حضرت اقدسؑ نے دوسری قرأت اختیار فرمائی	319
15	قرأت ثانیہ کی حکمت	//
	دوسری فصل	
16	انداز نزول قرآن	320
17	معارف قرآن کا نزول تدریجی ہے	//
18	نزول قرآن آنحضرتؐ پر کیوں ہوا؟	322
19	نزول قرآن ضرورتِ حقہ کے مطابق ہوا ہے	323
	تیسری فصل مقاصدِ نزولِ قرآن	
20	قرآن کریم کی علت غائی تقویٰ ہے	325
21	مقصد نزول قرآن اور اصلاح ثلاثہ	//
22	قرآن کریم کی تین صفات	//
23	تاریکی سے نکال کر نور میں داخل کرنا	326
24	قرآن ہر استعداد کی تکمیل کے لئے نازل ہوا ہے	//
	چوتھی فصل	
25	فہم قرآن۔ ہر انسان کی استعداد کے مطابق ہے	327
26	تفاوت مراتب کی حکمت	328
27	قرآن کی وہ تعلیم جو مدارِ ایمان ہے وہ عام فہم ہے	//
28	فہمِ قرآن کے مدارج	329
29	فہمِ قرآن کے شرائط	330
30	قرآن شریف غیر محدود معارف رکھتا ہے	331
31	قرآن کریم کی تفصیل	332
32	قرآن شریف میں غیر محدود معارف ہونے کا فلسفہ	333
33	قرآن کریم ذوالمعارف ہے	334
34	قرآن کریم۔ ذوالمعارف وذوالمعانی ہے......امثال	335

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
35	قرآنی حقائق ومعارف ضرورت زمانہ کے مطابق نازل ہوتے ہیں	338
	پانچویں فصل قرآن۔کتابِ مکنون	
36	قرآنی تعلیم انسانی فطرت کے مطابق ہے	340
37	روحانی اور جسمانی نظام باہم مخالف نہیں ہیں	341
38	عالم صغیر اور عالم کبیر کا نظام مشابہ ہے	342
39	خدا کا قول اور فعل باہم مطابق ہیں	//
40	قرآن کا نام ذکر ہے	343
	چھٹی فصل	
41	قرآن حکیم کی پیشگوئیاں۔قرآنی قصے دراصل پیشگوئیاں ہیں	344
42	قرآن بہت سی پیشگوئیوں سے بھرا پڑا ہے	//
43	قرآن میں انذاری پیشگوئیاں مشروط ہیں	//
44	آنحضرتؐ کے بارے میں پیشگوئی	345
45	اسلام کے بارے میں پیشگوئیاں	346
46	آخری زمانہ کی پیشگوئیاں	347
47	ریل کی پیشگوئی	//
48	یاجوج ماجوج اور دجال کی پیشگوئی	348
49	پیشگوئیوں میں اخفا اور متشابہات ضروری ہے	//
	ساتویں فصل قصص قرآن حکیم	
50	قصص اور ہدایت میں فرق ہے	348
51	قصص قرآن علمی حقیقت رکھتے ہیں۔	352
	سلسلہ احمدیہ نے قرآنی قصوں کو بھی ایک فلسفہ کی صورت میں پیش کیا	//
52	قرآن کریم کے احسانات	352
53	بہشت ودوزخ کی حقیقت	353
54	قرآنی قصص کے فوائد	355
55	معانیءِ قرآن اور قصص قرآن	356
	آٹھویں فصل	
	مقطعات اور نسخ آیات	
56	مقطعات	357
57	نسخ آیاتِ قرآنیہ۔ناسخ منسوخ	359
58	حضرت اقدسؑ کا عقیدہ اور تنسیخ آیات قرآنیہ	360
	نویں فصل اللہ تعالیٰ کا قسم کھانا	
59	اسلام میں قسم کھانا جائز ہے	361
60	قسم کی فلاسفی	//
61	غیر اللہ کی قسم کھانا کلمۂ کفر ہے	362
62	اللہ تعالیٰ غیر اللہ کی نہیں بلکہ اپنے افعال کی قسم کھاتا ہے	363
63	قسم۔جسمانی نظام کو روحانی نظام کی تصدیق کرنے کی غرض سے ہے	//
	دسویں فصل حفاظتِ قرآن کریم	
64	حفاظتِ قرآن کریم کی قرآنی پیشگوئی	364
65	تعریف۔حفاظتِ قرآن	//
66	قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ دائمی ہے	365
67	تکمیل وعدۂ حفاظتِ قرآن مختلف ذرائع سے	366
68	معنوی حفاظت کے اعتبار سے	367
69	ارسالِ مجددین اور مرسلین کے ذریعہ سے	//
70	بعثت حضرت اقدسؑ کے ذریعہ سے	370
71	حفاظتِ قرآن کریم تاثیرات کے	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	ذریعہ سے	371
	گیارھویں فصل	
	عظمت قرآن کریم بمقابل دیگر صحف سماوی	
72	قرآن کریم ایک کامل کتاب ہے۔ دیگر صحف کی تکمیل کرتا ہے۔	372
73	دیگر کتب مختص الزمان مختص القوم تھیں	373
74	قرآن کریم گذشتہ تعلیموں کا متمم اور مکمل ہے	375
75	قرآن کریم دنیا کی تمام اقوام کیلئے آیا ہے	376
76	دیگر صحف سماوی محرف مبدل ہیں	377
77	قرآن حکیم کی وحی اولین اور آخرین کی وحیوں سے اقویٰ اور اکمل اور ارفع ہے	379
78	وحی صاحب وحی کی فطرت کے مطابق ہوتی ہے	380
79	قرآن کریم ہر الہام پر مہیمن ہے	381
80	قرآن کریم معجزہ ہے اور بے مثل ہے	382
81	آنحضرتؐ پر سب سے اعلیٰ وحی کی تجلی ہوئی	384
82	قرآن کا حقیقی معجزہ	385
83	قرآن باطل سے پاک ہے	//
84	نبی کریمؐ خاتم الانبیاء ہیں قرآن کریم آخری شریعت ہے	386
85	قرآن کریم ایک کامل کتاب ہے	388
86	کامل کتاب کی تعریف	//
87	قرآن جمیع کتب کی خوبیوں کا جامع ہے	391
88	قرآن کریم تمام انسانوں کو ایک قوم بنادے گا	392
89	قرآن کریم پہلی کتابوں کا مصدق ہے	393
90	جو علوم قرآن لے کر آیا ہے وہ دنیا کی کسی کتاب میں نہیں	395
	بارھویں فصل	
91	تاثیرات قرآن کریم	396
	تیرھویں فصل	
92	اسالیب قرآن کریم۔ اصولی فرمودات	402
93	قرآن کریم کا طرز بیان مختلف ہے	//
94	قرآن طرز موزون اور معتدل پر نازل ہوا ہے	403
95	قرآن کی تعلیم قانون قدرت کے مطابق ہے	//
96	اسلوب قرآن تکرار بیان کے اعتبار سے	404
97	باعتبار اقوال غیر اللہ	406
98	سیاق وسباق بیان کے اعتبار سے	407
99	محاورۂ قرآن کے اعتبار سے	408
100	اسالیب ادب کے اعتبار سے	//
101	منطقی دستور کے اعتبار سے	409
102	ربط کلام کے اعتبار سے	//
103	ابجد اور حساب جمل کے اعتبار سے	410
104	تقابل بیان کے اعتبار سے	411
105	قرآن کریم کے بیان میں ایک ترتیب ہے	413
106	قرآن کریم میں اول سے آخر تک ظاہری ترتیب کا لحاظ رکھا ہے	414
107	قرآن کریم کے بیان میں ترتیب کی اہمیت	//
108	قرآن کریم کی ترتیب الفاظ معجزانہ ہے	415
109	ترتیب مضامین قرآن واقعات خارجیہ	

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ	نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
	کے مطابق ہے	416	121	مذہب اسلام کے اعتبار سے	432
110	قرآن کریم کے بیان کی ترتیب		122	رفع اختلافات کے اعتبار سے	//
	صحیفۂ قدرت کے مطابق ہے	417	123	اقوام کے ذکر کے اعتبار سے	433
111	قرآن کریم کی ترتیب بیان ادنیٰ سے		124	علوم حکمیہ کے اعتبار سے	434
	اعلیٰ کی طرف	418	125	فطرت انسانی کے اعتبار سے	435
112	قرآن کریم کی ترتیب بیان کا لحاظ نہ		126	حضرت اقدسؑ کے ذکر کے اعتبار سے	436
	رکھنا تحریف قرآن ہے	419	127	دوگروہوں کے اعتبار سے	437
113	ترتیب مضامین قرآن۔ ابتداء اوربطن			**پندرھویں فصل** موازنہ قرآن وحدیث	
	اور آخر کے اعتبار سے	420	128	حضرت اقدسؑ کے الہام کشوف ورویاء	438
114	سورۃ الفاتحہ کے مضامین کی تفصیل		129	قرآن یقینی اور قطعی کلام ہے	439
	بطن قرآن میں بیان ہوئی ہے	421	130	قرآن۔صحتِ حدیث پرمحک اور مہیمن ہے	443
115	آخر قرآن میں فاتحہ کے مضامین کو		131	قرآن کی قطعیت۔قرآن کی حفاظت	
	دوبارہ بیان کیا گیا ہے	422		کے اعتبار سے	//
	چودھویں فصل		132	منصب حدیث	444
116	مضامین اور موضوعات قرآن حکیم۔		133	حدیث اورسنت میں فرق	445
	اصولی اور مجموعی فرمودات	424	134	صحابہؓ۔علماءِسلف اور محدثین کا مذہب	//
117	موضوعات قرآنیہ	426	135	قرآن اور حدیث میں اختلاف	447
118	قرآن کریم کا مرکزی موضوع		136	سچی اور صحیح حدیث کی پہچان	448
	توحید باری تعالیٰ	427	137	صحتِ حدیث اور حکم وعدل کا فیصلہ	449
119	کلمۂ توحید۔قرآن کریم کی تعلیم کا		138	حضرت اقدسؑ کا مذہب	450
	خلاصہ ہے۔	428	139	جماعت کونصیحت	//
120	محبتِ الٰہی	430			

پہلی فصل

اسماءِ قرآن کریم

(۱) میں نے قرآن کے لفظ میں غور کی تب مجھ پر کھلا کہ اس مبارک لفظ میں ایک زبردست پیشگوئی ہے وہ یہ ہے کہ یہی قرآن یعنی پڑھنے کے لائق کتاب ہے اور ایک زمانہ میں تو اور بھی زیادہ یہی پڑھنے کے لائق کتاب ہوگی جبکہ اور کتابیں بھی پڑھنے میں اسکے ساتھ شریک کی جائیں گی۔ اس وقت اسلام کی عزت بچانے کے لئے اور بطلان کا استیصال کرنے کے لئے یہی ایک کتاب پڑھنے کے قابل ہوگی اور دیگر کتابیں قطعاً چھوڑ دینے کے لائق ہوں گی اور فرمایا فرقان کے بھی یہی معنے ہیں یعنی یہی ایک کتاب حق و باطل میں فرق کرنے والی ٹھہرے گی اور کوئی حدیث کی یا اور کوئی کتاب اس حیثیت اور پایہ کی نہ ہوگی......اب سب کتابیں چھوڑ دو اور رات دن کتاب اللہ ہی کو پڑھو۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 386)

(۲۔۳) برہان اور نور مبین

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْجَآءَ کُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًامُّبِیْنًا۔ (النساء 175)

لوگو تمہارے پاس یہ یقینی برہان پہنچی ہے اور ایک کھلا نور تمہاری طرف ہم نے اتارا ہے۔ (نورالقرآن ۔ر۔خ جلد9 صفحہ 334)

(۴) فرقان وَ اِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَا لْفُرْقَانَ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ۔ (البقرۃ : 54)

فرقان......حق و باطل میں فرق کرنے والی۔ (ملفوظات جلد1 صفحہ 386)

(۵) کتاب قرآن شریف کا نام کتاب بھی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ الم ذلک الکتاب لا ریب فیه (البقرۃ: 2-3) لا رطب و لا یا بس الا فی کتاب مبین۔ (الانعام : 60) (اسلامی اصول کی فلاسفی ۔ر۔خ جلد10 صفحہ 177 حاشیہ)

(۶) الحق وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَھَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا۔ (بنی اسرائیل: 82)

کئی مقام قرآن شریف میں اشارات و تصریحات سے بیان ہوا ہے کہ آنحضرت (ﷺ) مظہر اتم الوہیت ہیں اور ان کا کلام خدا کا کلام اور ان کا ظہور خدا کا ظہور اور ان کا آنا خدا کا آنا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں اس بارے میں ایک یہ آیت بھی ہے قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا کہ حق آیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل نے بھاگنا ہی تھا۔ حق سے مراد اس جگہ اللہ جل شانہ اور قرآن شریف اور آنحضرت (ﷺ) ہیں اور باطل سے مراد شیطان اور شیطان کا گروہ اور شیطانی تعلیمیں ہیں۔ (سرمہ چشم آریہ ۔ر۔خ۔ جلد2 صفحہ 277 حاشیہ)

(۷) بصائر وَ اِذَا لَمْ تَاْتِھِمْ بِاٰیَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَیْتَھَا قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ ھٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ وَھُدًی وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔ (الاعراف : 204)

اور جس دن تو ان کو کوئی آیت نہیں سناتا۔ اس دن کہتے ہیں کہ آج تو نے کوئی آیت کیوں نہ گھڑی ان کو کہہ کہ میں تو اسی کلام کی پیروی کرتا ہوں کہ جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر نازل ہو رہا ہے اپنے دل سے گھڑ لینا میرا کام نہیں اور نہ یہ ایسی باتیں ہیں کہ جن کو انسان اپنے افتراء سے گھڑ سکے یہ تو میرے رب کی طرف سے بصائر ہیں یعنی اپنے منجانب اللہ ہونے پر آپ ہی روشن دلیلیں ہیں اور ایمانداروں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

(براھین احمدیہ ۔ر۔خ جلد1 صفحہ 277، 278 حاشیہ)

(۸) الخیر

قرآن شریف کو خدا تعالیٰ نے خیر کہا ہے چنانچہ فرمایا وَ مَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا پس **قرآن شریف معارف اور علوم کے مال کا خزانہ ہے**۔ خدا تعالیٰ نے قرآنی معارف اور علوم کا نام بھی مال رکھا ہے۔ دنیا کی برکتیں بھی اسی کے ساتھ آتی ہیں۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 530)

(۹) شفاء

شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ۔ (یونس: 58)

یعنی قرآن اپنی خاصیت سے تمام بیماریوں کو دور کرتا ہے۔ اس لئے اس کو منقولی کتاب نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کے معقول دلائل اپنے ساتھ رکھتا اور ایک چمکتا ہوا نور اس میں پایا جاتا ہے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ جلد 10 صفحہ 433)

(۱۰) ذکر اب دیکھو۔ قرآن کریم کا نام ذکر رکھا گیا ہے۔ **اس لئے کہ وہ انسان کی اندرونی شریعت یاد دلاتا ہے**۔ جب اسم فاعل کو مصدر کی صورت میں لاتے ہیں۔ تو وہ مبالغہ کا کام دیتا ہے۔ جیسا زَیْدٌ عَدْلٌ۔ کیا معنے؟ زید بہت عادل ہے۔ قرآن کوئی نئی تعلیم نہیں لایا۔ بلکہ اس اندرونی شریعت کو یاد دلاتا ہے۔ جو انسان کے اندر مختلف طاقتوں کی صورت میں رکھی ہے۔ حلم ہے۔ ایثار ہے۔ شجاعت ہے۔ جبر ہے۔ غضب ہے۔ قناعت ہے وغیرہ۔ غرض جو فطرت باطن میں رکھی تھی۔ قرآن نے اسے یاد دلایا۔ جیسے فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ (الواقعہ:79) یعنی صحیفہ فطرت میں کہ جو چھپی ہوئی کتاب تھی اور جس کو ہر ایک شخص نہ دیکھ سکتا تھا۔ اسی طرح اس کتاب کا نام ذکر بیان کیا۔ تاکہ وہ پڑھی جاوے تو وہ اندرونی اور روحانی قوتوں اور اس نور قلب کو جو آسمانی ودیعت انسان کے اندر ہے یاد دلاوے۔ (ملفوظات۔ جلد اول صفحہ 60)

(۱۱) قول فصل۔ (۱۲) میزان۔ (۱۳) امام۔ (۱۴) نور

جو صفات اللہ جل شانہٗ نے قرآن کریم کیلئے آپ بیان فرمائی ہیں۔ کیا ان پر ایمان لانا فرض ہے یا نہیں؟ اور اگر فرض ہے تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس سبحانہٗ نے قرآن کریم کا نام عام طور پر قول فصل اور فرقان اور میزان اور امام اور نور نہیں رکھا؟ اور کیا اس کو جمیع اختلافات کے دور کرنے کا آلہ نہیں ٹھہرایا؟ اور کیا یہ نہیں فرمایا کہ اس میں ہر ایک چیز کی تفصیل ہے؟ اور ہر ایک امر کا بیان ہے اور کیا یہ نہیں لکھا کہ اس کے فیصلہ کے مخالف کوئی حدیث ماننے کے لائق نہیں؟ اور اگر یہ سب باتیں سچ ہیں تو کیا مومن کیلئے ضروری نہیں جو ان پر ایمان لاوے اور زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرے؟ اور واقعی طور پر اپنا یہ اعتقاد رکھے کہ حقیقت میں قرآن کریم معیار اور حکم اور امام ہے۔ (الحق مباحثہ لدھیانہ۔ ر۔خ جلد 4 صفحہ 92)

ابتداء قرآن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ آیت سورۃ ممدوحہ کی آیتوں میں سے پہلی آیت ہے اور قرآن شریف کی دوسری سورتوں پر بھی لکھی گئی ہے اور ایک اور جگہ بھی قرآن شریف میں یہ آیت آئی ہے اور جس قدر تکرار اس آیت کا قرآن شریف میں بکثرت پایا جاتا ہے اور کسی آیت میں اس قدر تکرار نہیں پایا جاتا اور چونکہ اسلام میں یہ سنت ٹھہر گئی ہے کہ ہریک کام کے ابتدا میں جس میں خیر اور برکت مطلوب ہو بطریق تبرک اور استمداد اس آیت کو پڑھ لیتے ہیں اس لیے یہ آیت دشمنوں اور دوستوں اور چھوٹوں اور بڑوں میں شہرت پا گئی ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص تمام قرآنی آیات سے بے خبر مطلق ہو تب بھی امید قوی ہے کہ اس آیت سے ہرگز اس کو بے خبری نہیں ہوگی۔

اب یہ آیت جن کامل صداقتوں پر مشتمل ہے ان کو بھی سن لینا چاہیے سو منجملہ ان کے ایک یہ کہ اصل مطلب اس آیت کے نزول سے یہ ہے کہ تا عاجز اور بے خبر بندوں کو اس نکتۂ معرفت کی تعلیم کی جائے کہ ذات واجب الوجود کا اسم اعظم جو اللہ ہے کہ جو اصطلاح قرآنی ربانی کے رو سے ذات مستجمع جمیع صفات کاملہ اور منزہ عن جمیع رذائل اور معبود برحق اور واحد لاشریک اور مبدء جمیع فیوض پر بولا جاتا ہے اس اسم اعظم کی بہت سی صفات میں سے جو **دو صفتیں بسم اللہ میں بیان کی گئی ہیں یعنی صفت رحمانیت و رحیمیت انہیں دو صفتوں کے تقاضا سے کلام الٰہی کا نزول اور اس کے انوار و برکات کا صدور ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ خدا کے پاک کلام کا دنیا میں اترنا اور بندوں کو اس سے مطلع کیا جانا یہ صفت رحمانیت کا تقاضا ہے** کیونکہ صفت رحمانیت کی کیفیت (جیسا کہ آگے بھی تفصیل سے لکھا جائے گا) یہ ہے کہ وہ صفت بغیر سبقت عمل کسی عامل کے محض جود اور بخشش الٰہی کے جوش سے ظہور میں آتی ہے جیسا خدا نے سورج اور چاند اور پانی اور ہوا وغیرہ کو بندوں کی بھلائی کے لئے پیدا کیا ہے یہ تمام جود اور بخشش صفت رحمانیت کے رو سے ہے اور کوئی شخص دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ چیزیں میرے کسی عمل کی پاداش میں بنائی گئی ہیں اسی طرح خدا کا کلام بھی کہ جو بندوں کی اصلاح اور راہ نمائی کے لیے اترا وہ بھی اس صفت کے رو سے اترا ہے اور کوئی ایسا متنفس نہیں کہ یہ دعویٰ کر سکے کہ میرے کسی عمل یا مجاہدہ یا کسی پاک باطنی کے اجر میں خدا کا پاک کلام کہ جو اس کی شریعت پر مشتمل ہے نازل ہوا ہے۔ (براہین احمدیہ۔ ر۔خ جلد 1 صفحہ 414-417 حاشیہ نمبر 11)

دوسری صداقت کہ جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں مودع ہے یہ ہے کہ یہ آیت قرآن شریف کے شروع کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے اور اس کے پڑھنے سے مدعا یہ ہے کہ تا اس ذات مستجمع جمیع صفات کاملہ سے مدد طلب کی جائے جس کی صفتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ رحمان ہے اور طالب حق کے لئے محض تفضّل اور احسان سے اسباب خیر اور برکت اور رشد کے پیدا کر دیتا ہے اور دوسری صفت یہ کہ وہ رحیم ہے یعنی سعی اور کوشش کرنے والوں کی کوششوں کو ضائع نہیں کرتا بلکہ انکی جدوجہد پر ثمرات حسنہ مترتب کرتا ہے اور ان کی محنت کا پھل ان کو عطا فرماتا ہے اور یہ دونوں صفتیں یعنی رحمانیت اور رحیمیت ایسی ہیں کہ بغیر ان کے کوئی کام دنیا کا ہو یا دین کا انجام کو پہنچ نہیں سکتا اور اگر غور کر کے دیکھو تو ظاہر ہوگا کہ دنیا کی تمام مہمات کے انجام دینے کے لئے یہ دونوں صفتیں ہر وقت اور ہر لحظہ کام میں لگی ہوئی ہیں۔ (براہین احمدیہ۔ ر۔خ جلد 1 صفحہ 421 حاشیہ نمبر 11)

تلاوت قرآن سے قبل استعاذہ کا حکم

اعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم

اعلم یا طالب العرفان انه من احل نفسه محل تلاوة الفاتحة و الفرقان فعلیه ان یستعیذ من الشیطٰن کما جاء فی القراٰن فان الشیطن قدیدخل حمی الحضرة کالسارقین۔ و یدخل الحرم العاصم للمعصومین۔فارادالله ان ینجی عباده من صول الخناس عند قراء ۃ الفاتحة و کلام رب الناس۔ وید فعه بحربته منه و یضع الفاس فی الراس و یخلص الغافلین من النعاس۔ فعلم کلمته منه لطرد الشیطان المدحور الی یوم النشور۔ (اعجاز المسیح۔ر۔خ جلد18صفحہ81-82)

اے طالب معرفت جان لو کہ جب کوئی شخص سورة فاتحہ اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اعوذ باللہ من الشیطان پڑھے جیسا کہ قرآن کریم میں حکم ہے۔ کیونکہ کبھی شیطان خدا تعالیٰ کی رکھ میں چوروں کی طرح داخل ہو جاتا ہے اور اس حرم کے اندر آ جاتا ہے جو معصومین کا محافظ ہے۔ پس **اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ سورت فاتحہ اور قرآن مجید کی تلاوت کے وقت اپنے بندوں کو شیطان کے حملہ سے بچائے اسے اپنے حربہ سے پسپا کرے اس کے سر پر تبر رکھے اور غافلوں کو غفلت سے نجات دے۔** پس اس نے شیطان کو دھتکارنے کے لیے جو قیامت تک راندہ درگاہ ہے اپنے ہاں سے بندوں کو ایک بات سکھائی۔

تلاوت قرآن کریم کی تلقین

و القران الحکیم (یٰس: 3)

فرقان کے بھی یہی معنے ہیں یعنی یہی ایک کتاب حق و باطل میں فرق کرنے والی ٹھہرے گی اور کوئی حدیث کی یا اور کوئی کتاب اس حیثیت اور پایہ کی نہ ہوگی اس لئے اب سب کتابیں چھوڑ دو اور رات دن کتاب اللہ ہی کو پڑھو۔ بڑا بے ایمان ہے وہ شخص جو قرآن کریم کی طرف التفات نہ کرے اور دوسری کتابوں پر ہی رات دن جھکا رہے۔ **ہماری جماعت کو چاہیئے کہ قرآن کریم کے شغل اور تدبر میں جان و دل سے مصروف ہو جائیں اور حدیثوں کے شغل کو ترک کریں۔ بڑے تاسف کا مقام ہے کہ قرآن کریم کا وہ اعتنا اور تدارس نہیں کیا جاتا جو احادیث کا کیا جاتا ہے۔اس وقت قرآن کریم کا حربہ ہاتھ میں لو تو تمہاری فتح ہے۔اس نور کے آگے کوئی ظلمت ٹھہر نہ سکے گی۔** (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 386)

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْراً ۔ (الفرقان: 31)

مسلمانوں کی حالت اس وقت ایسی ہی ہو رہی ہے۔وہ جانتے ہیں کہ ساری ترقیوں اور کامیابیوں کی کلید یہی قرآن ہے جس پر ہم کو عمل کرنا چاہیئے۔ مگر نہیں اس کی پرواہ بھی نہیں کی جاتی۔ایک شخص جو نہایت ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ اور پھر نری ہمدردی ہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے حکم اور ایما سے اس طرف بلاوے تو اسے کذاب اور دجال کہا جاتا ہے۔اس سے بڑھ کر اور کیا قابل رحم حالت اس قوم کی ہوگی۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 140)

قرآن شریف کی ایک برکت

ایک شخص نے عرض کی کہ حضور میرے واسطے دعا کی جاوے کہ میری زبان قرآن شریف اچھی طرح ادا کرنے لگے۔قرآن شریف ادا کرنے کے قابل نہیں اور چلتی نہیں۔میری زبان کھل جاوے۔فرمایا کہ:۔

تم صبر سے قرآن شریف پڑھتے جاؤ۔اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو کھول دیگا۔**قرآن شریف میں یہ ایک برکت ہے کہ اس سے انسان کا ذہن صاف ہوتا ہے اور زبان کھل جاتی ہے۔** بلکہ اطباء بھی اس بیماری کا اکثر یہ علاج بتایا کرتے ہیں۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 105)

قرآن کو بہت پڑھنا چاہیئے اور پڑھنے کی توفیق خدا تعالیٰ سے طلب کرنی چاہیئے کیونکہ محنت کے سوا انسان کو کچھ نہیں ملتا۔ کسان کو دیکھو کہ جب وہ زمین میں ہل چلاتا ہے اور قسم قسم کی محنت اٹھاتا ہے تب پھل حاصل کرتا ہے مگر محنت کے لئے زمین کا اچھا ہونا شرط ہے۔اسی طرح انسان کا دل بھی اچھا ہو سامان بھی عمدہ ہو سب کچھ کر بھی سکے تب جا کر فائدہ پاوے گا لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۔دل کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط باندھنا چاہیئے جب یہ ہوگا تو دل خود خدا سے ڈرتا رہے گا اور جب دل ڈرتا رہتا ہے تو خدا تعالیٰ کو اپنے بندے پر خود رحم آجاتا ہے اور پھر تمام بلاؤں سے اسے بچاتا ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 233)

آداب تلاوت قرآن کریم

ایک صاحب نے سوال کیا کہ قرآن شریف کس طرح پڑھا جائے؟

حضرت اقدس نے فرمایا:۔

قرآن شریف تدبر و تفکر و غور سے پڑھنا چاہیئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے رُبَّ قَارٍ یَّلْعَنُہُ الْقُرْاٰن ۔یعنی بہت ایسے قرآن کریم کے قاری ہوتے ہیں جن پر قرآن کریم لعنت بھیجتا ہے۔جو شخص قرآن پڑھتا اور اس پر عمل نہیں کرتا اس پر قرآن مجید لعنت بھیجتا ہے۔**تلاوت کرتے وقت جب قرآن کریم کی آیت رحمت پر گذر ہو تو وہاں خدا تعالیٰ سے رحمت طلب کی جاوے اور جہاں کسی قوم کے عذاب کا ذکر ہو تو وہاں خدا تعالیٰ کے عذاب سے خدا تعالیٰ کے آگے پناہ کی درخواست کی جاوے اور تدبر و غور سے پڑھنا چاہیئے اور اس پر عمل کیا جاوے۔**

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 157)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قرآن شریف غم کی حالت میں نازل ہوا ہے۔تم بھی اسے غم ہی کی حالت میں پڑھا کرو۔اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا بہت بڑا حصہ غم و الم میں گذرا ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 152)

تلاوت قرآن خوش الحانی سے کرنا

سوال۔خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھنا کیسا ہے؟

حضرت اقدس۔**خوش الحانی سے قرآن شریف پڑھنا بھی عبادت ہے** اور بدعات جو اس کے ساتھ ملا لیتے ہیں وہاں عبادت کو ضائع کر دیتی ہیں۔ بدعات نکال نکال کر ان لوگوں نے کام خراب کیا ہے۔(ملفوظات جلد سوم صفحہ 162 حاشیہ)

قرآن شریف کو بھی خوش الحانی سے پڑھنا چاہیئے۔ بلکہ اس قدر تاکید ہے کہ جو شخص قرآن شریف کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اور خود اس میں ایک اثر ہے۔عمدہ تقریر خوش الحانی سے کی جائے تو اس کا بھی اثر ہوتا ہے۔ وہی تقریر ژولیدہ زبانی سے کی جائے تو اس میں کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جس شئے میں خدا تعالیٰ نے تاثیر رکھی ہے اس کو اسلام کی طرف کھینچنے کا آلہ بنایا جائے تو اس میں کیا حرج ہے۔ حضرت داؤد کی زبور گیتوں میں تھی جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ جب حضرت داؤد خدا تعالیٰ کی مناجات کرتے تھے تو پہاڑ بھی ان کے ساتھ روتے تھے اور پرندے بھی تسبیح کرتے تھے۔ (ملفوظات چہارم صفحہ 524)

کیا آنحضرت نے کبھی روٹیوں پر قرآن پڑھا تھا؟

اگر آپ نے ایک روٹی پر پڑھا ہوتا تو ہم ہزار پر پڑھتے ہاں **آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش الحانی سے قرآن سنا تھا اور آپ اس پر روئے بھی تھے۔** جب یہ آیت وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا (النسآء:42) آپ روئے اور فرمایا بس کر میں آگے نہیں سن سکتا۔ آپ کو اپنے گواہ گذرنے پر خیال گذرا ہوگا۔ **ہمیں خود خواہش رہتی ہے کہ کوئی خوش الحان حافظ ہو تو قرآن سنیں۔**

آنحضرت نے ہر ایک کام کا نمونہ دکھلا دیا ہے وہ ہمیں کرنا چاہیئے۔ سچے مومن کے واسطے کافی ہے کہ دیکھ لیوے کہ یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے کہ نہیں۔ اگر نہیں کیا تو کرنے کا حکم دیا ہے یا نہیں؟ **حضرت ابراہیم آپ کے جد امجد تھے اور قابل تعظیم تھے کیا وجہ کہ آپ نے انکا مولود نہ کروایا؟**

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 162-161)

تلاوت قرآن کریم اور اعمال صالحہ

انسان کا کام تو یہ ہے کہ جو کچھ منہ سے کہتا ہے اس کو سوچ کر کہے اور پھر اس کے موافق عمل درآمد بھی کرے، لیکن اگر طوطے کی طرح بولتا جاتا ہے تو یاد رکھو نری زبان سے کوئی برکت نہیں ہے۔ جب تک دل سے اس کے ساتھ نہ ہو اور اس کے موافق اعمال نہ ہوں۔ وہ نری باتیں سمجھی جائیں گی جن میں کوئی خوبی اور برکت نہیں کیونکہ وہ نرا قول ہے خواہ قرآن شریف اور استغفار ہی کیوں نہ پڑھتا ہو۔ خدا تعالیٰ اعمال چاہتا ہے اس لیے بار بار یہی حکم دیا کہ اعمال صالحہ کرو۔ جب تک یہ نہ ہو خدا کے نزدیک نہیں جا سکتے۔ بعض نادان کہتے ہیں کہ آج ہم نے دن بھر میں قرآن ختم کر لیا ہے لیکن کوئی ان سے پوچھے کہ اس سے کیا فائدہ ہوا؟ نری زبان سے تم نے کام لیا مگر باقی اعضاء کو بالکل چھوڑ دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام اعضاء اس لئے بنائے ہیں کہ ان سے کام لیا جاوے۔ **یہی وجہ کہ حدیث میں آیا ہے کہ بعض لوگ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور قرآن ان پر لعنت کرتا ہے کیونکہ ان کی تلاوت نرا قول ہی قول ہوتا اور اس پر عمل نہیں ہوتا۔** (ملفوظات جلد سوم صفحہ 611)

تقویٰ کے مضمون پر ہم کچھ شعر لکھ رہے تھے اس میں ایک مصرعہ الہامی درج ہوا۔ وہ شعر یہ ہے۔

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتّقا ہے ''اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے''

اس میں دوسرا مصرعہ الہامی ہے۔ جہاں تقویٰ نہیں وہاں حسنہ حسنہ نہیں اور کوئی نیکی نیکی نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف کی تعریف میں فرماتا ہے۔ ھدی للمتقین (البقرہ:3) قرآن بھی ان لوگوں کے لئے ہدایت کا موجب ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کریں۔ **ابتدا میں قرآن کے دیکھنے والوں کا تقویٰ یہ ہے کہ جہالت اور حسد اور بخل سے قرآن شریف کو نہ دیکھیں بلکہ نور قلب کا تقویٰ ساتھ لے کر صدق نیت سے قرآن شریف کو پڑھیں۔**

(ملفوظات جلد اول صفحہ 536)

بار بار قرآن شریف کو پڑھو اور تمہیں چاہیئے کہ برے کاموں کی تفصیل لکھتے جاؤ اور پھر خدا تعالیٰ کے فضل اور تائید سے کوشش کرو کہ ان بدیوں سے بچتے رہو۔ یہ تقویٰ کا پہلا مرحلہ ہوگا۔ جب تم ایسی سعی کرو گے تو اللہ تعالےٰ پھر تمہیں توفیق دے گا اور وہ کافوری شربت تمہیں دیا جاوے گا جس سے تمہارے گناہ کے جذبات بالکل سرد ہو جائیں گے اس کے بعد نیکیاں ہی سرزد ہونگی۔ جب تک انسان متقی نہیں بنتا یہ جام اسے نہیں دیا جاتا اور نہ اس کی عبادات اور دعاؤں میں قبولیت کا رنگ پیدا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انما یتقبل اللہ من المتقین یعنی بیشک اللہ تعالیٰ متقیوں ہی کی عبادات کو قبول فرماتا ہے۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ نماز روزہ بھی متقیوں ہی کا قبول ہوتا ہے۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 656)

تلاوت قرآن اور معارف قرآن

غرض قرآن شریف کی اصل غرض اور غایت دنیا کو تقویٰ کی تعلیم دینا ہے۔ جس کے ذریعہ وہ ہدایت کے منشاء کو حاصل کر سکے۔ اب اس آیت میں تقویٰ کے تین مراتب کو بیان کیا ہے۔ **اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ** (البقرہ:4) لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں مگر طوطے کی طرح یونہی بغیر سوچے سمجھے چلے جاتے ہیں۔ جیسے ایک پنڈت اپنی پوتھی کو اندھا دھند پڑھتا جاتا ہے۔ نہ خود سمجھتا ہے اور نہ سننے والوں کو پتہ لگتا ہے۔ اسی طرح پر قرآن شریف کی تلاوت کا طریق صرف یہ رہ گیا ہے کہ دو چار سپارے پڑھ لئے اور کچھ معلوم نہیں کہ کیا پڑھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ سر لگا کر پڑھ لیا اور ق اور ع کو پورے طور پر ادا کر دیا۔ قرآن شریف کو عمدہ طور پر اور خوش الحانی سے پڑھنا بھی ایک اچھی بات ہے۔ **مگر قرآن شریف کی تلاوت کی اصل غرض تو یہ ہے کہ اس کے حقائق اور معارف پر اطلاع ملے اور انسان ایک تبدیلی اپنے اندر پیدا کرے۔**

(ملفوظات جلد اول صفحہ 284،285)

قرآن کریم کوترجمہ اور تفسیر کیساتھ پڑھنا

قرآن شریف کو پڑھواور خدا سے کبھی ناامید نہ ہو۔مومن خدا سے کبھی مایوس نہیں ہوتا۔یہ کافروں کی عادت میں داخل ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے مایوس ہوجاتے ہیں۔ہمارا خداعلیٰ کل شئی قدیر خدا ہے۔**قرآن شریف کا ترجمہ بھی پڑھواور نمازوں کوسنوار سنوار کر پڑھواوراس کا مطلب بھی سمجھو۔اپنی زبان میں بھی دعائیں کرلو۔قرآن شریف کوایک معمولی کتاب سمجھ کرنہ پڑھوبلکہ اس کوخدا تعالیٰ کا کلام سمجھ کر پڑھو۔** (ملفوظات جلددوم صفحہ 191)

قرآن شریف سے اعراض کی دوصورتیں ہوتی ہیں ایک صوری اور ایک معنوی۔صوری یہ کہ کبھی کلام الٰہی کو پڑھا ہی نہ جاوے جیسے اکثر لوگ مسلمان کہلاتے ہیں مگر وہ قرآن شریف کی عبارت تک سے بالکل غافل ہیں اور ایک معنوی کہ **تلاوت تو کرتا ہے مگراس کی برکات وانوار ورحمت الٰہی پرایمان نہیں ہوتا**۔پس دونو اعراضوں میں سے کوئی اعراض ہواس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ (ملفوظات جلدسوم صفحہ 519)

صرف قرآن کا ترجمہ اصل میں مفیدنہیں جب تک اس کے ساتھ تفسیر نہ ہومثلاً غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کی نسبت کسی کو کیا سمجھ آسکتا ہے کہ اس سے مراد یہودونصاریٰ ہیں جب تک کہ کھول کرنہ بتلایا جاوے اور پھر یہ دعامسلمانوں کو کیوں سکھلائی گئی۔اس کا یہی منشا تھا کہ جیسے یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کا انکار کر کے خدا کا غضب کمایا۔ایسے ہی آخری زمانہ میں اس امت نے بھی مسیح موعود کا انکار کر کے خدا کا غضب کمانا تھا اسی لیے اول ہی ان کو بطور پیشگوئی کے اطلاع دی گئی کہ سعید روحیں اس وقت غضب سے بچ سکیں۔(ملفوظات جلدسوم صفحہ 449)

قرآن کریم کا صرف ترجمہ

فرمایا:۔**ہم ہرگزفتویٰ نہیں دیتے کہ قرآن کا صرف ترجمہ پڑھا جاوے۔اس سے قرآن کا اعجاز باطل ہوتا ہے جوشخص یہ کہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ قرآن دنیا میں نہ رہے** بلکہ ہم تو یہ بھی کہتے ہیں کہ جودعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہیں وہ بھی عربی میں پڑھی جاویں دوسرے جواپنی حاجات وغیرہ ہیں ماثورہ دعا کے علاوہ وہ صرف اپنی زبان میں مانگی جاویں۔

ایک شخص نے کہا کہ حضور حنفی مذہب میں صرف ترجمہ پڑھ لینا کافی سمجھا گیا ہے فرمایا کہ:۔اگر یہ امام اعظم کا مذہب ہے تو پھران کی خطا ہے۔ (ملفوظات جلدسوم جلد265)

غلط اور ناپاک تلاوت قرآن

وَ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَ لَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَ اِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ۔ (البقرہ:42)

خدا تعالیٰ کے پاک کلام قرآن کو ناپاک باتوں سے ملا کر پڑھنا بے ادبی ہے وہ تو صرف روٹیوں کی غرض سے ملاں لوگ پڑھتے ہیں اس ملک کے لوگ ختم وغیرہ دیتے ہیں تو ملاں لوگ لمبی لمبی سورتیں پڑھتے ہیں کہ شوربا اور روٹی زیادہ ملے وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا یہ کفر ہے جو طریق آج کل پنجاب میں نماز کا ہے میرے نزدیک ہمیشہ سے اس پر بھی اعتراض ہے۔ ملاں لوگ صرف مقررہ آدمیوں پر نظر کر کے جماعت کراتے ہیں۔ ایسا امام شرعاً ناجائز ہے۔ صحابہؓ میں کہیں نظیر نہیں ہے کہ اس طرح اجرت پر امامت کرائی ہو پھر اگر کسی کو مسجد سے نکالا جاوے تو چیف کورٹ تک مقدمہ چلتا ہے یہاں تک کہ ایک دفعہ ایک ملا نے نماز جنازہ کی 6 تا 7 تکبیریں کہیں لوگوں نے پوچھا تو جواب دیا کہ یہ کام روزمرہ کے محاورہ سے یاد رہتا ہے۔ کبھی سال میں ایک آدمی مرتا ہے تو کیسے یاد رہے۔ جب مجھے یہ بات بھول جاتی ہے کہ کوئی مرا بھی کرتا ہے تو اس وقت کوئی میت ہوتی ہے اسی طرح ایک ملا یہاں آ کر رہا ہمارے میرزا صاحب نے اسے محلے تقسیم کر دیئے ایک دن وہ روتا ہوا آیا کہ مجھے جو محلّہ دیا ہے اس کے آدمیوں کے قد چھوٹے ہیں اس لئے ان کے مرنے پر جو کپڑا ملے گا اس سے چادر بھی نہ بنے گی۔ اس وقت ان لوگوں کی حالت بہت ردی ہے صوفی لکھتے ہیں کہ مردہ کا مال کھانے سے دل سخت ہو جاتا ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 159-158)

قرآن کی قراءت دیگر (مختلفہ)

دوسری قرأت حدیث صحیح کا حکم رکھتی ہے

وَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِہٖ فَیَنْسَخُ اللّٰہُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ ط وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔ (الحج:53)

پوچھا گیا کہ قرآن کا جو نزول ہوا ہے وہ یہی الفاظ ہیں یا کس طرح؟

فرمایا:۔ **یہی الفاظ ہیں اور یہی خدا کی طرف سے نازل ہوا۔ قرأت کا اختلاف الگ امر ہے** مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِیٍّ میں لَا مُحَدَّثٍ قرأت شاذہ ہے **اور یہ قرأت صحیح حدیث کا حکم رکھتی ہے جس** طرح نَبِیٍّ اور رَسُوْلٍ کی وحی محفوظ ہوتی ہے اسی طرح مُحَدَّث کی وحی بھی محفوظ ہوتی ہے جیسا کہ اس آیت سے پایا جاتا ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 449)

وَ اِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ ۔ (سورۃ النساء: 160)

اور یاد رکھنا چاہیئے کہ جبکہ آیت قَبْلَ مَوْتِہٖ کی دوسری قرأت قَبْلَ مَوْتِھِمْ موجود ہے **جو بموجب اصول محدثین کے حکم صحیح حدیث کا رکھتی ہے یعنی ایسی حدیث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے** تو اس صورت میں محض ابوہریرہ کا اپنا قول رد کرنے کے لائق ہے کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کے مقابل پر ہیچ اور لغو ہے اور اس پر اصرار کرنا کفر تک پہنچا سکتا ہے اور پھر صرف اسی قدر نہیں بلکہ ابوہریرہ کے قول سے قرآن شریف کا باطل لازم آتا ہے کیونکہ قرآن شریف تو جا بجا فرماتا ہے کہ یہود و نصاریٰ قیامت تک رہیں گے انکا بکلی استیصال نہیں ہوگا۔ اور ابوہریرہ کہتا ہے کہ یہود کا استیصال بکلی ہو جائے گا اور یہ سراسر مخالف قرآن شریف ہے۔ جو شخص قرآن شریف پر ایمان لاتا ہے اس کو چاہیئے کہ ابوہریرہ کے قول کو ایک ردی متاع کی طرح پھینک دے بلکہ **چونکہ قرأت ثانی حسب اصول محدثین حدیث صحیح کا حکم رکھتی ہے اور اس جگہ آیت قبل موتہ کی دوسری قرأت قبل موتہم موجود ہے جس کو حدیث صحیح سمجھنا چاہیئے۔ اس صورت میں ابوہریرہ کا قول قرآن اور حدیث دونوں کے مخالف ہے فلاشک انّہ باطل و من تبعہ فانہ مفسد بطال ۔**

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ر۔خ جلد 21 صفحہ 410)

حضرت اقدسؑ نے دوسری قرأت اختیار فرمائی

لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ (التوبہ: 128)

اَنْفُس کے لفظ میں ایک قرأت زبر کے ساتھ ہے یعنی حرف فا کی فتح کے ساتھ اور اسی قرأت کو ہم اس جگہ ذکر کرتے ہیں اور دوسری قرأت بھی یعنی حرف فا کے پیش کے ساتھ بھی اس کے ہم معنی ہے۔ کیوں کہ خدا قریش کو مخاطب کرتا ہے کہ تم جو ایک بڑے خاندان میں سے ہو۔ یہ رسول بھی تو تمہیں میں سے ہے یعنی عالی خاندان ہے۔

(تریاق القلوب۔ ر۔خ جلد 15 صفحہ 281 حاشیہ)

قرأت ثانیہ کی حکمت

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ (الروم: 3-4)

یہ آیت اول اس موقع پر نازل ہوئی جبکہ کسریٰ شاہ ایران نے بعض حدود پر لڑائی کر کے قیصر شاہ روم کو مغلوب کر دیا تھا پھر جب اس پیشگوئی کے مطابق بِضْعِ سِنِیْنَ میں قیصر روم شاہ ایران پر غالب آ گیا تو پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ الخ جس کا مطلب یہ تھا کہ رومی سلطنت اب تو غالب آ گئی ہے مگر پھر بِضْعِ سِنِیْنَ میں اسلام کے ہاتھ سے مغلوب ہوں گے مگر باوجود اس کے کہ دوسری قرأت میں غَلَبَتْ کا صیغہ ماضی معلوم تھا اور سَیُغْلَبُوْنَ کا صیغہ مضارع مجہول تھا مگر پھر بھی پہلی قرأت جس میں غُلِبَتْ کا صیغہ ماضی مجہول تھا اور سَیَغْلِبُوْنَ مضارع معلوم تھا منسوخ التلاوت نہیں ہوئی بلکہ اسی طرح جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف سناتے رہے جس سے **اس سنت اللہ کے موافق جو قرآن شریف کے نزول میں ہے یہ ثابت ہوا کہ ایک مرتبہ پھر مقدر ہے کہ عیسائی سلطنت روم کے بعض حدود کو پھر اپنے قبضہ میں کر لے گی**۔ اسی بناء پر احادیث میں آیا ہے کہ مسیح کے وقت میں سب سے زیادہ دنیا میں روم ہوں گے یعنی نصاریٰ۔

اس تحریر سے ہماری غرض یہ ہے کہ قرآن اور احادیث میں روم کا لفظ بھی بروزی طور پر آیا ہے یعنی روم سے اصل روم مراد نہیں ہیں بلکہ نصاریٰ مراد ہیں۔ (تحفہ گولڑویہ ر۔خ جلد 17 صفحہ 308-307)

دوسری فصل

اندازنزول قرآن

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا۔ (الفرقان:33)

کافر کہتے کہ کیوں قرآن ایک مرتبہ ہی نازل نہ ہوا۔ ایسا ہی چاہیئے تھا تا وقتاً فوقتاً ہم تیرے دل کو تسلی دیتے رہیں اور تا وہ معارف اور علوم جو وقت سے وابستہ ہیں اپنے وقت پر ہی ظاہر ہوں کیونکہ قبل از وقت کسی بات کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے سو اس مصلحت سے خدا نے قرآن شریف کو تیئیس برس تک نازل کیا تا اس مدت تک موعود نشان بھی ظاہر ہو جائیں۔ (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ جلد 22 صفحہ 357)

معارف قرآن کا نزول تدریجی ہے

یہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا کہ وہ دابۃ الارض یعنی طاعون کا کیڑا زمین میں سے نکلے گا اس میں یہی بھید ہے کہ تا وہ اس بات کی طرف اشارہ کرے کہ وہ اس وقت نکلے گا کہ جب مسلمان اور ان کے علماء زمین کی طرف جھک کر خود دابۃ الارض بن جائیں گے۔ ہم اپنی بعض کتابوں میں یہ لکھ آئے ہیں کہ اس زمانہ کے ایسے مولوی اور سجادہ نشین جو متقی نہیں ہیں اور زمین کی طرف جھکے ہوئے ہیں یہ دابۃ الارض ہیں اور اب ہم نے اس رسالہ میں یہ لکھا ہے کہ دابۃ الارض طاعون کا کیڑا ہے۔ ان دونوں بیانوں میں کوئی شخص تناقض نہ سمجھے۔ **قرآن شریف ذوالمعارف ہے اور کئی وجوہ سے اس کے معنے ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد نہیں اور جس طرح قرآن شریف یک دفعہ نہیں اترا اسی طرح اس کے معارف بھی دلوں پر یک دفعہ نہیں اترتے۔ اسی بناء پر محققین کا یہی مذہب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معارف بھی یک دفعہ آپ کو نہیں ملے بلکہ تدریجی طور پر آپ نے علمی ترقیات کا دائرہ پورا کیا ہے ایسا ہی میں ہوں جو بروزی طور پر آپ کی ذات کا مظہر ہوں۔ آنحضرتؐ کی تدریجی ترقی میں سر یہ تھا کہ آپ کی ترقی کا ذریعہ محض قرآن تھا۔ پس جبکہ قرآن شریف کا نزول تدریجی تھا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل معارف بھی تدریجی تھی اور اسی قدم پر مسیح موعود ہے جو اس وقت تم میں ظاہر ہوا۔ علم غیب خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے جس قدر وہ دیتا ہے اسی قدر ہم لیتے ہیں۔** (نزول المسیح۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 421)

فَتَعٰلَی اللّٰہُ الْمَلِکُ الْحَقُّ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰٓی اِلَیْکَ وَحْیُہٗ وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔(طٰہٰ:115)

انبیاءعلیہم السلام ہمیشہ دعا میں لگے رہتے ہیں اور ہمیشہ زیادہ نور مانگتے رہتے ہیں۔وہ کبھی اپنی روحانی ترقی پر سیر نہیں ہوتے اس لئے ہمیشہ استغفار میں لگے رہتے ہیں کہ خدا ان کی ناقص حالت کو ڈھانپے اور پورا روشنی کا پیمانہ دے اسی وجہ سے خدائے تعالیٰ اپنے نبی کو فرماتا ہے قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا یعنی ہمیشہ علم کے لئے دعا کرتا رہ کیونکہ جیسا خدا بے حد ہے ایسا ہی اس کا علم بھی بے حد ہے۔ (ریویو آف ریلیجنز جلد 2 نمبر 6 صفحہ 244)

انبیاء کے علم میں بھی تدریجاً ترقی ہوتی ہے اس واسطے قرآن شریف میں آیا ہے قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 456)

وَ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْہِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَۃً وَّاحِدَۃً کَذٰلِکَ لِنُثَبِّتَ بِہٖ فُؤَادَکَ وَرَتَّلْنٰہُ تَرْتِیْلًا۔(الفرقان:33)

کافر کہتے ہیں کہ کیوں قرآن ایک مرتبہ ہی نازل نہ ہوا۔ایسا ہی چاہیئے تھا تا وقتاً فوقتاً ہم تیرے دل کو تسلی دیتے رہیں اور تا وہ معارف اور علوم جو وقت سے وابستہ ہیں اپنے وقت پر ہی ظاہر ہوں کیونکہ قبل از وقت کسی بات کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے سو اس مصلحت سے خدا نے قرآن شریف کو تئیس برس تک نازل کیا تا اس مدت تک موعود نشان بھی ظاہر ہو جائیں۔ (حقیقۃ الوحی۔ر۔خ۔جلد 22 صفحہ 357)

انبیاءعلیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مکتب میں تعلیم پانے والے ہوتے ہیں اور تلامیذ الرحمٰن کہلاتے ہیں۔ان کی ترقی بھی تدریجی ہوتی ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن شریف میں آیا ہے کَذٰلِکَ لِنُثَبِّتَ بِہٖ فُؤَادَکَ وَ رَتَّلْنٰہُ تَرْتِیْلًا۔ پس میں اس بات کو خوب جانتا ہوں کہ انبیاءعلیہم السلام کی حالت کیسی ہوتی ہے۔جس دن نبی مامور ہوتا ہے اس دن اور اس کی نبوت کے آخری دن میں ہزاروں کوس کا فرق ہو جاتا ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 246)

اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَ لَوْ شَآءَ لَجَعَلَہٗ سَاکِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْہِ دَلِیْلًا۔ ثُمَّ قَبَضْنٰہُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَسِیْرًا۔ وَ ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّھَارَ نُشُوْرًا۔ (الفرقان:46 تا48)

فرمایا کہ ہم تاریکی کو روشنی کے ذریعہ سے تھوڑا تھوڑا دور کرتے جاتے ہیں تا اندھیرے میں بیٹھنے والے اس روشنی سے آہستہ آہستہ متنفع ہو جائیں اور جو یک دفعی انتقال میں حیرت و وحشت متصور ہے وہ بھی نہ ہو سو اسی طرح جب دنیا پر روحانی تاریکی طاری ہوتی ہے تو خلقت کو روشنی سے متنفع کرنے کے لئے اور نیز روشنی اور تاریکی میں جو فرق ہے وہ فرق ظاہر کرنے کے لئے خدائے تعالیٰ کی طرف سے آفتاب صداقت نکلتا ہے اور پھر وہ آہستہ آہستہ دنیا پر طلوع کرتا جاتا ہے۔ (براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد 1 صفحہ 656-657)

نزول قرآن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں ہوا ؟

وَ قَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ۔ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَ رَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔ (الزخرف:33-32)

کفار کہتے ہیں کہ یہ قرآن مکہ اور طائف کے بڑے بڑے مالداروں اور رئیسوں میں سے کسی بھاری رئیس اور دولت مند پر کیوں نازل نہ ہوا تا اس کی رئیسانہ شان کے شایاں ہوتا اور نیز اس کے رعب اور سیاست اور مال خرچ کرنے سے جلد تر دین پھیل جاتا۔ ایک غریب آدمی جس کے پاس دنیا کی جائیداد میں سے کچھ بھی نہیں کیوں اس عہدے سے ممتاز کیا گیا پھر آگے بطور جواب فرمایا **اھم یقسمون رحمت ربک کیا قسام ازل کی رحمتوں کا تقسیم کرنا ان کا اختیار ہے** یعنی یہ خداوند حکیم مطلق کا فعل ہے کہ بعضوں کی استعدادیں اور ہمتیں پست رکھیں اور وہ زخارفِ دنیا میں پھنسے رہے اور رئیس اور امیر اور دولت مند کہلانے پر پھولتے رہے اور اصل مقصود کو بھول گئے اور بعض کو فضائل روحانیت اور کمالات قدسیہ عنایت فرمائے اور وہ اس محبوب حقیقی کی محبت میں محو ہو کر مقرب بن گئے اور مقبولانِ حضرتِ احدیت ہو گئے۔ (براہین احمدیہ۔ ر۔خ جلد1 صفحہ 204 حاشیہ)

وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا ۔ (الشوریٰ:52)

ہر یک وحی نبی منزل علیہ کی فطرت کے موافق نازل ہوتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں جلال اور غضب تھا۔ توریت بھی موسوی فطرت کے موافق ایک جلالی شریعت نازل ہوئی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے مزاج میں حلم اور نرمی تھی سو انجیل کی تعلیم بھی حلم اور نرمی پر مشتمل ہے **مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج بغایت درجہ وضع استقامت پر واقع تھا۔ نہ ہر جگہ حلم پسند تھا اور نہ ہر مقام غضب مرغوبِ خاطر تھا بلکہ حکیمانہ طور پر رعایت محل اور موقع کے ملحوظ طبیعت مبارک تھی۔ سو قرآن شریف بھی اسی طرز موزوں و معتدل پر نازل ہوا کہ جامع شدّت و رحمت و ہیبت و شفقت و نرمی و درشتی ہے۔** (براہین احمدیہ۔ ر۔خ جلد1 صفحہ 193 حاشیہ)

نزولِ قرآن ضرورتِ حقّہ کے مطابق ہوا ہے

خدا کا پاک اور کامل کلام کہ جو اس کے فرائض اور احکام کو دنیا میں لایا اور اس کے ارادوں سے خلق اللہ کو مطلع کیا انہیں خاص وقتوں میں نازل ہوا ہے کہ جب اس کے نازل ہونیکی ضرورت تھی ہاں یہ ضرور ہے کہ خدا کا پاک کلام انہیں لوگوں پر نازل ہو کہ جو تقدس اور پاک باطنی میں اعلیٰ درجہ رکھتے ہوں کیونکہ پاک کو پلید سے کچھ میل اور مناسبت نہیں لیکن یہ ہرگز ضرور نہیں کہ ہر جگہ تقدس اور پاک باطنی کلام الٰہی کے نازل ہونے کو مستلزم ہو بلکہ **خدائے تعالیٰ کی حقانی شریعت اور تعلیم کا نازل ہونا ضروراتِ حقہ سے وابستہ ہے پس جس جگہ ضروراتِ حقہ پیدا ہو گئیں اور زمانہ کی اصلاح کے لیے واجب معلوم ہوا کہ کلام الٰہی نازل ہو اُسی زمانہ میں خدائے تعالیٰ نے جو حکیم مطلق ہے اپنے کلام کو نازل کیا۔** (براہین احمدیہ۔ ر۔خ جلد 1 صفحہ 416 حاشیہ نمبر 11)

وَ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا (بنی اسرائیل 106)

اور ہم نے اس کلام کو ضرورتِ حقہ کے ساتھ اتارا ہے اور ضرورتِ حقہ کے ساتھ یہ اترا ہے یعنی یہ کلام فی حدِّ ذاتہٖ حق اور راست ہے اور اس کا آنا بھی حقا اور ضروریًا ہے یہ نہیں کہ فضول اور بے فائدہ اور بے وقت نازل ہوا ہے۔

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 650-649)

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ (الحدید:18)

پس رحمان مطلق جیسا جسم کی غذا کو اس کی حاجت کے وقت عطا فرماتا ہے ایسا ہی وہ اپنی رحمتِ کاملہ کے تقاضا سے روحانی غذا کو بھی ضرورتِ حقہ کے وقت مہیا کر دیتا ہے ہاں یہ بات درست ہے کہ خدا کا کلام انہیں برگزیدہ لوگوں پر نازل ہوتا ہے جن سے خدا راضی ہے اور انہیں سے وہ مکالمات اور مخاطبات کرتا ہے جن سے وہ خوش ہے مگر یہ بات ہرگز درست نہیں کہ جس سے خدا راضی اور خوش ہو اس پر خواہ نخواہ بغیر کسی ضرورتِ حقہ کے کتاب آسمانی نازل ہو جایا کرے یا خدائے تعالیٰ یونہی بلا ضرورتِ حقہ کسی کی طہارت لازمی کی وجہ سے لازمی اور دائمی طور پر اس سے ہر وقت باتیں کرتا رہے بلکہ **خدا کی کتاب اسی وقت نازل ہوتی ہے جب فی الحقیقت اس کے نزول کی ضرورت پیش آ جائے۔**

(براھین احمدیہ۔ ر۔خ جلد 1 صفحہ 420-419 حاشیہ نمبر 11)

اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ۔ وَ مَآ اَدْرٰلکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ۔لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ مِّنْ کُلِّ اَمْرٍ۔ سَلٰمٌ ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ (القدر:2 تا 6)

اس سورت کا حقیقی مطلب جو ایک بھاری صداقت پر مشتمل ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں......اس قاعدہ کلی کا بیان فرمانا ہے کہ دنیا میں کب اور کس وقت میں کوئی کتاب اور پیغمبر بھیجا جاتا ہے۔سو وہ قاعدہ یہ ہے کہ جب دلوں پر ایک ایسی غلیظ ظلمت طاری ہوجاتی ہے کہ یکبارگی تمام دل روبدنیا ہوجاتے اور پھر روبدنیا ہونے کی شامت سے ان کے تمام عقائد واعمال وافعال واخلاق وآداب اور نیتوں اور ہمتوں میں اختلالِ کلی راہ پا جاتا ہے اور محبت الٰہیہ دلوں سے بکلی اٹھ جاتی ہے اور یہ عام وبا ایسا پھیلتا ہے کہ تمام زمانہ پر رات کی طرح اندھیرا چھا جاتا ہے تو ایسے وقت میں یعنی جب وہ اندھیرا اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ رحمتِ الٰہیہ اس طرف متوجہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو اس اندھیری سے خلاصی بخشے اور جن طریقوں سے ان کی اصلاح قرین مصلحت ہے ان طریقوں کو اپنے کلام میں بیان فرماوے۔ **سواسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے آیت ممدوحہ میں اشارہ فرمایا کہ ہم نے قرآن کو ایک ایسی رات میں نازل کیا ہے جس میں بندوں کی اصلاح اور بھلائی کے لئے صراط مستقیم کی کیفیت بیان کرنا اور شریعت اور دین کی حدود کو بتلانا ازبس ضروری تھا۔**

(براھین احمدیہ۔ر۔خ جلد1 صفحہ 637 تا639)

تیسری فصل

مقاصد نزول قرآن

قرآن کریم کی علّتِ غائی تقویٰ ہے

پھر دیکھو کہ تقویٰ ایسی اعلیٰ درجہ کی ضروری شے قرار دیا گیا ہے کہ قرآن کریم کی علت غائی اسی کو ٹھہرایا ہے چنانچہ دوسری سورۃ کو جب شروع کیا ہے' تو یوں ہی فرمایا ہے: الٓـمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (البقرہ: 3-2) میرا مذہب یہی ہے کہ قرآن کریم کی یہ ترتیب بڑا مرتبہ رکھتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس میں عِلَل اربعہ کا ذکر فرمایا ہے۔ علت فاعلی' مادی' صوری' غائی۔ ہر ایک چیز کے ساتھ یہ چار ہی علل ہوتی ہیں۔ قرآن کریم نہایت اکمل طور پر ان کو دکھاتا ہے۔ آلٓـمّٓ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بہت جاننے والا ہے۔ اس کلام کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے۔ یعنی خدا اس کا فاعل ہے۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ یہ مادہ بتایا۔ یا یہ کہو کہ یہ علت مادی ہے۔ علت صوری لَا رَیْبَ فِیْهِ ہر ایک چیز میں شک وشبہ اور ظنون فاسدہ پیدا ہو سکتے ہیں۔ مگر قرآن کریم ایسی کتاب ہے کہ اس میں کوئی ریب نہیں ہے۔ لا ریب اسی کے لیے ہے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی شان یہ بتائی ہے کہ لاریب فیہ۔ تو ہر ایک سلیم الفطرت اور سعادت مند انسان کی روح اچھلے گی اور خواہش کرے گی کہ اس کی ہدایتوں پر عمل کرے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 282)

مقصد نزول قرآن اور اصلاح ثلاثہ

فالغرض ان تعلیم کتاب اللّٰہ الاحکم و رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم کان منقسما علٰی ثلٰثة اقسام الاول ان یجعل الوهوش اناسًا و یعلمهم اٰداب الانسانیة و یهب لهم مدارک و حواسًا۔ والثانی ان یجعلهم بعدالانسانیة اکمل الناس فی محاسن الاخلاق۔ والثالث ان یرفعهم من مقام الاخلاق الی ذرئ مرتبة حب الخلاق۔ ویوصل الٰی منزل القرب و الرضاء والمعیة والفناء والذوبان والمحویة اعنی الٰی مقام ینعدم فیه اثر الوجود و الاختیار۔ ویبقی اللّٰہ وحده کما هو یبقی بعد فناء هٰذا العالم بذاته القهار۔

پس خلاصہ یہ کہ قرآن شریف کی تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تین قسم پر منقسم تھی۔ پہلی یہ کہ وحشیوں کو انسان بنایا جائے۔ اور انسانی آداب اور حواس ان کو عطا کئے جائیں۔ اور دوسری یہ کہ انسانیت سے ترقی دے کر اخلاق کاملہ کے درجے تک ان کو پہنچایا جائے اور تیسری یہ کہ اخلاق کے مقام سے ان کو اٹھا کر محبتِ الٰہی کے مرتبہ تک پہنچایا جائے۔ اور یہ کہ قرب اور رضاء اور معیت اور فنا اور محویت کے مقام ان کو عطا ہوں۔ یعنی وہ مقام جس میں وجود اور اختیار کا نشان باقی نہیں رہتا اور خدا اکیلا باقی رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ وہ اس عالم کے فنا کے بعد اپنی ذات قہار کے ساتھ باقی رہیگا۔ (نجم الہدیٰ۔ ر۔خ۔ جلد 14 صفحہ 35-34)

قرآن کریم کی تین صفات

هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ (البقرہ: 186) **یعنی قرآن میں تین صفتیں ہیں۔ اول یہ کہ جو علوم دین لوگوں کو معلوم نہیں رہے تھے ان کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔ دوسرے جن علوم میں پہلے کچھ اجمال چلا آتا تھا ان کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ تیسرے جن امور میں اختلاف اور تنازعہ پیدا ہو گیا تھا ان میں قول فیصل بیان کر کے حق اور باطل میں فرق ظاہر کرتا ہے۔** (براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 225 حاشیہ نمبر 11)

پس وہ تین قسم کی اصلاحیں جن کا ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں۔ان کا درحقیقت یہی زمانہ تھا۔ پس اسی وجہ سے قرآن شریف دنیا کی تمام ہدایتوں کی نسبت اکمل اور اتم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کیونکہ دنیا کی اور کتابوں کو ان تین قسم کی اصلاحوں کا موقعہ نہیں ملا اور قرآن شریف کو ملا۔ **اور قرآن شریف کا یہ مقصد تھا کہ حیوانوں سے انسان بناوے اور انسان سے باخلاق انسان بناوے اور باخلاق انسان سے باخدا انسان بناوے۔ اسی واسطے ان تین امور پر قرآن شریف مشتمل ہے۔**

قرآنی تعلیم کا اصل منشاء اصلاحات ثلاثہ ہیں۔ اور طبعی حالتیں تعدیل سے اخلاق بن جاتی ہیں

اور قبل اس کے جو ہم اصلاحاتِ ثلاثہ کا مفصل بیان کریں یہ ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآن شریف میں کوئی ایسی تعلیم نہیں جو زبردستی ماننی پڑے بلکہ تمام قرآن کا مقصد صرف اصلاحات ثلاثہ ہیں اور اس کی تمام تعلیموں کا لبِ لباب یہی تین اصلاحیں ہیں۔ اور باقی تمام احکام ان اصلاحوں کے لئے بطور وسائل کے ہیں۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ۔ جلد 10 صفحہ 329)

تاریکی سے نکال کر نور میں داخل کرنا

الٓرٰ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ۔(ابراهیم:2)

یہ عالی شان کتاب ہم نے تجھ پر نازل کی تا کہ تو لوگوں کو ہر یک قسم کی تاریکی سے نکال کر نور میں داخل کرے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ **جس قدر انسان کے نفس میں طرح طرح کے وساوس گذرتے ہیں اور شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں ان سب کو قرآن شریف دور کرتا ہے اور ہر یک طور کے خیالات فاسدہ کو** مٹاتا ہے اور معرفت کامل کا نور بخشتا ہے یعنی جو کچھ خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے اور اس پر یقین لانے کے لئے معارف وحقائق درکار ہیں سب عطا فرماتا ہے۔ (براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 225 حاشیہ نمبر 11)

قرآن۔ ہر استعداد کی تکمیل کے لئے نازل ہوا ہے

یہ ہرگز سچ نہیں کہ جو کچھ قرآن کریم کے معارف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ان سے زیادہ قرآن کریم میں کچھ بھی نہیں۔ یہ اقوال ہمارے مخالفوں کے صاف دلالت کر رہے ہیں کہ وہ قرآن کریم کی غیر محدود عظمتوں اور خوبیوں پر ایمان نہیں لاتے اور ان کا یہ کہنا کہ قرآن کریم ایسوں کے لیے اترا ہے جو امی تھے اور بھی اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ وہ قرآن شناسی کی بصیرت سے بکلی بے بہرہ ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم محض امیوں کے لیے نہیں بھیجے گئے بلکہ ہر یک رتبہ اور طبقہ کے انسان ان کی امت میں داخل ہیں۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے **قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا** (اعراف آیت 159) **پس اس آیت سے ثابت ہے کہ قرآن کریم ہر یک استعداد کی تکمیل کے لیے نازل ہوا ہے** درحقیقت آیت **وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ** (احزاب آیت 41) میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ (کرامات الصادقین۔ ر۔خ۔ جلد 7 صفحہ 61)

چوتھی فصل

فہم قرآن۔ ہرانسان کی استعداد کے مطابق ہے

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔(آل عمران:65)

قرآنی تعلیم کا دوسرا کمال کمال تفہیم ہے یعنی اس نے ان تمام راہوں کو سمجھانے کے لیے اختیار کیا ہے جو تصور میں آسکتے ہیں اگر ایک عامی ہے تو اپنی موٹی سمجھ کے موافق اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اگر ایک فلسفی ہے تو اپنے دقیق خیال کے مطابق اس سے صداقتیں حاصل کرتا ہے اور اس نے تمام اصول ایمانیہ کو دلائل عقلیہ سے ثابت کر کے دکھلایا ہے اور آیۃ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ۔ میں اہل کتاب پر یہ حجت پوری کرتا ہے کہ اسلام وہ کامل مذہب ہے کہ زوائد اختلافی جو تمہارے ہاتھ میں ہیں یا تمام دنیا کے ہاتھ میں ہیں ان زوائد کو نکال کر باقی اسلام ہی رہ جاتا ہے۔

(جنگ مقدس۔ر۔خ۔جلد 6 صفحہ 289)

غرض اس میں شک نہیں کہ تفاضل درجات امرحق ہے۔اس کے آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان امور پر مواظبت کرنے سے ہرایک سالک اپنی اپنی استعداد کے موافق درجات اور مراتب کو پالے گا یہی مطلب ہے اس آیت کا۔ویوت کل ذی فضل فضلہ۔ (ھود: 4) لیکن اگر زیادت لے کر آیا ہے تو خدا تعالیٰ اس مجاہدہ میں اس کو زیادت دے دیگا اور اپنے فضل کو پالے گا جو طبعی طور پر اس کا حق ہے۔ذی الفضل کی اضافت ملکی ہے۔مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ محروم نہ رکھے گا۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 349)

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ِۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔(الاعراف:159)

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الجزو نمبر 9 پھر جبکہ ثابت ہے کہ قرآن شریف کو تمام دنیا کے طبائع سے کام پڑا تو تم خود ہی سوچو کہ اس صورت میں لازم تھا یا نہیں کہ وہ ہر یک طور کی طبیعت پر اپنی عظمت اور حقانیت کو ظاہر کرتا اور ہر ایک طور کے شبہات کو مٹاتا۔ماسوا اس کے اگرچہ اس کلام میں امی بھی مخاطب ہیں مگر یہ تو نہیں کہ خدا امیوں کو امی ہی رکھنا چاہتا تھا **بلکہ وہ یہ چاہتا تھا کہ جو طاقتیں انسانیت اور عقل کی ان کی فطرت میں موجود ہیں وہ ممکن قوت سے حیز فعل میں آجائیں** اگر نادان کو ہمیشہ کے لیے نادان ہی رکھنا ہے تو پھر تعلیم کا کیا فائدہ ہوا خدا نے تو علم اور حکمت کی طرف آپ ہی رغبت دیدی ہے۔ (براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد 1 صفحہ 493 تا 498)

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ لِمَنْ شَآءَ مِنْکُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ۔(التکویر:28`29)

قرآن - **ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ہے یعنی ہر ایک قسم کی فطرت کو اس کے کمالات مطلوبہ یاد دلاتا ہے اور ہر یک رتبہ کا آدمی اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ جیسے ایک عامی ویسا ہی ایک فلسفی۔** یہ اس شخص کے لئے اترا ہے جو انسانی استقامت کو اپنے اندر حاصل کرنا چاہتا ہے یعنی انسانی درخت کی جس قدر شاخیں ہیں یہ کلام ان سب شاخوں کا پرورش کرنے والا اور حد اعتدال پر لانے والا ہے اور انسانی قویٰ کے ہر یک پہلو پر اپنی تربیت کا اثر ڈالتا ہے۔

(کرامات الصادقین۔ر۔خ۔جلد7صفحہ52)

تفاوتِ مراتب کی حکمت

مَالَکُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰہِ وَقَارًا۔ وَقَدْ خَلَقَکُمْ اَطْوَارًا۔(نوح:15-14)

حکمت تفاوت مراتب رکھنے میں انواع و اقسام کی قدرتوں کا ظاہر کرنا اور اپنی عظمت کی طرف توجہ دلانا ہے جیسا فرمایا مَالَکُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰہِ وَقَارًا۔ وَقَدْ خَلَقَکُمْ اَطْوَارًا۔ یعنی تم کو کیا ہو گیا کہ تم خدا کی عظمت کے قائل نہیں ہوتے حالانکہ اس نے اپنی عظمت ظاہر کرنے کے لئے تم کو مختلف صورتوں اور سیرتوں پر پیدا کیا۔ **یعنی اختلاف استعدادات وطبائع اسی غرض سے حکیم مطلق نے کیا تا اس کی عظمت وقدرت شناخت کی جائے۔**

(براہین احمدیہ ۔ر۔خ۔جلد1صفحہ207-206حاشیہ نمبر11)

قرآن کی وہ تعلیم جو مدار ایمان ہے وہ عام فہم ہے

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوْمِ۔ وَ اِنَّہٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ۔ اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ۔
فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ۔ لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ۔(الواقعۃ:76 تا80)

اور یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ اگر علم قرآن مخصوص بندوں سے خاص کیا گیا ہے تو دوسروں سے نافرمانی کی حالت میں کیونکر مواخذہ ہوگا کیونکہ **قرآن کریم کی وہ تعلیم جو مدار ایمان ہے وہ عام فہم ہے** جس کو ایک کافر بھی سمجھ سکتا ہے اور ایسی نہیں ہے کہ کسی پڑھنے والے سے مخفی رہ سکے اور اگر وہ عام فہم نہ ہوتی تو کارخانہ تبلیغ ناقص رہ جاتا مگر حقائق معارف چونکہ مدار ایمان نہیں صرف زیادت عرفان کے موجب ہیں اس لئے صرف خواص کو اس کوچہ میں راہ دیا کیونکہ وہ دراصل مواہب اور روحانی نعمتیں ہیں جو ایمان کے بعد کامل الایمان لوگوں کو ملا کرتی ہیں۔

(کرامات الصادقین۔ر۔خ۔جلد7صفحہ53)

قرآن مشکل نہیں ہے

فرمایا:۔بعض نادان لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم قرآن شریف کو نہیں سمجھ سکتے اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیئے کہ یہ بہت مشکل ہے۔ یہ ان کی غلطی ہے۔ **قرآن شریف نے اعتقادی مسائل کو ایسی فصاحت کے ساتھ سمجھایا ہے جو بے مثل اور بے مانند ہے اور اس کے دلائل دلوں پر اثر ڈالتے ہیں یہ قرآن ایسا بلیغ اور فصیح ہے کہ عرب کے بادیہ نشینوں کو جو بالکل ان پڑھ تھے سمجھا دیا تھا تو پھر اب کیونکر اس کو نہیں سمجھ سکتے۔**

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 177)

فہم قرآن کے مدارج

فہم قرآن کے تین مدارج ہیں

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ (النور:36)

یہ تو عام فیضان ہے جس کا بیان آیت اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ میں ظاہر فرمایا گیا۔ یہی فیضان ہے جس نے دائرہ کی طرح ہر یک چیز پر احاطہ کر رکھا ہے جس کے فائز ہونے کے لئے کوئی قابلیت شرط نہیں لیکن بمقابلہ اس کے ایک خاص فیضان بھی ہے جو مشروط بشرائط ہے اور انہیں افراد خاصہ پر فائز ہوتا ہے جن میں اس کے قبول کرنے کی قابلیت و استعداد موجود ہے یعنی نفوس کاملہ انبیاء علیہم السلام پر جن میں سے افضل و اعلیٰ ذات جامع البرکات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے دوسروں پر ہرگز نہیں ہوتا۔

(براہین احمدیہ۔ ر۔ خ۔ جلد 1 صفحہ 192 حاشیہ نمبر 11)

اور دوسرا کمال جو بطور نشان کے امام الاولیاء اور سید الاصفیاء کے لئے ضروری ہے وہ فہم قرآن اور معارف کی اعلیٰ حقیقت تک وصول ہے۔ یہ بات ضروری طور پر یاد رکھنے کے لائق ہے کہ قرآن شریف کی ایک ادنیٰ تعلیم ہے اور ایک اوسط اور ایک اعلیٰ۔ اور جو اعلیٰ تعلیم ہے۔ وہ اس قدر انوارِ معارف اور حقائق کی روشن شعاعوں اور حقیقی حسن اور خوبی سے پُر ہے جو ادنیٰ یا اوسط استعداد کا اس تک ہرگز گذر نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کے اہل صفوت اور ارباب طہارت فطرت ان سچائیوں کو پاتے ہیں جن کی سرشت سراسر نور ہو کر نور کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

(تریاق القلوب۔ ر۔ خ۔ جلد 15 صفحہ 418)

رازِ قرآں را کجا فہمد کسے ــ بہرِ نورے نور مے باید بسے
تب تک کوئی قرآنی اسرار کو کیونکر سمجھ سکتا ہے نور کے سمجھنے کے لئے بہت سا نور باطن ہونا چاہئے۔
ایں نہ من قرآں ہمیں فرمودہ است ــ اندرو شرطِ تطھّر بودہ است
یہ میری بات نہیں بلکہ قرآن نے بھی یہی فرمایا ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لئے پاک ہونے کی شرط ہے۔
گر بقرآں ہر کسے راراہ بود ــ پس چرا شرطِ تطھّر رافزود [ل]
اگر ہر شخص قرآن کو (خود ہی) سمجھ سکتا تو خدا نے تطہر کی شرط کیوں زاید لگائی۔
نور را داند کسے کو نور شد ــ و از حجابِ سرکشی ہا دور شد
وہی شخص سمجھتا ہے جو خود نور ہو گیا ہو اور سرکشی کے حجابوں سے دور ہو گیا ہو۔

ل لا یمسہ الا المطھرون۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 227-226) (سراج منیر۔ ر۔ خ جلد 12 صفحہ 96)

فہم قرآن کے شرائط

تزکیۂ نفس۔اشراق اور روشن ضمیری

کیونکہ جس قدر کمالات قرآنیہ کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے وہ اہل کشف اور اور اہل باطن پر درحقیقت ظاہر ہو چکے ہیں اور ہوتے ہیں اور حارث کی روایت کی ہر ایک زمانہ میں تصدیق ہو رہی ہے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن کریم بلاشبہ جامع حقائق ومعارف اور ہر زمانہ کی بدعات کا مقابلہ کرنے والا ہے۔**اس عاجز کا سینہ اس کی چشم دید برکتوں اور حکمتوں سے پر ہے** میری روح گواہی دیتی ہے کہ حارث اس حدیث کے بیان کرنے میں بیشک سچا ہے بلاشبہ ہماری بھلائی اور ترقی علمی اور ہمارے دائمی فتوحات کیلئے قرآن ہمیں دیا گیا ہے **اور اس کے رموز اور اسرار غیر متناہی ہیں جو بعد تزکیہ نفس اشراق اور روشن ضمیری کے ذریعہ سے کھلتے ہیں۔** خدا تعالیٰ نے جس قوم کے ساتھ کبھی ہمیں ٹکرا دیا اس قوم پر قرآن کے ذریعہ سے ہی ہم نے فتح پائی وہ جیسا ایک امی دیہاتی کی تسلی کرتا ہے ویسا ہی ایک فلسفی معقولی کو اطمینان بخشتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ صرف ایک گروہ کیلئے اترا ہے دوسرا گروہ اس سے محروم رہے بلاشبہ اس میں ہر یک شخص اور ہر یک زمانہ اور ہر یک استعداد کے لئے علاج موجود ہے۔ جو لوگ معکوس الخلقت اور ناقص الفطرت نہیں وہ قرآن کی ان عظمتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اور انکے انوار سے مستفید ہوتے ہیں۔ (مباحثہ لدھیانہ۔ر۔خ۔جلد4 صفحہ 110)

وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَ مَايَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ۔ (العنکبوت:44)

جس طرح آفتاب کا قدر آنکھ ہی سے پیدا ہوتا ہے اور روز روشن کے فوائد اہل بصارت ہی پر ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح خدا کی کلام کا کامل طور پر انہیں کو قدر ہوتا ہے کہ جو اہل عقل ہیں جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ فرمایا ہے **وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَ مَايَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ۔** یعنی یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں پر ان کو معقول طور پر وہی سمجھتے ہیں کہ جو صاحب علم اور دانشمند ہیں۔

(براہین احمدیہ ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 300،301 حاشیہ نمبر 11)

قرآن شریف غیر محدود معارف رکھتا ہے

وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَ يَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔ (الانعام:60)

میں نے کئی بار اشتہار دیا ہے کہ کوئی ایسی سچائی پیش کرو جو ہم قرآن شریف سے نہ نکال سکیں۔ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔ یہ ایک ناپیدا کنار سمندر ہے اپنے حقائق اور معارف کے لحاظ سے اور اپنی فصاحت و بلاغت کے رنگ میں۔ اگر بشر کا کلام ہوتا تو سطحی خیالات کا نمونہ دکھایا جاتا۔ مگر یہ طرز ہی اور ہے جو بشری طرزوں سے الگ اور ممتاز ہے۔ اس میں باوجود اعلیٰ درجہ کی بلند پروازی کے نمود و نمائش بالکل نہیں۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 455)

ماسوا اس کے یہ بھی ان حضرات کی سراسر غلطی ہے کہ قرآن کریم کے معانی کو بزمانہ گذشتہ محدود و مقید سمجھتے ہیں۔ اگر اس خیال کو تسلیم کر لیا جاوے تو پھر قرآن شریف معجزہ نہیں رہ سکتا۔ اور اگر ہو بھی تو شاید ان عربیوں کے لئے جو بلاغت شناسی کا مذاق رکھتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ کھلا کھلا اعجاز قرآن شریف کا جو ہر ایک قوم اور ہر ایک اہل زبان پر روشن ہو سکتا ہے جس کو پیش کر کے ہم ہر ایک ملک کے آدمی کو خواہ ہندی ہو یا پارسی یا یوروپین یا امریکن یا کسی اور ملک کا ہو ملزم و ساکت و لاجواب کر سکتے ہیں۔ **وہ غیر محدود دقائق و علوم حکمیہ قرآنیہ ہیں جو ہر زمانہ میں اس زمانہ کی حاجت کے موافق کھلتے جاتے ہیں اور ہر ایک زمانہ کے خیالات کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلح سپاہیوں کی طرح کھڑے ہیں اگر قرآن شریف اپنے حقائق و دقائق کے لحاظ سے ایک محدود چیز ہوتی تو ہرگز وہ معجزہ تامہ نہیں ٹھہر سکتا تھا۔** فقط بلاغت و فصاحت ایسا امر نہیں ہے جس کی اعجازی کیفیت ہر ایک خواندہ ناخواندہ کو معلوم ہو جائے کھلا کھلا اعجاز اس کا تو یہی ہے کہ وہ غیر محدود معارف و دقائق اپنے اندر رکھتا ہے جو شخص قرآن شریف کے اس اعجاز کو نہیں مانتا وہ علم قرآن سے سخت بے نصیب ہے۔ **و من لم یؤمن بذالک الاعجاز فو اللہ ماقدر القراٰن حق قدرہ وما عرف اللہ حق معرفتہ وما وقر الرسول حق توقیرہ۔** (ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 257-255)

اے بندگان خدا! یقیناً یاد رکھو کہ قرآن شریف میں غیر محدود معارف و حقائق کا اعجاز ایسا کامل اعجاز ہے جس نے ہر ایک زمانہ میں تلوار سے زیادہ کام کیا ہے اور ہر یک زمانہ اپنی نئی حالت کے ساتھ جو کچھ شبہات پیش کرتا ہے یا جس قسم کے اعلیٰ معارف کا دعویٰ کرتا ہے اس کی پوری مدافعت اور پورا الزام اور پورا پورا مقابلہ قرآن شریف میں موجود ہے کوئی شخص برہمو یا بدھ مذہب والا یا آریہ یا کسی اور رنگ کا فلسفی کوئی ایسی الٰہی صداقت نکال نہیں سکتا جو قرآن شریف میں پہلے سے موجود نہ ہو۔ قرآن شریف کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہو سکتے اور جس طرح صحیفۂ فطرت کے عجائب و غرائب خواص کسی پہلے زمانہ تک ختم نہیں ہو چکے بلکہ جدید در جدید پیدا ہوتے جاتے ہیں یہی حال ان صحف مطہرہ کا ہے تا خدائے تعالیٰ کے قول اور فعل میں مطابقت ثابت ہو۔ (ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 258-257)

اور مولویوں کا یہ کہنا کہ قرآن کے معنے اسی قدر درست ہیں جو احادیث صحیحہ سے نکل سکتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر بیان کرنا معصیت ہے چہ جائیکہ موجب کمال سمجھا جائے۔ یہ سراسر خیالات باطلہ ہیں۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن اصلاح کامل اور تزکیہ اتم اور اکمل کے لئے آیا ہے اور وہ خود دعویٰ کرتا ہے کہ تمام کامل سچائیاں اس کے اندر ہیں جیسا کہ فرماتا ہے **فِیْهَا کُتُبٌ قَیِّمَةٌ۔ تو اس صورت میں ضرور ہے کہ جہاں تک سلسلہ معارف اور علوم الٰہیہ کا ممتد ہو سکے وہاں تک قرآنی تعلیم کا بھی دامن پہنچا ہوا ہو** اور یہ بات صرف میں نہیں کہتا بلکہ قرآن خود اس صفت کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور اپنا نام اکمل الکتب رکھتا ہے پس ظاہر ہے کہ اگر معارف الٰہیہ کے بارے میں کوئی حالت منتظرہ باقی ہوتی جس کا قرآن شریف نے ذکر نہیں کیا تو قرآن شریف کا حق نہیں تھا کہ وہ اپنا نام اکمل الکتب رکھتا۔ **حدیثوں کو ہم اس سے زیادہ درجہ نہیں دے سکتے کہ وہ بعض مقامات میں بطور تفصیل اجمالات قرآنی ہیں سخت جاہل اور نااہل وہ اشخاص ہیں کہ جو قرآن شریف کی تعریف اس طور سے نہیں کرتے جو قرآن شریف میں موجود ہے بلکہ اس کو معمولی اور کم درجہ پر لانے کیلئے کوشش کر رہے ہیں۔** (سراج منیر۔ ر۔خ۔ جلد 12 صفحہ 41)

قرآن کے اعجازی معارف جو غیر محدود ہیں ان پر ایک یہ بھی دلیل ہے کہ ظاہر اور معمولی معنے تو ہر ایک مومن اور فاسق اور مسلم اور کافر کو معلوم ہیں اور کوئی وجہ نہیں جو معلوم نہ ہوں۔ تو پھر نبیوں اور عارفوں کو ان پر کیا فوقیت ہوئی۔ اور پھر اسکے کیا معنے ہوئے کہ لَا یَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ (الواقعہ: 80)

(سراج منیر۔ ر۔خ۔ جلد 12 صفحہ 42)

قرآن کریم کی تفصیل

پھر فرمایا ثُمَّ فُصِّلَتْ (ھود: 2)۔ ایک تو وہ تفصیل ہے، جو قرآن کریم میں ہے **دوسری یہ کہ قرآن کریم کے معارف وحقائق کے اظہار کا سلسلہ قیامت تک دراز کیا گیا ہے۔** ہر زمانے میں نئے معارف اور اسرار ظاہر ہوتے ہیں فلسفی اپنے رنگ میں، طبیب اپنے مذاق پر، صوفی اپنے طرز بیان پر کرتے ہیں اور پھر یہ تفصیل بھی حکیم وخبیر خدا نے رکھی ہے۔ حکیم اس کو کہتے ہیں کہ جن چیزوں کا علم مطلوب ہو وہ کامل طور پر ہو اور پھر عمل بھی کامل ہو۔ ایسا کہ ہر ایک چیز کو اپنے اپنے محل وموقع پر رکھ سکے۔ حکمت کے معنی وَضْعُ الشَّیْئِ فِیْ مَحَلِّهٖ اور خَبِیْر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی ایسا وسیع علم کہ کوئی چیز اس کی خبر سے باہر نہیں، **چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب مجید کو خاتم الکتب ٹھہرایا تھا اور اس کا زمانہ قیامت تک دراز تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ کس طرح پر یہ تعلیمیں ذہن نشین کرنی چاہئیں، چنانچہ اسی کے مطابق تفاصیل کی ہیں۔ پھر اس کا سلسلہ جاری رکھا کہ جو مجدد و مصلح احیاء دین کے لئے آتے ہیں، وہ خود مفصل آتے ہیں۔**

(ملفوظات جلد اول صفحہ 346)

قرآن شریف میں غیر محدود معارف ہونے کا فلسفہ

اگر دوسرے معنی بھی ہوں تو ان دونوں معنوں میں کوئی تناقض پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہدایت قرآنی میں کوئی نقص عائد حال ہوتا ہے بلکہ ایک نور کے ساتھ دوسرا نور مل کر عظمت فرقانی کی روشنی نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے اور چونکہ زمانہ غیر محدود انقلابات کی وجہ سے غیر محدود خیالات کا بالطبع محرک ہے لہذا اس کا نئے پیرایہ میں ہو کر جلوہ گر ہونا یا نئے نئے علوم کو بمنصہ ءظہور لانا نئے نئے بدعات اور محدثات کو دکھلانا ایک ضروری امر اس کے لئے پڑا ہوا ہے۔ اب اس حالت میں ایسی کتاب جو خاتم الکتب ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اگر زمانہ کے ہر یک رنگ کے ساتھ مناسب حال اس کا تدارک نہ کرے تو وہ ہرگز خاتم الکتب نہیں ٹھہر سکتی اور اگر اس کتاب میں مخفی طور پر وہ سب سامان موجود ہے جو ہر یک حالت زمانہ کے لئے درکار ہے تو اس صورت میں ہمیں ماننا پڑے گا کہ قرآن بلا ریب غیر محدود معارف پر مشتمل ہے اور ہر یک زمانہ کی ضرورت لاحقہ کا کامل طور پر متکفل ہے۔

(ازالہ اوہام ۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 261-260)

قرآن کریم کو کھول کر دیکھو کتنے مقام میں اس مضمون کی آیتیں ہیں کہ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعة: 3) یعنے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن اور قرآنی حکمت لوگوں کو سکھلاتا ہے اور پھر ایک جگہ اور فرماتا ہے وَ لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعه: 80) یعنے قرآن کے حقائق و دقائق انہیں پر کھلتے ہیں جو پاک کئے گئے ہیں۔ پس ان آیات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے سمجھنے کیلئے ایک ایسے معلم کی ضرورت ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پاک کیا ہو۔ اگر قرآن کے سیکھنے کیلئے معلم کی حاجت نہ ہوتی تو ابتدائے زمانہ میں بھی نہ ہوتی۔ اور یہ کہنا کہ ابتدا میں تو حل مشکلات قرآن کے لئے ایک معلم کی ضرورت تھی لیکن جب حل ہو گئیں تو اب کیا ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حل شدہ بھی ایک مدت کے بعد پھر قابل حل ہو جاتی ہیں ماسوا اسکے امت کو ہر ایک زمانہ میں نئی مشکلات بھی تو پیش آتی ہیں اور قرآن جامع جمیع علوم تو ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی زمانہ میں اس کے تمام علوم ظاہر ہو جائیں بلکہ جیسی جیسی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ویسے ویسے قرآنی علوم کھلتے ہیں اور ہر یک زمانہ کی مشکلات کے مناسب حال ان مشکلات کو حل کرنیوالے روحانی معلم بھیجے جاتے ہیں جو وارث رُسل ہوتے ہیں اور ظلی طور پر رسولوں کے کمالات کو پاتے ہیں اور جس مجدد کی کاروائیاں کسی ایک رسول کی منصبی کاروائیوں سے شدید مشابہت رکھتی ہیں وہ عنداللہ اسی رسول کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

(شہادت القرآن ۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 348)

قرآن ذوالمعارف ہے

قرآن شریف ذوالمعارف ہے اور کئی وجوہ سے اس کے معنے ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد نہیں اور جس طرح قرآن شریف یک دفعہ نہیں اترا اسی طرح اسکے معارف بھی دلوں پر یکدفعہ نہیں اترتے۔

(نزول المسیح۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 421)

جس طرح اللہ تعالیٰ نے نباتات وغیرہ میں کئی قسم کے خواص رکھے ہیں مثلاً ایک بوٹی دماغ کو قوت دیتی ہے اور ساتھ ہی جگر کو بھی مفید ہے اسی طرح قرآن شریف کے ہر ایک آیت مختلف قسم کے معارف پر دلالت کرتی ہے۔

(نزول المسیح۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ نمبر 421 حاشیہ)

وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ
اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ۔(النمل: 83)

علم غیب خدا تعالےٰ کا خاصہ ہے جس قدر وہ دیتا ہے اسی قدر ہم لیتے ہیں۔ پہلے اسی نے غیب سے مجھے یہ فہم عطا کیا کہ ایسے سست زندگی والے جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان تو لاتے ہیں مگر عملی حالت میں بہت کمزور ہیں یہ دابۃ الارض ہیں یعنی زمین کے کیڑے ہیں آسمان سے انکو کچھ حصہ نہیں۔ اور مقدر تھا کہ آخری زمانہ میں یہ لوگ بہت ہو جائیں گے اور اپنے ہونٹوں سے اسلام کی شہادت دینگے مگر انکے دل تاریکی میں ہونگے۔ یہ تو وہ معنی ہیں جو پہلے ہم نے شائع کئے اور یہ معنے بجائے خود صحیح اور درست ہیں۔ اب ایک اور معنے خدا تعالیٰ کی طرف سے اس آیت کے متعلق کھلے جن کو ابھی ہم نے بیان کر دیا ہے یعنی یہ کہ دابۃ الارض سے مراد وہ کیڑا بھی ہے جو مقدر تھا جو مسیح موعود کے وقت میں زمین میں سے نکلے اور دنیا کو انکی بداعمالیوں کیوجہ سے تباہ کرے۔ یہ خوب یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جیسی یہ آیت دو معنوں پر مشتمل ہے ایسے ہی صدہا نمونے اسی قسم کے کلام الٰہی میں پائے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے اسکو معجزانہ کلام کہا جاتا ہے جو ایک ایک آیت دس دس پہلو پر مشتمل ہوتی ہے اور وہ تمام پہلو صحیح ہوتے ہیں بلکہ قرآن شریف کے حروف اور انکے اعداد بھی معارف مخفیہ سے خالی نہیں ہوتے۔

(نزول المسیح۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 422-421)

حدیث رسولؐ کے مطابق

ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں اور ابونعیم نے اپنی کتاب حلیہ میں ابی قلابہ سے روایت کی ہے کہ ابوالدرداء نے کہا ہے کہ **انک لاتفقہ کل الفقہ حتی تری للقراٰن وجوھا** یعنی تجھ کو قرآن کا پورا فہم کبھی عطا نہیں ہوگا جب تک تجھ پر یہ نہ کھلے کہ قرآن کئی وجوہ پر اپنے معنے رکھتا ہے۔ ایسا ہی مشکوٰۃ میں یہ مشہور حدیث ہے کہ قرآن کے لئے ظہر اور بطن ہے اور وہ علم اولین اور آخرین پر مشتمل ہے۔

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ۔ جلد 17 صفحہ 216 حاشیہ)

قرآن کریم۔ ذوالمعارف وذوالمعانی ہے ......امثال

وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ (الکہف:87) پس واضح ہو کہ آیت قرآنی بہت سے اسرار اپنے اندر رکھتی ہے جس کا احاطہ نہیں ہوسکتا اور جس کے ظاہر کے نیچے ایک باطن بھی ہے لیکن وہ معنے جو خدا نے میرے پر ظاہر فرمائے ہیں وہ یہ ہیں کہ یہ آیت مع اپنے سابق اور لاحق کے مسیح موعود کے لئے ایک پیشگوئی ہے اور اس کے وقت ظہور کو مشخص کرتی ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ مسیح موعود بھی ذوالقرنین ہے کیونکہ قرن عربی زبان میں صدی کو کہتے ہیں اور آیت قرآنی میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ وعدہ کا مسیح جو کسی وقت ظاہر ہوگا اس کی پیدائش اور اس کا ظاہر ہونا دو صدیوں پر مشتمل ہوگا چنانچہ میرا وجود اسی طرح پر ہے۔

(لیکچر لاہور۔ ر۔خ۔ جلد 20 صفحہ 199 حاشیہ)

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ۔ (سورۃ المومنون:16)

پھر یقیناً تم بعد اس کے البتہ مرنے والے ہو

مَوْت کا لفظ قرآن کریم میں ذوالوجوہ ہے۔ کافر کا نام بھی مردہ رکھا ہے اور ہوا و ہوس سے مرنا بھی ایک قسم کی موت ہے اور قریب الموت کا نام بھی مَیِّت ہے اور یہی تینوں وجوہ استعمال حَیَات میں بھی پائی جاتی یعنی حیات بھی تین قسم کی ہیں۔ (ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 445)

وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ۔ (الزمر:69)

پھر بارھوین علامت مسیح موعود کا پیدا ہونا ہے جس کو کلام الٰہی میں نفخ صور کے استعارہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور نفخ حقیقت میں دو قسم پر ہے۔ ایک نفخ اضلال اور ایک نفخ ہدایت۔ جیسا کہ اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ۔ یہ آیتیں ذوالوجوہ ہیں قیامت سے بھی تعلق رکھتی ہیں اور اس عالم سے بھی۔ جیسا کہ آیت **اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا** (الحدید:18) اور جیسا کہ آیت **فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا**۔ (الرعد:18) اور اس عالم کے لحاظ سے ان آیتوں کے یہ معنی ہیں کہ آخری دنوں میں دو زمانے آئیں گے۔ ایک ضلالت کا زمانہ اور اس زمانہ میں ہر ایک زمینی اور آسمانی یعنے شقی اور سعید پر غفلت سی طاری ہوگی مگر جس کو خدا محفوظ رکھے اور پھر دوسرا زمانہ ہدایت کا آئیگا۔ پس ناگاہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور دیکھتے ہونگے۔ یعنی غفلت دور ہو جائے گی اور دلوں میں معرفت داخل ہو جائے گی۔ اور شقی اپنی شقاوت پر متنبہ ہو جائیں گے گو ایمان نہ لاویں۔

(شہادت القران۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 321)

وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ۔(المرسلٰت:12)

اور جب رسول وقت مقرر پر لائے جائیں گے۔ یہ اشارہ درحقیقت مسیح موعود کے آنے کی طرف ہے اوراس بات کا بیان مقصود ہے کہ وہ عین وقت پر آئے گا اور یاد رہے کہ کلام اللہ میں رُسُل کا لفظ واحد پر بھی اطلاق پاتا ہے اور غیر رسول پر بھی اطلاق پاتا ہے اور یہ میں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ اکثر قرآن کریم کی آیات کئی وجوہ کی جامع ہیں جیسا کہ یہ احادیث سے ثابت ہے کہ قرآن شریف کے لئے ظہر بھی ہیں اور بطن بھی

پس اگر رسول قیامت کے میدان میں بھی شہادت کے لئے جمع ہوں تو امنا و صدقنا لیکن اس مقام میں جو آخری زمانہ کی ابتر علامات بیان فرما کر پھر اخیر پر بھی فرما دیا کہ اس وقت رسول وقت مقرر پر لائے جائیں گے تو قرائن بینہ صاف طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس ظلمت کے کمال کے بعد خدا تعالیٰ کسی اپنے مرسل کو بھیجے گا تا مختلف قوموں کا فیصلہ ہو اور چونکہ قرآن شریف سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ ظلمت عیسائیوں کی طرف سے ہو گی تو ایسا مامور من اللہ بلا شبہ انہیں کی دعوت کے لئے اور انہیں کے فیصلہ کے لئے آئے گا پس اسی مناسبت سے اس کا نام عیسیٰ رکھا گیا ہے کیونکہ وہ عیسائیوں کے لئے ایسا ہی بھیجا گیا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے لئے بھیجے گئے تھے اور آیت وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ میں الف لام عہد خارجی پر دلالت کرتا ہے یعنی وہ مجدد جس کا بھیجنا بزبان رسول کریم معہود ہو چکا ہے وہ اس عیسائی تاریکی کے وقت میں بھیجا جائے گا۔

(شہادت القرآن۔ر۔خ۔جلد 6 صفحہ 320-319)

اوراس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً آیت ھوالذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله (الصف:10) **آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے اور پھر یہی آیت مسیح موعود کے حق میں بھی ہے۔ جیسا کہ تمام مفسر اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ پس یہ بات کوئی غیر معمولی امر نہیں ہے کہ ایک آیت کا مصداق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہوں اور پھر مسیح موعود بھی اسی آیت کا مصداق ہو۔** بلکہ قرآن شریف جو ذوالوجوہ ہے اس کا محاورہ اسی طرز پر واقع ہوگیا ہے کہ ایک آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مراد اور مصدق[1] ہوتے ہیں اور اسی آیت کا مصداق مسیح موعود بھی ہوتا ہے جیسا کہ آیت ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی (الصف:10) سے ظاہر ہے۔ اور رسول سے مراد اسجگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں اور مسیح بھی۔

(تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ۔جلد 17 صفحہ 217)

---

[1] صحیح لفظ ''مصداق'' ہے۔ مصحح

اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ......مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔ (القدر 2تا6)

قرآن شریف میں جولیلۃ القدر کا ذکر آیا ہے کہ وہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے یہاں لیلۃ القدر کے تین معنی ہیں اول تو یہ کہ **رمضان میں ایک رات لیلۃ القدر کی ہوتی ہے دوم یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بھی ایک لیلۃ القدر تھا** یعنی سخت جہالت اور بے ایمانی کی تاریکی کے زمانہ میں وہ آیا جبکہ ملائکہ کا نزول ہوا کیونکہ نبی دنیا میں اکیلا نہیں آتا بلکہ وہ بادشاہ ہوتا ہے اوراس کے ساتھ لاکھوں کروڑوں ملائکہ کا لشکر ہوتا ہے جو ملائک اپنے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں اورلوگوں کے دلوں کو نیکی کی طرف کھینچتے ہیں۔ **سوم لیلۃ القدر انسان کے لئے اس کا وقت اصفٰی** ہے۔ تمام وقت یکساں نہیں ہوتے۔ بعض وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ کو کہتے کہ اَرِحْنَا یَاعَائِشَۃُ یعنی اے عائشہؓ مجھ کوراحت وخوشی پہنچا اور بعض وقت آپ بالکل دعا میں مصروف ہوتے جیسا کہ سعدیؒ نے کہا ہے۔

وقتے چنیں بودے کہ بجبرائیل و میکائیل پر داختے و دیگر وقت باحفصہ و زینب در ساختے

ترجمہ: کسی وقت جبرائیل اور میکائیل کے ساتھ ہوتے اور کسی وقت (اپنی ازواج) حفصہؓ اور زینبؓ کے ساتھ ہوتے

جتنا جتنا انسان خدا کے قریب آتا ہے۔ یہ وقت اسے زیادہ میسر آتا ہے۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 537-536)

اسی طرف اللہ جلشانہ اشارہ فرماتا ہے کہ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ۔ یعنی اس لیلۃ القدر کے نور کو دیکھنے والا اور وقت کے مصلح کی صحبت سے شرف حاصل کرنے والا اس اسی برس کے بڈھے سے اچھا ہے جس نے اس نورانی وقت کو نہیں پایا اور اگر ایک ساعت بھی اس وقت کو پالیا ہے تو یہ ایک ساعت اس ہزار مہینے سے بہتر ہے جو پہلے گذر چکے۔ کیوں بہتر ہے؟ اس لئے کہ اس لیلۃ القدر میں خدا تعالیٰ کے فرشتے اور روح القدس اس مصلح کے ساتھ رب جلیل کے اذن سے آسمان سے اترتے ہیں نہ عبث طور پر بلکہ اس لئے کہ تا مستعد دلوں پر نازل ہوں اور سلامتی کی راہیں کھولیں۔ سو وہ تمام راہوں کے کھولنے اور تمام پردوں کے اٹھانے میں مشغول رہتے ہیں یہاں تک کہ ظلمتِ غفلت دور ہو کر صبح ہدایت نمودار ہو جاتی ہے۔ (فتح اسلام۔ ر۔خ جلد 3 صفحہ 33-32)

قرآنی حقائق ومعارف

ضرورت زمانہ کے مطابق نازل ہوتے ہیں

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُه‘ وَ مَا نُنَزِّلُه‘ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۔ (الحجر:22)

دنیا کی تمام چیزوں کے ہمارے پاس خزانے ہیں مگر بقدر ضرورت ومقتضائے مصلحت وحکمت ہم ان کو اتارتے ہیں۔اس آیت سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ ہر یک چیز جو دنیا میں پائی جاتی ہے وہ آسمان سے ہی اتری ہے اس طرح پر کہ ان چیزوں کے علل موجبہ اسی خالق حقیقی کی طرف سے ہیں اور نیز اس طرح پر کہ اسی کے الہام اور القاء اور سمجھانے اور عقل اور فہم بخشنے سے ہر یک صنعت ظہور میں آتی ہے لیکن زمانہ کی ضرورت سے زیادہ ظہور میں نہیں آتے **اور ہر یک مامور من اللہ کو وسعت معلومات بھی زمانہ کی ضرورت کے موافق دی جاتی ہے۔علیٰ ہذا القیاس قرآن کریم کے دقائق ومعارف وحقائق بھی زمانہ کی ضرورت کے موافق ہی کھلتے ہیں۔**

(ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 451-450)

ہر ایک چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں مگر ہم قدر ضرورت سے زیادہ ان کو نازل نہیں کیا کرتے پس یہ حکمت الٰہیہ کے برخلاف ہے کہ ایک نبی کو امت کی اصلاح کے لئے وہ علوم دئے جائیں جن علوم سے وہ امت مناسبت ہی نہیں رکھتی بلکہ حیوانات میں بھی خدا تعالیٰ کا یہی قانون قدرت پایا جاتا ہے۔ (حقیقۃ الوحی۔ر۔خ۔جلد22 صفحہ 156-155)

اصل حقیقت وحی کی یہ ہے جو نزول وحی کا بغیر کسی موجب کے جو مستدعی نزول وحی ہو ہرگز نہیں ہوتا بلکہ ضرورت کے پیش آ جانے کے بعد ہوتا ہے اور جیسی جیسی ضرورتیں پیش آتی ہیں بمطابق ان کے وحی بھی نازل ہوتی ہے کیونکہ وحی کے باب میں **یہی عادت اللہ جاری ہے کہ جب تک باعث محرک وحی پیدا نہ ہولے تب تک وحی نازل نہیں ہوتی اور خود ظاہر بھی ہے جو بغیر موجودگی کسی باعث کے جو تحریک وحی کی کرتا ہو یونہی بلا موجب وحی کا نازل ہو جانا ایک بے فائدہ کام ہے جو خداوند تعالیٰ کی طرف جو حکیم مطلق ہے اور ہر یک کام برعایت حکمت اور مصلحت اور مقتضاء وقت کے کرتا ہے منسوب نہیں ہوسکتا۔** (براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 75 حاشیہ نمبر2)

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۔ (الصّف:10)

میں رسالہ فتح اسلام میں کسی قدر لکھ آیا ہوں کہ اسلام کے ضعف اور غربت اور تنہائی کے وقت میں خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے تا میں ایسے وقت میں جو اکثر لوگ عقل کی بد استعمالی سے ضلالت کی راہیں پھیلا رہے ہیں اور روحانی امور سے رشتہ مناسبت بالکل کھو بیٹھے ہیں اسلامی تعلیم کی روشنی ظاہر کروں۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ اب وہ زمانہ آ گیا ہے کہ اسلام اپنا اصلی رنگ نکال لائے گا اور اپنا وہ کمال ظاہر کرے گا جس کی طرف آیت لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ میں اشارہ ہے سنت اللہ اسی طرح واقع ہے کہ خزائن معارف ودقائق اسی قدر ظاہر کئے جاتے ہیں جس قدر ان کی ضرورت پیش آتی ہے سو یہ زمانہ ایک ایسا زمانہ ہے جو اس نے ہزارہا عقلی مفاسد کو ترقی دے کر اور بے شمار معقولی شبہات کو بمنصہ ءظہور لا کر بالطبع اس بات کا تقاضا کیا ہے کہ ان اوہام واعتراضات کے رفع دفع کے لئے فرقانی حقائق ومعارف کا خزانہ کھولا جائے بے شک یہ بات یقینی طور پر ماننی پڑے گی کہ جس قدر حق کے مقابل پر اب معقول پسندوں کے دلوں میں اوہام باطلہ پیدا ہوئے ہیں اور عقلی اعتراضات کا ایک طوفان برپا ہوا ہے اس کی نظیر کسی زمانہ میں پہلے زمانوں میں سے نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا ابتداء سے اس امر کو بھی کہ ان اعتراضات کا براہین شافیہ وکافیہ سے بحوالہ آیات قرآن مجید بکلی استیصال کر کے تمام ادیان باطلہ پر فوقیت اسلام ظاہر کر دی جائے اسی زمانہ پر چھوڑا گیا تھا **کیونکہ پیش از ظہور مفاسد ان مفاسد کی اصلاح کا تذکرہ محض بے محل تھا۔ اسی وجہ سے حکیم مطلق نے ان حقائق اور معارف کو اپنی کلام پاک میں مخفی رکھا اور کسی پر ظاہر نہ کیا جب تک کہ ان کے اظہار کا وقت آ گیا۔** ہاں اس وقت کی اس نے پہلے سے اپنی کتاب عزیز میں خبر دے رکھی تھی جو آیت هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی میں صاف اور کھلے کھلے طور پر مرقوم ہے۔ **سو اب وہی وقت ہے اور ہر یک شخص روحانی روشنی کا محتاج ہو رہا ہے سو خدائے تعالیٰ نے اس روشنی کو دیکر ایک شخص کو دنیا میں بھیجا وہ کون ہے؟ یہی ہے جو بول رہا ہے۔** (ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 514-515)

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۔ (الکھف:110)

یعنی اگر خدا کی کلام کے لکھنے کے لئے سمندر کو سیاہی بنایا جائے تو لکھتے لکھتے سمندر ختم ہو جائے اور کلام میں کچھ کمی نہ ہو۔ گو ویسے ہی اور سمندر بطور مدد کے کام میں لائے جائیں۔ **رہی یہ بات کہ ہم لوگ ختم ہونا وحی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کن معنوں سے مانتے ہیں سو اس میں اصل حقیقت یہ ہے کہ گو کلام الٰہی اپنی ذات میں غیر محدود ہے لیکن چونکہ وہ مفاسد کہ جن کی اصلاح کے لئے کلام الٰہی نازل ہوتی رہی یا وہ ضرورتیں کہ جن کو الہام ربانی پورا کرتا رہا ہے وہ قدر محدود سے زیادہ نہیں ہیں اس لئے کلام الٰہی بھی اسی قدر نازل ہوئی ہے کہ جس قدر بنی آدم کو اس کی ضرورت تھی۔**

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 100-101 حاشیہ نمبر 9)

پانچویں فصل قرآن ۔ کتاب مکنون

قرآنی تعلیم انسانی فطرت کے مطابق ہے

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ۔ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ۔اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ۔ فِىْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ۔ لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ (الواقعہ:76 تا80)

میں مواقع النجوم کی قسم کھاتا ہوں اور یہ بڑی قسم ہے اگر تمہیں علم ہو اور قسم اس بات پر ہے کہ یہ قرآن عظیم الشان کتاب ہے **اور اس کی تعلیمات سنت اللہ کے مخالف نہیں بلکہ اس کی تمام تعلیمات کتاب مکنون یعنی صحیفہء فطرت میں لکھی ہوئی ہیں** اور اس کے دقائق کو وہی لوگ معلوم کرتے ہیں جو پاک کئے گئے ہیں۔

(کرامات الصادقین۔ ر۔خ۔ جلد7 صفحہ 52-53)

بلکہ یہ سارا صحیفہ قدرت کے مضبوط صندوق میں محفوظ ہے۔ کیا مطلب کہ یہ قرآن کریم ایک چھپی ہوئی کتاب میں ہے اس کا وجود کاغذوں تک ہی محدود نہیں **بلکہ وہ ایک چھپی ہوئی کتاب میں ہے جس کو صحیفہء فطرت کہتے ہیں یعنی قرآن کی ساری تعلیم کی شہادت قانون قدرت کے ذرہ ذرہ کی زبان سے ادا ہوتی ہے** اس کی تعلیم اور اس کی برکات کتھا کہانی نہیں جو مٹ جائیں۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 41)

انسانی فطرت کا پورا اور کامل عکس صرف قرآن شریف ہی ہے اگر قرآن نہ بھی آیا ہوتا۔ جب بھی اس تعلیم کے مطابق انسان سے سوال کیا جاتا کیونکہ یہ ایسی تعلیم ہے جو فطرتوں میں مرکوز اور قانون قدرت کے ہر صفحہ میں مشہود ہے۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 655)

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۔ (الانبیاء:51)

قرآن شریف صرف سماع کی حد تک محدود نہیں ہے کیونکہ اس میں انسانوں کے سمجھانے کے لئے بڑے بڑے معقول دلائل ہیں اور جس قدر عقائد اور اصول اور احکام اس نے پیش کئے ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا امر نہیں جس میں زبردستی اور تحکم ہو جیسا کہ اس نے خود فرما دیا ہے کہ یہ سب عقائد وغیرہ انسان کی فطرت میں پہلے سے منقوش ہیں اور قرآن شریف کا نام ذکر رکھا ہے **جیسا کہ فرماتا ہے هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ یعنی یہ قرآن بابرکت کوئی نئی چیز نہیں لایا بلکہ جو کچھ انسان کی فطرت اور صحیفہء قدرت میں بھرا پڑا ہے اس کو یاد دلاتا ہے۔**

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ۔ جلد10 صفحہ 433)

آیت فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا (الروم:31) کے معنے یہی ہیں کہ اسلام فطرتی مذہب ہے۔ انسان کی بناوٹ جس مذہب کو چاہتی ہے وہ اسلام ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اسلام میں بناوٹ نہیں ہے۔ **اس کے تمام اصول فطرت انسانی کے موافق ہیں** تثلیث اور کفارہ کی طرح نہیں ہیں جو سمجھ میں نہیں آ سکتے۔ عیسائیوں نے خود مانا ہے کہ جہاں تثلیث نہیں گئی وہاں توحید کا مطالبہ ہوگا کیونکہ فطرت کے موافق توحید ہی ہے۔ اگر قرآن شریف نہ بھی ہوتا تب بھی انسانی فطرت توحید ہی کو مانتی کیونکہ وہ باطنی شریعت کے موافق ہے۔ ایسا ہی اسلام کی کل تعلیم باطنی شریعت کے موافق ہے برخلاف عیسائیوں کی تعلیم کے جو مخالف ہے۔ دیکھو حال ہی میں امریکہ میں طلاق کا قانون خلاف انجیل پاس کرنا پڑا۔ یہ دقت کیوں پیش آئی اس لئے کہ انجیل کی تعلیم فطرت کے موافق نہ تھی۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 450-449)

جو کچھ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے قانون قدرت اس کو پوری مدد دیتا ہے گویا جو قرآن میں ہے وہی کتاب مکنون میں ہے اس کا راز انبیاء علیہم السلام کی پیروی کے بدوں سمجھ میں نہیں آ سکتا اور یہی وہ سر ہے جو لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ (الواقعہ:80) **میں رکھا گیا ہے۔** (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 343)

اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ حَقُّ الْیَقِیْنِ ۔ (الواقعۃ : 96)

قرآن متقیوں کو وہ سارے امور یاد دلاتا ہے جو ان کی فطرت میں مخفی اور مستور تھے اور یہ حق محض ہے جو انسان کو یقین تک پہنچاتا ہے۔ (جنگ مقدس۔ ر۔ خ۔ جلد 6 صفحہ 87)

روحانی اور جسمانی نظام باہم مخالف نہیں ہیں

وَ ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَہٗ نَسَبًا وَّ صِھْرًا ط
وَ کَانَ رَبُّکَ قَدِیْرًا ۔ (الفرقان:55)

خداوہ ذات قادر مطلق ہے جس نے بشر کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا پھر اس کے لئے نسل اور رشتہ مقرر کر دیا۔ اسی طرح وہ انسان کی روحانی پیدائش پر بھی قادر تھا یعنی اس کا قانون قدرت روحانی پیدائش میں بعینہ جسمانی پیدائش کی طرح ہے کہ اول وہ ضلالت کے وقت میں کہ جو عدم کا حکم رکھتا ہے کسی انسان کو روحانی طور پر اپنے ہاتھ سے پیدا کرتا ہے اور پھر اس کے متبعین کو کہ جو اس کی ذریت کا حکم رکھتے ہیں بہ برکت متابعت اس کی کے روحانی زندگی عطا فرماتا ہے سو تمام مرسل روحانی آدم ہیں اور ان کی امت کے نیک لوگ ان کی روحانی نسلیں ہیں **اور روحانی اور جسمانی سلسلہ بالکل آپس میں تطابق رکھتا ہے اور خدا کے ظاہری اور باطنی قوانین میں کسی نوع کا اختلاف نہیں۔**

(براھین احمدیہ۔ ر۔ خ۔ جلد 1 صفحہ 656-654)

عالم صغیر اور عالم کبیر کا نظام مشابہ ہے

قیوم العالم جو تمام عالم کے بقا اور قیام کے لئے نفس مدبرہ کی طرح اور بحکم آیت اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (النور : 36) ان کی حیات کا نور ہے تدبیر عالم کبیر کی بواسطہ ملایک کے فرماتا ہے **اور ہمیں اس بات کے ماننے سے چارہ نہیں کہ جو کچھ عالم صغیر میں ذات واحد لاشریک کا نظام ثابت ہوا ہے اسی کے مشابہ عالم کبیر کا بھی نظام ہے۔** کیونکہ یہ دونوں عالم ایک ہی ذات سے صادر ہیں اور اس ذات واحد لاشریک کا یہی تقاضا ہونا چاہیئے کہ دونوں نظام ایک ہی شکل اور طرز پر واقع ہوں تا دونوں مل کر ایک ہی خالق اور صانع پر دلالت کریں کیونکہ توحید فی النظام توحید باری عزاسمہٗ کے مسئلہ کو موید ہے۔ وجہ یہ کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر کئی خالق ہوتے تو اس نظام میں اختلاف کثیر پایا جاتا۔ غرض یہ بات نہایت سیدھی اور صاف ہے کہ ملایک اللہ عالم کبیر کے لئے ایسے ہی ضروری ہیں جیسے قویٰ روحانیہ وجسیہ نشاء انسانیہ کے لئے جو عالم صغیر ہے۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔ خ۔ جلد 5 صفحہ 176 حاشیہ)

خدا کا قول اور فعل باہم مطابق ہیں

پس درحقیقت قرآن شریف خدا تعالےٰ کے اس قانون قدرت کی تصویر ہے جو ہمیشہ ہماری نظر کے سامنے ہے۔ یہ بات نہایت معقول ہے کہ خدا کا قول اور فعل دونوں مطابق ہونے چاہئیں۔ یعنی جس رنگ اور طرز پر دنیا میں خدا تعالیٰ کا فعل نظر آتا ہے ضرور ہے کہ خدا تعالیٰ کی سچی کتاب اپنے فعل کے مطابق تعلیم کرے۔ نہ یہ کہ فعل سے کچھ اور ظاہر ہو اور قول سے کچھ اور ظاہر ہو۔ خدا تعالیٰ کے فعل میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیشہ نرمی اور درگذر نہیں بلکہ وہ مجرموں کو طرح طرح کے عذابوں سے سزایاب بھی کرتا ہے ایسے عذابوں کا پہلی کتابوں میں بھی ذکر ہے۔ ہمارا خدا صرف علیم خدا نہیں بلکہ وہ حکیم بھی ہے اور اس کا قہر بھی عظیم ہے۔ سچی کتاب وہ کتاب ہے جو اس کے قانون قدرت کے مطابق ہے اور سچا قول الٰہی وہ ہے جو اس کے فعل کے مخالف نہیں۔ (چشمہء مسیحی۔ ر۔ خ۔ جلد 5 صفحہ 176)

قرآن کا نام ذکر ہے

قرآن کریم جس کا دوسرا نام ذکر ہے اس ابتدائی زمانہ میں انسان کے اندر چھپی ہوئی اور فراموش شدہ صداقتوں اور ودیعتوں کو یاد دلانے کے لئے آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ واثقہ کی رو سے کہ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر : 10) اس زمانہ میں بھی آسمان سے ایک معلم آیا جو اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعه:4) کا مصداق اور موعود ہے۔ وہ وہی ہے جو تمہارے درمیان بول رہا ہے۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 60)

وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ۔ (الحاقة : 49)

قرآن متقیوں کو وہ سارے امور یاد دلاتا ہے جو ان کی فطرت میں مخفی اور مستور تھے۔

(جنگ مقدس۔ ر۔ خ۔ جلد 6 صفحہ 87)

وعدہ فرمایا: کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ۔ (الحجر : 10)

قرآن کا نام ذکر رکھنے کی وجہ

اب دیکھو۔ قرآن کریم کا نام ذکر رکھا گیا ہے' اس لئے کہ وہ انسان کی اندرونی شریعت یاد دلاتا ہے۔ جب اسم فاعل کو مصدر کی صورت میں لاتے ہیں۔ تو وہ مبالغہ کا کام دیتا ہے۔ جیسا زید عدل۔ کیا معنے؟ زید بہت عادل ہے **قرآن کوئی نئی تعلیم نہیں لایا' بلکہ اس اندرونی شریعت کو یاد دلاتا ہے' جو انسان کے اندر مختلف طاقتوں کی صورت میں رکھی ہے حلم ہے' ایثار ہے' شجاعت ہے' جبر ہے' غضب ہے' قناعت ہے وغیرہ۔ غرض جو فطرت باطن میں رکھی تھی' قرآن نے اسے یاد دلایا۔ جیسے فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ** (الواقعۃ:79) یعنی صحیفہء فطرت میں کہ جو چھپی ہوئی کتاب تھی اور جس کو ہر ایک شخص نہ دیکھ سکتا تھا۔ اسی طرح اس کتاب کا نام ذکر بیان کیا۔ تا کہ وہ پڑھی جاوے تو وہ اندرونی اور روحانی قوتوں اور اس نور قلب کو جو آسمانی ودیعت انسان کے اندر ہے' یاد دلاوے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 60)

چھٹی فصل

قرآن حکیم کی پیشگوئیاں

قرآنی قصے دراصل پیشگوئیاں ہیں

اور جس قدر قرآن شریف میں قصے ہیں وہ بھی درحقیقت قصے نہیں بلکہ وہ پیشگوئیاں ہیں جو قصوں کے رنگ میں لکھی گئی ہیں ہاں وہ توریت میں تو ضرور صرف قصے پائے جاتے ہیں مگر قرآن شریف نے ہر ایک قصہ کو رسول کریم کے لئے اور اسلام کے لئے ایک پیشگوئی قرار دے دیا ہے اور یہ قصوں کی پیشگوئیاں بھی کمال صفائی سے پوری ہوئی ہیں۔ (چشمۂ معرفت۔ ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 271)

قرآن بہت سی پیشگوئیوں سے بھرا پڑا ہے

الٓمّٓ۔غُلِبَتِ الرُّوْمُ۔ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ۔

فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُمِنْ قَبْلُ وَ مِنْ ۢ بَعْدُ وَ يَوْمَئِذٍيَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ۔(الروم:2 تا5)

قرآن کریم کی پیشگوئیوں کے تذکرہ پر فرمایا کہ الٓمّٓ۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ میں کیسی عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ ایرانی مشرک تھے اور رومن عیسائی تھے مگر قیصر روم نے جس کا نام ہرقل تھا جیسا کہ بخاری میں درج ہے اسلام کی عظمت کا اعتراف کیا تھا اور اس طرح پر موحد ہی تھا۔ غرض جب ایرانیوں نے رومیوں پر فتح پائی تو کفار مکہ نے یہ سمجھ لیا کہ ہم بھی غالب ہوں گے لیکن خدا تعالیٰ نے اس پیشگوئی میں ان کو بتا دیا کہ ایرانی پھر مغلوب ہو جائیں گے۔ بعض نے اس پیشگوئی کو اٹکل کہا مگر انہیں یہ معلوم نہیں کہ اس میں دوہری پیشگوئی ہے کہ اسی دن اسلام کی بھی فتح ہوگی چنانچہ بدر کی لڑائی میں جب فتح ہوئی اسی دن ایرانی مغلوب ہوئے۔ (الحکم جلد 5 نمبر 40 مورخہ 10 نومبر 1903ء صفحہ 4)(تفسیر حضرت اقدس جلد 7 صفحہ 5)

قرآن میں انذاری پیشگوئیاں مشروط ہیں

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۔ (نوح : 3)

قرآن شریف میں حضرت نوح سے لے کر ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم تک جس قدر نافرمانوں کے حق میں انذاری پیشگوئیاں ذکر فرمائی گئی ہیں وہ سب شرطی طور پر ہیں جن کے یہی معنے ہیں کہ فلاں عذاب تم پر آنے والا ہے۔ پس اگر تم توبہ کرو اور نیک کام بجالاؤ تو وہ موقوف رکھا جائے گا ورنہ تم ہلاک کئے جاؤ گے۔
(ایام الصلح۔ ر۔خ۔ جلد 14 صفحہ 233)

وَ ذَاالنُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ (الانبیاء:88)

دعا بہت بڑی سپر کامیابی کے لئے ہے۔ یونسؑ کی قوم گریہ وزاری اور دعا کے سبب آنیوالے عذاب سے بچ گئی۔ میری سمجھ میں محاتبت مغاضبت کو کہتے ہیں اور حوت مچھلی کو کہتے ہیں اور نون تیزی کو بھی کہتے ہیں اور مچھلی کو بھی۔ پس حضرت یونسؑ کی وہ حالت ایک مغاضبت کی تھی۔ اصل یوں ہے کہ عذاب کے ٹل جانے سے ان کو شکوہ اور شکایت کا خیال گزرا کہ پیشگوئی اور دعایوں ہی رائیگاں گئی اور یہ بھی خیال گزرا کہ میری بات پوری کیوں نہ ہوئی۔ پس یہی مغاضبت کی حالت تھی۔ اس سے ایک سبق ملتا ہے کہ تقدیر کو اللہ بدل دیتا ہے اور رونا دھونا اور صدقات فردِ قرارداد جرم کو بھی ردی کر دیتے ہیں۔ اصول خیرات کا اسی سے نکلا ہے۔ یہ طریق اللہ کو راضی کرنے کے لئے ہیں۔ علم تعبیر الرویا میں مال کلیجہ ہوتا ہے۔ اس لیے خیرات کرنا جان دینا ہوتا ہے۔ انسان خیرات کرتے وقت کس قدر صدق و ثبات دکھاتا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ صرف قیل وقال سے کچھ نہیں بنتا، جبتک کہ عملی رنگ میں لاکر کسی بات کو نہ دکھایا جاوے۔ صدقہ اس کو اسی لیے کہتے ہیں کہ صادقوں پر نشان کر دیتا ہے۔ حضرت یونسؑ کے حالات میں درِ منثور میں لکھا ہے کہ آپ نے کہا کہ مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ جب تیرے سامنے کوئی آوے گا۔ تجھے رحم آ جائے گا ؎

ایں مشتِ خاک را گر نہ بخشم چہ کنم

ترجمہ:۔ اگر اس مٹھی بھر خاک کو نہ بخشوں تو کیا کروں۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 155)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پیشگوئی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کے ہاتھ سے قتل نہ کیا جانا ایک بڑا بھاری معجزہ ہے اور قرآن شریف کی صداقت کا ثبوت ہے کیونکہ قرآن شریف کی یہ پیشگوئی ہے۔ کہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ (المائدہ:68) اور پہلی کتابوں میں یہ پیشگوئی درج تھی کہ نبی آخر زمان کسی کے ہاتھ سے قتل نہ ہوگا۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 363-364)

اسلام کے بارے میں پیشگوئیاں

کفار نے کس دعویٰ کے ساتھ اپنی رائیں ظاہر کیں کہ یہ دین ضرور معدوم ہو جائے گا اور ہم اس کو کالعدم کر دینگے اوران کے مقابل پر یہ پیشگوئی کی گئی جو قرآن شریف میں موجود ہے کہ ہرگز تباہ نہیں ہوگا یہ ایک بڑے درخت کی طرح ہو جائے گا اور پھیل جائے گا اوراس میں بادشاہ ہوں گے اور جیسا کہ **كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ** (الفتح:30) میں اشارہ ہے۔ (جنگ مقدس۔ر۔خ جلد 6 صفحہ 291-290)

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۔ (القمر:44 تا46)

کیا تمہارے کافر فرعونی گروہ سے کچھ بہتر ہیں یا تم خدا کی کتابوں میں معذب اور ماخوذ ہونے سے مستثنیٰ اور بری قرار دیئے گئے ہو۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت بڑی قوی جماعت ہے کہ جوز بردست اور فتح مند ہے۔**عنقریب یہ ساری جماعت پیٹھ پھیرتے ہوئے بھاگے گی۔**

(براھین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 255 حاشیہ نمبر11)

آپ نے کس حوصلہ اور دلیری کے ساتھ مخالفوں کو مخاطب کر کے کہا کہ **فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا** (هود:56) یعنی کوئی دقیقہ مکر کا باقی نہ رکھو۔ سارے فریب مکر استعمال کرو۔ قتل کے منصوبے کرو۔ اخراج اور قید کی تدبیریں کرو مگر یاد رکھو **سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ** آخر فتح میری ہے۔ تمہارے سارے منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔ تمہاری ساری جماعتیں منتشر اور پراگندہ ہو جاویں گی اور پیٹھ دے نکلیں گی۔ جیسے وہ **عظیم الشان دعویٰ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا کسی نے نہیں کیا اور جیسے فکیدونی جمیعا کہنے کی کسی کی ہمت نہ ہوئی۔ یہ بھی کسی کے منہ سے نہ نکلا سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ یہ الفاظ اسی مونہہ سے نکلے جو خدا تعالیٰ کے سائے کے نیچے الوہیت کی چادر میں لپٹا ہوا پڑا تھا۔** (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 345)

قرآن میں دو قسم کی پیشگوئیاں ہیں

یاد رہے کہ قرآن شریف میں دو قسم کی پیشگوئیاں ہیں ایک قیامت کی اور ایک زمانۂ آخری کی۔ مثلاً جیسے یاجوج ماجوج کا پیدا ہونا اور ان کا تمام ریاستوں پر فائق ہونا۔ یہ پیشگوئی آخری زمانہ کے متعلق ہے اور حدیث مسلم نے پیشگوئی يُتْرَكُ الْقِلَاصُ میں صاف تشریح کر دی ہے اور کھول کر بیان کر دیا ہے کہ مسیح کے وقت میں اونٹ کی سواری ترک کر دی جائے گی۔ (تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ۔جلد17 صفحہ 198-197)

آخری زمانہ کی پیشگوئیاں

قرآن شریف کی رو سے سلسلہ محمدیہ سلسلہ موسویہ سے ہر ایک نیکی اور بدی میں مشابہت رکھتا ہے۔ اسی کی طرف ان آیتوں میں اشارہ ہے کہ ایک جگہ یہود کے حق میں لکھا ہے۔ **فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ**۔ (الاعراف:130) دوسری جگہ مسلمانوں کے حق میں لکھا ہے۔ **لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ**۔ (یونس:15) ان دونوں آیتوں کے یہ معنے ہیں کہ خدا تمہیں خلافت اور حکومت عطا کر کے پھر دیکھے گا کہ تم راستبازی پا قائم رہتے ہو یا نہیں۔ ان آیتوں میں جو الفاظ یہود کے لئے استعمال کیے ہیں۔ وہی مسلمانوں کے لئے۔ یعنی ایک ہی آیت کے نیچے ان دونوں کو رکھا ہے۔ **پس ان آیتوں سے بڑھ کر اس بات کے لئے اور کونسا ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ خدا نے بعض مسلمانوں کو یہود قرار دیدیا ہے اور صاف اشارہ کر دیا ہے کہ جن بدیوں کے یہود مرتکب ہوئے تھے یعنی علماء ان کے۔ اس امت کے علماء بھی انہیں بدیوں کے مرتکب ہوں گے۔ اور اسی مفہوم کی طرف آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ (الفاتحة:7) میں بھی اشارہ ہے۔**

(تذکرۃ الشہادتین۔ ر۔خ۔ جلد 20 صفحہ 13)

ریل کی پیشگوئی

جمعہ کی نماز سے پیشتر تھوڑی دیر حضرت اقدس علیہ السلام نے مجلس فرمائی۔ ریل وغیرہ کی ایجاد سے جو فوائد بنی نوع انسان کو پہنچے ہیں ان کا ذکر ہوتا رہا۔ اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ :۔

انسانی صنعتوں کا انحصار خدا تعالیٰ کے فضل پر ہے۔ ریل کے واسطے قرآن شریف میں دو اشارے ہیں۔

اول۔ **اِذَاالنُّفُوْسُ زُوِّجَتْ** ۔ (التکویر:8)

دوم۔ **اِذَاالْعِشَارُ عُطِّلَتْ** ۔ (التکویر: 5)

عشار حمل دار اونٹنی کو کہتے ہیں۔ حمل کا ذکر اس لئے کیا تا کہ معلوم ہو جاوے کہ قیامت کا ذکر نہیں ہے۔ صرف قرینہ کے واسطے یہ لفظ لکھا ہے ورنہ ضرورت نہ تھی۔ اگر پیشگوئیوں کا صدق اس دنیا میں نہ کھلے تو پھر اس کا فائدہ کیا ہو سکتا ہے اور ایمان کو کیا ترقی ہو؟ بیوقوف لوگ ہر ایک پیشگوئی کو صرف قیامت پر لگاتے ہیں اور جب پوچھو تو کہتے ہیں کہ اس دنیا کی نسبت کوئی پیشگوئی قرآن شریف میں نہیں ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 348)

یاجوج ماجوج اور دجال کی پیشگوئی

قَالَ انْظُرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۔ قَالَ اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ۔(الاعراف:15`16)

قرآن شریف اس شخص کو جس کا نام حدیثوں میں دجّال ہے شیطان قرار دیتا ہے جیسا کہ وہ شیطان کی طرف سے حکایت کر کے فرماتا ہے قَالَ انْظُرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۔ قَالَ اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ۔ یعنی شیطان نے جناب الٰہی میں عرض کی کہ میں اس وقت تک ہلاک نہ کیا جاؤں جب تک کہ وہ مردے جن کے دل مر گئے ہیں دوبارہ زندہ ہوں خدا نے کہا کہ میں نے تجھے اس وقت تک مہلت دی سو وہ دجال جس کا حدیثوں میں ذکر ہے وہ شیطان ہی ہے جو آخر زمانہ میں قتل کیا جائے گا۔جیسا کہ دانیال نے بھی یہی لکھا ہے اور بعض حدیثیں بھی یہی کہتی ہیں اور چونکہ مظہراتم شیطان کا نصرانیت ہے۔اس لئے سورۃ فاتحہ میں دجال کا تو کہیں ذکر نہیں مگر نصاریٰ کے شر سے خداتعالیٰ کی پناہ مانگنے کا حکم ہے۔**اگر دجال کوئی الگ مفسد ہوتا قرآن شریف میں بجائے اس کے کہ خداتعالیٰ یہ فرماتا وَلَاالضَّآلِّیْنَ یہ فرمانا چاہیے تھا کہ ولاالدجال** اور آیت اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ سے مراد جسمانی بعث نہیں کیونکہ شیطان صرف اس وقت تک زندہ ہے جب تک کہ بنی آدم زندہ ہیں۔ہاں شیطان اپنے طور سے کوئی کام نہیں کرتا بلکہ بذریعہ اپنے مظاہر کے کرتا ہے۔سو وہ مظاہر یہی انسان کو خدا بنانے والے ہیں اور چونکہ وہ گروہ ہے اس لئے اس کا نام دجال رکھا گیا ہے کیونکہ عربی زبان میں دجال گروہ کو بھی کہتے ہیں اور اگر دجال کو نصرانیت کے گمراہ واعظوں سے الگ سمجھا جائے تو ایک محذور لازم آتا ہے وہ یہ کہ جن حدیثوں سے یہ پتہ لگتا ہے کہ آخری دنوں میں دجال تمام زمین پر محیط ہو جائیگا انہیں حدیثوں سے یہ پتہ بھی لگتا ہے کہ آخری دنوں میں کلیسیا کی طاقت تمام مذاہب پر غالب آجائے گی۔پس یہ تناقض بجز اس کے کیونکہ دور ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔

(حقیقۃ الوحی۔ر۔خ۔جلد22صفحہ41)

پیشگوئیوں میں اِخفا اور متشابہات ضروری ہے

هُوَالَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ط فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ج وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ج وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔(اٰل عمران: 8)

پیشگوئیوں کے ہمیشہ دو حصہ ہوا کرتے ہیں اور آدمؑ سے اس وقت تک یہی تقسیم چلی آ رہی ہے کہ ایک حصہ متشابہات کا ہوا کرتا ہے اور ایک حصہ بیّنات کا اب حدیبیہ کے واقعات کو دیکھا جاوے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو سب سے بڑھ کر ہے مگر علم کے لحاظ سے میں کہتا ہوں کہ آپ کا سفر کرنا دلالت کرتا تھا کہ آپ کی رائے اسی طرف تھی کہ فتح ہوگی۔ **نبی کی اجتہادی غلطی جائے عار نہیں ہوا کرتی اصل صورت جو معاملہ کی ہوتی ہے وہ پوری ہو کر رہتی ہے انسان اور خدا میں یہی تو فرق ہے۔** (ملفوظات جلد سوم صفحہ 320)

پیشگوئی میں کسی قدر اخفاء اور متشابہات کا ہونا بھی ضروری ہے اور یہی ہمیشہ سنت الٰہی ہے ملا کی بنی اگر اپنی پیشگوئی میں صاف لکھ دیتا کہ الیاس خود نہ آئے گا بلکہ اس کا مثیل تو حضرت عیسیٰ کے ماننے میں اس قدر دقتیں اس زمانے کے علماء کو پیش نہ آتیں۔ ایسا ہی اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو پیشگوئیاں توریت اور انجیل میں ہیں وہ نہایت ظاہر الفاظ میں ہوتیں کہ آنے والا نبی آخر زمان اسماعیلؑ کی اولاد میں سے ہوگا اور شہر مکہ میں ہوگا تو پھر یہودیوں کو آپ کے ماننے سے کوئی انکار نہ ہوسکتا تھا لیکن خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ کہ ان میں متقی کون ہے جو صداقت کو اس کے نشانات سے دیکھ کر پہچانتا اور اس پر ایمان لاتا ہے

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 218-217)

یہ بات نہایت کار آمد اور یاد رکھنے کے لائق تھی کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مامور ہو کر آتے ہیں خواہ وہ رسول ہوں یا نبی یا محدث اور مجدد۔ ان کی نسبت جو پہلی کتابوں ہیں یا رسولوں کی معرفت پیشگوئیاں کی جاتی ہیں ان کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک وہ علامات جو ظاہری طور پر وقوع میں آتی ہیں اور ایک متشابہات جو استعارات اور مجازات کے رنگ میں ہوتی ہیں۔ پس جن کے دلوں میں زیغ اور کجی ہوتی ہے وہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں اور طالب صادق بینات اور محکمات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 477-476)

ساتویں فصل

قصص قرآن حکیم

قصص اور ہدایت میں فرق ہے

ایک اہم نکتہ

قرآن کریم کے دو حصے ہیں۔کوئی بات قصہ کے رنگ میں ہوتی ہے۔اور بعض احکام ہدایت کے رنگ میں ہوتے ہیں۔

بہ حیثیت ہدایت جو پیش کرتا ہے اس کا منشاء ہے کہ مان لو جیسے اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ ۔ (البقرہ:185) اب صوم شتر مرغ کی بیٹ کو کہتے ہیں۔مگر اس کا یہ مطلب نہیں۔احکام میں صفائی ہوتی ہے جبکہ اس ہدایت کے سلسلہ میں یہ فرمایا کہ ملک الموت آتا ہے اور پھر رفع ہوتا ہے اور حدیث میں اس کی تائید آئی ہے۔ایک جگہ فرمایا ہے: فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ (الزمر: 43) یعنی جس نفس پر موت کا حکم دے دیتا ہے۔اس کو واپس آنے نہیں دیتا۔دیکھو۔یہ خدا کا کلام ہے۔قصہ کے رنگ میں نہیں بلکہ ہدایت کے رنگ میں ہے۔

جو لوگ قصص اور ہدایت میں تمیز نہیں کرتے ، ان کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور قرآن کریم میں اختلاف ثابت کرنے کے موجب ہوتے ہیں اور گویا اپنی عملی صورت میں قرآن کریم کو ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں۔کیونکہ قرآن شریف کی نسبت تو خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَوْکَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا (النساء: 83) اور عدم اختلاف اس کے منجانب اللہ ہونیکی دلیل ٹھہرائی گئی ہے، لیکن یہ ناعاقبت اندیش قصص اور ہدایات میں تمیز نہ کرنے کی وجہ سے اختلاف پیدا کر کے اس کو مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ ٹھہراتے ہیں۔افسوس ان کی دانش پر!!!

ان لوگوں سے پوچھنا چاہیئے کہ مقدم ہدایات ہیں یا قصص؟ اور اگر دونوں میں تناقض پیدا ہو تو مقدم کس کو رکھو گے؟ اللہ تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ جو مر جاتے ہیں وہ واپس نہیں آتے اور ترمذی میں حدیث موجود ہے کہ ایک صحابی شہید ہوئے۔انہوں نے عرض کی کہ یا الٰہی مجھے دنیا میں پھر بھیج، تو خدا تعالیٰ نے جواب یہی دیا۔ قَدْسَبَقَ الْقَوْلُ مِنِّیْ(الحدیث) وَ حَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنَا ھَآ اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (الانبیاء:96)۔

اب قرآن کریم موجود ہے۔اس کی شرح حدیث شریف میں صاف الفاظ میں موجود ہے۔اس کے مقابلہ میں ایک خیالی اورفرضی کہانی کی کیاوقعت ہوسکتی ہے؟

ہم پوچھتے ہیں کہ اس کے بعد کیا چاہتے ہو۔ہم قرآن اور حدیث پیش کرتے ہیں۔ پھر عقل سلیم اور تجربہ بھی اس کا شاہد ہے۔ ہماری طرف سے خودساختہ بات ہوتی تو تم قصہ پیش کردیتے ' مگر یہاں تو ہدایت اور اس کی تائید میں حدیث پیش کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اور کیا چاہیئے۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ۔ (یونس:33)

قصوں کے حقائق بتانے خداتعالیٰ کوضرورنہیں'ان پرایمان لاؤاوران کی تفاسیرحوالہ بخدا کرو۔

(ملفوظات جلداول صفحہ 359)

ہمارے مخالفوں میں اگر دیانت اور خداترسی ہوتو عزیر کا قصہ بیان کرتے وقت ضرور ہے کہ وہ ان آیات کوبھی ساتھ رکھیں جس میں لکھا ہے کہ مردے واپس نہیں آتے۔ پھر ہم بطریق تنزّل ایک اور جواب دیتے ہیں۔ **اس بات کو ہم نے بیان کر دیا ہے اور پھر کہتے ہیں کہ قصوں کے لئے اجمالی ایمان کافی ہے ہدایات میں چونکہ عملی رنگ لانا ضروری ہوتا ہے اس لئے اس کا سمجھنا ضروری ہے** ماسوااس کے یہ جولکھا ہے کہ سو برس تک مردہ رہے۔ اَمَاتَ کے معنے اَنَامَ بھی آئے ہیں اور قوت نامیہ اورحسیہ کے زوال پربھی موت کا لفظ قرآن کریم میں بولا گیا ہے بہرحال ہم سونے کے معنے بھی اصحاب کہف کے قصہ کی طرح کرسکتے ہیں اصحاب کہف اورعزیز کے قصہ میں فرق اتنا ہے کہ اصحاب کہف کے قصہ میں ایک کتا ہے اور یہاں گدھا ہے اورنفس کتے اور گدھے دونوں سے مشابہت رکھتا ہے۔ خدانے یہودیوں کوگدھا بنایا ہے اور کتے کوبلعم کے قصہ میں بیان فرمایا ہے معلوم ہوتا ہے کہ نفس پیچھا نہیں چھوڑتا جو بیہوش ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ کتا ہوگا یا گدھا۔

(ملفوظات جلداوّل صفحہ 360)

قصص قرآن علمی حقیقت رکھتے ہیں

سلسلہ احمدیہ نے قرآنی قصوں کو بھی ایک فلسفہ کی صورت میں پیش کیا

یہ بات ہرگز ہرگز بھول جانے کے قابل نہیں ہے کہ قرآن شریف جو خاتم الکتب ہے دراصل قصوں کا مجموعہ نہیں ہے۔ جن لوگوں نے اپنی غلط فہمی اور حق پوشی کی بناء پر قرآن شریف کو قصوں کا مجموعہ کہا ہے انہوں نے حقائق شناس فطرت سے حصہ نہیں پایا۔ ورنہ اس پاک کتاب نے تو پہلے قصوں کو بھی ایک فلسفہ بنا دیا ہے اور یہ اس کا احسان عظیم ہے ساری کتابوں اور نبیوں پر۔ ورنہ آج ان باتوں پر ہنسی کی جاتی۔ **اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس علمی زمانہ میں جبکہ موجودات عالم کے حقائق اور خواص الاشیاء کے علوم ترقی کر رہے ہیں۔ اس نے آسمانی علوم اور کشف حقائق کے لئے ایک سلسلہ کو قائم کیا۔ جس نے ان تمام باتوں کو جو فیج اعوج کے زمانہ میں ایک معمولی قصوں سے بڑھ کر وقعت نہ رکھتی تھیں اور اس سائنس کے زمانہ میں ان پر ہنسی ہو رہی تھی۔ علمی پیرایہ میں ایک فلسفہ کی صورت میں پیش کیا۔**

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 112)

قرآن کریم کے احسانات

پس یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف نے پہلی کتابوں اور نبیوں پر احسان کیا ہے۔ جو ان کی تعلیموں کو جو قصہ کے رنگ میں تھیں۔ علمی رنگ دیدیا ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ کوئی شخص ان قصوں اور کہانیوں سے نجات نہیں پا سکتا جب تک وہ قرآن شریف کو نہ پڑھے کیونکہ قرآن شریف ہی کی یہ شان ہے کہ وہ انّہ‘ لقولٌ فصلٌ و ما ھُو بالھزل۔ (الطارق:14-15) وہ میزان‘ مہیمن‘ نور اور شفاء اور رحمت ہے۔ جو لوگ قرآن شریف کو پڑھتے اور اسے قصہ سمجھتے ہیں انہوں نے قرآن شریف نہیں پڑھا بلکہ اس کی بے حرمتی کی ہے۔ ہمارے مخالف کیوں ہماری مخالفت میں اس قدر تیز ہوئے ہیں؟ صرف اسی لئے کہ ہم قرآن شریف کو جیسا کہ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ وہ سراسر نور حکمت اور معرفت ہے‘ دکھانا چاہتے ہیں۔ اور وہ کوشش کرتے ہیں کہ قرآن شریف کو ایک معمولی قصے سے بڑھ کر وقعت نہ دیں۔ ہم اس کو گوارا نہیں کر سکتے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہم پر کھول دیا ہے کہ قرآن شریف ایک زندہ اور روشن کتاب ہے۔ اس لئے ہم ان کی مخالفت کی کیوں پروا کریں۔ **غرض میں بار بار اس امر کی طرف ان لوگوں کو جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ نصیحت کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو کشف حقائق کے لئے قائم کیا ہے کیونکہ بدوں اس کے عملی زندگی میں کوئی روشنی اور نور پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور میں چاہتا ہوں کہ عملی سچائی کے ذریعہ اسلام کی خوبی دنیا پر ظاہر ہو۔ جیسا کہ خدا نے مجھے اس کام کے لئے مامور کیا ہے۔ اس لئے قرآن شریف کو کثرت سے پڑھو مگر نرا قصہ سمجھ کر نہیں بلکہ ایک فلسفہ سمجھ کر۔**

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 113)

بہشت ودوزخ کی حقیقت

پہلے زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ بالکل خیالی اور سادہ طور پر بہشت و دوزخ کو رکھا گیا تھا حضرت مسیح نے پھانسی پانے والے چور کو یہ تو کہہ دیا کہ آج ہم بہشت میں جائیں گے مگر بہشت کی حقیقت پر کوئی نکتہ بیان نہ فرمایا۔ ہم اس وقت اس سوال کو سامنے لانے کی ضرورت نہیں سمجھتے کہ عیسائیوں کے انجیلی عقیدے اور بیان کے موافق وہ بہشت میں گئے یا ہاویہ میں۔ بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ بہشت کی حقیقت انہوں نے کچھ بیان نہیں کی۔ ہاں یوں تو عیسائیوں نے اپنے بہشت کی مساحت بھی کی ہوئی ہے۔ **برخلاف اس کے قرآن شریف کسی تعلیم کو قصے کے رنگ میں پیش نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ہمیشہ ایک علمی صورت میں اسے پیش کرتا ہے۔** مثلاً اسی بہشت و دوزخ کے متعلق قرآن شریف فرماتا ہے۔ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ (بنی اسرائیل:73) یعنی جو اس دینا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ کیا مطلب کہ خدا تعالیٰ اور دوسرے عالم کے لذات کے دیکھنے کے لئے اسی جہان میں میں حواس اور آنکھیں ملتی ہیں۔ جس کو اس جہان میں نہیں ملیں اس کو وہاں بھی نہیں ملیں گے۔ اب یہ امر انسان کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ انسان کا فرض ہے کہ وہ ان حواس اور آنکھوں کے حاصل کرنے کے واسطے اسی عالم میں کوشش اور سعی کرے تا کہ دوسرے عالم میں بینا اٹھے۔ ایسا ہی عذاب کی حقیقت اور فلسفہ بیان کرتے ہوئے قرآن شریف فرماتا ہے۔ **نا ر الله الموقدة التى تطلع على الافئدة**۔ (الهمزة:8-7) یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب ایک آگ ہے۔ جس کو وہ بھڑکاتا ہے اور انسان کے دل ہی پر اس کا شعلہ بھڑکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عذاب الٰہی اور جہنم کی اصل جڑ انسان کا اپنا ہی دل ہے اور دل کے ناپاک خیالات اور گندے ارادے اور عزم اس جہنم کا ایندھن ہیں۔ اور پھر بہشت کے انعامات کے متعلق نیک لوگوں کی تعریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **يفجرونها تفجيرا**۔ (الدھر:7) یعنی اسی جگہ نہریں نکال رہے ہیں اور پھر دوسری جگہ مومنوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کی جزاء کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے **جنّٰت تجرى من تحتها الانهار**۔ **اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی ان باتوں کو قصہ قرار دے سکتا ہے۔ یہ کیسی سچی بات ہے جو یہاں آبپاشی کرتے ہیں وہی پھل کھائیں گے۔ غرض قرآن شریف اپنی ساری تعلیموں کو علوم کی صورت اور فلسفہ کے رنگ میں پیش کرتا ہے اور یہ زمانہ جس میں خدا تعالیٰ نے ان علوم حقہ کی تبلیغ کے لئے اس سلسلہ کو خود قائم کیا ہے۔ کشف حقائق کا زمانہ ہے۔**

(ریویو آف ریلیجنز جلد 1 نمبر 5 صفحہ 177) (ملفوظات جلد دوم صفحہ 113-112)

فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ۔۔۔ (الحجر: 30)

اس آیت میں ایک عمیق راز کی طرف اشارہ ہے جو انتہائی درجہ کے کمال کا ایک نشان ہے اور وہ یہ کہ انسان ابتدا میں صرف صورت انسان کی ہوتی ہے مگر اندر سے وہ بیجان ہوتا ہے اور کوئی روحانیت اس میں نہیں ہوتی اور اس صورت میں فرشتے اس کی خدمت نہیں کرتے کیونکہ وہ ایک پوست بے مغز ہے لیکن بعد اس کے رفتہ رفتہ سعید انسان پر یہ زمانہ آجاتا ہے کہ وہ خدا سے بہت ہی قریب جا رہتا ہے۔ تب جب ٹھیک ٹھیک ذوالجلال کی روشنی کے مقابل پر اس کا نفس جا پڑتا ہے اور کوئی حجاب درمیان نہیں ہوتا کہ اس روشنی کو روک دے تو بلا توقف الوہیت کی روشنی جس کو دوسرے لفظوں میں خدا کی روح کہہ سکتے ہیں اس انسان کے اندر داخل ہو جاتی ہے اور وہی ایک خاص حالت ہے جس کی نسبت کلام الٰہی میں کہا گیا کہ خدا نے آدم میں اپنی روح پھونک دی۔ اس حالت پر نہ کسی تکلف سے اور نہ ایسے امر سے جو شریعت کے احکام کے رنگ میں ہوتا ہے۔ فرشتوں کو یہ حکم ہوتا ہے کہ اس کے آگے سجدہ میں گریں یعنی کامل طور پر اس کی اطاعت کریں گویا وہ اس کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ حکم فرشتوں کی فطرت کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے۔ کوئی مستحدث امر نہیں ہوتا۔ **یعنی ایسے شخص کے مقابل پر جس کا وجود خدا کی صورت پر آجاتا ہے خود فرشتے طبعاً محسوس کر لیتے ہیں کہ اب اس کی خدمت کیلئے ہمیں گرنا چاہیئے اور ایسے قصے درحقیقت قصے نہیں ہیں بلکہ قرآن کریم میں عادت الٰہی اسی طرح واقع ہے کہ ان قصوں کے نیچے کوئی علمی حقیقت ہوتی ہے۔ پس اس جگہ یہی علمی حقیقت ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس قصے کے پیرایہ میں ظاہر کرنا چاہا ہے کہ کامل انسان کی نشانی کیا ہے۔**

(تفسیر حضرت اقدس طبع اول جلد 5 صفحہ 128)

(ریویو آف ریلیجنز جلد 1 نمبر 5 صفحہ 177، 178 حاشیہ)

قرآنی قصص کے فوائد

مضمون پڑھنے والے نے الہامی کتاب کی ایک یہ بھی نشانی لکھی ہے کہ اس میں کوئی قصہ درج نہ ہو مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کے ہوش وحواس قائم نہیں ہیں جو کچھ بیان کرتا ہے وہ صرف دعویٰ ہی ہوتا ہے ورنہ صاف **ظاہر ہے کہ خدا جو عالم الغیب اور رحیم اور سرچشمہ تمام علوم ہے اس کی مربیانہ عادات میں یہ بھی داخل ہے کہ متاخرین کو متقدین کے اخلاق اور عادات سے اطلاع دیتا ہے** اور یہ جتلاتا ہے کہ پہلے اس سے ایسے ایسے صادق وفادار مومن گزر چکے ہیں جنہوں نے شدائد اور مصائب پر صبر کیا اور بڑے بڑے امتحانوں میں پڑ کر پورے نکلے اور انہوں نے خدا کی راہ میں آگے سے آگے قدم رکھا اور خدا نے ان کی وفاداری کو دیکھ کر ان پر بڑے بڑے فضل کئے اور ہر ایک امر میں ان کو کامیابی بخشی اور اپنے برگزیدہ بندوں میں ان کو داخل کیا اور ان کے مقابل پر ایک اور لوگ بھی گذرے ہیں جو خدا سے برگشتہ رہے اور دلیری سے ہر ایک قسم کے گناہ کئے اور خدا کے بندوں کو دکھ دیئے اور آخر وہ پکڑے گئے اور عذاب شدید میں مبتلا ہوئے۔ (چشمہ معرفت۔ ر۔خ جلد 23 صفحہ 155)

اور جس قدر قرآن شریف میں قصے ہیں وہ بھی درحقیقت قصے نہیں بلکہ وہ پیشگوئیاں ہیں جو قصوں کے رنگ میں لکھی گئی ہیں ہاں وہ توریت میں تو ضرور صرف قصے پائے جاتے ہیں مگر قرآن شریف نے ہر ایک قصہ کو رسول کریم کے لئے اور اسلام کے لئے ایک پیشگوئی قرار دے دیا ہے اور یہ قصوں کی پیشگوئیاں بھی کمال صفائی سے پوری ہوئی ہیں غرض قرآن شریف معارف وحقائق کا ایک دریا ہے اور پیشگوئیوں کا ایک سمندر ہے۔ اور ممکن نہیں کہ کوئی انسان بجز ذریعہ قرآن شریف کے پورے طور پر خدا تعالیٰ پر یقین لا سکے کیونکہ یہ خاصیت خاص طور پر قرآن شریف میں ہی ہے کہ اس کی کامل پیروی سے وہ پردے جو خدا میں اور انسان میں حائل ہیں سب دور ہو جاتے ہیں۔

(چشمہ معرفت۔ ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 271)

وَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ .... الاخر (الکھف: 84 تا 102)

یہ زمانہ چونکہ کشف حقائق کا زمانہ ہے اور خدا تعالیٰ قرآن شریف کے حقائق اور معارف مجھ پر کھول رہا ہے۔ ذوالقرنین کے قصے کی طرف جو میری توجہ ہوئی تو مجھے یہ سمجھایا گیا کہ ذوالقرنین کے پیرایہ میں مسیح موعود ہی کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا نام ذوالقرنین اس لئے رکھا ہے کہ قرن چونکہ صدی کو کہتے ہیں اور مسیح موعود دو قرنوں کو پائے گا اس لئے ذوالقرنین کہلائے گا۔ چونکہ میں نے تیرھویں اور چودھویں صدی دونوں پائی ہیں اور اسی طرح پر دوسری صدیاں ہندوؤں اور عیسائیوں کی بھی پائی ہیں اس لحاظ سے تو ذوالقرنین ہے اور پھر اسی قصہ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ ذوالقرنین نے تین قومیں پائیں۔ اول وہ جو غروب آفتاب کے پاس ہے اور کیچڑ میں ہے اس سے مراد عیسائی قوم ہے جس کا آفتاب ڈوب گیا ہے یعنی شریعت حقہ ان کے پاس نہیں رہی۔ روحانیت مرگئی اور ایمان کی گرمی جاتی رہی یہ ایک کیچڑ میں پھنسے ہوئے ہیں۔

دوسری قوم وہ ہے جو آفتاب کے پاس ہے اور جلسنے والی دھوپ ہے۔ یہ مسلمانوں کی موجودہ حالت ہے۔ آفتاب یعنی شریعت حقہ ان کے پاس موجود ہے مگر یہ لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے کیونکہ فائدہ تو حکمت عملی سے اٹھایا جاتا ہے جیسے مثلاً روٹی پکانا۔ وہ گو آگ سے پکائی جاتی ہے لیکن جب تک اس کے مناسب حال انتظام اور تدبیر نہ کی جاوے وہ روٹی تیار نہیں ہوسکتی اسی طرح پر شریعت حقہ سے کام لینا بھی ایک حکمت عملی کو چاہتا ہے۔ پس مسلمانوں نے اس وقت باوجودیکہ ان کے پاس آفتاب اور اس کی روشنی موجود تھی اور ہے لیکن کام نہیں لیا اور مفید صورت میں اس کو استعمال نہیں کیا اور خدا کے جلال اور عظمت سے حصہ نہیں لیا۔

اور تیسری وہ قوم ہے جس نے اس سے فریاد کی کہ ہم کو یاجوج اور ماجوج سے بچا یہ ہماری قوم ہے جو مسیح موعود کے پاس آئی اور اس نے اس سے استفادہ کرنا چاہا ہے۔ **غرض آج ان قصوں کا علمی رنگ ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ یہ قصہ پہلے بھی کسی رنگ میں گذرا ہے لیکن یہ سچی بات ہے کہ اس قصہ میں واقعہ آئندہ کا بیان بھی بطور پیشگوئی تھا جو آج اس زمانہ میں پورا ہو گیا۔**

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 175-174)

معانیٔ قرآن اور قصص قرآن

وَ اتَّبَعُوْا مَاتَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ج وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ق...(البقرہ:103)

بعض نابکار قومیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو بت پرست کہتی ہیں اللہ تعالیٰ اس آیت میں ان کی تردید کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف واقعات پر بحث کرتا ہے اور قرآن کل دنیا کی صداقتوں کا مجموعہ اور سب دین کی کتابوں کا فخر ہے جیسے فرمایا ہے۔ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ۔ اور يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً۔(البينة:3) پس **قرآن کریم کے معنی کرتے وقت خارجی قصوں کو نہ لیں بلکہ واقعات کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 388)

حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے کلمۃ اللہ خصوصیت کے ساتھ کیوں کہا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ ان کی ولادت پر لوگ برے گندے اعتراض کرتے تھے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان الزاموں سے بری کرنے کے لئے فرمایا کہ وہ تو کلمۃ اللہ ہیں۔ ان کی ماں بھی صدیقہ ہے یعنی بڑی پاکباز اور عفیفہ ہے ورنہ یوں تو کلمۃ اللہ ہر شخص ہے۔ ان کی خصوصیت کیا تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمے اتنے ہیں کہ وہ ختم نہیں ہوسکتے۔ انہی اعتراضوں سے ہی بری کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کو کہا کہ وہ شیطان کے مس سے پاک تھے ورنہ کیا دوسرے انبیاء شیطان کے ہاتھ سے مس شدہ ہیں؟ جو نعوذ باللہ دوسرے الفاظ میں یوں ہے کہ ان پر شیطان کا تسلط ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ شیطان کو کسی معمولی انسان پر بھی تسلط نہیں ہوتا تو انبیاء پر کس طرح ہوسکتا ہے؟ اصل وجہ صرف یہی تھی کہ ان پر برے اعتراض کئے گئے تھے۔ اسی واسطے ان کی بریت کا اظہار فرمایا۔ **جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما کفر سلیمن (البقرہ:103) کوئی کہے کہ کیا انبیاء بھی کافر ہوا کرتے ہیں؟ نہیں ایسا نہیں۔ لوگوں نے ان پر اعتراض کیا تھا کہ وہ بت پرست ہو گئے تھے ایک عورت کے لیے۔ اس اعتراض کا جواب دیا۔ یہی حال ہے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق۔** (ملفوظات جلد سوم صفحہ 119-118)

آٹھویں فصل

مقطعات اور نسخِ آیات

الہام حضرت اقدس

(۱) حٰمٓ۔تِلْکَ اٰیَاتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ۔

(۲) راز کھل گیا۔

تفہیم۔وہ جو حٰمٓ ہے۔اس میں خدا کے نوشتہ کے کئی نشان ہیں جو ظاہر ہونے والے ہیں۔حٰمٓ مقطعات میں کسی کا نام ہے۔یہی تفہیم ہے۔

(ترجمہ از مرتب) حٰمٓ۔یہ کھول کر بیان کرنے والی کتاب کے نشان ہیں۔

(تذکرہ چوتھا ایڈیشن صفحہ 712 مطبوعہ 1977)

الٓمّٓ۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ

وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ۔(البقرہ:2 تا4)

آیات مندرجہ بالا میں پہلے اس آیت پر یعنی الٓمّٓ۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ پر غور کرنا چاہیئے کہ کس لطافت اور خوبی اور رعایتِ ایجاد سے خدائے تعالیٰ نے وسوسۂ مذکور کا جواب دیا ہے اول قرآن شریف کے نزول کی علت فاعلی بیان کی اور اس کی عظمت اور بزرگی کی طرف اشارہ فرمایا: **اور کہا الٓمّٓ میں خدا ہوں جو سب سے زیادہ جانتا ہوں یعنی نازل کنندہ اس کتاب کا میں ہوں جو علیم و حکیم ہوں جس کے علم کے برابر کسی کا علم نہیں۔**

(براہین احمدیہ ۔ر۔خ۔جلد 1 صفحہ 200 حاشیہ نمبر 11)

جب تک کسی کتاب کے علل اربعہ کامل نہ ہوں وہ کتاب کامل نہیں کہلا سکتی اس لیے خدا تعالیٰ نے ان آیات میں قرآن شریف کے علل اربعہ کا ذکر فرما دیا ہے اور وہ چار ہیں (۱) علت فاعلی (۲) علت مادی (۳) علت صوری (۴) علت غائی۔ اور ہر چہار کامل درجہ پر ہیں پس الٓمّٓ علت فاعلی کے کمال کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کے معنی ہیں انا اللہ اعلم یعنی کہ میں جو خدائے عالم الغیب ہوں میں نے اس کتاب کو اتارا ہے پس چونکہ خدا اس کتاب کی علت فاعلی ہے اس لئے اس کتاب کا فاعل ہر ایک فاعل سے زبردست اور کامل ہے۔ (حقیقۃ الوحی ۔ر۔خ۔جلد 22 صفحہ 136 حاشیہ)

الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ۔(ھود:2)

الف سے مراد اللہ اور لٓ سے مراد جبرائیل اور رٓ سے مراد رسل ہیں چونکہ اس میں یہی قصہ ہے کہ کونسی چیزیں انسانوں کو ضروری ہیں اس لئے فرمایا: کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ۔ الآیہ۔ یہ کتاب ایسی ہے کہ اس کی آیات پکی اور استوار ہیں۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 343-342)

ان وجوہات احکامِ آیات کے علاوہ میرے نزدیک اور بھی بہت سے وجوہات ہیں منجملہ ان کے ایک الٓرٰ کے لفظ رٰ سے پتہ لگتا ہے یہ لفظ مجددوں اور مرسلوں کے سلسلہ جاریہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جو قیامت تک جاری ہے۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 345)

نسخ آیات قرآنیہ

ناسخ منسوخ

مَا کَانَ اللّٰہُ اَنْ یُّرْسِلَ نَبِیًّا بَعْدَ نَبِیِّنَا خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَ مَا کَانَ اَنْ یُّحْدِثَ سِلْسِلَۃَ النُّبُوَّۃِ ثَانِیًا بَعْدَ اِنْقِطَاعِھَا وَ یَنْسَخُ بَعْضَ اَحْکَامِ الْقُرْاٰنِ وَ یَزِیْدَ عَلَیْھَا وَ یُخْلِفَ وَعْدَہٗ وَ یَنْسٰی اِکْمَالَہُ الْفُرْقَانَ وَ یُحْدِثَ الْفِتَنَ فِی الدِّیْنِ الْمَتِیْنِ۔ اَلَا تَقْرَءُ وْنَ فِی اَحَادِیْثِ الْمُصْطَفٰی سَلَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَصَلَّ اَنَّ الْمَسِیْحَ یَکُوْنُ اَحَدًا مِنْ اُمَّتِہٖ وَ یَتَّبِعُ جَمِیْعَ اَحْکَامِ مِلَّتِہٖ وَیُصَلِّیْ مَعَ الْمُصَلِّیْنَ۔

(ترجمہ از مرتب): ۔اللہ تعالیٰ ہمارے نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں بھیجے گا اور نہ سلسلہ نبوت کے منقطع ہونے کے بعد اسے دوبارہ جاری کرے گا اور نہ ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ قرآن کریم کے بعض احکام کو منسوخ کرے یا ان میں اضافہ کرے اور اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کرے اور بھول جائے کہ وہ قرآن مجید کو کامل کر چکا ہے اور دین متین میں فتنے پیدا ہونے کی راہ کھول دے۔ کیا تم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نہیں پڑھتے کہ آنے والا مسیح آپ کی ہی امت کا ایک فرد ہو گا اور آپ کے دین کے تمام احکام کی اتباع کرے گا اور مسلمانوں کے طریق پر نماز ادا کرے گا۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد 5 صفحہ 377)

مَانَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْنُنْسِھَانَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَا اَوْمِثْلِھَاط اَلَمْ تَعْلَمْ

اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔(البقرہ:107)

صبح کو ایک الہام ہوا تھا میرا ارادہ ہوا کہ لکھ لوں۔ پھر حافظہ پر بھروسا کر کے نہ لکھا۔ آخر وہ ایسا بھولا کہ ہر چند یاد کیا مطلق یاد نہ آیا دراصل یہی بات ہے۔ مَانَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْنُنْسِھَانَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَا اَوْمِثْلِھَا۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 60)

میرا صدہا مرتبہ کا تجربہ ہے کہ خدا ایسا کریم و رحیم ہے کہ جب اپنی مصلحت سے ایک دعا کو منظور نہیں کرتا تو اس کے عوض میں کوئی اور دعا منظور کر لیتا ہے جو اس کے مثل ہوتی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے مَانَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْنُنْسِھَانَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَا اَوْمِثْلِھَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔(البقرۃ:107)

(حقیقۃ الوحی۔ر۔خ۔جلد 22 صفحہ 340)

قرآن کریم آپ فرماتا ہے مَانَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْنُنْسِهَانَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْمِثْلِهَا یعنی کوئی آیت ہم منسوخ یا منسی نہیں کرتے جس کے عوض دوسری آیت ویسی ہی یا اس سے بہتر نہیں لاتے۔ پس اس آیت میں قرآن کریم نے صاف فرما دیا ہے کہ نسخ آیت کا آیت سے ہی ہوتا ہے اسی وجہ سے وعدہ دیا ہے کہ نسخ کے بعد ضرور آیت منسوخہ کی جگہ آیت نازل ہوتی ہے ہاں علماء نے مسامحت کی راہ سے بعض احادیث کو بعض آیات کی ناسخ ٹھیرایا ہے جیسا کہ حنفی فقہ کے رو سے مشہور حدیث سے آیت منسوخ ہوسکتی ہے۔ مگر امام شافعی اس بات کا قائل ہے کہ متواتر حدیث سے بھی قرآن کا نسخ جائز نہیں اور بعض محدثین خبر واحد سے بھی نسخ آیت کے قائل ہیں لیکن قائلین نسخ کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر حدیث سے آیت منسوخ ہو جاتی ہے بلکہ وہ لکھتے ہیں کہ واقعی امر تو یہی ہے کہ قرآن پر نہ زیادت جائز ہے اور نہ نسخ کسی حدیث سے لیکن ہماری نظر قاصر میں جو استخراج مسائل قرآن سے عاجز ہے یہ سب باتیں صورت پذیر معلوم ہوتی ہیں۔ اور حق یہی ہے کہ حقیقی نسخ اور حقیقی زیادت قرآن پر جائز نہیں کیونکہ اس سے اس کی تکذیب لازم آتی ہے۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ ر۔خ۔ جلد 4 صفحہ 93-92)

حضرت اقدس کا عقیدہ اور تنسیخ آیات قرآنیہ

میں نے بار بار بیان کیا اور اپنی کتابوں کا مطلب سنایا کہ کوئی کلمۂ کفران میں نہیں ہے نہ مجھے دعویٰ نبوت و خروج از امت اور نہ میں منکر معجزات اور ملائک اور نہ لیلۃ القدر سے انکاری ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیّین ہونے کا قائل اور یقین کامل سے جانتا ہوں اور اس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی صلعم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد اس امت کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا نیا ہو یا پرانا ہو اور قرآن کریم کا ایک شعشہ یا نقطہ منسوخ نہیں ہوگا۔ ہاں محدث آئیں گے جو اللہ جل شانہٗ سے ہمکلام ہوتے ہیں اور نبوت تامہ کی بعض صفات ظلی طور پر اپنے اندر رکھتے ہیں اور بلحاظ بعض وجوہ شان نبوت کے رنگ سے رنگین کئے جاتے ہیں اور ان میں سے میں ایک ہوں۔

(نشان آسمانی ۔ ر۔خ۔ جلد 4 صفحہ 391-390)

نویں فصل

اللہ تعالیٰ کا قسم کھانا

اسلام میں قسم کھانا جائز ہے

وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ط قُلْ اِىْ وَ رَبِّىْ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ج وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ۔(یونس: 54)

یہ امر بالکل غلط ہے کہ اسلام میں قسم کھانا منع ہے۔تمام نیک انسان مسلمانوں میں سے ضرورتوں کے وقت قسم کھاتے آئے ہیں۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ضرورتوں کے وقت قسم کھائی۔ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بارہا قسمیں کھائیں۔خود خدا تعالیٰ نے قرآن میں قسمیں کھائیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں مجرموں کو قسمیں دلائی گئیں۔قسموں کا قرآن شریف میں صریح ذکر ہے۔شریعت اسلام میں جب کسی اور ثبوت کا دروازہ بند ہو یا پیچیدہ ہو تو قسم پر مدار رکھا جاتا ہے اور صحیح البخاری جو بعد کتاب اللہ اصح الکتب ہے اس میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مخاطب کر کے قسم کھا کر فرمایا کہ مسیح موعود جو آنے والا ہے جو تمہارا امام ہوگا وہ تم میں سے ہی ہوگا یعنی اسی امت میں سے ہوگا آسمان سے نہیں آئے گا۔پھر صحیح بخاری جلد نمبر 4 صفحہ 106 میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قسموں کا ایک باب باندھا ہے۔اس باب میں بہت سی قسمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھی ہیں جو دس سے کم نہیں۔ایسا ہی صحیح نسائی جلد ثانی صفحہ 138 کتاب الایمان والنذور میں صفحہ 139 تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قسموں کا ذکر ہے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ قُلْ اِىْ وَ رَبِّىْ اِنَّهٗ لَحَقٌّ (یونس:54) یعنی تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ حق ہے۔کہہ مجھے خدا کی قسم ہے کہ یہ حق ہے۔ایسا ہی قرآن شریف میں یہ آیت ہے۔ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ(النور:7`8) یعنی جب تم قسم کھاؤ تو جھوٹ اور بدعہدی اور بدنیتی سے اپنی قسم کو بچاؤ۔ایسا ہی قرآن شریف میں یہ آیت بھی ہے اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ یعنی شخص ملزم چار قسمیں خدا کی کھائے کہ وہ سچا اور پانچویں قسم میں یہ کہے کہ اس پر خدا کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہے۔

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 512-511 حاشیہ)

قسم کی فلاسفی

اللہ تعالیٰ کی قسمیں اپنے اندر لا محدود اسرار معرفت کے رکھتی ہیں۔جن کو اہل بصیرت ہی دیکھ سکتے ہیں۔پس خدا تعالیٰ قسم کے لباس میں اپنے قانون قدرت کے بدیہات کی شہادت اپنی شریعت کے بعض دقائق حل کرنے کے لیے پیش کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی فعلی کتاب (قدرت) اس کی قولی کتاب (قرآن شریف) پر شاہد ہو جاوے اور اس کے قول اور فعل میں باہم مطابقت ہو کر طالب صادق کے لیے مزید معرفت اور سکینت اور یقین کا موجب ہو اور یہ طریق قرآن شریف میں عام ہے۔مثلاً خدا تعالیٰ برہموؤں اور الہام کے منکروں پر یوں اتمام حجت کرتا ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 145)

مثلاً میں نے دیکھا ہے کہ آریہ اور عیسائی اعتراض کر دیتے ہیں کہ قرآن شریف میں قسمیں کیوں کھائی ہیں۔ اور پھر اپنی طرف سے حاشیہ چڑھا کر اس کو عجیب عجیب اعتراضوں پیرایہ میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر ذرا بھی نیک نیتی اور فہم سے کام لیا جاوے تو ایسا اعتراض بیہودہ اور بیسود معلوم دیتا ہے۔ کیونکہ قسموں کے متعلق یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ قسم کھانے کا اصل مفہوم اور مقصد کیا ہوتا ہے۔ جب اس کی فلاسفی پر غور کیا جاوے تو پھر یہ خود بخود سوال حل ہو جاتا ہے اور زیادہ رنج اٹھانے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ **عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ قسم کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ قسم بطور قائم مقام گواہ کے ہوتی ہے۔ اور یہ مسلم بات ہے کہ عدالت جب گواہ پر فیصلہ کرتی ہے تو کیا اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ جھوٹ پر فیصلہ کرتی ہے۔ یا قسم کھانے والے کی قسم کو ایک شاہد صادق تصور کرتی ہے۔ یہ روزمرہ کی بات ہے۔**

جہالت یا تعصب سے اعتراض کرنا اور بات ہے لیکن حقیقت کو مدنظر رکھ کر کوئی بات کہنا اور۔

اب جب کہ یہ عام طریق ہے کہ قسم بطور گواہ کے ہوتی ہے۔ پھر یہ کیسی سیدھی بات ہے کہ اسی اصول پر قرآن شریف کی قسموں کو دیکھ لیا جاوے۔ کہ وہاں اس سے کیا مطلب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں کوئی قسم کھائی ہے تو اس سے یہ مراد ہے کہ نظری امور کے اثبات کے لئے بدیہی کو گواہ ٹھہراتا ہے۔ جیسے فرمایا: وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ۔ وَ الْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ۔ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ (الطارق:12-14) اب یہ بھی ایک قسم کا محل ہے۔ نادان قرآن شریف کے حقائق سے ناواقف اور نابلد۔ اپنی جہالت سے یہ اعتراض کر دیتا ہے کہ دیکھو زمین کی یا آسمان کی قسم کھائی۔ لیکن اس کو نہیں معلوم کہ اس قسم کے نیچے کیسے کیسے معارف موجود ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وحی الٰہی کے دلائل اور قرآن شریف کی حقانیت کی شہادت پیش کرنی چاہتا ہے اور اس کو اس طرز پر پیش کیا ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 711-712)

غیر اللہ کی قسم کھانا کلمۂ کفر ہے

سو اوّل قسم کے بارے میں خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ جلشانہ کی قسموں کا انسان کی قسموں پر قیاس کر لینا قیاس مع الفارق ہے خدا تعالےٰ نے جو انسان کو غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع کیا ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ انسان جب قسم کھاتا ہے تو اس کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی ہے اس کو ایک ایسے گواہ رویت کا قائم مقام ٹھہراوے کہ جو اپنے ذاتی علم سے اس کے بیان کی تصدیق یا تکذیب کر سکتا ہے **کیونکہ اگر سوچ کر دیکھو تو قسم کا اصل مفہوم شہادت ہی ہے۔ جب انسان معمولی شاہدوں کے پیش کرنے سے عاجز آجاتا ہے تو پھر قسم کا محتاج ہوتا ہے تا اس سے وہ فائدہ اٹھاوے جو ایک شاہد رویت کی شہادت سے اٹھانا چاہیئے لیکن یہ تجویز کرنا یا اعتقاد رکھنا کہ بجز خدا تعالیٰ کے اور بھی حاضر ناظر ہے۔ اور تصدیق یا تکذیب یا سزا دہی یا کسی اور امر پر قادر ہے صریح کلمہ کفر ہے اس لئے خدا تعالےٰ کی تمام کتابوں میں انسان کے لئے یہی تعلیم ہے کہ غیر اللہ کی ہرگز قسم نہ کھاوے۔** (آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 96-95 حاشیہ)

اللہ تعالیٰ غیر اللہ کی نہیں بلکہ اپنے افعال کی قسم کھاتا ہے

اب ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی قسموں کا انسان کی قسموں کے ساتھ قیاس درست نہیں ہوسکتا کیونکہ خدا تعالیٰ کو انسان کی طرح کوئی ایسی مشکل پیش نہیں آتی کہ جو انسان کو قسم کے وقت پیش آتی ہے بلکہ اس کا قسم کھانا ایک اور رنگ کا ہے جو اس کی شان کے لائق اور اس کے قانون قدرت کے مطابق ہے اور غرض اس سے یہ ہے کہ تا صحیفہ قدرت کے بدیہات کو شریعت کے اسرار دقیقہ کے حل کرنے کے لئے بطور شاہد کے پیش کرے اور چونکہ اس مدعا کو قسم سے ایک مناسبت تھی اور وہ یہ کہ **جیسا ایک قسم کھانے والا جب مثلاً خدا تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے تو اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ میرے اس واقعہ پر گواہ ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے بعض کھلے کھلے افعال بعض چھپے ہوئے افعال پر گواہ ہیں۔ اس لئے اس نے قسم کے رنگ میں اپنے افعال بدیہیہ کو اپنے افعال نظریہ کے ثبوت میں جا بجا قرآن کریم میں پیش کیا اور اس کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے غیر اللہ کی قسم کھائی۔ کیونکہ وہ درحقیقت اپنے افعال کی قسم کھاتا ہے نہ کسی غیر کی اور اس کے افعال اس کے غیر نہیں ہیں مثلاً اس کا آسمان یا ستارہ کی قسم کھانا اس قصد سے نہیں ہے کہ وہ کسی غیر کی قسم ہے بلکہ اس نیت سے ہے کہ جو کچھ اس کے ہاتھوں کی صنعت اور حکمت آسمان اور ستاروں میں موجود ہے اس کی شہادت بعض اپنے افعال مخفیہ کے سمجھانے کے لئے پیش کرے۔**

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 97-96 حاشیہ)

قسم۔ جسمانی نظام کو روحانی نظام کی تصدیق کرنے کی غرض سے ہے

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ۔ وَ الْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ۔ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَمَاهُوَ بِالْهَزْلِ۔ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا۔ (الطارق: 17 تا 12)

قسم ہے آسمان کی جس سے مینہ نازل ہوتا ہے اور قسم ہے زمین کی جو پھوٹ کر اناج نکالتی ہے۔ یہ کلام یعنی قرآن شریف حق اور باطل میں فیصلہ کرنے والا ہے اور بے فائدہ نہیں۔ یعنی اس کلام کی ایسی ہی ضرورت ثابت ہے جیسا کہ جسمانی نظام میں مینہ کی ضرورت ثابت ہے۔ اگر مینہ نہ ہو تو آخر کار کنوئیں بھی خشک ہو جاتے ہیں اور دریا بھی۔ اور پھر نہ پینے کے لئے پانی رہتا ہے اور نہ کھانے کے لئے اناج کیونکہ ہر ایک برکت زمین کی آسمان سے ہی نازل ہوتی ہے۔ **اس دلیل سے خدا نے ثابت کیا ہے کہ جیسا کہ پانی اور اناج کی ہمیشہ ضرورت ہے ایسا ہی خدا کی کلام اور اس کے تسلی دینے والے معجزات کی ہمیشہ ضرورت ہے کیونکہ محض گذشتہ قصوں سے تسلی نہیں ہوسکتی۔**

(چشمہ معرفت۔ ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 102)

دسویں فصل حفاظت قرآن کریم

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (الحجر:10)

حفاظتِ قرآن کی قرآنی پیشگوئی

اس کتاب کو ہم نے ہی نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ رہیں گے۔ سو تیرہ سو برس سے اس پیشین گوئی کی صداقت ثابت ہو رہی ہے۔ اب تک قرآن شریف میں پہلی کتابوں کی طرح کوئی مشرکانہ تعلیم ملنے نہیں پائی اور آئندہ بھی عقل تجویز نہیں کرسکتی کہ اس میں کسی نوع کی مشرکانہ تعلیم مخلوط ہو سکے کیونکہ لاکھوں مسلمان اسکے حافظ ہیں۔ ہزارہا اس کی تفسیریں ہیں۔ پانچ وقت اس کی آیات نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ ہر روز اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اسی طرح تمام ملکوں میں اس کا پھیل جانا کروڑ ہا نسخے اس کے دنیا میں موجود ہونا ہر یک قوم کا اس کی تعلیم سے مطلع ہو جانا یہ سب امور ایسے ہیں کہ جن کے لحاظ سے عقل اس بات پر قطع واجب کرتی ہے کہ آئندہ بھی کسی نوع کا تغیر اور تبدل قرآن شریف میں واقع ہونا ممتنع اور محال ہے۔ (براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 102 حاشیہ نمبر 9)

دو باتیں بڑی یاد رکھنے والی ہیں ایک تو قرآن مجید کی حفاظت کی نسبت کہ روئے زمین پر ایک بھی ویسی کتاب نہیں جس کی حفاظت کا وعدہ خود اللہ کریم نے کیا ہو اور جس میں **انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون**۔ (الحجر: 10) کا پرزور اور متحدیانہ دعویٰ موجود ہو۔ اور دوسرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی حالتوں کی نسبت۔ کیونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ایک طرح کے اخلاق ظاہر کرنے کا موقعہ ملا۔ حضرت موسیٰؑ کو دیکھو کہ وہ راستہ میں ہی فوت ہو گئے تھے اور حضرت عیسیٰؑ تو ہمیشہ مغلوب ہی رہے۔ معلوم نہیں اگر غالب ہوتے تو کیا کرتے۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر طرح سے اقتدار اور اختیار حاصل کر کے اپنے جانی دشمنوں اور خون کے پیاسوں کو اپنے سامنے بلا کر کہہ دیا۔ **لا تثریب علیکم الیوم**۔ (یوسف:93) (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 339،338)

تعریف : حفاظتِ قرآن

اور قرآن کی حفاظت صرف اسی قدر نہیں جو اسکے صحف مکتوبہ کو خوب نگہبانی سے رکھیں کیونکہ ایسے کام تو اوائل حال میں یہود اور نصاریٰ نے بھی کئے یہانتک کہ توریت کے نقطے بھی گن رکھے تھے۔ بلکہ اس جگہ مع حفاظت ظاہری حفاظت فوائد و تاثیرات قرآنی مراد ہے اور وہ موافق سنت اللہ کے تبھی ہوسکتی ہے کہ جب وقتاً فوقتاً نائب رسول آویں جن میں ظلی طور پر رسالت کی تمام نعمتیں موجود ہوں اور جنکو وہ تمام برکات دی گئی ہوں جو نبیوں کو دیجاتی ہوں جیسا کہ ان آیات میں اسی امر عظیم کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِىْ لَايُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (النور: 56)

پس یہ آیت درحقیقت اس دوسری آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْن۔ (الحجر: 10) کے لئے بطور تفسیر کے واقعہ ہے اور اس سوال کا جواب دے رہی ہے کہ حفاظت قرآن کیونکر اور کس طور سے ہوگی۔ سو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس نبی کریم کے خلیفے وقتاً فوقتاً بھیجتا رہونگا اور خلیفہ کے لفظ کو اشارہ کیلئے اختیار کیا گیا کہ وہ نبی کے جانشین ہونگے اور اسکی برکتوں میں سے حصہ پائینگے جیسا کہ پہلے زمانوں میں ہوتا رہا۔ اور انکے ہاتھ سے برجائی دین کی ہوگی اور خوف کے بعد امن پیدا ہوگا یعنے ایسے وقتوں میں آئینگے کہ جب اسلام تفرقہ میں پڑا ہوگا۔ پھر انکے آنیکے بعد جو ان سے سرکش رہیگا وہی لوگ بدکار اور فاسق ہیں۔ یہ اس بات کا جواب ہے کہ بعض جاہل کہا کرتے ہیں کہ کیا ہم پر اولیاء کا ماننا فرض ہے۔ سو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بیشک فرض ہے اور ان سے مخالفت کرنے والے فاسق ہیں اگر مخالفت پر ہی مریں۔

(شہادت القرآن۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 339)

وَکَذَالِکَ قَالَ فِیْ اٰیَۃٍ اُخْرٰی لِقَوْمٍ یَّسْتَرْشِدُوْنَ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّالَہٗ لَحَافِظُوْنَ فَامْعَنُوْا فِیْہِ اِنْ کُنْتُمْ تَفَکَّرُوْنَ فَھٰذِہٖ اِشَارَۃٌ اِلٰی بَعْثِ مُجَدِّدٍ فِیْ زَمَانٍ مُّفْسَدٍ کَمَا یَعْلَمُہُ الْعَاقِلُوْنَ وَلَا مَعْنٰی لِحِفَاظَۃِ الْقُرْاٰنِ مِنْ غَیْرِ حِفَاظَۃِ عِطْرِہٖ عِنْدَ شُیُوْعِ فِتَنِ الطُّغْیَانِ وَ اِثْبَاتِہٖ فِی الْقُلُوْبِ عِنْدَ ھَبِّ صَرَاصِرِ الطُّغْیَانِ کَمَالَا یَخْفٰی عَلٰی ذَوِی الْعِرْفَانِ وَالْمُتَدَبِّرِیْنَ (سر الخلافۃ۔ ر۔خ۔ جلد 8 صفحہ 362-361)

(ترجمہ از مرتب) اور اسی طرح طالبان ہدایت کے لئے دوسری آیت میں فرمایا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ پس اس میں غور کرو اگر تم صاحب فکر ہو۔ **اس آیت میں ایسے زمانہ میں جو فساد سے پُر ہو ایک مجدد کی بعثت کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ہر عقل مند جانتا ہے۔ کیونکہ حفاظت قرآن کے اور کوئی معنے ہی نہیں سوائے اس کے کہ اس کی روح اور اس کے خلاصہ کو محفوظ رکھا جائے بالخصوص** اس وقت جبکہ سرکشی کے فتنے بکثرت موجود ہوں اور قرآن مجید کو دلوں میں قائم رکھا جائے جب کہ سرکشی کی تند ہوائیں چل رہی ہوں جیسا کہ صاحب علم وعرفان اور غور کرنے والے لوگوں پر مخفی نہیں۔

قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ دائمی ہے

یہ آیت کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْن۔ بجز اس کے اور کیا معنی رکھتی ہے کہ قرآن سینوں سے محو نہیں کیا جائے گا جس طرح کہ توریت اور انجیل یہود اور نصاریٰ کے سینوں سے محو کی گئی اور گو توریت اور انجیل ان کے ہاتھوں اور ان کے صندوقوں میں تھی لیکن ان کے دلوں سے محو ہوگئی یعنی ان کے دل اس پر قائم نہ رہے اور انہوں نے توریت اور انجیل کو اپنے دلوں میں قائم اور بحال نہ کیا۔ **غرض یہ آیت بلند آواز سے پکار رہی ہے کہ کوئی حصہ تعلیم قرآن کا برباد اور ضائع نہیں ہوگا اور جس طرح روز اول سے اس کا پودا دلوں میں جمایا گیا۔ یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔** (شہادت القرآن۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 351)

ہم نے ہی اس کتاب کو اتارا اور ہم ہی اس تنزیل کی محافظت کریں گے۔ **اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ یہ کلام ہمیشہ زندہ رہے گا اور اس کی تعلیم کو تازہ رکھنے والے اور اس کا نفع لوگوں کو پہنچانے والے ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے۔**

(شہادت القرآن۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 338)

یہ حدیث(ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ناقل) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْن۔ کی شرح ہے۔صدی ایک عام آدمی کی عمر ہوتی ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا کہ سو سال بعد کوئی نہ رہے گا۔جیسے صدی جسم کو مارتی ہے اسی طرح ایک روحانی موت بھی واقع ہوتی ہے۔اس لئے صدی کے بعد ایک نئی ذریت پیدا ہو جاتی ہے۔جیسے اناج کے کھیت۔اب دیکھتے ہیں کہ ہرے بھرے ہیں ایک وقت میں بالکل خشک ہوں گے پھر نئے سر سے پیدا ہو جائیں گے اس طرح پر ایک سلسلہ جاری رہتا ہے۔ **پہلے اکابر سوسال کے اندر فوت ہو جاتے ہیں اس لئے خدا تعالیٰ ہر صدی پر نیا انتظام کر دیتا ہے جیسا رزق کا سامان کرتا ہے۔پس قرآن کی حمایت کے ساتھ یہ حدیث تواتر کا حکم رکھتی ہے۔**

کپڑا پہنتے ہیں تو اس کی بھی تجدید کی ضرورت پیدا ہوتی ہے اسی طریق پر نئی ذریت کو تازہ کرنے کیلئے سنت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ ہر صدی پر مجدد آتا ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 87-86)

تکمیل وعدۂ حفاظتِ قرآن مختلف ذرائع سے

قرآن شریف میں یہ وعدہ تھا کہ خدا تعالیٰ فتنوں اور خطرات کے وقت میں دین اسلام کی حفاظت کریگا جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْن۔ سو خدا تعالیٰ نے بموجب اس وعدہ کے چار قسم کی حفاظت اپنی کلام کی کی اول **حافظوں کے ذریعہ سے اس کے الفاظ اور ترتیب کو محفوظ رکھا اور ہر ایک صدی میں لاکھوں ایسے انسان پیدا کئے جو اس کی پاک کلام کو اپنے سینوں میں حفظ رکھتے ہیں ایسا حفظ کہ اگر ایک لفظ پوچھا جائے تو اس کا اگلا پچھلا سب بتا سکتے ہیں** اور اس طرح پر قرآن کو تحریف لفظی سے ہر ایک زمانہ میں بچایا۔ **دوسرے ایسے ائمہ اور اکابر کے ذریعہ سے جن کو ہر ایک صدی میں فہم قرآن عطا ہوا ہے جنہوں نے قرآن شریف کے اجمالی مقامات کی احادیث نبویہ کی مدد سے تفسیر کر کے خدا کی پاک کلام اور پاک تعلیم کو ہر ایک زمانہ میں تحریف معنوی سے محفوظ رکھا۔ تیسرے متکلمین کے ذریعہ سے جنہوں نے قرآنی تعلیمات کو عقل کے ساتھ تطبیق دے کر خدا کی پاک کلام کو کوتہ اندیش فلسفیوں کے استخفاف سے بچایا ہے۔ چوتھے روحانی انعام پانے والوں کے ذریعہ سے جنہوں نے خدا کی پاک کلام کو ہر ایک زمانہ میں معجزات اور معارف کے منکروں کے حملہ سے بچایا ہے۔**

(ایام الصلح ۔ر۔خ۔جلد 14 صفحہ 288)

پوچھا گیا کہ قرآن کا جو نزول ہوا ہے وہ یہی الفاظ ہیں یا کس طرح؟

فرمایا:۔ یہی الفاظ ہیں اور یہی خدا کی طرف سے نازل ہوا۔قرأت کا اختلاف الگ امر ہے مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ (الحج:53) میں لَا مُحَدَّثٍ قرأت شاذہ ہے اور یہ قرأت صحیح حدیث کا حکم رکھتی ہے جس طرح نَبِیّ اور رَسُوْل کی وحی محفوظ ہوتی ہے اسی طرح مُحَدَّثٍ کی وحی بھی محفوظ ہوتی ہے جیسا کہ اس آیت میں پایا جاتا ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 449)

معنوی حفاظت کے اعتبار سے

فَاِنَّ الْقُرْاٰنَ کِتَابٌ قَدْ کَفَّلَ اللّٰہُ صِحَّتَہٗ وَ قَالَ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ وَ اِنَّہٗ لَایَتَغَیَّرُ بِتَغَیُّرَاتِ الْاَزْمِنَۃِ وَ مُرُوْرِ الْقُرُوْنِ الْکَثِیْرَۃِ وَ لَا یَنْقُصُ مِنْہُ حَرْفٌ وَّ لَا تَزِیْدُ عَلَیْہِ نُقْطَۃٌ وَّ لَا تَمَسُّہٗ اَیْدِی الْمَخْلُوْقِ وَ لَا یُخَالِطُہٗ قَوْلُ الْاٰدَمِیِّیْنَ۔

(ترجمہ از مرتب) قرآن کریم وہ کتاب ہے جس کی صحت لفظی ومعنوی کا اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لیا ہے اور اس نے فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔ زمانہ کے تغیرات اور زیادہ صدیاں گزر جانے کے باوجود اس کتاب میں کوئی تغیر نہیں ہوگا۔ اس سے نہ کوئی حرف کم ہوگا اور نہ اس میں کوئی نقطہ زیادہ ہوگا۔ نہ اس میں مخلوق دست برد کر سکے گی اور نہ اس میں انسانوں کا کلام شامل ہو سکے گا۔ (حمامۃ البشریٰ ۔ ر۔خ۔ جلد 7 صفحہ 216)

ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے یعنی جب اس کے معانی میں غلطیاں وارد ہوں گی تو اصلاح کے لئے ہمارے مامور آیا کریں گے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 178)

ارسال مجددین اور مرسلین کے ذریعہ سے

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: 10)

یہ امر قرآن شریف سے بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی حفاظت کرتا رہا ہے اور کرے گا جیسا کہ فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ یعنی بے شک ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ **اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کا لفظ صاف طور پر دلالت کرتا ہے کہ صدی کے سر پر ایسے آدمی آتے رہیں گے جو گم شدہ متاع کو لائیں اور لوگوں کو یاد دلائیں۔**

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 629)

(یہ آیت) صاف بتلا رہی ہے کہ جب ایک قوم پیدا ہوگی کہ اس ذکر کو دنیا سے مٹانا چاہے گی تو اس وقت خدا آسمان سے اپنے کسی فرستادہ کے ذریعہ سے اس کی حفاظت کرے گا۔

(تحفہ گولڑویہ ۔ ر۔خ۔ جلد 17 صفحہ 267 حاشیہ نمبر 2)

حفاظت قرآن کیونکر اور کس طرح سے ہوگی سو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس نبی کریم کے خلیفے وقتاً فوقتاً بھیجتا رہوں گا اور خلیفہ کے لفظ کو اشارہ کے لئے اختیار کیا گیا کہ وہ نبی کے جانشین ہوں گے اور اس کی برکتوں میں سے حصہ پائیں گے جیسا کہ پہلے زمانوں میں ہوتا رہا اور ان کے ہاتھ سے برجائی دین کی ہوگی اور خوف کے بعد امن پیدا ہوگا یعنی ایسے وقتوں میں آئیں گے کہ جب اسلام تفرقہ میں پڑا ہوگا پھر ان کے آنے کے بعد جو ان سے سرکش رہے گا وہی لوگ بدکار اور فاسق ہیں۔ (شہادت القرآن ۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 339)

الٓـرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ۔(ھود:2)

الف سے مراد اللہ اور لؔ سے مراد جبرائیل اور را سے مراد رسل ہیں چونکہ اس میں یہی قصہ ہے کہ کونسی چیزیں انسانوں کو ضروری ہیں اس لئے فرمایا کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ۔الآیہ یہ کتاب ایسی ہے کہ اس کی آیات پکی اور استوار ہیں۔

قرآن کریم کی تعلیموں کو اللہ تعالیٰ نے کئی طرح پر مستحکم کیا تا کہ کسی قسم کا شک نہ رہے اور اسی لئے شروع میں ہی فرمایا: لَا رَیْبَ فِیْہِ (البقرہ: 3) یہ استحکام کئی طور پر کیا گیا ہے۔

اوّلاً قانون قدرت سے استواری اور استحکام قرآنی تعلیموں کا کیا گیا۔ جو کچھ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے قانون قدرت اس کو پوری مدد دیتا ہے۔ گویا جو قرآن میں ہے وہی کتاب مکنون میں ہے۔اس کا راز انبیاء علیہم السلام کی پیروی کے بدوں سمجھ میں نہیں آ سکتا۔اور یہی وہ سر ہے جو لَایَـمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ (الواقعہ: 80) میں رکھا گیا ہے۔غرض پہلے قرآنی تعلیم کو قانون قدرت سے مستحکم کیا ہے مثلاً قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی صفت وحدہ لاشریک بتلائی۔ جب ہم قانون قدرت میں نظر کرتے ہیں تو ماننا پڑتا ہے کہ ضرور ایک ہی خالق و مالک ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ دل بھی اسے ہی مانتا ہے اور دلائل قدرت سے بھی اسی کا پتہ لگتا ہے کیونکہ ہر ایک چیز جو دنیا میں موجود ہے وہ اپنے اندر کرویت رکھتی ہے جیسے پانی کا قطرہ اگر ہاتھ سے چھوڑیں تو وہ کروی شکل کا ہوگا اور کروی شکل توحید کو مستلزم ہے اور یہی وجہ ہے کہ پادریوں کو بھی ماننا پڑا کہ جہاں تثلیث کی تعلیم نہیں پہنچی وہاں کے رہنے والوں سے توحید کی پرستش ہوگی چنانچہ پادری فنڈر نے اپنی تصنیفات میں اس امر کا اعتراف کیا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر قرآن کریم دنیا میں نہ بھی ہوتا تب بھی ایک ہی خدا کی پرستش ہوتی۔اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کا بیان صحیح ہے کیونکہ اس کا نقش انسانی فطرت اور دل میں موجود ہے اور دلائل قدرت سے اس کی شہادت ملتی ہے برخلاف اس کے انجیلی تثلیث کا نقش نہ دل میں ہے نہ قانون قدرت اس کا مؤید ہے۔

یہی معنے ہیں کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ الآیہ کے۔یعنی قانون قدرت سے اس کی تعلیموں کو ایسا مستحکم اور استوار کیا گیا ہے کہ مشرک وعیسائی کو بھی ماننا پڑا کہ انسان کے مادۂ فطرت سے توحید کی باز پرس ہوگی۔

دوسری وجہ استحکام کی خدا تعالیٰ کے نشانات ہیں۔کوئی نبی' کوئی مامور دنیا میں ایسا نہیں آتا جس کے ساتھ تائیدات الٰہی شامل نہ ہوں اور یہ تائیدات اور نشانات ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت پرشوکت اور پرقوت تھے۔آپ کے حرکات سکنات میں کلام میں نشانات تھے۔گویا آپ کا وجود از سرتاپا نشانات الٰہی کا پتلا تھا۔

تیسرا احکام نبی کا پاک چال چلن اور راست بازی ہے۔ یہ منجملہ ان باتوں کے ہے جو عقلمندوں کے نزدیک امین ہونا بھی ایک دلیل ہے جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس سے دلیل پکڑی۔

چوتھا احکام جوایک زبردست وجہ استواری اور استحکام کی ہے نبی کی قوت قدسیہ ہے جس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ جیسے طبیب خواہ کتنا ہی دعویٰ کرے کہ میں ایسا ہوں اور ویسا ہوں اور اس کو سدیدی خواہ نوک زبان ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر لوگوں کو اس سے فائدہ نہ پہنچے تو یہی کہیں گے کہ اس کے ہاتھ میں شفا نہیں ہے۔ اسی طرح پر نبی کی قوتِ قدسی جس قدر زبردست ہو اسی قدر اس کی شان اعلیٰ اور بلند ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم کے استحکام کے لئے یہ پشتیبان بھی سب سے بڑا پشتیبان ہے...... **ان وجوہات احکام آیات کے علاوہ میرے نزدیک اور بھی بہت سے وجوہات ہیں منجملہ ان کے ایک الـرٰ کے لفظ رٰ سے پتہ لگتا ہے یہ لفظ مجددوں اور مرسلوں کے سلسلہ جاریہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جو قیامت تک جاری ہے۔ اب اس سلسلہ میں آنے والے مجددوں کے خوارق، ان کی کامیابیوں، ان کی پاک تاثیروں وغیرہ وجوہات احکام آیات کو گن بھی نہیں سکتے۔ اور یہ سب خوارق اور کامیابیاں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے متبعین مجددوں کے ذریعہ سے ہوئیں اور قیامت تک ہوں گی۔** درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی کامیابیاں ہیں۔ غرض ہر صدی کے سر پر مجدد کا آنا صاف طور پر بتلا رہا ہے کہ مردوں سے استمداد خدا تعالیٰ کی منشاء کے موافق نہیں۔ اگر مردوں سے مدد کی ضرورت ہوتی تو پھر زندوں کے آنے کی کیا ضرورت تھی؟ ہزاروں ہزار جو اولیاء اللہ پیدا ہوتے ہیں اس کا کیا مطلب تھا۔ مجدّدین کا سلسلہ کیوں جاری کیا جاتا؟ **اگر اسلام مردوں کے حوالے کیا جاتا تو یقیناً سمجھو کہ اس کا نام ونشان مٹ گیا ہوتا۔ یہودیوں کا مذہب مردوں کے حوالے کیا گیا۔ نتیجہ کیا ہوا؟ عیسائیوں نے مردہ پرستی سے بتلاؤ کیا پایا؟ مردوں کو پوجتے پوجتے خود مردہ ہوگئے۔ نہ مذہب میں زندگی کی روح رہی نہ ماننے والوں میں زندگی کے آثار باقی رہے۔ اول سے لے کر آخر تک مردوں ہی کا مجمع ہوگیا۔**

اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ اسلام کا خدا حیّ و قیّوم خدا ہے پھر وہ مردوں سے پیار کیوں کرنے لگا۔ وہ حیّ و قیّوم خدا تو بار بار مردوں کو جلاتا ہے یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الحدید: 18) تو کیا مردوں کے ساتھ تعلق پیدا کرا کر جلاتا ہے۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ **اسلام کی حفاظت کا ذمہ اسی حی و قیوم خدا نے اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (الحجر: 10) کہہ کر اٹھایا ہوا ہے۔ پس ہر زمانہ میں یہ دین زندوں سے زندگی پاتا ہے اور مردوں کو جلاتا ہے۔ یاد رکھو اس میں قدم قدم پر زندے آتے ہیں۔ پھر فرمایا: ثُمَّ فُصِّلَتْ۔ ایک تو وہ تفصیل ہے جو قرآن کریم میں ہے۔ دوسری یہ کہ قرآن کریم کے معارف وحقائق کے اظہار کا سلسلہ قیامت تک دراز کیا گیا ہے۔**

ہر زمانے میں نئے معارف اور اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ فلسفی اپنے رنگ میں طبیب اپنے مذاق پر صوفی اپنے طرز پر بیان کرتے ہیں۔ اور پھر یہ تفصیل بھی حکیم وخبیر خدا نے رکھی ہے۔ حکیم اس کو کہتے ہیں کہ جن چیزوں کا علم مطلوب ہو وہ کامل طور پر ہو اور پھر عمل بھی کامل ہوا ایسا کہ ہر ایک چیز کو اپنے اپنے محل وموقع پر رکھ سکے۔ حکمت کے معنے وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ مَحَلِّهٖ اور خبیر مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی ایسا وسیع علم کہ کوئی چیز اس کی خبر سے باہر نہیں۔ **چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب مجید کو خاتم الکتب ٹھہرایا تھا اور اس کا زمانہ قیامت تک دراز تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ کس طرح پر یہ تعلیمیں ذہن نشین کرنی چاہئیں۔ چنانچہ اسی کے مطابق تفاصیل کی ہیں۔ پھر اس کا سلسلہ جاری رکھا کہ جو مجدد و مصلح احیاء دین کے لئے آتے ہیں وہ خود مفصل آتے ہیں۔**

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 346-342)

بعثت حضرت اقدس علیہ السلام کے ذریعہ سے

اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:10) **قرآن شریف کی عظمت کو قائم کرنے کے لئے چودھویں صدی کے سر پر مجھے بھیجا۔** (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 433)

لہٰذا اب یہ زمانہ ایسا زمانہ تھا کہ جو طبعاً چاہتا تھا کہ جیسا کہ مخالفوں کے فتنہ کا سیلاب بڑے زور سے چاروں پہلوؤں پر حملہ کرنے کے لئے اٹھا ہے۔ ایسا ہی مدافعت بھی چاروں پہلوؤں کے لحاظ سے ہو اور اس عرصہ میں چودھویں صدی کا آغاز بھی ہو گیا۔ **اس لئے خدا نے چودھویں صدی کے سر پر اپنے وعدہ کے موافق جو اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ** ہے۔ اس فتنہ کی اصلاح کے لئے ایک مجدد بھیجا مگر چونکہ ہر ایک مجدد کا خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک خاص نام ہے اور جیسا کہ ایک شخص جب ایک کتاب تالیف کرتا ہے تو اس کے مضامین کے مناسب حال اس کتاب کا نام رکھ دیتا ہے۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ نے اس مجدد کا نام خدمات مفوضہ کے مناسب حال مسیح رکھا کیونکہ یہ بات مقرر ہو چکی تھی کہ آخر الزمان کے صلیبی فتنوں کی مسیح اصلاح کرے گا۔ پس جس شخص کو یہ اصلاح سپرد ہوئی ضرور تھا کہ اس کا نام مسیح موعود رکھا جائے۔ پس سوچو کہ یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ کی خدمت کس کو سپرد ہے؟ اور کیا اب یہ وہی زمانہ ہے یا کوئی اور ہے؟ سوچو خدا تمہیں تھام لے۔ (ایام الصلح۔ ر۔ خ۔ جلد 14 صفحہ 290-289)

قرآن کریم جس کا دوسرا نام ذکر ہے اس ابتدائی زمانہ میں انسان کے اندر چھپی ہوئی اور فراموش ہوئی ہوئی صداقتوں اور ودیعتوں کو یاد دلانے کے لئے آیا تھا۔ **اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ واثقہ کی رو سے کہ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ اس زمانہ میں بھی آسمان سے ایک معلم آیا جو اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ** (الجمعة:4) **کا مصداق اور موعود ہے۔ وہ وہی ہے جو تمہارے درمیان بول رہا ہے۔** (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 60)

یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کیلئے غیور ہے۔ اس نے سچ فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْن (الحجر: 10) **اس نے اس وعدہ کے موافق اپنے ذکر کی محافظت فرمائی اور مجھے مبعوث کیا** اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کے موافق کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آتا ہے اس نے مجھے صدی چہار دہم کا مجدد کیا جس کا نام کاسر الصلیب بھی رکھا ہے۔ اگر ہم اس دعویٰ میں غلطی پر ہیں تو پھر سارا کاروبار نبوت کا ہی باطل ہوگا اور سب وعدے جھوٹے ٹھہریں گے اور پھر سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہوگی کہ خدا تعالیٰ بھی جھوٹوں کی حمایت کرنے والا ثابت ہوگا (معاذ اللہ) کیونکہ ہم اس سے تائیدیں پاتے ہیں اور اس کی نصرتیں ہمارے ساتھ ہیں۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 371-370)

وہ پاک وعدہ جس کو یہ پیارے الفاظ ادا کر رہے ہیں کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْن وہ انہیں دنوں کے لئے وعدہ ہے جو بتلا رہا کہ جب اسلام پر سخت بلا کا زمانہ آئے گا اور سخت دشمن اس کے مقابل کھڑا ہوگا اور سخت طوفان پیدا ہوگا تب خدائے تعالیٰ آپ اس کا معالجہ کرے گا اور آپ اس طوفان سے بچنے کے لئے کوئی کشتی عنایت کرے گا وہ کشتی اس عاجز کی دعوت ہے۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔ خ۔ جلد 5 صفحہ 264 حاشیہ)

اس وقت میرے مامور ہونے پر بہت سی شہادتیں ہیں اول اندرونی شہادت دوم بیرونی شہادت سوم صدی کے سر پر آنے والے مجدد کی نسبت حدیث صحیح۔ چہارم اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْن (الحجر:10) **کا وعدہ حفاظت۔** (ملفوظات جلد دوم صفحہ 360)

حفاظت قرآن کریم۔ تاثیرات کے ذریعہ سے

قرآن شریف میں اگر تدبر کریں تو اس کی روشن حقیقت آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ توریت میں کوئی اثر باقی نہیں رہا۔ ورنہ چاہیے تھا کہ ان میں اولیاء اللہ اور صلحاء ہوتے۔

یہودی: چونکہ توریت پر عمل نہیں رہا۔ اس لیے ولی اور صلحاء نہیں ہوتے۔

حضرت اقدس: اگر توریت میں کوئی تاثیر باقی ہوئی تو اسے ترک ہی کیوں کرتے؟ اگر آپ کہیں کہ بعض نے ترک کیا ہے تو پھر بھی اعتراض بدستور قائم ہے کہ جنھوں نے ترک نہیں کیا۔ ان پر جو اثر ہوا ہے وہ پیش کرو۔ اور اگر کل ہی نے ترک کر دیا ہے تو یہ ترک تاثیر کو باطل کرتا ہے۔ ہم قرآن شریف کے لیے یہی نہیں مانتے۔ یہ سچ ہے کہ اکثر مسلمانوں نے قرآن شریف کو چھوڑ دیا ہے۔ **لیکن پھر بھی قرآن شریف کے انوار و برکات اور اس کی تاثیرات ہمیشہ زندہ اور تازہ بتازہ ہیں۔ چنانچہ میں اس وقت اسی ثبوت کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے وقت پر اپنے بندوں کو اس کی حمایت اور تائید کے لیے بھیجتا رہا ہے۔ کیونکہ اس نے وعدہ فرمایا تھا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ** (الحجر: 10) یعنی بے شک ہم نے ہی اس ذکر (قرآن شریف) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ قرآن شریف کی حفاظت کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ توریت یا کسی اور کتاب کے لیے نہیں۔ اسی لیے ان کتابوں میں انسانی چالاکیوں نے اپنا کام کیا۔ قرآن شریف کی حفاظت کا یہ بڑا زبردست ذریعہ ہے کہ اس کی تاثیرات کا ہمیشہ تازہ بتازہ ثبوت ملتا رہتا ہے اور یہود نے چونکہ توریت کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور ان میں کوئی اثر اور قوت باقی نہیں رہی جو ان کی موت پر دلالت کرتی ہے۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 450)

ہے شکر ربِّ عزوجل خارج از بیاں — جس کے کلام سے ہمیں اس کا ملا نشاں
وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اس کتاب میں — ہو گی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں
اس سے خدا کا چہرہ نمودار ہو گیا — شیطاں کا مکر و وسوسہ بے کار ہو گیا
وہ رہ جو ذاتِ عزوجل کو دکھاتی ہے — وہ رہ جو دل کو پاک و مطہر بناتی ہے
وہ رہ جو یارِ گم شدہ کو کھینچ لاتی ہے — وہ رہ جو جامِ پاک یقیں کا پلاتی ہے
وہ رہ جو اس کے ہونے پہ محکم دلیل ہے — وہ راہ جو اس کے پانے کی کامل سبیل ہے
اس نے ہر ایک کو وہی رستہ دکھا دیا — جتنے شکوک و شبہ تھے سب کو مٹا دیا
قرآں خدا نما ہے خدا کا کلام ہے! — بے اس کے معرفت کا چمن ناتمام ہے

(درثمین اردو صفحہ 90-91) (براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 12-13)

گیارہویں فصل

عظمت قرآن کریم بمقابل دیگر صحف سماوی

قرآن کریم ایک کامل کتاب ہے۔ دیگر صحف کی تکمیل کرتا ہے

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ:4)

یادرہے کہ کسی مذہب کی سچائی ثابت کرنے کے لئے یعنی اس بات کے ثبوت کے لئے کہ وہ مذہب منجانب اللہ ہے دوقسم کی فتح کا اس میں پایا جانا ضروری ہے۔ اول یہ کہ وہ مذہب اپنے عقاید اور اپنی تعلیم اور اپنے احکام کی رو سے ایسا جامع اور اکمل اور اتم اور نقص سے دور ہو کہ اس سے بڑھ کر عقل تجویز نہ کرسکے اور کوئی نقص اور کمی اس میں دکھلائی نہ دے اور اس کمال میں وہ ہر ایک مذہب کو فتح کرنے والا ہو یعنی ان خوبیوں میں کوئی مذہب اس کے برابر نہ ہو۔ جیسا کہ یہ دعویٰ قرآن شریف نے آپ کیا ہے کہ **اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا** یعنی آج میں نے تمہارے لیے اپنا دین کامل کردیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کیا اور میں نے پسند کیا کہ اسلام تمہارا مذہب ہو یعنی وہ حقیقت جو اسلام کے لفظ میں پائی جاتی ہے جس کی تشریح خود خدا تعالیٰ نے اسلام کے لفظ کے بارہ میں بیان کی ہے اس حقیقت پر تم قائم ہو جاؤ اس آیت میں صریح یہ بیان ہے کہ قرآن شریف نے ہی کامل تعلیم عطا کی ہے اور قرآن شریف کا ہی ایسا زمانہ تھا جس میں کامل تعلیم عطا کی جاتی۔ پس یہ دعویٰ کامل تعلیم کا جو قرآن شریف نے کیا یہ اسی کا حق تھا اس کے سوا کسی آسمانی کتاب نے ایسا دعویٰ نہیں کیا جیسا کہ دیکھنے والوں پر ظاہر ہے کہ توریت اور انجیل دونوں اس دعویٰ سے دست بردار ہیں۔ کیونکہ توریت میں خدا تعالیٰ کا یہ قول موجود ہے کہ میں تمہارے بھائیوں میں سے ایک نبی قائم کرونگا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو شخص اس کے کلام کو نہ سنے گا میں اس سے مطالبہ کروں گا۔ پس صاف ظاہر ہے کہ اگر آیندہ زمانہ کی ضرورتوں کی رو سے توریت کا سننا کافی ہوتا تو کچھ ضرورت نہ تھی کہ کوئی اور نبی آتا اور مؤاخذہ الٰہیہ سے مخلصی پانا اس کلام کے سننے پر موقوف ہوتا جو اس پر نازل ہوتا۔ ایسا ہی انجیل نے کسی مقام میں دعویٰ نہیں کیا کہ انجیل کی تعلیم کامل اور جامع ہے بلکہ صاف اور کھلا کھلا اقرار کیا ہے کہ اور بہت سی باتیں قابل بیان تھیں مگر تم برداشت نہیں کرسکتے لیکن جب فارقلیط آئے گا تو وہ سب کچھ بیان کرے گا۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ حضرت موسیٰ نے اپنی توریت کو ناقص تسلیم کرکے آنے والے نبی کی تعلیم کی طرف توجہ دلائی ایسا ہی حضرت عیسیٰ نے بھی اپنی تعلیم کا نامکمل ہونا قبول کرکے یہ عذر پیش کردیا کہ ابھی کامل تعلیم بیان کرنے کا وقت نہیں ہے لیکن جب فارقلیط آئے گا تو وہ کامل تعلیم بیان کردیگا مگر قرآن شریف نے توریت اور انجیل کی طرح کسی دوسرے کا حوالہ نہیں دیا بلکہ اپنی کامل تعلیم کا تمام دنیا میں اعلان کردیا اور فرمایا کہ **اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ**

عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا اس سے ظاہر ہے کہ کامل تعلیم کا دعویٰ کرنے والا صرف قرآن شریف ہی ہے اور ہم اپنے موقعہ پر بیان کریں گے کہ جیسا کہ قرآن شریف نے دعویٰ کیا ہے ویسا ہی اس نے اس دعوے کو پورا کر کے دکھلا بھی دیا ہے اور اس نے ایک ایسی کامل تعلیم پیش کی ہے جس کو نہ توریت پیش کر سکی اور نہ انجیل بیان کر سکی۔ پس اسلام کی سچائی ثابت کرنے کے لئے یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ وہ تعلیم کی رو سے ہر ایک مذہب کو فتح کرنے والا ہے اور کامل تعلیم کے لحاظ سے کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ (براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 5-3)

آؤ عیسائیو!! ادھر آؤ!!! نورِ حق دیکھو! راہِ حق پاؤ!
جس قدر خوبیاں ہیں قرآن میں کہیں انجیل میں تو دِکھلاؤ!
درد مندوں کی ہے دوا وہی ایک ہے خدا سے خدانما وہی ایک
ہم نے پایا خور[1] ھدیٰ وہی ایک ہم نے دیکھا ہے دِل رُبا وہی ایک
اُس کے منکر جو بات کہتے ہیں! یوں ہی اک واہیات کہتے ہیں!
بات جب ہو کہ میرے پاس آویں میرے منہ پر وہ بات کہہ جاویں
مجھ سے اس دل ستاں کا حال سنیں مجھ سے وہ صورت و جمال سنیں
آنکھ پھوٹی تو خیر کان سہی نہ سہی ۔ یونہی امتحان سہی

[1] خور بمعنی روشنی یا مینار

(درثمین اردو صفحہ 4`5) (براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 299-298 حاشیہ درحاشیہ نمبر2)

دیگر کتب مختص الزمان مختص القوم تھیں

میں اعتراض نہیں کرتا بلکہ میرا مقصد اس بیان سے اس امر کا اظہار ہے کہ یہ دونو کتابیں صرف ایک ہی خاندان کی تھیں۔ نہ حضرت عیسیٰ نے اور نہ حضرت موسیٰ نے کبھی یہ دعویٰ کیا کہ وہ تمام دنیا کے واسطے رسول ہو کر آئے تھے بلکہ وہ تو صرف اسرائیلی بھیڑوں تک ہی اپنی تعلیم محدود کرتے ہیں۔ ان کا اپنا اقرار موجود ہے۔ پس بلحاظ ضرورت کے ان کو جو کتاب ملی وہ بھی ایک قانون مختص الزمان اور مختص القوم تھا۔

اب ظاہر ہے کہ ایک چیز جو ایک خاص ضرورت کے لیے ایک خاص زمانے اور مکان کے واسطے آئی تھی۔ اگر اس کو زبردستی اور خواہ نخواہ تمام دنیا پر محیط ہونے کے واسطے کھینچ تان کی جائے گی تو اس کا لازماً یہی نتیجہ ہوگا کہ وہ اس کام سے عاری رہے گی جس بوجھ کے اٹھانے کے واسطے وہ وضع ہی نہیں کی گئی اس کی کیسے متحمل ہو سکے گی؟ اور یہی وجہ ہے کہ ان تعلیمات میں موجودہ زمانہ کے حالات کے ماتحت نقص ہیں۔ مگر قرآن مجید مختص الزمان نہیں، مختص القوم نہیں اور نہ ہی مختص المکان ہے بلکہ اس کامل اور مکمل کتاب کے لانے والے کا دعویٰ ہے کہ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف:159) اور ایک دوسری آیت میں یوں بھی آیا ہے۔ لِاُنْذِرَکُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ (الانعام: 20) یعنی لازمی ہوگا کہ جس کو قرآنی تعلیم پہنچے وہ خواہ کہیں بھی ہو اور کوئی بھی ہو اس تعلیم کی پیروی کو اپنی گردن پر اٹھائے۔

انسانی فطرت کا پورا اور کامل عکس صرف قرآن شریف ہی ہے۔ **اگر قرآن نہ بھی آیا ہوتا جب بھی اسی تعلیم کے مطابق انسان سے سوال کیا جاتا کیونکہ یہ ایسی تعلیم ہے جو فطرتوں میں مرکوز اور قانون قدرت کے ہر صفحہ میں مشہود ہے۔ جن کی تعلیمات ناقص اور خاص قوم تک محدود ہیں اور وہ آگے ایک قدم بھی نہیں چل سکتیں ان کی نبوت کا دروازہ بھی ان کے اپنے ہی گھر تک محدود ہے۔ مگر قرآن شریف کہتا ہے** اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر:25) دیکھو یہ کیسی پاک اور دل میں دخل کر جانے والی بات اور کیسا سچا اصول ہے مگر یہ لوگ ہیں کہ خدا کی خدائی کو صرف اپنے ہی گھر تک محدود خیال کرتے ہیں۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 654-655)

قرآن کریم کی تعلیم کو جو دوسری تعلیموں پر کمال درجہ کی فوقیت ہے تو اس کی دو وجہ ہیں۔

اول یہ کہ پہلے نبی اپنے زمانہ کے جمیع بنی آدم کے لئے مبعوث نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ صرف اپنی ایک خاص قوم کیلئے بھیجے جاتے تھے جو خاص استعداد میں محدود اور خاص طور کے عادات اور عقائد اور اخلاق اور روش میں قابل اصلاح ہوتے تھے پس اس وجہ سے وہ کتابیں قانون مختص القوم کی طرح ہو کر صرف اسی حد تک اپنے ساتھ ہدایت لاتی تھیں جو اس خاص قوم کے مناسب حال اور انکے پیمانہ استعداد کے موافق ہوتی تھی۔

دوسری وجہ یہ کہ ان انبیاء علیہم السلام کو ایسی شریعت ملتی تھی جو ایک خاص زمانہ تک محدود ہوتی تھی اور خدا تعالیٰ نے ان کتابوں میں یہ ارادہ نہیں کیا تھا کہ دنیا کے اخیر تک وہ ہدائتیں جاری رہیں اسلئے وہ کتابیں قانون مختص الزمان کی طرح ہو کر صرف اسی زمانہ کی حد تک ہدایت لاتی تھیں جو ان کتابوں کی پابندی کا زمانہ حکمت الٰہی نے اندازہ کر رکھا تھا۔

یہ دونوں قسم کے نقص جو ہم نے بیان کئے ہیں قرآن کریم بکلّی ان سے مبرّا ہے کیونکہ قرآن کریم کے اتارنے سے اللہ جلشانہ کا یہ مقصد تھا کہ وہ تمام بنی آدم اور تمام زمانوں اور تمام استعدادوں کی اصلاح اور تکمیل اور تربیت کر سکے اور اسلام کی پوری شکل اور پوری عظمت بنی آدم پر ظاہر ہو اور اسکے ظہور کا وقت بھی آ پہنچا تھا اسلئے **خدا تعالیٰ نے قرآن مجید کو تمام قوموں اور تمام زمانوں کیلئے جو قیامت تک آنیوالے تھے ایک کامل اور جامع قانون کی طرح نازل فرمایا** اور ہر یک درجہ کی استعداد کیلئے افادہ اور افاضہ کا دروازہ کھولدیا جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے **ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ۔** (الفاطر:33)

(آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد 5 صفحہ 128-127-126)

قرآن کریم گذشتہ تعلیموں کا متمم اور مکمل ہے

اصل حقیقت یہ ہے کہ چونکہ انسان سہو ونسیان سے مرکب ہے اور نوع انسان میں خدا کے احکام عملی طور پر ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتے۔ اسلئے ہمیشہ نئے یاد دلانے والے اور قوت دینے والے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن قرآن شریف ان ہی دو ضرورتوں کی وجہ سے نازل نہیں ہوا۔ **بلکہ وہ پہلی تعلیموں کا درحقیقت متمم اور مکمل ہے۔** مثلاً توریت کا زور حالات موجودہ کے لحاظ سے زیادہ تر قصاص پر ہے اور انجیل کا زور حالات موجودہ کے لحاظ سے عفو اور صبر اور درگذر پر ہے۔ اور قرآن ان دونوں صورتوں میں محل شناسی کی تعلیم دیتا ہے۔ ایسا ہی ہر ایک باب میں توریت افراط کی طرف گئی ہے اور انجیل تفریط کی طرف اور قرآن شریف وسط کی تعلیم کرتا اور محل اور موقعہ کا سبق دیتا ہے۔ گو نفس تعلیم تینوں کتابوں کا ایک ہی ہے۔ مگر کسی نے کسی پہلو کو شدّ ومد کے ساتھ بیان کیا اور کسی نے کسی پہلو کو۔ اور کسی نے فطرت انسانی کے لحاظ سے درمیانہ راہ لیا جو طریق تعلیم قرآن ہے۔ اور چونکہ محل اور موقعہ کا لحاظ رکھنا یہی حکمت ہے۔ سو اس حکمت کو صرف قرآن شریف نے سکھلایا ہے توریت ایک بیہودہ سختی کی طرف کھینچ رہی ہے۔☆ اور انجیل ایک بیہودہ عفو پر زور دے رہی ہی۔ اور قرآن شریف وقت شناسی کی تاکید کرتا ہے۔ **پس جس طرح پستان میں آکر خون دودھ بن جاتا ہے۔ اسی طرح توریت اور انجیل کے احکام قرآن میں آکر حکمت بن گئے ہیں۔ اگر قرآن شریف نہ آیا ہوتا تو توریت اور انجیل اس اندھے کے تیر کی طرح ہوتیں کہ کبھی ایک آدھ دفعہ نشانہ پر لگ گیا اور سو دفعہ خطا گیا۔ غرض شریعت قصوں کے طور پر توریت سے آئی اور مثالوں کی طرح انجیل سے ظاہر ہوئی اور حکمت کے پیرایہ میں قرآن شریف سے حق اور حقیقت کے طالبوں کو ملی۔**

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ ر۔خ۔ جلد 12 صفحہ 359 مع حاشیہ)

☆۔ یہ سختی اور نرمی اپنے اپنے زمانہ اور قوم کی موجودہ حالت کے لحاظ سے مناسب تعلیم تھی مگر حقیقی تعلیم نہیں تھی جو قابل ترک نہ ہو۔ منہ

قرآن کریم دنیا کی تمام اقوام کے لئے آیا ہے

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔(الاعراف:159)

قرآن شریف نے ہی کھلے طور پر یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ دنیا کی تمام قوموں کے لیے آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا یعنی تمام لوگوں کو کہدے کہ میں تم سب کے لیے رسول ہو کر آیا ہوں اور پھر فرماتا ہے (کہ) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء:108) یعنی میں نے تمام عالموں کے لیے تجھے رحمت کر کے بھیجا ہے اور پھر فرماتا ہے لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا(الفرقان: 2) یعنی ہم نے اس لیے بھیجا ہے کہ تمام دنیا کو ڈراوے لیکن ہم بڑے زور سے کہتے ہیں کہ قرآن شریف سے پہلے دنیا کی کسی الہامی کتاب نے یہ دعویٰ نہیں کیا بلکہ ہر ایک نے اپنی رسالت کو اپنی قوم تک ہی محدود رکھا یہاں تک کہ جس نبی کو عیسائیوں نے خدا قرار دیا اس کے منہ سے بھی یہی نکلا کہ ’’میں اسرائیل کی بھیڑوں کے سوا اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا‘‘ اور زمانہ کے حالات نے بھی گواہی دی کہ قرآن شریف کا یہ دعویٰ تبلیغ عام کا عین موقعہ پر ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت تبلیغ عام کا دروازہ کھل گیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ سے بعد نزول اس آیت کے کہ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کی طرف دعوت اسلام کے خط لکھے تھے کسی اور نبی نے غیر قوموں کے بادشاہوں کی طرف دعوت دین کے ہرگز خط نہیں لکھے کیونکہ وہ دوسری قوموں کی دعوت کے لیے مامور نہ تھے یہ عام دعوت کی تحریک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ہی شروع ہوئی اور مسیح موعود کے زمانہ میں اس کے ہاتھ سے کمال تک پہنچی۔

(چشمہ معرفت صفحہ۔ر۔خ۔جلد23 صفحہ 77-76)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت واستعداد اور عزم کا دائرہ چونکہ بہت ہی وسیع تھا اس لئے آپ کو جو کلام ملا وہ بھی اس پایہ اور رتبہ کا ہے کہ دوسرا کوئی شخص اس ہمت اور حوصلہ کا کبھی پیدا نہ ہوگا۔ کیونکہ آپ کی دعوت کسی محدود وقت یا مخصوص قوم کے لئے نہ تھی جیسے آپ سے پہلے نبیوں کی ہوتی تھی بلکہ آپ کے لئے فرمایا گیا قُلْ (يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ)اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا اور وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ جس شخص کی بعثت اور رسالت کا دائرہ اس قدر وسیع ہو اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ (الحکم جلد7 نمبر20 مورخہ 31 مئی 1903ء صفحہ 2)

دیگر صحف سماوی محرف مبدل ہیں

قرآن شریف نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ انجیل یا توریت سے صلح کریگا بلکہ ان کتابوں کو محرّف مبدّل اور ناقص اور ناتمام قرار دیا ہے اور تاج خاص اَکْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدہ:4) کا اپنے لئے رکھا ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہ سب کتابیں انجیل توریت قرآن شریف کے مقابل پر کچھ بھی نہیں اور ناقص اور محرف اور مبدل ہیں اور تمام بھلائی قرآن میں ہے۔ (دافع البلاء صفحہ 19۔ر۔خ۔جلد 18 صفحہ 239)

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ وَ لَوْاَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا۔(النساء: 47)

یہودی بھی تو ایسے ہی کام کرتے تھے کہ اپنی رائے سے اپنی تفسیروں میں بعض آیات کے معنے کرنے کے وقت بعض الفاظ کو مقدم اور بعض کو مؤخر کر دیتے تھے جن کی نسبت قرآن مجید میں یہ آیت موجود ہے کہ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (المائدہ:14) ان کی تحریف ہمیشہ لفظی نہیں تھی بلکہ معنوی بھی تھی۔ سو ایسی تحریفوں سے ہر یک مسلمان کو ڈرنا چاہیئے۔ (الحق دہلی ۔ر۔خ۔جلد4 صفحہ 215)

دجل یہ ہے کہ اندر ناقص چیز ہو اور اوپر کوئی صاف چیز ہو۔ مثلاً اوپر سونے کا ملمع ہو اور اندر تانبہ ہو۔ یہ دجل ابتدائے دنیا سے چلا آتا ہے مکر و فریب سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا۔ زرگر کیا کرتے ہیں۔ جیسے دنیا کے کاموں میں دجل ہے ویسے ہی روحانی کاموں میں بھی دجل ہوتا ہے۔ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (النساء:47) بھی دجل ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 295)

ان کتابوں (توریت اور انجیل) کی نسبت قرآن مجید میں يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (المائدہ:14) لکھا ہے وہ لوگ شرح کے طور پر اپنی طرف سے بھی کچھ ملا دیا کرتے تھے۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 338)

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔(الحجر:10)

بیشک ہم نے ہی اس ذکر (قرآن شریف) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔قرآن شریف کی حفاظت کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ توریت یا کسی اور کتاب کے لئے نہیں اسی لئے ان کتابوں میں انسانی چالاکیوں نے اپنا کام کیا۔ قرآن شریف کی حفاظت کا یہ بڑا زبردست ذریعہ ہے کہ اس کی تاثیرات کا ہمیشہ تازہ بتازہ ثبوت ملتا رہتا ہے اور یہود نے چونکہ توریت کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور ان میں کوئی اثر اور قوت باقی نہیں رہی جو ان کی موت پر دلالت کرتی ہے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 450)

سوال نمبر 2:۔ براہین احمدیہ میں آپ نے کلام الٰہی کی ایک نشانی یہ بھی لکھی ہے کہ وہ ہر ایک پہلو میں دوسری کلاموں سے افضل ہوتا ہے۔توریت انجیل بھی تو خدا تعالیٰ کا کلام ہیں کیا ان میں بھی یہ وصف پایا جاتا ہے؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

ان کتابوں کی نسبت قرآن مجید میں **یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ** (المائدۃ:14) لکھا ہے وہ لوگ شرح کے طور پر اپنی طرف سے بھی کچھ ملا دیا کرتے تھے۔اس لیے جو کتابیں محرف مبدل ہو چکی ہیں ان میں یہ نشانی کب مل سکتی ہے؟

اس پر حضرت حکیم الامت نے عرض کی کہ حضور توریت میں لکھا ہے ''پھر موسیٰ خدا کا بندہ مر گیا اور موسیٰ جیسا نہ کوئی پیدا ہوا نہ ہوگا اور اس کی قبر بھی آج تک کوئی نہیں جانتا'' تو یہ کلام حضرت موسیٰ کی ہو ہی کس طرح سکتی ہے اور انجیل کی نسبت تو عیسائی خود قائل ہیں کہ وہ اصلی جو عیسیٰ کی انجیل تھی نہیں ملتی۔یہ سب تراجم در تراجم ہیں اور ترجمے مترجم کے اپنے خیالات کے مطابق ہوا کرتے ہیں۔اور ان میں بہت سا حصہ اس قسم کا پایا جاتا ہے جو دوسروں کا بیان ہے جیسے صلیب کا واقعہ وغیرہ۔اس پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:۔

یہ ٹھیک بات ہے۔اگر تمام دنیا میں تلاش کریں تو قرآن مجید کی طرح خالص اور محفوظ کلام الٰہی کبھی نہیں مل سکتا بالکل محفوظ اور دوسروں کی دست برد سے پاک کلام تو صرف قرآن مجید ہی ہے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 338)

شکرِ خدائے رحماں! جس نے دیا ہے قرآں — غنچے تھے سارے پہلے اب گل کھلا یہی ہے
کیا وصف اس کے کہنا ہر حرف اس کا گہنا — دلبر بہت ہیں دیکھے دل لے گیا یہی ہے
دیکھی ہیں سب کتابیں مجمل ہیں جیسی خوابیں — خالی ہیں ان کی قابیں خوانِ ہدیٰ یہی ہے
اس نے خدا ملایا وہ یار اس سے پایا — راتیں تھیں جتنی گذریں اب دن چڑھا یہی ہے
اس نے نشاں دکھائے طالب سبھی بلائے — سوتے ہوئے جگائے بس حق نما یہی ہے
پہلے صحیفے سارے لوگوں نے جب بگاڑے — دنیا سے وہ سدھارے نوشہ نیا یہی ہے
کہتے ہیں حسنِ یوسف دلکش بہت تھا۔لیکن — خوبی و دلبری میں سب سے سوا یہی ہے

(درثمین اردو صفحہ 76)(قادیان کے آریہ اور ہم۔ر۔خ۔جلد 20 صفحہ 455)

قرآن کریم کی وحی اولین اور آخرین کی وحیوں سے اقویٰ اور اکمل اور ارفع ہے

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔(الشوریٰ:52)

جس جگہ صفوت وعصمت و تبتّل ومحبت کامل وتام حزن ودرد وشوق وخوف ہے اس جگہ انوار وحی کے کامل تجلیات بغیر آمیزش کسی نوع کی ظلمت کے وارد ہوتے رہتے ہیں اور آفتاب کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے رہتے ہیں اور جس جگہ یہ مرتبہ کمال تام کا نہیں اس جگہ وحی بھی اس عالی مرتبہ سے متنزل ہوتی ہے۔غرض وحی الٰہی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں خدائے تعالیٰ کی صفات عالیہ کا چہرہ حسب صفائی باطن نبی منزل علیہ کے نظر آتا ہے **اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاک باطنی وانشراح صدری وعصمت وحیا وصدق وصفا وتوکل و وفا اور عشق الٰہی کے تمام لوازم میں سب انبیاء سے بڑھ کر اور سب سے افضل واعلیٰ واکمل وارفع واجلیٰ واصفا تھے اس لئے خدائے جل شانہٗ نے ان کو عطر کمالات خاصہ سے سب سے زیادہ معطر کیا اور وہ سینہ اور دل جو تمام اولین وآخرین کے سینہ ودل سے فراخ تر و پاک تر ومعصوم تر وروشن تر وعاشق تر تھا وہ اسی لائق ٹھہرا کہ اس پر ایسی وحی نازل ہو کہ جو تمام اولین وآخرین کی وحیوں سے اقویٰ واکمل وارفع واتم ہو کر صفات الٰہیہ کے دکھلانے کے لئے ایک نہایت صاف اور کشادہ اور وسیع آئینہ ہو۔**

(سرمہ چشم آریہ۔ر۔خ۔جلد نمبر 2 صفحہ 71 حاشیہ)

وَ اِنَّهٗ مَا تَجَلّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لَا يَتَجَلّٰى مِنْ بَعْدُ كَمِثْلِ تَجَلِّيْهِ لِخَاتَمِ الْاَنْبِيَآءِ وَ لَيْسَ شَانُ وَحْيِ الْاَوْلِيَآءِ كَمِثْلِ شَانِ وَحْيِ الْفُرْقَانِ وَ اِنْ اُوْحِيَ اِلَيْهِمْ كَلِمَةٌ كَمِثْلِ كَلِمَاتِ الْقُرْاٰنِ۔ فَاِنَّ دَآئِرَةَ مَعَارِفِ الْقُرْاٰنِ اَكْبَرُ الدَّوَائِرِ وَاِنَّهَا اَحَاطَ الْعُلُوْمَ كُلَّهَا وَجَمَعَ فِيْ نَفْسِهَا اَنْوَاعَ السَّرَائِرِ وَ بَلَغَتْ دَقَائِقُهَا اِلَى الْمَقَامِ الْعَمِيْقِ الْغَائِرِ وَ سَبَقَ الْكُلَّ بَيَانًا وَّ بُرْهَانًا وَ زَادَ عِرْفَانًا۔ وَ اِنَّهٗ كَلَامُ اللّٰهِ الْمُعْجِزُ مَا قَرَعَ مِثْلُهٗ اٰذَانًا وَلَا يَبْلُغُهٗ قَوْلُ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ شَانًا۔

اور یہ یقینی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی تجلی جیسی کہ خاتم الانبیاء پر ہوئی ایسی کسی پر نہ پہلے ہوئی اور نہ کبھی پیچھے ہوگی اور جو شان قرآن کی وحی کی ہے وہ اولیاء کی وحی کی شان نہیں اگرچہ قرآن کے کلمات کی مانند کوئی کلمہ انہیں وحی کیا جائے اس لئے کہ قرآن کے معارف کا دائرہ سب دائروں سے بڑا ہے اور اس میں سارے علوم اور ہر طرح کی عجیب اور پوشیدہ باتیں جمع ہیں اور اس کی دقیق باتیں بڑے اعلیٰ درجہ کے گہرے مقام تک پہنچی ہوئی ہیں اور وہ بیان اور برہان میں سب سے بڑھ کر اور اس میں سب سے زیادہ عرفان ہے اور وہ خدا کا معجز کلام ہے جس کی مثل کانوں نے نہیں سنا اور اس کی شان کو جن وانس کا کلام نہیں پہنچ سکتا۔ (الھدیٰ۔ر۔خ۔جلد 18 صفحہ 276)

اِنَّ الْوَحْیَ کَمَا یَنْزِلُ عَلَی الْاَنْبِیَآءِ کَذٰلِکَ یَنْزِلُ عَلَی الْاَوْلِیَآءِ وَ لَا فَرْقَ فِیْ نُزُوْلِ الْوَحْیِ بَیْنَ اَنْ یَّکُوْنَ اِلٰی نَبِیٍّ اَوْ وَلِیٍّ وَ لِکُلٍّ حَظٌّ مِنْ مُکَالِمَاتِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ مُخَاطَبَاتِہٖ عَلٰی حَسَبِ الْمَدَارِجِ۔ نَعَمْ لِوَحْیِ الْاَنْبِیَآءِ شَاْنٌ اَتَمُّ وَ اَکْمَلُ وَ اَقْوٰی اَقْسَامِ الْوَحْیِ وَحْیُ رَسُوْلِنَا خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ۔

ترجمہ از مرتب:۔ وحی جیسے انبیاء پر نازل ہوتی ہے ویسے ہی وہ اولیاء پر نازل ہوتی ہے اور نبی اور ولی پر وحی کے نزول میں کوئی فرق نہیں ہوتا ان میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کے مکالمات اور مخاطبات سے علیٰ حسب المدارج حصہ ملتا ہے ہاں **انبیاء کی وحی کو ایک شان اتم اور اکمل حاصل ہوتی ہے اور وحی کی اقسام میں سے زیادہ قوی وہ وحی ہے جو ہمارے نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔** (تحفہ بغداد ۔ر۔خ۔ جلد 7 صفحہ 28-27 حاشیہ)

وحی صاحبِ وحی کی فطرت کے مطابق ہوتی ہے

ہر یک وحی نبی منزل علیہ کی فطرت کے موافق نازل ہوتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں جلال اور غضب تھا۔ توریت بھی موسوی فطرت کے موافق ایک جلالی شریعت نازل ہوئی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے مزاج میں حلم اور نرمی تھی سوانجیل کی تعلیم بھی حلم اور نرمی پر مشتمل ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج بغایت درجہ وضع استقامت پر واقع تھا۔ نہ ہر جگہ حلم پسند تھا اور نہ ہر مقام غضب مرغوب خاطر تھا بلکہ حکیمانہ طور پر رعایت محل اور موقع کی ملحوظ طبیعت مبارک تھی۔ **سو قرآن شریف بھی اسی طرز موزوں و معتدل پر نازل ہوا کہ جامع شدت و رحمت و ہیبت و شفقت و نرمی و درشتی ہے۔** (براھین احمدیہ۔ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 193 حاشیہ نمبر 11)

ہر شخص کا کلام اس کی ہمت کے موافق ہوتا ہے جس قدر اس کی ہمت اور عزم اور مقاصد عالی ہوں گے اسی پایہ کا وہ کلام ہو۔ سو وحی الٰہی میں بھی وہی رنگ ہوگا۔ جس شخص کی طرف اس کی وحی آئی ہے۔ جس قدر ہمت بلند رکھنے والا وہ ہوگا اسی پایہ کا کلام اسے ملے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت و استعداد اور عزم کا دائرہ چونکہ بہت ہی وسیع تھا **اس لئے آپ کو جو کلام ملا وہ بھی اس پایہ اور رتبہ کا ہے کہ دوسرا کوئی شخص اس ہمت اور حوصلہ کا کبھی پیدا نہ ہوگا** کیونکہ آپ کی دعوت کسی محدود وقت یا مخصوص قوم کے لئے نہ تھی جیسے آپ سے پہلے نبیوں کی ہوتی تھی۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 41-40)

وَ مَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ (الانبیاء:108)

ایک شخص جو کل دنیا کی اصلاح کے لئے آنے والا تھا کب ہوسکتا تھا کہ وہ ایک معمولی انسان ہوتا! جس قدر انبیاء علیہم السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آئے وہ سب ایک خاص خاص قوم کے لئے آئے تھے اس لئے ان کی شریعت مختص القوم اور مختص الزمان تھی۔ مگر ہمارے نبی وہ عظیم الشان نبی ہیں جن کے لئے حکم ہوا کہ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ اور قُلْ (یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ) اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔ (الاعراف:159) **اس لئے جس قدر عظمتیں آپ کی بیان ہوئی ہیں مصلحت الٰہی کا بھی یہی تقاضا تھا کیونکہ جس پر ختم نبوت ہونا تھا اگر وہ اپنے کمالات میں کمی رکھتا تو پھر وہی کمی آئندہ امت میں رہتی۔ کیونکہ جس قدر کمالات اللہ تعالیٰ کسی نبی میں پیدا کرتا ہے اسی قدر اس کی امت میں ظہور پزیر ہوتے ہیں اور جس قدر کمزور تعلیم وہ لاتا ہے اتنا ہی ضعف اس کی امت میں نمودار ہو جاتا ہے۔**

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 663)

قرآن کریم ہر الہام پر مہیمن ہے

وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْمِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِىَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔(الشوریٰ:52)

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہر ایک الہام کے لئے وہ سنت اللہ بطور امام اور مہیمن اور پیش رو کے ہے جو قرآن کریم میں وارد ہو چکی ہے اور ممکن نہیں کہ کوئی الہام اس سنت کو توڑ کر ظہور میں آوے کیونکہ اس سے پاک نوشتوں کا باطل ہونا لازم آتا ہے۔ (انوارالاسلام۔ر۔خ۔جلد9صفحہ91)

جب تک کسی الہام پر خدا تعالیٰ کی مہر نہ ہو وہ ماننے کے لائق نہیں ہوتا۔ دیکھو قرآن شریف کو عربوں جیسے اشد کافر کب مان سکتے تھے اگر خدا تعالیٰ کی مہر اس پر نہ ہوتی۔ ہمیں بھی اگر کوئی کشف، رؤیا یا الہام ہوتا ہے تو ہمارا دستور ہے کہ اسے قرآن مجید پر عرض کرتے ہیں اور اس کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی یاد رکھو کہ اگر کوئی الہام قرآن مجید کے مطابق بھی ہو لیکن کوئی نشان ساتھ نہ ہو تو وہ قابل قبول نہیں ہوتا۔ قابل قبول الہام وہی ہوتا ہے جو قرآن مجید کے مطابق بھی ہو اور ساتھ ہی اس کی تائید میں نشان بھی ہوں۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 364)

اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ط وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ۔(الشوریٰ:18)

خدا وہ ہے جس نے کتاب یعنی قرآن شریف کو حق اور میزان کے ساتھ اتارا یعنی وہ ایسی کتاب ہے جو حق اور باطل کے پرکھنے کے لئے بطور میزان کے ہے۔ (جنگ مقدس۔ر۔خ۔جلد6صفحہ86)

وَ اِنَّ لِلْقُرْاٰنِ شَانًا اَعْظَمَ مِنْ كُلِّ شَانٍ وَ اِنَّهٗ حَكَمٌ وَّ مُهَيْمِنٌ وَّ اِنَّهٗ جَمَعَ الْبَرَاهِيْنَ وَبَدَّدَ الْعِدَا۔ وَ اِنَّهٗ كِتَابٌ فِيْهِ تَفْصِيْلُ كُلِّ شَيْءٍ وَفِيْهِ اَخْبَارُ مَا يَأْتِيْ وَمَا مَضٰى۔ وَلَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ وَاِنَّهٗ نُوْرُ رَبِّنَا الْاَعْلٰى۔

(ترجمہ اردو) اور قرآن کی وہ اعلیٰ شان ہے کہ ہر ایک شان سے بلند ہے وہ حَکَم ہے یعنی فیصلہ کرنیوالا اور وہ مہیمن ہے یعنی تمام ہدایتوں کا مجموعہ ہے اس نے تمام دلیلیں جمع کر دیں اور دشمنوں کی جمعیت کو تتر بتر کر دیا۔ اور وہ ایسی کتاب ہے کہ اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور اس میں آئندہ اور گذشتہ کی خبریں موجود ہیں اور باطل کو اس کی طرف راہ نہیں ہے نہ آگے سے نہ پیچھے سے اور وہ خدا کا نور ہے۔ (خطبہ الہامیہ۔ر۔خ۔جلد16صفحہ103)

قرآن کریم معجزہ ہے اور بے مثل ہے

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ۔(البقرہ:24`25)

یہ بات خوب یاد رکھو کہ جیسے ان تمام چیزوں کی نظیر اور شبیہ بنانا کہ جو صادر من اللہ ہیں غیر ممکن اور ممتنع ہے ایسا ہی قرآن شریف کی نظیر بنانا بھی حد امکان سے خارج ہے یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے عرب کے نامی شاعروں کو کہ جن کی عربی مادری زبان تھی اور جو طبعی طور پر اور نیز کسبی طور پر مذاق کلام سے خوب واقف تھے ماننا پڑا کہ قرآن شریف انسانی طاقتوں سے بلند تر ہے اور کچھ عرب پر موقوف نہیں بلکہ خود تم میں سے کئی اندھے تھے کہ جو اس کامل روشنی سے بینا ہو گئے اور کئی بہرے تھے کہ اس سے سننے لگ گئے اور اب بھی وہ روشنی چاروں طرف سے تاریکی کو اٹھاتی جاتی ہے اور قرآن شریف کے انوار حقہ دلوں کو منور کرتے جاتے ہیں۔ (براھین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 475-474 حاشیہ نمبر3)

وَ قَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۔ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَ هُمُ الْعَذَابُ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۔(العنکبوت:51تا54)

فرمایا کہ ایسا ہی نشان چاہتے ہو جو تمہارے وجودوں پر وارد ہو جائے تو پھر عذاب کے نشان کی کیا حاجت ہے کیا اس مدعا کے حاصل کرنے کے لئے رحمت کا نشان کافی نہیں یعنی قرآن شریف جو تمہاری آنکھوں کو اپنے پُر نور اور تیز شعاعوں سے خیرہ کر رہا ہے اور اپنی ذاتی خوبیاں اور اپنے حقائق اور معارف اور اپنی فوق العادت خواص اس قدر دکھلا رہا ہے جس کے مقابلہ و معارضہ سے تم عاجز رہ گئے ہو اور تم پر اور تمہاری قوم پر ایک خارق عادت اثر ڈال رہا ہے اور دلوں پر وارد ہو کر عجیب در عجیب تبدیلیاں دکھلا رہا ہے۔ مدتہائے دراز کے مردے اس سے زندہ ہوتے چلے جاتے ہیں اور مادرزاد اندھے جو بے شمار پشتوں سے اندھے ہی چلے آتے تھے آنکھیں کھول رہے ہیں اور کفر اور الحاد کی طرح طرح کی بیماریاں اس سے اچھی ہوتی چلی جاتی ہیں اور تعصب کے سخت جذامی اس سے صاف ہوتے جاتے۔ اس سے نور ملتا ہے اور ظلمت دور ہوتی ہے اور وصل الٰہی میسر آتا ہے اور اس کے علامات پیدا ہوتے ہیں سو تم کیوں اس رحمت کے نشان کو چھوڑ کر جو ہمیشہ کی زندگی بخشتا ہے عذاب اور موت کا نشان مانگتے ہو۔ پھر بعد اس کے فرمایا کہ یہ قوم تو جلدی سے عذاب ہی مانگتی ہے رحمت کے نشانوں سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتی ان کو کہہ دے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ عذاب کی نشانیاں وابستہ باوقات ہوتی ہیں تو یہ عذابی نشانیاں بھی کب کی نازل ہو گئی ہوتیں اور عذاب ضرور آئے گا اور ایسے وقت میں آئیگا کہ ان کو خبر بھی نہیں ہوگی۔

(ایک عیسائی کے تین سوال اور ان کے جوابات صفحہ 12-7 شائع کردہ انجمن حمایت اسلام۔ لاہور)

فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰہِ وَ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔(ھود:15)

پس جبکہ من کل الوجوہ ثابت ہے کہ جوفرق علمی اور عقلی طاقتوں میں مخفی ہوتا ہے وہ ضرور کلام میں ظاہر ہو جاتا ہے اور ہرگز ممکن ہی نہیں کہ جولوگ من حیث العقل والعلم افضل اور اعلیٰ ہیں وہ فصاحت بیانی اور رفعت معانی میں یکساں ہو جائیں اور کچھ ما بہ الامتیاز باقی نہ رہے تو اس صداقت کا ثابت ہونا اس دوسری صداقت کے ثبوت کو مستلزم ہے کہ جو کلام خدا کا کلام ہو اس کا انسانی کلام سے اپنے ظاہری اور باطنی کمالات میں برتر اور اعلیٰ اور عدیم المثال ہونا ضروری ہے کیونکہ خدا کے علم تام سے کسی کا علم برابر نہیں ہوسکتا اور اسی کی طرف خدا نے بھی اشارہ فرما کر کہا ہے فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰہِ الجزو نمبر 12 یعنی اگر کفار اس قرآن کی نظیر پیش نہ کر سکیں اور مقابلہ کرنے سے عاجز رہیں تو تم جان لو کہ یہ کلام علمِ انسان سے نہیں بلکہ خدا کے علم سے نازل ہوا ہے جس کے علم وسیع اور تام کے مقابلہ پر علوم انسانیہ بے حقیقت اور ہیچ ہیں۔ **اس آیت میں برہانِ انی کی طرز پر اثر کے وجود کو مؤثر کے وجود کی دلیل ٹھہرائی ہے جس کا دوسرے لفظوں میں خلاصہ مطلب یہ ہے کہ علم الٰہی بوجہ اپنی کمالیت اور جامعیت کے ہرگز انسان کے ناقص علم سے متشابہ نہیں ہوسکتا بلکہ ضرور ہے کہ جو کلام اس کامل اور بے مثل علم سے نکلا ہے وہ بھی کامل اور بے مثل ہی ہو اور انسانی کلاموں سے بکلی امتیاز رکھتا ہو۔**

(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 240-232)

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ وَ لَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا۔ (بنی اسرائیل:89)

ان منکرین کو کہہ دے کہ اگر تمام جن وانس یعنی تمام مخلوقات اس بات پر متفق ہو جائے کہ اس قرآن کی کوئی مثل بنانی چاہیئے تو وہ ہرگز اس بات پر قادر نہیں ہوں گے کہ ایسی ہی کتاب انہیں ظاہری باطنی خوبیوں کی جامع بنا سکیں۔ اگر چہ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں۔

(سرمہ چشم آریہ۔ر۔خ۔جلد2 صفحہ 61 حاشیہ)

اس میں کیا کلام ہے کہ قرآن کریم اپنی بلاغت اور فصاحت کے رو سے بھی بے نظیر ہے لیکن قرآن کریم کا یہ منشاء نہیں ہے کہ اس کی بے نظیری صرف اسی وجہ سے ہے بلکہ اس پاک کلام کا یہ منشاء ہے کہ جن جن صفات سے وہ متصف کیا گیا ہے ان تمام صفات کے رو سے وہ بے نظیر ہے مگر یہ حاجت نہیں کہ وہ تمام صفات جمع ہو کر بینظیری پیدا ہو بلکہ ہر یک صفت جداگانہ بینظیری کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔

(کرامات الصادقین۔ر۔خ۔جلد 7 صفحہ 51-50)

کوئی چیز اس کی مثل نہیں کیونکہ اس کے الفاظ اور ترتیب اور محفوظیت تامہ کا اہتمام خدائے تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے اور ماسوا اس کے حدیث ہو یا قول کسی صحابی کا ہو ان سب کا اہتمام انسانوں نے کیا ہے جو سہو اور نسیان سے بری نہیں رہ سکتے اور ہرگز وہ لوگ محفوظیت تامہ اور صحت کاملہ میں احادیث اور اقوال کو مثل قرآن نہیں بنا سکتے تھے اور یہ عجز ان کا اس آیت کریمہ کے اعجازات پیشکردہ میں داخل ہے **قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔** (بنی اسرائیل: 89) جب ہر ایک بات میں مثل قرآن ممتنع ہے تو کیونکر وہ لوگ احادیث کو صحت اور محفوظیت میں مثل قرآن بنا سکتے ہیں۔

(ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 616-615)

جمال و حسن قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے ۔۔۔ قمر ہے چاند اَوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا ۔۔۔ بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلام پاک رحماں ہے
کلام پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز ۔۔۔ اگر لولوئے عماں ہے وگر لعل بدخشاں ہے
خدا کے قول سے قول بشر کیونکر برابر ہو ۔۔۔ وہاں قدرت۔ یہاں درماندگی۔ فرق نمایاں ہے

(درثمین اردو صفحہ 362) (براہین احمدیہ۔ ر۔خ جلد 1 صفحہ 198 تا 201)

آنحضرتؐ پر سب سے اعلیٰ وحی کی تجلی ہوئی

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ط اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔ (الشوریٰ: 52)

اِنَّهٗ مُعْجِزَةٌ لَا يَاْتِيْ بِمِثْلِهٖ اَحَدٌ مِّنَ الْاِنْسِ وَالْجَانِّ وَ اِنَّهٗ جَمَعَ مَعَارِفَ وَمَحَاسِنَ لَايَجْمَعُهَاعِلْمُ الْاِنْسَانِ بَلْ اِنَّهٗ وَحْيٌ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ غَيْرُهٗ وَ اِنْ كَانَ بَعْدَهٗ وَحْيًا اٰخَرَ مِنَ الرَّحْمٰنِ فَاِنَّ لِلّٰهِ تَجَلِّيَاتٍ فِيْ اِيْحَائِهٖ وَ اِنَّهٗ مَا تَجَلّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لَا يَتَجَلّٰى مِنْ بَعْدُ كَمِثْلِ تَجَلِّيْهِ لِخَاتَمِ الْاَنْبِيَآءِ وَ لَيْسَ شَانُ وَحْيِ الْاَوْلِيَآءِ كَمِثْلِ شَانِ وَحْيِ الْفُرْقَانِ وَ اِنْ اُوْحِيَ اِلَيْهِمْ كَلِمَةٌ كَمِثْلِ كَلِمَاتِ الْقُرْاٰنِ۔ فَاِنَّ دَآئِرَةَ مَعَارِفِ الْقُرْاٰنِ اَكْبَرُ الدَّوَائِرِوَاِنَّهَا اَحَاطَ الْعُلُوْمَ كُلَّهَا وَجَمَعَ فِيْ نَفْسِهَا اَنْوَاعَ السَّرَائِرِ وَ بَلَغَتْ دَقَائِقُهَا اِلَى الْمَقَامِ الْعَمِيْقِ الْغَائِرِ وَ سَبَقَ الْكُلَّ بَيَانًا وَّ بُرْهَانًا وَ زَادَ عِرْفَانًا۔ وَ اِنَّهٗ كَلَامُ اللّٰهِ الْمُعْجِزُ مَا قَرَعَ مِثْلُهٗ اٰذَانًا وَلَا يَبْلُغُهٗ قَوْلُ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ شَانًا۔

ترجمہ از اصل: ۔قرآن کریم معجزہ ہے جس کی مثل کوئی انس و جن نہیں لاسکتا اور اس میں وہ معارف اور خوبیاں جمع ہیں جنہیں انسانی علم جمع نہیں کرسکتا بلکہ وہ ایسی وحی ہے کہ اس کی مثل اور کوئی وحی بھی نہیں اگر چہ رحمٰن کی طرف سے اس کے بعد اور کوئی وحی بھی ہو۔اس لئے کہ وحی رسانی میں خدا کی تجلیات ہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی تجلی جیسی کہ خاتم الانبیاء پر ہوئی ایسی کسی پر نہ پہلے ہوئی اور نہ کبھی پیچھے ہوگی اور جو شان قرآن کی وحی کی ہے وہ اولیاء کی وحی کی شان نہیں اگر چہ قرآن کے کلمات کی مانند کوئی کلمہ انہیں وحی کیا جائے اس لئے کہ قرآن کے معارف کا دائرہ سب دائروں سے بڑا ہے اور اس میں سارے علوم اور ہر طرح کی عجیب اور پوشیدہ باتیں جمع ہیں اور اس کی دقیق باتیں بڑے اعلیٰ درجہ کے گہرے مقام تک پہنچی ہوئی ہیں اور وہ بیان اور برہان میں سب سے بڑھ کر اور اس میں سب سے زیادہ عرفان ہے اور وہ خدا کا معجز کلام ہے جس کی مثل کانوں نے نہیں سنا اور اس کی شان کو جن وانس کا کلام نہیں پہنچ سکتا۔ (الھدیٰ۔ر۔خ۔جلد18 صفحہ 276-275)

قرآن کا حقیقی معجزہ

الٓمّٓ۔ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔(البقرۃ:2`3)

بے نقط لکھنا کوئی اعلیٰ درجہ کی بات نہیں۔ یہ ایک قسم کا تکلف ہے اور تکلفات میں پڑنا لغو امر ہے۔مومنوں کی شان یہ ہے۔وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ (المومنون:4) یعنی مومن وہ ہوتے ہیں جو لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں اگر بے نقط ہی کو معجزہ سمجھتے ہو تو قرآن شریف میں بھی ایک بے نقط معجزہ ہے اور وہ یہ ہے **لَا رَیْبَ فِیْہِ** (البقرۃ:2) **اس میں ریب کا کوئی لفظ نہیں۔یہی اس کا معجزہ ہے لَا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ۔** (حٰمٓ السجدۃ: 42) **اس سے بڑھکر اور کیا خوبی ہوتی۔میں نے کئی بار اشتہار دیا ہے کہ کوئی ایسی سچائی پیش کرو جو ہم قرآن شریف سے نہ نکال سکیں۔**

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 455-454)

قرآن باطل سے پاک ہے

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالذِّکْرِ لَمَّا جَآءَ ھُمْ وَ اِنَّہٗ لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ .لَّا یَاْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنَ یَدَیْہِ وَلَا مِنْ خَلْفِہٖ ط تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ۔(حٰمٓ السجدۃ:43)

وَ اِنَّہٗ لَکِتٰبٌ عَزِیْزٌ الخ (حٰمٓ السجدۃ: 42) **اور وہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جو ہمیشہ باطل کی آمیزش سے منزہ رہے گی اور کوئی باطل اس کا مقابلہ نہیں کرسکا اور نہ آئندہ کسی زمانہ میں مقابلہ کرے گا۔** یعنی اس کی کامل صداقتیں کہ جو ہر ایک باطل سے منزہ ہیں تمام باطل پرستوں کو کہ جو پہلے اس سے پیدا ہوئے یا آئندہ کبھی پیدا ہوں ملزم اور لاجواب کرتی رہیں گی اور کوئی مخالفانہ خیال اس کے سامنے تابِ مقاومت نہیں لائے گا۔

(براہین احمدیہ ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 247 حاشیہ نمبر11)

نبی کریمؐ خاتم الانبیاء ہیں قرآن کریم آخری شریعت ہے

مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط وَ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْ ءٍ عَلِیْمًا۔(الاحزاب: 41)

یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ نبوت تشریعی کا دروازہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل مسدود ہے اور قرآن مجید کے بعد اور کوئی کتاب نہیں جو نئے احکام سکھائے یا قرآن شریف کا حکم منسوخ کرے یا اسکی پیروی معطل کرے بلکہ اس کا عمل قیامت تک ہے۔ (رسالہ الوصیت ۔ر۔خ۔جلد 20 صفحہ 311 حاشیہ)

خوب یاد رکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں یعنی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نئی شریعت اور نئی کتاب نہ آئے گی۔ نئے احکام نہ آئیں گے۔ یہی کتاب اور یہی احکام رہیں گے۔ جو الفاظ میری کتابوں میں نبی یا رسول کے میری نسبت پائے جاتے ہیں اس میں ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ کوئی نئی شریعت یا نئے احکام سکھائے جاویں بلکہ منشاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی ضرورت حقہ کے وقت کسی کو مامور کرتا ہے تو ان معنوں سے کہ مکالمات الٰہیہ کا شرف اس کو دیتا ہے اور غیب کی خبریں اس کو دیتا ہے اس پر نبی کا لفظ بولا جاتا ہے اور وہ مامور نبی کا خطاب پاتا ہے یہ معنے نہیں ہیں کہ نئی شریعت دیتا ہے یا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو نعوذ باللہ منسوخ کرتا ہے بلکہ یہ جو کچھ اسے ملتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سچی اور کامل اتباع سے ملتا ہے اور بغیر اس کے مل سکتا ہی نہیں۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 498)

میں اس کلام میں بھی شک نہیں کر سکتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے پر نازل ہوتا ہے اور میں اس پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسا کہ خدا کی کتاب پر۔ یہ تو ممکن ہے کہ کلام الٰہی کے معنے کرنے میں بعض مواقع میں ایک وقت تک مجھ سے خطا ہو جائے مگر یہ ممکن نہیں کہ میں شک کروں کہ وہ خدا کا کلام نہیں۔ **اور چونکہ میرے نزدیک نبی اسی کو کہتے ہیں جس پر خدا کا کلام یقینی و قطعی بکثرت نازل ہو جو غیب پر مشتمل ہو اسی لئے خدا نے میرا نام نبی رکھا مگر بغیر شریعت کے۔ شریعت کا حامل قیامت تک قرآن شریف ہے۔** (تجلیات الٰہیہ۔ر۔خ۔جلد 20 صفحہ 412)

ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کامل شریعت لے کر آئے جو نبوت کے خاتم تھے اسلئے زمانہ کی استعدادوں اور قابلیتوں نے ختم نبوت کر دیا تھا۔ پس حضور علیہ السلام کے بعد ہم کسی دوسری شریعت کے آنے کے قائل ہرگز نہیں۔ ہاں جیسے ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ تھے اسی طرح آپ کے سلسلہ کا خاتم جو خاتم الخلفاء یعنی مسیح موعود ہے ضروری تھا کہ مسیح علیہ السلام کی طرح آتا۔ پس میں وہی خاتم الخلفاء اور مسیح موعود ہوں۔ جیسے مسیح کوئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے بلکہ شریعت موسوی کے احیاء کے لئے آئے تھے میں کوئی جدید شریعت لے کر نہیں آیا اور میرا دل ہرگز نہیں مان سکتا کہ قرآن شریف کے بعد اب کوئی اور شریعت آسکتی ہے کیونکہ وہ کامل شریعت اور خاتم الکتب ہے **اسی طرح خدا تعالیٰ نے مجھے شریعت محمدی کے احیاء کے لئے اس صدی میں خاتم الخلفاء کے نام سے مبعوث فرمایا ہے۔** (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 490)

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المائدۃ:4)

شریعت وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور جو قرآن شریف نے دنیا کو سکھلائی۔ایک نقطہ نہ گھٹایا گیا نہ بڑھایا گیا ہے۔خدا جس طرح پہلے دیکھتا تھا اب بھی دیکھتا ہے اسی طرح جس طرح پہلے کلام کرتا تھا اسی طرح اب بھی صفت تکلم اس میں موجود ہے۔یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اب خدا کلام نہیں کرتا۔کیا خیال کیا جا سکتا ہے کہ پہلے تو خدا سنتا تھا۔مگر اب نہیں سنتا۔پس اللہ تعالیٰ کے تمام صفات جو پہلے موجود تھے اب بھی اس میں پائے جاتے ہیں خدا میں تغیر نہیں۔شریعت چونکہ تکمیل پا چکی ہے۔**لہٰذا اب کسی نئی شریعت کی ضرورت نہیں ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ** (المائدہ:4) **پس اکمال دین کے بعد اور کسی نئی شریعت کی حاجت نہیں۔** (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 542)

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ۔(سبا:50)

عقل اس بات پر قطع واجب کرتی ہے کہ آئندہ بھی کسی نوع کا تغیر اور تبدل قرآن شریف میں واقع ہونا ممتنع اور محال ہے اور مسلمانوں کا پھر شرک اختیار کرنا اس جہت سے ممتنعات میں سے ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس بارے میں بھی پیشگوئی کر کے آپ فرمادیا ہے مَایُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ......یعنی شرک اور مخلوق پرستی جس قدر دور ہو چکی ہے پھر وہ نہ اپنی کوئی نئی شاخ نکالے گی اور نہ اسی پہلی حالت پر عود کرے گی۔سو اس پیشین گوئی کی صداقت بھی اظہر من الشمس ہے کیونکہ باوجود منقضی ہونے زمانہ دراز کے اب تک ان قوموں اور ان ملکوں میں کہ جن سے مخلوق پرستی معدوم کی گئی تھی پھر شرک اور بت پرستی نے توحید کی جگہ نہیں لی اور آئندہ بھی عقل اس پیشین گوئی کی سچائی پر کامل یقین رکھتی ہے کیونکہ جب اوائل ایام میں کہ مسلمانوں کی تعداد بھی قلیل تھی تعلیم توحید میں کچھ تزلزل واقع نہیں ہوا بلکہ روز بروز ترقی ہوتی گئی تو اب کہ جماعت اس موحد قوم کی بیس کروڑ سے بھی کچھ زیادہ ہے کیونکر تزلزل ممکن ہے۔علاوہ اس کے زمانہ بھی وہ آ گیا ہے کہ مشرکین کی طبیعتیں بباعث متواتر استماع تعلیم فرقانی اور دائمی صحبت اہل توحید کے کچھ کچھ توحید کی طرف میل کرتی جاتی ہیں۔جدھر دیکھو دلائل وحدانیت کے بہادر سپاہیوں کی طرح شرک کے خیالی اور وہمی برجوں پر گولہ اندازی کر رہے ہیں اور توحید کے قدرتی جوش نے مشرکوں کے دلوں پر ایک ہلچل ڈال رکھی ہے اور مخلوق پرستی کی عمارت کا بودا ہونا عالی خیال لوگوں پر ظاہر ہوتا جاتا ہے اور وحدانیت الٰہی کی پرزور بندوقیں شرک کے بدنما جھونپڑوں کو اڑاتی جاتی ہیں۔پس ان تمام آثار سے ظاہر ہے کہ اب اندھیرا شرک کا ان اگلے دنوں کی طرح پھیلنا کہ جب تمام دنیا نے مصنوع چیزوں کی ٹانگ صانع کی ذات اور صفات میں پھنسا رکھی تھی ممتنع اور محال ہے **اور جب کہ فرقان مجید کے اصول حقہ کا محرف اور مبدل ہو جانا یا پھر ساتھ اس کے تمام خلقت پر تاریکی شرک اور مخلوق پرستی کا بھی چھا جانا عندالعقل محال اور ممتنع ہوا تو نئی شریعت اور نئے الہام کے نازل ہونے میں بھی امتناع عقل لازم آیا کیونکہ جو امر مستلزم محال ہو وہ بھی محال ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ آنحضرتؐ حقیقت میں خاتم الرسل ہیں۔** (براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 103-102 حاشیہ نمبر9)

اور تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے۔ جو لوگ قرآن کو عزت دینگے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے انکو آسمان پر مقدم رکھا جائیگا۔ نوع انسان کیلئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ وجلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اسکے غیر کو اسپر کسی نوع کی بڑائی مت دو۔ (کشتی نوح۔ ر۔ خ۔ جلد 19 صفحہ 13)

قرآن کریم ایک کامل کتاب ہے

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدة:4)

قرآن شریف صاف فرماتا ہے کہ میں کامل کتاب ہوں جیسا کہ فرماتا ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ ...... آج میں نے دین تمہارا تمہارے لیے کامل کیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کیا۔

(جنگ مقدس۔ ر۔ خ۔ جلد 6 صفحہ 98)

میرا یہ مذہب نہیں ہے کہ قرآن ناقص ہے اور حدیث کا محتاج ہے بلکہ وہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المائدہ:4) کا تاج لازوال اپنے سر پر رکھتا ہے اور تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ کے وسیع اور مرصع تخت پر جلوہ افروز ہے قرآن میں نقصان ہرگز نہیں اور وہ داغ ناتمام اور ناقص ہونے سے پاک ہے۔

(الحق لدھیانہ۔ ر۔ خ۔ جلد 4 صفحہ 106)

کامل کتاب کی تعریف

اللہ جل شانہٗ نے قرآن کریم میں اپنی کمال تعلیم کا آپ دعویٰ فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ الخ کہ آج میں نے تمہارے لیے دین تمہارا کامل کیا اور اپنی نعمت یعنی تعلیم قرآنی کو تم پر پورا کیا۔ اور ایک دوسرے محل میں اس اکمال کی تشریح کے لیے کہ اکمال کس کو کہتے ہیں فرماتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَةً طَیِّبَةً کَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ۔ تُؤْتِیْٓ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّھَا ط وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ۔ وَ مَثَلُ کَلِمَةٍ خَبِیْثَةٍ کَشَجَرَةٍ خَبِیْثَةِ اِجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَالَھَا مِنْ قَرَارٍ۔ یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ج وَ یُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیْنَ۔ (ابراھیم:25تا28)

.... اب اللہ تعالیٰ ان آیات میں کلام پاک اور مقدس کا کمال تین باتوں پر موقوف قرار دیتا ہے۔اول یہ کہ اَصْلُهَا ثَابِتٌ یعنی اصول ایمانیہ اس کے ثابت اور محقق ہوں اور فی حد ذاتہ یقین کامل کے درجہ پر پہنچے ہوئے ہوں اور فطرت انسانی اس کو قبول کرے کیونکہ ارض کے لفظ سے اس جگہ فطرۃ انسانی مراد ہے جیسا کہ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ کا لفظ صاف بیان کر رہا ہے......خلاصہ یہ کہ اصول ایمانیہ ایسے چاہئیں کہ ثابت شدہ اور انسانی فطرۃ کے موافق ہوں۔ پھر دوسری نشانی کمال کی یہ فرماتا ہے کہ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ یعنی اس کی شاخیں آسمان پر ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں یعنی صحیفہ قدرت کو غور کی نگاہ سے مطالعہ کریں تو اس کی صداقت ان پر کھل جائے اور دوسری یہ کہ وہ تعلیم یعنی فروعات اس تعلیم کے جیسے اعمال کا بیان احکام کا بیان اخلاق کا بیان یہ کمال درجہ پر پہنچے ہوئے ہوں جس پر کوئی زیادہ متصور نہ ہو جیسا کہ ایک چیز جب زمین سے شروع ہو کر آسمان تک پہنچ جائے تو اس پر کوئی زیادہ متصوّر نہیں۔

پھر تیسری نشانی کمال کی یہ فرمائی کہ تُؤْتِیْ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍ ہر ایک وقت اور ہمیشہ کے لیے وہ اپنا پھل دیتا رہے ایسا نہ ہو کہ کسی وقت خشک درخت کی طرح ہو جاوے۔ جو پھل پھول سے بالکل خالی ہے۔ اب صاحبو دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمودہ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ کی تشریح آپ ہی فرمادی کہ اس میں تین نشانیوں کا ہونا از بس ضروری ہے سو جیسا کہ اس نے یہ تین نشانیاں بیان فرمائی ہیں اسی طرح پر اس نے ان کو ثابت کر کے بھی دکھلا دیا ہے اور اصول ایمانیہ جو پہلی نشانی ہے جس سے مراد کلمہ لا الہ الا اللہ ہے اس کو اس قدر بسط سے قرآن شریف میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ اگر میں تمام دلائل لکھوں تو پھر چند جزو میں بھی ختم نہ ہوں گے۔

(جنگ مقدس۔ ر۔ خ۔ جلد 6 صفحہ 124-123)

غرض یہ آیت اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ مسلمانوں کے لیے کیسے فخر کی بات ہے......اکمال سے یہی مطلب نہیں کہ سورتیں اتار دیں بلکہ تکمیل نفس اور تطہیر قلب کی وحشیوں سے انسان پھر اس کے بعد عقل منداور بااخلاق انسان اور پھر باخدا انسان بنادیا۔ اور تطہیر نفس۔ تکمیل اور تہذیب نفس کے مدارج طے کرادیئے اور اسی طرح پر کتاب اللہ کو بھی پورا اور کامل کر دیا یہاں تک کہ کوئی سچائی اور صداقت نہیں جو قرآن شریف میں نہ ہو۔ میں نے اگنی ہوتری کو بارہا کہا کہ کوئی ایسی سچائی بتاؤ جو قرآن شریف میں نہ ہو مگر وہ نہ بتا سکا۔ ایسا ہی ایک زمانہ مجھ پر گذرا ہے کہ میں نے بائبل کو سامنے رکھ کر دیکھا جن باتوں پر عیسائی ناز کرتے ہیں وہ تمام سچائیاں مستقل طور پر اور نہایت ہی اکمل طور پر قرآن مجید میں موجود ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں کو اس طرف توجہ نہیں وہ قرآن شریف پر تدبر ہی نہیں کرتے اور نہ ان کے دل میں کچھ عظمت ہے ورنہ یہ تو ایسا فخر کا مقام ہے کہ اس کی نظیر دوسروں میں ہے ہی نہیں۔

غرض اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ کی آیت دو پہلو رکھتی ہے ایک یہ کہ تمہاری تطہیر کر چکا دوئم کتاب مکمل کر چکا۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 673-672)

لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ مُنْفَکِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَھُمُ الْبَیِّنَۃُ ۔ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَھَّرَۃً۔ فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ۔(البینۃ:2تا4)

ہمارا دعویٰ ہے کہ قرآن اصلاح کامل اور تزکیۂ اتم اور اکمل کے لئے آیا ہے اور وہ خود دعویٰ کرتا ہے کہ تمام کامل سچائیاں اس کے اندر ہیں جیسا کہ فرماتا ہے **فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ تو اس صورت میں ضرور ہے کہ جہاں تک سلسلہ معارف اور علوم الٰہیہ کا ممتد ہو سکے وہاں تک قرآنی تعلیم کا بھی دامن پہنچا ہوا ہو اور یہ بات صرف میں نہیں کہتا بلکہ قرآن خود اس صفت کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور اپنا نام اکمل الکتب رکھتا** ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اگر معارف الٰہیہ کے بارے میں کوئی حالت منتظرہ باقی ہوتی جس کا قرآن شریف نے ذکر نہیں کیا تو قرآن شریف کا حق نہیں تھا کہ **وہ اپنا نام اکمل الکتب رکھتا**۔ (سراج منیر۔ ر۔خ۔ جلد12 صفحہ41)

اِنَّہٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّ مَا ھُوَ بِالْھَزْلِ (الطارق:14`15) **یعنی علم معاد میں جس قدر تنازعات اٹھیں سب کا فیصلہ یہ کتاب کرتی ہے بے سود اور بیکار نہیں ہے۔** (براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد1 صفحہ 224 حاشیہ نمبر11)

وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْہِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ ط مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّھِمْ یُحْشَرُوْنَ۔(الانعام:39)

ہر چند میرا مذہب یہی ہے کہ قرآن اپنی تعلیم میں کامل ہے اور کوئی صداقت اس سے باہر نہیں کیونکہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے...... مَافَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ یعنی ہم نے اس کتاب سے کوئی چیز باہر نہیں رکھی۔ لیکن ساتھ اس کے یہ بھی میرا اعتقاد ہے کہ **قرآن کریم سے تمام مسائل دینیہ کا استخراج واستنباط کرنا اور اس کی مجملات کی تفاصیل صحیحہ پر حسب منشاء الٰہی قادر (ہونا) ہر ایک مجتہد اور مولوی کا کام نہیں بلکہ یہ خاص طور پر ان کا کام ہے جو وحی الٰہی سے بطور نبوت یا بطور ولایت عظمیٰ مدد دیئے گئے ہوں۔** (الحق لدھیانہ۔ ر۔خ۔ جلد4 صفحہ 81-80)

قرآن جمیع کتب کی خوبیوں کا جامع ہے

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَھَّرَۃً۔ فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ۔(البینۃ:3`4)

قرآن مجید لانے والا وہ شان رکھتا ہے کہ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَھَّرَۃً فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ ایسی کتاب جس میں ساری کتابیں اور ساری صداقتیں موجود ہیں۔ کتاب سے مراد اور عام مفہوم وہ عمدہ باتیں ہیں جو بالطبع انسان قابل تقلید سمجھتا ہے۔ قرآن شریف حکمتوں اور معارف کا جامع ہے اور رطب و یابس فضولیات کا ذخیرہ اس کے اندر نہیں۔ ہر ایک امر کی تفسیر وہ خود کرتا ہے اور ہر ایک قسم کی ضرورتوں کا سامان اس کے اندر موجود ہے۔ وہ ہر ایک پہلو سے نشان اور آیت ہے۔ اگر کوئی اس امر کا انکار کرے تو ہم ہر ایک پہلو سے اس کا اعجاز ثابت کرنے اور دکھلانے کو تیار ہیں۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 52-51)

میں قرآن شریف سے یہ استنباط کرتا ہوں کہ سب انبیاء کے وصفی نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے کیونکہ آپ تمام انبیاء کے کمالات متفرقہ اور فضائل مختلفہ کے جامع تھے اور اسی طرح جیسے تمام انبیاء کے کمالات آپ کو ملے **قرآن شریف بھی جمیع کتب کی خوبیوں کا جامع ہے** چنانچہ فرمایا۔ فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ اور مَافَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ ایسا ہی ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ تمام نبیوں کا اقتدا کر۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 95)

یہ قرآن شریف وہ پاک اوراق ہیں جن میں تمام آسمانی کتابوں کا مغز اور لب لباب بھرا ہوا ہے۔

(سرمہ چشم آریہ۔ ر۔خ۔ جلد 2 صفحہ 62-61 حاشیہ)

الغرض قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس میں ہر ایک قسم کے معارف اور اسرار موجود ہیں لیکن ان کے حاصل کرنے کے لئے میں پھر کہتا ہوں کہ اسی قوت قدسیہ کی ضرورت ہے چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ۔ (رپورٹ جلسہ سالانہ 1897ء صفحہ 85-84 ملفوظات جلد اول صفحہ 52)

قرآن کریم تمام انسانوں کو ایک قوم بنادے گا

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ فَاِذَاجَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُرَبِّیْ حَقًّا۔ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍيَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا۔ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا۔ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِیْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا۔(الکھف:99 :102)

ایک قوم بنانے کا ذکر قرآن شریف کی سورہ کہف میں موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍيَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۔یعنی ہم آخری زمانہ میں ہر ایک قوم کو آزادی دینگے تا اپنے مذہب کی خوبی دوسری قوم کے سامنے پیش کرے اور دوسری قوم کے مذہبی عقائد اور تعلیم پر حملہ کرے اور ایک مدت تک ایسا ہوتا رہے گا۔ پھر قرنا میں ایک آواز پھونک دی جائے گی تب ہم تمام قوموں کو ایک قوم بنادیں گے اور ایک ہی مذہب پر جمع کردیں گے۔ (چشمہ معرفت ۔ ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 75 حاشیہ)

اصل بات یہ ہے کہ یہ وہ زمانہ آ گیا ہے کہ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے کہ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍيَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۔موجودہ آزادی کی وجہ سے انسانی فطرت نے ہر طرح کے رنگ ظاہر کردیئے ہیں اور تفرقہ اپنے کمال کو پہنچ گیا ہے۔ گویا ایسا زمانہ ہے کہ ہر شخص کا ایک الگ مذہب ہے۔ یہی امور دلالت کرتے ہیں کہ اب نفخ صور کا وقت بھی یہی ہے اور فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا کی پیشگوئی کے پورا ہونے کا یہی زمانہ ہے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 539-538)

یہ کتاب جو قرآن شریف ہے یہ مجموعہ ان تمام کتابوں کا ہے جو پہلے بھیجی گئی تھیں۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے پہلے متفرق طور پر ہر ایک امت کو جدا جدا دستور العمل بھیجا اور پھر چاہا کہ جیسا کہ ایک خدا ہے وہ بھی ایک ہو جائیں تب سب کو اکٹھا کرنے کے لئے قرآن کو بھیجا اور خبر دی کہ ایک زمانہ آنے والا ہے کہ خدا تمام قوموں کو ایک قوم بنادے گا اور تمام ملکوں کو ایک ملک کردے گا اور تمام زبانوں کو ایک زبان بنادے گا۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ دن بدن دنیا اس صورت کے قریب آتی جاتی ہے اور مختلف ملکوں کے تعلقات بڑھتے جاتے ہیں۔ سیاحت کے لئے وہ سامان میسر آ گئے ہیں جو پہلے نہیں تھے۔ خیالات کے مبادلہ کے لئے بڑی بڑی آسانیاں ہو گئی ہیں ایک قوم میں دوسری قوم میں ایسی دھنس گئی ہے کہ گویا وہ دونوں ایک ہونا چاہتی ہیں۔

(نسیم دعوت ۔ ر۔خ۔ جلد 19 صفحہ 429-428)

سو جیسے خدا نے آہستہ آہستہ امت کے اجتماع کو حج کے موقع پر کمال تک پہنچایا۔ اول چھوٹے چھوٹے موقعے اجتماع کے مقرر کئے اور بعد میں تمام دنیا کو ایک جگہ جمع ہونے کا موقع دیا۔ سو یہی سنت اللہ الہامی کتابوں میں ہے اور اس میں خدا تعالیٰ نے یہی چاہا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ نوع انسان کی وحدت کا دائرہ کمال تک پہنچا دے۔ اول تھوڑے تھوڑے ملکوں کے حصوں میں وحدت پیدا کرے اور پھر آخر میں حج کے اجتماع کی طرح سب کو ایک جگہ جمع کر دیوے جیسا کہ اس کا وعدہ قرآن شریف میں ہے وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا یعنی آخری زمانہ میں خدا اپنی آواز سے تمام سعید لوگوں کو ایک مذہب پر جمع کر دے گا جیسا کہ وہ ابتداء میں ایک مذہب پر جمع تھے تا کہ اول اور آخر میں مناسبت پیدا ہو جائے۔

(چشمہ معرفت۔ ر۔ خ۔ جلد 23 صفحہ 145-146)

قرآن کریم پہلی کتابوں کا مصدّق ہے

حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَ لٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ تَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّ هُدًی وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۔ (یوسف: 112)

قرآن ایسی کتاب نہیں کہ انسان اس کو بنا سکے بلکہ اس کے آثارِ صدق ظاہر ہیں کیونکہ وہ پہلی کتابوں کو سچا کرتا ہے یعنی کتب سابقہ انبیاء میں جو اس کے بارہ میں پیشین گوئیں موجود تھیں وہ اس کے ظہور سے بہ پایۂ صداقت پہنچ گئیں اور جن عقائد حقہ کے بارہ میں ان کتابوں میں دلائل واضح موجود نہ تھیں انکے قرآن نے دلائل بتلائے اور ان کی تعلیم کو مرتبہ کمال تک پہنچایا۔ اس طور پر ان کتابوں کو سچا کیا جس سے خود سچائی اس کی ثابت ہوتی ہے۔ دوسرے نشانِ صدق یہ کہ ہر یک صداقت دینی کو وہ بیان کرتا ہے اور تمام وہ امور بتلاتا ہے کہ جو ہدایت کامل پانے کے لئے ضروری ہیں۔ اور یہ اس لئے نشانِ صدق ٹھہرا کہ انسان کی طاقت سے یہ بات باہر ہے کہ اس کا علم ایسا وسیع و محیط ہو جس سے کوئی دینی صداقت و حقائق دقیقہ باہر نہ رہیں۔

(براہین احمدیہ۔ ر۔ خ۔ جلد 1 صفحہ 226 حاشیہ نمبر 11)

قرآن کریم کے مصدّق ہونے کی حقیقت

دوسرا سوال اس مضمون کا تھا کہ جو قرآن جو انجیلوں کا مصدق ہے تو کیا اناجیل صحیح ہیں؟

فرمایا کہ:۔ مصدق کے معنے قرآنی طور پر یہ ہیں کہ جو کچھ صحیح تھا اس کی تو نقل کر دی اور جو نہیں لیا وہ غلط تھا پھر انجیلوں کا آپس میں اختلاف ہے اگر قرآن نے تصدیق کی ہے تو بتلاؤ کونسی انجیل کی کی ہے قرآن نے یوحنا متی وغیرہ کی انجیل کی کہیں تصدیق نہیں کی۔ ہاں پطرس کی دعا کی تصدیق کی ہے اسی طرح کونسی توریت کہیں جس کی تصدیق قرآن نے کی۔ پہلے توریت تو ایک بتاؤ قرآن تو تمہاری توریت کو محرف بتلاتا ہے اور تم میں خود اختلاف ہے کہ توریت مختلف ہیں۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 425)

اللہ جل شانہٗ مومنوں کو قران شریف میں فرماتا ہے فَسْـئَـلُـوْٓا اَهْـلَ الـذِّكْـرِ اِنْ كُـنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل: 44) **یعنی فلاں فلاں باتیں اہل کتاب سے پوچھ لو اگر تم بے خبر ہو۔ پس ظاہر ہے کہ اگر ہر ایک بات میں پہلی کتابوں کی گواہی ناجائز ہوتی تو خدا تعالیٰ کیوں مومنوں کو فرماتا کہ اگر تمہیں معلوم نہیں تو اہل کتاب سے پوچھ لو۔ بلکہ** اگر نبیوں کی کتابوں سے کچھ فائدہ اٹھانا حرام ہے تو اس صورت میں یہ بھی ناجائز ہوگا کہ ان کتابوں میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بطور استدلال پیشگوئیاں پیش کریں حالانکہ خود صحابہ رضی اللہ عنہم اور بعد ان کے تابعین بھی ان پیشگوئیوں کو بطور حجت پیش کرتے رہے ہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ کتب سابقہ کے بیان تین قسم کے ہیں۔

(۱) ایک تو وہ باتیں ہیں جو واجب التصدیق ہیں جیسا کہ خدا کی توحید اور ملایک کا ذکر اور بہشت و دوزخ کے وجود کی نسبت بیان اگر ان کا انکار کریں تو ایمان جائے۔

(۲) دوسری وہ باتیں ہیں جو رد کرنے کے لائق ہیں جیسا کہ وہ تمام امور جو قرآن شریف کے مخالف ہیں۔

(۳) تیسری قسم کی وہ باتیں ہیں جو قرآن شریف میں اگرچہ ان کا ذکر مفصل نہیں مگر وہ باتیں قرآن شریف کے مخالف نہیں بلکہ اگر ذرا غور سے کام لیا جائے تو بالکل مطابق ہیں جیسے مثلاً یاجوج ماجوج کی قوم کہ اجمالی طور پر ان کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے بلکہ یہ ذکر بھی موجود ہے کہ آخری زمانہ میں تمام زمین پر انکا غلبہ ہو جائیگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ۔ (الانبیاء:97) (چشمہ معرفت ۔ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 84-83 حاشیہ)

جوعلوم قرآن لیکر آیا ہے وہ دنیا کی کسی کتاب میں نہیں

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (ال عمران:111)

اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان نبی مبعوث فرمایا جس کی امت کو کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کہا کہ تم تمام امتوں سے بہتر ہو۔ کیونکہ وہ لوگ جن کو شریعت قصہ کے رنگ میں ملی تھی وہ دماغی علوم کی کتاب و شریعت کے ماننے والوں کے کب برابر ہو سکتے ہیں پہلے صرف قصص پر راضی ہو گئے۔ اور ان کے دماغ اس قابل نہ تھے کہ حقایق و معارف کو سمجھ سکتے مگر اس امت کے دماغ اعلیٰ درجہ کے تھے اسی لیے شریعت اور کتاب علوم کا خزانہ ہے۔ **جوعلوم قران مجید لیکر آیا ہے وہ دنیا کی کسی کتاب میں پائے نہیں جاتے اور جیسے شریعت کے نزول کے وقت وہ اعلیٰ درجہ کے حقایق و معارف سے لبریز تھی ویسے ہی ضروری تھی ترقی علوم وفنون سب اسی زمانہ میں ہوتا بلکہ کمال انسانیت بھی اسی میں پورا ہوا۔** (ملفوظات جلد دوم صفحہ 664)

غور کی نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ بیضۂ بشریت کے روحانی بچے جو روح القدس کی معرفت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی برکت سے پیدا ہوئے وہ اپنی کمیت اور کیفیت اور صورت اور نوع اور حالت میں تمام انبیاء کے بچوں سے اتم اور اکمل ہیں اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ جل شانہ فرماتا ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ یعنی تم سب امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں کی اصلاح کے لیے پیدا کیے گئے ہو اور درحقیقت جس قدر قرآنی تعلیم کے کمالات خاصہ ہیں وہ اس امت مرحومہ کے استعدادی کمالات پر شاہد ہیں۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 197)

تمام انبیاء کے متفرق کمالات تھے اور متفرق طور پر ان پر فضل اور انعام ہوا۔ اب اس امت کو یہ دعا سکھلائی گئی کہ ان تمام متفرق کمالات کو مجھ سے طلب کرو۔ پس ظاہر ہے کہ جب متفرق کمالات ایک جگہ جمع ہو جائیں گے تو وہ مجموعہ متفرق کی نسبت بہت بڑھ جائے گا اسی بنا پر کہا گیا کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ یعنی تم اپنے کمالات کی رو سے سب امتوں سے بہتر ہو۔ (چشمہ مسیحی۔ ر۔خ۔ جلد 20 صفحہ 381-380)

بارہویں فصل

تاثیرات قرآن کریم

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا ھٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ یُّرِیْدُ اَنْ یَّصُدَّکُمْ عَمَّا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُکُمْ وَقَالُوْا مَا ھٰذَآ اِلَّا اِفْکٌ مُّفْتَرًی ط وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَ ھُمْ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ۔ (سبا:44)

قرآن شریف کی اعلیٰ درجے کی تاثیروں کو بھی دیکھئے کہ کس قوت سے اس نے وحدانیت الٰہی کو اپنے سچے متبعین کے دلوں میں بھرا ہے اور کس عجیب طور سے اس کی عالیشان تعلیموں نے صدہا سالوں کی عاداتِ راسخہ اور ملکاتِ ردّیہ کا قلع وقمع کر کے اور ایسی رسوم قدیمہ کو کہ جو طبیعت ثانی کی طرح ہو گئیں تھیں دلوں کے رگ و ریشہ سے اٹھا کر وحدانیت الٰہی کا شربت عذب کروڑ ہا لوگوں کو پلا دیا ہے۔ وہی ہے جس نے اپنا کارنمایاں اور نہایت عمدہ اور دیرپا نتائج دکھلا کر اپنی بینظیر تاثیر کی دو بدو شہادت سے بڑے بڑے معاندوں سے اپنی لاثانی فضیلتوں کا اقرار کرایا یہاں تک کہ سخت بے ایمانوں اور سرکشوں کے دلوں پر بھی اس کا اس قدر اثر پڑا کہ جس کو انہوں نے قرآن شریف کی عظمتِ شان کا ایک ثبوت سمجھا اور بے ایمانی پر اصرار کرتے کرتے آخر اس قدر انہیں بھی کہنا پڑا کہ اِنْ ھٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ۔ جز و نمبر 22۔

(براہین احمدیہ۔ ر۔ خ۔ جلد 1 صفحہ 214-213 حاشیہ نمبر 11)

وَمَا اَدْرَاکَ مَاالْقُرْاٰنُ فَیْضًا — خَفِیْرٌ جَالِبٌ نَحْوَالْجِنَانِ

لَہٗ نُوْرَانِ نُوْرٌ مِنْ عُلُوْمٍ — وَ نُوْرٌ مِنْ بَیَانٍ کَالْجُمَانِ

کَلَامٌ فَائِقٌ مَا رَاقَ طَرْفِیْ — جَمَالٌ بَعْدَہٗ وَ النَّیِّرَانِ

1۔ اور تو کچھ جانتا ہے کہ قرآن کریم فیض کی رو سے کیا چیز ہے۔ وہ ایک راہبر ہے جو بہشت کی طرف لے جاتا ہے۔

2۔ اس میں دو نور ہیں ایک تو علوم کا نور ہے اور دوسرے فصاحت و بلاغت کا نور ہے جو چاندی کے دانوں کی طرح چمکتا ہے۔

3۔ وہ ایک ایسا کلام ہے جو ہر کلام پر فوقیت لے گیا ہے۔ اس کے بعد مجھے کوئی جمال اچھا معلوم نہ ہوا۔ اور نہ ہی آفتاب و قمر مجھے اچھے دکھائی دیئے۔

(نور الحق۔ ر۔ خ۔ جلد 8 صفحہ 89)

اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ لِمَنْ شَآءَ مِنْکُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ۔ (التکویر:28`29)

قرآن --- ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ہے یعنی ہر ایک قسم کی فطرت کو اس کے کمالات مطلوبہ یاد دلاتا ہے اور ہر یک رتبہ کا آدمی اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ جیسے ایک عامی ویسا ہی ایک فلسفی۔ یہ اس شخص کے لئے اترا ہے جو انسانی استقامت کو اپنے اندر حاصل کرنا چاہتا ہے یعنی انسانی درخت کی جس قدر شاخیں ہیں یہ کلام ان سب شاخوں کا پرورش کرنے والا اور حد اعتدال پر لانے والا ہے اور انسانی قویٰ کے ہر یک پہلو پر اپنی تربیت کا اثر ڈالتا ہے۔

(کرامات الصادقین۔ ر۔خ۔ جلد7 صفحہ 52)

وَ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْکُوْنَ وَیَزِیْدُ ھُمْ خُشُوْعًا۔ (بنی اسرائیل:110)

اور روتے ہوئے مونہہ پر گر پڑتے ہیں اور خدا کا کلام ان میں فروتنی اور عاجزی کو بڑھاتا ہے۔

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد1 صفحہ 578)

لَوْ اَنْزَلْنَا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَہٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰہِ وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ۔ (الحشر:22)

یہ قرآن جو تم پر اتارا گیا اگر کسی پہاڑ پر اتارا جاتا تو وہ خشوع اور خوف الٰہی سے ٹکڑہ ٹکڑہ ہو جاتا اور یہ مثالیں ہم اس لئے بیان کرتے ہیں کہ تا لوگ کلام الٰہی کی عظمت معلوم کرنے کے لئے غور اور فکر کریں۔

(سرمہ چشم آریہ ۔ر۔خ۔ جلد2 صفحہ 63 حاشیہ)

ایک تو اس کے یہ معنے ہیں کہ قرآن شریف کی ایسی تاثیر ہے کہ اگر پہاڑ پر وہ اترتا تو پہاڑ خوف خدا سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اور زمین کے ساتھ مل جاتا۔ جب جمادات پر اس کی ایسی تاثیر ہے تو بڑے ہی بیوقوف وہ لوگ ہیں جو اس کی تاثیر سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور دوسرے اس کے معنے یہ ہیں کہ کوئی شخص محبت الٰہی اور رضائے الٰہی کو حاصل نہیں کر سکتا جب تک دو صفتیں اس میں پیدا نہ ہو جائیں۔ اول تکبر کو توڑنا جس طرح کہ کھڑا ہوا پہاڑ جس نے سر اونچا کیا ہوا ہوتا ہے گر کر زمین سے ہموار ہو جائے۔ اسی طرح انسان کو چاہیئے کہ تمام تکبر اور بڑائی کے خیالات کو دور کرے۔ عاجزی اور خاکساری کو اختیار کرے اور دوسرا یہ ہے کہ پہلے تمام تعلقات اس کے ٹوٹ جائیں جیسا کہ پہاڑ گر کر مُتَصَدِّعًا ہو جاتا ہے۔ اینٹ سے اینٹ جدا ہو جاتی ہے ایسا ہی اسکے پہلے تعلقات جو موجب گندگی اور الٰہی نارضامندی تھے وہ سب تعلقات ٹوٹ جائیں اور اب اس کی ملاقاتیں اور دوستیاں اور محبتیں اور عداوتیں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے رہ جائیں۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 511)

قرآں کتابِ رحمٰن سکھلائے راہِ عرفاں — جو اس کو پڑھنے والے ان پر خدا کے فیضاں
ان پر خدا کی رحمت جو اس پہ لائے ایماں — یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
ہے چشمۂ ہدایت جس کو ہو یہ عنایت — یہ ہیں خدا کی باتیں انسے ملے ولایت
یہ نور دل کو بخشے دل کو کرے سرایت — یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
قرآں کو یاد رکھنا پاک اعتقاد رکھنا — فکرِ معاد رکھنا پاس اپنے زاد رکھنا
اکسیر ہے پیارے صدق و سداد رکھنا — یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

(درثمین اردو صفحہ 36)(محمود کی آمین مطبوعہ 7 جون 1897ء)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْجَآئَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔(یونس:58)

قرآن میں دلوں کو روشن کرنے کے لئے ایک روحانی خاصیت بھی ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ یعنی قرآن اپنی خاصیت سے تمام بیماریوں کو دور کرتا ہے اس لئے اس کو منقولی کتاب نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کے معقول دلائل اپنے ساتھ رکھتا ہے اور ایک چمکتا ہوا نور اس میں پایا جاتا ہے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ۔ جلد10 صفحہ 433)

یہ قرآن ظلمت سے نور کی طرف نکالتا ہے۔ اور اس میں تمام بیماریوں کی شفاء ہے اور طرح طرح کی برکتیں یعنی معارف اور انسانوں کو فائدہ پہنچانے والے امور اس میں بھرے ہوئے ہیں۔

(کرامات الصادقین۔ ر۔خ۔ جلد7 صفحہ 59)

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیْ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَی اللّٰهِ يَهْدِیْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ۔(الزمر:24)

يَعْنِیْ ذَالِكَ الْكِتَابُ كِتَابٌ مُّتَشَابِهٌ يَشْبَهُ بَعْضُهٗ بَعْضًا لَيْسَ فِيْهِ تَنَاقُضٌ وَلَا اخْتِلَافٌ مَثْنِیْ فِيْهِ كُلُّ ذِكْرٍ لِّيَكُوْنَ بَعْضُ الذِّكْرِ تَفْسِيْرًا لِّبَعْضِهٖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ يَعْنِیْ سَيَسْتَوْلِیْ جَلَالُهٗ وَهَيْبَتُهٗ عَلٰی قُلُوْبِ الْعُشَّاقِ لِتَقْشَعِرَّ جُلُوْدُهُمْ مِّنْ كَمَالِ الْخَشْيَةِ وَالْخَوْفِ يُجَاهِدُوْنَ فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ لَيْلًا وَّنَهَارًا بِتَحْرِيْكِ تَاْثِيْرَاتٍ جَلَالِيَّةٍ وَتَنْبِيْهَاتٍ قَهْرِيَّةٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ يُبَدِّلُ اللّٰهُ حَالَتَهُمْ مِّنَ التَّأَلُّمِ اِلَی التَّلَذُّذِ فَيَصِيْرُ الطَّاعَةُ جُزْوَ طَبِيْعَتِهِمْ وَخَاصَّةَ فِطْرَتِهِمْ فَتَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ يَعْنِیْ لِيَسِيْلَ الذِّكْرُ فِیْ قُلُوْبِهِمْ كَسَيَلَانِ الْمَاءِ وَيَصْدُرُ مِنْهُمْ كُلُّ اَمْرٍ فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ بِكَمَالِ السُّهُوْلَةِ وَالصَّفَاءِ لَيْسَ فِيْهِ ثِقْلٌ وَّ لَاتَكَلُّفٌ وَّ لَا ضَيْقٌ فِیْ صُدُوْرِهِمْ بَلْ يَتَلَذَّذُوْنَ بِامْتِثَالِ اَمْرِ اِلٰهِهِمْ وَ يَجِدُوْنَ لَذَّةً وَّ حَلَاوَةً فِیْ طَاعَةِ مَوْلٰهُمْ وَهٰذَا هُوَ الْمُنْتَهَی الَّذِیْ يَنْتَهِیْ اِلَيْهِ اَمْرُ الْعَابِدِيْنَ وَالْمُطِيْعِيْنَ فَيُبَدِّلُ اللّٰهُ اٰلَامَهُمْ بِاللَّذَّاتِ۔

(ترجمہ از ایڈیٹر ’’الحق‘‘) یعنی یہ کتاب متشابہ ہے جس کی آیتیں اور مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ ان میں کوئی تنقض اور اختلاف نہیں۔ ہر ذکر اور وعظ اس میں دوہرا دوہرا کر بیان کئے گئے ہیں جس سے غرض یہ ہے کہ ایک مقام کا ذکر دوسرے مقام کے ذکر کی تفسیر ہو جائے۔ اس کے پڑھنے سے ان لوگوں کی کھالوں پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی اس کا جلال اور اس کی ہیبت عاشقوں کے دلوں پر غالب ہو

جاتی ہے اس لئے کہ ان کی کھالوں پر کمال خوف اور دہشت سے رونگٹے کھڑے ہو جائیں ۔ وہ قرآن کی قہری تنبیہات اور جلالی تاثیرات کی تحریک سے رات دن اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں بہ دل وجان کوشش کرتے ہیں۔ پھر ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس حالت کو جو پہلے دکھ درد کی حالت ہوتی ہے لذّت اور سرور سے بدل ڈالتا ہے چنانچہ اس وقت اطاعت الٰہی ان کی جز و بدن اور خاصہ فطرت ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان کے دلوں اور بدنوں پر رقت اولیت طاری ہوتی ہے یعنی ذکر ان کے دلوں میں پانی کی طرح بہنا شروع ہو جاتا ہے اور ہر بات اطاعت الٰہی کی ان لوگوں سے نہایت سہولت اور صفائی سے صادر ہوتی ہے نہ یہ کہ اس میں کوئی بوجھ ہو یا ان کے سینوں میں اس سے کوئی تنگی واقع ہو بلکہ وہ تو اپنے معبود کے امر کی فرمانبرداری میں لذت حاصل کرتے ہیں اور اپنے مولیٰ کی طاعت میں انہیں حلاوت آتی ہے۔ پس عابدوں اور مطیعوں کی غایت کار اور معراج یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دکھوں کو لذتوں سے بدل ڈالے۔ (الحق لدھیانہ۔ ر۔خ۔ جلد 4 صفحہ 38-37)

لاکھوں مقدسوں کا یہ تجربہ ہے کہ قرآن شریف کے اتباع سے برکات الٰہی دل پر نازل ہوتی ہیں اور ایک عجیب پیوند مولیٰ کریم سے ہو جاتا ہے خدائے تعالیٰ کے انوار اور الہام ان کے دلوں پر اترتے ہیں اور معارف اور نکات ان کے مونہہ سے نکلتے ہیں ایک قوی توکل انکو عطا ہوتی ہے اور ایک محکم یقین ان کو دیا جاتا ہے اور ایک لذیذ محبت الٰہی جو لذت وصال سے پرورش یاب ہے انکے دلوں میں رکھی جاتی ہے اگر انکے وجودوں کو ہاونِ مصائب میں پیسا جائے اور سخت شکنجوں میں دیکر نچوڑا جائے تو ان کا عرق بجز حب الٰہی کے اور کچھ نہیں۔ دنیا ان سے ناواقف اور وہ دنیا سے دور تر و بلند تر ہیں۔ خدا کے معاملات ان سے خارق عادت ہیں انہیں پر ثابت ہوا ہے کہ خدا ہے انہیں پر کھلا ہے کہ ایک ہے جب وہ دعا کرتے ہیں تو وہ ان کی سنتا ہے۔ جب وہ پکارتے ہیں تو وہ انہیں جواب دیتا ہے جب وہ پناہ چاہتے ہیں تو وہ ان کی طرف دوڑتا ہے وہ باپوں سے زیادہ ان سے پیار کرتا ہے اور ان کی در و دیوار پر برکتوں کی بارش برساتا ہے پس وہ اس کی ظاہری و باطنی و روحانی و جسمانی تائیدوں سے شناخت کئے جاتے ہیں اور وہ ہر یک میدان میں ان کی مدد کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے اور وہ ان کا ہے۔ (سرمۂ چشم آریہ۔ ر۔خ۔ جلد 2 صفحہ 79 حاشیہ)

یہودی: چونکہ توریت پر عمل نہیں رہا۔ اس لیے ولی اور صلحاء نہیں ہوتے۔

حضرت اقدس: اگر توریت میں کوئی تاثیر باقی ہوتی تو اسے ترک ہی کیوں کرتے؟ اگر آپ کہیں کہ بعض نے ترک کیا ہے تو پھر بھی اعتراض بدستور قائم ہے کہ جنہوں نے ترک نہیں کیا۔ ان پر جو اثر ہوا ہے وہ پیش کرو۔ اور اگر کل ہی نے ترک کر دیا ہے تو یہ ترک تاثیر کو باطل کرتا ہے۔ ہم قرآن شریف کے لیے یہی نہیں مانتے۔ یہ سچ ہے کہ اکثر مسلمانوں نے قرآن شریف کو چھوڑ دیا ہے۔ **لیکن پھر بھی قرآن شریف کے انوار و برکات اور اس کی تاثیرات ہمیشہ زندہ اور تازہ بتازہ ہیں: چنانچہ میں اس وقت اسی ثبوت کے لیے بھیجا گیا ہوں۔** اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے اپنے وقت پر اپنے بندوں کو اس کی حمایت اور تائید کے لیے بھیجتا رہا ہے۔ کیونکہ اس نے وعدہ فرمایا تھا۔ **اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ** (الحجر: 10) یعنی بے شک ہم نے ہی اس ذکر (قرآن شریف) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

قرآن شریف کی حفاظت کا جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ توریت یا کسی اور کتاب کے لیے نہیں اسی لیے ان کتابوں میں انسانی چالاکیوں نے اپنا کام کیا۔ **قرآن شریف کی حفاظت کا یہ بڑا زبردست ذریعہ ہے کہ اس کی تاثیرات کا ہمیشہ تازہ بتازہ ثبوت ملتا رہتا ہے اور یہود نے چونکہ توریت کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور ان میں کوئی اثر اور قوت باقی نہیں رہی جو ان کی موت پر دلالت کرتی ہے۔** (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 450)

چوں گمانے کنم اینجا مددِ روح قدس　　　که مرا در دلِ شاں دیو نظر مے آید

میں یہاں روح القدس کی مدد کا گمان کیونکر سکتا ہوں کہ مجھے تو ان کے دل میں دیو بیٹھا ہوا نظر آتا ہے۔

ایں مدد ہاست در اسلام چو خورشید عیاں　　　که بہر عصر مسیحا ے دگر مے آید

اسلام میں یہ امداد سورج کی طرح ظاہر ہے کہ ہر زمانہ کے لئے نیا مسیحا آتا ہے۔

(سرمہ چشم آریہ۔ ر۔خ۔ جلد 2 صفحہ 287)

يُؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا وَ مَايَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ (البقرة:270)

یعنی خدا جس کو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی ہے یعنی حکمت خیر کثیر پر مشتمل ہے اور جس نے حکمت پائی اس نے خیر کثیر کو پالیا سو یہ علوم و معارف جو دوسرے لفظوں میں حکمت کے نام سے موسوم ہیں۔ **یہ خیر کثیر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بحر محیط کے رنگ میں ہیں جو کلام الٰہی کے تابعین کو دیئے جاتے ہیں اور ان کے فکر اور نظر میں ایک ایسی برکت رکھی جاتی ہے جو اعلیٰ درجہ کے حقائق حقہ ان کے نفس آئینہ صفت پر منعکس ہوتے رہتے ہیں اور کامل صداقتیں ان پر منکشف ہوتی رہتی ہیں اور تائیدات الٰہیہ ہر یک تحقیق اور تدقیق کے وقت کچھ ایسا سامان ان کے لیے میسر کر دیتی ہیں جس سے بیان ان کا ادھورا اور ناقص نہیں رہتا اور نہ کچھ غلطی واقع ہوتی ہے۔**

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 534-533 حاشیہ 3)

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ۔ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ۔ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ۔ (التکویر:25تا27)

قرآن......غیب کے عطا کرنے میں بخیل نہیں ہے یعنی انجیلوں کی طرح اس کا یہ کام نہیں کہ صرف آپ ہی غیب بیان کرے اور دوسرے کو غیبی قوت نہ دے سکے بلکہ آپ بھی غیب پر مشتمل ہے اور پیروی کرنیوالے پر بھی فیضان غیب کرتا ہے۔ (جنگ مقدس۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 87)

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔(الشوریٰ:52)

کوئی چیز اپنی صفاتِ ذاتیہ سے الگ نہیں ہوسکتی پھر خدا کا کلام جو زندہ کلام ہے کیونکر الگ ہو سکے۔ پس کیا تم کہہ سکتے ہو کہ آفتاب وحی الٰہی اگرچہ پہلے زمانوں میں یقینی رنگ میں طلوع کرتا رہا ہے مگر اب وہ صفائی اس کو نصیب نہیں گویا یقینی معرفت تک پہنچنے کا کوئی سامان آگے نہیں رہا بلکہ پیچھے رہ گیا ہے اور گویا خدا کی سلطنت اور حکومت اور فیض رسانی کچھ تھوڑی مدت تک رہ کر ختم ہو چکی ہے لیکن خدا کا کلام اس کے برخلاف گواہی دیتا ہے کیونکہ وہ یہ دعا سکھلاتا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (نزول المسیح ۔ر۔خ۔جلد18۔صفحہ 487)

قرآن شریف پر شریعت ختم ہوگئی مگر وحی ختم نہیں ہوئی کیونکہ وہ سچے دین کی جان ہے۔ جس دین میں وحی الٰہی کا سلسلہ جاری نہیں وہ دین مردہ ہے اور خدا اس کے ساتھ نہیں۔ (کشتی نوح ۔ر۔خ۔جلد19 صفحہ 24 حاشیہ)

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَاقَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ۔(یٰسٓ:13)

قرآن شریف خود اپنے تئیں قیامت کا نمونہ ظاہر کرتا ہے جیسا کہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا لِنُحْيِيَ بِهٖ بَلْدَةً مَيْتًا (سورۃ فرقان 49،50) **یعنی ہم نے آسمان سے پاک پانی اتارا (یعنی قرآن) تاکہ ہم اس کے ساتھ مردہ زمین کو زندہ کریں پھر فرماتا ہے واحیینا بہ بلدۃ میتا کذالک الخروج (سورۃ ق الجزو نمبر 26)**

یعنی قرآن کے ساتھ ہم نے زمین مردہ کو زندہ کیا۔ ایسا ہی حشر اجساد بھی ہوگا۔ پھر فرماتا اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَ نَكْتُبُ مَاقَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ(الحدید: 18) یعنی ہم قرآن کے ساتھ مردوں کو زندہ کر رہے ہیں اور پھر فرماتا ہے اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا۔ یعنی اے لوگو جان لو کہ زمین مر گئی تھی اور خدا اب نئے سرے اس کو زندہ کر رہا ہے۔ غرض جابجا قرآن شریف کو نمونہ قیامت ٹھہرایا گیا ہے۔ (ازالہ اوہام ۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 325-322)

ہے شکرِ ربِ عزوجل خارج از بیاں	جس کے کلام سے ہمیں اس کا ملا نشاں
وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اس کتاب میں	ہو گی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں
اس سے ہمارا پاک دل و سینہ ہو گیا	وہ اپنے منہ کا آپ ہی آئینہ ہو گیا
اس نے درختِ دل کو معارف کا پھل دیا	ہر سینہ شک سے دھو دیا ہر دل بدل دیا
اس سے خدا کا چہرہ نمودار ہو گیا	شیطاں کا مکر و وسوسہ بے کار ہو گیا
وہ رہ جو ذاتِ عزوجل کو دکھاتی ہے	وہ رہ جو دل کو پاک و مطہر بناتی ہے
وہ رہ جو یارِ گم شدہ کو کھینچ لاتی ہے	وہ رہ جو جامِ پاک یقیں کا پلاتی ہے
وہ رہ جو اس کے ہونے پہ محکم دلیل ہے	وہ رہ جو اس کے پانے کی کامل سبیل ہے
اس نے ہر ایک کو وہی رستہ دکھا دیا	جتنے شکوک و شبہ تھے سب کو مٹا دیا
قرآں خدا نما ہے خدا کا کلام ہے	بے اس کے معرفت کا چمن ناتمام ہے

(درثمین اردو صفحہ 91-92)(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 11)

تیرہویں فصل　　اسالیب قرآن کریم

اصولی فرمودات

سمجھنا چاہیئے کہ قرآن شریف کی بلاغت ایک پاک اور مقدس بلاغت ہے۔ جس کا مقصد اعلیٰ یہ ہے کہ حکمت اور راستی کی روشنی کو فصیح کلام میں بیان کر کے تمام حقائق اور دقائق علم دین ایک موجز اور مدلل عبارت میں بھر دیئے جائیں۔ اور جہاں تفصیل کی اشد ضرورت ہو۔ وہاں تفصیل ہو۔ اور جہاں اجمال کافی ہو۔ وہاں اجمال ہو اور کوئی صداقت دینی ایسی نہ ہو۔ جس کا مفصلاً یا مجملاً ذکر نہ کیا جائے۔ اور باوصف اسکے ضرورت حقہ کے تقاضا سے ذکر ہو نہ غیر ضروری طور پر اور پھر کلام بھی ایسا فصیح اور سلیس اور متین ہو کہ جس سے بہتر بنانا ہرگز کسی کیلئے ممکن نہ ہو۔ اور پھر وہ کلام روحانی برکات بھی اپنے ہمراہ رکھتا ہو۔ یہی قرآن شریف کا دعویٰ ہے۔ جس کو اس نے آپ ثابت کر دیا ہے۔ اور اور جا بجا فرما بھی دیا ہے کہ کسی مخلوق کیلئے ممکن نہیں کہ اسکی نظیر بنا سکے۔ (براہین احمدیہ ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 477-476 حاشیہ نمبر 3)

کیونکہ خدا کا فصیح کلام معارف حقہ کو کمال ایجاز سے' کمال ترتیب سے' کمال صفائی اور خوش بیانی سے لکھتا ہے اور وہ طریق اختیار کرتا ہے جس سے دلوں پر اعلیٰ درجہ کا اثر پڑے اور تھوڑی عبارت میں وہ علوم الٰہیہ سما جائیں جن پر دنیا کی ابتدا سے کسی کتاب یا دفتر نے احاطہ نہیں کیا۔ یہی حقیقی فصاحت بلاغت ہے جو تکمیل نفس انسانی کے لئے ممد و معاون ہے جس کے ذریعہ سے حق کے طالب کمال مطلوب تک پہنچتے ہیں۔ اور یہی وہ صفت ربانی ہے جس کا انجام پذیر ہونا بجز الٰہی طاقت اور اس کے علم وسیع کے ممکن نہیں۔ (براہین احمدیہ ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 466-464 حاشیہ نمبر 3)

وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَايَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ ط وَ يَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّايَعْلَمُهَا وَ لَاحَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔ (الانعام: 60)

قرآن شریف کا طرز بیان مختلف ہے

میں نے کئی بار اشتہار دیا ہے کہ کوئی ایسی سچائی پیش کرو جو ہم قرآن شریف سے نہ نکال سکیں۔ لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۔ یہ ایک ناپیدا کنار سمندر ہے اپنے حقائق اور معارف کے لحاظ سے اور اپنی فصاحت و بلاغت کے رنگ میں۔ اگر بشر کا کلام ہوتا تو سطحی خیالات کا نمونہ دکھایا جاتا۔ مگر یہ طرز ہی اور ہے جو بشری طرزوں سے الگ اور ممتاز ہے۔ اس میں باوجود اعلیٰ درجہ کی بلند پردازی کے نمود و نمائش بالکل نہیں۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 455)

پھر علاوہ اسکے قرآن شریف نے تائید دین میں اور اور علوم سے بھی اعجازی طور پر خدمت لی ہے اور منطق اور طبعی اور فلسفہ اور ہیئت اور علم نفس اور طبابت اور علم ہندسہ اور علم بلاغت و فصاحت وغیرہ علوم کے وسائل سے علم دین کا سمجھانا اور ذہن نشین کرنا یا اسکا تفہیم درجہ بدرجہ آسان کر دینا یا اسپر کوئی برہان قائم کرنا یا اس سے کسی نادان کا اعتراض اٹھانا مدنظر رکھا ہے غرض طفیلی طور پر یہ سب علوم خدمت دین کے لئے بطور خارق عادت قرآن شریف میں اس عجیب طرز سے بھرے ہوئے ہیں جن سے ہر یک درجہ کا ذہن فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ (سرمہ چشم آریہ۔ ر۔خ۔ جلد 2 صفحہ 75 حاشیہ)

قرآن طرز موزوں اور معتدل پر نازل ہوا ہے

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ......الایۃ (النور :36)

ہر یک وحی نبی منزل علیہ کی فطرت کے موافق نازل ہوتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں جلال اور غضب تھا۔تو ریت بھی موسوی فطرت کے موافق ایک جلالی شریعت نازل ہوئی۔حضرت مسیح علیہ السلام کے مزاج میں حلم اور نرمی تھی سو انجیل کی تعلیم بھی حلم اور نرمی پر مشتمل ہے **مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج بغایت درجہ وضع استقامت پر واقع تھا۔نہ ہر جگہ حلم پسند تھا اور نہ ہر مقام غضب مرغوب خاطر تھا بلکہ حکیمانہ طور پر رعایت محل اور موقع کی ملحوظ طبیعت مبارک تھی سو قرآن شریف بھی اسی طرز موزوں و معتدل پر نازل ہوا کہ جامع شدت ورحمت و ہیبت وشفقت و نرمی و درشتی ہے۔** (براہین احمدیہ ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 193 حاشیہ نمبر 11)

قرآن کی تعلیم قانون قدرت کے مطابق ہے

لیکن قرآن کریم اخلاقی تعلیم میں قانون قدرت کے قدم بہ قدم چلا ہے۔رحم کی جگہ جہاں تک قانون قدرت اجازت دیتا ہے رحم ہے اور قہر اور سزا کی جگہ اسی اصول کے لحاظ سے قہر اور سزا اور اپنی اندرونی اور بیرونی تعلیم میں ہر یک پہلو سے کامل ہے اور اس کی تعلیمات نہایت درجہ کے اعتدال پر واقعہ ہیں جو انسانیت کے سارے درخت کی آبپاشی کرتی ہیں نہ کسی ایک شاخ کی۔اور تمام قویٰ کی مربی ہیں نہ کسی ایک قوت کی۔اور درحقیقت اسی اعتدال اور موزونیت کی طرف اشارہ ہے جو فرمایا ہے۔کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا (الزمر :24) پھر بعد اس کے مَثَانِيَ کے لفظ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات معقولی اور روحانی دونوں طور کی روشنی اپنے اندر رکھتی ہیں۔پھر بعد اس کے فرمایا کہ قرآن میں اس قدر عظمت حق کی بھری ہوئی ہے کہ خدا تعالیٰ کی آیتوں کی سننے سے ان کے دلوں پر قشعریرہ پڑ جاتا ہے اور پھر ان کی جلدیں اور ان کے دل یاد الٰہی کے لئے بہ نکلتے ہیں۔اور پھر فرمایا کہ یہ کتاب حق ہے اور نیز میزان حق یعنی یہ حق بھی ہے اور اس کے ذریعہ سے حق شناخت بھی ہوسکتا ہے۔اور پھر فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے آسمان پر سے پانی اتارا۔پس اپنے اپنے قدر پر ہر یک وادی بہ نکلی **یعنی جسقدر دنیا میں طبائع انسانی ہیں قرآن کریم انکے ہر یک مرتبہ فہم اور عقل اور ادراک کی تربیت کرنیوالا ہے اور یہ امر مستلزم** کمال تام ہے کیونکہ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن کریم اس قدر وسیع دریائے معارف ہے کہ محبت الٰہی کے تمام پیاسے اور معارف حقہ کی تمام تشنہ لب اسی سے پانی پیتے ہیں۔اور پھر فرمایا کہ ہم نے قرآن کریم کو اسلئے اتارا ہے کہ تا جو پہلی قوموں میں اختلاف ہو گئے ہیں ان کا اظہار کیا جائے۔**اور پھر فرمایا کہ یہ قرآن ظلمت سے نور کی طرف نکالتا ہے۔اور اس میں تمام بیماریوں کی شفا ہے اور طرح طرح کی برکتیں یعنی معارف اور انسانوں کو فائدہ پہنچانے والے امور اس میں بھرے ہوئے ہیں اور اس لائق ہے کہ اس کو تدبر سے دیکھا جائے**

اور عقلمند اسمیں غور کریں اور سخت جھگڑالو اس سے ملزم ہوتے ہیں اور ہر یک شے کی تفصیل اس میں موجود ہے اور یہ ضرورت حقہ کے وقت نازل کیا گیا ہے۔ اور ضرورت حقہ کے ساتھ اترا ہے اور یہ کتاب عزیز ہے باطل کو اس کے آگے پیچھے راہ نہیں اور یہ نور ہے جس کے ذریعہ سے ہدایت دی جاتی ہے اس میں ہر یک شے کا بیان موجود ہے اور یہ روح ہے اور یہ کتاب عربی فصیح بلیغ میں ہے اور تمام صداقتیں غیر متبدل اس میں موجود ہیں ان کو کہدے کہ اگر جن وانس اس کی نظیر بنانا چاہیں یعنی وہ صفات کاملہ جو اس کی بیان کی گئی ہیں اگر کوئی ان کی مثل بنی آدم اور جنات میں سے بنانا چاہیں تو یہ ان کیلئے ممکن نہ ہوگا اگرچہ ایک دوسرے کی مدد بھی کریں۔

(کرامات الصادقین ۔ر۔خ۔جلد 7 صفحہ 59-58)

اسلوب قرآن تکرار بیان کے اعتبار سے

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔(الرحمن:14)

اس سوال کے جواب میں کہ سورۃ رحمٰن میں اعادہ کیوں ہوا ہے فرمایا:۔

اس قسم کا التزام اللہ تعالیٰ کے کلام کا ایک ممتاز نشان ہے۔انسان کی فطرت میں یہ امر واقع ہوا ہے کہ موزوں کلام اسے جلد یاد ہو جاتا ہے اس لئے فرمایا وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ (القمر:23) یعنی بیشک ہم نے یاد کرنے کے لئے قرآن شریف کو آسان کر دیا ہے......

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ بار بار توجہ دلانے کے واسطے ہے۔اسی تکرار پر نہ جاؤ قرآن شریف میں اور بھی تکرار ہے۔ میں خود بھی تکرار کو اسی وجہ سے پسند کرتا ہوں۔ میری تحریروں کو اگر کوئی دیکھتا ہے تو وہ اس تکرار کو بکثرت پائے گا۔حقیقت سے بے خبر انسان اس کو منافی بلاغت سمجھ لے گا اور کہے گا کہ یہ بھول کر لکھا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ شاید پڑھنے والا پہلے جو کچھ لکھا ہے اسے بھول گیا ہو اس لئے بار بار یاد دلاتا ہوں تا کہ کسی مقام پر تو اس کی آنکھ کھلے۔اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔

علاوہ بریں تکرار پر اعتراض ہی بے فائدہ ہے اس لئے کہ یہ بھی تو انسانی فطرت میں ہے کہ جب تک بار بار ایک بات کو دہرائے نہیں وہ یاد نہیں ہوتی۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم بار بار کیوں کہلوایا ایک بار ہی کافی تھا؟ نہیں۔اس میں یہی سر ہے کہ کثرت تکرار اپنا ایک اثر ڈالتی ہے اور غافل سے غافل قوتوں میں بھی ایک بیداری پیدا کر دیتی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (الانفال:46)

یعنی اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔جس طرح یہ ذہنی تعلق ہوتا ہے اور کثرت تکرار ایک بات کو حافظہ میں محفوظ کر دیتی ہے۔ اسی طرح ایک روحانی تعلق بھی ہے اس میں بھی تکرار کی

حاجت ہے۔ بدوں تکرار وہ روحانی پیونداور رشتہ قائم نہیں رہتا...... **حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک آیت اتنی مرتبہ پڑھتا ہوں کہ وہ آخروحی ہو جاتی ہے**۔صوفی بھی اسی طرف گئے ہیں اور وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا کے یہ معنے ہیں کہ اس قدر ذکر کرو کہ گویا اللہ تعالیٰ کا نام کنٹھ ہو جائے۔انبیاء علیہم السلام کے طرز کلام میں یہ بات عام ہوتی ہے کہ وہ ایک امر کو بار بار اور مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں۔ان کی اصل غرض یہی ہوتی ہے کہ تا مخلوق کو نفع پہنچے۔میں خود دیکھتا ہوں اور میری کتابیں پڑھنے والے جانتے ہیں کہ اگر چار صفحے میری کسی کتاب کے دیکھے جاویں تو ان میں ایک ہی امر کا ذکر پچاس مرتبہ آئے گا اور میری غرض یہی ہوتی ہے کہ شاید پہلے مقام پر اس نے غور نہ کیا ہو اور یونہی سرسری طور سے گذر گیا ہو۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 455 تا 457)

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا۔ (الفرقان:51)

اور ہم پھیر پھیر کر مثالیں بتلاتے ہیں تا لوگ یاد کرلیں کہ نبیوں کے بھیجنے کا یہی اصول ہے۔

(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد 1 صفحہ 652)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا

لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (الانفال:46)

تکرار......بھی تو انسانی فطرت میں ہے کہ جب تک بار بار ایک بات کو دہرائے نہیں وہ یاد نہیں ہوتی۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ بار بار کیوں کہلوایا؟ ایک بار ہی کافی تھا۔نہیں اس میں یہی سر ہے کہ کثرت تکرار اپنا ایک اثر ڈالتی ہے اور غافل سے غافل قوتوں میں بھی ایک بیداری پیدا کردیتی ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔یعنی اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاجاؤ جس طرح پر ذہنی تعلق ہوتا ہے اور کثرت تکرار ایک بات کو حافظہ میں محفوظ کردیتی ہے اسی طرح ایک روحانی تعلق بھی ہے اس میں بھی تکرار کی حاجت ہے۔بدوں تکرار وہ روحانی پیونداور رشتہ قائم نہیں رہتا۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 456)

باعتبار اقوال غیر اللہ

اصل حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جیسے آجکل بعض کھلونے ایسے بنائے جاتے ہیں کہ ہوا کے اندر اور باہر آنے سے ان میں سے ایک آواز نکلتی ہے۔ یا جیسے بعض زمیندار اپنے کھیتوں پر چمڑہ کا ایک ڈھول سا بنا لیتے ہیں اور اس میں سے بھیڑیئے کے مشابہ ایک آواز نکلتی ہے۔ ایسا ہی یہ بھی ایک کھلونا تھا۔ اور قوم کو دھوکہ دینے کے لئے اور نیز اس گوسالہ کو ایک مقدس ثابت کرنے کے لئے یہ ایک جھوٹا اور بے اصل بیان سامری نے پیش کر دیا۔ کہ رسول کے قدموں کی خاک کی برکت سے یہ آواز آتی ہے۔ تا وہ لوگ اس گوسالہ کو بہت ہی مقدس سمجھ لیں۔ اور تا سامری ایک کراماتی انسان مانا جائے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رونق اور عزت کم ہو جائے۔ قرآن شریف نے ہرگز اس بات کی تصدیق نہیں کی کہ درحقیقت وہ آواز رسول کی خاک قدم کی وجہ سے تھی۔ صرف سامری کا قول نقل کر دیا ہے۔ **اور جیسا کہ قرآن شریف کی عادت ہے جو بعض اوقات کفار کے اقوال نقل کرتا ہے اور بوجہ بداہت بطلان ان اقوال کے رد کرنے کی حاجت نہیں دیکھتا بلکہ فقط قائل کا کاذب یا فاسق ہونا بیان کر کے دانشمندوں کو اصل حقیقت سمجھنے کے لئے متنبہ کرتا ہے۔** ایسا ہی اس جگہ بھی اس نے کیا۔ سو اب سامری کے اس جھوٹے منصوبہ کی مشابہت لیکھرام سے یہ ہے کہ آریوں نے بھی محض دھوکہ دہی کی غرض سے لیکھرام کو ایک مقدس اور فاضل انسان قرار دیدیا۔ (تریاق القلوب۔ ر۔خ۔ جلد 15 صفحہ 400-399)

اور نیز اس جگہ یہ یاد رہے کہ خدا تعالیٰ جو اصدق الصادقین ہے اس نے اپنی کلام میں صدق کو دو قسم قرار دیا ہے۔ ایک صدق باعتبار ظاہر الاقوال۔ دوسرے صدق باعتبار التاویل والمآل۔ پہلی قسم صدق کی مثال یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عیسیٰ مریم کا بیٹا تھا۔ اور ابراہیم کے دو بیٹے تھے اسمٰعیل و اسحاق۔ کیونکہ ظاہر واقعات بغیر تاویل کے یہی ہیں۔ دوسری قسم صدق کی مثال یہ ہے کہ جیسے قرآن شریف میں کفار یا گذشتہ مومنوں کے کلمات کچھ تصرف کر کے بیان فرمائے گئے ہیں اور پھر کہا گیا کہ یہ انہی کے کلمات ہیں۔ اور یا جو قصے توریت کے ذکر کئے گئے ہیں اور ان میں بہت سا تصرف ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جس اعجازی طرز اور طریق اور فصیح فقروں اور دلچسپ استعارات میں قرآنی عبارات ہیں اس قسم کے فصیح فقرے کافروں کے منہ سے ہرگز نہیں نکلے تھے اور نہ یہ ترتیب تھی۔ بلکہ یہ ترتیب قصوں کی جو قرآن میں ہے توریت میں بھی بالالتزام ہرگز نہیں ہے۔ حالانکہ فرمایا ہے ان ھذا لفی الصحف الاولٰی صحف ابراھیم و موسٰی (الاعلیٰ: 19`20) **اور اگر یہ کلمات اپنی صورت اور ترتیب اور صیغوں کے رو سے وہی ہیں جو مثلاً کافروں کے منہ سے نکلے تھے تو اس سے اعجاز قرآنی باطل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ فصاحت کفار کی ہوئی نہ قرآن کی۔** اور اگر وہی نہیں تو بقول تمہارے کذب لازم آتا ہے۔ کیونکہ ان لوگوں نے تو اور اور لفظ اور اور ترتیب اور اور صیغے اختیار کئے تھے۔ اور جس طرح مُتَوَفِّیْکَ اور تَوَفَّیْتَنِیْ دو مختلف صیغے ہیں۔ اسی طرح صدہا جگہ ان کے صیغے اور قرآنی صیغے باہم اختلاف رکھتے تھے مثلاً توریت میں ایک قصہ یوسف ہے نکال کر دیکھ لو۔ اور پھر قرآن شریف کی سورہ یوسف سے اس کا مقابلہ کرو تو دیکھو کہ کس قدر صیغوں میں اختلاف اور بیان میں کمی بیشی ہے بلکہ بعض جگہ بظاہر معنوں میں بھی اختلاف ہے۔ ایسا ہی قرآن نے بیان کیا ہے۔ کہ ابراہیم کا باپ آزر تھا۔ لیکن اکثر مفسر لکھتے ہیں کہ اس کا باپ کوئی اور تھا نہ آزر۔ اب اے نادان جلد توبہ کر کہ تو نے پادریوں کی طرح قرآن پر بھی حملہ کر دیا۔ (تریاق القلوب۔ ر۔خ۔ جلد 15 صفحہ 569-568)

سیاق وسباق بیان کے اعتبار سے

جوشخص قرآن کریم کے اسالیبِ کلام کو بخوبی جانتا ہے اس پر یہ پوشیدہ نہیں کہ بعض اوقات وہ کریم ورحیم جل شانہٗ اپنے خواص عباد کے لئے ایسا لفظ استعمال کر دیتا ہے کہ بظاہر بدنما ہوتا ہے مگر معناً نہایت محمود اور تعریف کا کلمہ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے نبی کریمؐ کے حق میں فرمایا۔ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی (الضحٰی: 8) اب ظاہر ہے کہ ضال کے معنے مشہور اور متعارف جو اہل لغت کے منہ پر چڑھے ہوئے ہیں گمراہ کے ہیں جس کے اعتبار سے آیت کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے (اے رسول اللہؐ) تجھ کو گمراہ پایا اور ہدایت دی۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی گمراہ نہیں ہوئے اور جو شخص مسلمان ہو کر یہ اعتقاد رکھے کہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر میں ضلالت کا عمل کیا تھا تو وہ کافر بے دین اور حد شرعی کے لائق ہے **بلکہ آیت کے اس جگہ وہ معنی لینے چاہیئے جو آیت کے سیاق اور سباق سے ملتے ہیں** اور وہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا۔ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی۔ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی۔ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی (الضحی:9-7) یعنی خدا تعالیٰ نے تجھے یتیم اور بیکس پایا اور اپنے پاس جگہ دی اور تجھ کو ضال (یعنی عاشق وجہ اللہ) پایا پس اپنی طرف کھینچ لایا اور تجھے درویش پایا پس غنی کر دیا۔ ان معنوں کی صحت پر یہ ذیل کی آیتیں قرینہ ہیں جو ان کے بعد آتی ہیں یعنی یہ کہ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْھَرْ۔ وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ۔ وَ اَمَّا بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ۔ (الضحی :12-10) کیونکہ یہ تمام آیتیں لف نشر مرتب کے طور پر ہیں اور پہلی آیتوں میں جو مدعا مخفی ہے دوسری آیتیں اس کی تفصیل اور تصریح کرتی ہیں مثلاً پہلے فرمایا۔ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۔اس کے مقابل پر یہ فرمایا۔ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْھَر یعنی یاد کر کہ تو بھی یتیم تھا اور ہم نے تجھ کو پناہ دی ایسا ہی تو بھی یتیموں کو پناہ دے ۔پھر بعد اس آیت کے فرمایا۔ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی ۔اس کے مقابل پر یہ فرمایا۔ وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَر یعنی یاد کر کہ تو ہمارے وصال اور جمال کا سائل اور ہمارے حقائق اور معارف کا طالب تھا سو جیسا کہ ہم نے باپ کی جگہ ہو کر تیری جسمانی پرورش کی ایسا ہی ہم نے استاد کی جگہ ہو کر تمام دروازے علوم کے تجھ پر کھول دیئے اور اپنے لقاء کا شربت سب سے زیادہ عطا فرمایا اور جو تو نے مانگا سب ہم نے تجھ کو دیا سو تو بھی مانگنے والوں کو ردمت کر اور ان کو مت جھڑک اور یاد کر کہ تو عائل تھا اور تیری معیشت کے ظاہری اسباب بکلی منقطع تھے سو خدا خود تیرا متولی ہوا اور غیروں کی طرف حاجت لے جانے سے تجھے غنی کر دیا۔ نہ تو والد کا محتاج ہوا نہ والدہ کا۔ نہ استاد کا اور نہ کسی غیر کی طرف حاجت لے جانے کا بلکہ یہ سارے کام تیرے خدا تعالیٰ نے آپ ہی کر دیئے اور پیدا ہوتے ہی اس نے تجھ کو آپ سنبھال لیا سو اس کا شکر بجالا اور حاجت مندوں سے تو بھی ایسا ہی معاملہ کر۔ اب ان تمام آیات کا مقابلہ کر کے صاف طور پر کھلتا ہے کہ اس جگہ ضال کے معنے گمراہ نہیں ہے بلکہ انتہائی درجہ کے تعشق کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ

حضرت یعقوبؑ کی نسبت اسی کے مناسب یہ آیت ہے اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ۔ (یوسف:96) سو یہ دونوں لفظ ظلم اور ضلالت اگرچہ ان معنوں پر بھی آتے ہیں کہ کوئی شخص جادہ اعتدال اور انصاف کو چھوڑ کر اپنے شہوات غصبیہ یا بہیمیہ کا تابع ہو جاوے لیکن قرآن کریم میں عشاق کے حق میں بھی آئے ہیں جو خدا تعالیٰ کے راہ میں عشق کی مستی میں اپنے نفس اور اس کے جذبات کو پیروں کے نیچے کچل دیتے ہیں اسی کے مطابق حافظ شیرازی کا یہ شعر ہے ؎

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید　　　قرعہ فال بنامِ من دیوانہ زدند

اس دیوانگی سے حافظ صاحب حالت تعشق اور شدت حرص اطاعت مراد لیتے ہیں۔

(آئینہ کمالات اسلام ۔ ر۔خ جلد5 صفحہ 173-170)

محاورہ قرآن کے اعتبار سے

ان آیات میں کسی کم تجربہ آدمی کو یہ خیال نہ گذرے کہ ان دونوں مقامات کے بعد میں جہنم کا ذکر ہے اور بظاہر سیاق کلام چاہتا ہے کہ یہ قصہ آخرت سے متعلق ہو مگر یاد رہے **کہ عام محاورہ قرآن کریم کا ہے اور صدہا نظیریں اسکی اس پاک کلام میں موجود ہیں کہ ایک دنیا کے قصہ کے ساتھ آخرت کا قصہ پیوند کیا جاتا ہے۔** اور ہر ایک حصہ کلام کا اپنے قرائن سے دوسرے حصہ سے تمیز رکھتا ہے اس طرز سے سارا قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں شق القمر کے معجزہ کو ہی دیکھو کہ وہ ایک نشان تھا لیکن ساتھ اس کے قیامت کا قصہ چھیڑ دیا گیا۔ جس کی وجہ سے بعض نادان قرینوں کو نظر انداز کر کے کہتے ہیں کہ شق القمر وقوع میں نہیں آیا بلکہ قیامت کو ہو گا۔ منہ

(شہادت القران ۔ ر۔خ ۔ جلد6 صفحہ 311 حاشیہ)

اسالیب ادب کے اعتبار سے

پھر تیسرا لطیفہ اس سورۃ میں یہ ہے کہ باوجود التزام فصاحت و بلاغت یہ کمال دکھلایا ہے کہ محامد الٰہیہ کے ذکر کرنے کے بعد جو فقرات دعا وغیرہ کے بارہ میں لکھے ہیں ان کو ایسے عمدہ طور پر بطور لف ونشر مرتب کے بیان کیا ہے۔ جس کا صفائی سے بیان کرنا باوجود رعایت تمام مدارج فصاحت و بلاغت کے بہت مشکل ہوتا ہے اور جو لوگ سخن میں صاحب مذاق ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے لف ونشر کیسا نازک اور دقیق کام ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اول محامد الٰہیہ میں فیوض اربعہ کا ذکر فرمایا کہ وہ رب العالمین ہے۔ رحمان ہے رحیم ہے۔ مالک یوم الدین ہے اور پھر بعد اس کے فقرات تعبد اور استعانت اور دعا اور طلب جزا کو انہیں کے ذیل میں اس لطافت سے لکھا ہے کہ جس فقرہ کو کسی قسم فیض سے نہایت مناسبت تھی اسی کے نیچے وہ فقرہ درج کیا چنانچہ رب العالمین کے مقابلہ پر اِیَّاکَ نَعْبُدُ لکھا کیونکہ ربوبیت سے استحقاق عبادت شروع ہو جاتا ہے پس اسی کے نیچے اور اسی کے محاذات میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ کا لکھنا نہایت موزوں اور مناسب ہے اور رحمان کے مقابلہ پر اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ لکھا کیونکہ بندہ کے لیے اعانت الٰہی جو توفیق عبادت اور ہر یک اس کے مطلوب میں ہوتی ہے جس پر اس کی دنیا اور آخرت کی صلاحیت

موقوف ہے یہ اس کے کسی عمل کا پاداش نہیں بلکہ محض صفت رحمانیت کا اثر ہے پس استعانت کو صفت رحمانیت سے بشدت مناسبت ہے اور رحیم کے مقابلہ پر اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ لکھا کیونکہ دعا ایک مجاہدہ اور کوشش ہے اور کوششوں پر جو ثمرہ مترتب ہوتا ہے وہ صفت رحیمیت کا اثر ہے۔ اور مالک یوم الدین کے مقابلہ پر صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ لکھا کیونکہ امر مجازات مالک یوم الدین کے متعلق ہے سو ایسا فقرہ جس میں طلب انعام اور عذاب سے بچنے کی درخواست ہے اسی کے نیچے رکھنا موزوں ہے۔

(براھین احمدیہ۔ ر۔ خ۔ جلد 1 صفحہ 580-577 حاشیہ نمبر 11)

منطقی دستور کے اعتبار سے

منطقی لوگ تعریف کرتے وقت فصل جنس وغیرہ تقسیم کیا کرتے ہیں جیسے کہتے ہیں اَلْاِنْسَانُ حَيَوَانٌ نَاطِقٌ ۔سورۃ فاتحہ میں یہ رنگ بھی موجود ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہا۔ پھر اس کے آگے رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اس کی فصل واقع ہوئی اَلرَّحْمَانِ الرَّحِيْمِ۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اس کی حد ہوگئی۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی تعریف نہیں ہے۔

(الحکم 10 فروری 1901ء صفحہ 12 کالم نمبر 3 زیر عنوان نکات عشرہ فرمودہ 2 فروری 1901ء بوقت سیر)

ربط کلام کے اعتبار سے

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۔ وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا۔(الفتح: 2 تا 4)

یہ آیت فتح مکہ کے وقت اُتری......عیسائی اس آیت کا اس طرح ترجمہ کرتے ہیں ’’ہم نے تجھے ایک صریح فتح دی تا کہ ہم تیرے پہلے اور پچھلے گناہ معاف کریں......‘‘ یہ معنے بالصراحت غلط ہیں کیونکہ اس آیت کا ربط ہی بگڑ جاتا ہے۔ ایک فتح کو گناہ کی معافی سے کیا تعلق ہے گناہوں کی معافی فتح کا کوئی نتیجہ نہیں ہوسکتا۔ یہاں لفظ ذنب سے وہ عیب مراد ہیں۔ یہ کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا کرتے تھے کہ یہ شخص مفتری اور جھوٹا ہے۔ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح دی جو کہ آپ کی صداقت کی علامت تھی اور اس طرح خداوند تعالیٰ نے آپ کے سلسلہ کو پوری کامیابی دی اور آپ کے دشمنوں کو ہلاک کیا اور اس طرح آپ کی سچائی کی شہادت دی۔ ربط کلام ان معنوں کی تائید کرتا ہے۔

(ریویو آف ریلیجنز ماہ جون 1903ء جلد 2 نمبر 6 صفحہ 244)

ابجد اور حساب جمل کے اعتبار سے

قرآن شریف کے حروف اور ان کے اعداد بھی معارف مخفیہ سے خالی نہیں ہوتے۔ مثلاً سورۃ والعصر کی طرف دیکھو کہ ظاہری معنوں کی رو سے یہ بتلاتی ہے کہ یہ دنیوی زندگی جس کو انسان اس قدر غفلت سے گذار رہا ہے آخری یہی زندگی ابدی خسران اور وبال کا موجب ہو جاتی ہے اور اس خسران سے وہی بچتے ہیں جو خدائے واحد پر سچے دل سے ایمان لے آتے ہیں کہ وہ موجود ہے اور پھر ایمان کے بعد کوشش کرتے ہیں کہ اچھے اچھے عملوں سے اس کو راضی کریں اور پھر اسی پر کفایت نہیں کرتے بلکہ چاہتے ہیں کہ اس راہ میں ہمارے جیسے اور بھی ہوں جو سچائی کو زمین پر پھیلاویں اور خدا کے حقوق پر کاربند ہوں اور بنی نوع پر بھی رحم کریں لیکن اس سورۃ کے ساتھ یہ ایک عجیب معجزہ ہے کہ اس میں آدم کے زمانہ سے لے کر آنحضرت کے زمانہ تک دنیا کی تاریخ ابجد کے حساب سے یعنی حسابِ جمل سے بتلائی گئی ہے۔ غرض قرآن شریف میں ہزارہا معارف وحقائق ہیں اور درحقیقت شمار سے باہر ہیں۔

(نزول المسیح۔ ر۔خ۔ جلد18 صفحہ 422)

ایک دن خدا کے نزدیک تمہارے ہزار سال کے برابر ہے پس جبکہ خدا تعالیٰ کی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دن سات ہیں پس اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ انسانی نسل کی عمر سات ہزار سال ہے **جیسا کہ خدا نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ سورۃ والعصر کے عدد جس قدر حساب جمل کی رو سے معلوم ہوتے ہیں اسی قدر زمانہ نسل انسانی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک بحساب قمری گذر چکا تھا** کیونکہ خدا نے حساب قمری رکھا ہے اور اس حساب سے ہماری اس وقت تک نسل انسانی کی عمر چھ ہزار برس تک ختم ہو چکی ہے اور اب ہم ساتویں ہزار میں ہیں اور یہ ضرور تھا کہ مثیلِ آدم جس کو دوسرے لفظوں میں مسیح موعود کہتے ہیں چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہو جو جمعہ کے دن کے قائم مقام ہے جس میں آدم پیدا ہوا اور ایسا ہی خدا نے مجھے پیدا کیا پس اس کے مطابق چھٹے ہزار میں میری پیدائش ہوئی اور یہ عجیب اتفاق ہوا کہ میں معمولی دنوں کی رو سے بھی جمعہ کے دن پیدا ہوا تھا۔ (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد22 صفحہ 458`457)

و انزلنا من السماء ماء بقدر فاسکنه فی الارض و اناعلی ذهاب به لقدرون۔(المومنون:19)

یہ وہ زمانہ ہے جو اس عاجز پر کشفی طور پر ظاہر ہوا جو کمال طغیان اس کا اس سنِ ہجری میں شروع ہوگا جو آیت وَ اِنَّا عَلٰی ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ میں بحساب جمل مخفی ہے یعنی ۱۲۷۴ھ۔(ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد3 صفحہ 455)

مسیح ابن مریم کی آخری زمانہ میں آنے کی قرآن شریف میں پیشگوئی موجود ہے۔ قرآن شریف نے جو مسیح کے نکلنے کی چودہ سو برس تک مدت ٹھہرائی ہے۔ بہت سے اولیاء بھی اپنے مکاشفات کی رُو سے اس مدت کو مانتے ہیں اور آیت وَ اِنَّا عَلٰی ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ جس کے بحساب جمل ۱۲۷۴ عدد ہیں۔ **اسلامی چاند کی سلخ کی راتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے جس میں نئے چاند کے نکلنے کی اشارت چھپی ہوئی ہے جو غلام احمد قادیانی کے عددوں میں بحساب جمل پائی جاتی ہے۔** (ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد3 صفحہ 464)

تقابل بیان کے اعتبار سے

فَفَكِّرُوْا فِیْ اُمِّ الْكِتٰبِ حَقَّ الْفِكْرِ لِمَ حَزَّرَكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنُوْا الْمَغْضُوْبَ عَلَيْهِمْ مَا لَكُمْ لَاتُفَكِّرُوْنَ۔ فَاعْلَمُوْآ اَنَّ السِّرَّ فِيْهِ اَنَّ اللّٰهَ كَانَ يَعْلَمُ اَنَّه‘ سَوْفَ يَبْعَثُ فِيْكُمُ الْمَسِيْحُ الثَّانِیْ كَاَنَّهٗ هُوَ وَ كَانَ يَعْلَمُ اَنَّ حِزْبًا مِّنْكُمْ يُكَفِّرُوْنَهٗ وَ يُكَزِّبُوْنَهٗ وَ يُحَقِّرُوْنَهٗ وَ يَشْتُمُوْنَهٗ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّقْتُلُوْهُ وَ يَلْعَنُوْنَهٗ فَعَلَّمَكُمْ هٰذَا الدُّعَآءَ رُحْمًا عَلَيْكُمْ وَ اِشَارَةً اِلٰی نَبَاءٍ قَدَّرَهٗ فَقَدْ جَآءَ كُمْ مَّسِيْحُكُمْ فَاِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا فَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ وَ ثَبَتَ مِنْ هٰذَا الْمَقَامِ اَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ عِنْدَ اللّٰهِ الْعَلَّامِ هُمُ الْيَهُوْدُ الَّذِيْنَ فَرَّطُوْا فِیْ اَمْرِ عِيْسٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ الرَّحْمَانِ وَ كَفَّرُوْهُ وَ اٰذَوْهُ وَ لُعِنُوْا عَلٰی لِسَانِهٖ فِی الْقُرْاٰنِ وَ كَذَالِكَ مَنْ شَابَهَهُمْ مِّنْكُمْ بِتَكْفِيْرِ مَسِيْحِ اٰخِرِالزَّمَانِ وَ تَكْذِيْبِهٖ وَ اِيْذَآءِهٖ بِاللِّسَانِ وَالتَّمَنِّیْ لِقَتْلِهٖ وَ لَوْ بِالْبُهْتَانِ كَمَا اَنْتُمْ تَفْعَلُوْنَ وَ الْمُرَادُ مِنْ قَوْلِهِ الضَّآلِّيْنَ النَّصَارٰی الَّذِيْنَ اَفْرَطُوْا فِیْ اَمْرِ عِيْسٰی وَ اَطْرَءُوْهُ وَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ وَ هُوَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ يَعْنِی الثَّالِثَ الَّذِیْ يُوْجَدُ فِيْهِ الثَّلٰثَةُ كَمَا هُمْ يَعْتَقِدُوْنَ۔ وَالْمُرَادُ مِنْ قَوْلِهٖ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ هُمُ النَّبِيُّوْنَ وَ الْاَخْيَارُ الْاٰخَرُوْنَ مِنْ بَنِیْ اِسْرَآئِيْلَ الَّذِیْ صَدَّقُوا الْمَسِيْحَ وَ مَافَرَّطُوْا فِیْ اَمْرِهٖ وَ مَا اَفْرَطُوْا بِاَقَاوِيْلَ۔ وَكَذَالِكَ الْمُرَادُ عِيْسَی الْمَسِيْحُ الَّذِیْ خُتِمَتْ عَلَيْهِ تِلْكَ السِّلْسِلَةُ وَ انْتَقَلَتِ النُّبُوَّةُ وَ سُدَّ بِهٖ مَجْرَی الْفَيْضِ كَاَنَّهُ الْعَرِمَةُ وَ كَاَنَّهٗ لِهٰذَا الْاِنْتِقَالِ الْعَلَمُ وَ الْعَلَامَةُ اَوِالْحَشْرُ وَ الْقِيَامَةُ كَمَا اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ وَ كَذَالِكَ الْمُرَادُ مِنْ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ فِیْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ هُوَ سِلْسِلَةُ اَبْدَالِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الَّذِيْنَ صَدَّقُوْا مَسِيْحَ اٰخِرِالزَّمَانِ وَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ قَبِلُوْهُ بِصِدْقِ الطَّوِيَّةِ وَ الْجَنَانِ اَعْنِی الْمَسِيْحَ الَّذِیْ خُتِمَتْ عَلَيْهِ هٰذِهِ السِّلْسِلَةُ وَ هُوَ الْمَقْصُوْدُ الْاَعْظَمُ مِنْ قَوْلِهٖ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ كَمَا تَقْتَضِی الْمُقَابَلَةُ۔ وَلَايُنْكِرُهُ الْمُتَدَبَّرُوْنَ۔ فَاِنَّهٗ اِذَا عُلِمَ بِالْقَطْعِ وَ الْيَقِيْنِ وَ التَّصْرِيْحِ وَ التَّعْيِيْنِ اَنَّ الْمَغْضُوْبَ عَلَيْهِمْ هُمُ الْيَهُوْدُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَسِيْحَ وَ حَسِبُوْهُ مِنَ الْمَلْعُوْنِيْنَ كَمَا يَدُلُّ عَلَيْهِ قَرِيْنَةُ قَوْلِهِ الضَّآلِّيْنَ فَلَا يَسْتَقِيْمُ التَّرْتِيْبُ وَ لَايَحْسُنُ نِظَامُ كَلَامِ الرَّحْمٰنِ اِلَّا بِاَنْ يُّعْنٰی مِنْ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مَسِيْحُ اٰخِرِ الزَّمَانِ فَاِنَّ رِعَايَةَ الْمُقَابَلَةِ مِنْ سُنَنِ الْقُرْاٰنِ وَ مِنْ اَهَمِّ اُمُوْرِ الْبَلَاغَةِ وَ حُسْنِ الْبَيَانِ وَ لَايُنْكِرُهٗ اِلَّاالْجَاهِلُوْنَ فَظَهَرَ مِنْ هٰذَا الْمَقَامِ ۔

چاہئے کہ ام الکتاب میں خوب غور کرو کہ کیوں تم کو خدا نے اس سے ڈرایا کہ تم مغضوب علیہم ہو جاؤ۔ جان لو کہ اس میں یہ راز تھا کہ خدا جانتا تھا کہ مسیح ثانی تم میں پیدا ہوگا اور گویا وہ وہی ہوگا اور خدا جانتا تھا کہ ایک گروہ تم میں سے اس کو کافر اور جھوٹا کہے گا اسے گالیاں دیں گے اور حقیر جانیں گے اور اس کے قتل کا ارادہ کریں گے اور اس پر لعنت کریں گے۔ پس اس نے رحم کر کے اور اس خبر کی طرف جو مقدر تھی اشارہ کے لئے یہ دعا تم کو سکھائی۔ پس تمہارا مسیح

تمہارے پاس آ گیا اب اگر تم ظلم سے باز نہ آئے تو ضرور پکڑے جاؤ گے اور اس مقام سے ثابت ہوا کہ خدا کے نزدیک مغضوب علیہم سے وہ یہودی مراد ہیں جنہوں نے عیسیٰ کے معاملہ میں ناانصافی کی اور اسکو کافر کہا اور اس کو ستایا اور قرآن میں اس کی زبان پر لعنت کیے گئے۔ **اور اسی طرح تم میں سے وہ جو مسیح آخرالزمان کی تکفیر اور زبان سے اس کی تکذیب اور ایذا اور اسکے قتل کی آرزو کی وجہ سے ان یہودیوں سے مشابہہ ہو گئے۔** اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں حد سے گذر گئے اور کہا کہ مسیح ہی خدا ہے اور وہ تین میں سے ایک ہے ایسا کہ دونوں اس کے وجود میں موجود ہیں اور انعمت علیہم سے وہ انبیا اور بنی اسرائیل کے آخری برگزیدے مراد ہیں جنہوں نے مسیح کی تصدیق کی اور اس کے بارے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور باتوں سے اس مسیح کے حق میں زیادتی نہیں کی اور اسی طرح مراد لفظ انعمت علیہم سے عیسیٰ مسیح ہے جس پر وہ سلسلہ ختم ہوا اور اس کے وجود سے فیض کا چشمہ بند ہو گیا گویا کہ اسکا وجود اس انتقال کے لئے ایک نشانی یا حشر اور قیامت تھا **اور اسی طرح انعمت علیہم سے مراد اس امت کے ابدالوں کا سلسلہ مراد ہے جنہوں نے مسیح آخرالزمان کی تصدیق کی اور صدق دل سے اس کو قبول کیا یعنی اس مسیح کو جس پر یہ سلسلہ ختم ہوا اور انعمت علیہم سے وہی مقصود اعظم ہے کیونکہ مقابلہ اسی کا مقتضی ہے اور تدبر کرنے والے اسکا انکار نہیں کر سکتے** (اور پھر جب اس بات کا قطعی، یقینی، صراحت اور تعیین کے ساتھ علم ہو گیا کہ) مغضوب علیہم وہی یہودی ہیں جنہوں نے مسیح کو کافر کہا اور اس کو ملعون جانا جیسا کہ الضالین کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے اس لئے ترتیب ٹھیک نہیں بیٹھتی اور قرآن کے کلام کا نظام درست نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ انعمت علیہم سے آخر زمانہ کا مسیح مراد لیا جائے **کیونکہ قرآن شریف کی عادت ہے کہ مقابلہ کی رعایت رکھتا ہے اور مقابلہ کی رعایت رکھنا اعلیٰ درجہ کی بلاغت اور حسن بیان میں داخل ہے اور جاہل کے سوا کوئی اس معنے سے انکار نہیں کرتا۔** (خطبہ الہامیہ۔ ر۔خ جلد 16 صفحہ 190 تا 197)

اِنَّ لَفْظَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ قَدْ حَذٰى لَفْظَ الضَّآلِّيْنَ اَعْنِيْ وَقَعَ ذَالِکَ بِحذَآءِ هٰذَا كَمَا لَايَخْفٰى عَلَى الْمُبْصِرِيْنَ فَثَبَتَ بِالْقَطْعِ وَ الْيَقِيْنِ اَنَّ مَغْضُوْبَ عَلَيْهِمْ هُمُ الَّذِيْنَ فَرَّطُوْا فِيْ اَمْرِ عِيْسٰى بِالتَّكْفِيْرِ وَالْاِيْذَآءِ وَالتَّوْهِيْنِ كَمَا اَنَّ الضَّآلِّيْنَ هُمُ الَّذِيْنَ اَفْرَطُوْا فِيْ اَمْرِهٖ بِاتِّخَاذِهٖ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ۔

(خطبة الهامية۔ر۔خ جلد 16 صفحه 192`193حاشيه)

ترجمہ:- لفظ مغضوب علیہم ضالین کے لفظ کے مقابل میں ہے۔ یعنی وہ لفظ اس لفظ کے مقابل پڑا ہے جیسا کہ دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں پس قطع اور یقین سے ثابت ہو گیا کہ مغضوب علیہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں تفریط کی اور کافر قرار دیا اور دکھ دیا اور اہانت کی اور ضالین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں افراط کیا اور ان کو خدا قرار دیدیا۔

قرآن کریم کے بیان میں ایک ترتیب ہے

یعنی کیا باعتبار فصاحت و بلاغت کیا باعتبار ترتیب مضامین کیا باعتبار تعلیم' کیا باعتبار کمالات تعلیم' کیا باعتبار ثمرات تعلیم۔ غرض جس پہلو سے دیکھو اسی پہلو سے قرآن شریف کا کمال نظر آتا ہے اور اس کا اعجاز ثابت ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے کسی خاص امر کی نظیر نہیں مانگی' بلکہ عام طور پر نظیر طلب کی ہے۔ یعنی جس پہلو سے چاہو مقابلہ کرو۔ خواہ بلحاظ فصاحت و بلاغت' خواہ بلحاظ مطالب و مقاصد' خواہ بلحاظ تعلیم' خواہ بلحاظ پیشگوئیوں اور غیب کے جو قرآن شریف میں موجود ہیں۔ غرض کسی رنگ میں دیکھو' یہ معجزہ ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 27-26)

پھر دیکھو کہ تقویٰ ایسی اعلیٰ درجہ کی ضروری شے قرار دیا گیا ہے کہ **قرآن کریم کی علت غائی اسی کو ٹھہرایا ہے** چنانچہ دوسری سورۃ کو جب شروع کیا ہے۔ تو یوں ہی فرمایا ہے: الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (البقرہ 3-2) **میرا مذہب یہی ہے کہ قرآن کریم کی یہ ترتیب بڑا مرتبہ رکھتی ہے** خدا تعالیٰ نے اس میں علل اربعہ کا ذکر فرمایا ہے۔ علت فاعلی' مادی' صوری' غائی۔ ہر ایک چیز کے ساتھ یہ چار ہی علل ہوتی ہیں۔ قرآن کریم نہایت اکمل طور پر ان کو دکھاتا ہے۔ الٓمّٓ اس میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بہت جاننے والا ہے۔ اس کلام کو حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے۔ یعنی خدا اس کا فاعل ہے۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ یہ مادہ بتایا۔ یا یہ کہو کہ یہ علت مادی ہے۔ علت صوری لَا رَیْبَ فِیْهِ ہر ایک چیز میں شک وشبہ اور ظنون فاسدہ پیدا ہوسکتے ہیں۔ مگر قرآن کریم ایسی کتاب ہے کہ اس میں کوئی ریب نہیں ہے۔ لاریب اسی کے لیے ہے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی شان یہ بتائی ہے کہ لَا رَیْبَ فِیْهِ۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 282)

وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ (النور: 27) خدا کے کلام کو اس طرح پر بے نقط سمجھنا چاہیئے کہ وہ لغو اور جھوٹ اور بیہودہ گوئی کے نقطوں سے منزہ اور معرا ہے اور اس کی فصاحت بلاغت وہ بے بہا جوہر ہے جس سے دنیا کو فائدہ پہنچتا ہے۔ روحانی بیماریوں سے شفا حاصل ہوتی ہے۔ حقائق اور دقائق کا جاننا حق کے طالبوں پر آسان ہوتا ہے۔ **کیونکہ خدا کا فصیح کلام معارف حقہ کو کمال ایجاز سے' کمال ترتیب سے' کمال صفائی اور خوش بیانی سے لکھتا ہے اور وہ طریق اختیار کرتا ہے جس سے دلوں پر اعلیٰ درجہ کا اثر پڑے اور تھوڑی عبارت میں وہ علوم الٰہیہ سما جائیں جن پر دنیا کی ابتدا سے کسی کتاب یا دفتر نے احاطہ نہیں کیا**۔ یہی حقیقی فصاحت بلاغت ہے جو تکمیل نفس انسانی کے لئے ممد ومعاون ہے جس کے ذریعہ سے حق کے طالب کمال مطلوب تک پہنچتے ہیں۔ اور یہی وہ صفت ربانی ہے جس کا انجام پذیر ہونا بجز الٰہی طاقت اور اس کے علم وسیع کے ممکن نہیں۔ خدائے تعالیٰ اپنے کلام کے ایک ایک فقرہ کی سچائی کا ذمہ دار ہے اور جو کچھ اسکی تقریر میں واقعہ ہے۔ خواہ وہ اخبار اور آثار گذشتہ ہیں خواہ وہ آئندہ کی خبریں اور پیشگوئیاں ہیں اور خواہ وہ علمی اور دینی صداقتیں ہیں۔ وہ تمام کذب اور ہزل اور بیہودہ گوئی کے داغ سے منزہ ہیں۔

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 466-463 حاشیہ در حاشیہ نمبر 3)

قرآن کریم میں اول سے آخر تک ظاہری ترتیب کا لحاظ رکھا ہے

لیکن اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ اس بات پر دلیل کیا ہے کہ قرآن شریف میں اول سے آخر تک ظاہری ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ بجز دو چار مقام کے جو بطور شاذ و نادر ہیں۔ تو یہ ایک سوال ہے کہ خود قرآن شریف پر ایک نظر ڈال کر حل ہو سکتا ہے۔ یعنے اسپر یہ دلیل کافی ہے کہ اگر تمام قرآن اول سے آخر تک پڑھ جاؤ تو بجز چند مقامات کے جو بطور شاذ و نادر کے ہیں۔ باقی تمام قرآنی مقامات کو ظاہری ترتیب کی ایک زرّین زنجیر میں منسلک پاؤ گے۔ اور جس طرح اس حکیم کے افعال میں ترتیب مشہود ہو رہی ہے یہی ترتیب اس کے اقوال میں دیکھو گے۔ اور یہ اس بات پر کہ قرآن ظاہری ترتیب کو ملحوظ رکھتا ہے۔ ایسی پختہ اور بدیہی اور نہایت قوی دلیل ہے کہ اس دلیل کو سمجھ کر اور دیکھ کر بھی پھر مخالفت سے زبان کو بند نہ رکھنا صریح بے ایمانی اور بددیانتی ہے۔ اگر ہم اس دلیل کو مبسوط طور پر اسجگہ لکھیں تو گویا تمام قرآن شریف کو اس جگہ درج کرنا ہوگا اور اس مختصر رسالہ میں یہ گنجائش نہیں۔ یہ تو ہم قبول کرتے ہیں شاذ و نادر کے طور پر قرآن شریف میں ایک دو مقام ایسے بھی ہیں۔ کہ جن میں مثلاً عیسیٰ پہلے آیا اور موسیٰ بعد میں آیا۔ یا کوئی اور نبی متاخر جو پیچھے آنے والا تھا اس کا نام پہلے بیان کیا گیا۔ اور جو پہلا تھا' وہ پیچھے بیان کیا گیا۔ لیکن یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ یہ چند مقامات بھی خالی از ترتیب ہیں۔ بلکہ ان میں بھی ایک معنوی ترتیب ہے' جو بیان کرنے کے سلسلہ میں بعض مصالح کی وجہ سے پیش آ گئی ہے۔ لیکن اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ قرآن کریم ظاہری ترتیب کا اشد التزام رکھتا ہے اور ایک بڑا حصہ قرآنی فصاحت اسی سے متعلق ہے۔ (تریاق القلوب۔ ر۔خ۔ جلد 15 صفحہ 456 حاشیہ)

قرآن کریم کے بیان میں ترتیب کی اہمیت

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہم الٰہی کلام کی کسی آیت میں تغییر اور تبدیل اور تقدیم اور تاخیر اور فقرات تراشی کے مجاز نہیں ہیں مگر صرف اس صورت میں کہ جب خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہو اور یہ ثابت ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ بذات خود ایسی تغییر اور تبدیل کی ہے اور جبتک ایسا ثابت نہ ہو تو **ہم قرآن کی ترصیع اور ترتیب کو زیر و زبر نہیں کر سکتے اور نہ اس میں اپنی طرف سے بعض فقرات ملا سکتے ہیں۔ اور اگر ایسا کریں تو عنداللہ مجرم اور قابل مؤاخذہ ہیں۔** (اتمام الحجۃ۔ ر۔خ۔ جلد 8 صفحہ 291)

قرآن شریف کی ظاہری ترتیب پر جو شخص دلی یقین رکھتا ہے اس پر صدہا معارف کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور صدہا باریک در باریک نکات تک پہونچنے کے لئے یہ ترتیب اسکو رہنما ہو جاتی ہے اور قرآن دانی کی ایک کنجی اسکے ہاتھ میں آجاتی ہے گویا ترتیب ظاہری کے نشانوں سے قرآن خود اسے بتلاتا جاتا ہے کہ دیکھو میرے اندر یہ خزانے ہیں لیکن جو شخص قرآن کی ظاہری ترتیب سے منکر ہے وہ بلاشبہ قرآن کے باطنی معارف سے بھی بے نصیب ہے۔ منہ

دیکھو خدا تعالیٰ کے نظام شمسی میں کیسی ترتیب پائی جاتی ہے اور خود انسان کی جسمانی ہیکل کیسی ابلغ اور احسن ترتیب پر مشتمل ہے پھر کس قدر بے ادبی ہوگی اگر اس احسن الخالقین کے کلمات پُرحکمت کو پراگندہ اور غیر منتظم اور بے ترتیب خیال کیا جائے۔ منہ (تریاق القلوب۔ ر۔خ۔ جلد 15 صفحہ 457-456 حاشیہ)

قرآن کریم کی ترتیب الفاظ معجزانہ ہے

محمد حسین بٹالوی اور قرآن کریم کی بے ادبی

''یہ ظاہری تک بندی تو مسیلمہ نے بھی کر لی تھی اس میں قرآن شریف کی خصوصیت کیا ہے۔'' یہ ایک کلمہ ہے جو کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اوّل المکفرین کی قلم سے قرآن کریم کی شان میں نکلا ہے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

اس سے بڑھ کر کیا بے ادبی ہوگی کہ قرآن شریف کی آیات کو جو کہ ہر ایک پہلو اور ہر ایک رنگ کیا بلحاظ ظاہر اور کیا بلحاظ باطن کے معجزہ ہے۔ تک بندی کہا جاتا ہے۔ **جیسے قرآن شریف کا باطن معجزہ ہے ویسے ہی اس کے ظاہر الفاظ اور ترتیب بھی معجزانہ ہے۔** اگر ہم اس کے ظاہر کو معجزہ نہ مانیں تو پھر باطن کے معجزہ ہونے کی دلیل کیا ہو گی؟ ایک انسان کا اگر ظاہر بھی گندہ ناپاک اور خبیث ہوگا تو اس کی روحانی حالت کیسے اچھی ہوسکتی ہے؟ عوام الناس اور موٹی نظر والوں کے واسطے تو ظاہری خوبی ہی معجزہ ہوسکتی ہے اور چونکہ قرآن ہر ایک قسم کے طبقہ کے لوگوں کے واسطے ہے اس لیے ہر ایک رنگ میں یہ معجزہ ہے۔ مامور من اللہ کی عداوت کا نتیجہ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 301)

الغرض قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس میں ہر ایک قسم کے معارف اور اسرار موجود ہیں لیکن ان کے حاصل کرنے کے لیے میں پھر کہتا ہوں کہ اسی قوت قدسیہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ** (الواقعة:80)۔

ایسا ہی فصاحت، بلاغت میں (اس کا مقابلہ ناممکن ہے) مثلاً سورۃ فاتحہ کی موجودہ ترتیب چھوڑ کر کوئی اور ترتیب استعمال کرو، تو وہ مطالب عالیہ اور مقاصد عظمیٰ جو اس ترتیب میں موجود ہیں۔ ممکن نہیں کہ کسی دوسری ترتیب میں بیان ہوسکیں۔ کوئی سی سورۃ لے لو۔ خواہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ہی کیوں نہ ہو۔ جس قدر رنرمی اور ملاطفت کی رعایت کو ملحوظ رکھ کر اس میں معارف اور حقائق ہیں، وہ کوئی دوسرا بیان نہ کر سکے گا۔ یہ بھی فقط اعجاز قرآن ہی ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے۔ جب بعض نادان مقامات حریری یا سبع معلقہ کو بے نظیر اور بے مثل کہتے ہیں اور اس طرح پر قرآن کریم کی بے مانندیت پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ اوّل تو حریری کے مصنف نے کہیں اس کے بے نظیر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور دوم یہ کہ مصنف حریری خود قرآن کریم کی اعجازی فصاحت کا قائل تھا۔ علاوہ ازیں معترضین راستی اور صداقت کو ذہن میں نہیں رکھتے بلکہ ان کو چھوڑ کر محض الفاظ کی طرف جاتے ہیں مندرجہ بالا کتابیں حق اور حکمت سے خالی ہیں۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 53-52)

ترتیب مضامین قرآن واقعات خارجیہ کے مطابق ہے

اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ وَ مُطَھِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاَحْکُمُ بَیْنَکُمْ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ (اٰل عمران:56)

کیونکہ اس آیت کریمہ میں لفّ نشر مرتب ہے۔ پہلے وفات کا وعدہ ہے پھر رفع کا پھر تطہیر کا اور پھر یہ کہ خدا تعالیٰ ان کے متبعین کو ہر ایک پہلو سے غلبہ بخش کر مخالفوں کو قیامت تک ذلیل کرتا رہیگا۔ **اگر اس ترتیب کا لحاظ نہ رکھا جائے تو اس میں بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ ترتیب جو واقعات خارجیہ نے ثابت کر دی ہے ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ اور کسی کا اختیار نہیں ہے کہ قرآنی ترتیب کو بغیر کسی قوی دستاویز کے اٹھادے۔** کیونکہ ایسا کرنا گویا یہودیوں کے قدم پر قدم رکھنا ہے۔ یہ تو سچ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ حرف واؤ کے ساتھ ہمیشہ ترتیب کا لحاظ واجب ہو۔ **لیکن اس میں کیا شک ہے کہ خدا تعالیٰ اس آیت میں فقرہ متوفّیک کو پہلے لایا ہے اور پھر فقرہ رافعک کو بعد اس کے۔ اور پھر اس کے بعد فقرہ مطھرک بیان کیا گیا ہے۔ اور بہرحال ان الفاظ میں ایک ترتیب ہے جس کو خدائے علیم وحکیم نے اپنی ابلغ وافصح کلام میں اختیار کیا ہے۔ اور ہمارا اختیار نہیں ہے کہ ہم بلاوجہ اس ترتیب کو اٹھادیں۔** اور اگر قرآن شریف کے اور مقامات یعنے بعض اور آیات میں مفسرین نے ترتیب موجودہ قرآن شریف کے برخلاف بیان کیا ہے تو یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ انہوں نے خود ایسا کیا ہے یا وہ ایسا کرنے کے مجاز تھے بلکہ بعض نصوص حدیثیہ نے اسی طرح ان کی شرح کی تھی یا قرآن شریف کے دوسرے مواضع کے قرائن واضحہ نے اس بات کے ماننے کے لئے انھیں مجبور کر دیا تھا کہ ظاہری ترتیب نظرانداز کی جائے۔ لیکن پھر بھی خدا تعالےٰ کا ابلغ اور افصح کلام ترتیب سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر اتفاقاً کسی عبارت میں ظاہری ترتیب نہ ہو تو بلحاظ معنے ضرور کوئی ترتیب مخفی ہوتی ہے۔ **مگر بہرحال ظاہری ترتیب مقدم ہوتی ہے۔ اور بغیر وجود کسی نہایت قوی قرینہ کے اس ظاہری ترتیب کو چھوڑ دینا سراسر الحاد اور خیانت اور تحریف ہوتی ہے۔**

(تریاق القلوب۔ ر۔خ۔جلد 15 صفحہ 455-454 حاشیہ)

اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے ترتیب وار اپنے تئیں فاعل ٹھہرا کر چار فعل اپنے یکے بعد دیگرے بیان کیے ہیں جیسا کہ وہ فرماتا ہے کہ اے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کفار کے الزاموں سے پاک کرنے والا ہوں اور تیرے متبعین کو قیامت تک تیرے منکروں پر غلبہ دینے والا ہوں۔ **اور ظاہر ہے کہ یہ ہر چہار فقرے ترتیب طبعی سے بیان کیے گئے ہیں کیونکہ اس میں شک نہیں کہ جو شخص خدائے تعالیٰ کی طرف بلایا جاوے اور اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ کی خبر اس کو پہنچ جائے پہلے اس کا وفات پانا ضروری ہے پھر بموجب آیت کریمہ اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ اور حدیث صحیح کے اُس کا خدائے تعالیٰ کی طرف رفع ہوتا ہے اور وفات کے بعد مومن کی روح کا خدا تعالیٰ کی طرف رفع لازمی ہے جس پر قرآن کریم اور احادیث صحیحہ ناطق ہیں۔**

(ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔جلد 3 صفحہ 606)

قرآن کریم کے بیان کی ترتیب صحیفۂ قدرت کے مطابق ہے

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اس جگہ سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی چار صفتیں بیان فرمائیں۔ یعنے رب العالمین۔ رحمان۔ رحیم۔ مالک یوم الدین۔ اوران ہر چہار صفتوں میں سے رب العالمین کو سب سے مقدم رکھا اور پھر بعد اس کے صفت رحمان کو ذکر کیا۔ پھر صفت رحیم کو بیان فرمایا۔ پھر سب کے اخیر صفت مالک یوم الدین کو لائے۔ پس سمجھنا چاہیئے کہ یہ ترتیب خدائے تعالےٰ نے کیوں اختیار کی۔ **اس میں نکتہ یہ ہے کہ ان صفات اربعہ کی ترتیب طبعی یہی ہے۔ اوراپنی واقعی صورت میں اسی ترتیب سے یہ صفتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔**

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 444 حاشیہ نمبر 11)

یہ فیوض اربعہ ہیں جن کو ہم نے تفصیل وار لکھ دیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ صفت رحمان کو صفت رحیم پر مقدم رکھنا نہایت ضروری اور مقتضائے بلاغت کاملہ ہے کیونکہ صحیفہءقدرت پر جب نظر ڈالی جائے تو پہلے پہل خدائے تعالیٰ کی عام ربوبیت پر نظر پڑتی ہے۔ پھر اسکی رحمانیت پر۔ پھر اسکی رحیمیت پر۔ پھر اسکے مالک یوم الدین ہونے پر اور کمال بلاغت اسی کا نام ہے کہ جو صحیفہءفطرت میں ترتیب ہو۔ وہی ترتیب صحیفہءالہام میں بھی ملحوظ رہے۔ کیونکہ کلام میں ترتیب قدرتی کا منقلب کرنا گویا قانون قدرت کو منقلب کرنا ہے اور نظام طبعی کو الٹا دینا ہے۔ کلام بلیغ کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ نظام کلام کا نظام طبعی کے ایسا مطابق ہو کہ گویا اسی کی عکسی تصویر ہو۔ اور جو امر طبعاً اور وقوعاً مقدم ہو۔ اسکو وضعاً بھی مقدم رکھا جائے۔ سو آیت موصوفہ میں یہ اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے' کہ باوجود کمال فصاحت اور خوش بیانی کے واقعی ترتیب کا نقشہ کھینچ کر دکھلا دیا ہے اور وہی طرز بیان اختیار کی ہے جو کہ ہریک صاحب نظر کو نظام عالم میں بدیہی طور پر نظر آ رہی ہے۔ **کیا یہ نہایت سیدھا راستہ نہیں ہے کہ جس ترتیب سے نعماء الٰہی صحیفۂ فطرت میں واقعہ ہیں۔ اسی ترتیب سے صحیفۂ الہام میں بھی واقعہ ہوں۔**

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 456 حاشیہ نمبر 11)

قرآن کریم کی ترتیب بیان

ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف

یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ کوایک جا جمع کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جیسے یحییٰ علیہ السلام کی پیدایش خوارق طریق سے ہے ویسے ہی مسیح کی بھی ہے پھر یحییٰ علیہ السلام کی پیدایش کا حال بیان کر کے مسیح کی پیدایش کا حال بیان کیا ہے۔ **یہ ترتیب قرآنی بھی بتلاتی ہے کہ ادنیٰ حالت سے اعلیٰ حالت کی طرف ترقی کی ہے**۔یعنی جس قدر معجزنمائی کی قوت یحییٰ کی پیدایش میں ہے اس سے بڑھ کر مسیح کی پیدایش میں ہے۔اگر اس میں کوئی معجزانہ بات نہ تھی تو یحییٰ کی پیدایش کا ذکر کر کے کیوں ساتھ ہی مریم کا ذکر چھیڑ دیا اس سے کیا فائدہ تھا یہ اسی لیے کیا کہ تاویل کی گنجایش نہ رہے ان دونوں بیانوں کا ایک جا ذکر ہونا اعجازی امر کو ثابت کرتے ہیں۔**اگر یہ نہیں ہے تو گویا قرآن تنزل پر آتا ہے جو کہ اس کی شان کے برخلاف ہے۔**

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 281-280)

وہ (مسیح علیہ السلام) بن باپ ہوئے اس کا زبردست ثبوت یہ ہے۔کہ یحییٰ اور عیسیٰ کا قصہ ایک ہی جگہ بیان کیا ہے۔پہلے یحییٰ کا ذکر کیا۔جو بانجھ سے پیدا ہوئے۔دوسرا قصہ مسیح کا اس کے بعد بیان فرمایا۔جو اس سے ترقی پر ہونا چاہیے تھا۔اور وہ یہی ہے۔کہ وہ بن باپ ہوئے۔اور یہی امر خارق عادت ہے اگر بانجھ سے پیدا ہونے (والے) یحییٰ کے بعد باپ سے پیدا ہونے والے کا ذکر ہوتا۔تو اس میں خارق عادت کی کیا بات ہوئی۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 571-570)

اللہ جلہ شانہٗ نے آیہ کریمہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ کو مقدم رکھا تا اس بات کی طرف اشارہ کرے کہ جو کچھ عملی اور علمی طور پر ہم کو پہلے توفیق دی گئی ہے چاہئیے کہ ہم اس کو بجالاویں اور پھر جو ہمارے علم اور طاقت سے باہر ہو اس میں خدا تعالیٰ سے امداد چاہیں۔

(البدر جلد 2 نمبر 36۔25 ستمبر 1903ء صفحہ 382 کالم نمبر 3۔

مکتوبات احمد۔مکتوب بنام ایک شیعہ صاحب کے یہ خط برائے اندراج بدر مکرم سید مدثر شاہ صاحب نے بھیجا)

قرآن کریم کی ترتیب بیان کا لحاظ نہ رکھنا تحریف قرآن ہے

ابھی میں بیان کر چکا ہوں کہ صحابہ کرام اور سلف صالح کی یہی عادت تھی کہ جب کہیں آیت اور حدیث میں تعارض وتخالف پاتے تو حدیث کی تاویل کی طرف مشغول ہوتے ۔مگر اب یہ ایسا زمانہ آیا ہے کہ قرآن کریم سے حدیثیں زیادہ پیاری ہوگئیں ہیں اور حدیثوں کے الفاظ قرآن کریم کے الفاظ کی نسبت زیادہ محفوظ سمجھے گئے ہیں ۔ادنیٰ ادنیٰ بات میں جب کسی حدیث کا قرآن کریں سے تعارض دیکھتے ہیں تو حدیث کی طرف ذرہ شک نہیں گذرتا یہودیوں کی طرح قرآن کریم کا بدلانا شروع کر دیتے ہیں اور کلمات اللہ کو ان کے اصل مواضع سے پھیر کر کہیں کا کہیں لگا دیتے ہیں اور بعضے فقرے اپنی طرف سے بھی ملا دیتے ہیں اور اپنے تئیں **يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِه**(النساء: 47) **کا مصداق بنا کر اس لعنۃ اللہ سے حصہ لے لیتے ہیں جو پہلے اس سے یہودیوں پر انہیں کاموں کی وجہ سے وارد ونازل ہوئی تھی ۔بعض تحریف کی یہ صورت اختیار کرتے ہیں کہ فقرہ متوفیک کو مقدم ہی رکھتے ہیں مگر بعد اس کے انی محبیک کا فقرہ اپنی طرف سے ملا لیتے ہیں** ۔ذرہ خیال نہیں کرتے کہ خدا تعالیٰ نے تحریف کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے اور بخاری نے اپنی صحیح کے آخر میں لکھا ہے کہ اہل کتاب کی تحریف یہی تھی کہ وہ پڑھنے میں کتاب اللہ کے کلمات کو ان کے مواضع سے پھیرتے تھے (اور حق بات یہ ہے کہ وہ دونوں قسم کی تحریف تحریری وتقریری کرتے تھے) مسلمانوں نے ایک قسم میں (جو تقریری تحریف ہے) ان سے مشابہت پیدا کر لی ۔اور اگر وعدہ صادقہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: 10) تصرف تحریری سے مانع نہ ہوتا تو کیا تعجب کہ یہ لوگ رفتہ رفتہ تحریر میں بھی ایسی تحریفیں شروع کر دیتے کہ فقرہ رافعک کو مقدم اور انی متوفیک کو مؤخر لکھ دیتے ۔اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ تم پر ایسی مصیبت کیا آپڑی ہے کہ تم کتاب اللہ کے زیروزبر اور محرف کرنے کی فکر میں لگ گئے تو اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ تا کسی طرح قرآن کریم ان حدیثوں کے مطابق ہو جاوے جن سے بظاہر معارض ومخالف معلوم ہوتا ہے ۔

(ازالہ اوہام ۔ر۔خ۔جلد 3 صفحہ 611)

ترتیب مضامین قرآن
ابتداء اور بطن اور آخر کے اعتبار سے

اول

سورت الفاتحہ میں قرآن کریم کے تمام مضامین مختصراً بیان ہوئے ہیں

اِعْلَمْ اَنَّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ لَهَآ اَسْمَآءٌ كَثِيْرَةٌ فَاَوَّلُهَا فَاتِحَةُ الْكِتَابِ وَ سُمِّيَتْ بِذٰلِكَ لِاَنَّهٗ يُفْتَتَحُ بِهَا فِى الْمُصْحَفِ وَ فِى الصَّلٰوةِ وَ فِىْ مَوَاضِعِ الدُّعَآءِ مِنْ رَّبِّ الْاَرْبَابِ۔ وَ عِنْدِىْ اَنَّهَا سُمِّيَتْ بِهَا لِمَا جَعَلَهَا اللّٰهُ حَكَمًا لِّلْقُرْاٰنِ وَ مُلِئَ فِيْهَا مَاكَانَ فِيْهِ مِنْ اَخْبَارٍ وَّ مَعَارِفَ مِنَ اللّٰهِ الْمَنَّانِ وَ اَنَّهَا جَامِعَةٌ لِّكُلِّ مَا يَحْتَاجُ الْاِنْسَانُ اِلَيْهِ فِىْ مَعْرِفَةِ الْمَبْدَءِ وَالْمَعَادِ كَمِثْلِ الْاِسْتِدْلَالِ عَلٰى وُجُوْدِ الصَّانِعِ وَ ضُرُوْرَةِ النُّبُوَّةِ وَ الْخِلَافَةِ فِى الْعِبَادِ۔ وَ مِنْ اَعْظَمِ الْاَخْبَارِ وَاَكْبَرِهَا اَنَّهَا تُبَشِّرُ بِزَمَانِ الْمَسِيْحِ الْمَوْعُوْدِ۔ وَاَيَّامِ الْمَهْدِىِّ الْمَعْهُوْدِ وَسَنَذْكُرُهٗ فِىْ مَقَامِهٖ بِتَوْفِيْقِ اللّٰهِ الْوَدُوْدِ۔

سورۃ فاتحہ کا پہلا نام فاتحۃ الکتاب اور اس کی وجہ

(ترجمہ از مرتب) جاننا چاہیے کہ سورۃ فاتحہ کے بہت سے نام ہیں جن میں سے پہلا نام فاتحۃ الکتاب ہے اور اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ قرآن مجید اسی سورۃ سے شروع ہوتا ہے۔ نماز میں بھی پہلے یہی سورۃ پڑھی جاتی ہے اور خدا تعالیٰ سے جو رب الارباب ہے دعا کرتے وقت اسی (سورۃ) سے ابتدا کی جاتی ہے۔ اور **میرے نزدیک اس سورۃ کو فاتحہ اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو قرآن کریم کے مضامین کے لیے حکم قرار دیا ہے۔ اور جو اخبار غیبیہ اور حقائق و معارف قرآن مجید میں احسان کرنے والے خدا کی طرف سے بیان کیے گئے ہیں وہ سب اس میں بھر دیئے گئے ہیں** اور جن امور کا انسان کو مبدء و معاد (دنیا اور آخرت) کے سلسلہ میں جاننا ضروری ہے، وہ سب اس میں موجود ہیں۔ **مثلاً وجود باری، ضرورت نبوت اور مومن بندوں میں سلسلہ خلافت کے قیام پر استدلال اور اس سورۃ کی سب سے بڑی اور اہم خبر یہ ہے کہ یہ سورۃ مسیح موعود اور مہدی معہود کے زمانہ کی بشارت دیتی ہے اور اسے ہم خدائے ودود کی دی ہوئی توفیق سے اس کے محل پر بیان کریں گے۔**

(اعجاز المسیح۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 70-71)

سورۃ فاتحہ ایک معجزہ ہے

سورۃ فاتحہ تو ایک معجزہ ہے اس میں امر بھی ہے۔ نہی بھی ہے۔ پیشگوئیاں بھی ہیں۔ قرآن شریف تو ایک بہت بڑا سمندر ہے۔ کوئی بات اگر نکالنی ہو تو چاہیے کہ سورۃ فاتحہ میں بہت غور کرے۔ کیونکہ یہ امّ الکتاب ہے۔ اس کے بطن سے قرآن کریم کے مضامین نکلتے ہیں۔

(الحکم 10 فروری 1901 صفحہ 12۔ تفسیر حضرت اقدس سورۃ الفاتحہ جلد 1 صفحہ 17)

سورۃ الفاتحہ کے مضامین کی تفصیل بطن قرآن میں بیان ہوئی ہے

وَ لَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ۔ (الحجر :88)

ہم نے تجھے اے رسول سات آیتیں سورہ فاتحہ کی عطا کی ہیں جو مجمل طور پر تمام مقاصد قرآنیہ پر مشتمل ہیں اوران کے مقابلہ پر قرآن عظیم بھی عطا فرمایا ہے جو مفصل طور پر مقاصد دینیہ کو ظاہر کرتا ہے اوراسی جہت سے اس سورہ کا نام امّ الکتاب اور سورۃ الجامع ہے۔ امّ الکتاب اس جہت سے کہ جمیع مقاصد قرآنیہ اس سے مستخرج ہوتے ہیں اور سورۃ الجامع اس جہت سے کہ علوم قرآنیہ کے جمیع انواع پر بصورت اجمالی مشتمل ہے۔ اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ جس نے سورۃ فاتحہ کو پڑھا گویا اس نے سارے قرآن کو پڑھ لیا۔

(براہین احمدیہ۔ ر۔ خ۔ جلد1 صفحہ 580 حاشیہ نمبر11)

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اس جگہ سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی چار صفتیں بیان فرمائیں۔ یعنے رب العالمین۔ رحمان۔ رحیم۔ مالک یوم الدین.... یہ چار صداقتیں ہیں جن کا قرآن شریف میں مفصل بیان موجود ہے۔ اور قرآن شریف کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ ان صداقتوں کی تفصیل میں آیات قرآنی ایک دریا کی طرح بہتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔ اور اگر ہم اس جگہ مفصل طور پر ان تمام آیات کو لکھتے۔ تو بہت سے اجزاء کتاب کے اس میں خرچ ہو جاتے۔ سو ہم نے اس نظر سے کہ انشاء اللہ عنقریب براہین قرآنی کے موقعہ پر وہ تمام آیات بہ تفصیل لکھے جائیں گے۔ ان تمہیدی مباحث میں صرف سورۃ فاتحہ کے قل و دل کلمات پر کفایت کی۔

(براہین احمدیہ۔ ر۔ خ۔ جلد1 صفحہ 444 اور 462-461 حاشیہ نمبر11)

یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے عیسائیت کی ضلالت کو دنیا کی سب ضلالتوں سے اوّل درجہ پر شمار کیا ہے اور فرمایا۔ کہ قریب ہے کہ آسمان و زمین پھٹ جائیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں کہ زمین پر یہ ایک بڑا گناہ کیا گیا کہ انسان کا خدا اور خدا کا بیٹا بنایا۔ اور قرآن کے اوّل میں بھی عیسائیوں کا رد اور ان کا ذکر ہے۔ جیسا کہ آیت اِیَّاکَ نَعْبُدُ اور وَلَا الضَّآلِّیْنَ سے سمجھا جاتا ہے اور قرآن کے آخر میں بھی عیسائیوں کا رد ہے۔ جیسا کہ سورۃ قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ اَللهُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ سے سمجھا جاتا ہے۔ اور قرآن کے درمیان میں بھی عیسائی مذہب کے فتنہ کا ذکر ہے جیسا کہ آیت تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ (مریم: 91) سے سمجھا جاتا ہے اور قرآن سے ظاہر ہے کہ جب سے کہ دنیا ہوئی۔ مخلوق پرستی اور دجل کے طریقوں پر ایسا زور کبھی نہیں دیا گیا۔ اسی وجہ سے مباہلہ کیلئے بھی عیسائی ہی بلائے گئے تھے نہ کوئی اور مشرک۔

(کشتی نوح۔ ر۔ خ۔ جلد19 صفحہ 84)

سوم

آخرقرآن میں فاتحہ کے مضامین کو دوبارہ بیان کیا گیا ہے

سورۃ فاتحہ میں تین دعائیں سکھلائی گئی ہیں۔(۱)ایک یہ دعا کہ خدا تعالیٰ اس جماعت میں داخل رکھے جوصحابہ کی جماعت ہے اور پھراس کے بعداس جماعت میں داخل رکھے جومسیح موعود کی جماعت ہے جن کی نسبت قرآن شریف فرماتا ہے وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعة:4) غرض اسلام میں یہی دو جماعتیں منعم علیہم کی جماعتیں ہیں اور انہی کی طرف اشارہ ہے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں کیونکہ تمام قرآن پڑھ کر دیکھو جماعتیں دو ہی ہیں۔ایک صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت۔دوسری وآخرین منہم کی جماعت جوصحابہ کے رنگ میں ہے اوروہ مسیح موعود کی جماعت ہے۔پس جب تم نماز میں یا خارج نماز کے یہ دعا پڑھو کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ تو دل میں یہی ملحوظ رکھو کہ میں صحابہ اورمسیح موعود کی جماعت کی راہ طلب کرتا ہوں۔یہ تو سورۃ فاتحہ کی پہلی دعا ہے۔(۲)دوسری دعا غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ہے جس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسیح موعود کو دکھ دیں گے اوراس دعا کے مقابل پرقرآن شریف کے اخیر میں سورہ تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ ہے۔(۳) تیسری دعا وَلَا الضَّآلِّيْنَ ہے۔اوراس کے مقابل پرقرآن شریف کے اخیر میں سورہ اخلاص ہے یعنی قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ اوراس کے بعد دواورسورتیں جو ہیں یعنی سورۃ الفلق اورسورۃ الناس یہ دونوں سورتیں سورہ تبت اور سورہ اخلاص کے لیے بطور شرح کے ہیں اوران دونوں سورتوں میں اس تاریک زمانہ سے خدا کی پناہ مانگی گئی ہے جب کہ لوگ خدا کے مسیح کو دکھ دیں گے اور جب کہ عیسائیت کی ضلالت تمام دنیا میں پھیلے گی۔پس سورہ فاتحہ میں ان تینوں دعاؤں کی تعلیم بطور براعت الاستہلال ہے یعنی وہ اہم مقصد جوقرآن میں مفصل بیان کیا گیا ہے سورہ فاتحہ میں بطوراجمال اس کا افتتاح کیا ہے اور پھر سورۃ تبت اور سورہ اخلاص اور دوسورہ فلق اور سورہ الناس میں ختم قرآن کے وقت میں انہی دونوں بلاؤں سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے پس افتتاح کتاب اللہ بھی انہی دونوں دعاؤں سے ہوا۔اور پھراختتام کتاب اللہ بھی انہی دونوں دعاؤں پر کیا گیا۔

اور یاد رہے کہ ان دونوں فتنوں کا قران شریف میں مفصل بیان ہے اور سورہ فاتحہ اور آخری سورتوں میں اجمالاً ذکر ہے۔مثلاً سورہ فاتحہ میں دعا ولا الضالین میں صرف دو لفظ میں سمجھایا گیا ہے کہ عیسائیت کے فتنہ سے بچنے کے لیے دعا مانگتے رہو جس سے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی فتنہ عظیم الشان درپیش ہے جس کے لیے یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ نماز کے پنج وقت میں یہ دعا شامل کر دی گئی اور یہاں تک تاکید کی گئی کہ اس کے بغیر نماز ہونہیں سکتی جیسا کہ حدیث لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِالْفَاتِحَةِ سے ظاہر ہوتا ہے۔

(تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ۔جلد17 صفحہ 219-217)

غرض سورت تبت میں غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ کے فتنہ کی طرف اشارہ ہے اور ولا الضالین کے مقابل قرآن شریف کے آخر میں سورہ اخلاص ہے اور اس کے بعد کی دونوں سورتیں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس ان دونوں کی تفسیر ہیں ان دونوں سورتوں میں اس تیرہ و تار زمانہ سے پناہ مانگی گئی ہے جب کہ مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ لگا کر مغضوب علیہم کا فتنہ پیدا ہوگا اور عیسائیت کی ضلالت اور ظلمت دنیا پر محیط ہونے لگے گی۔ پس جیسے سورہ فاتحہ میں جو ابتدائے قرآن ہے ان دونوں بلاؤں سے محفوظ رہنے کی دعا سکھائی گئی ہے اسی طرح قرآن شریف کے آخر میں بھی ان فتنوں سے محفوظ رہنے کی دعا تعلیم کی تا کہ یہ بات ثابت ہوجاوے کہ اول بآخر نسبتے دارد۔ (ترجمہ اوّل کو آخر سے نسبت ہے۔)

جیسے سورت فاتحہ کو الضَّآلِّیْنَ پر ختم کیا تھا ویسے آخری سورت میں خناس کے ذکر پر ختم کیا تا کہ خناس اور ضالین کا تعلق معلوم ہو اور آدم کے وقت میں بھی خناس جس کو عبرانی زبان میں نحاش کہتے ہیں جنگ کے لئے آیا تھا۔ اس وقت بھی مسیح موعود کے زمانہ میں جو آدم کا مثیل بھی ہے ضروری تھا کہ وہی نحاش ایک دوسرے لباس میں آتا اور اسی لئے عیسائیوں اور مسلمانوں نے باتفاق یہ بات تسلیم کی ہے کہ آخری زمانے میں آدم اور شیطان کی ایک عظیم الشان لڑائی ہوگی جس میں شیطان ہلاک کیا جاوے گا۔ اب ان تمام امور کو دیکھ کر ایک خدا ترس آدمی ڈر جاتا ہے۔ کیا یہ میرے اپنے بنائے ہوئے امور ہیں جو خدا نے جمع کر دیئے ہیں۔

کس طرح پر ایک دائرہ کی طرح خدا نے اس سلسلہ کو رکھا ہوا ہے وَ لَا الضَّآلِّیْنَ پر سورت فاتحہ کو جو قرآن کا آغاز ہے ختم کیا اور پھر قرآن شریف کے آخر میں وہ سورتیں رکھیں جن کا تعلق سورت فاتحہ کے انجام سے ہے۔ ادھر مسیح اور آدم کی مماثلت ٹھہرائی اور مجھے مسیح موعود بنایا تو ساتھ ہی آدم بھی میرا نام رکھا۔ یہ باتیں معمولی نہیں ہیں یہ ایک علمی سلسلہ ہے جس کو کوئی رد نہیں کرسکتا کیونکہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اس کی بنیاد رکھی ہے۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 170،169)

چودہویں فصل

مضامین اور موضوعات قرآن حکیم

ا۔اصولی اور مجموعی فرمودات

اِعْلَمْ اَنَّ ھٰذِہِ السُّوْرَةَ لَهَآ اَسْمَآءٌ کَثِیْرَةٌ فَاَوَّلُهَا فَاتِحَةُ الْكِتَابِ وَسُمِّیَتْ بِذَالِکَ لِاَنَّهٗ یُفْتَتَحُ بِهَا فِی الْمُصْحَفِ وَفِی الصَّلٰوةِ وَ فِیْ مَوَاضِعِ الدُّعَآءِ مِنْ رَّبِّ الْاَرْبَابِ۔ وَعِنْدِیْ اَنَّهَا سُمِّیَتْ بِهَالِمَا جَعَلَهَا اللّٰهُ حَکَمًا لِّلْقُرْاٰنِ وَ مُلِئَ فِیْهَا مَاكَانَ فِیْهِ مِنْ اَخْبَارٍ وَّمَعَارِفَ مِنَ اللّٰهِ الْمَنَّانِ وَاَنَّهَا جَامِعَةٌ لِّکُلِّ مَایَحْتَاجُ الْاِنْسَانُ اِلَیْهِ فِیْ مَعْرِفَةِ الْمَبْدَءِ وَالْمَعَادِ کَمِثْلِ الْاِسْتِدْلَالِ عَلٰی وُجُوْدِ الصَّانِعِ وَضُرُوْرَةِ النُّبُوَّةِ وَ الْخِلَافَةِ فِی الْعِبَادِ۔ وَ مِنْ اَعْظَمِ الْاَخْبَارِ وَ اَکْبَرِهَا اَنَّهَا تُبَشِّرُ بِزَمَانِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ ۔ وَاَیَّامِ الْمَهْدِیِّ الْمَعْهُوْدِ۔ وَ سَنَذْکُرُهٗ فِیْ مَقَامِهٖ بِتَوْفِیْقِ اللّٰهِ الْوَدُوْدِ۔

(اعجاز المسیح ۔ر۔خ۔جلد 18 صفحہ 71-70)

(ترجمہ از مرتب) جاننا چاہیے کہ سورۃ فاتحہ کے بہت سے نام ہیں جن میں سے پہلا نام فاتحۃ الکتاب ہے اور اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ قرآن مجید اسی سورۃ سے شروع ہوتا ہے۔نماز میں بھی پہلے یہی سورۃ پڑھی جاتی ہے اور خدا تعالیٰ سے جو رب الارباب ہے دعا کرتے وقت اسی (سورۃ) سے ابتدا کی جاتی ہے۔اور میرے نزدیک اس سورۃ کو فاتحہ اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کو قرآن کریم کے مضامین کے لیے حکم قرار دیا ہے۔اور جو اخبار غیبیہ اور حقائق و معارف قرآن مجید میں احسان کرنے والے خدا کی طرف سے بیان کیے گئے ہیں وہ سب اس میں بھر دیئے گئے ہیں اور جن امور کا انسان کو مبدء و معاد (دنیا اور آخرت) کے سلسلہ میں جاننا ضروری ہے' وہ سب اس میں موجود ہیں۔مثلاً وجود باری' ضرورت نبوت اور مومن بندوں میں سلسلہ خلافت کے قیام پر استدلال اور اس سورۃ کی سب سے بڑی اہم چیز یہ ہے کہ یہ سورۃ مسیح موعود اور مہدی معہود کے زمانہ کی بشارت دیتی ہے۔

وَ مِنْهَا اُمُّ الْقُرْاٰنِ بِمَا جَمَعَتْ مَطَالِبَهٗ كُلَّهَا بِاَحْسَنِ الْبَيَانِ۔ وَ تَاَبَّطَتْ كَصَدَفٍ دُرَرَالْفُرْقَانِ وَ صَارَتْ كَعُشٍّ لِّطَيْرِا لْعِرْفَانِ۔ فَاِنَّ الْقُرْاٰنَ جَمَعَ عُلُوْمًا اَرْبَعَةً فِى الْهِدَايَاتِ۔ عِلْمَ الْمَبْدَءِ وَ عِلْمَ الْمَعَادِ وَ عِلْمَ النُّبُوَّتِ وَ عِلْمَ تَوْحِيْدِ ا لذَّاتِ وَالصِّفَاتِ۔ وَ لَاشَكَّ اَنَّ هٰذِهِ الْاَرْبَعَةَ مَوْجُوْدَةٌ فِى الْفَاتِحَةِ۔ وَ مَوْءُ وْدَةٌ فِىْ صُدُوْرِ اَكْثَرِ عُلَمَآءِ الْاُمَّةِ ۔ يَقْرَءُ وْنَهَا وَ هِىَ لَا تُجَاوِزُ مِنَ الْحَنَاجِرِ۔ لَا يُفَجِّرُوْنَ اَنْهَارَهَا السَّبْعَةَ بَلْ يَعِيْشُوْنَ كَالْفَاجِرِ۔

سورۃ فاتحہ کا ایک نام امّ القرآن

سورۃ فاتحہ کا ایک نام امّ القرآن بھی ہے کیونکہ وہ تمام قرآنی مطالب پر احسن پیرایہ میں حاوی ہے اور اس نے سیپ کی طرح قرآن کریم کے جواہرات اور موتیوں کو اپنے اندر لیا ہوا ہے اور یہ سورۃ علم و عرفان کے پرندوں کے لیے گھونسلوں کی مانند بن گئی ہے۔ **یاد رہے کہ قرآن کریم میں انسانوں کی رہنمائی کے لیے چار مضامین بیان کیئے گئے ہیں۔ ۱۔ علم مبدء۔ ۲۔ علم معاد۔ ۳۔ علم نبوت۔ ۴۔ علم توحید ذات وصفات۔** اور لاریب یہ چاروں علوم سورۃ فاتحہ میں موجود ہیں۔ اور یہ علوم اکثر علمائے امت کے سینوں میں زندہ درگور کی حیثیت رکھتے ہیں' کیونکہ وہ لوگ سورۃ فاتحہ کو پڑھتے تو ہیں لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتی اور وہ اس کی ان سات نہروں کو پوری طرح جاری نہیں کرتے (تا وہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی ان سے فائدہ اٹھائیں) بلکہ وہ فاجر لوگوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔

(اعجاز المسیح۔ ر۔ خ۔ جلد 18 صفحہ 75-74)

موضوعاتِ قرآنیہ

چوتھا لطیفہ یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ مجمل طور پر تمام مقاصدِ قرآن شریف پر مشتمل ہے گویا یہ سورہ مقاصد قرآنیہ کا ایک اعجاز لطیف ہے اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے وَ لَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ (الحجر :88) یعنی ہم نے تجھے اے رسول سات آیتیں سورۃ فاتحہ کی عطا کی ہیں جو مجمل طور پر تمام مقاصد قرآنیہ پر مشتمل ہیں اور ان کے مقابلہ پر قرآن عظیم بھی عطا فرمایا ہے جو مفصل طور پر مقاصد دینیہ کو ظاہر کرتا ہے اور اسی جہت سے اس سورہ کا نام ام الکتاب اور سورۃ الجامع ہے۔ ام الکتاب اس جہت سے کہ جمیع مقاصد قرآنیہ اس سے مستخرج ہوتے ہیں اور سورۃ الجامع اس جہت سے کہ علوم قرآنیہ کے جمیع انواع پر بصورت اجمالی مشتمل ہے اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ جس نے سورۃ فاتحہ کو پڑھا گویا اس نے سارے قرآن کو پڑھ لیا غرض قرآن شریف اور حدیث نبوی سے ثابت ہے کہ سورت فاتحہ ممدوحہ ایک آئینہ قرآن نما ہے۔ اس کی تصریح یہ ہے کہ قرآن شریف کے مقاصد میں سے **ایک یہ ہے کہ وہ تمام محامد کاملہ باری تعالیٰ کو بیان کرتا ہے** اور اس کی ذات کے لیے جو کمال تام حاصل ہے اس کو بوضاحت بیان فرماتا ہے سو یہ مقصد الحمد للہ میں بطور اجمال آ گیا کیونکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ تمام محامد کاملہ اللہ کے لیے ثابت ہیں جو مستجمع جمیع کمالات اور مستحق جمیع عبادات ہے۔ دوسرا مقصد قرآن شریف کا یہ ہے کہ وہ **خدا کا صانع کامل ہونا اور خالق العٰلمین ہونا ظاہر کرتا ہے** اور عالم کے ابتدا کا حال بیان فرماتا ہے اور جو دائرہ عالم میں داخل ہو چکا اس کو مخلوق ٹھہراتا ہے اور ان امور کے جو لوگ مخالف ہیں ان کا کذب ثابت کرتا ہے سو یہ مقصد رب العٰلمین میں بطور اجمال آ گیا۔ **تیسرا مقصد قرآن شریف کا خدا کا فیضان بلا استحقاق ثابت کرنا اور اس کی رحمت عامہ کا بیان کرنا ہے** سو یہ مقصد لفظ رحمان میں بطور اجمال آ گیا۔ **چوتھا مقصد قرآن شریف کا خدا کا وہ فیضان ثابت کرنا ہے جو محنت اور کوشش پر مترتب ہوتا ہے** سو یہ مقصد لفظ رحیم میں آ گیا۔ **پانچواں مقصد قرآن شریف کا عالم معاد کی حقیقت بیان کرنا ہے** سو یہ مقصد مالک یوم الدین میں آ گیا۔ **چھٹا مقصد قرآن شریف کا اخلاص اور عبودیت اور تزکیہ نفس عن غیر اللہ اور علاج امراض روحانی اور اصلاح اخلاق ردیہ اور توحید فی العبادت کا بیان کرنا ہے** سو یہ مقصد اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں بطور اجمال آ گیا۔ **ساتواں مقصد قرآن شریف کا ہر یک کام میں فاعل حقیقی خدا کو ٹھہرانا** اور تمام توفیق اور لطف اور نصرت اور ثبات علی الطاعت اور عصمت عن العصیان اور حصول جمیع اسباب خیر اور صلاحیت دنیا و دین اسی کی طرف سے قرار دینا اور ان تمام امور میں اسی سے مدد چاہنے کے لیے تاکید کرنا سو یہ مقصد اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں بطور اجمال آ گیا۔ **آٹھواں مقصد قرآن شریف کا صراطِ مستقیم کے دقائق کو بیان کرنا ہے اور پھر اس کی طلب کے لیے تاکید کرنا کہ دعا اور تضرع سے اس کو طلب کریں** سو یہ مقصد اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں بطور اجمال کے آ گیا۔ **نواں مقصد قرآن شریف کا ان لوگوں کا طریق و خلق بیان کرنا ہے جن پر خدا کا انعام و فضل ہوا تا طالبین حق کے دل جمعیت پکڑیں** سو یہ مقصد صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ میں آ گیا۔ **دسواں مقصد قرآن شریف کا ان لوگوں کا خلق و طریق بیان کرنا ہے جن پر خدا کا غضب ہوا۔** یا جو راستہ بھول کر انواع اقسام کی بدعتوں میں پڑ گئے تا حق کے طالب ان کی راہوں سے ڈریں سو یہ مقصد غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ میں بطور اجمال آ گیا ہے یہ مقاصد عشرہ ہیں جو قرآن شریف میں مندرج ہیں۔ جو تمام صداقتوں کا اصل الاصول ہیں سو یہ تمام مقاصد سورہ فاتحہ میں بطور اجمال آ گئے۔

(براہین احمدیہ۔ ر۔ خ۔ جلد 1 صفحہ 585-580 حاشیہ نمبر 11)

قرآن کریم کا مرکزی موضوع توحید باری تعالیٰ

کِتَابٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ۔ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ اِنَّنِیْ لَکُمْ مِّنْہُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ۔ (ھود:2-3)

ایک عجیب بات سوال مقدر کے جواب کے طور پر بیان کی گئی ہے۔یعنی اس قدر تفاصیل جو بیان کی جاتی ہیں ان کا خلاصہ اور مغز کیا ہے؟ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ خدا تعالیٰ کے سوا ہرگز ہرگز کسی کی پرستش نہ کرو۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کی علت غائی یہی عبادت ہے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا ہے وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (الذاریات:57) عبادت اصل میں اس کو کہتے ہیں کہ انسان ہر قسم کی قساوت، کجی کو دور کر کے دل کی زمین کو ایسا صاف بنادے جیسے زمیندار زمین کو صاف کرتا ہے۔ عرب کہتے ہیں مَوْرٌ مَّعَبَّدٌ جیسے سرمہ کو باریک کر کے آنکھوں میں ڈالنے کے قابل بنالیتے ہیں اسی طرح جب دل کی زمین میں کوئی کنکر۔ پتھر۔ ناہمواری نہ رہے اور ایسی صاف ہو کہ گویا روح ہی روح ہو اس کا نام عبادت ہے۔ چنانچہ اگر یہ درستی اور صفائی آئینہ کی کی جاوے تو اس میں شکل نظر آجاتی ہے اور اگر زمین کی کی جاوے تو اس میں انواع واقسام کے پھل پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس انسان جو عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اگر دل صاف کرے اور اس میں کسی قسم کی کجی اور ناہمواری کنکر پتھر نہ رہنے دے تو اس میں خدا نظر آئے گا۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 347-346)

قرآن شریف یہ دعویٰ کرتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا۔(النساء:83) یعنی کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے اور اگر وہ خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پایا جاتا۔ اور ظاہر ہے کہ جس زمانہ میں قرآن شریف کی نسبت خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اس میں اختلاف نہیں تو اس زمانہ کے لوگوں کا حق تھا کہ اگر ان کے نزدیک کوئی اختلاف تھا تو وہ پیش کرتے۔ مگر سب ساکت ہو گئے اور کسی نے دم نہ مارا اور اختلاف کیونکر اور کہاں سے ممکن ہے جس حالت میں **تمام احکام ایک ہی مرکز کے گرد گھوم رہے ہیں یعنی علمی اور عملی رنگ میں اور درشتی اور نرمی کے پیرایہ میں خدا کی توحید پر قائم کرنا اور ہوا و ہوس چھوڑ کر خدا کی توحید کی طرف کھینچنا یہی قرآن کا مدعا ہے۔** (چشمہ معرفت۔ ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 198)

وید کی یہ تعلیمیں ہم نے بطور نمونہ کے بیان کی ہیں۔اور ہم لکھ چکے ہیں کہ قرآن شریف کی تعلیمیں اس کے مخالف ہیں۔وہ دنیا میں توحید قائم کرنے آیا ہے۔اس میں توحید کی تعلیم شمشیر برہنہ کی طرح ہے۔اسکو اول سے آخر تک پڑھو۔وہ یہ نہیں سکھاتا کہ خدا کے بغیر کسی چیز کی پرستش کرو۔اور اس سے مرادیں مانگو۔اور اس کی مہما اور استت بیان کرو۔وہ خدا کی کتابوں کو نہ کسی خاص ملک سے محدود کرتا ہے۔اور نہ کسی خاص قوم سے۔وہ بیان کرتا ہے کہ وہ ایک دائرہ کو ختم کرنے آیا ہے۔جس کے متفرق طور پر تمام دنیا میں نقطے موجود تھے۔اب وہ ان تمام نقطوں میں خط کھینچ کر ان سب کو ایک دائرہ کی طرح بناتا ہے۔اور اس طرح پر تمام قوموں کو ایک قوم بنانا چاہتا ہے۔لیکن نہ وقت سے پہلے بلکہ ایسے وقت میں جبکہ خود وقت گواہی دیتا ہے۔کہ اب ضرور یہ تمام قومیں ایک قوم ہو جائیں گی۔ (نسیم دعوت۔ر۔خ۔جلد 19 صفحہ 432-431)

کلمۂ توحید۔قرآن کریم کی تعلیم کا خلاصہ ہے

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰـهَ اِلَّااللّٰہُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ
وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَکُمْ وَمَثْوٰیکُمْ۔(محمّد:20)

کلمہ جو ہم ہر روز پڑھتے ہیں اس کے کیا معنے ہیں؟ کلمہ کے یہ معنے ہیں کہ انسان زبان سے اقرار کرتا ہے اور دل سے تصدیق کہ میرا معبود، محبوب اور مقصود خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں۔الٰہ کا لفظ محبوب اور اصل مقصود اور معبود کیلئے آتا ہے۔یہ کلمہ قرآن شریف کی ساری تعلیم کا خلاصہ ہے جو مسلمانوں کو سکھایا گیا ہے۔چونکہ ایک بڑی اور مبسوط کتاب کا یاد کرنا آسان نہیں اس لئے یہ کلمہ سکھا دیا گیا تا کہ ہر وقت انسان اسلامی تعلیم کے مغز کو مدنظر رکھے اور جب تک یہ حقیقت انسان کے اندر پیدا نہ ہو جاوے سچ یہی ہے کہ نجات نہیں اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّةَ ۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 89)

توحید کے مراتب ہوتے ہیں بغیر ان کے توحید کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔نرا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ ہی کہہ دینا کافی نہیں یہ تو شیطان بھی کہہ دیتا ہے۔جب تک عملی طور پر لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰہُ کی حقیقت انسان کے وجود میں متحقق نہ ہو کچھ نہیں۔یہودیوں میں یہ بات کہاں ہے آپ ہی بتادیں۔

توحید کا ابتدائی مرحلہ اور مقام تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول کے خلاف کوئی امر انسان سے سرزد نہ ہو اور کوئی فعل اللہ تعالیٰ کی محبت کے منافی نہ ہو۔گویا اللہ تعالیٰ کی محبت کے منافی نہ ہو۔گویا اللہ تعالیٰ ہی کی محبت اور اطاعت میں محو اور فنا ہو جاوے اس واسطے اس کے معنے یہ ہیں لَا مَعْبُوْدَ لِیْ وَ لَا مَحْبُوْبَ لِیْ وَ لَا مُطَاعَ لِیْ اِلَّا اللّٰہُ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی میرا معبود ہے اور نہ کوئی محبوب ہے اور نہ کوئی واجب الاطاعت ہے۔(ملفوظات جلد 4 صفحہ 448)

اِنَّھُمْ کَانُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یَسْتَکْبِرُوْنَ۔ (الصّٰٓفّٰت:36)

قرآن کی تعلیم کا اصل مقصد یہی ہے کہ خدا جیسا کہ واحد لاشریک ہے ایسا ہی اپنی محبت کی رو سے اس کو واحد لاشریک ٹھہراؤ جیسا کہ کلمہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ جو ہر وقت مسلمانوں کو ورد زبان رہتا ہے اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ اِلٰــــــہٗ ۔ ولاہ سے مشتق ہے اور اس کے معنے ہیں ایسا محبوب اور معشوق جس کی پرستش کی جائے۔ یہ کلمہ نہ توریت نے سکھلایا اور نہ انجیل نے صرف قرآن نے سکھلایا اور یہ کلمہ اسلام سے ایسا تعلق رکھتا ہے کہ گویا اسلام کا تمغہ ہے۔ یہی کلمہ پانچ وقت مساجد کے مناروں میں بلند آواز سے کہا جاتا ہے جس سے عیسائی اور ہندو سب چڑتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو محبت کے ساتھ یاد کرنا ان کے نزدیک گناہ ہے۔ **یہ اسلام ہی کا خاصہ ہے کہ صبح ہوتے ہی اسلامی مؤذن بلند آواز سے کہتا ہے اَشْھَـدُ اَنْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی ہمارا پیارا اور محبوب اور معبود بجز اللہ کے نہیں۔** پھر دوپہر کے بعد یہی آواز اسلامی مساجد سے آتی ہے۔ پھر عصر کو بھی یہی آواز پھر مغرب کو بھی یہی آواز اور پھر عشاء کو بھی یہی آواز گونجتی ہوئی آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے۔ کیا دنیا میں کسی اور مذہب میں بھی یہ نظارہ دکھائی دیتا ہے؟!! (سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ر۔خ۔ جلد 12 صفحہ 367-366)

وَلِلّٰہِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ فَاعْبُدْہُ وَ تَوَکَّلْ عَلَیْہِ وَ مَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔(ھود:124)

اِلَیْـہِ یُـرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ ہر ایک بات میرے ہی قبضہء اقتدار میں اور میرے ہی امر سے ہوتی ہے یہ ثابت کرنا مقصود نہیں کہ سلسلہ کائنات کا مجبورِ مطلق ہے بلکہ اپنی عظمت اور اپنا علت العلل ہونا اور اپنا مسبب الاسباب ہونا مقصود ہے **کیونکہ تعلیم قرآنی کا اصل موضوع توحید خالص کو دنیا میں پھیلانا اور ہر ایک قسم کے شرک کو جو پھیل رہا تھا مٹانا ہے۔**

(جنگ مقدس یعنی ''اہل اسلام اور عیسائیوں میں مباحثہ''۔ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 240)

محبت الٰہی

روحانیت کے نشو ونما اور زندگی کے لیے صرف ایک ہی ذریعہ خدا تعالیٰ نے رکھا ہے اور وہ اتباع رسول ہے.....قرآن شریف اگر کچھ بتاتا ہے تو یہ کہ خدا سے یوں محبت کرو کہ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ:166) کے مصداق بنو اور فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ پر عمل کرو اور ایسی فناء اتم تم پر آ جاوے کہ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا (المزمل :9) کے رنگ سے تم رنگین ہو جاؤ۔ اور خدا تعالیٰ کو سب چیزوں پر مقدم کر لو۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 558،559)

قرآن شریف کی تعلیم کا خلاصہ مغز کے طور پر یہی بتایا ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت اس قدر استیلاء کرے کہ ماسوی اللہ جل جاوے یہی وہ عمل ہے جس سے گناہ جلتے ہیں اور یہی وہ نسخہ ہے جو اسی عالم میں انسان کو وہ حواس اور بصیرت عطا کرتا ہے جس سے وہ اُس عالم کی برکات اور فیوض کو اِس عالم میں پاتا ہے اور معرفت اور بصیرت کے ساتھ یہاں سے رخصت ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو اس زمرہ سے الگ ہیں۔ مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل :73) اور ایسے ہی لوگوں کے لیے فرمایا ہے۔ وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (الرحمن :47) یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرتے ہیں ان کو دو جنت ملتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک جنت تو وہ ہے جو مرنے کے بعد ملتی ہے۔ دوسری جنت اسی دنیا میں عطا ہوتی ہے اور یہی جنت اس دوسری جنت کے ملنے اور عطا ہونے پر بطور گواہ واقعہ ٹھہر جاتی ہے۔ ایسا مومن دنیا میں بہت سے دوزخوں سے رہائی پاتا ہے۔ مختلف قسم کی بداخلاقیاں یہ بھی دوزخ ہی ہیں۔ جن چیزوں سے شدید تعلق ہو جاتا ہے۔ وہ بھی ایک قسم کا دوزخ ہی ہے۔ کیونکہ پھر ان کو چھوڑنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ مثلاً مال سے محبت ہو اور اسے چور لے جائیں تو اسے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات ایسے لوگ مر ہی جاتے ہیں یا ان کی زبان بند ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پر اور جن فانی اشیاء سے محبت ہے وہ اگر تلف ہو جائیں یا مر جاویں تو اس کو سخت رنج اور صدمہ ہوتا ہے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 397-398)

اور پھر فرمایا قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔ (الشمس:11) مٹی کے برابر ہو گیا وہ شخص جس نے نفس کو آلودہ کر لیا یعنی جو زمین کی طرف جھک گیا۔ **گویا یہ ایک ہی فقرہ قرآن کریم کی ساری تعلیمات کا خلاصہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کس طرح خدا تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔** یہ بالکل سچی اور پکی بات ہے کہ جب تک انسان قویٰ بشریہ کے برے طریق کو نہیں چھوڑتا اس وقت تک خدا نہیں ملتا۔ **دنیا کی گندگیوں سے نکلنا چاہتے ہو اور خدا تعالیٰ کو ملنا چاہتے ہو تو ان لذات کو ترک کرو۔** ورنہ ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں　　این خیال است و محال است و جنوں

(ترجمہ: خدا کو بھی چاہتے ہو اور دنیا کو بھی۔ یہ خیال ہی ہے اور ایک مجنونانہ محال امر ہے۔)

ا؎ حاشیہ بدر سے:۔ جس نے دین کو مقدم کیا وہ خدا کے ساتھ مل گیا۔ نفس کو خاک کے ساتھ ملا دینا چاہیئے **خدا تعالیٰ کو ہر بات میں مقدم کرنا چاہیئے۔** یہی دین کا خلاصہ ہے جتنے برے طریق ہیں ان سب کو ترک کر دینا چاہیئے۔ تب خدا ملتا ہے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 643-642)

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (البلد:18)

مومن وہی ہیں جو ایک دوسرے کو صبر اور مرحمت کی نصیحت کرتے ہیں یعنی یہ کہتے ہیں کہ شدائد پر صبر کرو۔ اور خدا کے بندوں پر شفقت کرو۔ اس جگہ بھی مرحمت سے مراد شفقت ہے کیونکہ مرحمت کا لفظ زبان عرب میں شفقت کے معنوں پر مستعمل ہے۔ **پس قرآنی تعلیم کا اصل مطلب یہ ہے کہ محبت جس کی حقیقت محبوب کے رنگ سے رنگین ہو جانا ہے بجز خدا تعالیٰ اور صلحاء کے اور کسی سے جائز نہیں بلکہ سخت حرام ہے۔**

(نور القرآن۔ ر۔ خ۔ جلد 9 صفحہ 434-433)

قرآن شریف کی تعلیم کا اصل مقصد اور مدعا یہی ہے کہ خدا تعالیٰ جیسا وحدہ لاشریک ہے ایسا ہی محبت کی رو سے بھی اس کو وحدہ لاشریک یقین کیا جاوے اور کل انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا اصل منشاء ہمیشہ یہی رہا ہے۔ چنانچہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ جیسے ایک طرف توحید کی تعلیم دیتا ہے ساتھ ہی توحید کی تکمیل محبت کی ہدایت بھی کرتا ہے اور جیسا کہ میں نے ابھی لکھا ہے یہ ایک ایسا پیارا اور پُر معنی جملہ ہے کہ اس کی مانند ساری توریت اور انجیل میں نہیں اور نہ دنیا کی کسی اور کتاب نے کامل تعلیم دی ہے۔ **اللہ کے معنی ہیں ایسا محبوب اور معشوق جس کی پرستش کی جاوے۔ گویا اسلام کی یہ اصل محبت کے مفہوم کو پورے اور کامل طور پر ادا کرتی ہے۔ یاد رکھو کہ جو توحید بدوں محبت کے ہو وہ ناقص اور ادھوری ہے۔**

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 137)

مذہب اسلام کے اعتبار سے

پس میں نے اس پورے سامان کے بعد ارادہ کیا کہ اول اس خاتمہ میں اسلام کی حقیقت لکھوں کہ اسلام کیا چیز ہے؟ اور بعد میں قرآن شریف کی اعلیٰ اور کامل تعلیم کا اس کی آیات کے حوالہ سے کچھ بیان کروں اور یہ ظاہر کروں کہ درحقیقت تمام آیات قرآنی کے لئے اسلام کا مفہوم بطور مرکز کے ہے اور تمام آیات قرآنی اسی کے گرد گھوم رہی ہیں۔
(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 414-413)

رفع اختلافات کے اعتبار سے

وَ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ (النحل:65)

اور یہ کتاب اس لئے نازل کی گئی کہ تا ان لوگوں کا رفع اختلافات کیا جائے اور جو امر حق ہے وہ کھول کر سنایا جائے۔
(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 115 حاشیہ نمبر 10)

ہم نے اس لئے کتاب کو نازل کیا ہے تا جو اختلافات عقول ناقصہ کے باعث سے پیدا ہو گئے ہیں یا کسی عمداً افراط و تفریط کرنے سے ظہور میں آئے ہیں ان سب کو دور کیا جائے اور ایمانداروں کے لئے سیدھا راستہ بتلایا جاوے۔ اس جگہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو فساد بنی آدم کے مختلف کلاموں سے پھیلا ہے اس کی اصلاح بھی کلام ہی پر موقوف ہے یعنی اس بگاڑ کے درست کرنے کے لئے جو بیہودہ اور غلط کلاموں سے پیدا ہوا ہے ایسے کلام کی ضرورت ہے جو تمام عیوب سے پاک ہو کیونکہ یہ نہایت بدیہی بات ہے کہ کلام کا رہزدہ کلام ہی کے ذریعہ سے راہ پر آسکتا ہے۔ صرف اشارات قانون قدرت تنازعات کلامیہ کا فیصلہ نہیں کر سکتے اور نہ گمراہ کو اس کی گمراہی پر بصفائی تمام ملزم کر سکتے ہیں۔
(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 224 حاشیہ نمبر 11)

هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (الجزو نمبر 2) یعنی قرآن میں تین صفتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ جو علوم دین لوگوں کو معلوم نہیں رہے تھے ان کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔ دوسرے جن علوم میں پہلے کچھ اجمال چلا آتا تھا ان کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ تیسرے جن امور میں اختلاف اور تنازعہ پیدا ہو گیا تھا ان میں قول فیصل بیان کر کے حق اور باطل میں فرق ظاہر کرتا ہے۔

(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 225 حاشیہ نمبر 11)

اقوام کے ذکر کے اعتبار سے

مغضوب قوت سبعی کے نیچے ہے۔ یہود اس قوت کے ماتحت اور مغلوب رہے اور عیسائی قوت واہمہ کے نیچے۔ شرک اسی قوت واہمہ سے پیدا ہوتا ہے۔ قوت سبعی والا تو افراط سے کام لیتا ہے کہ جہاں ڈرنے کا حق ہے وہاں بھی نہیں ڈرتا۔ اور قوت واہمہ کا مغلوب رسی کو سانپ سمجھ کر اس سے بھی ڈر جاتا ہے۔ پس عیسائی تو اس قدر گرے کہ انہوں نے ایک مردہ انسان کو خدا بنا لیا اور یہودی اتنے بڑھے کہ انہوں نے سرے ہی سے انکار کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں تین قوموں کا ذکر کیا ہے اور تین ہی قسم کے لوگ رکھے بھی ہیں۔ اول وہ جو اعتدال سے کام لینے والے ہیں یہ منعم علیہ گروہ ہوتا ہے ان کی راہ صراط مستقیم ہے دوم افراط والی قوم اس کا نام مغضوب ہے سوم تفریط سے کام لینے والے یہ ضالین ہیں۔ مغضوب کا لفظ بتا تا ہے کہ خدا تعالیٰ کسی پر غضب نہیں کرتا۔ بلکہ خود انسان اپنے افعال بد سے اس غضب کو کھینچ لیتا ہے۔

(تفسیر حضرت اقدسؑ جلد اوّل صفحہ 328، 329)

کیونکہ جب تک توحید کی زندہ روح انسان کے دل میں قائم نہ ہو۔ تب تک نجات نہیں ہو سکتی۔ یہودی مردوں کی طرح تھے اور بباعث سخت دلی اور طرح طرح کی نافرمانیوں کے وہ زندہ روح ان میں سے نکل چکی تھی۔ انکو خدا کے ساتھ کچھ بھی میلان باقی نہیں رہا تھا۔ اور انکی توریت بباعث نقصان تعلیم اور نیز بوجہ لفظی اور معنوی تحریفوں کے اس لائق نہیں رہی تھی جو کامل طور پر رہبر ہو سکے۔ اس لئے خدا نے زندہ کلام تازہ بارش کی طرح اتارا۔ اور اس زندہ کلام کی طرف انکو بلایا۔ تا وہ طرح طرح کے دھوکوں اور غلطیوں سے نجات پا کر حقیقی نجات کو حاصل کریں۔ **سو قرآن کے نزول کی ضرورتوں میں سے ایک یہ تھی کہ تا مردہ طبع یہودیوں کو زندہ توحید سکھائے اور دوسرے یہ کہ تا انکی غلطیوں پر انکو متنبہ کرے۔ اور تیسرے یہ کہ تا وہ مسائل کہ جو توریت میں محض اشارہ کی طرح بیان ہوئے تھے جیسا کہ مسئلہ حشر اجساد اور مسئلہ بقاء روح اور مسئلہ بہشت اور دوزخ انکے مفصل حالات سے آگہی بخشے۔**

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ ر۔خ۔ جلد 12 صفحہ 352)

علوم حکمیہ کے اعتبار سے

الٓرٰ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ۔ (یونس:2)

یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں کہ جو جامع علوم حکمیہ ہے۔

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 243 حاشیہ نمبر 11)

قرآن حکیم ہے یعنی حکمت سے بھرا ہوا ہے۔ (کرامات الصادقین۔ ر۔خ۔ جلد 7 صفحہ 52)

اِنَّ فِیْ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ۔ (الانبیاء:107)

اس میں ان لوگوں کے لئے جو پرستار ہیں حقیقی پرستش کی تعلیم ہے۔ (ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 454)

یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ وَ مَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا وَ مَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ (البقرۃ: 270)

قرآن شریف کو خدا تعالیٰ نے خیر کہا ہے چنانچہ فرمایا وَ مَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا پس قرآن شریف معارف اور علوم کے مال کا خزانہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآنی معارف اور علوم کا نام بھی مال رکھا ہے۔ دنیا کی برکتیں بھی اسی کے ساتھ آتی ہیں۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 530)

یعنی جس کو خدا تعالیٰ چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی۔ حکمت سے مراد علم عظمت ذات وصفات باری ہے اور خیر کثیر سے مراد اسلام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ قرآن کریم میں فرماتا ہے ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ (یونس:59) پھر ایک دوسری آیت میں فرماتا ہے قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ:115) یعنی اے میرے رب تو مجھے اپنی عظمت اور معرفت شیون اور صفات کا علم کامل بخش اور پھر دوسری جگہ فرمایا وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (الانعام:164) ان دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اول المسلمین ٹھہرے تو اس کا یہی باعث ہوا کہ اوروں کی نسبت علوم معرفت الٰہی میں اعلم ہیں یعنی علم ان کا معارف الٰہیہ کے بارے میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے ان کا اسلام بھی سب سے اعلیٰ ہے اور وہ اول المسلمین ہیں۔ اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس زیادت علم کی طرف اس دوسری آیت میں بھی اشارہ ہے جیسا کہ اللہ جلشانہ فرماتا ہے وَ عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَ کَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا۔ (النساء:114) **یعنی خدا تعالیٰ نے تجھ کو وہ علوم عطا کیے جو تو خود بخود نہیں جان سکتا تھا اور فضل الٰہی سے فیضان الٰہی سب سے زیادہ تیرے پر ہوا یعنی تو معارف الٰہیہ اور اسرار اور علوم ربانی میں سب سے بڑھ گیا اور خدا تعالیٰ نے اپنی معرفت کے عطر کے ساتھ سب سے زیادہ تجھے معطر کیا غرض علم اور معرفت کو خدا تعالیٰ نے حقیقت اسلامیہ کے حصول کا ذریعہ ٹھہرایا ہے۔** (آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 187-186)

اس کتاب میں دوخوبیاں ہیں ایک تو یہ کہ حکیم مطلق نے محکم اور مدلل طور پر یعنی علوم حکمیہ کی طرح اس کو بیان کیا ہے بطور کتھا یا قصہ نہیں۔ دوسری یہ خوبی کہ اس میں تمام ضروریات علم معاد کی تفصیل کی گئی ہے۔

(براہین احمدیہ ۔ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 224-223 حاشیہ نمبر 11)

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ۔(القمر:6)

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ قرآن......انتہائی درجہ کی حکمت ہے۔ (جنگ مقدس۔ر۔خ۔جلد 6 صفحہ 87)

وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ۔(الانعام:117)

ترجمہ۔ اور اگر اطاعت کرے تو اکثر ان لوگوں کی جو زمین میں ہیں گمراہ کر دیں گے تجھے راہ سے اللہ کی نہیں پیروی کرتے سوائے گمان کے اور نہیں وہ مگر اٹکل کرتے۔

قرآن کریم کی محکمات اور بینات علم ہے اور مخالف قران کے جو کچھ ہے وہ ظن ہے اور جو شخص علم ہوتے ہوئے ظن کا اتباع کرے وہ اس آیت کے نیچے داخل ہے۔ (الحق مباحثہ لدھیانہ۔ر۔خ۔جلد 4 صفحہ 94)

فطرت انسانی کے اعتبار سے

وَ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ط اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ (الانبیاء:51)

قرآن شریف صرف سماع کی حد تک محدود نہیں ہے کیونکہ اس میں انسانوں کے سمجھانے کے لئے بڑے بڑے معقول دلائل ہیں اور جس قدر عقائد اور اصول اور احکام اس نے پیش کئے ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسا امر نہیں جس میں زبردستی اور تحکم ہو جیسا کہ اس نے خود فرما دیا ہے کہ یہ سب عقائد وغیرہ انسان کی فطرت میں پہلے سے منقوش ہیں اور قرآن شریف کا نام ذکر رکھا ہے جیسا کہ فرماتا ہے **هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ یعنی یہ قرآن بابرکت کوئی نئی چیز نہیں لایا بلکہ جو کچھ انسان کی فطرت اور صحیفۂ قدرت میں بھرا پڑا ہے اس کو یاد دلاتا ہے۔**

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 60)

حضرت اقدس کے ذکر کے اعتبار سے

یادرکھواور خوب یادرکھو کہ سورۃ فاتحہ میں صرف دو فتنوں سے بچنے کے لئے دعا سکھلائی گئی ہے (۱) اوّل یہ فتنہ کہ اسلام کے مسیح موعود کو کافر قرار دینا۔ اس کی توہین کرنا۔ اس کی ذاتیات میں نقص نکالنے کی کوشش کرنا۔ اس کے قتل کا فتویٰ دینا۔ جیسا کہ آیت غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ میں انہی باتوں کی طرف اشارہ ہے (۲) دوسرے نصاریٰ کے فتنے سے بچنے کے لئے دعا سکھلائی گئی اور سورۃ کو اسی کے ذکر پر ختم کر کے اشارہ کیا گیا ہے کہ فتنہ نصاریٰ ایک سیل عظیم کی طرح ہوگا۔ اس سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں۔ غرض اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ اس عاجز کی نسبت قرآن شریف نے اپنی پہلی سورۃ میں ہی گواہی دے دی۔ ورنہ ثابت کرنا چاہیئے کہ کن مغضوب علیھم سے اس سورۃ میں ڈرایا گیا ہے؟ کیا یہ سچ نہیں کہ حدیث اور قرآن شریف میں آخری زمانہ کے بعض علماء کو یہود سے نسبت دی ہے؟ کیا یہ سچ نہیں کہ مغضوب علیہم سے مراد وہ یہود ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو سلسلہ موسویہ کے آخری خلیفہ اور مسیح موعود تھے کافر ٹھیرایا تھا اور انکی سخت توہین کی تھی اور ان کے پرائیویٹ امور میں افترائی طور پر نقص ظاہر کئے تھے۔ پس جبکہ یہی لفظ مغضوب علیہم کا ان یہودیوں کے مثیلوں پر بولا گیا جن کا نام بوجہ تکفیر و توہین حضرت مسیح مغضوب علیہم رکھا گیا تھا۔ پس اسجگہ مغضوب علیہم کے پورے مفہوم کو پیش نظر رکھ کر جب سوچا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ آنے والے مسیح موعود کی نسبت صاف اور صریح پیشگوئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھ سے پہلے مسیح کی طرح ایذا اٹھائے گا۔ اور یہ دعا کہ یاالٰہی ہمیں مغضوب علیہم ہونے سے بچا اس کے قطعی اور یقینی معنے ہیں کہ ہمیں اس سے بچا کہ ہم تیرے مسیح موعود کو جو پہلے مسیح کا مثیل ہے ایذا نہ دیں اس کو کافر نہ ٹھیرائیں۔ ان معنوں کے لئے یہ قرینہ کافی ہے کہ مغضوب علیہم صرف ان یہودیوں کا نام ہے جنہوں نے حضرت مسیح کو ایذاء دی تھی اور حدیثوں میں آخری زمانہ کے علماء کا نام یہود رکھا گیا ہے یعنی وہ جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکفیر و توہین کی تھی۔ اور اس دعا میں ہے کہ یاالٰہی ہمیں وہ فرقہ مت بنا جن کا نام مغضوب علیہم ہے۔ پس دعا کے رنگ میں یہ ایک پیشگوئی ہے جو دو خبر پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ اس امت میں بھی ایک مسیح موعود پیدا ہوگا۔ اور دوسری یہ پیشگوئی ہے کہ بعض لوگ اس امت میں سے اس کی بھی تکفیر اور توہین کرینگے اور وہ لوگ مورد غضب الٰہی ہونگے اور اس وقت کا نشان یہ ہے کہ فتنہ نصاریٰ بھی ان دنوں میں حد سے بڑھا ہوا ہوگا۔ جن کا نام ضالین ہے اور ضالین پر بھی یعنی عیسائیوں پر بھی اگرچہ خدا تعالیٰ کا غضب ہے کہ وہ خدا کے حکم کے شنوا نہیں ہوئے مگر اس غضب کے آثار قیامت کو ظاہر ہونگے۔ اور اس جگہ مغضوب علیہم سے وہ لوگ مراد ہیں جن پر بوجہ تکفیر و توہین و ایذاء و ارادۂ قتل مسیح موعود کے دنیا میں ہی غضب الٰہی نازل ہوگا۔ یہ میرے جانی دشمنوں کیلئے قرآن کی پیشگوئی ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگرچہ جو شخص راہ راست کو چھوڑتا ہے۔ وہ خدا تعالےٰ کے غضب کے نیچے آتا ہے۔ مگر خدا تعالےٰ کا اپنے مجرموں سے دو قسم کا معاملہ ہے اور مجرم دو قسم کے ہیں (۱) ایک وہ مجرم ہیں جو حد سے زیادہ نہیں بڑھتے اور گو نہایت درجہ کے تعصب سے ضلالت کو نہیں چھوڑتے مگر وہ ظلم اور ایذاء کے

طریقوں میں ایک معمولی درجہ تک رہتے ہیں اپنے جور وستم اور بیبا کی کو انتہا تک نہیں پہنچاتے۔پس وہ تو اپنی سزا قیامت کو پائیں گے اور خدائے علیم ان کو اس جگہ نہیں پکڑتا کیونکہ ان کی روش میں حد سے زیادہ سختی نہیں۔لہٰذا ایسے گناہوں کی سزا کے لئے صرف ایک ہی دن مقرر ہے جو یوم المجازات اور یوم الدین اور یوم الفصل کہلاتا ہے (۲) دوسری قسم کے وہ مجرم ہیں جو ظلم اور ستم اور شوخی اور بے باکی میں حد سے بڑھ جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ خدا کے ماموروں اور رسولوں اور راستبازوں کو درندوں کی طرح پھاڑ ڈالیں اور دنیا پر سے ان کا نام ونشان مٹا دیں اور ان کو آگ کی طرح بھسم کر ڈالیں۔ایسے مجرموں کیلئے جن کا غضب انتہا تک پہنچ جاتا ہے سنت اللہ یہی ہے کہ اسی دنیا میں خدا تعالیٰ کا غضب ان پر بھڑکتا ہے اور اسی دنیا میں وہ سزا پاتے ہیں علاوہ اس سزا کے جو قیامت کو ملے گی۔اس لئے قرآنی اصطلاح میں ان کا نام مغضوب علیہم ہے۔اور خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں حقیقی مصداق اس نام کا ان یہودیوں کو ٹھیرایا ہے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نابود کرنا چاہا تھا۔پس ان کے دائمی غضب کے مقابل پر خدا نے بھی ان کو دائمی غضب کے وعید سے پامال کیا جیسا کہ آیت وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (ال عمران: 56) سے سمجھا جاتا ہے **اس قسم کا غضب جو قیامت تک منقطع نہ ہو اسکی نظیر قرآن شریف میں بجز حضرت مسیح کے دشمنوں کے یا آنے والے مسیح موعود کے دشمنوں کے اور کسی قوم کے لئے پائی نہیں جاتی اور مغضوب علیہم کے لفظ میں دنیا کے غضب کی وعید ہے جو دونوں مسیحوں کے دشمنوں کے متعلق ہے۔یہ ایسی نص صریح ہے کہ اس سے انکار قرآن سے انکار ہے۔** (تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ۔جلد 17 صفحہ 214-212)

دوگروہوں کے اعتبار سے

اور اگرچہ فیج اعوج میں بھی جماعت کثیر گمراہوں کے مقابل نیک اور اہل اللہ اور ہر صدی کے سر پر مجدد بھی ہوتے رہے ہیں لیکن حسب منطوق آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ (الواقعة: 40-41) خالص محمدی گروہ جو ہر ایک پلید ملونی اور آمیزش سے پاک اور توبہ نصوح سے غسل دیئے ہوئے ایمان اور دقائق عرفان اور علم اور عمل اور تقویٰ کے لحاظ سے ایک کثیر التعداد جماعت ہے یہ اسلام میں صرف دو گروہ ہیں یعنی گروہ اولین و گروہ آخرین جو صحابہ اور مسیح موعود کی جماعت سے مراد ہے۔اور چونکہ حکم کثرت مقدار اور کمال صفائی انوار پر ہوتا ہے اس لئے اس سورۃ میں اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے فقرہ سے مراد یہی دونوں گروہ ہیں یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مع اپنی جماعت کے اور مسیح موعود معہ اپنی جماعت کے **خلاصہ کلام یہ کہ خدا نے ابتدا سے اس امت میں دو گروہ ہی تجویز فرمائے ہیں اور انہی کی طرف سورۃ فاتحہ کے فقرہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں اشارہ ہے (۱) ایک اولین جو جماعت نبوی ہے (۲) دوسرے آخرین جو جماعت مسیح موعود ہے۔**اور افراد کاملہ جو درمیانی زمانہ میں ہیں جو فیج اعوج کے نام سے موسوم ہے جو بوجہ اپنی کمی مقدار اور کثرت اشرار و فجار و ہجوم افواج بد مذاہب و بد عقائد و بد اعمال شاذ و نادر کے حکم میں سمجھے گئے گو دوسرے فرقوں کی نسبت درمیانی زمانہ کے صلحائے امت محمدیہ بھی باوجود طوفان بدعات کے ایک دریائے عظیم کی طرح ہیں۔ (تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ۔جلد 17 صفحہ 226-225)

پندرہویں فصل

موازنہ قرآن وحدیث

حضرت اقدسؑ کے الہام کشوف ورؤیاء

اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ۔

(تذکرہ الشہادتین۔ر۔خ۔جلد 20 صفحہ 6)

تمام خیر قرآن میں ہے۔اس کے حقائق معارف تک وہ لوگ پہنچتے ہیں جو پاک کئے جاتے ہیں۔پس تم اس کے بعد یعنی اس کو چھوڑ کر کس حدیث پر ایمان لاؤ گے۔

مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ نَبْتَلِیْہِ بِذُرِّیَّۃٍ فَاسِقَۃٍ مُلْحِدَۃٍ یَمِیْلُوْنَ اِلَی الدُّنْیَا وَ لَا یَعْبُدُوْنَنِیْ شَیْئًا۔

جو شخص قرآن سے کنارہ کرے گا ہم اس کو ایک خبیث اولاد کے ساتھ مبتلا کریں گے۔جن کی ملحدانہ زندگی ہوگی۔وہ دنیا پر گریں گے۔اور میری پرستش سے ان کو کچھ بھی حصہ نہ ہوگا۔یعنی ایسی اولاد کا انجام بد ہوگا۔اور توبہ اور تقویٰ نصیب نہیں ہوگا۔ (ریویو بر مباحثہ بٹالوی وچکڑالوی۔ر۔خ۔جلد 19 صفحہ 213 حاشیہ)

یٰیَحْیٰی خُذِالْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ وَّ اٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا۔ (مریم :13)

حضرت اقدس سے اپنا ایک پُرانا الہام سنایا یٰیَحْیٰی خُذِالْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ (اور فرمایا) وَ الْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ ۔اور فرمایا کہ اس میں ہم کو حضرت یحیٰؑ کی نسبت دی گئی ہے کیونکہ حضرت یحیٰؑ کو یہود کی ان اقوام سے مقابلہ کرنا پڑا تھا جو کتاب اللہ توریت کو چھوڑ بیٹھے تھے اور حدیثوں کے بہت گرویدہ ہو رہے تھے اور ہر بات میں احادیث کو پیش کرتے تھے۔ایسا ہی اس زمانہ میں ہمارا مقابلہ اہل حدیث کے ساتھ ہوا کہ ہم قرآن پیش کرتے اور وہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 203)

آج رات مجھے رؤیا میں دکھایا گیا۔کہ ایک درخت باردار اور نہایت لطیف اور خوبصورت پھلوں سے لدا ہوا ہے۔اور کچھ جماعت تکلّف اور زور سے ایک بوٹی کو اس پر چڑھانا چاہتی ہے۔جس کی جڑ نہیں۔بلکہ چڑھا رکھی ہے۔وہ بوٹی افتیموں کی مانند ہے۔اور جیسے جیسے وہ بوٹی اس درخت پر چڑھتی ہے۔اس کے پھلوں کو نقصان پہنچاتی ہے۔اور اس لطیف درخت میں ایک کھجواہٹ اور بدشکلی پیدا ہو رہی ہے۔اور جن پھلوں کی اس درخت سے توقع کی جاتی ہے ان کے ضائع ہونے کا سخت اندیشہ ہے۔بلکہ کچھ ضائع ہو چکے ہیں۔تب میرا دل اس بات کو دیکھ کر گھبرایا اور پگھل گیا۔اور میں نے ایک شخص کو جو ایک نیک اور پاک انسان کی صورت پر کھڑا تھا پوچھا کہ یہ درخت کیا ہے اور یہ بوٹی کیسی ہے۔جس نے ایسے لطیف درخت کو شکنجہ میں دبا رکھا ہے؟ **تب اس نے جواب میں مجھے یہ کہا۔کہ یہ درخت قرآن خدا کا کلام ہے اور یہ بوٹی وہ احادیث اور اقوال وغیرہ ہیں جو قرآن کے مخالف ہیں یا مخالف ٹھہرائی جاتی ہیں۔اور ان کی کثرت نے اس درخت کو دبا لیا ہے اور اس کو نقصان پہنچا رہی ہیں۔تب میری آنکھ کھل گئی۔**

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی وچکڑالوی۔ر۔خ۔جلد 19 صفحہ 212/حاشیہ)

کلامِ پاکِ یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز — اگر لُو لُوئے عمّاں ہے وگر لعلِ بدخشاں ہے
خُدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو — وہاں قُدرت یہاں درماندگی فرقِ نمایاں ہے
ملائک جس کی حضرت میں کریں اقرارِ لاعلمی — سخن میں اس کے ہمتائی کہاں مقدورِ انساں ہے
بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز — تو پھر کیونکر بنانا نورِ حق کا اُس پہ آساں ہے

(درثمین اردو صفحہ 3)(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد اول صفحہ 202-200)

قرآن یقینی اور قطعی کلام ہے

اب رہی حدیثیں سو سب سے اوّل یہ بات سوچنے کے لائق ہے کہ قرآن کریم کے مقابل پر حدیثوں کی کیا قدر اور منزلت ہے اور جب قرآن کریم کے نصوص بیّنہ سے کوئی حدیث مخالف پڑے تو کہاں تک اس کے اعتبار کو وزن دے سکتے ہیں۔

سو جاننا چاہیئے کہ قرآن کریم وہ یقینی اور قطعی کلام الٰہی ہے جس میں انسان کا ایک نقطہ یا ایک شعشہ تک دخل نہیں اور وہ اپنے الفاظ اور معنی کے ساتھ خدا تعالےٰ کا ہی کلام ہے اور کسی فرقہ اسلام کو اس کے ماننے سے چارہ نہیں۔ اس کی ایک ایک آیت اعلیٰ درجہ کا تواتر اپنے ساتھ رکھتی ہے وہ وحی متلو ہے جس کے حرف حرف گنے ہوئے ہیں وہ بباعث اپنے اعجاز کے بھی تبدیل اور تحریف سے محفوظ ہے۔ لیکن احادیث تو انسانوں کے دخل سے بھری ہوئی ہیں۔ جو ان میں سے صحیح کہلاتی ہیں ان کا اتنا بھی مرتبہ نہیں جو ایک آیت کے مقابلہ پر ایک کروڑ ان میں سے وہ رنگ اور شان پیدا کر سکے جو اللہ جلّشانہٗ کی بے مثل کلام کو حاصل ہے اگرچہ حدیث صحیح بھی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بہ سند متصل ثابت ہو ایک قسم کی وحی ہے مگر وہ ایسی تو نہیں جو قائم مقام قرآن شریف ہو سکے۔ اسی وجہ سے قرآن شریف کی جگہ صرف حدیث پڑھ کر نماز نہیں ہو سکتی۔ حدیثوں میں ضعف کی وجوہات اس قدر ہیں کہ ایک دانا آدمی ان پر نظر ڈال کر ہمیشہ اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ ان کو تقویت دینے کے لئے کم سے کم نص قرآنی کا کوئی اشارہ ہی ہو۔ یہ سچ ہے کہ حدیثیں صحابہ کی زبان سے بتوسط کئی راویوں کے مؤلفین صحاح تک پہنچی ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ جہاں تک ممکن ہے مؤلفین صحاح نے حدیثوں کی تنقید و تفتیش میں بڑی بڑی کوششیں کی ہیں مگر پھر بھی ہمیں ان پر وہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے جو اللہ جلشانہٗ کی کلام پر کیا جاتا ہے۔ (ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد 3 صفحہ 384)

فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ۔(الاعراف:186)

فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ یعنی قرآن کریم کے بعد کس حدیث پر ایمان لاؤ گے اور ظاہر ہے کہ ہم مسلمانوں کے پاس وہ نص جو اوّل درجہ پر قطعی اور یقینی ہے قرآن کریم ہی ہے اکثر احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہیں و ان الظن لا یغنی من الحق شیاء۔ (النجم:29) (ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد 3 صفحہ 453)

حسب آیت کریمہ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ ہرایک حدیث جوصریح آیت کے معارض پڑے رد کرنے کے لائق ہے۔اورآخری نصیحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تھی کہ تم نے تمسک بکتاب اللہ کرنا۔

(ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 610)

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ ط قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ۔(الاعراف:4)

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ کیسے فیصلہ کرنے والی آیت ہے۔جس سے صریح اورصاف طور پرصاف ثابت ہوتا ہے کہ اول توجہ مومن کی قرآن کریم کی طرف ہونی چاہیئے پھراگراس توجہ کے بعد کسی حدیث یا قول من دونہٖ میں داخل دیکھے تواس سے منہ پھیرلیوے۔ (الحق مباحثہ لدھیانہ۔ر۔خ۔جلد4 صفحہ 42-41)

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ(الجاثیة: 7) یعنی خدااوراس کی آیتوں کے بعد کس حدیث پر ایمان لائیں گے۔اس جگہ حدیث کے لفظ کی تنکیر جوفائدہ عموم کا دیتی ہے صاف بتلا رہی ہے کہ جوحدیث قرآن کے معارض اور مخالف پڑے اور کوئی راہ تطبیق کی پیدا نہ ہو۔اس کو رد کر دو۔اوراس حدیث میں ایک پیشگوئی بھی ہے جو بطور اشارۃ النص اس آیت سے مترشح ہےاوروہ یہ کہ خداتعالیٰ آیۃ ممدوحہ میں اس بات کی طرف اشارہ فرماتا ہے کہ ایک ایسازمانہ بھی اس امّت پرآنے والا ہے کہ جب بعض افراداس امّت کے قرآن شریف کوچھوڑکر ایسی حدیثوں پر بھی عمل کریں گےجن کے بیان کردہ بیان قرآن شریف کے بیانات سے مخالف اور معارض ہونگے۔

(ریویو برمباحثہ بٹالوی وچکڑالوی۔ر۔خ۔جلد19 صفحہ 207)

خداتعالیٰ کاشکر ہے کہ اس نے ہمیں صراط مستقیم پر کھڑا رکھا ہے وہابیوں نے افراط کی اورقرآن پرحدیث کوقاضی ٹھہرایااور قرآن کواس کے آگے مستغیث کی طرح کھڑا کردیااور چکڑالوی نے تفریط کی کہ بالکل ہی حدیث کاانکارکردیا۔اس سے فتنے کااندیشہ ہےاس کی اصلاح ضروری ہےہم کوخداتعالیٰ نے حَکَم ٹھہرایاہے اس لئے ہم ایک اشتہار کے ذریعہ اس غلطی کوظاہرکریں گےاور مضمون پیچھے لکھیں گے۔اول خویش بعددرویش جس راہ پرخداتعالیٰ نے ہم کوچلایاہےاس پراگرغورکیاجائےتوایک لذت آتی ہےقرآن شریف نے کیاٹھیک فیصلہ فرمایا فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰہِ وَ اٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ (الجاثیہ:7)یہ ایک قسم کی پیشگوئی ہےجوان وہابیوں کے متعلق ہےاورسنت کی نفی کرنے والوں کے لئےفرمایا۔اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔(ال عمران:32)

(ملفوظات جلددوم صفحہ 536)

وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا وَ کُنۡتُمۡ عَلٰی شَفَا حُفۡرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَکُمۡ مِّنۡہَا ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمۡ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ۔ (اٰل عمران :104)

کیا ہمیں قرآن کریم کے اس مرتبہ پر ایمان نہیں لانا چاہیئے جو مرتبہ وہ خود اپنے لیے قرار دیتا ہے؟ دیکھنا چاہیئے کہ وہ صاف الفاظ میں بیان فرماتا ہے وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا ۔کیا اس حبل سے حدیثیں مراد ہیں؟ پھر جس حالت میں وہ اس حبل سے پنجہ مارنے کے لیے تاکید شدید فرماتا ہے تو کیا اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم ہر ایک اختلاف کے وقت قرآن کریم کی طرف رجوع کریں؟

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ر۔خ۔جلد 4 صفحہ 37)

وَ مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِکۡرِیۡ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیۡشَۃً ضَنۡکًا وَّ نَحۡشُرُہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ اَعۡمٰی۔ (طٰہٰ :125)

جو شخص میرے فرمودہ سے اعراض کرے اور اس کے مخالف کی طرف مائل ہو تو اس کے لئے تنگ معیشت ہے یعنی وہ حقائق اور معارف سے بے نصیب ہے اور قیامت کو اندھا اُٹھایا جائے گا۔اب ہم اگر ایک حدیث کو صریح قرآن کریم کے خلاف پائیں اور پھر مخالفت کی حالت میں بھی اس کو مان لیں اور اس تخالف کی کچھ بھی پرواہ نہ کریں تو گویا اس بات پر راضی ہو گئے کہ معارف حقہ سے بے نصیب رہیں اور قیامت کو اندھے اُٹھائے جائیں۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ر۔خ۔جلد 4 صفحہ 37)

وَ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِکَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ط اِنَّمَا صَنَعُوْا کَیْدُ سٰحِرٍ وَلَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی۔ (طٰہٰ:70)

(اس سوال کے جواب میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کافروں نے جو جادو کیا تھا اس کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے۔ فرمایا)

جادو بھی شیطان کی طرف سے ہوتا ہے رسولوں اور نبیوں کی یہ شان نہیں ہوتی کہ ان پر جادو کا کچھ اثر ہو سکے بلکہ ان کو دیکھ کر جادو بھاگ جاتا ہے جیسے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی (طہ:70) دیکھو حضرت موسیٰ کے مقابل پر جادو تھا آخر موسیٰ غالب ہوا کہ نہیں۔ یہ بات بالکل غلط ہے کہ آنحضرت صلعم کے مقابلہ پر جادو غالب آ گیا ہم اس کو کبھی نہیں مان سکتے۔ آنکھ بند کر کے بخاری اور مسلم کو مانتے جانا یہ ہمارے مسلک کے برخلاف ہے۔ یہ تو عقل بھی تسلیم نہیں کر سکتی کہ ایسے عالی شان نبی پر جادو اثر کر گیا ہو۔ ایسی ایسی باتیں کہ اس جادو کی تاثیر سے (معاذ اللہ) آنحضرت صلعم کا حافظہ جاتا رہا یہ ہو گیا اور وہ ہو گیا کسی صورت میں صحیح نہیں ہو سکتیں معلوم ہوتا ہے کہ کسی خبیث آدمی نے اپنی طرف سے ایسی باتیں ملا دی ہیں۔ **گو ہم نظر تہذیب سے احادیث کو دیکھتے ہیں لیکن جو حدیث قرآن کریم کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے برخلاف ہو اس کو ہم کب مان سکتے ہیں۔ اس وقت احادیث جمع کرنے کا وقت تھا گو انہوں نے سوچ سمجھ کر احادیث کو درج کیا تھا مگر پوری احتیاط سے کام نہیں لے سکے وہ جمع کرنے کا وقت تھا لیکن اب نظر اور غور کرنے کا وقت ہے** آثار نبی جمع کرنا بڑے ثواب کا کام ہے لیکن یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جمع کرنے والے خوب غور سے کام نہیں لے سکتے۔ اب ہر ایک کا اختیار ہے کہ خوب غور اور فکر سے کام لے جو ماننے والی ہو وہ مانے اور جو چھوڑنے والی ہو وہ چھوڑ دے **ایسی بات کہ آنحضرت صلعم پر (معاذ اللہ) جادو کا اثر ہو گیا تھا اس سے تو ایمان اُٹھ جاتا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا** (بنی اسرائیل: **48**) **ایسی ایسی باتیں کہنے والے تو ظالم ہیں نہ کہ مسلمان۔ یہ تو بے ایمانوں اور ظالموں کا قول ہے کہ آنحضرت صلعم پر (معاذ اللہ) سحر اور جادو کا اثر ہو گیا تھا** اتنا نہیں سوچتے کہ جب (معاذ اللہ) آنحضرتؐ کا یہ حال ہے تو پھر اُمّت کا کیا ٹھکانا وہ تو پھر غرق ہو گئی معلوم نہیں ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جس معصوم نبی صلعم کو تمام انبیاء مسّ شیطان سے پاک سمجھتے آئے ہیں۔ یہ ان کی شان میں ایسے ایسے الفاظ بولتے ہیں۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 349-348)

قرآن ۔صحت حدیث پر محک اور مہیمن ہے

اور آپکا یہ فرمانا کہ قرآن کریم کو کیوں محک صحت احادیث ٹھہراتے ہو۔سو اس کا جواب میں بار بار یہی دونگا کہ قرآن کریم مہیمن اور امام اور میزان اور قول فصل اور ہادی ہے۔اگر اسکو محک نہ ٹھہراؤں تو اور کس کو ٹھہراؤں؟ کیا ہمیں قرآن کریم کے اس مرتبہ پر ایمان نہیں لانا چاہیئے۔جو مرتبہ وہ خود اپنے لئے قرار دیتا ہے؟ دیکھنا چاہیئے کہ وہ صاف الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (ال عمران :104)۔کیا اس حبل سے حدیثیں مراد ہیں؟ پھر جس حالت میں وہ اس حبل سے پنجہ مارنے کیلئے تاکید شدید فرماتا ہے تو کیا اس کے یہ معنے نہیں کہ ہم ہر ایک اختلاف کے وقت قرآن کریم کی طرف رجوع کریں؟ اور پھر فرماتا ہے وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی۔(طٰهٰ :125)۔یعنی جو شخص میرے فرمودہ سے اعراض کرے اور اسکے مخالف کی طرف مائل ہو تو اسکے لئے تنگ معیشت ہے یعنی وہ حقائق اور معارف سے بے نصیب ہے اور قیامت کو اندھا اٹھایا جائیگا۔اب ہم اگر ایک حدیث کو صریح قرآن کریم کے خلاف پائیں اور پھر مخالفت کی حالت میں بھی اسکو مان لیں اور اس تخالف کی کچھ بھی پرواہ نہ کریں تو گویا اس بات پر راضی ہو گئے کہ معارف حقہ سے بےنصیب رہیں اور قیامت کو اندھے اٹھائے جائیں۔پھر ایک جگہ فرماتا ہے۔فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ (الزخرف:44) و انه لذکرلک و لقومک(الزخرف:45) یعنی قرآن کریم کو ہر یک امر میں دستاویز پکڑو۔تم سب کا اسی میں شرف ہے کہ تم قرآن کو دستاویز پکڑو۔اور اسی کو مقدم رکھو۔اب اگر ہم مخالفت قرآن اور حدیث کے وقت میں قرآن کو دستاویز نہ پکڑیں تو گویا ہماری یہ مرضی ہوگی کہ جس شرف کا ہم کو وعدہ دیا گیا ہے اس شرف سے محروم رہیں۔ (الحق مباحثہ لدھیانہ۔ر۔خ۔جلد4 صفحہ 37)

قرآن کی قطعیت ۔قرآن کی حفاظت کے اعتبار سے

احادیث کے اوپر نہ تو خدا کی مہر ہے نہ رسول اللہ صلعم کی اور قرآن شریف کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:10) اسی لئے ہمارا یہ مذہب ہے کہ قرآن شریف سے معارض نہ ہونے کی حالت میں ضعیف سے ضعیف حدیث پر بھی عمل کیا جاوے لیکن اگر کوئی قصہ جو کہ قرآن شریف میں مذکور ہے اور حدیث میں اس کے خلاف پایا جاوے مثلاً قرآن میں لکھا ہے کہ اسحاقؑ ابراہیمؑ کے بیٹے تھے اور حدیث میں لکھا ہوا ہو کہ وہ نہیں تھے تو ایسی صورت میں حدیث پر کیسے اعتماد ہو سکتا ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 442)

علاوہ اس کمال خاص قرآن کے کہ وہ وحی متلو ہے محفوظیت کی رو سے بھی حدیثوں کو قرآن کریم سے کیا نسبت ہے۔ قرآن کریم کی جیسا کہ اس کی بلاغت وفصاحت وحقایق ومعارف کی رو سے کوئی چیز مثل نہیں ٹھہر سکتی ایسا ہے اس کی صحت کاملہ اور محفوظیت اور لاریب فیہ ہونے میں کوئی چیز اس کی مثیل نہیں کیونکہ اس کے الفاظ اور ترتیب الفاظ اور محفوظیت تامہ کا اہتمام خدائے تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے اور ماسوا اس کے حدیث ہو یا قول کسی صحابی کا ہو ان سب کا اہتمام انسانوں نے کیا ہے جو سہو اور نسیان سے بری نہیں رہ سکتے اور ہرگز وہ لوگ محفوظیت تامہ اور صحت کاملہ میں احادیث اور اقوال کو مثل قرآن نہیں بنا سکتے تھے اور یہ عجز ان کا اس آیت کریمہ کے اعجازات پیشکردہ میں داخل ہے۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا۔ (بنی اسرائیل: 89) جب ہر ایک بات میں مثل قرآن ممتنع ہے تو کیونکر وہ لوگ احادیث کو صحت اور محفوظیت میں مثل قرآن بنا سکتے ہیں۔

(ازالہ اوھام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 616-615)

منصب حدیث

وَ مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۔ (الحشر 8)

مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ کا حکم بغیر کسی قید اور شرط کے نہیں۔ اوّل یہ تو دیکھ لینا چاہیئے کہ کوئی حدیث فی الواقع ما اتیکم میں داخل ہے یا نہیں۔ مَاۤ اٰتٰىكُمْ میں تو وہ داخل ہوگا جس کو ہم شناخت کر لیں کہ درحقیقت رسول نے اس کو دیا ہے اور جب تک پورے طور پر اطمینان نہ ہو تو کیا یہ جائز ہے کہ حدیث کا نام سننے سے مَا اٰتٰكُمْ میں اس کو داخل کر دیں۔ (الحق مباحثہ لدھیانہ۔ ر۔خ۔ جلد 4 صفحہ 107)

اب سمجھنا چاہیئے کہ گو اجمالی طور پر قرآن شریف اکمل واتم کتاب ہے مگر ایک حصہ کثیرہ دین کا اور طریقہ عبادات وغیرہ کا مفصل اور مبسوط طور پر احادیث سے ہی ہم نے لیا ہے اور اگر احادیث کو ہم بکلّی ساقط الاعتبار سمجھ لیں تو پھر اس قدر بھی ثبوت دینا ہمیں مشکل ہوگا کہ درحقیقت حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما وعثمان ذوالنورینؓ اور جناب علی مرتضی کرم اللہ وجہہٗ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام اور امیر المومنین تھے اور وجود رکھتے تھے صرف فرضی نام نہیں کیونکہ قرآن کریم میں ان میں سے کسی کا نام نہیں۔ ہاں اگر کوئی حدیث قرآن شریف کی کسی آیت سے صریح مخالف ومغائر پڑے مثلاً قرآن شریف کہتا ہے کہ مسیح ابن مریم فوت ہو گیا اور حدیث یہ کہے کہ فوت نہیں ہوا تو ایسی حدیث مردود اور ناقابل اعتبار ہو گی لیکن جو حدیث قرآن شریف کے مخالف نہیں بلکہ اس کے بیان کو اور بھی بسط سے بیان کرتی ہے وہ بشرطیکہ جرح سے خالی ہو قبول کرنے کے لائق ہے۔ **پس یہ کمال درجہ کی بے نصیبی اور بھاری غلطی ہے کہ یک لخت تمام حدیثوں کو ساقط الاعتبار سمجھ لیں اور ایسی متواتر پیشگوئیوں کو جو خیر القرون میں ہی تمام ممالک اسلام میں پھیل گئی تھیں اور مسلمات میں سے سمجھی گئی تھیں بدموضوعات داخل کر دیں۔** (ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 400)

حدیث اور سنّت میں فرق

صراط مستقیم...... یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں اسلامی ہدایتوں پر قائم ہونے کے لیے تین چیزیں ہیں (۱) قرآن شریف جو کتاب اللہ ہے جس سے بڑھ کر ہمارے ہاتھ میں کوئی کلام قطعی اور یقینی نہیں وہ خدا کا کلام ہے وہ شک اور ظن کی آلائشوں سے پاک ہے۔(۲) دوسری سنت اور اس جگہ ہم اہل حدیث کی اصطلاحات سے الگ ہو کر بات کرتے ہیں یعنی ہم حدیث اور سنت کو ایک چیز قرار نہیں دیتے جیسا کہ رسمی محدثین کا طریق ہے بلکہ حدیث الگ چیز ہے اور سنت الگ چیز۔ سنّت سے مراد ہماری صرف آنحضرتؐ کی فعلی روش ہے جو اپنے اندر تواتر رکھتی ہے اور ابتدا سے قرآن شریف کے ساتھ ہی ظاہر ہوئی اور ہمیشہ ساتھ ہی رہے گی یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن شریف خدا تعالیٰ کا قول ہے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اور قدیم سے عادت اللہ یہی ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام خدا کا قول لوگوں کی ہدایت کے لیے لاتے ہیں تو اپنے فعل سے یعنی عملی طور پر اس قول کی تفسیر کر دیتے ہیں تا اس قول کا سمجھنا لوگوں پر مشتبہ نہ رہے اور اس قول پر آپ بھی عمل کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی عمل کراتے ہیں۔(۳) تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے اور حدیث سے مراد ہماری وہ آثار ہیں کہ جو قصّوں کے رنگ میں آنحضرتؐ سے قریباً ڈیڑھ سو برس بعد مختلف راویوں کے ذریعوں سے جمع کیے گئے ہیں۔

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی۔ ر۔خ۔ جلد 19 صفحہ 210-209)

سنّت صحیحہ معلوم کرنے کا طریق

جب اسلام کے فرقوں میں اختلاف ہے تو سنت صحیحہ کیسے معلوم ہو؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ:۔

قرآن شریف' احادیث اور ایک قوم کے تقویٰ طہارت اور سنت کو جب ملایا جاوے تو پھر پتہ لگ جاتا ہے کہ اصل سنت کیا ہے۔
(ملفوظات جلد سوم صفحہ 265)

صحابہؓ۔ علماء سلف اور محدثین کا مذہب

اگر یہ کہا جائے کہ ہم یہ تحریفات وتبدیلات بلا ضرورت نہیں کرتے بلکہ آیات قرآنی کو بعض احادیث سے مطابق وموافق کرنے کے لئے بوجہ اشد ضرورت اس حرکت بے جا کے مرتکب ہوتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوّل تو آیت اور حدیث میں باہم تعارض واقع ہونے کی حالت میں اصول مفسرین ومحدثین یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حدیث کے معنوں میں تاویل کر کے اس کو قرآن کریم کے مطابق کیا جائے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی کتاب الجنائز صفحہ 172 میں صاف لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے حدیث ان المیت یعذب ببعض بکاء اھلہ کو قرآن کریم کی اس آیت سے کہ لا تزر وازرۃ وزر اخری (الانعام:165) معارض ومخالف پا کر حدیث کی یہ تاویل کر دی کہ یہ مومنوں کے متعلق نہیں۔ بلکہ کفار کے متعلق ہے جو متعلقین کے جزع فزع پر راضی تھے بلکہ وصیت کر جاتے تھے پھر بخاری کے صفحہ 183 میں یہ حدیث جو لکھی ہے۔ قال ھل وجدتم ماوعد کم ربکم حقا۔ اس حدیث کو حضرت عائشہ صدیقہ نے اس کے سیدھے اور حقیقی معنی کے رو سے قبول نہیں کیا اس عذر سے کہ یہ

قرآن کریم کے معارض ہے۔اللہ تبارک وتعالےٰ فرماتا ہے **انک لا تسمع الموتی** (النمل :81)اورابن عمر کی حدیث کوصرف اسی وجہ سے رد کر دیا ہے کہ ایسے معنے معارض قرآن ہیں۔ دیکھو بخاری صفحہ 183۔ایسا ہی محققوں نے بخاری کی اس حدیث کوجوصفحہ 652 میں لکھی ہےیعنی یہ کہ **ما من مولودیولدالا و الشیطن یمسہ حین یولد الامریم وابنھا۔** قرآن کریم کی ان آیات سےمخالف پاکرکہ **الا عبادک منھم المخلصین** (الحجر:41) **ان عبادی لیس لک علیھم سلطان**(الحجر :43)**و سلام علیه یوم ولد** (مریم:16)اس حدیث کی یہ تاویل کردی کہ ابن مریم اورمریم سےتمام ایسےاشخاص مراد ہیں جوان دونوں کی صفت پرہوں جیسا کہ شارح بخاری نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔

قد طعن الزمخشری فی معنی ھذا الحدیث و توقف فی صحته وقال ان صحفمماتاہ کل من کان فی صفتھما لقول تعالیٰ الا عبادک منھم المخلصین یعنی علامہ زمخشری نے بخاری کی اس حدیث میں طعن کیا ہےاوراس کی صحت میں اسکوشک ہےاور کہا ہے کہ یہ حدیث معارض قرآن ہےاورفقط اس صورت میں صحیح متصور ہوسکتی ہے کہ اس کے یہ معنے کئے جاویں کہ مریم اورابن مریم سے مرادتمام ایسےلوگ ہیں جوان کی صفت پرہوں۔ (ازالہءاوہام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 609`610)

مُنِيۡبِيۡنَ اِلَيۡهِ وَاتَّقُوۡهُ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ۔(الروم :32)

تفسیرحسینی میں زیرتفسیرآیت وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ لکھا ہے کہ کتاب تیسیر میں شیخ محمدابن اسلم طوسی سےنقل کیا ہے کہ ایک حدیث مجھے پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''جو کچھ مجھ سے روایت کرو پہلے کتاب اللہ پرعرض کرلو اگر وہ حدیث کتاب اللہ کے موافق ہوتو وہ حدیث میری طرف سےہوگی ورنہ نہیں۔''سومیں نے اس حدیث کوکہ **مَنۡ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدۡ کَفَرَ** قرآن سےمطابق کرنا چاہااورتیس سال اس بارہ میں فکرکرتارہامجھے یہ آیت ملی **وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ**

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ر۔خ۔جلد4 صفحہ 40)

اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ۔ (الحجر:41)

اسلام میں کفر۔ بدعت۔ الحاد۔ زندقہ وغیرہ۔اسی طرح سے آئے ہیں کہ ایک شخص واحد کے کلام کواس قدرعظمت دی گئی۔جس قدر کہ کلام الٰہی کودی جانی چاہیئے تھی۔صحابہ کرامؓ اسی لیے احادیث کوقرآن شریف سے کم درجہ پر مانتے تھے۔**ایک دفعہ حضرت عمرؓ فیصلہ کرنے لگےتوایک بوڑھی عورت نے اُٹھ کرکہا۔حدیث میں یہ لکھا ہے۔تو آپ نے فرمایا کہ میں ایک بڑھیا کے لیے کتاب اللہ کوترک نہیں کرسکتا۔**

اگرایسی ایسی باتوں کوجن کے ساتھ وحی کی کوئی مدد نہیں تو وہی عظمت دی جاوے تو پھر کیا وجہ ہے کہ مسیح کی حیات کی نسبت جواقوال ہیں ان کوبھی صحیح مان لیاجاوے حالانکہ وہ قرآن شریف کے بالکل مخالف ہیں۔

(ملفوظات جلدسوم صفحہ 520)

قرآن اور حدیث میں اختلاف

ضروری امر تو صرف اسی قدر ہے کہ ہر یک حدیث مخالف ہونے کی حالت میں قرآن کریم پر پیش کرنی چاہیئے۔ چنانچہ یہ امر ایک مشکوٰۃ کی حدیث سے بھی حسب منشاء ہمارے بخوبی طے ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے۔ و ان الحارث الا عور قال مررت فی المسجد فاذا الناس یخوضون فی الا حادیث فدخلت علیٰ علیؓ فاخبرته فقال اوقد فعلوها قلت نعم قال اما انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ یقول الا انها ستکون فتنة قلت ما المخرج منها یا رسول اللہ قال کتاب اللہ فیه خبر ما قبلکم و خبر ما بعد کم و حکم مابینکم هو الفصل لیس بالهزل من ترکه من جبار قصمه اللہ و من ابتغی الهدٰی فی غیره اضله اللہ و هو حبل اللہ المتین من قال به صدق و من عمل به اجر و من حکم به عدل و من دعا الیه هدی الی صراط مستقیم ۔یعنی روایت ہے حارث اعور سے کہ میں مسجد میں جہاں لوگ بیٹھے تھے اور حدیثوں میں خوض کر رہے تھے گذرا۔ سو میں یہ بات دیکھ کر کہ لوگ قرآن کو چھوڑ کر دوسری حدیثوں میں کیوں لگ گئے۔علیؓ کے پاس گیا اور اسکو جا کر یہ خبر دی۔علیؓ نے مجھے کہا کہ کیا سچ مچ لوگ احادیث کے خوض میں مشغول ہیں اور قرآن کو چھوڑ بیٹھے ہیں میں نے کہا ہاں **تب علیؓ نے مجھے کہا کہ یقیناً سمجھ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ عنقریب ایک فتنہ ہوگا یعنی دینی امور میں لوگوں کو غلطیاں لگیں گی۔ اور اختلاف میں پڑینگے اور کچھ کا کچھ سمجھ بیٹھیں گے تب میں نے عرض کی کہ اس فتنہ سے کیونکر رہائی ہوگی تب آپ نے فرمایا کہ کتاب اللہ کے ذریعہ سے رہائی ہوگی** اسمیں تم سے پہلوں کی خبر موجود ہے اور آنیوالے لوگوں کی بھی خبر ہے اور جو تم میں تنازعات پیدا ہوں انکا اسمیں فیصلہ موجود ہے وہ قول فصل ہے۔ ہزل نہیں جو شخص اسکے غیر میں ہدایت ڈھونڈیگا اور اس کو حکم نہیں بنائیگا خدا تعالیٰ اس کو گمراہ کر دیگا۔ وہ حبل اللہ المتین ہے جس نے اس کے حوالہ سے کوئی بات کہی۔ اس نے سچ کہا۔ اور جس نے اسپر عمل کیا وہ ماجور ہے۔ اور جس نے اس رو سے حکم کیا۔ اس نے عدالت کی۔ اور جس نے اس کی طرف بلایا اس نے راہ راست کی طرف بلایا۔ رواہ الترمذی والدارمی۔ اب ظاہر ہے کہ اس حدیث میں صاف اور صریح طور پر خبر دی گئی ہے کہ اس وقت میں فتنہ ہو جائے گا۔ اور لوگ طرح طرح کی ہدایت نکال لیں گے۔ اور انواع واقسام کے اختلافات اس وقت میں باہم پڑ جائیں گے۔ تب اس فتنہ سے مخلصی پانے کے لئے قرآن کریم ہی دلیل ہوگا۔ (الحق مباحثہ لدھیانہ جلد 4 صفحہ 39)

سچی اور صحیح حدیث کی پہچان

کسوف وخسوف والی حدیث کی صداقت

میں یہ بھی تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس زمانہ کی تمام نبیوں نے خبر دی ہے۔ یہ آخری ہزار کا زمانہ آ گیا ہے اور دیکھو یہ وقت ہے جس کے لیے گیارہ سو برس پہلے کی کتابوں میں لکھا تھا کہ مہدی کے وقت رمضان میں کسوف خسوف ہوگا اور آدمؑ سے لے کر اس وقت تک کبھی یہ نشان ظاہر نہیں ہوا۔ وہ نشان تم نے دیکھ لیا۔ پھر یہ کسی قابل غور بات ہے۔ بعض جاہل اعتراض کرتے اور بہانہ بناتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ احمق اتنا نہیں جانتے کہ جس حدیث نے اپنے آپ کو سچّا کر دیا ہے وہ کیسے جھوٹ ہو سکتی ہے۔

محدثین کے اصول کے مطابق سچی اور صحیح حدیث تو وہی ہے جو اپنی سچائی آپ ظاہر کر دے۔ اگر یہ حدیث ضعیف ہوتی تو پھر پوری کیوں ہوتی؟ دو مرتبہ کسوف خسوف ہوا۔ اس ملک میں بھی اور امریکہ میں بھی۔ اگر یہ حدیث ضعیف ہے تو پھر اس کی مثال پیش کریں کہ کسی اور کے زمانہ میں بھی ہوا ہو؟ یہ حدیث اہل سنت اور شیعہ دونوں کے ہاں کتابوں میں موجود ہے۔ پھر اس سے انکار کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ یہ آسمان کا نشان تھا۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 668)

احادیث کی تصحیح وتغلیط بذریعہ کشف

احادیث کے متعلق خود یہ تسلیم کر چکے ہیں۔ خصوصاً مولوی محمد حسین اپنے رسالہ میں شائع کر چکا ہے کہ اہل کشف احادیث کی صحت بذریعہ کشف کر لیتے ہیں اور اگر کوئی حدیث محدثین کے اصولوں کے موافق صحیح بھی ہو تو اہل کشف اسے موضوع قرار دے سکتے ہیں اور موضوع کو صحیح ٹھہرا سکتے ہیں۔

جس حال میں اہل کشف احادیث کی صحت کے اس معیار کے پابند نہیں جو محدثین نے مقرر کیا ہے بلکہ وہ بذریعہ کشف ان کی صحیح قرارداد احادیث کو موضوع ٹھہرانے کا حق رکھتے ہیں تو پھر جس کو حکم بنایا گیا ہے کیا اس کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا؟ خدا تعالیٰ جو اس کا نام حکم رکھتا ہے یہ نام ہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ سارا رطب ویابس جو اس کے سامنے پیش کی جاوے گا تسلیم نہیں کریگا بلکہ بہت سی باتوں کو ردّ کر دے گا اور جو صحیح ہونگی ان کے صحیح ہونے کا وہ فیصلہ دے گا ورنہ حکم کے معنے ہی کیا ہوئے؟ جب اس کی کوئی بات ماننی ہی نہیں تو اس کے حکم ہونے سے فائدہ کیا؟

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 21-20)

کیا آپ اس بات کو سمجھ نہیں سکتے کہ جس کو خدا تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے فہم قرآن عطا کرے اور تفہیم الٰہی سے وہ مشرف ہو جاوے اور اس پر ظاہر کر دیا جائے کہ قرآن کریم کی فلاں آیت سے فلاں حدیث مخالف ہے اور یہ علم اس کا کمال یقین اور قطعیت تک پہنچ جائے تو اس کیلئے یہی لازم ہوگا کہ حتی الوسع اوّل ادب کی راہ سے اس حدیث کی تاویل کر کے قرآن شریف سے مطابق کرے۔ اور اگر مطابقت محالات میں سے ہو اور کسی صورت سے نہ ہو سکے تو بدرجہ ناچاری اس حدیث کے غیر صحیح ہونے کا قائل ہو۔ کیونکہ ہمارے لئے یہ بہتر ہے کہ ہم بحالت مخالفت قرآن شریف حدیث کی تاویل کی طرف رجوع کریں۔ (الحق مباحثہ لدھیانہ۔ ر۔خ۔ جلد 4 صفحہ 21)

صحت حدیث اور حکم و عدل کا فیصلہ

مسیح موعود بطور حکم وعدل

حَکَم کا لفظ صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس وقت اختلاف ہوگا اور 73 فرقے موجود ہوں گے اور ہر فرقہ اپنے مسلمات کو جو اس نے بنا رکھے ہیں قطع نظر اس کے کہ وہ جھوٹے ہیں یا خیالی' چھوڑنا نہیں چاہتا بلکہ ہر ایک اپنی جگہ یہ چاہے گا کہ اس کی بات ہی مانی جاوے اور جو کچھ وہ پیش کرتا ہے وہ سب کچھ تسلیم کر لیا جاوے۔ ایسی صورت میں اس حکم کو کیا کرنا ہوگا۔ کیا وہ سب کی باتیں مان لے گا یا یہ کہ بعض رد کریگا اور بعض کو تسلیم کرے گا۔

غیر مقلد تو راضی نہیں ہوگا جب تک اس کی پیش کردہ احادیث کا سارا مجموعہ وہ مان نہ لے اور ایسا ہی حنفی' معتزلہ' شیعہ وغیرہ کل فرقے تو تب ہی اس سے راضی ہوں گے کہ وہ ہر ایک کی بات تسلیم کرے اور کوئی بھی رد نہ کرے اور یہ ناممکن ہے۔ اگر یہ ہو۔ کہ کوٹھڑی میں بیٹھا رہے گا اور اگر شیعہ اس کے پاس جائیگا تو اندر ہی اندر مخفی طور پر اسے کہہ دیگا کہ تو سچا ہے اور پھر سُنّی اس کے پاس جائیگا تو اس کو کہہ دیگا کہ تو سچا ہے۔ تو پھر تو بجائے حکم ہونے کے وہ پکا منافق ہوا اور بجائے وحدت کی روح پھونکنے کے اور سچا اخلاص پیدا کرنے کے وہ نفاق پھیلانے والا ٹھہرا۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ آنے والا موعود حکم واقعی حکم ہوگا۔ اسکا فیصلہ قطعی اور یقینی ہے۔ ایک نقل مشہور ہے کہ کسی عورت کی دو لڑکیاں تھیں ایک بیٹ میں بیاہی ہوئی تھی اور دوسری بانگر میں اور وہ ہمیشہ یہ سوچتی رہتی تھی کہ دو میں سے ایک ہے نہیں اگر بارش زیادہ ہوگئی تو بیٹ والی نہیں ہے اور اگر نہ ہوئی تو بانگر والی نہیں ہے۔ یہی حال حکم کے آنے پر ہونا چاہیئے۔

وہ خود ساختہ اور موضوع باتوں کو رد کر دیگا اور سچ کو لے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا نام حکم رکھا گیا ہے۔ اسی لیے آثار میں آیا ہے کہ اس پر کفر کا فتویٰ دیا جاوے گا کیونکہ وہ جس فرقہ کی باتوں کو رد کریگا وہی اس پر کفر کا فتویٰ دیگا۔ یہانتک کہا ہے کہ مسیح موعودؑ کے نزول کے وقت ہر ایک شخص اُٹھ کر کھڑا ہوگا اور منبر پر چڑھ کر کہے گا۔ اِنَّ هٰـذَا الرَّجُلُ غَيَّـرَ دِيْـنَنَـا۔ اس شخص نے ہمارے دین کو بدل دیا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت اس امر کا ہوگا کہ وہ بہت سی باتوں کو رڈ کر دیگا جیسا کہ اس کا منصب اس کو اجازت دیگا۔

غرض اس بات کو سرسری نظر سے ہرگز نہیں دیکھنا چاہیئے بلکہ غور کرنا چاہیئے کہ حکم عدل کا آنا اور اس کا نام دلالت کرتا ہے کہ وہ اختلاف کے وقت آئے گا اور اس اختلاف کو مٹائے گا۔ ایک کو رد کریگا اور اندرونی غلطیوں کی اصلاح کریگا۔

وہ اپنے نور فراست اور خدا تعالیٰ کے اعلام والہام سے بعض ڈھیروں کے ڈھیر جلا دیگا اور پکّی اور محکم باتیں رکھ لے گا۔ جب یہ مسلم امر ہے تو پھر مجھ سے یہ امید کیوں کی جاتی ہے کہ میں ان کی ہر بات مان لوں قطع نظر اس کے کہ وہ بات غلط اور بیہودہ ہے۔ اگر میں ان کا سارا رطب و یابس مان لوں تو پھر میں حکم کیسے ٹھہر سکتا ہوں؟

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 22-21)

حضرت اقدس کا مذہب

مجھ کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کی اشاعت کے لئے مامور کیا ہے تا میں جو ٹھیک ٹھیک منشاء قرآن کریم کا ہے لوگوں پر ظاہر کروں۔ اور اگر اس خدمتگذاری میں علماء وقت کا میرے پر اعتراض ہو اور وہ مجھکو فرقہ ضالہ نیچریہ کی طرف منسوب کریں تو میں ان پر کچھ افسوس نہیں کرتا۔ بلکہ خدا تعالیٰ سے چاہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ وہ بصیرت انہیں عطا فرماوے جو مجھے عطا فرمائی ہے۔ نیچریوں کا اوّل دشمن میں ہی ہوں اور ضرور تھا کہ علماء میری مخالفت کرتے کیونکہ بعض احادیث کا یہ منشا پایا جاتا ہے کہ مسیح موعود جب آئیگا تو علما اسکی مخالفت کرینگے اسی کی طرف مولوی صدیق حسن صاحب مرحوم نے آثار القیامہ میں اشارہ کیا ہے اور حضرت مجدد صاحب سرہندی نے بھی اپنی کتاب کے صفحہ (۱۰۷) میں لکھا ہے کہ ''مسیح موعود جب آئیگا تو علماء وقت اسکو اہل الرائے کہینگے یعنی یہ خیال کرینگے کہ یہ حدیثوں کو چھوڑتا ہے اور صرف قرآن کا پابند ہے اور اسکی مخالفت پر آمادہ ہو جائینگے'' وَالسَّلَامُ عَلیٰ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

غلام احمد قادیانی 21 جولائی 1891 (الحق مباحثہ لدھیانہ۔ ر۔خ۔ جلد 4 صفحہ 30)

جماعت کو نصیحت

ہماری جماعت کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سنت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو اسپر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اسکو ترجیح دیں۔ اور اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ سنت میں اور نہ قرآن میں مل سکے تو اس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کرلیں کیونکہ اس فرقہ کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی ہے اور اگر بعض موجودہ تغیرات کی وجہ سے فقہ حنفی کوئی صحیح فتویٰ نہ دے سکے تو اس صورت میں علماء اس سلسلہ کے اپنے خدا داد اجتہاد سے کام لیں لیکن ہوشیار رہیں کہ مولوی عبداللہ چکڑالوی کی طرح بے وجہ احادیث سے انکار نہ کریں ہاں جہاں قرآن اور سنت سے کسی حدیث کو معارض پاویں تو اس حدیث سے انکار نہ کریں ہاں جہاں قرآن اور سنت سے کسی حدیث کو معارض پاویں تو اس حدیث کو چھوڑ دیں۔ یاد رکھیں کہ ہماری جماعت بہ نسبت عبداللہ کے اہلحدیث سے اقرب ہے اور عبداللہ چکڑالوی کے بیہودہ خیالات سے ہمیں کچھ بھی مناسبت نہیں۔ ہر ایک جو ہماری جماعت میں ہی اسے یہی چاہیئے کہ وہ عبداللہ چکڑالوی کے عقیدوں سے جو حدیثوں کی نسبت وہ رکھتا ہے بدل متنفر اور بیزار ہو۔ اور ایسے لوگوں کی صحبت سے حتی الوسع نفرت رکھیں کہ یہ دوسرے مخالفوں کی نسبت زیادہ برباد شدہ فرقہ ہے۔ **اور چاہیئے کہ نہ وہ مولوی محمد حسین کے گروہ کی طرح حدیث کے بارہ میں افراط کی طرف جھکیں اور نہ عبداللہ کی طرح تفریط کی طرف مائل ہوں بلکہ اس بارہ میں وسط کا طریق اپنا مذہب سمجھ لیں۔ یعنی نہ تو ایسے طور سے بکلی حدیثوں کو اپنا قبلہ وکعبہ قرار دیں جس سے قرآن متروک اور مہجور کی طرح ہو جائے۔ اور نہ ایسے طور سے ان حدیثوں کو معطل اور لغو قرار دیدیں جن سے احادیث نبویہ بکلی ضائع ہو جائیں۔**

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی۔ ر۔خ۔ جلد 19 صفحہ 213-212)

لوگ مخلوق کو دھوکہ دیتے ہیں اور غلطیوں میں ڈالتے ہیں کہ ہم نے کوئی نیا کلمہ یا نماز تجویز کی ہے۔ ایسے افتراؤں کا میں کیا جواب دوں۔ اسی قسم کے افتراؤں سے وہ ایک عاجز انسان مسیح علیہ السلام کو تین خدا بنا بیٹھے۔ دیکھو۔ ہم مسلمان ہیں اور امت محمدی ہیں اور ہمارے نزدیک نئی نماز بنانی یا قبلہ سے روگردانی کفر ہے۔ کل احکام پیغمبری کو ہم مانتے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے حکم کو ٹالنا بھی بدذاتی ہو۔ اور ہمارا دعویٰ قال اللہ اور قال الرسول کے ماتحت ہے۔ اتباع نبویؐ سے الگ ہوکر ہم نے کوئی کلمہ یا نماز یا حج یا ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد نہیں بنائی۔ ہمارا کام یہ ہے کہ اس دین کی خدمت کریں اور اس کو کل مذاہب پر غالب کر کے دکھاویں۔ قرآن شریف کی اور احادیث کی جو پیغمبر خدا سے ثابت ہیں۔ اتباع کریں ضعیف سے ضعیف حدیث بھی بشرطیکہ وہ قرآن شریف کے مخالف نہ ہو ہم واجب العمل سمجھتے ہیں اور بخاری اور مسلم کو بعد کتاب اللہ اصح الکتب مانتے ہیں۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 107)

میں نے سنا ہے کہ بعض تم میں سے حدیث کو بکلی نہیں مانتے۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو سخت غلطی کرتے ہیں۔ میں نے یہ تعلیم نہیں دی کہ ایسا کرو۔ بلکہ میرا مذہب یہ ہے کہ تین چیزیں ہیں کہ جو تمہاری ہدایت کے لئے خدا نے تمہیں دی ہیں۔ سب سے اول قرآن ہے۔ دوسرا ذریعہ ہدایت کا سنت ہے یعنی وہ پاک نمونے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل اور عمل سے دکھلائے مثلاً نماز پڑھ کے دکھلائی کہ یوں نماز چاہیئے۔ اور روزہ رکھ کر دکھلایا کہ یوں روزہ چاہیئے۔ اس کا نام سنت ہے یعنی روش نبویؐ جو خدا کے قول کو فعل کے رنگ میں دکھلاتے رہے۔ سنت اسی کا نام ہے۔ تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے جو آپ کے بعد آپ کے اقوال جمع کئے گئے۔ اور حدیث کا رتبہ قرآن اور سنت سے کمتر ہے کیونکہ اکثر حدیثیں ظنّی ہیں۔ لیکن اگر ساتھ سنت ہو تو وہ اسکو یقینی کر دے گی۔ منہ

(کشتیءنوح۔ ر۔خ۔ جلد 19 صفحہ 26)

ہمارا ضرور یہ مذہب ہونا چاہیئے کہ ہم ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول کو قرآن کریم پر عرض کریں تا ہمیں معلوم ہو کہ وہ واقعی طور پر اسی مشکوٰۃ وحی سے نور حاصل کرنے والے ہیں جس سے قرآن نکلا ہے یا اس کے مخالف ہیں۔

(الحق مباحثہ لدھیانہ۔ ر۔خ۔ جلد 4 صفحہ 22)

باب چہارم

فہم قرآن اور عقائد اور مسائل

اقسام احکام باری تعالیٰ

اوامر کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک امر شرعی ہوتا ہے جس کے برخلاف انسان کر سکتا ہے دوسرے اوامر کونی ہوتے ہیں جس کا خلاف ہو ہی نہیں سکتا جیسا کہ فرمایا قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ (الانبیاء:70) اس میں کوئی خلاف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ آگ اس حکم کے خلاف ہرگز نہ کر سکتی تھی۔ انسان کو جو حکم اللہ تعالیٰ نے شریعت کے رنگ میں دئے ہیں نماز کو قائم رکھو یا فرمایا وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (البقرہ:46) ان پر جب وہ ایک عرصہ تک قائم رہتا ہے تو یہ احکام بھی شرعی رنگ سے نکل کر کونی رنگ اختیار کر لیتے ہیں اور پھر وہ ان احکام کی خلاف ورزی کر ہی نہیں سکتا۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 351)

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	پہلی فصل مسئلہ نبوت	
1	تعریف نبوت	457
2	معانی ختم نبوت	458
3	نبوت اور رسالت جاری ہے	460
4	محدثیت اور وراثت انبیاء	464
5	حضرت اقدسؑ کے دعاوی ءِ نبوت اور رسالت	466
6	حضرت اقدسؑ کی نبوت دراصل نبوت محمدیہ ہے	468
7	معیارِ صدقِ دعویٰ	469
	دوسری فصل وفاتِ مسیحؑ	
8	حضرت اقدسؑ کا عقیدہ	470
9	نزولِ مسیحؑ کی حقیقت	〃
10	زمین میں ہر چیز معرضِ فنا میں ہے	471
11	جنتی پر دو موتیں نہیں آتیں	472
12	وفاتِ مسیحؑ آیات قرآنیہ کے اعتبار سے	473
13	وفاتِ مسیحؑ۔ حدیث رسولؐ اللہ کے اعتبار سے	480
14	تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم کا اجماع	483
	تیسری فصل اسلام میں جہاد	
15	لفظ جہاد کے لفظی معانی	484
16	جہاد کے حقیقی معانی	〃
17	اسلام صلح اور امن کا دین ہے	〃
18	اسلام میں جبر و اکراہ نہیں ہے	486
19	اسلام میں جہاد کی ضرورت	489
20	اسلامی جنگوں کی تین وجوہات تھیں	490
21	جہاد دفاع کے لئے تھا	491
22	جہاد بطورِ سزا	493
23	جہاد جرائم پیشہ کے خلاف تھا	494
24	جہاد بغاوت دور کرنے اور آزادیٔ مذہب کے لئے تھا	〃
25	جنگ کی ابتداء کافروں کی تھی	495
26	جہاد کا حکم مختص الزمان والوقت تھا	497
27	جہاد اور جنگ نہ کرنے کا حکم	499
28	جہاد بالسیف اور حضرت اقدسؑ کی تعلیم	500
29	یہ زمانہ تلوار سے جہاد کا نہیں ہے	502
30	موجودہ حالت میں مصلح کی ضرورت	503
31	اسلام میں حقیقی جہاد۔ نفسوں کو پاک کرنے کا جہاد	〃
32	معجزات اور خدائی چمک دکھانے کا جہاد	504
33	اسلام کی برکات اور انوار سے جہاد	〃
34	معجزات اور نشان دکھا کر	505
35	قلم سے جہاد	506
36	اسلام کے جہاد پر اعتراضات کا جواب	507
37	اسلامی جہاد اور لونڈیاں	509
38	اسلام کا خدا تمام عبادت خانوں کا حامی اور محافظ ہے	〃
39	جو حکومت شریعت کے خلاف حکم نہیں دیتی اس کی اطاعت لازم ہے	510

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
	چوتھی فصل وحی والہام	
40	تعریف الہام	511
41	الہام کا مادہ ہر انسان میں ہے	512
42	الہام کا حقیقی منصب	//
43	الہام قابل تعبیر ہوتا ہے	513
44	الہام اور اجتہادی غلطی	//
45	الہام پانے کی خواہش غلط ہے	//
46	وحی صرف مسلمان کو ہوسکتی ہے	//
47	الہام بجز موافقت قرآن کے حجت نہیں ہے	514
48	اقسام کلام الٰہی	//
49	اکمل اور اتم وحی والہام	515
50	حدیث النفس اور شیطانی القاء	//
51	کیفیات نزول وحی والہام	516
52	کلام الٰہی اور الہام میں فرق	517
53	حضرت اقدسؑ کا مکالمہ ومخاطبہ	518
54	خصوصیات الہام ماموریں	//
55	الہام ماموریں	//
56	الہام اور اس کی ضرورت	519
57	الہام جاری ہے	520
58	الہام جاری ہے۔قانون قدرت کے اعتبار سے	521
59	الہام اور یقین	522
60	حضرت اقدسؑ کا الہام اور وحی یقینی ہے	523
61	الہام اور دستورِ خداوندی	524
62	سچے الہام کی پہچان	525
63	الہام اور خدا کی فعلی شہادت	526
64	کثرت مکالمہ مخاطبہ	//

پانچویں فصل معجزات

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
65	تعریف معجزہ	527
66	معجزات کے تین اقسام	//
67	معجزات اور اسباب	528
68	حقیقی معجزہ	//
69	معجزات اور خوارق	529
70	پیشگوئی اور نشان	530
71	پیشگوئی کا منصب	//
72	پیشگوئی۔تعریف اور اقسام	532
73	مفتری کی پیشگوئی ہرگز پوری نہیں ہوتی	533
74	مفتری کی پیشگوئی اس پر ہی پڑتی ہے	//
75	ظہور پیشگوئی کا وقت نہیں بتایا جاتا	534
76	پیشگوئی کا صدق اس کے ظاہر ہونے پر قائم ہوتا ہے	//
77	پیشگوئی اور نشان خدا کے ہاتھ میں ہے	535
78	حضرت اقدسؑ کی پیشگوئی	//
79	معراج......صحیح مذہب	536
80	معراج روحانی بیداری میں ہوا	//
81	معراج آنحضرتؐ کا روحانی مقام تھا	537
82	معراج مکانی اور زمانی	//
	چھٹی فصل	
83	جنت دوزخ	539
84	تعریف جنت دوزخ	//
85	کیفیات جنت	540
86	حقیقتِ نعماء جنت	541
87	مومن فوراً جنت میں داخل ہوجاتا ہے	542

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
88	دوزخی فوراً دوزخ میں جائے گا	542
89	عالم برزخ	543
90	جہنم دائمی نہیں	//
91	جزاسزا......رحمتِ باری عام ہے	//
92	جزاسزا کا فلسفہ	544
93	عذاب کیوں آتا ہے	545
94	عذاب انبیاء کے انکار سے آتا ہے	546
95	خدا کی ناراضگی ان پر ہوتی ہے جن پر فضل وعنایات ہوں	547
96	خدا کے حضور توبہ	//
97	انبیاء کا استغفار	//
98	ذنب انبیاء	548
99	عصمتِ انبیاء	//
100	روح	549
101	روح فانی ہے	//
102	صحت مند جسم میں صحت مند روح ہوتی ہے	550
103	روح سے ملاقات	//

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	ساتویں فصل شادی ، مہر اور طلاق	
104	مہر	551
105	تعدد ازدواج	552
106	تعدد ازدواج میں عدل	//
107	دوسری شادی کی اجازت	553
108	طلاق۔ موجباتِ طلاق	554
109	طلاق سے پرہیز کرو	555
110	عورت کو خلع کی اجازت ہے	556
111	ناموافقت میں صلح کے لئے حَکَم کا قیام	//
112	مسئلہ سود......اجتہادی مسئلہ ہے	557
113	سود کی تعریف	558
114	اگر محنت میں شراکت ہو تو وہ آمد سود نہیں ہے	//
115	اگر حکومت نفع دیتی ہے تو وہ سود نہیں	559
116	سود حرام ہے	//
117	سودی اموال اشاعتِ دین کے لئے جائز ہیں	560
118	انشورنس اور بیمہ	561
119	اسلامی فنڈ کا قیام	//

پہلی فصل

مسئلہ نبوت

تعریف نبوت وَ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ (الاحزاب :47)

انبیاء منجملہ سلسلہ متفاوتہ فطرت انسانی کے وہ افراد عالیہ ہیں جن کو اس کثرت اور کمال سے نور باطنی عطا ہوا ہے کہ گویا وہ نور مجسم ہو گئے ہیں اسی جہت سے قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نور اور سراج منیر رکھا ہے جیسا فرمایا ہے۔ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ الجزونمبر 6 وَ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا الجز نمبر 22 یہی حکمت ہے کہ نور وحی جس کے لئے نور فطرتی کا کامل اور عظیم الشان ہونا شرط ہے صرف انبیاء کو ملا اور انہیں سے مخصوص ہوا۔ (براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔جلد1 صفحہ 196 حاشیہ)

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔ (الاحزاب:41)

نبوت کے معنی اظہار امر غیب ہے اور نبی ایک لفظ ہے جو عربی اور عبرانی میں مشترک ہے یعنی عبرانی میں اسی لفظ کو نابی کہتے ہیں اور یہ لفظ نابا سے مشتق ہے جس کے یہ معنے ہیں خدا سے خبر پا کر پیشگوئی کرنا۔ اور نبی کے لئے شارع ہونا شرط نہیں ہے یہ صرف موہبت ہے جس کے ذریعہ سے امور غیبیہ کھلتے ہیں۔ (ایک غلطی کا ازالہ۔ ر۔خ۔جلد18 صفحہ 210-209)

نبی کے معنے صرف یہ ہیں کہ خدا سے بذریعہ وحی خبر پانے والا ہو اور شرف مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہو۔ شریعت کا لانا اس کے لئے ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ صاحب شریعت رسول کا متبع نہ ہو۔ پس ایک امتی کو ایسا نبی قرار دینے سے کوئی محذور لازم نہیں آتا بالخصوص اس حالت میں کہ وہ امتی اپنے اس نبی متبوع سے فیض پانے والا ہو بلکہ فساد اس حالت میں لازم آتا ہے کہ اس امت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک مکالمات الٰہیہ سے بے نصیب قرار دیا جائے۔ وہ دین دین نہیں ہے اور نہ وہ نبی نبی ہے جس کی متابعت سے انسان خدا تعالیٰ سے اس قدر نزدیک نہیں ہو سکتا کہ مکالمات الٰہیہ سے مشرف ہو سکے۔ (براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔جلد21 صفحہ 306)

عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ...... الاخر (الجن:27`28)

نبی کے معنے لغت کی رو سے یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے اطلاع پا کر غیب کی خبر دینے والا۔ پس جہاں یہ معنے صادق آئیں گے نبی کا لفظ بھی صادق آئے گا اور نبی کا رسول ہونا شرط ہے کیونکہ اگر وہ رسول نہ ہو تو پھر غیب مصفّٰی کی خبر اس کو مل نہیں سکتی اور یہ آیت روکتی ہے۔ لَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ اب اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان معنوں کی رو سے نبی سے انکار کیا جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ امت مکالمات و مخاطبات الٰہیہ سے بے نصیب ہے کیونکہ جس کے ہاتھ پر اخبار غیبیہ منجانب

اللہ ظاہر ہونگے بالضرورت اس پر مطابق آیت لَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ کے مفہوم نبی کا صادق آئے گا۔اسی طرح جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا جائے گا اسی کو ہم رسول کہیں گے۔فرق درمیان یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک ایسا نبی کوئی نہیں جس پر جدید شریعت نازل ہو یا جس کو بغیر توسط آنجناب اور ایسی فنا فی الرسول کی حالت کے جو آسمان پر اس کا نام محمد اور احمد رکھا جائے یونہی نبوت کا لقب عنایت کیا جائے۔ وَ مَنِ ادَّعٰی فَقَدْ کَفَرَ ۔اس میں اصل بھید یہی ہے کہ خاتم النبیین کا مفہوم تقاضا کرتا ہے کہ جب تک کوئی پردہ مغائرت کا باقی ہے اس وقت تک اگر کوئی نبی کہلائے گا تو گویا اس مہر کو توڑنے والا ہوگا جو خاتم النبیین پر ہے لیکن اگر کوئی شخص اسی خاتم النبیین میں ایسا گم ہو کہ بباعث نہایت اتحاد اور نفی غیریت کے اسی کا نام پالیا ہو اور صاف آئینہ کی طرح محمدی چہرہ کا اس میں انعکاس ہوگیا تو وہ بغیر مہر توڑنے کے نبی کہلائیگا کیونکہ وہ محمد ہے گو ظلی طور پر۔

(مجموعہ اشتہارات جلد 3 صفحہ 434-433)

معانی ختم نبوت

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ...... الاخر۔ (الاحزاب:41)

آیت خاتم النبیین میں وعدہ دیا گیا ہے اور جو حدیثوں میں بتصریح بیان کیا گیا ہے کہ اب جبرئیل بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لئے وحی نبوت کے لانے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ تمام باتیں سچ اور صحیح ہیں تو پھر کوئی شخص بحیثیت رسالت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہرگز نہیں آ سکتا۔

(ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد 3 صفحہ 414)

یہ بات مستلزم محال ہے کہ خاتم النبیین کے بعد پھر جبرئیل علیہ السلام کی وحی رسالت کے ساتھ زمین پر آمد و رفت شروع ہو جائے اور ایک نئی کتاب اللہ گو مضمون میں قرآن شریف سے توارد رکھتی ہو پیدا ہو جائے اور جو امر مستلزم محال ہو وہ محال ہوتا ہے۔فتدبر (ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد 3 صفحہ 414)

قرآن کریم بعد خاتم النبیین کے کسی رسول کا آنا جائز نہیں رکھتا خواہ وہ نیا رسول ہو یا پرانا ہو کیونکہ رسول کو علم دین بتوسط جبرئیل ملتا ہے **اور باب نزول جبرائیل بہ پیرایہ وحی رسالت مسدود ہے اور یہ بات خود ممتنع ہے** کہ دنیا میں رسول تو آوے مگر سلسلہ وحی رسالت نہ ہو۔ (ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد 3 صفحہ 511)

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ......الاخر۔ (المائدہ:4)

ختم نبوت کے متعلق میں پھر کہنا چاہتا ہوں کہ خاتم النبیین کے بڑے معنے یہی ہیں کہ نبوت کے امور کو آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کیا۔ یہ موٹے اور ظاہر معنی ہیں دوسرے یہ معنے ہیں کہ کمالات نبوت کا دائرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا۔ یہ سچ اور بالکل سچ ہے کہ قرآن نے ناقص باتوں کا کمال کیا۔اور نبوت ختم ہوگئی اس لیے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المائدۃ:4) کا مصداق اسلام ہوگیا۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 189)

یہ ایک مسلّم بات ہے کہ کسی چیز کا خاتمہ اس کی علت غائی کے اختتام پر ہوتا ہے۔جیسے کتاب کے جب کل مطالب بیان ہو جاتے ہیں تو اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے اسی طرح پر رسالت اور نبوت کی علت غائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئی اور یہی ختم نبوت کے معنے ہیں۔کیونکہ یہ ایک سلسلہ ہے جو چلا آیا ہے اور کامل انسان پر آ کر اس کا خاتمہ ہو گیا۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 35)

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَ کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔ (الاحزاب :41)

اس (خاتم النبین) کے یہ معنے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی صاحب شریعت نہیں آوے گا اور یہ کہ کوئی ایسا نبی آپؐ کے بعد نہیں آ سکتا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر اپنے ساتھ نہ رکھتا ہو......رئیس المتصوّفین حضرت ابن عربیؒ کہتے ہیں کہ نبوت کا بند ہو جانا اور اسلام کا مر جانا ایک ہی بات ہے۔دیکھو حضرت موسیٰ کے زمانہ میں تو عورتوں کو بھی الہام ہوتا تھا چنانچہ خود موسیٰ کی ماں سے بھی خدا تعالیٰ نے کلام کیا ہے۔وہ دین ہی کیا ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ اس کے برکات اور فیوض آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئے ہیں۔اگر اب بھی خدا اسی طرح سنتا ہے جس طرح پہلے زمانہ میں سنتا تھا اور اسی طرح سے دیکھتا ہے جس طرح پہلے دیکھتا تھا تو کیا وجہ ہے کہ جب پہلے زمانہ میں سننے اور دیکھنے کی طرح صفت تکلم بھی موجود تھی تو اب کیوں مفقود ہو گئی۔اگر ایسا ہی ہے تو کیا اندیشہ نہیں کہ کسی وقت خدا تعالیٰ کی صفت سننے اور دیکھنے کی بھی معزول ہو جاوے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 566-565)

یاد رہے کہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ آخری کتاب اور آخری شریعت قرآن ہے اور بعد اس کے قیامت تک ان معنوں سے کوئی نبی نہیں ہے جو صاحب شریعت ہو یا بلا واسطہ متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی پا سکتا ہو بلکہ قیامت تک یہ دروازہ بند ہے اور متابعت نبوی سے نعمت وحی حاصل کرنے کے لئے قیامت تک دروازے کھلے ہیں وہ وحی جو اتباع کا نتیجہ ہے کبھی منقطع نہیں ہوگی مگر نبوت شریعت والی یا نبوت مستقلہ منقطع ہو چکی ہے۔ و لا سبیل الیھا الی یوم القیامۃ و من قال انی لست من امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم و ادعی انہ نبی صاحب الشریعۃ اومن دون الشریعۃ و لیس من الامۃ فمثلہ کمثل رجل غمرہ السیل المنھمر فالقاہ وراء ہ ولم یغادر حتی مات۔

(ریویو بر مباحثہ بٹالوی و چکڑالوی۔ر۔خ۔جلد 19 صفحہ 214-213)

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ۔ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ۔(الکوثر:2تا 4)

یہ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا۔ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ یہ اس وقت کی بات ہے کہ ایک کافر نے کہا کہ آپ کی اولاد نہیں۔معلوم نہیں اس نے ابتر کا لفظ بولا تھا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ۔ تیرا دشمن ہی بے اولاد رہے گا۔

روحانی طور پر جو لوگ آئیں گے وہ آپؐ ہی کی اولاد سمجھے جائیں گے اور وہ آپؐ کے علوم و برکات کے وارث ہوں گے اور اس سے حصہ پائیں گے۔ اس آیت کو مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰـکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (الاحزاب:41) کے ساتھ ملا کر پڑھو تو حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد بھی نہیں تھی تو پھر معاذ اللہ آپ ابتر ٹھہرتے ہیں جو آپ کے اعداء کے لئے ہے اور اِنَّـآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو روحانی اولاد کثیر دی گئی ہے۔ پس اگر ہم یہ اعتقاد نہ رکھیں گے کہ کثرت کے ساتھ آپ کی روحانی اولاد ہوئی ہے تو اس پیشگوئی کے بھی منکر ٹھہریں گے۔

اس لئے ہر حالت میں ایک سچے مسلمان کو یہ ماننا پڑے گا اور ماننا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیرات قدسی ابدالآباد کے لئے ویسی ہی ہیں جیسی تیرہ سو برس پہلے تھیں چنانچہ ان تاثیرات کے ثبوت کے لئے ہی خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور اب وہی آیات و برکات ظاہر ہو رہے ہیں جو اس وقت ہو رہے تھے۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 39-38)

اگر یہ مانا جائے جیسا کہ ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ آپ کا نہ کوئی جسمانی بیٹا ہے نہ روحانی۔ تو پھر اس طرح پر معاذ اللہ یہ لوگ آپؐ کو ابتر ٹھہراتے ہیں مگر ایسا نہیں۔ آپ کی شان تو یہ ہے کہ اِنَّـآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ۔ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 317)

نبوت اور رسالت جاری ہے

تمام نبوتیں اور تمام کتابیں جو پہلے گذر چکیں ان کی الگ طور پر پیروی کی حاجت نہیں رہی کیونکہ نبوت محمدیہ ان سب پر مشتمل اور حاوی ہے اور بجز اس کے سب راہیں بند ہیں۔ تمام سچائیاں جو خدا تک پہنچاتی ہیں اسی کے اندر ہیں۔ نہ اس کے بعد کوئی نئی سچائی آئے گی اور نہ اس سے پہلے کوئی ایسی سچائی تھی جو اس میں موجود نہیں **اس لئے اس نبوت پر تمام نبوتوں کا خاتمہ ہے اور ہونا چاہیئے کیونکہ جس چیز کے لئے ایک آغاز ہے اس کے لئے ایک انجام بھی ہے لیکن یہ نبوت محمدیہ اپنی ذاتی فیض رسانی سے قاصر نہیں بلکہ سب نبوتوں سے زیادہ اس میں فیض ہے۔** اس نبوت کی پیروی خدا تک بہت سہل طریق سے پہنچا دیتی ہے اور اس کی پیروی سے خدا تعالیٰ کی محبت اور اس کے مکالمہ مخاطبہ کا اس سے بڑھ کر انعام مل سکتا ہے جو پہلے ملتا تھا مگر اس کا کامل پیرو صرف نبی نہیں کہلا سکتا کیونکہ نبوت کاملہ تامہ محمدیہ کی اس میں ہتک ہے ہاں امتی اور نبی دونوں لفظ اجتماعی حالت میں اس پر صادق آسکتے ہیں کیونکہ اس میں نبوت تامہ کاملہ محمدیہ کی ہتک نہیں بلکہ اس نبوت کی چمک اس فیضان سے زیادہ تر ظاہر ہوتی ہے اور جبکہ وہ مکالمہ مخاطبہ اپنی کیفیت اور کمیت کی رو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے اور اس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو اور کھلے طور پر امور غیبیہ پر مشتمل ہو تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوت کے نام سے موسوم ہوتا ہے جس پر تمام نبیوں کا

اتفاق ہے۔پس یہ ممکن نہ تھا کہ وہ قوم جس کے لئے فرمایا گیا کہ کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ (ال عمران :111) اورجن کے لئے یہ دعا سکھائی گئی کہ اِھۡدِنَاالصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ۔ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ (الفاتحہ :6,7) ان کے تمام افراداس مرتبہ عالیہ سے محروم رہتے اورکوئی ایک فرد بھی اس مرتبہ کو نہ پاتا اور ایسی صورت میں صرف یہی خرابی نہیں تھی کہ امت محمدیہ ناقص اور ناتمام رہتی اورسب کے سب اندھوں کی طرح رہتے بلکہ یہ بھی نقص تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت فیضان پر داغ لگتا تھا اور آپ کی قوت قدسیہ ناقص ٹھہرتی تھی اور ساتھ اس کے وہ دعا جس کا پانچ وقت نماز میں پڑھنا تعلیم کیا گیا تھا اس کا سکھلانا بھی عبث ٹھہرتا تھا مگر اس کے دوسری طرف یہ خرابی بھی تھی کہ اگر یہ کمال کسی فرد امت کو براہ راست بغیر پیروی نور نبوت محمدیہ کے مل سکتا تو ختم نبوت کے معنے باطل ہوتے تھے۔پس ان دونوں خرابیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے خدا تعالیٰ نے مکالمہ مخاطبہ کاملہ تامہ مطہرہ مقدسہ کا شرف ایسے بعض افراد کو عطا کیا جو فنافی الرسول کی حالت تک اتم درجہ تک پہنچ گئے اور کوئی حجاب درمیان نہ رہا اور امتی ہونے کا مفہوم اور پیروی کے معنے اتم اور اکمل درجہ پر ان میں پائے گئے۔ایسے طور پر کہ ان کا وجود اپنا وجود نہ رہا بلکہ ان کے محویت کے آئینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود منعکس ہوگیا اور دوسری طرف اتم اور اکمل طور پر مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ نبیوں کی طرح ان کو نصیب ہوا۔ (رسالہ الوصیت ۔ر۔خ۔جلد 20 صفحہ 312-311)

زبان عرب میں لٰکِنۡ کا لفظ استدراک کے لئے آتا ہے یعنی جو امر حاصل نہیں ہوسکا۔اس کے حصول کی دوسرے پیرایہ میں خبر دیتا ہے جس کے رو سے **اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی نرینہ اولاد کوئی نہیں تھی مگر روحانی طور پر آپ کی اولاد بہت ہوگی اور آپ نبیوں کے لئے مہر ٹھہرائے گئے ہیں یعنی آئندہ کوئی نبوت کا کمال بجز آپ کی پیروی کی مہر کے کسی کو حاصل نہیں ہوگا۔** (چشمہ مسیحی ۔ر۔خ۔جلد 20 صفحہ 389-388)

نبوت جو اللہ تعالیٰ نے اب قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حرام کی ہے اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اب اس امت کو کوئی خیر و برکت ملے گی نہیں اور نہ اس کو شرف مکالمات اور مخاطبات ہوگا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر کے سوائے اب کوئی نبوت نہیں چل سکے گی۔اس امت کے لوگوں پر جو نبی کا لفظ نہیں بولا گیا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ حضرت موسیٰ کے بعد تو نبوت ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عالیجناب اولوالعزم صاحب شریعت کمال آنے والے تھے اسی وجہ سے ان کے واسطے یہ لفظ جاری رکھا گیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ ہر ایک قسم کی نبوت بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بند ہو چکی تھی اس واسطے ضروری تھا کہ اس کی عظمت کی وجہ سے وہ لفظ نہ بولا جاتا۔ **مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِکُمۡ وَ لٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ (الاحزاب:41)** (ملفوظات جلد سوم صفحہ 248)

وَ اِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡھَا نَذِیۡرٌ۔ (فاطر:25)

ہمارے اصول کی رو سے وہ (اللہ تعالیٰ) رب العالمین ہے اور اس نے اناج، ہوا، پانی، روشنی وغیرہ سامان تمام مخلوق کے واسطے بنائے ہیں۔ اسی طرح سے وہ ہر ایک زمانہ میں ہر ایک قوم کی اصلاح کے واسطے وقتاً فوقتاً مصلح بھیجتا رہا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے وَ اِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡھَا نَذِیۡر خدا (تعالیٰ) تمام دنیا کا خدا ہے کسی خاص قوم سے اس کا کوئی رشتہ نہیں۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 619)

اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ اسلام کا خدا حیّ وقیوم خدا ہے پھر وہ مردوں سے پیار کیوں کرنے لگا۔ وہ حی وقیوم خدا تو بار بار مردوں کو جلاتا ہے یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِھَا (الروم:20) تو کیا مردوں کے ساتھ تعلق پیدا کرا کر جلاتا ہے۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اسلام کی حفاظت کا ذمّہ اسی حیّ وقیوم خدا نے اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر:10) کہہ کر اٹھایا ہوا ہے۔ پس ہر زمانہ میں یہ دین زندوں سے زندگی پاتا ہے اور مُردوں کو جلاتا ہے۔ یاد رکھو اس میں قدم قدم پر زندے آتے ہیں **پھر فرمایا ثُمَّ فُصِّلَتۡ۔ ایک تو وہ تفصیل ہے جو قرآن کریم میں ہے۔ دوسری یہ کہ قرآن کریم کے معارف وحقائق کے اظہار کا سلسلہ قیامت تک دراز کیا گیا ہے۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 346)

اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ ...... اگر یہ امت پہلے نبیوں کی وارث نہیں اور اس انعام میں سے ان کو کچھ حصہ نہیں تو یہ دعا کیوں سکھلائی گئی۔ (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 104 حاشیہ)

اِنَّا اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ...... الاخر (القدر:2 تا 6)

اس اَرحم الراحمین کی یوں عادت ہے کہ جب ظلمت اپنے کمال تک پہنچ جاتی ہے اور خط تاریکی کا اپنے انتہائی نقطہ پر جا ٹھہرتا ہے یعنی اس غایت درجہ پر جس کا نام باطنی طور پر لیلۃ القدر ہے تب خداوند تعالیٰ رات کے وقت میں کہ جس کی ظلمت باطنی ظلمت سے مشابہ ہے علم ظلمانی کی طرف توجہ فرماتا ہے اور اس کے اذن خاص سے ملائکہ اور روح القدس زمین پر اترتے ہیں اور خلق اللہ کی اصلاح کے لئے خدائے تعالیٰ کا نبی ظہور فرماتا ہے تب وہ نبی آسمانی نور پا کر خلق اللہ کو ظلمت سے باہر نکالتا ہے اور جب تک وہ نور اپنے کمال تک نہ پہنچ جائے تب تک ترقی پر ترقی کرتا جاتا ہے اور اسی قانون کے مطابق وہ اولیاء بھی پیدا ہوتے ہیں کہ جو ارشاد اور ہدایت خلق کے لئے بھیجے جاتے ہیں کیونکہ وہ انبیاء کے وارث ہیں سو ان کے نقش قدم پر چلائے جاتے ہیں۔ اب جاننا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ نے اس بات کو بڑے پُر زور الفاظ سے قرآن شریف میں بیان کیا ہے کہ دنیا کی حالت میں قدیم سے ایک مدوجزر واقع ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے جو فرمایا ہے تُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّھَارِ وَ تُوۡلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیۡلِ (ال عمران:28) یعنی اے خدا کبھی تو رات کو دن میں اور کبھی دن کو رات میں داخل کرتا ہے یعنی ضلالت کے غلبہ پر ہدایت اور ہدایت کے غلبہ پر ضلالت کو پیدا کرتا ہے۔ (براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 645-644)

اِعۡلَمُوۡا اَنَّ اللّٰہَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِھَا۔ (الحدید:18)

اگر آسمانی پانی نازل ہونا چھوڑ دے تو سب کنوئیں خشک ہو جائیں۔اسی طرح پر ہم یہ مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نور قلب ہر انسان کو دیا ہے اور اس کے دماغ میں عقل رکھی ہے جس سے وہ بُرے بھلے میں تمیز کرنے کے قابل ہوتا ہے لیکن اگر نبوت کا نور آسمان سے نازل نہ ہو اور یہ سلسلہ بند ہو جاوے تو دماغی عقلوں کا سلسلہ جاتا رہے اور نور قلب پر تاریکی پیدا ہو جاوے اور وہ بالکل کام دینے کے قابل نہ رہے کیونکہ یہ سلسلہ اسی نورِنبوت سے روشنی پاتا ہے۔جیسے بارش ہونے پر زمین کی روئیدگیاں نکلنی شروع ہو جاتی ہیں اور ہر تخم پیدا ہونے لگتا ہے اسی طرح پر نورِنبوت کے نزول پر دماغی اور ذہنی عقلوں میں ایک صفائی اور نور فراست میں ایک روشنی پیدا ہوتی ہے۔اگر چہ یہ علیٰ قدر المراتب ہوئی ہے اور استعداد کے موافق ہر شخص فائدہ اٹھاتا ہے خواہ وہ اس امر کو محسوس کرے یا نہ کرے لیکن یہ سب کچھ ہوتا اسی نورنبوت کے طفیل ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 713)

کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ۔ (المجادلہ:22)

خدا مقرر کر چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب ہوتے رہیں گے۔ یہ آیت بھی ہر ایک زمانہ میں دائر اور عادت مستمرّہ الٰہیہ کا بیان کر رہی ہے۔ یہ نہیں کہ آئندہ رسول پیدا ہوں گے اور خدا انہیں غالب کرے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ کوئی زمانہ ہو حال یا استقبال یا گذشتہ۔سنت اللہ یہی ہے کہ رسول آخر کار غالب ہی ہو جاتے ہیں۔
(الحق مباحثہ دہلی۔ر۔خ۔جلد 4 صفحہ 163)

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ......الاخر (المائدہ :4)

قرآن کریم میں یہ آیت اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ ہے اسی طرح توریت میں بھی آیات ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو ایک کامل اور جلالی کتاب دیگئی ہے جس کا نام توریت ہے چنانچہ قرآن کریم میں بھی توریت کی یہی تعریف ہے لیکن باوجود اس کے بعد توریت کے صدہا ایسے نبی بنی اسرائیل میں سے آئے کہ کوئی نئی کتاب انکے ساتھ نہیں تھی بلکہ ان انبیاء کے ظہور کے مطالب یہ ہوتے تھے کہ تا انکے موجودہ زمانہ میں جو لوگ تعلیم توریت سے دور پڑ گئے ہوں پھر انکو توریت کے اصلی منشاء کی طرف کھینچیں۔اور جن کے دلوں میں کچھ شکوک اور دہریت اور بے ایمانی ہوگئی ہو انکو پھر زندہ ایمان بخشیں چنانچہ اللہ جلشانہٗ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتَابَ وَ قَفَّیۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ بِالرُّسُلِ (البقرۃ :88) یعنی موسیٰ کو ہم نے توریت دی اور پھر اس کتاب کے بعد ہم نے کئی پیغمبر بھیجے تا توریت کی تائید اور تصدیق کریں۔اسی طرح دوسری جگہ فرماتا ہے ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا تَتۡرَا (المومنون:45) یعنی پھر پیچھے سے ہم نے اپنے رسول پے در پے بھیجے۔پس ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ عادت اللہ یہی ہے کہ وہ اپنی کتاب بھیج کر پھر اسکی تائید اور تصدیق کیلئے ضرور انبیاء کو بھیجا کرتا ہے چنانچہ توریت کی تائید کیلئے ایک ایک وقت میں چار چار سو نبی بھی آیا۔جن کے آنے پر اب تک بائیبل شہادت دے رہی ہے۔

(شہادت القران۔ر۔خ۔جلد 6 صفحہ 341-340)

كُونُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ ۔ (التوبة:119)

اور یہ کہنا کہ ہمارے لئے قرآن اور احادیث کافی ہیں اور صحبت صادقین کی ضرورت نہیں یہ خود مخالفت تعلیم قرآن ہے کیونکہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے وَ كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ (التوبة:119) اور صادق وہ ہیں جنہوں نے صدق کو علیٰ وجہ البصیرت شناخت کیا اور پھر اسپر دل و جان سے قائم ہوگئے اور یہ اعلیٰ درجہ بصیرت کا بجز اسکے ممکن نہیں کہ سماوی تائید شامل حال ہو کر اعلیٰ مرتبہ حق الیقین تک پہنچا دیوے۔ **پس ان معنوں کر کے صادق حقیقی انبیاء اور رسل اور محدث اور اولیاء کاملین مکملین ہیں جن پر آسمانی روشنی پڑی اور جنہوں نے خدا تعالیٰ کو اسی جہان میں یقین کی آنکھوں سے دیکھ لیا اور آیت موصوفہ بالا بطور اشارت ظاہر کر رہی ہے کہ دنیا صادقوں کے وجود سے کبھی خالی نہیں ہوتی کیونکہ دوام حکم وَ كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ دوام وجود صادقین کو مستلزم ہے۔**

(شہادت القرآن۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 347)

محدثیت اور وراثت انبیاء

پھر بعض اور آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرور خداوند کریم نے یہی ارادہ فرمایا ہے کہ روحانی معلم جو انبیاء کے وارث ہیں ہمیشہ ہوتے رہیں اور وہ یہ ہیں۔ وَعَدَ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور :56) وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْتَحُلُّ قَرِيْبًا مِنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللهِ اِنَّ اللهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (الرعد:32الجزو نمبر 13) وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل :16) یعنی خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے اے مومنان امت محمد یہ وعدہ کیا ہے کہ تمہیں بھی وہ زمین میں خلیفہ کریگا جیسا کہ تم سے پہلوں کو کیا اور ہمیشہ کفار پر کسی قسم کی کوفتیں جسمانی ہوں یا روحانی پڑتی رہینگی یا ان کے گھر سے نزدیک آجائیں گی۔ یہانتک کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ آ پہنچے گا۔ اور خدا تعالیٰ اپنے وعدوں میں تخلف نہیں کرتا۔ اور ہم کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ایک رسول بھیج نہ لیں۔

ان آیات کو اگر کوئی شخص تامل اور غور کی نظر سے دیکھے تو میں کیونکر کہوں کہ وہ اس بات کو سمجھ نہ جائے کہ خدا تعالیٰ اس امت کے لئے خلافت دائمی کا صاف وعدہ فرماتا ہے۔ اگر خلافت دائمی نہیں تھی تو شریعت موسوی کے خلیفوں سے تشبیہہ دینا کیا معنی رکھتا تھا اور اگر خلافت راشدہ صرف تیس برس تک رہ کر پھر ہمیشہ کیلئے اس کا دور ختم ہو گیا تھا تو اس سے لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا کہ اس امت پر ہمیشہ کیلئے ابواب سعادت مفتوح رکھے کیونکہ روحانی سلسلہ کی موت سے دین کی موت لازم آتی ہے اور ایسا مذہب ہرگز زندہ نہیں کہلا سکتا جس کے قبول کرنیوالے خود اپنی زبان سے ہے یہ اقرار کریں کہ تیرہ سو برس سے یہ مذہب مرا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس مذہب کے لئے ہرگز یہ ارادہ نہیں کیا کہ حقیقی زندگی کا وہ نور جو نبی کریم کے سینہ میں تھا وہ توارث کے طور پر دوسروں میں چلا آوے۔

(شہادت القرآن۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 353,352)

وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآىءِ حِجَابٍ۔۔ الآیۃ

(الشوریٰ:52)

صاحب وحی محدثیت اپنے نبی متبوع کا پورا ہمرنگ ہوتا ہے اور بغیر نبوت اور تجدید احکام کے وہ سب باتیں اس کو دی جاتی ہیں جو نبی کو دی جاتی ہیں اور اس پر یقینی طور پر سچی تعلیم ظاہر کی جاتی ہے اور نہ صرف اسی قدر بلکہ اس پر وہ سب امور بطور انعام و اکرام کے وارد ہو جاتے ہیں جو نبی متبوع پر وارد ہوتے ہیں سو ان کا بیان محض اٹکلیں نہیں ہوتیں بلکہ وہ دیکھ کر کہتا ہے اور سنکر بولتا ہے اور یہ راہ اس امت کے لئے کھلی ہے۔ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وارث حقیقی کوئی نہ رہے۔ (برکات الدعا۔ر۔خ۔جلد6 صفحہ 21-20)

محدث وہ لوگ ہیں جو شرف مکالمہ الٰہی سے مشرف ہوتے ہیں اور ان کا جوہر نفس انبیاء کے جوہر نفس سے اشد مشابہت رکھتا ہے اور وہ خواص عجیبہ نبوت کے لئے بطور آیات باقیہ کے ہوتے ہیں تا یہ دقیق مسئلہ نزول وحی کا کسی زمانہ میں بے ثبوت ہو کر صرف بطور قصہ کے نہ ہو جائے۔ (برکات الدعا۔ر۔خ۔جلد6 صفحہ 24-23)

وَ يَجْعَلُ لَكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ (الحدید:29)

وَ يَجْعَلُ لَكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ (الحدید:29) فَالنُّوْرُ الَّذِىْ هُوَ الْاَمْرُ الْفَارِقُ بَيْنَ خَوَاصِّ عِبَادِ اللّٰهِ وَ بَيْنَ عِبَادٍ اٰخَرِيْنَ هُوَ الْاِلْهَامُ وَ الْكَشْفُ وَالتَّحْدِيْثُ وَعُلُوْمٌ غَامِضَةٌ دَقِيْقَةٌ تَنْزِلُ عَلٰى قُلُوْبِ الْخَوَاصِّ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ۔ (حمامۃ البشریٰ۔ر۔خ۔جلد7 صفحہ 298)

ترجمہ از مرتب:۔ وَ يَجْعَلُ لَكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ ۔وہ نور جو اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں اور دوسرے بندوں میں فراق کرنے والا ہے وہ الہام اور کشف اور محدثیت ہیں۔ نیز ایسے گہرے اور دقیق مضامین ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے خاص بندوں کے دلوں پر نازل ہوتے ہیں۔

وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعۃ:4)

یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ میں آجائیں اور بروزی رنگ میں اور کمالات کے ساتھ اپنی نبوت کا اظہار بھی کریں اور یہ بروز خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قرار یافتہ عہد تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ اور انبیاء کو اپنے بروز پر غیرت نہیں ہوتی کیونکہ وہ انہی کی صورت اور انہی کا نقش ہے لیکن دوسرے پر ضرور غیرت آتی ہے۔ (مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 440-439)

یقیناً یاد رکھو کہ کوئی شخص سچا مسلمان نہیں ہوسکتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع نہیں بن سکتا جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین نہ کرے۔جب تک ان محدثات سے الگ نہیں ہوتا اور اپنے قول اور فعل سے آپ کو خاتم النبیین نہیں مانتا۔کچھ نہیں۔سعدی نے کیا اچھا کہا ہے ؎

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ

ترجمہ:۔ زہد اور پرہیزگاری میں کوشش کرو مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے زیادہ نہیں۔

ہمارا مدعا جس کے لئے خدا تعالیٰ نے ہمارے دل میں جوش ڈالا ہے یہی ہے کہ صرف صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قائم کی جائے جو ابدالآباد کے لئے خدا (تعالیٰ) نے قائم کی ہے اور تمام جھوٹی نبوتوں کو پاش پاش کر دیا جائے جو ان لوگوں نے اپنی بدعتوں کے ذریعہ قائم کی ہیں۔ ان ساری گدیوں کو دیکھ لو اور عملی طور پر مشاہدہ کرو کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ہم ایمان لائے ہیں یا وہ۔

یہ ظلم اور شرارت کی بات ہے کہ ختم نبوت سے خدا تعالیٰ کا اتنا ہی منشاء قرار دیا جائے کہ منہ سے ہی خاتم النبیین مانو اور کرتوتیں وہی کرو جو تم پسند کرو اور اپنی ایک الگ شریعت بنا لو۔ بغدادی نماز، معکوس نماز وغیرہ ایجاد کی ہوئی ہیں۔ کیا قرآن شریف یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں بھی اس کا کہیں پتہ لگتا ہے اور ایسا ہی ''یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ'' کہنا اس کا ثبوت بھی کہیں قرآن شریف سے ملتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تو شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وجود بھی نہ تھا پھر یہ کس نے بتایا تھا۔ شرم کرو کیا شریعت اسلام کی پابندی اور التزام اسی کا نام ہے؟ اب خود ہی فیصلہ کرو کہ کیا ان باتوں کو مان کر اور ایسے عمل رکھ کر تم اس قابل ہو کہ مجھے الزام دو کہ میں نے خاتم النبیین کی مہر کو توڑا ہے **اصل اور سچی بات یہی ہے کہ اگر تم اپنی مساجد میں بدعات کو دخل نہ دیتے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی نبوت پر ایمان لا کر آپؐ کے طرز عمل اور نقش قدم کو اپنا امام بنا کر چلتے تو پھر میرے آنے ہی کی کیا ضرورت ہوتی۔ تمہاری ان بدعتوں اور نئی نبوتوں نے ہی خدا تعالیٰ کی غیرت کو تحریک دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر میں ایک شخص کو مبعوث کرے جو ان جھوٹی نبوتوں کے بت کو توڑ کر نیست و نابود کرے پس اسی کام کے لئے خدا نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے۔** (ملفوظات جلد دوم صفحہ 65-64)

حضرت اقدس کے دعاوی ءنبوت اور رسالت

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ...... الایہ. (احزاب:41)

ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے سو اب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا اور میرا یہ قول

''من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب''

اس کے معنے صرف اس قدر ہیں کہ میں صاحب شریعت نہیں ہوں ہاں یہ بات بھی ضرور یاد رکھنی چاہیئے اور ہرگز فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ میں باوجود نبی اور رسول کے لفظ سے پکارے جانے کے خدا کی طرف سے اطلاع دیا گیا ہوں کہ یہ تمام فیوض بلاواسطہ میرے پر نہیں ہیں بلکہ آسمان پر ایک پاک وجود ہے جس کا روحانی افاضہ میرے شامل حال ہے یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ **اسی واسطہ کو ملحوظ رکھ کر اور اس میں ہو کر اور اس کے نام محمد اور احمد سے مسمّٰی ہو کر میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ہوں یعنی بھیجا گیا بھی اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا بھی۔** اور اس طور سے خاتم النبیین کی مہر محفوظ رہی کیونکہ میں نے انعکاسی اور ظلی طور پر محبت کے آئینہ کے ذریعہ سے وہی نام پایا۔ اگر کوئی شخص اس وحی الٰہی پر ناراض ہو کہ کیوں خدا تعالیٰ نے میرا نام نبی اور رسول رکھا ہے تو یہ اس کی حماقت ہے کیونکہ میرے نبی اور رسول ہونے سے خدا کی مہر نہیں ٹوٹتی۔ (ایک غلطی کا ازالہ۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 211-210)

یہ کہتے ہیں کہ خدا نے میرا نام نبی رکھا۔ یہ بالکل سچی بات ہے۔ ہم رسول اللہ علیہ وسلم کو چشمہء افادیت مانتے ہیں ایک چراغ اگر ایسا ہو جس سے کوئی دوسرا روشن نہ ہو وہ قابل تعریف نہیں ہے مگر رسول اللہ علیہ وسلم کو ہم ایسا نور مانتے ہیں کہ آپؐ سے دوسرے روشنی پاتے ہیں۔

یہ جو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ یہ بالکل درست ہے۔ خدا تعالیٰ نے آپؐ کی جسمانی ابوت کی نفی کی لیکن آپؐ کی روحانی ابوت کا استثناء کیا ہے۔ اگر یہ مانا جائے جیسا کہ ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ آپؐ کا نہ کوئی جسمانی بیٹا ہے نہ روحانی تو پھر اس طرح پر معاذ اللہ یہ لوگ آپؐ کو ابتر ٹھیراتے ہیں۔ مگر ایسا نہیں۔ آپؐ کی شان تو یہ ہے کہ اِنَّـــا اَعْـطَیْنٰکَ الْـکَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انْحَرْ۔ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ (الکوثر:2تا4)۔ اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کی آیت میں فرمایا ہے کہ جسمانی طور پر آپؐ اب نہیں مگر روحانی سلسلہ آپؐ کا جاری ہے لٰــکِــنْ مافات کے لئے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ آپؐ خاتم ہیں آپؐ کی مہر سے نبوت کا سلسلہ چلتا ہے۔

ہم خود بخود نہیں بن گئے خدا تعالیٰ نے اپنے وعدوں کے موافق جو بنایا وہ بن گئے یہ اس کا فعل اور فضل ہے یَـفْـعَلُ مَـا یَشَـآءُ خدا نے جو وعدے نبیوں سے کئے تھے ان کا ظہور ہوا ہے۔ براہین (احمدیہ) میں یہ الہام اس وقت سے درج ہے۔ وَ کَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا۔ صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ۔ وَکَانَ اَمْرًا مَّفْعُوْلًا وغیرہ اس قسم کے بیسیوں الہام ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی ارادہ فرمایا ہوا تھا۔ اس میں ہمارا کچھ تصرف نہیں۔ کیا جس وقت اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے یہ وعدے فرمائے (تھے) ہم حاضر تھے۔ جس طرح خدا تعالیٰ مرسل بھیجتا ہے اسی طرح اسنے یہاں اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 317)

میرا دعویٰ صرف یہ ہے کہ موجودہ مفاسد کے باعث خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے اور میں اس امر کا اخفاء نہیں کر سکتا کہ مجھے مکالمہ مخاطبہ کا شرف عطا کیا گیا ہے اور خدا تعالیٰ مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے اور کثرت سے ہوتا ہے۔ اسی کا نام نبوت ہے مگر حقیقی نبوت نہیں۔ نباء ایک عربی لفظ ہے اسکے معنے خبر کے ہیں۔ اب جو شخص کوئی خبر خدا تعالیٰ سے پاکر خلق پر ظاہر کرے گا اس کو عربی میں نبی کہیں گے۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہو کر کوئی دعویٰ نہیں کرتا یہ تو نزاع لفظی ہے۔ کثرت مکالمہ مخاطبہ کو دوسرے الفاظ میں نبوت کہا جاتا ہے۔ دیکھو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول کہ قولوا انه خاتم النبيين ولا تقولوا لا نبي بعده اس امر کی صراحت کرتا ہے۔ نبوت اگر اسلام میں موقوف ہو چکی ہے تو یقیناً جانو کہ اسلام بھی مر گیا اور پھر کوئی امتیازی نشان بھی نہیں ہے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 667)

و من قال بعد رسولنا و سيدنا انى نبى او رسول على وجه الحقيقة والافتراء و ترک القرآن و احكام الشريعة الغراء فهو كافر كذاب **غرض ہمارا مذہب یہی ہے کہ جو شخص حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن فیوض سے اپنے تئیں الگ کرکے اور اس پاک سر چشمہ سے جدا ہو کر آپ ہی براہ راست نبی اللہ بننا چاہتا ہے تو وہ ملحد بے دین ہے اور غالباً ایسا شخص اپنا کوئی نیا کلمہ بنائے گا اور عبادات میں کوئی نئی طرز پیدا کرے گا اور احکام میں کچھ تغیر و تبدل کر دے گا۔ پس بلاشبہ وہ مسیلمہ کذاب کا بھائی ہے اور اس کے کافر ہونے میں کچھ شک نہیں ایسے خبیث کی نسبت کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ قرآن شریف کو مانتا ہے۔** (انجام آتھم۔ ر۔ خ۔ جلد 11 صفحہ 28-27 حاشیہ)

الہام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام:- قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللہ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللہ

(اربعین۔ر۔خ۔جلد 17 صفحہ 413 حاشیہ)

یہ مقام ہماری جماعت کے لئے سوچنے کا مقام ہے کیونکہ اس میں خداوند قدیر فرماتا ہے کہ خدا کی محبت اسی سے وابستہ ہے کہ تم کامل طور پر پیرو ہو جاؤ اور تم میں ایک ذرّہ مخالفت باقی نہ رہے اور اس جگہ **جو میری نسبت کلام الٰہی میں رسول اور نبی کا لفظ اختیار کیا گیا ہے کہ یہ رسول اور نبی اللہ ہے یہ اطلاق مجاز اور استعارہ کے طور پر ہے کیونکہ جو شخص خدا سے براہ راست وحی پاتا ہے اور یقینی طور پر خدا اس سے مکالمہ کرتا ہے جیسا کہ نبیوں سے کیا اس پر رسول یا نبی کا لفظ بولنا غیر موزوں نہیں ہے** بلکہ یہ نہایت فصیح استعارہ ہے اسی وجہ سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور انجیل اور دانی ایل اور دوسرے نبیوں کی کتابوں میں جہاں میرا ذکر کیا گیا ہے وہاں میری نسبت نبی کا لفظ بولا گیا ہے۔ (اربعین۔ر۔خ۔جلد 17 صفحہ 413 حاشیہ)

حضرت اقدسؑ کی نبوت دراصل نبوت محمدیہؐ ہے

اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے مگر وہی جو پہلے امتی ہو۔ پس اسی بناء پر میں امتی بھی ہوں اور نبی بھی۔ **اور میری نبوت یعنی مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک ظلّ ہے اور بجز اس کے کہ میری نبوت کچھ بھی نہیں وہی نبوت محمدیہ ہے جو مجھ میں ظاہر ہوئی ہے اور چونکہ میں محض ظلّ ہوں اور امتی ہوں اس لئے آنجناب کی اس سے کچھ کسر شان نہیں** اور یہ مکالمہ الٰہیہ جو مجھ سے ہوتا ہے یقینی ہے۔ اگر میں ایک دم کے لئے بھی اس میں شک کروں تو کافر ہو جاؤں اور میری آخرت تباہ ہو جائے وہ کلام جو میرے پر نازل ہوا یقینی اور قطعی ہے اور جیسا کہ آفتاب اور اس کی روشنی کو دیکھ کر کوئی شک نہیں کر سکتا کہ یہ آفتاب اور یہ اس کی روشنی ہے۔ ایسا ہی میں اس کلام میں بھی شک نہیں کر سکتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے پر نازل ہوتا ہے اور میں اس پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں جیسے کہ خدا کی کتاب پر۔ یہ تو ممکن ہے کہ کلام الٰہی کے معنے کرنے میں بعض مواقع میں ایک وقت تک مجھ سے خطا ہو جائے مگر یہ ممکن نہیں کہ میں شک کروں کہ وہ خدا کا کلام نہیں۔ **اور چونکہ میرے نزدیک نبی اسی کو کہتے ہیں جس پر خدا کا کلام یقینی بکثرت نازل ہو جو غیب پر مشتمل ہو اسی لئے خدا نے میرا نام نبی رکھا مگر بغیر شریعت کے۔ شریعت کا حامل قیامت تک قرآن شریف ہے۔** (تجلیات الٰہیہ۔ر۔خ۔جلد 20 صفحہ 412)

اللہ تعالیٰ نے اپنی کلام پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کے باپ ہونے کی نفی کی ہے لیکن بروز کی خبر دی ہے اگر بروز صحیح نہ ہوتا تو پھر آیت و اٰخرین منھم میں ایسے موعود کے رفیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کیوں ٹھہرتے اور نفی بروز سے اس آیت کی تکذیب لازم آتی ہے۔ جسمانی خیال کے لوگوں نے کبھی اس موعود کو حسنؓ کی اولاد بنایا اور کبھی حسینؓ کی اور کبھی عباسؓ کی **لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف یہ مقصود تھا کہ وہ فرزندوں کی طرح اس کا وارث ہوگا۔ اس کے نام کا وارث' اس کے خلق کا وارث' اس کے علم کا وارث' اس کی روحانیت کا وارث اور ہر ایک پہلو سے اپنے اندر اس کی تصویر دکھلائے گا اور وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ سب کچھ اس سے لے گا اور اس میں**

فنا ہو کر اس کے چہرے کو دکھائے گا۔ پس جیسا کہ ظلی طور پر اس کا نام لے گا' اس کا خلق لے گا' اس کا علم لے گا ایسا ہی اس کا نبی لقب بھی لے گا کیونکہ بروزی تصویر پوری نہیں ہو سکتی جب تک کہ یہ تصویر ہر ایک پہلو سے اپنے اصل کے کمال اپنے اندر نہ رکھتی ہو۔ پس چونکہ نبوت بھی نبی میں ایک کمال ہے اس لئے ضروری ہے کہ تصویر بروزی میں وہ کمال بھی نمودار ہو۔ تمام نبی اس بات کو مانتے چلے آئے ہیں کہ وجود بروزی اپنے اصل کی پوری تصویر ہوتی ہے یہاں تک کہ نام بھی ایک ہو جاتا ہے۔ پس اس صورت میں ظاہر ہے کہ جس طرح بروزی طور پر محمد اور احمد نام رکھے جانے سے دو محمد اور دو احمد نہیں ہو گئے **اسی طرح بروزی طور پر نبی یا رسول کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خاتم النبیین کی مہر ٹوٹ گئی کیونکہ وجود بروزی کوئی الگ وجود نہیں اس طرح پر تو محمد کے نام کی نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ہی محدود رہی۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا اس پر اتفاق ہے کہ بروز میں دُوئی نہیں ہوتی کیونکہ بروز کا مقام اس مضمون کا مصداق ہوتا ہے کہ**

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی　　　تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

(ترجمہ:- میں تم ہو گیا اور تم مَیں ہو گئے۔ میں جسم اور تم جان ہو گئے۔ یہ اس لئے ہوا کہ تا کوئی یہ نہ کہے کہ میں اور ہوں اور تم کوئی اور ہو)

(ایک غلطی کا ازالہ۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 214-213)

معیار صدق دعویٰ

وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ۔ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ۔ (الحاقة 47-45)

خدا تعالیٰ قرآن شریف میں ایک شمشیر برہنہ کی طرح یہ حکم فرماتا ہے کہ یہ نبی اگر میرے پر جھوٹ بولتا اور کسی بات میں افتراء کرتا تو میں اس کی رگِ جان کاٹ دیتا اور اس مدت دراز تک وہ زندہ نہ رہ سکتا۔ تو اب جب ہم اپنے اس مسیح موعود کو اس پیمانہ سے ناپتے ہیں تو براہین احمدیہ کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ منجانب اللہ ہونے اور مکالمات الٰہیہ کا قریباً تیس برس سے ہے اور اکیس برس سے براہین احمدیہ شائع ہے پھر اگر اس مدت تک اس مسیح کا ہلاکت سے امن میں رہنا اس کے صادق ہونے پر دلیل نہیں ہے....کیونکہ جبکہ خدا تعالیٰ نے اس جگہ ایک جھوٹے مدعیء رسالت کو تیس برس تک مہلت دی اور لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا کے وعدہ کا کچھ خیال نہ کیا تو اس طرح نعوذ باللہ یہ بھی قریب قیاس ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی باوجود کاذب ہونے کے مہلت دے دی ہو مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کاذب ہونا محال ہے۔ پس جو مستلزم محال ہو وہ بھی محال۔ اور ظاہر ہے کہ یہ قرآنی استدلال بدیہی الظہور جبھی ٹھہر سکتا ہے جبکہ یہ قاعدہ کلی مانا جائے کہ خدا اس مفتری کو جو خلقت کے گمراہ کرنے کیلئے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہو کبھی مہلت نہیں دیتا کیونکہ اس طرح پر اس کی بادشاہت میں گڑ بڑ پڑ جاتا ہے اور صادق اور کاذب میں تمیز اٹھ جاتی ہے۔

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ۔ جلد 17 صفحہ 42)

دوسری فصل

وفات مسیحؑ

حضرت اقدسؑ کا عقیدہ

یہ خوب یاد رہے کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر روح بلا جسم ہرگز نہیں مانتے ہم مانتے ہیں کہ وہ وہاں جسم ہی کے ساتھ ہیں۔ ہاں فرق اتنا ہے کہ یہ لوگ جسم عنصری کہتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ وہ جسم وہی جسم ہے جو دوسرے رسولوں کو دیا گیا۔ دوزخیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ (الاعراف :41) یعنی کافروں کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاویں گے اور مومنوں کے لئے فرماتا ہے۔ مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ (ص:51) اب ان آیات میں لَهُمْ کا لفظ اجسام کو چاہتا ہے تو کیا یہ سب کے سب پھر اسی جسم عنصری کے ساتھ جاتے ہیں؟ نہیں۔ ایسا نہیں۔ جسم تو ہوتے ہیں مگر وہ وہ جسم ہیں جو مرنے کے بعد دئے جاتے ہیں۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 399)

سچی بات یہی ہے کہ مسلمانوں اور یہود کا متفقہ اور مسلّم اعتقاد اس پر ہے کہ خدا کے نیک بندوں کا بعد وفات رفع روحانی ہوا کرتا ہے اور یہی قابل بڑائی بات ہے رفع جسمانی کے یہ نہ قائل ہیں اور نہ کوئی اس میں فضیلت مدّنظر ہے چنانچہ قرآن شریف بھی اسی اصول کو یوں بیان فرماتا ہے کہ مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ (ص:51) یعنی جو خدا کے نزدیک متقی اور برگزیدہ انسان ہوتے ہیں خدا ان کے لئے آسمانی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے اور ان کا رفع روحانی بعد الموت کیا جاتا ہے اور ان کے مقابل میں جو لوگ بدکار اور خدا (تعالیٰ) سے دور ہوتے ہیں اور ان کو خدا (تعالیٰ) سے کوئی تعلق صدق و اخلاص نہیں ہوتا ان کے واسطے آسمانی دروازے نہیں کھولے جاتے جیسا کہ فرمایا۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (الاعراف :41)

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 491)

نزول مسیحؑ کی حقیقت

وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ ۔ (الحديد:26)

فانظروا الى القران الكريم كيف يبين معنى النزول فى اليته العظمى۔ و تدتبروا فى قوله تعالىٰ و انزلنا الحديد (الحديد:26) ......و انتم تعلمون ان هذه الاشياء لا تنزل من السماء بل تحدث وتتولد فى الارض و فى طبقات الثرى۔ و ان امعنتم النظر فى كتاب الله تعالىٰ فيكشف عليكم ان حقيقت نزول المسيح من هذه الاقسام۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 442-441)

ترجمہ از مرتّب :۔تم قرآن مجید کو دیکھو کہ وہ اپنی بلند شان آیات میں لفظ نزول کے معنے کیسے بیان کرتا ہے اور تم اللہ تعالیٰ کے قول وَ اَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ پر بھی غور کرو......اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ لوہا اور باقی ایسی ہی اشیاء آسمان سے نہیں اترتیں بلکہ زمین میں پیدا ہوتی ہیں۔اور اگر تم خدا تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید میں غور کرو تو تم پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ نزول مسیح کی حقیقت بھی اسی قسم کی ہے۔

اِسۡتِکۡبَارًا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَکۡرَ السَّیِّیٴِ وَ لَا یَحِیۡقُ الۡمَکۡرُ السَّیِّیٴُ اِلَّا بِاَہۡلِہٖ فَہَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِیۡنَ فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا وَ لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَحۡوِیۡلًا۔(فاطر:44)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے یہودیوں کو یہ جواب ملا ہے کہ ایلیا نبی کے دوبارہ آنے سے یوحنا نبی یعنی یحییٰ کا آنا مراد تھا تو ایک دیندار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کا دوبارہ آنا بھی اسی طرز سے ہوگا کیونکہ یہ وہی سنت اللہ ہے جو پہلے گذر چکی ہے وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا۔(الاحزاب:63) (ایام الصلح ۔ر۔خ۔جلد14 صفحہ 279)

زمین میں ہر چیز معرض فنا میں ہے

ہر یک چیز جو زمین میں موجود ہے اور زمین سے نکلتی ہے وہ معرض فنا میں ہے یعنی ومبدم فنا کی طرف میل کر رہی ہے۔مطلب یہ کہ ہر یک جسم خاکی کو نابود ہونے کی طرف ایک حرکت ہے اور کوئی وقت اس حرکت سے خالی نہیں۔وہی حرکت بچہ کو جوان کر دیتی ہے اور جوان کو بڈھا اور بڈھے کو قبر میں ڈال دیتی ہے اور اس قانون قدرت سے کوئی باہر نہیں۔خدائے تعالیٰ نے فَانٍ کا لفظ اختیار کیا یَفۡنِیۡ نہیں کہا تا معلوم ہو کہ فنا ایسی چیز نہیں کہ کسی آئندہ زمانہ میں یک دفعہ واقعہ ہوگی بلکہ سلسلہ فنا کا ساتھ ساتھ جاری ہے لیکن ہمارے مولوی یہ گمان کر رہے ہیں کہ مسیح ابن مریم اسی فانی جسم کے ساتھ جس میں بموجب نصّ صریح کے ہر دم فنا کام کر رہی ہے بلا تغیر و تبدل آسمان پر بیٹھا ہے اور زمانہ اس پر اثر نہیں کرتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بھی مسیح کو کائنات الارض میں سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔

(ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 434)

کیوں بنایا ابن مریمؑ کو خدا سنت اللہ سے وہ کیوں باہر رہا
کیوں بنایا اس کو باشانِ کبیر غیب دان و خالقِ و حیّ و قدیر
مر گئے سب پر وہ مرنے سے بچا اب تلک آئی نہیں اس پر فنا
ہے وہی اکثر پرندوں کا خدا اس خدا دانی پہ تیرے مرحبا
مولوی صاحب ! یہی توحید ہے سچ کہو کس دیو کی تقلید ہے!
کیا یہی توحید حق کا راز تھا جس پہ برسوں سے تمھیں اک ناز تھا
کیا بشر میں ہے خدائی کا نشان! الاماں ایسے گماں سے الاماں

(ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 513 (درثمین اردو صفحہ 11)

جنتی پر دو موتیں نہیں آتیں

قولہ تعالیٰ الا موتتنا الاولی و کانت لا بی بکر رضی اللہ عنہ مناسبة عجیبة بد قاۃ القران و رموزہ و اسرارہ و معارفہ و کان لہ ملکث کاملة فی استنباط المسائل من القران الکریم فلذلک ھدی تلبہ الی الحق و فھم ان الرجو ع الی الدنیا موتة ثانیة وھی لا یجوز علی اھل الجنة بدلیل قولہ تعالی حکایة عن اھلھا :الا موتتنا الا ولی و ما نحن بمعذ بین فان رجو ع اھل النة الی الدنیا ثم موتھم و ورود الام السکرات والامراض علیھم لو ع من التعذیب و قد نجا اللہ ایاھم من کل عزاب و اواھم عندہ باعطاء کل احبور و سرور من یوم انتقالھم الی الدار الاخرة فکیف یمکن ان یرجعوا الی دارالتعذیبات مرة ثانیة فھذا معنی قول اھل الجنة:و ما نحن بمعذبین۔ (الشعراء:139) (حمامۃ البشریٰ۔ر۔خ۔جلد7صفحہ245)

یہی آیت اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰی ہی تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم کے دقائق، رموز، اسرار اور معارف سے عجیب مناسبت تھی اور قرآن کریم سے مسائل مستنبط کرنے میں کامل ملکہ حاصل تھا۔ پس اس وجہ سے آپ کا دل حق کی طرف ہدایت پا گیا اور آپ سمجھ گئے کہ دنیا کی طرف رجوع کرنا دوسری موت ہے اور جنتیوں کے لئے یہ جائز نہیں، اور آپ نے دلیل اس آیت اس سے پکڑی جو اللہ تعالیٰ نے اہل جنت سے حکایت کرتے ہوئے بیان کی ہے یعنی اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰی وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ کیونکہ اہل جنت کا دنیا کی طرف واپس آنا، پھر ان پر موت کا دوبارہ وقوع ہونا اور ان پر سکرات موت اور امراض کا وارد ہونا عذاب ہی کی ایک قسم ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر عذاب سے نجات دے دی ہے اور دار آخرت کی طرف منتقل کر کے اور ہر ایک خوشی اور سرور عطا کر کے اپنے پاس پناہ دی ہے۔ پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ اس دنیا دارالعذاب کی طرف دوبارہ واپس آئیں۔ پس اہل جنت کے قول وَ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ کے یہی معنے ہیں۔

وفات مسیح ناصری علیہ السلام

کیوں نہیں لوگو تمہیں حق کا خیال
دل میں اُٹھتا ہے مرے سو سو ابال

ابنِ مریمؑ مر گیا حق کی قسم
داخلِ جنت ہوا وہ محترم

مارتا ہے اس کو فرقاں سربسر
اس کے مر جانے کی دیتا ہے خبر

وہ نہیں باہر رہا اموات سے
ہو گیا ثابت یہ تیس آیات سے

کوئی مُردوں سے کبھی آیا نہیں
یہ تو فرقاں نے بھی بتلایا نہیں

عہد شد از کردگارِ بے چگوں
غور کن در اِنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْن

اے عزیزو! سوچ کر دیکھو ذرا
موت سے بچتا کوئی دیکھا بھلا

یہ تو رہنے کا نہیں پیارو مکاں
چل بسے سب انبیاء و راستاں

ہاں نہیں پاتا کوئی اس سے نجات
یوں ہی باتیں ہیں بنائیں واہیات

(درثمین اردو صفحہ 10)(ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد3صفحہ513)

وفاتِ مسیحؑ آیاتِ قرآنیہ کے اعتبار سے

وَ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ط قَالَ سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَالَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ اِنْ کُنْتُ قُلْتُہٗ فَقَدْ عَلِمْتَہٗ ط تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۔مَا قُلْتُ لَھُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِیْ بِہٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَ رَبَّکُمْ وَ کُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا مَّادُمْتُ فِیْھِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ وَ اَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ۔ (المائدہ:118-117)

جب تو نہ مجھے وفات دی تو تو ہی ان پر نگہبان تھا......تمام قرآن شریف میں تـوفـی کے معنی یہ ہیں کہ روح کو قبض کرنا اور جسم کو بیکار چھوڑ دینا جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ۔ (السجدۃ:12) اور پھر فرماتا ہے۔ وَلٰکِنْ اَعْبُدُ اللّٰہَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ۔ (یونس :105) اور پھر فرماتا ہے۔ حَتّٰی یَتَوَفّٰھُنَّ الْمَوْتُ۔ (النساء :16) اور پھر فرماتا ہے۔ حَتّٰی اِذَا جَآءَتْھُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَھُمْ۔ (الاعراف:38)اور پھر فرماتا ہے۔ تَوَفَّتْہُ رُسُلُنَا (الانعام :62) ایسا ہی قرآن شریف کے تیئیس مقام میں برابر توفی کے معنی اماتت اور قبض روح ہے لیکن افسوس کہ بعض علماء نے محض الحاد اور تحریف کی رو سے اس جگہ تَوَفَّیْتَنِیْ سے مراد رَفَعْتَنِیْ لیا ہے اور اس طرف ذرہ خیال نہیں کیا کہ یہ معنے نہ صرف لغت کے مخالف بلکہ سارے قرآن کے مخالف ہیں پس یہی تو الحاد ہے کہ جن خاص معنوں کا قرآن کریم نے اول سے آخر تک التزام کیا ہے ان کو بغیر کسی قرینہ قویہ کے ترک کر دیا گیا ہے توفی کا لفظ نہ صرف قرآن کریم میں بلکہ جابجا احادیث نبویہ میں بھی وفات دینے اور قبض روح کے معنوں پر ہی آتا ہے چنانچہ جب میں نے غور سے صحاح ستہ کو دیکھا تو ہر ایک جگہ جو توفی کا لفظ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلا ہے یا کسی صحابی کے منہ سے تو انہیں معنوں میں محدود پایا گیا۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ کسی ایک صحیح حدیث میں بھی کوئی ایسا توفی کا لفظ نہیں ملے گا جس کے کوئی اور معنے ہوں۔ میں نے معلوم کیا ہے کہ اسلام میں بطور اصطلاح کے قبض روح کے لیے یہ لفظ مقرر کیا گیا ہے تا روح کی بقا پر دلالت کرے

(ازالہ اوہام ۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 425-424)

اسی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر دنیا میں نہیں آئیں گے کیونکہ اگر وہ دنیا میں آنے والے ہوتے تو اس صورت میں یہ جواب حضرت عیسیٰ کا محض جھوٹ ٹھہرتا ہے کہ مجھے عیسائیوں کے بگڑنے کی کچھ خبر نہیں جو شخص دوبارہ دنیا میں آیا اور چالیس برس رہا۔ اور کروڑ ہا عیسائیوں کو دیکھا۔ جو اس کو خدا جانتے تھے اور صلیب توڑا اور تمام عیسائیوں کو مسلمان کیا وہ کیونکر قیامت کو جناب الٰہی میں یہ عذر کر سکتا ہے کہ مجھے عیسائیوں کے بگڑنے کی کچھ خبر نہیں۔ (کشتی نوح ۔ر۔خ۔جلد19 صفحہ 16 حاشیہ)

یاد رکھو کہ اب عیسیٰ تو ہرگز نازل نہیں ہوگا کیونکہ جو اقرار اس نے آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کے رو سے قیامت کے دن کرنا ہے اس میں صفائی سے اس کا اعتراف پایا جاتا ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آئے گا اور قیامت کو اس کا یہی عذر ہے کہ عیسائیوں کے بگڑنے کی مجھے خبر نہیں اور اگر وہ قیامت کے پہلے دنیا میں آتا تو کیا وہ یہی جواب دیتا کہ مجھے عیسائیوں کے بگڑنے کی کچھ خبر نہیں۔ لہذا اس آیت میں اس نے صاف اقرار کیا ہے کہ میں دوبارہ دنیا میں نہیں گیا اور اگر وہ قیامت سے پہلے دنیا میں آنے والا تھا اور برابر چالیس برس رہنے والا تب تو اس نے خدا تعالیٰ کے سامنے جھوٹ بولا کہ مجھے عیسائیوں کے حالات کی کچھ خبر نہیں اس کو تو کہنا چاہیئے تھا کہ آمد ثانی کے وقت میں نے چالیس کروڑ کے قریب دنیا میں عیسائی پایا اور ان سب کو دیکھا اور مجھے ان کے بگڑنے کی خوب خبر ہے اور میں تو انعام کے لائق ہوں کہ تمام عیسائیوں کو مسلمان کیا اور صلیبوں کو توڑا۔ یہ کیسا جھوٹ ہے کہ عیسےٰ کہے گا کہ مجھے خبر نہیں غرض اس آیت میں نہایت صفائی سے مسیح کا اقرار ہے کہ وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آئے گا اور یہی سچ ہے کہ مسیح فوت ہو چکا اور سرینگر محلّہ خانیار میں اس کی قبر ہے۔ اب خدا خود نازل ہوگا اور ان لوگوں سے آپ لڑے گا جو سچائی سے لڑتے ہیں۔ خدا کا لڑنا قابل اعتراض نہیں کیونکہ وہ نشانوں کے رنگ میں ہے لیکن انسان کا لڑنا قابل اعتراض ہے کیونکہ وہ جبر کے رنگ میں ہے۔ (کشتی نوح۔ ر۔خ۔ جلد 19 صفحہ 76)

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ (ال عمران:56)

قرآن شریف کی نصوص بینہ اسی بات پر بصراحت دلالت کر رہی ہیں کہ مسیح اپنے اسی زمانہ میں فوت ہو گیا ہے جس زمانہ میں وہ نبی اسرائیل کے مفسد فرقوں کی اصلاح کے لیے آیا تھا جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اب اس جگہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ پہلے لکھا ہے اور رَافِعُكَ بعد اس کے بیان فرمایا ہے جس سے ثابت ہوا کہ وفات پہلے ہوئی اور رفع بعد از وفات ہوا اور پھر اور ثبوت یہ ہے کہ اس پیشگوئی میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ میں تیری وفات کے بعد تیرے متبعین کو تیرے مخالفوں پر جو یہودی ہیں قیامت کے دن تک غالب رکھوں گا اب ظاہر ہے اور تمام عیسائی اور مسلمان اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ یہ پیشگوئی حضرت مسیح کے بعد اسلام کے ظہور تک بخوبی پوری ہوگئی کیونکہ خدائے تعالیٰ نے یہودیوں کو ان لوگوں کی رعیت اور ماتحت کر دیا جو عیسائی یا مسلمان ہیں اور آج تک صدہا برسوں سے وہ ماتحت چلے آتے ہیں یہ تو نہیں کہ حضرت مسیح کے نزول کے بعد پھر ماتحت ہوں گے ایسے معنے تو بہ بداہت فاسد ہیں۔

(ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 331-330)

قراین قویہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ مسیح جسم کے ساتھ آسمان پر ہرگز نہیں گیا اور نہ آسمان کا لفظ اس آیت میں موجود ہے بلکہ لفظ تو صرف یہ ہے اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ پھر دوسری جگہ ہے۔ بَلْ رَفَعَهُ اللهُ اِلَيْهِ جس کے یہ معنے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے مسیح کو موت دے کر پھر اپنی طرف اٹھالیا جیسا کہ یہ عام محاورہ ہے کہ نیک بندوں کی نسبت جب وہ مرجاتے ہیں یہی کہا کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ کو خدائے تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا ہے۔

(ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔جلد 3 صفحہ 247-246)

خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھائے جانے کے یہی معنے ہیں کہ فوت ہو جانا۔ خدائے تعالیٰ کا یہ کہنا کہ اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ (الفجر :29) اور یہ کہنا کہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ ایک ہی معنے رکھتا ہے سوا اس کے جس وضاحت اور تفصیل اور توضیح کے ساتھ قرآن شریف میں مسیح کے فوت ہو جانے کا ذکر ہے اس سے بڑھ کر متصور نہیں کیونکہ خداوند عزوجل نے عام اور خاص دونوں طور پر مسیح کا فوت ہو جانا بیان فرمایا ہے۔

(ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔جلد 3 صفحہ 265-264)

اس بات کے دریافت کے لیے کہ متکلم نے ایک لفظ بطور حقیقت مسلّمہ استعمال کیا ہے یا بطور مجاز اور استعارہ نادرہ کے بھی کھلی کھلی علامت ہوتی ہے کہ وہ حقیقت مسلمہ کو ایک متبادر اور شائع و متعارف لفظ سمجھ کر بغیر احتیاج قراین کے یونہی مختصر بیان کر دیتا ہے مگر مجاز یا استعارہ نادرہ کے وقت ایسا اختصار پسند نہیں کرتا بلکہ اس کا فرض ہوتا ہے کہ کسی ایسی علامت سے جس کو ایک دانشمند سمجھ سکے اپنے اس مدعا کو ظاہر کر جائے کہ یہ لفظ اپنے اصل معنوں پر مستعمل نہیں ہوا۔

اب چونکہ یہ فرق حقیقت اور مجاز کا صاف طور پر بیان ہو چکا تو جس شخص نے قرآن کریم پر اول سے آخر تک نظر ڈالی ہوگی اور جہاں جہاں توفی کا لفظ موجود ہے بنظر غور دیکھا ہوگا وہ وہ ایماناً ہمارے بیان کی تائید میں شہادت دے سکتا ہے چنانچہ بطور نمونہ دیکھنا چاہئے کہ یہ آیات (1) اما نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک (یونس:47) (2) توفنی مسلما (یوسف:102) (3) و منکم من یتوفی (الحج:6) (4) توفھم الملائکۃ (النساء :98) (5) یتوفون منکم (البقرۃ :241) (6) توفتہ رسلنا (الانعام :62) (7) رسلنا یتوفونھم (الاعراف :38) (8) توفنا مسلمین (الاعراف :127) (9) و توفنا مع الابرار (ال عمران :194) (10) ثم یتوفّٰکم (النحل:71) کیسی صریح اور صاف طور پر موت کے معنوں میں استعمال کی گئی ہیں مگر کیا قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت بھی ہے کہ ان آیات کی طرح مجرد توفی کا لفظ لکھنے سے اس سے کوئی اور معنے مراد لیے گئے ہوں موت مراد نہ لی گئی ہو بلاشبہ قطعی اور یقینی طور پر اول سے آخر تک قرآنی محاورہ یہی ثابت ہے کے ہر جگہ در حقیقت توفی کے لفظ سے موت ہی مراد ہے تو پھر متنازعہ فیہ دو آیتوں کی نسبت جو اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ اور فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ (ال عمران :56)۔ ہیں اپنے دل سے کوئی معنے مخالف عام محاورہ قرآن کے گھڑنا اگر الحاد اور تحریف نہیں تو اور کیا ہے؟

(ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔جلد 3 صفحہ 270-269)

مخالفین کی حالت پر رونا آتا ہے وہ نہیں سوچتے کہ اگر اس آیت انی متوفیک و رافعک الی سے ایک پاک موت کا بیان کرنا غرض نہیں تھا اور بجائے ملعون ہونے کے روحانی رفع کا بیان کرنا مقصود نہیں تھا تو اس قصے کو بیان کرنے کی کونسی ضرورت تھی اور جسمانی رفع کے لیے کونسی دینی ضرورت پیش آئی تھی افسوس صاف اور سیدھی بات کو ناحق بگاڑتے ہیں۔ بات تو صرف اتنی تھی کہ یہودی حضرت عیسیٰ کو ملعون ٹھہرا کر ان کے رفع روحانی سے منکر ہو گئے تھے اب رافعک الیّ سے اس بات کا ظاہر کرنا مقصود تھا کہ حضرت عیسیٰ ملعون نہیں ہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف ان کا رفع ہو گیا اور توفی کے لفظ سے جس کے معنے صحیح بخاری میں مارنا کیا گیا حضرت عیسیٰ کی موت ثابت ہو گئی۔

(ایام الصلح ۔ ر۔خ۔ جلد 14 صفحہ 354 حاشیہ)

فِیۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ مَلِیۡکٍ مُّقۡتَدِرٍ۔ (القمر:56)

متقی لوگ جو خدا تعالیٰ سے ڈر کر ہر یک قسم کی سرکشی کو چھوڑ دیتے ہیں وہ فوت ہونے کے بعد جنّات اور نہر میں ہیں۔ صدق کی نشست گاہ میں با اقتدار بادشاہ کے پاس۔ اب ان آیات کی رو سے صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے دخول جنت اور مقعد صدق میں تلازم رکھا ہے یعنی خدائے تعالیٰ کے پاس پہنچنا اور جنت میں داخل ہونا ایک دوسرے کا لازم ٹھہرایا گیا ہے۔ سو اگر رَافِعُکَ اِلَیَّ کے یہی معنے ہیں جو مسیح خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھایا گیا تو بلاشبہ وہ جنت میں بھی داخل ہو گیا جیسا کہ دوسری آیت یعنی اِرۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ (الفجر :29) جو رَافِعُکَ اِلَیَّ کے ہم معنی ہے بصراحت اسی پر دلالت کر رہی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھائے جانا اور گذشتہ مقربوں کی جماعت میں شامل ہو جانا اور بہشت میں داخل ہو جانا یہ تینوں مفہوم ایک ہی آن میں پورے ہو جاتے ہیں۔ پس اس آیت سے بھی مسیح ابن مریم کا فوت ہونا ہی ثابت ہوا۔ فَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ اَحَقَّ الۡحَقَّ وَاَبۡطَلَ الۡبَاطِلَ وَ نَصَرَ عَبۡدَہٗ وَ اَیَّدَ مَاۡمُوۡرَہٗ۔

(ازالہ اوہام ۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 435)

وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۠ئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِکُمۡ ؕ وَ مَنۡ یَّنۡقَلِبۡ عَلٰی عَقِبَیۡہِ فَلَنۡ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیۡئًا ؕ وَ سَیَجۡزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیۡنَ۔ (ال عمران:145)

یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم محض ایک رسول ہیں اور ان سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ پس کیا اگر وہ فوت ہو گئے یا قتل کیے گئے تو تم دین اسلام کو چھوڑ دو گے۔ (براہین احمدیہ ۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 391)

خداوندعزوجل نے عام اور خاص دونوں طور پر مسیح کا فوت ہو جانا بیان فرمایا ہے عام طور پر جیسا کہ وہ فرماتا ہے **وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَ فَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ** یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف ایک رسول ہے اور اس سے پہلے ہر یک رسول جو آیا وہ گذر گیا اور انتقال کر گیا اب کیا تم اس رسول کے مرنے یا قتل ہو جانے کی وجہ سے دین اسلام چھوڑ دو گے اب دیکھو یہ آیت جو استدلالی طور پر پیش کی گئی ہے صریح دلالت کرتی ہے کہ ہر یک رسول کو موت پیش آتی رہی ہے خواہ وہ موت طبعی طور پر ہو یا قتل وغیرہ سے اور گذشتہ نبیوں میں سے کوئی ایسا نبی نہیں جو مرنے سے بچ گیا ہو سو اس جگہ ناظرین بہ بداہت سمجھ سکتے ہیں کہ اگر حضرت مسیح جو گذشتہ رسولوں میں سے ایک رسول ہیں اب تک مرے نہیں بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے تو اس صورت میں مضمون اس آیت کا جو عام طور پر ہر یک گذشتہ نبی کے فوت ہونے پر دلالت کر رہا ہے صحیح نہیں ٹھہر سکتا بلکہ یہ استدلال ہی لغو اور قابل جرح ہوگا۔ (ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 265-264)

قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ۔ (الاعراف:26)

اگر وہ (حضرت عیسی علیہ السلام ناقل) مع جسم عنصری آسمان پر ہیں اور بموجب تصریح اس آیت کے قیامت کے دن تک زمین پر نہیں اتریں گے تو کیا وہ آسمان پر ہی مریں گے اور آسمان میں ہی ان کی قبر ہوگی؟ لیکن آسمان پر مرنا آیت **فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ** کے برخلاف ہے۔ پس اس سے تو یہی ثابت ہوا کہ وہ آسمان پر مع جسم عنصری نہیں گئے بلکہ مر کر گئے۔ اور جس حالت میں کتاب اللہ نے کمال تصریح سے یہ فیصلہ کر دیا تو پھر کتاب اللہ کی مخالفت کرنا اگر معصیت نہیں تو اور کیا ہے۔؟ (الوصیت۔ ر۔خ۔ جلد 20 صفحہ 314-313)

قرآن شریف میں کئی جگہ صاف فرما دیا ہے کہ کوئی شخص مع جسم عنصری آسمان پر نہیں جائے گا بلکہ تمام زندگی زمین پر بسر کریں گے یہ خدا کا وعدہ ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے **فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ** یعنی زمین پر ہی تم زندہ رہو گے اور زمین پر ہی تم مرو گے اور زمین میں سے ہی تم نکالے جاؤ گے۔ پس اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کا مع جسم عنصری آسمان پر جانا اس وعدہ کے برخلاف ہے اور خدا پر تخلف وعدہ جائز نہیں اور اس وعدہ میں کوئی استثناء نہیں۔ (چشمہ معرفت۔ ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 228)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کافروں نے قسمیں کھا کر بار بار سوال کیا کہ آپ مع جسم عنصری آسمان پر چڑھ کر دکھلایئے۔ ہم ابھی ایمان لائیں گے۔ ان کو جواب دیا گیا۔ **قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔** یعنی ان کو کہہ دے کہ میرا خدا عہد شکنی سے پاک ہے اور بموجب اس قول کے مع جسم عنصری آسمان پر نہیں جا سکتا۔ کیونکہ یہ امر خدا کے وعدہ کے برخلاف ہے وجہ یہ کہ وہ فرماتا ہے کہ **فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ ۔ وَ لَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ۔** (چشمہ مسیحی۔ ر۔خ۔ جلد 20 صفحہ 387 حاشیہ)

درحقیقت حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام برطبق آیت فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَ فِیْهَا تَمُوْتُوْنَ زمین پر ہی اپنی جسمانی زندگی کے دن بسر کر کے فوت ہو چکے ہیں اور قرآن کریم کی سولہ آیتوں اور بہت سی حدیثوں بخاری اور مسلم اور دیگر صحاح سے ثابت ہے کہ فوت شدہ لوگ پھر آباد ہونے اور بسنے کے لیے دنیا میں بھیجے نہیں جاتے اور نہ حقیقی اور واقعی طور پر دوموتیں کسی پر واقع ہوتی ہیں اور نہ قرآن کریم میں واپس آنے والوں کے لیے کوئی قانون وراثت موجود ہے۔

(ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 602)

و قال اللہ تعالی فیھا تحیون فخصص حیاۃ الناس بالارض کما خصص موتھم بالثری۔ اتترکون کلام اللہ و شھادۃ نبیہ و تتبعون اقوالا اخر بئس للظلمین بدلا۔ ایھا الناس قداعثرنی اللہ علی ھذا السر و علمنی مالم تعلموا و ارسلنی الیکم حکما عدلا لا کشف علیکم ما کان علیکم مستترا۔ فلا تمار وا ولا تجادلوا۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔ خ۔ جلد 5 صفحہ 434-433)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **فیھا تحیون** (کہ تم اسی زمین میں زندہ رہو گے) پس اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی زندگی کو زمین سے مخصوص فرمایا ہے جس طرح ان کی موت کو مٹی سے خاص کر دیا۔ اے لوگو کیا تم اللہ کے کلام اور اس کے نبیؐ کی شہادت کو چھوڑ کر دوسری باتوں کی اتباع کرتے ہو۔ ظالموں کا بدلہ نہایت ہی بُرا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس راز سے آگاہ فرمایا ہے اور مجھے وہ کچھ سکھایا ہے جس کا تم کو علم نہیں اور مجھے تمہاری طرف حکم وعدل بنا کر بھیجا ہے تا کو تم پر وہ باتیں کھولوں جو پہلے تم پر پوشیدہ تھیں۔ پس شک نہ کرو اور نہ جھگڑا کرو۔

بعض نادان کہتے ہیں کہ یہ بھی تو عقیدہ اہل اسلام کا ہے کہ الیاس اور خضر زمین پر زندہ موجود ہیں اور ادریس آسمان پر مگر ان کو معلوم نہیں کہ علمائے محققین ان کو زندہ نہیں سمجھتے کیونکہ بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ آج سے ایک سو برس کے گزرنے پر زمین پر کوئی زندہ نہیں رہے گا۔ پس جو شخص خضر اور الیاس کو زندہ جانتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کا مکذّب ہے اور ادریس کو اگر آسمان پر زندہ مانیں تو پھر ماننا پڑیگا کہ وہ آسمان پر ہی مریں گے کیونکہ اُن کا دوبارہ زمین پر آنا نصوص سے ثابت نہیں اور آسمان پر مرنا آیت فیھا تموتون کے منافی ہے۔

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ۔ جلد 17 صفحہ 99-98 حاشیہ)

وَ اِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗۤ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ۔ (الصف:7)

غضب کی بات ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ تو اپنی پاک کلام میں حضرت مسیحؑ کی وفات ظاہر کرے اور یہ لوگ اب تک اس کو زندہ سمجھ کر ہزار ہا اور بیشمار فتنے اسلام کے لئے برپا کر دیں اور مسیح کو آسمان کا حی و قیوم اور سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین کا مردہ ٹھہراویں حالانکہ مسیح کو گواہی قرآن کریم میں اس طرح پر لکھی ہے مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗۤ اَحْمَدُ **یعنی میں ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد یعنی میرے مرنے کے بعد آئے گا اور نام اس کا احمدؐ ہوگا۔** پس اگر مسیحؑ اب تک اس عالم جسمانی سے گذر نہیں گیا تو اس سے لازم آتا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اب تک اس عالم میں تشریف فرما نہیں ہوئے کیونکہ نصّ اپنے کھلے کھلے الفاظ سے بتلا رہی ہے کہ جب مسیحؑ اس عالم جسمانی سے رخصت ہو جائے گا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم جسمانی میں تشریف لائیں گے وجہ یہ کہ آیت میں آنے کے مقابل پر جانا بیان کیا گیا ہے اور ضرور ہے کہ آنا اور جانا دونوں ایک ہی رنگ کے ہوں۔ یعنی ایک اس عالم کی طرف چلا گیا اور ایک اس عالم کی طرف سے آیا۔ (آئینہ کمالات۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 42)

قَالَ اھْبِطُوْا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَ لَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ۔ (الاعراف:25)

’’تمہارے قرار کی جگہ زمین ہی رہے گی پھر کیونکر ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی قرارگاہ صدہا برس سے آسمان پر ہو۔‘‘ (براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 300 حاشیہ)

خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہوا تھا کہ جس کا یہ مطلب ہے کہا اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ کِفَاتًا۔ اَحْیَآءً وَّ اَمْوَاتًا (المرسلات 27-26) ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کے سمیٹنے کیلئے کافی بنایا ہے اور اس میں ایک کشش ہے جس کی وجہ سے زمین والے کسی جگہ زندگی بسر کر ہی نہیں سکتے۔ اب اگر بشر آسمان پر گیا ہوا مان لیا جاوے تو نعوذ باللہ ماننا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ نے اپنا وعدہ توڑ دیا۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 351)

فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً وَّ لَاۤ اِلٰۤی اَھْلِھِمْ یَرْجِعُوْنَ۔ (یٰس:51)

وہ آیات جن میں لکھا ہے کہ فوت شدہ لوگ پھر دنیا میں نہیں آتے ازاں جملہ یہ آیت ہے۔ وَ حَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَھْلَکْنٰھَاۤ اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (الانبیاء :96)...... اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ جن لوگوں پر واقعی موت وارد ہو جاتی ہے اور درحقیقت فوت ہو جاتے ہیں پھر وہ زندہ کر کے دنیا میں بھیجے نہیں جاتے۔

(ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 619 حاشیہ)

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ۔ (الزمر:31)

خدا تعالیٰ کی عادت نہیں کہ دوبارہ دنیا میں لوگوں کو بھیجا کرے ورنہ ہمیں تو عیسیٰ کی نسبت حضرت سیدنا محمد مصطفیٰؐ کے دوبارہ دنیا میں آنے کی زیادہ ضرورت تھی اور اسی میں ہماری خوشی تھی مگر خدا تعالیٰ نے انک میت کہہ کر اس امید سے محروم کر دیا۔ (تذکرۃ الشہادتین۔ ر۔خ۔جلد20 صفحہ22)

مسلمانوں پہ تب ادبار آیا ! — کہ جب تعلیم قرآں کو بھلایا
رسولؐ حق کو مٹی میں سلایا — مسیحا کو فلک پر ہے بٹھایا
یہ توہیں کر کے پھل ویسا ہی پایا — اہانت نے انہیں کیا کیا دکھایا
خدا نے پھر تمہیں اب ہے بلایا — کہ سوچو عزت خیر البرایاؐ
ہمیں یہ رہ خدا نے خود دکھا دی — **فسبحان الذّی اخز الاعادی**

(بشیر احمد شریف احمد اور مبارکہ کی آمین درثمین اردو صفحہ51)

وفاتِ مسیحؑ ۔ حدیث رسول اللہ کے اعتبار سے

بخاری کے صفحہ 640 میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی گئی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو بعض آدمی یہ گمان کرتے تھے کہ آنحضرت فوت نہیں ہوئے اور بعض کہتے تھے کہ فوت ہو گئے مگر پھر دنیا میں آئیں گے اس حالت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ حضرت عائشہ کے گھر گئے اور دیکھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں تب وہ چادر کا پردہ اٹھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کی طرف جھکے اور چوما اور کہا کہ میرے ماں باپؐ تیرے پر قربان مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ خدا تیرے پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔ پھر لوگوں میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فوت ہو جانا ظاہر کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے اور پھر دنیا میں نہ آنے کی تائید میں یہ آیت پڑھی وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ ۔یعنی محمد اس سے زیادہ نہیں کہ وہ رسول اللہ ہے اور اس سے پہلے تمام رسول اس دنیا سے ہمیشہ کے لیے گذر چکے ہیں یاد رہے کہ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ کا الف لام استغراق کا ہے جو رسولوں کی جمع افراد گذشتہ پر محیط ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر دلیل ناقص رہ جاتی ہے کیونکہ اگر ایک فرد بھی باہر رہ جائے تو پھر وہ استدلال جو مدعا قرآن کریم کا ہے اس آیت سے پیدا نہیں ہوسکتا۔ اس آیت کے پیش کرنے سے حضرت ابوبکر صدیق نے اس بات کا ثبوت دیا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا کہ جو فوت نہ ہوا ہو۔

(ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ588)

یعنی ماتوا کلھم کما استدل بہ الصدیق الاکبر عند وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فما بقی شک بعد ذلک فی وفات المسیح و امتناع رجوعہ ان کنتم باللہ و ایاتہ مؤمنین۔

(تحفہ بغداد۔ر۔خ۔جلد 7 صفحہ9)

(ترجمہ) یعنی تمام کے تمام رسول فوت ہو گئے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت استدلال کیا تھا پس اس کے بعد اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور اس کی آیات پر ایمان رکھتے ہو تو حضرت مسیح کی وفات اور مسیح کے واپس نہ آنے کے متعلق کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

بخاری میں عبداللہ بن عباس کے قول سے ثابت ہو چکا ہے کہ یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کے یہ معنے ہیں کہ اے عیسیٰ میں تجھے وفات دوں گا۔ چنانچہ امام بخاری نے اسی مقام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث لکھ کر جس میں کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ ہے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہی معنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیے ہیں۔ پھر بعد اس کے جو حضرت عیسیٰ کی وفات کے بارے میں قرآن نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور عبداللہ بن عباس کے قول میں بھی یہی آیا دوسرے معنے کرنے یہودیوں کی طرح ایک خیانت ہے۔ غور کر کے دیکھ لو کہ تمام قرآن میں بجز روح قبض کرنے کے توفی کے اور کوئی معنے نہیں۔ تمام حدیثوں میں بجز مارنے کے اور کسی محل میں توفی کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ تمام لغت کی کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ جب خدا تعالیٰ فاعل ہو اور کوئی انسان مفعول بہ مثلاً یہ قول ہو کہ توفی اللہ زیدا تو بجز روح قبض کرنے اور مارنے کے اور کوئی معنے نہیں لیے جاویں گے۔ پس جب اس صراحت اور تحقیق سے فیصلہ ہو چکا کہ توفی کے معنے مارنا ہے اور آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ سے ثابت ہو چکا کہ حضرت عیسیٰ کی توفی عیسائیوں کے بگڑنے سے پہلے ہو چکی ہے یعنی وہ خدا بنائے جانے سے پہلے فوت ہو چکے ہیں تو پھر اب تک ان کی وفات کو قبول نہ کرنا یہ طریق بحث نہیں بلکہ بے حیائی کی قسم ہے۔ خدا تعالیٰ نے چونکہ ان لوگوں کو ذلیل کرنا تھا کہ جو خواہ مخواہ حضرت عیسیٰ کی حیات کے قائل ہیں اس لیے اس نے نہ ایک پہلو سے بلکہ بہت سے پہلوؤں سے حضرت عیسیٰ کی موت کو ثابت کیا۔ توفی کے لفظ سے موت ثابت ہوئی اور پھر آیت وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ (ال عمران :145) سے موت ثابت ہوئی۔ ..... پھر قرآن شریف کی آیت فِیْهَا تَحْیَوْنَ (الاعراف:26) سے موت ثابت ہوئی۔ اور پھر قرآن شریف کی آیت وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ (البقرة :37) سے موت ثابت ہوئی کیونکہ ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ آسمان پر جسمانی زندگی اور قرارگاہ کسی انسان کا نہیں ہو سکتا۔

(ایام الصلح۔ ر۔خ۔ جلد 14 صفحہ 385-383)

امام بخاری رحمۃ اللہ (علیہ) اسی غرض سے آیہ کریمہ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ کو کتاب التفسیر میں لایا ہے اور اس ایراد سے ان کا منشا یہ ہے کہ تا لوگوں پر ظاہر کرے کہ تَوَفَّیْتَنِیْ کے لفظ کی صحیح تفسیر وہی ہے جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرماتے ہیں یعنی مار دیا اور وفات دیدی اور حدیث یہ ہے۔

عن ابن عباس انه یجاء برجال من امتی فیؤخذ بهم زات الشمال فاقول یارب اصیحابی فیقال

انک لاتدری مااحد ثو ابعدک فاقول کما قال العبد الصلح و کنت علیھم شھیدامادمت فھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم (صفحہ665بخاری693بخاری) یعنی قیامت کے دن میں بعض لوگ میری امت میں سے آگ کی طرف لائے جائیں گے تب میں کہوں گا کہ اے میرے رب یہ تو میرے اصحاب ہیں تب کہا جائے گا کہ تجھے ان کاموں کی خبر نہیں جو تیرے پیچھے ان لوگوں نے کیے سو اس وقت میں وہی بات کہوں گا جو ایک نیک بندہ نے کہی تھی یعنی مسیح ابن مریم نے جب کہ اس کو پوچھا گیا تھا کہ کیا یہ تو نے تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو خدا کر کے ماننا اور وہ بات (جو میں ابن مریم کی طرح کہوں گا) یہ ہے کہ میں جب ان میں تھا ان پر گواہ تھا پھر جب تو نے مجھے وفات دیدی تو اس وقت تو ہی ان کا نگہبان اور محافظ اور نگران تھا۔ اس حدیث میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قصہ اور مسیح ابن مریم کے قصہ کو ایک ہی رنگ کا قصہ قرار دیکر وہی لفظ **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ** کا اپنے حق میں استعمال کیا ہے جس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ** سے وفات ہی مراد لی ہے کیونکہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں اور مدنیہ منورہ میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مزار شریف موجود ہے پس جبکہ **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ** کی شرح اور تفسیر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت وفات پانا ہے ثابت ہوا اور وہی لفظ حضرت مسیح کے منہ سے نکلا تھا اور کھلے طور پر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ جن الفاظ کو مسیح ابن مریم نے استعمال کیا تھا وہی الفاظ میں استعمال کروں گا پس اس سے بکلی منکشف ہو گیا کہ مسیح ابن مریم بھی وفات پا گیا اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وفات پا گئے اور دونوں برابر طور پر اثر آیت **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ** سے متاثر ہیں۔

(ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد3 صفحہ 586-585)

قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ۔ (السجدہ:12)

تفسیر معالم کے صفحہ 162 میں زیر تفسیر آیت **يٰعِيْسٰى اِنِّیْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ** لکھا ہے کہ علی بن طلحہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ **اِنِّیْ مُمِيْتُكَ** یعنی میں تجھ کو مارنے والا ہوں۔ اس پر دوسرے اقوال اللہ تعالیٰ کے دلالت کرتے ہیں۔ **قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ** (السجدۃ:12) **اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ** (النحل :33) **اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ** (النحل:29)۔ غرض حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اعتقاد یہی تھا کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو چکے ہیں۔

(ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد3 صفحہ 225-224)

تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم کا اجماع

ان سب کے بعد وہ عظیم الشان آیت ہے جس پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا اور ایک لاکھ سے زیادہ صحابی نے اس بات کو مان لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور کل گذشتہ نبی فوت ہو چکے ہیں اور وہ یہ آیت ہے **وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ** (ال عمران: 145)۔ اس جگہ خلت کے معنے خدا تعالیٰ نے آپ فرما دئے کہ موت یا قتل پھر اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے محل استدلال میں جمیع انبیا گذشتہ کی موت پر اس آیت کو پیش کر کے اور صحابہ نے ترک مقابلہ اور تسلیم کا طریق اختیار کر کے ثابت کر دیا کہ یہ آیت موت مسیح اور تمام گذشتہ انبیاء علیہم السلام پر قطعی دلیل ہے اور اس پر تمام اصحاب رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا ایک فرد بھی باہر نہ رہا جیسا کہ میں نے اس بات کو مفصل طور پر رسالہ تحفہ غزنویہ میں لکھ دیا ہے پھر اس کے بعد تیرہ سو برس تک کبھی کسی مجتہد اور مقبول امام پیشوائے انام نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ حضرت مسیح زندہ ہیں بلکہ امام مالک نے صاف شہادت دی کہ فوت ہو گئے ہیں اور امام ابن حزم نے صاف شہادت دی کہ فوت ہو گئے ہیں اور تمام کامل مکمل ملہمین میں سے کبھی کسی نے یہ الہام نہ سنایا کہ خدا کا یہ کلام میرے پر نازل ہوا ہے کہ عیسیٰ بن مریم برخلاف تمام نبیوں کے زندہ آسمان پر موجود ہے الغرض جبکہ میں نے نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ اور اقوال ائمہ اربعہ اور وحی اولیاء امت محمدیہ اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم میں بجز موت مسیح کے اور کچھ نہ پایا تو بنظر تکمیل لوازم تقویٰ انبیاء سابقین علیہم السلام کے قصص کی طرف دیکھا کہ کیا قرون گذشتہ میں اس کی کوئی نظیر بھی موجود ہے کہ کوئی آسمان پر چلا گیا ہو اور دوبارہ واپس آیا ہو تو معلوم ہوا کہ حضرت آدم سے لیکر اس وقت تک کوئی نظیر نہیں۔ (تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ۔جلد 17 صفحہ 92-91)

تمام صحابہ کا ان (حضرت مسیح علیہ السلام) کی موت پر اجماع ہو گیا اور اگر اجماع نہیں ہوا تھا تو ذرہ بیان تو کرو کہ جب حضرت عمر کے غلط خیال پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے اور پھر دوبارہ دنیا میں آئیں گے حضرت ابوبکر نے یہ آیت پیش کی کہ **مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** تو حضرت ابوبکر نے کیا سمجھ کر یہ آیت پیش کی تھی اور کونسا استدلال مطلوب تھا جو مناسب محل بھی تھا اور صحابہ نے اس کے معنے کیا سمجھے تھے اور کیوں مخالفت نہیں کی تھی اور کیوں اس جگہ لکھا ہے کہ جب یہ آیت صحابہ نے سنی تو اپنے خیالات سے رجوع کر لیا۔

(تحفہ غزنویہ۔ر۔خ۔جلد 15 صفحہ 542)

اسلام میں پہلا اجماع یہی تھا کہ کوئی نبی گذشتہ نبیوں میں سے زندہ نہیں ہے۔ جیسا کہ آیت **مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ** سے ثابت ہے۔ خدا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بہت بہت اجر دے۔ جو اس اجماع کا موجب ہوئے۔ اور منبر پر چڑھ کر اس آیت کو پڑھ سنایا۔ (لیکچر سیالکوٹ۔ر۔خ۔جلد 20 صفحہ 247-246)

تیسری فصل

اسلام میں جہاد

لفظ جہاد کے لفظی معانی

جاننا چاہیئے کہ جہاد کا لفظ جہد کے لفظ سے مشتق ہے جس کے معنے ہیں کوشش کرنا اور پھر مجاز کے طور پر دینی لڑائیوں کے لئے بولا گیا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں میں جولڑائی کو یُدّ ہ کہتے ہیں۔ دراصل یہ لفظ بھی جہاد کے لفظ کا ہی بگڑا ہوا ہے۔ چونکہ عربی زبان تمام زبانوں کی ماں ہے۔ اور تمام زبانیں اسی میں سے نکلی ہیں اس لئے یُدّ ہ کا لفظ جو سنسکرت کی زبان میں لڑائی پر بولا جاتا ہے دراصل جُہد یا جہاد ہے اور پھر جیم کو یاء کے ساتھ بدل دیا گیا اور کچھ تصرف کر کے تشدید کے ساتھ بولا گیا۔ (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد۔ ر۔ خ۔ جلد 17 صفحہ 3)

جہاد کے حقیقی معانی

اِنَّ الَّـذِیۡـنَ اٰمَـنُـوۡا وَ الَّـذِیۡنَ ہَاجَرُوۡا وَ جٰهَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَ اللّٰہِ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۔ (البقرہ:219)

یعنی جو لوگ ایمان لائے اور خدا کے لیے وطنوں سے یا نفس پرستیوں سے جدائی اختیار کی اور خدا کی راہ میں کوشش کی وہ خدا کی رحیمیت کے امیدوار ہیں اور خدا غفور اور رحیم ہے یعنی اس کا فیضان رحیمیت ضرور ان لوگوں کے شامل حال ہو جاتا ہے کہ جو اس کے مستحق ہیں کوئی ایسا نہیں جس نے اس کو طلب کیا اور نہ پایا۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرو ؎ اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

(براہین احمدیہ۔ ر۔ خ۔ جلد اصفحہ 452-451 حاشیہ نمبر 11)

اسلام صلح اور امن کا دین ہے

اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِهِمۡ لَقَدِیۡرُ۔ (الحج:40)

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اسلام میں کافروں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم ہے تو پھر کیونکر اسلام صلح کاری کا مذہب ٹھیر سکتا ہے۔ پس واضح ہو کہ قرآن شریف اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ تہمت ہے اور یہ بات سراسر جھوٹ ہے کہ دین اسلام میں جبراً دین پھیلانے کے لئے حکم دیا گیا تھا۔ کسی پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ میں تیرہ برس تک سخت دل کافروں کے ہاتھ سے وہ مصیبتیں اٹھائیں اور وہ دکھ دیکھے کہ بجز ان برگزیدہ لوگوں کے جن کا خدا پر نہایت درجہ بھروسہ ہوتا ہے کوئی شخص ان دکھوں کی برداشت نہیں کر سکتا اور اس مدت

میں کئی عزیز صحابہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نہایت بے رحمی سے قتل کئے گئے اور بعض کو بار بار زدوکوب کر کے موت کے قریب کر دیا اور بعض دفعہ ظالموں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر پتھر چلائے کہ آپ سر سے پیر تک خون آلودہ ہو گئے اور آخر کار کافروں نے یہ منصوبہ سوچا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے اس مذہب کا فیصلہ ہی کر دیں۔ تب اس نیت سے انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کیا اور خدا نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ تو اس شہر سے نکل جاؤ۔ تب آپ اپنے ایک رفیق کے ساتھ جس کا نام ابوبکرؓ تھا نکل آئے اور خدا کا یہ معجزہ تھا کہ باوجودیکہ صدہا لوگوں نے محاصرہ کیا تھا مگر ایک شخص نے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا اور آپ شہر سے باہر آ گئے اور ایک پتھر پر کھڑے ہو کر مکہ کو مخاطب کر کے کہا کہ ’’اے مکہ تو میرا پیارا شہر اور پیارا وطن تھا اگر میری قوم مجھ کو تجھ سے نہ نکالتی تو میں ہرگز نہ نکلتا۔‘‘ تب اس وقت بعض پہلے نوشتوں کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی کہ

’’وہ نبی اپنے وطن سے نکالا جائے گا‘‘

مگر پھر بھی کفار نے اسی قدر پر صبر نہ کیا اور تعاقب کر کے چاہا کہ بہر حال قتل کر دیں لیکن خدا نے اپنے نبی کو ان کے شر سے محفوظ رکھا اور آنجناب پوشیدہ طور پر مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کی طرف چلے آئے اور پھر بھی کفار اس تدبیر میں لگے رہے کہ مسلمانوں کو بکلی نیست و نابود کر دیں اور اگر خدا تعالیٰ کی حمایت اور نصرت نہ ہوتی تو ان دنوں میں اسلام کا قلع قمع کرنا نہایت سہل تھا کیونکہ دشمن تو کئی لاکھ آدمی تھا مگر مکہ سے ہجرت کرنے کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے رفیق ستر سے زیادہ نہ تھے اور وہ بھی متفرق ملکوں کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ پس اس حالت میں ہر ایک سمجھ سکتا ہے جبر کرنے کی کونسی صورت تھی غرض جب کافروں کا ظلم نہایت درجہ تک پہنچ گیا اور وہ کسی طرح آزار دہی سے باز نہ آئے اور انہوں نے اس بات پر مصمم ارادہ کر لیا کہ تلوار کے ساتھ مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں تب اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی کو دفاعی جنگ کے لئے اجازت فرمائی یعنی اس طرح کی جنگ جس کا مقصد صرف حفاظت خود اختیاری اور کفار کا حملہ دفع کرنا تھا جیسا کہ قرآن شریف میں تصریح سے اس بات کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ آیت یہ ہے۔ **اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوۡرٍ۔ اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرٌ** ۔(الحج:40`39)(ترجمہ) خدا کا ارادہ ہے کہ کفار کی بدی اور ظلم کو مومنوں سے دفع کرے یعنی مومنوں کو دفاعی جنگ کی اجازت دے تحقیقاً خدا خیانت پیشہ ناشکر لوگوں کو دوست نہیں رکھتا۔ خدا ان مومنوں کو لڑنے کی اجازت دیتا ہے جن پر کافر قتل کرنے کے لئے چڑھ چڑھ کے آتے ہیں اور خدا حکم دیتا ہے کہ مومن بھی کافروں کا مقابلہ کریں کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور خدا ان کی مدد پر قدرت رکھتا ہے یعنی اگرچہ تھوڑے ہیں مگر خدا ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ قرآن شریف میں وہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ کی اجازت دی گئی۔ آپ خود سوچ لو کہ اس آیت سے کیا نکلتا ہے۔ کیا لڑنے کے لئے خود سبقت کرنا یا مظلوم ہونے کی حالت میں اپنے بچاؤ کے لئے مجبوری مقابلہ کرنا ہمارے مخالف بھی اس بات کو جانتے ہیں کہ آج ہمارے ہاتھ میں وہی قرآن ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شائع کیا تھا۔ پس اس کے اس بیان کے مقابل پر جو کچھ برخلاف اس کے بیان کیا جائے وہ سب جھوٹ اور افترا ہے۔ مسلمانوں کی قطعی اور یقینی تاریخ جس کتاب سے نکلتی ہے وہ قرآن شریف ہے۔ (پیغام صلح۔ ر۔ خ۔ جلد 23 صفحہ 392-390)

اور نیز ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ خدا تعالے قرآن شریف میں پیش دستی کر کے لڑائی کرنا ایک سخت مجرمانہ فعل قرار دیتا ہے بلکہ مومنوں کو جا بجا صبر کا حکم دیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ھِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ۔ (حم السجدہ:35) ۔یعنی تیرا دشمن جو تجھ سے بدی کرتا ہے اس کا مقابلہ نیکی کے ساتھ کرا گر تو نے ایسا کیا تو وہ تیرا ایسا دوست ہو جائے گا کہ گویا رشتہ دار بھی ہے اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَالۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَالۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ۔ (ال عمران :135) یعنی مومن وہ ہیں جو غصہ کھا جاتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ عفو اور درگذر سے پیش آتے ہیں اور اگر چہ انجیل میں بھی عفو اور درگذر کی تعلیم ہے جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں مگر وہ یہودیوں تک محدود ہے دوسروں سے حضرت عیسٰیؑ نے اپنی ہمدردی کا کچھ واسطہ نہیں رکھا اور صاف طور پر فرما دیا کہ مجھے بجز بنی اسرائیل کے دوسروں سے کچھ غرض نہیں خواہ وہ غرق ہوں خواہ نجات پاویں۔مگر قرآن شریف نے یہ فرمایا۔ قُلۡ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعًا۔ (الاعراف:159)۔یعنی اے تمام انسانو! جو زمین پر رہتے ہو میں سب کی طرف رسول ہو کر آیا ہوں نہ کسی خاص قوم کی طرف اور سب کی ہمدردی میرا مقصد ہے۔ (پیغام صلح ۔ر۔خ۔23 صفحہ 395)

اور پھر ایک جگہ فرمایا ہے۔ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًا بِغَیۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِی الۡاَرۡضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیۡعًا۔ (المائدہ:33) یعنی جس شخص نے ایسے شخص کو قتل کیا کہ اس نے کوئی ناحق کا خون نہیں کیا تھا یا کسی ایسے شخص کو قتل کیا جو نہ بغاوت کے طور پر امن عامہ میں خلل ڈالتا تھا اور نہ زمین میں فساد پھیلاتا تھا تو اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔یعنی بے وجہ ایک انسان کو قتل کر دینا خدا کے نزدیک ایسا ہے کہ گویا تمام نبی آدم کو ہلاک کر دیا۔ان آیات سے ظاہر ہے کہ بے وجہ کسی انسان کا خون کرنا کس قدر اسلام میں جرم کبیرہ ہے۔ (پیغام صلح ۔ر۔خ۔جلد 23 صفحہ 394)

اسلام میں جبر و اکراہ نہیں ہے

لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ قَدۡ تَّبَیَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَیِّ فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَ یُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَکَ بِالۡعُرۡوَۃِ الۡوُثۡقٰی لَا انۡفِصَامَ لَھَا وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ۔ (البقرۃ :257)

ہمیں خدا تعالیٰ نے قرآن میں یہ بھی تعلیم دی ہے۔کہ دین اسلام میں اکراہ اور جبر نہیں جیسا کہ وہ فرماتا ہے لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ اور جیسا کہ فرماتا ہے اَفَاَنۡتَ تُکۡرِہُ النَّاسَ (یونس :100) (مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 45)

یعنی دین میں کوئی جبر نہیں ہے تحقیق ہدایت اور گمراہی میں کھلا کھلا فرق ظاہر ہو گیا ہے پھر جبر کی کیا حاجت ہے تعجب کہ باوجودیکہ قرآن شریف میں اس قدر تصریح سے بیان فرمایا ہے کہ دین کے بارے میں جبر نہیں کرنا چاہئے پھر بھی جن کے دل بغض اور دشمنی سے سیاہ ہو رہے ہیں ناحق خدا کے کلام پر جبر کا الزام دیتے ہیں۔

(چشمہ معرفت ۔ر۔خ۔جلد 23 صفحہ 233-232)

میں نہیں جانتا کہ ہمارے مخالفوں نے کہاں سے اور کس سے سن لیا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ خدا تو قرآن شریف میں فرماتا ہے لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرة :257)۔یعنی دین اسلام میں جبر نہیں۔تو پھر کس نے جبر کا حکم دیا۔اور جبر کے کون سے سامان تھے۔اور کیا وہ لوگ جو جبر سے مسلمان کیے جاتے ہیں ان کا یہی صدق اور یہی ایمان ہوتا ہے کہ بغیر کسی تنخواہ پانے کے باوجود دو تین سو آدمی ہونے کے ہزاروں آدمیوں کا مقابلہ کریں۔ اور جب ہزار تک پہنچ جائیں تو کئی لاکھ دشمن کو شکست دیدیں۔اور دین کو دشمن کے حملہ سے بچانے کے لیے بھیڑوں بکریوں کی طرح سر کٹا دیں۔اور اسلام کی سچائی پر اپنے خون سے مہریں کر دیں۔اور خدا کی توحید کے پھیلانے کے لیے ایسے عاشق ہوں۔کہ درویشانہ طور پر سختی اٹھا کر افریقہ کے ریگستان تک پہنچیں۔اور اس ملک میں اسلام کو پھیلا دیں۔اور پھر ہر یک قسم کی صعوبت اٹھا کر چین تک پہنچیں نہ جنگ کے طور بلکہ محض درویشانہ طور پر اور اس ملک میں پہنچ کر دعوت اسلام کریں۔جس کا نتیجہ یہ ہو کہ ان کے بابرکت وعظ سے کئی کروڑ مسلمان اس زمین میں پیدا ہو جائیں۔اور پھر ٹاٹ پوش درویشوں کے رنگ میں ہندوستان میں آئیں اور بہت سے حصہ آریہ ورت کو اسلام سے مشرف کر دیں اور یورپ کی حدود تک لا الہ الا اللہ کی آواز پہنچاویں۔تم ایماناً کہو کہ کیا یہ کام ان لوگوں کا ہے جو جبراً مسلمان کیے جاتے ہیں جن کا دل کافر اور زبان مومن ہوتی ہے۔نہیں بلکہ یہ ان لوگوں کے کام ہیں جن کے دل نور ایمان سے بھر جاتے ہیں۔اور جن کے دلوں میں خدا ہی خدا ہوتا ہے۔ (پیغام صلح۔ر۔خ۔جلد23 صفحہ 469-468)

مذہبی امور میں آزادی ہونی چاہیئے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کہ دین میں کسی قسم کی زبردستی نہیں ہے۔اس قسم کا فقرہ انجیل میں کہیں بھی نہیں ہے۔لڑائیوں کی اصل جڑ کیا تھی۔اس کے سمجھنے میں ان لوگوں سے غلطی ہوئی ہے۔اگر لڑائی کا ہی حکم تھا تو تیرہ برس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تو پھر ضائع ہی گئے کہ آپ نے آتے ہی تلوار نہ اٹھائی۔صرف لڑنے والوں کے ساتھ لڑائیوں کا حکم ہے۔اسلام کا یہ اصول کبھی نہیں ہوا کہ خود ابتداءً جنگ کریں۔لڑائی کا سبب کیا تھا؟ اسے خود خدا نے بتلایا ہے کہ ظُلِمُوا۔ خدا تعالےٰ نے جب دیکھا کہ یہ لوگ مظلوم ہیں تو اب اجازت دیتا ہے کہ تم بھی لڑو۔یہ نہیں حکم دیا کہ اب تلوار کا وقت ہے تم زبردستی تلوار کے ذریعہ لوگوں کو مسلمان کرو بلکہ یہ کہا کہ تم مظلوم ہو اب مقابلہ کرو۔مظلوم کو تو ہر ایک قانون اجازت دیتا ہے کہ حفظ جان کے واسطے مقابلہ کرے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 653-652)

وہ تمام لوگ آگاہ رہیں جو اسلام کے بزور شمشیر پھیلائے جانے کا اعتراض کرتے ہیں کہ وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہیں۔اسلام کی تاثیرات اپنی اشاعت کے لیے کسی جبر کی محتاج نہیں ہیں اگر کسی کو شک ہے تو وہ میرے پاس رہ کر دیکھ لے کہ اسلام اپنی زندگی کا ثبوت براہین اور نشانات سے دیتا ہے۔......انگلستان اور فرانس اور دیگر ممالک یورپ میں یہ الزام بڑی سختی سے اسلام پر لگایا جاتا ہے کہ وہ جبر کے ساتھ پھیلایا گیا ہے مگر افسوس اور سخت افسوس ہے کہ وہ نہیں دیکھتے کہ اسلام لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کی تعلیم دیتا ہے اور انہیں نہیں معلوم کہ کیا وہ مذہب جو فتح پا کر بھی گرجے نہ گرانے کا حکم دیتا ہے کیا وہ جبر کر سکتا ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ ان ملانوں نے جو اسلام کے نادان دوست ہیں۔یہ فساد ڈالا ہے۔انہوں نے خود اسلام کی حقیقت کو سمجھا نہیں اور اپنے خیالی عقائد کی بنا پر دوسروں کو اعتراض کا موقعہ دیا۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 130-129)

بہرزہ طالب آں مہدی و مسیح مباش   کہ کارِشاں ہمہ خونریزی ووَغا باشد

بیہودگی سے تو اس مسیح اور مہدی کا طلبگار نہ ہو۔جن کا کام سراسر خونریزی اور جنگ ہوگا۔

عزیزِ من رہِ تائید دین دگر راہے ست   نہ ایں کہ تیغ برآری اگر ابا باشد

اے میرے عزیز دین کی تائید کا اور ہی رستہ ہے یہ نہیں کہ اگر کوئی انکار کرے تو تو فوراً تلوار نکال لے۔

چہ حاجت است کہ تیغ از برائے دیں بکشی   نہ دین بودکہ بہ خونریزیش بقاباشد

اس بات کی کیا ضرورت ہے کہ تو دین کی خاطر تلوار کھینچے وہ دین دین نہیں جس کی بنا خونریزی پر ہو۔

چودیں مدلل و معقول وبا ضیا باشد   کدام دل کہ ازاں مذھبش اِبا باشد

جبکہ دین مدلل معقول اور روشن ہو تو وہ کونسا دل ہوگا جسے ایسے مذہب سے انکار ہو۔

چودیں درست بود خنجرے نے باید   کہ زورِ قولِ موجہ عجب نما باشد

جب دین صحیح ہو تو اس کے لیے خنجر درکار نہیں کیونکہ بادلائل کلام کی طاقت معجز نما ہوتی ہے۔

تو از سرائے طبیعت نیا مدی بیروں   ازیں ہمہ ہوست جبر با جفا باشد

چونکہ تو ابھی نفسانی خواہشات کے چکر سے نہیں نکلا اس وجہ سے تیری ساری خواہش ظالمانہ جبر کے لیے ہے۔

زجبر حجتِ حق برجہاں نیا ید راست   برو دلیل بدہ گر خرد ترا باشد

سچائی کو دنیا میں جبراً پھیلانا مناسب نہیں۔اگر تجھے عقل ہے تو جا اور اس کے برخلاف دلائل پیش کر۔

زجبر کو کبۂ صدق راشکست آید   ازیں بودکہ رہ جبرہا خطا باشد

جبر سے تو راست بازوں کی جماعت ٹوٹ جاتی ہے۔اسی وجہ سے جبر کا طریقہ غلط ہے۔

بہوش باش کہ جبراست خود دلیلِ گریز   تسلی دلِ مردم ازیں کجا باشد

خبردار ہو کہ جبر تو خود شکست کی دلیل ہے اس سے لوگوں کے دلوں کی تسلی کہاں ہوتی ہے۔

مرا بکفر کنی متہم ازیں گفتار   کہ کفر نزدِ تو ابرار راسزا باشد

تو اس بات کی وجہ سے مجھ پر کفر کا الزام لگاتا ہے کیونکہ تیرے نزدیک نیکوں کو کافر کہنا درست ہے۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 268-269)(تریاق القلوب۔ر۔خ۔جلد 15 صفحہ 132-133)

اسلام میں جہاد کی ضرورت

سورہ حج پارہ سترہ میں خداتعالےٰ فرماتا ہے وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا(الحج:41) (ترجمہ) یعنی اگر خداتعالےٰ کی یہ عادت نہ ہوتی کہ بعض کو بعض کے ساتھ دفع کرتا تو ظلم کی نوبت یہاں تک پہنچتی کہ گوشہ گزینوں کے خلوت خانے ڈھائے جاتے اور عیسائیوں کے گرجے مسمار کئے جاتے اور یہودیوں کے معبد نابود کئے جاتے اور مسلمانوں کی مسجدیں جہاں کثرت سے ذکر خدا ہوتا ہے منہدم کی جاتیں۔اس جگہ خداتعالےٰ یہ ظاہر فرماتا ہے کہ ان تمام عبادت خانوں کا میں ہی حامی ہوں اور اسلام کا فرض ہے کہ اگر مثلاً کسی عیسائی ملک پر قبضہ کرے تو ان کے عبادتخانوں سے کچھ تعرض نہ کرے اور منع کر دے کہ ان کے گرجے مسمار نہ کئے جائیں اور یہی ہدایت احادیث نبویہ سے مفہوم ہوتی ہے کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کہ کوئی اسلامی سپہ سالار کسی قوم کے مقابلہ کیلئے مامور ہوتا تھا تو اس کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ وہ عیسائیوں اور یہودیوں کے عبادت خانوں اور فقراء کے خلوتخانوں سے تعرض نہ کرے۔اس سے ظاہر ہے کہ اسلام کس قدر تعصب کے طریقوں سے دور ہے کہ وہ عیسائیوں کے گرجاؤں اور یہودیوں کے معبدوں کا ایسا ہی حامی ہے جیسا کہ مساجد کا حامی ہے ہاں البتہ اس خدا نے جو اسلام کا بانی ہے یہ نہیں چاہا کہ اسلام دشمنوں کے حملوں سے فنا ہو جائے بلکہ اس نے دفاعی جنگ کی اجازت دی ہے اور حفاظت خود اختیاری کے طور پر مقابلہ کرنے کا اذن دیدیا ہے۔جیسا کہ وہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (سورة التوبته:13) فان جنحوا للسلم فاجنح لها (الانفال: 62) دیکھوسورۃ الانفال الجزونمبر10 (ترجمہ) کیا تم ایسی قوم سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور چاہا کہ رسول خدا کو جلاوطن کر دیں اور انہوں نے ہی پہلے تمہیں قتل کرنا شروع کیا۔اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ۔یعنی تم اس خیال سے کیوں ڈرتے ہو کہ ہم بہت ہی تھوڑے ہیں اور کفار شمار میں بہت ہیں ہم کیونکر ان سے لڑ سکتے ہیں۔(پیغام صلح۔ر۔خ۔جلد23 صفحہ 393/94)

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ (الحج:40)

اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس زمانہ میں بڑی بڑی مشکلات کا سامنا تھا۔آپ کے بہت سے جان نثار اور عزیز دوست ظالم کفار کے تیر وتفنگ کا نشانہ بنے اور طرح طرح کے قابل شرم عذاب ان لوگوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو پہنچائے حتی کہ آخر کار خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ کر لیا۔چنانچہ آپ کا تعاقب بھی کیا۔آپ کے قتل کرنے والے کے واسطے انعام مقرر کئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے۔تعاقب کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی گئی۔مگر یہ تو خداتعالےٰ کا تصرف تھا کہ آپ کو ان کی نظروں سے باوجود سامنے ہونے کے بچا لیا اور ان کی آنکھوں میں خاک ڈال کر خود اپنے رسول کو ہاتھ دے کر بچا

لیا۔آخرکار جب ان کفار کے مظالم کی کوئی حد نہ رہی اور مسلمانوں کو ان کے وطن سے باہر نکال کر بھی وہ سیر نہ ہوئے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا۔ **اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْر** (الحج:40) خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو تلوار اُٹھانے کی اجازت دی اور اس اجازت میں یہ ثابت کر دیا کہ واقع میں یہ لوگ ظالم تھے۔اور شرارت ان کی حد سے بڑھ چکی تھی اور مسلمانوں کا صبر بھی اپنے انتہائی نقطہ تک پہنچ چکا تھا۔اب خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے تلوار سے مقابلہ کیا وہ تلوار ہی سے ہلاک کئے جاویں اور گو یہ چند اور ضعیف ہیں مگر میں دکھادوں گا کہ میں بوجہ اس کے کہ وہ مظلوم ہیں ان کی نصرت کرونگا اور تم کو ان کے ہاتھ سے ہلاک کراؤں گا۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 587)

اسلامی جنگوں کی تین وجوہات تھیں

کیا اس مذہب کو ہم جبر کا مذہب کہہ سکتے ہیں جس کی کتاب قرآن میں صاف طور پر یہ ہدایت ہے کہ **لَا اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ** (البقرة :257) یعنی دین میں داخل کرنے کے لئے جبر جائز نہیں۔کیا ہم اس بزرگ نبی کو جبر کا الزام دے سکتے ہیں جس نے مکہ معظّمہ کے تیرہ برس میں اپنے تمام دوستوں کو دن رات یہی نصیحت دی کہ شر کا مقابلہ مت کرو اور صبر کرتے رہو۔ہاں جب دشمنوں کی بدی حد سے گذر گئی اور دین اسلام کے مٹانے کے لئے تمام قوموں نے کوشش کی تو اس وقت غیرت الٰہی نے تقاضا کیا کہ جو لوگ تلوار اُٹھاتے ہیں وہ تلوار ہی سے قتل کئے جائیں ورنہ قرآن شریف نے ہرگز جبر کی تعلیم نہیں دی اگر جبر کی تعلیم ہوتی تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جبر کی تعلیم کی وجہ سے اس لائق نہ ہوتے کہ امتحانوں کے موقع پر سچے ایمانداروں کی طرح صدق دکھلا سکتے لیکن ہمارے سیدومولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی وفاداری ایک ایسا امر ہے کہ اس کے اظہار کی ہمیں ضرورت نہیں۔یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں کہ ان کے صدق اور وفاداری کے نمونے اس درجہ پر ظہور میں آئے کہ دوسری قوموں میں ان کی نظیر ملنا مشکل ہے۔اس وفادار قوم نے تلواروں کے نیچے بھی اپنی وفاداری اور صدق کو نہیں چھوڑا بلکہ اپنے بزرگ اور پاک نبی کی رفاقت میں وہ صدق دکھلایا کہ کبھی انسان میں وہ صدق نہیں آ سکتا جب تک ایمان سے اس کا دل اور سینہ منور نہ ہو۔غرض اسلام میں جبر کو دخل نہیں۔**اسلام کی لڑائیاں تین قسم سے باہر نہیں (۱) دفاعی طور پر یعنی بہ طریق حفاظت خود مختیاری (۲) بطور سزا یعنی خون کے عوض میں خون (۳) بطور آزادی قائم کرنے کے یعنی بغرض مزاحموں کی قوت توڑنے کے جو مسلمان ہونے پر قتل کرتے تھے۔** پس جس حالت میں اسلام میں یہ ہدایت ہی نہیں کہ کسی شخص کو جبر اور قتل کی دھمکی سے دین میں داخل کیا جائے تو پھر کسی خونی مہدی یا خونی مسیح کی انتظار کرنا سراسر لغو اور بیہودہ ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ قرآنی تعلیم کے برخلاف کوئی ایسا انسان بھی دنیا میں آوے جو تلوار کے ساتھ لوگوں کو مسلمان کرے۔

(مسیح ہندوستان۔ر۔خ۔جلد 15 صفحہ 12-11)

جہاد دفاع کے لئے تھا

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُ وْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (التوبة :13)

اس خدا نے جو اسلام کا بانی ہے یہ نہیں چاہا کہ اسلام دشمنوں کے حملوں سے فنا ہو جائے بلکہ اس نے دفاعی جنگ کی اجازت دی ہے اور حفاظت خود اختیاری کے طور پر مقابلہ کرنے کا اذن دیدیا ہے جیسا کہ وہ قرآن شریف میں فرماتا ہے اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْا اَيْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُ وْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (التوبة :13) وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (الانفال:62) کیا تم ایسی قوم سے نہیں لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور چاہا کہ رسول خدا کو جلاوطن کر دیں اور انہوں نے ہی پہلے تمہیں قتل کرنا شروع کیا۔

(چشمہ معرفت۔ ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 394)

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا......اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (الحج :41-40)

لڑائیوں کے سلسلہ کو دیکھنا از بس ضروری ہے اور جب تک آپ سلسلہ کو نہ دیکھو گے اپنے تئیں عمداً یا سہواً بڑی غلطی میں ڈالو گے۔ سلسلہ تو یہ ہے کہ اوّل کفّار نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر کے آخر اپنے حملوں کی وجہ سے ان کو مکہ سے نکال دیا اور پھر تعاقب کیا اور جب تکلیف حد سے بڑھی تو پہلا حکم جو لڑائی کے لئے نازل ہوا وہ یہ تھا۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا......اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (الحج :41-40) یعنی ان لوگوں کو مقابلہ کی اجازت دی گئی کہ ان پر ظلم ہوا اور خدا مظلوم کی حمایت کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے وطنوں سے ناحق نکالے گئے اور ان کا گناہ بجز اس کے اور کوئی نہ تھا جو ہمارا رب اللہ ہے۔ (جنگ مقدس۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 255-254)

اس بات کو مت بھولو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے حد سے گذرے ہوئے ظلم وستم پر تلوار اُٹھائی اور وہ حفاظت خود اختیاری تھی جو ہر مہذّب گورنمنٹ کے قانون میں بھی حفاظت خود اختیاری کو جائز رکھا ہے۔ اگر ایک چور گھر میں گھس آوے اور وہ حملہ کر کے مار ڈالنا چاہے اس وقت اس چور کو بچاؤ کے لئے مار ڈالنا جرم نہیں ہے۔

پس جب حالت یہاں تک پہنچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار خدام شہید کر دئے گئے اور مسلمان ضعیف عورتوں تک کو نہایت سنگدلی اور بے حیائی کے ساتھ شہید کیا گیا تو کیا حق نہ تھا کہ ان کو سزا دی جاتی۔ اس وقت اگر اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہوتا کہ اسلام کا نام ونشان نہ رہے تو البتہ یہ ہوسکتا تھا کہ تلوار کا نام نہ آتا مگر وہ چاہتا تھا کہ اسلام دنیا میں پھیلے اور دنیا کی نجات کا ذریعہ ہو اس لئے اس وقت محض مدافعت کے لئے تلوار اُٹھائی گئی۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اسلام کا اس وقت تلوار اُٹھانا کسی قانون مذہب اور اخلاق کی رُو سے قابل اعتراض نہیں ٹھہرتا۔ وہ لوگ جو ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دینے کی تعلیم دیتے ہیں وہ بھی صبر نہیں کر سکتے اور جن کے ہاں کیڑے کا مارنا بھی گناہ سمجھا جاتا ہے وہ بھی نہیں کر سکتے پھر اسلام پر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے؟ (لیکچر لدھیانہ۔ ر۔خ۔ جلد 20 صفحہ 273)

پس جب کہ یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوا کہ ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبراً دین اسلام پھیلانے کے لئے کوئی جنگ نہیں کیا بلکہ کافروں کے بہت سے حملوں پر ایک زمانہ دراز تک صبر کر کے آخر نہایت مجبوری سے محض دفاعی طور پر جنگ شروع کیا گیا تھا تو پھر یہ خیالات کہ کوئی خونی مہدی یا مسیح آئے گا اور جبراً دین پھیلانے کے لئے لڑائیاں کرے گا۔ ان خیالات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ مہدی اور مسیح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے طریق کی مخالفت کرے گا اور اپنی روحانی کمزوری کے سبب تلوار کا محتاج ہوگا۔ پس ان خیالات سے بڑھ کر اور کونسا خیال لغو ہوسکتا ہے۔ جس امر کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کرنا نہیں چاہا اور صدہا مصیبتیں دیکھیں اور پھر صبر کیا وہ امر مہدی اور مسیح کے لئے کیونکر جائز ہو جائے گا۔ (پیغام صلح۔ ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 397-396)

مذہبی امور میں آزادی ہونی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۔ کہ دین میں کسی قسم کی زبردستی نہیں ہے۔ اس قسم کا فقرہ انجیل میں کہیں بھی نہیں۔ لڑائیوں کی اصل جڑھ کیا تھی۔ اس کے سمجھنے میں ان لوگوں سے غلطی ہوئی ہے۔ اگر لڑائی کا ہی حکم تھا تو تیرہ برس رسول اکرام صلی اللہ علیہ وسلم کے تو پھر ضائع ہی گئے۔ کہ آپ نے آتے ہی تلوار نہ اٹھائی صرف لڑنے والوں کے ساتھ لڑائیوں کا حکم ہے۔ اسلام کا یہ اصول کبھی نہیں ہوا۔ کہ خود ابتدائے جنگ کریں۔ **لڑائی کا کیا سبب تھا اسے خود خدا نے بتلایا ہے کہ ظُلِمُوْا ۔ خدا نے جب دیکھا کہ یہ لوگ مظلوم ہیں تو اب اجازت دیتا ہے کہ تم بھی لڑو۔ یہ نہیں حکم دیا کہ اب وقت تلوار کا ہے تم زبردستی تلوار کے ذریعہ لوگوں کو مسلمان کرو۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ تم مظلوم ہو۔ اب مقابلہ کرو مظلوم کو تو ہر ایک قانون اجازت دیتا ہے کہ حفظ جان کے واسطے مقابلہ کرے۔** (ملفوظات جلد دوم صفحہ 653-652)

اور یہ بھی فرق یاد رہے کہ اسلام نے صرف ان لوگوں کے مقابل پر تلوار اُٹھانا حکم فرمایا ہے کہ جو اوّل آپ تلوار اُٹھائیں۔ اور انہیں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے جو اوّل آپ قتل کریں۔ یہ حکم ہرگز نہیں دیا کہ تم ایک کافر بادشاہ کے تحت میں ہو کر اور اس کے عدل اور انصاف سے فائدہ اٹھا کر پھر اسی پر باغیانہ حملہ کرو۔ قرآن کے رو سے یہ بدمعاشوں کا طریق ہے نہ نیکوں کا لیکن توریت نے یہ فرق کسی جگہ نہیں کھول کر بیان فرمایا۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن شریف اپنے جلالی اور جمالی احکام میں اس خط مستقیم عدل اور انصاف اور رحم اور احسان پر چلتا ہے۔ جس کی نظیر دنیا میں کسی کتاب میں موجود نہیں۔ (انجام آتھم۔ ر۔خ۔ جلد 11 صفحہ 37)

اسلام میں بجز دفاعی طور کی جنگ یا ان جنگوں کے سوا جو بغرض سزائے ظالم یا آزادی قائم کرنے کے نیت سے ہوں اور کسی صورت میں دین کے لئے تلوار اُٹھانے کی اجازت نہیں اور دفاعی طور کی جنگ سے مراد وہ لڑائیاں ہیں جن کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جبکہ مخالفوں کے بلوہ سے اندیشہ جان ہو۔

(مسیح ہندوستان میں۔ ر۔خ۔ جلد 15 صفحہ 4)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جنگ کئے وہ صرف دفاعی تھے۔ جب آپ کی اور آپ کے صحابہ کی تکالیف حد سے بڑھ گئیں اور بہت ستائے گئے اس وقت اللہ تعالیٰ نے مقابلہ کا حکم دیا چنانچہ پہلی آیت جو جہاد کے متعلق ہے وہ یہ ہے۔ اُذِنَ لِلَّذِيۡنَ يُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَـصۡرِهِمۡ لَـقَدِيۡرُ ۙ. الَّذِيۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ بِغَيۡرِ حَقٍّ الایۃ یعنی ان لوگوں کو مقابلہ کی اجازت دی گئی جن کے مقابلہ قتل کے لئے مخالفوں نے چڑھائی کی (اس لئے اجازت دی گئی) کہ ان پر ظلم ہوا اور اللہ تعالیٰ مظلوم کی حمایت کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ مظلوم ہیں جو ناحق اپنے وطنوں سے نکالے گئے۔ ان کا گناہ بجز اس کے اور کوئی نہ تھا کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ **غرض آنحضرت صلعم کی لڑائیاں اس وقت تھیں جبکہ کفار کے ظلم انتہاء تک پہنچ گئے۔**

(الحکم جلد 6 نمبر 46 مورخہ 24 دسمبر 1902 صفحہ 9) (تفسیر حضرت اقدسؑ جلد 6 صفحہ 142)

جہاد بطور سزا

اُذِنَ لِلَّذِيۡنَ يُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَـصۡرِهِمۡ لَـقَدِيۡرُ ۙ. (الحج: 40)

سارا قرآن بار بار کہہ رہا ہے کہ دین میں جبر نہیں اور صاف طور پر کہہ رہا ہے کہ جن لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں لڑائیاں کی گئی تھیں وہ **لڑائیاں دین کو جبراً شائع** کرنے کے لئے نہیں تھیں بلکہ یا تو بطور سزا تھیں یعنی ان لوگوں کو سزا دینا منظور تھا جنہوں نے ایک گروہ کثیر مسلمانوں کو قتل کر دیا اور بعض کو وطن سے نکال دیا تھا اور نہایت سخت ظلم کیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُذِنَ لِلَّذِيۡنَ يُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَـصۡرِهِمۡ لَـقَدِيۡرُ ۙ یعنی ان مسلمانوں کو جن سے کفار جنگ کر رہے تھے بسبب مظلوم ہونے کے مقابلہ کرنے کی اجازت دی گئی اور خدا قادر ہے کہ جو ان کی مدد کرے اور یا وہ لڑائیاں جو بطور مدافعت تھیں یعنی جو لوگ اسلام کے نابود کرنے کے لئے پیش قدمی کرتے تھے یا اپنے ملک میں اسلام کو شائع ہونے سے جبراً روکتے تھے ان سے بطور حفاظت خود اختیاری یا ملک میں آزادی پیدا کرنے کے لئے لڑائی کی جاتی تھی بجز ان تین صورتوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مقدس خلیفوں نے کوئی لڑائی نہیں کی بلکہ اسلام نے غیر قوموں کے ظلم کی اس قدر برداشت کی ہے جو اس کی دوسری قوموں میں نظیر نہیں ملتی۔ (کشتی نوح۔ ر۔خ۔ جلد 19 صفحہ 74)

یاد رہے کہ قرآن کی تعلیم سے بے شک ثابت ہوتا ہے کہ یہود اور نصاریٰ سے لڑائیاں ہوئیں مگر ان لڑائیوں کا ابتداء اہل اسلام کی طرف سے ہرگز نہیں ہوا اور یہ لڑائیاں دین میں جبراً داخل کرنے کے لئے ہرگز نہیں تھیں بلکہ اس وقت ہوئیں جبکہ خود اسلام کے مخالفوں نے آپ ایذاء دے کر یا موذیوں کو مدد دے کر ان لڑائیوں کے اسباب پیدا کیے اور جب اسباب انہیں کی طرف سے پیدا ہو گئے تو غیرت الٰہی نے ان قوموں کو سزا دینا چاہی اور اس سزا میں بھی رحمت الٰہی نے یہ رعایت رکھی کہ اسلام میں داخل ہونے والا یا جزیہ دینے والا اس عذاب سے بچ جائے۔ یہ رعایت بھی خدا کے قانون قدرت کے مطابق تھی کیونکہ ہر ایک مصیبت جو عذاب کے طور پر نازل ہوتی ہے مثلاً وبایا

قحط تو انسانوں کا کانشنس خود اس طرف متوجہ ہو جاتا ہے کہ وہ دعا اور توبہ اور تضرع اور صدقات اور خیرات سے اس عذاب کو موقوف کرانا چاہیں۔ چنانچہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ رحیم خدا عذاب کو دور کرنے کے لئے خود الہام دلوں میں ڈالتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ کی دعائیں کئی دفعہ منظور ہو کر بنی اسرائیل کے سر سے عذاب ٹل گیا۔ غرض اسلام کی لڑائیاں سخت طبع مخالفوں پر ایک عذاب تھا جس میں ایک رحمت کا طریق بھی کھلا تھا۔ سو **یہ خیال کرنا دھوکہ ہے کہ اسلام نے توحید کے شائع کرنے کے لئے لڑائیاں کیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ لڑائیوں کی بنیاد محض سزا دہی کے طور پر اس وقت سے شروع ہوئی کہ جب دوسری قوموں نے ظلم اور مزاحمت پر کمر باندھی۔**

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ ر۔خ۔ جلد 12 صفحہ 351)

جہاد جرائم پیشہ کے خلاف تھا

فَاِنْ حَآجُّوْکَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَ مَنِ اتَّبَعَنِ ط وَ قُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ط فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ ط وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ۔ (ال عمران:21)

اور اے پیغمبر اہل کتاب اور عرب کے جاہلوں کو کہو کہ کیا تم دین اسلام میں داخل ہوتے ہو۔ پس اگر اسلام قبول کر لیں تو ہدایت پا گئے اور اگر منہ موڑیں تو تمہارا تو صرف یہی کام ہے کہ حکم الٰہی پہنچا دو۔ اس آیت میں یہ نہیں لکھا کہ تمہارا یہ بھی کام ہے کہ تم ان سے جنگ کرو اس سے ظاہر ہے کہ جنگ صرف جرائم پیشہ لوگوں کے لیے تھا کہ مسلمانوں کو قتل کرتے تھے یا امن عامہ میں خلل ڈالتے تھے اور چوری ڈاکہ میں مشغول رہتے تھے اور یہ جنگ بحیثیت بادشاہ ہونے کے تھا نہ بحیثیت رسالت۔ (چشمہ معرفت۔ ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 243)

جہاد بغاوت دور کرنے اور آزادئ مذہب کے لئے تھا

وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔ (الانفال:40)

یعنی اس حد تک ان کا مقابلہ کرو کہ ان کی بغاوت دور ہو جائے اور دین کی روکیں اُٹھ جائیں اور حکومت اللہ کے دین کی ہو جائے۔

قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ یعنی عرب کے ان مشرکوں کو قتل کرو یہاں تک کہ بغاوت باقی نہ رہ جاوے اور دین یعنی حکومت اللہ تعالیٰ کی ہو جائے۔ اس سے کہاں جبر نکلتا ہے۔ اس سے تو صرف اس قدر پایا جاتا ہے کہ اس حد تک لڑو کہ ان کا زور ٹوٹ جائے اور شرارت اور فساد اٹھ جائے اور بعض لوگ جیسے خفیہ طور پر اسلام لائے ہوئے ہیں ظاہر بھی اسلامی احکام ادا کر سکیں۔ اگر اللہ جلشانہ کا ایمان بالجبر منشا ہوتا جیسا کہ ڈپٹی صاحب سمجھ رہے ہیں تو پھر جزیہ اور صلح اور معاہدات کیوں جائز رکھے جاتے اور کیا وجہ تھی کہ یہود اور عیسائیوں کے لیے یہ اجازت دی جاتی کہ وہ جزیہ دیکر امن میں آ جائیں اور مسلمانوں کے زیر سایہ امن کے ساتھ بسر کریں۔ (جنگ مقدس۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 263)

یہ جہالت اور سخت نادانی ہے کہ اس زمانہ کے نیم ملاّ فی الفور کہہ دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبراً مسلمان کرنے کے لیے تلوار اٹھائی تھی اور انہی شبہات میں ناسمجھ پادری گرفتار ہیں۔ مگر اس سے زیادہ کوئی جھوٹی بات نہیں ہوگی کہ یہ جبر اور تعدی کا الزام اس دین پر لگایا جائے جس کی پہلی ہدایت یہی ہے کہ لَا اِكْـرَاهَ فِی الـدِّیْـنِ ۔ یعنی دین میں جبر نہیں چاہیئے بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ بزرگ صحابہ کی لڑائیاں یا تو اس لیے تھیں کہ کفار کے حملہ سے اپنے تئیں بچایا جائے۔ اور یا اس لیے تھیں کہ امن قائم کیا جائے اور جو لوگ تلوار سے دین کو روکنا چاہتے ہیں ان کو تلوار سے پیچھے ہٹایا جائے۔ (تریاق القلوب۔ ر۔خ۔ جلد 15 صفحہ 158)

اب جائے غور ہے کہ قرآن شریف نے جن اضطراری حالتوں میں جنگ کرنے کی اجازت دی ہے ان میں سے آج اس زمانہ میں کوئی بھی حالت موجود ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی جبر و تشدّد کسی دینی معاملہ میں ہم پر نہیں کیا جاتا بلکہ ہر ایک کو پوری مذہبی آزادی دی گئی ہے۔ اب نہ کوئی جنگ کرتا ہے کسی دینی غرض کیلیے اور نہ ہی لونڈی غلام کوئی بناتا ہے نہ کوئی نماز روزے اذان حج اور ارکان اسلام کی ادائیگی سے روکتا ہے تو پھر جہاد کیسا اور لونڈی غلام کیسے؟

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 503)

اسلام نے تلوار اُٹھانے میں سبقت نہیں کی اور اسلام نے صرف بوقت ضرورت امن قائم کرنے کی حد تک تلوار اُٹھائی ہے اور اسلام نے عورتوں اور بچوں اور راہبوں کے قتل کرنے کے لئے حکم نہیں دیا بلکہ جنہوں نے سبقت کر کے اسلام پر تلوار کھینچی وہ تلوار سے ہی مارے گئے اور تلوار کی لڑائیوں میں سب سے بڑھ کر توریت کی تعلیم ہے جس کی رو سے بے شمار عورتیں اور بچے بھی قتل کئے گئے۔ جس خدا کی نظر میں وہ بے رحمی اور سختی کی لڑائیاں بُری نہیں تھیں بلکہ اس کے حکم سے تھیں تو پھر نہایت بے انصافی ہوگی کہ وہی خدا اسلام کی ان لڑائیوں سے ناراض ہو جو مظلوم ہونے کی حالت میں یا امن قائم کرنے کی غرض سے خدا تعالیٰ کے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کرنی پڑی تھیں۔

(حجتہ الاسلام۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 47-46)

جنگ کی ابتدا کافروں کی تھی

اَ لَا تُـقَـاتِـلُـوْنَ قَـوْمًـا نَّـكَثُوْا اَیْمَانَهُمْ وَ هَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔(التوبة:13)

یہ نہایت درجہ کا ظلم ہے کہ اسلام کو ظالم کہا جاتا ہے حالانکہ ظالم وہ خود ہیں جو تعصب کی وجہ سے بے سوچے سمجھے اسلام پر بے جا اعتراض کرتے ہیں اور باوجود بار بار سمجھانے کے نہیں سمجھتے کہ اسلام کے کل جنگ اور مقابلے کفار مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر دفاعی رنگ میں حفاظت جان و مال کی غرض سے کیے تھے اور کوئی بھی حرکت مسلمانوں کی طرف سے ایسی سرزد نہیں ہوئی جس کا ارتکاب اور ابتداء پہلے کفار کی طرف سے نہ ہوئی ہو۔ بلکہ بعض قابل نفرین حرکات کا مقابلہ بتقاضائے وسعت اخلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عمداً ترک کرنے کا حکم دے دیا تھا مثلاً کفار میں ایک سخت قابل نفرت رسم تھی جو کہ وہ مسلمان مردوں سے کیا کرتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیح فعل سے مسلمانوں کو قطعاً روک دیا۔

قرآن شریف میں بڑی بسط اور تفصیل سے اس امر کا ذکر موجود ہے مگر کوئی غور کرنے والا اور بے تعصب دل سچائی اور حق کی پیاس بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔ **قرآن شریف میں صاف طور سے اس امر کا ذکر آ گیا ہے وَ هُمْ بَدَءُ وْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ یعنی ہر ایک شرارت اور فساد کی ابتداء پہلے کفار کی طرف سے ہوئی ہے......**

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 503-502)

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائیوں کے لئے سبقت نہیں کی تھی بلکہ ان لوگوں نے خود سبقت کی تھی۔ خون کئے۔ ایذائیں دیں۔ تیرہ برس تک طرح طرح کے دکھ دئے۔ آخر جب صحابہ کرامؓ سخت مظلوم ہو گئے تب اللہ تعالیٰ نے بدلہ لینے کی اجازت دی جیسے فرمایا۔ **اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا** (الحج 40) **وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ**۔ (البقرة:191) اُس زمانہ کے لوگ نہایت وحشی اور درندے تھے۔ خون کرتے تھے...اور ناحق کی ایذا دہی اور خون ریزی پر کمر باندھے ہوئے تھے۔ خدا (تعالیٰ) نے فیصلہ کر دیا کہ ایسے ظالموں کو سزا دینے کا اذن دیا جاتا ہے اور یہ ظلم نہیں بلکہ عین حق اور انصاف ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے انہوں نے بڑی بڑی کوششیں کیں۔ طرح طرح کے منصوبے کئے یہاں تک کہ ہجرت کرنی پڑی مگر پھر بھی انہوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مدینہ تک تعاقب کیا اور خون کرنے کے درپے ہوئے۔ غرض جب ہمارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدت تک صبر کیا اور مدت تک تکلیف اٹھائی تب خدا (تعالیٰ) نے فیصلہ دیا کہ جنہوں نے تم لوگوں پر ظلم کئے اور تکلیفیں دیں ان کو سزا دینے کا اذن دیا جاتا ہے اور پھر بھی یہ فرما ہی دیا کہ اگر وہ صلح پر آمادہ ہوویں تو تم صلح کر لو۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو یتیم، غریب، بیکس پیدا ہوئے تھے وہ لڑائیوں کو کب پسند کر سکتے تھے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 278-277)

واضح رہے کہ اسلام کی لڑائیاں ایسے طور سے نہیں ہوئیں کہ جیسے ایک زبردست بادشاہ کمزور لوگوں پر چڑھائی کر کے ان کو قتل کر ڈالتا ہے بلکہ صحیح نقشہ ان لڑائیوں کا یہ ہے کہ جب ایک مدت دراز تک خدا تعالیٰ کا پاک نبی اور اس کے پیرو مخالفوں کے ہاتھ سے دکھ اٹھاتے رہے چنانچہ ان میں سے کئی قتل کیے گئے اور کئی بُرے بُرے عذابوں سے مارے گئے یہاں تک کہ ہمارے نبی صلعم کے قتل کر دینے کے لیے منصوبہ کیا گیا اور یہ تمام کامیابیاں ان کے بتوں کے معبود برحق ہونے پر حمل کی گئیں اور ہجرت کی حالت میں بھی آنحضرت صلعم کو امن میں نہ چھوڑا گیا بلکہ خود آٹھ پڑاؤ تک چڑھائی کر کے خود جنگ کرنے کے لیے آئے تو اس وقت ان کے حملہ کو روکنے کے لیے اور نیز ان لوگوں کو امن میں لانے کے لیے جو ان کے ہاتھ میں قیدیوں کی طرح تھے اور نیز اس بات کے ظاہر کرنے کے لیے کہ ان کے معبود جن کی تائید پر یہ سابقہ کامیابیاں حمل کی گئی ہیں لڑائیاں کرنے کا حکم ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَ اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ**۔ (الانفال:31) (جنگ مقدس۔ ر۔ خ۔ جلد 6 صفحہ 244)

قَـاتِلُوا الَّذِيۡنَ لَايُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوۡلُـهٗ وَلَا يَـدِيۡـنُـوۡنَ دِيۡـنَ الۡـحَقِّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّ هُمۡ صٰغِرُوۡنَ۔ (التوبة :29)

ان بے ایمانوں سے لڑو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے یعنی عملی طور پر فسق و فجور میں مبتلا ہیں اور حرام کو حرام نہیں جانتے اور سچائی کی راہیں اختیار نہیں کرتے جو اہل کتاب میں سے ہیں جب تک کہ وہ جزیہ اپنے ہاتھ سے دیں اور وہ ذلیل ہوں۔ دیکھو اس سے کیا ثابت ہوتا ہے۔ اس سے تو یہی ثابت ہوا کہ جو اپنی بغاوتوں کی وجہ سے حق کے روکنے والے ہیں اور ناجائز طریقوں سے حق پر حملہ کرنے والے ہیں۔ ان سے لڑو اور ان سے دین کے طالبوں کو نجات دو۔ **اس سے یہ کہاں ثابت ہو گیا کہ یہ لڑائی ابتداء بغیر ان کے کسی حملہ کے ہوئی تھی۔ لڑائیوں کے سلسلہ کو دیکھنا ازبس ضروری ہے اور جب تک آپ سلسلہ کو نہ دیکھو گے اپنے تئیں عمداً یا سہواً بڑی غلطیوں میں ڈالو گے۔ سلسلہ تو یہ ہے کہ اوّل کفار نے ہمارے نبی صلعم کے قتل کا ارادہ کر کے آخر اپنے حملوں کی وجہ سے ان کو مکہ سے نکال دیا اور پھر تعاقب کیا اور جب تکلیف حد سے بڑھی تو پہلا حکم جو لڑائی کے لیے نازل ہوا وہ یہ تھا۔ اُذِنَ لِـلَّـذِيۡـنَ يُـقٰتَـلُـوۡنَ بِـاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصۡرِهِمۡ لَقَدِيۡرُۨ الَّـذِيۡـنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ بِغَيۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ يَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ۔ (الحج آیت 41-40)** اہل کتاب دعوت حق کے مزاحم ہوئے اور مشرکوں کو انہوں نے مدد یں کیں اور ان کے ساتھ مل کر اسلام کو نابود کرنا چاہا جیسا کہ مفصل ذکر اس کا قرآن شریف میں موجود ہے تو پھر بجز لڑنے اور دفع حملہ کے اور کیا تدبیر تھی مگر پھر بھی ان کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ فرمایا۔ حَتّٰى يُـعۡـطُـوا الۡـجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ یعنی اس وقت تک ان سے لڑو۔ جب تک یہ جزیہ ذلّت کے ساتھ دیدیں اور صاف طور پر فرما دیا یعنی جہاد میں یعنی لڑنے میں اسلام سے ابتداء نہیں ہوئی۔ (جنگ مقدس۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 256-254)

جہاد کا حکم مختص الزمان والوقت تھا

اُذِنَ لِلَّذِيۡنَ يُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّهُمۡ ظُلِمُوۡا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصۡرِهِمۡ لَقَدِيۡرُ (الحج :40)

خدا تعالیٰ کی طرف سے قطعی طور پر یہ تاکید تھی کہ شرّ کا ہرگز مقابلہ نہ کرو۔ چنانچہ ان برگزیدہ راست بازوں نے ایسا ہی کیا۔ ان کے خونوں سے کوچے سُرخ ہو گئے پر انہوں نے دم نہ مارا۔ وہ قربانیوں کی طرح ذبح کئے گئے پر انہوں نے آہ نہ کی۔ خدا کے پاک اور مقدس رسول کو جس پر زمین اور آسمان سے بے شمار سلام ہیں بارہا پتّھر مار مار کر خون سے آلودہ کیا گیا مگر اس صدق اور استقامت کے پہاڑ نے ان تمام آزاروں کی دلی انشراح اور

محبت سے برداشت کی اوران صابرانہ اور عاجزانہ روشوں سے مخالفوں کی شوخی دن بدن بڑھتی گئی اورانہوں نے اس مقدس جماعت کو اپنا ایک شکار سمجھ لیا تب اس خدا نے جو نہیں چاہتا کہ زمین پر ظلم اور بے رحمی حد سے گذر جائے اپنے مظلوم بندوں کو یاد کیا اور اس کا غضب شریروں پر بھڑکا اور اس نے اپنی پاک کلام قرآن شریف کے ذریعہ سے مظلوم بندوں کو اطلاع دی کہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ میں تمہیں آج سے مقابلہ کی اجازت دیتا ہوں اور میں خدائے قادر ہوں ظالموں کو بے سزا نہیں چھوڑوں گا۔ یہ حکم تھا جس کا دوسرے لفظوں میں جہاد نام رکھا گیا اور اس حکم کی اصل عبارت جو قرآن شریف میں اب تک موجود ہے یہ ہے۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ یعنی خدا نے ان مظلوم لوگوں کی جو قتل کئے جاتے ہیں اور ناحق اپنے وطن سے نکالے گئے فریاد سن لی اور ان کو مقابلہ کی اجازت دی گئی اور خدا قادر ہے جو مظلوم کی مدد کرے...... **مگر یہ حکم مختص الزمان والوقت تھا۔ ہمیشہ کے لئے نہیں تھا بلکہ اس زمانہ کے متعلق تھا جبکہ اسلام میں داخل ہونے والے بکریوں اور بھیڑوں کی طرح ذبح کئے جاتے تھے۔**

(گورنمنٹ انگریزی اور جہاد۔ ر۔خ۔ جلد 17 صفحہ 6-5)

ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ قرآن شریف ہرگز جہاد کی تعلیم نہیں دیتا۔ اصلیّت صرف اس قدر ہے کہ ابتدائی زمانہ میں بعض مخالفوں نے اسلام کو تلوار سے روکنا بلکہ نابود کرنا چاہا تھا۔ سو اسلام نے اپنی حفاظت کے لئے ان پر تلوار اُٹھائی اور انہی کی نسبت حکم تھا کہ یا قتل کئے جائیں اور یا اسلام لائیں۔ **سو یہ حکم مختص الزمان تھا ہمیشہ کے لئے نہیں تھا اور اسلام ان بادشاہوں کی کارروائیوں کا ذمہ دار نہیں ہے جو نبوت کے زمانہ کے بعد سراسر غلطیوں یا خودغرضیوں کی وجہ سے ظہور میں آئیں۔** اب جو شخص نادان مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے بار بار جہاد کا مسئلہ یاد دلاتا ہے گویا وہ ان کی زہریلی عادت کو تحریک دینا چاہتا ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ پادری صاحبان صحیح واقعات کو مدنظر رکھ کر اس بات پر زور دیتے کہ اسلام میں جہاد نہیں اور نہ جبر سے مسلمان کرنے کا حکم ہے۔ جس کتاب میں یہ آیت اب تک موجود ہے کہ لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ یعنی دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں کرنی چاہیئے کیا اس کی نسبت ہم ظن کر سکتے ہیں کہ وہ جہاد کی تعلیم دیتی ہے۔

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 251-250)

مجھے بڑے ہی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ عیسائیوں اور دوسرے معترضین نے اسلام پر حملے کرتے وقت ہرگز ہرگز اصلیت پر غور نہیں کیا۔ وہ دیکھتے کہ اس وقت تمام مخالف اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کے درپے تھے اور سب کے سب مل کر اس کے خلاف منصوبے کرتے اور مسلمانوں کو دکھ دیتے تھے۔ ان دکھوں اور تکلیفوں کے مقابلہ میں اگر وہ اپنی جان نہ بچاتے تو کیا کرتے۔ **قرآن شریف میں یہ آیت موجود ہے اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا (الحج:40) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اس وقت دیا گیا جب کہ مسلمانوں پر ظلم کی حد ہو گئی تو انہیں مقابلہ کا حکم دیا گیا۔ اس وقت کی یہ اجازت تھی دوسرے وقت کے لئے یہ حکم نہ تھا۔**

(لیکچر لدھیانہ۔ ر۔خ۔ جلد 20 صفحہ 274)

جہاد اور جنگ نہ کرنے کا حکم

لَا یَنۡھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَ لَمۡ یُخۡرِجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡھُمۡ وَ تُقۡسِطُوۡۤا اِلَیۡھِمۡ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ۔ (الممتحنہ:9)

قرآن شریف میں بڑی بسط اور تفصیل سے اس امر کا ذکر موجود ہے مگر کوئی غور کرنے والا اور بے تعصب دل سچائی اور حق کی پیاس بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔ قرآن شریف میں صاف طور اس امر کا ذکر آ گیا ہے۔ وَ ھُمۡ بَدَءُوۡکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍ (التوبہ :13) یعنی ہر ایک شرارت اور فساد کی ابتدا پہلے کفار کی طرف سے ہوئی ہے بلکہ قرآن شریف نے تو اس امر کی بڑی وضاحت کر دی ہے کہ جنہوں نے مقابلہ کیا ان کا مقابلہ تلوار سے کیا جاوے اور جو لوگ الگ رہتے ہیں اور انہوں نے ایسی جنگوں میں کوئی حصہ نہیں لیا ان سے تم بھی جنگ مت کرو بلکہ ان سے بیشک احسان کرو اور ان کے معاملات میں عدل کرو۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ لَا یَنۡھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَ لَمۡ یُخۡرِجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡھُمۡ وَ تُقۡسِطُوۡۤا اِلَیۡھِمۡ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ (الممتحنہ:9)

اب جائے غور ہے کہ قرآن شریف نے جن اضطراری حالتوں میں جنگ کرنے کی اجازت دی ہے ان میں سے آج اس زمانہ میں کوئی بھی حالت موجود ہے؟ **ظاہر ہے کہ کوئی جبر و تشدد کسی دینی معاملہ میں ہم پر نہیں کیا جاتا بلکہ ہر ایک کو پوری آزادی دی گئی ہے اب نہ کوئی جنگ کرتا ہے کسی دینی غرض کے لیے اور نہ ہی لونڈی غلام کوئی بناتا ہے۔ نہ کوئی نماز روزے اذان حج اور ارکان اسلام کی ادائیگی سے روکتا ہے تو پھر جہاد کیسا اور لونڈی غلام کیسے؟**

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 503-502)

اور پھر خدا تعالےٰ نے قرآن شریف پارہ اٹھائیس سورۃ الممتحنہ میں فرمایا ہے۔ لَا یَنۡھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَ لَمۡ یُخۡرِجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡھُمۡ وَ تُقۡسِطُوۡۤا اِلَیۡھِمۡ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ترجمہ۔ یعنی جن لوگوں نے تمہارے دین کو نابود کرنیکی غرض سے تمہارے قتل کرنے کے لئے چڑھائی نہیں کی اور تمہیں اپنے وطن سے نہیں نکالا خدا تمہیں اس بات سے منع نہیں کرتا کہ تم ان سے احسان کرو اور اپنے مال کا کوئی حصہ ان کو دے دو اور معاملات میں ان سے انصاف کا برتاؤ کرو اور خدا ان لوگوں سے پیار کرتا ہے جو اپنے دشمنوں سے بھی احسان اور مروّت اور انصاف سے پیش آتے ہیں خاص کر ایسے دشمن جو بہت بہت دکھ دے چکے ہوں۔

اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے یعنی پارہ دہم سورہ توبہ میں وَ اِنۡ اَحَدٌ مِّنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ اسۡتَجَارَکَ فَاَجِرۡہُ حَتّٰی یَسۡمَعَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ اَبۡلِغۡہُ مَاۡمَنَہٗ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَعۡلَمُوۡنَ (التوبۃ: 6)۔ یعنی اگر لڑائی کے ایام میں کوئی شخص مشرکوں میں سے خدا کے کلام کو سننا چاہے تو اس کو پناہ دیدو جب تک کہ وہ خدا کے کلام کو سن لے اور پھر اس کو اپنے امن کی جگہ میں پہنچا دو کیونکہ وہ ایک جاہل قوم ہے اور نہیں جانتے کہ وہ کس سے لڑائی کر رہے ہیں۔

(پیغام صلح۔ ر۔ خ۔ جلد 23 صفحہ 393)

وَ اِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَ تَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَالسَّمِيۡعُ

الۡعَلِيۡمُ۔(الانفال:62)

اور اگر مخالف صلح کے واسطے جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ اور خدا پر توکل کرو۔

(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 421)

اب ظاہر ہے کہ قرآن شریف یہی بیان کرتا ہے کہ مسلمانوں کو لڑائی کا اس وقت حکم دیا گیا تھا جب وہ ناحق قتل کئے جاتے تھے اور خدا تعالےٰ کی نظر میں مظلوم ٹھہر چکے تھے اور ایسی حالت میں دوصورتیں تھیں یا تو خدا کافروں کی تلوار سے ان کو فنا کر دیتا اور یا مقابلہ کی اجازت دیتا اور وہ بھی اس شرط سے کہ آپ ان کی مدد کرتا کیونکہ ان میں جنگ کی طاقت ہی نہیں تھی اور پھر ایک اور آیت ہے جس میں خدا نے اس اجازت کے ساتھ ایک اور قید بھی لگا دی ہے اور وہ آیت سے پارہ دوم سورۃ البقرۃ میں ہے اور اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ تمہیں قتل کرنیکے لئے آتے ہیں ان کا دفع شر کے لئے مقابلہ تو کرو مگر کچھ زیادتی نہ کرو اور وہ آیت یہ ہے:۔

و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم و لا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین(البقرہ: 191) یعنی خدا کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ لڑو جو لڑنے میں سبقت کرتے ہیں اور تم پر چڑھ چڑھ کے آتے ہیں مگر ان پر زیادتی نہ کرو اور تحقیقاً یاد رکھو کہ خدا زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

(پیغام صلح۔ر۔خ۔جلد23 صفحہ 392)

جہاد بالسیف اور حضرت اقدسؑ کی تعلیم

فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعۡدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَهَا ...... (محمد:5)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز کسی پر تلوار نہیں اٹھائی بجز ان لوگوں کے جنہوں نے پہلے تلوار اٹھائی۔ اور سخت بیرحمی سے بے گناہ اور پرہیزگار مردوں اور عورتوں اور بچوں کو قتل کیا۔ اور ایسے دردانگیز طریقوں سے مارا کہ اب بھی ان قصوں کو پڑھ کر رونا آتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر فرض بھی کر لیں کہ اسلام میں ایسا ہی جہاد تھا جیسا کہ ان مولویوں کا خیال ہے۔ تاہم اس زمانہ میں وہ حکم قائم نہیں رہا کیونکہ لکھا ہے کہ جب مسیح موعود ظاہر ہو جائیگا تو سیفی جہاد اور مذہبی جنگوں کا خاتمہ ہو جائیگا۔ کیونکہ مسیح نہ تلوار اٹھائیگا اور نہ کوئی اور زمینی ہتھیار ہاتھ میں پکڑے گا بلکہ اس کی دعا اس کا حربہ ہوگا۔ اور اس کی عقد ہمت اس کی تلوار ہوگی۔ وہ صلح کی بنیاد ڈالیگا اور بکری اور شیر کو ایک ہی گھاٹ پر اکٹھے کریگا۔ اور اس کا زمانہ صلح اور نرمی اور انسانی ہمدردی کا زمانہ ہوگا۔ ہائے افسوس! کیوں یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ تیرہ سو برس ہوئے کہ مسیح موعود کی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے کلمہ یضع الحرب جاری ہو چکا ہے۔ جس کے یہ معنے ہیں کہ مسیح موعود جب آئیگا تو لڑائیوں کا خاتمہ کر دیگا۔ اور اسی کی طرف اشارہ اس قرآنی آیت کا ہے

حتی تضع الحرب اوزارھا ہے۔دیکھو صحیح بخاری موجود ہے جو قرآن شریف کے بعد اصح الکتب مانی گئی ہے۔ **اس کو غور سے پڑھو۔اے اسلام کے عالمو اور مولویو! میری بات سنو! میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اب جہاد کا وقت نہیں ہے۔خدا کے پاک نبی کے نافرمان مت بنو۔مسیح موعود جو آنے والا تھا آ چکا۔اور اس نے حکم بھی دیا کہ آئندہ مذہبی جنگوں سے جو تلوار اور کشت وخون کے ساتھ ہوتی ہیں باز آ جاؤ تو اب بھی خونریزی سے باز نہ آنا اور ایسے وعظوں سے مونہہ بند نہ کرنا طریق اسلام نہیں ہے۔جس نے مجھے قبول کیا ہے وہ نہ صرف ان وعظوں سے مونہہ بند کرے گا بلکہ اس طریق کو نہایت بُرا اور موجب غضب الٰہی جانے گا۔** (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد۔ر۔خ۔جلد 17 صفحہ 9-8)

غرض اب جب مسیح موعود آ گیا تو ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ جہاد سے باز آوے۔اگر میں نہ آیا ہوتا تو شائد اس غلط فہمی کا کسی قدر عذر بھی ہوتا۔مگر اب تو میں آ گیا اور تم نے وعدہ کا دن دیکھ لیا۔اس لئے اب مذہبی طور پر تلوار اٹھانے والوں کا خدا تعالیٰ کے سامنے کوئی عذر نہیں۔ **جو شخص آنکھیں رکھتا ہے اور حدیثوں کو پڑھتا اور قرآن کو دیکھتا ہے وہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یہ طریق جہاد جس پر اس زمانہ کے اکثر وحشی کاربند ہو رہے ہیں یہ اسلامی جہاد نہیں ہے۔بلکہ یہ نفس امّارہ کے جوشوں سے یا بہشت کی طمع خام سے ناجائز حرکات ہیں جو مسلمانوں میں پھیل گئے ہیں۔**

(گورنمنٹ انگریزی اور جہاد۔ر۔خ۔جلد 17 صفحہ 10-9)

مسیح موعود دنیا میں آیا ہے تا کہ دین کے نام سے تلوار اٹھانے کے خیال کو دور کرے۔اور اپنے حجج اور براہین سے ثابت کر دکھائے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو اپنی اشاعت میں تلوار کی مدد کا ہرگز محتاج نہیں بلکہ اس کی تعلیم کی ذاتی خوبیاں اور اس کے حقائق ومعارف وحجج وبراہین اور خدا تعالیٰ کی زندہ تائیدات اور نشانات اور اس کا ذاتی جذب ایسی چیزیں ہیں جو ہمیشہ اس کی ترقی اور اشاعت کا موجب ہوئی ہیں۔اس لئے وہ تمام لوگ آگاہ رہیں جو اسلام کے بزور شمشیر پھیلائے جانے کا اعتراض کرتے ہیں کہ وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔اسلام کی تاثیرات اپنی اشاعت کے لئے کسی جبر کی محتاج نہیں ہیں۔اگر کسی کو شک ہے تو وہ میرے پاس رہ کر دیکھ لے کہ اسلام اپنی زندگی کا ثبوت براہین اور نشانات سے دیتا ہے۔

اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے اور اس نے ارادہ فرمایا ہے کہ ان تمام اعتراضوں کو اسلام کے پاک وجود سے دور کر دے جو خبیث آدمیوں نے اس پر کئے ہیں۔تلوار کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کا اعتراض کرنے والے اب سخت شرمندہ ہونگے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 129)

آج سے انسانی جہاد جو تلوار سے کیا جاتا تھا خدا کے حکم کے ساتھ بند کیا گیا۔اب اس کے بعد جو شخص کافر پر تلوار اُٹھاتا اور اپنا نام غازی رکھتا ہے وہ اس رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے جس نے آج سے تیرہ سو برس پہلے فرما دیا ہے کہ مسیح موعود کے آنے پر تمام تلوار کے جہاد ختم ہو جائیں گے۔سو اب میرے ظہور کے بعد تلوار کا کوئی جہاد نہیں۔ہماری طرف سے امان اور صلحکاری کا سفید جھنڈا بلند کیا گیا ہے۔خدا تعالیٰ کی طرف دعوت کرنے کی ایک راہ نہیں۔پس جس راہ پر نادان لوگ اعتراض کر چکے ہیں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت نہیں چاہتی کہ اسی راہ کو پھر اختیار کیا جائے۔ (مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 296-295)

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال | دیں کیلئے حرام ہے اب جنگ اور قتال
اب آ گیا مسیح جو دیں کا امام ہے | دیں کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے
اب آسماں سے نورِ خدا کا نزول ہے | اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے
دُشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد | منکر نبیؐ کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد
کیوں چھوڑتے ہو لوگو نبیؐ کی حدیث کو | جو چھوڑتا ہے چھوڑ دو تم اس خبیث کو
کیوں بھولتے ہوتم یضع الحرب کی خبر | کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو توکھول کر
فرما چکا ہے سیّدِ کونین مصطفٰے | عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التوا
جب آئیگا تو صلح کو وہ ساتھ لائیگا | جنگوں کے سلسلے کو وہ یکسر مٹائیگا
یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا | وہ کافروں سے سخت ہزیمت اُٹھائیگا
اک معجزہ کے طور سے یہ پیش گوئی ہے | کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے
القصّہ یہ مسیح کے آنے کا ہے نشان | کر دیگا ختم آ کے وہ دیں کی لڑائیاں
تم میں سے جس کو دین و دیانت سے ہے پیار | اب اسکا فرض ہے کہ وہ دل کر کے استوار
لوگوں کو یہ بتائے کہ وقتِ مسیح ہے | اب جنگ اور جہاد حرام اور قبیح ہے
ہم اپنا فرض دوستو اب کر چکے ادا | اب بھی اگر نہ سمجھو تو سمجھائے گا خدا

(تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ۔جلد17 صفحہ 80-77)

یہ زمانہ تلوار سے جہاد کا نہیں ہے

مسیح موعود کے لئے ابتداء سے یہی مقدر ہے کہ پہلے تو وہ قہاری رنگ میں ظاہر ہوگا اور جہاں تک اسکی نظر کام کرتی ہے اس کے دم سے لوگ مریں گے یعنی وہ زمانہ جہاد اور تلوار سے لڑنے کا زمانہ نہیں ہوگا صرف مسیح موعود کی روحانی توجہ تلوار کا کام دکھلائیگی اور قہری نشان آسمان سے نازل ہونگے جیسے طاعون اور زلزلے وغیرہ آفات۔تب اس کے بعد خدا کا مسیح نوع انسان کو رحم کی نظر سے دیکھے گا اور آسمان سے رحم کے آثار ظاہر ہونگے اور عمروں میں برکت دی جائیگی اور زمین میں سے رزق کا سامان بکثرت پیدا ہوگا۔منہ (تجلیات الٰہیہ۔ر۔خ۔جلد20 صفحہ 399 حاشیہ)

موجودہ حالت میں مصلح کی ضرورت

ایک دوست نے اپنا خواب بیان کیا جس میں یہ آیت بھی تھی۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔ (الطلاق:3)

ایک عالمگیر عذاب کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جس سے نجات کا ذریعہ صرف تقویٰ ہی ہے۔ دیکھو یہ قحط جو بڑھتا جاتا ہے یہ بھی شامت اعمال ہی ہے۔ جو اس سے بچنا چاہتے ہیں وہ اللہ کے حضور توبہ کریں مگر توبہ کے آثار نظر نہیں آتے۔ یہ لوگ بار بار تکذیب کرتے ہیں۔ نشان پر نشان دیکھتے ہیں اور پھر نہیں مانتے۔ کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ یہ کیوں تکذیب وتکفیر پر کمر بستہ ہیں۔ نہ قرآن مجید ان کے ساتھ نہ احادیث ان کے ساتھ۔ موجودہ حالات پکار پکار کر ایک مصلح کی ضرورت جتا رہی ہیں۔ غرض عقلی نقلی دونو طریق سے یہی جھوٹے ثابت ہو رہے ہیں مگر پھر بھی باز نہیں آتے۔ **بار بار جہاد کو پیش کرتے ہیں مگر یہ نہیں سمجھتے کہ جب کوئی گورنمنٹ مذہب کیلئے نہیں لڑتی تو وہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا وہ کس لیے تلوار سے جہاد کرتا۔ اب تو زمانہ دلائل سے جہاد کرنے کا ہے جو ہو رہا ہے۔**

یہ لوگ عجیب قسم کی تاریکی میں ہیں کہ انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ جو ان کے رہبر بنے ہوئے ہیں وہ عجیب قسم کے مکروں سے کام لے رہے ہیں۔ دنیا ہی ان کا مقصود ہے۔ اسلام میں ایک بیج بویا گیا تھا بجائے اس کے کہ اس کی آبیاری کرتے اس کو اُجاڑنے کے درپے ہیں۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 430)

اسلام میں حقیقی جہاد

نفسوں کو پاک کرنے کا جہاد

دیکھو میں ایک حکم لے کر آپ لوگوں کے پاس آیا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اب سے تلوار کے جہاد کا خاتمہ ہے۔ مگر اپنے نفسوں کے پاک کرنے کا جہاد باقی ہے۔ اور یہ بات میں نے اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ خدا کا یہی ارادہ ہے۔ صحیح بخاری کی اس حدیث کو سوچو۔ جہاں مسیح موعود کی تعریف میں لکھا ہے کہ **یضع الحرب** یعنی مسیح جب آئیگا تو دینی جنگوں کا خاتمہ کر دیگا۔ سو میں حکم دیتا ہوں کہ جو میری فوج میں داخل ہیں وہ ان خیالات کے مقام سے پیچھے ہٹ جائیں۔ دلوں کو پاک کریں اور اپنے انسانی رحم کو ترقی دیں اور دردمندوں کے ہمدرد بنیں۔ زمین پر صلح پھیلا دیں کہ اس سے ان کا دین پھیلے گا اور اس سے تعجب مت کریں کہ ایسا کیونکر ہوگا۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے بغیر توسط معمولی اسباب کے جسمانی ضرورتوں کے لئے حال کی نئی ایجادوں میں زمین کے عناصر اور زمین کی تمام چیزوں سے کام لیا ہے اور ریل گاڑیوں کو گھوڑوں سے بھی بہت زیادہ دوڑا کر دکھلا دیا ہے ایسا ہی اب وہ روحانی ضرورتوں کے لئے بغیر توسط انسانی ہاتھوں کے آسمان کے فرشتوں سے کام لے گا۔ بڑے بڑے آسمانی نشان ظاہر ہونگے اور بہت سی چمکیں پیدا ہونگی جن سے بہت سی آنکھیں کھل جائیں گی۔ (گورنمنٹ انگریزی اور جہاد۔ ر۔خ۔ جلد 17 صفحہ 15)

معجزات اور خدائی چمک دکھانے کا جہاد

ایسا ہی ایک اور حدیث صحیح مسلم میں ہے جو مسیح موعود کے بارے میں ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعود جنگ نہیں کرے گا۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ اَخْرَجْتُ عِبَادًا لِّیْ لَا یَدَانِ لِقِتَالِھِمْ لِاَحَدٍ فَاَحْرِزْ عِبَادِیْ اِلَی الطُّوْرِ۔ یعنی اے آخری مسیح میں نے اپنے ایک بندے ایسی طاقتور زمین پر ظاہر کئے ہیں (یعنی یورپ کی قومیں) کہ کسی کو ان کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہوگی۔ پس تو ان سے جنگ نہ کر بلکہ میرے بندوں کو طور کی پناہ میں لے آ۔ یعنی تجلیات آسمانی اور روحانی نشانوں کے ذریعہ سے ان بندوں کو ہدایت دے۔ سو میں دیکھتا ہوں کہ یہی حکم مجھے ہوا ہے۔

اب واضح ہو کہ ان بندوں سے مراد یورپ کی طاقتیں ہیں جو تمام دنیا میں پھیلتی جاتی ہیں اور طور سے مراد تجلیاتِ حقّہ کا مقام ہے جس میں انوار و برکات اور عظیم الشان معجزات اور ہیبت ناک آیات صادر ہوتی ہیں اور خلاصہ اس پیشگوئی کا یہ ہے کہ مسیح موعود جب آئے گا تو وہ ان زبردست طاقتوں سے جنگ نہیں کرے گا بلکہ دین اسلام کو زمین پر پھیلانے کے لئے وہی چمکتے ہوئے نور اس پر ظاہر ہوں گے جو موسیٰ نبی پر کوہ طور میں ظاہر ہوئے تھے پس طور سے مراد چمکدار تجلیات الٰہیہّ ہیں جو معجزات اور کرامات اور خرق عادت کے طور پر ظہور میں آ رہے ہیں اور آئیں گے اور دنیا دیکھے گی کہ وہ چمک کس طرح سطح دنیا پر محیط ہو جائے گی خدا بہت پوشیدہ اور مخفی در مخفی ہے مگر جس طرح موسیٰ کے زمانہ میں ایک خوفناک تجلی اس نے ظاہر کی تھی یہاں تک کہ اس تجلی کی موسیٰ بھی برداشت نہ کر سکا اور غش کھا کر گر گیا اس زمانہ میں بھی وہ فوق العادت الٰہی چمک اپنا چہرہ دکھائے گی جس سے طالب حق تسلی پائیں گے جیسا کہ خدا تعالےٰ نے آج سے پچیس برس پہلے مجھے مخاطب کر کے ایک عظیم الشان پیشگوئی کی ہے جو میری کتاب براھین احمدیہ میں درج ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ میں اپنی چمکار دکھلاؤں گا اور اپنی قدرت نمائی سے تجھ کو اٹھاؤں گا۔'' **دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔''**

پس اس الہامی عبارت میں خدا نے جو یہ فرمایا کہ میں اپنی چمکار دکھلاؤں گا یہ وہی چمکار ہے جو کوہ طور کی چمکار سے مشابہت رکھتی ہے۔ (پیغام صلح۔ ر۔ خ۔ جلد 23 صفحہ 398-397)

اسلام کی برکات اور انوار سے جہاد

علاوہ بریں اگر اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی ہوتی کہ ایسے زمانہ میں اسلام کی ترقی جنگ سے وابستہ ہوتی تو ہر قسم کے ہتھیار مسلمانوں کو دیئے جاتے' حالانکہ جس قدر ایجادیں آلات حربیہ کے متعلق یورپ میں ہو رہی ہیں کسی جگہ نہیں ہوتی ہیں۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی مصلحت کا صاف پتہ لگتا ہے کہ یہ لڑائی کا زمانہ نہیں ہے۔ **اور کبھی بھی کوئی دین اور مذہب لڑائی سے نہیں پھیل سکتا۔ پہلے بھی اسلام کی ترقی اور اشاعت کے لیے تلوار نہیں اٹھائی گئی۔ اسلام اپنے برکات' انوار اور تاثرات کے ذریعہ پھیلا ہے اور ہمیشہ اسی طرح پھیلے گا۔ پس یہ نہایت ہی غلط اور مکروہ خیال ہے کہ مسیح کے وقت جنگ ہوگی اور نہ مسیح کو اس کی حاجت۔ وہ قلم سے کام لے گا اور اسلام کی حقانیت اور صداقت کو پُر زور دلائل اور تاثیرات کے ساتھ ثابت کر کے دکھائے گا اور دوسرے ادیان پر اس کو غالب کرے گا اور یہ ہو رہا ہے۔** (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 447)

تمام سچے مسلمان جو دنیا میں گذرے کبھی ان کا یہ عقیدہ نہیں ہوا کہ اسلام کو تلوار سے پھیلانا چاہیئے بلکہ ہمیشہ اسلام اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے دنیا میں پھیلا ہے۔ پس جو لوگ مسلمان کہلا کر صرف یہی بات جانتے ہیں کہ اسلام کو تلوار سے پھیلانا چاہیئے وہ اسلام کی ذاتی خوبیوں کے معترف نہیں ہیں اور ان کی کارروائی درندوں کی کارروائی سے مشابہ ہے۔ (تریاق القلوب۔ ر۔خ۔ جلد 15 صفحہ 167 حاشیہ)

معجزات اور نشان دکھا کر

غرض یہ خیالات بھی کہ گویا کسی زمانہ میں کوئی مسیح اور مہدی اس غرض سے آئے گا کہ تا کافروں سے جنگ کر کے دین اسلام کو پھیلا وے یہ خیالات اس قدر بیہودہ اور لغو ہیں کہ خود قرآن شریف ان کے رد کرنے کے لئے کافی ہے۔ جس دین کے ہاتھ میں ہمیشہ اور ہر زمانہ میں آسمانی معجزات اور نشانات موجود ہیں اور حکمت اور حق سے بھرا ہوا ہے اس کو دین پھیلانے کے لئے زمینی ہتھیاروں کی کیا ضرورت ہے اس کا جنگ خدا کی چمکدار تائیدوں کے ساتھ ہے نہ لوہے کی تلوار کے ساتھ کاش دیوانہ طبع مکہ کے کافر اسلام کو تلوار سے نابود کرنا نہ چاہتے تا خدا یہ طریق پسند نہ کرتا کہ وہ تلوار سے ہی مارے جائیں۔ (پیغام صلح۔ ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 396)

اس زمانہ میں جو تیرہ سو برس عہد نبوت کو گزر گئے اور خود اسلام اندرونی طور پر تہتر فرقوں پر پھیل گیا۔ سچے مسیح کا یہ کام ہونا چاہیئے کہ دلائل کے ساتھ دلوں پر فتح پاوے نہ تلوار کے ساتھ اور صلیبی عقیدہ کو واقعی اور سچے ثبوت کے ساتھ توڑ دے نہ یہ کہ ان صلیبوں کو توڑتا پھرے جو چاندی یا سونے یا پیتل یا لکڑی سے بنائی جاتی ہیں اگر تم جبر کرو گے تو تمہارا جبر اس بات پر کافی دلیل ہے کہ تمہارے پاس اپنی سچائی پر کوئی دلیل نہیں۔ ہر یک نادان اور ظالم طبع جب دلیل سے عاجز آجاتا ہے تو پھر تلوار یا بندوق کی طرف ہاتھ لمبا کرتا ہے مگر ایسا مذہب ہرگز ہرگز خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہو سکتا جو صرف تلوار کے سہارے سے پھیل سکتا نہ کسی اور طریق سے اگر تم ایسے جہاد سے باز نہیں آسکتے اور اس پر غصہ میں آ کر راستبازوں کا نام بھی دجال اور ملحد رکھتے ہو تو ہم ان دو فقروں پر اس تقریر کو ختم کرتے ہیں۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ (الکافرون: 2`3) اندرونی تفرقہ اور پھوٹ کے زمانہ میں تمہارا فرضی مسیح اور فرضی مہدی کس کس پر تلوار چلائے گا کیا سنیوں کے نزدیک شیعہ اس لائق نہیں کہ ان پر تلوار اُٹھائی جائے اور شیعوں کے نزدیک سنی اس لائق نہیں کہ ان سب کو تلوار سے نیست و نابود کیا جاوے پس جبکہ تمہارے اندرونی فرقے ہی تمہارے عقیدہ کی رو سے مستوجب سزا ہیں تو تم کس کس سے جہاد کرو گے۔ **مگر یاد رکھو کہ خدا تلوار کا محتاج نہیں وہ اپنے دین کو آسمانی نشانوں کے ساتھ زمین پر پھیلائے گا اور کوئی اس کو روک نہیں سکے گا۔**

(کشتی نوح۔ ر۔خ۔ جلد 19 صفحہ 75-76)

قلم سے جہاد

اب یہ زمانہ کسر صلیب کا ہے۔تقریر کے مقابلہ پر تلوار سے کام لینا بالکل نادانی ہے۔خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ جس طرح اور جن آلات سے کفار تم پر حملہ کرتے ہیں۔انہی طریقوں اور آلات سے تم ان لوگوں کا مقابلہ کرو۔اب ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے حملے اسلام پر تلوار سے نہیں ہیں بلکہ قلم سے ہیں۔لہٰذا ضرور ہے کہ ان کا جواب قلم سے دیا جاوے اگر تلوار سے دیا جاوے گا تو یہ اعتدا ہوگا جس سے خدا تعالیٰ کی صریح ممانعت قرآن شریف میں موجود ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ (البقرۃ:191) پھر اگر عیسائیوں کو قتل بھی کر دیا جاوے تو اس سے وہ وساوس ہرگز دور نہ ہوں گے جو کہ دلوں میں بیٹھے ہوئے ہیں بلکہ وہ اور پختہ ہو جاویں گے اور لوگ کہیں گے کہ واقع میں اہل اسلام کے پاس اپنے مذہب کی حقانیت کی دلیل کوئی نہیں ہے لیکن اگر شیریں کلامی اور نرمی سے ان کے وساوس کو دور کیا جاوے تو امید ہے کہ وہ سمجھ جاویں گے اور ہم نے دیکھا ہے کہ بعض عیسائی لوگ جو یہاں آتے ہیں ان کو جب نرمی سے سمجھایا جاتا ہے تو اکثر سمجھ جاتے ہیں اور تبدیل مذہب کر لیتے ہیں (جیسے کہ ماسٹر عبدالحق صاحب نومسلم) پس ہماری رائے تو یہ ہے کہ جہانتک ہو سکے کمربستہ ہو کر دین کی خدمت میں مصروف ہوں کیونکہ یہ وقت اسی کام کے لیے ہے اگر اب کوئی نہیں کرتا تو اور کب کرے گا؟ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 231)

ابتدائے اسلام میں دفاعی لڑائیوں اور جسمانی جنگوں کی اس لئے بھی ضرورت پڑتی تھی کہ دعوت اسلام کرنے والے کا جواب ان دنوں دلائل و براہین سے نہیں بلکہ تلوار سے دیا جاتا تھا اس لئے لاچار جواب الجواب میں تلوار سے کام لینا پڑا لیکن اب تلوار سے جواب نہیں دیا جاتا بلکہ قلم اور دلائل سے اسلام پر نکتہ چینیاں کی جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے چاہا ہے کہ سیف (تلوار) کا کام قلم سے لیا جاوے اور تحریر سے مقابلہ کر کے مخالفوں کو پست کیا جاوے اس لئے اب کسی کو شایاں نہیں کہ قلم کا جواب تلوار سے دینے کی کوشش کرے۔

گر حفظ مراتب نہ کُنی زندیقی

(ملفوظات جلد اول صفحہ 37)

تیرے منہ کی ہی قسم میرے پیارے احمدؐ — تیری خاطر سے یہ سب بار اُٹھایا ہم نے
تیری الفت سے ہے معمور مرا ہر ذرّہ — اپنے سینے میں یہ اک شہر بسایا ہم نے
صف دشمن کو کیا ہم نے بحجت پامال — سیف کا کام قلم سے ہے دکھایا ہم نے
نور دکھلا کے تیرا سب کو کیا ملزم و خوار — سب کا دل آتشِ سوزاں میں جلایا ہم نے

(آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد 5 صفحہ 225)(درثمین اردو صفحہ 14)

اللہ تعالیٰ بعض مصالح کے رُو سے ایک فعل کرتا ہے اور آئندہ جب وہ فعل معرض اعتراض ٹھہرتا ہے تو پھر وہ فعل نہیں کرتا۔ اوّلاً ہمارے رسول اکرم ﷺ نے کوئی تلوار نہ اٹھائی مگر ان کو سخت سے سخت تکالیف برداشت کرنی پڑیں۔ تیرہ سال کا عرصہ.....اس لمبے عرصہ میں کوئی یا کسی رنگ کی تکلیف نہ تھی جو اُٹھانی نہ پڑی ہو۔ آخر کار وطن سے نکلے تو تعاقب ہوا۔ دوسری جگہ پناہ لی۔ تو دشمن نے وہاں بھی نہ چھوڑا۔ جب یہ حالت ہوئی تو مظلوموں کو ظالموں کے ظلم سے بچانے کے لئے حکم ہوا۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۔ نِ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (الحج: 40-41) کہ جن لوگوں کے ساتھ لڑائیاں خواہ مخواہ کی گئیں اور گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے **سو یہ ضرورت تھی کہ تلوار اٹھائی گئی۔ ورنہ حضرت کبھی تلوار نہ اٹھاتے۔ ہاں ہمارے زمانہ میں ہمارے برخلاف قلم اٹھائی گئی۔ قلم سے ہم کو اذیت دی گئی اور سخت ستایا گیا اس لئے اس کے مقابل قلم ہی ہمارا حربہ بھی ہے۔** (ملفوظات۔ جلد اول صفحہ 28-27)

اسلام کے جہاد پر اعتراضات کا جواب

اگر تلوار کے ذریعہ سے خدا کا عذاب نازل ہونا خدا کی صفات کے مخالف ہے تو کیوں نہ یہ اعتراض اول موسیٰ سے ہی شروع کیا جائے جس نے قوموں کو قتل کر کے خون کی نہریں بہا دیں اور کسی کی توبہ کو بھی قبول نہ کیا۔ قرآنی جنگوں نے تو توبہ کا دروازہ کھلا رکھا۔ جو عین قانون قدرت اور خدا کے رحم کے موافق ہے کیونکہ اب بھی جب خدا تعالیٰ طاعون اور ہیضہ وغیرہ سے اپنا عذاب دنیا پر نازل کرتا ہے تو ساتھ ہی طبیبوں کو ایسی ایسی بوٹیاں اور تدبیروں کا بھی علم دے دیتا ہے جس سے اس آتش دباء کا انسداد ہو سکے۔ سو یہ موسیٰ کے طریق جنگ پر اعتراض ہے کہ ان میں قانون قدرت کے موافق کوئی طریق بچاؤ قائم نہیں کیا گیا۔ ہاں بعض بعض جگہ قائم بھی کیا گیا ہے مگر کلّی طور پر نہیں۔ **الغرض جبکہ یہ سنت اللہ یعنی تلوار سے ظالم منکروں کو ہلاک کرنا قدیم سے چلی آتی ہے تو قرآن شریف پر کیوں خصوصیت کیساتھ اعتراض کیا جاتا ہے؟ کیا موسیٰ کے زمانہ میں خدا کوئی اور تھا؟ اور اسلام میں کوئی اور ہو گیا؟ یا خدا کو اس وقت لڑائیاں پیاری لگتی تھیں اور اب بُری دکھائی دیتی ہیں؟**

اور یہ بھی فرق یاد رہے کہ اسلام نے صرف ان لوگوں کے مقابل پر تلوار اُٹھانا حکم فرمایا ہے کہ جو اوّل آپ تلوار اُٹھائیں۔ اور انہیں کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے جو اوّل آپ قتل کریں۔ یہ حکم ہرگز نہیں دیا کہ تم ایک کافر بادشاہ کے تحت میں ہو کر اور اس کے عدل اور انصاف سے فائدہ اٹھ کر پھر اسی پر باغیانہ حملہ کرو۔ قرآن کے رو سے یہ بدمعاشوں کا طریق ہے نہ نیکوں کا۔ لیکن توریت نے یہ فرق کسی جگہ نہیں کھول کر بیان نہیں فرمایا۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن شریف اپنے جلالی اور جمالی احکام میں اس خط مستقیم عدل اور انصاف اور رحم اور احسان پر چلتا ہے۔ جس کی نظیر دنیا میں کسی کتاب میں موجود نہیں۔ (انجام آتھم۔ ر۔ خ۔ جلد 11 صفحہ 37)

خود قرآن شریف میں ان لڑائیوں کی یہ وجہ صاف لکھی ہے۔ **اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ۔ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ** یعنی ان لوگوں کو مقابلہ کی اجازت دی گئی جن کے قتل کے لئے مخالفوں نے چڑھائی کی (اس لئے اجازت دی گئی) کہ ان پر ظلم ہوا اور خدا تعالیٰ مظلوم کی حمایت کرنے پر قادر ہے۔ یہ وہ مظلوم ہیں جو ناحق اپنے وطنوں سے نکالے گئے۔ ان کا گناہ بجز اس کے اور کوئی نہ تھا کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ یہ وہ آیت ہے جس سے اسلامی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ **پھر جس قدر رعایتیں اسلامی جنگوں میں دیکھو گے ممکن نہیں کہ موسوی یا یشوعی لڑائیوں میں اس کی نظیر مل سکے۔ موسوی لڑائیوں میں لاکھوں بے گناہ بچوں کا مارا جانا' بوڑھوں اور عورتوں کا قتل' باغات اور درختوں کا جلا کر خاک سیاہ کر دینا توارت سے ثابت ہے** مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوصفیکہ ان شریروں سے وہ سختیاں اور تکلیفیں دیکھی تھیں جو پہلے کسی نے نہ دیکھی تھیں پھر ان دفاعی جنگوں میں بھی بچوں کو قتل نہ کرنے' عورتوں اور بوڑھوں کو نہ مارنے' راہبوں سے تعلق نہ رکھنے اور کھیتوں اور ثمر دار درختوں کو نہ جلانے اور عبادت گاہوں کے مسمار نہ کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ اب مقابلہ کر کے دیکھ لو کہ کس کا پلہ بھاری ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 72-71)

اسلامی جنگیں بالکل دفاعی لڑائیاں تھیں۔ جب کفار کی تکالیف اور شرارتیں حد سے گذر گئیں تو خدا (تعالیٰ) نے ان کو سزا دینے کے لئے یہ حکم دیا مگر عیسائیوں نے جو مختلف اوقات میں مذہب کے نام سے لڑائیاں کی ہیں ان کے پاس خدا تعالیٰ کی کونسی دستاویز اور حکم تھا جس کی رو سے وہ لڑتے تھے ان کو تو ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دینے کا حکم تھا۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 437)

مسلمان مظلوم تھے ان کی طرف سے ابتداء نہیں ہوئی تھی بلکہ بانی فساد کفار مکہ تھے۔ ایسی حالت میں بھی جب ان کی شرارتیں انتہائی درجہ تک جا پہنچیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مدافعت کے واسطے مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔

پس یہ اعتراض محض فضول اور لغو ہے کہ وہ لڑائیاں مذہب کے لئے تھیں۔ اگر محض مذہب کے لئے ہوتیں تو جزیہ دینے کی صورت میں ان کو کیوں چھوڑا جاتا۔ پھر میں کہتا ہوں کہ عیسائی تو اس قسم کا اعتراض کر ہی نہیں سکتے۔ وہ اپنے گھر میں دیکھیں کہ اسلامی لڑائیاں موسوی لڑائیوں سے زیادہ ہیں؟ اور جبکہ وہ حضرت عیسیٰ کو موسیٰ علیہ السلام کا بھی (معاذ اللہ) خدا مانتے ہیں تو پھر ان لڑائیوں کا الزام عیسائیوں پر بدستور قائم ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ وہ لڑائیاں اسلامی جنگوں سے زیادہ سخت اور خون ریز تھیں۔ اسلامی لڑائیوں میں بچوں' عورتوں اور بوڑھوں کا لحاظ کیا جاتا تھا اور ان کو قتل نہیں کیا جاتا تھا مگر موسوی لڑائیوں میں تو ان امور کی پرواہ نہیں کی جاتی تھی۔ ایسا ہی اسلامی جنگوں میں مذہبی عبادت گاہوں اور پھلدار درختوں کو بھی ضائع نہیں کیا جاتا تھا مگر موسوی لڑائیوں میں پھلدار درخت تباہ کر دیئے جاتے۔ غرض اسلامی جنگ موسوی لڑائیوں کے مقابلہ میں کچھ چیز ہی نہیں۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 677-476)

اسلامی جہاد اور لونڈیاں

...... اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ذَالِکَ اَدْنٰی اَلَّا تَعُوْلُوْا۔(النساء:4)

نکاح کی اصل حقیقت یہ ہے کہ عورت اور اس کے ولی کی اور نیز مرد کی رضامندی لی جاتی ہے لیکن جس حالت میں ایک عورت اپنی آزادی کے حقوق کھو چکی ہے اور وہ آزاد نہیں بلکہ وہ ان ظالم طبع جنگ جولوگوں میں سے ہے جنہوں نے مسلمانوں کے مردوں اور عورتوں پر بیجا ظلم کیے ہیں تو ایسی عورت جب گرفتار ہو کر اپنے اقارب کے جرائم کی پاداش میں لونڈی بنائی گئی تو اس کی آزادی کے حقوق سب تلف ہو گئے لہذا وہ اب فتح یاب بادشاہ کی لونڈی ہے اور ایسی عورت کو حرم میں داخل کرنے کے لیے اس کی رضامندی کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے جنگجو اقارب پر فتحیاب ہو کر اس کو اپنے قبضہ میں لانا یہی اس کی رضامندی ہے یہی حکم توریت میں بھی موجود ہے ہاں قرآن شریف میں فک رقبۃ یعنی لونڈی غلام کو آزاد کرنا بڑے ثواب کا کام بیان فرمایا ہے اور عام مسلمانوں کو رغبت دی ہے کہ اگر وہ ایسی لونڈیوں اور غلاموں کو آزاد کر دیں تو خدا کے نزدیک بڑا اجر حاصل کریں گے اگرچہ مسلمان بادشاہ ایسے خبیث اور چنڈال لوگوں پر فتح یاب ہو کر غلام اور لونڈی بنانے کا حق رکھتا ہے مگر پھر بھی بدی کے مقابل پر نیکی کرنا خدا نے پسند فرمایا ہے یہ **بہت خوشی کی بات ہے کہ ہمارے زمانہ میں اسلام کے مقابل پر جو کافر کہلاتے ہیں انہوں نے یہ تعدی اور زیادتی کا طریق چھوڑ دیا ہے اس لیے اب مسلمانوں کے لیے بھی روا نہیں کہ ان کے قیدیوں کو لونڈی غلام بناویں کیونکہ خدا قرآن شریف میں فرماتا ہے جو تم جنگجو فرقہ کے مقابل پر صرف اسی قدر زیادتی کرو جس میں پہلے انہوں نے سبقت کی ہو پس جبکہ اب وہ زمانہ نہیں ہے اور اب کافر لوگ جنگ کی حالت میں مسلمانوں کے ساتھ ایسی سختی اور زیادتی نہیں کرتے کہ ان کو اور ان کے مردوں اور عورتوں کو لونڈیاں اور غلام بناویں بلکہ وہ شاہی قیدی سمجھے جاتے ہیں اس لیے اب اس زمانہ میں مسلمانوں کو بھی ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے۔** (چشمہ معرفت ۔ر۔خ۔جلد 23 صفحہ 253 حاشیہ)

اسلام کا خدا تمام عبادت خانوں کا حامی اور محافظ ہے

وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا ط وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ (الحج :41)

یعنی اگر خدا تعالیٰ کی یہ عادت نہ ہوتی کہ بعض کو بعض کے ساتھ دفع کرتا تو ظلم کی نوبت یہاں تک پہنچتی کہ گوشہ گزینوں کے خلوت خانے ڈھائے جاتے اور عیسائیوں کے گرجے مسمار کئے جاتے اور یہودیوں کے معبد نابود کئے جاتے اور مسلمانوں کی مسجدیں جہاں کثرت سے ذکر خدا ہوتا ہے منہدم کی جاتیں۔ **اس جگہ خدا تعالیٰ یہ ظاہر فرماتا ہے کہ ان تمام عبادت خانوں کا ئیں ہی حامی ہوں اور اسلام کا فرض ہے کہ اگر مثلاً کسی عیسائی ملک پر**

قبضہ کرے تو تُو ان کے عبادت خانوں سے کچھ تعرض نہ کرے اور منع کردے کہ ان کے گرجے مسمار نہ کئے جائیں اور یہی ہدایت احادیث نبویہؐ سے مفہوم ہوتی ہے کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جبکہ کوئی اسلامی سپہ سالار کسی قوم کے مقابلہ کے لئے مامور ہوتا تھا تو اس کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ وہ عیسائیوں اور یہودیوں کے عبادت خانوں اور فقراء کے خلوت خانوں سے تعرض نہ کرے اس سے ظاہر ہے کہ اسلام کس قدر تعصب کے طریقوں سے دور ہے کہ وہ عیسائیوں کے گرجاؤں اور یہودیوں کے معبدوں کا ایسا ہی حامی ہے جیسا کہ مساجد کا حامی ہے۔ ہاں البتہ اس خدا نے جو اسلام کا بانی ہے یہ نہیں چاہا کہ اسلام دشمنوں کے حملوں سے فنا ہو جائے بلکہ اس نے دفاعی جنگ کی اجازت دی ہے اور حفاظت خود اختیاری کے طور پر مقابلہ کرنے کا اذن دے دیا ہے۔

(چشمہ معرفت۔ر۔خ۔جلد 23 صفحہ 393-394)

جو حکومت شریعت کے خلاف حکم نہیں دیتی اس کی اطاعت لازم ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۔ (النساء:60)

قرآن میں حکم ہے۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۔اب اولی الامر کی اطاعت کا صاف حکم ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ گورنمنٹ منکم میں داخل نہیں۔ تو یہ اس کی صریح غلطی ہے۔ گورنمنٹ جو بات شریعت کے موافق کرتی ہے۔ وہ منکم میں داخل ہے۔ جو ہماری مخالفت نہیں کرتا۔ وہ ہم میں داخل ہے۔ اشارۃ النص کے طور پر قرآن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ گورنمنٹ کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ اور اس کی باتیں مان لینی چاہیئے۔ (رسالہ الانذار صفحہ 69)

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ یعنی اللہ اور رسول اور اپنے بادشاہوں کی تابعداری کرو۔ (شہادت القرآن۔ر۔خ۔جلد 6 صفحہ 332)

اُولِي الْاَمْرِ سے مراد جسمانی طور پر بادشاہ اور روحانی طور پر امام الزمان ہے۔ اور جسمانی طور پر جو شخص ہمارے مقاصد کا مخالف نہ ہو اور اس سے مذہبی فائدہ ہمیں حاصل ہو سکے وہ ہم میں سے ہے۔

(ضرورت الامام۔ر۔خ۔جلد 13 صفحہ 493)

چوتھی فصل

وحی والہام

تعریف الہام

وَ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحۡیًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآیِٔ حِجَابٍ اَوۡ یُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَیُوۡحِیَ بِاِذۡنِہٖ مَا یَشَآءُ۔ اِنَّہٗ عَلِیٌّ حَکِیۡمٌ۔ (الشوریٰ: 52)

الہام ایک القاءِ غیبی ہے کہ جس کا حصول کسی طرح کی سوچ اور تردّد اور تفکّر اور تدبّر پر موقوف نہیں ہوتا اور ایک واضح اور منکشف احساس ہے کہ جیسے سامع کو متکلّم سے یا مضروب کو ضارب سے یا ملموس کو لامس سے ہو محسوس ہوتا ہے اور اس سے نفس کو مثل حرکات فکریہ کے کوئی الم روحانی نہیں پہنچتا بلکہ جیسے عاشق اپنے معشوق کی رؤیت سے بلا تکلّف انشراح اور انبساط پاتا ہے ویسا ہی روح کو الہام سے ایک ازلی اور قدیمی رابطہ ہے کہ جس سے روح لذّت اٹھاتا ہے۔ غرض یہ منجانب اللہ اعلام لذیذ ہے کہ جس کو نفث فی الروع اور وحی بھی کہتے ہیں۔

(پُرانی تحریریں۔ ر۔خ۔ جلد2 صفحہ 20)

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ۔ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ۔ (حم السجدہ:31)

الہام کیا چیز ہے؟ وہ پاک اور قادر خدا کا ایک برگزیدہ بندہ کے ساتھ یا اس کے ساتھ جس کو برگزیدہ کرنا چاہتا ہے ایک زندہ اور باقدرت کلام کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے۔ سو جب یہ مکالمہ اور مخاطبہ کافی اور تسلّی بخش سلسلہ کے ساتھ شروع ہو جائے اور اس میں خیالات فاسدہ کی تاریکی نہ ہو اور نہ غیر مکتفی اور چند بے سروپا لفظ ہوں اور کلام لذیذ اور پُر حکمت اور پُر شوکت ہو تو وہ خدا کا کلام ہے جس سے وہ اپنے بندے کو تسلّی دینا چاہتا ہے اور اپنے تئیں اس پر ظاہر کرتا ہے۔ ہاں کبھی ایک کلام محض امتحان کے طور پر ہوتا ہے اور پورا اور بابرکت سامان ساتھ نہیں رکھتا۔ اس میں خدائے تعالیٰ کے بندہ کو اس کی ابتدائی حالت میں آزمایا جاتا ہے تا وہ ایک ذرہ الہام کا مزہ چکھ کر پھر واقعی طور پر اپنا حال وقال سچے ملہموں کی طرح بناوے یا ٹھوکر کھاوے۔ پس اگر وہ حقیقی راستبازی صدیقوں کی طرح اختیار نہیں کرتا تو اس نعمت کے کمال سے محروم رہ جاتا ہے اور صرف بیہودہ لاف زنی اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ **کروڑہا نیک بندوں کو الہام ہوتا رہا ہے مگر ان کا مرتبہ خدا کے نزدیک ایک درجہ کا نہیں بلکہ خدا کے پاک نبی جو پہلے درجہ پر کمال صفائی سے خدا کا الہام پانے والے ہیں وہ بھی مرتبہ میں برابر نہیں۔**

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ۔ جلد10 صفحہ 439-438)

مَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ۔ (الزاریات:57)

الہام کا مادہ ہر انسان میں ہے

فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَ تَقْوٰھَا۔ (الشمس:9) **یعنی ہر یک انسان کو ایک قسم کا خدا نے الہام عطا کر رکھا ہے جس کو نورِ قلب کہتے ہیں اور وہ یہ کہ نیک اور بدکام میں فرق کر لینا۔** جیسے کوئی چور یا خونی چوری یا خون کرتا ہے تو خدا اس کے دل میں اسی وقت ڈال دیتا ہے کہ تو نے یہ کام بُرا کیا اچھا نہیں کیا لیکن وہ ایسے القاء کی کچھ پرواہ نہیں رکھتا کیونکہ اس کا نورِ قلب نہایت ضعیف ہوتا ہے اور عقل بھی ضعیف اور قوت بہیمیہ غالب اور نفس طالب۔

(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ186 حاشیہ)

وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ ......الاية ۔ (الشوریٰ:52)

اللہ تعالیٰ نے وحی اور الہام کا مادہ ہر شخص میں رکھ دیا ہے کیونکہ اگر یہ مادہ نہ رکھا ہوتا تو پھر حجت پوری نہ ہوسکتی اس لئے جو نبی آتا ہے اس کی نبوت اور وحی والہام کے سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی فطرت میں ایک ودیعت رکھی ہوئی ہے اور وہ ودیعت خواب ہے اگر کسی کو کوئی خواب سچی کبھی نہ آئی ہو تو وہ کیونکر مان سکتا ہے کہ الہام اور وحی بھی کوئی چیز ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ کی یہ صفت ہے کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (البقرۃ:287) اس لئے یہ مادّہ اس نے سب میں رکھ دیا ہے۔ میرا یہ مذہب ہے کہ ایک بدکار اور فاسق فاجر کو بھی بعض وقت سچی رؤیا آجاتی ہے اور کبھی کبھی الہام بھی ہو جاتا ہے گو وہ شخص اس کیفیت سے کوئی فائدہ اٹھاوے یا نہ اٹھاوے جبکہ کافر اور مومن دونوں کو سچی رؤیا آجاتی ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے۔ عظیم الشان فرق تو یہ ہے کہ کافر کی رؤیا بہت کم سچی نکلتی ہے اور مومن کی کثرت سے سچی نکلتی ہے گویا پہلا فرق کثرت اور قلت کا ہے دوسرے مومن کے لئے بشارت کا حصہ زیادہ ہے جو کافر کی رؤیا میں نہیں ہوتا۔ سوم مومن کی رؤیا مصفّا اور روشن ہوتی ہے بحالیکہ کافر کی رؤیا مصفّا نہیں ہوتی چہارم مومن کی رؤیا اعلیٰ درجہ کی ہوگی۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 281-280)

الہام کا حقیقی منصب

وَ نَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ۔ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۔ (الصّٰفّٰت106-105)

صوفیوں نے لکھا ہے کہ اوائل سلوک میں جو رؤیا یا وحی ہو اس پر توجہ نہیں کرنی چاہیئے وہ اکثر اوقات اس راہ میں روک ہو جاتی ہے۔ انسان کی اپنی خوبی اس میں تو کوئی نہیں کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو وہ کسی کو کوئی اچھی خواب دکھاوے یا کوئی الہام کرے اس نے کیا کیا؟ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت وحی ہوا کرتی تھی لیکن اس کا کہیں ذکر بھی نہیں کیا گیا کہ اس کو یہ الہام ہوا یہ وحی ہوئی بلکہ ذکر کیا گیا ہے تو اس بات کا اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى وہ ابراہیم جس نے وفاداری کا کامل نمونہ دکھایا یا یہ کہ يّٰاِبْرٰهِيْمُ۔ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (النجم:38)

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 638-637)

وحی الٰہی کے انوار قبول کرنے کے لئے فطرت قابلہ شرط ہے جس میں وہ انوار منعکس ہوسکیں جو خدائے تعالیٰ کسی وقت اپنے خاص ارادہ سے نازل کرے۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد5 صفحہ237 حاشیہ)

الہام قابل تعبیر ہوتا ہے

ان اللہ تعالی قد یوحی الی انبیائہ و رسلہ فی حلل المجازات والا ستعارات والتمثیلات و نظائرہ کثیرۃ فی وحی خیر الرسل ملی اللہ علیہ وسلم۔

(حمامتہ البشریٰ ۔ر۔خ۔ جلد 7صفحہ191-190حاشیہ)

ترجمہ ازمرتب:۔اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور مرسلوں کو کبھی کبھی مجاز' استعارہ اور تمثیل کے رنگ میں وحی کرتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحیؑ میں اس کی بہت سی نظائر موجود ہیں۔

الہام اور اجتہادی غلطی

کبھی نبی کی وحی خبر واحد کی طرح ہوتی ہے اور مع ذالک مجمل ہوتی ہے اور کبھی وحی ایک امر میں کثرت سے اور واضح ہوتی ہے۔ پس اگر مجمل وحی میں اجتہاد کے رنگ میں کوئی غلطی بھی ہو جائے تو بیّنات محکمات کو اس سے کچھ صدمہ نہیں پہنچتا۔ پس میں اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ کبھی میری وحی بھی خبر واحد کی طرح ہو اور مجمل ہو اور اس کے سمجھنے میں اجتہادی رنگ کی غلطی ہو۔ اس بات میں تمام انبیاء شریک ہیں۔ (لیکچر سیالکوٹ۔ر۔خ۔جلد20 صفحہ245)

الہام پانے کی خواہش غلط ہے

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ (البیّنۃ:8)

انسان کو چاہیئے کہ اپنا فرض ادا کرے اور اعمال صالحہ میں ترقی کرے۔ الہام کرنا اور رؤیا دکھانا یہ تو خدا تعالیٰ کا فعل ہے اس پر ناز نہیں کرنا چاہیئے ۔اپنے اعمال کو درست کرنا چاہیئے ۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ یہ نہیں کہا کہ جن کو کشوف اور الہامات ہوتے ہیں وہ خیر البریّہ ہیں۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 367)

وحی صرف مسلمان کو ہوسکتی ہے

وحی ایسی شئ ہے جو کہ اس سے بدر جہا بڑھ کر صاف ہے اور اس کے حاصل ہونے کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے۔ کشف تو ایک ہندو کو بھی ہوسکتا ہے بلکہ ایک دہریہ بھی جو خدا تعالیٰ کو نہ مانتا ہو وہ بھی اس میں کچھ نہ کچھ کمال حاصل کر لیتا ہے لیکن وحی سوائے مسلمان کے دوسرے کو نہیں ہوسکتی یہ اسی امت کا حصہ ہے کیونکہ کشف تو ایک فطرتی حصہ انسان کا ہے اور ریاضت سے یہ حاصل ہوسکتا ہے خواہ کوئی کرے۔ کیونکہ فطرتی امر جیسے جیسے کوئی اس میں مشق اور محنت کرے گا ویسے ویسے اس پر اس کی حالتیں طاری ہوں گی اور ہر ایک نیک و بد کو رؤیا کا ہونا اس امر پر دلیل ہے۔ دیکھا ہوگا کہ **سچی خوابیں بعض فاسق فاجر لوگوں کو بھی آ جاتی ہیں۔ پس جیسے ان کو سچی خوابیں آتی ہیں ویسے ہی زیادہ مشق سے کشف بھی ان کو ہوسکتے ہیں حتّٰی کہ حیوان بھی صاحب کشف ہوسکتا ہے لیکن الہام یعنی وحی الٰہی ایسی شئے ہے کہ جب تک خدا تعالیٰ سے پوری صلح نہ ہو اور اس کی اطاعت کے لئے اس نے گردن نہ رکھ دی ہو تب تک وہ کسی کو**

حاصل نہیں ہوسکتی۔ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ (حم السجدۃ:31) یہ اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔ نزول وحی کا ان کے ساتھ وابستہ ہے جو کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں مستقیم ہیں اور وہ صرف مسلمان ہی ہیں۔ وحی ہی وہ شئی ہے کہ جس سے اناالموجود کی آواز کان میں آ کر ہر ایک شک وشبہ سے ایمان کو نجات دیتی ہے اور بغیر جس کے مرتبہ یقین کامل انسان کو حاصل نہیں ہوسکتا لیکن کشف میں یہ آواز کبھی نہیں سنائی دیتی اور یہی وجہ ہے کہ صاحب کشف ایک دہریہ بھی ہوسکتا ہے لیکن صاحب وحی کبھی دہریہ نہیں ہوگا۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 246)

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىہَا۔ (الشمس:10)

ایک مسلمان کا کشف جس قدر صاف ہوگا اس قدر غیر مسلم کا ہرگز صاف نہ ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ ایک مسلم اور غیر مسلم میں تمیز رکھتا ہے اور فرماتا ہے قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىہَا۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 247)

الہام بجز موافقت قرآن کے حجت نہیں ہے

الہام ولایت یا الہام عامہ مومنین بجز موافقت ومطابقت قرآن کریم کے حجت بھی نہیں۔

(ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 440)

اقسام کلام الٰہی

وَ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحۡیًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآیِٔ حِجَابٍ اَوۡ یُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَیُوۡحِیَ بِاِذۡنِہٖ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّہٗ عَلِیٌّ حَکِیۡمٌ۔ (الشوریٰ:52)

قبل اس کے کہ اس آیت کے حل کی طرف ہم متوجہ ہوں ہم عملاً دیکھتے ہیں وہ تین ہی طریقے ہیں خدا تعالیٰ کے کلام کرنے کے چوتھا کوئی نہیں (1) رؤیا (2) مکاشفہ (3) وحی ...... مِنۡ وَّرَآیِٔ حِجَابٍ سے مراد رؤیا کا ذریعہ ہے۔ مِنۡ وَّرَآیِٔ حِجَابٍ کے معنی یہ ہیں کہ اس پر استعارے غالب رہتے ہیں جو حجاب کا رنگ رکھتے ہیں اور یہی رؤیا کی ہیئت ہے۔

یُرۡسِلَ رَسُوۡلًا سے مراد مکاشفہ ہے۔ رسول کا تمثل بھی مکاشفہ میں ہی ہوتا ہے اور مکاشفہ کی حقیقت یہی ہے کہ وہ تمثلات ہی کا سلسلہ ہوتا ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 381)

(فارسی متن) کلام الٰہی بر سہ قسم است۔ وحی۔ رؤیا۔ کشف۔ وحی آنکہ بلاواسطے شخصے بر قلب مطہرہ نبوی فرود آید۔ وآں کلام اجلیٰ و روشن مے باشد۔ نظیرش بیان فرمودند کہ مثلاً حافظ صاحب نابینا کہ پیش ما نشستہ اند۔ در سماع کلام ما ہرگز غلطی نمے خورند۔ ونمے دانند کہ آواز مسموع کلام غیر ما باشد۔ اگرچہ از چشم ظاہر ما رانمے بنیند۔ دیگر رؤیا ومنام ست کہ آں کلام رنگین ولطیف وکنایہ دارو۔ وذوی الوجوہ است چوں ویدن رسول اللہ علیہ وسلم سوار ین در دست مبارک خویش یا معائنہ فرمودن یکے زوجہ مطہرہ خود را طویل یدین و دیدن بقرہ وغیرہ ایں چنیں کلام الٰہی تعبیر طلب است سوم کشف است وآں تمثل است خواہ بصورت جبریل باشد یا فرشتہ یا دیگر اشیاء۔ پس آیۃ شریفہ خوانند اَنۡ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحۡیًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآیِٔ حِجَابٍ اَوۡ یُرۡسِلَ رَسُوۡلًا ارشاد شد کہ سوائے امور ثلاثہ مذکورہ کلام الٰہی را طریقے نیست۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 383)

(ترجمہ از مرتب) کلام الٰہی کی تین قسمیں ہیں وحی ۔ رؤیا۔ کشف ۔ وحی وہ ہے جو کسی واسطہ کے بغیر نبی کے پاک اور مطہر دل پر نازل ہو اور یہ کلام زیادہ صاف اور روشن ہوتا ہے۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ مثلاً یہ حافظ صاحب نابینا جو ہمارے سامنے بیٹھے ہیں وہ ہمارے کلام کے سننے میں ہرگز کوئی غلطی نہیں کرتے اور نہیں جانتے کہ سنی ہوئی آواز ہمارے غیر کی آواز ہو سکتی ہے۔ اگرچہ وہ ظاہری آنکھ سے ہمیں نہیں دیکھ رہے۔ دوسری قسم رؤیا اور خواب ہے کہ یہ کلام رنگین اور لطیف ہوتا ہے اور اس میں کنایہ ہوتا ہے اور وہ ذوالوجوہ ہوتا ہے جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے دونوں مبارک ہاتھوں میں دو کنگنوں کا دیکھنا یا اپنی ایک بیوی کے سب سے زیادہ لمبے ہاتھ دیکھنا یا گائے وغیرہ کو دیکھنا۔ اس قسم کا کلام تعبیر طلب ہوتا ہے۔ تیسری قسم کلام کی کشف ہے اور یہ تمثل کی صورت میں ہوتا ہے چاہے وہ بصورت جبرائیل علیہ السلام ہو یا کسی اور فرشتہ یا کسی دوسری چیز کی صورت میں ہو......پس آیت اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا اَوْمِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْیُرْسِلَ رَسُوْلًا میں سوائے مذکورہ بالا تین طریقوں کے کلام الٰہی کا اور کوئی طریق نہیں بتایا گیا۔

اکمل اور اتم وحی والہام

وحی کے اقسام ثلاثہ میں اکمل اور اتم وہ وحی ہے جو علم کی تیسری قسم میں داخل ہے جس کا پانے والا انوار سبحانی میں سراپا غرق ہوتا ہے اور وہ تیسری قسم حق الیقین کے نام سے موسوم ہے۔ (حقیقۃ الوحی ۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 50)

ان الوحی کما ینزل علی الانبیاء کذلک ینزل علی الاولیاء و لا فرق فی نزول الوحی بین ان یکون الی نبی او ولی و لکل حظ من مکالمات اللہ تعالی و مخاطباتہ علی حسب المدارج۔ نعم یوحی الانبیاء شان اتم و اکمل و اقوی اقسام الوحی وحی رسولنا خاتم النبیین۔

(تحفہ بغداد۔ ر۔خ۔ جلد 7 صفحہ 28-27 حاشیہ)

ترجمہ از مرتب :۔ وحی جیسے انبیاء پر نازل ہوتی ہے ویسے ہی وہ اولیاء پر نازل ہوتی ہے اور نبی اور ولی پر وحی کے نزول میں کوئی فرق نہیں ہوتا ان میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کے مکالمات اور مخاطبات سے علیٰ حسب المدارج حصہ ملتا ہے ہاں **انبیاء کی وحی کو ایک شان اتم اور اکمل حاصل ہوتی ہے اور وحی کی اقسام میں سے زیادہ قوی وہ وحی ہے جو ہمارے نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔**

حدیث النفس اور شیطانی القاء

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا۔ (المزمل :6)

بعض لوگ حدیث النفس اور شیطان کے القاء کو الہام الٰہی سے تمیز نہیں کر سکتے اور دھوکا کھا جاتے ہیں۔ خدا کی طرف سے جو بات آتی ہے وہ پُر شوکت اور لذیذ ہوتی ہے۔ دل پر ایک ٹھوکر مارنے والی ہوتی ہے۔ وہ خدا کی انگلیوں سے نکلی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کا ہم وزن کوئی نہیں وہ فولاد کی طرح گرنے والی ہوتی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۔ ثقیل کے یہی معنی ہیں مگر شیطان اور نفس کا القاء ایسا نہیں ہوتا۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 470)

وحی دو قسم کی ہے وحی الابتلاء اور وحی الاصطفاء۔ وحی الابتلاء بعض اوقات موجب ہلاکت ہو جاتی ہے جیسا کہ بلعم اسی وجہ سے ہلاک ہوا مگر صاحب وحی الاصطفاء کبھی ہلاک نہیں ہوتا۔ (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 11)

درجات الہام

اگر الہامات کسی ناواقف اور ناخواندہ کے الہامی فقروں میں نحوی اور صرفی غلطی ہو جاوے تو نفس الہام قابل اعتراض نہیں ہوسکتا۔...... یہ ادنیٰ درجہ کا الہام کہلاتا ہے جو خدا تعالیٰ کے نور کی پوری تجلّی سے رنگ پذیر نہیں ہوتا کیونکہ الہام تین طبقوں کا ہوتا ہے ادنیٰ اور اوسط اور اعلیٰ۔ (ضرورت الامام۔ ر۔خ۔ جلد 13 صفحہ 499)

کیفیات نزول وحی والہام

وَ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ ...... الایۃ۔ (الشوریٰ: 52)

میں نے دیکھا ہے کہ اس وحی کے وقت جو برنگ وحی ولایت میرے پر نازل ہوتی ہے ایک خارجی اور شدید الاثر تصرف کا احساس ہوتا ہے اور بعض دفعہ یہ تصرف ایسا قوی ہوتا کہ مجھ کو اپنے انوار میں ایسا دبا لیتا ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ میں اس کی طرف ایسا کھینچا گیا ہوں کہ میری کوئی قوت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس تصرف میں کھلا اور روشن کلام سنتا ہوں۔ بعض دفعہ ملائکہ کو دیکھتا ہوں اور سچائی میں جو اثر اور ہیبت ہوتی ہے مشاہدہ کرتا ہوں اور وہ کلام بسا اوقات غیب کی باتوں پر مشتمل ہوتا اور ایسا تصرف اور اخذ خارجی ہوتا ہے جس سے خدا تعالیٰ کا ثبوت ملتا ہے اب اس سے انکار کرنا بھی ایک کھلی کھلی صداقت کا خون کرنا ہے۔ (برکات الدعا۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 26)

الہام کے بارے میں ہمارا تجربہ ہے کہ تھوڑی سی غنودگی ہو کر اور بعض اوقات بغیر غنودگی کے خدا کا کلام ٹکڑہ ٹکڑہ ہو کر زبان پر جاری ہوتا ہے۔ جب ایک ٹکڑہ ختم ہو چکتا ہے تو حالت غنودگی جاتی رہتی ہے پھر ملہم کے کسی سوال سے یا خود بخود خدا تعالیٰ کی طرف سے دوسرا ٹکڑہ الہام ہوتا ہے اور وہ بھی اسی طرح کہ تھوڑی غنودگی وارد ہو کر زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات ایک ہی وقت میں تسبیح کے دانوں کی طرح نہایت بلیغ فصیح لذیذ فقرے غنودگی کی حالت میں زبان پر جاری ہوتے جاتے ہیں اور ہر ایک فقرہ کے بعد غنودگی دور ہو جاتی ہے اور وہ فقرے یا تو قرآن شریف کی بعض آیات ہوتی ہیں یا اس کے مشابہ ہوتے ہیں اور اکثر علوم غیبیہ پر مشتمل ہوتے ہیں اور ان میں ایک شوکت ہوتی ہے اور دل پر اتر آتے ہیں اور ایک لذت محسوس ہوتی ہے اس وقت دل نور میں غرق ہوتا ہے گویا خدا اس میں نازل ہوتا ہے اور دراصل اس کو الہام نہیں کہنا چاہیئے بلکہ یہ خدا کا کلام ہے۔
(چشمہ معرفت۔ ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 314 حاشیہ)

جب سماع کے ذریعہ سے کوئی خبر دی جاتی ہے تو اسے وحی کہتے ہیں اور جب رویت کے ذریعہ سے کچھ بتلایا جاوے تو اسے کشف کہتے ہیں۔ اس طرح میں نے دیکھا ہے کہ بعض وقت ایک ایسا امر ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا تعلق صرف قوت شامہ سے ہوتا ہے مگر اس کا نام نہیں رکھ سکتے جیسے یوسفؑ کی نسبت حضرت یعقوبؑ کو خوشبو آئی تھی اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْ لَا اَنْ تُفَنِّدُوْنِ۔ (یوسف :95) اور کبھی ایک امر ایسا ہوتا ہے کہ جسم اسے محسوس کرتا ہے گویا کہ حواس خمسہ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنی باتیں اظہار کرتا ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 263-262)

مجھے اس اللہ جلشانہ کی قسم ہے کہ یہ بات واقعی صحیح ہے کہ وحی آسمان سے دل پر ایسی گرتی ہے جیسے کے آفتاب کی شعاع دیوار پر۔ میں ہرروز دیکھتا ہوں کہ جب مکالمہء الٰہیہ کا وقت آتا ہے تو اول ایک دفعہ مجھ پر ایک ربودگی طاری ہوتی ہے تب میں ایک تبدیل یافتہ چیز کی مانند ہو جاتا ہوں اور میری حس اور میرا ادراک اور ہوش گو بگفتن باقی ہوتا ہے مگر اس وقت میں پاتا ہوں کہ گویا ایک وجود شدید الطاقت نے میرے تمام وجود کو اپنی مٹھی میں لے لیا ہے اور اس وقت احساس کرتا ہوں کہ میری ہستی کی تمام رگیں اس کے ہاتھ میں ہیں اور جو کچھ میرا ہے اب وہ میرا نہیں بلکہ اس کا ہے۔ (برکات الدعا۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 22 حاشیہ)

اَ لَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ وَ یُخَوِّفُوۡنَکَ بِالَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ وَ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ہَادٍ۔ (الزمر: 37)

میرے والد صاحب میرزا غلام مرتضٰی مرحوم کی وفات کا جب وقت قریب آیا اور صرف چند پہر باقی رہ گئے تو خدا تعالیٰ نے ان کی وفات سے مجھے ان الفاظ عزا پُرسی کے ساتھ خبر دی۔ وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ یعنی قسم ہے آسمان کی اور قسم ہے اس حادثہ کی جو آفتاب کے غروب کے بعد ظہور میں آئے گا اور چونکہ ان کی زندگی سے بہت سے وجود معاش ہمارے وابستہ تھے اس لئے بشریت کے تقاضا سے یہ خیال دل میں گذرا کہ ان کی وفات ہمارے لئے بہت سے مصائب کا موجب ہوگی کیونکہ وہ رقم کثیر آمدنی کی ضبط ہو جائے گی جو ان کی زندگی سے وابستہ تھی۔ اس خیال کے آنے کے ساتھ ہی یہ الہام ہوا اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ یعنی کیا خدا اپنے بندے کو کافی نہیں ہے۔ تب وہ خیال یوں اُڑ گیا جیسا کہ روشنی کے نکلنے سے تاریکی اُڑ جاتی ہے۔ (تریاق القلوب۔ ر۔خ۔ جلد 15 صفحہ 198)

کلامِ الٰہی اور الہام میں فرق

کلام اور الہام میں فرق یہ ہے کہ الہام کا چشمہ تو گویا ہر وقت مقرب لوگوں میں بہتا ہے اور وہ روح القدس کے بلائے بولتے اور روح القدس کے دکھائے دیکھتے اور روح القدس کے سنائے سنتے اور ان کے تمام ارادے روح القدس کے نفخ سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور یہ بات سچ اور بالکل سچ ہے...... کہ وہ ظلی طور پر اس آیت کے مصداق ہوتے ہیں۔ وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی اِنۡ ھُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی (النجم: 5`4) لیکن مکالمہ الٰہیہ ایک الگ امر ہے اور وہ یہ ہے کہ وحی متلو کی طرح خدا تعالیٰ کا کلام ان پر نازل ہوتا ہے اور وہ اپنے سوالات کا خدائے تعالیٰ سے ایسا جواب پاتے ہیں کہ جیسا ایک دوست دوست کو جواب دیتا ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 231)

حضرت اقدسؑ کا مکالمہ ومخاطبہ

احادیث نبویہ میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جو عیسیٰ اور ابن مریم کہلائے گا اور نبی کے نام سے موسوم کیا جائے گا یعنی اس کثرت سے مکالمہ و مخاطبہ کا شرف اس کو حاصل ہوگا اور اس کثرت سے امور غیبیہ اس پر ظاہر ہوں گے کہ بجز نبی کے کسی پر ظاہر نہیں ہو سکتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجن 28-27) یعنی خدا اپنے غیب پر کسی کو پوری قدرت اور غلبہ نہیں بخشتا جو کثرت اور صفائی سے حاصل ہو سکتا ہے بجز اس شخص کے جو اس کا برگزیدہ رسول ہو اور یہ بات ایک ثابت شدہ امر ہے کہ جس قدر خدا تعالیٰ نے مجھ سے مکالمہ و مخاطبہ کیا ہے اور جس قدر امور غیبیہ مجھ پر ظاہر فرمائے ہیں تیرہ سو برس ہجری میں کسی شخص کو آج تک بجز میرے یہ نعمت عطا نہیں کی گئی۔ اگر کوئی منکر ہو تو بار ثبوت اس کی گردن پر ہے۔

(حقیقۃ الوحی۔ ر۔ خ۔ جلد 22 صفحہ 406)

خصوصیات الہام مامورین

کھلا غیب صرف نبی مامور پر ظاہر ہوتا ہے

ہر ایک مومن پر غیب کامل کے امور ظاہر نہیں کئے جاتے بلکہ محض ان بندوں پر جو اصطفاء اور اجتباء کا مرتبہ رکھتے ہیں ظاہر ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ ایک جگہ قرآن شریف میں فرماتا ہے فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجن 28-27) یعنی اللہ اپنے غیب پر کسی کو غالب ہونے نہیں دیتا مگر ان لوگوں کو جو اس کے رسول اور اس کی درگاہ کے پسندیدہ ہوں۔ (براہین احمدیہ۔ ر۔ خ۔ جلد 21 صفحہ 86)

کھلی کھلی غیب کی بات بتلانا بجز نبی کے اور کسی کا کام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجن 28-27) یعنی خدا اپنے غیب پر بجز برگزیدہ رسولوں کے کسی کو مطلع نہیں فرماتا۔ (حقیقۃ الوحی۔ ر۔ خ۔ جلد 22 صفحہ 204)

الہام مامورین

نزول وحی کا فلسفہ

نورِ وحی کے نازل ہونے کا یہی فلسفہ ہے کہ وہ نور پر ہی وارد ہوتا ہے تاریکی پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ فیضان کے لئے مناسبت شرط ہے اور تاریکی کو نور سے کچھ مناسبت نہیں بلکہ نور کو نور سے مناسبت ہے اور حکیم مطلق بغیر رعائت مناسبت کوئی کام نہیں کرتا ایسا ہی فیضان نور میں بھی اس کا یہی قانون ہے کہ جس کے پاس کچھ نور ہے اسی کو اور نور بھی دیا جاتا ہے اور جس کے پاس کچھ نہیں اس کو کچھ نہیں دیا جاتا۔ جو شخص آنکھوں کا نور رکھتا ہے وہی آفتاب کا نور پاتا ہے اور جس کے پاس آنکھوں کا نور نہیں وہ آفتاب کے نور سے بھی بے بہرہ رہتا ہے اور جس کو فطرتی نور کم ملا ہے اس کو دوسرا نور بھی کم ہی ملتا ہے اور جس کو فطرتی نور زیادہ ملا ہے اس کو دوسرا نور بھی زیادہ ہی ملتا ہے۔ (براہین احمدیہ۔ ر۔ خ۔ جلد 1 صفحہ 196-195)

الہام اوراس کی ضرورت

اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ۔ (حم السجدة:31)

سچے مذہب کی یہی نشانی ہے کہ اس مذہب کی تعلیم سے ایسے راستباز پیدا ہوتے رہیں جو محدث کے مرتبہ تک پہنچ جائیں جن سے خدا تعالیٰ آمنے سامنے کلام کرے اور اسلام کی حقیقت اور حقانیت کی اول نشانی یہی ہے کہ اس میں ہمیشہ ایسے راستباز جن سے خدا تعالیٰ ہمکلام ہو پیدا ہوتے ہیں تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا (حم السجدة :31) سو یہی معیار حقیقی سچے اور زندہ اور مقبول مذہب کی ہے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ نور صرف اسلام میں ہے عیسائی مذہب اس روشنی سے بے نصیب ہے۔ (حجۃ الاسلام۔ر۔خ۔جلد6 صفحہ 43)

قرآن شریف پر شریعت ختم ہوگئی مگر وحی ختم نہیں ہوئی کیونکہ وہ سچے دین کی جان ہے۔ جس دین میں وحی الٰہی کا سلسلہ جاری نہیں وہ دین مردہ ہے اور خدا اس کے ساتھ نہیں۔ (کشتی نوح۔ر۔خ۔جلد19 صفحہ 24 حاشیہ)

پھر وہ خدا جو مردہ کی مانند ہے پڑا — پس کیا امید ایسے سے اور خوف اس سے کیا
ایسے خدا کے خوف سے دل کیسے پاک ہو — سینہ میں اس کے عشق سے کیونکر تپاک ہو
بن دیکھے کس طرح کسی مہ رُخ پہ آئے دل — کیونکر کوئی خیالی صنم سے لگائے دل
دیدار گر نہیں ہے تو گفتار ہی سہی — حسن و جمالِ یار کے آثار ہی سہی
جب تک خدائے زندہ کی تم کو خبر نہیں — بے قید اور دلیر ہو کچھ دل میں ڈر نہیں

(درثمین اردو صفحہ 101)(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 17)

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَاِنۡ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخۡتِمۡ عَلٰى قَلۡبِكَ وَ يَمۡحُ اللّٰهُ الۡبَاطِلَ وَ يُحِقُّ الۡحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ۔ (الشوریٰ:25)

کیا یہ منکر لوگ کہتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام نہیں اور خدا پر جھوٹ باندھا ہے اگر خدا چاہے تو اس کا اترنا بند کر دے پر وہ بند نہیں کرتا کیونکہ اس کی عادت اسی پر جاری ہے کہ وہ احقاقِ حق اور ابطال باطل اپنے کلمات سے کرتا ہے اور یہ منصب اسی کو پہنچتا ہے کیونکہ امراض روحانی پر اسی کو اطلاع ہے اور ازالہ ءمرض اور استرداد صحت پر وہی قادر ہے۔

(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 664-663)

کوئی چیز اپنی صفات ذاتیہ سے الگ نہیں ہوسکتی پھر خدا کا کلام جو زندہ کلام ہے کیونکر الگ ہو سکے۔ پس کیا تم کہہ سکتے ہو کہ آفتاب وحی الٰہی اگرچہ پہلے زمانوں میں یقینی رنگ میں طلوع کرتا رہا ہے مگر اب وہ صفائی اس کو نصیب نہیں گویا یقینی معرفت تک پہنچنے کا کوئی سامان آگے نہیں۔ بلکہ پیچھے رہ گیا ہے اور گویا خدا کی سلطنت اور حکومت اور فیض رسانی کچھ تھوڑی مدت تک رہ کر ختم ہو چکی ہے لیکن خدا کا کلام اس کے برخلاف گواہی دیتا ہے کیونکہ وہ یہ دعا سکھلاتا ہے کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ۔

(نزول المسیح۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 487)

الہام جاری ہے

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔ (الاحزاب:41)

کہتے ہیں کہ یہ دروازہ مکالمات ومخاطبات کا اس وجہ سے بند ہو گیا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین ہیں اس لئے آپؐ کے بعد یہ فیض اور فضل بند ہو گیا مگر ان کی عقل اور علم پر افسوس آتا ہے کہ یہ نادان اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ ختم نبوت کے ساتھ ہی اگر معرفت اور بصیرت کے دروازے بھی بند ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) خاتم النبیین تو کجا نبی بھی ثابت نہ ہوں گے کیونکہ نبی کی آمد اور بعثت تو اس غرض کے لئے ہوتی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ پر ایک یقین اور بصیرت پیدا ہو اور ایسا ایمان ہو جو لذیذ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے تصرفات اور اس کی قدرتوں اور صفات کی تجلّی کو انسان مشاہدہ کرے اور اس کا ذریعہ یہی اس کے مکالمات ومخاطبات اور خوارق عادات ہیں لیکن جب یہ دروازہ ہی بند ہو گیا تو پھر اس بعثت سے فائدہ کیا ہوا۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 430-429)

یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے وحی اور الہام کے دروازہ کو بند نہیں کیا جو لوگ اس امت کو الہام و وحی کے انعامات سے بے بہرہ ٹھیراتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں اور قرآن شریف کے اصل مقصد کو انہوں نے سمجھا ہی نہیں۔ ان کے نزدیک یہ امت وحشیوں کی طرح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیرات اور برکات کا معاذ اللہ خاتمہ ہو چکا اور وہ خدا جو ہمیشہ سے متکلم خدا رہا ہے۔ اب اس زمانہ میں آکر خاموش ہو گیا۔ **وہ نہیں جانتے کہ اگر مکالمہ مخاطبہ نہیں تو ھدی للمتقین کا مطلب ہی کیا ہوا۔ بغیر مکالمہ مخاطبہ کے تو اس کی ہستی پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی؟ اور پھر قرآن شریف میں یہ کیوں کہا وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:70) اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا (حٰمٓ السجدۃ: 31) یعنی جن لوگوں نے اپنے قول اور فعل سے بتا دیا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر انہوں نے استقامت دکھائی ان پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔ اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ فرشتوں کا نزول ہو اور مخاطبہ نہ ہو۔ نہیں بلکہ وہ انہیں بشارتیں دیتے ہیں۔ یہی تو اسلام کی خوبی اور کمال ہے جو دوسرے مذاہب کو حاصل نہیں ہے۔**

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 613)

ہے غضب کہتے ہیں اب وحیٔ خدا مفقود ہے　　اب قیامت تک ہے اس کا قصوں پر مدار
یہ عقیدہ برخلاف گفتۂ دادار ہے　　پر اتارے کون برسوں کا گلے سے اپنے ہار
وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم　　اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

(درثمین اردو صفحہ 137)(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 137)

الہام جاری ہے۔قانون قدرت کے اعتبار سے

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ ۔ (الطارق:12)

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ اس جگہ آسمان سے مراد وہ کرّۂ زمہریر ہے جس سے پانی برستا ہے اور اس آیت میں اس کرّۂ زمہریر کی قسم کھائی گئی ہے جو مینہ برساتا ہے اور رَجۡع کے معنے مینہ ہے اور خلاصہ معنی آیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں وحی کا ثبوت دینے کے لئے آسمان کو گواہ لاتا ہوں جس سے پانی برستا ہے۔یعنی تمہاری روحانی حالت بھی ایک پانی کی محتاج ہے اور وہ آسمان سے ہی آتا ہے جیسا کہ تمہارا جسمانی پانی آسمان سے آتا ہے۔اگر وہ پانی نہ ہو تو تمہاری عقلوں کے پانی بھی خشک ہو جائیں۔عقل بھی اسی آسمانی پانی یعنی وحی الٰہی سے تازگی اور روشنی پاتی ہے۔غرض جس خدمت میں آسمان لگا ہوا ہے یعنی پانی برسانے کی خدمت۔یہ کام آسمان کا خدا تعالیٰ کی پہلی صفت کا ایک ظلّ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ ابتداء ہر ایک چیز کا پانی سے ہے۔انسان بھی پانی سے ہی پیدا ہوتا ہے اور وید کی رو سے پانی کا دیوتا اکاش ہے جس کو وید کی اصطلاح میں اِندر کہتے ہیں مگر یہ سمجھنا غلطی ہے کہ یہ اِندر کچھ چیز ہے بلکہ وہی پوشیدہ اور نہاں در نہاں طاقت عظمیٰ جس کا نام خدا ہے اس میں کام کر رہی ہے۔

(نسیم دعوت۔ر۔خ۔جلد19 صفحہ 412-413)

وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ ۔ (النحل:69)

یہ امر ضروری ہے کہ وحی شریعت اور وحی غیر شریعت میں فرق کیا جاوے بلکہ اس امتیاز میں تو جانوروں کو جو وحی ہوتی ہے اس کو بھی مدنظر رکھا جاوے۔بھلا آپ بتلاویں کہ قرآن شریف میں جو یہ لکھا ہے وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ تو اب آپ کے نزدیک شہد کی مکھی کی وحی ختم ہو چکی ہے یا جاری ہے؟ جب مکھی کی وحی اب تک منقطع نہیں ہوئی تو انسانوں پر جو وحی ہوتی ہے وہ کیسے منقطع ہو سکتی ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 417)

الہام اور یقین

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔(البقرة:258)

یاد رکھو کہ گناہ سے پاک ہونا بجز یقین کے کبھی ممکن نہیں۔فرشتوں کی سی زندگی بجز یقین کے کبھی ممکن نہیں دنیا کی بے جا عیاشیوں کو ترک کرنا بجز یقین کے کبھی ممکن نہیں۔ایک پاک تبدیلی اپنے اندر پیدا کر لینا اور خدا کی طرف ایک خارق عادت کشش سے کھینچے جانا بجز یقین کے کبھی ممکن نہیں۔زمین کو چھوڑنا اور آسمان پر چڑھ جانا بجز یقین کے کبھی ممکن نہیں۔خدا سے پورے طور پر ڈرنا بجز یقین کے کبھی ممکن نہیں۔تقویٰ کی باریک راہوں پر قدم مارنا اور اپنے عمل کو ریا کاری کی ملونی سے پاک کر دینا بجز یقین کے کبھی ممکن نہیں۔ایسا ہی دنیا کی دولت اور حشمت اور اسکی کیمیا پر لعنت بھیجنا اور بادشاہوں کے قرب سے بے پرواہ ہو جانا اور صرف خدا کو اپنا ایک خزانہ سمجھنا بجز یقین کے ہرگز ممکن نہیں۔**اب بتلاؤ اے مسلمان کہلانے والو کہ ظلمات شک سے نور یقین کی طرف تم کیونکر پہنچ سکتے ہو یقین کا ذریعہ تو خدا تعالیٰ کا کلام ہے جو** یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (البقرة:258) **کا مصداق ہے۔**

(نزول المسیح۔ ر۔ خ۔ جلد 18 صفحہ 470-469)

زیں سبب ہست حاجتِ گفتار گر میسّر نمے شود دیدار

اسی واسطے الہام کی ضرورت ہے کیونکہ خدا تعالیٰ ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔

بے کلام و شہادتِ آیات کے یقین میشود کہ ہست آں ذات

بغیر کلام اور نشانات کی گواہی کے کس طرح یقین آئے کہ وہ ذات موجود ہے۔

بے یقین کے ہمی شود دل پاک مُردہ چوں سر بر آرد از تہِ خاک

بغیر یقین کے دل بھی کب پاک ہوسکتا ہے خاک کے نیچے سے مردہ کیونکر سر اُٹھا سکتا ہے۔

گر یقیں نیست نیز ایماں نیست زہد و صدق و ثبات و عرفاں نیست

اگر یقین نہیں تو ایمان بھی نہیں اس طرح بغیر یقین کے زہد۔صدق۔استقلال اور عرفان بھی حاصل نہیں ہوتا۔

جُز یقین مشکل ست صدق و ثبات سخت دشوار ترکِ منہیات

بغیر یقین کے وفاداری اور استقامت مشکل ہے اور گناہوں کا ترک کرنا بھی سخت دشوار ہے۔

زیں سبب خلق شد چو مُردارے سر تہی گشت از سرِ یارے

اسی وجہ سے خلقت مُردار کی طرح ہوگئی اور یار کی محبت سے دل خالی ہوگیا۔

(نزول المسیح۔ ر۔ خ۔ جلد 18 صفحہ 476 (درثمین فارسی مترجم صفحہ 327-326)

تمام برکات اور یقین کے حصول کا ذریعہ خدا کا مکالمہ اور مخاطبہ ہے اور انسان کی یہ زندگی جو شکوک اور شبہات سے بھری ہوئی ہے بجز مکالمات الٰہیہ کے سرچشمہ صافیہ کے یقین تک ہرگز نہیں پہنچ سکتی مگر خدا تعالیٰ کا وہ مکالمہ یقین تک پہنچاتا ہے جو یقینی اور قطعی ہو جس پر ایک ملہم قسم کھا کر کہہ سکتا ہے کہ وہ اسی رنگ کا مکالمہ ہے جس رنگ کا مکالمہ آدمؑ سے ہوا اور پھر شیثؑ سے ہوا اور پھر نوحؑ سے ہوا اور پھر ابراہیمؑ سے اور پھر اسحاقؑ سے اور پھر اسمٰعیلؑ سے اور پھر یعقوبؑ سے ہوا اور پھر یوسفؑ سے اور پھر چار سو برس کے بعد موسیٰؑ سے اور پھر یشوع بن نون سے ہوا.... اور سب سے اتم اور اکمل طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا لیکن اگر کوئی کلام یقین کے مرتبہ سے کم تر ہو تو وہ شیطانی کلام ہے نہ ربّانی۔ (نزول المسیح۔ر۔خ۔جلد 18 صفحہ 486)

حضرت اقدسؑ کا الہام اور وحی یقینی ہے

ہم کو تو خدا تعالیٰ کے اس کلام پر جو ہم پر وحی کے ذریعہ نازل ہوتا ہے اس قدر یقین اور علیٰ وجہ البصیرت یقین ہے کہ بیت اللہ میں کھڑا کر کے جس قسم کی چاہو قسم دے دو۔ بلکہ میرا تو یقین یہاں تک ہے کہ اگر میں اس بات کا انکار کروں یا وہم بھی کروں کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں تو معاً کافر ہو جاوں۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 400)

مکّہ معظّمہ میں داخل ہو کر اگر خدا تعالیٰ کی قسم دی جاوے تو میں کہوں گا کہ میرے الہام خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ جس شخص نے خیالی طور پر دعویٰ کیا ہو وہ ہرگز جرات نہیں کر سکتا۔ کبھی وہ شخص جو کامل یقین رکھتا ہو اور وہ جو مشکوک ہے برابر ہو سکتے ہیں۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 20)

آنچہ من بشنوم ز وحیٔ خدا بخدا پاک دانمش ز خطا

جو کچھ خدا کی وحی سے میں سنتا ہوں خدا کی قسم میں اسے غلطی سے پاک سمجھتا ہوں۔

ہمچو قرآن منزّہ اش دانم از خطاہا ہمیں است ایمانم

میں اسے قرآن کی طرح غلطیوں سے پاک جانتا ہوں اور یہی میرا ایمان ہے۔

من خدا را بدو شناختہ ام دل بدیں آتشش گداختہ ام

میں نے خدا کو اسی کے ذریعہ سے پہچانا ہے خدا کی اس آگ سے ہی میں نے اپنے دل کو گداز کیا ہے۔

بخدا ہست ایں کلامِ مجید از دہانِ خدائے پاک و وحید

خدا کی قسم یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور وہ خدائے قدوس اور واحد کے منہ سے نکلا ہوا ہے۔

آنچہ برمن عیاں شداز دا دار آفتابے است بادو صد انوار

جو کچھ مجھ پر خدا کی طرف سے ظاہر ہوا ہے او وہ ایک آفتاب ہے جو سینکڑوں انوار اپنے ساتھ رکھتا ہے۔

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے من بعرفاں نہ کمترم ز کسے

اگرچہ انبیاء بہت ہوئے ہیں۔ مگر میں معرفت الٰہی میں کسی سے کم نہیں ہوں۔

وارثِ مصطفٰے شدم بہ یقین شدہ رنگین برنگِ یارِ حسین

میں یقیناً مصطفٰے کا وارث ہوں اور اس حسین محبوب کے رنگ میں رنگین ہوں۔

(نزول المسیح۔ ر۔ خ۔ جلد18 صفحہ 477 (درثمین فارسی مترجم صفحہ 335)

الہام اور دستور خداوندی

وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ وَ الۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ اِنَّہٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ وَّ مَا ھُوَ بِالۡہَزۡلِ۔ (الطارق12-15)

دراصل زمین کے پانی کا وجود بھی آسمان کی بارش پر موقوف ہے اسی وجہ سے جب کبھی آسمان سے پانی برستا ہے تو زمین کے کنوؤں کا پانی چڑھ آتا ہے۔ کیوں چڑھ آتا ہے؟ اس کا یہی سبب ہے کہ آسمانی پانی زمین کے پانی کو اوپر کی طرف کھینچتا ہے۔ یہی رشتہ وحی اللہ اور عقل میں ہے۔ وحی اللہ یعنی الہام الٰہی آسمانی پانی ہے اور عقل زمینی پانی ہے اور یہ پانی ہمیشہ آسمانی پانی سے جو الہام ہے تربیت پاتا ہے اور اگر آسمانی پانی یعنی وحی ہونا بند ہو جائے تو یہ زمینی پانی بھی رفتہ رفتہ خشک ہو جاتا ہے۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔ خ۔ جلد10 صفحہ 429)

اور ہر ایک وقت میں جب دنیا میں خدا کی محبت ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور غفلت کی وجہ سے حقیقی پاک باطنی میں فتور آتا ہے تو خدا کسی کو اپنے بندوں میں سے الہام دے کر دلوں کو صاف کرنے کے لیے کھڑا کر دیتا ہے۔ سو اس زمانہ میں اس کام کے لئے جس شخص کو اس نے اپنے ہاتھ سے صاف کر کے کھڑا کیا ہے وہ یہی عاجز ہے۔

(کشف الغطاء۔ ر۔ خ۔ جلد14 صفحہ 191)

یہ سچ ہے کہ جو پاک ہو جاتے ہیں خدا سے خدا کی خبر لاتے ہیں
اگر اُس طرف سے نہ آوے خبر تو ہو جائے یہ راہ زیر و زبر
طلب گار ہو جائیں اس کے تباہ وہ مر جائیں دیکھیں اگر بند راہ
مگر کوئی معشوق ایسا نہیں کہ عاشق سے رکھتا ہو یہ بغض و کیں
خدا پر تو پھر یہ گماں عیب ہے کہ وہ راحم و عالم الغیب ہے

(درثمین اردو صفحہ 21)(ست بچن۔ ر۔ خ۔ جلد10 صفحہ 166)

سچے الہام کی پہچان

اکثر لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ پھر رحمانی الہام کی نشانی کیا ہے۔ اس کا جواب یہی ہے کہ اس کی کئی نشانیاں ہیں۔

(۱) اوّل یہ کہ الٰہی طاقت اور برکت اس کے ساتھ ایسی ہوتی ہے کہ اگر چہ اور دلائل ابھی ظاہر نہ ہوں وہ طاقت بڑے جوش اور زور سے بتلاتی ہے کہ میں خدا کی طرف سے ہوں اور ملہم کے دل کو ایسا اپنا مسخر بنا لیتی ہے کہ اگر اس کو آگ میں کھڑا کر دیا جائے یا ایک بجلی اس پر پڑنے لگے وہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ الہام شیطانی ہے یا حدیث النفس ہے یا شکی ہے یا ظنی ہے بلکہ ہر دم اس کی روح بولتی ہے کہ یہ یقینی ہے اور خدا کا کلام ہے۔ (۲) دوسرے خدا کے الہام میں ایک خارق عادت شوکت ہوتی ہے (۳) تیسری وہ پُر زور آواز اور قوت سے نازل ہوتا ہے (۴) چوتھی اس میں ایک لذت ہوتی ہے (۵) اکثر اس میں سلسلہ سوال و جواب پیدا ہو جاتا ہے بندہ سوال کرتا ہے خدا جواب دیتا ہے اور پھر بندہ سوال کرتا ہے خدا جواب دیتا ہے۔ خدا کا جواب پانے کے وقت بندہ پر ایک غنودگی طاری ہوتی ہے لیکن صرف غنودگی کی حالت میں کوئی کلام زبان پر جاری ہونا وحی الٰہی کی قطعی دلیل نہیں کیونکہ اس طرح پر شیطانی الہام بھی ہو سکتا ہے (۶) چھٹی وہ الہام کبھی ایسی زبانوں میں بھی ہو جاتا ہے جن کا ملہم کو کچھ بھی علم نہیں (۷) خدائی الہام میں ایک خدائی کشش ہوتی ہے۔ اول وہ کشش ملہم کو عالم تفرید اور انقطاع کی طرف کھینچ لے جاتی ہے اور آخر اس کا اثر بڑھتا بڑھتا طبائع سلیمہ مبائعین پر جا پڑتا ہے۔ تب ایک دنیا اس کی طرف کھینچی جاتی ہے اور بہت سی روحیں اس کے رنگ میں بقدر استعداد آ جاتی ہیں (۸) آٹھویں سچا الہام غلطیوں سے نجات دیتا اور بطور حکم کے کام کرتا ہے اور قرآن شریف کے کسی بیان مین مخالف نہیں ہوتا۔ (۹) سچے الہام کی پیشگوئی فی حد ذاتہ سچی ہوتی ہے گو اس کے سمجھنے میں لوگوں کو دھوکا ہو (۱۰) دسویں سچا الہام تقویٰ کو بڑھاتا اور اخلاقی قوتوں کو زیادہ کرتا اور دنیا سے دل برداشتہ کرتا اور معاصی سے متنفر کر دیتا ہے (۱۱) سچا الہام چونکہ خدا کا قول ہے اس لئے وہ اپنی تائید کے لئے خدا کے فعل کو ساتھ لاتا ہے اور اکثر بزرگ پیشگوئیوں پر مشتمل ہوتا ہے جو سچی نکلتی ہیں اور قول اور فعل دونوں کی آمیزش سے یقین کے دریا جاری ہو جاتے ہیں اور انسان سفلی زندگی سے منقطع ہو کر ملکوتی صفات بن جاتا ہے۔

(نزول المسیح۔ ر۔ خ۔ جلد 18 صفحہ 493-492)

ہیچ دانی کلامِ رحماں چیست وانکہ آں خور بیافت آں مہ کیست

تجھے خبر بھی ہے؟ کہ رحمان کا کلام کیا چیز ہے اور وہ چاند کونسا ہے جس کے پاس کلام رحمان کا سورج ہے۔

آں کلامش کہ نور ہا دارد شک وریب از قلوب بردارد

اس کا وہ کلام جو اپنے اندر انوار رکھتا ہے دلوں سے شک وشبہ کو دور کر دیتا ہے۔

نور در ذاتِ خویش و نور دہد رگ ہر شک دہر گماں ببرد

وہ خود بھی نور ہے اور دوسروں کو بھی نور عطا کرتا ہے اور ہر شک اور گمان کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔

دل کہ باشد گرفتہ اوہام یا بدازوے سکینت و آرام

دل جو وہم میں گرفتار ہو اسی سے تسکین اور آرام پاتا ہے۔

ہمچو میخے کہ ہست فولادی! در دل آید فزایدت شادی

ایک فولادی میخ کی طرح دل میں گڑ جاتا ہے اور خوشی کو بڑھاتا ہے۔

زو رہد عادتِ فساد و شقاق چارہ زہرِ نفس چوں تریاق

ان کی برکت سے فساد اور جھگڑے کی عادت دور ہوتی ہے اور وہ تریاق کی طرح نفس کے زہر کا علاج ہے۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 329 (نزول المسیح ۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 476)

الہام اور خدا کی فعلی شہادت

لیکن وہ لوگ جو خدا کے نزدیک ملہم اور مکلم کہلاتے ہیں اور مکالمہ اور مخاطبہ کا شرف رکھتے ہیں اور دعوت خلق کے لئے مبعوث ہوتے ہیں ان کی تائید میں خدا تعالیٰ کے نشان بارش کی طرح برستے ہیں اور دنیا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور فعل الٰہی اپنی کثرت کے ساتھ گواہی دیتا ہے کہ جو کلام وہ پیش کرتے ہیں وہ کلام الٰہی ہے اگر الہام کا دعوی کرنے والے اس علامت کو مدنظر رکھتے تو وہ اس فتنہ سے بچ جاتے۔

(حقیقۃ الوحی ۔ ر۔ خ۔ جلد 22 صفحہ 538)

محض الہام جب تک اس کے ساتھ فعلی شہادت نہ ہو ہرگز کسی کام کا نہیں۔ دیکھو جب کفار کی طرف سے اعتراض ہوا لَسْتَ مُرْسَلًا تو جواب دیا گیا کَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِىْ وَ بَيْنَكُمْ (الرعد:44) یعنی عنقریب خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت میری صداقت کو ثابت کر دے گی۔ پس الہام کے ساتھ فعلی شہادت بھی چاہیئے۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 204)

میرا مذہب تو یہ ہے کہ جب تک درخشاں نشان اس کے ساتھ بار بار نہ لگائے جاویں تب تک الہامات کا نام لینا بھی سخت گناہ اور حرام ہے۔ پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ قرآن مجید اور میرے الہامات کے خلاف تو نہیں۔ اگر ہے تو یقیناً خدا کا نہیں بلکہ شیطانی القاء ہے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 141 حاشیہ)

کثرت مکالمہ مخاطبہ

خدا کے الہام میں یہ ضروری ہے کہ جس طرح ایک دوست دوسرے دوست سے مل کر باہم ہمکلام ہوتا ہے اسی طرح رب اور اس کے بندے میں ہمکلامی واقع ہو اور جب یہ کسی امر میں سوال کرے تو اس کے جواب میں ایک کلام لذیذ فصیح خدائے تعالی کی طرف سے سنے جس میں اپنے نفس اور فکر اور غور کا کچھ بھی دخل نہ ہو اور وہ مکالمہ اور مخاطبہ اس کے لئے موہبت ہو جائے تو وہ خدا کا کلام ہے اور ایسا بندہ خدا کی جناب میں عزیز ہے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی ۔ ر۔ خ۔ جلد 10 صفحہ 440-439)

پانچویں فصل

معجزات

تعریف معجزہ

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیۡ مَعَہٗ وَالطَّیۡرَ ۚ وَاَلَنَّا لَہُ الۡحَدِیۡدَ۔(سبا:11)

یٰجِبَالُ اَوِّبِیۡ مَعَہٗ وَالطَّیۡرَ اے پہاڑ واور اے پرندو میرے اس بندہ کے ساتھ وجداور رقت سے میری یاد کرو۔ (حقیقۃ الوحی۔ر۔خ۔جلد22 صفحہ 93)

تدابیر مشہودہ سے الگ ہو کر جو فعل ہوتا ہے اس میں اعجازی رنگ ہوتا ہے۔ معجزات جن باتوں میں صادر ہوتے ہیں ان میں سے بہت سے افعال ایسے ہوتے ہیں کہ دوسرے لوگ بھی ان میں شریک ہوتے ہیں مگر نبی ان تدابیر اوراسباب سے الگ ہو کر وہی فعل کرتا ہے اس لئے وہ معجزہ ہوتا ہے اور یہی بات یہاں سلیمان کے قصہ میں ہے۔

آنخضرت صلی علیہ وسلم سے پہلے کیا لوگ قصائد نہ کہتے تھے؟ کہتے تھے مگر آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلام فصیح و بلیغ پیش کیا تو وہ جوڑ توڑ کا نتیجہ نہ تھا بلکہ وحی سے تھا اس لئے معجزہ تھا کہ درمیان اسبابِ عادیہ نہ تھے۔ آپؐ نے کوئی تعلیم نہ پائی تھی اور بدوں کوشش کے وہ کلام آپؐ نے پیش کیا۔ غرض اسی طرح پر لوہا نرم کرنے کا معجزہ ہے کہ اس میں اسباب عادیہ نہ تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے اور معنی بھی ہوں۔ مشکلات صعب سے بھی مراد لوہا ہوتا ہے۔ وہ حضرت سلیمانؑ پر آسان ہو گئیں مگر اصل اعجاز کا کسی حال میں ہم انکار نہیں کرتے ورنہ اگر خدا تعالیٰ کی ان قدرتوں پر ایمان نہ ہو تو پھر خدا کو کیا مانا ہم اس کو خارق عادت نہیں مان سکتے جو قرآن شریف کے بیان کردہ قانون قدرت کے خلاف ہو۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 448)

معجزات کے تین اقسام

فرمایا:۔

معجزات تین اقسام کے ہوتے ہیں:۔

(۱) دعائیہ (۲) ارہاصیہ (۳) قوتِ قدسیہ

ارہاصیہ میں دعا کو دخل نہیں ہوتا۔ قوت قدسیہ کے معجزات ایسے ہوتے ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی میں انگلیاں رکھ دیں اور لوگ پانی پیتے رہے یا ایک تلخ کوئیں میں اپنا لب گرا دیا اور اس کا پانی میٹھا ہو گیا۔ مسیحؑ کے معجزات میں بھی یہ رنگ پایا جاتا ہے۔ خود ہم کو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔

مسیح کے معجزات کے متعلق جو ہم نے عمل الترب کا ذکر کیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو قوتیں اللہ تعالےٰ نے خلقی طور پر انسان کی فطرت میں ودیعت کی ہیں وہ توجہ سے سرسبز ہوتی ہیں۔ رہی یہ بات کہ مسیح کے معجزات کو مکروہ کہا ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ بعض اوقات ایک امر جائز ہوتا ہے اور دوسرے وقت نہیں۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 308)

معجزات اور اسباب

یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ ......۔ (الانبیاء:70)

یہ سچی بات ہے کہ خدائے تعالیٰ غیر معمولی طور پر کوئی کام نہیں کرتا۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ خلق اسباب کرتا ہے خواہ ہم کو ان اسباب پر اطلاع ہو یا نہ ہو۔ الغرض اسباب ضرور ہوتے ہیں۔ اس لئے ''شق القمر'' یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا (الانبیاء:70) کے معجزات بھی خارج از اسباب نہیں۔ بلکہ وہ بھی بعض مخفی در مخفی اسباب کے نتائج ہیں اور سچے اور حقیقی سائنس پر مبنی ہیں۔ کوتاہ اندیش اور تاریک فلسفہ کے دلدادہ اسے نہیں سمجھ سکتے۔ مجھے تو یہ حیرت آتی ہے کہ جس حال میں یہ ایک امر مسلم ہے کہ عدم علم سے عدم شئے لازم نہیں آتا تو نادان فلاسفر کیوں ان اسباب کی بے علمی پر جو ان معجزات کا موجب ہیں اصل معجزات کی نفی کی جرات کرتا ہے۔ ہاں ہمارا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو اپنے کسی بندے کو ان اسباب مخفیہ پر مطلع کر دے لیکن یہ کوئی لازم بات نہیں ہے۔ دیکھو انسان اپنے لئے جب گھر بناتا ہے تو جہاں اور سب آسائش کے سامانوں کا خیال رکھتا ہے سب سے پہلے اس امر کو بھی ملحوظ رکھ لیتا ہے کہ اندر جانے اور باہر نکلنے کے لئے بھی کوئی دروازہ بنالے اور اگر زیادہ ساز و سامان ہاتھی گھوڑے گاڑیاں بھی پاس ہیں تو علیٰ قدر مراتب ہر ایک چیز اور سامان کے نکلنے اور جانے کے واسطے دروازہ بناتا ہے نہ یہ کہ سانپ کی بانبی کی طرح ایک چھوٹا سا سوراخ۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ کے فعل یعنی قانون قدرت پر ایک وسیع اور پُر غور نظر کرنے سے ہم پتہ لگا سکتے ہیں کہ اس نے اپنی مخلوق کو پیدا کر کے یہ کبھی نہیں چاہا کہ وہ عبودیت سے سرکش ہو کر ربوبیت سے متعلق نہ ہو۔ ربوبیت نے عبودیت کو دور کرنے کا ارادہ کبھی نہیں کیا۔ سچا فلسفہ یہی ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 72)

اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰہِ ...... الایۃ (اٰل عمران: 50)

حقیقی معجزہ

فاعلم انا نؤمن باحياء اعجازی و خلق اعجازی ولا نؤمن باحياء حقيقی و خلق حقيقی کاحياء الله و خلق الله و لو کان کذلک لتشابه الخلق والاحياء و قال الله سبحانه فيکون طيرا باذن الله وما قال فيکون حيا باذن الله وما قال فيصير طيرا باذن الله و ان مثل طير عيسی کمثل عصا موسی ظهرت کحية تسعی ولکن ماترکت لله و ام سيرته الاولی وکذلک قال المحققون ان طير عيسی کان يطير امام اعين الناس و اذا غاب فکان يسقط ويرجع الی سيرته الاولی فاين حصل له الحيات الحقيقی و کذلک کان حقيقة الاحياء اعنی انه مارد الی ميت قط لوازم الحياة کلها بل کان يری جلوة من حياة الميت بتاثير روحه الطيب وکان الميت حيا مادام عيسی قائما عليه اوقاعدا فاذا ذهب فعاد الميت الی حاله الاول و مات فکان هذا احياء ا اعجازيا لا حقيقيا۔ (حمامۃ البشریٰ۔ ر۔خ۔ جلد 7 صفحہ 316-315)

(ترجمہ):- (وَ اُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ) جان لو کہ ہم احیاءِ اعجازی اور خلقِ اعجازی پر ایمان لاتے ہیں نہ کہ حقیقی طور پر زندہ کرنے اور پیدا کرنے پر جیسا کہ خدا تعالیٰ زندہ کرتا ہے اور پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو یہ احیاء اور خلق (خدا تعالیٰ کے خلق اور احیاء سے) متشابہ ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فَیَکُوۡنُ طَیۡرًا بِاِذۡنِ اللّٰہِ کہا ہے اور یہ نہیں کہا کہ فَیَکُوۡنُ حَیًّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ اور نہ یہ فرمایا کہ فَیَصِیۡرُ طَیۡرًا بِاِذۡنِ اللّٰہِ۔ اور عیسٰی علیہ السلام کے پرندوں کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی مثال ہے جو بھاگتے ہوئے سانپ کی شکل میں ظاہر ہوا لیکن اس نے ہمیشہ کے لیے اپنی پہلی سیرت کو چھوڑ نہیں دیا تھا۔ اور اسی طرح محققین نے کہا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے پرندے جب تک لوگوں کی آنکھوں کے سامنے رہتے تھے اڑتے تھے اور جونہی وہ نظروں سے غائب ہوتے۔ نیچے گر جاتے اور اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ آتے۔ پھر ان پرندوں کو حقیقی زندگی کہاں حاصل ہوئی تھی یہی حقیقت ان کے مردے زندہ کرنے کی ہے یعنی انہوں نے کسی مردہ میں کبھی تمام لوازمات زندگی دوبارہ نہیں لوٹائے۔

بلکہ ان کی پاکیزہ روح کی تاثیر سے مردہ میں زندگی کا ایک جلوہ دکھلایا جاتا تھا اور وہ مردہ اسی وقت تک زندہ رہتا تھا جب تک حضرت عیسٰی علیہ السلام اس کے پاس کھڑے یا بیٹھے رہتے۔ جب آپ وہاں سے چلے جاتے تو مردہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ آتا اور مر جاتا پس یہ زندہ کرنا احیاءِ اعجازی تھا حقیقی نہ تھا۔

معجزات اور خوارق

قُلۡنَا یٰنَارُ کُوۡنِیۡ بَرۡدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ۔ (الانبیاء:70)

اس دقیقہ کو دنیا کی عقل نہیں سمجھ سکتی کہ انسانِ کامل خدا تعالیٰ کے روح کا جلوہ گاہ ہوتا ہے اور جب کبھی کامل انسان پر ایک ایسا وقت آ جاتا ہے کہ وہ اس جلوہ کا عین وقت ہوتا ہے تو اس وقت ہر ایک چیز اس سے ایسی ڈرتی ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ سے۔ اس وقت اس کو درندہ کے آگے ڈال دو۔ آگ میں ڈال دو وہ اس سے کچھ بھی نقصان نہیں اٹھائے گا کیونکہ اس وقت خدا تعالےٰ کی روح اس پر ہوتی ہے اور ہر یک چیز کا عہد ہے کہ اس سے ڈرے۔ یہ معرفت کا ایک اخیری بھید ہے جو بغیر صحبت کاملین سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ چونکہ یہ نہایت دقیق اور پھر نہایت درجہ نادر الوقوع ہے اس لئے ہر ایک فہم اس فلاسفی سے آگاہ نہیں مگر یہ یاد رکھو کہ ہر یک چیز خدا تعالیٰ کی آواز سنتی ہے۔ ہر یک چیز پر خدا تعالیٰ کا تصرف ہے اور ہر یک چیز کی تمام ڈوریاں خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اس کی حکمت ایک بے انتہاء حکمت ہے جو ہر یک ذرہ کی جڑھ تک پہنچی ہوئی ہے اور ہر یک چیز میں اتنی ہی خاصیتیں ہیں جتنی اس کی قدرتیں ہیں۔ جو شخص اس بات پر ایمان نہیں لاتا وہ اس گروہ میں داخل ہے جو مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدۡرِہٖ (الانعام:92) کے مصداق ہیں اور چونکہ انسان کامل مظہر اتم تمام عالم کا ہوتا ہے اس لئے تمام عالم اس کی طرف وقتاً فوقتاً کھینچا جاتا ہے۔ وہ روحانی عالم کا ایک عنکبوت ہوتا ہے اور تمام عالم اس کی تاریں ہوتی ہیں اور خوارق کا یہی سر ہے۔

برکاروبار ہستی اثری ست عارفاں را زجہاں چہ دید آں کس کہ ندید ایں جہاں را

(ترجمہ:- زندگی کے کاروبار میں عارفین مؤثر ہوتے ہیں۔ جس نے یہ مشاہدہ نہیں کیا اس نے دنیا میں کیا دیکھا ہے۔)

(برکات الدعا۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 31-30 حاشیہ)

خدا راست آں بندگانِ کرام   کہ از بہرِ شان مے کند صبح و شام

خدا کے نیک بندے ایسے بھی ہیں جن کے لیے خدا صبح وشام کو پیدا کرتا ہے۔

بدنبالِ چشمے چوے بنگرند   جہانے بد بنالِ خودمے کشند

جب وہ کن آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو ایک جہاں کو اپنے پیچھے کھینچ لیتے ہیں۔

دراو شاں بہ اظہارِ ہر خیر وشر   نہادست حق خاصیت مستتر

ان میں نیکی اور بدی کے اظہار کے لیے خدا تعالیٰ نے مخفی خاصیت رکھ دی ہے۔

بگفتن اگرچہ خدا نیستند   ولے از خدا ہم جدا نیستند

اگرچہ کہنے کو وہ خدا نہیں ہیں لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہیں۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 322 (اخبار بدر جلد 8 نمبر 27 مورخہ 29 اپریل 1909)

پیشگوئی اور نشان

وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤۡمِنٌ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ یَکۡتُمُ اِیۡمَانَہٗۤ اَتَقۡتُلُوۡنَ رَجُلًا اَنۡ یَّقُوۡلَ رَبِّیَ اللّٰہُ وَ قَدۡ جَآءَکُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ مِنۡ رَّبِّکُمۡ ؕ وَ اِنۡ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیۡہِ کَذِبُہٗ ۚ وَ اِنۡ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبۡکُمۡ بَعۡضُ الَّذِیۡ یَعِدُکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِیۡ مَنۡ ہُوَ مُسۡرِفٌ کَذَّابٌ۔ (المومن:29)

پیشگوئی کا منصب

اگر یہ صحیح ہے کہ خدا صادق کا حامی ہوتا ہے اور اپنے وعدوں کو پورا کرتا ہے نہ افتراؤں کو۔ تو اس اصول کو ماننا ایک منصف کے لئے ضروری ہوگا کہ جو پیشگوئی خدا کے نام پر کی جائے اور وہ پوری ہو جائے تو وہ خدا کی طرف سے ہے اور اگر اس اصول کو نہ مانا جائے تو خدا کی ساری کتابیں بے دلیل رہ جائیں گی اور ان کی سچائی پر یقین کرنے کی راہیں بند ہو جائیں گی۔ اسی کی طرف خدا تعالیٰ اشارہ فرماتا ہے اور کہتا ہے وَ اِنۡ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبۡکُمۡ بَعۡضُ الَّذِیۡ یَعِدُکُمۡ یعنی صادق کی یہ نشانی ہے کہ اس کی بعض پیشگوئیاں پوری ہو جاتی ہیں۔ بعض کی شرط اس لئے لگا دی کہ وعید کی پیشگوئیوں میں رجوع اور توبہ کی حالت میں عذاب کا تخلف جائز ہے گو کوئی بھی شرط نہ ہو پس ممکن ہے عذاب کی پیشگوئیاں ملتوی رکھی جائیں اور اپنی میعاد کے اندر پوری نہ ہوں جیسا کہ یونسؑ کی قوم کے لئے ہوا۔ **غرض خدا کے نام پر جو پیشگوئی پوری ہو جائے اس کی نسبت شک کرنا اور اس کو اتفاق پر محمول کر دینا گویا خدا تعالیٰ کے دینی انتظام پر ایک حملہ ہے اور نبوت کی تمام عمارت کو گرانے کا ارادہ ہے۔**

(استفتاء۔ ر۔خ۔ جلد 12 صفحہ 112)

یقیناً سمجھو کہ خدا تعالیٰ کے مرسل ان نشانات اور تائیدات سے شناخت کئے جاتے ہیں جو خدا تعالےٰ ان کے لئے دکھاتا اور ان کی نصرت کرتا ہے۔ میں اپنے قول میں سچا ہوں اور خدا تعالیٰ جو دلوں کو دیکھتا ہے وہ میرے دل کے حالات سے واقف اور خبردار ہے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں کہہ سکتے جو آل فرعون کے ایک آدمی نے کہا تھا وَ اِنۡ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبۡکُمۡ بَعۡضُ الَّذِیۡ یَعِدُکُمۡ کیا تم یہ یقین نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹوں کا سب سے زیادہ دشمن ہے تم سب مل کر جو مجھ پر حملہ کرو خدا تعالیٰ کا غضب اس سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے پھر اس کے غضب سے کون بچا سکتا ہے۔ (لیکچر لدھیانہ۔ر۔خ۔جلد 20 صفحہ 276)

پیشگوئی کا مقام اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ درجہ کے قرب کے بدوں ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ مقام ہوتا ہے جہاں وہ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی کا مصداق ہوتا ہے اور یہ درجہ تب ملتا ہے جب دَنٰی فَتَدَلّٰی کے مقام پر پہنچے۔ جب تک ظلی طور پر اپنی انسانیت کی چادر کو پھینک کر الوہیت کی چادر کے نیچے اپنے آپ کو نہ چھپائے یہ مقام اسے کب مل سکتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں بعض سلوک کی منزلوں سے ناواقف صوفیوں نے آ کر ٹھوکر کھائی ہے اور اپنے آپ کو وہ خدا سمجھ بیٹھے ہیں اور ان کی اس ٹھوکر سے ایک خطرناک غلطی پھیلی ہے جس نے بہتوں کو ہلاک کر ڈالا اور وہ وحدت الوجود کا مسئلہ ہے جس کی حقیقت سے یہ لوگ ناواقف محض ہوتے ہیں۔

میرا مطلب صرف اس قدر ہے کہ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ وَ مَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی کے درجہ پر جب تک انسان نہ پہنچے اس وقت تک اسے پیشگوئی کی قوت نہیں مل سکتی اور یہ درجہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ انسان قرب الٰہی حاصل کرے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 275)

پیشگوئیوں کا پورا ہونا لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا۔(الاحزاب :63)

سارے نشانات عام لوگوں کے خیالات کے موافق کبھی پورے نہیں ہوا کرتے ہیں تو پھر انبیاء کے وقت اختلاف اور انکار کیوں ہو؟ یہودیوں سے پوچھو کہ کیا وہ مانتے ہیں کہ مسیحؑ کے آنے کے وقت سارے نشانات پورے ہو چکے تھے؟ نہیں۔ یاد رکھو قانون قدرت اور سنت اللہ اس معاملہ میں یہی ہے جو میں پیش کرتا ہوں لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا۔(الاحزاب :63) (ملفوظات جلد دوم صفحہ 381)

وَ لَا یَزَالُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡہُ حَتّٰی تَاۡتِیَھُمُ السَّاعَۃُ بَغۡتَۃً اَوۡ یَاۡتِیَھُمۡ عَذَابُ یَوۡمٍ عَقِیۡمٍ۔(الحج :56)

فثبت من قوليه عزوجل اعنى ولا يزال الذين كفروا فى مرية منه ان العلامات القطعية المزيلة للمرية و الامارات الظاهرة الناطقة الدالة على قرب القيامة لا تظهر ابدا و انما تظهر ايات نظرية التى تحتاج الى التاويلات و لا تظهر الا فى حلل الاستعارات و الا فكيف يمكن ان تنفتح ابواب السماء و ينزل منها عيسٰى امام اعين الناس و فى يده حربة وتنزل الملئكة معه۔

(حمامۃ البشریٰ۔ر۔خ۔جلد 7 صفحہ 303)

(ترجمہ از مرتب) **اللہ عزوجل کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ شک وشبہ کو دور کر دینے والی قطعی علامات اور واضح نشانیاں جو بزبان حال قرب قیامت کا پتہ دیتی ہوں کبھی بھی ظاہر نہیں ہوتیں۔ ہاں صرف ایسی نشانیاں ظاہر** ہوتی ہیں جو غور وفکر اور تاویل کی محتاج ہوتی ہیں اور استعارات کے پردوں میں ہوتی ہیں۔ ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آسمان کے دروازے سے ظاہری طور پر کھل جائیں اور ان میں سے عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کی نظروں کے سامنے ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے نازل ہوں اور فرشتے ان کے ہمراہ ہوں۔

پیشگوئی۔ تعریف اور اقسام

پیشگوئی اور ارادۂ الٰہی میں صرف یہ فرق ہوتا ہے کہ پیشگوئی کی اطلاع نبی کو دی جاتی ہے اور ارادۂ الٰہی پر کسی کو اطلاع نہیں ہوتی اور وہ مخفی رہتا ہے۔ اگر وہی ارادہ الٰہی نبی کی معرفت ظاہر کر دیا جاتا تو وہ پیشگوئی ہوتی اگر پیشگوئی نہیں ٹل سکتی تو پھر ارادہ الٰہی بھی صدقہ وخیرات سے نہیں ٹل سکتا لیکن یہ بالکل غلط بات ہے۔ چونکہ وعید کی پیشگوئیاں ٹل جاتی ہیں اس لئے فرمایا اِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِی یَعِدُکُمْ۔ (المومن:29) اب اللہ تعالیٰ خود گواہی دیتا ہے کہ بعض پیشگوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ٹل گئیں۔..................

حضرت یونسؑ کا قصّہ نہایت دردناک اور عبرت بخش ہے اور وہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے اسے غور سے پڑھو۔ یہاں تک کہ وہ دریا میں گرائے گئے اور مچھلی کے پیٹ میں گئے تب توبہ منظور ہوئی۔ یہ سزا اور عتاب حضرت یونسؑ پر کیوں ہوا؟ اس لئے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کو قادر نہ سمجھا کہ وہ وعید کو ٹال دیتا ہے پھر تم لوگ کیوں میرے متعلق جلدی کرتے ہو؟ اور میری تکذیب کیلئے ساری نبوتوں کو جھٹلاتے ہو۔ (لیکچر لدھیانہ۔ ر۔خ۔ جلد 20 صفحہ 279-277)

یہ نکتہ بھی یادر کھنے کے قابل ہے کہ وعید کی پیشگوئیاں بعض پوری کر دے گا کل نہیں کہا۔ اس میں حکمت کیا ہے؟ حکمت یہی ہے کہ وعید کی پیشگوئیاں مشروط ہوتی ہیں۔ وہ توبہ، استغفار اور رجوع الی الحق سے ٹل جایا کرتی ہیں۔

پیشگوئی دوقسم کی ہوتی ہے۔ ایک وعدہ کی جیسے فرمایا وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ (النور:56) اہل سنت مانتے ہیں کہ اس قسم کی پیشگوئیوں میں تخلف نہیں ہوتا کیونکہ خدا تعالیٰ کریم ہے لیکن وعید کی پیشگوئیوں میں وہ ڈرا کر بخش بھی دیتا ہے اس لئے کہ وہ رحیم ہے۔ بڑا نادان اور اسلام سے دور پڑا ہوا ہے وہ شخص جو کہتا ہے وعید کی سب پیشگوئیاں پوری ہوتی ہیں۔ وہ قرآن کریم کو چھوڑتا ہے اس لئے کہ قرآن کریم تو کہتا ہے یُصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ۔ (المومن:29) (لیکچر لدھیانہ۔ ر۔خ۔ جلد 20 صفحہ 277-276)

مفتری کی پیشگوئی ہرگز پوری نہیں ہوتی

وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ اِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَ اِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ۔ (المومن:29)

خدا تعالیٰ ایک مفتری کی پیشگوئی کہ جو ایک جھوٹے دعویٰ کے لئے بطور شاہد صدق بیان کی گئی ہرگز سچی نہیں کر سکتا۔ وجہ یہ کہ اس میں خلق اللہ کو دھوکہ لگتا ہے جیسا کہ جل شانہٗ خود مدعی صادق کے لئے یہ علامت قرار دے کر فرماتا ہے وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ......خدا تعالیٰ صاف فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ سوچ کر دیکھو کہ اس کے یہی معنی ہیں جو شخص اپنے دعویٰ میں کاذب ہو اس کی پیشگوئی ہرگز پوری نہیں ہوتی۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد5 صفحہ 323)

مفتری کی پیشگوئی اس پر ہی پڑتی ہے

جو کام نفاق طبعی اور دنیا کی گندی زندگی کے ساتھ ہوں گے وہ خود ہی اس زہر سے ہلاک ہو جائیں گے۔ کاذب کبھی کامیاب ہو سکتا ہے؟ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ (المومن:29)۔ کذّاب کی ہلاکت کے واسطے اس کا کذب ہی کافی ہے۔ لیکن جو کام اللہ تعالیٰ کے جلال اور اس کے رسولؐ کی برکات کے اظہار اور ثبوت کے لئے ہوں اور خود اللہ تعالیٰ کے اپنے ہی ہاتھ کا لگا ہوا پودا ہو۔ پھر اس کی حفاظت تو خود فرشتے کرتے ہیں۔ کون ہے؟ جو اس کو تلف کر سکے؟ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 473-472)

وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ (التوبہ :98)

غلام دستگیر قصوری کے بارے میں ذکر تھا۔ حضور نے فرمایا:۔

بطریق تنزل ہم مان لیتے ہیں کہ اس نے صرف ہمارے لیے بددعا کی مگر اب بتاؤ کہ اس کی بددعا کا اثر کیا ہوا؟ کیا وہ الفاظ جو میرے حق میں کہے اور وہ دعا جو میرے برخلاف کی الٹی اس پر ہی نہیں پڑی؟ اب بتلاؤ کہ کیا مقبولان الٰہی کا یہی نشان ہے کہ جو دعا وہ نہایت تضرّع وابتہال سے کریں اس کا الٹا اثر ہو اور اثر بھی یہ کہ خود ہی ہلاک ہو کر اپنے کاذب ہونے پر مہر لگا جاویں۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 200)

ظہور پیشگوئی کا وقت نہیں بتایا جاتا

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (النمل:72)

خدا چاہتا ہے کہ نیکوں کو بچائے اور بدوں کو ہلاک کرے۔ اگر وقت اور تاریخ بتلائی جائے تو ہر ایک شریر سے شریر اپنے واسطے بچاؤ کا سامان کر سکتا ہے۔ اگر وقت کے نہ بتلانے سے پیشگوئی قابل اعتراض ہو جاتی ہے تو پھر تو قرآن شریف کی پیشگوئیوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہاں بھی اس قسم کے لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ (یونس:49) یہ وعدہ کب پورا ہوگا ہمیں وقت اور تاریخ بتلاؤ۔ مگر بات یہ ہے کہ وعید کی پیشگوئیوں میں تعین نہیں ہوتا ورنہ کافر بھی بھاگ کر بچ جائے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 293)

قُلْ اِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْۤ اَمَدًا۔ (الجن:26)

ان کو کہہ دے کہ میں نہیں جانتا کہ عذاب قریب ہے یا دور ہے۔ اب اے سننے والو یاد رکھو کہ یہ بات سچ ہے اور بالکل سچ ہے اور اس کے ماننے کے بغیر چارہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئیاں کبھی ظاہر پر پوری ہوتی ہیں اور کبھی استعارہ کے رنگ میں۔ پس کسی نبی یا رسول کو یہ حوصلہ نہیں کہ ہر جگہ اور ہر پیشگوئی میں یہ دعویٰ کر دے کہ اس طور پر یہ پیشگوئی پوری ہوگی ہاں......اس امر کا دعویٰ کرنا نبی کا حق ہے کہ وہ پیشگوئی جس کو وہ بیان کرتا ہے خارق عادت ہے یا انسانی علم سے وراء الوراء ہے۔ (براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 253)

پیشگوئی کا صدق اس کے ظاہر ہونے پر قائم ہوتا ہے

بہت سی باتیں پیشگوئیوں کے طور پر نبیوں کی معرفت لوگوں کو پہنچتی ہیں اور جب تک وہ اپنے وقت پر ظاہر نہ ہوں ان کی بابت کوئی یقینی رائے قائم نہیں کی جا سکتی لیکن جب ان کا ظہور ہوتا ہے اور حقیقت کھلتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس پیشگوئی کا یہ مفہوم اور منشا تھا اور جو شخص اس کا مصداق ہو یا جس کے حق میں ہو اس کو اس کو علم دیا جاتا ہے......حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں چالیس سال تک روتے رہے آخر جا کر آپ کو خبر ملی تو کہا اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ (یوسف:95) ورنہ اس سے پہلے آپ کا یہ حال ہوا کہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے وَ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ (یوسف:85) تک نوبت پہنچی۔ اسی کے متعلق کیا اچھا کہا ہے ؎

کسے پُرسید زاں گم کردہ فرزند　　که اے روشن گہر پیرِ خرد مند
ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی　　چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 375)

(ترجمہ:۔کسی نے گمشدہ بیٹے کے باپ سے پوچھا کہ اے خوش قسمت اور دانشمند بزرگ تم نے مصر سے اپنے بیٹے کی قمیض کی بوسونگھ لی مگر کنعان کے کوئیں کے اندر کیوں نہ دیکھا۔)

پیشگوئی اور نشان خدا کے ہاتھ میں ہے

وَ قَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ۔۔۔۔۔۔الایۃ (العنکبوت:51)

قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ (الانعام:110) یعنی ان کو کہہ دو کہ نشان اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں جس نشان کو چاہتا ہے اسی نشان کو ظاہر کرتا ہے بندہ کا اس پر زور نہیں ہے کہ جبر کے ساتھ اس سے ایک نشان لیوے یہ جبر اور اقتدار تو آپ ہی کی کتابوں میں پایا جاتا ہے بقول آپ کے مسیح اقتداری معجزات دکھلاتا تھا اور اس نے شاگردوں کو بھی اقتدار بخشا اور آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ اب بھی حضرت مسیح زندہ، حی و قیوم، قادر مطلق، عالم الغیب دن رات آپ کے ساتھ ہے جو چاہو وہی دے سکتا ہے۔ پس آپ حضرت مسیح سے درخواست کریں کہ ان تینوں بیماروں کو آپ کے ہاتھ رکھنے سے اچھا کر دیویں تا نشانی ایمان داری کی آپ میں باقی رہ جاوے ورنہ یہ تو مناسب نہیں کہ ایک طرف اہل حق کے ساتھ بحیثیت سچے عیسائی ہونے کے مباحثہ کریں اور جب سچے عیسائی کے نشان مانگے جائیں تب کہیں کہ ہم میں استطاعت نہیں۔ (جنگ مقدس۔ ر۔خ۔ جلد6 صفحہ 155)

حضرت اقدسؑ کی پیشگوئی

خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ میری پیشگوئیوں میں کوئی بھی امر ایسا نہیں ہے جس کی نظیر پہلے انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیوں میں نہیں ہے۔ یہ جاہل اور بے تمیز لوگ چونکہ دین کے باریک علوم اور معارف سے بے بہرہ ہیں اس لیے قبل اس کے جو عادۃ اللہ سے واقف ہوں بخل کے جوش سے اعتراض کرنے کے لیے دوڑتے ہیں اور ہمیشہ بموجب آیت کریمہ یَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ (التوبۃ:98) میری کسی گردش کے منتظر ہیں اور عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ (التوبۃ: 98) کے مضمون سے بے خبر...... یاد رکھنا چاہیئے کہ زندگی کے درمیانی حصوں میں انبیاء علیہم السلام بھی بلاؤں سے محفوظ نہیں رہے مگر انجام بخیر ہوا۔ اسی طرح اگر ہمیں بھی اس درمیانی مراحل میں کوئی غم پہنچے یا کوئی مصیبت پیش آوے تو اس کو خدا تعالیٰ کا آخری حکم سمجھنا غلطی ہے۔ خدا تعالیٰ کا حتمی وعدہ ہے کہ وہ ہمارے سلسلہ میں برکت ڈالے گا اور اپنے اس بندہ کو بہت برکت دیگا یہاں تک کہ بادشاہ اس بندہ کے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے وہ ہر یک ابتلا اور پیش آمدہ ابتلا کا بھی انجام بخیر کرے گا اور دشمنوں کے ہر ایک بہتان سے انجام کار بریت ظاہر کر دے گا۔

(حقیقۃ المہدی۔ ر۔خ۔ جلد14 صفحہ 443)

معراج

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ (بنی اسرائیل :2)

ترجمہ:۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو رات کے وقت میں سیر کرایا یعنی ضلالت اور گمراہی کے زمانہ میں جو رات سے مشابہ ہے مقامات معرفت اور یقین تک لدّنی طور سے پہنچایا۔

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد1 صفحہ 600 حاشیہ در حاشیہ نمبر 3)

معراج رصحیح مذہب

فان المعراج علی المذہب الصحیح کان کشفا لطیفامع الیقظۃ الروحانیۃ کما لایخفی علی العقل الوھاج و ما صعدالی السماء الا روح سیدنا و نبینا مع جسم نورانی الذی ھو غیر الجسم العنصری الذی ما خلق من التربۃ۔ و ما کان لجسم ارضی ان یرفع الی السماء۔ و عد من اللہ ذی الجبروت و العذۃ۔ و ان کنت فی ریب فاقرء الم نجعل الارض کفاتا احیاء و امواتا (المرسلات:26/27)(الھدٰی۔ر۔خ۔جلد 18صفحہ 364)

(ترجمہ از مرتب) **معراج کے بارے میں صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ ایک لطیف کشف تھا جو روحانی بیداری کی حالت میں ہوا جیسا کہ روشن عقل کے لئے واضح ہے اور آسمان کی طرف صرف ہمارے آقا اور نبی صلعم کی روح نورانی جسم کے ساتھ صعود فرما ہوئی تھی**۔نورانی جسم وہ ہے جو مادی جسم کے علاوہ ہے جو مٹی سے پیدا نہیں ہوا اور مادی اور جسمانی جسم کے لئے روا نہیں کہ اسے آسمان کی طرف اٹھایا جائے۔ یہ خدائے قادر و عزیز کا وعدہ ہے اور اگر تمہیں اس بارے میں شک ہو تو آیت کریمہ **الم نجعل الارض کفاتا احیاء و امواتا** کو پڑھو۔

انسان کے جسم دو ہیں ایک زمینی اور دوسرا آسمانی جسم ہے۔زمینی جسم کے متعلق قرآن شریف میں آیا ہے۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ کِفَاتًا(المرسلٰت:26)۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج جس جسم کے ساتھ ہوا وہ آسمانی جسم تھا۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 342)

معراج روحانی بیداری میں ہوا

وَ اِذْ قُلْنَا لَکَ اِنَّ رَبَّکَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْ یَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَۃً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَۃَ الْمَلْعُوْنَۃَ فِی الْقُرْاٰنِ وَ نُخَوِّفُھُمْ فَمَا یَزِیْدُ ھُمْ اِلَّا طُغْیَانًا کَبِیْرًا۔ (بنی اسرائیل:61)

بخاری میں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ الباری ہے تمام معراج کا ذکر کر کے اخیر میں فَاسْتَیْقَظَ لکھا ہے اب تم خود سمجھ لو کہ وہ کیا تھا۔قرآن مجید میں بھی اس کے لئے رؤیا کا لفظ ہے وَ مَا جَعَلْنَا الرُّؤْ یَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ ۔
(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 634)

معراج ہوئی تھی مگر یہ فانی بیداری اور فانی اشیاء کے ساتھ نہ تھی بلکہ وہ اور رنگ تھا۔ جبرئیل بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا تھا اور نیچے اترتا تھا۔جس رنگ میں اس کا اترنا تھا اسی رنگ میں آنحضرت کا چڑھنا ہوا تھا۔نہ اترنے والا کسی کو اترتا نظر آتا تھا اور نہ چڑھنے والا کوئی چڑھتا ہوا دیکھ سکتا تھا۔حدیث شریف میں جو بخاری میں آیا ہے کہ ثُمَّ اسْتَیْقَظَ یعنی پھر جاگ اُٹھے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 526)

معراج آنحضرتؐ کا روحانی مقام تھا

معراج انقطاع تام تھا اور سرّ اس میں یہ تھا کہ تا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقطہ نفسی کو ظاہر کیا جاوے آسمان پر ہر ایک روح کے لئے ایک نقطہ ہوتا ہے اس سے آگے وہ نہیں جاتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نقطہ نفسی عرش تھا اور رفیق اعلیٰ کے معنے بھی خدا ہی کے ہیں۔ پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اور کوئی معزّز و مکرّم نہیں ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 396)

معراج مکانی اور زمانی

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ۔ (بنی اسرائیل :2)

قرآن شریف کی یہ آیت ...... معراج مکانی اور زمانی دونوں پر مشتمل ہے اور بغیر اس کے معراج ناقص رہتا ہے۔ پس جیسا کہ سیر مکانی کے لحاظ سے خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد الحرام سے بیت المقدس تک پہنچا دیا تھا ایسا ہی سیر زمانی کے لحاظ سے آنجناب کو شوکت اسلام کے زمانہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا برکات اسلامی کے زمانہ تک جو مسیح موعود کا زمانہ ہے پہنچا دیا۔ پس اس پہلو کے رو سے جو اسلام کے انتہاء زمانہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سیر کشفی ہے۔ مسجد اقصیٰ سے مراد مسیح موعود کی مسجد ہے جو قادیان میں واقع ہے جس کی نسبت براہین احمدیہ میں خدا کا کلام یہ ہے۔ مُبَارَکٌ وَّ مُبَارَکٌ وَّ کُلُّ اَمۡرٍ مُّبَارَکٌ یُّجۡعَلُ فِیۡہِ اور یہ مبارک کا لفظ جو بصیغہ مفعول اور فاعل واقع ہو قرآن شریف کی آیت بَارَکۡنَا حَوۡلَہٗ کے مطابق ہے۔ پس کچھ شک نہیں جو قرآن شریف میں قادیان کا ذکر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ اس آیت کے ایک تو وہی معنے ہیں جو علماء میں مشہور ہیں یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکانی معراج کا یہ بیان ہے مگر کچھ شک نہیں کہ اس کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک زمانی معراج بھی تھا جس سے یہ غرض تھی کہ تا آپ کی نظر کشفی کا کمال ظاہر ہو اور نیز ثابت ہو کہ مسیحی زمانہ کے برکات بھی درحقیقت آپ ہی کے برکات ہیں جو آپ کی توجہ اور ہمت سے پیدا ہوئی ہیں

اسی وجہ سے مسیح ایک طور سے آپ ہی کا رُوپ ہے اور وہ معراج یعنی بلوغ نظر کشفی دینا کی انتہا تک تھا جو مسیح کے زمانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس معراج میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد الحرام سے مسجد اقصٰی تک سیر فرما ہوئے وہ مسجد اقصٰی یہی ہے جو قادیان میں بجانب مشرق واقع ہے جس کا نام خدا کے کلام نے مبارک رکھا ہے۔ یہ مسجد جسمانی طور پر مسیح موعود کے حکم سے بنائی گئی ہے اور روحانی طور پر مسیح موعود کے برکات اور کمالات کی تصویر ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بطور موہبت ہیں اور جیسا کہ مسجد الحرام کی روحانیت حضرت آدم اور حضرت ابراہیم کے کمالات ہیں اور بیت المقدس کی روحانیت انبیاء بنی اسرائیل کے کمالات ہیں ایسا ہی مسیح موعود کی یہ مسجد اقصٰی جس کا قرآن شریف میں ذکر ہے اس کے روحانی کمالات کی تصویر ہے۔

(خطبہ الہامیہ۔ ر۔خ۔ جلد16 صفحہ 22-21 حاشیہ)

آنحضرت کے معراج کی تین اقسام

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج تین قسم پر منقسم ہے۔ سیر مکانی اور سیر زمانی اور سیر لامکانی ولازمانی۔ سیر مکانی میں اشارہ ہے طرف غلبہ اور فتوحات کے یعنی یہ اشارہ کہ اسلامی ملک مکّہ سے بیت المقدس تک پھیلے گا اور سیر زمانی میں اشارہ ہے طرف تعلیمات اور تاثیرات کے یعنی یہ کہ مسیح موعود کا زمانہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیرات سے تربیت یافتہ ہوگا جیسا کہ قرآن میں فرمایا ہے **وَاٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ** (**الجمعة:4**) اور سیر لامکانی ولازمانی میں اشارہ ہے طرف اعلیٰ درجہ کے قرب اللہ اور مدانات کی جس پر دائرہ امکان قرب کا ختم ہے۔

(خطبہ الہامیہ۔ ر۔خ۔ جلد16 صفحہ 26 حاشیہ)

چھٹی فصل

جنت دوزخ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عمل والے کو میں کس طرح جزاء دوں گا فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ۔ وَ اٰ ثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی (النّٰزعت 38-40) جو شخص میرے حکموں کو نہیں مانے گا میں اس کو بہت بُری طرح سے جہنم میں ڈالوں گا اور ایسا ہو کہ آخر جہنم تمہاری جگہ ہوگی۔ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی۔ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی (النّٰزعت 41-42) اور جو شخص میری عدالت کے تخت کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے گا اور خیال رکھے گا تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کا ٹھکانہ جنت میں کروں گا۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 371)

تعریف جنت دوزخ

رحم الٰہی کی تجلی عظمٰی راست بازوں اور ایمان داروں پر ایک جدید طور سے لذّات کاملہ کی بارش کر کے اور تمام سامان بہشتی زندگی کا حسی اور جسمانی طور پر ان کو دکھلا کر اس نئے طور کے دارالسلام میں ان کو داخل کردے گی۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ کی قہری تجلی جہنم کو بھی بعد از حساب اور الزام صریح کے نئے رنگ میں دکھلا کر گویا جہنمی لوگوں کو نئے سرے جہنم میں داخل کرے گی۔ روحانی طور پر بہشتیوں کا بلا توقف بعد موت کے بہشت میں داخل ہو جانا اور دوزخیوں کا دوزخ میں گرایا جانا متواتر قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

(ازالہ اوہام۔ ر۔ خ۔ جلد 3 صفحہ 279)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰ مَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَ یُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ...... (التحریم:9)

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن شریف کی رو سے دوزخ اور بہشت دونوں اصل میں انسان کی زندگی کے اظلال اور آثار ہیں کوئی ایسی نئی جسمانی چیز نہیں ہے کہ جو دوسری جگہ سے آوے۔ یہ سچ ہے کہ وہ دونوں جسمانی طور سے متمثّل ہوں گے مگر وہ اصل روحانی حالتوں کے اظلال و آثار ہوں گے۔ ہم لوگ ایسی بہشت کے قائل نہیں کہ صرف جسمانی طور پر ایک زمین پر درخت لگائے گئے ہوں اور نہ ایسی دوزخ کے ہم قائل ہیں جس میں درحقیقت گندھک کے پتھر ہیں مگر اسلامی عقیدہ کے موافق بہشت دوزخ انہی اعمال کے انعکاسات ہیں جو دنیا میں انسان کرتا ہے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔ خ۔ جلد 10 صفحہ 413-414)

وَ مَنۡ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَکُبَّتۡ وُجُوۡھُھُمۡ فِی النَّارِ ھَلۡ تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ۔ (النمل:91)

بدی کرنے والے اس دن جہنم میں گرائے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ یہ جزا درحقیقت وہی تمہارے اعمال ہیں جو تم دنیا میں کرتے تھے یعنی خدا تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرے گا بلکہ نیکی کے اعمال جنت کی صورت میں اور بدی کے اعمال دوزخ کی صورت میں ظاہر ہو جائیں گے۔ (آئینہ کمالات اسلام ۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 148)

نَارُ اللّٰہِ الۡمُوۡقَدَۃُ۔ الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَی الۡاَفۡئِدَۃِ ۔ (الھمزۃ:8-7)

میرے دوستوں کی نظر سے یہ امر ہرگز پوشیدہ نہ رہے کہ انسان مال و دولت یا زن و فرزند کی محبت کے جوش اور نشے میں ایسا دیوانہ اور از خود رفتہ نہ ہو جاوے کہ اس میں اور خدا تعالیٰ میں ایک حجاب پیدا ہو جاوے مال اور اولاد اسی لئے تو فتنہ کہلاتی ہے ان سے بھی انسان کے لئے ایک دوزخ تیار ہوتا ہے اور جب وہ ان سے الگ کیا جاتا ہے تو سخت بے چینی اور گھبراہٹ ظاہر کرتا ہے اور اس طرح پر یہ بات کہ نَارُ اللّٰہِ الۡمُوۡقَدَۃُ۔ الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَی الۡاَفۡئِدَۃِ (الھمزۃ :8-7) منقولی رنگ میں نہیں رہتا بلکہ معقولی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پس یہ آگ جو انسانی دل کو جلا کر کباب کر دیتی ہے اور ایک جلے ہوئے کوئلے سے بھی سیاہ اور تاریک بنا دیتی ہے یہ وہی غیر اللہ کی محبت ہے۔ دو چیزوں کے باہم تعلق اور رگڑ سے ایک حرارت پیدا ہوتی ہے اسی طرح پر انسان کی محبت اور دنیا اور دنیا کی چیزوں کی محبت کی رگڑ سے الٰہی محبت جل جاتی ہے اور دل تاریک ہو کر خدا سے دور ہو جاتا اور ہر قسم کی بیقراری کا شکار ہو جاتا ہے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 371)

کیفیاتِ جنت

مَثَلُ الۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ وُعِدَ الۡمُتَّقُوۡنَ فِیۡہَاۤ اَنۡہٰرٌ مِّنۡ مَّآءٍ غَیۡرِ اٰسِنٍ وَ اَنۡہٰرٌ مِّنۡ لَّبَنٍ لَّمۡ یَتَغَیَّرۡ طَعۡمُہٗ وَ اَنۡہٰرٌ مِّنۡ خَمۡرٍ لَّذَّۃٍ لِّلشّٰرِبِیۡنَ وَ اَنۡہٰرٌ مِّنۡ عَسَلٍ مُّصَفًّی وَ لَہُمۡ فِیۡہَا مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغۡفِرَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ کَمَنۡ ہُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَ سُقُوۡا مَآءً حَمِیۡمًا فَقَطَّعَ اَمۡعَآءَ ہُمۡ۔ (محمد:16)

وہ بہشت جو پرہیزگاروں کو دیا جائے گا اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک باغ ہے اس میں اس پانی کی نہریں ہیں جو کبھی متعفن نہیں ہوتا اور نیز اس میں اس دودھ کی نہریں ہیں جس کا کبھی مزہ نہیں بدلتا۔ نیز اس میں شراب کی نہریں ہیں جو سراسر سرور بخش ہیں جس کے ساتھ خمار نہیں۔ نیز اس میں اس شہد کی نہریں ہیں جو نہایت صاف ہیں جسکے ساتھ کوئی کثافت نہیں۔ اس جگہ صاف طور پر فرمایا کہ اس بہشت کو مثالی طور پر یوں سمجھ لو کہ ان تمام چیزوں کی اس میں ناپیدا کنار نہریں ہیں۔ وہ زندگی کا پانی جو عارف دنیا میں روحانی طور پر پیتا ہے اس میں ظاہری طور پر موجود ہے اور وہ روحانی دودھ جس سے وہ شیر خوار بچہ کی طرح روحانی طور پر پرورش پاتا ہے بہشت میں ظاہر ظاہر دکھائی دے گا اور وہ خدا

کی محبت کی شراب جس سے وہ دنیا میں روحانی طور پر ہمیشہ مست رہتا تھا اور اب بہشت میں ظاہر ظاہر اسکی نہریں نظر آئیں گی اور وہ حلاوت ایمانی کا شہد جو دنیا میں روحانی طور پر عارف کے منہ میں جاتا تھا وہ بہشت میں محسوس اور نمایاں نہروں کی طرح دکھائی دیگا اور ہر ایک بہشتی اپنی نہروں اور اپنے باغوں کے ساتھ اپنی روحانی حالت کا اندازہ برہنہ کر کے دکھلا دے گا اور خدا بھی اس دن بہشتیوں کے لئے حجابوں سے باہر آ جائے گا۔ غرض روحانی حالتیں مخفی نہیں رہیں گی بلکہ جسمانی طور پر نظر آئیں گی۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔ خ۔ جلد 10 صفحہ 412-411)

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ۔ وَ ادْخُلِيْ جَنَّتِيْ۔ (الفجر: 28 تا 31)

اے نفس خدا کے ساتھ آرام یافتہ اپنے رب کی طرف واپس چلا آ۔ وہ تجھ سے راضی اور تو اس سے راضی۔ پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری بہشت کے اندر آ جا...... یاد رکھنا چاہیئے کہ اعلیٰ درجہ کی روحانی حالت انسان کی اس دنیوی زندگی میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ آرام پا جائے اور تمام اطمینان اور سرور اور لذت اس کی خدا میں ہی ہو جائے۔ یہی وہ حالت ہے جس کو دوسرے لفظوں میں بہشتی زندگی کہا جاتا ہے۔ **اس حالت میں انسان اپنے کامل صدق اور صفا اور وفا کے بدلہ میں ایک نقد بہشت پا لیتا ہے اور دوسرے لوگوں کی بہشت موعود پر نظر ہوتی ہے اور یہ بہشت موجود میں داخل ہوتا ہے۔** (اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔ خ۔ جلد 10 صفحہ 378)

حقیقتِ نعماءِ جنت

بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ۔ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ۔ (الواقعة: 20-19)

اور شراب صافی کے پیالے جو آب زلال کی طرح مصفّٰی ہوں گے بہشتیوں کو دئے جائیں گے۔ وہ شراب ان سب عیبوں سے پاک ہوگی کہ درد سر پیدا کرے یا بیہوشی اور بدمستی اس سے طاری ہو......ظاہر ہے کہ وہ بہشتی شراب دنیا کی شرابوں سے کچھ مناسبت اور مشابہت نہیں رکھتی بلکہ وہ اپنی تمام صفات میں ان شرابوں سے مبائن اور مخالف ہے اور کسی جگہ قرآن شریف میں یہ نہیں بتلایا گیا کہ وہ دنیوی شرابوں کی طرح انگور سے یا قند سیاہ اور کیکر کے چھلکوں سے یا ایسا ہی کسی اور دنیوی مادہ سے بنائی جائے گی بلکہ بار بار کلام الٰہی میں **یہی بیان ہوا کہ اصل تخم اس شراب کا محبت اور معرفت الٰہی ہے جس کو دنیا سے ہی بندہ مومن ساتھ لے جاتا ہے اور یہ بات کہ وہ روحانی امر کیونکر شراب کے طور پر نظر آ جائے گا یہ خدائے تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے جو عارفوں پر مکاشفات کے ذریعہ سے کھلتا ہے اور عقلمند لوگ دوسری علامات و آثار سے اس کی حقیقت تک پہنچتے ہیں۔** (سُرمہ چشم آریہ۔ ر۔ خ۔ جلد 2 صفحہ 157-156)

وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ۔ (الرحمن: 47)

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ ...... هِيَ الْمَاْوٰى۔ (النزعات 42-41) یعنی جو شخص اپنے پروردگار سے ڈر کر تزکیہ نفس کرے اور ماسوائے اللہ سے منہ پھیر کر خدائے تعالیٰ کی طرف رجوع لے آئے تو وہ جنت میں ہے اور جنت اس کی جگہ ہے یعنی خود ایک روحانی جنت بباعث قوت ایمانی و حالت عرفانی اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے جو اس کے ساتھ رہتی ہے اور وہ اس میں رہتا ہے۔ (سُرمہ چشم آریہ۔ ر۔ خ۔ جلد 2 صفحہ 143)

مومن فوراً جنت میں داخل ہوجاتا ہے

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِىْ يَعْلَمُوْنَ۔ بِمَا غَفَرَلِىْ رَبِّىْ وَ جَعَلَنِىْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ۔ (یٰسٓ:28-27)

فاعلم یا اخی ان ھذہ العقیدث ردیة فاسدة ومملوة من سوء الادب۔ اماقرات ما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الجنة تحت قبری و قال ان قبر المومن روضة من روضات الجنة وقال عزوجل فی کتابہ المحکم یایتھاالنفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی(الفجر:31-28)و قال فی مقام اخر قیل ادخل الجنة۔

(حمامۃ البشریٰ۔ر۔خ۔جلد7صفحہ 249)

اے میرے بھائی جان لے کہ یہ عقیدہ ردّی اور فاسد ہے اور بے ادبی سے پُر ہے۔ کیا تو نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نہیں پڑھی کہ جنت میری قبر کے نیچے ہے۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ مومن کی قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور خدائے عزّ وجل نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ **يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىْ اِلٰى رَبِّكِ ۔** (الفجر:31-28)...... یعنی اے نفس مطمئنہ اپنے ربّ کی طرف لوٹ آ اس حال میں کہ تو اسے پسند کرنے والا بھی ہے اور اس کا پسندیدہ بھی۔ پھر تیرا ربّ تجھے کہتا ہے کہ آ میرے خاص بندوں میں داخل ہوجا اور آ میری جنت میں بھی داخل ہوجا۔ اسی طرح ایک اور جگہ قرآن کریم میں فرماتا ہے اسے کہا گیا کہ تو بہشت میں داخل ہوجا۔

دوزخی فوراً دوزخ میں جائیگا

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا۔ (نوح:26)

جولوگ اپنی کثرت نافرمانی کی وجہ سے ایسے فنافی الشیطان ہونے کی حالت میں دنیا سے جدا ہوتے ہیں کہ شیطان کی فرمانبرداری کی وجہ سے بکلی تعلقات اپنے مولیٰ سے توڑ دیتے ہیں ان کے لئے ان کی موت کے بعد صرف دوزخ کی طرف کھڑکی ہی نہیں کھولی جاتی بلکہ وہ اپنے سارے وجود اور سارے قویٰ کے ساتھ خاص دوزخ میں ڈال دیے جاتے ہیں جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے **مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا** مگر پھر بھی وہ لوگ قیامت کے دن سے پہلے اکمل اور اتم طور پر عقوبات جہنم کا مزہ نہیں چکھتے۔

(ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد3صفحہ 284-283)

عالم برزخ

وَ اُزۡلِفَتِ الۡجَنَّۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ۔ وَ بُرِّزَتِ الۡجَحِیۡمُ لِلۡغٰوِیۡنَ۔ (الشعرآء :92-91)

اس درجہ سے اوپر جو ابھی ہم نے بہشتیوں اور دوزخیوں کے لئے بیان کیا ہے ایک اور درجہ دخول جنت دخول جہنم ہے جس کو درمیانی درجہ کہنا چاہیئے اور وہ حشر اجساد کے بعد اور جنت عظمٰی یا جہنم کبرٰی میں داخل ہونے سے پہلے حاصل ہوتا اور بوجہ تعلق جسد کامل قوٰی میں ایک اعلیٰ درجہ کی تیزی پیدا ہو کر اور خدا تعالیٰ کی تجلّی رحم یا تجلّی قہر کا حسب حالت اپنے کامل طور پر مشاہدہ ہو کر اور جنت عظمٰی کو بہت قریب پا کر یا جہنم کبرٰی کو بہت ہی قریب دیکھ کر وہ لذات یا عقوبات ترقی پذیر ہو جاتے ہیں جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ آپ فرماتا ہے۔ وَ اُزۡلِفَتِ الۡجَنَّۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ۔ وَ بُرِّزَتِ الۡجَحِیۡمُ لِلۡغٰوِیۡنَ۔(الشعرا: 91,92) وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَۃٌ ضَاحِکَۃٌ مُّسۡتَبۡشِرَۃٌ وَ وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ عَلَیۡہَا غَبَرَۃٌ تَرۡہَقُہَا قَتَرَۃٌ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکَفَرَۃُ الۡفَجَرَۃُ۔(عبس:43-39) اس دوسرے درجہ میں بھی لوگ مساوی نہیں ہوتے بلکہ اعلیٰ درجہ کے بھی ہوتے ہیں جو بہشتی ہونے کی حالت میں بہشتی انوار اپنے ساتھ رکھتے ہیں...... ایسا ہی دوزخی ہونے کی حالت میں اعلیٰ درجہ کے کفار ہوتے ہیں کہ قبل اس کے جو کامل طور پر دوزخ میں پڑیں ان کے دلوں پر دوزخ کی آگ بھڑکائی جاتی ہے۔ (ازالہ اوہام۔ ر۔ خ۔ جلد 3 صفحہ 284)

جہنم دائمی نہیں

وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ۔ (البقرة :40)

ہمارا ایمان یہی ہے کہ دوزخ میں ایک عرصہ تک آدمی رہے گا پھر نکل آئے گا گویا جن کی اصلاح نبوت سے نہیں ہو سکی ان کی اصلاح دوزخ کریگا۔ حدیث میں آیا ہے۔ یَاۡتِیۡ عَلٰی جَھَنَّمَ زَمَانٌ لَیۡسَ فِیۡھَا اَحَدٌ ۔ یعنی دوزخ پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس میں کوئی متنفس نہیں ہوگا اور نسیم صبا اس کے دروازوں کو کھٹکھٹائے گی۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 309)

جزا سزا

رحمت باری عام ہے

وَ اکۡتُبۡ لَنَا فِیۡ ہٰذِہِ الدُّنۡیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الۡاٰخِرَۃِ اِنَّا ہُدۡنَاۤ اِلَیۡکَ قَالَ عَذَابِیۡۤ اُصِیۡبُ بِہٖ مَنۡ اَشَآءُ وَ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ فَسَاَکۡتُبُہَا لِلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ بِاٰیٰتِنَا یُؤۡمِنُوۡنَ۔ (الاعراف:157)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمت عام اور وسیع ہے اور غضب یعنی عدل بعد کسی خصوصیت کے پیدا ہوتی ہے یعنی یہ صفت قانون الٰہی سے تجاوز کرنے کے بعد اپنا حق پیدا کرتی ہے اور اس کے لیے ضرور ہے کہ اوّل قانون الٰہی ہو اور قانون الٰہی کی خلاف ورزی سے گناہ پیدا ہو اور پھر یہ صفت ظہور میں آتی ہے اور اپنا تقاضا پورا کرنا چاہتی ہے۔

(جنگ مقدس۔ ر۔ خ۔ جلد 6 صفحہ 207)

وعید میں دراصل کوئی وعدہ نہیں ہوتا۔صرف اس قدر ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدّوسیت کی وجہ سے تقاضا فرماتا ہے کہ شخص مجرم کو سزا دے اور بسا اوقات اس تقاضا سے اپنے ملہمین کو اطلاع بھی دیتا رہتا ہے پھر جب شخص مجرم توبہ اور استغفار اور تضرّع اور زاری سے اس تقاضا کا حق پورا کر دیتا ہے تو رحمت الٰہی کا تقاضا غضب کے تقاضا پر سبقت لے جاتا ہے اور اس غضب کو اپنے اندر محجوب و مستور کر دیتا ہے یہی معنے ہیں اس آیت کے کہ عَذَابِیۡ اُصِیۡبُ بِہٖ مَنۡ اَشَآءُ وَ رَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ ۔ یعنی رَحۡمَتِیۡ سَبَقَتۡ غَضَبِیۡ۔ اگر یہ اصول نہ مانا جائے تو تمام شریعتیں باطل ہو جاتی ہیں۔ (تحفہ غزنویہ۔ر۔خ۔جلد15صفحہ 537)

فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ۔ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ۔ (الزلزال:8)

یعنی جو شخص ایک ذرّہ بھر بھی نیک کام کرے وہ بھی ضائع نہیں ہوگا اور ضرور اس کا اجر پائے گا۔

(انوارالاسلام۔ر۔خ۔جلد9صفحہ 56)

خدا تعالیٰ سے جب انسان جدائی لے کر جاتا ہے تو اس کے تمثلات دوزخ ہوتے ہیں۔خدا تعالیٰ کے کلام میں کذب نہیں ہے۔ مَنۡ یَّاۡتِ رَبَّہٗ مُجۡرِمًا۔ (طٰہٰ:75) سچ فرمایا ہے جب انسان عذاب اور درد میں مبتلا ہے اگر وہ زندہ ہے لیکن مردوں سے بھی بدتر ہے وہ زندگی جو مرنے کے بعد انسان کو ملتی ہے وہ صلاح اور تقوٰی کے بدوں نہیں مل سکتی۔جس کو تپ چڑھی ہوئی ہے اسے کیونکر زندہ کہہ سکتے ہیں۔سخت تپ میں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ رات ہے یا دن ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 319)

ضروری اور واقعی طور پر یہ سزائیں نہیں ہیں جو یہاں دی جاتی ہیں بلکہ یہ ایک ظلّ ہے اصل سزاؤں کا اور ان کی غرض ہے عبرت۔

دوسرے عالم کے مقاصد اور ہیں اور وہ بالاتر اور بالاتر ہیں۔وہاں تو مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ کا انعکاسی نمونہ لوگ دیکھ لیں گے اور انسان کو اپنے مخفی در مخفی گناہوں اور عزیمتوں کی سزا بھگتنی پڑے گی۔دنیا اور آخرت کی سزاؤں میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ دنیا کی سزائیں امن قائم کرنے اور عبرت کے لئے ہیں اور آخرت کی سزائیں افعال انسانی کے آخری اور انتہائی نتائج ہیں۔وہاں اسے ضرور سزا ملنی ٹھہری کیونکہ اس نے زہر کھائی ہوئی ہے اور یہ ممکن نہیں کہ بدوں تریاق وہ اس زہر کے اثر سے محفوظ رہ سکے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 19-18)

جزا سزا کا فلسفہ

وَ مَاۤ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَ یَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ۔ (الشوریٰ:31)

انسان کسی اپنی ذاتی لیاقت اور ہنر کی وجہ سے خدا تعالیٰ سے انصاف کا مطالبہ ہرگز نہیں کر سکتا۔ قرآن شریف کی رو سے خدا کے کام سب مالکانہ ہیں۔جس طرح کبھی وہ گناہ کی سزا دیتا ہے ایسا ہی وہ کبھی گناہ کو بخش بھی دیتا ہے یعنی دونوں پہلوؤں پر اس کی قدرت نافذ ہے جیسا کہ مقتضائے مالکیت ہونا چاہیئے اور اگر وہ ہمیشہ گناہ کی سزا دے تو پھر انسان کا کیا ٹھکانہ ہے بلکہ اکثر وہ گناہ بخش دیتا ہے اور تنبیہ کی غرض سے کسی گناہ کی سزا بھی دیتا ہے تا غافل انسان متنبّہ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو جیسا کہ قرآن شریف میں یہ آیت ہے وَ مَاۤ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَ یَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ۔ ......(ترجمہ) جو کچھ تمہیں کچھ مصیبت پہنچتی ہے پس تمہاری بد اعمالی کے سبب سے ہے اور خدا بہت سے گناہ بخش دیتا ہے اور کسی گناہ کی سزا دیتا ہے۔(چشمہ معرفت۔ر۔خ۔جلد23صفحہ 24-23)

وَ کُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰہُ طٰٓئِرَہٗ فِیۡ عُنُقِہٖ وَ نُخۡرِجُ لَہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ کِتٰبًا یَّلۡقٰہُ مَنۡشُوۡرًا۔(بنی اسرائیل:14)

یہ قرآنی اصول ہے کہ ہر ایک عمل پوشیدہ طور پر اپنے نقوش جماتا رہتا ہے۔جس طور کا انسان کا فعل ہوتا ہے اسی کے مناسب حال ایک خدا تعالیٰ کا فعل صادر ہوتا ہے اور وہ فعل اس گناہ کو یا اس کی نیکی کو ضائع ہونے نہیں دیتا بلکہ اس کے نقوش دل پر،منہ پر،آنکھوں پر،ہاتھوں پر،پیروں پر لکھے جاتے ہیں اور یہی پوشیدہ پور پر ایک اعمال نامہ ہے جو دوسری زندگی میں کھلے طور پر ظاہر ہو جائے گا۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی۔ر۔خ۔جلد 10 صفحہ 401)

عذاب کیوں آتا ہے

نَارُ اللّٰہِ الۡمُوۡقَدَۃُ الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَی الۡاَفۡئِدَۃِ (الھمزۃ:8-7)

یا اگر مثلاً ایک انسان اپنی زبان کو کاٹ ڈالے تو خدا تعالیٰ قوت گویائی اس سے چھین لیتا ہے۔یہ سب خدا تعالےٰ کے فعل ہیں جو انسان کے فعل کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ایسا ہی عذاب دینا خدا تعالےٰ کا فعل ہے جو انسان کے اپنے ہی فعل سے پیدا ہوتا اور اسی میں جوش مارتا ہے۔اسی کی طرف اللہ جل شانہٗ اشارہ فرماتا ہے۔ نَارُ اللّٰہِ الۡمُوۡقَدَۃُ الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَی الۡاَفۡئِدَۃِ یعنے خدا کا عذاب ایک عذاب ہے جس کو خدا بھڑکاتا ہے اور پہلا شعلہ اس کا انسان کے اپنے دل پر سے ہی اٹھتا ہے۔یعنی جڑ اس کی انسان کا اپنا ہی دل ہے اور دل کے ناپاک خیالات اس جہنم کے ہیزم ہیں۔پس جبکہ عذاب کا اصل تخم اپنے وجود کی ہی ناپاکی ہے جو عذاب کی صورت پر متمثل ہوتی ہے تو اس سے ماننا پڑتا ہے کہ وہ چیز جو اس عذاب کو دور کرتی ہے وہ راستبازی اور پاکیزگی ہے۔

(کتاب البریہ۔ر۔خ۔جلد 13 صفحہ 82)

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ وَ عَلٰی سَمۡعِہِمۡ وَ عَلٰۤی اَبۡصَارِہِمۡ غِشَاوَۃٌ ۫ وَّ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ۔ (البقرۃ:8)

ہمارے فعل کے ساتھ ایک فعل خدا کا ضرور ہوتا ہے جو ہمارے فعل کے بعد ظہور میں آتا اور اس کا نتیجہ لازمی ہوتا ہے۔سو یہ انتظام جیسا کہ ظاہر سے متعلق ہے ایسا ہی باطن سے بھی متعلق ہے۔ہر ایک ہمارا نیک یا بد کام ضرور اپنے ساتھ ایک اثر رکھتا ہے جو ہمارے فعل کے بعد ظہور میں آتا ہے۔**اور قرآن شریف میں جو خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ آیا ہے اس میں خدا کے مہر لگانے کے یہی معنی ہیں کہ جب انسان بدی کرتا ہے تو بدی کا نتیجہ اثر کے طور پر اس کے دل پر اور مونہہ پر خدا تعالیٰ ظاہر کر دیتا ہے اور یہی معنے اس آیت کے ہیں کہ فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ (الصف:6)** یعنی جبکہ وہ حق سے پھر گئے تو خدا تعالیٰ نے ان کے دل کو حق کی مناسبت سے دور ڈال دیا اور آخر کو معاندانہ جوش کے اثروں سے ایک عجیب کایا پلٹ ان میں ظہور میں آئی اور ایسے بگڑے کہ گویا وہ وہ نہ رہے اور رفتہ رفتہ نفسانی مخالفت کے زہر نے ان کے انوار فطرت کو دبالیا۔ (کتاب البریہ۔ر۔خ۔جلد 13 صفحہ 48-47)

عذاب انبیاء کے انکار سے آتا ہے

مَنِ اھْتَدٰی فَاِنَّمَا یَھْتَدِیْ لِنَفْسِہٖ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْھَا وَ لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل:16)

عادت اللہ ہمیشہ سے اس طرح پر جاری ہے کہ جب دنیا ہر ایک قسم کے گناہ کرتی ہے اور بہت سے گناہ ان کے جمع ہو جاتے ہیں تب اس زمانے میں خدا اپنی طرف سے کسی کو مبعوث فرماتا ہے اور کوئی حصہ دنیا کا اس کی تکذیب کرتا ہے تب اس کا مبعوث ہونا دوسرے شریر لوگوں کی سزا دینے کے لئے بھی جو پہلے مجرم ہو چکے ہیں ایک محرک ہو جاتا ہے اور جو شخص اپنے گذشتہ گناہوں کی سزا پاتا ہے اس کے لئے اس بات کا علم ضروری نہیں کہ اس زمانہ میں خدا کی طرف سے کوئی نبی یا رسول بھی موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ مَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ (حقیقۃ الوحی۔ر۔خ۔جلد22 صفحہ 165-164)

اصل بات یہ ہے کہ نبی عذاب کو نہیں لاتا بلکہ عذاب کا مستحق ہو جانا اتمام حجت کے لئے نبی کو لاتا ہے اور اس کے قائم ہونے کے لئے ضرورت پیدا کرتا ہے اور سخت عذاب بغیر نبی قائم ہونے کے آتا ہی نہیں جیسا قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔وَ مَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔

(تجلیات الٰہیہ۔ر۔خ۔جلد20 صفحہ 400)

اگر میں نہ آیا ہوتا تو ان بلاؤں میں کچھ تاخیر ہو جاتی پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب کے وہ مخفی ارادے جو ایک بڑی مدت سے مخفی تھے ظاہر ہو گئے جیسا کہ خدا نے فرمایا۔ وَ مَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔اور توبہ کرنے والے امان پائیں گے اور وہ جو بلا سے پہلے ڈرتے ہیں ان پر رحم کیا جائے گا۔

(حقیقۃ الوحی۔ر۔خ۔جلد22 صفحہ 268)

وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا۔ (نوح:27)

جب ارادہ الٰہی کسی قوم کی تباہی سے متعلق ہوتا ہے تو نبی میں درد کی حالت پیدا ہوتی ہے وہ دعا کرتا ہے پھر اس قوم کی تباہی یا خیر خواہی کے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں۔ دیکھو نوح علیہ السلام پہلے صبر کرتے رہے اور بڑی مدت تک قوم کی ایذائیں سہتے رہے۔ پھر ارادہ الٰہی جب ان کی تباہی سے متعلق ہوا تو درد کی حالت پیدا ہوئی اور دل سے نکلا۔ وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا۔جب تک خدا تعالیٰ کا ارادہ نہ ہو وہ حالت پیدا نہیں ہوتی۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال پہلے صبر کرتے رہے پھر جب درد کی حالت پیدا ہوئی تو قتال کے ذریعہ مخالفین پر عذاب نازل ہوا۔خود ہماری نسبت دیکھو جب یہ شبہ چنتک جاری ہوا تو اسکا ذکر تک بھی نہیں کیا گیا مگر جب ارادہ الٰہی اس کی تباہی کے متعلق ہوا تو ہماری توجہ اس طرف بے اختیار ہو گئی اور پھر تم دیکھتے ہو کہ رسالہ ابھی اچھی طرح شائع بھی نہ ہونے پایا کہ خدا تعالیٰ کی باتیں پوری ہو گئیں۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 199)

خدا کی ناراضگی ان پر ہوتی ہے جن پر فضل وعنایات ہوں

اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ ہمیشہ اس کا عتاب ان لوگوں پر ہوتا ہے جن پر اس کے فضل اور عطایات بے شمار ہوں اور جنہیں وہ اپنے نشانات دکھا چکا ہوتا ہے۔ وہ ان لوگوں کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوتا کہ انہیں عتاب یا خطاب یا ملامت کرے جن کے خلاف اس کا آخری فیصلہ نافذ ہونا ہوتا ہے چنانچہ ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے۔ فَاصۡبِرۡ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الۡعَزۡمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسۡتَعۡجِلۡ لَّهُمۡ (الاحقاف:36) اور فرماتا ہے۔ وَلَا تَکُنۡ کَصَاحِبِ الۡحُوۡتِ۔ (القلم:49)...... یہ حجت آمیز عتاب اس بات پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت جلد فیصلہ کفار کے حق میں چاہتے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ اپنے مصالح اور سنن کے لحاظ سے بڑے توقف اور حلم کے ساتھ کام کرتا ہے لیکن آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو ایسا کچلا اور پیسا کہ ان کا نام ونشان مٹا دیا۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 212)

خدا کے حضور توبہ

وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ۔ (الزلزال:9)

وَ هُوَ الَّذِیۡ یَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَ یَعۡفُوۡا عَنِ السَّیِّاٰتِ (الشوریٰ:26) یعنی تمہارا خدا وہ خدا ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی بدیاں ان کو معاف کر دیتا ہے۔ کسی کو یہ دھوکہ نہ لگے کہ قرآن شریف میں یہ آیت بھی ہے وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ یعنی جو شخص ایک ذرّہ بھی شرارت کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا۔ پس یاد رہے کہ اس میں اور دوسری آیات میں کچھ تناقض نہیں کیونکہ **اس شرّ سے وہ شرّ مراد ہے جس پر انسان اصرار کرے اور اس کے ارتکاب سے باز نہ آوے اور توبہ نہ کرے۔ اسی غرض سے اس جگہ شرّ کا لفظ استعمال کیا ہے نہ ذنب کا۔ تا معلوم ہو کہ اس جگہ کوئی شرارت کا فعل مراد ہے جس سے شریر آدمی باز آنا نہیں چاہتا ورنہ سارا قرآن شریف اس بارہ میں بھرا پڑا ہے کہ ندامت اور توبہ اور ترک اصرار اور استغفار سے گناہ بخشے جاتے ہیں بلکہ خدا تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے پیار کرتا ہے۔** (چشمہ معرفت۔ ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 24)

انبیاء کا استغفار

فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ اسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا۔ (النصر:4)

چونکہ ان (انبیاء) کی معرفت بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جبروت کے مقام کو شناخت کرتے ہیں اس لئے نہایت انکسار اور عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ نادان جن کو اس مقام کی خبر نہیں ہے وہ اس پر اعتراض کرتے ہیں حالانکہ یہ ان کی کمال معرفت کا نشان ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَ الۡفَتۡحُ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا۔ **فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ اسۡتَغۡفِرۡهُ** اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا آیا ہے۔ اس میں صاف فرمایا ہے تو استغفار کر۔ اس سے کیا مراد ہے۔ **اس سے یہی مراد ہے کہ تبلیغ کا جو عظیم الشان کام تیرے سپرد تھا دقائق تبلیغ کا پورا پورا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اس لئے اگر اس میں کوئی کمی رہی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کردے۔** یہ استغفار تو نبیوں اور راست بازوں کی جاں بخش اور عزیز بخش چیز ہے۔ اب اس پر نادان اور کوتاہ اندیش اعتراض کرتے ہیں۔ جہاں استغفار کا لفظ انہوں نے سن لیا جھٹ اعتراض کر دیا حالانکہ اپنے گھر میں دیکھیں تو مسیح کہتا ہے مجھے نیک مت کہہ۔ اس کی تاویل عیسائی یہ کرتے ہیں کہ مسیح کا منشاء یہ تھا کہ مجھے خدا

کہو۔ یہ کیسے تعجب کی بات ہے۔کیا مسیح کوان کی والدہ مریم یاان کے بھائی خدا کہتے تھے جووہ یہی آرزواس شخص سے رکھتے تھے کہ بھی خدا کہے۔انہوں نے یہ لفظ تو اپنے عزیزوں اور شاگردوں سے بھی نہیں سنا تھا۔وہ بھی استاد استاد ہی کرتے تھے پھر یہ آرزواس غریب سے کیونکران کو ہوئی۔کیا وہ خوش ہوتے تھے کہ کوئی انہیں خدا کہے یہ بالکل غلط ہے ان کو نہ کسی نے خدا کہا اور نہ انہوں نے کہلوایا۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 316-315)

اِنَّـا فَتَـحْـنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۔ لِّيَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَيْکَ وَيَهْدِيَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا۔ (الفتح:3-2)

ذنب انبیاء

ہم نے ایک فتح عظیم جو ہماری طرف سے ایک عظیم الشان نشان ہے تجھ کوعطا کی ہے تا ہم وہ تمام گناہ جو تیری طرف منسوب کئے جاتے ہیں ان پر اس فتح نمایاں کی نورانی چادر ڈال کرنکتہ چینوں کا خطا کا رہونا ثابت کریں۔

(اربعین۔ر۔خ۔جلد 17 صفحہ 451)

كَـانُوْا قَلِيْـلًا مِّنَ الَّيْـلِ مَـايَهْجَعُوْنَ۔ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ (الذّٰریٰت آیات 19-18)

ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔کہ خدائے تعالیٰ ہمیں یہی حکم نہیں کرتا کہ جس وقت تم سے کوئی گناہ سرزد ہو اس وقت استغفار کیا کرو۔بلکہ یہ بھی چاہتا ہے کہ بغیر گناہوں کے ارتکاب کے بھی ہم استغفار کیا کریں۔

(ریویو آف ریلیجنز جلد دوم نمبر 6 بابت جون 1903 صفحہ 243)

عصمت انبیاء

عصمتِ انبیاء فرمایا:-

صلیب چونکہ جرائم پیشہ کے واسطے ہے اس واسطے نبی کی شان سے بعید ہے کہ اسے بھی صلیب دی جاوے۔اس لئے توریت میں لکھا تھا کہ جو کاٹھ پر لٹکایا جاوے وہ ملعون ہے۔آتشک وغیرہ جوخبیث امراض خبیث لوگوں کو ہوتے ہیں اس سے بھی انبیاء محفوظ رہتے ہیں نفس قتل انبیاء کے لئے معیوب نہیں ہے مگر کسی نبی کا قتل ہونا ثابت نہیں ہے جس آلہ سے خبیث قتل ہو۔اسآلہ سے نبی قتل نہیں ہوتا۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 201)

وَ اللّٰہُ يَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۔ (المائدہ :68)

وَ اللّٰہُ يَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ۔خدا تجھے ان لوگوں کے شر سے بچائے گا کہ جو تیرے قتل کرنے کی گھات میں ہیں۔ (براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد 1 صفحہ 250)

خدانے ہم سے وعدہ فرمایا ہے اور اس پر ہمارا ایمان ہے وہ وعدہ وَ اللّٰہُ يَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ کا ہے پس اسے کوئی مخالف آزمالے اور آگ جلا کرہمیں اس میں ڈال دے آگ ہرگز ہم پر کام نہ کریگی اور وہ ضرور ہمیں اپنے وعدہ کے موافق بچالے گالیکن اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ ہم خود آگ میں کودتے پھریں یہ طریق انبیاء کانہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ۔ (البقرۃ :196) پس ہم خود آگ میں دیدہ دانستہ نہیں پڑتے بلکہ یہ حفاظت کا وعدہ دشمنوں کے مقابلہ پر ہے کہ اگر وہ آگ میں ہمیں جلانا چاہیں تو ہم ہرگز نہ جلیں گے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 480)

روح

قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ (بنی اسرائیل:86)

روح کی تعریف

غور کرنا چاہئے کہ ان آیات شریفہ متذکرہ بالا کا کیسا مطلب صاف صاف تھا کہ کفار کی ایک جماعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے بارے میں سوال کیا کہ روح کیا چیز ہے تب ایسی جماعت کو جیسا کہ صورت موجودہ تھی بصیغہ جمع مخاطب کر کے جواب دیا گیا کہ روح عالم امر میں سے ہے یعنی کلمۃ اللہ یا ظل کلمہ ہے جو بحکمت وقدرت الٰہی روح کی شکل پر وجود پذیر ہو گیا ہے اور اس کو خدائی سے کچھ حصہ نہیں بلکہ وہ درحقیقت حادث اور بندہ خدا ہے اور یہ قدرت ربانی کا ایک بھید دقیق ہے جس کو تم اے کافرو سمجھ نہیں سکتے مگر کچھ تھوڑا سا جس کی وجہ سے تم مکلّف بایمان ہو تمہاری عقلیں بھی دریافت کر سکتی ہیں...... یہ ایک بڑی بھاری صداقت کا بیان ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ربوبیت الٰہی دو طور سے ناپیدا چیزوں کو پیدا کرتی ہے اور دونوں طور کے پیدا کرنے میں پیدا شدہ چیزوں کے الگ الگ نام رکھے جاتے ہیں۔ جب خدائے تعالیٰ کسی چیز کو اس طور سے پیدا کرے کہ اس چیز کا کچھ بھی وجود نہ ہو تو ایسے پیدا کرنے کا نام اصطلاح قرآنی میں امر ہے اور اگر ایسے طور سے کسی چیز کو پیدا کرے کہ پہلے وہ چیز کسی اور صورت میں اپنا وجود رکھتی ہو تو اس طرز پیدائیش کا نام خلق ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ بسیط چیز کا عدم محض سے پیدا کرنا عالم امر میں سے ہے اور مرکب چیز کو کسی شکل یا ہیئت خاص سے متشکل کرنا عالم خلق سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ دوسرے مقام میں قرآن شریف میں فرماتا ہے اَلَا لَہُ الۡخَلۡقُ وَ الۡاَمۡرُ (الاعراف:55) یعنی بسائط کا عدم محض سے پیدا کرنا اور مرکبات کو ظہور خاص میں لانا دونوں خدا کے فعل ہیں اور بسیط اور مرکب دونوں خدائے تعالیٰ کی پیدائش ہے۔ (سرمہ چشم آریہ۔ ر۔خ۔ جلد 2 صفحہ 176-173)

روح فانی ہے

روحوں اور اجزاء صغار عالم کا غیر مخلوق اور قدیم اور انادی ہونا اصول آریہ سماج کا ہے اور یہ اصول صریح خلاف عقل ہے اگر ایسا ہو تو پرمیشر کی طرح ہر ایک چیز واجب الوجود ٹھہر جاتی ہے اور خدائے تعالیٰ کے وجود پر کوئی دلیل قائم نہیں رہتی بلکہ کاروبار دین کا سب کا سب ابتر اور خلل پذیر ہو جاتا ہے کیونکہ اگر ہم سب کے سب خدائے تعالیٰ کی طرح غیر مخلوق اور انادی ہی ہیں تو پھر خدائے تعالیٰ کا ہم پر کونسا حق ہے اور کیوں وہ ہم سے اپنی عبادت اور پرستش اور شکر گذاری چاہتا ہے اور کیوں گناہ کرنے سے ہم کو سزا دینے کو طیار ہوتا ہے اور جس حالت میں ہماری روحانی بینائی اور روحانی تمام قوتیں خود بخود قدیم سے ہیں تو پھر ہم کو فانی قوتوں کے پیدا ہونے لے لئے کیوں پرمیشر کی حاجت ٹھہری۔ (سرمہ چشم آریہ۔ ر۔خ۔ جلد 2 صفحہ 110)

وہ جب تک کسی کو چاہے رکھے۔ ہر ایک چیز فناء ہو جانے والی ہے باقی رہنے والی ذات صرف خدا کی ہی ہے روح میں جبکہ ترقی بھی ہوتی ہے اور تنزّل بھی ہوتا ہے تو پھر اس کو ہمیشہ کے واسطے قیام کس طرح ہو سکتا ہے۔ جب تک روح کا قیام ہے وہ امر الٰہی کے قیام کے نیچے ہے۔ خدا کے امر کے ماتحت ہی کسی کا قیام ہو سکتا ہے اور وہی فناء بھی کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ خالق بھی ہے اور ہمیشہ خلق کو مٹاتا بھی ہے۔ مسلمان قدامت کا قائل ہے مگر قدامت نوعی کا نہ کہ قدامت شخصی کا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ پہلے کیا چیزیں تھیں اور کیا نہ تھیں۔ اگر اس کے برخلاف قدامت شخصی کا عقیدہ رکھا جاوے تو وہ دہریت میں داخل ہونا ہوتا ہے۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 87)

صحت مند جسم میں صحت مند روح ہوتی ہے

وَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّتَوَفّٰی وَ مِنۡکُمۡ مَّنۡ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِکَیۡلَا یَعۡلَمَ مِنۡۢ بَعۡدِ عِلۡمٍ شَیۡـًٔا۔ (الحج:6)

ہم بالکل نہیں سمجھ سکتے کہ وہ ہماری روح جو جسم کے ادنیٰ ادنیٰ خلل کے وقت بیکار ہو کر بیٹھ جاتی ہے وہ اس روز کیونکر کامل حالت پر رہے گی جبکہ بالکل جسم کے تعلقات سے محروم کی جائے گی۔ کیا ہر روز ہمیں تجربہ نہیں سمجھاتا کہ روح کی صحت کے لئے جسم کی صحت ضروری ہے۔ جب ایک شخص ہم میں سے پیر فرتوت ہو جاتا ہے تو ساتھ ہی اس کی روح بھی بڈھی ہو جاتی ہے۔ اس کا تمام علمی سرمایہ بڑھاپے کا چور چرا کر لے جاتا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ لِکَیۡلَا یَعۡلَمَ مِنۡۢ بَعۡدِ عِلۡمٍ شَیۡـًٔا۔ (الحج:6) یعنی انسان بڈھا ہو کر ایسی حالت تک پہنچ جاتا ہے کہ پڑھ پڑھا کر جاہل بن جاتا ہے پس ہمارا یہ مشاہدہ اس بات پر کافی دلیل ہے کہ روح بغیر جسم کے کچھ چیز نہیں۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ۔ جلد 10 صفحہ 404)

روح سے ملاقات

یہ بات ممکن تو ہے کہ کشفی طور سے روحوں سے انسان مل سکتا ہے مگر اس امر کے حصول کے واسطے ریاضات شاقہ اور مجاہدات سخت کی اشد ضرورت ہے۔ ہم نے خود آزمایا ہے اور تجربہ کیا ہے اور بعض اوقات روحوں سے ملاقات کر کے باتیں کی ہیں۔ انسان ان سے بعض مفید مطلب امور اور دوائیں وغیرہ بھی دریافت کر سکتا ہے۔ ہم نے خود حضرت عیسیٰؑ کی روح اور آنحضرتؐ اور بعض صحابہ کرامؓ سے بھی ملاقات کی ہے اور اس معاملہ میں صاحب تجربہ ہیں لیکن انسان کے واسطے مشکل یہ ہے کہ جب تک اس راہ میں مشق اور قاعدہ کی پابندی سے مجاہدات نہیں کرتا یہ امر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ ہر ایک کو یہ امر میسر بھی نہیں آ سکتا اس واسطے اس کے نزدیک یہ ایک قصہ کہانی ہی ہوتی ہے اور اس میں حقیقت نہیں ہوتی۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 626)

ساتویں فصل

شادی‘ مہر اور طلاق

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ وَ قَدِّمُوْا لِأَنْفُسِكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا أَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (البقرة:224)

اسلام نے نکاح کرنے سے علت غائی یہی رکھی ہے کہ تا انسان کو وجہ حلال سے نفسانی شہوات کا وہ علاج میسر آوے جو ابتدا سے خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں رکھا گیا ہے اور اس طرح اس کو عفت اور پرہیزگاری حاصل ہو کر ناجائز اور حرام شہوت رانیوں سے بچا رہے کیا جس نے اپنی پاک کلام میں فرمایا کہ **نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ** یعنی تمھاری عورتیں تمھاری کھیتیاں ہیں اس کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ اس کی غرض صرف یہ تھی کہ تا لوگ شہوت رانی کریں اور کوئی مقصد نہ ہو کیا کھیتی سے صرف لہو ولعب ہی غرض ہوتی ہے یا یہ مطلب ہوتا ہے کہ جو بیج بویا گیا ہے اس کو کامل پور پر حاصل کرلیں۔ پھر میں کہتا ہوں کہ کیا جس نے اپنی مقدس کلام میں فرمایا۔ **مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ۔** (النساء:25) یعنی تمھارے نکاح کا یہ مقصود ہونا چاہیے کہ تمھیں عفت اور پرہیزگاری حاصل ہو اور شہوت کے بدنتائج سے بچ جاؤ۔ یہ نہیں مقصود ہونا چاہیے کہ تم حیوانات کی طرح بغیر کسی پاک غرض کے شہوت کے بندے ہو کر اس کام میں مشغول ہو کیا اس حکیم خدا کی نسبت یہ خیال کر سکتے ہیں کہ اس نے اپنی تعلیم میں مسلمانوں کو صرف شہوت پرست بنانا چاہا اور یہ باتیں فقط قرآن شریف میں نہیں بلکہ ہماری معتبر حدیث کی دو کتابیں بخاری اور مسلم میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی روایت ہے۔ (آریہ دھرم۔ ر۔ خ۔ جلد 10 صفحہ 44)

مہر

وَ اٰتُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ...... (النساء:26)

(مہر کی مقدار کس قدر ہو؟) فرمایا کہ تراضی طرفین سے جو ہو اس پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اور شرعی مہر سے یہ مراد نہیں کہ نصوص یا احادیث میں کوئی اس کی حد مقرر کی گئی ہے بلکہ اس سے مراد اس وقت کے لوگوں کے مروجہ مہر سے ہوا کرتی ہے ہمارے ملک میں یہ خرابی ہے کہ نیت اور ہوتی ہے اور محض نمود کے لیے لاکھ لاکھ روپے کا مہر ہوتا صرف ڈراوے کے لیے یہ لکھا جایا کرتا ہے کہ مرد قابو میں رہے اور اس سے پھر دوسرے نتائج خراب نکل سکتے ہیں نہ عورت والوں کی نیت لینے کی ہوتی ہے اور نہ خاوند کے دینے کی۔

میرا مذہب یہ ہے کہ جب ایسی صورت میں تنازعہ آ پڑے تو جب تک اس کی نیت یہ ثابت نہ ہو کہ ہاں رضا رغبت سے وہ اسی قدر مہر پر آمادہ تھا جس قدر کہ مقررہ شدہ ہے تب تک مقرر شدہ نہ دلایا جاوے اور اس کی حیثیت اور رواج وغیرہ کو مدنظر رکھ کر پھر فیصلہ کیا جاوے کیونکہ بدنیتی کی اتباع نہ شریعت کرتی ہے اور نہ قانون۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 284)

تعددِ ازدواج

وَ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَۃً اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ذٰلِکَ اَدۡنٰۤی اَلَّا تَعُوۡلُوۡا۔ (النساء:4)

اسلام سے پہلے اکثر قوموں میں کثرت ازدواج کی سینکڑوں اور ہزاروں تک نوبت پہنچ گئی تھی اور اسلام نے تعدد ازدواج کو کم کیا ہے۔ نہ زیادہ بلکہ یہ قرآن میں ہی ایک فضیلت خاص ہے کہ اس نے ازدواج کی بیحدی اور بےقیدی کو رد کر دیا ہے۔ اور کیا وہ اسرائیلی قوم کے مقدس نبی جنہوں نے سو سو بیوی کی بلکہ بعض نے سات سو تک نوبت پہنچائی وہ اخیر عمر تک حرامکاری میں مبتلا رہے۔ اور کیا ان کی اولاد جن میں سے بعض راست باز بلکہ نبی بھی تھے ناجائز طریق کی اولاد سمجھی جاتی ہے۔ (حجۃ الاسلام۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 47)

کثرت ازدواج کے متعلق صاف الفاظ قرآن کریم میں دو دو، تین تین، چار چار کر کے ہی آرہے ہیں مگر اسی آیت میں اعتدال کی بھی ہدایت ہے۔ اگر اعتدال نہ ہو سکے اور محبت ایک طرف زیادہ ہو جائے یا آمدنی کم ہو اور یا قوائے رجوالیت ہی کمزور ہوں تو پھر ایک سے تجاوز کرنا نہیں چاہیے۔ ہمارے نزدیک یہی بہتر ہے کہ انسان اپنے تئیں ابتلاء میں نہ ڈالے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ۔ (البقرہ :191)

غرض اگر حلال کو حلال سمجھ کر بیویوں کا ہی بندہ ہو جائے، تو بھی غلطی کرتا ہے۔ ہر ایک شخص اللہ تعالیٰ کی منشاء کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس کا یہ منشاء نہیں کہ بالکل زن مرید ہو کر نفس پرست ہی ہو جاؤ اور وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ رہبانیت اختیار کرو بلکہ اعتدال سے کام لو اور اپنے تئیں بے جا کارروائیوں میں نہ ڈالو۔

انبیاء علیہم السلام کے لیے کوئی نہ کوئی تخصیص اگر اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے، تو یہ کوتاہ اندیش لوگوں کی ابلہ فریبی اور غلطی ہے کہ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ دیکھو توریت میں کاہنوں کے فرقہ کے ساتھ خاص مراعات ملحوظ رکھی گئی ہیں۔ اور ہندوؤں کے برہمنوں کے لیے خاص رعائتیں ہیں۔ پس یہ نادانی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی کسی تخصیص پر اعتراض کیا جاوے۔ ان کا نبی ہونا ہی سب سے بڑی خصوصیت ہے جو اور لوگوں میں موجود نہیں۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 155-154)

تعدّدِ ازواج میں عدل

ایک احمدی صاحب نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی کہ تعدد ازواج میں جو عدل کا حکم ہے کیا اس سے یہی مراد ہے کہ مرد بحیثیت اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَی النِّسَآءِ (النساء :35) کے خود ایک حاکم عادل کی طرح جس بیوی کو سلوک کے قابل پاوے ویسا سلوک اس سے کرے یا کچھ اور معنے ہیں۔

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ محبت کو قطع نظر بالائے طاق رکھ کر عملی طور پر سب بیویوں کو برابر رکھنا چاہیئے مثلاً پارچہ جات۔ خرچ خوراک۔ معاشرت حتّٰی کہ مباشرت میں بھی مساوات برتے۔ یہ حقوق اس قسم کے ہیں کہ اگر انسان کو پورے طور پر معلوم ہوں تو بجائے بیاہ کے وہ ہمیشہ رنڈوا رہنا پسند کرے۔ خدا تعالیٰ کی

تہدید کے نیچے رہ کر جو شخص زندگی بسر کرتا ہے وہی ان کی بجا آوری کا دم بھر سکتا ہے۔ایسے لذات کی نسبت جن سے خدا تعالیٰ کا تازیانہ ہمیشہ سر پر رہے تلخ زندگی بسر کرلینی ہزار ہا درجہ بہتر ہے تعدازواج کی نسبت اگر ہم تعلیم دیتے ہیں تو صرف اس لیے کہ معصیت میں پڑنے سے انسان بچا رہے اور شریعت نے اسے بطور علاج کے ہی رکھا ہے کہ اگر انسان اپنے نفس کا میلان اور غلبہ شہوات کی طرف دیکھے اور اس کی نظر بار بار خراب ہوتی ہو تو زنا سے بچنے کے لیے دوسری شادی کرلے لیکن پہلی بیوی کے حقوق تلف نہ کرے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 49-48)

دوسری شادی کی اجازت

اگرچہ عورت بجائے خود پسند نہیں کرتی کہ کوئی اور اس کی سوت آوے مگر اسلام نے جس اصول پر کثرت ازدواج کو رکھا ہے وہ تقویٰ کی بنا پر ہے۔بعض وقت اولاد نہیں ہوتی اور بقائے نوع کا خیال انسان میں ایک فطرتی تقاضا ہے اس لیے دوسری شادی کرنے میں کوئی عیب نہیں ہوتا۔بعض اوقات پہلی بیوی کسی خطرناک مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے اور بہت سے اسباب اس قسم کے ہوتے ہیں پس اگر عورتوں کو پورے طور پر خدا تعالیٰ کے احکام سے اطلاع دی جاوے اور انہیں آگاہ کیا جاوے تو وہ خود بھی دوسری شادی کی ضرورت پیش آنے پر ساعی ہوتی ہیں۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 585-584)

وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ (النساء:20)

درحقیقت نکاح مرد اور عورت کا باہم ایک معاہدہ ہے۔پس کوشش کرو کہ اپنے معاہدہ میں دغاباز نہ ٹھہرو اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء:20) یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ نیک سلوک کے ساتھ زندگی بسر کرو۔اور حدیث میں ہے۔خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ یعنی تم میں سے اچھا وہی ہے جو اپنی بیوی سے اچھا ہے۔سو روحانی اور جسمانی طور پر اپنی بیویوں سے نیکی کرو۔ان کے لیے دعا کرتے رہو اور طلاق سے پرہیز کرو کیونکہ نہایت بدخدا کے نزدیک وہ شخص ہے جو طلاق دینے میں جلدی کرتا ہے۔ جس کو خدا نے جوڑا ہے اس کو ایک گندے برتن کی طرح جلد مت توڑو۔

(تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ۔جلد 17 صفحہ 75 حاشیہ)

چاہیئے کہ بیویوں سے خاوند کا ایسا تعلق ہو جیسے دو سچے اور حقیقی دوستوں کا ہوتا ہے انسان کے اخلاق فاضلہ اور خدا سے تعلق کی پہلی گواہ تو یہی عورتیں ہوتی ہیں اگر انہی سے اس کے تعلقات اچھے نہیں ہیں تو پھر کس طرح ممکن ہے۔کہ خدا سے صلح ہو۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل کے لیے اچھا ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 301-300)

طلاق

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاکٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ وَلَا یَحِلُّ لَکُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّاۤ اٰتَیۡتُمُوۡھُنَّ شَیۡئًا اِلَّاۤ اَنۡ یَّخَافَاۤ اَلَّا یُقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا یُقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَلَاجُنَاحَ عَلَیۡہِمَا فِیۡمَا افۡتَدَتۡ بِہٖ ......اٰیة (البقرة:230)

موجبات طلاق

عورت کا جوڑا اپنے خاوند سے پاک دامنی اور فرماں برداری اور باہم رضامندی پر موقوف ہے اور اگر ان تین باتوں میں سے کسی ایک بات میں بھی فرق آ جاوے تو پھر یہ جوڑ قائم رہنا محالات میں سے ہوجاتا ہے انسان کی بیوی اس کے اعضاء کی طرح ہے پس اگر کوئی عضو سڑ گل جائے یا ہڈی ایسی ٹوٹ جائے کہ قابل پیوند نہ ہو تو پھر بجز کاٹنے کے اور کیا علاج ہے اپنے عضو کو اپنے ہاتھ سے کاٹنا کوئی نہیں چاہتا کوئی بڑی ہی مصیبت پڑتی ہے تب کاٹا جاتا ہے پس جس حکیم مطلق نے انسان کے مصالح کے لیے نکاح تجویز کیا ہے اور چاہا ہے کہ مرد اور عورت ایک ہو جائیں اسی نے مفاسد ظاہر ہونے کے وقت اجازت دی ہے کہ اگر آرام اس میں متصور ہو کہ کرم خوردہ دانت یا سڑے ہوئے عضو یا ٹوٹی ہوئی ہڈی کی طرح موذی کو علیحدہ کر دیا جائے تو اسی طرح کاربند ہو کر اپنے تئیں فوق الطاقت آفت سے بچالیں کیونکہ جس جوڑ سے وہ فوائد مترتب نہیں ہو سکتے کہ جو اس جوڑ کی علت غائی ہیں بلکہ ان کی ضد پیدا ہوتی ہے تو وہ جوڑ درحقیقت جوڑ نہیں ہے۔ (آریہ دھرم۔ر۔خ۔جلد10 صفحہ 66-65)

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعۡضَہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ وَّ بِمَاۤ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَیۡبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ ؕ وَ الّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَہُنَّ فَعِظُوۡہُنَّ وَاہۡجُرُوۡہُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡہُنَّ فَاِنۡ اَطَعۡنَکُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَیۡہِنَّ سَبِیۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیۡرًا۔ (النساء :35)

یہ بھی عورتوں میں خراب عادت ہے کہ وہ بات بات میں مردوں کی نافرمانی کرتی ہیں اور ان کی اجازت کے بغیر ان کا مال خرچ کر دیتی ہیں۔ اور ناراض ہونے کی حالت میں بہت کچھ بُرا بھلا ان کے حق میں کہہ دیتی ہیں۔ ایسی عورتیں اللہ اور رسول کے نزدیک لعنتی ہیں۔ ان کا نماز روزہ اور کوئی عمل منظور نہیں۔ اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے۔ کہ کوئی عورت نیک نہیں ہوسکتی۔ جب تک پوری پوری اپنے خاوند کی فرمانبرداری نہ کرے۔ اور دلی محبت سے اس کی تعظیم بجا نہ لائے۔ اور پس پشت یعنی اس کے پیچھے اس کی خیر خواہ نہ ہو۔ اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

عورتوں پر لازم ہے کہ اپنے مردوں کی تابعدار رہیں۔ ورنہ ان کا کوئی عمل منظور نہیں۔ اور نیز فرمایا ہے کہ اگر غیر خدا کو سجدہ کرنا جائز ہوتا۔ تو میں حکم کرتا۔ کہ عورتیں اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں۔ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے حق میں کچھ بدزبانی کرتی ہے یا اہانت کی نظر سے اس کو دیکھتی ہے۔ اور حکم ربانی سن کر پھر بھی باز نہیں آتی۔ تو وہ لعنتی ہے۔ خدا اور رسول اس سے ناراض ہیں۔ عورتوں کو چاہیئے کہ اپنے خاوندوں کا مال نہ چراویں۔ اور نامحرم سے اپنے تیئں بچائیں۔ اور یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ بغیر خاوند اور ایسے لوگوں کے جن کے ساتھ نکاح جائز نہیں اور جتنے مرد ہیں۔ ان سے پردہ کرنا ضروری ہے جو عورتیں نامحرم لوگوں سے پردہ نہیں کرتیں شیطان ان کے ساتھ ساتھ ہے۔ عورتوں پر یہ بھی لازم ہے۔ کہ بدکار اور بدوضع عورتوں کو اپنے گھروں میں نہ آنے دیں۔ اور ان کو اپنی خدمت میں نہ رکھیں۔ کیونکہ یہ سخت گناہ کی بات ہے۔ کہ بدکار عورت نیک عورت کی ہم صحبت ہو۔ (مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 69-68)

بعض وقت عورت گو ولی ہو اور بڑی عابد اور پرہیز گار اور پاکدامن ہو اور اس کو طلاق دینے میں خاوند کو بھی رحم آتا ہو بلکہ وہ روتا بھی ہو مگر پھر بھی چونکہ اس کی طرف سے کراہت ہوتی ہے اس لیے وہ طلاق دے سکتا ہے۔ مزاجوں کا آپس میں موافق نہ ہونا یہ بھی ایک شرعی امر ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 276)

اگر کوئی عورت اذیت اور مصیبت کا باعث ہو تو ہم کو کیونکر یہ خیال کرنا چاہیے کہ خدا ہم سے ایسی عورت کے طلاق دینے سے ناخوش ہوگا۔ میں دل کی سختی کو اس شخص سے منسوب کرتا ہوں جو اس عورت کو اپنے پاس رہنے دے نہ اس شخص سے جو اس کو ایسی صورتوں میں اپنے گھر سے نکال دے ناموافقت سے عورت کو رکھنا ایسی سختی ہے جس میں طلاق سے زیادہ بیرحمی ہے۔ (آریہ دھرم۔ ر۔ خ۔ جلد 10 صفحہ 53 حاشیہ)

طلاق سے پرہیز کرو

روحانی اور جسمانی پور پر اپنی بیویوں سے نیکی کرو۔ ان کے لیے دعا کرتے رہو اور طلاق سے پرہیز کرو کیونکہ نہایت بدخدا کے نزدیک وہ شخص ہے جو طلاق دینے میں جلدی کرتا ہے۔ جس کو خدا نے جوڑا ہے اس کو ایک گندے برتن کی طرح جلد مت توڑو۔ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ۔ ر۔ خ۔ جلد 17 صفحہ 75 حاشیہ)

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاکٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ...... الایۃ (البقرہ:230)

طلاق ایک وقت میں کامل نہیں ہو سکتی طلاق میں تین طہر ہونے ضروری ہیں فقہا نے ایک ہی مرتبہ تین طلاق دے دینی جائز رکھی ہے مگر ساتھ ہی اس میں یہ رعایت بھی ہے کہ عدت کے بعد اگر خاوند رجوع کرنا چاہے تو وہ عورت اسی خاوند سے نکاح کر سکتی ہے اور دوسرے شخص سے بھی کر سکتی ہے۔

قرآن کریم کی رو سے جب تین طلاق دے دی جاویں تو پہلا خاوند اس عورت سے نکاح نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ کسی اور کے نکاح میں آوے اور پھر وہ دوسرا خاوند بلا عمداً اسے طلاق دے دیوے اگر وہ عمداً اسی لیے طلاق دے گا کہ اپنے پہلے خانوند سے وہ پھر نکاح کر لیوے تو یہ حرام ہوگا کیونکہ اسی کا نام حلالہ ہے جو کہ حرام ہے فقہا نے جو ایک دم کی تین طلاقوں کو جائز رکھا ہے اور پھر عدت کے گزرنے کے بعد اسی خاوند سے نکاح کا حکم دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اول اسے شرعی طریق سے طلاق نہیں دی۔

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو طلاق بہت ناگوار ہے کیونکہ اس سے میاں بیوی دونوں کی خانہ بربادی ہو جاتی ہے اس واسطے تین طلاق اور تین طہر کی مدت مقرر کی کہ اس عرصہ میں دونوں اپنا نیک و بد سمجھ کر اگر صلح چاہیں تو کر لیویں۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 215)

عورت کو خلع کی اجازت ہے

شریعت اسلام نے صرف مرد کے ہاتھ میں ہی یہ اختیار نہیں رکھا کہ جب کوئی خرابی دیکھے یا ناموافقت پاوے تو عورت کو طلاق دے دے بلکہ عورت کو بھی یہ اختیار دیا ہے کہ وہ بذریعہ حاکم وقت کے طلاق لے لے۔ اور جب عورت بذریعہ حاکم کے طلاق لیتی ہے تو اسلامی اصطلاح میں اس کا نام خلع ہے۔ جب عورت مرد کو ظالم پاوے یا وہ اس کو ناحق مارتا ہو یا اور طرح سے ناقابل برداشت بدسلوکی کرتا ہو یا کسی اور وجہ سے ناموافقت ہو یا وہ مرد دراصل نامرد ہو یا تبدیل مذہب کرے یا ایسا ہی کوئی اور سبب پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے عورت کو اس کے گھر میں آباد رہنا ناگوار ہو تو ان تمام حالتوں میں عورت یا اس کے کسی ولی کو چاہیئے کہ حاکم وقت کے پاس یہ شکایت کرے اور حاکم وقت پر یہ لازم ہوگا کہ اگر عورت کی شکایت واقعی درست سمجھے تو اس عورت کو اس مرد سے اپنے حکم سے علیحدہ کر دے اور نکاح کو توڑ دے لیکن اس حالت میں اس مرد کو بھی عدالت میں بلانا ضروری ہوگا کہ کیوں نہ اس عورت کو اس سے علیحدہ کیا جائے۔

(چشمہ معرفت۔ ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 289-288)

مجبوریوں کے وقت عورتوں کے لیے بھی راہ کھلی ہے کہ اگر مرد بیکار ہو جاوے تو حاکم کے ذریعہ سے خلع کرالیں جو طلاق کا قائمقام ہے...... اگر عورت مرد کے تعدد ازواج پر ناراض ہے تو وہ بذریعہ حاکم خلع کر سکتی ہے۔

(کشتی نوح۔ ر۔خ۔ جلد 19 صفحہ 81-80)

ناموافقت میں صلح کے لئے حکم کا قیام

وَ اِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَیۡنِہِمَا فَابۡعَثُوۡا حَکَمًا مِّنۡ اَہۡلِہٖ وَ حَکَمًا مِّنۡ اَہۡلِہَا اِنۡ یُّرِیۡدَاۤ اِصۡلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیۡنَہُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا خَبِیۡرًا۔ (النساء:36)

اگر میاں بیوی کی مخالفت کا اندیشہ ہو تو ایک منصف خاوند کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف بیوی کی طرف سے اگر منصف صلح کرانے کے لیے کوشش کریں گے تو خدا توفیق دیدیگا۔

(آریہ دھرم۔ ر۔خ۔ جلد 10 صفحہ 51)

وَ الَّذِیۡنَ یُتَوَفَّوۡنَ مِنۡکُمۡ وَیَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا یَّتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِہِنَّ اَرۡبَعَۃَ اَشۡہُرٍ وَّ عَشۡرًا...... (البقرۃ:235)

اور جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور جورو ئیں رہ جائیں تو وہ چار مہینے اور دس دن نکاح کرنے سے رکی رہیں۔ (شہادت القرآن۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 336)

مسئلہ سود

اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنۡ جَآءَہٗ مَوۡعِظَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ فَانۡتَہٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ وَ اَمۡرُہٗۤ اِلَی اللّٰہِ وَ مَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ۔ یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَ یُرۡبِی الصَّدَقٰتِ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیۡمٍ۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۔ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ ذَرُوۡا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ۔ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ اِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَکُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِکُمۡ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَ لَا تُظۡلَمُوۡنَ۔ (البقرة:280-276)

سود اجتہادی مسئلہ ہے

ایک شخص نے ایک لمبا خط لکھا کہ سیونگ بنک کا سود اور دیگر تجارتی کارخانوں کا سود جائز ہے یا نہیں کیونکہ اس کے ناجائز ہونے سے اسلام کے لوگوں کو تجارتی معاملات میں بڑا نقصان ہو رہا ہے۔ **حضرت اقدس** نے **فرمایا کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور جب تک کہ اس کے سارے پہلوؤں پر غور نہ کی جائے اور ہر قسم کے ہرج اور فوائد جو اس سے حاصل ہوتے ہیں وہ ہمارے سامنے پیش نہ کیے جاویں۔ ہم اس کے متعلق اپنی رائے دینے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ یہ جائز ہے۔** اللہ تعالیٰ نے ہزاروں طریق روپیہ کمانے کے پیدا کیے ہیں۔ مسلمان کو چاہیئے کہ ان کو اختیار کرے اور اس سے پرہیز رکھے ایمان صراط مستقیم سے وابستہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو اس طرح سے ٹال دینا گناہ ہے مثلاً اگر دنیا میں سؤر کی تجارت ہی سب سے زیادہ نفع مند ہو جاوے تو کیا مسلمان اس کی تجارت شروع کر دیں گے۔ ہاں اگر ہم یہ دیکھیں کہ اس کو چھوڑنا اسلام کے لیے ہلاکت کا موجب ہوتا ہے تب ہم فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ (الانعام:146) کے نیچے لا کر اس کو جائز کہہ دیں گے مگر یہ کوئی ایسا امر نہیں اور یہ ایک خانگی امر اور خود غرضی کا مسئلہ ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 211-210)

سود کی تعریف

ایک صاحب نے سوال کیا کہ ریلوے میں جو لوگ ملازم ہوتے ہیں ان کی تنخواہ میں سے ا/ (ایک آنہ) فی روپیہ کاٹ کر رکھا جاتا ہے پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ روپیہ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ کچھ اور زائد بھی وہ دیتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟ **فرمایا کہ شرع میں سود کی یہ تعریف ہے کہ ایک شخص اپنے فائدے کے لیے دوسرے کو روپیہ قرض دیتا ہے اور فائدہ مقرر کرتا ہے۔ یہ تعریف جہاں صادق آویگی وہ سود کہلا دیگا۔** لیکن جس نے روپیہ لیا ہے اگر وہ وعدہ وعید تو کچھ نہیں کرتا اور اپنی طرف سے زیادہ دیتا ہے تو وہ سود سے باہر ہے چنانچہ انبیاء ہمیشہ شرائط کی رعایت رکھتے آئے ہیں اگر بادشاہ کچھ روپیہ لیتا ہے اور وہ اپنی طرف سے زیادہ دیتا ہے اور دینے والا اس نیت سے نہیں دیتا کہ سود ہے تو وہ بھی سود میں داخل نہیں ہے وہ بادشاہ کی طرف سے احسان ہے۔ پیغمبر خدا نے کسی سے ایسا قرضہ نہیں لیا کہ ادائیگی وقت اسے کچھ نہ کچھ ضرور زیادہ (نہ) دیدیا ہو یہ خیال رہنا چاہیئے کہ اپنی خواہش نہ ہو۔ خواہش کے برخلاف جو زیادہ ملتا ہے وہ سود میں داخل نہیں ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 167-166)

اگر محنت میں شراکت ہو تو وہ آمد سود نہیں ہے

حضرت حکیم نورالدین صاحب نے ایک مسئلہ حضرت اقدسؑ سے دریافت کیا۔ کہ یہ ایک شخص ہیں۔ جن کے پاس بیس بائیس ہزار کے قریب روپیہ موجود ہے۔ ایک سکھ ہے وہ ان کا روپیہ تجارت میں استعمال کرنا چاہتا ہے اور ان کے اطمینان کے لیے اس نے تجویز کی ہے۔ کہ یہ روپیہ بھی اپنے قبضہ میں رکھیں۔ لیکن جس طرح وہ ہدایت کرے۔ اسی طرح ہر ایک شے خرید کر جہاں کہے۔ وہاں روانہ کریں۔ اور جو روپیہ آوے۔ وہ امانت رہے۔ سال کے بعد وہ سکھ دو ہزار چھ سو روپیہ ان کو منافع کا دے دیا کرے گا۔ یہ اس غرض سے یہاں فتویٰ دریافت کرنے آئے ہیں۔ کہ یہ روپیہ جو ان کو سال کے بعد ملے گا اگر سود نہ ہو تو شرکت کر لی جاوے۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ چونکہ انھوں نے خود بھی کام کرنا ہے اور ان کی محنت کو دخل ہے اور وقت بھی صرف کریں گے۔ اس لیے ہر ایک شخص کی حیثیت کے لحاظ سے اس کے وقت اور محنت کی قیمت ہوا کرتی ہے۔ دس دس ہزار اور دس دس لاکھ روپیہ لوگ اپنی محنت اور وقت کا معاوضہ لیتے ہیں۔ لہٰذا میرے نزدیک تو یہ روپیہ جو ان کو وہ دیتا ہے۔ سود نہیں ہے۔ اور میں اس کے جواز کا فتویٰ دیتا ہوں۔ **اب اس ملک میں اکثر مسائل زیروزبر ہو گئے ہیں۔ کل تجارتوں میں ایک نہ ایک حصہ سود کا موجود ہے۔ اس لیے اس وقت نئے اجتہاد کی ضرورت ہے۔**

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 166-165)

اگر حکومت نفع دیتی ہے تو وہ سود نہیں

ایک صاحب نے بیان کیا کہ سید احمد خان صاحب نے لکھا ہے اَضۡعَافًا مُّضٰعَفَةً۔ (ال عمران :131) کی ممانعت ہے۔ فرمایا کہ یہ بات غلط ہے کہ سود در سود کی ممانعت کی گئی ہے اور سود جائز رکھا ہے شریعت کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے یہ فقرے اسی قسم کے ہوتے ہیں جیسے کہا جاتا کہ گناہ در گناہ مت کرتے جاؤ اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ گناہ ضرور کرو۔ **اس قسم کا روپیہ جو کہ گورنمنٹ سے ملتا ہے وہ اسی حالت میں سود ہوگا جبکہ لینے والا اسی خواہش سے روپیہ دیتا ہے کہ مجھ کو سود ملے ورنہ گورنمنٹ جو اپنی طرف سے احساناً دیوے وہ سود میں داخل نہیں ہے۔**

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 167)

سود کی یہ تعریف ہے کہ ایک شخص اپنے فائدے کے لئے دوسرے کو روپیہ قرض دیتا ہے اور فائدہ مقرر کرتا ہے یہ تعریف جہاں صادق آوے گی وہ سود کہلاویگا۔ لیکن جس نے روپیہ لیا ہے اگر وہ وعدہ وعید تو کچھ نہیں کرتا اور اپنی طرف سے زیادہ دیتا ہے اور دینے والا اس نیت سے نہیں دیتا کہ سود ہے وہ بھی سود میں داخل نہیں ہے۔ وہ بادشاہ کی طرف سے احسان ہے پیغمبر خدا نے کسی سے ایسا قرض نہیں لیا کہ ادائیگی کے وقت اسے کچھ نہ کچھ ضرور زیادہ (نہ) دیدیا ہو۔ یہ خیال رہنا چاہیئے کہ اپنی خواہش نہ ہو۔ خواہش کے برخلاف جو زیادہ ملتا ہے وہ سود میں داخل نہیں ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 167-166)

سود حرام ہے

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةَ وَالدَّمَ وَ لَحۡمَ الۡخِنۡزِيۡرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيۡرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَيۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ۔ (البقرة:174)

دیکھو سود کا کس قدر سنگین گناہ ہے۔ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں سؤر کا کھانا تو بحالت اضطرار جائز رکھا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَيۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ۔ (البقرة:174) یعنی جو شخص باغی نہ ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اللہ غفور رحیم ہے مگر سود کے لئے نہیں فرمایا کہ بحالت اضطرار جائز ہے بلکہ اس کے لئے تو ارشاد ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوۡا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ۔ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ (البقرة:280-279) اگر سود کے لین دین سے باز نہ آ ؤ گے تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کا اعلان ہے۔ ہمارا تو یہ مذہب ہے کہ جو خدا تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اسے حاجت ہی نہیں پڑتی۔ مسلمان اگر ابتلاء میں ہیں تو یہ ان کی اپنی ہی بدعملیوں کا نتیجہ ہے۔ ہندو اگر یہ گناہ کرتے ہیں تو مالدار ہوجاتے ہیں مسلمان یہ گناہ کرتے ہیں تو تباہ ہوجاتے ہیں۔ خَسِرَ الدُّنۡيَا وَ الۡاٰخِرَةَ کے مصداق۔ پس کیا ضروری نہیں کہ مسلمان اس سے باز آئیں؟ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ :435)

دیکھو جو حرام پر جلدی نہیں دوڑتا بلکہ اس سے بچتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے لیے حلال کا ذریعہ نکال دیتا ہے۔ مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا (الطلاق:3) جو سود دینے اور ایسے حرام کاموں سے بچے خدا تعالیٰ اس کے لیے کوئی سبیل بنا دے گا۔ ایک کی نیکی اور نیک خیال کا اثر دوسرے پر بھی پڑتا ہے۔ کوئی اپنی جگہ پر استقلال رکھے تو سود خور بھی مفت دینے پر راضی ہو جاتے ہیں۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 436-435)

سودی اموال اشاعت دین کے لئے جائز ہیں

سود کا روپیہ تصرف ذاتی کے واسطے ناجائز ہے۔ لیکن خدا کے واسطے کوئی شے حرام نہیں۔ خدا کے کام میں جو مال خرچ کیا جائے وہ حرام نہیں ہے۔ اس کی مثال اس طرح سے ہے۔ کہ گولی بارود کا چلانا کیسا ہی ناجائز اور گناہ ہو۔ لیکن جو شخص اسے ایک جانی دشمن پر مقابلہ کے واسطے نہیں چلاتا وہ قریب ہے۔ کہ خود ہلاک ہو جائے کیا خدا نے نہیں فرمایا۔ کہ تین دن کے بھوکے کے واسطے سؤر بھی حرام نہیں بلکہ حلال ہے۔ پس سود کا مال اگر ہم خدا کے لیے لگائیں تو پھر کیونکر گناہ ہو سکتا ہے اس میں مخلوق کا حصہ نہیں۔ **لیکن اعلائے کلمہ اسلام میں اور اسلام کی جان بچانے کے لیے اس کا خرچ کرنا ہم اطمینان اور ثلج قلب سے کہتے ہیں۔ کہ یہ بھی فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡہِ (البقرۃ :174) میں داخل ہے۔ یہ ایک استثناء ہے۔ اشاعت اسلام کے واسطے ہزاروں حاجتیں ایسی پڑتی ہیں۔ جن میں مال کی ضرورت ہے۔**

(بدر جلد اول نمبر 26 مورخہ ستمبر 1905 صفحہ 4)

(تفسیر حضرت اقدسؑ جلد دوم صفحہ 388)

بینک کے سود کے متعلق فرمایا

ہمارا یہی مذہب ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ہمارے دل میں ڈالا ہے کہ ایسا روپیہ اشاعت دین کے کام میں خرچ کیا جاوے۔ **یہ بالکل سچ ہے کہ سود حرام ہے لیکن اپنے نفس کے واسطے اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں جو چیز جاتی ہے وہ حرام نہیں رہ سکتی ہے کیونکہ حرمت اشیاء کی انسان کے لیے ہے نہ اللہ تعالیٰ کے واسطے۔** پس سود اپنے نفس کے لیے بیوی بچوں احباب رشتہ داروں اور ہمسایوں کے لیے بالکل حرام ہے۔ لیکن اگر یہ روپیہ خالصۃً اشاعت دین کے لیے خرچ ہو تو ہرج نہیں ہے خصوصاً اسی حالت میں کہ اسلام بہت کمزور ہو گیا ہے اور پھر اس پر دوسری مصیبت یہ ہے کہ لوگ زکوٰۃ بھی نہیں دیتے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 368)

میرا مذہب جس پر خدا نے مجھے قائم کیا ہے۔ اور جو قرآن شریف کا مفہوم ہے وہ یہ ہے کہ اپنے نفس عیال اطفال دوست عزیز کے واسطے اس سود کو مباح نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ پلید ہے۔ اور اس کا گناہ (استعمال) حرام ہے۔ **لیکن اس ضعف اسلام کے زمانہ میں جبکہ دین مالی امداد کا سخت محتاج ہے اسلام کی مدد ضرور کرنی چاہیے۔** جیسا کہ ہم نے مثال کے طور پر بیان کیا ہے۔ کہ جاپانیوں کے واسطے ایک کتاب لکھی جاوے۔ اور کسی فصیح بلیغ جاپانی کو ایک ہزار روپیہ دے کر ترجمہ کرایا جائے۔ اور پھر اس کا دس ہزار نسخہ چھاپ کر جاپان میں شائع کر دیا جاوے۔ ایسے

موقعہ پر سود کا روپیہ لگانا جائز ہے کیونکہ ہر ایک مال خدا کا ہے۔ اور اس طرح پر وہ خدا کے ہاتھ میں جائے گا۔ مگر بایں ہمہ اضطرار کی حالت میں ایسا ہوگا۔ اور بغیر اضطرار یہ بھی جائز نہیں ...... ہمارا منشاء صرف یہ ہے کہ اضطراری حالت میں جب خنزیر کھانے کی اجازت نفسانی ضرورتوں کے واسطے جائز ہے۔ تو اسلام کی ہمدردی کے واسطے اگر انسان دین کو ہلاکت سے بچانے کے واسطے سود کے روپے کو خرچ کر لے۔ تو کیا قباحت ہے۔ یہ اجازت مختص المقام اور مختص الزمان ہے۔ یہ نہیں کہ ہمیشہ کے واسطے اس پر عمل کیا جائے۔ جب اسلام کی نازک حالت نہ رہے۔ تو پھر اس ضرورت کے واسطے بھی سود لینا ویسا ہی حرام ہے۔ کیونکہ دراصل سود کا عام حکم تو حرمت ہی ہے۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 373 حاشیہ)

انشورنس اور بیمہ

انشورنس اور بمیہ پر سوال کیا گیا فرمایا۔ کہ سود اور قمار بازی کو الگ کر کے دوسرے اقراروں اور ذمہ درایوں کو شریعت نے صحیح قرار دیا ہے قمار بازی میں ذمہ داری نہیں ہوتی۔ دنیا کے کاروبار میں ذمہ داری کی ضرورت ہے۔ دوسرے ان تمام سوالوں میں اس امر کا خیال بھی رکھنا چاہیے کہ قرآن شریف میں حکم ہے کہ بہت کھوج نکال کر مسائل نہ پوچھنے چاہئیں۔ مثلاً اب کوئی دعوت کھانے جاوے تو اب اسی خیال میں لگ جاوے کہ کسی وقت حرام کا پیسہ ان کے گھر آیا ہوگا پھر اس طرح تو آخر کار دعوتوں کا کھانا ہی بند ہو جاوے گا۔ خدا کا نام ستار بھی ہے ورنہ دنیا میں عام طور پر راست باز کم ہوتے ہیں مستور الحال بہت ہوتے ہیں یہ بھی قرآن میں لکھا ہے۔ وَلَا تَجَسَّسُوۡا (الحجرات:13) یعنی تجسّس مت کیا کرو ورنہ اس طرح تم مشقت میں پڑو گے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 168-167)

اسلامی فنڈ کا قیام

انسان کو چاہیئے کہ اپنے معاش کے طریق میں پہلے ہی کفایت شعاری مدنظر رکھے تا کہ سودی قرضہ اٹھانے کی نوبت نہ آئے جس سے سود اصل سے بڑھ جاتا ہے۔ ابھی کل ایک شخص کا خط آیا تھا کہ ہزار روپیہ دے چکا ہوں ابھی پانچ چھ سو باقی ہے پھر مصیبت یہ ہے کہ عدالتیں بھی ڈگری دے دیتی ہیں۔ مگر اس میں عدالتوں کا کیا گناہ۔ جب اس کا اقرار موجود ہے تو گویا اس کے یہ معنے ہیں کہ سود دینے پر راضی ہے پس وہاں سے ڈگری جاری ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ **بہتر تھا کہ مسلمان اتفاق کرتے اور کوئی فنڈ جمع کر کے تجارتی طور پر اسے فروغ دیتے تا کہ کسی بھائی کو سود پر قرضہ لینے کی حاجت نہ ہوتی بلکہ اسی مجلس سے ہر صاحب ضرورت اپنی حاجت روائی کر لیتا اور میعاد مقررہ پر واپس دے دیتا۔**

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 435)

باب پنجم

فہمِ قرآن اور ارکانِ ایمان

ایمان کی تعریف

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَھُمۡ لَایُفۡتَنُوۡنَ۔ (العنکبوت:3)

جو شخص ایمان لاتا ہے اسی کو عرفان دیا جاتا ہے۔ایمان اس بات کو کہتے ہیں کہ اس حالت میں مان لینا کہ جبکہ ابھی علم کمال تک نہیں پہنچا اور شکوک وشبہات سے ہنوز لڑائی ہے۔پس جو شخص ایمان لاتا ہے یعنی باوجود کمزوری اور نہ مہیا ہونے کل اسباب یقین کے اس بات کو اغلب احتمال کی وجہ سے قبول کر لیتا ہے وہ حضرت احدیت میں صادق اور راستباز شمار کیا جاتا ہے اور پھر اس کو موہبت کے طور پر معرفت تامہ حاصل ہوتی ہے اور ایمان کے بعد عرفان کا جام اس کو پلایا جاتا ہے۔

(ایام الصلح۔ر۔خ۔جلد14 صفحہ261)

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	پہلی فصل ارکانِ ایمان	
1	ایمان کی تعریف	567
2	ایمان کے مدارج	568
3	مومن کی تعریف	〃
4	ایمان باللہ	569
5	اسماء باری تعالیٰ ...... اسم۔ اللہ	〃
6	تعریف اسم اللہ	571
7	خدا کا اسمِ اعظم	572
8	توحید مدارِ ایمان ہے	〃
9	حقیقی توحید	574
10	توحید کی اقسام	575
11	توحید کے مراتب	〃
12	صفاتِ باری تعالیٰ۔	
	صفاتِ باری تعالیٰ خدا نما ہیں	〃
13	اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذاتی	576
14	امّ الصفات باری تعالیٰ	577
15	خدا تعالیٰ کی صفات تشبیہی اور تنزیہی	〃
16	صفات باری تعالیٰ نوبت بہ نوبت طلوع کرتی ہیں	578
17	صفات باری تعالیٰ ازلی اور ابدی ہیں	〃
18	خداشناسی میں وسط کی تعلیم	579
19	خدا تعالیٰ صفاتِ کاملہ کے منافی کام نہیں کرتا	〃
20	ثبوت ہستی باری تعالیٰ......خدا تعالیٰ کی شناخت فطرتی ہے	580
21	توحید کا نقش قدرت کی ہر چیز میں ہے	581
22	مصنوع اور صانع کے اعتبار سے	〃
23	مخلوق کی طاقت کی حد بندی کے اعتبار سے	582
24	دعا کو سننے کے اعتبار سے	583
25	اگر کوئی اور بھی خدا ہوتا تو دونوں بگڑ جاتے	585
	دوسری فصل ایمان بر ملائکہ	
26	معنی لفظ ملایک	586
27	فرشتوں کی حقیقت معلوم کرنا منع ہے	589
28	ایمان بر ملائکہ اور ابلیس	〃
29	ملائکہ اور صفاتِ باری تعالیٰ	591
30	نزول ملائکہ	〃
31	درجات ملائکہ	592
32	ملائکہ کا دائرہ کار	〃
	تیسری فصل ایمان بر کتب سماوی	
33	ایمان بر کتب سماوی	594
34	قرآن شریف آخری کتاب ہے	595
	چوتھی فصل ایمان بالرسول	
35	ایمان بالرسل کی ضرورت	598
36	نبی کی تعریف	〃
37	انبیاء کی ضرورت	599
38	انتخاب انبیاء	600

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
39	آنحضرت ؐ کی فضیلت تمام انبیاء پر	600
40	نبوت جاری ہے	603
41	انبیاء کی اطاعت	//
42	انبیاء شرک کے مرتکب نہیں ہو سکتے	604
43	انبیاء پر جادو کا اثر نہیں ہو سکتا	//
44	نبی معصوم ہوتے ہیں	//
45	انبیاء اور اجتہادی غلطی	605
46	انبیاء کی ترقی تدریجی ہے	//
47	نبی اور دعا	606
48	نبی اعلیٰ درجہ کی قوم سے ہوتا ہے	//
51	انبیاء قوتِ عشقیہ لے کر آتے ہیں	607
49	انبیاء کا قتل	608
	<u>پانچویں فصل</u>	
	یوم آخر اور قیامت پر ایمان	
50	قیامت برحق ہے	610
51	کیفیت ظہورِ قیامت	611
52	علامات قرب قیامت	612
53	قیامت کب آئے گی	613
54	ظہورِ قیامت اور حصرت اقدس ؑ کا عقیدہ	//

پہلی فصل

ارکانِ ایمان

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ اِلَیْکَ الْمَصِیْرُ۔(البقرہ:286)

یعنی رسول اور اس کے ساتھ کے مومن اس کتاب پر ایمان لائے ہیں جو ان پر نازل کی گئی اور ہر ایک خدا پر ایمان لایا اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور ان کا یہ اقرار ہے کہ ہم خدا کے رسولوں میں تفرقہ نہیں ڈالتے۔ اس طرح پر کہ بعض کو قبول کریں اور بعض کو رد کر دیں۔ بلکہ ہم سب کو قبول کرتے ہیں۔ ہم نے سنا اور ایمان لائے اے خدا ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری طرف ہی ہماری بازگشت ہے۔

(چشمہ معرفت۔ر۔خ۔جلد23 صفحہ 378-377)

ایمان کی تعریف

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَایُفْتَنُوْنَ۔ (العنکبوت:3)

جو شخص ایمان لاتا ہے اسی کو عرفان دیا جاتا ہے۔ ایمان اس بات کو کہتے ہیں کہ اس حالت میں مان لینا کہ جبکہ ابھی علم کمال تک نہیں پہنچا اور شکوک وشبہات سے ہنوز لڑائی ہے۔ پس جو شخص ایمان لاتا ہے یعنی باوجود کمزوری اور نہ مہیا ہونے کل اسباب یقین کے اس بات کو اغلب احتمال کی وجہ سے قبول کر لیتا ہے وہ حضرت احدیت میں صادق اور راستباز شمار کیا جاتا ہے اور پھر اس کو موہبت کے طور پر معرفت تامہ حاصل ہوتی ہے اور ایمان کے بعد عرفان کا جام اس کو پلایا جاتا ہے۔ اسی لئے ایک مرد متقی رسولوں اور نبیوں اور مامورین من اللہ کی دعوت کو سنکر ہر ایک پہلو پر ابتداء امر میں ہی حملہ کرنا نہیں چاہتا بلکہ وہ حصہ جو کسی مامور من اللہ کے منجانب اللہ ہونے پر بعض صاف اور کھلے کھلے دلائل سے سمجھ آ جاتا ہے اسی کو اپنے اقرار اور ایمان کا ذریعہ ٹھہرا لیتا ہے اور وہ حصہ جو سمجھ نہیں آتا اس میں سنت صالحین کے طور پر استعارات اور مجازات قرار دیتا ہے اور اس طرح تناقض کو درمیان سے اٹھا کر صفائی اور اخلاص کے ساتھ ایمان لے آتا ہے تب خدا تعالیٰ اس کی حالت پر رحم کر کے اور اس کے ایمان پر راضی ہو کر اور اس کی دعاؤں کو سنکر معرفت تامّہ کا دروازہ اس پر کھولتا ہے اور الہام اور کشوف کے ذریعہ سے اور دوسرے آسمانی نشانوں کے وسیلہ سے یقین کامل تک اس کو پہنچاتا ہے۔

(ایام الصلح۔ر۔خ۔جلد14 صفحہ 261)

ایمان کے مدارج

کَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡیَقِیۡنِ۔ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِیۡمَ۔ ثُمَّ لَتَرَوُنَّھَا عَیۡنَ الۡیَقِیۡنِ۔ (التکاثر:6 تا8)

ایمان اس اقرار لسانی وتصدیق قلبی سے مراد ہے جو تبلیغ و پیغام کسی نبی کی نسبت محض تقویٰ اور دور اندیشی کے لحاظ سے صرف نیک ظنی کی بنیاد پر یعنی بعض وجوہ کو معتبر سمجھ کر اور اس طرف غلبہ اور رجحان پا کر بغیر انتظار کامل اور قطعی اور واشگاف ثبوت کے دلی انشراح سے قبولیت وتسلیم ظاہر کی جائے لیکن جب ایک خبر کی صحت پر وجوہ کاملہ قیاسیہ اور دلائل کافیہ عقلیہ مل جائیں تو اس بات کا نام ایقان ہے جس کو دوسرے لفظوں میں علم الیقین بھی کہتے ہیں اور جب خدائے تعالیٰ خود اپنے خاص جذبہ اور موہبت سے خارق عادت کے طور پر انوار ہدایت کھولے اور اپنے آلاء ونعماء سے آشنا کرے اور لدنّی طور پر عقل اور علم عطا فرماوے اور ساتھ اس کے ابواب کشف اور الہام بھی منکشف کر کے عجائبات الوہیت کا سیر کرادے اور اپنے محبوبانہ حسن وجمال پر اطلاع بخشے تو اس مرتبہ کا نام عرفان ہے جس کو دوسرے لفظوں میں عین الیقین اور ہدایت اور بصیرت سے بھی موسوم کیا گیا ہے اور جب ان تمام مراتب کی شدت اثر سے عارف کے دل میں ایک ایسی کیفیت حالی عشق اور محبت کے باذنہٖ تعالیٰ پیدا ہو جائے کہ تمام وجود عارف کا اس کی لذت سے بھر جائے اور آسمانی انوار اس کے دل پر بکلی احاطہ کر کے ہر یک ظلمت وقبض وتنگی کو درمیان سے اٹھا دیں یہانتک کہ بوجہ کمال رابطہ عشق ومحبت و بباعث انتہائی جوش صدق وصفا کی بلا اور مصیبت بھی محسوس اللذّت و مدرک الحلاوت ہو تو اس درجہ کا نام اطمینان ہے جس کو دوسرے لفظوں میں حق الیقین اور فلاح اور نجات سے بھی تعبیر کرتے ہیں مگر یہ سب مراتب ایمانی مرتبہ کے بعد ملتے ہیں۔ جو شخص اپنے ایمان میں قوی ہوتا ہے وہ رفتہ رفتہ ان سب مراتب کو پالیتا ہے لیکن جو شخص ایمانی طریق کو اختیار نہیں کرتا اور ہر یک صداقت کے قبول کرنے سے اول قطعی اور یقینی اور نہایت واشگاف ثبوت مانگتا ہے اس کی طبیعت کو اس راہ سے کچھ مناسبت نہیں اور وہ اس لائق ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس قادر غنی بے نیاز کے فیوض حاصل کرے۔ (سرمہ چشم آریہ ۔ ر۔خ۔ جلد2 صفحہ 79-73)

مومن کی تعریف

اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ ثُمَّ لَمۡ یَرۡتَابُوۡا وَجٰھَدُوۡا بِاَمۡوَالِھِمۡ وَاَنۡفُسِھِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوۡنَ۔ (الحجرات:16)

سوا اِس کے نہیں کہ مومن وہ لوگ ہیں جو خدا اور رسول پر ایمان لائے پھر بعد اس کے ایمان پر قائم رہے اور شکوک وشبہات میں نہیں پڑے۔ **دیکھو ان آیات میں خدا تعالیٰ نے حصر کر دیا کہ خدا کے نزدیک مومن وہی لوگ ہیں کہ جو صرف خدا پر ایمان نہیں لاتے بلکہ خدا اور رسول دونوں پر ایمان لاتے ہیں پھر بغیر ایمان بالرسول کے نجات کیونکر ہو سکتی ہے اور بغیر رسول پر ایمان لانے کے صرف توحید کس کام آ سکتی ہے۔**

(حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد22 صفحہ 132)

یہ تمام آیات (آیت زیر تفسیر اور بعض اور جن کا ذکر اس جگہ کیا گیا ہے۔ ناقل) ان لوگوں کے متعلق ہیں جنہوں نے رسول کے وجود پر اطلاع پائی اور رسول کی دعوت ان کو پہنچ گئی اور جو لوگ رسول کے وجود سے بالکل بے خبر رہے اور نہ ان کو دعوت پہنچی ان کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ان کے حالات کا علم خدا کو ہے ان سے وہ وہ معاملہ کرے گا جو اس کے رحم اور انصاف کا مقتضاء ہے۔

(حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 132 حاشیہ)

مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اعمال ان کے ایمان پر گواہی دیتے ہیں۔ جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے اور جو اپنے خدا اوران کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتے ہیں اور تقویٰ کی باریک اور تنگ راہوں کو خدا کے لئے اختیار کرتے اور اس کی محبت میں محو ہو جاتے ہیں اور ہر ایک چیز جو بت کی طرح خدا سے روکتی ہے خواہ وہ اخلاقی حالت ہو یا اعمال فاسقانہ ہوں یا غفلت اور کسل ہو سب سے اپنے تئیں دور تر لے جاتے ہیں۔

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 545)

ایمان باللہ

لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ وَلٰكِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ وَالۡكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ وَ اٰتَى الۡمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الۡقُرۡبٰى وَ الۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِيۡلِ وَ السَّآئِلِيۡنَ وَ فِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالۡمُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِهِمۡ اِذَا عٰهَدُوۡا وَ الصّٰبِرِيۡنَ فِى الۡبَاۡسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَ حِيۡنَ الۡبَاۡسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ۔ (البقرة:178)

اسماء باری تعالیٰ

بسم الله الرحمن الرحيم

اعلم وهب لک الله علم اسماء ه و هداک الى طرق مرضاته و سبل رضائه ان الاسم مشتق من الوسم الذى هو اثر الكیّ فى اللسان العربية يقال اتّسم الرجل اذا جعل لنفسه سمةً يعرف بها و يميز بها عندالعامة۔ (اعجاز المسیح۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 90-89)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے اسماء کا علم عطا فرمائے اور اپنی رضاء اور خوشنودی کی راہوں اور طریقوں پر چلائے۔ جان لیں کہ اسم کا لفظ (جو بسم اللہ میں آیا ہے) وسم سے مشتق ہے اور وسم عربی زبان میں داغ دینے کے نشان کو کہتے ہیں۔ چنانچہ لغت عرب میں اتسم الرجل اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص اپنے لیے کوئی ایسی علامت مقرر کر لے جس سے وہ پہچانا جا سکے اور عوام الناس اسے دوسرے اشخاص سے الگ سمجھ سکیں۔

اسم۔ اللہ و انت تعلم ان اسم الشیء عندالعامة مايعرف به ذالک الشیء۔ واما عندالخواص واهل المعرفة فالاسم لاصل الحقيقة الفیء۔ بل لا شک ان الاسماء المنسوبة الى المسميات من الحضرة الاحدية قدنزلت منها منزلة الصور النوعية وصارت كوكناتٍ لطيور المعانى والعلوم الحكمية وكذالک اسم الله والرحمن والرحيم فى هذه الاية المباركة۔ فان كل واحدمنها يدل على خصائصه وهويته المكتومة۔ والله اسم للذات الالهية الجامعة لجميع انواع الكمال۔

(اعجاز المسیح۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 92-91)

(ترجمہ):- اور آپ جانتے ہیں کہ عوام الناس کے نزدیک کسی چیز کا اسم وہ ہوتا ہے جس سے وہ چیز پہچانی جاتی ہے عین خواص اور اہل علم کے نزدیک اسم شے کی اصل حقیقت کے لیے بطور ظل کے ہے بلکہ یہ امر یقینی ہے کہ اشیاء کے جو نام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں یہ تمام نام ان چیزوں کے لیے ان کی نوعی صورتوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ نام معانی اور علوم حکمیہ کے پرندوں کے لیے بمنزلہ گھونسلوں کے ہیں۔ اور اس بابرکت آیت میں اللہ، رحمٰن اور رحیم ناموں کا یہی حال ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے خصائص اور اپنی مخفی ماہیت پر دلالت کرتا ہے اور اللہ اس ذات الٰہی کا نام ہے جو تمام کمالات کی جامع ہے اور اس جگہ **الرحمٰن اور الرحیم دونوں اسبات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ دونوں صفتیں اللہ کے لیے ثابت ہیں جو ہر قسم کے جمال اور جلال کا جامع ہے۔**

ثم تكرر خلاصة الكلام فى تفسير بسم الله الرحمن الرحيم۔ فاعلم ان اسم الله اسم جامد لا يعلم معناه الا الخبير العليم۔ و قد اخبر عز اسمه بحقيقة هذا الاسم فى هذه الاية ۔ واشار الى انه ذات متصفة بالرحمانية والرحيمية۔ اى متصفة برحمة الامتنان ورحمة مقيدة بالحالة الايمانية۔ و هاتان رحمتان كمآء اصفى وغذآء احلى من منبع الربوبية۔ وكل ما هو دونهما من صفات فهو كشعب لهذه الصفات۔ (اعجاز المسیح ۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 116-115)

(ترجمہ):- اب ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر کا خلاصہ دوبارہ بیان کرتے ہیں۔ پس واضح ہو کہ اللہ کا لفظ اسم جامد ہے اور اس کے معنے سوائے خدائے خبیر وعلیم کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور اللہ تعالیٰ عزّ اسمہ نے اس آیت میں اس اسم کی حقیقت بتائی ہے اور اشارہ کیا ہے کہ اللہ اس ذات کا نام ہے جو رحمانیت اور رحیمیت کی صفات سے متصف ہے یعنی (بلا استحقاق) احسان والی رحمت اور ایمانی حالت سے وابستہ رحمت ہر دو رحمتوں سے (وہ ذات) متصف ہے۔ یہ دونوں رحمتیں صاف پانی اور شیریں غذا کی مانند ہیں جو ربوبیت کے چشمہ سے نکلتی ہیں اور ان دونوں کے علاوہ باقی تمام صفات ان دو صفات کے لیے بمنزلہ شاخوں کے ہیں۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔ اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ۔

الحمد للّٰہ ۔ تمام محامد اس ذات معبود برحق مستجمع جمیع صفات کاملہ کو ثابت ہیں جس کا نام اللہ ہے......
قرآن شریف کی اصطلاح میں اللہ اس ذات کامل کا نام ہے کہ جو معبود برحق مستجمع جمیع صفات کاملہ اور تمام رذائل سے منزّہ اور واحد لاشریک اور مبدءِ جمیع فیوض ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اپنے کلام پاک قرآن شریف میں اپنے نام اللہ کو تمام دوسرے اسماء وصفات کا موصوف ٹھہرایا ہے اور کسی جگہ کسی دوسرے اسم کو یہ رتبہ نہیں دیا۔ پس اللہ کے اسم کو بوجہ موصوفیت تامہ ان تمام صفتوں پر دلالت ہے جن کا وہ موصوف ہے اور چونکہ وہ جمیع اسماء اور صفات کا موصوف ہے اس لئے اس کا مفہوم یہ ہوا کہ وہ جمیع صفات کاملہ پر مشتمل ہے پس خلاصہ مطلب **الحمد للّٰہ** کا یہ نکلا کہ تمام اقسام حمد کے کیا باعتبار ظاہر کے اور کیا باعتبار باطن کے اور کیا باعتبار ذاتی کمالات کے اور کیا باعتبار قدرتی عجائبات کے اللہ سے

مخصوص ہیں اوراس میں کوئی دوسرا شریک نہیں اور نیز جس قدر محامد صحیحہ اور کمالات تامہ کو عقل کسی عاقل کی سوچ سکتی ہے یا فکر کسی متفکر کا ذہن میں لاسکتا ہے وہ سب خوبیاں اللہ تعالیٰ میں موجود ہیں اور کوئی ایسی خوبی نہیں کہ عقل اس خوبی کے امکان پر شہادت دے۔ مگر اللہ تعالیٰ بدقسمت انسان کی طرح اس خوبی سے محروم ہو بلکہ کسی عاقل کی عقل ایسی خوبی پیش ہی نہیں کرسکتی کہ جو خدا میں نہ پائی جائے۔ جہاں تک انسان زیادہ سے زیادہ خوبیاں سوچ سکتا ہے وہ سب اس میں موجود ہیں اوراس کو اپنی ذات اور صفات اور محامد میں من کل الوجوہ کمال حاصل ہے اور رذائل سے بکلی منزّہ ہے۔

(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 436-435 حاشیہ نمبر 11)

اللہ جس کا ترجمہ ہے وہ معبود۔ یعنی وہ ذات جو غیر مدرک اور فوق العقول اور وراء الورا اور دقیق در دقیق ہے جس کی طرف ہر ایک چیز عابدانہ رنگ میں یعنی عشقی فنا کی حالت میں جو نظری فنا ہے یا حقیقی فنا کی حالت میں جو موت ہے رجوع کر رہی ہے۔

(تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ۔جلد17 صفحہ 268)

تعریف اسم اللہ

اَللّٰہُ لَا اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّـذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَابَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَایَؤُدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ۔ (البقرہ:256)

اللہ جو جامع صفات کاملہ اور مستحق عبادت ہے اس کا وجود بدیہی الثبوت ہے کیونکہ وہ حیّ بالذات اور قائم بالذات ہے بجز اس کے کوئی چیز حیّ بالذّات اور قائم بالذّات نہیں یعنی اس کے بغیر کسی چیز میں یہ صفت پائی نہیں جاتی کہ بغیر کسی علّتِ موجدہ کے آپ ہی موجود اور قائم رہ سکے یا کہ اس عالم کی جو کمال حکمت اور ترتیب محکم اور موزون سے بنایا گیا ہے علت موجبہ ہو سکے۔

(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 514-511 حاشیہ در حاشیہ نمبر 3)

الٓمّٓ۔ اللّٰہُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ (آل عمران :2تا4)

قرآنی عقیدہ یہ بھی ہے کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ ہر ایک چیز کا خالق اور پیدا کنندہ ہے اسی طرح وہ ہر ایک چیز کا واقعی اور حقیقی طور پر قیوم بھی ہے یعنی ہر ایک چیز کا اسی کے وجود کے ساتھ بقا ہے اور اس کا وجود ہر یک چیز کے لیے بمنزلہ جان ہے اور اگر اس کا عدم فرض کر لیں تو ساتھ ہی ہر یک چیز کا عدم ہوگا۔ غرض ہر یک وجود کے بقا اور قیام کے لیے اس کی معیت لازم ہے۔

(ست بچن۔ر۔خ۔جلد10 صفحہ 299)

خدا کا اسم اعظم

اللہ حیّ قیّوم بالاتفاق خدا کا اسم اعظم ہے۔ جس کے معنے ہیں روحانی اور جسمانی طور پر زندہ کرنے والا اور ہر دو قسم کی زندگی کا دائمی سہارا اور قائم بالذات اور سب کو اپنی ذاتی کشش سے قائم رکھنے والا اور اللہ جس کا ترجمہ ہے وہ معبود۔ یعنی وہ ذات جو غیر مدرک اور فوق العقول اور وراء الوراء اور دقیق در دقیق ہے جس کی طرف ہر ایک چیز عابدانہ رنگ میں یعنی عشقی فنا کی حالت میں جو نظری فنا ہے یا حقیقی فنا کی حالت میں جو موت ہے رجوع کر رہی ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ تمام نظام اپنے خواص کو نہیں چھوڑتا گویا ایک حکم کا پابند ہے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ جو خدا تعالیٰ کا اسم اعظم ہے یعنی اللہ الحی القیوم اس کے مقابل پر شیطان کا اسم اعظم الدجال ہے

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔ خ۔ جلد 17 صفحہ 268)

توحید مدارِ ایمان ہے

قرآن میں ہمارا خدا اپنی خوبیوں کے بارے میں فرماتا ہے۔ قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ۔ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ یعنی تمہارا خدا وہ خدا ہے جو اپنی ذات اور صفات میں واحد ہے۔ نہ کوئی ذات اس کی ذات جیسی ازلی اور ابدی یعنی انادی اور اکال ہے نہ کسی چیز کے صفات اس کی صفات کے مانند ہیں۔ انسان کا علم کسی معلم کا محتاج ہے اور پھر محدود ہے مگر اس کا علم کسی معلم کا محتاج نہیں اور بایں ہمہ غیر محدود ہے انسان کی شنوائی ہوا کی محتاج ہے اور محدود ہے مگر خدا کی شنوائی ذاتی طاقت سے ہے اور محدود نہیں۔ اور انسان کی بینائی سورج یا کسی دوسری روشنی کی محتاج ہے اور پھر محدود ہے مگر خدا کی بینائی ذاتی روشنی سے ہے اور غیر محدود ہے۔ ایسا ہی انسان کی پیدا کرنے کی قدرت کسی مادہ کی محتاج ہے اور نیز وقت کی محتاج اور پھر محدود ہے لیکن خدا کی پیدا کرنے کی قدرت نہ کسی مادہ کی محتاج ہے نہ کسی وقت کی محتاج اور غیر محدود ہے کیونکہ اس کی تمام صفات بے مثل و مانند ہیں اور جیسے کہ اس کی کوئی مثل نہیں اس کی صفات کی بھی کوئی مثل نہیں۔ اگر ایک صفت میں وہ ناقص ہو تو پھر تمام صفات میں ناقص ہوگا۔ اس لئے اس کی توحید قائم نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اپنی ذات کی طرح اپنے تمام صفات میں بے مثل و مانند نہ ہو۔ **پھر اس سے آگے آیت ممدوحہ بالا کے یہ معنے ہیں کہ خدا نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کوئی اس کا بیٹا ہے کیونکہ وہ غنی بالذات ہے۔ اس کو نہ باپ کی حاجت ہے اور نہ بیٹے کی یہ توحید ہے جو قرآن شریف نے سکھلائی ہے جو مدارِ ایمان ہے۔**

(لیکچر لاہور۔ ر۔ خ۔ جلد 20 صفحہ 154-155)

قرآن کریم کی صاف تعلیم یہ ہے کہ وہ خداوند وحید وحمید جو بالذّات توحید کو چاہتا ہے اس نے اپنی مخلوق کو متشارک الصفات رکھا ہے اور بعض کو بعض کا مثیل اور شبیہہ قرار دیا ہے تا کسی فرد خاص کی کوئی خصوصیت جو ذات و افعال و اقوال اور صفات کے متعلق ہے اس دھوکہ میں نہ ڈالے کہ وہ فرد خاص اپنے بنی نوع سے بڑھ کر ایک ایسی خاصیت اپنے اندر رکھتا ہے کہ کوئی دوسرا شخص نہ اصلاً و نہ ظلاً اس کا شریک نہیں اور خدا تعالیٰ کی طرح کسی اپنی صفت میں واحد لاشریک ہے چنانچہ قرآن کریم میں سورۃ اخلاص اسی بھید کو بیان کر رہی ہے کہ احدیّتِ ذات وصفات خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ دیکھو اللہ جل شانُہٗ فرماتا ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 45-44)

نصارٰی کا فتنہ سب سے بڑا ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ایک سورت قرآن شریف کی تو ساری کی ساری صرف ان کے متعلق خاص کر دی ہے یعنی سورۃ اخلاص اور کوئی سورت ساری کی ساری کسی قوم کے واسطے خاص نہیں ہے۔ اَحَدٌ خدا کا اسم ہے **اور اَحَدٌ کا مفہوم واحد سے بڑھ کر ہے۔ صَمَد کے معنی ہیں ازل سے غنی بالذات جو بالکل محتاج نہ ہو۔ اقنوم ثلثہ کے ماننے سے وہ محتاج پڑتا ہے۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 472-471)

خوب یاد رکھو اور پھر یاد رکھو! کہ غیر اللہ کی طرف جھکنا خدا سے کاٹتا ہے۔ نماز اور توحید کچھ ہی ہو (کیونکہ توحید کے عملی اقرار کا نام ہی نماز ہے اسی وقت بے برکت اور بے سود ہوتی ہے جب اس میں نیستی اور تذلّل کی روح اور حنیف دل نہ ہو!! سنو! وہ دعا جس کے لیے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن:61) فرمایا ہے اس کے لیے یہی سچی روح مطلوب ہے۔ اگر اس تضرع اور خشوع میں حقیقت کی روح نہیں تو وہ ٹیں ٹیں سے کم نہیں ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 31)

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔ (الانعام:104)

خدا تعالیٰ کی ذات تو مخفی در مخفی اور غیب در غیب اور وراء الوراء ہے اور کوئی عقل اس کو دریافت نہیں کر سکتی۔ جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ یعنی بصارتیں اور بصیرتیں اس کو پا نہیں سکتیں اور وہ ان کے انتہا کو جانتا ہے اور ان پر غالب ہے۔ **پس اس کی توحید محض عقل کے ذریعہ سے غیر ممکن ہے کیونکہ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ انسان آفاقی باطل معبودوں سے کنارہ کرتا ہے یعنی بتوں یا انسانوں یا سورج چاند وغیرہ کی پرستش سے دستکش ہوتا ہے ایسا ہی انفسی باطل معبودوں سے پرہیز کرے یعنی اپنی روحانی جسمانی طاقتوں پر بھروسہ کرنے سے اور ان کے ذریعہ سے عُجب کی بلا میں گرفتار ہونے سے اپنے تئیں بچاوے پس اس صورت میں ظاہر ہے کہ بجز ترک خودی اور رسول کا دامن پکڑنے کے توحید کامل حاصل نہیں ہو سکتی اور جو شخص اپنی کسی قوت کو شریک باری ٹھہراتا ہے وہ کیونکر موحّد کہلا سکتا ہے۔** (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 148-147)

بجز اس طریق کے کہ خدا خود ہی تجلّی کرے اور کوئی دوسرا طریق نہیں ہے جس سے اس کی ذات پر یقین کامل حاصل ہو لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ابصار پر وہ آپ ہی روشنی ڈالے تو ڈالے۔ ابصار کی مجال نہیں ہے کہ خود اپنی قوت سے اسے شناخت کر لیں۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 480)

حقیقی توحید

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَکُمْ وَ مَثْوٰیکُمْ۔ (محمد:20)

قرآن شریف کی تعلیم کا اصل مقصد اور مدعا یہی ہے کہ خدا تعالیٰ جیسا وحدہ لاشریک ہے ایسا ہی محبت کی رو سے بھی اس کو وحدہ لاشریک یقین کیا جاوے اور کل انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا اصل منشاء ہمیشہ یہی رہا ہے۔ چنانچہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جیسے ایک طرف توحید کی تعلیم دیتا ہے ساتھ ہی توحید کی تکمیل محبت کی ہدایت بھی دیتا ہے اور جیسا کہ میں نے ابھی لکھا ہے یہ ایک ایسا پیارا اور پُر معنی جملہ ہے کہ اس کی مانند ساری تورات اور انجیل میں نہیں اور نہ دنیا کی کسی اور کتاب نے کامل تعلیم دی ہے۔ اِلٰہ کے معنی ہیں ایسا محبوب اور معشوق جس کی پرستش کی جاوے۔ گویا اسلام کی یہ اصل محبت کے مفہوم کو پورے اور کامل طور پر ادا کرتی ہے۔ یاد رکھو کہ جو توحید بدُوں محبت کے ہو وہ ناقص اور ادھوری ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 137)

توحید کے مراتب ہوتے ہیں بغیر ان کے توحید کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی۔ نرا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہی کہہ دینا کافی نہیں یہ تو شیطان بھی کہہ دیتا ہے۔ جب تک عملی طور پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی حقیقت انسان کے وجود میں متحقق نہ ہو کچھ نہیں۔ یہودیوں میں یہ بات کہاں ہے آپ ہی بتا دیں۔

توحید کا ابتدائی مرحلہ اور مقام تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول کے خلاف کوئی امر انسان سے سرزد نہ ہو اور کوئی فعل اس کا اللہ تعالیٰ کی محبت کے منافی نہ ہو۔ گویا اللہ تعالیٰ ہی کی محبت اور اطاعت میں محو اور فنا ہو جاوے اس واسطے اس کے معنے یہ ہیں لَا مَعْبُوْدَ لِیْ وَ لَا مَحْبُوْبَ لِیْ وَ لَا مُطَاعَ لِیْ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی میرا معبود ہے اور نہ کوئی محبوب ہے اور نہ کوئی واجب الاطاعت ہے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 448)

وَ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا۔ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ۔ وَلَا یَمْلِکُوْنَ لِاَ نْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّ لَا یَمْلِکُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا۔ (الفرقان:4,3)

یعنی خدا وہ خدا ہے جو تمام زمین و آسمان کا اکیلا مالک ہے کوئی اس کا حصہ دار نہیں اس کا کوئی بیٹا نہیں اور نہ اس کے ملک میں کوئی اس کا شریک اور اسی نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا اور پھر ایک حد تک اس کے جسم اور اس کی طاقتوں اور اس کی عمر کو محدود کر دیا اور مشرکوں نے بجز اس خدائے حقیقی کے اور اور ایسے ایسے خدا مقرر کر رکھے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ آپ پیدا شدہ اور مخلوق ہیں اپنے ضرر اور نفع کے مالک نہیں ہیں اور نہ موت اور زندگی اور جی اُٹھنے کے مالک ہیں اب دیکھو خدائے تعالیٰ صاف صاف طور پر فرما رہا ہے کہ بجز میرے کوئی اور خالق نہیں بلکہ ایک دوسری آیت میں فرماتا ہے کہ تمام جہان مل کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتا اور صاف فرماتا ہے کہ کوئی شخص موت اور حیات اور ضرر اور نفع کا مالک نہیں ہو سکتا۔ اس جگہ ظاہر ہے کہ اگر کسی مخلوق کو موت اور حیات کا مالک بنا دینا اور اپنی صفات میں شریک کر دینا اس کی عادت میں داخل ہوتا تو وہ بطور استثناء ایسے لوگوں کو ضرور باہر رکھ لیتا اور ایسی اعلیٰ توحید کی ہمیں ہرگز تعلیم نہ دیتا۔ (ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 260-259 حاشیہ)

توحید کی اقسام

توحید تین قسم کی ہے ایک توحید علمی کہ جو تصحیح عقائد سے حاصل ہوتی ہے۔ دوسری توحید عملی کہ جو قویٰ اخلاقی کو خدا کے راستہ میں کرنے سے یعنی فنافی اخلاق اللہ سے حاصل ہوتی ہے۔ تیسری توحید حالی جو اپنے ہی نفس کا حال اچھا بنانے سے حاصل ہوتی ہے یعنی نفس کو کمال تزکیہ کے مرتبہ تک پہنچانا اور غیر اللہ سے صحن قلب کو بالکل خالی کرنا۔ اور نابوداور بے نمود ہو جانا یہ توحید بوجہ کامل تب میسر آتی ہے کہ جب جذبہ الٰہی انسان کو پکڑے اور بالکل اپنے نفس سے نابود کر دے اور بجز فضل الٰہی کے نہ یہ علم سے حاصل ہو سکتی ہے اور نہ عمل سے۔ اسی کے لیے عابدین مخلصین کی زبان پر نعرہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ہے۔ (تفسیر حضرت اقدس مسیح موعودؑ جلد 1 صفحہ 209)(الحکم 24 ستمبر 1905 صفحہ 4)

توحید کے مراتب

توحید تین درجہ پر منقسم ہے درجہ اوّل عوام کے لئے یعنے ان کے لئے جو خدا تعالےٰ کے غضب سے نجات پانا چاہتے ہیں۔ دوسرا درجہ خواص کے لئے یعنے ان کے لئے جو عوام کی نسبت زیادہ تر قرب الٰہی کے ساتھ خصوصیت پیدا کرنی چاہتے ہیں۔ اور تیسرا درجہ خواص الخواص کیلئے جو قرب کے کمال تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ اوّل مرتبہ توحید کا تو یہی ہے کہ غیر اللہ کی پرستش نہ کی جائے اور ہر ایک چیز جو محدود اور مخلوق معلوم ہوتی ہے خواہ زمین پر خواہ آسمان پر اس کی پرستش سے کنارہ کیا جائے۔ دوسرا مرتبہ توحید کا یہ ہے کہ اپنے اور دوسروں کے تمام کاروبار میں مؤثر حقیقی خدا تعالےٰ کو سمجھا جائے اور اسباب پر اتنا زور نہ دیا جائے جس سے وہ خدا تعالیٰ کے شریک ٹھہر جائیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ زید نہ ہوتا تو میرا یہ نقصان ہوتا اور بکر نہ ہوتا تو میں تباہ ہو جاتا۔ اگر یہ کلمات اس نیت سے کہے جائیں کہ جس سے حقیقی طور پر زید و بکر کو کچھ چیز سمجھا جائے تو یہ بھی شرک ہے۔ تیسری قسم توحید کی یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی محبت میں اپنے نفس کے اغراض کو بھی درمیان سے اٹھانا اور اپنے وجود کو اس کی عظمت میں محو کرنا۔ (کتاب البریہ۔ ر۔خ۔ جلد 13 صفحہ 84-83)

صفاتِ باری تعالیٰ

صفاتِ باری تعالیٰ خدا نما ہیں

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (طٰہٰ: 6)

خدا رحمان ہے جس نے عرش پر قرار پکڑا۔ اس قرار پکڑنے سے یہ مطلب ہے کہ اگرچہ اس نے انسان کو پیدا کر کے بہت سا قرب اپنا اس کو دیا مگر یہ تمام تجلیات مختص الزمان ہیں یعنی تمام تشبیہی تجلیات اس کی کسی خاص وقت میں ہیں جو پہلے نہیں تھیں مگر ازلی طور پر قرار گاہ خدا تعالیٰ کی عرش ہے جو تنزیہ کا مقام ہے کیونکہ جو فانی چیزوں سے تعلق کر کے تشبیہ کا مقام پیدا ہوتا ہے وہ خدا کی قرار گاہ نہیں کہلا سکتا وجہ یہ کہ وہ معرض زوال میں ہے اور ہر ایک وقت میں زوال اس کے سر پر ہے بلکہ خدا کی قرار گاہ وہ مقام ہے جو فنا اور زوال سے پاک ہے پس وہ مقام عرش ہے۔

(چشمۂ معرفت ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 277,278)

خوب یاد رکھو کہ یہ امہات الصفات روحانی طور پر خدا نما تصویر ہیں کہ ان پر غور کرتے ہی معاً خدا سامنے ہو جاتا ہے اور روح ایک لذت کے ساتھ اچھل کر اس کے سامنے سربسجود ہو جاتی ہے چنانچہ **الحمد لله** سے جو شروع کیا گیا تھا تو غائب کی صورت میں ذکر کیا ہے لیکن ان صفات اربعہ کے بیان کے بعد معاً صورت بیان تبدیل ہو گئی ہے کیونکہ ان صفات نے خدا کو سامنے حاضر کر دیا ہے اس لیے حق تھا اور فصاحت کا تقاضا تھا کہ اب غائب نہ رہے بلکہ حاضر کی صورت اختیار کی جاوے پس اس دائرہ کی تکمیل کے تقاضا نے مخاطب کی طرف منہ پھیرا اور اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کہا۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 127)

خدا تعالیٰ نے تمام اجرام سماوی وارضی پیدا کر کے پھر اپنے وجود کو وراء الوراء مقام میں مخفی کیا جس کا نام عرش ہے اور یہ ایسا نہاں در نہاں مقام ہے کہ **اگر خدا تعالیٰ کی چار صفات ظہور پذیر نہ ہوتیں جو سورۃ فاتحہ کی پہلی آیات میں ہی درج ہیں تو اس کے وجود کا کچھ پتہ نہ لگتا** یعنی ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت۔ مالک یوم الجزاء ہونا سو یہ چاروں صفات استعارہ کے رنگ میں چار فرشتے خدا کی کلام میں قرار دیئے گئے ہیں جو اس کے عرش کو اٹھا رہے ہیں یعنی اس وراء الوراء مقام میں جو خدا ہے اس مخفی مقام سے اس کو دکھلا رہے ہیں ورنہ خدا کی شناخت کے لئے کوئی ذریعہ نہ تھا۔

(چشمہ معرفت۔ ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 279 حاشیہ)

اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی

ثم اعلم ان لله تعالی صفات ذاتية ناشئة من اقتضاء ذاته و عليها مدار العالمين كلها و هی اربع ربوبية و رحمانية و رحيمية و ما لكية كما اشارالله تعالی اليها فيی هذه السورة وقال رب العالمين الرحمن الرحيم ملک يوم الدين فهذه الصفات الذاتية سابقة علی كل شئ و محيطة بكل شئ و منها وجود الاشياء و استعدادها و قابليتها و وصولها الی كمالاتها واما صفة الغضب فليست ذاتية لله تعالی بل هی ناشئة من عدم قابلية بعض الاعيا ن للكمال المطلق و كذالک صفة الاضلال لا يبدو الا بعد زيغ الضالين۔ (کرامات الصادقین۔ ر۔خ۔ جلد 7 صفحہ 129-128)

(ترجمہ):۔ **پھر واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات ذاتی ہیں جو اس کی ذات کے تقاضا سے پیدا ہونے والی ہیں اور انہیں پر سب جہانوں کا مدار ہے اور وہ چار ہیں۔ ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت اور مالکیت۔** جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں ان کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے۔ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ۔ پس یہ ذاتی صفات ہر چیز پر سبقت رکھتی ہیں اور ہر چیز پر محیط ہیں تمام اشیاء کا وجود، ان کی استعدادیں، ان کی قابلیت اور ان کا اپنے کمالات کو پہنچنا انہیں (صفات) کے ذریعہ سے ہے **لیکن غضب کی صفت خدا کی ذاتی (صفت) نہیں ہے بلکہ وہ بعض موجودات کے مطلقاً کمال قبول نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح گمراہ ٹھہرانے کی صفت کا ظہور بھی گمراہ ہونے والوں میں کجی پیدا ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے۔**

امّ الصفات باری تعالیٰ

خدا تعالیٰ کی چار اعلیٰ درجہ کی صفتیں ہیں جو امّ الصفات ہیں اور ہر ایک صفت ہماری بشریت سے ایک امر مانگتی ہے اور وہ چار صفتیں یہ ہیں:۔ ربوبیت۔ رحمانیت۔ رحیمیت۔ مالکیت یوم الدین۔ (1) ربوبیت اپنے فیضان کے لیے عدم محض یا مشابہ بالعدم کو چاہتی ہے اور تمام انواع مخلوق کی جاندار ہوں یا غیر جاندار اسی سے پیرایہ وجود پہنتے ہیں۔ (2) رحمانیت اپنے فیضان کے لیے صرف عدم کو ہی چاہتی ہے۔ یعنی اس عدم محض کو جس کے وقت میں وجود کا کوئی اثر اور ظہور نہ ہو اور صرف جانداروں سے تعلق رکھتی ہے اور چیزوں سے نہیں۔ (3) رحیمیت اپنے فیضان کے لئے موجود ذوالعقل کے منہ سے نیستی اور عدم کا اقرار چاہتی ہے اور صرف نوع انسان سے تعلق رکھتی ہے۔ (4) مالکیت یوم الدین اپنے فیضان کے لیے فقیرانہ تضرّع اور الحاح کو چاہتی ہے اور صرف ان انسانوں سے تعلق رکھتی ہے جو گداؤں کی طرح حضرت احدیت کے آستانہ پر گرتے ہیں اور فیض پانے کے لیے دامن افلاس پھیلاتے ہیں۔ اور سچ مچ اپنے تئیں تہی دست پا کر خدا تعالیٰ کی مالکیت پر ایمان لاتے ہیں۔

یہ چار الٰہی صفتیں ہیں جو دنیا میں کام کر رہی ہیں اور ان میں سے جو رحیمیت کی صفت ہے وہ دعا کی تحریک کرتی ہے اور مالکیت کی صفت خوف اور قلق کی آگ سے گداز کر کے سچا خشوع اور خضوع پیدا کرتی ہے کیونکہ اس صفت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ مالک جزا ہے۔ کسی کا حق نہیں جو دعویٰ سے کچھ طلب کرے اور مغفرت اور نجات محض فضل پر ہے۔ (ایام الصلح۔ ر۔ خ۔ جلد 14 صفحہ 243-242)

خدا تعالیٰ کی صفات تشبیہی اور تنزیہی

قرآن شریف اسی وجہ سے ہر ایک دھوکہ دہی کی بات سے محفوظ ہے کہ اس نے خدا تعالیٰ کے ایسے طور سے صفات بیان کئے ہیں جن سے توحید باری تعالیٰ شرک کی آلائش سے بکلی پاک رہتی ہے کیونکہ اول اس نے خدا تعالیٰ کے وہ صفات بیان کیے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کیونکر وہ انسان سے قریب ہے اور کیونکر اسکے اخلاق سے انسان حصہ لیتا ہے ان صفات کا نام تو تشبیہی صفات ہیں۔ پھر چونکہ تشبیہی صفات سے یہ اندیشہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو محدود خیال نہ کیا جائے یا مخلوق چیزوں سے مشابہ خیال نہ کیا جائے اس لئے ان اوہام کے دور کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنی ایک دوسری صفت بیان کر دی یعنی عرش پر قرار پکڑنے کی صفت جس کے یہ معنی ہیں کہ خدا سب مصنوعات سے برتر و اعلیٰ مقام پر ہے کوئی چیز اس کی شبیہ اور شریک نہیں اور اس طرح پر خدا تعالیٰ کی توحید کامل طور پر ثابت ہوگئی۔

(چشمہ معرفت۔ ر۔ خ۔ جلد 23 صفحہ 122-121)

فَلَا تَضۡرِبُوۡا لِلّٰہِ الۡاَمۡثَالَ اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ۔ (النحل:75)

قرآن شریف...... فرماتا ہے کہ خدا دیکھتا۔ سنتا۔ جانتا۔ بولتا۔ کلام کرتا ہے اور پھر مخلوق کی مشابہت سے بچانے کے لئے یہ بھی فرماتا ہے۔

لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ (الشوریٰ:12) فَلَا تَضۡرِبُوۡا لِلّٰہِ الۡاَمۡثَالَ

یعنی خدا کی ذات اور صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس کے لئے مخلوق سے مثالیں مت دو۔ سو خدا کی ذات کو تشبیہ اور تنزیہ کے بین بین رکھنا یہی وسط ہے۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔ خ۔ جلد 10 صفحہ 377-376)

اَللّٰہُ الَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَہَا ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ یُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّکُمۡ تُوۡقِنُوۡنَ۔ (الرعد:3)

تمہارا خدا وہ خدا ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند کیا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اور پھر اس نے عرش پر قرار پکڑا۔ اس آیت کے ظاہری معنے کے رو سے اس جگہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پہلے خدا کا عرش پر قرار نہ تھا اس کا یہی جواب ہے کہ عرش کوئی جسمانی چیز نہیں ہے بلکہ وراء الوراء ہونے کی ایک حالت ہے جو اس کی صفت ہے پس جب کہ **خدا نے زمین و آسمان اور ہر ایک چیز کو پیدا کیا اور ظلی طور پر اپنے نور سے سورج چاند اور ستاروں کو نور بخشا اور انسان کو بھی استعارہ کے طور پر اپنی شکل پر پیدا کیا اور اپنے اخلاق کریمہ اس میں پھونک دیئے تو اس طور سے خدا نے اپنے لئے ایک تشبیہ قائم کی مگر چونکہ وہ ہر ایک تشبیہ سے پاک ہے اس لئے عرش پر قرار پکڑنے سے اپنے تنزّہ کا ذکر کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ وہ سب کچھ پیدا کر کے پھر مخلوق کا عین نہیں ہے بلکہ سب سے الگ اور وراء الوراء مقام پر ہے۔** (چشمہ معرفت۔ ر۔ خ۔ جلد 23 صفحہ 277)

صفات باری تعالیٰ نوبت بہ نوبت طلوع کرتی ہیں

یاد رہے کہ جس طرح ستارے ہمیشہ نوبت بہ نوبت طلوع کرتے رہتے ہیں اسی طرح خدا کے صفات بھی طلوع کرتے رہتے ہیں کبھی انسان خدا کے صفات جلالیہ اور استغنائے ذاتی کی پرتوہ کے نیچے ہوتا ہے اور کبھی صفات جمالیہ کا پرتوہ اس پر پڑتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کُلَّ یَوۡمٍ ہُوَ فِیۡ شَاۡنٍ (الرحمٰن:30)۔ پس یہ سخت نادانی کا خیال ہے کہ ایسا گمان کیا جائے کہ بعد اس کے کہ مجرم لوگ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ پھر صفات کرم اور رحم ہمیشہ کے لئے معطل ہو جائیں گی اور کبھی ان کی تجلی نہیں ہوگی کیونکہ صفات الٰہیہ کا تعطل ممتنع ہے بلکہ حقیقی صفت خدا تعالیٰ کی محبت اور رحم ہے اور وہی امّ الصّفات ہے اور وہی کبھی انسانی اصلاح کے لئے صفات جلالیہ اور غضبیہ کے رنگ میں جوش مارتی ہے اور جب اصلاح ہو جاتی ہے تو محبت اپنے رنگ میں ظاہر ہو جاتی ہے اور پھر بطور موہبت ہمیشہ کے لئے رہتی ہے۔ خدا ایک چڑ چڑے انسان کی طرح نہیں ہے جو خواہ نخواہ عذاب دینے کا شائق ہو۔ اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ اپنے پر آپ ظلم کرتے ہیں۔ اس کی محبت میں تمام نجات اور اس کو چھوڑنے میں تمام عذاب ہے۔

(چشمہ مسیحی۔ ر۔ خ۔ جلد 20 صفحہ 370-369)

صفاتِ باری تعالیٰ ازلی اور ابدی ہیں

وہ (خدا) اور اس کی صفات قدیم ہی سے ہیں مگر اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ ہر ایک صفت کا علم ہم کو دے دے اور نہ اس کے کام اس دنیا میں سما سکتے ہیں۔ **خدا کے کلام میں دقیق نظر کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ وہ ازلی اور ابدی ہے** اور مخلوقات کی ترتیب اس کے ازلی ہونے کی مخالف نہیں۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 70)

مگر یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ دائمی طور پر تعطّل صفات الٰہیہ کبھی نہیں ہوتا اور بجز خدا کے کسی چیز کے لیے قدامت شخصی تو نہیں مگر قدامت نوعی ضروری ہے اور خدا کی کسی صفت کے لیے تعطّل دائمی تو نہیں مگر تعطّل میعادی کا ہونا ضروری ہے اور چونکہ صفت ایجاد اور صفت افناء کی صفت کا ایک کامل دور آ جاتا ہے تو صفت ایجاد ایک میعاد تک معطل رہتی ہے غرض ابتداء میں خدا کی صفت وحدت کا دور تھا اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس دور نے کتنی دفعہ ظہور کیا بلکہ یہ دور قدیم اور غیر متناہی ہے بہر حال صفت وحدت کے دور کو دوسری صفات پر تقدم زمانی ہے۔ پس اسی بناء پر کہا جاتا ہے کہ ابتدا میں خدا اکیلا تھا اور اس کے ساتھ کوئی نہ تھا۔

(چشمہ معرفت۔ ر۔ خ۔ جلد 23 صفحہ 275-274)

خداشناسی میں وسط کی تعلیم

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ مِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ (الشوریٰ :12)

خداشناسی کے بارے میں وسط کی شناخت یہ ہے کہ خدا کی صفات بیان کرنے میں نہ تو نفی صفات کے پہلو کی طرف جھک جائے اور نہ خدا کو جسمانی چیزوں کا مشابہ قرار دے۔ یہی طریق قرآن شریف نے صفات باری تعالیٰ میں اختیار کیا ہے۔ چنانچہ وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ خدا دیکھتا' سنتا' جانتا' بولتا' کلام کرتا ہے اور پھر مخلوق کی مشابہت سے بچانے کے لئے یہ بھی فرماتا ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ...... یعنی خدا کی ذات اور صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں اس کے لئے مخلوق سے مثالیں مت دو سو خدا کی ذات کو تشبیہ اور تنزیہ کے بین بین رکھنا یہی وسط ہے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔ خ۔ جلد 10 صفحہ 377-376)

خداتعالیٰ صفاتِ کاملہ کے منافی کام نہیں کرتا

يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ (الرحمٰن :30)

ہمارا خداوند قادر مطلق ...... تمام ذرّات عالم اور ارواح اور جمیع مخلوقات کو پیدا کرنے والا ہے۔ اس کی قدرت کی نسبت اگر کوئی سوال کیا جائے تو بجز ان خاص باتوں کے جو اس کی صفات کاملہ اور مواعید صادقہ کے منافی ہوں۔ باقی سب امور پر وہ قادر ہے اور یہ بات کہ گو وہ قادر ہو مگر کرنا نہیں چاہتا یہ عجیب بیہودہ الزام ہے جب کہ اس صفات میں كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ بھی داخل ہے اور ایسے تصرفات کہ پانی سے برودت دور کرے یا آگ سے خاصیت احراق زائل کر دیوے اس کی صفات کاملہ اور مواعید صادقہ کی منافی نہیں ہیں۔ (برکات الدعا۔ ر۔ خ۔ جلد 6 صفحہ 29-28)

بعض لوگوں کا اعتقاد ہے۔ کہ چونکہ خدا تعالیٰ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (الاحقاف:34) ہے اس واسطے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ جھوٹ بولے۔ ایسا اعتقاد بے ادبی میں داخل ہے۔ ہر ایک امر جو خدا تعالیٰ کے وعدہ اس کی ذات جلال اور صفات کے برخلاف ہے وہ اس کی طرف منسوب کرنا بڑا گناہ ہے۔ جو امر اس کی صفات کے برخلاف ہے' ان کی طرف اس کی توجہ ہی نہیں۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 363)

ثبوت ہستی باری تعالیٰ

خدا تعالیٰ کی شناخت فطرتی ہے

وَ اِذۡ اَخَذَ رَبُّکَ مِنۡۢ بَنِیۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُہُوۡرِہِمۡ ذُرِّیَّتَہُمۡ وَ اَشۡہَدَہُمۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ ۚ اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰی ۚۛ شَہِدۡنَا ۚۛ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنۡ ہٰذَا غٰفِلِیۡنَ ۔ (الاعراف:173)

اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ قَالُوۡا بَلٰی (الجزو نمبر 9) ہر یک روح نے ربوبیت الٰہیہ کا اقرار کیا۔ کسی نے انکار نہ کیا۔ یہ بھی فطرتی اقرار کی طرف اشارہ ہے۔ (براہین احمدیہ ۔ ر۔خ ۔ جلد 1 صفحہ 185-184 حاشیہ نمبر 11)

انسان تعبّد ابدی کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور طبعی طور پر اس کے دل میں خدا تعالےٰ کی محبت موجود ہے۔ پس اس وجہ سے انسان کی روح کو خدا تعالےٰ سے ایک تعلق ازلی ہے جیسا کہ آیت اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ قَالُوۡا بَلٰی سے ظاہر ہوتا ہے۔ (براہین احمدیہ ۔ ر۔خ ۔ جلد 21 صفحہ 200)

وہ خدا جس کا پتہ قرآن شریف بتلاتا ہے اپنی موجودات پر فقط قہری حکومت نہیں رکھتا بلکہ موافق آیت کریمہ اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ قَالُوۡا بَلٰی (الاعراف:173) کے ہر یک ذرہ ذرہ اپنی طبیعت اور روحانیت سے اس کا حکم بردار ہے۔ اس کی طرف جھکنے کے لیے ہر یک طبیعت میں ایک کشش پائی جاتی ہے اس کشش سے ایک ذرہ بھی خالی نہیں اور یہ ایک بڑی دلیل اس بات پر ہے کہ وہ ہر یک چیز کا خالق ہے۔ کیونکہ نور قلب اس بات کو مانتا ہے کہ وہ کشش جو اس کی طرف جھکنے کے لیے تمام چیزوں میں پائی جاتی ہے وہ بلا شبہ اسی کی طرف سے ہے جیسا کہ قرآن شریف نے اس آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ اِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ۔ (بنی اسرائیل :45) یعنی ہر یک چیز اس کی پاکی اور اس کے محامد بیان کر رہی ہے اگر خدا ان چیزوں کا خالق نہیں تھا تو ان چیزوں میں خدا کی طرف کشش کیوں پائی جاتی ہے ایک غور کرنے والا انسان ضرور اس بات کو قبول کر لے گا کہ کسی مخفی تعلق کی وجہ سے یہ کشش ہے پس اگر وہ تعلق خدا کا خالق ہونا نہیں تو کوئی آریہ وغیرہ اس بات کا جواب دیں کہ اس تعلق کی وید وغیرہ میں کیا ماہیت لکھی ہے اور اس کا کیا نام ہے۔ (رسالہ معیار المذاہب ۔ ر۔خ ۔ جلد 9 صفحہ 487-486)

نجات کا تمام مدار خدا تعالیٰ کی محبت ذاتیہ پر ہے اور محبت ذاتیہ اس محبت کا نام ہے جو روحوں کی فطرت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مخلوق ہے پھر جس حالت میں ارواح پرمیشر کی مخلوق ہی نہیں ہیں تو پھر ان کی فطرتی محبت پرمیشر سے کیونکر ہو سکتی ہے اور کب اور کس وقت پرمیشر نے ان کی فطرت کے اندر ہاتھ ڈال کر یہ محبت اس میں رکھ دی یہ تو غیر ممکن ہے وجہ یہ کہ فطرتی محبت اس محبت کا نام ہے جو فطرت کے ساتھ ہمیشہ سے لگی ہوئی ہو اور پیچھے سے لاحق نہ ہو جیسا کہ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے جیسا کہ اس کا یہ قول ہے اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ قَالُوۡا بَلٰی (الاعراف:173) یعنی میں نے روحوں سے سوال کیا کہ کیا میں تمہارا پیدا کنندہ نہیں ہوں تو روحوں نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ **اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ انسانی روح کی فطرت میں یہ شہادت موجود ہے کہ اس کا خدا پیدا کنندہ ہے۔ پس روح کو اپنے پیدا کنندہ سے طبعاً و فطرتاً محبت ہے اس لیے کہ وہ اس کی پیدائش ہے۔** (چشمہ مسیحی ۔ ر۔خ ۔ جلد 20 صفحہ 364-363)

توحید کا نقش قدرت کی ہر چیز میں ہے

انسان کی فطرت ہی میں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی ن (الاعراف:173) نقش کیا گیا ہے۔اور تثلیث سے کوئی مناسبت جبلّت انسانی اور تمام اشیائے عالم کو نہیں ایک قطرہ پانی کا دیکھو تو وہ گول نکلتا ہے۔ مثلث کی شکل میں نظر نہیں آتا اس سے بھی صاف طور پر یہی پایا جاتا ہے کہ توحید کا نقش قدرت کی ہر چیز میں رکھا ہوا ہے۔خوب غور سے دیکھو کہ پانی کا قطرہ گول ہوتا ہے۔اور کروی شکل میں توحید ہی ہوتی ہے۔اس لیے کہ وہ جہت کو نہیں چاہتی۔اور مثلث شکل جہت کو چاہتی ہے۔چنانچہ آگ کو دیکھو شکل بھی مخروطی ہے۔اور وہ بھی کرُویت اپنے اندر رکھتی ہے۔اس سے بھی توحید کا نور چمکتا ہے۔زمین کو لو اور انگریزوں ہی سے پوچھو کہ اس کی شکل کیسی ہے؟ کہیں گے گول۔الغرض طبعی تحقیقاتیں جہاں تک ہوتی چلی جائیں گی وہاں توحید ہی توحید نکلتی چلی جائے گی۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 40)

مصنوع اور صانع کے اعتبار سے

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۔ (ابراهیم:11)

کیا اللہ کے وجود میں بھی شک ہوسکتا ہے جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے۔دیکھو یہ تو بڑی سیدھی اور صاف بات ہے کہ ایک مصنوع کو دیکھ کر صانع کو ماننا پڑتا ہے۔ایک عمدہ جوتے یا صندوق کو دیکھ کر اس کے بنانے والے کی ضرورت کا معاً اعتراف کرنا پڑتا ہے پھر تعجب پر تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی میں کیونکر انکار کی گنجائش ہوسکتی ہے۔ایسے صانع کے وجود کا کیونکر انکار ہوسکتا ہے جس کے ہزار ہا عجائبات سے زمین و آسمان پُر ہیں۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 34-33)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّ تَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ (البقرة:165)

یعنی تحقیق آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے اختلاف اور ان کشتیوں کے چلنے میں جو دریا میں لوگوں کے نفع کے لیے چلتی ہیں اور جو کچھ خدا نے آسمان سے پانی اتارا اور اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کیا اور زمین میں ہر ایک قسم کے جانور بکھیر دیئے اور ہواؤں کو پھیرا اور بادلوں کو آسمان اور زمین میں مسخر کیا یہ سب خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید اور اس کے الہام اور اس کے مدبر بالا رادہ ہونے پر نشانات ہیں۔

اب دیکھئے اس آیت میں اللہ جلشانہ نے اپنے اس اصول ایمانی پر کیسا استدلال اپنے اس قانون قدرت سے کیا یعنی اپنے ان مصنوعات سے جو زمین و آسمان میں پائی جاتی ہیں جن کے دیکھنے سے مطابق منشاء اس آیت کریمہ کے صاف صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بیشک اس عالم کا ایک صانع قدیم اور کامل اور وحدہ لاشریک اور مدبر بالا رادہ اور اپنے رسولوں کو دنیا میں بھیجنے والا ہے۔ وجہ یہ کہ خدا تعالیٰ کی یہ تمام مصنوعات اور یہ سلسلہ نظام عالم کا جو ہماری نظر کے سامنے موجود ہے یہ صاف طور پر بتلا رہا ہے کہ یہ عالم خود بخود نہیں بلکہ اس کا ایک موجد اور صانع ہے جس کے لیے یہ ضروری صفات ہیں کہ وہ رحمان بھی ہو اور رحیم بھی ہو اور قادر مطلق بھی ہو اور واحد لاشریک بھی ہو اور ازلی ابدی بھی ہو اور مدبر بالا رادہ بھی ہو اور مستجمع جمیع صفات کاملہ بھی ہو اور وحی کو نازل کرنے والا بھی ہو۔

(جنگ مقدس۔ ر۔ خ۔ جلد 6 صفحہ 125)

مخلوق کی طاقت کی حد بندی کے اعتبار سے

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الحدید: 3) خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا (الفرقان :3)

یعنی زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب خدا تعالیٰ کی ملکیت ہے **کیونکہ وہ سب چیزیں اسی نے پیدا کی ہیں۔ اور پھر ہر ایک مخلوق کی طاقت اور کام کی ایک حد مقرر کر دی ہے تا محدود چیزیں ایک محدّد پر دلالت کریں جو خدا تعالیٰ ہے** سو ہم دیکھتے ہیں کہ جیسا کہ اجسام اپنے اپنے حدود میں مقید ہیں اور اس حد سے باہر نہیں ہو سکتے اسی طرح ارواح بھی مقید ہیں اور اپنی مقررہ طاقتوں سے زیادہ کوئی طاقت پیدا نہیں کر سکتے۔ اب پہلے ہم اجسام کے محدود ہونے کے بارہ میں بعض مثالیں پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مثلاً چاند ایک مہینہ میں اپنا دورہ ختم کر لیتا ہے یعنی انتیس یا تیس دن تک مگر سورج تین سو چونسٹھ دن میں اپنے دورہ کو پورا کرتا ہے اور سورج کو یہ طاقت نہیں ہے کہ اپنے دورہ کو اس قدر کم کر دے جیسا کہ چاند کے دورہ کا مقدار ہے اور نہ چاند کی یہ طاقت ہے کہ اس قدر اپنے دورہ کے دن بڑھا دے کہ جس قدر سورج کے لیے دن مقرر ہیں اور اگر تمام دنیا اس بات کے لیے اتفاق بھی کر لے کہ ان دونوں نیرّوں کے دوروں میں کچھ کمی بیشی کر دیں تو یہ ہرگز ان کے لیے ممکن نہیں ہوگا اور نہ خود سورج اور چاند میں یہ طاقت ہے کہ اپنے اپنے دوروں میں کچھ تغیر و تبدل کر ڈالیں۔

پس وہ ذات جس نے ان ستاروں کو اپنی اپنی حد پر ٹھہرا رکھا ہے یعنی جوان کا محدّد اور حد باندھنے والا ہے وہی خدا ہے۔

(چشمہ معرفت۔ ر۔ خ۔ جلد 23 صفحہ 17)

وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا یعنی اس کے ملک میں کوئی اس کا شریک نہیں وہ سب کا خالق ہے اور اس کے خالق ہونے پر یہ دلیل واضح ہے کہ ہر ایک چیز کو ایک اندازہ مقرری پر پیدا کیا ہے کہ جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتی بلکہ اسی اندازہ میں محصور اور محدود ہے۔ **اس دلیل کی شکل منطقی اس طرح پر ہے کہ ہر جسم اور روح ایک اندازہ مقرری میں محصور اور محدود ہے اور ہر ایک وہ چیز کہ کسی اندازہ مقرری میں محصور اور محدود ہو اس کا کوئی حاصر اور محدّد ضرور ہوتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ایک جسم اور روح کے لئے ایک حاصر اور محدّد ہے۔**

(پرانی تحریریں۔ ر۔ خ۔ جلد دوم صفحہ 8)

يَمۡحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثۡبِتُ وَعِنۡدَهٗۤ اُمُّ الۡكِتٰبِ (الرعد:40)

اللہ تعالیٰ کی شناخت کی یہ زبردست دلیل اوراس کی ہستی پر بڑی بھاری شہادت ہے کہ محو واثبات اس کے ہاتھ میں ہے۔ یَمۡحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثۡبِتُ۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 150)

ہمارا تو اعتقاد ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ عمر کو کم بھی کر سکتا ہے اور زیادہ بھی کر سکتا ہے۔ يَمۡحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثۡبِتُ...... عیسائیوں کا بھی یہی اعتقاد ہے ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک شخص کی پندرہ دن کی عمر باقی رہ گئی تھی دعا سے پندرہ سال ہو گئے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 117)

وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الۡمُنۡتَہٰی۔ (النجم:43)

تمام سلسلہ علل و معلولات کا تیرے رب پر ختم ہو جاتا ہے۔ تفصیل اس دلیل کی یہ ہے کہ نظر تعمق سے معلوم ہوگا کہ یہ تمام موجودات علل و معلول کے سلسلہ سے مربوط ہے اور اسی وجہ سے دنیا میں طرح طرح کے علوم پیدا ہو گئے ہیں کیونکہ کوئی حصہ مخلوقات کا نظام سے باہر نہیں۔ بعض بعض کے لئے بطور اصول اور بعض بطور فروع کے ہیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ علت یا تو خود اپنی ذات سے قائم ہوگی یا اس کا وجود کسی دوسری علت کے وجود پر منحصر ہوگا اور پھر یہ دوسری علت کسی اور علت پر وَ عَلٰی هٰذَا الْقِیاس۔ **اور یہ تو جائز نہیں کہ اس محدود دنیا میں علل و معلول کا سلسلہ کہیں جا کر ختم نہ ہو اور غیر متناہی ہو تو بالضرورت ماننا پڑا کہ یہ سلسلہ ضرور کسی اخیر علت پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ پس جس پر اس تمام کی انتہاء ہے وہی خدا ہے** آنکھ کھول کر دیکھ لو کہ آیت وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الۡمُنۡتَہٰی اپنے مختصر لفظوں میں کس طرح اس دلیل مذکورہ بالا کو بیان فرما رہی ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ انتہاء تمام سلسلہ کی تیرے رب تک ہے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ۔ جلد 10 صفحہ 369)

دعا کو سننے کے اعتبار سے

اَ فَلَا يَرَوۡنَ اَلَّا يَرۡجِعُ اِلَيۡهِمۡ قَوۡلًا ۙ وَّ لَا يَمۡلِكُ لَهُمۡ ضَرًّا وَّ لَا نَفۡعًا۔ (طٰہٰ:90)

قرآن شریف میں ایک مقام پر ان لوگوں کے لئے جو گوسالہ پرستی کرتے ہیں اور گوسالہ کو خدا بناتے ہیں آیا ہے اَلَّا يَرۡجِعُ اِلَيۡهِمۡ قَوۡلًا کہ وہ ان کی بات کا کوئی جواب ان کو نہیں دیتا **اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو خدا بولتے نہیں ہیں وہ گوسالہ ہی ہیں۔** ہم نے عیسائیوں سے بارہا پوچھا ہے کہ اگر تمہارا خدا ایسا ہی ہے جو دعاؤں کو سنتا ہے اور ان کے جواب دیتا ہے تو بتاؤ وہ کس سے بولتا ہے؟ تم جو یسوع کو خدا کہتے ہو پھر اس کو بلا کر دکھاؤ۔ **میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ سارے عیسائی اکٹھے ہو کر بھی یسوع کو پکاریں وہ یقیناً کوئی جواب نہ دے گا کیونکہ وہ مر گیا۔** (ملفوظات جلد دوم صفحہ 148)

مجیب اور ناطق خدا ہمارا ہی ہے جو ہماری دعاؤں کو سنتا اور ان کے جواب دیتا ہے اور دوسرے مذاہب کے لوگ جو خدا پیش کرتے ہیں وہ اَلَّا يَرۡجِعُ اِلَيۡهِمۡ قَوۡلًا کا مصداق ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بوجہ ان کے کفر اور بے دینی کے ان کی دعائیں مَا دُعَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ اِلَّا فِيۡ ضَلٰلٍ (الرعد :15) کی مصداق ہو گئی ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ تو سب کا ایک ہی ہے مگر ان لوگوں نے اس کی صفات کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ پس یاد رکھو کہ ہمارا خدا ناطق خدا ہے وہ ہماری دعائیں سنتا ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 710)

اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَ یَکۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَ یَجۡعَلُکُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ءَ اِلٰـہٌ مَّعَ اللّٰہِ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ۔ (النمل:63)

خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ایک جگہ پر اپنی شناخت کی یہ علامت ٹھہرائی ہے کہ تمہارا خدا وہ خدا ہے جو بیقراروں کی دعا سنتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَمَّنۡ یُّجِیۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاہُ پھر جب کہ خدا تعالیٰ نے دعا کی قبولیت کو اپنی ہستی کی علامت ٹھہرائی ہے تو پھر کس طرح کوئی عقل اور حیاوالا گمان کر سکتا ہے کہ دعا کرنے پر کوئی آثار صریحہ اجابت کے مترتب نہیں ہوتے اور محض ایک رسمی امر ہے جس میں کچھ بھی روحانیت نہیں میرے خیال میں ہے کہ ایسی بے ادبی کوئی سچے ایمان والا ہرگز نہیں کرے گا جبکہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے کہ جس طرح زمین وآسمان کی صفت پر غور کرنے سے سچا خدا پہچانا جاتا ہے اسی طرح دعا کی قبولیت کو دیکھنے سے خدا تعالیٰ پر یقین آتا ہے۔ (ایّام الصلح۔ر۔خ۔جلد14 صفحہ 260-259)

اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ۔

سچ تو یہ ہے کہ ہمارا خدا تو دعاؤں ہی سے پہچانا جاتا ہے دنیا میں جس قدر قومیں ہیں کسی قوم نے ایسا خدا نہیں مانا جو جواب دیتا ہو اور دعاؤں کو سنتا ہو۔ کیا ایک ہندو ایک پتھر کے سامنے بیٹھ کر یا درخت کے آگے کھڑا ہو کر یا بیل کے روبرو ہاتھ جوڑ کر کہہ سکتا ہے کہ میرا خدا ایسا ہے کہ میں اس سے دعا کروں تو یہ مجھے جواب دیتا ہے؟ ہرگز نہیں کیا ایک عیسائی کہہ سکتا ہے کہ مین نے یسوع کو خدا مانا ہے وہ میری دعا کو سنتا اور اس کا جواب دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بولنے والا خدا صرف ایک ہی ہے جو اسلام کا خدا ہے جو قرآن نے پیش کیا ہے جس نے کہا اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ۔(المومن:61)

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 148-147)

وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ وَ لۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ لَعَلَّہُمۡ یَرۡشُدُوۡنَ۔(البقرۃ:187)

یعنی جب میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں کہ خدا کے وجود پر دلیل کیا ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ میں بہت نزدیک ہوں یعنی کچھ بڑے دلائل کی حاجت نہیں۔ میرا وجود نہایت اقرب طریق سے سمجھ آ سکتا ہے اور نہایت آسانی سے میری ہستی پر دلیل پیدا ہوتی ہے اور وہ دلیل یہ ہے کہ جب کوئی دعا کرنے والا مجھے پکارے تو میں اس کی سنتا ہوں اور اپنے الہام سے اس کی کامیابی کی بشارت دیتا ہوں جس سے نہ صرف میری ہستی پر یقین آتا ہے بلکہ میرا قادر ہونا بھی بپایہ یقین پہنچتا ہے۔ لیکن چاہیئے کہ لوگ ایسی حالت تقویٰ اور خدا ترسی کی پیدا کریں کہ میں ان کی آواز سنوں۔ اور نیز چاہیئے کہ وہ مجھ پر ایمان لاویں اور قبل اس کے جو ان کو معرفت تامہ ملے اس بات کا اقرار کریں کہ خدا موجود ہے تو تمام طاقتیں اور قدرتیں رکھتا ہے۔ کیونکہ جو شخص ایمان لاتا ہے اسی کو عرفان دیا جاتا ہے۔

(ایام الصلح۔ر۔خ۔جلد14 صفحہ 261-260)

دعا خدا تعالیٰ کی ہستی کا زبردست ثبوت ہے چنانچہ خدا تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۔یعنی جب میرے بندے تجھ سے سوال کریں کہ خدا کہاں ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے تو کہدو کہ وہ بہت ہی قریب ہے۔ **اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب کوئی دعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کو جواب دیتا ہوں یہ جواب کبھی رویا صالحہ کے ذریعہ ملتا ہے اور کبھی کشف اور الہام کے واسطے سے اور علاوہ بریں دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور طاقتوں کا اظہار ہوتا ہے۔** اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا قادر ہے۔ جب کہ مشکلات کو حل کر دیتا ہے غرض دعا بڑی دولت اور طاقت ہے۔ اور قرآن شریف میں جا بجا اس کی ترغیب دی ہے اور ایسے لوگوں کے حالات بھی بتائے ہیں جنہوں نے دعا کے ذریعہ اپنے مشکلات سے نجات پائی۔ انبیاء علیہم السلام کی زندگی کی جڑ اور ان کی کامیابیوں کا اصل اور سچا ذریعہ یہی دعا ہے۔ پس میں نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی ایمانی اور عملی طاقت کو بڑھانے کے واسطے دعاؤں میں لگے رہو۔ دعاؤں کے ذریعہ سے ایسی تبدیلی ہوگی جو خدا کے فضل سے خاتمہ بالخیر ہو جاویگا۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 207)

اگر کوئی اور بھی خدا ہوتا۔ تو دونوں بگڑ جاتے

لَوْ کَانَ فِیْہِمَآ اٰلِہَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ (الانبیاء:23)

اس (یعنی خدا تعالیٰ۔ ناقل) کے وحدہٗ لا شریک ہونے پر ایک عقلی دلیل بیان فرمائی اور کہا **لَوْ کَانَ فِیْہِمَآ اٰلِہَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا** (الانبیاء:23) **وَ مَا کَانَ مَعَہٗ مِنْ اِلٰہٍ** (المومنون :92) یعنی اگر زمین آسمان میں بجز اس ایک ذات جامع صفات کاملہ کے کوئی اور بھی خدا ہوتا تو وہ دونوں بگڑ جاتے کیونکہ ضرور تھا کہ کبھی وہ جماعت خدائیوں کی ایک دوسرے کے برخلاف کام کرتے۔ پس اسی پھوٹ اور اختلاف سے عالم میں فساد راہ پاتا اور نیز اگر الگ الگ خالق ہوتے تو ہر واحد ان میں سے اپنی ہی مخلوق کی بھلائی چاہتا اور ان کے آرام کے لئے دوسروں کا برباد کرنا روا رکھتا۔ پس یہ بھی موجب فساد عالم ٹھہرتا۔

(براہین احمدیہ ر۔خ۔ جلد1 صفحہ 519 ,518)

دوسری فصل

ایمان بر ملائکہ

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ۔ (البقرة:99)

یعنی جو شخص خدا اور اس کے فرشتوں اور اس کے پیغمبروں اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو تو خدا ایسے کافروں کا خود دشمن ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو شخص توحید خشک کا تو قائل ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکذب ہے وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے لہٰذا بموجب منشاء اس آیت کے خدا اس کا دشمن ہے اور وہ خدا کے نزدیک کافر ہے تو پھر اس کی نجات کیونکر ہو سکتی ہے۔ (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 129-128)

و الله ادخل وجود الملائكة فى الايمانيات كما ادخل فيها نفسه و قال و لكن البر من امن بالله واليوم الاخر والملئكة و الكتب والنبين (البقرة:178) و قال و ما يعلم جنود ربك الا هو (المدثر:32) فبين للناس ان حقيقة الملائكة و حقيقة صفاتهم متعالية عن طور العقل ولا يعلمها احد الا الله فلا تضربوا لله و لا لملائكته الامثال واتوه مسلمين۔

(حمامۃ البشریٰ۔ ر۔خ۔ جلد 7 صفحہ 272)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے وجود کو ایمانیات میں شامل کیا ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح اس نے اپنے آپ کو شامل کیا ہے۔ اور فرمایا ہے وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ اور فرمایا ہے وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ پس اس طرح اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو کھول کر بتا دیا کہ ملائکہ اور ان کی صفات کی حقیقت عقل سے بالاتر ہے جسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اس لیے تم اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے متعلق اپنے پاس سے باتیں نہ بنایا کرو اور اسکے حضور میں فرمانبردار بنکر حاضر ہو۔

معنی لفظ ملائک

ملایک اس معنی سے ملایک کہلاتے ہیں کہ وہ ملاک اجرام سماویہ اور ملاک اجسام الارض ہیں یعنی ان کے قیام اور بقا کے لیے روح کی طرح ہیں اور نیز اس معنی سے بھی ملائک کہلاتے ہیں کہ وہ رسولوں کا کام دیتے ہیں۔

(توضیح مرام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 68 حاشیہ)

فرشتہ کا لفظ قرآن شریف میں عام ہے ہر ایک چیز جو اس کی آواز سنتی ہے وہ اس کا فرشتہ ہے۔ پس دنیا کا ذرہ ذرہ خدا کا فرشتہ ہے کیونکہ وہ اس کی آواز سنتے ہیں اور اس کی فرماں برداری کرتے ہیں۔ اور اگر ذرہ ذرہ اس کی آواز سنتا نہیں تو خدا تعالےٰ نے زمین آسمان کے اجرام کو کس طرح پیدا کر لیا اور یہ استعارہ جو ہم نے بیان کیا ہے اس طرح خدا کے کلام میں بہت سے استعارات ہیں جو نہایت لطیف علم اور حکمت پر مشتمل ہیں۔

(نسیم دعوت۔ ر۔خ۔ جلد 19 صفحہ 457)

اعلم من ربی ان الملائکة مدبرات للشمس والقمر والنجوم و کل ما فی السماء والارض و قد قال الله تعالی و ان کل نفس لما علیها حافظ (الطارق:5) **و قال و المدبرات امرا و مثل تلک الآیات کثیر فی القران فطوبی للمتدبرین۔**

(حمامۃ البشریٰ۔ ر۔خ۔ جلد 7 صفحہ 296)

ترجمہ از مرتب:- میں نے اپنے رب سے یہ علم پایا ہے کہ فرشتے، سورج، چاند، ستاروں اور آسمان و زمین کی ہر چیز کا انتظام کرنے والے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَ اِنْ کُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْهَا حَافِظٌ۔** (الطارق:5) اسی طرح فرمایا **فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا** (النّٰزعٰت:6)۔ اور اس مضمون کی بہت سی آیات قرآن کریم میں ہیں۔ پس مبارک ہیں وہ جو تدبر کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے جو ملائکہ کی تعریف کی ہے وہ ہر ایک ذرہ ذرہ پر صادق آ سکتی ہے جیسے فرمایا۔ **اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ** (بنی اسرائیل :45) ویسے ملائکہ کی نسبت فرمایا۔ **یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ** (النحل :51) اس کی تشریح نسیم دعوت میں خوب کر دی ہے۔ ہر ایک ذرہ ملائکہ میں داخل ہے اگر ان اعلیٰ کی سمجھ نہیں آتی تو پہلے ان چھوٹے چھوٹے ملائک پر نظر ڈال کر دیکھو ملائکہ کا انکار انسان کو دہریہ بنا دیتا ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 226-225)

وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔ (البقرة:31)

حکیم مطلق نے اس عالم کے احسن طور پر کاروبار چلانے کے لیے دو نظام رکھے ہوئے ہیں اور باطنی نظام فرشتوں کے متعلق ہے اور کوئی جز ظاہری نظام کی ایسی نہیں جس کے ساتھ در پردہ باطنی نظام نہ ہو ......اس عالم کی حرکات اور حوادث خود بخود نہیں اور نہ بغیر مرضی مالک اور نہ عبث بے ہودہ ہیں بلکہ در پردہ تمام اجرام علوی اور اجسام سفلی کے لیے منجانب اللہ مدبر مقرر ہیں جن کو دوسرے لفظوں میں ملایک کہتے ہیں اور جب تک کوئی انسان پابند اعتقاد وجود ہستی باری ہے اور دہریہ نہیں اس کو ضرور یہ بات ماننی پڑے گی کہ یہ تمام کاروبار عبث نہیں بلکہ ہر یک حدوث اور ظہور پر خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت بالا رادہ کا ہاتھ ہے اور وہ ارادہ تمام انتظام کے موافق بتوسط اسباب ظہور پذیر ہوتا ہے چونکہ خدا تعالیٰ نے اجرام اور اجسام کو علم اور شعور نہیں دیا اس لیے ان باتوں کے پورا کرنے کے لیے جن میں علم اور شعور درکار ہے ایسے اسباب یعنی ایسی چیزوں کی توسط کی حاجت ہوئی جن کو علم اور شعور دیا گیا ہے اور وہ ملایک ہیں۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 128-125 حاشیہ)

اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ (بنی اسرائیل:45)

جولوگ ملائک سے انکار کرتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں ان کو اتنا معلوم نہیں کہ دراصل جس قدر اشیاء دنیا میں موجود ہیں ذرہ ذرہ پر ملائکہ کا اطلاق ہوتا ہے اور میں یہی سمجھتا ہوں کہ بغیر اس کے اذن کے کوئی چیز اپنا اثر نہیں کر سکتی یہاں تک کہ پانی کا ایک قطرہ بھی اندر نہیں جا سکتا اور نہ وہ مؤثر ہو سکتا ہے وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ کے یہی معنے ہیں۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 262)

ذرہ ذرہ عالم کا جس سے انواع واقسام کے تغیرات ہوتے رہتے ہیں یہ سب خدا کے فرشتے ہیں اور توحید پوری نہیں ہوتی جب تک ہم ذرہ ذرہ کو خدا کے فرشتے مان نہ لیں کیونکہ اگر ہم تمام مؤثرات کو جو دنیا میں پائی جاتی ہیں خدا کے فرشتے تسلیم نہ کر لیں تو پھر ہمیں اقرار کرنا پڑے گا کہ یہ تمام تغیرات انسانی جسم اور تمام عالم میں بغیر خدا تعالیٰ کے علم اور ارادہ اور مرضی کے خود بخود ہو رہے ہیں اور اس صورت میں خدا تعالیٰ کو محض معطل اور بے خبر ماننا پڑے گا۔ پس فرشتوں پر ایمان لانے کا یہ راز ہے کہ بغیر اس کے توحید قائم نہیں رہ سکتی اور ہر ایک چیز کو اور ہر ایک تاثیر کو خدا تعالیٰ کے ارادہ سے باہر ماننا پڑتا ہے اور فرشتہ کا مفہوم تو یہی ہے کہ فرشتے وہ چیزیں ہیں جو خدا کے حکم سے کام کر رہی ہیں پس جبکہ یہ قانون ضروری اور مسلم ہے تو پھر جبرائیل اور میکائیل سے کیوں انکار کیا جائے؟ (چشمہ معرفت۔ ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 181 حاشیہ)

وَ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰھَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّ شُھُبًا۔ (الجن:9)

اور ہم فرشتوں کے وجود اور ان کی ان خدمات پر کسی قدر اس رسالہ میں بحث کر آئے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ فرشتوں کا وجود ماننے کے لئے نہایت سہل اور قریب راہ یہ ہے کہ ہم اپنی عقل کی توجہ اس طرف مبذول کریں کہ یہ بات طے شدہ اور فیصل شدہ ہے کہ ہمارے اجسام کی ظاہری تربیت اور تکمیل کے لئے اور نیز اس کام کے لئے کہ تا ہمارے ظاہری حواس کے افعال مطلوبہ کما ینبغی صادر ہو سکیں۔ خدا تعالیٰ نے یہ قانون قدرت رکھا ہے کہ عناصر اور شمس وقمر اور تمام ستاروں کو اس خدمت میں لگا دیا ہے کہ وہ ہمارے اجسام اور قویٰ کو مدد پہنچا کر ان سے بوجہ احسن ان کے تمام کام صادر کرا دیں اور ہم ان صداقتوں کے ماننے سے کسی طرف باگ نہیں سکتے کہ مثلاً ہماری آنکھ اپنی ذاتی روشنی سے کسی کام کو بھی انجام نہیں دے سکتی جب تک آفتاب کی روشنی اس کے ساتھ شامل نہ ہو اور ہمارے کان محض اپنی قوت شنوائی سے کچھ بھی سن نہیں سکتے۔ جب تک کہ ہوا متکیّف الصوت ان کی مدد ومعاون نہ ہو۔ پس کیا اس سے ثابت نہیں کہ خدا تعالیٰ کے قانون نے ہمارے قویٰ کی تکمیل اسباب خارجیہ میں رکھی ہے اور ہماری فطرت ایسی نہیں ہے کہ اسباب خارجیہ کی مدد سے مستغنی ہو اگر غور سے دیکھو تو نہ صرف ایک دو بات میں بلکہ ہم اپنے تمام حواس تمام قویٰ تمام طاقتوں کی تکمیل کے لئے خارجی امدادات کے محتاج ہیں پھر جبکہ یہ قانون اور انتظام خدائے واحد لاشریک کا جس کے کاموں میں وحدت اور تناسب ہے ہمارے خارجی قویٰ اور حواس اور اغراضِ جسمانی کی نسبت نہایت شدت اور استحکام اور کمال التزام سے پایا جاتا ہے تو پھر کیا یہ بات ضروری اور لازمی نہیں کہ ہماری روحانی تکمیل اور روحانی اغراض کے لئے بھی یہی انتظام ہوتا۔ دونوں انتظام ایک ہی طرز پر واقع ہو کر صانع واحد پر دلالت کریں اور خود ظاہر ہے کہ جس

حکیم مطلق نے ظاہری انتظام کی یہ بناڈالی ہے اوراسی کو پسند کیا ہے کہ اجرام سماوی اورعناصر وغیرہ اسباب خارجیہ کے اثر سے ہمارے ظاہر اجسام اورقویٰ اور حواس کی تکمیل ہو اس حکیم قادر نے ہماری روحانیت کے لئے بھی یہی انتظام پسند کیا ہوگا کیونکہ وہ واحد لاشریک ہے اوراس کی حکمتوں اور کاموں میں وحدت اور تناسب ہے اور دلائل اِنیہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔سو وہ اشیاء خارجیہ جو ہماری روحانیت پر اثر ڈال کرشمس اور قمراورعناصر کی طرح جو اغراض جسمانی کے لئے ممد ہیں ہماری اغراض روحانی کو پورا کرتی ہیں انہیں کا نام ہم ملائک رکھتے ہیں۔

(آئینہ کمالات اسلام ۔ر۔خ۔جلد5صفحہ 135-133 حاشیہ)

فرشتوں کی حقیقت معلوم کرنا منع ہے

فکذلک الملائکة الذین کانوا فی صبغة صفات ربھم کمثل انصباغ الظل بصبغة اصلہ لا نعرف حقیقتھا و نومن بھا۔ کیف نشبہ احوالھم باحوال انسان نعرف حقیقة صفاتہ و حدود خواصہ وسکناتہ وحرکاتہ و قد منعنا اللہ من ھذا و قال ما یعلم جنود ربک الاھو۔ فاتقوا اللہ یا ارباب النھی۔
(آئینہ کمالات اسلام ۔ر۔خ۔جلد5صفحہ 387-386)

(ترجمہ)اسی طرح ملائکہ کا حال ہے جو اپنے خدا کی صفات میں اسی طرح رنگین ہیں جس طرح سایہ اپنے اصل کا رنگ رکھتا ہے۔ہم اس کی حقیقت کو نہیں جانتے لیکن اس پر ایمان رکھتے ہیں۔پھر ہم ان کے حالات کو کس طرح ایسے انسان کے حالات سے مشابہہ قرار دے سکتے ہیں جس کی صفات کی حقیقت کو ہم جانتے ہیں۔اس کی خاصیتوں کی حدود۔سکنات اور حرکات کو جانتے ہیں۔اور **اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں فرشتوں کی حقیقت میں جانے سے منع فرمایا ہے اور کہا ہے مَا یَعۡلَمُ جُنُوۡدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ (المدثر : 32)** کہ اللہ کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔پس اے عقلمندو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو۔

ایمان بر ملائکہ اور ابلیس

وَ اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ کَانَ مِنَ الۡجِنِّ فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّہٖ اَفَتَتَّخِذُوۡنَہٗ وَ ذُرِّیَّتَہٗۤ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِیۡ وَ ھُمۡ لَکُمۡ عَدُوٌّ بِئۡسَ لِلظّٰلِمِیۡنَ بَدَلًا۔ (الکھف:51)

اصل بات یہ ہے کہ قانون الٰہی ملائکہ وابلیس کی تحریکات کا دوش بدوش چلتا ہے لیکن آخر کار ارادہ الٰہی غالب آجاتا ہے گویا پس پردہ ایک جنگ ہے جو خود بخود جاری رہ کر آخر قادر ومقتدر حق کا غلبہ ہو جاتا ہے اور باطل کی شکست۔**چار چیزیں ہیں جن کی کنہ وراز کو معلوم کرنا انسان کی طاقت سے بالاتر ہے۔اوّل۔اللہ جل شانہٗ۔دویم روح۔سویم۔ملائکہ۔چہارم۔ابلیس۔ہر شخص ان چہاروں میں سے خدا تعالیٰ کے وجود کا قائل ہے اور اس کے صفات الوہیت پر ایمان رکھتا ہے۔ضرور ہے کہ وہ ہر سہ اشیاء روح وملائکہ وابلیس پر ایمان لائے۔**

......انسان کو ہر حال میں رضائے الٰہی پر چلنا چاہیئے اور کارخانہ الٰہی میں دخل در معقولات نہیں دینا چاہیئے۔تقویٰ اور طہارت اطاعت و وفا میں ترقی کرنی چاہیئے اور یہ سب باتیں تب ممکن ہیں جب انسان کامل ایمان اور یقین سے ثابت قدم رہے اور صدق و اخلاص اپنے مولیٰ کریم سے دکھلائے اور وہ باتیں جو علم الٰہی میں مخفی ہیں اس کے کنہ معلوم کرنے میں بے سود کوشش نہ کرے......جو شخص ہر ایک چیز کی خواص و ماہیت دریافت کرنے کے پیچھے لگ جاتا ہے وہ نادانی سے کارخانہ ربی اور اس کی منشاء سے بالکل ناواقف و نابلد ہے اگر کوئی کہے کہ شیطان و ملائکہ دکھلاؤ تو کہنا چاہیئے کہ تمہارے اندر یہ خواص کہ بیٹھے بٹھائے آناًفاناً بدی کی طرف متوجہ ہو جانا یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی ذات سے بھی منکر ہو جانا اور کبھی نیکی میں ترقی کرنا اور انتہا درجہ کی انکسار و فروتنی و عجز و نیاز میں گر جانا یہ اندرونی کششیں جو تمہارے اندر موجود ہیں ان سب کے محرک جو قویٰ ہیں وہ ان دو الفاظ ملک و شیطان کے وجود میں مجسم ہیں۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 312-313)

شیطان کے معنے ہیں ہلاک ہونے والا یہ لفظ شیط سے نکلا ہے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ر۔خ۔جلد 10 صفحہ 39)

جو وجود شر انگیز ہے۔یعنی وجود شیطان جس کا مقام ذوالعقول کے قسم میں انتہائی نقطہ انخفاض میں واقع ہے اس کا اثر ہر یک دل کو جو اس سے کچھ نسبت رکھتا ہے شرک کی طرف کھینچتا ہے جس قدر کوئی اس سے مناسبت پیدا کرتا ہے اسی قدر بے ایمانی اور خباثت کے خیال اس کو سوجھتے ہیں یاں تک کہ جس کو مناسبت تام ہو جاتی ہے وہ اسی کے رنگ اور روپ میں آکر پورا پورا شیطان ہو جاتا ہے اور ظلی طور پر ان سب کمالات خباثت کو حاصل کر لیتا ہے جو اصلی شیطان کو حاصل ہیں۔ (سرمہ چشم آریہ۔ر۔خ۔جلد 2 صفحہ 251-250 حاشیہ)

بعض فرقے جو شیطان کے وجود سے منکر ہیں وہ تعجب کریں گے کہ شیطان کیا چیز ہے پس ان کو یاد رہے کہ انسان کے دل کے ساتھ دو کششیں ہر وقت نوبت بہ نوبت لگی رہتی ہیں ایک کشش خیر کی اور ایک کشش شر کی۔ پس جو خیر کی کشش ہے شریعت اسلام اس کو فرشتہ کی طرف منسوب کرتی ہے اور جو شر کی کشش ہے اس کو شریعت اسلام شیطان کی طرف منسوب کرتی ہے اور مدعا صرف اس قدر ہے کہ انسانی سرشت میں دو کششیں موجود ہیں کبھی انسان نیکی کی طرف جھکتا ہے اور کبھی بدی کی طرف۔ (لیکچر لاہور۔ر۔خ۔جلد 20 صفحہ 179)

ملائکہ اور صفاتِ باری تعالیٰ

وَجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا۔ (الفجر:23)

القران الکریم یبین ان الملائکۃ یشابھون بصفا تھم صفات اللہ تعالی کما قال عزوجل۔ وجاء ربک والملک صفا صفا۔ فانظر۔ رزقک اللہ دقائق المعرفۃ۔ انہ تعالی کیف اشار فی ھذہ الایۃ الی ان مجیئہ ومجیئ الملائکۃ و نزولہ ونزول الملائکۃ متحد فی الحقیقۃ والکیفیۃ۔

(حمامۃ البشریٰ۔ ر۔خ۔جلد7صفحہ272)

ترجمہ از مرتب:۔قرآن کریم یہ بیان فرماتا ہے کہ ملائکہ اپنی صفات میں اللہ تعالیٰ کی صفات سے مشابہت رکھتے ہیں جیسا کہ اللہ عزوجلّ نے فرمایا ہے وَجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا۔یعنی تیرا رب اس شان میں آئیگا کہ فرشتے صفیں باندھے کھڑے ہوں گے۔اللہ تعالیٰ تمہیں دقائق معرفت عطا کرے۔تم غور کرو کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کس طرح اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کا آنا اور فرشتوں کا آنا اور اس کا اترنا اور فرشتوں کا اترنا۔حقیقت اور کیفیت میں متحد ہے۔

یَخَافُوْنَ رَبَّھُمْ مِّنْ فَوْقِھِمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۔ (النحل:51)

دس ہزار صحابہ کو پہلی کتابوں میں ملائکہ لکھا ہے اور حقیقت میں ان کی شان ملائکہ ہی کی سی تھی۔انسانی قویٰ بھی ایک طرح پر ملائکہ ہی کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ جیسے ملائکہ کی یہ شان ہے کہ یَفْعَلُوْنَ مَایُؤْمَرُوْنَ اسی طرح پر انسانی قویٰ کا خاصہ ہے کہ جو حکم ان کو دیا جائے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ایسا ہی تمام قویٰ اور جوارح حکم انسانی کے نیچے ہیں۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 120)

نزولِ ملائکہ

وَ مَا مِنَّا اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ۔ (الصّٰفّٰت:165)

و مقامات الملئکۃ فی السموت ثابتۃ لا ریب فیھا کما قال عزوجل حکایۃ عنھم ۔ و ما منا الا لہ مقام معلوم (الصفت:165) و ما نری فی القران ایۃ تشیر الی انھم یترکون مقاماتھم فی وقت من الاوقات بل القران یشیر الی انھم لا یترکون مقاماتھم التی ثبتھم اللہ علیھا و مع ذلک ینزلون الی الارض و یدرکون اھلھا باذن اللہ تعالی و یتبرزون فی برزات کثیرۃ فتارۃ یتمثلون للانبیاء فی صور بنی ادم و مرۃ یتراؤون کالنور وکرۃ یراھم اھل الکشف کالاطفال واخری کالا مارد و یخلق لھم اللہ فی الارض اجسادا جدیدۃ غیر اجسادھم الاصلیۃ بقدرتہ اللطیفۃ المحیطۃ ومع ذلک تکون لھم اجساد فی السماء و ھم لا یفارقون اجساد ھم السماویۃ و لا یبرحون مقاماتھم و یجیئون الانبیاء و کل من ارسلوا الیہ مع انھم لا یترکون المقامات وھذا سر من اسرار اللہ فلا تعجب منہ الم تعلم ان اللہ علی کل شئ قدیر فلاتکن من المکذبین۔ (حمامۃ البشریٰ۔ر۔خ۔جلد7صفحہ273)

ترجمہ از مرتب:۔اس میں کوئی شک نہیں کہ آسمانوں میں فرشتوں کے مقامات ثابت ہیں جیسا کہ اللہ عزّوجلّ ان کی طرف سے حکایتاً بیان فرمایا ہے۔وَ مَا مِنَّا اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ اور ہم قرآن کریم میں ایک آیت بھی ایسی نہیں پاتے جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہو کہ فرشتے اپنے مقامات کو کسی وقت چھوڑ دیتے ہیں بلکہ قرآن کریم اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ ان مقامات کو جن پر اللہ تعالیٰ نے ان کو قائم کیا ہے نہیں چھوڑتے اور اس کے باوجود وہ زمین پر اترتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے زمین والوں سے ملاقات کرتے ہیں اور مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔کبھی تو وہ انبیاء کے لئے بنی آدم کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی وہ نور کی طرح نظر آتے ہیں اور کبھی ان کو اہل کشف بچوں اور بے ریش نوجوانوں کی شکل میں دیکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے لئے زمین میں ان کے اصلی وجودوں کے علاوہ نئے وجود اپنی لطیف اور محیط قدرت سے پیدا کر دیتا ہے اور اس کے ساتھ ہی آسمانوں میں بھی ان کے اجسام ہوتے ہیں اور وہ ان سماوی اجسام سے علیحدہ نہیں ہوتے اور اپنے مقامات سے نہیں ہٹتے اور انبیاء پر اور دوسرے سب لوگوں کی طرف جن کی طرف وہ بھیجے جاتے ہیں' نازل ہوتے ہیں لیکن وہ اپنے اصل مقامات کو نہیں چھوڑتے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے تو اس سے تعجب نہ کر۔کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر امر پر قادر ہے۔پس تو جھٹلانے والوں میں سے نہ بن۔

درجات ملائکہ

ملایک اللہ (جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں) ایک ہی درجہ کی عظمت اور بزرگی نہیں رکھتے نہ ایک ہی قسم کا کام انہیں سپرد ہے بلکہ ہر یک فرشتہ علیحدہ علیحدہ کاموں کے انجام دینے کے لیے مقرر کیا گیا ہے دنیا میں جس قدر تم تغیرات وانقلابات دیکھتے ہو یا جو کچھ مکمن قوۃ سے حیّزِ فعل میں آتا ہے یا جس قدر ارواح واجسام اپنے کمالات مطلوبہ تک پہنچتے ہیں ان سب پر تاثیرات سماویہ کام کر رہی ہیں اور کبھی ایک ہی فرشتہ مختلف طور کی استعدادوں پر مختلف طور کے اثر ڈالتا ہے۔

(توضیح مرام۔ر۔خ۔جلد 3 صفحہ 86-85)

ملائکہ کا دائرۂ کار

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا۔ (النّٰزعٰت :6)

خدا تعالیٰ نے آیت فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا۔ میں فرشتوں اور ستاروں کو ایک ہی جگہ جمع کر دیا ہے۔یعنی اس آیت میں کواکب سبع کو ظاہری طور پر مُدَبِّرُ مَا فِی الْاَرْضِ ٹھہرایا ہے اور ملایک کو باطنی طور پر ان چیزوں کا مدبر قرار دیا ہے۔چنانچہ تفسیر فتح البیان میں معاذ بن جبل اور قشیری سے یہ دونوں روایتیں موجود ہیں اور ابن کثیر نے حسن سے یہ روایت ملایک کی نسبت کی ہے کہ تُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ یعنی آسمان سے زمین تک جس قدر امور کی تدبیر ہوتی ہے وہ سب ملایک کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور ابن کثیر لکھتا ہے کو یہ متفق علیہ قول ہے کہ مدبرات امر ملایک ہیں۔

اور ابن جریر نے بھی آیات فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا کے نیچے یہ شرح کی ہے کہ اس سے مراد ملائک ہیں جو مدبر عالم ہیں یعنی گو بظاہر نجوم اور شمس و قمر و عناصر وغیرہ اپنے اپنے کام میں مشغول ہیں مگر درحقیقت مدبر ملائک ہی ہیں۔ اب جبکہ خدا تعالیٰ کے قانون قدرت کے رو سے یہ بات نہایت صفائی سے ثابت ہوگئی کہ نظام روحانی کے لئے بھی نظام ظاہری کی طرح موثرات خارجیہ ہیں جن کا نام کلام الٰہی میں ملائک رکھا ہے تو اس بات کا ثابت کرنا باقی رہا کہ نظام ظاہری میں بھی جو کچھ ہو رہا ہے ان تمام افعال اور تغیرات کا بھی انجام اور انصرام بغیر فرشتوں کی شمولیت کے نہیں ہوتا۔ سو منقولی طور پر اس کا ثبوت ظاہر ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے فرشتوں کا نام مدبرات اور مقسمات امر رکھا ہے اور ہر یک عرض اور جوہر کے حدوث اور قیام کا وہی موجب ہیں یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کے عرش کو بھی وہی اٹھائے ہوئے ہیں۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔ خ۔ جلد 5 صفحہ 136-135 حاشیہ)

اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ۔ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ۔ يَعْلَمُوْنَ مَاتَفْعَلُوْنَ۔ (الانفطار: 11 تا 13)

قرآن کریم میں اور بہت سی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی تربیت اور حفاظت ظاہری و باطنی کے لئے اور نیز اس کے اعمال کے لکھنے کے لئے ایسے فرشتے مقرر ہیں کہ جو دائمی طور پر انسانوں کے پاس رہتے ہیں۔ .... وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ...... کہ تم پر حفاظت کرنے والے مقرر ہیں۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔ خ۔ جلد 5 صفحہ 79-78)

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (الطارق: 5)۔ اگرچہ ملائک جسمانی آفات سے بھی بچاتے ہیں لیکن ان کا بچانا روحانی طور پر ہی ہے۔ مثلاً ایک شخص ایک گرنے والی دیوار کے نیچے کھڑا ہے تو یہ تو نہیں کہ فرشتہ اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر اس کو دور لے جائے گا بلکہ اگر اس شخص کا اس دیوار سے بچنا مقدر ہے تو فرشتہ اس کے دل میں الہام کر دے گا کہ یہاں سے جلد کھسکنا چاہیئے لیکن ستاروں اور عناصر وغیرہ کی حفاظت جسمانی ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔ خ۔ جلد 5 نوٹ بر صفحہ 99)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔ (التحریم: 7)

پس یہی وجہ کہ انسان کی روحانی تربیت بلکہ جسمانی تربیت کے لئے بھی فرشتے وسائط مقرر کئے گئے مگر یہ تمام وسائط خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں مجبور اور ایک کل کی طرح ہیں جس کو اس کا پاک ہاتھ چلا رہا ہے اپنی طرف سے نہ کوئی ارادہ رکھتے ہیں نہ کوئی تصرف۔ جس طرح ہوا خدا تعالیٰ کے حکم سے ہمارے اندر چلی جاتی ہے اور اسی کے حکم سے تاثیر کرتی ہے یہی صورت اور بتمامہ یہی حال فرشتوں کا ہے۔ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔ خ۔ جلد 5 صفحہ 87 حاشیہ)

تیسری فصل

ایمان بر کتب سماوی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا۔(النساء:137)

(ترجمہ) اے لوگو جو ایمان لائے ہو خدا پر ایمان لاؤ۔ اور اس کے رسول پر اور اسکی اس کتاب پر جو اس کے رسول پر نازل ہوئی ہے یعنی قرآن شریف پر اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو پہلے نازل ہوئی۔ یعنی توریت وغیرہ پر۔ اور جو شخص خدا پر اور اس کے فرشتوں پر اور اسکے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لائے گا اور حق سے بہت دور جا پڑا یعنی نجات سے محروم رہا۔ (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 129)

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۔ (البقرة :286)

یعنی رسول اور اس کے ساتھ کے مومن اس کتاب پر ایمان لائے ہیں جو ان پر نازل کی گئی اور ہر ایک خدا پر ایمان لایا اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور ان کا یہ اقرار ہے کہ ہم خدا کے رسولوں میں تفرقہ نہیں ڈالتے۔ اس طرح پر کہ بعض کو قبول کریں اور بعض کو رد کر دیں۔ بلکہ ہم سب کو قبول کرتے ہیں۔ ہم نے سنا اور ایمان لائے اے خدا ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری طرف ہی ہماری بازگشت ہے۔ ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ قرآن شریف ان تمام نبیوں کا ماننا جن کی قبولیت دنیا میں پھیل چکی ہے مسلمانوں کا فرض ٹھہراتا ہے اور قرآن شریف کی رو سے ان نبیوں کی سچائی کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ دنیا کے ایک بڑے حصہ نے ان کو قبول کیا اور ہر ایک قدم میں خدا کی مدد اور نصرت ان کے شامل حال ہوگئی۔ خدا کی شان اس سے بلند تر ہے کہ وہ کروڑ ہا انسانوں کو اس شخص کا سچا تابع اور جاں نثار کرے جس کو وہ جانتا ہے کہ خدا پر افترا کرتا ہے اور دنیا کو دھوکہ دیتا ہے اور دروغ گو ہے اور اگر کاذب کو ایسی ہی عزت دی جائے جیسا کہ صادق کو تو امان اُٹھ جاتا ہے اور امر نبوت صادقہ مشتبہ ہو جاتا ہے۔ **پس یہ اصول نہایت صحیح اور سچا کہ جن نبیوں کو قبولیت دی جاتی ہے اور ہر ایک قدم میں حمایت اور نصرت الٰہی ان کے شامل حال ہو جاتی ہے وہ ہرگز جھوٹے ہوا نہیں کرتے۔ ہاں ممکن ہے کہ پیچھے آنے والے ان کے نوشتوں میں تحریف تبدیل کر دیں اور اپنی نفسانی تفسیروں سے ان کے مطالب کو الٹا دیں** بلکہ پُرانی کتابوں کے لیے یہ بھی ایک لازمی امر ہے کہ مختلف خیالات کے آدمی اپنے خیال کے طور پر ان کے معنے کرتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ وہی معنے جزو کتاب کی سمجھے جاتے ہیں۔ اور پھر انہیں مختلف خیالات کی کشش کی وجہ سے کئی فرقے ہو جاتے ہیں اور ہر ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے مخالف معنے کرتا ہے۔ (چشمہ معرفت۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 378-377)

سورۂ بقرہ کے شروع میں یہ آیات ہیں ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ۔ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۔ وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَا اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَ مَا اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ وَ بِالۡاٰخِرَۃِ ھُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ۔ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنۡ رَّبِّھِمۡ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ۔ (البقرة:3تا6)

ترجمہ۔ یہ کتاب جو شکوک وشبہات سے پاک ہے متقیوں کے لئے ہدایت نامہ ہے اور متقی وہ لوگ ہیں جو خدا پر (جس کی ذات مخفی درمخفی ہے) ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور اپنے مالوں میں سے خدا کی راہ میں کچھ دیتے اور اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو تیرے پر نازل ہوئی اور نیز ان کتابوں پر ایمان لاتے ہیں جو تجھ سے پہلے نازل ہوئیں وہی لوگ خدا کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی ہیں جو نجات پائیں گے۔

(حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد22 صفحہ 136-135)

قرآن شریف آخری کتاب ہے

ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی ہے اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہوسکتا اور نہ کم ہوسکتا ہے اور اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام منجانب اللہ نہیں ہوسکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کے تبدیل یا تغیر کرسکتا ہو اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے اور ہمارا اس بات پر بھی ایمان ہے کہ ادنیٰ درجہ صراط مستقیم کا بھی بغیر اتباع ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہرگز انسان کو حاصل نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ راہ راست کے اعلیٰ مدارج بجز اقتدا اس امام الرسل کے حاصل ہوسکیں کوئی مرتبہ شرف وکمال کا اور کوئی مقام عزت اور قرب کا بجز سچی اور کامل متابعت اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ہم ہرگز حاصل کر ہی نہیں سکتے۔ ہمیں جو کچھ ملتا ہے ظلی اور طفیلی طور پر ملتا ہے۔

(ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد3 صفحہ 170)

چوتھی فصل

ایمان بالرّسول

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔ (الحجرات :16)

سوا اس کے نہیں کہ مومن وہ لوگ ہیں جو خدا اور رسول پر ایمان لائے پھر بعد اس کے ایمان پر قائم رہے اور شکوک وشبہات میں نہیں پڑے۔ **دیکھو ان آیات میں خدا تعالیٰ نے حصر کر دیا کہ خدا کے نزدیک مومن وہی لوگ ہیں کہ جو صرف خدا پر ایمان نہیں لاتے بلکہ خدا اور رسول دونوں پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر بغیر ایمان بالرّسول کے نجات کیونکر ہو سکتی ہے اور بغیر رسول پر ایمان لانے کے صرف توحید کس کام آ سکتی ہے۔** (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 132)

وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ کَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ وَلَا یَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ کُسَالٰی وَلَا یُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ کٰرِهُوْنَ۔ (التوبة:54)

یعنی اس بات کا سبب جو کفار کے صدقات قبول نہیں کیے جاتے صرف یہ ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسول سے منکر ہیں۔ اب دیکھو...... **صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ رسول پر ایمان نہیں لاتے ان کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ خدا ان کو قبول نہیں کرتا اور پھر جب اعمال ضائع ہوئے تو نجات کیونکر ہو گی۔** (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 132)

خشک توحید کے قائل تو اور مذاہب بھی ہیں مثلاً یہود پھر برھمو سماج۔ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ پڑھنے کا کیا فائدہ ہے۔ یہی تو فائدہ ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت و پیروی وتصدیق رسالت اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے اور ان انعامات کا وارث جو اگلے برگزیدہ انبیاء پر ہوئے۔ چنانچہ فرمایا۔ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا (الانفال:30) یعنی وہ تمہیں ایک فرقان دے گا۔ پس دوسرے مذاہب اور اس میں ایک مابہ الامتیاز اسی جہان میں ہونا ضروری ہے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 633)

اگرچہ ہمارا ایمان ہے کہ نری خشک توحید مدار نجات نہیں ہو سکتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے علیحدہ ہو کر کوئی عمل کرنا انسان کو ناجی نہیں بنا سکتا۔ لیکن طمانیت قلب کے لیے عرض پرداز ہیں۔ کہ عبدالحکیم خاں نے جو آیات لکھی ہیں ان کا کیا مطلب ہے مثلاً **اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰی وَالصَّابِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ** اور جیسا کہ یہ آیت **بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۔** اور جیسا کہ یہ آیت **تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔**

واضح ہو کہ قرآن شریف میں ان آیات کے ذکر کرنے سے یہ مطلب نہیں ہے کہ بغیر اس کے جو رسول پر ایمان لایا جائے نجات ہو سکتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ بغیر اس کے کہ خدائے واحد لاشریک اور یوم آخرت پر ایمان لایا جاوے نجات نہیں ہو سکتی اور اللہ پر پورا ایمان تبھی ہو سکتا ہے کہ اس کے رسولوں پر ایمان لاوے وجہ یہ کہ وہ اس کی صفات کے مظہر ہیں اور کسی چیز کا وجود بغیر وجود اس کی صفات کے پایہ ثبوت نہیں پہنچتا۔ لہٰذا بغیر علم صفات باری تعالیٰ کے معرفت باری تعالیٰ ناقص رہ جاتی ہے۔ (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 173-172)

(10) یٰایھا لناس قد جآء کم الرسول بالحق من ربکم فامنوا خیراً لکم وان تکفروا فان للہ ما فی السموات والارض وکان اللہ علیما حکیما۔ (الجزو نمبر 6 سورۃ نساء)

(ترجمہ) اے لوگو! تمہارے پاس رسول حق کے ساتھ آیا ہے۔ پس تم اس رسول پر ایمان لاؤ۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے اور اگر تم کفر اختیار کرو تو خدا کو تمہاری کیا پرواہ ہے۔ زمین و آسمان سب اسی کا ہے اور سب اس کی اطاعت کر رہے ہیں اور خدا علیم اور حکیم ہے۔ (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 132-131)

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّ حِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ۔ (ال عمران :82)

(ترجمہ) اور یاد کر جب خدا نے تمام رسولوں سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت دونگا اور پھر تمہارے پاس آخری زمانہ میں میرا رسول آئے گا جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کریگا تمہیں اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی اور کہا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس عہد پر استوار ہو گئے انہوں نے کہا کہ ہم نے اقرار کر لیا۔ تب خدا نے فرمایا کہ اب اپنے اقرار کے گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ اس بات کا گواہ ہوں۔

اب ظاہر ہے کہ انبیاء تو اپنے اپنے وقت پر فوت ہو گئے تھے یہ حکم ہر نبی کی امت کے لیے ہے کہ جب وہ رسول ظاہر ہو تو اس پر ایمان لاؤ ورنہ مواخذہ ہوگا۔ اب بتلاویں میاں عبدالحکیم خان نیم ملا خطرہ ایمان! اگر صرف توحید خشک سے نجات ہو سکتی ہے تو پھر خدا تعالیٰ ایسے لوگوں سے کیوں مواخذہ کریگا جو گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے مگر توحید باری کے قایل ہیں۔ (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 134-133)

ایمان بالرسل کی ضرورت

پھر اسی خط میں ایک دوسرا سوال یہ بھی تھا کہ کیوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے کے بغیر نجات نہیں ہوسکتی؟ اس پر فرمایا کہ:۔

رسول وہ ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات ہوتے ہیں۔ پس جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ بہت خطرناک جرم کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ وہ شریعت کے سارے سلسلہ کو باطل کرنا چاہتا ہے اور حلت وحرمت کی قید اٹھا کر اباحت کا مسئلہ پھیلانا چاہتا ہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیسے نجات کا مانع نہ ہو؟ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو لاانتہا برکات اور فیوض لے کر آیا ہے اس کا انکار ہو اور پھر نجات کی امید۔ اس کا انکار کرنا ساری بدکاریوں اور بدمعاشیوں کو جائز سمجھنا ہے کیونکہ وہ ان کو حرام ٹھہراتا ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 394)

(14) قوله تعالى۔ و الذين امنوا و عملوا الصالحات و امنوا بما نزّل على محمد و هو الحق من ربهم كفر عنهم سياتهم و اصلح بالهم ۔ (الجزو نمبر 26سورۃ محمد2-3)

ترجمہ۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اور وہ کلام جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس پر ایمان لائے اور وہی حق ہے ایسے لوگوں کے خدا گناہ بخش دیگا اور انکے دلوں کی اصلاح کریگا۔ اب دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی وجہ سے کس قدر خدا تعالیٰ اپنی خوشنودی ظاہر فرماتا ہے کہ ان کے گناہ بخشتا ہے اور ان کے تزکیہ نفس کا خود متکفل ہوتا ہے۔ پھر کیسا بدبخت وہ شخص ہے جو کہتا ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں اور غرور اور تکبر سے اپنے تئیں کچھ سمجھتا ہے۔ سعدیؒ نے سچ کہا ہے:۔

محال ست سعدی کہ راہِ صفا   تواں رفت جز درپئے مصطفٰے
برد مہرِ آں شاہ سوئے بہشت   حرام اہست بر غیر بوئے بہشت

ترجمہ۔ رسول اکرم کی پیروی کے بغیر نیکی کی راہ اختیار نہیں ہوسکتی اس بادشاہ کی محبت بہشت تک لے جاتی ہے۔ غیر کے در تک بہشت کی خوشبو نہیں پہنچتی۔ (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 133)

نبی کی تعریف

لَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖۤ اَحَدًا۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجنّ:28-27)

نبی کے معنے لغت کی رو سے یہ ہیں کہ خدا کی طرف سے اطلاع پا کر غیب کی خبر دینے والا۔ پس جہاں یہ معنے صادق آئیں گے نبی کا لفظ بھی صادق آئے گا اور نبی کا رسول ہونا شرط ہے کیونکہ اگر وہ رسول نہ ہو تو پھر غیب مصفی کی خبر اس کو مل نہیں سکتی اور یہ آیت روکتی ہے لَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجنّ :28-27)۔ اب اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان معنوں کی رو سے نبی سے انکار کیا جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ یہ امت مکالمات ومخاطبات الٰہیہ سے بے نصیب ہے کیونکہ جس کے ہاتھ پر اخبار غیبیہ منجانب اللہ ظاہر ہونگے بالضرورت اس پر مطابق آیت لَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ کے مفہوم نبی کا صادق

آئے گا۔اسی طرح جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا جائے گا اسی کو ہم رسول کہیں گے۔فرق درمیان یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک ایسا نبی کوئی نہیں جس پر جدید شریعت نازل ہو یا جس کو بغیر توسط آنجناب اور ایسی فنافی الرسول کی حالت کے جو آسمان پر اس کا نام محمد اور احمد رکھا جائے یونہی نبوت کا لقب عنایت کیا جائے۔ وَ مَنِ ادَّعٰی فَقَدْ کَفَرَ ۔اس میں اصل بھید یہی ہے کہ خاتم النبیین کا مفہوم تقاضا کرتا ہے کہ جب تک کوئی پردہ مغائرت کا باقی ہے اس وقت تک اگر کوئی نبی کہلائے گا تو گویا اس مہر کو توڑنے والا ہوگا جو خاتم النبیین پر ہے لیکن اگر کوئی شخص اسی خاتم النبیین میں ایسا گم ہو کہ بباعث نہایت اتحاد اور نفی غیریت کے اسی کا نام پالیا ہو اور صاف آئینہ کی طرح محمدی چہرہ کا اس میں انعکاس ہو گیا تو وہ بغیر مہر توڑنے کے نبی کہلائیگا کیونکہ وہ محمد ہے گو ظلی طور پر۔

(مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 434-433)

انبیاء کی ضرورت

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (ال عمران: 32)

خدا کی ذات میں بخل نہیں۔اور نہ انبیاء اس لیے آتے ہیں کہ ان کی پوجا کی جاوے۔بلکہ اس لیے کہ لوگوں کو تعلیم دیں کہ ہماری راہ اختیار کرنے والے ہمارے ظل کے نیچے آجاویں گے۔جیسے فرمایا۔اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ یعنی میری پیروی میں تم خدا کے محبوب بن جاؤ گے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر محبوب ہونے کی بدولت یہ سب اکرام ہوئے مگر جب کوئی اور شخص محبوب بنے گا۔تو اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔اگر اسلام ایسا مذہب ہے تو سخت بیزاری ہے ایسے اسلام سے۔مگر ہرگز اسلام ایسا مذہب نہیں۔آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) تو وہ مائدہ لائے ہیں کہ جو چاہے اس کو حاصل کرے۔وہ نہ تو دنیا کی دولت لائے اور نہ مہاجن بن کر آئے تھے۔وہ تو خدا کی دولت لائے تھے اور خود اس کے قاسم تھے پھر اگر وہ مال دینا نہیں تھا تو کیا وہ گٹھڑی واپس لے گئے۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 177-176)

نبی کا آنا ضروری ہوتا ہے۔اس کے ساتھ قوت قدسی ہوتی ہے اور ان کے دل میں لوگوں کی ہمدردی' نفع رسانی اور عام خیر خواہی کا بیتاب کر دینے والا جوش ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ (الشعراء:4) یعنی کیا تو اپنی جان کو ہلاک کر دے گا اس خیال سے کہ وہ مومن نہیں ہوتے؟ اس کے دو پہلو ہیں ایک کافروں کی نسبت کہ وہ مسلمان کیوں نہیں ہوتے دوسرا مسلمانوں کی نسبت کہ ان میں وہ اعلیٰ درجہ کی روحانی قوت کیوں نہیں پیدا ہوتی جو آپ چاہتے ہیں۔چونکہ ترقی تدریجاً ہوتی ہے اس لئے صحابہؓ کی ترقیاں بھی تدریجی طور پر ہوئی تھیں مگر انبیاء کے دل کی بناوٹ بالکل ہمدردی ہی ہوتی ہے اور پھر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو جامع جمیع کمالات نبوّت تھے آپؐ میں یہ ہمدردی کمال درجہ پر تھی آپ صحابہؓ کو دیکھ کر چاہتے تھے کہ پوری ترقیات پر پہنچیں لیکن یہ عروج ایک وقت پر مقدر تھا آخر صحابہؓ نے وہ پایا جو دنیا نے کبھی نہ پایا اور وہ دیکھا جو کسی نے نہ دیکھا تھا۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 338)

انتخاب انبیاء

ذرا غور کرنے سے انسان سمجھ سکتا ہے کہ جسے خدا تعالیٰ مامور کرتا ہے ضرور ہے کہ اس کے لیے اجتبا اور اصطفا ہو اور کچھ نہ کچھ اس میں ضرور خصوصیت چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کل مخلوق میں سے اسے برگزیدہ کرے۔ خدا کی نظر خطا جانے والی نہیں ہوتی۔ پس جب وہ کسی کو منتخب کرتا ہے وہ معمولی آدمی نہیں ہوتا۔ **قرآن شریف میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ** (الانعام:125)۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 547)

آنحضرتؐ کی فضیلت تمام انبیاء پر

وَ لَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکَ وَ رَحۡمَتُہٗ لَہَمَّتۡ طَّآئِفَۃٌ مِّنۡہُمۡ اَنۡ یُّضِلُّوۡکَ وَمَا یُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَہُمۡ وَ مَا یَضُرُّوۡنَکَ مِنۡ شَیۡءٍ وَ اَنۡزَلَ اللّٰہُ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ وَ عَلَّمَکَ مَا لَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمُ وَ کَانَ فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکَ عَظِیۡمًا۔ (النساء:114)

وَ کَانَ فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکَ عَظِیۡمًا۔ **یعنی تیرے پر خدا کا سب سے زیادہ فضل ہے اور کوئی نبی تیرے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہی تعریف بطور پیشگوئی زبور باب 45 میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں موجود ہے جیسا کہ فرمایا کہ خدا نے جو تیرا خدا ہے خوشی کے روغن سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ تجھے معطر کیا۔**

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 606 حاشیہ در حاشیہ نمبر 3)

حقیقت یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی فضیلت ہے جو کسی نبی میں نہیں ہے میں اس کو عزیز رکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کو جو شخص بیان نہیں کرتا وہ میرے نزدیک کافر ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 19)

یعنی خدا تعالیٰ نے تجھ کو وہ علوم عطا کیے جو تو خود بخود نہیں جان سکتا تھا اور فضل الٰہی سے فیضان الٰہی سب سے زیادہ تیرے پر ہوا یعنی تو معارف الٰہیہ اور اسرار اور علوم ربانی میں سب سے بڑھ گیا اور خدا تعالیٰ نے اپنی معرفت کے عطر کے ساتھ سب سے زیادہ تجھے معطر کیا غرض علم اور معرفت کو خدا تعالیٰ نے حقیقت اسلامیہ کے حصول کا ذریعہ ٹھہرایا ہے۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 187)

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا — نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر — لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے
وہ یارِ لامکانی وہ دلبرِ نہانی — دیکھا ہے ہم نے اس سے بس راہ نما یہی ہے
وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیں ہے — وہ طیب و امیں ہے اس کی ثنا یہی ہے

وَّاٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ (الجمعۃ:4)

روحانی زندگی کے لحاظ سے ہم تمام نبیوں میں سے اعلیٰ درجے پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ سمجھتے ہیں اور قرآن شریف کی آیت میں اس زندگی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس کا یہی مطلب ہے کہ جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی فیض پایا ایسا ہی آخری زمانہ میں ہوگا کہ مسیح موعود اور اس کی جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض پائے گی جیسا کہ اب ظہور میں آرہا ہے۔ (تبلیغ رسالت (مجموعہ اشتہارات) جلد نہم صفحہ 16)

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ۔ (البینۃ:9)

جو جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میسر آئی تھی اور جس نے آپ کی قوت قدسی سے اثر پایا تھا اس کے لئے قرآن شریف میں آیا ہے رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ (البینۃ:9) اس کا سبب کیا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کا نتیجہ ہے **اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجوہ فضیلت میں سے یہ بھی ایک وجہ ہے کہ آپؐ نے ایسی اعلیٰ درجہ کی جماعت تیار کی۔ میرا دعویٰ ہے کہ ایسی جماعت آدم سے لیکر آخر تک کسی کو نہیں ملی۔**

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 592-591)

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰ ھُمُ اقۡتَدِہۡ قُلۡ لَّاۤ اَسۡئَلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا اِنۡ ھُوَ اِلَّا ذِکۡرٰی لِلۡعٰلَمِیۡنَ۔ (الانعام:91)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے نام اپنے اندر جمع رکھتے ہیں کیونکہ وہ وجود پاک جامع کمالات متفرقہ ہے پس وہ موسیٰ بھی ہے اور عیسیٰ بھی ہے اور آدم بھی اور ابراہیم بھی اور یوسف بھی اور یعقوب بھی۔ اسی کی طرف اللہ جل شانہٗ اشارہ فرماتا ہے فَبِھُدٰ ھُمُ اقۡتَدِہۡ یعنی اے رسول اللہ تو ان تمام ہدایات متفرقہ کو اپنے وجود میں جمع کر لے۔ جو ہر یک نبی خاص طور پر اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ **پس اس سے ثابت ہے کہ تمام انبیاء کی شانیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں شامل تھیں اور درحقیقت محمد کا نام صلی اللہ علیہ وسلم اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ محمد کے یہ معنے ہیں کہ بغایت تعریف کیا گیا اور غایت درجہ کی تعریف تبھی متصور ہو سکتی ہے کہ جب انبیاء کے تمام کمالات متفرقہ اور صفات خاصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع ہوں۔**

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 343)

مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ۔ (الانبیاء:108)

مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتا ہے کہ جب آپ ہر ایک قسم کے خُلق سے ہدایت کو پیش کرتے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ نے اخلاق، صبر، نرمی اور نیز مار ہر ایک طرح سے اصلاح کے کام کو پورا کیا اور لوگوں کو خدا کی طرف توجہ دلائی۔ مال دینے میں، نرمی برتنے میں، عقلی دلائل اور معجزات کے پیشکرنے میں آپ نے کوئی فرق نہیں رکھا۔ اصلاح کا ایک طریق مار بھی ہوتا ہے کہ جیسے ماں ایک وقت بچہ کو مار سے ڈراتی ہے وہ بھی آپ نے برت لیا تو مار بھی ایک خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ جو آدمی اور کسی طریق سے نہیں سمجھتے خدا ان کو اس طریق سے سمجھاتا ہے کہ وہ نجات پاویں۔ خدا تعالیٰ نے چار صفات جو مقرر کی ہیں جو کہ سورۃ فاتحہ کے شروع میں ہیں رسول اللہ صلعم نے ان چاروں سے کام لے کر تبلیغ کی ہے مثلاً پہلے رب العالمین یعنی عام ربوبیت ہے تو آیت مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ اسکی طرف اشارہ کرتی ہے۔ پھر ایک جلوہ رحمانیت کا بھی ہے کہ آپ کے فیضان کا بدل نہیں ہے۔ ایسی ہی دوسری صفات۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 380)

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم:5)

کُل انسانوں کے کمالات بہیئت مجموعی ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع ہیں اور اسی لیے آپ کل دنیا کے لیے مبعوث ہوئے اور رحمة للعالمین کہلائے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم:5)۔ میں بھی اسی مجموعہ کمالات انسانی کی طرف اشارہ ہے۔ اسی صورت میں عظمت اخلاق محمدیؐ کی نسبت غور کر سکتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ آپ پر نبوت کاملہ کے کمالات ختم ہوئے۔

یہ ایک مسلّم بات ہے کہ کسی چیز کا خاتمہ اس کی علت غائی کے اختتام پر ہوتا ہے۔ جیسے کتاب کے جب کل مطالب بیان ہو جاتے ہیں تو اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے اسی طرح پر رسالت اور نبوت کی علت غائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئی اور یہی ختم نبوت کے معنے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک سلسلہ ہے جو چلا آیا ہے اور کامل انسان پر آ کر اس کا خاتمہ ہو گیا۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 35)

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔(الاحزاب:57)

دنیا میں کروڑہا ایسے پاک فطرت گذرے ہیں اور آگے بھی ہوں گے لیکن ہم نے سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ اور سب سے خوب تر اس مرد خدا کو پایا ہے جس کا نام ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ ان قوموں کے بزرگوں کا ذکر تو جانے دو جن کا حال قرآن شریف میں تفصیل سے بیان نہیں کیا گیا صرف ہم ان نبیوں کی نسبت اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں ہے جیسے حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور دوسرے انبیاء سو ہم خدا کے قسم کھا کر کہتے ہیں کہ **اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں نہ آتے اور قرآن شریف نازل نہ ہوتا اور وہ برکات ہم بچشم خود نہ دیکھتے جو ہم نے دیکھ لئے تو ان تمام گذشتہ انبیاء کا صدق ہم پر مشتبہ رہ جاتا کیونکہ صرف قصوں سے کوئی حقیقت حاصل نہیں ہوسکتی اور ممکن ہے کہ وہ قصے صحیح نہ ہوں اور ممکن ہے کہ وہ تمام معجزات جو ان کی طرف منسوب کئے گئے ہیں وہ سب مبالغات ہوں** کیونکہ اب ان کا نام ونشان نہیں بلکہ ان گذشتہ کتابوں سے تو خدا کا پتہ ہی نہیں لگتا اور یقیناً سمجھ نہیں سکتے کہ خدا بھی انسان سے ہمکلام ہوتا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے یہ سب قصے حقیقت کے رنگ میں آ گئے اب ہم نہ قال کے طور پر بلکہ حال کے طور پر اس بات کو خوب سمجھتے ہیں کہ مکالمہ الٰہیہ کیا چیز ہوتا ہے اور خدا کے نشان کس طرح ظاہر ہوتے ہیں اور کس طرح دعائیں قبول ہو جاتی ہیں اور یہ سب کچھ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے پایا اور جو کچھ قصوں کے طور پر غیر قومیں بیان کرتی ہیں وہ سب کچھ ہم نے دیکھ لیا پس ہم نے ایک ایسے نبی کا دامن پکڑا ہے جو خدا نما ہے۔ کسی نے یہ شعر بہت ہی اچھا کہا ہے ۔

محمدؐ عربی بادشاہِ ہر دوسرا — کرے ہے روح قدس جس کے در کی دربانی
اسے خدا تو نہیں کہہ سکوں پہ کہتا ہوں — کہ اس کی مرتبہ دانی میں ہے خدادانی

(چشمہ معرفت۔ ر۔ خ۔ جلد 23 صفحہ 302-301)

نبوت جاری ہے

سورہ فاتحہ میں تمہیں دعا سکھلائی گئی ہے۔یعنی یہ دعا اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ پس جبکہ خدا تمہیں یہ تاکید کرتا ہے۔کہ پنج وقت یہ دعا کرو کہ وہ نعمتیں جو نبیوں اور رسولوں کے پاس ہیں وہ تمہیں بھی ملیں۔**پس تم بغیر نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ کے وہ نعمتیں کیونکر پا سکتے ہو۔لہٰذا ضرور ہوا کہ تمہیں یقین اور محبت کے مرتبہ پر پہنچانے کے لیے خدا کے انبیاء وقتاً بعد وقت آتے رہیں۔جن سے تم وہ نعمتیں پاؤ۔**

(لیکچر سیالکوٹ۔ر۔خ۔جلد 20 صفحہ 227)

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (اٰل عمران:111)

اگر نبوت کا دروازہ بالکل بند سمجھا جاوے تو نعوذ باللہ اس سے تو انقطاع فیض لازم آتا ہے۔اور اس میں تو نحوست ہے۔اور نبی کی ہتک شان ہوتی ہے۔گویا اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ جو کہا کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ یہ جھوٹ تھا۔نعوذ باللہ۔**اگر یہ معنے کیے جاویں کہ آئیندہ کے واسطے نبوت کا دروازہ ہر طرح سے بند ہے تو پھر خیر الامۃ کی بجائے شر الامم ہوئی یہ امت۔جب اس کو اللہ تعالیٰ سے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی نصیب نہ ہوا تو یہ تو کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ (اعراف:180) ہوئی اور بہائم سیرت اسے کہنا چاہیئے نہ کہ خیر الامم۔** (ملفوظات جلد سوم صفحہ 249)

انبیاء کی اطاعت

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْہِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْکُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَ اِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا وَ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ۔ (النور:55)

کہ خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور یہ مسلم اور بدیہی امر ہے کہ خدا کے احکام سے تخلف کرنا معصیت اور موجب دخول جہنم ہے اور اس مقام میں جس طرح خدا اپنی اطاعت کے لئے حکم فرماتا ہے ایسا ہی رسول کی اطاعت کے لئے حکم فرماتا ہے۔سو جو شخص اس کے حکم سے منہ پھیرتا ہے وہ ایسے جرم کا ارتکاب کرتا ہے جس کی سزا جہنم ہے۔

(حقیقۃ الوحی۔ر۔خ۔جلد 22 صفحہ 128)

انبیاء علیہم السلام کے گلہ کرنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔چونکہ وہ ان تعلقات سے محض ناآشنا ہوتا ہے جو انبیاء و رسل اور اللہ تعالیٰ میں ہوتے ہیں اس لیے کسی ایسے امر کو جو ہماری سمجھ اور دانش سے بالاتر اور بالاتر ہے اپنی عقل کے پیمانہ سے ناپنا صریح حماقت ہے۔مثلاً آدم علیہ السلام کا گلہ کرنے لگے کہ انہوں نے درخت ممنوع کا پھل کھایا۔یا عَبَسَ وَ تَوَلّٰی کو لے بیٹھے۔ایسی حرکت آداب الرسل کے خلاف ہے اور کفر کی حد تک پہنچا دیتی ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 632)

انبیاء شرک کے مرتکب نہیں ہو سکتے

وَ لَقَدۡ عَہِدۡنَاۤ اِلٰۤی اٰدَمَ مِنۡ قَبۡلُ فَنَسِیَ وَ لَمۡ نَجِدۡ لَہٗ عَزۡمًا۔(طه:116)

یہی حال حضرت آدم علیہ السلام کا ہے۔ ہمیں بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ حوّا نے ان کو یہ پھل دیا تھا ان کو یہ علم نہ تھا کہ یہ وہی ممنوع پھل ہے۔ان کا یہ کام بیشک خدائے تعالیٰ کے حکم کے خلاف تھا مگر انہوں نے اس حکم کو عمداً نہیں توڑا اس لئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے گناہ کیا۔اس پھل کے کھانے کا وہی نتیجہ نکلا جو زہر کھانے سے نکلتا ہے کیونکہ قدرت اپنا کام کرنے سے نہیں رک سکتی۔مگر اس صورت میں کوئی گناہ نہیں تھا کیونکہ ارادہ نہیں تھا۔

حضرت آدمؑ کبھی شرک کے مرتکب نہیں ہوئے۔شرک ایک نا قابل عفو گناہ ہے اور خدا کے پاک لوگ ایسا گناہ نہیں کر سکتے۔جس آیت کا عیسائی حوالہ دیتے ہیں اس میں حضرت آدم کا نام نہیں ہے اس میں صرف عام انسانوں کے میلان کا ذکر ہے جو شرک کی طرف ان میں پایا جاتا ہے۔

(ریویو آف ریلیجنز جلد دوم نمبر 6 صفحہ 250)

انبیاء پر جادو کا اثر نہیں ہو سکتا

نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا یَسۡتَمِعُوۡنَ بِہٖۤ اِذۡ یَسۡتَمِعُوۡنَ اِلَیۡکَ وَ اِذۡ ہُمۡ نَجۡوٰۤی اِذۡ یَقُوۡلُ الظّٰلِمُوۡنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا۔(بنی اسرائیل :48)

ایسی بات کہ آنحضرت صلعم پر (معاذ اللہ) جادو کا اثر ہو گیا تھا اس سے تو ایمان اٹھ جاتا ہے۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِذۡ یَقُوۡلُ الظّٰلِمُوۡنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا ایسی ایسی باتیں کہنے والے تو ظالم ہیں نہ کہ مسلمان۔ یہ تو بے ایمانوں اور ظالموں کا قول ہے کہ آنحضرت صلعم پر (معاذ اللہ) سحر اور جادو کا اثر ہو گیا تھا۔اتنا نہیں سوچتے کہ جب (معاذ اللہ) آنحضرتؐ کا یہ حال ہے تو پھر امت کا کیا ٹھکانا وہ تو پھر غرق ہو گئی۔معلوم نہیں ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جس معصوم نبی صلعم کو تمام انبیاء مس شیطان سے پاک سمجھتے آئے ہیں یہ ان کی شان میں ایسے ایسے الفاظ بولتے ہیں۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 349)

نبی معصوم ہوتے ہیں

نبی کیوں معصوم ہوتے ہیں؟ تو اس کا یہی جواب ہے کہ وہ استغراق محبت الٰہی کے باعث معصوم ہوتے ہیں۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 33)

عصمت کا مفہوم صرف اس حد تک ہے کہ انسان گناہ سے بچے اور گنہ کی تعریف یہ ہے کہ انسان خدا کے حکم کو عمداً توڑ کر لائق سزا ٹھہرے......تعریف مذکورہ بالا کے رو سے نابالغ بچے اور پیدائشی مجنون بھی معصوم ہیں وجہ یہ کہ وہ اس لائق نہیں ہیں کہ کوئی گناہ عمداً کریں۔پس بلا شبہ وہ حق رکھتے ہیں کہ ان کو معصوم کہا جائے۔

(ریویو آف ریلیجنز جلد اول نمبر 5 صفحہ 180)

انبیاءاوراجتہادی غلطی

اگر یہ کہا جائے کہ انہیں احادیث کی کتابوں میں بعض امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجتہادی غلطی کا بھی ذکر ہے۔اگر کل قول وفعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وحی سے تھا تو پھر وہ غلطی کیوں ہوئی۔گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے قبضہ سے ایک دم جدا نہیں ہوتے تھے۔ پس اس اجتہادی غلطی کی ایسی ہی مثل ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں چند دفعہ سہو واقع ہوا تا اس سے دین کے مسائل پیدا ہوں۔سو اسی طرح بعض اوقات اجتہادی غلطی ہوئی تا اس سے بھی تکمیل دین ہو اور بعض باریک مسائل اس کے ذریعہ سے پیدا ہوں اور وہ سہو بشریت بھی تمام لوگوں کی طرح سہو نہ تھا بلکہ دراصل ہم رنگ وحی تھا کیونکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص تصرف تھا جو نبی کے وجود پر حاوی ہو کر اس کو کبھی ایسی طرف مائل کر دیتا تھا جس میں خدا تعالیٰ کے بہت مصالح تھے۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد5 صفحہ 115-113)

انبیاء کی ترقی تدریجی ہے

انبیاء کے علم میں بھی تدریجاً ترقی ہوتی ہے اسواسطے قرآن شریف میں آیا ہے۔ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طه:115)

(ملفوظات جلد اول صفحہ 456)

انبیاء علیہم السلام ہمیشہ دعا میں لگے رہتے ہیں اور ہمیشہ زیادہ نور مانگتے رہتے ہیں۔ وہ کبھی اپنی روحانی ترقی پر سیر نہیں ہوتے اس لئے ہمیشہ استغفار میں لگے رہتے ہیں کہ خدا ان کی ناقص حالت کو ڈھانپے اور پورا روشنی کا پیمانہ دے اسی وجہ سے خدائے تعالیٰ اپنے نبی کو فرماتا ہے قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا یعنی ہمیشہ علم کے لئے دعا کرتا رہ کیونکہ جیسا خدا بے حد ہے ایسا ہی اس کا علم بھی بے حد ہے۔

(ریویو آف ریلیجنز جلد دوم نمبر 6 صفحہ 244)

اس پر عرض کیا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے احیائے موتیٰ کی کیفیت کے متعلق اطمینان چاہا تھا۔ کیا ان کو پہلے اطمینان نہ تھا۔فرمایا:۔

اصل بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مکتب میں تعلیم پانے والے ہوتے ہیں اور تلامیذ الرحمان کہلاتے ہیں۔ان کی ترقی بھی تدریجی ہوتی ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن شریف میں آیا ہے کَذٰلِکَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَکَ وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا (الفرقان:33)۔پس میں اس بات کو خوب جانتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کی حالت کیسی ہوتی ہے۔ **جس دن نبی مامور ہوتا ہے اس دن اور اس کی نبوت کے آخری دن میں ہزاروں کوس کا فرق ہو جاتا ہے۔** پس یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا کہا۔ابراہیم تو وہ شخص ہے جس کی نسبت قرآن شریف نے خود فیصلہ کر دیا ہے۔ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی (النجم:38) پھر یہ اعتراض کس طرح ہو سکتا ہے۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 246)

نبی اور دعا

وَاسْتَفْتَحُوْا وَ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ۔(ابراھیم:16)

نبیوں نے اپنے تئیں مجاہدہ کی آگ میں ڈال کر فتح چاہی۔ پھر کیا تھا ہر ایک ظالم سرکش تباہ ہو گیا اور اسی کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے

تا دلِ مردِ خدا نامد بدرد ہیچ قومے را خدا رسوا نکرو

ترجمہ:۔ جب تک وہ کسی مرد خدا کا دل نہ دکھائے۔ خدا کسی قوم کو رسوا نہیں کرتا۔

(حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 324)

ہر نبی پہلے صبر کی حالت میں ہوتا ہے پھر جب ارادہ الٰہی کسی قوم کی تباہی سے متعلق ہوتا ہے تو نبی میں درد کی حالت پیدا ہوتی ہے۔ وہ دعا کرتا ہے پھر اس قوم کی تباہی یا خیر خواہی کے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں۔ دیکھو نوح علیہ السلام پہلے صبر کرتے رہے اور بڑی مدت تک قوم کی ایذائیں سہتے رہے پھر ارادہ الٰہی جب ان کی تباہی سے متعلق ہوا تو درد کی حالت پیدا ہوئی اور دل سے نکلا۔(رَبِّ) **لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا**۔ (نوح:27) جب تک خدا کا ارادہ نہ ہو وہ حالت پیدا نہیں ہوتی۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال پہلے صبر کرتے رہے پھر جب درد کی حالت پیدا ہوئی تو قتال کے ذریعے مخالفین پر عذاب نازل ہوا۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 199)

نبی اعلیٰ درجہ کی قوم سے ہوتا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔(الحجرات:14)

ہم اس سے پہلے ابھی بیان کر چکے ہیں کہ ایسے اولیاء اللہ جو مامور نہیں ہوتے یعنی نبی یا رسول یا محدث نہیں ہوتے اور ان میں سے نہیں ہوتے جو دنیا کو خدا کے حکم اور الہام سے خدا کی طرف بلاتے ہیں ایسے ولیوں کو کسی اعلیٰ خاندان یا اعلیٰ قوم کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ ان کا سب معاملہ اپنی ذات تک محدود ہوتا ہے لیکن ان کے مقابل پر ایک دوسری قوم کے ولی ہیں جو رسول یا نبی یا محدث کہلاتے ہیں اور وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک منصب حکومت اور قضا کا لے کر آتے ہیں اور لوگوں کو حکم ہوتا ہے کہ ان کو اپنا امام اور سردار اور پیشوا سمجھ لیں اور جیسا کہ وہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اس کے بعد خدا کے ان نائبوں کی اطاعت کریں۔ اس منصب کے بزرگوں کے متعلق قدیم سے خدا تعالیٰ کی یہی عادت ہے کہ ان کو اعلیٰ درجہ کی قوم اور خاندان میں سے پیدا کرتا ہے تا ان کے قبول کرنے اور ان کی اطاعت کا جوآ اٹھانے میں کسی کو کراہت نہ ہو اور چونکہ خدا نہایت رحیم و کریم ہے اس لئے نہیں چاہتا کہ لوگ ٹھوکر کھاویں اور ان کو ایسا ابتلا پیش آوے جو ان کو اس سعادت عظمیٰ سے محروم رکھے کہ وہ اس کے مامور کے قبول کرنے سے اس طرح پر رک جائیں کہ اس شخص کی نیچ قوم کے لحاظ سے ننگ اور عار ان پر غالب ہو اور وہ دلی نفرت کے ساتھ اس بات سے کراہت کریں کہ اس کے تابعدار بنیں اور اس کو اپنا بزرگ قرار دیں اور انسانی جذبات اور تصورات پر نظر کر کے یہ بات خوب ظاہر ہے کہ یہ ٹھوکر طبعاً انسان کو پیش آ جاتی ہے۔(تریاق القلوب۔ ر۔خ۔ جلد 15 صفحہ 279)

لَقَدۡ جَآءَ کُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ۔ (التوبة:128)

جیسا کہ خدا تعالیٰ قادر ہے۔ حکیم بھی ہے اور اس کی حکمت اور مصلحت چاہتی ہے کہ اپنے نبیوں اور ماموروں کو ایسی اعلیٰ قوم اور خاندان اور ذاتی نیک چال چلن کے ساتھ بھیجے تا کہ کوئی دل ان کی اطاعت سے کراہت نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جو تمام نبی علیہم السلام اعلیٰ قوم اور خاندان میں سے آتے رہے ہیں۔ اسی حکمت اور مصلحت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں ہمارے سید و مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کی نسبت ان دونوں خوبیوں کا تذکرہ فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ **لَقَدۡ جَآءَ کُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ** (التوبة :128) یعنی تمہارے پاس وہ رسول آیا ہے جو خاندان اور قبیلہ اور قوم کے لحاظ سے تمام دنیا سے بڑھ کر ہے اور سب سے زیادہ پاک اور بزرگ خاندان رکھتا ہے۔ (تریاق القلوب۔ر۔خ۔جلد 15 صفحہ 281)

انبیاء قوت عشقیہ لیکر آتے ہیں

کوئی نبی اور ولی قوت عشقیہ سے خالی نہیں ہوتا یعنی ان کی فطرت میں حضرت احدیت نے بندگان خدا کی بھلائی کے لئے ایک قسم کا عشق ڈالا ہوا ہوتا ہے۔ پس وہی عشق کی آگ ان سے سب کچھ کراتی ہے اور اگر ان کو خدا کا یہ حکم بھی پہنچے کہ اگر تم دعا اور غم خواری خلق اللہ نہ کرو تو تمہارے اجر میں کچھ قصور نہیں۔ تب بھی وہ اپنے فطرتی جوش سے رہ نہیں سکتے اور ان کو اس بات کی طرف خیال بھی نہیں ہوتا کہ ہم کو اس جان کنی سے کیا اجر ملے گا کیونکہ ان کے جوشوں کی بناء کسی غرض پر نہیں بلکہ وہ سب کچھ قوت عشقیہ کی تحریک سے ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ** (الشعراء: 4) خدا اپنے نبی کو سمجھاتا ہے کہ اس قدر غم اور درد کو تو لوگوں کے مومن بن جانے کے لئے اپنے دل پر اٹھاتا ہے اس سے تیری جان جاتی رہے گی۔ سو وہ عشق ہی تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جان جانے کی کچھ پرواہ نہ کی۔ پس حقیقی پیری مریدی کا یہی احوال ہے اور صادق اسی سے شناخت کئے جاتے ہیں کیونکہ خدا کا قدیمی احوال ہے کہ قوت عشقیہ صادقوں کے دلوں میں ضرور ہوتی ہے تا وہ سچے غم خوار بننے کیلئے لائق ٹھہریں جیسے والدین اپنے بچہ کے لئے ایک قوت عشقیہ رکھتے ہیں تو ان کی دعا بھی اپنے بچوں کی نسبت قبولیت کی استعداد زیادہ رکھتی ہے اسی طرح جو شخص صاحب قوت عشقیہ ہے وہ خلق اللہ کے لئے حکم والدین رکھتا ہے اور خواہ نخواہ دوسروں کا غم اپنے گلے میں ڈال لیتا ہے کیونکہ قوت عشقیہ اس کو نہیں چھوڑتی اور یہ خداوند کریم کی طرف سے ایک انتظامی بات ہے کہ اس نے بنی آدم کو مختلف فطرتوں پر پیدا کیا ہے مثلاً دنیا میں بہادروں اور جنگ جو لوگوں کی ضرورت ہے سو بعض فطرتیں جنگ جوئی کی استعداد رکھتی ہیں۔ اسی طرح دنیا میں ایسے لوگوں کی بھی ضرورت ہے کہ جن کے ہاتھ پر خلق اللہ کی اصلاح ہوا کرے۔ سو بعض فطرتیں یہی استعداد لے کر آتی ہیں اور قوت عشقیہ سے بھری ہوئی ہوتی ہیں۔

(مکتوبات بنام مولوی عبدالقادر صاحب مندرجہ الحکم جلد دوم نمبر 25-24 مورخہ 20/27 اگست)

انبیاءکاقتل

و لکن لوکان ھذا الرجل مطلعا علی شان نزول ھذہ الایۃ ترجع من قولہ بل ما التفت الی معنی یخالف طریق المعقول والمنقول و ما تکلم بالفضول وکان من المتند مین فاسمع ایھا العزیز ان الیھود کانوا یقرء ون فی التوارات ان الکاذب فی دعوی النبوث یقتل و ان الذی صلب فھو ملعون لا یرفع الی اللہ وکانت عقیدتھم مستحکمۃ علی ذلک ثم شبہ لھم ابتلاء من عند اللہ کانھم صلبواالمسیح ابن مریم وقتلوہ فحسبوہ ملعوناغیر مرفوع ورتبواالشکل ھٰکذا المسیح ابن مریم مصلوب۔ وکل مصلوب ملعون و لیس بمرفوع فثبت عندھم من الشکل الاول الذی ھوبین الانتاج ان عیسٰی (نعوذ باللہ) ملعون و لیس بمر فوع فاراد اللہ ان یزیل ھذا الوھم ویبرء عیسٰی من ھذا البھتان فقال ماقتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم بل رفعہ اللہ و حاصل کلام (اللہ) تعالی ان شان عیسٰی منزہ عن الصلب و النتیجۃ التی ھی الملعونیۃ وعدم الرفع بل ھومات حتف انفہ و رفع الی اللہ کما یرفع المقربون و ما کان من الملعونین۔ و ھذا ھوالسبب الذی ذکر اللہ تعالی لا جلہ قصۃ عدم صلب عیسٰی و براہ مما قالوا والا فایّ ضرورۃ کانت داعیۃ الی ذکر ھذہ القصۃ و ما کان موت القتل نقصا لا نبیاء ہ وکسراً لشانھم وعزتھم وکاین من النبین قتلوا فی سبیل اللہ کیحیٰی علیہ السلام وابیہ فتفکر و اطلب صراط المھتدین ولا تجلس مع الغاوین۔

(حمامۃ البشری۔ر۔خ۔جلد7صفحہ 255حاشیہ)

لیکن اگر یہ شخص اس آیت کے شان نزول سے واقف ہوتا تو اپنے اس قول سے ضرور رجوع کر لیتا بلکہ ان معنی کی طرف جو معقول اور منقول طریق کے مخالف ہیں توجہ ہی نہ کرتا اور ایسی فصول باتیں منہ پر نہ لاتا جن کے نتیجہ میں وہ نادم اور شرمندہ ہوتا۔ پس اے عزیز سنو! یہودی لوگ تورات میں یہ پڑھا کرتے تھے کہ جھوٹا دعویٰ نبوت کرنے والا قتل کیا جائے گا اور یہ کہ جس کو صلیب پر مارا جائے وہ ملعون ہوتا ہے اس کا اللہ کی طرف رفع نہیں ہوتا۔ یہ ان کا پختہ اعتقاد تھا پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور ابتلاء انہیں اس شبہ میں ڈال دیا گیا کہ گویا انہوں نے حضرت مسیح ابن مریم کو صلیب پر مار دیا ہے اور قتل کر دیا ہے۔ پس انہوں نے حضرت مسیحؑ کو مرفوع نہیں بلکہ ملعون خیال کر لیا اور قضیہ کو اس شکل میں مرتب کیا کہ مسیح ابن مریم صلیب پر مارا گیا۔ اور ہر مصلوب ملعون ہوتا ہے۔ مرفوع الی اللہ نہیں ہوتا۔ پس ان کے نزدیک اس شکل اول سے جو بیّن الانتاج ہوتی ہے یہ ثابت ہو گیا کہ عیسٰی

نعوذ باللہ ملعون ہیں اوران کا رفع خدا کی طرف نہیں ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ یہود کے اس وہم کو دور کرے اور عیسیٰ علیہ السلام کواس بہتان سے بری ٹھہرائے سواس لیے فرمایا کہ۔ **وَمَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ...... بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔** (النساء: 158) خدا تعالیٰ کے اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان صلیب پر مارے جانے اوراس کے نتیجہ یعنی ملعونیت اور عدم رفع سے پاک ہے بلکہ انہوں (یعنی حضرت عیسیٰ) نے اپنی طبعی موت سے وفات پائی تھی اور مقرب الی اللہ لوگوں کی طرح ان کا بھی خدا تعالیٰ کی طرف رفع ہوا تھا اور آپ ہرگز ملعون لوگوں میں سے نہیں تھے اوراس سبب سے اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پر وفات نہ پانے کے قصہ کو بیان کیا ہے۔ اورانہیں لوگوں کے الزام سے بری قرار دیا ہے وگرنہ اس قصہ کے بیان کی کونسی ضرورت مقتضی تھی۔ قتل کے ذریعہ انبیاء کا وفات پانا ان کی تنقیص اور کسر شان اوران کی عزت کے منافی نہیں ہوتا۔ **اور کئی ایک نبی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل کیے گئے جیسے یحیٰ علیہ السلام اوران کے باپ زکریا علیہ السلام۔ پس غور کرو اور ہدایت یافتہ لوگوں کا طریق تلاش کرو اور گمراہ ہونے والوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔**

قتل انبیاء توریت میں لکھا ہے کہ جھوٹا نبی قتل کیا جاوے گا اس کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر قرآن کی نص صریح سے پایا جاوے یا حدیث کے تواتر سے ثابت ہو کہ نبی قتل ہوتے رہے ہیں تو پھر ہم کواس سے انکار نہیں کرنا پڑے گا۔ **بہر حال یہ کچھ ایسی بات نہیں کہ نبی کی شان میں خلل انداز ہو کیونکہ قتل بھی شہادت ہوتی ہے۔ مگر ہاں ناکام قتل ہو جانا انبیاء کی علامات میں سے نہیں۔**

یہ مصالح پر موقوف ہے کہ ایک شخص کے قتل سے فتنہ برپا ہوتا ہے تو مصلحت الٰہی نہیں چاہتی کہ اس کو قتل کرا کر فتنہ برپا کیا جاوے۔ جس کے قتل سے ایسا اندیشہ نہ ہواس میں ہرج نہیں۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 261)

پانچویں فصل

یوم آخر اور قیامت پر ایمان

قیامت برحق ہے

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ۔ (البقرۃ :5)

طالب نجات وہ ہے جو خاتم النبیین پیغمبر آخرالزمان پر جو کچھ اوتارا گیا ہے۔اوس پر ایمان لاوے اور اس پیغمبر سے پہلے جو کتابیں اور صحیفے سابقہ انبیاء اور رسولوں پر نازل ہوئے ان کو بھی مانے۔ وَ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ اور طالب نجات وہ ہے جو پچھلی آنے والی گھڑی یعنی قیامت پر یقین رکھے اور جزا وسزا مانتا ہو۔

(الحکم جلد 8 نمبر 35-34 صفحہ 9 مورخہ 10/7 اکتوبر 1904)

کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ o وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔(الرحمٰن:27-28)

خدا تعالیٰ قدیم سے خالق چلا آتا ہے لیکن اس کی وحدت اس بات کو بھی چاہتی ہے کہ کسی وقت سب کو فنا کردے۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ سب جو اس پر ہیں فنا ہوجانے والے ہیں خواہ کوئی وقت ہو۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ وقت کب آئے گا مگر ایسا وقت ضرور آنے والا ہے۔ یہ اس کے آگے ایک کرشمہ قدرت ہے وہ چاہے پھر خلق جدید کرسکتا ہے تمام آسمانی کتابوں سے ظاہر ہے کہ ایسا وقت ضرور آنے والا ہے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 152)

ہم کو اس (خدا) نے قرآن اور حدیث کے ذریعہ خبر دی ہے کہ ایک زمانہ اور بھی آنے والا ہے۔ جبکہ خدا کے ساتھ کوئی نہ ہوگا۔ وہ زمانہ بڑا خوفناک زمانہ ہے۔ چونکہ اس پر ایمان لانا ہر مومن اور مسلمان کا کام ہے۔ جو اس پر ایمان نہیں لاتا۔ وہ مسلمان نہیں۔ کافر ہے۔ اور بے ایمان ہے۔ جس طرح سے بہشت۔ دوزخ۔ انبیاء علیہم السلام اور کتابوں پر ایمان لانے کا حکم ہے۔ ویسا ہی اس ساعت پر ایمان لانا لازم ہے۔ جب نفخ صور ہو کر سب نیست و نابود ہو جاویں گے یہ سنت اللہ اور عادت اللہ ہے۔ (رسالہ الانذار صفحہ 56-55)

فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّۃِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ۔ (الشوریٰ:8)

اگر کوئی کہے کہ دنیا ہمیشہ رہے گی اور یہاں ہی دوزخ بہشت ہوگا ہم نہیں مان سکتے۔ اس کی صفت مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے خلاف ہے اور اس کے خلاف جا ٹھہرتا ہے۔ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّۃِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 448)

قیامت کے مجازی معانی

''قیامت کی خبر سننا'' کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

اس سے مراد ہے کہ دینداروں کی فتح ہوگی اور دشمنوں کو ذلت۔ کیونکہ قیامت کو بھی یہی ہونا ہے۔ قرآن شریف میں ہے کہ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّۃِ وَ فَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ یہ اسی دن ہوگا۔ دنیا کی رنگارنگ کی وبائیں بھی قیامت ہی ہیں۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 658)

مامور کا زمانہ بھی ایک قیامت ہے۔ جیسے لوگ یوم جزا کے دن دو فریقوں میں تقسیم ہو جائیں گے یعنی فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّۃِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ ایسے ہی مامور کی بعثت کے وقت بھی دو فریق ہو جاتے ہیں۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 312)

کیفیّت ظہور قیامت

یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ کَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ وَعْدًا عَلَیْنَا اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیْنَ۔ (الانبیاء:105)

ہم اس دن آسمانوں کو ایسا لپیٹ لیں گے جیسے ایک خط متفرق مضامین کو اپنے اندر لپیٹ لیتا ہے اور جس طرز سے ہم نے اس عالم کو وجود کی طرف حرکت دی تھی انہیں قدموں پر پھر یہ عالم عدم کی طرف لوٹایا جائے گا۔ یہ وعدہ ہمارے ذمہ ہے جس کو ہم کرنے والے ہیں۔ بخاری نے بھی اس جگہ ایک حدیث لکھی ہے جس میں جائے غور یہ لفظ ہیں۔ وَ تَکُوْنُ السَّمٰوٰتُ بِیَمِیْنِہٖ یعنی لپیٹنے کے یہ معنی ہیں کہ خدا تعالیٰ آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ میں چھپا لے گا۔ **اور جیسا کہ اب اسباب ظاہر اور مسبب پوشیدہ ہے اس وقت مسبب ظاہر اور اسباب زاویہ عدم میں چھپ جائیں گے اور ہر یک چیز اس کی طرف رجوع کر کے تجلیات قہریہ میں مخفی ہو جائے گی اور ہر یک چیز اپنے مکان اور مرکز کو چھوڑ دے گی اور تجلیات الٰہیہ اس کی جگہ لیں گی اور علل ناقصہ کے فنا اور انعدام کے بعد علت تامہ کاملہ کا چہرہ نمودار ہو جائے گا۔**

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 154-152 حاشیہ در حاشیہ)

یَوْمَ ھُمْ بٰرِزُوْنَ لَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنْھُمْ شَیْءٌ لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ۔ (المومن:17)

جیسا کہ اب اسباب ظاہر اور مسبب پوشیدہ ہے اس (دنیا کے فنا کرنے کے۔ ناقل) وقت مسبب ظاہر اور اسباب زاویہ عدم میں چھپ جائیں گے اور ہر یک چیز اس کی طرف رجوع کر کے تجلیات قہریہ میں مخفی ہو جائے گی اور ہر یک چیز اپنے مکان اور مرکز کو چھوڑ دے گی اور تجلیات الٰہیہ اس کی جگہ لیں گی اور علل ناقصہ کے فنا اور انعدام کے بعد علت تامہ کاملہ کا چہرہ نمودار ہو جائے گا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ ۔ وَیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔ (الرحمن:27-28)۔ لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّار (المومن:17) یعنی خدا تعالیٰ اپنی قہری تجلّی سے ہر یک چیز کو معدوم کر کے اپنی وحدانیت اور یگانگت دکھلائے گا۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 154-153 حاشیہ در حاشیہ)

کامل جزاء بجز تجلی مالکیت تامہ کے کہ جو ہدم بنیان اسباب کو مستلزم ہے ظہور میں نہیں آسکتی چنانچہ اسی کی طرف دوسری جگہ بھی اشارہ فرما کر کہا ہے۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المؤمن: 17) یعنی اس دن ربوبیت الٰہیہ بغیر توسط اسباب عادیہ کے اپنی تجلی آپ دکھائے گی اور یہی مشہود اور محسوس ہوگا کہ بجز قوت عظمیٰ اور قدرت کاملہ حضرت باری تعالیٰ کے اور سب ہیچ ہیں تب سارا آرام وسرور اور سب جزاء اور پاداش بنظر صاف وصریح خدا ہی کی طرف سے دکھلائی دے گا اور کوئی پردہ اور حجاب درمیان میں نہیں رہے گا اور کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں رہے گی تب جنہوں نے اس کے لئے اپنے تئیں منقطع کر لیا تھا وہ اپنے تئیں ایک کامل سعادت میں دیکھیں گے کہ جو ان کے جسم اور جان اور ظاہر اور باطن پر محیط ہو جائے گی اور کوئی حصہ وجود ان کے کا ایسا نہیں ہوگا کہ جو اس سعادت عظمیٰ کے پانے سے بے نصیب رہا ہو۔ (براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 455-454 حاشیہ)

علامات قرب قیامت

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۔ (القمر: 2)

تمام علامتیں قرب قیامت کی ظاہر ہو چکی ہیں اور دنیا پر ایک انقلاب عظیم آ گیا ہے اور جبکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ قرب قیامت کا زمانہ ہے جیسا کہ آیت اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ سے سمجھا جاتا ہے تو پھر یہ زمانہ جس پر تیرہ سو برس اور گذر گیا اس کے آخری زمانہ ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے۔

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ۔ جلد 17 صفحہ 243)

یہ جو کہا گیا کہ قیامت کی گھڑی کا کسی کو علم نہیں اس سے یہ مطلب نہیں کہ کسی وجہ سے بھی علم نہیں اگر یہی بات ہے تو پھر آثار قیامت جو قرآن شریف اور احادیث صحیح میں لکھے گئے ہیں وہ بھی قابل قبول نہیں ہوں گے کیونکہ ان کے ذریعہ سے بھی قرب قیامت کا ایک علم حاصل ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں لکھا تھا کہ آخری زمانہ میں زمین پر بکثرت نہریں جاری ہوں گی۔ کتابیں بہت شائع ہوں گی جن میں اخبار بھی شامل ہیں اور اونٹ بیکار ہو جائیں گے سو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سب باتیں ہمارے زمانے میں پوری ہو گئیں اور اونٹوں کی جگہ ریل کے ذریعہ سے تجارت شروع ہو گئی سو ہم نے سمجھ لیا کہ قیامت قریب ہے اور خود مدت ہوئی کہ خدا نے آیت اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ اور دوسری آیتوں میں قرب قیامت کی ہمیں خبر دے رکھی ہے۔ سو شریعت کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت کا وقوع ہر ایک پہلو سے پوشیدہ ہے بلکہ تمام نبی آخری زمانہ کی علامتیں لکھتے آئے ہیں اور انجیل میں بھی لکھی ہیں۔ **پس مطلب یہ ہے کہ اس خاص گھڑی کی کسی کو خبر نہیں۔ خدا قادر ہے کہ ہزار سال گذرنے کے بعد چند صدیاں اور بھی زیادہ کر دے۔**

(لیکچر سیالکوٹ۔ ر۔خ۔ جلد 20 صفحہ 210)

قیامت کب آئے گی

وَتَبٰرَکَ الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَھُمَا وَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ۔ (الزخرف:86)

اصل قیامت کا علم تو سوائے خدا کے کسی کو بھی نہیں حتّٰی کہ فرشتوں کو بھی نہیں اور وہاں سَاعَۃ کا لفظ ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ عورتوں کے حمل کی میعاد نو ماہ دس دن ہوتی ہے جب نو ماہ پورے ہو جائیں تو اب باقی دس دنوں میں کسی کو خبر نہیں ہوتی کہ کونسے دن وضع حمل ہوگا۔ گھر کا ہر ایک آدمی بچہ جننے کی گھڑی کا منتظر رہتا ہے۔ اسی لئے قیامت کا نام ساعۃ رکھا ہے کہ اس ساعۃ کی خبر نہیں۔ خدا کی کتابوں میں جو اس کی علامات ہیں ممکن ہے کہ ان سے کوئی آدمی قریب قریب اس زمانہ کا پتہ بھی دے دے مگر اس ساعۃ کی کسی کو خبر نہیں ہے جیسے وضع حمل کی ساعت کی کسی کو خبر نہیں۔ ایک ڈاکٹر سے بھی پوچھو تو وہ بھی کہے گا نو ماہ اور دس دن۔ مگر جونہی 9 ماہ گذریں پھر فکر رہتی ہے کہ دیکھیں کونسے دن ہوا اور کون سی گھڑی۔ **کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ ہزار سال کے بعد قیامت قریب ہے اب چھ ہزار سال تو گذر گئے ہیں قیامت تو قریب ہوگی مگر اس گھڑی کی خبر نہیں۔** (ملفوظات جلد دوم صفحہ 504-503)

یہ بات واقعی ہے اور قرآن پاک سے بھی ثابت ہے کہ ساعۃ سے اس جگہ مراد یہودیوں کی تباہی کا زمانہ ہے یہ وہی زمانہ تھا اور جس ساعت کے یہ لوگ منتظر ہیں اس کا تو ابھی تک کہیں پتہ بھی نہیں ہے۔ ایک پہلو سے اول مسیح کے وقت یہودیوں نے بدبختی لے لی اور دوسرے وقت میں نصارٰی نے بدبختی کا حصہ لے لیا۔ **مسلمانوں نے بھی پوری مشابہت یہود سے کر لی۔ اگر ان کی سلطنت یا اختیار ہوتا تو ہمارے ساتھ بھی مسیح والا معاملہ کرتے۔** (ملفوظات جلد دوم صفحہ 428-427)

ظہور قیامت اور حضرت اقدسؑ کا عقیدہ

وَ الْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ (العصر:3-2)

ہمارا عقیدہ جو قرآن شریف نے ہمیں سکھلایا ہے کہ خدا ہمیشہ سے خالق ہے اگر چاہے تو کروڑوں مرتبہ زمین و آسمان کو فنا کر کے پھر ایسے ہی بنا دے اور اس نے ہمیں خبر دی ہے کہ وہ آدم جو پہلی امتوں کے بعد آیا جو ہم سب کا باپ تھا اس کے دنیا میں آنے کے وقت سے یہ سلسلہ انسانی شروع ہوا ہے اور اس سلسلہ کی عمر کا پورا دور سات ہزار برس تک ہے۔ یہ سات ہزار خدا کے نزدیک ایسے ہیں جیسے انسانوں کے سات دن۔ یاد رہے کہ قانون الٰہی نے مقرر کیا ہے کہ ہر ایک امت کے لئے سات ہزار برس کا دور ہوتا ہے اسی دور کی طرف اشارہ کرنے کے لئے انسانوں میں سات دن مقرر کئے گئے ہیں۔ غرض بنی آدم کی عمر کا دور سات ہزار برس مقرر ہے اور اس میں سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پانچ ہزار برس کے قریب گزر چکا تھا یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہو کہ خدا کے دنوں میں سے پانچ دن کے قریب

گزر چکے تھے جیسا کہ سورۃ والعصر میں یعنی اس کے حروف میں ابجد کے لحاظ سے قرآن شریف میں اشارہ فرما دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جب وہ سورۃ نازل ہوئی تب آدم کے زمانہ پر اسی قدر مدت گذر چکی تھی جو سورۃ موصوفہ کے عددوں سے ظاہر ہے۔ اس حساب سے انسانی نوع کی عمر میں سے اب اس زمانہ میں چھ ہزار برس گذر چکے ہیں اور ایک ہزار برس باقی ہیں۔ قرآن شریف میں بلکہ اکثر پہلی کتابوں میں بھی یہ نوشتہ موجود ہے کہ وہ آخری مُرسل جو آدم کی صورت پر آئے گا اور مسیح کے نام سے پکارا جائے گا ضرور ہے کہ وہ چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہو جیسا کہ آدم چھٹے دن کے آخر میں پیدا ہوا۔ یہ تمام نشان ایسے ہیں کہ تدبر کرنے والے کے لئے کافی ہیں۔

(لیکچر لاہور۔ ر۔ خ۔ جلد 20 صفحہ 185-184)

باب ششم

فہم قرآن اور ارکان اسلام

حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم :

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَھَادَۃُ اَنَّ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَاءَ الزَّکٰوۃِ
وَالْحَجَّ وَ صَوْمَ رَمَضَان۔

(بخاری ۔ کتاب الایمان)

فہرست مضامین

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
	پہلی فصل توحید باری تعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ پر ایمان	
1	ہمارا مذہب	617
2	کلمہ طیبہ کی اصل روح	618
	دوسری فصل نماز	
3	صلوٰۃ کے حقیقی معانی	619
4	نماز توحید کا عملی اقرار ہے	620
5	نماز جامع حسنات اور مقام ادب ہے	//
6	حسنات سے مراد نماز ہے	621
7	مسلمانوں کا زوال ترک نماز سے ہے	622
8	حقیقی نماز	//
9	کمال عبادت	623
10	نماز کا مغز اور اصل دعا ہے	624
11	ذکر سے مراد نماز ہے	//
12	نماز سے دین اور دنیا سنور جاتی ہے	//
13	نماز میں لذّت ہے	625
14	قصر نماز	//
15	نماز عربی زبان میں پڑھنی چاہیئے	626
16	ارکان نماز کی حکمت	//
17	نامقبول نماز	627
18	نماز رسم اور عادت کے طور پر درست نہیں	627
	تیسری فصل روزہ	
19	روزہ فرض ہے	628
20	تلقین روزہ	//
21	روزہ کی حکمت	//
22	روزہ کے احکام	629
23	روزہ کی رخصت ۔ مرض اور سفر	630
24	سفر کی تعریف	//
25	رخصت پر عمل کرنا	//
26	فدیہ کے احکام	631
	چوتھی فصل زکوٰۃ	
27	حقیقی زکوٰۃ	632
28	اموال پر زکوٰۃ	//
29	زیورات پر زکوٰۃ	//
	پانچویں فصل حج	
30	حج کی عبادت کی حکمت	634
31	حج کمال سلوک ہے	635
32	ممنوعاتِ حج	//
33	حج کے لئے نہ جانے کی وجہ	636

پہلی فصل

توحید باری تعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ پر ایمان

ہمارا مذہب

زعشاق فرقان و پیغمبریم بدیں آمدیم و بدیں بگذایم

(ترجمہ:- ہم قرآن کریم اور رسول اکرم ﷺ کے عاشقوں میں ہیں۔اسی پر ہم آئے ہیں اور اسی حالت میں گزر جائیں گے)

ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہمارا اعتقاد جو ہم اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں۔جس کے ساتھ ہم بفضل وتوفیق باریتعالیٰ اس عالم گذران سے کوچ کریں گے یہ ہے کہ حضرت سیدنا ومولینا محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین وخیر المرسلین ہیں جن کے ہاتھ سے اکمال دین ہو چکا اور وہ نعمت بمرتبہ اتمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ سے انسان راہ راست کو اختیار کر کے خدائے تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔

(ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد 3 صفحہ 170-169)

فَاعۡلَمۡ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِكَ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ وَ اللّٰهُ يَعۡلَمُ مُتَقَلَّبَكُمۡ وَ مَثۡوٰٮكُمۡ۔ (محمد:20)

جیسا تم دیکھتے ہو کہ نور کے آنے سے ظلمت قائم نہیں رہ سکتی ایسا ہی جب لا الــہ الا اللہ کا نورانی پرتوہ دل پر پڑتا ہے تو نفسانی ظلمت کے جذبات کالمعدوم ہو جاتے ہیں۔گناہ کی حقیقت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ سرکشی کی ملونی سے نفسانی جذبات کا شور وغوغا ہو جس کی متابعت کی حالت میں ایک شخص کا نام گناہ گار رکھا جاتا ہے اور لا الہ الا اللہ کے معنے جو لغت عرب کے موارد استعمال سے معلوم ہوتے ہیں وہ یہ ہے کہ **لَا مَطْلُوْبَ لِیْ وَلَا مَحْبُوْبَ لِیْ وَ لَا مَعْبُوْدَ لِیْ وَ لَا مُطَاعَ لِیْ اِلَّا اللّٰہ** **یعنی بجز اللہ کے اور کوئی میرا مطلوب نہیں اور محبوب نہیں اور معبود نہیں اور مطاع نہیں** اب ظاہر ہے کہ یہ معنی گناہ کی حقیقت اور گناہ کے اصل منبع سے بالکل مخالف پڑے ہیں۔ پس جو شخص ان معنی کو خلوص دل کے ساتھ اپنی جان میں جگہ دے گا تو بالضرورت مفہوم مخالف اس کے دل سے نکل جائے گا کیونکہ ضِدّین ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔پس جب نفسانی جذبات نکل گئے تو یہی وہ حالت ہے جس کو سچی پاکیزگی اور حقیقی راست بازی کہتے ہیں **اور خدا کے بھیجے ہوئے پر ایمان لانا جو دوسرے جز کلمہ کا مفہوم ہے۔اس کی ضرورت یہ ہے کہ تا خدا کے کلام پر بھی ایمان حاصل ہو جائے۔کیونکہ جو شخص یہ اقرار کرتا ہے کہ میں خدا کا فرمانبردار بننا چاہتا ہوں اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے فرمانوں پر ایمان بھی لاوے اور فرمان پر ایمان لانا بجز اس کے ممکن نہیں کہ اس پر ایمان لاوے جس کے ذریعہ سے دنیا میں فرمان آیا۔پس یہ حقیقت کلمہ کی ہے۔**

(نور القرآن۔ر۔خ۔جلد 9 صفحہ 420-419)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔ (الحجرات:16)

سوااس کے نہیں کہ مومن وہ لوگ ہیں جو خدا اور رسول پر ایمان لائے پھر بعد اس کے ایمان پر قائم رہے اور شکوک وشبہات میں نہیں پڑے۔ **دیکھوان آیات میں خدا تعالیٰ نے حصر کر دیا کہ خدا کے نزدیک مومن وہی لوگ ہیں کہ جو صرف خدا پر ایمان نہیں لاتے بلکہ خدا اور رسول دونوں پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر بغیر ایمان بالرسول کے نجات کیونکر ہو سکتی ہے اور بغیر رسول پر ایمان لانے کے صرف توحید کس کام آ سکتی ہے۔** (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد22 صفحہ 132)

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۔ (البقرة :256)

یعنی وہی خدا ہے اس کے سوا کوئی نہیں وہی ہر ایک جان کی جان اور ہر ایک وجود کا سہارا ہے۔ اس آیت کے لفظی معنے یہ ہیں کہ زندہ وہی خدا ہے اور قائم بالذات وہی خدا ہے۔ پس جبکہ وہی ایک زندہ ہے اور وہی ایک قائم بالذات ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر ایک شخص جو اس کے سوا زندہ نظر آتا ہے وہ اسی کی زندگی سے زندہ ہے اور ہر ایک جو زمین یا آسمان میں قائم ہے وہ اسی کی ذات سے قائم ہے۔ (چشمہ معرفت۔ ر۔خ۔ جلد23 صفحہ 120)

کلمہ طیبہ کی اصل روح

میں نے عرض کیا کہ حضور لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بار بار پڑھنے اور اس کے ذکر کا بھی ثواب ہے یا نہیں؟ فرمایا:۔ دل میں خدا تعالیٰ سے تعلق ہو تو پھر زیادہ تشریح طلب کرنے پر فرمایا:۔

اصل بات یہ ہے کہ میرا مذہب یہ نہیں کہ زبانی جمع خرچ کیا جاوے۔ ان طریقوں میں بہت سی غلطیاں ہیں ان تمام اذکار کی اصل روح اس پر عمل کرنا ہے۔ ایک دفعہ صحابہ کرامؓ اللہ بآواز بلند کہہ رہے تھے تو حضرتؐ نے فرمایا تمہارا خدا بہرہ نہیں تو مطلب یہ ہے کہ کلمہ سے مراد ہے توحید کو قائم رکھنا اور اس کے رسول کی اطاعت۔ اب ثواب اس میں ہے کہ ہر بات میں اللہ کو مقدم رکھے اور اللہ پر پورا پورا ایمان لائے۔ اس کی صفات کے خلاف کوئی کلام کوئی کام نہ کرے حتیٰ کہ خیال بھی نہ لائے۔ وہ جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور:38) اس سے بھی یہی مراد ہے کہ دنیا کے کاموں میں بھی میرے احکام کو نہیں بھلاتے۔ دیکھو اس وقت ہم ان طریقوں کی طرح ذکر نہیں کر رہے مگر حقیقت میں اسی کی عظمت وجلال کا ذکر ہے۔ پس یہی ذکر ہے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 141)

دوسری فصل

نماز

الٓمّٓ۔ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ۔ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ۔ وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ وَ بِالۡاٰخِرَۃِ ھُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ۔ (البقرۃ:5-2)

نماز ہرایک مسلمان پرفرض ہے۔حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قوم اسلام لائی اورعرض کی کہ یارسول اللہ ہمیں نماز معاف فرمادی جائے کیونکہ ہم کاروباری آدمی ہیں مویشی وغیرہ کے سبب سے کپڑوں کا کوئی اعتماد نہیں ہوتا اورنہ ہمیں فرصت ہوتی ہے **تو آپؐ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ دیکھو جب نماز نہیں تو ہے ہی کیا؟ وہ دین ہی نہیں جس میں نماز نہیں۔** نماز کیا ہے؟ یہی کہ اپنے عجز ونیاز اورکمزوریوں کو خدا کے سامنے پیش کرنا اوراسی سے اپنی حاجت روائی چاہنا۔کبھی اس کی عظمت اوراس کے احکام کی بجا آوری کے واسطے دست بستہ کھڑا ہونا اور کبھی کمال مذلت اورفروتنی سے اس کے آگے سجدہ میں گر جانا۔ **اس سے اپنی حاجات کا مانگنا یہی نماز ہے۔ایک سائل کی طرح کبھی اس مسئول کی تعریف کرنا کہ تو ایسا ہے تو ایسا ہے۔اس کی عظمت اورجلال کا اظہار کرکے اس کی رحمت کو جنبش دلانا پھر اس سے مانگنا۔پس جس دین میں یہ نہیں وہ دین ہی کیا ہے۔** (ملفوظات جلدسوم صفحہ 188)

حقیقت میں جوشخص نماز کو چھوڑتا ہے وہ ایمان کو چھوڑتا ہے اس سے خدا کے ساتھ تعلقات میں فرق آجاتا ہے۔اس طرف سے فرق آیا تو معاً اس طرف سے بھی فرق آجاتا ہے۔ (ملفوظات جلدسوم صفحہ 236-235)

انسان کی خداترسی کا اندازہ کرنے کے لیے اس کے التزام نماز کو دیکھنا کافی ہے کہ کس قدر ہے اور مجھے یقین ہے کہ جوشخص پورے پورے اہتمام سے نماز ادا کرتا ہے اورخوف اور بیماری اورفتنہ کی حالتیں اس کو نماز سے روک نہیں سکتیں وہ بیشک خدائے تعالیٰ پر ایک سچا ایمان رکھتا ہے مگر یہ ایمان غریبوں کو دیا گیا دولتمند اس نعمت کو پانے والے بہت ہی تھوڑے ہیں۔ (ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 540)

صلوٰۃ کے حقیقی معانی

ذٰلِکَ الۡکِتَابُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ۔ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ۔ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ۔(البقرۃ:2`4)

ایک مرتبہ میں نے خیال کیا کہ صلوٰۃ میں اوردعا میں کیا فرق ہے۔حدیث شریف میں آیا ہے اَلصَّلٰوۃُ ھِیَ الدُّعَآءِ۔ اَلصَّلٰوۃُ مُخُّ الۡعِبَادَۃِ یعنی نماز ہی دعا ہے۔نماز عبادت کا مغز ہے۔

جب انسان کی دعا محض دنیوی امور کے لیے ہو تو اس کا نام صلوٰۃ نہیں۔ لیکن جب انسان خدا کو ملنا چاہتا ہے اور اس کی رضا کو مدنظر رکھتا ہے۔ اور ادب، انکسار، تواضع اور نہایت محویت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہو کر اس کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔ تب وہ صلوٰۃ میں ہوتا ہے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 283)

نماز توحید کا عملی اقرار ہے

خوب یاد رکھو اور پھر یاد رکھو! کہ غیر اللہ کی طرف جھکنا خدا سے کاٹنا ہے۔ نماز اور توحید کچھ ہی ہو کیونکہ توحید کے عملی اقرار کا نام ہی نماز ہے اسی وقت بے برکت اور بے سود ہوتی ہے جب اس میں نیستی اور تذلّل کی روح اور حنیف دل نہ ہو!! سنو! وہ دعا جس کے لیے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن:61) فرمایا ہے اس کے لیے یہی سچی روح مطلوب ہے۔ اگر اس تضرع اور خشوع میں حقیقت کی روح نہیں تو وہ ٹیں ٹیں سے کم نہیں ہے۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 107)

نماز جامع حسنات اور مقام ادب ہے

یقیناً یاد رکھو کہ ہمیں اور ہر ایک طالب حق کو نماز ایسی نعمت کے ہوتے ہوئے کسی اور بدعت کی ضرورت نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی تکلیف یا ابتلا کو دیکھتے تو فوراً نماز میں کھڑے ہو جاتے تھے اور ہمارا اپنا اور ان راست بازوں کو جو پہلے ہو گزرے ہیں ان سب کا تجربہ ہے کہ نماز سے بڑھ کر خدا کی طرف لے جانے والی کوئی چیز نہیں جب انسان قیام کرتا ہے تو وہ ایک ادب کا طریق اختیار کرتا ہے ایک غلام جب اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو وہ ہمیشہ دست بستہ کھڑا ہوتا ہے پھر رکوع بھی ادب ہے جو قیام سے بڑھکر ہے اور سجدہ ادب کا انتہائی مقام ہے جب انسان اپنے آپ کو فنا کی حالت میں ڈال دیتا ہے اس وقت سجدہ میں گر پڑتا ہے افسوس ان نادانوں اور دنیا پرستوں پر جو نماز کی ترمیم کرنا چاہتے ہیں اور رکوع سجود پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ تو کمال درجہ کی خوبی کی باتیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب تک انسان اس عالم سے حصہ نہ رکھتا ہو جہاں سے نماز آئی ہے .....تب تک انسان کے ہاتھ میں کچھ نہیں مگر جس شخص کا یقین خدا پر نہیں وہ نماز پر کس طرح یقین کر سکتا ہے نماز جامع حسنات ہے۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 94-93 مع حاشیہ نمبر 1)

حسنات سے مراد نماز ہے

اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡهِبۡنَ السَّیِّاٰتِ (ھود:115)

نیکیاں بدیوں کو زائل کر دیتی ہیں۔ پس ان حسنات کو اور لذات کو دل میں رکھ کر دعا کرے کہ وہ نماز جو صدیقوں اور محسنوں کی ہے وہ نصیب کرے۔ یہ جو فرمایا ہے کہ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡهِبۡنَ السَّیِّاٰتِ (ھود:115) **یعنی نیکیاں یا نماز بدیوں کو دور کرتی ہے یا دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ نماز فواحش اور برائیوں سے بچاتی ہے** اور ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ باوجود نماز پڑھنے کے پھر بدیاں کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں مگر نہ روح اور راستی کے ساتھ۔ وہ صرف رسم اور عادت کے طور پر ٹکریں مارتے ہیں ان کی روح مردہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا نام حسنات نہیں رکھا اور یہاں جو حسنات کا لفظ رکھا اور الصلوٰۃ کا لفظ نہیں رکھا باوجودیکہ معنی وہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تا نماز کی خوبی اور حسن و جمال کی طرف اشارہ کرے کہ وہ نماز بدیوں کو دور کرتی ہے جو اپنے اندر ایک سچائی کی روح رکھتی ہے اور فیض کی تاثیر اس میں موجود ہے۔ وہ نماز یقیناً برائیوں کو دور کرتی ہے۔

(ریویو آف ریلیجنز جلد سوم نمبر 1 صفحہ 5) (تفسیر حضرت اقدسؑ سورۃ ھود جلد 5 صفحہ 57-56)

جب تک انسان کامل طور پر توحید پر کاربند نہیں ہوتا۔ اس میں اسلام کی محبت اور عظمت قائم نہیں ہوتی......نماز کی لذت اور سرور اسے حاصل نہیں ہوسکتا۔ مدار اسی بات پر ہے کہ جب تک بُرے ارادے ناپاک اور گندے منصوبے بھسم نہ ہوں انانیت اور شیخی دور ہو کر نیستی اور فروتنی نہ آئے خدا کا سچا بندہ نہیں کہلا سکتا اور **عبودیت کاملہ کے سکھانے کے لیے بہترین معلم اور افضل ترین ذریعہ نماز ہی ہے۔**

میں پھر تمہیں بتلاتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ سے سچا تعلق۔ حقیقی ارتباط قائم کرنا چاہتے ہو تو نماز پر کاربند ہو جاؤ اور ایسے کاربند بنو کہ تمہارا جسم نہ تمہاری زبان بلکہ تمہاری روح کے ارادے اور جذبے سب کے سب ہمہ تن نماز ہو جائیں۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 108)

نماز خدا کا حق ہے اسے خوب ادا کرو اور خدا کے دشمن سے مداہنہ کی زندگی نہ برتو۔ وفا اور صدق کا خیال رکھو اگر سارا گھر غارت ہوتا ہو تو ہونے دو مگر نماز کو ترک مت کرو وہ کافر اور منافق ہیں جو کہ نماز کو منحوس کہتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ نماز کے شروع کرنے سے ہمارا فلاں فلاں نقصان ہوا ہے نماز ہرگز خدا کے غضب کا ذریعہ نہیں ہے جو اسے منحوس کہتے ہیں ان کے اندر خود زہر ہے جیسے بیمار کو شیرینی کڑوی لگتی ہے ویسے ہی ان کو نماز کا مزا نہیں آتا۔ یہ دین کو درست کرتی ہے۔ اخلاق کو درست کرتی ہے دنیا کو درست کرتی ہے نماز کا مزا دنیا کے ہر ایک مزے پر غالب ہے لذات جسمانی کے لیے ہزاروں خرچ ہوتے ہیں اور پھر ان کا نتیجہ بیماریاں ہوتی ہیں اور یہ مفت کا بہشت ہے جو اسے ملتا ہے۔ **قرآن شریف میں دو جنتوں کا ذکر ہے ایک ان میں سے دنیا کی جنت ہے اور وہ نماز کی لذت ہے۔**

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 592-591)

مسلمانوں کا زوال ترک نماز سے ہے

اصل میں مسلمانوں نے جب سے نماز کو ترک کیا یا اسے دل کی تسکین آرام اور محبت سے اس کی حقیقت سے غافل ہو کر پڑھنا ترک کیا ہے تب ہی سے اسلام کی حالت بھی معرض زوال میں آئی ہے۔ وہ زمانہ جس میں نماز سنوار کر پڑھی جاتی تھی غور سے دیکھ لو کہ اسلام کے واسطے کیسا تھا ایک دفعہ تو اسلام نے تمام دنیا کو زیر پا کر دیا تھا۔ جب سے اسے ترک کیا وہ خود متروک ہو گئے ہیں۔ درد دل سے پڑھی ہوئی نماز ہی ہے کہ تمام مشکلات سے انسان کو نکال لیتی ہے ہمارا بارہا کا تجربہ ہے کہ اکثر کسی مشکل کے وقت دعا کی جاتی ہے ابھی نماز میں ہی ہوتے ہیں کہ خدا نے اس امر کو حل اور آسان کر دیا ہوا ہوتا ہے۔

نماز میں کیا ہوتا ہے یہی کہ عرض کرتا ہے التجا کے ہاتھ بڑھاتا ہے اور دوسرا اس کی عرض کو اچھی طرح سنتا ہے۔ پھر ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے کہ جو سنتا تھا وہ بولتا ہے اور گذارش کرنے والے کو جواب دیتا ہے۔ نمازی کا یہی حال ہے خدا کے آگے سربسجود رہتا ہے اور خدا کو اپنے مصائب اور حوائج سناتا ہے پھر آخر سچی اور حقیقی نماز کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ایک وقت جلد آ جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے جواب کے واسطے بولتا اور اس کو جواب دیکر تسلی دیتا ہے۔ بھلا یہ بجز حقیقی نماز کے ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 189-190)

حقیقی نماز

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ۔

اعلم ان حقیقة العبادة التی یقبلها المولی بامتنانه۔ هی التذلل اتام برؤیت عظمته وعلو شانه ۔ والثناء علیه بمثا هدة مننه وانواع احسانه و ایثاره علی کل شئ بمحبت حضرته و تصور محامده و جماله ولمعانه و تطهیرا لجنان من و ساوس الجنت نطرا الی جنانه۔ و من افضل العبادات ان یکون الانسان محافظا علی الصلوت الخمس فے اوائل اوقاتها۔ و ان یجهد للحضور والذوق و الشوق وتحصیل برکاتها۔ مواظبا علی اداء مفروضاتها و مسنوناتها۔

(اعجاز المسیح۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 165-166)

واضح ہو کہ اس عبادت کی حقیقت جسے اللہ تعالیٰ اپنے کرم واحسان سے قبول فرماتا ہے (وہ درحقیقت چند امور پر مشتمل ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی بلند و بالا شان کو دیکھ کر مکمل فروتنی اختیار کرنا نیز اس کی مہربانیاں اور قسم قسم کے احسان دیکھ کر اس کی حمد وثنا کرنا اس کی ذات سے محبت رکھتے ہوئے اور اس کی خوبیوں جمال اور نور کا تصور کرتے ہوئے اسے ہر چیز پر ترجیح دینا اور اس کی جنت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے دل کو شیطانوں کے وسوسوں سے پاک کرنا ہے۔

اور سب سے افضل عبادت یہ ہے کہ انسان التزام کے ساتھ پانچوں نمازیں ان کے اول وقت پر ادا کرنے اور فرض اور سنتوں کی ادائیگی پر مداومت رکھتا ہو اور حضور قلب' ذوق' شوق اور عبادت کی برکات کے حصول میں پوری طرح کوشاں رہے۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَ لَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ۔ (العنکبوت:46)

نماز میں لذت اور سرور بھی عبودیت اور ربوبیت کے ایک تعلق سے پیدا ہوتا ہے۔ جب تک اپنے آپ کو عدم محض یا مشابہہ بالعدم قرار دے کر جو ربوبیت کا ذاتی تقاضا ہے نہ ڈال دے اس کا فیضان اور پرتو اس پر نہیں پڑتا اور اگر ایسا ہو تو پھر اعلیٰ درجہ کی لذت حاصل ہوتی ہے جس سے بڑھ کر کوئی حظ نہیں ہے۔ اس مقام پر انسان کی روح جب ہمہ نیستی ہو جاتی ہے تو وہ خدا کی طرف ایک چشمہ کی طرح بہتی ہے اور ماسوی اللہ سے اسے انقطاع تام ہو جاتا ہے اس وقت خدائے تعالیٰ کی محبت اس پر گرتی ہے۔ اس اتصال کے وقت ان دو جوشوں سے جو اوپر کی طرف سے ربوبیت کا جوش اور نیچے کی طرف سے عبودیت کا جوش ہوتا ہے ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کا نام صلوٰۃ ہے جو سیّئات کو بھسم کر جاتی ہے اور اپنی جگہ ایک نور اور چمک چھوڑ دیتی ہے جو سالک کو راستہ کے خطرات اور مشکلات کے وقت ایک منور شمع کا کام دیتی ہے اور ہر قسم کے خس و خاشاک اور ٹھوکر کے پتھروں اور خار و خس سے جو اس کی راہ میں ہوتے ہیں آگاہ کر کے بچاتی ہے اور یہی وہ حالت ہے جبکہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ کا اطلاق اس پر ہوتا ہے کیونکہ اس کے ہاتھ میں نہیں۔ نہیں اس کے شمع دان دل میں ایک روشن چراغ رکھا ہوا ہوتا ہے اور یہ درجہ کامل تذلل کامل نیستی اور فروتنی اور پوری اطاعت سے حاصل ہوتا ہے پھر گناہ کا خیال اسے آ کیونکر سکتا ہے اور انکار اس میں پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ فحشاء کی طرف اس کی نظر اُٹھ ہی نہیں سکتی۔ غرض اسے ایسی لذت' ایسا سرور حاصل ہوتا ہے کہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اسے کیونکر بیان کروں۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 105)

کمال عبادت

میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان ان صفات کو اپنے اندر لے یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ساری صفتیں سزاوار ہیں جو رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے یعنی ہر عالم میں نطفہ میں مضغہ وغیرہ سارے عالموں میں غرض ہر عالم میں پھر رحمٰن ہے پھر رحیم ہے اور مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ہے۔ اب اِیَّاکَ نَعْبُدُ جو کہتا ہے تو گویا **اس عبادت میں وہی ربوبیت رحمانیت رحیمیت مالکیت صفات کا پرتو انسان کو اپنے اندر لینا چاہیے کمال عبدانسان کا یہ ہے کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے اخلاق میں رنگین ہو جاوے جب تک اس مرتبہ تک نہ پہنچ جائے نہ تھکے نہ ہارے۔** اس کے بعد خود ایک کشش اور جذب پیدا ہو جاتا ہے جو عبادت الٰہی کی طرف اسے لیے جاتا ہے۔ اور وہ حالت اس پر وارد ہو جاتی ہے جو یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (النحل :51) کی ہوتی ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 393)

جب تک انسان کامل طور پر توحید پر کار بند نہیں ہوتا۔ اس میں اسلام کی محبت اور عظمت قائم نہیں ہوتی ......نماز کی لذت اور سرور اسے حاصل نہیں ہوسکتا۔ مدار اسی بات پر ہے کہ جب تک بُرے ارادے ناپاک اور گندے منصوبے بھسم نہ ہوں انانیت اور شیخی دور ہو کر نیستی اور فروتنی نہ آئے خدا کا سچا بندہ نہیں کہلا سکتا اور **عبودیت کاملہ کے سکھانے کے لیے بہترین معلم اور افضل ترین ذریعہ نماز ہی ہے۔**

میں پھر تمہیں بتلاتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ سے سچا تعلق ۔حقیقی ارتباط قائم کرنا چاہتے ہو تو نماز پر کار بند ہو جاؤ اور ایسے کار بند بنو کہ تمہارا جسم نہ تمہاری زبان بلکہ تمہاری روح کے ارادے اور جذبے سب کے سب ہمہ تن نماز ہو جائیں۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 108)

نماز کا مغز اور اصل دعا ہے

نماز کیا ہے؟ ایک قسم کی دعا ہے جو انسان کو تمام برائیوں اور فواحش سے محفوظ رکھ کر حسنات کا مستحق اور انعام الٰہیہ کا مورد بنا دیتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ اللہ اسم اعظم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام صفات کو اس کے تابع رکھا ہے۔ اب ذرا غور کرو نماز کی ابتداء اذان سے شروع ہوتی ہے۔ اذان اللہ اکبر سے شروع ہوتی ہے۔ یعنی اللہ کے نام سے شروع ہو کر لا الــه الا اللہ یعنی اللہ ہی پر ختم ہوتی ہے۔ یہ فخر اسلامی عبادت ہی کو ہے کہ اس میں اول اور آخر میں اللہ تعالیٰ ہی مقصود ہے نہ کچھ اور۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اس قسم کی عبادت کسی قوم اور ملت میں نہیں ہے۔ پس نماز جو دعا ہے اور جس میں اللہ کو جو خدائے تعالیٰ کا اسم اعظم ہے مقدم رکھا ہے۔ ایسا ہی انسان کا اسم اعظم استقامت ہے۔ اسم اعظم سے مراد یہ ہے کہ جس ذریعہ سے انسانیت کے کمالات حاصل ہوں۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 37)

ذکر سے مراد نماز ہے

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:29)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر ذرا بھی غم پہنچتا تو آپ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور اس لئے فرمایا ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:29) اطمینان سکینت قلب کے لئے نماز سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 311)

نماز سے دین اور دنیا سنور جاتی ہے

نماز ایسی چیز ہے کہ اس سے دنیا بھی سنور جاتی ہے اور دین بھی......نماز تو وہ چیز ہے کہ انسان اس کے پڑھنے سے ہر ایک طرح کی بدعملی اور بے حیائی سے بچایا جاتا ہے مگر جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں اس طرح کی نماز پڑھنی انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتی اور یہ طریق خدا کی مدد اور استعانت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا اور جب تک انسان دعاؤں میں نہ لگا رہے اس طرح کا خشوع اور خضوع پیدا نہیں ہوسکتا اس لئے چاہیئے کہ تمہارا دن اور تمہاری رات غرض کوئی گھڑی دعاؤں سے خالی نہ ہو۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 403)

نماز میں لذّت ہے

نماز خواہ نخواہ کا ٹیکس نہیں بلکہ عبودیت کو ربوبیت سے ایک ابدی تعلق اور کشش ہے اس رشتہ کو قائم رکھنے کے لیے خدا تعالےٰ نے نماز بنائی ہے اور اس میں ایک لذت رکھ دی ہے جس سے یہ تعلق قائم رہتا ہے جیسے لڑکے اور لڑکی کی جب شادی ہوتی ہے اگر ان کے ملاپ میں ایک لذت نہ ہو تو فساد ہوتا ہے ایسے ہی اگر نماز میں لذت نہ ہو تو وہ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے دروازہ بند کر کر کے دعا کرنی چاہیئے کہ وہ رشتہ قائم رہے اور لذت پیدا ہو جو تعلق عبودیت کا ربوبیت سے ہے وہ بہت گہرا اور انوار سے پُر ہے جس کی تفصیل نہیں ہو سکتی جب وہ نہیں ہے تب تک انسان بہائم ہے۔ اگر دو چار دفعہ بھی لذت محسوس ہو جائے تو اس چاشنی کا حصہ مل گیا لیکن جسے دو چار دفعہ بھی نہ ملا وہ اندھا ہے مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل:73) آئندہ کے سب وعدے اسی سے وابستہ ہیں۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 592)

قصر نماز

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا۔ (النساء102)

فرمایا جو شخص تین دن کے واسطے یہاں آوے اس کے واسطے قصر جائز ہے۔ میری دانست میں جس سفر میں عزم سفر ہو پھر خواہ وہ تین چار کوس ہی کا سفر کیوں نہ ہو اس میں قصر جائز ہے۔ یہ ہماری سیر سفر نہیں ہے۔ ہاں اگر امام مقیم ہو تو اس کے پیچھے پوری ہی نماز پڑھنی پڑے گی۔ حکام کا دورہ سفر نہیں ہو سکتا۔ وہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنے باغ کی سیر کرتا ہے۔ خواہ نخواہ قصر کرنے کا تو کوئی وجود نہیں۔ اگر دوروں کی وجہ سے انسان قصر کرنے لگے تو پھر یہ دائمی قصر ہو گا۔ جس کا کوئی ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے۔ حکام کہاں مسافر کہلا سکتے ہیں سعدی نے بھی کہا ہے۔ ؎

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست   ہر جا کہ رفت خیمہ زد و خواب گاہ ساخت

(ترجمہ از مرتب:- سخاوت کرنے والا انسان کبھی بے وطن نہیں ہوتا وہ جہاں بھی جاتا ہے خیمہ تان کر اپنا گھر بنا لیتا ہے۔) (ملفوظات جلد سوم صفحہ 227)

سفر تو وہ ہے جو ضرورتاً گاہے گاہے ایک شخص کو پیش آوے نہ یہ کہ اس کا پیشہ ہی یہ ہو کہ آج یہاں کل وہاں اپنی تجارت کرتا پھرے۔ یہ تقویٰ کے خلاف ہے کہ ایسا آدمی آپ کو مسافروں میں شامل کر کے ساری عمر نماز قصر کرنے میں ہی گزار دے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 185)

مرض کی حالت میں قصر نماز نہیں چاہیئے البتہ اگر طاقت کھڑے ہونے کی نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں۔

(مکتوبات جلد 5 نمبر 5 صفحہ 54 (مکتوب بنام حضرت منشی حبیب الرحمٰن صاحبؓ)

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ (النساء :104)

میں طبعًا اور فطرتًا اس کو پسند کرتا ہوں کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جاوے۔ اور نماز موقوتہ کے مسئلہ کو بہت ہی عزیز رکھتا ہوں بلکہ سخت مطر میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جاوے اگرچہ شیعوں نے اور غیر مقلدوں نے اس پر بڑے بڑے مباحثے کیے ہیں مگر ہم کو ان سے کوئی غرض نہیں۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 45)

نماز عربی زبان میں پڑھنی چاہیے

نماز اپنی زبان میں نہیں پڑھنی چاہیے۔ خدا تعالیٰ نے جس زبان میں قرآن شریف رکھا ہے۔ اس کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ ہاں اپنی حاجتوں کو اپنی زبان میں خدا تعالیٰ کے سامنے بعد مسنون طریق اور اذکار کے بیان کر سکتے ہیں، مگر اصل زبان کو ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے۔ عیسائیوں نے اصل زبان کو چھوڑ کر کیا پھل پایا۔ کچھ بھی باقی نہ رہا۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 216)

ارکان نماز کی حکمت

ارکان نماز دراصل روحانی نشست و برخاست ہیں۔ انسان کو خدا تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہونا پڑتا ہے اور قیام بھی آداب خدمتگاران میں سے ہے۔ رکوع جو دوسرا حصہ ہے۔ بتلاتا ہے کہ گویا تیاری ہے کہ وہ تعمیل حکم کو کس قدر گردن جھکاتا ہے اور سجدہ کمال آداب اور کمال تذلل اور نیستی کو جو عبادت کا مقصود ہے ظاہر کرتا ہے۔ یہ آداب اور طُرق ہیں جو خدا تعالیٰ نے بطور یادداشت کے مقرر کر دئے ہیں اور جسم کو باطنی طریق سے حصہ دینے کی خاطر ان کو مقرر کیا ہے علاوہ ازیں باطنی طریق کے اثبات کی خاطر ایک ظاہری طریق بھی رکھ دیا ہے۔ اب اگر ظاہری طریق میں (جو اندرونی اور باطنی طریق کا ایک عکس ہے۔) صرف نقال کی طرح نقلیں اتاری جاویں اور اسے ایک بارگراں سمجھ کر اتار پھینکنے کی کوشش کی جاوے تو تم ہی بتلاؤ۔ اس میں کیا لذت اور حظ آسکتا ہے اور جب تک لذت اور سرور نہ آئے اس کی حقیقت کیونکر متحقق ہوگی اور یہ اس وقت ہوگا جب کہ روح بھی ہمہ نیستی اور تذلل تام ہو کر آستانہ الوہیت پر گرے اور جو زبان بولتی ہے روح بھی بولے اس وقت ایک سرور اور نور اور تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 104-105)

(نمازوں میں تعداد رکعات کے متعلق فرمایا۔) اس میں اللہ تعالیٰ نے اور اسرار رکھے ہیں جو شخص نماز پڑھے گا وہ کسی نہ کسی حد پر تو آخر رہے گا ہی اور اسی طرح پر ذکر میں بھی ایک حد تو ہوتی ہے لیکن وہ حد وہی کیفیت اور ذوق وشوق ہوتا ہے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے جب وہ پیدا ہو جاتی ہے تو وہ بس کر جاتا ہے۔

دوسرے یہ بات حال والی ہے قال والی نہیں جو شخص اس میں پڑتا ہے وہی سمجھ سکتا ہے۔ اصل غرض ذکر الٰہی سے یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو فراموش نہ کرے اور اسے اپنے سامنے دیکھتا رہے اس طریق پر وہ گناہوں سے بچا رہے گا۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 15)

نامقبول نماز

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۔ (الماعون:6-5)

کیا وجہ ہے کہ بعض لوگ تیس تیس برس تک برابر نماز پڑھتے ہیں پھر کورے کے کورے ہی رہتے ہیں کوئی اثر روحانیت اور خشوع وخضوع کا ان میں پیدا نہیں ہوتا۔اس کا یہی سبب ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں جس پر خدا تعالےٰ لعنت بھیجتا ہے۔ایسی نمازوں کے لئے ویل آیا ہے۔دیکھو جس کے پاس اعلیٰ درجہ کا جوہر ہو تو کیا کوڑیوں اور پیسوں کے لئے اسے پھینک دینا چاہیئے ۔ ہرگز نہیں۔اول اس جوہر کی حفاظت کا اہتمام کرے اور پھر پیسوں کو بھی سنبھالے۔ اس لئے نماز کو سنوار سنوار اور سمجھ سمجھ کر پڑھے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 346)

قرآن شریف تقویٰ ہی کی تعلیم دیتا ہے اور یہی اس کی علت غائی ہے اگر انسان تقویٰ اختیار نہ کرے تو اس کی نمازیں بھی بے فائدہ اور دوزخ کی کلید ہو سکتی ہیں چنانچہ اس کی طرف اشارہ کر کے سعدی کہتا ہے

کلیدِ درِ دوزخ است ان نماز   کہ درچشمِ مردم گزاری دراز

(ترجمہ:- دوزخ میں داخل ہونے کی چابی ایسی نماز ہے جو لوگوں کو دکھانے کے لئے لمبی لمبی پڑھی جائے)

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 391-390)

نماز رسم اور عادت کے طور پر درست نہیں

خدا کا یہی منشاء ہے کہ لفظی اور زبانی مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنایا جاوے۔یہودی کیا توریت پر ایمان نہیں لاتے تھے؟ قربانیاں نہ کرتے تھے؟ مگر خدا تعالیٰ نے ان پر لعنت بھیجی اور کہا کہ تم مومن نہیں ہو۔ بلکہ بعض نمازیوں کی نماز پر بھی لعنت بھیجی ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۔ (الماعون:5,6) یعنی لعنت ہے ایسے نمازیوں پر جو نماز کی حقیقت سے بے خبر ہیں صلوٰۃ اصل میں آگ میں پڑنے اور محبت الٰہی اور خوف الٰہی کی آگ میں پڑ کر اپنے آپ سے جل جانے اور ماسوی اللہ کو جلا دینے کا نام ہے اور اس حالت کا نام ہے کہ صرف خدا ہی خدا اس کی نظر میں رہ جاوے اور انسان اس حالت تک ترقی کر جاوے کہ خدا کے بلانے سے بولے اور خدا کے چلانے سے چلے۔اس کے کل حرکات اور سکنات اس کا فعل اور ترک فعل سب اللہ ہی کی مرضی کے مطابق ہو جاوے خودی دور ہو جاوے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 590)

تیسری فصل

روزہ

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ ا ٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (البقرة :184)

جوتم میں سے مریض یا سفر پر ہو وہ اتنے روزے اور رکھ لے۔(شہادت القرآن ۔ر۔خ۔جلد6صفحہ 331)

روزہ فرض ہے

کُتِبَ سے فرضی روزے مراد ہیں۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 147)

تلقین روزہ

میری تو یہ حالت ہے کہ مرنے کے قریب ہو جاؤں تب روزہ چھوڑتا ہوں طبیعت روزہ چھوڑنے کو نہیں چاہتی یہ مبارک دن ہیں اور اللہ کے فضل و رحمت کے نزول کے دن ہیں۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 440-439)

روزہ کی حکمت

تیسری بات جو اسلام کا رکن ہے وہ روزہ ہے روزہ کی حقیقت سے بھی لوگ ناواقف ہیں اصل یہ ہے کہ جس ملک میں انسان جاتا نہیں اور جس عالم سے واقف نہیں اس کے حالات کیا بیان کرے۔روزہ اتنا ہی نہیں کہ اس میں انسان بھوکا پیاسا رہتا ہے بلکہ اس کی ایک حقیقت اور اس کا اثر ہے جو تجربہ سے معلوم ہوتا ہے۔انسانی فطرت میں ہے کہ جس قدر کم کھاتا ہے اسی قدر تزکیہ نفس ہوتا ہے اور کشفی قوتیں بڑھتی ہیں۔خدا تعالیٰ کا منشاء اس سے یہ ہے کہ ایک غذا کو کم کرو اور دوسری کو بڑھاؤ۔ہمیشہ روزہ دار کو یہ مدنظر رکھنا چاہیئے کہ اس سے اتنا ہی مطلب نہیں ہے کہ بھوکا رہے بلکہ اسے چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے تا کہ تبتل اور انقطاع حاصل ہو۔پس روزے سے یہی مطلب ہے کہ انسان ایک روٹی کو چھوڑ کر جو صرف جسم کی پرورش کرتی ہے دوسری روٹی کو حاصل کرے جو روح کے لیے تسلی اور سیری کا باعث ہے۔اور جو لوگ محض خدا کے لیے روزے رکھتے ہیں اور نرے رسم کے طور پر نہیں رکھتے انہیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح اور تہلیل میں لگے رہیں۔جس سے دوسری غذا انہیں مل جاوے۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 102)

روزہ اور نماز ہر دو عبادتیں ہیں۔روزے کا زور جسم پر ہے اور نماز کا زور روح پر ہے۔نماز سے ایک سوز و گداز پیدا ہوتی ہے۔اس واسطے وہ افضل ہے۔روزے سے کشوف پیدا ہوتے ہیں۔مگر یہ کیفیت بعض دفعہ جوگیوں میں بھی پیدا ہوسکتی ہے۔لیکن روحانی گدازش جو دعاؤں سے پیدا ہوتی ہے۔اس میں کوئی شامل نہیں۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 293-292)

روزہ کے احکام

ایک شخص کا سوال حضرت صاحب کی خدمت میں پیش ہوا کہ روزہ دار کو آئینہ دیکھنا جائز ہے یا نہیں فرمایا جائز ہے۔

اسی طرح ایک اور سوال پیش ہوا کہ حالت روزہ میں سر کو یا ڈاڑھی کو تیل لگانا جائز ہے یا نہیں۔

فرمایا: جائز ہے۔

سوال پیش ہوا کہ روزہ دار کو خوشبو لگانا جائز ہے یا نہیں۔

فرمایا: جائز ہے۔

سوال پیش ہوا کہ روزہ دار آنکھوں میں سرمہ ڈالے یا نہ ڈالے۔

فرمایا: مکروہ ہے اور ایسی ضرورت ہی کیا ہے کہ دن کے وقت سرمہ لگائے۔ رات کو سرمہ لگا سکتا ہے۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 135-136)

فرمایا کہ بے خبری میں کھایا پیا تو اس پر اس روزہ کے بدلے میں دوسرا روزہ لازم نہیں آیا۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 147)

ایک شخص کا حضرت کی خدمت میں سوال پیش ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے دن روزہ رکھنا ضروری ہے کہ نہیں۔

فرمایا ضروری نہیں ہے۔

اسی شخص کا سوال پیش ہوا کہ ''محرم کے پہلے دس دن کا روزہ رکھنا ضروی ہے کہ نہیں؟''

فرمایا۔ضروری نہیں ہے۔'' (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 168)

ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ میں مکان کے اندر بیٹھا ہوا تھا اور میرا یقین تھا کہ ہنوز روزہ رکھنے کا وقت ہے اور میں نے کچھ کھا کر روزہ کی نیت کی۔ مگر بعد میں ایک دوسرے شخص سے معلوم ہوا کہ اس وقت سفیدی ظاہر ہو گئی تھی۔ اب میں کیا کروں حضرت نے فرمایا کہ ایسی حالت میں اس کا روزہ ہو گیا۔ دوبارہ رکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اپنی طرف سے اس کی احتیاط کی اور نیت میں فرق نہیں صرف غلطی لگ گئی اور چند منٹوں کا فرق پڑ گیا۔

(بدر جلد 6 صفحہ 7 14 فروری 1905 صفحہ 18)(تفسیر سورۃ البقرۃ صفحہ 259)

روزہ کی رخصت۔ مرض اور سفر

اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ ؕ فَمَنۡ کَانَ مِنۡکُمۡ مَّرِیۡضًا اَوۡعَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ وَ عَلَی الَّذِیۡنَ یُطِیۡقُوۡنَہٗ فِدۡیَۃٌ طَعَامُ مِسۡکِیۡنٍ فَمَنۡ تَطَوَّعَ خَیۡرًا فَھُوَ خَیۡرٌ لَّہٗ وَ اَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ۔ (البقرۃ:185)

یعنی مریض اور مسافر روزہ نہ رکھے اس میں امر ہے یہ اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ جس کا اختیار ہو رکھ لے جس کا اختیار ہو نہ رکھے میرے خیال میں مسافر کو روزہ نہیں رکھنا چاہیئے اور چونکہ عام طور پر اکثر لوگ رکھ لیتے ہیں اس لیے اگر کوئی تعامل سمجھ کر رکھ لے تو کوئی ہرج نہیں مگر عدۃ من ایام اخر کا پھر بھی لحاظ رکھنا چاہیئے۔......

سفر میں تکالیف اٹھا کر جو انسان روزہ رکھتا ہے تو گویا اپنے زور بازو سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہے اس کو اطاعت امر سے خوش نہیں کرنا چاہتا یہ غلطی ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت امر اور نہی میں سچا ایمان ہے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 193)

سفر کی تعریف

میرا مذہب یہ ہے کہ انسان بہت دقتیں اپنے اوپر نہ ڈال لے۔ عرف میں جس کو سفر کہتے ہیں خواہ وہ دو تین کوس ہی ہو اس میں قصر و سفر کے مسائل پر عمل کرے اِنَّمَا الۡاَعۡمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ بعض دفعہ ہم دو دو تین تین میل اپنے دوستوں کے ساتھ سیر کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں مگر کسی کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ ہم سفر میں ہیں **لیکن جب انسان اپنی گٹھڑی اُٹھا کر سفر کی نیت سے چل پڑتا ہے تو وہ مسافر ہوتا ہے۔ شریعت کی بنا دقت پر نہیں ہے جس کو تم عرف میں سفر سمجھو وہی سفر ہے اور جیسا کہ خدا کے فرائض پر عمل کیا جاتا ہے ویسا ہی اس کی رخصتوں پر عمل کرنا چاہیئے فرض بھی خدا کی طرف سے ہیں اور رخصت بھی خدا کی طرف سے۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 446)

رخصت پر عمل کرنا

اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف کی رخصتوں پر عمل کرنا بھی تقویٰ ہے خدا تعالیٰ نے مسافر اور بیمار کو دوسرے وقت رکھنے کی اجازت اور رخصت دی ہے اس لیے اس حکم پر بھی تو عمل رکھنا چاہیئے میں نے پڑھا ہے کہ اکثر اکابر اس طرف گئے ہیں کہ اگر کوئی حالت سفر یا بیماری میں روزہ رکھتا ہے تو یہ معصیت ہے کیونکہ غرض تو اللہ تعالیٰ کی رضا ہے نہ اپنی مرضی اور اللہ تعالیٰ کی رضا فرماں برداری میں ہے جو حکم وہ دے اس کی اطاعت کی جاوے۔ اور اپنی طرف سے اس پر حاشیہ نہ چڑھایا جاوے۔ اس نے تو یہی حکم دیا ہے فَمَنۡ کَانَ مِنۡکُمۡ مَّرِیۡضًا اَوۡعَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ۔ اس میں کوئی قید اور نہیں لگائی کہ ایسا سفر ہو یا ایسی بیماری ہو میں سفر کی حالت میں روزہ نہیں رکھتا اور ایسا ہی بیماری کی حالت میں چنانچہ آج بھی میری طبیعت اچھی نہیں اور میں نے روزہ نہیں رکھا۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 67-68)

جوشخص مریض اور مسافر ہونے کی حالت میں ماہ صیام میں روزہ رکھتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے صریح حکم کی نافرمانی کرتا ہے خدا تعالیٰ نے صاف فرمادیا ہے کہ مریض اور مسافر روزہ نہ رکھے۔ مرض سے صحت پانے اور سفر کے ختم ہونے کے بعد روزے رکھے۔ خدا کے اس حکم پر عمل کرنا چاہیئے۔ کیونکہ نجات فضل سے ہے نہ کہ اپنے اعمال کا زور دکھا کر کوئی نجات حاصل کرسکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ مرض تھوڑی ہو یا بہت اور سفر چھوٹا ہو یا لمبا ہو۔ بلکہ حکم عام ہے اور اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ **مریض اور مسافر اگر روزہ رکھیں گے۔ تو ان پر حکم عدولی کا فتویٰ لازم آئے گا۔**

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 321)

فدیہ کے احکام

وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ کی نسبت فرمایا کہ اس کے معنے یہ ہیں کہ جو طاقت نہیں رکھتے

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 297)

اللہ تعالیٰ نے شریعت کی بنا آسانی پر رکھی ہے جو مسافر اور مریض صاحب مقدرت ہوں ان کو چاہیئے۔ کہ روزہ کی بجائے فدیہ دیدیں۔ فدیہ یہ ہے کہ ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 321)

صرف فدیہ تو شیخ فانی یا اس جیسوں کے واسطے ہوسکتا ہے۔ جو روزہ کی طاقت کبھی بھی نہیں رکھتے۔ ورنہ عوام کے واسطے جو صحت پاکر روزہ رکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ صرف فدیہ کا خیال کرنا اباحت کا دروازہ کھول دنیا ہے۔ جس دین میں مجاہدات نہ ہوں وہ دین ہمارے نزدیک کچھ نہیں۔ اس طرح سے خدا تعالیٰ کے بوجھوں کو سر پر سے ٹالنا سخت گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ میرے راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ان کو ہی ہدایت دی جاوے گی۔

فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے دین اسلام میں پانچ مجاہدات مقرر فرمائے ہیں۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ صدقات۔ حج۔ اسلامی دشمن کا ذبّ اور دفع خواہ سیفی ہو۔ خواہ قلمی۔ یہ پانچ مجاہدے قرآن شریف سے ثابت ہیں مسلمانوں کو چاہیئے کہ ان میں کوشش کریں اور ان کی پابندی کریں۔ یہ روزے تو سال میں ایک ماہ کے ہیں۔ بعض اہل اللہ تو نوافل کے طور پر اکثر روزے رکھتے رہتے ہیں اور ان میں مجاہدہ کرتے۔ ہاں دائمی روزے رکھنا منع ہیں یعنی ایسا نہیں چاہیئے کہ آدمی ہمیشہ روزے ہی رکھتا رہے بلکہ ایسا کرنا چاہیئے کہ نفلی روزہ کبھی رکھے اور کبھی چھوڑ دے۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 322)

(وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ) ایک دفعہ میرے دل میں آیا کہ یہ فدیہ کس لیے مقرر کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ توفیق کے واسطے ہے تاکہ روزہ کی توفیق اس سے حاصل ہو خدا ہی کی ذات ہے جو توفیق عطا کرتی ہے اور ہر شے خدا ہی سے طلب کرنی چاہیئے خدا تعالیٰ تو قادر مطلق ہے وہ اگر چاہے تو ایک مدقوق کو بھی روزہ کی طاقت عطا کرسکتا ہے تو فدیہ سے یہی مقصود ہے کہ وہ طاقت حاصل ہو جاوے اور یہ خدا کے فضل سے ہوتا ہے پس میرے نزدیک خوب ہے کہ (انسان) دعا کرے کہ الٰہی یہ تیرا ایک مبارک مہینہ ہے اور میں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال زندہ رہوں یا نہ یا ان فوت شدہ روزوں کو ادا کرسکوں یا نہ اور اس سے توفیق طلب کرے تو مجھے یقین ہے کہ ایسے دل کو خدا طاقت بخش دے گا۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 563)

چوتھی فصل

زکوٰۃ

وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارۡکَعُوۡا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ۔ (البقرۃ:44)

ہر ایک جو زکوٰۃ کے لائق ہے وہ زکوٰۃ دے۔ (کشتی نوح۔ ر۔خ۔ جلد19 صفحہ 15)

حقیقی زکوٰۃ

بہت سے لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ مگر وہ اتنا بھی نہیں سوچتے اور سمجھتے کہ یہ کس کی زکوٰۃ ہے اگر کتے کو ذبح کر دیا جاوے یا سؤر کو ذبح کر ڈالو تو وہ صرف ذبح کرنے سے حلال نہیں ہو جائے گا۔ زکوٰۃ تزکیہ سے نکلی ہے مال کو پاک کرو۔ اور پھر اس میں سے زکوٰۃ دو۔ جو اس میں سے دیتا ہے۔ اس کا صدق قائم ہے لیکن جو حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتا وہ اس کے اصل مفہوم سے دور پڑا ہوا ہے اس قسم کی غلطیوں سے دست بردار ہونا چاہیئے اور ان ارکان کی حقیقت کو بخوبی سمجھ لینا چاہیئے تب یہ ارکان نجات دیتے ہیں ورنہ نہیں اور انسان کہیں کا کہیں چلا جاتا ہے یقیناً سمجھو کہ کہ فخر کرنے کی کوئی چیز نہیں ہے اور خدا تعالیٰ کا کوئی اَنفسی یا آفاقی شریک نہ ٹھیراؤ اور اعمال صالح بجالاؤ۔ مال سے محبت نہ کرو۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 103)

اموال پر زکوٰۃ

ایک صاحب نے دریافت کی کہ تجارت کا مال جو ہے جس میں بہت سا حصہ خریداروں کی طرف ہوتا ہے اور اُگراہی میں پڑا ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں۔ فرمایا

جو مال معلق ہے اس پر زکوٰۃ نہیں جب تک کہ اپنے قبضہ میں نہ آ جائے لیکن تاجر کو چاہیئے کہ حیلہ بہانے سے زکوٰۃ کو نہ ٹال دے۔ آخر اپنی حیثیت کے مطابق اپنے اخراجات بھی تو اسی مال میں سے برداشت کرتا ہے۔ تقویٰ کے ساتھ اپنے مال موجودہ اور معلق پر نگاہ ڈالے اور مناسب زکوٰۃ دیکر خدا تعالیٰ کو خوش کرتا رہے۔ بعض لوگ خدا تعالےٰ کے ساتھ بھی حیلے بہانے کرتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 234)

اس سوال کے جواب میں کہ جو روپیہ قرض کسی کو دیا گیا ہے اس پر زکوٰۃ ہے؟

فرمایا۔ ''نہیں'' (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 153)

زیورات پر زکوٰۃ

جو زیور استعمال میں آتا ہے اور مثلاً کوئی بیاہ شادی پر مانگ کر لے جاتا ہے تو دیدیا جاوے وہ زکوٰۃ سے مستثنٰے ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 206)

زیورات کی نسبت جو آپ نے دریافت کیا ہے۔ یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ مگر اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ جو زیور مستعمل ہو اس کی زکوٰۃ نہیں ہے۔ مگر بہتر ہے کہ دوسرے کو عاریتاً کبھی دیدیا کریں مثلاً دو تین روز کے لیے کسی عورت کو اگر عاریتاً پہننے کے لیے دیدیا جائے تو پھر بالاتفاق ساقط ہو جاتی ہے۔

(مکتوبات جلد پنجم صفحہ 55 مکتوب نمبر 13/5 بنام منشی حبیب الرحمانؓ صاحب)

عزیزو! یہ دین کے لیے اور دین کی اغراض کے لیے خدمت کا وقت ہے اس وقت کو غنیمت سمجھو کہ پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا چاہیئے کہ زکوٰۃ دینے والا اسی جگہ اپنی زکوٰۃ بھیجے اور ہر ایک شخص فضولیوں سے اپنے تئیں بچاوے اور اس راہ میں وہ روپیہ لگاوے اور بہرحال صدق دکھاوے تا فضل اور روح القدس کا انعام پاوے کیونکہ یہ انعام ان لوگوں کے لیے تیار ہے جو اس سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں۔ (کشتی نوح۔ ر۔ خ۔ جلد 19 صفحہ 83)

اگر میری جماعت میں ایسے احباب ہوں جو ان پر بوجہ املاک و اموال و زیورات وغیرہ کے زکوٰۃ فرض ہو تو ان کو سمجھنا چاہیئے کہ اس وقت دین اسلام جیسا غریب اور یتیم اور بے کس کوئی بھی نہیں اور زکوٰۃ نہ دینے میں جس قدر تہدید شرع وارد ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ اور عنقریب ہے جو منکر زکوٰۃ کافر ہو جائے۔ پس فرض عین ہے۔ جو اسی راہ میں اعانت اسلام میں زکوٰۃ دی جاوے۔ زکوٰۃ میں کتابیں خریدی جائیں اور مفت تقسیم کی جائیں۔

(مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 325)

پانچویں فصل

حج

فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۔ (ال عمران :98)

حج کی عبادت کی حکمت

اسلام نے......محبت کی حالت کے اظہار کے لیے حج رکھا ہے خوف کے جس قدر ارکان ہیں وہ نماز کے ارکان سے بخوبی واضح ہیں کہ کس قدر تذلل اور اقرار عبودیت اس میں موجود ہے اور حج میں محبت کے سارے ارکان پائے جاتے ہیں بعض وقت شدت محبت میں کپڑے کی بھی حاجت نہیں رہتی ۔عشق بھی ایک جنون ہوتا ہے کپڑوں کو سنوار کر رکھنا یہ عشق میں نہیں رہتا۔ سیالکوٹ میں ایک عورت ایک درزی پر عاشق تھی اسے بہتیرا پکڑ کر رکھتے تھے وہ کپڑے پھاڑ کر چلی آتی تھی غرض یہ نمونہ جو انتہائے محبت کا لباس میں ہوتا ہے وہ حج میں موجود ہے۔ سر منڈایا جاتا ہے۔ دوڑتے ہیں محبت کا بوسہ رہ گیا وہ بھی ہے جو خدا کی ساری شریعتوں میں تصویری زبان میں چلا آیا ہے پھر قربانی میں بھی کمال عشق دکھایا ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 225)

جسمانی افعال کا روح پر اثر پڑتا ہے اور روحانی افعال کا جسم پر اثر پڑتا ہے۔ پس ایسا ہی عبادت کی دوسری قسم میں بھی جو محبت اور ایثار ہے انہیں تاثیرات کا جسم اور روح میں عوض معاوضہ ہے۔ محبت کے عالم میں انسانی روح ہر وقت اپنے محبوب کے گرد گھومتی ہے اور اس کے آستانہ کو بوسہ دیتی ہے ایسا ہی خانہ کعبہ جسمانی طور پر محبان صادق کے لیے ایک نمونہ دیا گیا ہے اور خدا نے فرمایا کہ دیکھو یہ میرا گھر ہے اور یہ حجر اسود میرے آستانہ کا پتھر ہے اور ایسا حکم اس لیے دیا کہ تا انسان جسمانی طور پر اپنے ولولہ عشق اور محبت کو ظاہر کرے۔ سو حج کرنے والے حج کے مقام میں جسمانی طور پر اس گھر کے گرد گھومتے ہیں ایسی صورتیں بنا کر کہ گویا خدا کی محبت میں دیوانہ اور مست ہیں زینت دور کر دیتے ہیں سر منڈوا دیتے ہیں اور مجذوبوں کی شکل بنا کر اس کے گھر کے گرد عاشقانہ طواف کرتے ہیں اور اس پتھر کو خدا کے آستانہ کا پتھر تصور کر کے بوسہ دیتے ہیں اور یہ جسمانی ولولہ روحانی تپش اور محبت کو پیدا کر دیتا ہے اور جسم اس گھر کے گرد طواف کرتا ہے اور سنگ آستانہ کو چومتا ہے اور روح اس وقت محبوب حقیقی کے گرد طواف کرتی ہے اور اس کے روحانی آستانہ کو چومتا ہے اور اس طریق میں کوئی شرک نہیں۔ ایک دوست ایک دوست جانی کا خط پا کر بھی اس کو چومتا ہے کوئی مسلمان خانہ کعبہ کی پرستش نہیں کرتا اور نہ حجر اسود سے مرادیں مانگتا ہے بلکہ صرف خدا کا قرار دادہ ایک جسمانی نمونہ سمجھا جاتا ہے وبس۔ جس طرح ہم زمین پر سجدہ کرتے ہیں مگر وہ سجدہ زمین کے لیے نہیں ایسا ہی ہم حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں مگر وہ بوسہ اس پتھر کے لیے نہیں پتھر تو پتھر ہے جو نہ کسی کو نفع دے سکتا ہے نہ نقصان مگر اس محبوب کے ہاتھ کا ہے۔ جس نے اس کو اپنے آستانہ کو نمونہ ٹھیرایا۔ (چشمہ معرفت۔ ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 101-100)

حج کمال سلوک ہے

حج سے صرف اتنا ہی مطلب نہیں کہ ایک شخص گھر سے نکلے اور سمندر چیز کر چلا جاوے اور رسمی طور پر کچھ لفظ منہ سے بول کر ایک رسم ادا کر کے چلا آوے **اصل بات یہ ہے کہ حج ایک اعلیٰ درجہ کی چیز ہے جو کمال سلوک کا آخری مرحلہ ہے** سمجھنا چاہیئے کہ انسان کا اپنے نفس سے انقطاع کا یہ حق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی محبت میں کھویا جاوے اور تعشق باللہ اور محبت الٰہی ایسی پیدا ہو جاوے کہ اس کے مقابلہ میں نہ اسے کسی سفر کی تکلیف ہو اور نہ جان و مال کی پروا ہو نہ عزیز و اقارب سے جدائی کا فکر ہو۔ **جیسے عاشق اور محبّ اپنے محبوب پر جان قربان کرنے کو طیار ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی کرنے سے دریغ نہ کرے اس کا نمونہ حج میں رکھا ہے جیسے عاشق اپنے محبوب کے گرد طواف کرتا ہے اسی طرح حج میں بھی طواف رکھا ہے یہ ایک باریک نکتہ ہے جیسا بیت اللہ ہے ایک اس سے بھی اوپر ہے جب تک اس کا طواف نہ کرو یہ طواف مفید نہیں اور ثواب نہیں**۔ اس کے طواف کرنے والوں کی بھی یہی حالت ہونی چاہیئے جو یہاں دیکھتے جو کہ ایک مختصر سا کپڑا رکھ لیتے ہیں اسی طرح اس کا طواف کرنے والوں کو چاہیئے کہ دنیا کے کپڑے اتار کر فروتنی اور انکساری اختیار کرے اور عاشقانہ رنگ میں پھر طواف کرے۔ طواف عشق الٰہی کی نشانی ہے اور اس کے معنے یہ ہیں کہ گویا مرضات اللہ ہی کے گرد طواف کرنا چاہیئے۔ اور کوئی غرض باقی نہیں۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 102-103)

ممنوعات حج

حج کا مانع صرف زادراہ نہیں اور بہت سے امور ہیں جو عند اللہ حج نہ کرنے کے لیے عذر صحیح ہیں۔ چنانچہ ان میں سے صحت کی حالت میں کچھ نقصان ہونا ہے۔ اور نیز ان میں سے وہ صورت ہے کہ جب راہ میں یا خود مکہ میں امن کی صورت نہ ہو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡهِ سَبِیۡلًا۔ (العمران: 98) (ایام الصلح۔ ر۔خ۔ جلد 14 صفحہ 415)

ایک حج کے ارادہ کرنے والے کے لیے اگر یہ بات پیش آ جائے۔ کہ وہ اس مسیح موعود کو دیکھ لے جس کا تیرہ سو برس سے اہل اسلام میں انتظار ہے۔ تو بموجب نص صریح قرآن اور احادیث کے وہ بغیر اس کی اجازت کے حج کو نہیں جا سکتا ہاں با جازت اس کے دوسرے وقت میں جا سکتا ہے۔

(تذکرۃ الشہادتین۔ ر۔خ۔ جلد 20 صفحہ 49)

اصل میں جو لوگ خدا کی طرف سے آتے ہیں ان کی خدمت میں دین سیکھنے کے واسطے جانا بھی ایک طرح کا حج ہی ہے۔ حج بھی خدا تعالیٰ کے حکم کی پابندی ہے اور ہم بھی تو اس کے دین اور اس کے گھر یعنی خانہ کعبہ کی حفاظت کے واسطے آئے ہیں۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 122)

حج کے لئے نہ جانے کی وجہ ایک شخص نے عرض کی کہ مخالف مولوی اعتراض کرتے ہیں کہ مرزا صاحب حج کو کیوں نہیں جاتے؟

فرمایا:-

یہ لوگ شرارت کے ساتھ ایسا اعتراض کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس سال مدینہ میں رہے۔ صرف دو دن کا راستہ مدینہ اور مکہ میں تھا مگر آپ نے دس سال میں کوئی حج نہ کیا۔ حالانکہ آپ سواری وغیرہ کا انتظام کر سکتے تھے۔ لیکن حج کے واسطے صرف یہی شرط نہیں کہ انسان کے پاس کافی مال ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ کسی قسم کے فتنہ کا خوف نہ ہو۔ وہاں تک پہنچنے اور امن کے ساتھ حج ادا کرنے کے وسائل موجود ہوں۔ جب وحشی طبع علماء اس جگہ ہم پر قتل کا فتویٰ لگا رہے ہیں اور گورنمنٹ کا بھی خوف نہیں کرتے تو وہاں یہ لوگ کیا نہ کریں گے لیکن ان لوگوں کو اس امر سے کیا غرض ہے کہ ہم حج نہیں کرتے۔ کیا اگر ہم حج کریں گے تو وہ ہم کو مسلمان سمجھ لیں گے؟ اور ہماری جماعت میں داخل ہو جائیں گے؟ اچھا یہ تمام مسلمان علماء اوّل ایک اقرار نامہ لکھ دیں کہ اگر ہم حج کر آویں تو وہ سب کے سب ہمارے ہاتھ پر توبہ کر کے ہماری جماعت میں داخل ہو جائیں گے اور ہمارے مرید ہو جائیں گے۔ اگر وہ ایسا لکھ دیں اور اقرار حلفی کریں تو ہم حج کر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے واسطے اسباب آسانی کے پیدا کر دے گا تاکہ آئندہ مولویوں کا فتنہ رفع ہو۔ ناحق شرارت کے ساتھ اعتراض کرنا اچھا نہیں ہے۔ یہ اعتراض ان کا ہم پر نہیں پڑتا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی پڑتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صرف آخری سال میں حج کیا تھا۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 248)

باب ہفتم

فہمِ قرآن کے علمی لوازمات (شرائط)

عربی زبان کا علم فہمِ قرآن کی کنجی ہے

ھذاشرط بینی و بینکم۔ فسنوا انفسکم۔ ثم انتم تعلمون ان فضیلة العلماء باللسان العربیة۔ و ھی المفتاح لفتح اسرار العلوم الدینیة۔ و ھی مدار فھم المعارف الفرقانیة۔ و الذی لیس من نحاریر الادباء۔ و لاکمثل نوابغ الشعراء۔ فلایمکن ان یکون من فحول الفقھاء۔ و الراسخین فی الشریعة الغراء۔ او من العارفین الفقراء۔ بل ھو کالانعام۔ و احد من العوام و الجاھلین۔

ترجمہ:- یہ میرے اور تمہارے درمیان شرط ہے۔ پس اپنے......آپ کو بلند کرو۔ پھر تم یہ بھی جانتے ہو کہ علماء کی فضیلت عربی زبان سے وابستہ ہے اور یہ **(زبان) دینی علوم کے رموز کھولنے کی ایک کنجی اور معارفِ قرآنی کو سمجھنے کے لئے ایک مدار ہے۔** جو شخص ماہرین علم ادب میں سے نہیں اور نہ ہی وہ نابغۂ روزگار شعراء جیسا ہے تو ایسے شخص کے لئے ممکن نہیں کہ اس کا فقہاء کے مردان نَر میں اور شریعت غرّا میں راسخ علم رکھنے والوں میں یا صاحبانِ عرفان فقراء میں شمار ہو۔ بلکہ وہ شخص تو چوپاؤں جیسا ہے اور جاہل عوام الناس میں سے ہے۔

(انجام آتھم۔ ر۔خ۔ جلد 11 صفحہ 265)

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	پہلی فصل عربی زبان کی اہمیت	
1	عربی الہامی زبان ہے	641
2	عربی دینی معارف کی زبان ہے	//
3	عربی زبان کا علم فہم قرآن کی کنجی ہے	642
4	عربی زبان حبِّ رسولؐ اور حبِّ قرآن کے لئے ایک معیار ہے	643
	دوسری فصل لغاتِ قرآن	
5	زبان کا حقیقی مالک خدا تعالیٰ ہے اور اس کا رسول ہے	645
6	لغت کا احاطہ کرنا معجزات انبیاء میں سے ہے	646
7	لغاتِ قرآن کے ماخذ	647
8	قرآن اپنی لغت خود متعین کرتا ہے	649
9	قرآن کا محاورہ	650
10	لغت قرآن اور حدیث شریف	//
11	لغت عربی کے مفردات کا علم	651
12	ادب جاہلیہ اور لغت قرآن	652
13	لغاتِ قرآن۔ چند مثالیں	653
	تیسری فصل	
	قرآن کریم کی گرائمر اور صرف ونحو	
14	اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول انسانی صرف نحو کا تابع نہیں	658
15	قرآن کریم میں اکثر اوقات واحد متکلم سے جمع متکلم مراد ہوتی ہے	660
16	ماضی۔ مضارع کے معنوں پر بھی آجاتی ہے	661
17	ہر مقام پر نون ثقیلہ استقبال کے معنوں پر مستعمل نہیں ہوتا	662
	چوتھی فصل	
18	فہمِ قرآن اور حساب جمل	665
19	معانیٔ قرآن حقیقی اور مجازی	666
20	قرآن کریم میں مجاز اور استعارات	668
21	عہد نامہ قدیم و جدید میں استعارات کا استعمال اور یہود کا ابتلاء	//
22	حقیقت واستعارہ	669
23	الہام، وحی رویاء و کشوف پر اکثر استعارات غالب ہوتے ہیں	671
24	کلام الٰہی میں استعارات	672
25	مجاز۔ استعارہ اور کلام انبیاءؑ	674
26	قرآن کریم کے مجازی معانی کی ضرورت ...... الفاظ کے معنی وسیع کرنے کے لئے	675
27	بیان کی وضاحت کی غرض سے	676
28	مجازی معانی اختیار کرنے کے لئے قرینہ کا قیام ضروری ہے	677
29	مجازی معانی۔ یعنی استعارہ اور تشبیہ کی تعریف اور حدود	678
30	خدا تعالیٰ کی ذات وصفات اور ان کی تشبیہی حدود	680

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
31	قرآنی مجاز کے چند امثال	680
32	آخری زمانے کی علامات	681
33	عرش کی حقیقت	682
34	قرآنی بہشت کی حقیقت	683
35	آسمان کے متعدد معانی	〃
36	مقام ابراہیم کے معانی	684
37	الہام اور وحی اور قرآن کریم کو پانی سے مشابہت	685
38	انبیاء کی آمد کو قرناء (صور) سے مشابہت	686
39	انبیاء من حیث الظل باقی رکھے جاتے ہیں	687
40	آنحضرت ﷺ کا مقام	〃
41	انبیاء کی چراغ اور نور سے مشابہت	〃
42	امانت سے مراد عشقِ الٰہی اور انسانی قویٰ	689
43	امت کی مثال عورت سے	〃
44	پاک کلمات کی درختوں سے مشابہت	690
45	ایمان کی باغ کے ساتھ تشبیہ اعمال کی نہر اور پانی کے ساتھ تشبیہ	691
46	پلید کلمہ کی خبیث درخت سے مشابہت	〃
47	انبیاء کی بعثت کی بارش سے تشبیہ	692
48	پہاڑ سے مراد مشکلات ہیں	693
49	خلق کے معانی۔حضرت عیسیٰؑ کا خلق حقیقی نہیں تھا	〃
50	خدا کے ہاتھ سے مراد اس کے قادرانہ تصرفات ہیں	〃
51	دین کو تجارت سے تشبیہ	694
52	رات دن سے انتشار ضلالت اور انتشار ہدایت مراد ہے	〃
53	قرآن کریم میں رسول کا لفظ عام ہے	695
54	انسان کی زمین سے تشبیہ	〃
55	زمین سے مراد انسان اور انسان کا دل ہے	696
56	زنجیروں سے مراد دنیا میں گرفتار انسان ہے	〃
57	ستارے اور ان کے گرنے سے مراد علماءِ ربانی ختم ہو جاتا ہے	698
58	ظلوم جہول کے معانی	〃
59	ضلالت کے معانی	699
60	کتاب سے مراد فہمِ کتاب اور قابلِ تقلید عمدہ باتیں ہیں	〃
61	کرسی سے مراد عظمت باری تعالیٰ سے	〃
62	لفظ کلمہ سے مراد عام ارواح اور ارواہ طیبہ	700
63	لباس۔تقویٰ کے معنوں میں۔اور دل کے معنوں میں	〃
64	مہدی سے خدا تعالیٰ ہی سے علم دین حاصل کرنے والا ہوتا ہے	701
65	موت کے معانی	〃
66	موت و حیات سے مراد۔روحانی موت اور زندگی۔کامیابی اور ناکامی بھی ہے	702
67	مغضوب اور ضال۔یہودی اور عیسائی	703
68	مومن اور کافر کی مثال	704
69	بے سایہ درخت یعنی ناقص دین	705
70	نذیر لفظ کی علامت عذاب کا نازل ہونا ہے	〃
71	قرآن میں روح القدس کا نام نور ہے	〃
72	قرآن میں آنحضرتؐ کا نام نور اللہ اور سراج منیر ہے	706

پہلی فصل   عربی زبان کی اہمیت

عربی الہامی زبان ہے

یہ بات ماننی پڑتی ہے کہ یہ زبان نہ صرف ام الالسنہ ہے بلکہ الٰہی زبان ہے جو خدا تعالیٰ کے خاص ارادہ اور الہام سے پہلے انسان کو سکھائی گئی اور کسی انسان کی ایجاد نہیں اور پھر اس بات کا نتیجہ کہ تمام زبانوں میں سے الہامی زبان صرف عربی ہی ہے یہ ماننا پڑتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی اکمل اور اتم وحی نازل ہونے کے لئے صرف عربی زبان ہی مناسبت رکھتی ہے کیونکہ یہ نہایت ضروری ہے کہ کتاب الٰہی جو تمام قوموں کی ہدایت کے لئے آئی ہے وہ الہامی زبان میں ہی نازل ہو اور ایسی زبان میں ہو جو امّ الالسنہ ہو تا اس کو ہر یک زبان اور اہل زبان سے ایک فطری مناسبت ہو اور تا وہ الہامی زبان ہونے کی وجہ سے وہ برکات اپنے اندر رکھتی ہو جو اُن چیزوں میں ہوتی ہیں جو خدا تعالیٰ کے مبارک ہاتھ سے نکلتی ہیں۔ (منن الرحمٰن ۔ ر۔خ۔ جلد 9 صفحہ 129)

جس ذات کامل نے انسان اور اس کے خیالات کو پیدا کیا اسی نے ان خیالات کے ادا کرنے کے لئے قدیم سے وہ مفردات بھی پیدا کر دیئے اور ہمارا دلی انصاف اس بات کے قبول کرنے کے لئے ہمیں مجبور کرتا ہے کہ اگر یہ خصوصیت کسی زبان میں پائی جائے کہ وہ زبان انسانی خیالات کے قد وقامت کے موافق مفردات کا خوبصورت پیرایہ اپنے اندر طیار رکھتی ہے اور ہر یک باریک فرق جو افعال میں پایا جاتا ہے وہی باریک فرق اقوال کے ذریعہ سے دکھاتی ہے اور اس کے مفردات خیالات کے تمام حاجتوں کے متکفل ہیں تو وہ زبان بلاشبہ الہامی ہے کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے جو اس نے انسان کو ہزار ہا طور کے خیالات ظاہر کرنے کے لئے مستعد پیدا کیا ہے۔ پس ضرور تھا کہ انہیں خیالات کے اندازہ کے موافق اس کو ذخیرہ قولی مفردات بھی دیا جاتا تا خدا تعالیٰ کا قول اور فعل ایک ہی مرتبہ پر ہو۔ (منن الرحمٰن ۔ ر۔خ۔ جلد 9 صفحہ 141)

عربی دینی معارف کی زبان ہے

و من اجلَی البدیھیات ان الشریعة الکبری الابدیة و الملة المحیطة الکاملة۔ تقتضی ان تنزل بلسان تکون اکمل الالسنة و اوسع الادعیة۔ و لا سیما شریعة جاء ت بکتاب فیه اعجاز البلاغة و الفصاحة ۔ و ھو یطلب عبارات من مثله من جمیع الالسن و کافة البریة۔ فانت تعلم ان ھذا الاعجاز تحتاج الی کمال اللسان۔ و یقتضی ان یکون ظرفھا و سیعاً کمثل قوی الانسان۔ فان اللسان کدعاء لمتاع البیان۔ و کصدف لدرر العرفان۔ فلو فرضنا ان لسانا اخری اکمل من العربیة۔ فلزمنا ان نقرانھا اسبق منھا فی میادین البلاغة۔ و انسب لحسن اداء المعارف الدینیة۔ فکان الله اخطاء نی ترکه ایاہ و انزل القران فی ھذہ اللھجة الناقصة۔ فتب ایھا المسکین و لاتتبع اھواء النفس المارة۔ (انجام آتھم ر۔خ۔ جلد 11 صفحہ 260 حاشیہ)

ترجمہ:- نیز یہ امر اعلیٰ بدیہات میں سے ہے کہ ایک ابدی شریعتِ کبریٰ اور ساری دنیا پر محیط امت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ (سریعت) تمام زبانوں سے اکمل زبان میں نازل ہو اور وہ وسیع الظرف ہو۔ خصوصاً وہ شریعت جس نے ایک ایسی کتاب کو پیش کیا جس میں بلاغت وفصاحت اعجاز موجود ہے۔ اور وہ سب زبانوں اور تمام جہاں سے اپنی عبارتوں کی نظیر پیش کرنے کا مطالبہ کرتی ہے۔ سو تو جانتا ہے کہ یہ اعجاز زبان کے کمال کا محتاج ہوتا ہے اور تقاضا کرتا ہے کہ اس کا ظرف ویسا ہی وسیع ہو جیسا انسانی قویٰ کا۔ زبان متاع بیان کے لئے ایک برتن اور عرفان کے موتیوں کے لئے ایک صدف کی مانند ہوتی ہے۔ پس اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ دوسری زبان عربی زبان سے زیادہ کامل ہے تو اس سے لازماً ہمیں یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ وہ زبان بلاغت کے جملہ میدانوں میں اس زبان سے آگے بڑھی ہوئی ہے اور وہ معارفِ دینیہ کی حسنِ ادائیگی میں زیادہ انسب واولیٰ ہے۔ اس طرح گویا (نعوذ باللہ) اللہ نے اس افضل زبان کو تو چھوڑ دیا اور قرآن کو اس ناقص زبان میں نازل کر دیا سوائے بھولے مسکین! توبہ کر اور نفس امارہ کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔

عربی زبان کا علم فہم قرآن کی کنجی ہے

هـذا شـرط بيني و بينكم۔ فسنوا انفسكم۔ ثم انتم تعلمون ان فضيلة العلماء باللسان العربية۔ و هى المفتاح لفتح اسرار العلوم الدينية۔ و هى مدار فهم المعارف الفرقانية۔ و الذى ليس من نحارير الادباء۔ و لا كمثل نوابخ الشعراء۔ فلايمكن ان يكون من فحول الفقهاء۔ و الراسخين فى الشريعة الغراء۔ او من العارفين الفقراء۔ بل هو كالانعام۔ و احد من العوام و الجاهلين۔

ترجمہ:- یہ میرے اور تمہارے درمیان شرط ہے۔ پس اپنے ...... آپ کو بلند کرو۔ پھر تم یہ بھی جانتے ہو کہ علماء کی فضیلت عربی زبان سے وابستہ ہے اور یہ (زبان) دینی علوم کے رموز کھولنے کی ایک کنجی اور معارفِ قرآنی کو سمجھنے کے لئے ایک مدار ہے۔ جو شخص ماہرین علم ادب میں سے نہیں اور نہ ہی وہ نابغۂ روزگار شعراء جیسا ہے تو ایسے شخص کے لئے ممکن نہیں کہ اس کا فقہاء کے مردان نَر میں اور شریعت غرّاء میں راسخ علم رکھنے والوں میں یا صاحبانِ عرفان فقراء میں شمار ہو۔ بلکہ وہ شخص تو چوپاؤں جیسا ہے اور جاہل عوام الناس میں سے ہے۔ (انجام آتھم۔ ر۔خ جلد 11 صفحہ 265)

پس اگر یہ کہیں کہ انسان کا کلام خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تو یہ کہنا پڑے گا کہ انسان کی انسانیت خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں لیکن ظاہر ہے کہ خدا انسان کا خالق ہے اس لئے زبان کا معلم بھی وہی ہے اور اس جھگڑے کے فیصلے کے لئے کہ وہ کس زبان کا معلّم ہے ابھی ہم لکھ چکے ہیں کہ اس کی طرف سے وہی زبان ہے کہ جو بموجب منطوق **و ما خلقت الجن و الانس الاليعبدون** (الذریٰت: 57) اُسی طرح معرفت الٰہی کی خادم

ہو سکتی ہے جیسا کہ انسان کے وجود کی دوسری بناوٹ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ ان صفات سے موصوف صرف عربی ہی ہے اور اس کی خدمت یہ ہے کہ وہ معرفت باری تک پہنچانے کے لئے اپنے اندر ایک ایسی طاقت رکھتی ہے جو الٰہیات کے ایک معنوی تقسیم کو جو قانون قدرت میں پائی جاتی ہے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اپنے مفردات میں دکھاتی ہے اور صفات الٰہیہ کے نازک اور باریک فرقوں کو جو صحیفہ فطرت میں نمودار ہیں اور ایسا ہی توحید کے دلائل کو جو اسی صحیفہ سے مترشح ہیں اور خدا تعالیٰ کے انواع اقسام کے ارادوں کو جو اس کے بندوں سے متعلق اور صحیفہ قدرت میں نمایاں ہیں ایسے طور سے ظاہر کر دیتی ہے کہ گویا ان کا ایک نہایت لطیف نقشہ کھینچ کر آگے رکھ دیتی ہے اور ان دقیق امتیازوں کو جو خدا تعالیٰ کے اسماء اور صفات اور افعال اور ارادوں میں واقع ہیں جن کی شہادت اس کا قانون قدرت دے رہا ہے ایسی صفائی سے دکھا دیتی ہے کہ گویا ان کی تصویر کو آنکھوں کے سامنے لے آتی ہے۔ چنانچہ یہ بات بداہت معلوم ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے صفات اور افعال اور ارادوں کی چہرہ نمائی اور نیز اپنے فعل اور قول کے تطبیق کے لئے زبان عربی کو ایک متکفل خادم پیدا کیا ہے اور ازل سے یہی چاہا ہے کہ الٰہیات کے سرّ مکتوم اور مقفل کے لئے یہی زبان کنجی ہو۔ (منن الرحمٰن۔ ر۔خ۔ جلد 9 صفحہ 147-146 حاشیہ)

عربی زبان۔ حب رسول اور حب قرآن کے لئے ایک معیار ہے

و من ادعی انہ من الواصلین والفقراء العرفاء و لبس من عارفی ھذہ اللسان کالادباء۔ ففقرہ لبس ففر سید الکونین۔ بل ھو سواد الوجہ فی الدارین۔ ولاتعجب بھذا البیان۔ ولاتغضب قبل العرفان۔ فان الذی یداعی محبۃ الفرقان۔ کیف یصدء زھنہ فی ھذہ اللسان۔ و کیف تقاصر مع دعاوی المحبۃ و شوق الجنان۔ و کیف یمکن ان لایتجلی لقلبہ لطف الرحمن۔ و لایعلمہ اللہ لسان نبیہ بالامتنان۔ ثم انھا معیار لحب الرسول و الفرقان۔ فان الذی احب العربیۃ فبمحب الرسول و الفرقان احبھا۔ و من ابغضھا فبغض الرسول و الفرقان ابغضھا۔ فان المحبین یعرفون بالعلامات۔ و ادنی درجۃ الحب ان تحثک المضاھات۔ حتی توثر طرق المحبوب و تجعلھا من المحبوبات۔ و من لم یعرف ھزا الذوق فانہ من الکافرین فی مشرب العاشقین و من احب الفرقان و سیدنا خاتم الانبیاء۔ کما ھو شرط المحبۃ و الوفاء۔ فما اظن ان یبقی فی العربیۃ کالجھلاء۔ بل یقودہ حبہ الی اعلی مراتب الکمال۔ و یسبق کل سابق فی المقال۔ و یصیر نطقہ کالدرۃ البیضاء۔ و یضمخ کلامہ بطیب عجیب و یود ع انوا ع الصفاء۔ ففکر کالمحبین۔ ولولا الحب لما اعطیتھا۔ فمن الحب لقیتھا۔ فھذا آیۃ حبی من من ارحم الراحمین۔ و الحمد للہ علی ما اعطی و ھو خیر المنعمین۔ (انجام آتھم۔ ر۔خ۔ جلد 11 صفحہ 265-266)

ترجمہ:- اور جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ خدا رسیدہ اور فقراء اور عارفوں کے زمرے میں شامل ہے لیکن صورتِ حال یہ ہو کہ وہ ادیبوں کی طرح اس زبان (عربی) سے ناآشنا ہے تو ایسے شخص کا فقر وہ فقر نہیں جو حضرت سید الکونین کا فقر تھا۔ بلکہ وہ تو دونوں جہانوں میں روسیاہ ہے۔ (اے مخاطب!) تو میرے (اس) بیان پر تعجب نہ کر۔ اور قبل از عرفان غضبناک نہ ہو۔ کیونکہ ایسا شخص جو فرقانِ حمید سے محبت کرنے کا مدعی ہو۔ اس کا ذہن اس زبان سے زنگ خوردہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اور محبت اور دلی اشتیاق کے دعووں کے باوجود وہ اس زبان کی تحصیل سے کیسے کوتاہی کرسکتا ہے۔ اور پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ایسے شخص کے دل پر رحمان خدا کی تجلی کا ظہور نہ ہو۔ اور اللہ اسے بطیّبِ خاطر اپنے نبی کی زبان نہ سکھائے۔ مزید براں یہ بھی تو ہے کہ یہ زبان حب رسول اور حب فرقان کے لئے ایک معیار ہے۔ پس جو شخص عربی (زبان) سے رسول کریم اور فرقان حمید سے محبت کرنے کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو وہ اس (زبان) سے محبت کرتا ہے۔ اور جس نے اس (زبان) سے بغض رکھا تو اس نے رسول کریم اور فرقان حمید سے بغض رکھنے کی وجہ سے اس سے بغض رکھا۔ کیونکہ پیار کرنے والے علامات سے شناخت کئے جاتے ہیں۔ اور محبت کا ادنیٰ ترین درجہ وہ ہے جو تجھے اس حد تک مشابہت پر آمادہ کرے کہ تو محبوب کے تمام طور طریقوں کو مقدم کرنے لگے۔ اور انہیں محبوب بنا لے۔ ہاں البتہ وہ شخص جو اس ذوق اور چاشنی سے ناآشنا ہے تو وہ عاشقوں کے مشرب میں کافروں کے زمرے میں شمار ہوگا۔ اور جس شخص نے محبت و وفا کے تقاضے کے مطابق فرقانِ حمید اور سیدنا خاتم الانبیاء سے محبت کی تو میں ایسے شخص کے متعلق نہیں سمجھتا کہ وہ عربی (زبان) سے جاہل ہوگا۔ نہیں، بالکل نہیں بلکہ اس کی محبت اسے کمال کے اعلیٰ مراتب تک لے جائے گی۔ بلکہ سخن وری میں وہ ہر آگے بڑھنے والے شخص سے آگے بڑھ جائے گا۔ اور اس کی گفتار ایک درِّ تاباں کی طرح ہو جائے گی اور اس کے کلام کو ایک عجیب خوشبو سے معطر کر دے گی اور اس میں گونا گوں پاکیزگی پیدا کر دے گی۔ پس اے مخاطب! تو محبت کرنے والوں کی طرح غور وفکر کر۔ اگر محبت نہ ہوتی تو مجھے اس زبان (عربی) کا علم نہ دیا جاتا۔ وہ محبت ہی تھی جس کی وجہ سے مجھے یہ علم حاصل ہوا۔ پس یہ ارحم الراحمین کی طرف سے میری محبت کا ایک نشان ہے۔ اللہ کی اس عطا کردہ نعمت پر الحمد للہ۔ اور وہ سب سے بہتر انعام کرنے والا ہے۔

و ینصر من یشاء و یکفل الصالحین۔ فیندمل جریحهم۔ و یستریح طلیحهم۔ ولاتر کد ریحهم۔ ولاتکمد مصابیحهم۔ و منصوره یملا من علم الفرقان و لسان العرب۔ کما یملا الدلو الی عقد الکرب۔ و انه اناو لافخر۔ و ان دعائی یذیب الصخر۔ و ان یومی هذا یوم الفتح و یوم الضیاء بعد اللیلة اللیلاء۔ (اعجاز المسیح۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 60)

ترجمہ:- اور وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور نیک لوگوں کی کفالت کرتا ہے۔ نیز وہ ان کے زخم مندمل کرتا اور ان کے درماندوں کو آرام پہنچاتا ہے۔ نہ ان کی (شہرت کی) ہوا ٹھہرتی ہے اور نہ ان کے چراغ گل ہوتے ہیں۔ اس کا نصرت یافتہ علمِ قرآن اور عربی زبان بعینہٖ اسی طرح پر کیا جاتا ہے۔ جیسے ایک (چری) ڈول کو ڈوری کے بندھن تک بھر دیا جائے۔ اور (یاد رکھو کہ) وہ خدا کا تائید یافتہ (بندہ) میں ہی ہوں لیکن با ایں ہمہ کوئی فخر نہیں۔ میری دعا چٹان کو موم کر دیتی ہے اور میرا یہ دن فتح کا دن ہے۔ اور میں شبِ تار کے بعد ایک روزِ مہرِ تاباں ہوں۔

دوسری فصل لغاتِ قرآن

زبان کا حقیقی مالک خدا تعالیٰ ہے اور اس کا رسول ہے

وحی الٰہی یعنی عَفَتِ الدِّیَارُ مَحِلُّھَا وَ مَقَامُھَا یہ وہ کلام ہے جو آج سے تیرہ سو برس پہلے خدا تعالیٰ نے لبید بن ربیعہ العامری کے دل میں ڈالا تھا جو اس کے اس قصیدہ کا اوّل مصرع ہے جو سبعہ معلقہ کا چوتھا قصیدہ ہے اور لبید نے زمانہ اسلام کا پایا تھا اور مشرف باسلام ہو گیا تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں داخل تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے اس کے کلام کو یہ عزت دی کہ جو آخری زمانہ کی نسبت ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی کہ ایسی ایسی تباہیاں ہوں گی جن سے ایک ملک تباہ ہوگا وہ اسی کے مصرع کے الفاظ میں بطور وحی فرمائی گئی جو اس کے منہ سے نکلی تھی۔ پس یہ تعجب سخت نادانی ہے کہ ایک کلام جو مسلمان کے منہ سے نکلا ہے وہ کیوں وحی الٰہی میں داخل ہوا کیونکہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں وہ کلام جو عبداللہ بن ابی سرح کے منہ سے نکلا تھا یعنی فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ۔ (المومنون:15) وہی قرآن شریف میں نازل ہوا جس کی وجہ سے عبداللہ بن ابی سرح مرتد ہو کر مکہ کی طرف بھاگ گیا۔ پس جبکہ خدا تعالیٰ کے کلام کا ایک مرتد کے کلام سے توارد ہوا تو اس سے کیوں تعجب کرنا چاہئے کہ لبید جیسے صحابی بزرگوار کے کلام سے اس کے کلام کا توارد ہو جائے **خدا تعالیٰ جیسے ہر ایک چیز کا وارث ہے ہر ایک پاک کلام کا بھی وارث ہے ہر ایک پاک کلام اسی کی توفیق سے منہ سے نکلتا ہے۔ پس اگر ایسا کلام بطور وحی نازل ہو جائے تو اس بارے میں وہی شخص شک کرے گا جس کو اسلام میں شک ہو۔** (براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد21 صفحہ 162)

ثم اور ثنا الکتب الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہ و منھم مقتصد و منھم سابق بالخیرات باذن اللہ ذٰلک ھو الفضل الکبیر (الفاطر:33)

ہمیں ماننا پڑا کہ اس جگہ ظالم کا لفظ کسی مذموم معنی کے لئے استعمال نہیں ہوا بلکہ ایک ایسے محمود اور قابل تعریف معنوں کے لئے استعمال ہوا ہے جو درجہ سابق بالخیرات سے حصہ لینے کے مستحق اور اس درجہ فاضلہ کے چھوٹے بھائی ہیں اور وہ معنے بجز اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتے کہ ظالم سے مراد اس قسم کے لوگ رکھے جائیں کہ جو خدا تعالیٰ کے لئے اپنے نفس مخالف پر جبر اور اکراہ کرتے ہیں اور نفس کے جذبات کم کرنے کے لئے دن رات مجاہدات شاقہ میں مشغول ہیں کیونکہ یہ تو لغت کی رو سے ثابت ہے کہ ظالم کا لفظ بغیر کسی اور لحاظ کے فقط کم کرنے کے لئے بھی آیا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہٗ قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام میں فرماتا ہے وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْہُ شَیْئًا (الکھف: 34) اَیْ وَلَمْ تَنْقُصْ اور خدا تعالیٰ کی راہ میں نفس کے جذبات کو کم کرنا بلاشبہ ان معنوں کی رو سے ایک ظلم ہے ماسوا اس کے **ہم ان کتب لغت کو جو صدہا برس قرآن کریم کے بعد اپنے زمانہ کے محاورات کے موافق طیار ہوئی ہیں قرآن مجید کا حکم نہیں ٹھہرا سکتے۔ قرآن کریم اپنی لغات کے لئے آپ متکفل ہے اور اس کی بعض آیات بعض دوسری آیات کی شرح کرتی ہیں۔** (آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد5 صفحہ 135 تا138)

الا ان الا قلام كلها لله وهى معجزة من معجزات كتاب مبين۔ ثم يتلقاها المقربون على قدر اتباع خير المرسلين فان المعجزات تقتضى الكرامات ليبقى اثرها الى يوم الدين۔ و ان الذين ورثوا نبيهم يعطون من نعمه على الطريقة الظلية۔ ولولا ذالک لبطلت فيوض النبوة فانهم كاثرلعين انقضى۔ وكعكس لصورة فى المراة يرٰى۔

سنو ساری قلمیں خدا کے قبضے میں اور وہ کتاب مبین کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہیں۔ پھر وہی قلمیں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کی قدر پر مقربوں کو عطا ہوتی ہیں اسلئے کہ معجزات چاہتے ہیں کرامات کو تا کہ ان کا نشان قیامت تک باقی رہے اور اپنے نبی علیہ السلام کے وارثوں کو بطور ظلیّت کے آپ کی نعمتیں مرحمت ہوتی ہیں۔ اور اگر یہ قاعدہ جاری نہ رہتا تو نبوت کے فیض بالکل باطل ہو جاتے۔ اس لئے کہ یہ وارث نقش ہوتے ہیں اصل کے جو گزر چکی ہوتی ہے اور گویا عکس ہوتے ہیں ایک صورت کے جو شیشہ میں نظر آتا ہے۔

(الھدیٰ۔ ر۔ خ۔ جلد 18 صفحہ 275-274)

لغت کا احاطہ کرنا معجزات انبیاءؑ میں سے ہے

اور لغت عرب جو صرف نحو کی اصل کنجی ہے وہ ایک ایسا ناپیدا کنار دریا ہے جو اسکی نسبت امام شافعی رحمۃ اللہ کا یہ مقولہ بالکل صحیح ہے لایعلمه الا نبی یعنی اس زبان کو اور اسکے انواع اقسام کے محاورات کو بجز نبی کے اور کوئی شخص کامل طور پر معلوم ہی نہیں کرسکتا۔ اس قول سے بھی ثابت ہوا کہ اس زبان پر ہر ایک پہلو سے قدرت حاصل کرنا ہر ایک کا کام نہیں بلکہ اس پر پورا احاطہ کرنا معجزات انبیاء علیہم السلام سے ہے۔ (نزول المسیح۔ ر۔ خ۔ جلد 18 صفحہ 437)

میرے پاس آؤ اور میری سنو!

” میری حیثیت ایک معمولی مولوی کی حیثیت نہیں بلکہ میری حیثیت سنن انبیاء کی سی حیثیت ہے۔ مجھے ایک سماوی آدمی مانو۔ پھر یہ سارے جھگڑے اور تمام نزاعیں جو مسلمانوں میں پڑی ہوئی ہیں، ایک دم میں طے ہو سکتی ہیں جو خدا کی طرف سے مامور ہو کر حَکَم بن کر آیا ہے۔ جو معنے قرآن شریف کے وہ کرے گا، وہی صحیح ہوں گے اور جس حدیث کو وہ صحیح قرار دے گا، وہی حدیث صحیح ہوگی۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 399)

نورِ فرقاں نہ تافت است چناں کو بماند نہاں زدیدہ وراں

قرآن کا نور ایسا نہیں چمکتا ہے کہ دیکھنے والوں کی نظر سے مخفی رہ سکے

آں چراغِ ہدیٰ ست دنیارا رہبرو رہنما ست دنیارا

وہ تو تمام دنیا کے لیے ہدایت کا چراغ ہے اور جہان بھر کے لیے رہبر اور رہنما

رحمتے از خدا ست دنیا را نعمتے از سما ست دنیا را

وہ خدا کی طرف سے دنیا کے لیے ایک رحمت ہے اور آسمان سے اہل جہان کے لیے ایک نعمت

مخزنِ راز ہائے ربّانی از خدا آلۂ خدا دانی

وہ خداوند کے اسرار کا خزانہ ہے اور خدا کی طرف سے خداشناسی کا آلہ

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 77) (براہین احمدیہ۔ ر۔ خ جلد 1 صفحہ 359)

لغات قرآن کے ماخذ

ہم ان کتب لغت کو جو صدہا برس قرآن کریم کے بعد اپنے زمانہ کے محاورات کے موافق طیار ہوئی ہیں قرآن مجید کا حکم نہیں ٹھہرا سکتے۔قرآن کریم اپنی لغات کے لئے آپ متکفل ہے اوراس کی بعض آیات بعض دوسری آیات کی شرح کرتی ہیں۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد5 صفحہ 137-138)

1۔قرآن کریم 2۔حدیث شریف 3۔لغتِ عرب 4۔ادبِ جاہلیہ

چند مولویوں کو حضرت اقدس علیہ السلام نے ایک تحریر لکھ کر دی کہ آپ کیوں مسیح کی وفات کے قائل ہیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ تحریر درج ذیل کی جاتی ہے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

وجوہ مفصلہ ذیل ہیں جن کی رو سے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فوت شدہ قرار دیتا ہوں۔

(1) قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہ آیات ہیں۔**یٰعِیسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ۔** (آل عمران:56) **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ** (المائدہ:118) ان آیات کے معنی صحیح بخاری کتاب التفسیر میں موت لکھے ہیں۔جیسا کہ اس میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے لکھا ہے۔ **مُتَوَفِّیْکَ مُمِیْتُکَ** اور پھر تظاہر آیات کے لیے **فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ** کا اس جگہ ذکر کیا ہے اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بھی ذکر کیا ہے کہ میں قیامت کے دن یہی عرض کروں گا کہ یہ لوگ میری وفات کے بعد بگڑے ہیں۔جیسا کہ لکھا ہے **کما قال العبد الصالح۔** (الخ)

(2) دوسری دلیل **تَوَفِّیْ** کے ان معنوں پر جو اوپر ذکر کئے گئے ہیں۔لغت عرب کی کتابیں ہیں۔میں نے جہاںتک ممکن تھا قریباً تمام شائع شدہ کتابیں لغت کی دیکھی ہیں۔جیسے قاموس، تاج العروس، صراح، صحاح جوہری، لسان العرب اور وہ کتابیں جو حال میں بیروت میں تالیف کر کے عیسائیوں نے شائع کی ہیں۔ان تمام کتابوں سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ محاورہ عرب اسی طرح پر ہے کہ جب کسی جملہ میں خدا تعالیٰ فاعل ہو اور کوئی علم انسان مفعول بہ ہو جیسا کہ **تَوَفَّی اللّٰہُ زَیْدًا۔** تو ایسی صورت میں بجز اماتت اور قبض روح اور کوئی معنے نہیں ہوتے۔اور جو شخص اس سے انکار کرے اس پر لازم ہے کہ اس کے برخلاف لغت کی کتابوں سے کوئی نظیر مخالف پیش کرے۔

(3) میں نے بہت محنت اور کوشش سے جہاں تک میرے لئے ممکن تھا۔صحاح ستہ وغیرہ حدیث کی کتابیں غور سے دیکھی ہیں اور میں نے کسی ایک جگہ پر **تَوَفِّی** کے معنے بجز وفات دینے کے حدیث میں نہیں پائے بلکہ تین سو کے قریب ایسی جگہ پائی ہیں جہاں ہر جگہ موت دینے کے ہی معنے ہیں۔

(4) میں نے جہاں تک میرے لیے ممکن تھا' عرب کے مختلف دیوان بھی دیکھے ہیں مگر نہ میں نے جاہلیت کے زمانہ کے شعراء اور نہ اسلام کے زمانہ کے مستند شعراء کے کلام میں کوئی ایسا فقرہ پایا ہے کہ ایسی صورت میں جو اوپر بیان کی گئی ہے بجز وفات دینے کے کوئی اور معنے ہوں۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 527-526)

کیا قرآن شریف میں نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ (یونس:47) رسول اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں آیا؟ اور وہی لفظ مسیح کے لیے مُتَوَفِّيكَ اور فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي میں آیا ہے۔ پھر یہ کیا ہو گیا کہ ایک جگہ کچھ اور معنے اور ایک جگہ کچھ اور۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کمزور نبی سمجھا ہے جو انہیں زمین میں دفن کرتے ہیں اور مسیح کو آسمان پر چڑھاتے ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوتی اور آپ کے جلال اور شوکت کے لیے غیرت ہے تو کیوں نہیں کہہ دیتے کہ وہ بھی زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ تب میں بھی سمجھ لیتا کہ یہ مسیح کی خصوصیت نہیں ٹھہراتے **مگر موجودہ حالت میں میرا دل گوارا نہیں کر سکتا کہ میں قرآن شریف کے ایسے معنے کروں جو خود قرآن شریف اور لغت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کے خلاف ہوں** اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک شان کا باعث ہوں۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 160-159)

جس پاک اور کامل نبی پر قرآن نازل ہوا وہ سب سے بہتر قرآن شریف کے معنی جانتا ہے غرض اتم اور اکمل طریق معنے کرنے کا تو یہ ہے لیکن اگر کسی آیت کے بارے میں حدیث صحیح مرفوع متصل نہ مل سکے تو ادنےٰ درجہ استدلال کا یہ ہے کہ قرآن کی ایک آیت کے معنی دوسری آیات بینات سے کئے جاویں۔ لیکن ہرگز یہ درست نہیں ہو گا کہ بغیر ان دونوں قسم کے التزام کے اپنے ہی خیال اور رائے سے معنی کریں کاش اگر پادری عمادالدین وغیرہ اس طریق کا التزام کرتے تو نہ آپ ہلاک ہوتے اور نہ دوسروں کی ہلاکت کا موجب ٹھہرتے۔

(آریہ دھرم۔ ر۔خ۔ جلد 10 صفحہ 81-80 حاشیہ)

پانچواں معیار لغت عرب بھی ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اپنے وسائل آپ اس قدر قائم کر دیئے ہیں کہ چنداں لغات عرب کی تفتیش کی حاجت نہیں ہاں موجب زیادت بصیرت بے شک ہے بلکہ بعض اوقات قرآن کریم کے اسرار مخفیہ کی طرف لغت کھودنے سے توجہ پیدا ہو جاتی ہے اور ایک بھید کی بات نکل آتی ہے۔

(برکات الدعاء۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 19)

قرآن اپنی لغت خود متعین کرتا ہے

اللہ جلّ شانہٗ نے قرآن کریم میں اپنی کمال تعلیم کا آپ دعویٰ فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ (المائدہ:4) کہ آج میں نے تمہارے لیے دین تمہارا کامل کیا اور اپنی نعمت یعنی تعلیم قرآنی کو تم پر پورا کیا۔ اور ایک دوسرے محل میں اس اکمال کی تشریح کے لیے کہ اکمال کس کو کہتے ہیں فرماتا ہے۔ اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصۡلُہَا ثَابِتٌ وَّ فَرۡعُہَا فِی السَّمَآءِ۔ تُؤۡتِیۡۤ اُکُلَہَا کُلَّ حِیۡنٍۭ بِاِذۡنِ رَبِّہَا وَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّہُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ۔ وَ مَثَلُ کَلِمَۃٍ خَبِیۡثَۃٍ کَشَجَرَۃٍ خَبِیۡثَۃِۣ اجۡتُثَّتۡ مِنۡ فَوۡقِ الۡاَرۡضِ مَا لَہَا مِنۡ قَرَارٍ۔ یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِالۡقَوۡلِ الثَّابِتِ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ وَ یُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیۡنَ۔ (ابراھیم 25تا28) کیا تو نے نہیں دیکھا کیونکر بیان کی اللہ نے مثال یعنی مثال دین کامل کی کہ بات پاکیزہ درخت پاکیزہ کی مانند ہے جس کی جڑ ثابت ہو اور شاخیں اس کی آسمان میں ہوں اور وہ ہر ایک وقت اپنا پھل اپنے پروردگار کے حکم سے دیتا ہو اور یہ مثالیں اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے تا لوگ ان کو یاد کر لیں اور نصیحت پکڑ لیں اور ناپاک کلمہ کی مثال اس ناپاک درخت کی ہے جو زمین پر سے اکھڑا ہوا ہے اور اس کو قرار و ثبات نہیں سو اللہ تعالیٰ مومنوں کو قول ثابت کے ساتھ یعنی جو قول ثابت شدہ اور مدلل ہے اس دنیا کی زندگی اور آخرت میں ثابت قدم کرتا ہے اور جو لوگ ظلم اختیار کرتے ہیں ان کو گمراہ کرتا ہے یعنی ظالم خدا تعالیٰ سے ہدایت کی مدد نہیں پاتا جب تک ہدایت کا طالب نہ ہو...... **کسی آیۃ کے وہ معنے کرنے چاہیئے کہ الہامی کتاب آپ کرے اور الہامی کتاب کی شرح دوسری شرحوں پر مقدم ہے۔** اب اللہ تعالیٰ ان آیات میں کلام پاک اور مقدس کا کمال تین باتوں پر موقوف قرار دیتا ہے۔ (جنگ مقدس۔ ر۔ خ۔ جلد 6 صفحہ 123-124)

بعض نادان یہ خیال کرتے کہ وہ آیات ذو معنین ہیں یہ خیال سراسر فاسد ہے مومن کا یہ کام نہیں کہ تفسیر بالرائے کرے بلکہ قرآن شریف کے بعض مقامات بعض دوسرے مقامات کے لیے خود مفسر اور شارح ہیں اگر یہ بات سچ نہیں کہ مسیح کے حق میں جو یہ آیتیں ہیں کہ اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ اور فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ (المائدہ:118) یہ درحقیقت مسیح کی موت پر ہی دلالت کرتی ہیں بلکہ ان کے کوئی اور معنے ہیں تو اس نزاع کا فیصلہ قرآن شریف سے ہی کرانا چاہیئے۔ اور اگر قرآن شریف مساوی طور پر کبھی اس لفظ کو موت کے لیے استعمال کرتا ہے اور کبھی ان معنوں کے لیے جو موت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتے تو محل متنازعہ فیہ میں مساوی طور پر احتمال رہے گا **اور اگر ایک خاص معنے اغلب اور اکثر طور پر مستعملات قرآنی میں سے ہیں تو انہی معنوں کو اس مقام بحث میں ترجیح ہوگی اور اگر قرآن شریف اول سے آخر تک اپنے کل مقامات میں ایک ہی معنوں کو استعمال کرتا ہے تو محل مبعوث فیہ میں بھی یہی قطعی فیصلہ ہوگا کہ جو معنے تَوَفّی کے سارے قرآن شریف میں لیے گئے ہیں وہی معنے اس جگہ بھی مراد ہیں** کیونکہ یہ بالکل غیر ممکن اور بعید از قیاس ہے کہ خداے تعالیٰ اپنے بلیغ اور فصیح کلام میں ایسے تنازع کی جگہ میں جو اس کے علم میں ایک معرکہ کی جگہ ہے ایسے شاذ اور مجہول الفاظ استعمال کرے جو اس کے تمام کلام میں ہرگز استعمال نہیں ہوئے اگر وہ ایسا کرے تو گویا وہ خلق اللہ کو آپ ورطہ شبہات میں ڈالنے کا ارادہ رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس نے ہرگز ایسا نہیں کیا ہوگا یہ کیونکر ممکن ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے قرآن کریم کے تیئیس مقام میں تو ایک لفظ کے ایک ہی معنے مراد لیتا جاوے اور پھر دو مقام میں جو زیادہ تر محتاج صفائی بیان کے تھے کچھ اور کا اور مراد لیکر آپ ہی خلق اللہ کو گمراہی میں ڈال دے۔

(ازالہ اوہام۔ ر۔ خ۔ جلد 3 صفحہ 266-267)

قرآن کا محاورہ

اب چونکہ یہ فرق حقیقت اور مجاز کا صاف طور پر بیان ہو چکا تو جس شخص نے قرآن کریم پر اوّل سے آخر تک نظر ڈالی ہوگی اور جہاں جہاں توفی کا لفظ موجود ہے بنظرِ غور دیکھا ہوگا وہ ایماناً ہمارے بیان کی تائید میں شہادت دے سکتا ہے چنانچہ بطور نمونہ دیکھنا چاہئے کہ یہ آیات (۱) امـا نـریـنـک بـعـض الـذی نعدهم او نتوفینک (۲) توفنی مسلما (۳) ومنکم من یتوفی (۴) توفهم الملائکة (۵) یتوفون منکم (۶) توفته رسلنا (۷) رسلنا یتوفونهم (۸) توفنا مسلمین (۹) وتوفنا مع الابرار (۱۰) ثم یتوفیکم کیسی صریح اور صاف طور پر موت کے معنوں میں استعمال کی گئی...... **کیا قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت بھی ہے کہ ان آیات کی طرح مجرد توفی کا لفظ لکھنے سے اس سے کوئی اور معنے مراد لیے گئے ہوں موت مراد نہ لی گئی ہو بلاشبہ قطعی اور یقینی طور پر اول سے آخر تک قرآنی محاورہ یہی ثابت ہے کہ ہر جگہ درحقیقت توفی کے لفظ سے موت ہی مراد ہے تو پھر متنازعہ فیہ دو آیتوں کی نسبت جو اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ اور فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ۔ ہیں اپنے دل سے کوئی معنے مخالف عام محاورہ قرآن کے گھڑنا اگر الحاد اور تحریف نہیں تو اور کیا ہے۔** (ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد 3 صفحہ 270)

لغتِ قرآن اور حدیث شریف

اول یہ کہ وہ اسلام کے مقابل پر ان بیہودہ روایات اور بے اصل حکایات سے مجتنب رہیں جو ہماری مسلم اور مقبول کتابوں میں موجود نہیں اور ہمارے عقیدہ میں داخل نہیں اور نیز قرآن کے معنی اپنے طرف سے نہ گھڑ لیا کریں بلکہ وہی معنی کریں جو تواتر آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہوں اور پادری صاحبان اگرچہ انجیل کے معنے کرنے کے وقت ہریک بے قیدی کے مجاز ہوں۔ مگر ہم مجاز نہیں ہیں اور انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے مذہب میں تفسیر بالرائے معصیت عظیمہ ہے۔ قرآن کی کسی آیت کے معنی اگر کریں تو اس طور سے کرنے چاہئے کہ دوسری قرآنی آئتیں ان معنوں کی موید اور مفسر ہوں اختلاف اور تناقض پیدا نہ ہو **کیونکہ قرآن کی بعض آیتیں بعض کے لئے بطور تفسیر کے ہیں اور پھر ساتھ اس کے یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی انہیں معنوں کی مفسر ہو کیونکہ جس پاک اور کامل نبی پر قرآن نازل ہوا وہ سب سے بہتر قرآن شریف کے معنی جانتا ہے۔** غرض اتم اور اکمل طریق معنے کرنے کا تو یہ ہے لیکن اگر کسی آیت کے بارے میں حدیث صحیح مرفوع متصل نہ مل سکے تو ادنے درجہ استدلال کا یہ ہے کہ قرآن کی ایک آیت کے معنی دوسری آیات بیّنات سے کئے جاویں۔ لیکن ہرگز یہ درست نہیں ہوگا کہ بغیر ان دونوں قسم کے التزام کے اپنے ہی خیال اور رائے سے معنی کریں کاش اگر پادری عمادالدین وغیرہ اس طریق کا التزام کرتے تو نہ آپ ہلاک ہوتے اور نہ دوسروں کی ہلاکت کا موجب ٹھہرتے۔ (آریہ دھرم۔ر۔خ۔جلد 10 صفحہ 81`80 حاشیہ)

---

۱ یونس:۴۷ ۲ یوسف:۱۰۲ ۳ الحج:۶ ۴ النسآء:۹۸ ۵ البقرۃ:۲۴۱ ۶ الانعام:۶۲ ۷ الاعراف:۳۸
۸ الاعراف:۱۲۷ ۹ آل عمران:۱۹۴ ۱۰ النحل:۷۱

قرآن مجید نے خود حدیث کو اپنا خادم مفسر قرار دیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں بعض احکام ایسے طور پر بیان کئے ہیں کہ وہ بلا تفصیل صاحبِ حدیث صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی مسلمان مخاطب قرآن کی سمجھ میں نہ آتی اور نہ وہ دستور العمل ٹھہرائی جا سکتی۔ ایک حکم نماز ہی کو لو قرآن میں اس کی نسبت صرف یہ ارشاد ہے **اقیموا الصلوٰۃ** اور کہیں اس کی تفسیر نہیں ہے کہ نماز کیونکر قائم کی جائے۔ صاحب الحدیث آنحضرت صلعم (بابی ہو وامی) نے قولی وفعلی حدیثوں سے بتایا کہ نماز یوں پڑھی جاتی ہے تو وہ حکمِ قرآن سمجھ وعمل میں آیا۔ (الحق مباحثہ لدھیانہ ۔ ر۔خ۔ جلد 4 صفحہ 55)

توفی کے معنے وفات دینے کے صرف اجتہادی طور پر ہم نے معلوم نہیں کیے بلکہ مشکوٰۃ کے باب الحشر میں بخاری اور مسلم کی حدیث جو ابن عباس سے ہے صریح اور صاف طور پر اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیت **فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي** کی یہی تفسیر فرماتے ہیں کہ درحقیقت اس سے وفات ہی مراد ہے بلکہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سوال حضرت مسیح سے عالم برزخ میں ان کی وفات کے بعد کیا گیا تھا نہ یہ کہ قیامت میں کیا جائے گا **پس جس آیت کی تفسیر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی کھول دیا پھر اگر کوئی تفسیر نبوی کو بھی سن کر شک میں رہے تو اس کے ایمان اور اسلام پر اگر افسوس اور تعجب نہ کریں تو اور کیا کریں** دیکھو اس حدیث کو امام بخاری انہیں معنوں کی طرف اشارہ کرنے کی غرض سے اپنی صحیح کی کتاب التفسیر میں لایا ہے دیکھو صفحہ 665 بخاری۔ (ازالہ اوہام ۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 503)

لغت عربی کے مفردات کا علم

پس جبکہ ثابت ہو گیا کہ ہماری تربیت اور تکمیل کے لئے دو رحمتوں کے دو چشمے قادر کریم نے جاری کر رکھے ہیں اور وہ اس کی دو صفتیں ہیں جو ہمارے درخت وجود کی آبپاشی کے لیے دو رنگوں میں ظاہر ہوئے ہیں تو اب دیکھنا چاہیئے کہ وہ دو چشمے زبان عربی میں منعکس ہو کر کس کس نام سے پکارے گئے ہیں پس واضح ہو کہ پہلے قسم کی رحمت کے لحاظ سے زبان عربی میں خدا تعالیٰ کو رحمٰن کہتے ہیں اور دوسرے قسم کی رحمت کے لحاظ سے زبان موصوف میں اس کا نام رحیم ہے۔ اسی خوبی کے دکھلانے کے لیے ہم عربی خطبہ کے پہلی ہی سطر میں رحمان کا لفظ لائے ہیں۔ اب اس نمونہ سے دیکھ لو کہ چونکہ یہ رحم کی صفت اپنی ابتدائی تقسیم کے لحاظ سے الٰہی قانون قدرت کے دو قسم پر مشتمل تھی لہذا اس کے لئے زبان عربی میں دو مفرد لفظ موجود ہیں اور یہ قاعدہ طالب حق کے لیے نہایت مفید ہوگا کہ ہمیشہ عربی کے باریک فرقوں کو پہچاننے کے لیے صفات اور افعال الٰہیہ کو جو صحیفہ قدرت میں نمایاں ہیں معیار قرار دیا جائے اور ان کے اقسام کو جو قانون قدرت سے ظاہر ہوں عربی کے مفردات میں ڈھونڈا جائے اور جہاں کہیں عربی کے ایسے مترادف لفظوں کا فرق ظاہر کرنا مقصود ہو جو صفات یا افعال الٰہی کے متعلق ہیں تو صفات یا افعال الٰہی کی اس تقسیم کی طرف متوجہ ہوں جو نظام قانون قدرت دکھلا رہا ہے **کیونکہ عربی کی اصل غرض الٰہیات کی خدمت ہے جیسا کہ انسان کے وجود کی اصل غرض معرفت باری تعالیٰ ہے اور ہر یک چیز جس غرض کے لیے پیدا کی گئی ہے اسی غرض کو سامنے رکھ کر اس کے عقدے کھل سکتے ہیں اور اس کے جوہر معلوم ہو سکتے ہیں۔** (منن الرحمٰن ۔ ر۔خ۔ جلد 9 صفحہ 148-149)

قرآن کریم نے جوسورہ فاتحہ کو الحمد للہ رب العلمین الرحمٰن الرحیم۔ مالک یوم الدین اسماء سے شروع کیا تو اس میں کیا راز تھا۔ چونکہ بعض قومیں اللہ تعالیٰ کی ہستی پر اس کی صفات رب۔ رحیم۔ مالک یوم الدین سے منکر تھیں اس لیے اس طرز کو لیا یہ **یادرکھو کہ جس نے قرآن کریم کے الفاظ اور فقرات کو جو قانونی ہیں ہاتھ میں نہیں لیا اس نے قرآن کا قدر نہیں سمجھا۔** (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 388-389)

جس ذات کامل نے انسان اور اس کے خیالات کو پیدا کیا اسی نے ان خیالات کے ادا کرنے کے لئے قدیم سے وہ مفردات بھی پیدا کر دیئے اور ہمارا دلی انصاف اس بات کے قبول کرنے کے لئے ہمیں مجبور کرتا ہے کہ **اگر یہ خصوصیت کسی زبان میں پائی جائے کہ وہ زبان انسانی خیالات کے قدوقامت کے موافق مفردات کا خوبصورت پیرایہ اپنے اندر طیار رکھتی ہے اور ہر یک باریک فرق جو افعال میں پایا جاتا ہے وہی باریک فرق اقوال کے ذریعہ سے دکھاتی ہے اور اس مفردات خیالات کے تمام حاجتوں کے متکفل ہیں تو وہ زبان بلاشبہ الہامی ہے** کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے جو اس نے انسان کو ہزار ہا طور کے خیالات ظاہر کرنے کے لئے مستعد پیدا کیا ہے۔ پس ضرور تھا کہ انہیں خیالات کے اندازہ کے موافق اس کو ذخیرہ قولی مفردات بھی دیا جاتا تا خدا تعالےٰ کا قول اور فعل ایک ہی مرتبہ پر ہو لیکن حاجت کے وقت ترکیب سے کام لینا یہ بات کسی خاص زبان سے خصوصیت نہیں رکھتی۔ ہزار ہا زبانوں پر یہ عام آفت اور نقص درپیش ہے کہ وہ مفردات کی جگہ مرکبات سے کام لیتے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ ضرورتوں کے وقت وہ مرکبات انسانوں نے خود بنا لئے ہیں۔ پس جو زبان ان آفتوں سے محفوظ ہوگی اور اپنی ذات میں مفردات سے کام نکالنے کی خصوصیت رکھے گی اور اپنے اقوال کو خدا تعالیٰ کے فعل کے مطابق یعنی خیالات کے جوشوں کے مطابق اور ان کے ہموزن دکھلائے گی۔ بلاشبہ وہ ایک خارق العادات مرتبہ پر ہو کر اور تمام زبانوں کی نسبت ایک خصوصیت پیدا کر کے اس لائق ہو جائے گی کہ اس کو اصل الہامی زبان اور فطرت اللہ کہا جائے۔ (منن الرحمٰن۔ ر۔خ۔ جلد 9 صفحہ 141)

ادب جاہلیہ اور لغت قرآن

علاوہ اس کے اس ملک میں صرفی نحوی قواعد سے بھی لوگوں کو اچھی طرح واقفیت نہیں اصل بات یہ ہے کہ **جبتک زبان عرب میں پورا پورا توغل نہ ہو اور جاہلیت کے تمام اشعار نظر سے نہ گذر جائیں اور کتب قدیمہ مبسوطہ لغت جو محاورات عرب پر مشتمل ہیں غور سے نہ پڑھے جائیں اور وسعت علمی کا دائرہ کمال تک نہ پہنچ جائے تب تک عربی محاورات کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا اور نہ انکی صرف اور نحو کا باستیفاء علم ہوسکتا ہے** ایک نادان نکتہ چینی کرتا ہے کہ فلاں صلہ درست نہیں یا ترکیب غلط ہے اور اسی قسم کا صلہ اور اسی قسم کی ترکیب اور اسی قسم کا صیغہ قدیم جاہلیت کے کسی شعر میں نکل آتا ہے اور اس ملک میں جو لوگ علماء کہلاتے ہیں بڑی دوڑ ان کی قاموس تک ہے حالانکہ قاموس کی تحقیق پر بہت جرح ہوئی ہیں اور کئی مقامات میں اس نے دھوکہ کھایا ہے۔ یہ بیچارے جو علماء یا مولوی کہلاتے ہیں انکو تو قدیم معتبر کتابوں کے نام بھی یاد نہیں اور نہ ان کو تحقیق اور توغل زبان عربی سے کچھ دلچسپی ہے۔ مشکوٰۃ یا ہدایہ پڑھ لیا تو مولوی کہلائے اور پھر دہ بدہ پیٹ کیلئے وعظ کرنا شروع کر دیا۔ (نزول المسیح۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 436)

اگر اردو میں بھی مثلاً ایک فصیح شخص تقریر کرتا ہے اور اس میں کہیں مثالیں لاتا ہے کہیں دلچسپ فقرے بیان کرتا ہے تو دوسرا فصیح بھی اسی رنگ میں کہہ دیتا ہے اور بجز ایک پاگل آدمی کے کوئی خیال نہیں کرتا کہ یہ سرقہ ہے انسان تو انسان خدا کے کلام میں بھی یہی پایا جاتا ہے۔ اگر بعض پُر فصاحت فقرے اور مثالیں جو قرآن شریف میں موجود ہیں شعرائے جاہلیت کے قصائد میں دیکھی جائیں تو ایک لمبی فہرست طیار ہوگی اور ان امور کو محققین نے جائے اعتراض نہیں سمجھا **بلکہ اسی غرض سے ائمہ راشدین نے جاہلیت کے ہزار ہا اشعار کو حفظ کر رکھا تھا اور قرآن شریف کی بلاغت فصاحت کے لئے انکو بطور سند لاتے تھے۔** (نزول المسیح۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 434)

لغات قرآن / چند مثالیں

رباط

لغت عرب بھی عجیب چیز ہے۔ رباط کا لفظ جو آیہ مذکورہ میں آیا ہے۔ جہاں دنیاوی جنگ وجدل اور فنون جنگ کی فلاسفی پر مشتمل ہے وہاں روحانی طور پر اندرونی جنگ اور مجاہدہ نفس کی حقیقت اور خوبی کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ یہ ایک عجیب سلسلہ ہے......اب دیکھو یہی رباط کا لفظ جو ان گھوڑوں پر بولا جاتا ہے جو سرحد پر دشمنوں سے حفاظت کے لیے باندھے جاتے ہیں۔ ایسا ہی یہ لفظ ان نفسوں پر بھی بولا جاتا ہے جو اس جنگ کی تیاری کے لیے تعلیم یافتہ ہوں جو انسان کے اندر ہی اندر شیطان سے ہر وقت جاری ہے۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 36-37)

صراط

صراط لغت عرب میں ایسی راہ کو کہتے ہیں۔ جو سیدھی ہو یعنی تمام اجزاء اس کے وضع استقامت پر واقع ہوں اور ایک دوسرے کی نسبت عین محاذات پر ہوں۔ (الحکم 10 فروری 1905ء صفحہ 4)(تفسیر حضرت اقدس جلد اوّل صفحہ 217)

طریق

و قیل ان الطریق لا یسمی صراطا عند قوم ذوی قلب و نور حتے یتضمن خمسة امور من امور الدین۔ و ھی الا ستقامة و الا یصال الی المقصود بالیقین و قرب الطریق وسعته للمارین و تعیینه طریقا للمقصود فی اعین السا لکین۔ و ھو تارة یضاف الی اللہ اذ ھو شرعه و ھو سوی سبله للماشین۔ و تارة یضاف الی العباد لکونھم اھل السلوک والمارین علیھا والعابرین۔

ترجمہ:۔اور کہتے ہیں کہ صاحب دل اور روشن ضمیر لوگوں کے نزدیک طریق (راستہ) کو اس وقت تک صراط کا نام نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ وہ امور دین میں سے پانچ امور پر مشتمل نہ ہو اور وہ یہ ہیں:۔

(1) استقامت (2) یقینی طور پر مقصود تک پہنچانا (3) اس کا نزدیک ترین (راہ) ہونا۔ (4) گزرنے والوں کے لیے اس کا وسیع ہونا۔ اور (5) سالکوں کی نگاہ میں مقصود تک پہنچنے کے لیے اس راستہ کا متعین کیا جانا۔

اور صراط کا لفظ کبھی تو خدا تعالیٰ کی طرف مضاف کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اس کی شریعت ہے اور وہ چلنے والوں کے لیے ہموار راستہ ہے اور کبھی اسے بندوں کی طرف مضاف کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اس پر چلنے والے اور گزرنے والے اور اسے عبور کرنے والے ہیں۔ (کرامات الصادقین۔ ر۔ خ۔ جلد 7 صفحہ 137)

غاسق

مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ۔ غَاسِقٍ عربی میں تاریکی کو کہتے ہیں جو کہ بعد زوال شفق اول چاند کو ہوتی ہے اور اسی لئے لفظ قمر پر بھی اس کی آخری راتوں میں بولا جاتا ہے جبکہ اس کا نور جاتا رہتا ہے اور خسوف کی حالت میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ (الفلق:4) کے یہ معنے ہیں مِنْ شَرِّ ظُلْمَةٍ اِذَا دَخَلَ یعنی ظلمت کی برائی سے جب وہ داخل ہو۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 55)

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا (البقرة:21) منافقوں کا کام ہے مگر یہ لوگ قَامُوْا میں داخل ہیں احتیاط سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے تاریکی جب خدا کی طرف منسوب ہو تو دشمن کی آنکھ میں ابتلا کا موقع اس سے مراد ہوتا ہے اور اس لیے اس کو غاسق اللہ کہتے ہیں۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 56)

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۔ (البقرة:254)

رفع

جاننا چاہئے کہ رفع کا لفظ قرآن شریف میں جہاں کہیں انبیا اور اخیار ابرار کی نسبت استعمال کیا گیا ہے عام طور پر اس سے یہی مطلب ہے کہ جو ان برگزیدہ لوگوں کو خدائے تعالیٰ کی جناب میں باعتبار اپنے روحانی مقام اور نفسی نقطہ کے آسمانوں میں کوئی بلند مرتبہ حاصل ہے اس کو ظاہر کر دیا جائے اور ان کو بشارت دی جائے کہ بعد موت و مفارقت بدن ان کی روح اس مقام تک جو ان کے لیے قرب کا مقام ہے اٹھائی جائے گی جیسا کہ اللہ جلشانہ ہمارے سید و مولیٰ کا اعلیٰ مقام ظاہر کرنے کی غرض سے قرآن شریف میں فرماتا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰت۔ یعنی یہ تمام رسول اپنے مرتبہ میں یکساں نہیں بعض ان میں سے وہ ہیں جن کو روبرو کلام کرنے کا شرف بخشا گیا اور بعض وہ ہیں جن کا رفع درجات سب سے بڑھ کر ہے۔ (ازالہ اوہام۔ ر۔ خ۔ جلد 3 صفحہ 275)

توفی

وَ اِنۡ مَّا نُرِیَنَّکَ بَعۡضَ الَّذِیۡ نَعِدُهُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِنَّمَا عَلَیۡکَ الۡبَلٰغُ وَ عَلَیۡنَا الۡحِسَابُ۔ (الرعد:41)

اگر ہمارے علماء اس جگہ بھی توفی کے معنے یہی لیتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ آسمان پر اٹھائے گئے ہیں تو ہمیں ان پر کچھ بھی افسوس نہ ہوتا مگر ان کی بیبا کی اور گستاخی تو دیکھو کہ توفی کا لفظ جہاں کہیں قرآن کریم میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آتا ہے تو اس کے معنے وفات کے لیتے ہیں اور پھر جب وہی لفظ حضرت مسیح کے حق میں آتا ہے تو اس کے معنی زندہ اٹھائے جانے کے بیان کرتے ہیں اور کوئی ان میں سے نہیں دیکھتا کہ لفظ تو ایک ہی ہے۔ اندھے کی طرح ایک دوسرے کی بات کو مانتے جاتے ہیں۔ **جس لفظ کو خدا تعالیٰ نے پچیس مرتبہ اپنی کتاب قرآن کریم میں بیان کر کے صاف طور پر کھول دیا کہ اس کے معنے روح کا قبض کرنا ہے نہ اور کچھ۔ اب تک یہ لوگ اس لفظ کے معنی مسیح کے حق میں کچھ اور کے اور کر جاتے ہیں۔** گویا تمام جہان کے لئے تَوَفِّی کے معنے تو قبض روح ہی ہیں مگر حضرت ابن مریم کے لئے زندہ اٹھا لینا اس کے معنی ہیں۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 43)

اطراف

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَاۡتِی الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا وَ اللّٰهُ یَحۡكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكۡمِهٖ وَ هُوَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ۔ (الرعد:42)

سنت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ جب کوئی خدا کی طرف سے آتا ہے اور اس کی تکذیب کی جاتی ہے تو طرح طرح کی آفتیں آسمان سے نازل ہوتی ہیں جن میں اکثر ایسے لوگ پکڑے جاتے ہیں جن کا اس تکذیب سے کچھ تعلق نہیں۔ پھر رفتہ رفتہ ائمۃ الکفر پکڑے جاتے ہیں اور سب سے آخر بڑے شریروں کا وقت آتا ہے اسی کی طرف اللہ تعالیٰ اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے اَنَّا نَاۡتِی الۡاَرۡضَ نَنۡقُصُهَا مِنۡ اَطۡرَافِهَا (الرعد:42) یعنی ہم آہستہ آہستہ زمین کی طرف آتے جاتے ہیں۔ (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 166)

اٰوٰی

وَ اِذِا عْتَزَلْتُمُوْھُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ فَاْوٗٓا اِلَی الْکَھْفِ یَنْشُرْ لَکُمْ رَبُّکُمْ مِّنْ رَّحْمَتِہٖ وَیُھَیِّیْٔ لَکُمْ مِّنْ اَمْرِکُمْ مِّرْفَقًا۔(الکھف :17)

قرآنی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اٰوٰی کا لفظ یہ چاہتا ہے کہ اول کوئی مصیبت واقع ہو۔اسی طرح الہام اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ چاہتا ہے کہ ابتداء میں خوفناک صورتیں ہوں۔اصحاب کہف کی نسبت بھی یہ ہے فَاْوٗٓا اِلَی الْکَھْفِ اور ایک اور جگہ اٰوَیْنٰھُمَآ اِلٰی رَبْوَۃٍ ہے۔ان تمام مقامات سے یہی مطلب ہے کہ قبل اس کے کہ خدا تعالیٰ آرام دیوے مصیبت اور خوف کا نظارہ پیدا ہوگا۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 531)

اٰوٰی کا لفظ عربی زبان میں اس پناہ دینے کو کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی حد تک مصیبت رسیدہ ہو کر پھر امن میں آجاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی (الضحی :7) یعنی خدا نے تجھے یتیم پایا اور یتیمی کے مصائب میں تجھے مبتلا دیکھا پھر پناہ دی اور جیسا کہ فرماتا ہے وَ اٰوَیْنٰھُمَآ اِلٰی رَبْوَۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیْنٍ (المومنون:51) یعنی ہم نے عیسیٰ اور اس کی ماں کو بعد اس کے جو یہودیوں نے ان پر ظلم کیا اور حضرت عیسیٰ کو سولی دینا چاہا۔ہم نے عیسیٰ اور اس کی ماں کو پناہ دی اور دونوں کو ایک ایسے پہاڑ پر پہنچا دیا جو سب پہاڑوں سے اونچا تھا یعنی کشمیر کا پہاڑ جس میں خوشگوار پانی تھا اور بڑی آسائش اور آرام کی جگہ تھی۔اور جیسا کہ سورۃ الکہف میں یہ آیت ہے فَاْوٗٓا اِلَی الْکَھْفِ یَنْشُرْ لَکُمْ رَبُّکُمْ مِّنْ رَّحْمَتِہٖ ۔ (الجزو نمبر 15) یعنی غار کی پناہ میں آجاؤ۔اس طرح پر خدا اپنی رحمت تم پر پھیلائے گا یعنی تم ظالم بادشاہ کی ایذا سے نجات پاؤ گے۔غرض اٰوٰی کا لفظ ہمیشہ اس موقعہ پر آتا ہے کہ جب ایک شخص کسی حد تک کوئی مصیبت اٹھا کر پھر امن میں داخل کیا جاتا ہے۔ (حقیقۃ الوحی ۔ر۔خ۔جلد 22 صفحہ 243-244)

ظالم

کِلْتَا الْجَنَّتَیْنِ اٰتَتْ اُکُلَھَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْہُ شَیْئًا وَّ فَجَّرْنَا خِلٰلَھُمَا نَھَرًا۔(الکھف:34)

لغت کی رو سے بھی ثابت ہے کہ ظالم کا لفظ بغیر کسی اور لحاظ کے فقط کم کرنے کے لئے بھی آیا ہے جیسا کہ اللہ جل شانہٗ قرآن کریم میں.....فرماتا ہے وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْہُ شَیْئًا (الکھف:34) اَیْ وَ لَمْ تَنْقُصْ اور خدا تعالیٰ کی راہ میں نفس کے جذبات کو کم کرنا بلاشبہ ان معنوں کی رو سے ایک ظلم ہے۔ (آئینہ کمالات اسلام ۔ر۔خ۔جلد 5 صفحہ 137-136)

محصنات

اَلَّتِیۡ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا (الانبیاء:92) اس سوال کے جواب میں کہ اس امر کی تائید میں کہ مریم علیہا السلام نے ساری عمر نکاح نہیں کیا یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قرآن میں آیا ہے وَ الَّتِیۡ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا ‘فرمایا محصنات تو قرآن شریف میں خود نکاح والی عورتوں پر بول گیا ہے وَ الۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ (النساء:25) اور اَلَّتِیۡ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا کے معنے تو یہ ہیں کہ اس نے زنا سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا۔ یہ کہاں سے نکلا کہ اس نے ساری عمر نکاح ہی نہیں کیا۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 291-290)

نزول

وَ اَنۡزَلَ لَکُمۡ مِّنَ الۡاَنۡعَامِ (الزمر:7) اور تمہارے لئے چارپائے اتارے......ظاہر ہے کہ اترنے کا لفظ آسمان سے اترنے پر ہرگز دلالت نہیں کرتا اور اترنے کے ساتھ آسمان کا لفظ زیادہ کر لینا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی بھوکے سے پوچھا جائے کہ دو اور دو کتنے ہوتے ہیں تو وہ جواب دے کہ چار روٹیاں۔ (ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 245 حاشیہ)

نزول کے لفظ سے درحقیقت آسمان سے نازل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کھلے کھلے طور پر قرآن شریف میں آیا ہے قَدۡ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَیۡکُمۡ ذِکۡرًا رَّسُوۡلًا (الطلاق:11`12) تو کیا اس سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسمان سے ہی اترے تھے۔ (ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 450)

علو

ایک علو تو اس رنگ میں ہوتا ہے جیسے کہ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ (الضحیٰ:12) اور ایک علو شیطان کا ہوتا ہے جیسے اَبٰی وَ اسۡتَکۡبَرَ (البقرة:35) اور اس کے بارے میں ہے اَمۡ کُنۡتَ مِنَ الۡعَالِیۡنَ (ص:76) یہ اس سے سوال ہے کہ تیرا علو تکبر کے رنگ میں ہے یا واقعی ہے۔ خدا تعالیٰ کے بندوں کے واسطے بھی اعلیٰ کا لفظ آیا اور ہمیشہ آتا ہے جیسے اِنَّکَ اَنۡتَ الۡاَعۡلٰی (طٰہٰ:69) مگر یہ تو انکسار سے ہوتا ہے اور وہ تکبر سے ملا ہوا ہوتا ہے۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 404)

عدل

اَلَّذِیۡ خَلَقَکَ فَسَوّٰىکَ فَعَدَلَکَ (الانفطار:8)

......حسن تناسبِ اعضاء کا نام ہے۔ جب تک یہ نہ ہو ملاحت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے اپنی صفت فَسَوّٰىکَ فَعَدَلَکَ (الانفطار:8) فرمائی ہے۔ عَدَلَکَ کے معنے تناسب کے ہیں کہ نسبتی اعتدال ہر جگہ ملحوظ رہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 201)

دوسری فصل

قرآن کریم کی گرائمر اور صرف ونحو

اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول انسانی صرف نحو کا تابع نہیں

اغراض نفسانیہ کے ساتھ زبان پر کیونکر احاطہ ہو سکے اور معارف قرآنیہ کیونکر حاصل ہو سکیں اور لغت عرب جو صرف نحو کی اصل کنجی ہے وہ ایک ایسا ناپیدا کنار دریا ہے جو اس کی نسبت امام شافعی رحمۃ اللہ کا یہ مقولہ بالکل صحیح ہے لَا یَعْلَمُہٗ اِلَّا نَبِی یعنی اس زبان کو اور اس کے انواع اقسام کے محاورات کو بجز نبی کے اور کوئی شخص کامل طور پر معلوم ہی نہیں کر سکتا۔ اس قول سے بھی ثابت ہوا کہ اس زبان پر ہر ایک پہلو سے قدرت حاصل کرنا ہر ایک کا کام نہیں بلکہ اس پر پورا احاطہ کرنا معجزات انبیاء علیہم السلام سے ہے۔ (نزول المسیح جلد 18 صفحہ 437-436)

آپ نے اپنی اس شرط کا کچھ خیال نہیں رکھا جو پہلے ہم دونوں کے درمیان قرار پا چکی تھی جو قال اللہ اور قال الرسول سے باہر نہیں جائیں گے اور نہ ان بزرگوں کی عزت اور مرتبت کا کچھ پاس کیا جو اہل زبان اور صرف اور نحو کو آپ سے بہتر جاننے والے تھے **صرف اور نحو ایک ایسا علم ہے جس کو ہمیشہ اہل زبان کے محاورات اور بول چال کے تابع کرنا چاہئے اور اہل زبان کی مخالفانہ شہادت ایک دم میں نحو وصرف کے بناوٹی قاعدہ کو رد کر دیتی ہے۔ ہمارے پر اللہ اور رسولؐ نے یہ فرض نہیں کیا کہ ہم انسانوں کے خود تراشیدہ قواعد صرف ونحو کو اپنے لئے ایسا رہبر قرار دیدیں کہ باوجودیکہ ہم پر کافی اور کامل طور پر کسی آیت کے معنے کھل جائیں اور اس پر اکابر مومنین اہل زبان کی شہادت مل جائے تو پھر بھی ہم اس قاعدہ یا نحو کو ترک نہ کریں اس بدعت کے الزام کی ہمیں حاجت کیا ہے۔** کیا ہمارے لئے کافی نہیں کہ اللہ اور رسول اور صحابہ کرام ایک صحیح معنے ہم کو بتلا دیں۔ نحو اور صرف کے قواعد اطراد بعد الوقوع ہے اور یہ ہمارا مذہب نہیں کہ یہ لوگ اپنے قواعد تراشی میں بکلی غلطی سے معصوم ہیں۔ اور ان کی نظریں ان گہرے محاورات کلام الٰہی پر پہنچ گئی ہیں جس سے آگے تلاش اور تتبع کا دروازہ بند ہے میں جانتا ہوں کہ آپ بھی ان کو معصوم نہیں سمجھتے ہوں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں اِنْ ھٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ (طٰہٰ:64) بھی آیت موجود ہے لیکن کیا آپ نظیر کے طور پر کوئی قول عرب قدیم کا پیش کر سکتے ہیں جس میں بجائے ان ہذین کے ان ہذان لکھا ہو۔ کسی نحوی نے آج تک یہ دعویٰ بھی نہیں کیا کہ ہم قواعد صرف ونحو کو ایسے کمال تک پہنچا چکے ہیں کہ اب کوئی نیا امر پیش آنا یا ہماری تحقیق میں کسی قسم کا نقص نکلنا غیر ممکن ہے۔ غرض التزام قواعد مخترعہ صرف ونحو کا حجج شرعیہ میں سے نہیں یہ علم محض از قبیل اطراد بعد الوقوع ہے اور ان لوگوں کی معصومیت پر کوئی دلیل شرعی نہیں مل سکتی۔ **خواص علم لغت ایک دریا ناپیدا کنار ہے افسوس کہ ہماری صرف ونحو کے قواعد مرتب کرنے والوں نے بہت جلد ہمت ہار دی اور جیسا کہ حق تفتیش کا تھا بجا نہیں لائے۔ اور کبھی انہوں نے ارادہ نہیں کیا اور نہ کر سکے کہ ایک گہری اور عمیق نظر سے قرآنی وسیع المفہوم الفاظ کو پیش نظر رکھ کر قواعد تامہ کاملہ مرتب کریں اور یوں ہی ناتمام اپنے کام کو چھوڑ گئے ہمارے ایمان کا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ ہم کسی طرح قرآن کریم کو ان کا تابع نہ ٹھہرا دیں بلکہ جیسے جیسے خواص وسیع المفہوم قرآن کریم کے الفاظ کھلنے چاہئیں اسی کے مطابق اپنی پرانی اور ناتمام نحو کو بھی درست کرلیں۔** (الحق مباحثہ دہلی۔ ر۔خ۔ جلد 4 صفحہ 183)

اللہ جل شانہٗ نے ہمیں یہ فرمایا ہے فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول(النساء: 60)
یعنے اگر تم کسی بات میں تنازع کرو تو اس امر کا فیصلہ اللہ اور رسول کی طرف ردّ کرو اور صرف اللہ اور رسول کو حکم بناؤ نہ کسی اور کو اب یہ کیونکر ہو سکے کہ ناقص العلم صرفیوں اور نحویوں کو اللہ اور رسول کو چھوڑ کر اپنا حکم بنایا جائے کیا اسپر کوئی دلیل ہے۔ تعجب کہ متبع سنت کہلا کر کسی اور کیطرف بجز سر چشمہ طیبہ مطہرہ اللہ رسول کے رجوع کریں۔ آپ کو یاد رہے کہ میرا یہ مذہب نہیں ہے کہ قواعد موجودہ صرف ونحو غلطی سے پاک ہیں یا ہمہ وجوہ متمم ومکمل ہیں۔ اگر آپ کا یہ مذہب ہے تو اس مذہب کی تائید میں تو کوئی آیت قرآن کریم پیش کیجئے یا کوئی حدیث صحیح دکھلایئے ورنہ آپ کی یہ بحث بے مصرف فضول خیال ہے حجت شرعی نہیں۔ (الحق مباحثہ دہلی۔ ر۔خ۔ جلد 4 صفحہ 184)

قالوا ان ھٰذٰن لسٰحرٰن یریدٰن ان یخرجٰکم من ارضکم بسحرھما ویذھبا بطریقتکم المثلٰی۔ (طٰہ:64)

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض جگہ خدا تعالیٰ انسانی محاورات کا پابند نہیں ہوتا یا کسی اور زمانہ کے متروکہ محاورہ کو اختیار کرتا ہے اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ بعض جگہ انسانی گریمر یعنی صرف ونحو کے ماتحت نہیں چلتا اس کی نظیریں قرآن شریف میں بہت پائی جاتی ہیں مثلاً یہ آیت اِنْ ھٰذٰنِ لَسَاحِرَانِ انسانی نحو کی رو سے اِنَّ ھٰذَینِ چاہیئے۔

(حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 317 حاشیہ)

اس کلام میں مجھے فارسی الاصل ٹھہرایا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ براہین احمدیہ میں فرماتا ہے خُذُوا التَّوْحِیْدَ التَّوْحِیْدَ یَا اَبْنَآءَ الْفَارِسِ (ترجمہ) توحید کو پکڑو توحید کو پکڑو اے فارس کے بیٹو.......

فارس کے لفظ پر خدا تعالیٰ نے الف لام لگا دیا ہے جو موجودہ نحو کے قاعدہ کی رو سے صرف فارس چاہیئے تھا **خدا کا کلام انسانی نحو سے ہر ایک جگہ موافق نہیں ہوتا ایسے الفاظ اور فقرات اور ضمائر جو انسانی نحو سے مخالف ہیں قرآن شریف میں بھی پائے جاتے ہیں۔** (چشمہ معرفت۔ ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 331)

وَ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ ...... الخ (الشورٰی:52)

یہ عجیب بات ہے کہ بعض اوقات بعض فقروں میں خدا تعالیٰ کی وحی انسانوں کی بنائی ہوئی صرفی نحوی قواعد کی بظاہر اتباع نہیں کرتی مگر ادنیٰ توجہ سے تطبیق ہو سکتی ہے اسی وجہ سے بعض نادانوں نے قرآن شریف پر بھی اپنی مصنوعی نحو کو پیش نظر رکھ کر اعتراض کئے ہیں مگر یہ تمام اعتراض بیہودہ ہیں۔ زبان کا علم وسیع خدا کو ہے نہ کسی اور کو اور زبان جیسا کہ تغیر مکانی سے کسی قدر بدلتی ہے ایسا ہی تغیر زمانی سے بھی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں آجکل کی عربی زبان کا اگر محاورہ دیکھا جائے جو مصر اور مکہ اور مدینہ اور دیار شام وغیرہ میں بولی جاتی ہے گویا وہ محاورہ صرف ونحو کے تمام قواعد کی بیخکنی کر رہا ہے اور ممکن ہے کہ اسی قسم کا محاورہ کسی زمانہ میں پہلے بھی گذر چکا ہو۔ پس خدا تعالیٰ کی وحی کو اس بات سے کوئی روک نہیں ہے کہ بعض فقرات سے گذشتہ محاورہ یا موجودہ محاورہ کے موافق بیان کرے۔

(نزول المسیح۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 436)

قرآن کریم میں اکثر اوقات واحد متکلم سے جمع متکلم مراد ہوتی ہے

رَبِّ اغۡفِرۡلِیۡ وَلِوَالِدَیَّ ۔۔الخ (نوح:29)

قرآن مجید میں دونوں طرح دعائیں سکھائی گئی ہیں۔واحد کے صیغہ میں بھی جیسے رَبِّ اغۡفِرۡلِیۡ وَلِوَالِدَیَّ ۔۔الخ(نوح:29)اورجمع کے صیغہ میں بھی جیسے رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً وَّ فِی الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرۃ:202) **اور اکثر اوقات واحد متکلم سے جمع متکلم مراد ہوتی ہے۔**

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 585`586)

اَفَغَیۡرَ اللّٰہِ اَبۡتَغِیۡ حَکَمًا وَّ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡکُمُ الۡکِتٰبَ مُفَصَّلًا وَّ الَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہٗ مُنَزَّلٌ مِّنۡ رَّبِّکَ بِالۡحَقِّ فَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ۔(الانعام:115)

پھراگرکسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر شک کرنے سے بعض ایسے نومسلم یا متردد منع کیے گئے تھے جو ضعیف الایمان تھے تو ان کو یوں کہنا چاہیئے تھا کہ تم شک مت کرو نہ یہ کہ تو شک مت کر کیونکہ ضعیف الایمان آدمی صرف ایک ہی نہیں ہوتا بلکہ کئی ہوتے ہیں بجائے جمع کے واحد مخاطب کا صیغہ کیوں استعمال کیا گیا۔**اس کا جواب یہ ہے کہ اس وحدت سے وحدت جنسی مراد ہے جو جماعت کا حکم رکھتی ہے اگر تم اول سے آخر تک قرآن شریف کو پڑھو تو یہ عام محاورہ اس میں پاؤ گے کہ وہ اکثر مقامات میں جماعت کو فرد واحد کی صورت میں مخاطب کرتا ہے** مثلاً نمونہ کے طور پر ان آیات کو دیکھو۔

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَکَ الۡکِبَرَ اَحَدُہُمَاۤ اَوۡ کِلٰہُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّہُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنۡہَرۡہُمَا وَ قُلۡ لَّہُمَا قَوۡلًا کَرِیۡمًا۔ وَ اخۡفِضۡ لَہُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَ قُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا۔ (بنی اسرائیل :24 تا25)

اب دیکھو کہ ان آیات میں یہ ہدایت ظاہر ہے کہ یہ واحد کا خطاب جماعت امت کی طرف ہے جن کو بعض دفعہ انہیں آیتوں میں تم کر کے بھی پکارا گیا ہے۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات میں مخاطب نہیں کیونکہ ان آیتوں میں والدین کی تعظیم وتکریم اوران کی نسبت برّ واحسان کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین تو صغیر سنی کے زمانے میں بلکہ ممدوح کی شیر خوارگی کے وقت میں ہی فوت ہو چکے تھے سو اس جگہ سے اور نیز ایسے اور مقامات سے بوضاحت ثابت ہوتا ہے کہ **جماعت کو واحد کے طور پر مخاطب کر کے پکارنا یہ قرآن شریف کا ایک عام محاورہ ہے کہ جو ابتدا سے آخر تک جابجا ثابت ہوتا چلا جاتا ہے یہی محاورہ توریت کے احکام میں بھی پایا جاتا ہے کہ واحد مخاطب کے لفظ سے حکم صادر کیا جاتا ہے اور مراد بنی اسرائیل کی جماعت ہوتی ہے۔**

(ایک عیسائی کے تین سوالوں کا جواب صفحہ 6-2 مطبوعہ وشائع کردہ انجمن حمایت اسلام لاہور)(مکتوبات احمدؑ جلد سوم صفحہ 36-35)

يوم يقوم الروح والملائكة صفا لا يتكلمون الا من اذن له الرحمن وقال صوابا۔ (النبا:39)

ترجمہ:۔اس روز یعنی قیامت کے دن روح اور فرشتے کھڑے ہونگے اور شفاعت کے بارے میں کوئی بول نہیں سکے گا مگر وہی جسکو خدا تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملے اور کوئی نالائق شفاعت نہ کرے۔

والقى فى روعى ان المراد من لفظ الروح فى اٰية يوم يقوم الروح جماعة الرسل و النبيين والمحدثين اجمعين الذين يلقى الروح عليهم ويجعلون مكلمين و اما ذكر هم بلفظ الروح لا بلفظ الارواح فاعلم انه قد يذكر الواحد فى القران ويرادمنه الجمع وبا لعكس سنة قد جرت فى كتاب مبين۔

ترجمہ:۔اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ اس آیت میں لفظ روح سے مراد رسولوں اور نبیوں اور محدثوں کی جماعت ہے جن پر روح القدس ڈالا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے ہمکلام ہوتے ہیں مگر یہ شبہ کہ روح کے لفظ سے ان کو یاد کیا ارواح کے لفظ سے کیوں یاد نہیں کیا۔**پس جان کہ قران کا محاورہ ایسا ہے کہ کبھی وہ واحد کے لفظ سے جمع مراد لے لیتا ہے اور کبھی جمع سے واحد ارادہ رکھتا ہے یہ قرآن شریف کی ایک عادت مستمرہ ہے۔** (نورالحق۔ر۔خ۔جلد 8 صفحہ 98)

خدا کا کلام صیغہ واحد اور جمع

خدا تعالیٰ جب توحید کے رنگ میں بولے تو وہ بہت ہی پیار اور محبت کی بات ہوتی ہے اور واحد کا صیغہ محبت کے مقام پر بولا جاتا ہے۔جمع کا صیغہ جلالی رنگ میں آتا ہے جہاں کسی کو سزا دینی ہوتی ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 413)

ماضی۔مضارع کے معنوں پر بھی آجاتی ہے

جس شخص نے کافیہ یا ہدایت النحو بھی پڑھی ہوگی وہ خوب جانتا ہے کہ ماضی مضارع کے معنوں پر بھی آجاتی ہے بلکہ ایسے مقامات میں جبکہ آنے والا واقعہ متکلم کی نگاہ میں یقینی الوقوع ہو مضارع کو ماضی کے صیغہ پر لاتے ہیں تا کہ اس امر کا یقینی الوقوع ہونا ظاہر ہو۔اور قرآن شریف میں اس کی بہت نظیریں ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ونفخ فى الصور فا ذاهم من الاجداث الىٰ ربهم ينسلون**(یس:52)اور جیسا کہ فرماتا ہے۔**واذ قال الله يا عيسى ابن مريم ء انت قلت للناس اتخذونى و امى الهين من دون الله** (المائدہ:117) **قال الله هذا يوم ينفع الصادقين صدقهم** (المائدہ:120)اور جیسا کہ فرماتا ہے۔**ونذعنا ما فى صدورهم من غل اخوانا على سررمتقابلين۔** (الحجر:48)اور جیسا کہ فرماتا ہے۔**ونادى اصحاب الجنة اصحاب النار ان قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فهل وجد تم ماوعد ربكم حقا قالوا نعم** (الاعراف:45)اور جیسا کہ فرماتا ہے۔**تبت يدا ابى لهب وتب ما اغنى عنه ماله و ما كسب**(اللھب:2-3)اور جیسا کہ فرماتا ہے۔**ولو ترىٰ اذوقفوا على النار**(الانعام:28)اور جیسا کہ فرماتا ہے۔**و لو ترى ازوقفوا على ربهم قال اليس هذابالحق قالوا بلى و ربنا۔**(الانعام:31)

مثلاً جس شخص کو بہت سی زہر قاتل دی گئی ہو وہ کہتا ہے کہ میں تو مر گیا۔اور ظاہر ہے کہ مر گیا ماضی کا صیغہ ہے مضارع کا صیغہ نہیں ہے۔اس سے مطلب اس کا یہ ہوتا ہے کہ میں مر جاؤں گا۔اور مثلاً ایک وکیل جس کو ایک قوی اور کھلی کھلی نظیر فیصلہ چیف کورٹ کی اپنے مؤکل کے حق میں مل گئی ہے وہ خوش ہو کر کہتا ہے کہ بس اب ہم نے فتح پالی۔ حالانکہ مقدمہ ابھی زیر تجویز ہے کوئی فیصلہ نہیں لکھا گیا۔پس مطلب اس کا یہ ہوتا ہے کہ ہم یقیناً فتح پالیں گے اسی لئے وہ مضارع کی جگہ ماضی کا صیغہ استعمال کرتا ہے۔منہ (براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 169 مع حاشیہ)

خدا تعالیٰ نے جا بجا قرآن شریف میں عظیم الشان پیشگوئیوں کو ماضی کے لفظ سے بیان کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ وَّ تَبَّ۔ (براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 170)

ہر مقام پر نون ثقیلہ استقبال کے معنوں پر مستعمل نہیں ہوتا

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْھِکَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضٰھَا فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَهٗ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ۔(البقرة:145)

آپ (مولوی محمد بشیر بھوپالوی) نے جو نون ثقیلہ کا قاعدہ پیش کیا ہے وہ سراسر مخدوش اور باطل ہے۔ حضرت ہر ایک جگہ اور ہر ایک مقام میں نون ثقیلہ کے ملانے سے مضارع استقبال نہیں بن سکتا۔قرآن کریم کے لیے قرآن کریم کی نظیریں کافی ہیں اگرچہ یہ سچ ہے کہ بعض جگہ ایسی بھی ہیں کہ حال کے معنے قائم رہے ہیں یا حال اور استقبال بلکہ ماضی بھی اشترا کی طور پر ایک سلسلہ متصلہ ممتدہ کی طرح مراد لیے گئے ہیں یعنی ایسا سلسلہ جو حال یا ماضی سے شروع ہوا اور استقبال کی انتہا تک بلا انقطاع برابر چلا گیا۔پہلی آیات کی نظیر یہ ہے کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَةً تَرْضٰھَا فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ اب ظاہر ہے کہ اس جگہ حال ہی مراد ہے۔کیونکہ بمجرد نزول آیت کے بغیر توقف اور تراخی کے خانہ کعبہ کی طرف مونہہ پھیرنے کا حکم ہو گیا یہاں تک کہ نماز میں ہی مونہہ پھیر دیا گیا۔اگر یہ حال نہیں تو پھر حال کس کو کہتے ہیں۔استقبال تو اس صورت میں ہوتا کہ خبر اور ظہور خبر میں کچھ فاصلہ بھی ہوتا سو آیت کے یہ معنے ہیں کہ ہم تجھ کو اس قبلہ کی طرف پھیرتے ہیں جس پر تو راضی ہے سو تو مسجد حرام کر طرف منہ کر۔ (الحق مباحثہ دہلی۔ر۔خ۔جلد4 صفحہ 162-163)

قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَکَ فِی الْحَیٰوۃِ اَنْ تَقُوْلَ لَامِسَاسَ وَ اِنَّ لَکَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَہٗ وَ انْظُرْ اِلٰٓی اِلٰھِکَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْہِ عَاکِفًا لَنُحَرِّقَنَّہٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّہٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا۔ (طٰہٰ:98)

اگرچہ یہ سچ ہے کہ بعض جگہ قرآن کریم کے مضارعات پر جب نونِ ثقیلہ ملا ہے تو وہ استقبال کے معنوں پر مستعمل ہوئے ہیں۔ لیکن بعض جگہ ایسی بھی ہیں کہ حال کے معنے قائم رہے ہیں یا حال اور استقبال بلکہ ماضی بھی اشتراکی طور پر ایک سلسلہ متصلہ ممتدہ کی طرح مراد لئے گئے ہیں یعنی ایسا سلسلہ جو حال یا ماضی سے شروع ہوا اور استقبال کی انتہا تک بلا انقطاع برابر چلا گیا۔

پہلی آیات کی نظیر یہ ہے کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے...... **وَانْظُرْ اِلٰٓی اِلٰھِکَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْہِ عَاکِفًا لَنُحَرِّقَنَّہٗ** الخ **یعنی اپنے معبود کی طرف دیکھ جس پر تو معتکف تھا کہ اب ہم اس کو جلاتے ہیں۔ اس جگہ بھی استقبال مراد نہیں** کیونکہ استقبال اور حال میں کسی قدر بعد زمان کا ہونا شرط ہے۔ مثلاً اگر کوئی کسی کو یہ کہے کہ میں تجھے دس روپیہ دیتا ہوں سو لے مجھ سے دس روپیہ۔ تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوگا کہ اس نے استقبال کا وعدہ کیا ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ یہ سب کارروائی حال میں ہی ہوئی۔ (الحق مباحثہ دہلی۔ ر۔ خ۔ جلد 4 صفحہ 162`163)

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّھُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ۔ (العنکبوت:10)

یعنی ہماری سنت مستمرہ قدیمہ ہے کہ جو لوگ ایمان لاویں اور عمل صالح کریں ہم ان کو صالحین میں داخل کرلیا کرتے ہیں۔ اب حضرت مولوی صاحب دیکھئے کہ لَنُدْخِلَنَّھُمْ میں نون ثقیلہ ہے لیکن اگر اس جگہ آپ کی طرز پر معنی کئے جائیں تو اس قدر فساد لازم آتا ہے جو کسی پر پوشیدہ نہیں کیونکہ اس صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ یہ قاعدہ آئندہ کے لئے باندھا گیا ہے اور اب تک کوئی نیک اعمال بجالا کر صلحاء میں داخل نہیں کیا گیا۔ گویا آئندہ کے لئے گنہگار لوگوں کی توبہ منظور ہے اور پہلے اس سے دروازہ بند ہو رہا ہے۔ سو آپ سوچیں کہ ایسے معنی کرنا کس قدر مفاسد کو مستلزم ہے۔ (الحق مباحثہ دہلی۔ ر۔ خ۔ جلد 4 صفحہ 164)

وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہَ مَنْ یَّنْصُرُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ (الحج:41) یعنی وہ جو خدا تعالیٰ کی مدد کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے۔ اب حضرت دیکھئے آیت کے لفظ لَیَنْصُرَنَّ کے آخر میں نون ثقیلہ ہے لیکن اگر اس آیت کے یہ معنے کریں کہ آئندہ کسی زمانہ میں اگر کوئی ہماری مدد کرے گا تو ہم اس کی مدد کریں گے تو یہ معنے بالکل فاسد اور خلاف سنت مستمرہ الٰہیہ ٹھہریں گے کیونکہ اللہ جل شانہٗ کے قدیم سے اور اسی زمانہ سے کہ جب بنی آدم پیدا ہوئے یہی سنت مستمرہ ہے کہ وہ مدد کرنے والوں کی مدد کرتا ہے۔ یوں کیونکر کہا جائے کہ پہلے تو نہیں مگر آئندہ کسی نامعلوم زمانہ میں اس قاعدہ کا پابند ہو جائے گا اور اب تک تو صرف وعدہ ہی ہے عمل درآمد نہیں سُبْحَانَہٗ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ۔

(الحق مباحثہ دہلی۔ ر۔ خ۔ جلد 4 صفحہ 164)

ایک نکتۂ معرفت

قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ کوئی صفت مفعول کے صیغہ میں نہیں ہے۔ قدوس تو ہے مگر معصوم نہیں ہے کیونکہ معصوم کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ اس کو بچانے والا کوئی اور ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ تو اپنی ذات ہی میں بے عیب پاک خدا ہے اور وحدہٗ لاشریک اکیلا خدا ہے اس کو بچانے والا کون ہوسکتا ہے۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 466)

وَالَّذِیۡنَ جَاھَدُوۡا فِیۡنَا لَنَھۡدِیَنَّھُمۡ سُبُلَنَا وَ اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ (العنکبوت:70)

جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور کریں گے ہم ان کو اپنی راہیں دکھلا رہے ہیں اور دکھلائیں گے۔ صاف ظاہر ہے کہ اگر اس جگہ مجرّد استقبال مراد لیا جائے تو اس سے معنے فاسد ہو جائیں گے اور یہ کہنا پڑے گا کہ یہ وعدہ صرف آئندہ کے لئے ہے اور حال میں جو لوگ مجاہدہ میں مشغول ہیں یا پہلے مجاہدات بجا لا چکے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی راہوں سے بے نصیب ہیں بلکہ اس آیت میں عادت مستمرہ جاریہ دائرہ میں الازمنۃ الثلٰثہ کا بیان ہے جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ ہماری یہی عادت ہے کہ مجاہدہ کرنے والوں کو اپنی راہیں دکھلایا کرتے ہیں۔ کسی زمانہ کی خصوصیت نہیں بلکہ سنت مستمرہ دائرہ سائرہ کا بیان ہے جس کے اثر سے کوئی زمانہ باہر نہیں۔

(الحق مباحثہ دہلی۔ ر۔ خ۔ جلد 4 صفحہ 163)

تیسری فصل

فہم قرآن اور حسابِ جمل

وَ اَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسۡكَنّٰهُ فِى الۡاَرۡضِ وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوۡنَ۔(المومنون:19)

یہ وہ زمانہ ہے جو اس عاجز پر کشفی طور پر ظاہر ہوا جو کمال طغیان اس کا اس سن ہجری میں شروع ہوگا جو آیت وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوۡنَ۔ میں بحساب جمل مخفی ہے یعنی 1274۔ (ازالہ اوہام۔ر۔خ جلد3 صفحہ 455)

مسیح ابن مریم کی آخری زمانہ میں آنے کی قرآن شریف میں پیشگوئی موجود ہے۔قرآن شریف نے جو مسیح کے نکلنے کی چودہ سو برس تک مدت ٹھہرائی ہے۔ بہت سے اولیاء بھی اپنے مکاشفات کی رو سے اس مدت کو مانتے ہیں اور آیت **وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوۡنَ۔ جس کے بحساب جمل 1274 عدد ہیں۔اسلامی چاند کی سلخ راتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے جس میں نئے چاند کے نکلنے کی اشارت چھپی ہوئی ہے جو غلام احمد قادیانی کے عددوں میں بحساب جمل پائی جاتی ہے۔** (ازالہ اوہام۔ر۔ خ۔جلد3 صفحہ 464)

قرآن شریف کے حروف اور ان کے اعداد بھی معارف مخفیہ سے خالی نہیں ہوتے۔مثلاً سورۃ والعصر کی طرف دیکھو کہ ظاہری معنوں کی رو سے یہ بتلاتی ہے کہ یہ دنیوی زندگی جس کو انسان اس قدر غفلت سے گذار رہا ہے آخری یہی زندگی ابدی خسران اور وبال کا موجب ہو جاتی ہے اور اس خسران سے وہی بچتے ہیں جو خدائے واحد پر سچے دل سے ایمان لے آتے ہیں کہ وہ موجود ہے اور پھر ایمان کے بعد کوشش کرتے ہیں کہ اچھے اچھے عملوں سے اس کو راضی کریں اور پھر اسی پر کفایت نہیں کرتے بلکہ چاہتے ہیں کہ اس راہ میں ہمارے جیسے اور بھی ہوں جو سچائی کو زمین پر پھیلاویں اور خدا کے حقوق پر کار بند ہوں اور بنی نوع پر بھی رحم کریں **لیکن اس سورت کے ساتھ یہ ایک عجیب معجزہ ہے کہ اس میں آدم کے زمانہ سے لے کر آنحضرتؐ کے زمانہ تک دنیا کی تاریخ ابجد کے حساب سے یعنی حساب جمل سے بتلائی گئی ہے۔غرض قرآن شریف میں ہزارہا معارف وحقائق ہیں اور در حقیقت شمار سے باہر ہیں۔**

(نزول المسیح۔ر۔خ جلد18 صفحہ 422)

معانیٔ قرآن حقیقی اور مجازی

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَھُمْ وَلَھُمْ اَجْرٌ کَرِیْمٌ۔ (الحدید:19)

قرآن کریم میں یہ سنت اللہ ہے کہ بعض الفاظ اپنی اصلی حقیقت سے پھر کر مستعمل ہوتے ہیں جیسا کہ فرماتا ہے وَ اَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا یعنی قرض دو اللہ کو قرض اچھا۔ اب ظاہر ہے کہ قرض کی اصل تعریف کے مفہوم میں یہ داخل ہے کہ انسان حاجت اور لاچاری کے وقت دوسرے سے بوقت دیگر ادا کرنے کے عہد پر کچھ مانگتا ہے لیکن اللہ جلّ شانہٗ حاجت سے پاک ہے۔ پس اس جگہ قرض کے مفہوم میں سے صرف ایک چیز مراد لی گئی یعنی اس طور سے لینا کہ پھر دوسرے وقت اس کو واپس دے دینا اپنے ذمّہ واجب ٹھہرایا ہو۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔ خ۔ جلد 5 صفحہ 154-155)

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ۔ (الانشقاق:2)

یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ قرآن کریم کے ہر یک لفظ کو حقیقت پر حمل کرنا بھی بڑی غلطی ہے اور اللہ جلّ شانہٗ کا یہ پاک کلام بوجہ اعلیٰ درجہ کی بلاغت کے استعارات لطیفہ سے بھرا ہوا ہے سو ہمیں اس فکر میں پڑنا کہ انشقاق اور انفجار آسمانوں کا کیونکر ہوگا۔ درحقیقت ان الفاظ کے وسیع مفہوم میں ایک دخل بیجا ہے صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام الفاظ اور اس قسم کے اور بھی عالم مادی کے فنا کی طرف اشارہ ہے۔ الٰہی کلام کا مدعا یہ ہے کہ اس عالم کون کے بعد فساد بھی لازم پڑا ہوا ہے۔ ہر یک جو بنایا گیا توڑا جائے گا اور ہر یک ترکیب پاش پاش ہو جائے گی اور ہر یک جسم متفرق اور ذرّہ ذرّہ ہو جائے گا اور ہر یک جسم اور جسمانی پر عام فنا طاری ہوگی اور قرآن کریم کے بہت سے مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ انشقاق اور انفجار کے الفاظ جو آسمانوں کی نسبت وارد ہیں ان سے ایسے معنی مراد نہیں ہیں جو کسی جسم صلب اور کثیف کے حق میں مراد لئے جاتے ہیں۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔ خ۔ جلد 5 صفحہ 150-151 حاشیہ در حاشیہ)

یاد رکھو۔ الفاظ کے معنے کرنے میں بڑی غلطی کھاتے ہیں۔ بعض وقت الفاظ ظاہر پر آتے ہیں اور بعض اوقات استعارہ کے طور پر آتے ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کے سب سے پہلے لمبے ہاتھوں والی بی بی فوت ہوں گی۔ اور آپ کے سامنے ساری بیبیوں نے باہم ہاتھ ناپنے بھی شروع کر دیئے اور آپ نے منع بھی نہ فرمایا۔ لیکن جب بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا۔ تو اس کے معنے کھلے کہ لمبے ہاتوں والی سے مراد اس بی بی سے تھی جو سب سے زیادہ سخی تھی۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے کلام میں ایسی آیتیں موجود ہیں جن کے اگر ظاہر معنے کئے جائیں تو کچھ بھی مطلب نہیں نکل سکتا۔ جیسے فرمایا

مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی (بنی اسرائیل:73)

اب آپ وزیرآباد میں ہی حافظ عبدالمنان سے جو اس سلسلہ کا سخت دشمن ہے، دریافت کریں کہ کیا اس آیت کا یہی مطلب ہے کہ جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا اٹھایا جائے گا یا ظاہر پر اس سے مراد نہیں لی جاتی، کچھ اور مطلب ہے۔ یقیناً اس کو یہی کہنا پڑے گا۔ کہ بیشک اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ ہر اندھا اور نابینا قیامت کو بھی اندھا اور نابینا اٹھے بلکہ اس سے مراد معرفت اور بصیرت کی نابینائی ہے۔

جب یہ ثابت ہے کہ الفاظ میں استعارات بھی ہوتے ہیں اور خصوصاً پیشگوئیوں میں۔ تو پھر مسیح کے نزول کے متعلق جو پیشگوئیوں میں الفاظ آئے ہیں ان کو بالکل ظاہر ہی پر حمل کر لینا کونسی دانشمندی ہے؟ یہ لوگ جو میری مخالفت کرتے ظاہر پرستی سے کام لیتے ہیں اور ظن سے کام لیتے ہیں۔ مگر یاد رکھیں کہ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (النجم:29) اور بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات:13) (ملفوظات جلد دوم صفحہ 372-371)

غرض تو ہنسی ٹھٹھا ہے نہ تحقیق۔ بعض سرسری نظر سے خدا کی کتاب کو دیکھ کر بغیر اس کے جو پوری سمجھ سے کام لیں فی الفور اعتراض کر دیتے ہیں **خدا کی کلام میں کئی جگہ استعارہ ہوتا ہے کئی جگہ مجاز ہوتا ہے اور کئی جگہ حقیقت کا دکھلانا مقصود ہوتا ہے۔** پس جب پورا علم نہ ہو اور اس کے ساتھ اپنا دل صاف نہ ہو تو اعتراض کرنا جہالت ہے۔ خدا کے کلام کے صحیح معنے سمجھنے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جو خدا سے ملتے ہیں۔ ایک شخص سراپا دنیا کی پلیدی میں غرق آنکھیں اندھی اور دل ناپاک ہے وہ اس حالت میں خدا کے کلام پر کیا اعتراض کرے گا۔ اول چاہیئے کہ اپنے دل کو پاک بناوے، نفسانی جذبات سے اپنے تئیں الگ کرے پھر اعتراض کرے۔ (سناتن دھرم۔ ر۔خ۔ جلد 19 صفحہ 473)

قرآن شریف ذوالمعارف ہے اور کئی وجوہ سے اسکے معنے ہوتے☆ جو ایک دوسرے کی ضد نہیں اور جس طرح قرآن شریف یک دفعہ نہیں اُترا اسی طرح اسکے معارف بھی دلوں پر یکدفعہ نہیں اترتے اسی بنا پر محققین کا یہی مذہب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معارف بھی یکدفعہ آپکو نہیں ملے بلکہ تدریجی طور پر آپ نے علمی ترقیات کا دائرہ پورا کیا ہے۔ ایسا ہی میں ہوں جو بروزی طور پر آپ کی ذات کا مظہر ہوں۔ آنحضرت کی تدریجی ترقی میں سرّ یہ تھا کہ آپکی ترقی کا ذریعہ محض قرآن تھا پس جبکہ قرآن شریف کا نزول تدریجی تھا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکمیل معارف بھی تدریجی تھی اور اسی قدم پر مسیح موعود ہے جو اس وقت تم میں ظاہر ہوا۔ علم غیب خداتعالیٰ کا خاصہ ہے جس قدر وہ دیتا ہے اسی قدر ہم لیتے ہیں۔ (نزول المسیح۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 421)

اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ۔ (طٰہٰ:40)

محبت لفظ جہاں کہیں باہم انسانوں کی نسبت آیا بھی ہو اس سے درحقیقت حقیقی محبت مراد نہیں ہے بلکہ اسلامی تعلیم کی رو سے حقیقی محبت صرف خدا سے خاص ہے اور دوسری محبتیں غیر حقیقی اور مجازی طور پر ہیں۔

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ ر۔خ۔ جلد 12 صفحہ 369 حاشیہ)

☆ جس طرح اللہ تعالیٰ نے نباتات وغیرہ میں کئی قسم کے خواص رکھے ہیں مثلاً ایک بوٹی دماغ کو قوت دیتی ہے اور ساتھ ہی جگر کو بھی مفید ہے اسی طرح قرآن شریف کے ہر ایک آیت مختلف قسم کے معارف پر دلالت کرتی ہے۔ منہ

قرآن کریم میں مجاز اور استعارات

وحی حق پر از اشاراتِ خداست گر نہ فہمد جاہلے کج دل رواست

خدا کی وحی اشاروں سے بھری ہوئی ہوتی ہے اگر کوئی جاہل اور کم فہم نہ سمجھے تو یہ عین ممکن ہے

چشمۂ فیض است وحیءِ ایزدی لیکن آں فہمد کہ باشد مہتدی

خدا کی وحی فیضان کا ایک چشمہ ہے لیکن اسے وہی سمجھ سکتا ہے جو خود ہدایت یافتہ ہو۔

وحی قرآن رازہا دارد بسے نسبتے باید کہ تا فہمد کسے

قرآنی وحی میں بکثرت اسرار ہیں مناسبت ہونی چاہیئے تا کہ کوئی اسے سمجھ سکے۔

واجب آمد نسبت اندر دیں نخست کارِ بے نسبت نے آید درست

دین کے لیے پہلے مناسبت ہونی ضروری ہے بغیر مناسبت کے کام ٹھیک نہیں بیٹھتا۔

(ضیاءالحق۔ر۔خ۔جلد9 صفحہ 308)(درثمین فارسی صفحہ 213)

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ کیوں ناحق ایک ایسی بات پر زور دیتے ہیں جس کے لئے ان کے پاس کوئی یقینی ثبوت نہیں۔ **یہ لوگ خدا تعالیٰ کی کتابوں کی زبان سے محض ناواقف ہیں اگر واقف ہوتے تو سمجھتے کہ پیشگوئیوں میں کس قدر استعارات سے کام لیا جاتا ہے۔** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ سونے کے کڑے پہنے ہوئے ہیں تو اس سے مراد جھوٹے نبی تھے اور جب آپؐ کو گائیوں کا ذبح ہونا دکھایا گیا تو اس سے مراد صحابہؓ کی شہادت تھی۔ اور یہ کوئی خاص بات نہیں عام طور پر قانون الٰہی رؤیا اور پیشگوئیوں کے متعلق اس قسم کا ہے۔ **دیکھو حضرت یوسف کی رؤیا جو قرآن شریف میں ہے کیا اس سے سورج اور چاند اور ستارے مراد تھے؟ یا عزیز مصر کی رؤیا جس میں گائیں دکھائی گئی تھیں اس سے فی الواقعہ گائیں مراد تھیں یا کچھ اور؟** اس قسم کی ایک دو نہیں ہزاروں ہزار شہادتیں ملتی ہیں۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ نزول المسیح کے معاملہ میں یہ لوگ ان کو بھول جاتے ہیں اور ظاہر الفاظ پر زور دینے لگتے ہیں ان معاملات میں اختلاف کی جڑ دو ہی باتیں ہوا کرتی ہیں کہ مجاز اور استعارہ کو چھوڑ کر اس کو ظاہر پر حمل کر لیا جائے اور جہاں ظاہر مراد ہے وہاں استعارہ قرار دیا جائے **اگر پیشگوئیوں میں مجاز اور استعارہ نہیں ہے تو پھر کسی نبی کی نبوت کا ثبوت بہت مشکل ہو جاوے گا۔** (ملفوظات جلد دوم صفحہ 372)

عہد نامہ قدیم وجدید میں استعارات کا استعمال اور یہود کا ابتلاء

یہودیوں کو یہی مشکل اور آفت تو پیش آئی کیونکہ حضرت مسیح کے لئے لکھا تھا کہ اس کے آنے سے پہلے ایلیا آئے گا۔ چنانچہ ملاکی نبی کی کتاب میں یہ پیشگوئی بڑی صراحت سے درج ہے۔ یہودی اس پیشگوئی کے موافق منتظر تھے۔ کہ ایلیا آسمان سے آوے لیکن جب مسیح آ گیا اور ایلیا آسمان سے نہ اترا تو وہ گھبرائے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 372)

حقیقت واستعارہ

پھر فرمایا: ''انبیاء علیہم السلام کے آنے کے وقت لوگوں کے حالات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ وہ استعارات کو حقیقت پر محمول کرنا چاہتے ہیں اور حقیقت کو استعارہ بنانا چاہتے ہیں۔ یہی مصیبت اب ان کو پیش آئی ہے۔ یہ کوئی ایسا دجال دیکھنا چاہتے ہیں۔ جس کی آنکھ درحقیقت باہر نکلی ہوئی ہو اور پورے ستر گز کا اس کا گدھا ہو اور آسمان سے حضرت عیسیٰ کبوتر کی طرح منڈلاتے ہوئے اتریں۔ یہ کبھی ہونا ہی نہ تھا۔ یہودیوں کو بھی حضرت عیسیٰ کے وقت یہی مصیبت پیش آئی۔ وہ بھی یہی سمجھے بیٹھے تھے کہ مسیح سے پہلے جیسا کہ **ملاکی نبی کی کتاب میں لکھا ہے آسمان سے ایلیا اترے گا' چنانچہ جب مسیح آیا' تو انھوں نے یہی اعتراض کیا۔ مگر مسیح نے ان کو جواب میں یہی کہا کہ ایلیا آچکا اور وہ یحییٰ بن زکریا ہے۔ یہودی سمجھتے تھے کہ خود ایلیا آئے گا۔ اس لیے وہ منکر ہو گئے۔** چنانچہ ایک یہودی کی کتاب میں نے منگوائی تھی۔ اس میں وہ صاف لکھتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ ہم سے مواخذہ کرے گا' تو ہم ملاکی نبی کی کتاب کھول کر رکھ دیں گے اس میں تو صاف لکھا ہوا ہے کہ ایلیا پہلے آسمان سے آئے گا۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ وہ یحییٰ ہی ہوگا۔ اب ہمارا دعویٰ تو حضرت مسیح کی ہائیکورٹ سے فیصلہ ہو گیا کہ جس کے دوبارہ آنے کا وعدہ ہوتا ہے اس کی آمد ثانی کا یہ رنگ ہوتا ہے اس کی خو بو اور خواص پر کوئی دوسرا آتا ہے۔ یہی دھوکا اور غلطی ہمارے علماء کو لگی ہے۔ یہ اصل میں ایک استعارہ ہے۔ جس کو انھوں نے حقیقت پر حمل کر لیا ہے۔ ایسا ہی دجال اور اس کے دوسرے لوازمات کو حقیقت بنایا۔

عیسائیوں نے بھی دھوکا کھایا۔ حضرت عیسیٰ نے اپنے بعد فارقلیط کے آنے کی پیشگوئی کی تھی۔ عیسائیوں نے روح القدس مراد لی' حالانکہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد تھے۔ یہ لفظ فارقلیط فارق اور لیط سے مرکب ہے۔ لیط شیطان کو کہتے ہیں۔ (اور فارق کے معنی ہیں جدا کرنیوالا یعنی شیطان کو دور کرنے والا۔ ناقل)

غرض یہ بڑی خطرناک غلطی ہے جو انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے وقت لوگ کھاتے ہیں کہ استعارات کو حقیقت پر اور حقیقت کو استعارات پر محمول کر لیتے ہیں۔''

(ملفوظات جلد اول صفحہ 586)

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۔ (بنی اسرائیل:71)

وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ یعنی اٹھایا ہم نے ان کو جنگلوں میں اور دریاؤں میں۔اب کیا اس کے یہ معنے کرنے چاہئے کہ حقیقت میں خدائے تعالیٰ اپنی گود میں لے کر اٹھائے پھرا۔سو اسی طرح ملایک کے پروں پر ہاتھ رکھنا حقیقت پر محمول نہیں۔ (ازالہ اوھام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 476)

قرآن شریف میں ہمیں صاف تاکید فرمائی گئی ہے آیات متشابہات یعنی جن کا سمجھنا عقل پر مشتبہ رہے ان کے ظاہری معانی پر ہرگز زور نہیں دینا چاہیئے درحقیقت یہی مطلب اور مراد خدا تعالیٰ کی ہے۔ بلکہ اس پر ایمان لانا چاہیئے اور اس کی اصل حقیقت کو حوالہ بخدا کر دینا چاہیئے۔اب دیکھو کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی کامل تعلیم ہے کہ اسی برکت سے ہم ہزارہا ایسے جھگڑوں سے نجات پاسکتے ہیں جو قصص ماضیہ یا پیشگوئیوں کی نسبت اس زمانہ میں پیدا ہو رہے ہیں کیونکہ **ہر یک اعتراض خلاف عقل معنے کو حقیقت پر** حمل کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ **پس جبکہ ہم نے اس ضد کو ہی چھوڑ دیا اور اپنے مولیٰ کی ہدایت کے موافق تمام متشابہات میں جن کا سمجھنا عقل پر مشتبہ رہتا ہے یہی اصول مقرر کر رکھا کہ ان پر اجمالی طور پر ایمان لاویں اور ان کی اصل حقیقت حوالہ بخدا کریں تو پھر اعتراض کے لئے کوئی بنیاد پیدا نہیں ہوسکتی۔** (ازالہء اوہام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 252-251)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔(الانعام:104) **اس جگہ بظاہر انکار دیدار ہے اور اس کے مخالف یہ آیت ہے اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ**(القیامۃ: 24) **اس سے دیدار ثابت ہوتا ہے۔سو مسیح اور یحییٰ کے کلمات میں اسی قسم کا تناقض ہے جو دراصل تناقض نہیں ایک نے مجاز کو ذہن میں رکھا اور دوسرے نے حقیقت کو اس لیے کچھ تناقض نہ ہوا۔**

(ضمیمہ تریاق القلوب۔ر۔خ۔جلد15 صفحہ 463 حاشیہ)

الہام وحی رویاء وکشوف پر اکثر استعارات غالب ہوتے ہیں

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَايَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔ (شوریٰ:52)

وحی وراء الحجاب کی خدا تعالیٰ کی کلام میں ہزاروں مثالیں ہیں اس سے انکار کرنا منصف کا کام نہیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دو جھوٹے نبیوں کو دو کڑوں کی شکل میں دیکھنا اس قسم کی وحی تھی۔ گائیں ذبح ہوتے دیکھنا بھی اسی قسم کی وحی تھی۔ لمبے ہاتھوں والی بیوی کا سب بیویوں سے پہلے فوت ہونا دیکھنا بھی اسی قسم کی وحی تھی اور ملا کی نبی کی وحی میں یہ ظاہر کیا جانا کہ ایلیاء نبی دوبارہ آئے گا اور یہود کی بستیوں میں سے فلاں مقام پر نازل ہوگا یہ بھی اسی قسم کی وحی تھی اور مدینہ کی وباء کا عورت پراگندہ شکل کے طور پر نظر آنا یہ بھی اسی قسم کی وحی تھی۔ اسی طرح دجال بھی جو ایک دجل کرنے والا گروہ ہے ایک شخص مقرر کی طرح نظر آیا یہ بھی اسی قسم کی وحی ہے۔ **نبیوں کی وحیوں میں ہزاروں ایسے نمونے ہیں جن میں روحانی امور جسمانی رنگ میں نظر آئے یا ایک جماعت ایک شخص کی صورت میں نظر آئی۔ تمام نوع انسان کے لئے جس میں انبیاء علیہم السلام بھی داخل ہیں خدا تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ الہام اور وحی اور رؤیا اور کشف پر اکثر استعارات غالب ہوتے ہیں** مثلاً دو چار سو آدمی جمع کر کے ان کی خوابیں سنو تو اکثر ان میں استعارات ہوں گے۔ کسی نے سانپ دیکھا ہوگا کسی نے بھیڑیا اور کسی نے سیلاب اور کسی نے باغ اور کسی نے پھل اور کسی نے آگ اور تمام یہ امور قابل تاویل ہوں گے۔ حدیثوں میں ہے کہ قبر میں عمل صالح اور غیر صالح انسان کی صورت پر دکھائی دیتے ہیں سو یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس سے تمام تناقض دور ہوتے ہیں اور حقیقت کھلتی ہے مبارک وہ جو اس میں غور کریں۔

(ایام الصلح ۔ر۔خ۔ جلد 14 صفحہ 277)

قبل اس کے کہ اس آیت کے حل کی طرف ہم متوجہ ہوں ہم عملا دیکھتے ہیں کہ تین ہی طریقے ہیں خدا تعالیٰ کے کلام کرنے کے چوتھا کوئی نہیں (1) رؤیا (2) مکاشفہ (3) وحی...... من ورای حجاب سے مراد رؤیا کا ذریعہ ہے من ورای حجاب کے معنی یہ ہیں کہ اس پر استعارے غالب رہتے ہیں جو حجاب کا رنگ رکھتے ہیں اور یہی رؤیا کی ہیئت ہے۔

يُرْسِلَ رَسُوْلًا سے مراد مکاشفہ ہے۔ رسول کا تمثل بھی مکاشفہ میں ہی ہوتا ہے اور مکاشفہ کی حقیقت یہی ہے کہ وہ تمثلات ہی کا سلسلہ ہوتا ہے۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 381)

وَ نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَجَمَعۡنٰھُمۡ جَمۡعًا (الکھف100)

غرض اس وقت ہر ایک رشید خدا کی آواز سن لے گا اور اس کی طرف کھینچا جائے گا اور دیکھ لے گا کہ اب زمین اور آسمان دوسرے رنگ میں ہیں نہ وہ زمین ہے اور نہ وہ آسمان جیسا کہ مجھے پہلے اس سے ایک کشفی رنگ میں دکھلایا گیا کہ **میں نے ایک نئی زمین اور نیا آسمان بنایا ایسا ہی عنقریب ہونے والا ہے اور کشفی رنگ میں یہ بنانا میری طرف منسوب کیا گیا کیونکہ خدا نے اس زمانہ کے لئے مجھے بھیجا ہے لہذا اس نئے آسمان اور نئی زمین کا میں ہی موجب ہوا اور ایسے استعارات خدا کی کلام میں بہت ہیں۔** (براھین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 109)

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ۔ (الاعراف:55)

عرش اللہ تعالیٰ کی جلالی و جمالی صفات کا مظہر اتم ہے عرش کے مخلوق یا غیر مخلوق کے متعلق میں کچھ نہیں کہتا۔ اس کی تفصیل حوالہ بخدا کرنی چاہیئے۔ جنہوں نے مخلوق کہا ہے انہوں نے بھی غلطی کھائی ہے کیونکہ پھر اس سے وہ محدود لازم آتا ہے۔ اور جو غیر مخلوق کہتے ہیں وہ توحید کے خلاف کہتے ہیں کیونکہ خَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ اگر یہ غیر مخلوق ہو تو پھر اس سے باہر رہ جاتی ہے۔ مومن موحّد اس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ ہم اس کے متعلق کچھ نہیں کہتے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ یہ ایک استعارہ ہے جیسے اُفۡطِرُ وَ اَصُوۡمُ یا اُخۡطِیُٔ وَ اُصِیۡبُ فرمایا ہے **اللہ تعالیٰ استعارات کے ذریعہ کلام کرتا ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی کیفیت کو حوالہ بخدا کرتے ہیں پس ہمارا مذہب عرش کے متعلق یہی ہے کہ اس کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے کی بحث میں دخل نہ دو۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ اعلیٰ درجہ کی جلالی و جمالی تجلیات کا مظہر ہے۔** (ملفوظات جلد سوم صفحہ 634)

کلام الٰہی میں استعارات

اس پر ایک شخص نے عرض کی کہ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ خدا بھی اب روزے رکھنے لگ گیا ہے۔

فرمایا:۔

ساری کتابوں میں اس قسم کے فقرات پائے جاتے ہیں۔ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَذِکۡرِکُمۡ اٰبَآءَکُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِکۡرًا (البقرۃ:201) اور یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡھِمۡ (الفتح:11) ایسے فقرات قرآن مجید میں لکھے ہیں۔ حدیث شریف میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ تردّد کرتا ہے۔ توریت میں لکھا ہے خدا طوفان لا کے پھر پچھتایا۔ یہ تو استعارات ہوتے ہیں۔ ان پر اعتراض کرنے کے معنے ہی کیا۔ بلکہ ان سے تو سمجھا جاتا ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے اس بات کو سوچنا چاہیئے کہ بناوٹ والے انسان کو کیا مشکل بنی ہے جو وہ جان بوجھ کر ایسی باتیں کرے جن پر خواہ نخواہ اعتراض ہوں۔

دیکھو۔قرآن شریف میں صاف لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دو۔اس وقت بھی بعض نادان لوگ کہنے لگ گئے تھے کہ اب خدا مفلس اور محتاج ہو گیا ہے۔خوب یاد رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ایسے الفاظ استعمال نہ کرتا۔ اصلیت دیکھنی چاہیئے۔قرض کا مفہوم تو صرف اس قدر ہے کہ وہ شے جس کے واپس دینے کا وعدہ ہو۔ضروری نہیں کہ لینے والا مفلس بھی ہو۔ایسی باتیں ہر کتاب میں پائی جاتی ہیں۔حدیث شریف میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو لوگوں کو کہے گا کہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔میں بیمار تھا تم نے بیمار پُرسی نہ کی۔وغیرہ وغیرہ یہ تو سب استعارات ہوتے ہیں۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 314-315)

خدا نے قرآن کا نام مال رکھا ہے اور حکمت کا نام بھی مال رکھا ہے جیسا کہ فرماتا ہے یُؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِیَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ مفسر لکھتے ہیں کہ اس کے معنے ہیں مَالًا كَثِيْرًا۔ لغت میں خیر کے معنے مال کے لکھے ہیں اور ایک اور حدیث میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بڑی دعوت کی اور ہر ایک قسم کا کھانا پکایا تو بعض کھانا کھانے کے لیے آئے انہوں نے کھانا کھا کر حظ اٹھایا اور بعض نے اس دعوت سے انکار کیا وہ بے نصیب رہے۔اب دیکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پلاؤ اور قورمہ وغیرہ پکایا تھا یا روحانی کھانے تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ انبیاء اکثر روحانی امور کو طرح طرح کے پیرایوں میں بیان فرمایا کرتے ہیں اور نفسانی آدمی ان کو جسمانی امور کی طرف لے جاتے ہیں۔ بھلا ہم پوچھتے ہیں کہ مسیح آ کر درہم و دینار بہت سے تقسیم کرے گا کہ علماء وغیرہ کے گھر سونے چاندی سے بھر جائیں گے لیکن اس کا کہاں تذکرہ ہے کہ وہ لوگ جو روحانی طور پر بھوکے پیاسے ہونگے ان کی اسی طور سے پوری حاجت براری کرے گا۔**پس اگر یہ تذکرہ کسی اور جگہ نہیں تو یقیناً یاد رکھو کہ یہ وہی تذکرہ ہے جو استعارہ کے رنگ پر بیان کیا گیا ہے۔**

(مکتوبات احمد۔محررہ 22 جولائی 1900 از قادیان مندرجہ الحکم جلد 4 نمبر 27 مورخہ 23 جولائی 1900 صفحہ 3)

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِیْ۔(المائدہ:111)

اور چونکہ قرآن شریف اکثر استعارات سے بھرا ہوا ہے اس لئے ان آیات کے روحانی طور پر معنی بھی کر سکتے ہیں کہ مٹی کی چڑیوں سے مراد وہ امی اور نادان لوگ ہیں جن کو حضرت عیسیٰ نے اپنا رفیق بنایا گویا اپنی صحبت میں لے کر پرندوں کی صورت کا خاکہ کھینچا پھر ہدایت کی روح ان میں پھونک دی جس سے وہ پرواز کرنے لگے۔

(ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد 3 صفحہ 255 حاشیہ)

الٓمّٓ۔غُلِبَتِ الرُّوۡمُ۔ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَھُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِھِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ۔ فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ لِلّٰہِ الۡاَمۡرُمِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ وَیَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ۔(الروم:2-5)

جبکہ خدا تعالیٰ کے قانون قدرت نے مکاشفات اور رؤیائے صالحہ کے لئے یہی اصل مقرر کر دیا ہے کہ وہ اکثر استعارات سے پُر ہوتے ہیں تو اس اصل سے معنی کو پھیرنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہمیشہ پیشگوئیاں ظاہر پر ہی محمول ہوتی ہیں ۔اگر الحاد نہیں تو اور کیا ہے؟ صوم اور صلوٰۃ کی طرح پیشگوئی کو بھی ایک حقیقت منکشفہ سمجھنا بڑی غلطی اور بڑا بھارا دھوکہ ہے۔ یہ احکام تو وہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھلا دیئے اور بکلّی اُن کا پردہ اُٹھا دیا مگر کیا ان پیشگوئیوں کے حق میں بھی آنحضرتؐ نے یہ فرمایا ہے کہ یہ من کل الوجوہ مکشوف ہیں اور ان میں کوئی ایسی حقیقت اور کیفیت مخفی نہیں جو ظہور کے وقت سمجھ آ سکے۔ گر کوئی حدیث صحیح موجود ہے تو کیوں پیش نہیں کی جاتی......آپ لوگ جانتے ہیں کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابوجہل سے شرط لگائی اور قرآن شریف کی وہ پیشگوئی مدار شرط رکھی کہ الٓمّٓ۔غُلِبَتِ الرُّوۡمُ۔ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَھُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِھِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ۔ فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ۔ اور تین برس کا عرصہ ٹھہرایا تو آپ پیشگوئی کی صورت کو دیکھ کر فی الفور دوراندیشی کو کام میں لائے اور شرط کی کسی قدر ترمیم کرنے کے لئے ابوبکر صدیق کو حکم فرمایا اور فرمایا کہ بِضۡعِ سِنِیۡنَ کا لفظ مجمل ہے اور اکثر نو برس تک اطلاق پاتا ہے۔(ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ310,311)

مجاز۔استعارہ اور کلام انبیاء علیہم السلام

اتعجبون من هذه الاستعارة ولا تعلمون ان الاستعارات حلل كلام الانبياء فهم فی حلل ینطقون۔ اذكروا قول ابراهیم علیه السلام اعنی قوله غیر عتبة بابک ثم انظروا الی اسماعیل علیه السلام كیف فهم اشارة ابیه افهم من العتبة عتبة اور زوجته فتفكروا ایها المسلمون ۔ وانظروا الی الفاروق رضی الله عنه كیف فهم من كسر الباب موته كا كسر الباب حقیقة و ان شئتم فاقرء واحدیث حذیفة فی الصحیح للبخاری لعلكم تهتدون۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد5 صفحہ 459-458)

(ترجمہ از مرتب) تم اس استعارہ پر کیوں تعجب کرتے ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ انبیاء استعارہ کے لباس میں کلام کرتے ہیں اور اس پردہ کے پیچھے سے گفتگو کرتے ہیں۔ چنانچہ تمہیں چاہئے کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کو یاد کرو یعنی ''اپنے دروازے کی چوکھٹ تبدیل کر دو''۔ آپ کو غور کرنا چاہئے کہ حضرت اسماعیل نے اپنے باپ کے اشارے کو کس طور سے سمجھا۔ یعنی چوکھٹ سے دروازہ کی چوکھٹ سمجھا یا اس سے اپنی بیوی مراد لی۔

اے مسلمانو! غور کرو کہ حضرت عمر فاروقؓ نے دروازے کے ٹوٹنے سے اپنی موت مراد لی نہ حقیقت میں دروازہ ٹوٹنا۔ اگر تم چاہتے ہو تو اس مضمون میں حذیفہؓ کی بیان کردہ حدیث (جو کہ صحیح بخاری میں درج ہے) کا مطالعہ کرو تا کہ تم پر حقیقت کھل جائے۔

قرآن کریم کے مجازی معانی کی ضرورت

الفاظ کے معانی وسیع کرنے کے لئے

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ قرآن شریف کے ایک معنے کے ساتھ اگر دوسرے معنی بھی ہوں تو ان دونوں معنوں میں کوئی تناقص پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہدایت قرآنی میں کوئی نقص عائد حال ہوتا ہے بلکہ ایک نور کے ساتھ دوسرا نور مل کر عظمت فرقانی کی روشنی نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔ **اور چونکہ زمانہ غیر محدود انقلابات کی وجہ سے غیر محدود خیالات کا بالطبع محرک ہے لہذا اس کا نئے پیرایہ میں ہو کر جلوہ گر ہونا یا نئے نئے علوم کو بمنصہ ءظہور لانا نئے نئے بدعات اور محدثات کو دکھلانا ایک ضروری امراس کے لئے پڑا ہوا ہے۔ اب اس حالت میں ایسی کتاب جو خاتم الکتب ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اگر زمانہ کے ہر یک رنگ کے ساتھ مناسب حال اس کا تدارک نہ کرے تو وہ ہرگز خاتم الکتب نہیں ٹھہر سکتی اور اگر اس کتاب میں مخفی طور پر وہ سب سامان موجود ہے جو ہر یک حالت زمانہ کے لئے درکار ہے تو اس صورت میں ہمیں ماننا پڑے گا کہ قرآن بلاریب غیر محدود معارف پر مشتمل ہے اور ہر یک زمانہ کی ضرورت لاحقہ کا کامل طور پر متکفل ہے۔** (ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 261-259)

علامہ زمخشری آیت انی متوفیک کے یہی معنی کرتا ہے انّی مـمیتک حتف انفک یعنی اے عیسیٰ میں تجھے طبعی موت سے ماروں گا۔ حتف لغتِ عرب میں موت کو کہتے ہیں اور انف ناک کو۔ اور عربوں میں قدیم سے یہ عقیدہ چلا آتا ہے کہ انسان کی جان ناک کی راہ سے نکلتی ہے اس لیے طبعی موت کا نام انہوں نے حتف انف رکھ دیا۔ اور عربی زبان میں توفّی کے لفظ کا اصل استعمال طبعی موت کے محل پر ہوتا ہے اور جہاں کوئی شخص قتل کے ذریعہ سے ہلاک ہو وہاں قتل کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ ایسا محاورہ ہے کہ جو کسی عربی دان پر پوشیدہ نہیں **ہاں یہ عرب کے لوگوں کا قاعدہ ہے کہ کبھی ایسے لفظ کو کہ جو اپنی اصل وضع میں استعمال اس کی کسی خاص محل کے لیے ہوتا ہے ایک قرینہ قائم کر کے کسی غیر محل پر بھی مستعمل کر دیتے ہیں یعنی استعمال اس کا وسیع کر دیتے ہیں** اور جب ایسا قرینہ موجود نہ ہو تو پھر ضروری ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں وہ لفظ اپنی اصل وضع پر استعمال پاوے۔ (براھین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 381)

عمدہ اور بلیغ مجازی کلمات کو حقیقت پر اتارنا گویا ایک خوبصورت معشوق کا ایک دیو کی شکل میں خاکہ کھینچنا ہے۔ بلاغت کا تمام مدار استعارات لطیفہ پر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ کے کلام نے بھی جو ابلغ الکلم ہے جس قدر استعاروں کو استعمال کیا ہے اور کسی کے کلام میں یہ طرز لطیفہ نہیں ہے۔ اب ہر جگہ اور ہر محل میں ان پاکیزہ استعاروں کو حقیقت پر حمل کرتے جانا گویا اس کلام معجز نظام کو خاک میں ملا دینا ہے پس اس طریق سے نہ صرف خدا تعالیٰ کی پُر بلاغت کلام کا اصلی منشاء درہم برہم ہوتا ہے بلکہ ساتھ ہی اس کلام کے اعلیٰ درجہ کی بلاغت کو برباد کر دیا جاتا ہے۔ خوبصورت اور دلچسپ طریقے تفسیر کے وہ ہوتے ہیں جن میں متکلم کی اعلیٰ شان بلاغت اور اس کے روحانی اور بلند ارادوں کا بھی خیال رہے۔ نہ یہ کہ نہایت درجہ کے سفلی اور بدنما اور بے طرح موٹے معنے جو ہجو ملیح کے حکم میں ہوں اپنی طرف سے گھڑے جائیں اور خدا تعالیٰ کے پاک کلام کو جو پاک اور نازک دقائق پر مشتمل ہے صرف دہقانی لفظوں تک محدود خیال کر لیا جائے۔ (توضیح مرام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 58)

بیان کی وضاحت کی غرض سے

حَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَھَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَۃٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَھَا قَوْمًا قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْھِمْ حُسْنًا۔ (الکھف:87)

ان آیات کا سیاق سباق دیکھو کہ اس جگہ حکیمانہ تحقیق کا کچھ ذکر بھی ہے فقط ایک شخص کی دور دراز سیاحت کا ذکر ہے اور ان باتوں کے بیان کرنے سے اسی مطلب کا اثبات منظور ہے کہ وہ ایسے غیر آباد مقام پر پہنچا۔ سو اس جگہ ہیئت کے مسائل لے بیٹھنا بالکل بے محل نہیں تو اور کیا ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ آج رات بادل وغیرہ سے آسمان خوب صاف ہو گیا تھا اور ستارے آسمان کے نقطوں کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے تھے اور اس سے یہ جھگڑا لے بیٹھیں کہ کیا ستارے نقطوں کی مقدار پر ہیں اور ہیئت کی کتابیں کھول کھول کر پیش کریں تو بلاشبہ یہ حرکت بے خبروں کی سی حرکت ہوگی کیونکہ اس وقت متکلم کی نیت میں واقعی امر کا بیان کرنا مقصود نہیں وہ تو صرف مجازی طور پر جس طرح ساری دنیا جہاں بولتا ہے بات کر رہا ہے۔ اے وہ لوگو جو عشائے ربّانی میں مسیح کا لہو پیتے اور گوشت کھاتے ہو کیا ابھی تک تمہیں مجازات اور استعارات کی خبر نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ ہر ایک ملک کی عام بول چال میں مجازات اور استعارات کے استعمال کا نہایت وسیع دروازہ کھلا ہے اور وحی الٰہی انہیں محاورات و استعارات کو اختیار کرتی ہے جو سادگی سے عوام الناس نے اپنی روزمرّہ کی بات چیت اور بول چال میں اختیار کر رکھی ہیں۔ **فلسفہ کی دقیق اصطلاحات کی ہر جگہ اور ہر محل میں پیروی کرنا وحی کی طرز نہیں کیونکہ روئے سخن عوام الناس کی طرف ہے۔ پس ضرور ہے کہ ان کی سمجھ کے موافق اور ان کے محاورات کے لحاظ سے بات کی جائے۔ حقائق و دقائق کا بیان کرنا بجائے خود ہے مگر محاورات کا چھوڑنا اور مجازات و استعارات عادیہ سے یک لخت کنارہ کش ہونا ایسے شخص کے لئے ہرگز روا نہیں جو عوام الناس کے مذاق پر بات کرنا اس کا فرض منصب ہے تا وہ اس کی بات کو سمجھیں اور ان کے دلوں پر اس کا اثر ہو۔ لہٰذا یہ مسلّم ہے کہ کوئی ایسی الہامی کتاب نہیں جس میں مجازات اور استعارات سے کنارہ کیا گیا ہو یا کنارہ کرنا جائز ہو۔**

(ایک عیسائی کے تین سوال اور ان کے جوابات صفحہ 30-32)

مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ۔ (النور:36)

یہ تو عام فیضان ہے جس کا بیان آیت اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ میں ظاہر فرمایا گیا۔ یہی فیضان ہے جس نے دائرہ کی طرح ہر ایک چیز پر احاطہ کر رکھا ہے جس کے فائز ہونے کے لئے کوئی قابلیت شرط نہیں لیکن بمقابلہ اس کے ایک خاص فیضان بھی ہے جو مشروط بشرائط ہے اور انہیں افراد خاصہ پر فائز ہوتا ہے جن میں اس کے قبول کرنے کی قابلیت و استعداد موجود ہے یعنی نفوس کاملہ انبیاء علیہم السلام پر جن میں سے افضل و اعلیٰ ذات جامع البرکات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے دوسروں پر ہرگز نہیں ہوتا۔ اور چونکہ وہ فیضان ایک نہایت باریک صداقت ہے اور دقائق حکمیہؔ میں سے ایک دقیق مسئلہ ہے اس لئے خداوند تعالیٰ نے اوّل فیضان عام کو (جو بدیہی الظہور ہے) بیان کر کے پھر اس فیضان خاص کو بغرض اظہار کیفیت نور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ایک مثال میں بیان فرمایا ہے کہ جو اس آیت سے شروع ہوتی ہے مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ الخ **اور بطور مثال اس لئے بیان کیا کہ تا اس دقیقہ نازک کے سمجھنے میں ابہام اور دقت باقی نہ رہے کیونکہ معانی معقولہ کو صُورِ محسوسہ میں بیان کرنے سے ہر ایک غبی و بلید بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے۔** (براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 192 حاشیہ نمبر 11)

مجازی معانی اختیار کرنے کے لئے قرینہ کا قیام ضروری ہے

آیت قرآن کریم	الجزو	نام سورۃ
هُوَ الَّذِیۡ یَتَوَفّٰٮکُمۡ بِالَّیۡلِ وَیَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّهَارِ ثُمَّ یَبۡعَثُکُمۡ فِیۡهِ لِیُقۡضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی۔	7	الانعام
اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِهَا وَ الَّتِیۡ لَمۡ تَمُتۡ فِیۡ مَنَامِهَا فَیُمۡسِکُ الَّتِیۡ قَضٰی عَلَیۡهَا الۡمَوۡتَ وَیُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی۔	42	زمر

اب ظاہر ہے کہ ان تمام مقامات قرآن کریم میں توفّی کے لفظ سے موت اور قبض روح ہی مراد ہے اور دو موخر الذکر آیتیں اگرچہ بظاہر نیند سے متعلق ہیں مگر درحقیقت ان دونوں آیتوں میں کبھی نیند نہیں مراد لی گئی بلکہ اس جگہ بھی اصل مقصد اور مدعا موت ہے اور یہ ظاہر کرنا منظور ہے کہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہی ہے اور جیسی موت میں روح قبض کی جاتی ہے نیند میں بھی روح قبض کی جاتی ہے سو ان دونوں مقامات میں نیند پر توفی کے لفظ کا اطلاق کرنا ایک استعارہ ہے جو بہ نصب قرینہ نوم استعمال کیا گیا ہے یعنی صاف لفظوں میں نیند کا ذکر کیا گیا ہے تا ہر ایک شخص سمجھ لیوے کہ اس جگہ توفی سے مراد حقیقی موت نہیں بلکہ مجازی موت مراد ہے جو نیند ہے۔ **یہ بات ادنیٰ ذی علم کو بھی معلوم ہوگی کہ جب کوئی لفظ حقیقت مسلّمہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے یعنی ایسے معنوں پر جن کے لیے وہ عام طور پر موضوع یا عام طور پر مستعمل ہو گیا ہے تو اس جگہ متکلم کے لیے کچھ ضروری نہیں ہوتا کہ اس کی شناخت کے لیے کوئی قرینہ قائم کرے کیونکہ وہ ان معنوں میں شائع متعارف اور متبادر الفہم ہے۔ لیکن جب ایک متکلّم کسی لفظ کے معانی حقیقت مسلّمہ سے پھیر کر کسی مجازی معنی کی طرف لے جاتا ہے تو اس جگہ صراحتاً یا کنایتاً یا کسی دوسرے رنگ کے پیرایہ میں کوئی قرینہ اس کو قائم کرنا پڑتا ہے تا اس کا سمجھنا مشتبہ نہ ہو۔** اور اس بات کے دریافت کے لیے کہ متکلم نے ایک لفظ بطور حقیقت مسلّمہ استعمال کیا ہے یا بطور مجاز اور استعارہ نادرہ کے بھی کھلی کھلی علامت ہوتی ہے کہ وہ حقیقت مسلّمہ کو ایک متبادر اور شائع و متعارف لفظ سمجھ کر بغیر احتیاج قراین کے یونہی مختصر بیان کر دیتا ہے مگر مجاز یا استعارہ نادرہ کے وقت ایسا اختصار پسند نہیں کرتا بلکہ اس کا فرض ہوتا ہے کہ کسی ایسی علامت سے جس کو ایک دانشمند سمجھ سکے اپنے اس مدعا کو ظاہر کر جائے کہ یہ لفظ اپنے اصل معنوں پر مستعمل نہیں ہوا۔

(ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 268-269)

واضح رہے کہ قرآن شریف میں الناس کا لفظ بمعنی دجّال معہود بھی آتا ہے اور جس جگہ ان معنوں کو قرینہ قویہّ متعین کرے تو پھر اور معنے کرنا معصیت ہے چنانچہ قرآن شریف کے ایک اور مقام میں الناس کے معنے دجال ہی لکھا ہے اور وہ یہ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (المؤمن: 58) یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں اسرار اور عجائبات پر ہیں دجال معہود کی طبائع کی بناوٹ اس کے برابر نہیں۔ یعنی گو وہ لوگ اسرار زمین و آسمان کے معلوم کرنے میں کتنی ہی جانکاہی کریں اور کیسی ہی طبع وقاّد لاویں پھر بھی ان کی طبیعتیں ان اسرار کے انتہاء تک پہنچ نہیں سکتیں۔ یاد رہے کہ اس جگہ بھی مفسرین نے الناس سے مراد دجال معہود ہی لیا ہے دیکھو تفسیر معالم وغیرہ۔ اور قرینہ قویہ اس پر یہ ہے کہ لکھا ہے کہ دجال معہود اپنی ایجادوں اور صنعتوں سے خدا تعالیٰ کے کاموں پر ہاتھ ڈالے گا اور اس طرح پر خدائی کا دعویٰ کرے گا اور اس بات کا سخت حریص ہوگا کہ خدائی باتیں جیسے بارش برسانا اور پھل لگانا اور انسان وغیرہ حیوانات کی نسل جاری رکھنا اور سفر اور حضر اور صحت کے سامان فوق العادت طور پر انسان کے لئے مہیا کرنا ان تمام باتوں میں قادر مطلق کی طرح کارروائیاں کرے اور سب کچھ اس کے قبضہ قدرت میں ہو جائے اور کوئی بات اس کے آگے انہونی نہ رہے اور اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ۔ جلد 17 صفحہ 120)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (الانعام: 22)

ظالم سے مراد اس جگہ کافر ہے اس پر قرینہ یہ ہے کہ مفتری کے مقابل پر مکذّب کتاب اللہ کو ظالم ٹھہرایا ہے اور بلاشبہ وہ شخص جو خدا تعالیٰ کے کلام کی تکذیب کرتا ہے کافر ہے سو جو شخص مجھے نہیں مانتا وہ مجھے مفتری قرار دیکر مجھے کافر ٹھہراتا ہے۔ اس لیے میری تکفیر کی وجہ سے آپ کافر بنتا ہے۔

(حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 167 حاشیہ)

مجازی معانی۔ یعنی استعارہ اور تشبیہہ کی تعریف اور حدود

اب پہلے ہم یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ ظاہر فرما دیا ہے کہ یہ قصبہ قادیان بوجہ اس کے کہ اکثر یزیدی الطبع لوگ اس میں سکونت رکھتے ہیں دمشق سے ایک مناسبت اور مشابہت رکھتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ تشبیہات میں پوری پوری تطبیق کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات ایک ادنےٰ مماثلت کی وجہ سے بلکہ صرف ایک جزو میں مشارکت کے باعث سے ایک چیز کا نام دوسری چیز پر اطلاق کر دیتے ہیں مثلاً ایک بہادر انسان کو کہہ دیتے ہیں کہ یہ شیر ہے اور شیر نام رکھنے میں یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ شیر کی طرح اس کے پنجے ہوں اور ایسی ہی بدن پر پشم ہو اور ایک دم بھی ہو بلکہ صرف صفت شجاعت کے لحاظ سے ایسا اطلاق ہو جاتا ہے اور عام طور پر جمیع انواع استعارات میں یہ قاعدہ ہے۔ سو خدائے تعالیٰ نے اسی عام قاعدہ کے موافق اس قصبہ قادیان کو دمشق سے مشابہت دی اور اسبارہ میں قادیان کی نسبت مجھے یہ بھی الہام ہوا کہ اخرج منہ الیزیدیون یعنی اس میں یزیدی لوگ پیدا کئے گئے ہیں۔ اب اگرچہ میرا یہ دعویٰ تو نہیں اور نہ ایسی کامل تصریح سے خدائے تعالیٰ نے میرے پر کھول دیا ہے کہ

دمشق میں کوئی مثیل مسیح پیدا نہیں ہوگا بلکہ میرے نزدیک ممکن ہے کہ کسی آئندہ زمانہ میں خاص کر دمشق میں بھی کوئی مثیل مسیح پیدا ہوجائے مگر خدائے تعالےٰ خوب جانتا ہے اور وہ اسباب کا شاہد حال ہے کہ اس نے قادیان کو دمشق سے مشابہت دی ہے اور ان لوگوں کی نسبت یہ فرمایا ہے کہ یہ یزیدی الطبع ہیں یعنی اکثر وہ لوگ جو اس جگہ رہتے ہیں وہ اپنی فطرت میں یزیدی لوگوں کی فطرت سے مشابہ ہیں۔ (ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 138 حاشیہ)

پادری عبداللہ آتھم کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

آپ لکھتے ہیں دلدل میں آفتاب کا غروب ہونا سلسلہ مجازات میں داخل نہیں مگر عینٍ حمئۃٍ سے تو کالا پانی مراد ہے اور اس میں اب بھی لوگ یہی نظارہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں **اور مجازات کی بنا مشاہدات عینیہ پر ہے جیسے ہم ستاروں کو کبھی نقطہ کے موافق کہہ دیتے ہیں اور آسمان کو کبود رنگ کہہ دیتے ہیں اور زمین کو ساکن کہہ دیتے ہیں پس جبکہ انہیں اقسام میں سے یہ بھی ہے تو اس سے کیوں انکار کیا جائے۔**

(جنگ مقدس۔ر۔خ۔جلد6 صفحہ 287-288)

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۔ (المائدہ:19)

اللہ تعالیٰ نے جو ہم کو مخاطب کیا ہے کہ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ اَوْلَادِیْ۔ اس جگہ یہ تو نہیں کہا کہ تو میری اولاد ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ بمنزلہ اولاد کے ہے یعنی اولاد کی طرح ہے اور دراصل یہ عیسائیوں کی اس بات کا جواب ہے جو وہ حضرت عیسیٰ کو حقیقی طور پر ابن اللہ مانتے ہیں۔ حالانکہ خدا کی کوئی اولاد نہیں اور خدا نے یہودیوں کے اس قول کا عام طور پر کوئی ردّ نہیں کیا جو کہتے تھے۔کہ نَحْنُ اَبْنٰٓءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاؤُهٗ۔(المائدہ:19) بلکہ یہ ظاہر کیا ہے تم ان ناموں کے مستحق نہیں ہو۔ دراصل یہ ایک محاورہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے برگزیدوں کے حق میں اکرام کے طور پر ایسے الفاظ بولتا ہے جیسا کہ حدیثوں میں ہے کہ میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں اور میں اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں اور جیسا کہ حدیثوں میں ہے کہ اے بندے میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی نہ دیا اور میں بھوکا تھا تو نے مجھے روٹی نہ دی۔ ایسا ہی توریت میں بھی لکھا ہے کہ یعقوب خدا کا فرزند بلکہ تخت زادہ ہے۔ **سو یہ سب استعارے ہیں۔ جو عام طور پر خدا تعالیٰ کی عام کتابوں میں پائے جاتے ہیں اور احادیث میں ہے۔** اور خدا تعالیٰ نے یہ الفاظ میرے حق میں اسی واسطے استعمال کیے ہیں کہ تا عیسائیوں کا ردّ ہو۔ کیونکہ باوجود ان لفظوں کے میں کبھی ایسا دعویٰ نہیں کرتا۔ کہ نعوذ باللہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔ بلکہ ایسا دعویٰ کرنا کفر سمجھتے ہیں اور ایسے الفاظ جو انبیاء کے حق میں خدا تعالیٰ نے بولے ہیں ان میں سب سے زیادہ اور سب سے بڑا اعزّت کا خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔ قُلْ یٰعِبَادِیْ۔ جس کے معنے ہیں کہ اے میرے بندو!

اب ظاہر ہے۔ کہ وہ لوگ خدا تعالےٰ کے بندے تھے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بندے اس فقرہ سے ثابت ہوتا کہ ایسے الفاظ کا اطلاق استعارہ کے رنگ میں کہاں تک وسیع ہے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 356)

خدا تعالیٰ کی ذات وصفات اور ان کی تشبیہی حدود

خدا شناسی کے بارے میں وسط کی شناخت یہ ہے کہ خدا کی صفات بیان کرنے میں نہ تو نفی صفات کے پہلو کی طرف جھک جائے اور نہ خدا کو جسمانی چیزوں کا مشابہ قرار دے۔ یہی طریق قرآن شریف نے صفات باری تعالیٰ میں اختیار کیا ہے۔ چنانچہ وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ خدا دیکھتا' سنتا' جانتا' بولتا' کلام کرتا ہے۔ اور پھر مخلوق کی مشابہت سے بچانے کے لئے یہ بھی فرماتا ہے:۔

لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ (الشوریٰ:12) فَلَا تَضۡرِبُوۡا لِلّٰہِ الۡاَمۡثَالَ۔(النحل:75)

یعنی خدا کی ذات اور صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس کے لئے مخلوق سے مثالیں مت دو۔ سو خدا کی ذات کو تشبیہہ اور تنزیہ کے بین بین رکھنا یہی وسط ہے۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ۔ جلد 10 صفحہ 377-376)

ازل سے اور قدیم سے خدا میں دو صفتیں ہیں ایک صفت تشبیہی دوسری صفت تنزیہی اور چونکہ خدا کے کلام میں دونوں صفات کا بیان کرنا ضروری تھا یعنی ایک تشبیہی صفت اور دوسری تنزیہی صفت اس لئے خدا نے تشبیہی صفات کے اظہار کے لئے اپنے ہاتھ آنکھ محبت غضب وغیرہ صفات قرآن شریف میں بیان فرمائے اور پھر جبکہ احتمال تشبیہ کا پیدا ہوا تو بعض جگہ لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ کہہ دیا اور بعض جگہ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ کہہ دیا۔ (چشمہ معرفت۔ ر۔خ۔ جلد 23 صفحہ 277)

قرآنی مجاز کے چند امثال

ھُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ مِنۡہُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِھٰتٌ۔(آل عمران:8)

ترجمہ:۔ وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر وہ کتاب کہ بعض اس سے آیتیں ہیں محکم کہ وہ اصل ہیں کتاب کی اور کچھ اور متشابہ ہیں۔

یہ بات نہایت کار آمد اور یاد رکھنے کے لائق تھی کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مامور ہو کر آتے ہیں خواہ وہ رسول ہوں یا نبی یا محدث اور مجدد ان کی نسبت جو پہلی کتابوں میں یا رسولوں کی معرفت پیشگوئیاں کی جاتی ہیں ان کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک وہ علامات جو ظاہری طور پر وقوع میں آتی ہیں اور ایک متشابہات جو استعارات اور مجازات کے رنگ میں ہوتی ہیں۔ پس جن کے دلوں میں زیغ اور کجی ہوتی ہے وہ متشابہات کی پیروی کرتے ہیں اور طالب صادق بینات اور محکمات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہود اور عیسائیوں کو یہ ابتلا پیش آ چکے ہیں۔ پس مسلمانوں کے اولوا الابصار کو چاہیئے کہ ان سے عبرت پکڑیں اور صرف متشابہات پر نظر رکھ کر تکذیب میں جلدی نہ کریں اور جو باتیں خدا تعالیٰ کی طرف سے کھل جائیں ان سے اپنی ہدایت کے لیے فائدہ اٹھاویں یہ تو ظاہر ہے کہ شک یقین کو رفع نہیں کر سکتا پس پیشگوئیوں کا وہ دوسرا حصہ جو ظاہری طور پر ابھی پورا نہیں ہوا وہ ایک امر شکی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ایلیا کے دوبارہ آنے کی طرح وہ حصہ استعارات یا مجاز کے رنگ میں پورا ہو گیا ہو مگر انتظار کرنے والا اس غلطی میں پڑا ہو کہ وہ ظاہری طور پر کسی دن پورا ہو گا۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 476-477)

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا۔ (سورۃ الجنّ:26)

ان کو کہہ دے کہ میں نہیں جانتا کہ عذاب قریب ہے یا دور ہے۔ **اب اے سننے والو یاد رکھو کہ یہ بات سچ ہے اور بالکل سچ ہے اور اس کے ماننے کے بغیر چارہ نہیں خدا تعالیٰ کی پیشگوئیاں کبھی ظاہر پر پوری ہوتی ہیں اور کبھی استعارہ کے رنگ میں۔** پس کسی نبی یا رسول کو یہ حوصلہ نہیں کہ ہر جگہ اور ہر پیشگوئی میں یہ دعویٰ کر دے کہ اس طور پر یہ پیشگوئی پوری ہوگی ہاں......اس امر کا دعویٰ کرنا نبی کا حق ہے کہ وہ پیشگوئی جس کو وہ بیان کرتا ہے خارق عادت ہے یا انسانی علم سے وراء الورا ہے۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 253)

آخری زمانے کی علامات

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ۔ وَاِذَا الْکَوَاکِبُ انْتَثَرَتْ۔ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ۔ (الانفطار:2 تا 4)

اسی زمانے کی علامات میں جبکہ ارضی علوم وفنون زمین سے نکالے جائیں گے بعض ایجادات اور صناعات کو بطور نمونہ کے بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے......وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ اور جس وقت دریا چیرے جاویں گے یعنی زمین پر نہریں پھیل جائیں گی اور کاشت کاری کثرت سے ہوگی...... وَاِذَا الْکَوَاکِبُ انْتَثَرَتْ اور جس وقت تارے جھڑ جائیں گے یعنی ربانی علماء فوت ہو جائیں گے کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ زمین پر تارے گریں اور پھر زمین پر لوگ آباد رہ سکیں۔ یاد رہے کہ مسیح موعود کے آنے کے لئے اسی قسم کی پیشگوئی انجیل میں بھی ہے کہ وہ اس وقت آئے گا کہ جب زمین پر تارے گر جائیں گے اور سورج اور چاند کا نور جاتا رہے گا۔ **اور ان پیشگوئیوں کو ظاہر پر حمل کرنا اس قدر خلاف قیاس ہے کہ کوئی دانا ہرگز یہ تجویز نہیں کرے گا کہ درحقیقت سورج کی روشنی جاتی رہے گی اور ستارے زمین پر گر پڑیں اور پھر زمین بدستور آدمیوں سے آباد ہو اور اس حالت میں مسیح موعود آوے......ایسا ہی فرمایا اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور انجیل میں بھی اسی کے مطابق مسیح موعود کے آنے کی خبر دی ہے مگر ان آیتوں سے یہ مراد نہیں ہے کہ درحقیقت اس وقت آسمان پھٹ جائے گا یا اس کی قوتیں سست ہو جائیں گی بلکہ مدعا یہ ہے کہ جیسے پھٹی ہوئی چیز بیکار ہو جاتی ہے ایسا ہی آسمان بھی بیکار سا ہو جائے گا۔ آسمان سے فیوض نازل نہیں ہوں گے اور دنیا ظلمت اور تاریکی سے بھر جائے گی۔** (شہادت القرآن۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 317-319)

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا...... الآخر

وہ آیات جن میں اول ارضی تاریکی زور کے ساتھ پھیلنے کی خبر دی گئی ہے اور پھر آسمانی روشنی کے نازل ہونے کی علامتیں بتائی گئی ہیں وہ یہ ہیں اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ الخ یعنی آخری زمانہ اس وقت آئے گا کہ جس وقت زمین ایک ہولناک جنبش کے ساتھ جو اس کی مقدار کے مناسب حال ہے ہلائی جائے گی۔ یعنی اہل الارض میں ایک تغیر عظیم آئے گا اور نفس اور دنیا پرستی کی طرف لوگ جھک جائیں گے اور پھر فرمایا کہ زمین اپنے تمام بوجھ نکال ڈالے

گی۔یعنی زمینی علوم اور زمینی مکر اور زمینی چالاکیاں اور زمینی کمالات جو کچھ انسان کی فطرت میں مودع ہیں سب کی سب ظہور میں آجائیں گی اور نیز زمین جس پر انسان رہتے ہیں اپنے تمام خواص ظاہر کردے گی اور علم طبعی اور فلاحت کے ذریعہ سے بہت سی خاصیتیں اس کی معلوم ہو جائیں گی اور کانیں نمودار ہوں گی اور کاشتکاری کی کثرت ہو جائے گی۔غرض زمین زرخیز ہو جائے گی اور انواع واقسام کی کلیں ایجاد ہوں گی یہاں تک کہ انسان کہے گا کہ یہ کیا ماجرا ہے اور یہ نئے نئے علوم اور نئے نئے فنون اور نئی نئی صنعتیں کیونکر ظہور میں آتی جاتی ہیں تب زمین یعنی انسانوں کے دل زبان حال سے اپنے قصے سنائیں گے کہ یہ نئی باتیں جو ظہور میں آرہی ہیں یہ ہماری طرف سے نہیں یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کی وحی ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ انسان اپنی کوششوں سے اس قدر علوم عجیبہ پیدا کر سکے۔

اور یاد رہے کہ ان آیات کے ساتھ جو قرآن کریم میں بعض دوسری آیات جو آخرت کے متعلق ہیں شامل کی گئی ہیں وہ درحقیقت اسی سنت اللہ کے موافق شامل فرمائی گئی ہیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ورنہ اس میں کچھ شک نہیں کہ حقیقی اور مقدم معنے ان آیات کے یہی ہیں جو ہم نے بیان کئے **اور اس پر قرینہ جو نہایت قوی اور فیصلہ کرنے والا ہے یہ ہے کہ اگر ان آیات کے حسب ظاہر معنے کئے جائیں تو ایک فساد عظیم لازم آتا ہے۔**یعنی اگر ہم اس طور سے معنی کریں کہ کسی وقت باوجود قائم رہنے اس آبادی کے جو دنیا میں موجود ہے ایسے سخت زلزلے زمین پر آئیں گے جو تمام زمین کے اوپر کا طبقہ نیچے اور نیچے کا اوپر ہو جائے گا تو یہ بالکل غیر ممکن اور ممتنعات میں سے ہے۔آیت موصوفہ میں صاف لکھا ہے کہ انسان کہیں گے کہ زمین کو کیا ہو گیا۔پھر اگر حقیقتاً یہی بات سچ ہے کہ زمین نہایت شدید زلزلوں کے ساتھ زیروزبر ہو جائے گی تو انسان کہاں ہو گا جو زمین سے سوال کرے گا تو وہ پہلے ہی زلزلہ کے ساتھ زاویہ عدم میں مخفی ہو جائے گا۔علوم حسیہ کا تو کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا۔پس ایسے معنے کرنا جو بداہت باطل اور قرائن موجودہ کے مخالف ہوں گویا اسلام سے ہنسی کرانا اور مخالفین کو اعتراض کے لئے موقع دینا ہے۔پس واقعی اور حقیقی معنے یہی ہیں جو ابھی ہم نے بیان کئے۔ (شہادت القرآن۔ر۔خ۔جلد 6 صفحہ 314-316)

عرش کی حقیقت

اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى۔(طٰہٰ:6)

خدا رحمان ہے جس نے عرش پر قرار پکڑا۔اس قرار پکڑنے سے یہ مطلب ہے کہ اگرچہ اس نے انسان کو پیدا کر کے بہت سا قرب اپنا اس کو دیا مگر یہ تمام تجلیات مختص الزمان ہیں یعنی تمام تشبیہی تجلیات اس کی کسی خاص وقت میں ہیں جو پہلے نہیں تھیں مگر ازلی طور پر قرارگاہ خدا تعالیٰ کی عرش ہے جو تنزیہ کا مقام ہے کیونکہ جو فانی چیزوں سے تعلق کر کے تشبیہ کا مقام پیدا ہوتا ہے وہ خدا کی قرارگاہ نہیں کہلا سکتا وجہ یہ کہ وہ معرض زوال میں ہے اور ہر ایک وقت میں زوال اس کے سر پر ہے بلکہ خدا کی قرارگاہ وہ مقام ہے جو فنا اور زوال سے پاک ہے پس وہ مقام عرش ہے۔

(چشمہ معرفت۔ر۔خ۔جلد 23 صفحہ 277-278)

قرآنی بہشت کی حقیقت

ہمارا یہ ایمان ہے کہ کوئی فلسفہ اور سائنس خواہ وہ اپنی اس موجودہ حالت سے ہزار درجہ ترقی کر جاوے مگر قرآن ایک ایسی کامل کتاب ہے کہ یہ نئے علوم کبھی بھی اس پر غالب نہیں آ سکتے۔ مگر اس شخص کی نسبت ہم کیونکر ایسی رائے قائم کر سکتے ہیں کہ جس کی نسبت ہمیں معلوم ہے کہ اس کو علوم قرآن سے مس ہی نہیں اور اس نے اس طرف کبھی توجہ ہی نہیں کی بلکہ کبھی ایک سطر بھی قرآن شریف کی غور و تدبر کی نظر سے نہیں پڑھی۔

مثال کے طور پر قرآن کی تعلیم روحانی کا ایک فلسفہ بیان ہوا ہے جو بعد الموت اعمال کے نتیجہ میں انسان کو بہشت کے رنگ میں ملے گا جس کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی۔ بظاہر یہ ایک قصہ ہے مگر قصہ نہیں گو کہ قصہ کے رنگ میں آ گیا ہے۔ اس کی حقیقت یہی ہے کہ اس وقت کے لوگ علوم روحانی کے نہ جاننے کی وجہ سے نادان بچوں کی طرح تھے۔ **ایسے باریک اور روحانی علوم کے سمجھانے کے واسطے ان کے مناسب حال استعاروں سے کام لینا اور مثالوں کے ذریعہ سے اصل حقیقت کو ان کے ذہن نشین کرنا ضروری تھا اسی واسطے قرآن شریف نے بہشت کی حقیقت سمجھانے کے واسطے اس طریق کو اختیار کیا اور پھر یہ بھی فرمایا کہ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ (محمد:16) یہ ایک مثال ہے نہ کہ حقیقت قرآن شریف کے ان الفاظ سے صاف عیاں ہے کہ وہ جنت کوئی اور ہی چیز ہے اور حدیث میں صاف یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ان ظاہری جسمانی دنیوی امور پر نعماء جنت کا قیاس نہ کیا جاوے کیونکہ وہ ایسی چیز ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی وغیرہ۔** (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 648)

آسمان کے متعدد معانی

آسمان۔ سماء

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ۔ (الانشقاق:2)

جس وقت آسمان پھٹ جاوے...... یہ مراد نہیں ہے کہ درحقیقت اس وقت آسمان پھٹ جائے گا یا اس کی قوتیں سست ہو جائیں گی بلکہ **مدّعا یہ ہے کہ جیسے پھٹی ہوئی چیز بیکار ہو جاتی ہے ایسا ہی آسمان بھی بیکار سا ہو جائے گا۔ آسمان سے فیوض نازل نہیں ہوں گے اور دنیا ظلمت اور تاریکی سے بھر جائے گی۔**

(شہادت القرآن۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 319)

قرآن شریف میں سماء کا لفظ نہ صرف آسمان پر بولا جاتا ہے جیسا کہ عوام کا خیال ہے بلکہ کئی معنوں پر سماء کا لفظ قرآن شریف میں آیا ہے۔ چنانچہ مینہ کا نام بھی قرآن شریف میں سماء ہے اور اہل عرب مینہ کو سماء کہتے ہیں اور کتب تعبیر میں سماء سے مراد بادشاہ بھی ہوتا ہے اور آسمان کے پھٹنے سے بدعتیں اور ضلالتیں اور ہر ایک قسم کا جور اور ظلم مراد لیا جاتا ہے اور نیز ہر قسم کے فتنوں کا ظہور مراد لیا جاتا ہے۔ کتاب تعطیر الانام میں لکھا ہے **فَاِنْ رَأَى السَّمَآءَ انْشَقَّتْ دَلَّ عَلَى الْبِدْعَةِ وَالضَّلَالَةِ۔** دیکھو صفحہ 305 تعطیر الانام۔

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ۔ جلد 17 صفحہ 242 حاشیہ)

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے اور حال کی تحقیقاتیں بھی اس کی مصدّق ہیں کہ عالم کبیر بھی اپنے کمال خلقت کے وقت تک ایک گٹھڑی کی طرح تھا جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے اَوَلَمْ یَرَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ (الانبیاء:31) الجزو نمبر 17 یعنی فرماتا ہے کہ کیا کافروں نے آسمان اور زمین کو نہیں دیکھا کہ گٹھڑی کی طرح آپس میں بندھے ہوئے تھے اور ہم نے ان کو کھول دیا۔ سو کافروں نے تو آسمان اور زمین بنتا نہیں دیکھا اور نہ ان کی گٹھڑی دیکھی لیکن اس جگہ روحانی آسمان اور روحانی زمین کی طرف اشارہ ہے جس کی گٹھڑی کفار عرب کے روبرو کھل گئی اور فیضان سماوی زمین پر جاری ہو گئے۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 190-193 حاشیہ در حاشیہ)

مَقامِ ابراہیم کے معانی

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ط وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی ط وَعَھِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَھِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَ الْعٰکِفِیْنَ وَ الرُّکَّعِ السُّجُوْدِ۔ (البقرۃ:126)

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی۔ اور ابراہیم کے مقام سے نماز کی جگہ پکڑو۔ اس جگہ مقام ابراہیم سے اخلاق مرضیہّ ومعاملہ باللہ مراد ہے یعنی محبت الہیہّ اور تفویض اور رضا اور وفا یہی حقیقی مقام ابراہیم کا ہے جو امت محمدیہ کو بطور تبعیّت و وراثت عطا ہوتا ہے اور جو شخص قلب ابراہیم پر مخلوق ہے۔ اس کی اتباع بھی اسی میں ہے۔

(براھین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 608)

اور یہ جو فرمایا کہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی یہ قرآن شریف کی آیت ہے اور اس مقام میں اس کے یہ معنے ہیں کہ یہ ابراھیم جو بھیجا گیا تم اپنی عبادتوں اور عقیدوں کو اس کی طرز پر بجالاؤ۔ اور ہر ایک امر میں اس کے نمونہ پر اپنے تئیں بناؤ۔ اور جیسا کہ آیت و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد (الصّف:6) میں یہ اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر زمانہ میں ایک مظہر ظاہر ہوگا۔ گویا وہ اس کا ایک ہاتھ ہوگا جس کا نام آسمان پر احمد ہوگا اور وہ حضرت مسیح کے رنگ میں جمالی طور پر دین کو پھیلائیگا۔ ایسا ہی یہ آیت **وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ جب امت محمدیہ میں بہت فرقے ہو جائیں گے تب آخر زمانہ میں ایک ابراھیم پیدا ہوگا و ران سب فرقوں میں وہ فرقہ نجات پائیگا کہ اس ابراہیم کا پیرو ہوگا۔**

(اربعین۔ ر۔خ۔ جلد 17 صفحہ 420,421)

الہام اور وحی اور قرآن کریم کو پانی سے مشابہت

وَ اللّٰہُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ۔ (النحل:66)

اور حقیقت حال یہ ہے کہ زمین ساری کی ساری مرگئی تھی۔خدا نے آسمان سے پانی اتارا اور نئے سرے اس مردہ زمین کو زندہ کیا۔یہ ایک نشان صداقت اس کتاب کا ہے پر ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں یعنی طالب حق ہیں۔

اب غور سے دیکھنا چاہیئے کہ وہ تینوں مقدمات متذکرہ بالا کہ جن سے ابھی ہم نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سچے ہادی ہونے کا نتیجہ نکالا تھا کس خوبی اور لطافت سے آیات ممدوحہ (64 تا 66) میں درج ہیں۔ اوّل گمراہوں کے دلوں کو جو صدہا سال کی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے **زمین خشک اور مردہ سے تشبیہ دے کر اور کلام الٰہی کو مینہ کا پانی جو آسمان کی طرف سے آتا ہے** ٹھہرا کر اس قانون قدیم کی طرف اشارہ فرمایا جو امساک باراں کی شدت کے وقت میں ہمیشہ رحمت الٰہی بنی آدم کو برباد ہونے سے بچالیتی ہے اور یہ بات جتلا دی کہ یہ قانون قدرت صرف جسمانی پانی میں محدود نہیں بلکہ روحانی پانی بھی شدّت اور صعوبت کے وقت میں جو پھیل جانا عام گمراہی کا ہے ضرور نازل ہوتا ہے اور اس جگہ بھی رحمت الٰہی آفت قلوب کا غلبہ توڑنے کے لئے ضرور ظہور کرتی ہے اور پھر انہیں آیات میں یہ دوسری بات بھی بتلا دی کہ آنحضرت کے ظہور سے پہلے تمام زمین گمراہ ہو چکی تھی اور اسی طرح اخیر پر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ ان روحانی مردوں کو اس کلام پاک نے زندہ کیا اور آخر یہ بات کہہ کر کہ اس میں اس کتاب کی صداقت کا نشان ہے۔طالبین حق کو اس نتیجہ نکالنے کی طرف توجہ دلائی کہ فرقان مجید خدا کی کتاب ہے۔

(براھین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 115-116 حاشیہ 10)

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَۃٌ بِقَدَرِھَا فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًا ط وَمِمَّا یُوْقِدُوْنَ عَلَیْہِ فِی النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْیَۃٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُہٗ ط کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ط فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْھَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ ط کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ۔ (الرعد:18)

خدا نے آسمان سے پانی (اپنا کلام) اتارا سو اس پانی سے ہر یک وادی اپنی قدر کے موافق بہ نکلی۔ یعنی ہر یک کو اس میں سے اپنی طبیعت اور خیال اور لیاقت کے موافق حصہ ملا۔ طبائع عالیہ اسرار حکمیہ سے متمتع ہوئیں اور جو ان سے بھی اعلیٰ تھے انہوں نے ایک عجیب روشنی پائی کہ جو حد تحریر و تقریر سے خارج ہے اور جو کم درجہ پر تھے انہوں نے مخبر صادق کی عظمت اور کمالیت ذاتی کو دیکھ کر دلی اعتقاد سے اس کی خبروں پر یقین کر لیا اور اس طرح پر وہ بھی یقین کی کشتی میں بیٹھ کر ساحل نجات تک جا پہنچے اور صرف وہی لوگ باہر رہ گئے جن کو خدا سے کچھ غرض نہ تھی اور فقط دنیا کے ہی کیڑے تھے۔ (براہین احمدیہ ر۔خ۔جلد1 صفحہ 212 حاشیہ نمبر 11)

خدا تعالیٰ نے آسمان پر سے پانی اتارا پس اپنے اپنے قدر پر ہر یک وادی بہ نکلی یعنی جس قدر دنیا میں طبائع انسانی ہیں قرآن کریم ان کے ہر یک مرتبہ فہم اور عقل اور ادراک کی تربیت کرنے والا ہے اور یہ امر مستلزم کمال تام ہے کیونکہ **اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن کریم اس قدر وسیع دریائے معارف ہے کہ محبت الٰہی کے تمام پیاسے اور معارفِ حقّہ کے تمام تشنہ لب اسی سے پیتے ہیں۔** (کرامات الصادقین۔ ر۔خ۔ جلد 7 صفحہ 59)

میں وہ پانی ہوں کہ آیا آسماں سے وقت پر
میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 145)

انبیاء کی آمد کو قرناء (صور) سے مشابہت

وَ تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا۔ (الکھف :100)

ترجمہ:۔اور چھوڑ دیں گے ہم بعض کو ان کے اس دن کہ موجیں ماریں گے بعض میں اور پھونکا جاویگا بگل پس جمع کر دیں گے ہم انکو اچھی طرح جمع کرنا۔

خدا تعالیٰ کی طرف سے صور پھونکا جائے گا تب ہم تمام فرقوں کو ایک ہی مذہب پر جمع کر دیں گے۔ **صور پھونکنے سے اس جگہ یہ اشارہ ہے کہ اس وقت عادت اللہ کے موافق خدا تعالیٰ کی طرف سے آسمانی تائیدوں کے ساتھ کوئی مصلح پیدا ہوگا** اور اسکے دل میں زندگی کی روح پھونکی جائے گی اور وہ زندگی دوسروں میں سرایت کرے گی۔ یاد رہے کہ صور کا لفظ ہمیشہ عظیم الشان تبدیلیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ گویا جب خدا تعالیٰ اپنی مخلوقات کو ایک صورت سے منتقل کر کے دوسری صورت میں لاتا ہے تو اس تغیر صور کے وقت کو نفخ صور سے تعبیر کرتے ہیں اور اہل کشف پر مکاشفات کی رو سے اس صور کا ایک وجود جسمانی بھی محسوس ہوتا ہے اور یہ عجائبات اس عالم میں سے ہیں جن کے سرّ اس دنیا میں بجز منقطعین کے اور کسی پر کھل نہیں سکتے۔ **بہرحال آیات موصوفہ بالا سے ثابت ہے کہ آخری زمانہ میں عیسائی مذہب اور حکومت کا زمین پر غلبہ ہوگا اور مختلف قوموں میں بہت سے تنازعات مذہبی پیدا ہوں گے اور ایک قوم دوسری قوم کو دبانا چاہے گی اور ایسے زمانہ میں صور پھونک کر تمام قوموں کو دین اسلام پر جمع کیا جاوے گا یعنی سنت اللہ کے موافق آسمانی نظام قائم ہوگا اور ایک آسمانی مصلح آئے گا درحقیقت اسی مصلح کا نام مسیح موعود ہے۔** (شہادت القرآن۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 311-312)

انبیاء۔ من حیث الظل باقی رکھے جاتے ہیں

وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ (الرعد:18) یعنی جو چیز انسانوں کو نفع پہنچاتی ہے وہ زمین پر باقی رہتی ہے اب ظاہر ہے کہ دنیا میں زیادہ تر انسانوں کو نفع پہنچانے والے گروہ انبیاء ہیں کہ جو خوارق سے معجزات سے پیشگوئیوں سے حقائق سے معارف سے اپنی راست بازی کے نمونہ سے انسانوں کے ایمان کو قوی کرتے ہیں اور حق کے طالبوں کو دینی نفع پہنچاتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ دنیا میں کچھ بہت مدت تک نہیں رہتے بلکہ تھوڑی سی زندگی بسر کر کے اس عالم سے اٹھائے جاتے ہیں لیکن آیت کے مضمون میں خلاف نہیں اور ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ کا کلام خلاف واقع ہو۔ **پس انبیاء کی طرف نسبت دے کر معنی آیت کے یوں ہوں گے کہ انبیاء من حیث الظلّ باقی رکھے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ ظلی طور پر ہر یک ضرورت کے وقت میں کسی اپنے بندہ کو ان کی نظیر اور مثیل پیدا کر دیتا ہے جو انہیں کے رنگ میں ہو کر ان کی دائمی زندگی کا موجب ہوتا ہے۔** (شہادۃ القرآن۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 351-352)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام

وَرَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ (البقرۃ:254) اس جگہ صاحب درجات رفیعہ سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جن کو ظلی طور پر انتہائی درجہ کے کمالات جو کمالات الوہیت کے اظلال و آثار ہیں بخشے گئے اور وہ خلافت حقہ جس کے وجود کامل کے تحقق کے لیے سلسلہ بنی آدم کا قیام بلکہ ایجاد کل کائنات کا ہوا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود سے اپنے مرتبہ اتمّ و اکمل میں ظہور پذیر ہو کر آئینہ خدا نما ہوئے۔ (سرمہ چشم آریہ۔ ر۔خ۔ جلد 2 صفحہ 234-235 حاشیہ)

اس رفع درجات سے وہی انتہائی درجہ کا ارتفاع مراد ہے جو ظاہری اور باطنی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے اور یہ وجود باجود خیر مجسم ہے مقربین کے تین قسموں سے اعلیٰ و اکمل ہے جو الوہیت کا مظہر اتم کہلاتا ہے۔

(سرمہ چشم آریہ۔ ر۔خ۔ جلد 2 صفحہ 252 حاشیہ)

انبیاء کی چراغ اور نور سے مشابہت

وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيۡرًا۔ (الاحزاب:47)

انبیاء منجملہ سلسلہ متفاوتہ فطرت انسانی کے وہ افراد عالیہ ہیں جن کو اس کثرت اور کمال سے نور باطنی عطا ہوا ہے کہ گویا وہ نور مجسم ہو گئے ہیں اسی جہت سے قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نور اور سراج منیر رکھا ہے جیسا فرمایا ہے قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ الجز و نمبر 6 وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيۡرًا الجز نمبر 22 یہی حکمت ہے کہ نور وحی جس کے لئے نور فطرتی کا کامل اور عظیم الشان ہونا شرط ہے صرف انبیاء کو ملا اور انہیں سے مخصوص ہوا۔ (براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 196 حاشیہ نمبر 11)

خدا تعالیٰ کی طرف سے روحانی اصلاح کے لیے مقرر ہونے والے لوگ چراغ کی طرح ہوتے ہیں۔اسی واسطے قرآن شریف میں آپ کا نام دَاعِيًا اِلَى اللهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (الاحزاب:47) آیا ہے دیکھو کسی اندھیرے مکان میں جہاں سو پچاس آدمی ہوں اگر ان میں سے ایک کے پاس چراغ روشن ہو تو سب کو اس کی طرف رغبت ہو گی اور چراغ ظلمت کو پاش پاش کر کے اجالا اور نور کر دے گا۔

اس جگہ آپ کا نام چراغ رکھنے میں ایک اور باریک حکمت یہ ہے کہ ایک چراغ سے ہزاروں لاکھوں چراغ روشن ہو سکتے ہیں اور اس میں کوئی نقص بھی نہیں آتا۔ چاند سورج میں یہ بات نہیں۔اس سے مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اطاعت کرنے سے ہزاروں لاکھوں انسان اس مرتبہ پر پہنچیں گے اور آپ کا فیض خاص نہیں بلکہ عام اور جاری ہوگا۔غرض یہ سنت اللہ ہے کہ ظلمت کی انتہا کے وقت اللہ تعالیٰ اپنی بعض صفات کی وجہ سے کسی انسان کو اپنی طرف سے علم اور معرفت دے کر بھیجتا ہے اور اس کے کلام میں تاثیر اور اس کی توجہ میں جذب رکھ دیتا ہے۔اس کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔مگر وہ ان ہی کو جذب کرتے ہیں اور ان ہی پر ان کی تاثیرات اثر کرتی ہیں جو اس انتخاب کے لائق ہوتے ہیں۔دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سراجاً منیراً ہے۔مگر ابوجہل نے کہاں قبول کیا؟ ؎

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست

در باغ لالہ روید و در شورہ بوم و خس

(ترجمہ:-بارش جو طبعی طور پر اچھی ہے۔مگر وہ باغ میں پھول اور شورہ زمین میں خس وخاشاک پیدا کرتی ہے۔)

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 664-665)

من در حریمِ قدس چراغِ صداقتم　　دستش محافظ است زہر بادِ صرصرم

(ترجمہ:۔میں درگاہ قدس میں صداقت کا چراغ ہوں۔اسی کا ہاتھ ہر تیز ہوا سے میری حفاظت کرنے والا ہے۔)

(ازالۂ اوہام حصہ اول)(درثمین فارسی مترجم صفحہ 1666)

و كذالک لفظ المنارة التى جاء فى الحديث فانه يعنى به موضع نور و قد يطلق على علم يهتدى به فهذه اشارت الى ان المسيح الاتى يعرف بانوار تسبق دعواه فهى تكون له كعلم به يهتدون و نظيره فى القران قوله تعالى و داعيا الى الله باذنه و سراجا منيرا۔ (الاحزاب:47)

ترجمہ از مرتب:۔حدیث میں جو لفظ منارہ آیا ہے اس سے نور کی جگہ مراد ہے اور کبھی اس کا اطلاق اس نشان راہ پر ہوتا ہے جس سے راہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔**پس یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آنے والا مسیح اپنے دعویٰ سے پہلے ظاہر ہونے والے انوار کی وجہ سے پہچانا جائے گا اور وہ اس کے لئے ایسی علامات کی مانند ہوں گے جس کے ذریعہ لوگ ہدایت پائیں گے** اور اس کی نظیر قرآن مجید میں موجود ہے جیسے فرمایا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد 5 صفحہ 457-458)

ایک گاؤں میں سو گھر تھے اور صرف ایک گھر میں چراغ جلتا تھا تب جب لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ اپنے اپنے چراغ لے کر آئے اور سب نے اس چراغ سے اپنے چراغ روشن کئے۔اسی طرح ایک روشنی سے کثرت ہو سکتی ہے۔اسی طرف اللہ تعالیٰ اشارہ کر کے فرماتا ہے۔ وَ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا۔

(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد 21 صفحہ 425)

امانت سے مراد عشق الٰہی اور انسانی قویٰ

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَحَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا۔ (الاحزاب:73)

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡض ...... اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا ۔یعنی ہم نے اپنی امانت کو جس سے **مراد عشق محبتِ الٰہی اور مورد ابتلا ہو کر پھر پوری اطاعت کرنا ہے**۔آسمان کے تمام فرشتوں اور زمین کی تمام مخلوقات اور پہاڑوں پر پیش کیا جو بظاہر قوی ہیکل چیزیں تھیں۔سوان سب چیزوں نے اس امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس کی عظمت کو دیکھ کر ڈر گئیں مگر انسان نے اس کو اٹھا لیا کیونکہ انسان میں یہ دو خوبیاں تھیں ایک یہ کہ وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے نفس پر ظلم کر سکتا تھا دوسری یہ خوبی کہ وہ خدائے تعالیٰ کی محبت میں اس درجہ تک پہنچ سکتا تھا جو غیر اللہ کو بکلّی فراموش کر دے۔ (توضیح مرام۔ر۔خ۔جلد3صفحہ 75-76)

اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهۡلِهَا وَاِذَاحَكَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُكُمۡ بِهٖؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِیۡعًاۢ بَصِیۡرًا۔ (النساء:59)

امانت سے مراد انسان کامل کے وہ تمام قویٰ اور عقل اور علم اور دل اور جان اور حواس اور خوف اور محبت اور عزت اور وجاہت اور جمیع نعماء روحانی وجسمانی ہیں جو خدا تعالیٰ انسان کامل کو عطا کرتا ہے اور پھر انسان کامل برطبق آیت اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهۡلِهَا اس ساری امانت کو جناب الٰہی کو واپس دیدیتا ہے یعنی اس میں فانی ہو کر اس کے راہ میں وقف کر دیتا ہے......اور یہ شان اعلیٰ اور اکمل اور اتم طور پر ہمارے سید ہمارے مولیٰ ہمارے ہادی نبی امی صادق مصدوق محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی تھی۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد5صفحہ 161-162حاشیہ)

امّت کی مثال عورت سے

حضرت کرشن علیہ السلام کے متعلق فرمایا:۔

ان کے متعلق جو گوپیوں کی کثرت مشہور ہے اصل میں ہمارے خیال میں بات یہ ہے کہ امت کی مثال عورت سے بھی دی جاتی ہے چنانچہ قرآن شریف سے بھی اس کی نظیر ملتی ہے جیسا کہ فرماتا ہے ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا امۡرَاَتَ فِرۡعَوۡنَ (التحریم:12) یہ ایک نہایت ہی باریک رنگ کا لطیف استعارہ ہوتا ہے۔امت میں جوہر صلاحت ہوتا اور نبی اور امت کے تعلق سے بڑے بڑے حقائق معارف اور فیض کے چشمے پیدا ہوتے ہیں اور نبی اور امت کے سچے تعلق سے وہ نتائج پیدا ہوتے ہیں جن سے خدائی فیضان اور رحم کا جذب ہوتا ہے۔پس کرشن اور گوپیوں کے ظاہری قصہ کی تہہ میں ہمارے خیال میں یہی رازِ حقیقت پنہاں ہے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 461)

خدا تعالیٰ کی کتب میں نبی کے ماتحت امت کو عورت کہا جاتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ایک جگہ نیک بندوں کی تشبیہ فرعون کی عورت سے دی گئی ہے اور دوسری جگہ عمران کی بیوی سے مشابہت دی گئی ہے۔ اناجیل میں بھی مسیح کو دولہا اور امت کو دلہن قرار دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امت کے واسطے نبی کی ایسی ہی اطاعت لازم ہے جیسی کہ عورت کو مرد کی اطاعت کا حکم ہے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 360-361)

بنی اسرائیل کے معانی

یبنی اسراء یل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم و اوفو ابعهدی اوف بعهدکم و ایای فارهبون۔ (البقرۃ:41)

بنی اسرائیل خدا تعالیٰ کا دیا ہوا لقب ہے اسرائیل کے معنے ہیں جو خدا سے بے وفائی نہیں کرتے اس کی اطاعت اور محبت کے رشتہ میں منسلک قوم حقیقی اور اصلی طور پر اسلام کے یہی معنے ہیں بہت سی پیشگوئیوں میں جو اسرائیل کا نام رکھا ہے۔ یہ قلت فہم کی وجہ سے لوگوں کو سمجھ نہیں آئی ہیں اسرائیل سے مراد اسلام ہی ہے اور وہ پیشگوئیاں اسلام کے حق میں ہیں۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 451)

پاک کلمات کی درختوں سے مشابہت

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۔ (ابراهيم:25-26)

پاک کلمات پاک درختوں سے مشابہت رکھتے ہیں جن کی جڑھ مضبوط ہے اور شاخیں آسمان میں اور ہمیشہ اور ہر وقت تر و تازہ پھل دیتے ہیں۔ (سرمہ چشم آریہ۔ ر۔خ۔ جلد 2 صفحہ 158)

کلمہ طیبہ درخت کی مثال ہے۔ اب اس جگہ اللہ تعالیٰ نے کھول دیا کہ وہ ایمان جو ہے وہ بطور تخم اور شجر کے ہے اور اعمال جو ہیں وہ آبپاشی کی بجائے ہیں قرآن شریف میں کسان کی مثال ہے کہ جیسا وہ زمین میں تخم ریزی کرتا ہے ویسا ہی یہ ایمان کی تخم ریزی ہے۔ وہاں آبپاشی ہے یہاں اعمال۔

پس یاد رکھنا چاہیئے کہ ایمان بغیر اعمال کے ایسا ہے جیسے کوئی باغ بغیر انہار کے۔ جو درخت لگایا جاتا ہے اگر مالک اس کی آبپاشی کی طرف توجہ نہ کرے تو ایک دن خشک ہو جائے گا اسی طرح ایمان کا حال ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا (العنکبوت:70) یعنی تم ہلکے ہلکے کام پر نہ رہو بلکہ اس راہ میں بڑے بڑے مجاہدات کی ضرورت ہے۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 649 مع حاشیہ)

ایمان کی باغات کے ساتھ تشبیہ
اعمال کی نہر اور پانی کے ساتھ تشبیہ

وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ کُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا ۙ قَالُوۡا هٰذَا الَّذِیۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَ اُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَ لَهُمۡ فِیۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ٭ۙ وَّ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ۔ (البقرۃ:26)

یعنی جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل بجالاتے ہیں وہ ان باغوں کے وارث ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ایمان کو باغ کے ساتھ مشابہت دی جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

پس واضح رہے کہ اس جگہ ایک اعلیٰ درجہ کی فلاسفی کے رنگ میں بتلایا گیا ہے کہ جو رشتہ نہروں کا باغ کے ساتھ ہے وہی رشتہ اعمال کا ایمان کے ساتھ ہے پس جیسا کہ کوئی باغ بغیر پانی کے سرسبز نہیں رہ سکتا ایسا ہی کوئی ایمان بغیر نیک کاموں کے زندہ ایمان نہیں کہلا سکتا اگر ایمان ہو اور اعمال نہ ہوں تو وہ ایمان ہیچ ہے اور اگر اعمال ہوں اور ایمان نہ ہو تو وہ اعمال ریاکاری ہیں اسلامی بہشت کی یہی حقیقت ہے کہ وہ اس دنیا کے ایمان اور عمل کا ایک ظل ہے وہ کوئی نئی چیز نہیں جو باہر سے آکر انسان کو ملے گی بلکہ انسان کی بہشت انسان کے اندر سے ہی نکلتی ہے اور ہر ایک کی بہشت اسی کا ایمان اور اسی کے اعمال صالحہ ہیں جن کی اسی دنیا میں لذت شروع ہو جاتی ہے اور پوشیدہ طور پر ایمان اور اعمال کے باغ نظر آتے ہیں۔ اور نہریں بھی دکھائی دیتی ہیں لیکن عالم آخرت میں یہی باغ کھلے طور پر محسوس ہوں گے خدا کی **پاک تعلیم ہمیں یہی بتلاتی ہے کہ سچا اور پاک اور مستحکم اور کامل ایمان جو خدا اور اس کی صفات اور اس کے ارادوں کے متعلق ہو وہ بہشت خوش نما اور باروردرخت ہے اور اعمال صالحہ اس بہشت کی نہریں ہیں۔**

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ۔ جلد 10 صفحہ 390)

پلید کلمہ کی خبیث درخت سے مشابہت

وَ مَثَلُ کَلِمَةٍ خَبِیۡثَةٍ کَشَجَرَةٍ خَبِیۡثَةِ ۣاجۡتُثَّتۡ مِنۡ فَوۡقِ الۡاَرۡضِ مَا لَهَا مِنۡ قَرَارٍ۔ (ابراھیم:27)

پلید کلمہ اس درخت کے ساتھ مشابہ ہے جو زمین میں سے اکھڑا ہوا ہو یعنی فطرت انسانی اس کو قبول نہیں کرتی اور کسی طور سے وہ قرار نہیں پکڑتا۔ نہ دلائل عقلیہ کے رو سے نہ کچھ قانون قدرت کی رو سے نہ کانشنس کی رو سے صرف قصہ اور کہانی کے رنگ میں ہوتا ہے اور جیسا کہ قرآن شریف نے عالم آخرت میں ایمان کے پاک درختوں کو انگور اور انار اور عمدہ عمدہ میووں سے مشابہت دی ہے اور بیان فرمایا ہے کہ اس روز وہ ان میووں کی صورت میں متمثل ہوں گے اور دکھائی دیں گے۔ ایسا ہی بے ایمانی کے خبیث درخت کا نام عالم آخرت میں زقوم رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اَذٰلِکَ خَیۡرٌ نُّزُلًا اَمۡ شَجَرَةُ الزَّقُّوۡمِ۔ (الصّٰفّٰت:63)

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ۔ جلد 10 صفحہ 392-391)

اَذٰلِکَ خَیۡرٌ نُّزُلًا اَمۡ شَجَرَۃُ الزَّقُّوۡمِ o اِنَّا جَعَلۡنٰھَا فِتۡنَۃً لِّلظّٰلِمِیۡنَ o اِنَّھَا شَجَرَۃٌ تَخۡرُجُ فِیۡۤ اَصۡلِ الۡجَحِیۡمِ o طَلۡعُھَا کَاَنَّہٗ رُءُوۡسُ الشَّیٰطِیۡنِ o (الصفت63-66)

جیسا کہ قرآن شریف نے عالم آخرت میں ایمان کے پاک درختوں کو انگور اور انار اور عمدہ عمدہ میووں سے مشابہت دی ہے اور بیان فرمایا ہے کہ اس روز وہ ان میووں کی صورت میں متمثل ہوں گے اور دکھائی دیں گے ایسا ہی بے ایمانی کے خبیث درخت کا نام عالم آخرت میں زقوم رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے کہ اَذٰلِکَ خَیۡرٌ نُّزُلًا اَمۡ شَجَرَۃُ الزَّقُّوۡمِ ...... تم بتلاؤ کہ بہشت کے باغ اچھے ہیں یا زقوم کا درخت جو ظالموں کے لئے ایک بلا ہے۔ وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی جڑھ میں سے نکلتا ہے یعنی تکبر اور خود بینی سے پیدا ہوتا ہے۔ یہی دوزخ کی جڑھ ہے اس کا شگوفہ ایسا ہے جیسا کہ شیطان کا سر۔ شیطان کے معنے ہیں ہلاک ہونے والا۔ یہ لفظ شیط سے نکلا ہے۔ پس حاصل کلام یہ ہے کہ اس کا کھانا ہلاک ہونا ہے۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ۔ جلد10 صفحہ 392)

انبیاء کی بعثت کی بارش سے تشبیہ

وَالۡبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخۡرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذۡنِ رَبِّہٖ وَالَّذِیۡ خَبُثَ لَا یَخۡرُجُ اِلَّا نَکِدًا کَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّشۡکُرُوۡنَ۔ (الاعراف:59)

قرآن شریف نے انبیاء ورسل کی بعثت کی مثال مینہ سے دی ہے وَالۡبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخۡرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذۡنِ رَبِّہٖ وَالَّذِیۡ خَبُثَ لَا یَخۡرُجُ اِلَّا نَکِدًا۔ یہ تمثیل اسلام کی ہے جب کوئی رسول آتا ہے تو انسانی فطرتوں کے سارے خواص ظاہر ہو جاتے ہیں ان کے ظہور کا یہ خاصہ اور علامات ہیں۔ کہ مخلص سعید الفطرت اور مستعد طبیعت کے لوگ اپنے اخلاص اور ارادت میں ترقی کرتے ہیں اور شریر شرارت میں بڑھ جاتے ہیں۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 422)

وَ ھُوَ الَّذِیۡ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا قَنَطُوۡا وَ یَنۡشُرُ رَحۡمَتَہٗ وَھُوَ الۡوَلِیُّ الۡحَمِیۡدُ۔ (الشوریٰ:29)

اللہ وہ ذات کامل الرحمت ہے کہ اس کا قدیم سے یہی قانون قدرت ہے کہ اس تنگ حالت میں وہ ضرور مینہ برساتا ہے کہ جب لوگ ناامید ہو چکتے ہیں پھر زمین پر اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے اور وہی کارساز حقیقی اور ظاہراً و باطناً قابل تعریف ہے یعنی جب سختی اپنی نہایت کو پہنچ جاتی ہے اور کوئی صورت مخلصی کی نظر نہیں آتی تو اس صورت میں اس کا یہی قانون قدیم ہے کہ وہ ضرور عاجز بندوں کی خبر لیتا ہے اور ان کو ہلاکت سے بچاتا ہے اور جیسے وہ جسمانی سختی کے وقت رحم فرماتا ہے اسی طرح جب روحانی سختی یعنی ضلالت اور گمراہی اپنی حد کو پہنچ جاتی ہے اور لوگ راہ راست پر قائم نہیں رہتے تو اس حالت میں بھی وہ ضرور اپنی طرف سے کسی کو مشرف بوحی کر کے اور اپنے نور خاص کی روشنی عطا فرما کر ضلالت کی مہلک تاریکی کو اس کے ذریعہ سے اٹھاتا ہے۔ (براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد1 صفحہ 665-664)

پہاڑ۔ سے مراد مشکلات ہیں

وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَ کَلَّمَہٗ رَبُّہٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ قَالَ لَنْ تَرٰینِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوْفَ تَرٰینِیْ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا فَلَمَّا اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (الاعراف:144)

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا ۔ پس جب کہ خدا نے پہاڑ پر تجلی کی تو اس کو پاش پاش کر دیا۔ یعنی مشکلات کے پہاڑ آسان ہوئے۔ (براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد1 صفحہ 615,516 حاشیہ درحاشیہ نمبر3)

جب خدا مشکلات کے پہاڑ پر تجلی کرے گا تو انہیں پاش پاش کر دے گا۔

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد1 صفحہ 665 حاشیہ درحاشیہ نمبر4)

خلق کے معانی۔ حضرت عیسیٰ کا خلق حقیقی نہیں تھا۔

اگر یہ وسواس دل میں گذرے کہ پھر اللہ جلّ شانہٗ نے مسیح ابن مریم کی نسبت اس قصہ میں جہاں پرندہ بنانے کا ذکر ہے تَخْلُقُ کا لفظ کیوں استعمال کیا ہے جس کے بظاہر یہ معنی ہیں کہ تو پیدا کرتا ہے۔ **اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ حضرت عیسیٰ کو خالق قرار دینا بطور استعارہ ہے** جیسا کہ اس دوسری آیت میں فرمایا ہے فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ۔ (المؤمنون:15) بلاشبہ حقیقی اور سچا خالق خدا تعالیٰ ہے اور جو لوگ مٹی یا لکڑی کے کھلونے بناتے ہیں وہ بھی خالق ہیں مگر جھوٹے خالق جن کے فعل کی اصلیت کچھ بھی نہیں۔ (ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد3 صفحہ 260 حاشیہ)

خدا کے ہاتھ سے مراد۔ اس کے قادرانہ تصرفات ہیں

وَ قَالَتِ الْیَھُوْدُ یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ غُلَّتْ اَیْدِیْھِمْ وَ لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ یَدٰہُ مَبْسُوْطَتٰنِ یُنْفِقُ کَیْفَ یَشَآءُ۔ (المائدہ:65)

یہود نے کہا کہ خدا کا ہاتھ باندھا ہوا ہے یعنی جو کچھ ہے انسان کی تدبیروں سے ہوتا ہے **اور خدا اپنے قادرانہ تصرفات سے عاجز ہے** سو خدا نے ہمیشہ کے لیے یہودیوں کے ہاتھ کو باندھ دیا ہے تا اگر ان کے فکر اور ان کی تدبیریں کچھ چیز ہیں تو ان کے زور سے دنیا کی حکومتیں اور بادشاہتیں حاصل کر لیں۔ (براھین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد1 صفحہ 249 حاشیہ)

جیسا کہ اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے کہ خَلَقْتُ بِیَدَیَّ یعنی آدم کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ہے۔ **ظاہر ہے کہ خدا کے ہاتھ انسان کی طرح نہیں ہیں۔ پس دونوں ہاتھ سے مراد جمالی اور جلالی تجلی ہے۔ پس اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آدم کو جلالی اور جمالی تجلی کا جامع پیدا کیا گیا۔**

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ۔ جلد17 صفحہ 281-282 حاشیہ)

دین کو تجارت سے تشبیہہ

مال چونکہ تجارت سے بڑھتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے بھی طلب دین اور ترقی دین کی خواہش کو ایک تجارت ہی قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ (الصف:11) سب سے عمدہ تجارت دین کی ہے جو دردناک عذاب سے نجات دیتی ہے۔ پس میں بھی خدا تعالیٰ کے ان ہی الفاظ میں تمہیں یہ کہتا ہوں کہ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 142)

رات اور دن سے انتشار ضلالت اور انتشار ہدایت مراد ہے

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا۔ (بنی اسرائیل:13)

ہم نے رات اور دن دو نشانیاں بنائی ہیں یعنی انتشار ضلالت جو رات سے مشابہ ہے اور انتشار ہدایت جو دن سے مشابہ۔ رات جب اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے تو دن کے چڑھنے پر دلالت کرتی ہے اور دن جب اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے تو رات کے آنے کی خبر دیتا ہے سو ہم نے رات کا نشان محو کر کے دن کا نشان رہنما بنایا یعنی جب دن چڑھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے اندھیرا تھا سو دن کا نشان ایسا روشن ہے کہ رات کی حقیقت بھی اسی سے کھلتی ہے اور رات کا نشان یعنی ضلالت کا زمانہ اس لئے مقرر کیا گیا کہ دن کے نشان یعنی انتشار ہدایت کی خوبی اور زیبائی اسی سے ظاہر ہوتی ہے کیونکہ خوبصورت کا قدر و منزلت بدصورت سے ہی معلوم ہوتا ہے اس لئے حکمت الٰہیہ نے یہی چاہا کہ ظلمت اور نور علیٰ سبیل التبادل دنیا میں دَور کرتے رہیں جب نور اپنے کمال کو پہنچ جائے تو ظلمت قدم بڑھاوے اور جب ظلمت اپنے انتہائی درجہ تک پہنچ جائے تو پھر نور اپنا پیارا چہرہ دکھاوے۔ سو استیلا ظلمت کا نور کے ظہور پر ایک دلیل ہے اور استیلا نور کا ظلمت کے آنے کا ایک سبیل ہے۔ ہر کمال را زوالے مثل مشہور ہے۔ سو اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب ظلمت اپنے کمال کو پہنچ گئی اور برو بحر ظلمت سے بھر گئے تو ہم نے مطابق اپنے قانون قدیم کے نور کے نشان کو ظاہر کیا تا دانشمند لوگ قادر مطلق کی قدرتِ نمایاں کو ملاحظہ کر کے اپنے یقین اور معرفت کو زیادہ کریں۔

(براہین احمدیہ ۔ ر۔ خ۔ جلد 1 صفحہ 635-637)

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِی النَّھَارِ وَ تُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ (آل عمران :28)

جاننا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ نے اس بات کو بڑے پُر زور الفاظ سے قرآن شریف میں بیان کیا ہے کہ دنیا کی حالت میں قدیم سے ایک مدوجزر واقعہ ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے جو فرمایا ہے تُوْلِجُ الَّيْلَ فِی النَّھَارِ وَ تُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ یعنی اے خدا کبھی تو رات کو دن میں اور کبھی دن کو رات میں داخل کرتا ہے **یعنی ضلالت کے غلبہ پر ہدائت اور ہدائت کے غلبہ پر ضلالت کو پیدا کرتا ہے اور حقیقت اس مدوجزر کی یہ ہے کہ کبھی بامر اللہ تعالیٰ انسانوں کے دلوں میں ایک صورت انقباض اور محجوبیت کی پیدا ہو جاتی ہے اور دنیا کی آرائشیں ان کو عزیز معلوم ہونے لگتی ہیں اور تمام ہمتیں ان کی اپنی دنیا کے درست کرنے میں اور اس کے عیش حاصل کرنے کی طرف مشغول ہو جاتی ہیں یہ ظلمت کا زمانہ ہے جس کے انتہائی نقطہ کی رات لیلۃ القدر کہلاتی ہے اور وہ لیلۃ القدر ہمیشہ آتی ہے مگر کامل طور پر اس وقت آئی تھی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا دن آ پہنچا تھا۔**

(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد 1 صفحہ 645-646)

قرآن کریم میں رسول کا لفظ عام ہے۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُکُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا۔ (الجن:27-28)

رسول کا لفظ عام ہے جس میں رسول اور نبی اور محدّث داخل ہیں۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد 5 صفحہ 322)

کامل طور پر غیب کا بیان کرنا صرف رسولوں کا کام ہے دوسرے کو یہ مرتبہ عطا نہیں ہوتا۔ **رسولوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں خواہ وہ نبی ہوں یا رسول یا محدّث اور مجدّد ہوں۔**

(ایام الصلح۔ر۔خ۔جلد 14 صفحہ 419 حاشیہ)

انسان کی زمین سے تشبیہہ

انسان کو زمین سے بھی تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ذکر ہے کہ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا۔(الحدید:18) ارض کے زندہ کرنے سے مراد اہل زمین ہیں۔(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 462)

یہ عام محاورہ قرآن شریف کا ہے کہ زمین کے لفظ سے انسانوں کے دل اور ان کی باطنی قویٰ مراد ہوتی ہیں جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ ایک جگہ فرماتا ہے اَنَّ اللّٰہَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا۔ (ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد 3 صفحہ 168)

زمین سے مراد۔ انسان اور انسان کا دل ہے

خدا تعالیٰ نے قلب کا نام بھی زمین رکھا ہے۔ اَنَّ اللّٰہ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا **(الحدید:18)** زمین کا کس قدر تردّد کرنا پڑتا ہے بیل خریدتا ہے' ہل چلاتا ہے' تخم ریزی کرتا ہے' آبپاشی کرتا ہے۔ غرضیکہ بہت بڑی محنت کرتا ہے اور جب تک خود دخل نہ دے کچھ بھی نہیں بنتا...... **ٹھیک اسی طرح پر ارض دل کی خاصیت ہے جو اس کو بے عزتی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اس کو خدا تعالیٰ کا فضل اور برکت نہیں ملتی۔** (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 351)

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَہَا

یہ اس جگہ زمین سے مراد زمین کے رہنے والے ہیں اور یہ عام محاورہ قرآن شریف کا ہے کہ زمین کے لفظ سے انسانوں کے دل اور ان کی باطنی قوٰی مراد ہوتی ہیں جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ ایک جگہ فرماتا ہے اِعۡلَمُوۡا اَنَّ اللّٰہَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا (الحدید:18) جیسا کہ فرماتا ہے وَالۡبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخۡرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذۡنِ رَبِّہٖ وَالَّذِیۡ خَبُثَ لَا یَخۡرُجُ اِلَّا نَکِدًا (الاعراف:59) ایسا ہی قرآن شریف میں بیسیوں نظیریں موجود ہیں جو پڑھنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ (ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد3 صفحہ 169-168)

قرآن کریم کی پانی سے تشبیہہ

ہم نے آسمان سے پاک پانی اتارا یعنی قرآن تا ہم اس کے ساتھ مردہ زمین کو زندہ کریں۔

(ازالہ اوھام۔ ر۔خ۔ جلد3 صفحہ 322)

زنجیروں سے مراد دنیا میں گرفتار انسان ہے

اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ سَلٰسِلَا۠ وَ اَغۡلٰلًا وَّ سَعِیۡرًا۔ (الدھر:5)

ہم نے منکروں کے لئے جو سچائی کو قبول کرنا نہیں چاہتے زنجیریں تیار کر دی اور طوق گردن اور ایک افروختہ آگ کی سوزش۔ **اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ سچے دل سے خدائے تعالیٰ کو نہیں ڈھونڈتے ان پر خدا کی طرف سے رجعت پڑتی ہے۔ وہ دنیا کی گرفتاریوں میں ایسے مبتلا رہتے ہیں کہ گویا پابہ زنجیر ہیں اور زمینی کاموں میں ایسے نگونسار ہوتے ہیں کہ گویا ان کی گردن میں ایک طوق ہے** جو ان کو آسمان کی طرف سر نہیں اٹھانے دیتا اور ان کے دلوں میں حرص و ہوا کی ایک سوزش لگی ہوئی ہوتی ہے کہ یہ مال حاصل ہو جائے اور یہ جائیداد مل جائے اور فلاں ملک ہمارے قبضہ میں آ جائے اور فلاں دشمن پر ہم فتح پائیں۔ اس قدر روپیہ ہو۔ اتنی دولت ہو۔ سو چونکہ خدائے تعالیٰ ان کو نالائق دیکھتا ہے اور برے کاموں میں مشغول پاتا ہے اس لئے یہ تینوں بلائیں ان کو لگا دیتا ہے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ۔ جلد10 صفحہ 388)

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ۔ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ (الحاقة:31-33)

اس جہنمی کو پکڑو۔ اس کی گردن میں طوق ڈالو۔ پھر دوزخ میں اس کو جلاؤ۔ پھر ایسی زنجیر میں جو پیمائش میں ستّر گز ہے اس کو داخل کرو۔ جاننا چاہیئے کہ ان آیات میں ظاہر فرمایا کہ دنیا کا روحانی عذاب عالم معاد میں جسمانی طور پر نمودار ہوگا **چنانچہ طوق گردن دنیا کی خواہشوں کا جس نے انسان کے سر کو زمین کی طرف جھکا رکھا تھا وہ عالم ثانی میں ظاہری صورت میں نظر آجائے گا اور ایسا ہی دنیا کی گرفتاریوں کی زنجیر پیروں میں پڑی ہوئی دکھائی دے گی اور دنیا کی خواہشوں کی سوزشوں کی آگ ظاہر ظاہر بھڑکی ہوئی نظر آئے گی۔**

فاسق انسان دنیا کی زندگی میں ہوا و ہوس کا ایک جہنم اپنے اندر رکھتا ہے اور ناکامیوں میں اس جہنم کی سوزشوں کا احساس کرتا ہے۔ پس جبکہ اپنی فانی شہوات سے دور ڈالا جائے گا اور ہمیشہ کی ناامیدی طاری ہوگی خدائے تعالیٰ ان حسرتوں کو جسمانی آگ کے طور پر اس پر ظاہر کرے گا جیسا کہ فرماتا ہے۔

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ (سبا:55)

یعنی ان میں اور ان کی خواہشوں کی چیزوں میں جدائی ڈالی جائے گی اور یہی عذاب کی جڑھ ہوگی اور پھر جو فرمایا کہ ستّر گز کی زنجیر میں اس کو داخل کرو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک فاسق بسا اوقات ستّر برس کی عمر پالیتا ہے بلکہ کئی دفعہ اس دنیا میں اس کو ایسے برس بھی ملتے ہیں کہ خورد سالی کی عمر اور پیر فرتوت ہونے کی عمر الگ کر کے پھر اس قدر صاف اور خالص حصہ عمر کا اس کو ملتا ہے جو عقلمندی اور محنت اور کام کے لائق ہوتا ہے لیکن وہ بدبخت اپنی عمدہ زندگی کے ستّر برس دنیا کی گرفتاریوں میں گذارتا ہے اور اس زنجیر سے آزاد ہونا نہیں چاہتا۔ **سو خدائے تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ وہی ستّر برس جو اس نے گرفتاری دنیا میں گذارے تھے عالم معاد میں زنجیر کی طرح متمثل ہو جائیں گے جو ستّر گز کی ہوگی۔ ہر ایک گز بجائے ایک سال کے ہے۔ اس جگہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف سے بندہ پر کوئی مصیبت نہیں ڈالتا بلکہ وہ انسان کے اپنے ہی بُرے کام اس کے آگے رکھ دیتا ہے۔**

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ۔ جلد 10 صفحہ 409-410)

ستارے اوران کے گرنے سے مراد علماء ربانی ختم ہو جانا ہے

وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ۔ (الانفطار:3)

و اما انتشار الكواكب فهو اشارة الى فتن العلماء و ذهاب المتقين منهم كما انكم ترون ان اثار العلم قد امتحت وعفت والذين كانوا اوتو العلم فبعضهم ماتوا و بعضهم عموا و صموا ثم تاب الله عليهم ثم عموا وصموا و كثير منهم فاسقون و الله بصير بما يعملون۔

ترجمہ از مرتّب:۔ستاروں کے گرنے سے علماء کے فتنوں اوران میں سے متقی لوگوں کے ختم ہو جانے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ علم کے آثار محو ہو گئے ہیں اور مٹ گئے ہیں اور جن لوگوں کو علم عطا کیا گیا تھا ان میں سے بعض تو مر گئے ہیں اور بعض ان میں سے اندھے اور بہرے ہو گئے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ان پر رجوع برحمت ہوا لیکن پھر وہ اندھے اور بہرے ہو گئے اور اکثر ان میں سے فاسق ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کو جو وہ کر رہے ہیں دیکھنے والا ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد5 صفحہ 473-474)

ظلوم۔جہول کے معانی

اِنَّاعَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔(الاحزاب:73)

اِنَّاعَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ...... اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۔یعنی ہم نے اپنی **امانت کو جس سے مراد عشق محبت الٰہی اور مورد ابتلا ہو کر پھر پوری اطاعت کرنا ہے**۔آسمان کے تمام فرشتوں اور زمین کی تمام مخلوقات اور پہاڑوں پر پیش کیا جو بظاہر قوی ہیکل چیزیں تھیں۔سو ان سب چیزوں نے اس امانت کے اٹھانے سے انکار کر دی اور اس کی عظمت کو دیکھ کر ڈر گئیں مگر انسان نے اس کو اٹھا لیا کیونکہ انسان میں یہ دو خوبیاں تھیں ایک یہ کہ وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے نفس پر ظلم کر سکتا تھا دوسری یہ خوبی کہ وہ خدائے تعالیٰ کی محبت میں اس درجہ تک پہنچ سکتا تھا جو غیر اللہ کو بکلی فراموش کر دے۔ (توضیح مرام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 75-76)

ضلالت کے معانی

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ۔ (یوسف:96)

ضال کے معنی گمراہ نہیں ہے بلکہ انتہائی درجہ کے تعشق کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ حضرت یعقوبؑ کی نسبت اسی کے مناسب یہ آیت ہے اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ۔ سو یہ دونوں لفظ ظلم اور ضلالت اگر چہ ان معنوں پر بھی آتے ہیں کہ کوئی شخص جادہ اعتدال اور انصاف کو چھوڑ کر اپنے شہوات غضبیہ یا بہیمیہ کا تابع ہو جاوے لیکن قرآن کریم میں عشاق کے حق میں بھی آئے ہیں جو خدا تعالیٰ کے راہ میں عشق کی مستی میں اپنے نفس اور اس کے جذبات کو پیروں کے نیچے کچل دیتے ہیں۔ اسی کے مطابق حافظ شیرازی کا یہ شعر ہے

آسماں بارِامانت نتوانست کشید   قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

اس دیوانگی سے حافظ صاحب حالت تعشق اور شدت حرص اطاعت مراد لیتے ہیں۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد 5 صفحہ 173)

ضلالت کے یہ بھی معنے ہیں کہ افراط محبت سے ایک شخص کو ایسا اختیار کیا جائے کہ دوسرے کا عزت کے ساتھ نام سننے کی بھی برداشت نہ رہے جیسا کہ اس آیت میں بھی یہی معنے مراد ہیں کہ اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ۔

(تحفہ گولڑویہ۔ر۔خ۔جلد 17 صفحہ 269 حاشیہ در حاشیہ)

کتاب سے مراد فہم کتاب۔ اور قابل تقلید عمدہ باتیں ہیں

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ط اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔ (مریم:31)

اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ سے مراد فہم کتاب۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 569)

مگر افسوس تو یہ ہے کہ وہ اتنا نہیں جانتے کہ قرآن مجید لانے والا وہ شان رکھتا ہے کہ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِیْهَا کُتُبٌ قَیِّمَةٌ (البینة:4:3) ایسی کتاب جس میں ساری کتابیں اور ساری صداقتیں موجود ہیں۔ **کتاب سے مراد عام مفہوم وہ عمدہ باتیں ہیں جو بالطبع انسان قابل تقلید سمجھتا ہے۔** (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 52-51)

کرسی۔ سے مراد عظمت باری تعالیٰ ہے۔

وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ۔ **یعنی خدائی کرسی کے اندر تمام زمین و آسمان سمائے ہوئے ہیں اور وہ ان سب کو اٹھائے ہوئے ہے ان کے اٹھانے سے وہ تھکتا نہیں ہے اور وہ نہایت بلند ہے کوئی عقل اس کی کنہ تک پہنچ نہیں سکتی اور نہایت بڑا ہے اس کی عظمت کے آگے سب چیزیں ہیچ ہیں۔ یہ ہے ذکر کرسی کا اور یہ محض ایک استعارہ ہے جس سے یہ جتلانا منظور ہے کہ زمین و آسمان سب خدا کے تصرف میں ہیں اور ان سب سے اس کا مقام دور تر ہے اور اس کی عظمت ناپیدا کنار ہے۔** (چشمہ معرفت۔ر۔خ۔جلد 23 صفحہ 118 حاشیہ)

لفظ کلمہ سے مراد (عام ارواح اور ارواح طیبہ)

اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُہٗ (الفاطر :11) اسی رحمٰن کی طرف کلمات طیبہ صعود کرتے ہیں۔ (براہین احمدیہ ر۔خ۔جلد1 صفحہ 661 حاشیہ)

اس جگہ خدا تعالیٰ نے روح کا نام کلمہ رکھا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ درحقیقت تمام ارواح کلمات اللہ ہی ہیں جو ایک لایُدرک بھید کے طور پر جس کی تہہ تک انسان کی عقل نہیں پہنچ سکتی روحیں بن گئی ہیں اسی بناء پر اس آیت کا مضمون بھی ہے وَ کَلِمَتُہٗۤ اَلۡقٰہَاۤ اِلٰی مَرۡیَمَ اور چونکہ یہ سرّ ربوبیت ہے اس لئے کسی کی مجال نہیں کہ اس سے بڑھ کر کچھ بول سکے کہ کلمات اللہ ہی بحکم و باذن ربی لباس روح کا پہن لیتے ہیں اور ان میں وہ تمام طاقتیں اور قوتیں اور خاصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو روحوں میں پائی جاتی ہیں اور پھر چونکہ ارواح طیبہ فنا فی اللہ ہونے کی حالت میں اپنے تمام قویٰ چھوڑ دیتی ہیں اور اطاعت الٰہی میں فانی ہو جاتی ہیں تو گویا پھر وہ روح کی حالت سے باہر آ کر کلمۃ اللہ ہی بن جاتی ہیں جیسا کہ ابتداء میں وہ کلمۃ اللہ تھیں سو کلمۃ اللہ کے نام سے ان پاک روحوں کو یاد کرنا ان کے اعلیٰ درجہ کے کمال کی طرف اشارہ ہے سو انہیں نور کا لباس ملتا ہے اور اعمال صالحہ کی طاقت سے ان کا خدائے تعالیٰ کی طرف رفع ہوتا ہے اور ہمارے ظاہر بین علماء اپنے محدود خیالات کی وجہ سے کلمات طیبہ سے مراد محض عقائد یا اذکار و اشغال رکھتے ہیں اور اعمال صالحہ سے مراد بھی اذکار و خیرات وغیرہ ہیں تو گویا وہ اس تاویل سے علت اور معلول کو ایک کر دیتے ہیں اگرچہ کلمات طیبہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں لیکن عارفوں کے لئے یہ بطنی معنے ہیں جن پر قرآن کریم کے دقیق اشارات مشتمل ہیں۔ (ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 333-334)

لباس۔ تقویٰ کے معنوں میں اور دل کے معنوں میں

قُمۡ فَاَنۡذِرۡ۔ وَ رَبَّکَ فَکَبِّرۡ۔ وَ ثِیَابَکَ فَطَہِّرۡ۔ وَ الرُّجۡزَ فَاہۡجُرۡ۔ (المدثر 3تا6)

دریں اشارت است کہ بردست او بتان مقہور خواہند شد و جلال و عظمت الٰہی ظاہر خواہد شد۔ واز پلیدی ہا جدا باش۔ ایں اشارت است کہ سوئے اینکہ از ہر قسم پلیدی دور باید ماند و نیز سوئے ایں اشارت است کہ خدا ارادہ فرمودہ است کہ از صحبت مشرکاں کہ نجس اند ترا جدا کند و شرک را از زمین مکہ بردارد۔ و جامہ ہائے خود را و دل خود را پاک کن (ثوب بمعنی دل نیز آمدہ) ایں اشارت است سوئے اینکہ خدا ارادہ فرمودہ است کہ دلہا را از ہر قسم شرک و ظلم و التفات الیٰ ماسوی اللہ پاک کند۔ و نیز ایں ہم دریں آیت با اشارہ می کنند کہ ایں شریعت بریں ہمہ اجزاء مشتمل است۔ (لجۃ النور۔ر۔خ۔جلد16 صفحہ 394)

(ترجمہ از مرتب) ان آیات میں اشارہ ہے کہ آپ کے ہاتھ پر بت مقہور ہوں گے اور جلال اور عظمت الٰہی ظاہر ہوگی اور آپ پلیدی سے الگ ہو جائیں۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس طرف آنے کے لئے ہر قسم کی پلیدی دور ہونی چاہیئے۔ نیز اس طرف اشارہ ہے کہ خدا نے ارادہ فرمایا ہے مشرکوں کی مجلس سے کہ جو ناپاک ہیں تجھے الگ کر دیں گے اور مکہ کی سرزمین سے شرک مٹا دیا جائے گا اور اپنے لباس اور دل کو پاک کر (ثوب کے معنے دل کے بھی ہیں) میں یہ اشارہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ دلوں کو ہر قسم کے شرک ظلم اور غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے سے پاک کر دیا جائے گا نیز ان آیات میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ شریعت ان تمام اجزاء پر مشتمل ہے۔

يٰبَنِيۡٓ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسًا يُّوَارِيۡ سَوۡاٰتِكُمۡ وَرِيۡشًا وَ لِبَاسُ التَّقۡوٰى ذٰلِكَ خَيۡرٌ ذٰلِكَ مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ۔ (الاعراف:27)

خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں تقویٰ کو لباس کے نام سے موسوم کیا ہے چنانچہ لِبَاسُ التَّقْوٰی قرآن شریف کا لفظ ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روحانی خوبصورتی اور روحانی زینت تقویٰ سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ اور تقوی یہ ہے کہ انسان خدا کی تمام امانتوں اور ایمانی عہد اور ایسا ہی مخلوق کی تمام امانتوں اور عہد کی حتی الوسع رعایت رکھے یعنی ان کے دقیق در دقیق پہلوؤں پر تابمقدور کاربند ہو جائے۔

(براھین احمدیہ ۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ210)

مہدی۔صرف خدا تعالیٰ ہی سے علم دین حاصل کرنے والا ہوتا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مہدی تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (الضحٰی :8) اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نبیوں کی طرح ظاہری علم کسی استاد سے نہیں پڑھا تھا۔ مگر حضرت عیسےٰ اور حضرت موسےٰ مکتبوں میں بیٹھے تھے۔ اور حضرت عیسیٰ نے ایک یہودی استاد سے تمام توریت پڑھی تھی۔ غرض اسی لحاظ سے کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی استاد سے نہیں پڑھا خدا آپ ہی استاد ہوا۔ اور پہلے پہل خدا نے ہی آپ کو اِقْرَءْ کہا۔ یعنی پڑھ۔ اور کسی نے نہیں کہا۔ اس لئے آپ نے خاص خدا کے زیر تربیت تمام دینی ہدایت پائی اور دوسرے نبیوں کے دینی معلومات انسانوں کے ذریعہ سے بھی ہوئے۔ سو آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا۔ سو اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ آنے والا علم دین خدا سے ہی حاصل کریگا۔ اور قرآن اور حدیث میں کسی استاد کا شاگرد نہیں ہوگا۔ سو میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرا حال یہی حال ہے۔ کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے۔ یا کسی مفسر یا محدث کی شاگردی اختیار کی ہے۔ پس یہی مہدویت ہے جو نبوت محمدیہ کے منہاج پر مجھے حاصل ہوئی ہے۔ اور اسرار دین بلا واسطہ میرے پر کھولے گئے۔

(ایام الصلح ۔ر۔خ۔جلد14 صفحہ394-393)

موت کے معانی

ثُمَّ اِنَّكُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوۡنَ۔ (المومنون:16)

موت کا لفظ قرآن کریم میں ذوالوجوہ ہے۔ کافر کا نام بھی مردہ رکھا ہے اور ہوا و ہوس سے مرنا بھی ایک قسم کی موت ہے اور قریب الموت کا نام بھی مَيِّت ہے اور یہی تینوں وجوہ استعمال حیات میں بھی پائی جاتی یعنی حیات بھی تین قسم کی ہیں۔

(ازالہ اوھام ۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ445)

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَآءَ هُمْ اَوْاَبْنَآءَ هُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۔ (المجادلۃ:23)

یہ بھی بیان فرمایا کہ روح القدس سے ہم نے ان کو تائید دی کیونکہ جب ایمان دلوں میں لکھا گیا اور فطرتی حروف میں داخل ہو گیا تو ایک نئی پیدائش انسان کو حاصل ہو گئی اور یہ نئی پیدائش بجز تائید روح القدس کے ہرگز نہیں مل سکتی۔ روح القدس کا نام اسی لئے روح القدس ہے کہ اس کے داخل ہونے سے ایک پاک روح انسان کو مل جاتی ہے۔ **قرآن کریم روحانی حیات کے ذکر سے بھرا پڑا ہے اور جابجا کامل مومنوں کا نام احیاء یعنی زندے اور کفار کا نام اموات یعنی مردے رکھتا ہے۔** یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کامل مومنوں کو روح القدس کے دخول سے ایک جان مل جاتی ہے اور کفار گو جسمانی طور پر حیات رکھتے ہیں مگر اس حیات سے بے نصیب ہیں جو دل اور دماغ کو ایمانی زندگی بخشتی ہے۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔ خ۔ جلد 5 صفحہ 101-102)

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۔ (الحجر:100)

اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے کہ تو عبادت کرتا رہ جب تک کہ تجھے یقین کامل کا مرتبہ حاصل نہ ہو اور تمام حجاب اور ظلماتی پردے دور ہو کر یہ سمجھ میں نہ آجاوے کہ اب میں وہ نہیں ہوں جو پہلے تھا بلکہ اب تو نیا ملک' نئی زمین' نیا آسمان ہے اور میں بھی کوئی نئی مخلوق ہوں یہ حیات ثانی وہی ہے جس کو صوفی بقا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جب انسان اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی روح کا نفخ اس میں ہوتا ہے۔ ملائکہ کا اس پر نزول ہوتا ہے۔ یہی وہ راز تھا جس پر پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت فرمایا کہ اگر کوئی چاہے کہ مردہ میت کو زمین پر چلتا ہوا دیکھے تو وہ ابو بکر کو دیکھے۔ اور ابو بکر کا درجہ اس کے ظاہری اعمال سے ہی نہیں بلکہ اس بات سے ہے جو اس کے دل میں ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 368-369)

موت و حیات سے مراد۔ روحانی موت اور زندگی۔ کامیابی اور ناکامی بھی ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۔ (الانفال:25)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے ہاتھ پر مردے زندہ ہوتے ہیں لِمَا يُحْيِيْكُمْ اور سب کو معلوم ہے کہ اس سے مراد روحانی مردوں کا زندہ ہونا ہے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 633)

الَّـذِیْ خَـلَـقَ الْـمَـوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَ ھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ۔ (الملک:3)

دنیا کی کامیابیاں ابتلاء سے خالی نہیں ہوتی ہیں۔قرآن شریف میں آیا ہے خَـلَـقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْـلُوَکُمْ یعنی موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ ہم تمہیں آزمائیں۔کامیابی اور ناکامی بھی زندگی اور موت کا سوال ہوتا ہے۔کامیابی ایک قسم کی زندگی ہوتی ہے۔جب کسی کو اپنے کامیاب ہونے کی خبر پہنچتی ہے تو اس میں جان پڑ جاتی ہے اور گویا نئی زندگی ملتی ہے اور اگر ناکامی کی خبر آ جائے تو زندہ ہی مر جاتا ہے اور بسا اوقات بہت سے کمزور دل آدمی ہلاک بھی ہو جاتے ہیں۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 97-98)

مغضوب اور ضال۔ یہودی اور عیسائی

ضـــالیـن سے مراد صرف گمراہ نہیں بلکہ وہ عیسائی مراد ہیں جو افراط محبت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ کی شان میں غلو کرتے ہیں۔کیونکہ ضلالت کے یہ بھی معنے ہیں کہ افراط محبت سے ایک شخص کو ایسا اختیار کیا جائے کہ دوسرے کا عزّت کے ساتھ نام سننے کے بھی برداشت نہ رہے جیسا کہ اس آیت میں بھی یہی معنے مراد ہیں کہ اِنَّکَ لَـفِـیْ ضَلَالِکَ الْقَدِیْمِ (یوسف:96)۔اور الـمـغضوب علیھم سے وہ علماء یہودی مراد ہیں جنہوں سے شدت عداوت کی وجہ سے حضرت عیسےٰ کی نسبت یہ بھی روا نہ رکھا کہ انکو مومن قرار دیا جائے بلکہ کافر کہا اور واجب القتل قرار دیا۔اور مغضوب علیہ وہ شدید الغضب انسان ہوتا ہے جس کے غضب کے غلو پر دوسرے کو غضب آوے۔اور یہ دونوں لفظ باہم مقابل واقع ہیں۔**یعنی ضالین وہ ہیں جنہوں نے افراط محبت سے حضرت عیسیٰ کو خدا بنایا اور المغضوب علیھم وہ یہودی ہیں جنہوں نے خدا کے مسیح کو افراط عداوت سے کافر قرار دیا اس لئے مسلمانوں کو سورۃ فاتحہ میں ڈرایا گیا اور اشارہ کیا گیا کہ تمہیں یہ دونوں امتحان پیش آئینگے۔مسیح موعود آئیگا اور پہلے مسیح کی طرح اسکی بھی تکفیر کی جائیگی اور ضالین یعنی عیسائیوں کا غلبہ بھی کمال کو پہنچ جائیگا جو حضرت عیسیٰ کو خدا کہتے ہیں تم ان دونوں فتنوں سے اپنے تئیں بچاؤ اور بچنے کیلئے نمازوں میں دعائیں کرتے رہو۔** (تحفہ گولڑویہ جلد 17 صفحہ 269 حاشیہ درحاشیہ)

غَیْـرِ الْـمَـغْـضُوْبِ عَلَیْھِمْ سے مراد مولوی ہیں کیونکہ ایسی باتوں میں اوّل نشانہ مولوی ہی ہوا کرتے ہیں۔دنیاداروں کو تو دین سے تعلق ہی کم ہوتا ہے جب سے یہ سلسلہ نبوت کا جاری ہے یہ اتفاق کبھی نہیں ہوا کہ مولویوں کے پاس جس قدر ذخیرہ رطب و یابس کا ہو وہ حرف بحرف پورا ہوا ہو۔دیکھ لو ان ہی باتوں سے ابتک یہود نے نہ مسیح کو مانا نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو۔حق کو قبول کرنا ایک نعمت الٰہی ہے یہ ہر ایک کو نہیں ملا کرتی اس لیے ہمیشہ دعا کرنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اسے قبول کرنے کی توفیق عطا کرے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 297)

بہترین دعا وہ ہوتی ہے جو جامع ہو تمام خیروں کی اور مانع ہو تمام مضرات کی۔ اس لیے **انعمت علیهم** کی دعا میں آدمؑ سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کے کل منعم علیہم لوگوں کے انعامات کے حصول کی دعا ہے اور **غیر المغضوب علیهم ولا الضلین** میں ہر قسم کی مضرتوں سے بچنے کی دعا ہے۔ چونکہ مغضوب سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاری بالاتفاق ہیں تو اس دعا کی تعلیم کا منشا صاف ہے کہ یہود نے جیسے بیجا عداوت کی تھی۔ مسیح موعود کے زمانہ میں مولوی لوگ بھی ویسا ہی کریں گے اور حدیثیں اس کی تائید کرتی ہیں یہانتک کہ وہ یہودیوں کے قدم بہ قدم چلیں گے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 309)

مومن اور کافر کی مثال

مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ وَ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ۔ (التحریم:12`13)

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے مومن کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک مثال فرعون کی عورت سے ہے جو کہ اس قسم کے خاوند سے خدا کی پناہ چاہتی ہے۔ یہ ان مومنوں کی مثال ہے جو نفسانی جذبات کے آگے گر جاتے ہیں اور غلطیاں کر بیٹھتے ہیں پر پچھتاتے ہیں توبہ کرتے ہیں خدا سے پناہ مانگتے ہیں۔ ان کا نفس فرعون سے خاوند کی طرح ان کو تنگ کرتا رہتا ہے۔ وہ لوگ نفس لوّامہ رکھتے ہیں۔ بدی سے بچنے کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔ دوسرے مومن وہ ہیں جو اس سے اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں۔ وہ صرف بدیوں سے ہی نہیں بچتے بلکہ نیکیوں کو حاصل کرتے ہیں۔ ان کی مثال اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم سے دی ہے **اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا** ہر ایک مومن جو تقویٰ و طہارت میں کمال پیدا کرے وہ بروزی طور پر مریم ہوتا ہے اور خدا اس میں اپنی روح پھونک دیتا ہے جو کہ ابن مریم بن جاتی ہے۔ زمخشری نے بھی اس کے یہی معنے کئے ہیں کہ یہ آیت عام ہے اور اگر یہ معنے نہ کئے جاویں تو حدیث شریف میں آیا ہے کہ مریم اور ابن مریم کے سوا مس شیطان سے کوئی محفوظ نہیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ تمام انبیاء پر شیطان کا دخل تھا۔ پس دراصل اس آیت میں بھی اشارہ ہے کہ ہر ایک مومن جو اپنے تئیں اس کمال کو پہنچائے خدا کی روح اس میں پھونکی جاتی ہے اور وہ ابن مریم بن جاتا ہے اور اس میں ایک پیشگوئی ہے کہ اس امت میں ابن مریم پیدا ہو۔ تعجب ہے کہ لوگ اپنے بیٹوں کا نام محمد اور عیسیٰ اور موسیٰ اور یعقوب اور اسحٰق اور اسمٰعیل اور ابراھیم رکھ لیتے ہیں اور اس کو جائز جانتے ہیں پر خدا کے لئے جائز نہیں جانتے کہ وہ کسی کا نام عیسیٰؑ یا ابن مریم رکھ دے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 523-522)

بے سایہ درخت یعنی ناقص دین

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی مَا کُنْتُمْ بِہٖ تُکَذِّبُوْنَo اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍo لَّا ظَلِیْلٍ وَّلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّھَبِo (المرسلٰت: 30تا32)

اس جگہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف سے بندہ پر کوئی مصیبت نہیں ڈالتا بلکہ وہ انسان کے لئے اپنے بُرے کام اس کے آگے رکھ دیتا ہے۔ پھر اس اپنی سنت کے اظہار میں خدا تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ۔ لَّا ظَلِیْلٍ وَّلَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّھَبِ۔ یعنی اے بدکارو گمراہو! سہ گوشہ سایہ کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں جو سایہ کا کام نہیں دے سکتیں اور نہ گرمی سے بچا سکتی ہیں۔

اس آیت میں تین شاخوں سے مراد قوت سبعی اور بہیمی اور وہمی ہے جو لوگ ان تینوں قوتوں کو اخلاقی رنگ میں نہیں لاتے اور ان کی تعدیل نہیں کرتے ان کی یہ قوتیں قیامت میں اس طرح پر نمودار کی جائیں گی کہ گویا تین شاخیں بغیر پتوں کے کھڑی ہیں اور گرمی سے بچا نہیں سکتیں اور وہ گرمی سے جلیں گے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ۔ جلد 10 صفحہ 410)

نذیر لفظ کی علامت عذاب کا نازل ہونا ہے

فَقَدْ جَآءَ کُمْ بَشِیْرٌ وَّ نَذِیْرٌ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (المائدہ:20)

نذیر کا لفظ اسی مرسل کے لیے خدا تعالیٰ استعمال کرتا ہے جس کی تائید میں یہ مقدر ہوتا ہے کہ اس کے منکروں پر کوئی عذاب نازل ہوگا کیونکہ نذیر ڈرانے والے کو کہتے ہیں اور وہی نبی ڈرانے والا کہلاتا ہے جس کے وقت میں کوئی عذاب نازل ہونا مقدر ہوتا ہے پس آج سے چھبیس برس پہلے جو براہین احمدیہ میں میرا نام نذیر رکھا گیا اس میں صاف اشارہ تھا کہ میرے وقت میں عذاب نازل ہوگا۔ (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 486)

قرآن میں روح القدس کا نام نور ہے

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا وَّ یُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ وَ اللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔ (الانفال:30)

روح القدس کے بارہ میں جو قرآن کریم میں آیات ہیں جن سے **معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ کے لیے کامل مومنوں کو روح القدس دیا جاتا ہے** منجملہ ان کے ایک یہ آیت ہے...... یعنی اے وے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو اور اللہ جلشانہ سے ڈرتے رہو تو خدا تعالیٰ تمہیں وہ چیز عطا کرے گا (یعنی روح القدس) جس کے ساتھ تم غیروں سے امتیاز کلی پیدا کر لو گے اور تمہارے لیے ایک نور مقرر کر دیگا (یعنی روح القدس) جو تمہارے ساتھ ساتھ چلے گا۔ **قرآن کریم میں روح القدس کا نام نور ہے۔** (آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 97-98)

اَوَمَنۡ كَانَ مَيۡتًا فَاَحۡيَيۡنٰهُ وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِىۡ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنۡ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيۡسَ بِخَارِجٍ مِّنۡهَا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ۔ (الانعام:123)

کیا وہ شخص جو مردہ تھا اور ہم نے اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کو ایک نور عطا کیا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا ہے یعنی اس نور کی برکات لوگوں کو معلوم ہوتی ہیں کیا ایسا آدمی اس آدمی کی مانند ہوسکتا ہے جو سراسر تاریکی میں اسیر ہے اور اس سے نکل نہیں سکتا۔ **نور اور حیات سے مراد روح القدس ہے کیونکہ اس سے ظلمت دور ہوتی ہے اور وہ دلوں کو زندہ کرتا ہے۔ اسی لیے اس کا نام روح القدس ہے یعنی پاکی کی روح جس کے داخل ہونے سے ایک پاک زندگی حاصل ہوتی ہے۔** (آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد5 صفحہ 99)

قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام

نور اللہ اور سراج منیر ہے

وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيۡرًا۔ (الاحزاب:47)

انبیاء منجملہ سلسلہ متفاوتہ فطرت انسانی کے وہ افراد عالیہ ہیں جن کو اس کثرت اور کمال سے نور باطنی عطا ہوا ہے کہ گویا وہ نور مجسم ہو گئے ہیں اسی جہت سے قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نور اور سراج منیر رکھا ہے جیسا فرمایا ہے قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ الجزو نمبر 6 وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيۡرًا الجزو نمبر 22 یہی حکمت ہے کہ نور وحی جس کے لئے نور فطرتی کا کامل اور عظیم الشان ہونا شرط ہے صرف انبیاء کو ملا اور انہیں سے مخصوص ہوا۔ (براھین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد1 صفحہ 196 حاشیہ)

ایک گاؤں میں سو گھر تھے اور صرف ایک گھر میں چراغ جلتا تھا تب جب لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ اپنے اپنے چراغ لے کر آئے اور سب نے اس چراغ سے اپنے چراغ روشن کئے۔ اسی طرح ایک روشنی سے کثرت ہوسکتی ہے۔ اسی طرف اللہ تعالیٰ اشارہ کر کے فرماتا ہے وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيۡرًا۔

(براھین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد21 صفحہ 425)

باب ہشتم

فہمِ قرآن کے روحانی لوازمات

لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَہَّرُوۡنَ۔(الواقعۃ:80)

دینی علم اور پاک معارف کے سمجھنے اور حاصل کرنے کے لئے پہلے سچی پاکیزگی کا حاصل کر لینا اور ناپاکی کی راہوں کا چھوڑ دینا ازبس ضروری ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَہَّرُوۡنَ یعنی خدا کی پاک کتاب کے اسرار کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو پاک دل ہیں اور پاک فطرت اور پاک عمل رکھتے ہیں۔ دنیوی چالاکیوں سے آسمانی علم ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے۔ (ست بچن۔ ر۔خ جلد10 صفحہ126)

رازِ قرآں را کُجا فہمد کسے بہرِ نورے نور مے باید بسے

تب تک کوئی قرآنی اسرار کو کیونکر سمجھ سکتا ہے نور کے سمجھنے کے لئے بہت سا نورِ باطن ہونا چاہئے۔

ایں نہ من قرآں ہمیں فرمودہ است اندر و شرطِ تطہّر بودہ است

یہ میری بات نہیں بلکہ قرآن نے بھی یہی فرمایا ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لئے پاک ہونے کی شرط ہے۔

گر بقرآں ہر کسے را راہ بود پس چرا شرطِ تطہّر را فزود

اگر ہر شخص قرآن کو (خود ہی) سمجھ سکتا تو خدا نے تطہّر کی شرط کیوں زائد لگائی۔

نور را داند کسے کو نور شد و از حجابِ سرکشی ہا دُور شد

نور کو وہی شخص سمجھتا ہے جو خود نور ہو گیا ہو۔ اور سرکشی کے حجابوں سے دُور ہو گیا ہو۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 226-227)

(سراج منیر۔ ر۔خ۔ جلد12 صفحہ96)

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	پہلی فصل	
	ارسالِ انبیاء اور فہمِ قرآن	
1	ارسالِ انبیاءؑ۔ عادت اللہ ہے	711
2	قرآن اور رسول باہم توام ہیں	713
3	عادت اللہ کی حکمت	714
4	فہم قرآن اور امام ہائے ربانی اور معلمین باری تعالیٰ	715
5	کتاب کے ساتھ استاد کی ضرورت	716
6	فہم قرآن اور علماء عارف باللہ اور اولیاء عظام	717
	دوسری فصل	
7	فہمِ قرآن اور تائید وحی والہام	720
8	وحیٔ ولایت اہم معیار فہمِ قرآن ہے	721
9	حضرت اقدسؑ کا فہمِ قرآن وحیٔ الٰہی اور الہام کی تائید کے ساتھ ہے	722
	تیسری فصل	
10	حضرت اقدسؑ کے دعاوی کا عرفان فہمِ قرآن کی کلید ہے	723
11	کشف ورویاء اور وحیٔ خفی	726
12	قرآن ایک آسمانی نور ہے	728
13	نور اسی کو عطا کیا جاتا ہے جو خود نور ہو گیا ہو	730
14	حضرت اقدسؑ خدا کے نوروں سے آخری نور ہیں	732
15	قرآن کریم کے دقائق عالیہ خدا تعالیٰ کے خاص بندوں سے مخصوص ہیں	733
16	قرآن کے دقائق ومعارف ضرورتِ زمانہ کے مطابق کھلتے ہیں	735
17	زمانے کی ضرورت کے مطابق روحانی معلم بھیجے جاتے ہیں	״
18	حضرت اقدسؑ کو آپ کے زمانہ کی ضرورت کے مطابق معارف عطا ہوئے	736
19	صاحبِ نور خدا کی طرف سے آتا ہے	״
20	قرآن کریم برسبیل قال نہیں بلکہ برسبیل حال نازل ہوا ہے	738
	چوتھی فصل	
21	فہمِ قرآن اور تقویٰ	739
22	قرآنی علوم کے انکشاف کیلئے تقویٰ شرط ہے	״

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
23	تقویٰ علومِ دینیہ کی کلید ہے	740	29	صدق اور قرآن سے محبت	747
	پانچویں فصل		30	معیت صادق اور فہمِ قرآن	748
	فہمِ قرآن اور مقام صدق		31	صدق اور تائیدِ الٰہی	749
24	صدقِ مجسم قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے	742	32	فہمِ قرآن اور مومن کامل	750
			33	فہمِ قران اور اصحاب عقل ودانش	751
25	صدیق پر معارفِ قرآنی کھولے جاتے ہیں	//	34	فہمِ قرآن اور عاجزی وانکساری	752
26	صادق کی تعریف	744	35	فہمِ قران ۔ پاک اور مطہّر زندگی	753
27	کمالِ صدیقیت کے مراتب	745	36	فہمِ قران دنیا پرست کو نہیں ملتا	754
28	صادق کامل	746			

پہلی فصل

ارسال انبیاءؑ اور فہم قرآن

ارسال انبیاءؑ۔ عادت اللہ ہے

اللہ جلشانہٗ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ (البقرۃ:88) یعنی موسیٰ کو ہم نے توریت دی اور پھر اس کتاب کے بعد ہم نے کئی پیغمبر بھیجے تا توریت کی تائید اور تصدیق کریں۔ اسی طرح دوسری جگہ فرماتا ہے ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا (المومنون:45) یعنی پھر پیچھے سے ہم نے اپنے رسول پے در پے بھیجے۔ **پس ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ عادت اللہ یہی ہے کہ وہ اپنی کتاب بھیج کر پھر اسکی تائید اور تصدیق کیلئے ضرور انبیاء کو بھیجا کرتا ہے چنانچہ توریت کی تائید کیلئے ایک ایک وقت میں چار چار سو نبی بھی آیا۔ جن کے آنے پر اب تک بائبل شہادت دے رہی ہے۔** (شہادت القرآن۔ ر۔خ۔ جلد6 صفحہ 341-340)

والصلوۃ والسلام علی خاتم الرسل الذی اقتضی ختم نبوتہ۔ ان تبعث مثل الانبیاء من امتہ۔ و ان تنوروتثمر الی انقطاع ھذا العالم اشجارہ۔ ولا تعفی اثارہ۔ ولا تغیب تذکارہ۔ **فلاجل ذلک جرت عادۃ اللہ انہ یرسل عباد امن الذین استطا بھم لتجدید ھذا الدین۔ و یعطیھم من عندہ علم اسرار القراٰن و یبلغھم الی حق الیقین** لیظھروا معارف الحق علی الخلق بسلطانھا۔ وقوتھا ولمعانھا۔ ویبینوا حقیقتھا وھویتھا وسبلھا و اثار عرفانھا۔ ویخلصوا الناس من البدعات والسیئات وطوفانھا وطغیانھا۔ و لیقیموا الشریعۃ ویفرشوا بساطھا۔ ویبسطوا انماطھا۔ ویزیلواتفر یطھا و افراطھا۔ واذااراد اللہ لاھل الارض ان یصلح دینھم۔ وینیر براھینھم۔ اوینصرھم عندحلول الاھوال و االمصائب والاٰفات۔ اقام بینھم احدامن ھذہ السادات۔

اور صلوٰۃ اور سلام خاتم رسل پر جس کی نبوت کے ختم نے چاہا کہ آپ کی امت سے نبیوں کی مانند لوگ پیدا ہوں۔ اور آپ کے درخت زمانہ کے آخر تک پھلتے پھولتے رہیں اور نہ آپ کے نشان مٹائے جائیں۔ اور نہ آپ کی یاد دنیا سے بھول جائے۔ **اسی لئے خدا کی عادت ہے کہ وہ ایسے بندوں کو بھیجا کرتا ہے جنھیں اس دین کی تجدید کے لئے پسند فرمالیتا ہے اور انھیں اپنے حضور سے قرآن کے اسرار عطا کرتا۔ اور حق الیقین تک پہنچا تا ہے۔** اسلئے کہ وہ لوگوں پر حق کے معارف کو پوری قوت اور غلبہ اور چمک کے رنگ میں ظاہر کریں۔ اور ان معارف کی حقیقت اور کیفیت اور راہوں اور انکی شناخت کے نشانوں کو بیان کریں۔ اور لوگوں کو بدعتوں اور بدکرداریوں سے اور انکے طوفان وطغیان سے چھڑائیں۔ اور شریعت کو قائم کریں اور اسکی بساط کو بچھائیں اور افراط وتفریط کو جو اس میں داخل کی گئی ہے دور کریں۔ اور جب خدا اہل زمین کے لئے چاہتا ہے کہ انکے دین کو سنوارے اور ان کے برہانوں کو روشن کرے اور ہول اور مصیبت کے پیش آنے پر ان کو مدد دے۔ تب ان بزرگوں میں سے کسی کو ان میں کھڑا کر دیتا ہے۔

(الھدیٰ۔ ر۔خ۔ جلد18 صفحہ 248-247)

دوم جس طرح پر کہ عقل اس بات کو واجب اور متحتم ٹھہراتی ہے کہ کتب الٰہی کی دائمی تعلیم اور تفہیم کیلئے ضروری ہے کہ ہمیشہ انبیاء کی طرح وقتاً فوقتاً ملہم اور مکلّم اور صاحب علم لدنی پیدا ہوتے رہیں۔ اسی طرح جب ہم قرآن پر نظر ڈالتے ہیں اور غور کی نگہ سے اسکو دیکھتے ہیں تو وہ بھی بآواز دبلند یہی فرمارہا ہے کہ روحانی معلموں کا ہمیشہ کیلئے ہونا اسکے ارادہ قدیم میں مقرر ہو چکا ہے۔ دیکھو اللہ جلّشانہٗ فرماتا ہے وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ الجزو نمبر13 یعنے جو چیز انسانوں کو نفع پہنچاتی ہے وہ زمین پر باقی رہتی ہے اب ظاہر ہے کہ دنیا میں زیادہ تر انسانوں کو نفع پہنچانیوالے گروہ انبیاء ہیں کہ جو خوارق سے معجزات سے پیشگوئیوں سے حقائق سے معارف سے اپنی راستبازی کے نمونہ سے انسانوں کے ایمان کو قوی کرتے ہیں اور حق کے طالبوں کو دینی نفع پہنچاتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ دنیا میں کچھ بہت مدت تک نہیں رہتے بلکہ تھوڑی سی زندگی بسر کر کے اس عالم سے اٹھائے جاتے ہیں۔ لیکن آیت کے مضمون میں خلاف نہیں اور ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ کا کلام خلاف واقع ہو۔ پس انبیاء کی طرف نسبت دیکر معنی آیت کے یوں ہونگے کہ انبیاء من حیث الظلّ باقی رکھے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ ظلّی طور پر ہر یک ضرورت کے وقت میں کسی اپنے بندہ کو ان کی نظیر اور مثیل پیدا کر دیتا ہے جو انہیں کے رنگ میں ہو کر انکی دائمی زندگی کا موجب ہوتا ہے اور اسی ظلّی وجود قائم رکھنے کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ دعا سکھائی ہے اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ یعنے اے خدا ہمارے ہمیں وہ سیدھی راہ دکھا جو تیرے ان بندوں کی راہ ہے جن پر تیرا انعام ہے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کا انعام جو انبیاء پر ہوا تھا جس کے مانگنے کیلئے اس دعا میں حکم ہے اور وہ درم اور دینار کی قسم میں سے نہیں بلکہ وہ انوار اور برکات اور محبت اور یقین اور خوارق اور تائید سماوی اور قبولیت اور معرفت تامہ کاملہ اور وحی اور کشف کا انعام ہے اور خدا تعالیٰ نے اس امت کو اس انعام کے مانگنے کے لئے تبھی حکم فرمایا کہ اول اس انعام کے عطا کرنے کا ارادہ بھی کر لیا پس اس آیت سے بھی کھلے کھلے طور پر یہی ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ اس امت کو ظلّی طور پر تمام انبیاء کا وارث ٹھہراتا ہے تا انبیاء کا وجود ظلّی طور پر ہمیشہ باقی رہے اور دنیا ان کے وجود سے کبھی خالی نہ ہو اور نہ صرف دعا کے لئے حکم کیا بلکہ ایک آیت میں وعدہ بھی فرمایا ہے اور وہ یہ ہے وَالَّذِیۡنَ جَاھَدُوۡا فِیۡنَا لَنَھۡدِیَنَّھُمۡ سُبُلَنَا۔ (العنکبوت:70) یعنے جو لوگ ہماری راہ میں جو صراط مستقیم ہے مجاہدہ کرینگے تو ہم ان کو اپنی راہیں بتلا دینگے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہیں وہی ہیں جو انبیاء کو دکھلائی گئیں تھیں۔

(شہادت القران۔ر۔خ۔جلد6 صفحہ 352-351)

قرآن اور رسول ۔ باہم توام ہیں

وانی انا الموعود والقائم الذی ۔۔۔ بہ تملان الارض عدلا و تثمر
بنفسی تجلت طلعۃ اللہ للوری ۔۔۔ فیا طالبی رشد علی بابی احضروا
خذوا حظکم منی فانی امامکم ۔۔۔ اذکرکم ایامکم و ابشر
وقد جئتکم یا قوم عند ضرورۃ ۔۔۔ فھل من رشید عاقل یتدبر
وما البر الا ترک بخل من التقی ۔۔۔ وما البخل الا رد من یتبقر
و قالوا الی الموعود لیس بحاجۃ ۔۔۔ فان کتاب اللہ یھدی و یخبر
وما ھی الا بالغیور دعابۃ ۔۔۔ فیا عجبا من فطرۃ تتھور
وقد جاء قول اللہ بالرسل تواما ۔۔۔ ومن دونھم فھم الھدی متعسر
فان ظبی الاسیاف تحتاج دائما ۔۔۔ الی ساعد یجری الدماء و ینذر

☆۔ اور میں مسیح موعود اور وہ امام قائم ہوں جو زمین کو عدل سے بھرے گا اور ویران جنگلوں کو پھل دار کریگا۔
☆۔ میرے ساتھ صورت خدا کی خلقت پر ظاہر ہوگی۔ پس اے ہدایت کے طالبو! میرے دروازے پر حاضر ہو جاؤ۔
☆۔ اپنا حصہ مجھ سے لے لو کہ میں تمہارا امام ہوں۔ تمہیں تمہارے دن یاد دلاتا ہوں اور بشارت دیتا ہوں۔
☆۔ اور اے میری قوم! ضرورت کے وقت تمہارے پاس آیا ہوں۔ پس کیا کوئی تم میں رشید اور عقلمند ہے جو اس بات کو سوچے۔
☆۔ اور نیکی بجز اس کے کوئی چیز نہیں کہ تقویٰ کی راہ سے بخل کو دور کر دیا جاوے۔ اور بخل بجز اس کے کچھ نہیں کہ جس کا علم وسیع اور کامل ہے اور اپنے سے بہتر ہے اس کو قبول نہ کیا جائے۔
☆۔ اور انہوں نے کہا کہ مسیح موعود کی طرف کچھ حاجت نہیں۔ کیونکہ اللہ کی کتاب ہدایت دیتی اور خبر دیتی ہے۔
☆۔ اور یہ تو خدائے غیور کے ساتھ ہنسی ٹھٹھا ہے۔ پس ایسی بیباک فطرتوں پر تعجب آتا ہے۔
☆۔ **اور اصل حقیقت یہ ہے کہ خدا کا کلام اور رسول باہم توام ہیں۔ اور ان کے بغیر خدا کے کلام کا سمجھنا مشکل ہے۔**
☆۔ کیونکہ تلواروں کی دھار ہمیشہ ایسے بازو کی طرف محتاج ہے۔ جو خون کو جاری کرتا اور سر کو بدن سے الگ کر دیتا ہے۔

(اعجاز احمدی۔ ر۔ خ۔ جلد 19 صفحہ 173-172)

دیں ہماں دیں بود کہ وحیِ خدا ۔۔۔ نشود زو بہ ہیچ وقت جدا
دین تو وہی دین ہوتا ہے جس سے خدا کی وحی کسی وقت بھی جدا نہ ہو۔
وحی و دینِ خداست چوں توام ۔۔۔ یک چو گم شد دگر شود گم ہم
وحی اور دین خدا چونکہ دونوں جڑواں چیزیں ہیں۔ پس اگر ایک جاتی رہے گی تو دوسری بھی گم ہو جائے گی۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 358) (نزول المسیح۔ ر۔ خ جلد 18 صفحہ 482)

عادت اللہ کی حکمت

سچ ہے کہ قرآن شریف ان کے پاس تھا اور قرآن شریف اس ذوالفقار تلوار کی مانند ہے جس کے دو طرف دھاریں ہیں ایک طرف کی دھار مومنوں کی اندرونی غلاظت کو کاٹتی ہے اور دوسری طرف کی دھار دشمنوں کا کام تمام کرتی ہے مگر پھر بھی وہ تلوار اس کام کے لئے ایک بہادر کے دست و بازو کی محتاج ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یَتۡلُوۡا عَلَیۡھِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡھِمۡ وَیُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ (الجمعۃ:3) **پس قرآن سے جو تزکیہ حاصل ہوتا ہے اس کو اکیلا بیان نہیں کیا۔ بلکہ وہ نبی کی صفت میں داخل کر کے بیان کیا یہی وجہ ہے کہ خدا تعالےٰ کا کلام یوں ہی آسمان پر سے کبھی نازل نہیں ہوا بلکہ اس تلوار کو چلانے والا بہادر ہمیشہ ساتھ آیا ہے** جو اس تلوار کا اصل جوہر شناس ہے لہٰذا قرآن شریف پر سچا اور تازہ یقین دلانے کیلئے اور اس کے جوہر دکھلانے کے لئے اور اس کے ذریعہ سے اتمام حجت کرنے کیلئے ایک بہادر کے دست و بازو کی ہمیشہ حاجت ہوتی رہی ہے اور آخری زمانہ میں یہ حاجت سب سے زیادہ پیش پیش آئی کیونکہ دجالی زمانہ ہے اور زمین و آسمان کی باہمی لڑائی ہے۔ (نزول المسیح جلد 18 صفحہ 468-469)

قرآن شریف اگرچہ عظیم الشان معجزہ ہے مگر ایک کامل کے وجود کو چاہتا ہے کہ جو قرآن کے اعجازی جواہر پر مطلع ہو اور وہ اس تلوار کی طرح جو درحقیقت بینظیر ہے لیکن اپنا جوہر دکھلانے میں ایک خاص دست و بازو کی محتاج ہے اس پر دلیل شاہد یہ آیت ہے کہ لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَھَّرُوۡنَ (الواقعۃ:80) پس وہ ناپاکوں کے دلوں پر معجزہ کے طور پر اثر نہیں کر سکتا بجز اس کے کہ اس کا اثر دکھلانے والا بھی قوم میں ایک موجود ہو اور وہ وہی ہوگا **جس کو یقینی طور پر نبیوں کی طرح خدا تعالیٰ کا مکالمہ اور مخاطبہ نصیب ہوگا۔** (نزول المسیح۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 486)

ھُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡھُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡھِمۡ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیۡھِمۡ وَیُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ۔ (الجمعۃ:3)

ترجمہ:۔ وہی ہے جس نے بھیجا امیّوں میں رسول انہی میں سے کہ پڑھتا ہے ان پر اس کی آیات اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت اور یقیناً تھے وہ پہلے اس سے البتہ گمراہی ظاہر میں اور۔

اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے بڑے فائدے دو ہیں جن کے پہنچانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ایک حکمت فرقان یعنی معارف و دقائق قرآن دوسری تاثیر قرآن جو موجب تزکیہ نفوس ہے اور قرآن کی حفاظت صرف اسی قدر نہیں جو اس کے صحف مکتوبہ کو خوب نگہبانی سے رکھیں کیونکہ ایسے کام تو اوائل حال میں یہود اور نصاریٰ نے بھی کئے یہاں تک کہ توریت کے نقطے بھی گن رکھے تھے **بلکہ اس جگہ مع حفاظت ظاہری فوائد و تاثیرات قرآنی مراد ہیں اور وہ موافق سنت اللہ کے تبھی ہو سکتی ہے کہ جب وقتاً فوقتاً رسول آویں جن میں ظلّی طور پر رسالت کی تمام نعمتیں موجود ہوں اور جن کو وہ تمام برکات دی گئی ہوں جو نبیوں کو دی جاتی ہوں۔**

(شہادت القرآن۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 338)

علم دین آسمانی علوم میں سے ہے اور یہ علوم تقویٰ اور طہارت اور محبت الٰہیہ سے وابستہ ہیں اور سگِ دنیا کو مل نہیں سکتے۔ سو اس میں کچھ شک نہیں کہ قول موجہّ سے اتمام حجّت کرنا انبیاء اور مردان خدا کا کام اور حقّانی فیوض کا مورد ہونا فانیوں کا طریق ہے اور اللہ جلّ شانہ‘ فرماتا ہے لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَھَّرُوۡنَ۔ (الواقعة:80) **پس کیونکر اُس دل پر روح القدس بول سکتا ہے جس میں شیطان بولتا ہو۔**

(البلاغ یا فریاد درد۔ ر۔خ۔ جلد 13 صفحہ 372-373)

اور احادیث صحیحہ قرآن سے باہر نہیں۔ کیونکہ وحی غیر متلو کی مدد سے وہ تمام مسائل قرآن سے متخرج اور مستنبط کئے گئے ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ وہ استخراج اور استنباط بجز رسول اللہ یا اسی شخص کے جو ظلی طور پر ان کمالات تک پہنچ گیا ہو ہر یک کا کام نہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جن کو ظلی طور پر عنایات الٰہیہ نے وہ علم بخشا ہو جو اس کے رسول متبوع کو بخشا تھا وہ حقائق و معارف دقیقہ قرآن کریم پر مطلع کیا جاتا ہے۔

(الحق۔ بحث لدھیانہ۔ ر۔خ۔ جلد 4 صفحہ 93)

فہم قرآن اور امام ہائے ربّانی اور معلّمین باری تعالیٰ

خوب یاد رکھو کہ قلوب کی اصلاح اسی کا کام ہے جس نے قلوب کو پیدا کیا ہے۔ نرے کلمات اور چرب زبانیاں اصلاح نہیں کرسکتی ہیں بلکہ ان کلمات کے اندر ایک روح ہونی چاہیئے۔ پس جس شخص نے قرآن شریف کو پڑھا اور اس نے اتنا بھی نہیں سمجھا کہ ہدایت آسمان سے آتی ہے تو اس نے کیا سمجھا؟ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَذِیۡرٌ کا جب سوال ہوگا تو پتہ لگے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ

خدارا بخدا تواں شناخت

اور یہ ذریعہ بغیر امام نہیں مل سکتا کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ نشانوں کا مظہر اور اس کی تجلیات کا مورد ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے مَنْ لَّمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ فَقَدْمَاتَ مِیْتَةَ الْجَاھِلِیَّةِ یعنی جس نے زمانہ کے امام کو شناخت نہیں کیا وہ جہالت کی موت مر گیا۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 344-345)

یہ بات بھی درست ہے کہ قرآن ہدایت کیلئے نازل ہوا ہے مگر قرآن کی ہدایتیں اس شخص کے وجود کے ساتھ وابستہ ہیں جس پر قرآن نازل ہوا یا وہ شخص جو منجانب اللہ اس کا قائم مقام ٹھہرایا گیا اگر قرآن اکیلا ہی کافی ہوتا تو خدا تعالیٰ قادر تھا کہ قدرتی طور پر درختوں کے پتوں پر قرآن لکھا جاتا یا لکھا لکھایا آسمان سے نازل ہو جاتا مگر خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ قرآن کو دنیا میں نہیں بھیجا جب تک معلم القرآن دنیا میں نہیں بھیجا گیا۔ قرآن کریم کو کھول کر دیکھو کتنے مقام میں اس مضمون کی آیتیں ہیں کہ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَ الْحِکْمَةَ (الجمعة:3) یعنے وہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن اور قرآنی حکمت لوگوں کو سکھلاتا ہے اور پھر ایک جگہ اور فرماتا ہے **وَلَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ** (الواقعة:80) یعنے قرآن کے حقائق ودقائق انھیں پر کھلتے ہیں جو پاک کئے گئے ہیں۔ **پس ان آیات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے سمجھنے کے لیے ایک ایسے معلم کی ضرورت ہے جسکو خدا تعالیٰ نے اپنے** ہاتھ سے پاک کیا ہو۔ اگر قرآن کے سیکھنے کیلئے معلم کی حاجت نہ ہوتی تو ابتدائے زمانہ میں بھی نہ ہوتی۔ اور یہ کہنا کہ ابتدا میں تو حل مشکلات قرآن کے لئے ایک معلم کی ضرورت تھی لیکن جب حل ہوگئیں تو اب کیا ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حل شدہ بھی ایک مدت کے بعد پھر قابل حل ہو جاتی ہیں ماسوا اسکے امت کو ہر ایک زمانہ میں نئی مشکلات بھی تو پیش آتی ہیں اور قرآن جامع جمیع علوم تو ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی زمانہ میں اسکے تمام علوم ظاہر ہو جائیں **بلکہ جیسی جیسی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ویسے ویسے قرآنی علوم کھلتے ہیں اور ہر یک زمانہ کی مشکلات کے مناسب حال ان مشکلات کو حل کرنیوالے روحانی معلم بھیجے جاتے ہیں جو وارثِ رسل ہوتے ہیں اور ظلی طور پر رسولوں کے کمالات کو پاتے ہیں اور جس مجدد کی کارروائیاں کسی ایک رسول کی منصبی کارروائیوں سے شدید مشابہت رکھتی ہیں وہ عنداللہ اسی رسول کے نام سے پکارا جاتا ہے۔**

(شہادت القرآن۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 347348)

کتاب کے ساتھ استاد کی ضرورت

نبی بھی ایک استاد ہوتا ہے جو کہ خدا کی کلام کو سمجھا کر اس پر عمل کرنے کا طریق بتلاتا ہے۔ دیکھو میں الہام بیان کرتا ہوں تو ساتھ ہی تفہیم بیان کر دیتا ہوں اور یہ عادت نہ انسانوں میں دیکھی جاتی ہے نہ خدا میں۔ کہ ایک علمی بات بیان کر کے پھر اسے عملدرآمد میں لانے کے واسطے نہ سمجھاوے۔ **جو استاد کا محتاج نہیں ہے وہ ضرور ٹھوکر کھائے گا۔ جیسے طبیب بلا استاد کے طبابت کرے تو دھوکا کھاوے گا ایسے ہی جو شخص بلا توسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اگر خود بخود قرآن سمجھتا ہے تو ضرور دھوکا کھاوے گا۔**

(ملفوظات۔ جلد سوم صفحہ 413)

کہتے ہیں اسلام کو کسی کی کیا ضرورت ہے جبکہ قرآن موجود ہے اور مولوی موجود ہیں یہ نہیں جانتے کہ ان کے مولوی جو اِن بھیڑوں کے گلہ بان ہیں خود بھیڑیئے ہیں اور وہ ریوڑ کیسے خطرہ میں ہے جس کا کوئی گلہ بان نہ ہو۔ اسلام پر اندرونی اور بیرونی حملے ہو رہے ہیں اور ماریں کھا رہا ہے۔ **پس ایسے شخص کی ضرورت تھی کہ مغالطے اور مشکلات دور کر کے پیچیدہ مسائل کو حل کر کے رستہ صاف کرتا اور اسلام کی اصلی روشنی اور سچا نور دوسری قوموں کے سامنے پیش کرتا۔** دیکھو ایک وہ زمانہ تھا کہ عیسائی لوگ کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ کوئی پیشگوئی ہے نہ معجزہ۔ مگر اب میرے سامنے کوئی نہیں آتا حالانکہ ہم بلاتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کا یہی ارادہ تھا۔ اس نے اپنے وعدہ کے موافق وقت پر اپنے دین کی خبر گیری اور دستگیری فرمائی ہے۔ اِنَّـا نَـحۡـنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰافِظُوۡنَ (الحجر :10) اسلام کو اس نے دنیا میں قائم کیا۔ قرآن کی تعلیم پھیلائی اور اس کی حفاظت کا بھی وہی خود ذمہ دار ہے۔ جب انسان اپنے لگائے ہوئے بوٹے کو التزام سے پانی دیتا ہے تا وہ خشک نہ ہو جاوے تو کیا خدا انسان سے بھی گیا گزرا اور لاو پرا ہے؟ یاد رکھو کہ اسلام نے جن راہوں سے پہلے ترقی کی تھی اب بھی انہی راہوں سے ترقی کرے گا۔ خشک منطق ایک ڈائن ہے اس سے انجان آدمی کے اعتقاد میں خلل آجاتا ہے اور ظاہری فلسفے روحانی فلسفے کے بالکل مخالف ہیں۔ صاحبان! یہ امور ہیں جن کی اصلاح کے واسطے میں بھیجا گیا ہوں۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ :670)

اے اسیرِ عقلِ خود بر ہستی خود کم نباز　　　کیں سپہر بوالعجائب جوں تو بسیار آورد

اے اپنی عقل کے قیدی اپنی ہستی پر ناز نہ کر کہ یہ عجیب آسمان تیری طرح کے بہت سے آدمی لایا کرتا ہے

غیر را ہرگز نمے باشد گذر در کوئے حق　　　ہر کہ آید ز آسماں اورا ز آں یار آورد

خد کے کوچہ میں غیر کو ہرگز دخل نہیں جو آسمان سے آتا ہے وہی اس یار کے اسرار ہمراہ لاتا ہے

خود بخود فہمیدنِ قرآں گمانِ باطل است　　　ہر کہ از خود آورد اونجس و مردار آورد

آپ ہی آپ قرآن کو سمجھ لینا ایک غلط خیال ہے جو شخص اپنے پاس سے اس کا مطلب بیان کرتا وہ گندگی اور مردار پیش کرتا ہے

(برکات الدعا: ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 5)

فہم قرآن اور علماء عارف باللہ اور اولیاء عظّام

جو علما عارف باللہ اور مؤید من اللہ ہوتے ہیں۔ وہ بتائید روح القدس جملہ علوم کا استخراج قرآن مجید سے کر سکتے ہیں۔ قال اللہ تعالیٰ لَا رَطۡبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ (الانعام:60) وایضاً قال اللہ تعالیٰ وَالَّـذِیۡـنَ جَـاهَـدُوۡا فِیۡـنَـا لَـنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا (العنکبوت:70) وایضا قال اللہ تعالیٰ وَ عَـلَّـمۡـنٰـهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِـلۡـمًا(الکهف: 66)۔ اور علماء ظاہر کو یہ بات نصیب نہیں ہو سکتی ان کو البتہ اشد احتیاج طرف علوم رسمیہ اور فنون درسیہ کی ہوتی ہے۔

(الحق مباحثہ دہلی۔ ر۔خ۔ جلد 4 صفحہ 294)

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ مَافَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ۔ (الانعام:39)

ہر چند میرا مذہب یہی ہے کہ قرآن اپنی تعلیم میں کامل ہے اور کوئی صداقت اس سے باہر نہیں کیونکہ اللہ جلّشانہٗ فرماتا ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (النحل:90) یعنے ہم نے تیرے پر وہ کتاب اتاری ہے جس میں ہر ایک چیز کا بیان ہے۔اور پھر فرماتا ہے مَافَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ (الانعام:39) یعنی ہم نے اس کتاب سے کوئی چیز باہر نہیں رکھی۔ **لیکن ساتھ اس کے یہ بھی میرا اعتقاد ہے کہ قرآن کریم سے تمام مسائل دینیہ کا استخراج واستنباط کرنا اور اسکی مجملات کی تفاصیل صحیحہ پر حسب منشاء الٰہی قادر ہر ایک مجتہد اور مولوی کا کام نہیں بلکہ یہ خاص طور پر انکا کام ہے جو وحی الٰہی سے بطور نبوت یا بطور ولایت عظمٰی مدد دیئے گئے ہوں۔** سو ایسے لوگوں کیلئے جو استخراج واستنباط معارف قرآنی پر بعلت غیر ملہم ہونے کے قادر نہیں ہو سکتے یہی سیدھی راہ ہے کہ وہ بغیر قصد استخراج واستنباط قرآن کے ان تمام تعلیمات کو جو سنن متوارثہ متعاملہ کے ذریعہ سے ملی ہیں۔ بلا تامل وتوقف قبول کرلیں۔اور جو لوگ وحی ولایت عظمٰی کی روشنی سے منور ہیں اور الا المطہرون کے گروہ میں داخل ہیں ان سے بلاشبہ عادت اللہ یہی ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً دقائق مخفیہ قرآن کے ان پر کھولتا رہتا ہے اور یہ بات ان پر ثابت کر دیتا ہے کہ کوئی زاید تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز نہیں دی۔ بلکہ احادیث صحیحہ میں مجملات واشارات قرآن کریم کی تفصیل ہے سو معرفت کے پانے سے اعجاز قرآن کریم ان پر کھل جاتا ہے اور نیز ان آیات بینات کی سچائی ان پر روشن ہو جاتی ہے جو اللہ جلشانہ فرماتا ہے۔ جو قرآن کریم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ اگر چہ علماء ظاہر بھی ایک قبض کی حالت کے ساتھ ان آیات پر ایمان لاتے ہیں تا ان کی تکذیب لازم نہ آوے۔ لیکن وہ کامل یقین اور سکینت اور اطمینان جو ملہم کامل کو بعد معائنہ مطابقت و موافقت احادیث صحیحہ اور قرآن کریم اور بعد معلوم کرنے اس احاطہ تام کے جو درحقیقت قرآن کو تمام احادیث پر ہے ملتی ہے وہ علماء ظاہر کو کسی طرح مل نہیں سکتی۔ بلکہ بعض تو قرآن کریم کو ناقص و ناتمام خیال کر بیٹھتے ہیں اور جن غیر محدود صداقتوں اور حقائق اور معارف پر قرآن کریم کے دائمی اور تمامتر اعجاز کی بنیاد ہے اس سے وہ منکر ہیں اور نہ صرف منکر بلکہ اپنے انکار کی وجہ سے ان تمام آیات بینات کو جھٹلاتے ہیں جن میں صاف صاف اللہ جلّشانہ نے فرمایا ہے کہ قرآن جمیع تعلیمات دینیہ کا جامع ہے!!!

(الحق۔مباحثہ لدھیانہ۔ر۔خ۔جلد4 صفحہ 81-80)

یہ اوّل فضیلت اور کمال کسی ولی کا یہ ہے کہ علم قرآن اس کو عطا کیا جائے کیونکہ وہی تو ہم مسلمان لوگوں کا مقتدا و پیشوا و ہادی و رہنما ہے۔ اگر اسی سے بیخبری ہوئی تو پھر قدم قدم پر ہلاکت اور موت موجود ہے۔ جس پر خدا تعالیٰ نے یہ مہربانی نہ کی جو اپنے پاک کلام کا علم اس کو عطا کرتا اور اس کے حقائق سے اطلاع دیتا اور اس کے معارف پر مطلع فرماتا۔ ایسے بدنصیب شخص پر دوسری مہربانی اور کیا ہوگی حالانکہ وہ آپ فرماتا ہے کہ میں جس کو حقیقی پاکیزگی بخشتا ہوں اس پر قرآنی علوم کے چشمے کھولتا ہوں۔ اور نیز فرماتا ہے کہ جس کو چاہتا ہوں علم قرآن دیتا ہوں اور جس کو علم قرآن دیا گیا اس کو وہ چیز دی گئی جس کے ساتھ کوئی چیز برابر نہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ ہمارے اس بیان سے ہر یک سچا مسلمان اتفاق کرے گا بجز ایسے شخص کے کہ کوئی پوشیدہ بت آستین میں رکھتا ہے اور قرآن کریم کی سچی محبت اور سچی دلدادگی سے بےنصیب اور محروم ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد5 صفحہ 363)

الله نـور فيـميل الى لنور۔ وعادته البدور الى البدور۔ ولما كانت هذه عادة الله باولياء ہ۔ وسـنتـه بـعبـاده الـمـنقطعين و اصفياء ہ۔ لزم ان لايرى عبده المقبول وجه زلة۔ ولا ينسب الى ضعف و علة عند مقابلة من اهل ملة۔ و يفوق الكل عند تفسير القرآن۔ بانوا ع علم و معرفة۔ و قـد قيـل ان الـولـي يخرج من القرآن و القرآن يخرج من الولي ۔ و ان خفايا القرآن لا يظهر الا عـلـى الذى ظهر من يدى العليم العلى ۔ فـان كان رجل ملك وحده هذا الفهم الممتاز ۔ فمثله كمثل رجل اخرج الركاز۔

(اعجاز المسیح۔ر۔خ۔جلد18 صفحہ 47-46)

(ترجمہ از مرتب) چونکہ اللہ تعالیٰ نور ہے وہ نور ہی سے دوستی رکھتا ہے اور اس کی عادت ہے کہ چودھویں کے چاندوں ہی کو روشن کرتا ہے۔ جبکہ اولیاء اور منقطعین اور اصفیاء سے اللہ کی یہی سنت ہے تو پھر لازم ہے کہ اس کا مقبول انسان کبھی ذلت کا منہ نہ دیکھے اور قوم سے مقابلہ کے وقت اس میں کوئی کمزوری اور کم علمی ظاہر نہ ہو اور وہ تفسیرِ قرآن میں دیگر سب مفسرین سے بہتر ہو۔ **اور کہا گیا ہے کہ ولی قرآن سے پیدا ہوتا ہے اور قرآن ولی سے۔ اور قرآن کے مخفی راز صرف اسی پر کھلتے ہیں۔ جو علیم اور اعلیٰ خدا کے ہاتھ سے ظاہر ہوا۔** اگر کسی انسان کو قرآن کا ایسا ممتاز فہم عطا ہوا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ اس نے ایک مدفون خزینہ معلوم کر لیا ہو۔

گفت پیغمبرِ ستودہ صفات از خدائے علیم مخفیات

ستودہ صفات پیغمبر نے۔ غیب دان علیم خدا سے علم پا کر کہا ہے۔

بر سرِ ہر صدی بروں آید آنکہ ایں کار را ہمے شاید

کہ ہر صدی کے سر پر ایسا شخص ظاہر ہوتا ہے جو اس کام کے لائق ہوتا ہے۔

تا شود پاک ملت از بدعات تا بیابند خلق زو برکات

تا کہ مذہب بدعات سے پاک ہو جائے۔ اور مخلوق اس سے برکتیں حاصل کرے۔

الغرض ذاتِ اولیائے کرام ہست مخصوص ملت اسلام

خلاصہ کلام یہ کہ اولیائے کرام کی ذات مذہب اسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 84)(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 362)

دوسری فصل

فہم قرآن اور تائید وحی والہام

یہ بات تو سچ ہے کہ قرآن کریم ہدایت دینے کے لئے کافی ہے مگر قرآن کریم جس کو ہدایت کے چشمہ تک پہنچاتا ہے اس میں پہلی علامت یہی پیدا ہو جاتی ہے کہ مکالمہ طیبہ الٰہیہ اس سے شروع ہو جاتا ہے جس سے نہایت درجہ کی انکشافی معرفت اور چشمدید برکت ونورانیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ عرفان حاصل ہونا شروع ہو جاتا ہے جو مجرد تقلیدی اٹکلوں یا عقلی ڈھکوسلوں سے ہرگز مل نہیں سکتا کیونکہ تقلیدی علوم محدود و مشتبہ ہیں اور عقلی خیالات ناقص و ناتمام ہیں اور ہمیں ضرور حاجت ہے کہ براہ راست اپنے عرفان توسیع کریں۔ کیونکہ جس قدر ہمارا عرفان ہوگا اسی قدر ہم میں ولولہ وشوق جوش مارے گا۔ کیا ہمیں باوجود ناقص عرفان کے کامل ولولہ وشوق کی کچھ توقع ہے؟ نہیں کچھ بھی نہیں۔ سو حیرت اور تعجب ہے کہ وہ لوگ کیسے بدفہم ہیں جو ایسے ذریعہ کاملہ وصول حق سے اپنے تئیں مستغنی سمجھتے ہیں جس سے روحانی زندگی وابستہ ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ روحانی علوم اور روحانی معارف صرف بذریعہ الہامات و مکاشفات ہی ملتے ہیں اور جب تک ہم وہ درجہ روشنی کا نہ پالیں تب تک ہماری انسانیت کسی حقیقی معرفت یا حقیقی کمال سے بہرہ یاب نہیں ہو سکتی۔ صرف کوّے کی طرح یا بھیڑی کی مانند ایک نجاست کو ہم حلوہ سمجھتے رہیں گے اور ہم میں ایمانی فراست بھی نہیں آئے گی۔ صرف لومڑی کی طرح داؤ پیچ بہت یاد ہوں گے۔ (ازالہء اوہام جلد 3 صفحہ 328-327)

لہٰذا اصل حق الامر یہی ہے کہ جو چیز قرآن سے باہر یا اسکے مخالف ہے وہ مردود ہے اور احادیث صحیحہ قرآن سے باہر نہیں۔ کیونکہ وحی غیر متلو کی مدد سے وہ تمام مسائل قرآن سے مستخرج اور مستنبط کئے گئے ہیں۔ ہاں یہ **سچ ہے کہ وہ استخراج اور استنباط بجز رسول اللہ یا اسی شخص کے جو ظلّی طور پر ان کمالات تک پہنچ گیا ہو ہر یک کا کام نہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جن کو ظلّی طور پر عنایات الٰہیہ نے وہ علم بخشا ہو جو اسکے رسول متبوع کو بخشا تھا وہ حقائق و معارف دقیقہ قرآن کریم پر مطلع کیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ کا وعدہ ہے لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعة :80) اور جیسا کہ وعدہ ہے۔ یؤتی الحکمة من یشآء و من یؤت الحکمة فقداوتی خیرًا کثیرًا (البقرة:270) اس جگہ حکمت سے مراد علم قرآن ہے۔ سو ایسے لوگ وحی خاص کے ذریعہ سے علم اور بصیرت کی راہ سے مطلع کئے جاتے ہیں اور صحیح اور موضوع میں اس خاص طور کے قاعدہ سے تمیز کر لیتے ہیں۔ گو عوام اور علماء ظواہر کو اس کی طرف راہ نہیں۔** (الحق بحث لدھیانہ۔ ر۔خ۔ جلد 4 صفحہ 93)

اب یہ بھی یاد رہے کہ عادت اللہ ہر یک کامل ملہم کے ساتھ یہی رہی ہے کہ عجائبات مخفیہ فرقان اس پر ظاہر ہوتے رہے ہیں **بلکہ بسا اوقات ایک ملہم کے دل پر قرآن شریف کی آیت الہام کے طور پر القاء ہوتی ہے** اور اصل معنی سے پھیر کر کوئی اور مقصود اس سے ہوتا ہے (ازالہء اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 261)

وحیٔ ولایت اہم معیار فہم قرآن ہے

ساتواں معیار وحی ولایت اور مکاشفات محدثین ہیں۔ اور یہ معیار گویا تمام معیاروں پر حاوی ہے کیونکہ صاحب وحی محدثیت اپنے نبی متبوع کا پورا ہمرنگ ہوتا ہے اور بغیر نبوت اور تجدید احکام کے وہ سب باتیں اس کو دی جاتی ہیں جو نبی کو دی جاتی ہیں اور اس پر یقینی طور پر سچی تعلیم ظاہر کی جاتی ہے اور نہ صرف اس قدر بلکہ اس پر وہ سب امور بطور انعام واکرام کے وارد ہو جاتے ہیں جو نبی متبوع پر وارد ہوتے ہیں۔ سو اس کا بیان محض اٹکلیں نہیں ہوتیں بلکہ وہ دیکھ کر کہتا ہے اور سنکر بولتا ہے اور یہ راہ اس امت کے لئے کھلی ہے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وارث حقیقی کوئی نہ رہے اور ایک شخص جو دنیا کا کیڑا اور دنیا کے جاہ وجلال اور ننگ وناموس میں مبتلا ہے وہی وارث علم نبوت ہو کیونکہ خدا تعالیٰ وعدہ کر چکا ہے کہ بجز مطہرین کے علم نبوت کسی کو نہیں دیا جائے گا بلکہ یہ تو اس پاک علم سے بازی کرنا ہے کہ ہر ایک شخص باوجود اپنی آلودہ حالت کے وارث النبی ہونے کا دعویٰ کرے۔ اور یہ بھی ایک سخت جہالت ہے کہ ان وارثوں کے وجود سے انکار کیا جائے۔

(برکات الدعاء۔ر۔خ۔جلد 6 صفحہ 19 تا 21)

اے اسیر عقلِ خود برہستیٔ خود کم بناز　　　　کیں سپہر بوالعجائب چوں تو بسیار آورد

اے اپنی عقل کے قیدی اپنی ہستی پر ناز نہ کر کہ یہ عجیب آسمان تیری طرح کے بہت سے آدمی لایا کرتا ہے۔

غیر را ہرگز نمے باشد گذر در کوئے حق　　　　ہر کہ آید ز آسماں اُو رازِ آں یار آورد

خدا کے کوچہ میں غیر کو ہرگز دخل نہیں جو آسمان سے آتا ہے وہی اس یار کے اسرار ہمراہ لاتا ہے۔

خود بخود فہمیدنِ قرآں گمانِ باطل است　　　　ہر کہ از خود آورد او نجس و مردار آورد

آپ ہی آپ قرآن کو سمجھ لینا ایک غلط خیال ہے جو شخص اپنے پاس سے اس کا مطلب بیان کرتا ہے وہ گندگی اور مردار پیش کرتا ہے۔

(برکات الدعا۔ر۔خ۔جلد 6 صفحہ 5)

حضرت اقدسؑ کا فہم قرآن

وحیٔ الٰہی اور الہام کی تائید کے ساتھ ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام :۔ یہ خدا کا بڑا فضل ہے اور خوش قسمتی آپ کی ہے کہ آپ ادھر آ نکلے۔ یہ بات واقعی سچ ہے کہ جو مسلمان ہیں یہ قرآن شریف کو بالکل نہیں سمجھتے لیکن اب خدا کا ارادہ ہے کہ صحیح معنے قرآن کے ظاہر کرے خدا نے **مجھے اسی لیے مامور کیا ہے اور میں اس کے الہام اور وحی سے قرآن شریف کو سمجھتا ہوں قرآن شریف کی ایسی تعلیم ہے کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں آ سکتا۔** اور معقولات سے ایسی پُر ہے کہ ایک فلاسفر کو بھی اعتراض کا موقعہ نہیں ملتا مگر ان مسلمانوں نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا ہے اور اپنی طرف سے ایسی ایسی باتیں بنا کر قرآن شریف کی طرف منسوب کرتے ہیں جس سے قدم قدم پر اعتراض وارد ہوتا ہے اور ایسے دعاوی اپنی طرف سے کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں نہیں ہے اور وہ سراسر اس کے خلاف ہیں مثلاً اب یہی واقعہ صلیب کو دیکھو کہ اس میں کسقدر افتراء سے کام لیا گیا ہے اور قرآن کریم کی مخالفت کی گئی ہے اور یہ بات عقل کے بھی خلاف ہے اور قرآن کے بھی برخلاف ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 451-450)

گندم از گندم بروید جو ز جو   از مکافات عمل غافل مشو

گندم، گندم سے اور جَو، جَو سے اگتی ہے۔ اعمال کے نتائج سے غافل نہ ہو جاؤ

میں اس بصیرت کے مقابل پر جو مجھے آسمان سے عطا کی گئی ہے ان سفلی ملاؤں کو سراسر بے بصر سمجھتا ہوں اور بخدا ایک مرے ہوئے کیڑے کے برابر بھی میں انھیں خیال نہیں کرتا۔ کیا کوئی زندہ مردوں سے ڈرا کرتا ہے۔ یقیناً سمجھو کہ علم دین ایک آسمانی بھید ہے اور وہی کما حقہٗ آسمانی بھید جانتا ہے جو آسمان سے فیض پاتا ہے جو خدائے تعالیٰ تک پہنچتا ہے وہی اسکی کلام کے اسرار عمیقہ تک بھی پہنچتا ہے جو پوری روشنی میں نشست رکھتا ہے وہی ہے جو پوری بصیرت بھی رکھتا ہے۔ (آسمانی فیصلہ۔ ر۔خ۔ جلد 4 صفحہ 321-320)

تیسری فصل

حضرت اقدسؑ کے دعاوی کا عرفان فہم قرآن کی کلید ہے

اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ (الغاشية:18)

میرے دعویٰ کا فہم کلید ہے نبوت اور قرآن شریف کی۔ جو شخص میرے دعویٰ کو سمجھ لے گا نبوت کی حقیقت اور قرآن شریف کے فہم پر اس کو اطلاع دی جائے گی اور جو میرے دعوی کو نہیں سمجھتا اس کو قرآن شریف پر اور رسالت پر پورا یقین نہیں ہوسکتا۔............

اونٹ کی سرشت میں اتباع امام کا مسئلہ ایک مانا ہوا مسئلہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کہہ کر اس مجموعی حالت کی طرف اشارہ کیا ہے جبکہ اونٹ ایک قطار میں جار ہے ہوں۔ اسی طرح پر ضروری ہے کہ تمدنی اور اتحادی حالت کو قائم رکھنے کے واسطے ایک امام ہو۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ یہ قطار سفر کے وقت ہوتی ہے۔ پس دنیا کے سفر کو قطع کرنے کے واسطے جب تک ایک امام نہ ہو انسان بھٹک کر ہلاک ہو جاوے۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 394-393)

میرے پاس آؤ اور میری سنو!

میری حیثیت ایک معمولی مولوی کی حیثیت نہیں ہے بلکہ میری حیثیت سننِ انبیاء کی سی حیثیت ہے۔ مجھے ایک سماوی آدمی مانو۔ پھر یہ سارے جھگڑے اور تمام نزاعیں جو مسلمانوں میں پڑی ہوئی ہیں، ایک دم میں طے ہو سکتی ہیں جو خدا کی طرف سے مامور ہو کر حَکَم بن کر آیا ہے۔ جو معنے قرآن شریف کے وہ کرے گا، وہی صحیح ہوں گے اور جس حدیث کو وہ صحیح قرار دے گا، وہی حدیث صحیح ہوگی۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 399)

و ما كتبته من حولي ۔ و اني ضعيف و كمثلي قولي۔ بل الله و الطافه اغلاق خزائنه ۔ و من عنده اسرار دفائنه۔ جمعت فيه انواع المعارف و رتبت۔ و صففتُ شواردا النكات و الجمت من عرفه عرف القران۔

ترجمہ:۔ میں نے یہ کتاب اپنی قابلیت پر انحصار کر کے نہیں لکھی کیونکہ میں کمزور ہوں اور میری بات بھی کمزور ہے۔ بلکہ اسی کتاب کے خزانوں کی چابی خدا تعالیٰ کی مہربانیاں ہیں۔ اور یہ اسی کی طرف سے یہ اسرار کے دفینے ہیں۔

میں نے اس کتاب میں ہر قسم کے معارف جمع کئے ہیں اور ان کو ترتیب دی ہے۔ اور معارف کے گھوڑوں کو صف بصف کھڑا کیا ہے۔ اور ان کو لگام دی ہے۔ جو بھی اس کتاب کو سمجھ لے گا وہ قرآن کریم کا فہم پائیگا۔

(اعجاز المسیح۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 58-57)

علمِ قرآن علمِ آں طیب زباں علمِ غیب از وحیِ خلاقِ جہاں

قرآن کا علم۔ اُس پاک زبان کا علم اور الہام الٰہی سے غیب کا علم۔

ایں سہ علم چوں نشانہا دادہ اند ہر سہ ہمچوں شاہداں استادہ اند

یہ تین علم مجھے نشان کے طور پر دیئے گئے ہیں اور تینوں بطور گواہ میری تائید میں کھڑے ہیں۔

(تحفہ غزنویہ۔ ر۔خ۔ جلد 15 صفحہ 533) (درثمین فارسی مترجم صفحہ 260)

و واللہ انی جئت منہ مجددا | بوقت اصل الناس غول مسخر
وعلمنی ربی علوم کتابہ | واعطیت مما کان یخفی ویستر
واسرار قراٰن مجید تبینت | علی ویسرلی علیم میسر

☆۔اور خدا کی قسم! یقیناً میں اس کی طرف سے مجدد ہو کر آیا ہوں ایسے وقت میں کہ قابو کر لینے والے دیو نے لوگوں کو گمراہ کر دیا تھا۔
☆۔ مجھے میرے رب نے اپنی کتاب کے علوم سکھائے اور مجھے وہ علم دیا گیا جو مخفی اور مستور تھا۔
☆۔اور قرآن مجید کے بھید مجھ پر ظاہر ہو گئے۔آسانی پیدا کرنے والے خدائے علیم نے میرے لئے آسانی پیدا کر دی۔
(القصائدالاحمدیہ صفحہ 49)(حمامۃ البشریٰ۔ر۔خ۔جلد7 صفحہ 334)

دیکھو براہین احمدیہ صفحہ 522۔اور خوب غور کرو کہ میرے نشانوں سے کیا مدّعا ٹھہرایا گیا۔ابھی میں بیان کر چکا ہوں کہ اسی مطلب کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تھے تا تکذیب کی حالت میں نئے نشانوں کے ساتھ توریت کی تصدیق کریں اور اسی مطلب کے لئے خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے تا نئے نشانوں کے ساتھ قرآن شریف کی سچائی غافل لوگوں پر ظاہر کی جائے۔اسی کی طرف الہام الٰہی میں اشارہ ہے کہ پائے محمدیاں برمنار بلندتر محکم افتاد اور یہی اشارہ اس دوسرے الہام براہین احمدیہ میں ہے الرحمان علم القران ۔ لتنذر قوماما انذر اباء ھم و لتستبین سبیل المجرمین۔ قل انی امرت و انا اول المؤمنین۔
(ایام الصلح۔ر۔خ۔جلد14 صفحہ 308)

نورِ دل جاتا رہا اک رسم دیں کی رہ گئی | پھر بھی کہتے ہیں کہ کوئی مصلح دیں کیا بکار
راگ وہ گاتے ہیں جس کو آسماں گاتا نہیں | وہ ارادے ہیں کہ جو ہیں برخلاف شہریار

(براھین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 132)(درثمین اردو صفحہ 122)

فان الفرقان مملو من عجائب الاسرار و دقائقھا و لطائفھا ولکن لا یمسہ الاالمطھرون۔ ولا یستنبط سرہ ولا یطلع علی غموض معانیہ الا الذی اصابہ حظ من صبغۃ اللہ

ترجمہ:۔یقیناً قرآن کریم عجیب اسرار و قائق اور لطائف سے بھرپور ہے لیکن ان اسرار دقائق اور معارف کو سوائے پاکیزہ لوگوں کے کوئی حاصل نہیں کر سکتا اور اس کے اسرار کو وہی مستنبط کر سکتا ہے اور اس کے معانی کی گہرائیوں پر وہی مطلع ہو سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کے رنگ سے ایک حصہ نصیب ہوا ہو۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد5 صفحہ 394)

ھل العلم شی غیر تعلیم ربنا | وای حدیث بعدہ نتخیر
کتاب کریم احکمت ایاتہ | وحیاتہ یحیی القلوب ویزھر
یدع الشقی ولا یمس نکاتہ | ویروی التقی ھدی فینمو و یثمر
و متعنی من فیضہ لطف خالقی | و انی رضیع کتابہ و مخفر
کریم فیؤتی من یشاء علومہ | قدیر فکیف تکذبن و تھکر

☆۔ کیا وہ علم کوئی چیز ہے جسے ہمارے رب نے نہ سکھایا ہواور کونسی بات ہم اس کے بعد اختیار کر سکتے ہیں؟

☆۔ وہ کتاب کریم ہے اس کی آیات محکم ہیں اور اس کی زندگی دلوں کو زندہ اور روشن کرتی ہے۔

☆۔ وہ بدبخت کو دھکے دیتی ہے اور وہ اس کے نکات کو نہیں چھو سکتا اور وہ پرہیز گار کو ہدایت سے سیراب کرتی ہے سو وہ نشو ونما پاتا ہے اور پھل دیتا ہے۔

☆۔ اور میرے رب کی مہربانی نے اپنے فیض سے مجھے بہرہ ور کیا ہے۔ میں اس کی کتاب کا شیر خوار ہوں اور اسکی حفاظت میں ہوں۔

☆۔ وہ کریم ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنے علوم دیتا ہے' وہ قدیر ہے۔ سوتو (اس بات کی) کیسے تکذیب کرتا ہے اور کیسے (اس پر) تعجب کرتا ہے۔

(کرامات الصادقین ۔ ر۔خ۔ جلد 7 صفحہ 87) (درثمین عربی القصائد الاحمدیہ صفحہ 68)

وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا وَّ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ۔(سبا:29)

ہم ایسے نبی کے وارث ہیں جو رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ اور کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ کے لئے رسول ہو کر آیا۔ جس کی کتاب کا خدا محافظ اور جس کے حقائق و معارف سب سے بڑھ کر ہیں پھر ان معارف اور حقائق کو پانے والا کیوں کم ہے؟ (ملفوظات جلد دوئم صفحہ 291)

یقولون انا لا نری ضرورۃ مسیح و لا مھدی و کفانا القران و انا مھتدون۔ و یعلمون ان القران کتاب لا یمسہ الا المطھرون۔ فاشتدت الحاجۃ الی مفسر زکی من ایدی اللہ و ادخل فی الذین یبصرون۔

ترجمہ از اصل:۔ کہتے ہیں کہ ہم کو مسیح اور مہدی کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ قرآن ہمارے لئے کافی ہے اور ہم سیدھے رستے پر ہیں۔ حالانکہ جانتے ہیں کہ قرآن ایسی کتاب ہے کہ سوائے پاکوں کے اور کسی کی فہم اس تک نہیں پہنچتی۔ اس وجہ سے ایک ایسے مفسر کی حاجت پڑی کہ خدا کے ہاتھ نے اسے پاک کیا ہو اور بینا بنایا ہو۔ (خطبہ الہامیہ ۔ ر۔خ۔ جلد 16 صفحہ 183-184)

تا نہ فضلش درِ تو بکشاید صد فضولی بکن چہ کار آید
جب تک اس کا فضل تیرے لئے دروازہ نہ کھولے تو تُو اگر سینکڑوں فضولیاں بھی کرتا رہے سب بیکار ہیں۔

آں خدائے کہ وعدۂ حکمے داد از راہِ رحم و لطف ھمے
وہ خدا جس نے ایک حکم کا وعدہ اپنے لطف اور رحم کی راہ سے کیا تھا۔

او بدانست از ازل کہ انام راہِ خود گم کنند از اوہام
وہ ازل سے یہ جانتا تھا کہ مخلوقات شک و شبہات میں پڑ کر اپنا راستہ بھول جائے گی۔

ورنہ کارِ حکم چہ خواہد بود رہ نمائی بمردِ راہ چہ سود
ورنہ پھر حکم کا کام کیا ہوگا ٹھیک راستے پر چلنے والے انسان کو راہ دکھانے کا کیا فائدہ۔

راہ گم کردہ را حکم باید تا بدو راہِ راست بنماید
حکم تو گمراہ کے لیے درکار ہوتا ہے تا کہ وہ اس کو سیدھا رستہ دکھائے۔

ایں مگو ما خودیم عالمِ دین　　توبہ کن از مکالماتِ چنیں

تو یہ نہ کہہ ہم خود دین کے عالم ہیں۔ایسی باتوں سے توبہ کر۔

کور را کور کے نماید راہ　　ہر کہ آگاہ از خدا آگاہ

اندھے کو اندھا کس طرح راستہ دکھا سکتا ہے جو بھی واقفِ راہ ہے وہ خدا کی طرف سے آگاہ کیا گیا ہے۔

آں یکے از دہانِ دلدارے　　نکتہ ہائے شنید و اسرارے

ایک شخص تو وہ ہے جو اپنے معشوق کے منہ سے نکتے اور اسرار سنتا ہے۔

واں دگر از خیال خود بگماں　　پس کجا باشد ایں دوکس یکساں

اور دوسرا شخص وہ ہے جو اپنے خیالات کی بنیاد پر شک اور گمان میں مبتلا ہے پس کس طرح یہ دونو برابر ہو سکتے ہیں۔

(نزول المسیح۔ر۔خ۔جلد 18 صفحہ 480-482)(درثمین فارسی مترجم صفحہ 358,348)

کشف و رویاء اور وحیءِ خفی

غرض قرآن ایسی مجمل کتاب نہیں جو بھی اور کسی صورت میں معیار کا کام نہ دے سکے۔جس کا ایسا خیال ہے بے شک وہ سخت نادان ہے۔بلکہ ایمان اس کا خطرہ کی حالت میں ہے اور حدیث انی اوتیت الکتاب و مثلہ سے آپ کے خیال کو کیا مدد پہنچ سکتی ہے؟ **آپ کو معلوم نہیں کہ وحی متلو کا خاصہ ہے جو اس کے ساتھ تین چیزیں ضرور ہوتی ہیں خواہ وہ وحی رسول کی ہو یا نبی کی یا محدث کی۔**

اوّل۔**مکاشفات صحیحہ جو اخبارات اور بیانات وحی کو کشفی طور پر ظاہر کرتے ہیں۔**گویا خبر کو معائنہ کر دیتے ہیں۔جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بہشت اور دوزخ دکھلایا گیا جس کا قرآن کریم نے بیان کیا تھا۔اور ان گذشتہ رسولوں سے ملاقات کرائی گئی جن کا قران حمید میں ذکر کیا گیا تھا ایسا ہی بہت سی معاد کی خبریں کشفی طور پر ظاہر کی گئیں۔تا وہ علم جو قرآن کے ذریعہ سے دیا گیا تھا۔زیادہ تر انکشاف پکڑے اور موجب طمانیت اور سکینت کا ہو جائے۔

دوئم۔**وحی متلو کے ساتھ رویائے صالحہ دی جاتی ہے جو نبی اور رسول اور محدث کیلئے ایک قسم کی وحی میں ہی داخل ہوتی ہے** اور باوجود کشف کے رویاء کی اس لئے ضرورت ہوتی ہے کہ تا علم استعارات کا جو رویا پر غالب ہے' وحی یاب پر کھل جائے اور علوم تعبیر میں مہارت پیدا ہو اور تا کشف اور رویا اور وحی بباعث تعدد طرق کے ایک دوسرے پر شاہد ہوں اور اس وجہ سے نبی اللہ کمالات اور معارف یقینیہ کی طرف ترقی رکھے۔

سوئم۔وحی متلو کے ساتھ ایک خفی وحی عنایت ہوتی ہے جو تفہیمات الٰہیہ سے نامزد ہوسکتی ہے یہ وحی ہے جسکو وحی غیر متلو کہتے ہیں اور متصوفہ اس کا نام وحی خفی اور وحی دل بھی رکھتے ہیں۔اس وحی سے یہ غرض ہوتی ہے کہ بعض مجملات اور اشارات وحی متلو کے منزل علیہ پر ظاہر ہوں۔سو یہ وہ تینوں چیزیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اوتیت الکتاب کے ساتھ مثلہ کا مصداق ہیں۔اور ہر ایک رسول اور نبی اور محدث کو اس کی وحی کے ساتھ یہ تینوں چیزیں حسب مراتب اپنی اپنی حالت قرب کے دی جاتی ہیں۔چنانچہ اس بارے میں راقم تقریر ہذا صاحب تجربہ ہے یہ مویدات ثلثہ یعنے کشف اور رؤیا اور وحی خفی دراصل امور زائدہ نہیں ہوتے بلکہ وحی متلو کے جو متن کی طرح ہے مفسر اور مبین ہوتے ہیں۔فتدبّر (الحق بحث لدھیانہ۔ر۔خ۔جلد4 صفحہ 109-108)

ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا (فاطر:33) ہم نے کتاب کا وارث اپنے بندوں میں سے ان کو بنایا جن کو ہم نے چن لیا۔یعنی ان لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جیسے ایک مکان کی کل کھڑکیاں کھلی ہیں کہ کوئی گوشہ تاریکی کا اس میں نہیں اور روشنی خوب صاف اور کھلی آ رہی ہے۔اسی طرح ان کے مکالمہ کا حال ہوتا ہے .... کہ اجلی اور بہت کثرت سے ہوتا ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 53)

لہٰذا عندالعقل یہ بات نہ صرف احسن بلکہ واجب ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاک نبی جو شریعت اور کتاب لیکر آتے ہیں اور اپنے نفس میں تاثیر اور قوت قدسیہ رکھتے ہیں یا تو وہ ایک لمبی عمر لیکر آویں اور ہمیشہ اور ہر صدی میں ہر یک اپنی نئی امت کو اپنی ملاقات اور صحبت سے شرف پہنچاویں جو انھوں نے ابتداء زمانہ میں پہنچائی تھی اور اگر ایسا نہیں تو پھر انکے وارث جو انھیں کے کمالات اپنے اندر رکھتے ہوں اور کتاب الٰہی کے دقائق اور معارف کو وحی اور الہام سے بیان کر سکتے ہوں اور منقولات کو مشہودات کے پیرایہ میں دکھلا سکتے ہوں اور طالب حق کو یقین تک پہنچا سکتے ہوں ہمیشہ فتنہ اور فساد کے وقتوں میں ضرور پیدا ہونے چاہیئے۔ (شہادت القران۔ر۔خ۔جلد6 صفحہ 345)

دیں ھماں دیں بود کہ وحیءِ خدا نشود زو بہ ھیچ وقت جدا

دین تو وہی دین ہوتا ہے جس سے خدا کی وحی کسی وقت بھی جدا نہ ہو۔

وحی و دینِ خداست چوں توام یک چوگم شد دگر شود گم ھم

وحی اور دین خدا چونکہ دونوں جڑواں چیزیں ہیں۔پس اگر ایک جاتی رہے گی تو دوسری بھی گم ہو جائے گی۔

(نزول المسیح۔ر۔خ۔جلد18 صفحہ 482)

قرآن ایک آسمانی نور ہے

از نور پاک قرآں صبح صفا دمیدہ   برغنچہ ہائے دلہا باد صبا وزیدہ

قرآن کے پاک نور سے روشن صبح نمودار ہوگئی اور دلوں کے غنچوں پر بادصبا چلنے لگی۔

ایں روشنی و لمعاں شمس الضحیٰ ندارد   وایں دلبری و خوبی کس در قمر ندیدہ

ایسی روشنی اور چمک تو دوپہر کے سورج میں بھی نہیں اور ایسی کشش اور حسن تو کسی چاندنی میں بھی نہیں۔

اے کان دلربائی دانم کہ از کجائی   تو نور آں خدائی کیں خلق آفریدہ

اے کانِ حسن میں جانتا ہوں کہ تو کس سے تعلق رکھتی ہے تو تو اس خدا کا نور ہے جس نے یہ مخلوقات پیدا کی۔

میلم نماند باکس محبوب من توئی بس   زیرا کہ زاں فغاں رس نورت بما رسیدہ

مجھے کسی سے تعلق نہ رہا اب تو ہی میرا محبوب ہے کیونکہ اس خدائے فریادرس کی طرف سے تیرا نور ہم کو پہنچا ہے۔

(براھین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد1 صفحہ 304-305 حاشیہ نمبر2)(درثمین فارسی نیا ایڈیشن صفحہ 45)

الٓرٰ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ۔ بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ۔(ابراهیم:2)

یہ عالی شان کتاب ہم نے تجھ پر نازل کی تا کہ تو لوگوں کو ہر یک قسم کی تاریکی سے نکال کر نور میں داخل کرے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جس قدر انسان کے نفس میں طرح طرح کے وساوس گزرتے ہیں اور شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں ان سب کو قرآن شریف دور کرتا ہے اور ہر یک طور کے خیالات فاسدہ کو مٹاتا ہے اور معرفت کامل کا نور بخشتا ہے یعنی جو کچھ خدا کی طرف رجوع ہونے اور اس پر یقین لانے کے لئے معارف وحقایق درکار ہیں سب عطا فرماتا ہے۔

(براھین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد1 صفحہ 225 حاشیہ 11)

جمال وحسن قرآن نورِ جانِ ہر مسلماں ہے   قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا   بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاکِ رحماں ہے
بہارِ جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبارت میں   نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اس سا کوئی بستاں ہے
کلامِ پاکِ یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز   اگر لُولُوئے عماں ہے وگر لعلِ بدخشاں ہے

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد1 صفحہ 198-200)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡجَآءَ كُمۡ بُرۡهَانٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ نُوۡرًا مُّبِيۡنًا۔(النساء:175)

اے لوگو! قرآن ایک برہان ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے تم کو ملی ہے اور ایک کھلا کھلا نور ہے جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے۔ (کرامات الصادقین۔ر۔خ۔جلد 7 صفحہ 56)

اَلرَّحۡمٰنُ۔ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ۔(الرحمن:2`3)

علم نور ہے وہ حجاب نہیں ہو سکتا بلکہ جہالت حجاب اکبر ہے۔ خدا کا نام علیم ہے اور پھر قرآن میں آیا ہے اَلرَّحۡمٰنُ۔ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ۔ اسی لئے ملائکہ نے کہا لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا۔ (البقرۃ:33)

(الحکم جلد 6 نمبر 25 مورخہ 17 جولائی 1902 صفحہ 2)(ملفوظات جلد دوئم صفحہ 223)

وَ كَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ؕ مَا كُنۡتَ تَدۡرِىۡ مَا الۡكِتٰبُ وَلَا الۡاِيۡمَانُ وَلٰكِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ؕ وَ اِنَّكَ لَتَهۡدِىۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ۔ (شوریٰ:53)

ترجمہ:۔اور اسی طرح وحی کیا ہم نے طرف تیری کلام اپنے حکم سے نہ تھا تو جانتا کیا ہے کتاب اور نہ ایمان ولیکن بنایا ہم نے اسے نور رہم ہدایت دیتے ساتھ اسکے جسے چاہتے ہیں اپنے بندوں میں سے اور یقیناً تو البتہ ہدایت دیتا ہے طرف راہ سیدھی کی۔

اور اسی طرح ہم نے اپنے امر سے تیری طرف ایک روح نازل کی ہے۔ تجھے معلوم نہ تھا کہ کتاب اور ایمان کسے کہتے ہیں پر ہم نے اس کو ایک نور بنایا ہے جس کو ہم چاہتے ہیں بذریعہ اس کے ہدایت دیتے ہیں اور بہ تحقیق سیدھے راستہ کی طرف تو ہدایت دیتا ہے۔ (براھین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد 1 صفحہ 568)

نور فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلیٰ نکلا　　پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا!
حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا　　ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفیٰ نکلا
ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نور　　ایسا چمکا ہے کہ صد نیرِ بیضا نکلا
زندگی ایسوں کی کیا خاک ہے اس دنیا میں　　جن کا اس نور کے ہوتے بھی دل اعمیٰ نکلا
جلنے سے آگے ہی یہ لوگ تو جل جاتے ہیں　　جن کی ہر بات فقط جھوٹ کا پتلا نکلا

(براھین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد 1 صفحہ 305-306 حاشیہ نمبر 2)

نورِ فرقاں نہ تافت است چناں　　کو بماند نہاں ز دیدہ وراں
قرآن کا نور ایسا نہیں چمکتا ہے کہ دیکھنے والوں کی نظر سے مخفی رہ سکے۔

آں چراغِ ہدیٰ است دنیا را　　رہبر و رہنما ست دُنیارا
وہ تو تمام دنیا کے لیے ہدایت کا چراغ ہے اور جہان بھر کے لیے رہبر اور رہنما۔

رحمتے از خدا ست دنیا را　　نعمتے از سما ست دُنیا را
وہ خدا کی طرف سے دنیا کے لیے ایک رحمت ہے اور آسمان سے اہل جہان کے لیے ایک نعمت۔

(درثمین فارسی نیا ایڈیشن صفحہ 47)(براھین احمدیہ ۔ر۔خ۔جلد 1 صفحہ 359)

نور اسی کو عطا کیا جاتا ہے جو خود نور ہو گیا ہو

یک قدم دوری ازاں روشن کتاب نزدِ ما کفر است و خسران و تباب

اس نورانی کتاب سے ایک قدم بھی دور رہنا ہمارے نزدیک کفر وزیاں اور ہلاکت ہے۔

لیک دوناں را بمغزش راہ نیست ہر دلے از سرِّ آں آگاہ نیست

لیکن ذلیل لوگوں کو قرآن کی حقیقت کی خبر نہیں ہر ایک دل اس کے بھیدوں سے واقف نہیں ہے۔

تا نباشد طالبے پاک اندروں تا نجوشد عشقِ یارِ بے چگوں!

جب تک طالب حق پاک باطن نہیں ہوتا اور جب تک اس یار بے مثال کا عشق اس کے دل میں جوش نہیں مارتا۔

رازِ قرآن را کجا فہمد کسے بہرنورے نورے باید بسے!

تب تک کوئی قرآنی اسرار کو کیونکر سمجھ سکتا ہے نور کے سمجھنے کے لیے بہت سا نور باطن ہونا چاہیئے۔

ایں نہ من قرآں ہمیں فرمودہ است اندر و شرطِ تطہّر بودہ است

یہ میری بات نہیں بلکہ قرآن نے بھی یہی فرمایا ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے پاک ہونے کی شرط ہے۔

گربقرآں ہر کسے را راہ بود پس چرا شرطِ تطہر را فزود

اگر ہر شخص قرآن کو (خود ہی) سمجھ سکتا۔ تو خدائے تطہّر کی شرط کیوں زاید لگائی۔

نور را داند کسے کو نور شد واز حجابِ سرکشی ہا دُور شد

نور کو وہی شخص سمجھتا ہے جو خود نور ہو گیا ہو۔ اور سرکشی کے حجابوں سے دور ہو گیا ہو۔

(سراج منیر۔ ر۔خ۔ جلد 12 صفحہ 96) (درثمین فارسی مترجم صفحہ 227`226)

فان اللہ نور فیمیل الی النور۔ وعادته البدور الی البدور۔ و لما کانت ھذہ عادة اللہ باولیاء ہ۔ و سنته بعبادہ المنقطعین و اصفیاء ہ۔ لزم ان لا یری عبدہ المقبول وجه ذلة۔ و لا یُنسب الی ضعف و علة عند مقابلة من اھل ملة۔ و یفوق الکل عند تفسیر القرآن۔ بانواع علم و معرفة۔ و قد قیل ان الولي یخرج من القرآن و القرآن یخرج من الولی۔ و ان خفایا القرآن لا یظھر الا علی الذی ظھر من یدی العلیم العلی۔ فان کان رجل مَلَکَ وحدہ ھذا الفھم الممتاز۔ نمثله کمثل رجل اخرج الرُکاز۔

(ترجمہ از مرتب):۔ **چونکہ اللہ تعالیٰ نور ہے اس لئے وہ نور ہی سے دوستی رکھتا ہے اور اس کی عادت ہے کہ چودھویں کے چاندوں ہی کو روشن کرتا ہے** جبکہ اولیاء اور منقطعین اور اصفیاء سے اللہ کی یہی سنت ہے تو پھر لازم ہے کہ اس کا مقبول انسان کبھی ذلت کا منہ نہ دیکھے اور قوم سے مقابلہ کے وقت اس میں کوئی کمزوری اور کم علمی ظاہر نہ ہو اور وہ تفسیرِ قرآن میں دیگر سب مفسرین سے بہتر ہو۔ اور کہا گیا ہے کہ ولی قرآن سے پیدا ہوتا ہے اور قرآن ولی سے اور قرآن کے مخفی راز صرف اسی پر کھلتے ہیں جو علیم اور اعلیٰ خدا کے ہاتھ سے ظاہر ہوا ہو۔

اگر کسی انسان کو قرآن کا ایسا ممتاز فہم عطا ہوا ہے۔ تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ اس نے ایک مدفون خزینہ معلوم کر لیا ہو۔ (اعجاز المسیح ۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 47-46)

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ (النور:36)

نُـوْرٌ عَلٰی نُوْرٌ۔نور فائض ہؤا نور پر(یعنی جب کہ وجود مبارک حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم میں کئی نور جمع تھے۔سوان نوروں پر ایک اور نور آسمانی جو وحی الٰہی ہے وارد ہو گیا اور اس نور کے وارد ہونے سے وجود باجود خاتم الانبیاء کا مجمع الانوار بن گیا پس اس میں یہ اشارہ فرمایا کہ نور وحی کے نازل ہونے کا یہی فلسفہ ہے کہ وہ نور پر ہی وارد ہوتا ہے تاریکی پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ فیضان کیلئے مناسب شرط ہے اور تاریکی کو نور سے کچھ مناسبت نہیں بلکہ نور کو نور سے مناسبت ہے اور حکیم مطلق بغیر رعایت مناسبت کوئی کام نہیں کرتا۔ایسا ہی فیضان نور میں بھی اس کا یہی قانون ہے کہ جس کے پاس کچھ نور ہے اس کو اور نور بھی دیا جاتا ہے اور جس کے پاس کچھ نہیں اس کو کچھ نہیں دیا جاتا۔جو شخص آنکھوں کا نور رکھتا ہے وہی آفتاب کا نور پاتا ہے اور جس کے پاس آنکھوں کا نور نہیں وہ آفتاب کے نور سے بھی بے بہرہ رہتا ہے اور جس کو فطرتی نور کم ملا ہے اس کو دوسرا نور بھی کم ہی ملتا ہے اور جس کو فطرتی نور زیادہ ملا ہے اسکو دوسرا نور بھی زیادہ ہی ملتا ہے اور انبیاء منجملہ سلسلہ متفاوتہ فطرت انسانی کے وہ افراد عالیہ ہیں جن کو اس کثرت اور کمال سے نور باطنی عطا ہوا ہے کہ گویا وہ نور مجسم ہو گئے ہیں۔اسی جہت سے قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نور اور سراج منیر رکھا ہے جیسا فرمایا ہے قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ الجزو نمبر 6 وَ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَا جًا مُّنِیْرًا الجزو نمبر 22 یہی حکمت ہے کہ نور وحی جس کے لئے نور فطرتی کا کامل اور عظیم الشان ہونا شرط ہے صرف انبیاء کو ملا اور انہیں سے مخصوص ہوا۔ (براھین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 195-196 حاشیہ 11)

کہتے ہیں یورپ کے ناداں یہ نبی کامل نہیں ۔۔۔ وحشیوں میں دیں کو پھیلانا یہ کیا مشکل تھا کار
پر بنانا آدمی وحشی کو ہے اک معجزہ ۔۔۔ معنیٔ رازِ نبوت ہے اسی سے آشکار
نور لائے آسماں سے خود بھی وہ اک نور تھے ۔۔۔ قوم وحشی میں اگر پیدا ہوئے کیا جائے عار
روشنی میں مہرِ تاباں کی بھلا کیا فرق ہو ۔۔۔ گرچہ نکلے روم کی سرحد سے یا از زنگ بار

(درثمین اردو صفحہ 135 براھین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 144)

و الحق ان للملک لمة بقلب بنی ادم و للشیاطین لمة فاذا اراداللہ ان یبعث مصلحا من رسول اونبی اومحدث فیقوی لمة الملک و یجعل استعدادات الناس قریبة لقبول الحق و یعطیھم عقلا و فھما و ھمة وقوة تحمل المصائب و نور فھم القران ما کانت لھم قبل ظھور ذلک المصلح فتصفی الاذھان وتتقوی العقول و تعلوا الھمم ویجدکل احد کانه اوقظ من نومه و کان نورا ینزل من غیب علی قلبله و کان معلما قام ببطنه و یکون الناس کان الله بدل مذاجھم و طبیعتھم و شحذ اذھانھم و افکارھم فاذ اظھرت و اجتمعت ھذہ العلامات کلھا فتدل بدلالة قطعیة علی ان المجدد الاعظم قد ظھر والنور النازل قد نزل۔

ترجمہ از مرتب:۔حق بات یہ ہے کہ فرشتے بنی آدم کے دلوں پر اترتے ہیں اور اسی طرح شیاطین بھی پس **جب اللہ تعالیٰ کسی مصلح یعنی رسول، نبی یا محدث کو دنیا میں مبعوث کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ فرشتوں کے نزول کو قوت دیتا ہے اور لوگوں کی استعدادوں کو قبول حق کے قریب کر دیتا ہے اور انہیں عقل، فہم، ہمت اور مصائب کو برداشت کرنے والی قوت عطا کرتا ہے اور فہم قرآن کا وہ نور بخشتا ہے جو اس مصلح کے ظہور سے قبل انہیں حاصل نہیں تھا۔** پس ذہن صاف ہو جاتے ہیں اور عقلیں تقویت پکڑتی ہیں اور ہمتیں بلند ہو جاتی ہیں اور ہر شخص یوں محسوس کرتا ہے کہ گویا اسے نیند سے بیدار کر دیا گیا ہے اور یہ کہ غیب سے ایک نور اس کے قلب پر نازل ہو رہا ہے اور کوئی معلم اس کے خود اندر سے کھڑا ہو گیا ہے اور لوگوں کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے مزاج اور ان کی طبیعت کو بدل دیا ہے اور ان کے اذہان اور افکار کو تیز کر دیا ہے۔پس جب یہ علامات ظاہر ہو جائیں اور سب کی سب جمع ہو جائیں تو وہ اس بات پر قطعی دلالت کریں گی کہ مجدد اعظم ظاہر ہو گیا ہے اور نازل ہونے والا نور اتر آیا ہے۔

(حمامۃ البشریٰ۔ر۔خ۔جلد7 صفحہ 319)

اپنے منہ سے کوئی مرتبہ انسان کو نہیں مل سکتا جب تک آسمانی نور اس کے ساتھ نہ ہو۔اور جس علم کے ساتھ آسمانی نور نہیں وہ علم نہیں وہ جہل ہے۔وہ روشنی نہیں وہ ظلمت ہے۔وہ مغز نہیں وہ استخواں ہے۔ہمارا دین آسمان سے آیا ہے اور وہی اسکو سمجھتا ہے جو وہ بھی آسمان سے ہی آیا ہو۔کیا خدا تعالےٰ نے نہیں فرمایا لا یمسہ الا المطھرون (الواقعة:80) میں قبول نہیں کروں گا اور ہرگز نہیں مانوں گا کہ آسمانی علوم اور ان کے اندرونی بھید اور ان کے تہ در تہ چھپے ہوئے اسرار زمینی لوگوں کو خود بخود آسکتے ہیں۔زمینی لوگ دابۃ الارض ہیں مسیح السماء نہیں ہیں۔ مسیح السماء آسمان سے اترتا ہے اور اس کا خیال آسمان کو مسح کر کے آتا ہے اور روح القدس اس پر نازل ہوتا ہے اس لئے وہ آسمانی روشنی ساتھ رکھتا ہے۔لیکن دابۃ الارض کے ساتھ زمین کی غلاظتیں ہوتی ہیں اور نیز وہ انسان کی پوری شکل نہیں رکھتا بلکہ اس کے بعض اجزاء مسخ شدہ بھی ہوتے ہیں۔اسی وجہ سے میں نے کہا تھا کہ آپ ناراض نہ ہوں۔آپ دین کے حقیقی علم سے بے خبر ہیں۔خدا تعالےٰ آپ کے ہر یک تکبّر کو توڑ دے گا اور آپ کا چہرہ آپ کو دکھلا دے گا۔

(ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 574-573)

مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔میں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں اور میں اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔

(کشتی نوح۔ر۔خ۔جلد19 صفحہ 77)

قرآن کریم کے دقائق عالیہ خدا تعالیٰ کے خاص بندوں سے مخصوص ہیں

فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ ۙo وَ اِنَّہٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِیۡمٌ ۙo اِنَّہٗ لَقُرۡاٰنٌ کَرِیۡمٌ ۙo فِیۡ کِتٰبٍ مَّکۡنُوۡنٍ ۙo لَّا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَہَّرُوۡنَ o (الواقعہ:76-80)

میں مواقع النجوم کی قسم کھاتا ہوں اور یہ بڑی قسم ہے اگر تمہیں علم ہو اور قسم اس بات پر ہے کہ یہ قرآن عظیم الشان کتاب ہے اور اس کی تعلیمات سنت اللہ کے مخالف نہیں بلکہ اس کی تمام تعلیمات کتاب مکنون یعنی صحیفہء فطرت میں لکھی ہوئی ہیں اور اس کے دقائق کو وہی لوگ معلوم کرتے ہیں جو پاک کئے گئے ہیں اس جگہ اللہ جلّ شانہٗ نے مواقع النجوم کی قسم کھا کر اس طرف اشارہ کیا کہ جیسے ستارے نہایت بلندی کی وجہ سے نقطوں کی طرح نظر آتے ہیں مگر وہ اصل میں نقطوں کی طرح نہیں بلکہ بہت بڑے ہیں ایسا ہی قرآن کریم اپنی نہایت بلندی اور علوّ شان کی وجہ سے کم نظروں کے آنکھوں سے مخفی ہے اور جن کی غبار دور ہو جاوے وہ ان کو دیکھتے ہیں اور اس **آیت میں اللہ جلّ شانہٗ نے قرآن کریم کے دقائق عالیہ کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے جو خدا تعالیٰ کے خاص بندوں سے مخصوص ہیں جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے پاک کرتا ہے** اور یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ اگر علم قرآن مخصوص بندوں سے خاص کیا گیا ہے تو دوسروں سے نافرمانی کی حالت میں کیونکر مواخذہ ہوگا کیونکہ **قرآن کریم کی وہ تعلیم جو مدار ایمان ہے وہ عام فہم ہے جس کو ایک کافر بھی سمجھ سکتا ہے اور ایسی نہیں ہے کہ کسی پڑھنے والے سے مخفی رہ سکے اور اگر وہ عام فہم نہ ہوتی تو کارخانہ تبلیغ ناقص رہ جاتا۔ مگر حقائق معارف چونکہ مدار ایمان نہیں صرف زیادت عرفان کے موجب ہیں اس لئے صرف خواص کو اس کوچہ میں راہ دیا کیونکہ وہ دراصل مواہب اور روحانی نعمتیں ہیں جو ایمان کے بعد کامل الایمان لوگوں کو ملا کرتی ہیں۔**

(کرامات الصادقین۔ ر۔ خ۔ جلد 7 صفحہ 52-53)

میں قسم کھاتا ہوں مطالع اور مناظر نجوم کی اور یہ قسم ایک بڑی قسم ہے۔ اگر تمہیں حقیقت پر اطلاع ہو کہ یہ **قرآن ایک بزرگ اور عظیم الشان کتاب ہے اور اس کو وہی لوگ چھوتے ہیں جو پاک باطن ہیں** اور اس قسم کی مناسبت اس مقام میں یہ ہے کہ قرآن کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ وہ کریم ہے یعنی روحانی بزرگیوں پر مشتمل ہے اور بباعث نہایت بلند اور رفیع دقائق حقائق کے بعض کوتاہ بینوں کی نظروں میں اسی وجہ سے چھوٹا معلوم ہوتا ہے جس وجہ سے ستارے چھوٹے اور نقطوں سے معلوم ہوتے ہیں اور یہ بات نہیں کہ درحقیقت وہ نقطوں کی مانند ہیں بلکہ چونکہ مقام ان کا نہایت اعلیٰ و ارفع ہے اس لئے جو نظریں قاصر ہیں ان کی اصل ضخامت کو معلوم نہیں کرسکتیں۔

(جنگ مقدس۔ ر۔ خ۔ جلد 6 صفحہ 87)

و ارسلنی ربی بآیات فضلہ لاعمر ما ھد اللئام ودعثروا
اور خدا نے اپنے نشانوں کے ساتھ مجھے بھیجا۔ تا کہ میں اس عمارت کو بناؤں جو لئیموں نے اس کو توڑا اور ویران کیا
و فی الدین اسرار وسبل خفیة ویظھرھا ربی لعبد یخیر
اور دین میں بھید ہیں اور پوشیدہ راہیں ہیں۔ اور میرا رب وہ بھید اس بندہ پر ظاہر کرتا ہے جس کو چن لیتا ہے
و کم من حقائق لا یری کیف شبحھا کنجم بعید نورھا یتستر
اور بہت سی حقیقتیں ہیں جو ان کی صورت نظر نہیں آتی۔ اس ستارہ کی طرح جو دور تر ہے۔ بباعث دوری ان حقائق کا نور چھپ جاتا ہے
فیاتی من اللہ العلیم معلم ویھدی الی اسرارھا ویفسر
پس خدا کی طرف سے ایک معلم آتا ہے۔ اور اس کے بھید ظاہر کرتا ہے اور بیان فرماتا ہے۔
(نزول المسیح۔ر۔خ۔جلد 19 صفحہ 189)

خدا تعالیٰ کے خاص دوستوں کی علامات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

پندرھویں علامت ان کی علم قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم کے معارف اور حقائق و لطائف جس قدر ان لوگوں کو دیئے جاتے ہیں دوسرے لوگوں کو ہرگز نہیں دیئے جاتے۔ یہ لوگ وہی مطہرون ہیں جن کے حق میں اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ۔

(ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد 3 صفحہ 337)

لیکن آں روئے حسیں از غافلاں ماند نہاں عاشقی باید کہ بردارند از بہرش نقاب
لیکن وہ حسین چہرہ غافلوں سے پوشیدہ ہے سچا عاشق چاہیے تا کہ اس کی خاطر نقاب اٹھائی جائے
دامن پاکش زنخوتہا نمی آید بدست ہیچ راہے نیست غیر از عجز و درد و اضطراب
اس کا مقدس دامن تکبر سے ہاتھ نہیں آتا اس کے لیے کوئی راہ سوائے درد اور بے قراری کے نہیں ہے
بس خطرناک است راہِ کوچۂ یار قدیم جاں سلامت بایدت از خودروی ہا سر بتاب
اس محبوب ازلی کا راستہ بہت خطرناک ہے اگر تجھے جان کی سلامتی چاہیئے تو خودروی کو ترک کر دے
تا کلامش فہم و عقلِ ناسزایاں کم رسد ہر کہ از خود گم شود اویابد آں راہِ صواب
نا اہل لوگوں کی عقل اس کے کلام کی تہ تک نہیں پہنچ سکتی جو خودی کا تارک ہو اسی کو وہ صحیح راستہ ملتا ہے
مشکل قرآن نہ از ابنائے دنیا حل شود ذوقِ آں مے داند آں مستے کہ نوشد آں شراب
قرآن کو سمجھنے کا مسئلہ اہل دنیا سے حل نہیں ہوسکتا اس شراب کا مزا وہی جانتا ہے جو اس شراب کو پیتا ہے
ایکہ آگاہی نداد ندت ز انوارِ دروں درحقِ ما ہرچہ گوئی نیستی جائے عتاب
اے وہ شخص جسے باطنی انوار کی کچھ خبر نہیں تو جو کچھ بھی ہمارے حق میں کہے ناراضگی کا موجب نہیں۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 198)(برکات الدعاء۔ر۔خ۔جلد 6 صفحہ 33)

يُؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا ط

وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔(البقرہ:270)

اس جگہ حکمت سے مراد علم قرآن ہے سو ایسے لوگ وحی خاص کے ذریعہ سے علم اور بصیرت کی راہ سے مطلع کیے جاتے ہیں اور صحیح اور موضوع میں اس خاص طور کے قاعدہ سے تمیز کر لیتے ہیں۔ گو عوام اور علماء ظواہر کو اس کی طرف راہ نہیں۔ (الحق مباحثہ لدھیانہ۔ر۔خ۔جلد4 صفحہ 93)

قرآن کے دقائق و معارف ضرورتِ زمانہ کے مطابق کھلتے ہیں

قرآن شریف میں یہ بھی آیت ہے و ان من شیء الا عندنا خزائنه وما ننزله الا بقدر معلوم (الحجر : 22) یعنی دنیا کی تمام چیزوں کے ہمارے پاس خزانے ہیں مگر بقدر ضرورت ومقتضائے مصلحت وحکمت ہم ان کو اُتارتے ہیں۔اس آیت سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ ہر یک چیز جو دنیا میں پائی جاتی ہے وہ آسمان سے ہی اتری ہے۔اس طرح پر کہ ان چیزوں کے علل موجبہ اسی خالق حقیقی کی طرف سے ہیں اور نیز اس طرح پر کہ اسی کے الہام اور القاء اور سمجھانے اور عقل اور فہم بخشنے سے ہر یک صنعت ظہور میں آتی ہے لیکن زمانہ کی ضرورت سے زیادہ ظہور میں نہیں آتے اور ہر یک مامور من اللہ کو وسعت معلومات بھی زمانہ کی ضرورت کے موافق دی جاتی ہے۔علیٰ ہذا القیاس قرآن کریم کے دقائق ومعارف وحقائق بھی زمانہ کی ضرورت کے موافق ہی کھلتے ہیں۔مثلاً جس زمانہ میں ہم ہیں اور جن معارف فرقانیہ کے بمقابل دجالی فرقوں کے ہمیں اس وقت ضرورت آ پڑی ہے وہ ضرورت ان لوگوں کو نہیں تھی جنہوں نے ان دجالی فرقوں کا زمانہ نہیں پایا۔سو وہ باتیں ان پر مخفی رہیں اور ہم پر کھولی گئیں۔

(ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 451-450)

زمانے کی ضرورت کے مطابق روحانی معلم بھیجے جاتے ہیں

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ (الجمعة:3) یعنے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن اور قرآنی حکمت لوگوں کو سکھلاتا ہے۔......

قرآن جامع جمیع علوم تو ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی زمانہ میں اس کے تمام علوم ظاہر ہو جائیں۔ بلکہ جیسی جیسی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ویسے ویسے قرآنی علوم کھلتے ہیں اور ہر یک زمانہ کی مشکلات کے مناسب حال ان مشکلات کو حل کرنے والے روحانی معلم بھیجے جاتے ہیں جو وارث رسل ہوتے ہیں اور ظلی طور پر رسولوں کے کمالات کو پاتے ہیں اور جس مجدد کی کارروائیاں کسی ایک رسول کی منصبی کارروائیوں سے شدید مشابہت رکھتی ہیں وہ عنداللہ اسی رسول کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ (شہادت القرآن۔ر۔خ۔جلد6 صفحہ 348)

حضرت اقدسؑ کو آپ کے زمانہ کی ضرورت کے مطابق معارف عطا ہوئے

میں اس وقت محض للہ اس ضروری امر سے اطلاع دیتا ہوں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اس چودھویں صدی کے سر پر اپنی طرف سے مامور کر کے دین متین اسلام کی تجدید اور تائید کے لئے بھیجا ہے تا کہ میں اس پُر آشوب زمانہ میں قرآن کی خوبیاں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتیں ظاہر کروں اور ان تمام دشمنوں کو جو اسلام پر حملہ کر رہے ہیں ان نوروں اور برکات اور خوارق اور علوم لدنیہ کی مدد سے جواب دوں جو مجھ کو عطا کئے گئے ہیں۔

(برکات الدعا۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 34)

صاحب نور خدا کی طرف سے آتا ہے

علی لربی نعمة بعد نعمة فلا زلت فی نعمائه اتقلب

مجھ پر میرے خدا کی نعمت پر نعمت ہے۔ میں ہمیشہ اس کی نعمتوں میں لوٹ پوٹ رہتا ہوں

وان اللہ رسول اللہ شمس منیرة و بعد رسول اللہ بدر و کوکب

اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو روشنی دینے والے سورج ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چودھویں کا چاند اور ستارے ہیں

جرت عادة اللہ الذی هو ربنا یری وجه نور بعد نور یذهب

اللہ تعالیٰ جو ہمارا رب ہے اس کی یہ عادت جاری ہے کہ وہ ایک نور کے جانے کے بعد دوسرے نور کا چہرہ دکھا دیتا ہے

کذلک فی الدنیا نری قانونه نجوم السما تبدوا اذاالشمس تغرب

اسی طرح دنیا میں ہم اس کا قانون پاتے ہیں کہ جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو آسمان کے ستارے ظاہر ہو جاتے ہیں

(کرامات الصادقین۔ ر۔خ۔ جلد 7 صفحہ 103) (درثمین عربی۔ القصائد العربیہ نیا ایڈیشن صفحہ 102)

سچ تو یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتا وہ قرآن کو بھی نہیں پہچان سکتا۔ ہاں یہ بات بھی درست ہے کہ قرآن ہدایت کیلئے نازل ہوا ہے مگر قرآن کی ہدایتیں اس شخص کے وجود کے ساتھ وابستہ ہیں جس پر قرآن نازل ہوا یا وہ شخص جو منجانب اللہ اس کا قائم مقام ٹھہرایا گیا اگر قرآن اکیلا ہی کافی ہوتا تو خدا تعالیٰ قادر تھا کہ قدرتی طور پر درختوں کے پتوں پر قرآن لکھا جاتا یا لکھا لکھایا آسمان سے نازل ہو جاتا مگر خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ قرآن کو دنیا میں نہیں بھیجا جب تک معلم القرآن دنیا میں نہیں بھیجا گیا۔ قرآن کریم کو کھول کر دیکھو کتنے مقام میں اس مضمون کی آیتیں ہیں کہ **یعلمهم الکتاب و الحکمة** (الجمعة: 3) یعنے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن اور قرآنی حکمت لوگوں کو سکھلاتا ہے اور پھر ایک جگہ اور فرماتا ہے **ولا یمسه الا المطهرون** (الواقعة: 80) یعنے قرآن

کے حقائق ودقائق انھیں پر کھلتے ہیں جو پاک کئے گئے ہیں۔پس ان آیات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے سمجھنے کیلئے ایک ایسے معلم کی ضرورت ہے۔جسکو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پاک کیا ہو۔ اگر قرآن کے سیکھنے کے لئے معلم کی حاجت نہ ہوتی تو ابتدائے زمانہ میں بھی نہ ہوتی۔اور یہ کہنا کہ ابتدا میں تو حل مشکلات قرآن کے لئے ایک معلم کی ضرورت تھی لیکن جب حل ہوگئیں تو اب کیا ضرورت ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ حل شدہ بھی ایک مدت کے بعد پھر قابل حل ہو جاتی ہیں ماسوا اسکے امت کو ہر ایک زمانہ میں نئی مشکلات بھی تو پیش آتی ہیں اور قرآن جامع جمیع علوم تو ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی زمانہ میں اسکے تمام علوم ظاہر ہو جائیں بلکہ جیسی جیسی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے ویسے ویسے قرآنی علوم کھلتے ہیں اور ہر یک زمانہ کی مشکلات کے مناسب حال ان مشکلات کو حل کرنیوالے روحانی معلم بھیجے جاتے ہیں جو وارث رسل ہوتے ہیں اور ظلی طور پر رسولوں کے کمالات کو پاتے ہیں اور جس مجدد کی کارروائیاں کسی ایک رسول کی منصبی کارروائیوں سے شدید مشابہت رکھتی ہیں وہ عنداللہ اسی رسول کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ (شہادت القران۔ر۔خ۔جلد6 صفحہ 348-347)

نور لائے آسماں سے خود بھی وہ اک نور تھے ۔۔۔ قومِ وحشی میں اگر پیدا ہوئے کیا جائے عار
صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے ۔۔۔ ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار
پشتیِ دیوارِ دیں ہوں مامنِ اسلام ہوں ۔۔۔ نارسا ہے دستِ دشمن تا بفرقِ ایں جدار
میں وہ پانی ہوں کہ آیا آسماں سے وقت پر ۔۔۔ میں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

(درثمین اردو صفحہ 137`136)(براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 144`143)

قرآن شریف اس ذوالفقار تلوار کی مانند ہے جس کے دو طرف دھاریں ہیں ایک طرف کی دھار مومنوں کی اندرونی غلاظت کو کاٹتی ہے اور دوسری طرف کی دھار دشمنوں کا کام تمام کرتی ہے مگر پھر بھی وہ تلوار اس کام کے لئے ایک بہادر کے دست وبازو کی محتاج ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم و یعلمھم الکتب** پس قرآن سے جو تزکیہ حاصل ہوتا ہے **اس کو اکیلا بیان نہیں کیا بلکہ وہ نبی کی صفت میں داخل کر کے بیان کیا یہی وجہ کہ خدا تعالیٰ کا کلام یوں ہی آسمان پر سے کبھی نازل نہں ہوا بلکہ اس تلوار کو چلانے والا بہادر ہمیشہ ساتھ ہے** جو اس تلوار کا اصلی جوہر شناس ہے لہٰذا قرآن شریف پر سچا اور تازہ یقین دلانے کے لئے اور اس کے جوہر دکھلانے کے لئے اور اس کے ذریعہ سے اتمام حجت کرنے کے لئے ایک بہادر کے دست وبازو کی ہمیشہ حاجت ہوتی رہی ہے اور آخری زمانہ میں یہ حاجت سب سے زیادہ پیش آئی کیونکہ دجالی زمانہ ہے اور زمین وآسمان کی باہمی لڑائی ہے۔

(نزول المسیح۔ر۔خ۔جلد18 صفحہ 469-468)

قرآن کریم بر سبیل قال نہیں بلکہ بر سبیل حال نازل ہوا ہے

اب نئے معلموں کی اس وجہ سے بھی ضرورت پڑتی ہے کہ بعض حصے تعلیم قرآن شریف کے از قبیل حال ہیں نہ از قبیل قال۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پہلے معلم اور اصل وارث اس تخت کے ہیں حالی طور پر ان دقائق کو اپنے صحابہ ؓ کو سمجھایا ہے مثلاً خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ میں عالم الغیب ہوں اور میں مجیب الدعوات ہوں اور میں قادر ہوں اور میں دعاؤں کو قبول کرتا ہوں اور طالبوں کو حقیقی روشنی تک پہنچاتا ہوں اور میں اپنے صادق بندوں کو الہام دیتا ہوں اور جس پر چاہتا ہوں اپنے بندوں میں سے اپنی روح ڈالتا ہوں یہ تمام باتیں ایسی ہیں کہ جبتک معلم خود ان کا نمونہ بن کر نہ دکھلاوے تب تک یہ کسی طرح سمجھ ہی نہیں آ سکتیں پس ظاہر ہے کہ صرف ظاہری علماء خود اندھے ہیں ان تعلیمات کو سمجھا نہیں سکتے بلکہ وہ تو اپنے شاگردوں کو ہر وقت اسلام کی عظمت سے بدظن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ باتیں آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئی ہیں اور ان کے ایسے بیانات سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ گویا اسلام اب زندہ مذہب نہیں اور اس کی حقیقی تعلیم پانے کے لئے اب کوئی بھی راہ نہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کا اپنی مخلوق کے لئے یہ ارادہ ہے کہ وہ ہمیشہ قرآن کریم کے چشمہ سے ان کو پانی پلادے تو بیشک وہ اپنے ان قوانین قدیمہ کی رعائیت کرے گا جو قدیم سے کرتا آیا ہے۔ اور اگر قرآن کی تعلیم صرف اسی حد تک محدود ہے جس حد تک ایک تجربہ کار اور لطیف الفکر فلاسفر کی تعلیم محدود ہو سکتی ہے اور آسمانی تعلیم جو محض حال کے نمونہ سے سمجھائی جاتی ہے اس میں نہیں تو پھر نعوذ باللہ قرآن کا آنا لا حاصل ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اگر کوئی ایک دم کے واسطے بھی اس مسئلہ میں فکر کرے کہ انبیاء کی تعلیم اور حکیموں کی تعلیم میں بصورت فرض کرنے صحت ہر دو تعلیم کے مابہ الامتیاز کیا ہے تو بجز اس کے اور کوئی مابہ الامتیاز قرار نہیں دے سکتا کہ **انبیاء کی تعلیم کا بہت سا حصہ فوق العقل ہے جو بجز حالی تفہیم اور تعلیم کے اور کسی راہ سے سمجھ ہی نہیں آ سکتا۔ اور اس حصہ کو وہی لوگ دلنشین کرا سکتے ہیں جو صاحب حال ہوں مثلاً ایسے ایسے مسائل کہ اس طرح پر فرشتے جان نکالتے ہیں اور پھر یوں آسمان پر لیجاتے ہیں اور پھر قبر میں حساب اس طور سے ہوتا ہے اور بہشت ایسا ہے اور دوزخ ایسا۔ اور پل صراط ایسا۔ اور عرش اللہ کو چار فرشتے اٹھا رہے ہیں اور پھر قیامت کو آٹھ اٹھائیں گے۔ اور اس طرح پر خدا اپنے بندوں پر وحی نازل کرتا ہے یا مکاشفات کا دروازہ ان پر کھولتا ہے یہ تمام حالی تعلیم ہے اور مجرد قیل وقال سے سمجھ نہیں آ سکتی اور جبکہ یہ حال ہے تو پھر میں دوبارہ کہتا ہوں کہ اگر اللہ جلشانہٗ نے اپنے بندوں کے لئے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اس کی کتاب کا یہ حصہ تعلیم ابتدائی زمانہ تک محدود نہ رہے تو بیشک اس نے یہ انتظام کیا ہوگا کہ اس حصہ تعلیم کے معلم بھی ہمیشہ آتے رہیں۔** (شہادت القرآن۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 349-348)

نوجوان نے عرض کی کہ میں نے عربی بھی ساتھ ساتھ پڑھی ہے۔ حضرت نے فرمایا:

ہم تو صرف اتنے پر بھی خوش نہیں ہو سکتے۔ کیا ہزاروں مولوی ایسے نہیں ہیں جو بڑے بڑے علوم عربیہ کی تحصیل کر چکے ہیں۔ مگر پھر بھی وہ اس سلسلہ حقہ کی مخالفت کرتے ہیں اور وہ علوم ان کے واسطے اور بھی زیادہ حجاب کا موجب ہو رہے ہیں۔ ہزاروں مولوی ہیں جو بجز گالیاں دینے کے اور کچھ کام نہیں رکھتے **بیشک معارف قرآنی کا ذخیرہ سب عربی میں ہے تاہم جب ایک مدت گذر جاتی ہے اور خدا کے ایک رسول کو بہت زمانہ گذر جاتا ہے تب لوگوں کے ہاتھ میں صرف الفاظ ہی رہ جاتے ہیں جن کے معانی اور معارف کسی پر نہیں کھل سکتے جبتک کہ اللہ تعالیٰ ان کے واسطے کوئی چابی پیدا نہ کر دے۔ جب خدا کی طرف سے راہ کھلتا ہے تب کوئی منور قلب والا زندہ دل پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ صاحب حال ہوتا ہے اس واسطے اسکی تفسیر درست ہوتی ہے۔ زندہ دل کے سوا کچھ نہیں۔ یہ باتیں سیدھی ہیں مگر افسوس ہے کہ ان لوگوں کو سمجھ نہیں آتی۔** (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 277)

چوتھی فصل

فہم قرآن اور تقویٰ

الٓمّٓ ۔ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ہُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ (البقرۃ:2`3)

ترجمہ:۔الف۔لام۔میم یہ (کامل) کتاب ہے نہیں کوئی شک (کی بات) جس میں ہدایت ہے متقیوں کے لیے۔

اور یہ بات بدیہی ہے کہ جب تک انسان اپنے اخلاق ردّیہ کو نہیں چھوڑتا اس وقت تک ان اخلاق کے مقابل پر جو اخلاق فاضلہ ہیں جو خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں ان کو قبول نہیں کر سکتا کیونکہ دو ضدّین ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتیں۔اس کی طرف اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کی ابتداء میں اس نے فرمایا۔ **ہُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ یعنی قرآن شریف ان لوگوں کے لئے ہدایت ہے جو متقی ہیں۔**یعنی وہ لوگ جو تکبّر نہیں کرتے اور خشوع اور انکسار سے خدا تعالیٰ کے کلام میں غور کرتے ہیں وہی ہیں جو آخر کو ہدایت پاتے ہیں۔

(براھین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 230)

قرآنی علوم کے انکشاف کے لیے تقویٰ شرط ہے

مگر علوم آسمانی اور اسرار قرآنی کی واقفیت کے لیے تقویٰ پہلی شرط ہے۔اس میں توبۃ النصوح کی ضرورت ہے۔جبتک انسان پوری فروتنی اور انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام کو نہ اٹھالے۔اور اس کے جلال وجبروت سے لرزاں ہو کر نیاز مندی کے ساتھ رجوع نہ کرے۔قرآنی علوم کا دروازہ نہیں کھل سکتا اور روح کے ان خواص اور قویٰ کی پرورش کا سامان اس کو قرآن شریف سے نہیں مل سکتا جس کو پاکر روح میں ایک لذت اور تسلی پیدا ہوتی ہے۔**قرآن شریف اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اس کے علوم خدا کے ہاتھ میں ہیں۔پس اس کے لیے تقویٰ بطور نردبان کے ہے پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ بے ایمان' شریر' خبیث النفس۔ارضی خواہشوں کے اسیران سے بہرہ ور ہوں۔اس واسطے اگر ایک مسلمان مسلمان کہلا کر خواہ وہ صرف ونحو' معانی وبدیع وغیرہ علوم کا کتنا ہی بڑا فاضل کیوں نہ ہو۔دنیا کی نظر میں شیخ الکل فی الکل بنا بیٹھا ہو' لیکن اگر تزکیہ نفس نہیں کرتا' تو قرآن شریف کے علوم سے اس کو حصہ نہیں دیا جاتا۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 283)

تقویٰ علوم دینیہ کی کلید ہے

قرآن شریف نے شروع میں ہی فرمایا ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۔ **پس قرآن شریف کے سمجھنے اور اس کے موافق ہدایت پانے کے لیے تقویٰ ضروری اصل ہے ایسا ہی دوسری جگہ فرمایا لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الۡمُطَہَّرُوۡنَ ۔ دوسرے علوم میں یہ شرط نہیں۔** ریاضی۔ ہندسہ وہیئت وغیرہ میں اس امر کی شرط نہیں کہ سیکھنے والا ضرور متقی اور پرہیزگار ہو بلکہ وہ کیسا ہی فاسق و فاجر ہی ہو وہ بھی سیکھ سکتا ہے مگر علم دین میں خشک منطقی اور فلسفی ترقی نہیں کر سکتا اور اس پر وہ حقائق اور معارف نہیں کھل سکتے جس کا دل خراب ہے اور تقویٰ سے حصہ نہیں رکھتا اور پھر کہتا ہے کہ علوم دین اور حقائق اس کی زبان پر جاری ہوتے ہیں وہ جھوٹ بولتا ہے ہرگز ہرگز اسے دین کے حقائق اور معارف سے حصہ نہیں ملتا بلکہ دین کے لطائف اور نکات کے لیے متقی ہونا شرط ہے جیسا کہ یہ فارسی شعر ہے

عروس حضرت قرآں نقاب آنگاہ بردارد　　　　کہ دار الملک معنے را کند خالی زہر غوغا

ترجمہ:- قرآن کی دلہن اس وقت نقاب اٹھاتی ہے جبکہ انسان اپنے ذہن کو خیالات سے خالی کر لیتا۔

جب تک یہ بات پیدا نہ ہو اور دار الملک معنے خالی نہ ہو وہ غوغا کیا ہے؟ یہی فسق و فجور دنیا پسندی ہے۔ ہاں یہ جدا امر ہے کہ چور کی طرح کچھ کہلائے تو کہہ دے **لیکن جو روح القدس سے بولتے ہیں وہ بجز تقویٰ کے نہیں بولتے۔ یہ خوب یاد رکھو کہ تقویٰ تمام دینی علوم کی کنجی ہے انسان تقویٰ کے سوا ان کو نہیں سیکھ سکتا جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا الٓمّٓ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ یہ کتاب تقویٰ کرنے والوں کو ہدایت کرتی ہے** اور وہ کون ہیں اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ یعنی ابھی وہ خدا نظر نہیں آتا۔ اور پھر نماز کو کھڑی کرتے ہیں یعنی نماز میں ابھی پورا سرور اور ذوق پیدا نہیں ہوتا تاہم بے لطفی اور بے ذوقی اور وساوس میں ہی نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں اور جو کچھ تجھ پر یا تجھ سے پہلے نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لاتے ہیں۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 122-121)

اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ الَّذِیۡ یَجِدُوۡنَہٗ مَکۡتُوۡبًا عِنۡدَہُمۡ فِی التَّوۡرٰىۃِ وَالۡاِنۡجِیۡلِ۔ (الاعراف:158)

چالاکی سے علوم القرآن نہیں آتے۔ دماغی قوت اور ذہنی ترقی قرآنی علوم کو جذب کرنے کا اکیلا باعث نہیں ہو سکتا اصل ذریعہ تقویٰ ہی ہے متقی کا معلم خدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبیوں پر امیّت غالب ہوتی ہے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے اُمّی بھیجا کہ باوجودیکہ آپ نے نہ کسی مکتب میں تعلیم پائی اور نہ کسی کو استاد بنایا۔ پھر آپ نے وہ معارف اور حقائق بیان کیے جنہوں نے دنیوی علوم کے ماہروں کو دنگ اور حیران کر دیا قرآن شریف

جیسی پاک۔ کامل کتاب آپ کے لبوں پر جاری ہوئی۔ جس کی فصاحت و بلاغت نے سارے عرب کو خاموش کرا دیا۔ وہ کیا بات تھی جس کے سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علوم میں سب سے بڑھ گئے۔ وہ تقویٰ ہی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مطہر زندگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ قرآن شریف جیسی کتاب وہ لائے۔ جس کے علوم نے دنیا کو حیران کر دیا ہے۔

آپ کا امّی ہونا ایک نمونہ اور دلیل ہے اس امر کی کہ قرآنی علوم یا آسمانی علوم کے لیے تقویٰ مطلوب ہے نہ دنیوی چالاکیاں۔ (الحکم جلد 5 نمبر 12 مؤرخہ 31 مارچ 1901 صفحہ 2-3)

ہمیں اس یار سے تقویٰ عطا ہے — نہ یہ ہم سے۔ کہ احسانِ خدا ہے
کرو کوشش اگر صدق و صفا ہے — کہ یہ حاصل ہو جو شرطِ لقا ہے
یہی آئینۂ خالق نما ہے — یہی اک جوہرِ سیف دعا ہے
ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتّقا ہے — اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے
(الہامی مصرعہ)

یہی اک فخرِ شانِ اولیا ہے — بجز تقویٰ زیادت ان میں کیا ہے
ڈرو یارو کہ وہ بینا خدا ہے — اگر سوچو یہیں دار الجزاء ہے
مجھے تقویٰ سے اس نے یہ جزا دی — **فسبحان الذی اخزی الاعادی**
عجب گوہر ہے جس کا نام تقویٰ — مبارک وہ ہے جس کا کام تقویٰ
سنو ہے حاصلِ اسلام تقویٰ — خدا کا عشق مے اور جام تقویٰ
مسلمانو! بناؤ تام تقویٰ — کہاں ایماں اگر ہے خام تقویٰ
یہ دولت تو نے مجھ کو اے خدا دی — **فسبحان الذی اخزی الاعادی**

(درثمین اردو)

پانچویں فصل

فہم قرآن اور مقام صدق

صدق مجسم قرآن کریم اور آنحضرت صلعم کی ذات ہے

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ (النساء:70)

صدیق پر معارف قرآنی کھولے جاتے ہیں

اسی طرح جب عام طور پر ایک انسان راستی اور راستبازی سے محبت کرتا ہے اور صدق کو اپنا شعار بنالیتا ہے۔تو وہی راستی اس عظیم الشان صدق کو کھینچ لاتی ہے جو خدا تعالیٰ کو دکھادیتی ہے۔صدق مجسم قرآن شریف ہے اور پیکر صدق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ذات ہے اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے مامور و مرسل حق اور صدق ہوتے ہیں۔پس جب وہ اس صدق تک پہنچ جاتا ہے' تب اس کی آنکھ کھلتی ہے اور اسے ایک خاص بصیرت ملتی ہے۔جس سے معارف قرآنی اس پر کھلنے لگتے ہیں۔میں اس بات کے ماننے کے لیے کبھی بھی تیار نہیں ہوں کہ وہ شخص جو صدق سے محبت نہیں رکھتا اور راستبازی کو اپنا شعار نہیں بناتا وہ قرآن کریم کے معارف کو سمجھ بھی سکے۔اس لیے کہ اس کے قلب کو اس سے مناسبت ہی نہیں' کیونکہ یہ تو صدق کا چشمہ ہے اور اس سے وہی پی سکتا ہے جس کو صدق سے محبت ہو۔

پھر یہ بھی یادرکھنا چاہیے کہ معارف قرآنی صرف اسی بات کا نام نہیں کہ کبھی کسی نے کوئی نکتہ بیان کر دیا۔ اس کی تو وہی مثال ہے۔

گاہ باشد کہ کودکے ناداں　　　بغلط بر ہدف زند تیرے

ترجمہ:-کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک نادان بچہ بھی بغیر ہنر کے ہدف پر نشانہ لگالیتا ہے۔

انہیں قرآنی حقائق و معارف کے بیان کرنے کے لیے قلب کو مناسبت اور کشش اور تعلق حق اور صدق سے ہو جاتا ہے اور پھر یہانتک اس میں ترقی اور کمال ہوتا ہے کہ وہ مَايَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (النجم:4) کا مصداق ہو جاتا ہے۔اس کی نگاہ جب پڑتی ہے۔صدق پر ہی پڑتی ہے۔اور اس کو ایک خاص قوت اور امتیازی طاقت دی جاتی ہے جس سے وہ حق و باطل میں فی الفور امتیاز کر لیتا ہے۔یہانتک کہ اس کے دل میں ایک قوت آجاتی ہے جس کی ایسی تیز حس ہوتی ہے کہ اسے دور سے ہی باطل کی بو آجاتی ہے۔یہ وہ سر ہے جو لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعہ:80) میں رکھا گیا ہے۔　(ملفوظات جلد اول صفحہ 243)

بکار خانہء قدرت ہزارہا نقش اند مگر تجلی رحماں زنقشِ ما باشد

قدرت کے کارخانے میں ہزاروں نقش ہیں۔مگر رحمٰن کا جلوہ صرف ہمارے نقش سے نظر آتا ہے۔

بیامدم کہ رہِ صدق را درخشانم بدلستاں برم آں را کہ پارسا باشد

میں اس لیے آیا ہوں کہ صدق کی راہ کو روشن کروں اور دلبر کے پاس اسے لے چلوں جو نیک و پارسا ہے۔

بیامدم کہ درِ علم و رشد بکشایم بخاک نیز نمایم کہ در سما باشد

میں اس لیے آیا ہوں کہ علم و ہدایت کا دروازہ کھولوں اور اہل زمین کو وہ چیزیں دکھاؤں جو آسمانی ہیں۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 273)(تریاق القلوب۔ر۔خ۔جلد 15 صفحہ 134)

صدق کامل اس وقت تک جذب نہیں ہوتا جب تک توبتہ النصوح کے ساتھ صدق کو نہ کھینچے قرآن کریم تمام صداقتوں کا مجموعہ اور صدق تام ہے جب تک خود صادق نہ بنے صدق کے کمال اور مراتب سے کیونکر واقف ہوسکتا ہے۔

صدیق کے مرتبہ پر قرآن کریم کی معرفت اور اس سے محبت اور اس کے نکات وحقائق پر اطلاع ملتی ہے کیونکہ کذب کذب کو کھینچتا ہے اس لیے کبھی بھی کاذب قرآنی معارف اور حقائق سے آگاہ نہیں ہوسکتا یہی وجہ ہے کہ **لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ** (الواقعۃ:80) فرمایا گیا ہے۔ (ملفوظات جلداول صفحہ 276)

انسان کو انوار و برکات سے حصہ نہیں مل سکتا جب تک وہ اسی طرح عمل نہ کرے جس طرح خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۔(التوبۃ:119) بات یہی ہے کہ خمیر سے خمیر لگتا ہے اور یہی قاعدہ ابتداء سے چلا آتا ہے۔پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو آپ کے ساتھ انوار و برکات تھے جن میں سے صحابہ نے بھی حصہ لیا پھر اسی طرح خمیر کی لاگ کی طرح آہستہ آہستہ ایک لاکھ تک ان کی نوبت پہنچی۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 518)

مرا بگلشنِ رضوانِ حق شد ست گذر مقامِ من چمنِ قدس و اصطفا باشد

اللہ تعالےٰ کی رضا کے باغ میں میرا گذر ہوا۔میرا مقام برگزیدگی اور تقدس کا چمن ہے۔

کمال پاکی وصدق وصفا کہ گم شدہ بود دوبارہ از سخن و وعظِ من بپا باشد

پاکیزگی اور صدق وصفا کا کمال جو معدوم ہوگیا تھا وہ دوبارہ میرے کلام اور وعظ سے قائم ہوا ہے۔

مرنج از سخنم ایکہ سخت بے خبری کہ اینکہ گفتہ ام از وحی کبریا باشد

اے وہ شخص جو بالکل بیخبر ہے میری بات سے ناراض نہ ہو کہ جو میں نے کہا ہے یہ خدا کی وحی سے کہا ہے۔

کسیکہ گم شدہ از خود بنورِ حق پیوست ہر آنچہ از دہنش بشنوی بجا باشد

جو شخص اپنی خودی کو چھوڑ کر خدا کے نور میں جاملا اس کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات حق ہوگی۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 272)(تریاق القلوب۔ر۔خ۔جلد 15 صفحہ 134)

صادق کی تعریف

صدیق وہ ہوتا ہے جس کو سچائیوں کا کامل طور پر علم بھی ہو اور پھر کامل اور طبعی طور پر ان پر قائم بھی ہو۔ مثلاً اس کو ان معرف کی حقیقت معلوم ہو کہ وحدانیت باری تعالیٰ کیا شی ہے اور اس کی اطاعت کیا شی اور محبت باری عزاسمہ کیا شے اور شرک سے کس مرتبہ اخلاص پر مخلصی حاصل ہو سکتی ہے اور عبودیت کی کیا حقیقت ہے اور اخلاص کی حقیقت کیا اور توبہ کی حقیقت کیا اور صبر اور توکل اور رضا اور محویت اور فنا اور صدیق اور وفا اور تواضع اور سخا اور ابتہال اور دعا اور عفو اور حیا اور دیانت اور امانت اور اتقاوغیرہ اخلاق فاضلہ کی کیا کیا حقیقتیں ہیں۔ پھر ماسوا اس کے ان تمام صفات فاضلہ پر قائم بھی ہو۔

(تریاق القلوب۔ ر۔ خ۔ جلد 15 صفحہ 420)

صدیق مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی جو بالکل راست بازی میں فنا شدہ ہو۔ اور کمال درجہ کا پابند راست بازی اور عاشق صادق ہو۔ اس وقت وہ صدیق کہلاتا ہے۔ یہ ایک ایسا مقام ہے جب ایک شخص اس درجہ پر پہنچتا ہے تو وہ ہر قسم کی صداقتوں اور راست بازیوں کا مجموعہ اور ان کو کشش کرنے والا ہو جاتا ہے جس طرح پر آتشی شیشہ سورج کی شعاعوں کو اپنے اوپر جمع کر لیتا ہے اسی طرح پر صدیق کمالات صداقت کا جذب کرنے والا ہوتا ہے۔ بقول شخصے۔ زرزر کشد در جہاں گنج گنج جب ایک شی بہت بڑا ذخیرہ پیدا کر لیتی ہے تو اسی قسم کی اشیاء کو جذب کرنے کی قوت اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 242)

صدیق وہ ہوتے ہیں جو صدق سے پیار کرتے ہیں سب سے بڑا صدق لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور پھر دوسرا صدق مُـحَـمَّـدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے وہ صدق کی تمام راہوں سے پیار کرتے ہیں اور صدق ہی چاہتے ہیں...... صدیق عملی طور پر صدق سے پیار کرتا اور کذب سے پرہیز کرتا ہے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 342)

صدیق کا کمال یہ ہے کہ صدق کے خزانہ پر ایسے کامل طور پر قبضہ کرے یعنی ایسے اکمل طور پر کتاب اللہ کی سچائیاں اس کو معلوم ہو جائیں کہ وہ بوجہ خارق عادت ہونے کے نشان کی صورت پر ہوں اور اس صدیق کے صدق پر گواہی دیں۔

(تریاق القلوب۔ ر۔ خ۔ جلد 15 صفحہ 516)

الہامی اشعار

صادق آں باشد کہ ایام بلا   مے گذارد با محبت با وفا[1]

صادق وہ ہوتا ہے کہ ابتلاؤں کے دن محبت اور وفاداری سے گذارتا ہے۔

اگر قضا را عاشقے گردد اسیر!   بوسد آں زنجیرا کز آشنا![2]

اگر قضائے الٰہی سے عاشق قید ہو جاتا ہے تو وہ اس زنجیر کو چومتا ہے جس کا سبب آشنا ہو۔

(کتاب البریہ۔ ر۔ خ۔ جلد 13 سرورق)

---

۱ ، ۲: دونوں شعر الہامی ہیں۔ تذکرہ

کمال صدیقیت کے مراتب

بعد از خدا بعشقِ محمد مخمرم | گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

خدا کے بعد میں محمد کے عشق میں سرشار ہوں۔ اگر یہی کفر ہے تو بخدا میں سخت کافر ہوں۔

ہر تار و پودِ من بسراید بعشقِ او | از خود تہی و از غمِ آں دلستاں پرم

میرے ہر رگ و ریشہ میں اس کا عشق رچ گیا ہے میں اپنی خواہشات سے خالی اور اس معشوق کے غم سے پُر ہوں۔

من در حریمِ قدس چراغِ صداقتم | دستش محافظ است زہر بادِ صرصرم

میں درگاہ قدس میں صداقت کا چراغ ہوں۔ اسی کا ہاتھ ہر تیز ہوا سے میری حفاظت کرنے والا ہے۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 166)(ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 185)

اور دوسرا کمال جو بطور نشان کے امام الاولیاء اور سید الاصفیاء کے لئے ضروری ہے وہ فہم قرآن اور معارف کی اعلیٰ حقیقت تک وصول ہے۔ یہ بات ضروری طور پر یاد رکھنے کے لائق ہے کہ قرآن شریف کی ایک ادنیٰ تعلیم ہے اور ایک اوسط اور ایک اعلیٰ۔ اور جو اعلیٰ تعلیم ہے۔ وہ اس قدر انوار معارف اور حقائق کی روشن شعاعوں اور حقیقی حسن اور خوبی سے پُر ہے جو ادنیٰ یا اوسط استعداد کا اس تک ہرگز گذر نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کے اہل صفوت اور ارباب طہارت فطرت ان سچائیوں کو پاتے ہیں جن کی سرشت سراسر نور ہو کر نور کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ سو اوّل **مرتبہ صدق کا جو انکو حاصل ہوتا ہے دنیا سے نفرت اور ہر ایک لغو امر سے طبعی کراہت ہے۔ اور اس عادت کے راسخ ہونے کے بعد ایک دوسرے درجہ پر صدق پیدا ہوتا ہے۔ جس کو انس اور شوق اور رجوع الی اللہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اور اس عادت کے راسخ ہونے کے بعد ایک تیسرے درجہ کا صدق پیدا ہوتا ہے جس کو تبدل اعظم اور انقطاع اتم اور محبت ذاتیہ اور فنا فی اللہ کے درجہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔** اور اس عادت کے راسخ ہونے کے کے بعد روح حق انسان میں حلول کرتی ہے اور تمام پاک سچائیاں اور اعلیٰ درجہ کے معارف و حالات بطریق طبیعت و جبلت بکمال وجد و شرح صدر اس شخص کے نفس پاک پر وارد ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ اور عمیق در عمیق معارف قرآنیہ و نکات شرعیہ اس شخص کے دل میں جوش مارتے اور زبان پر جاری ہوتے ہیں۔ اور وہ اسرار شریعت اور لطائف طریقت اسپر کھلتے ہیں جو اہل رسم اور عادت کی عقلیں ان تک پہنچ نہیں سکتیں۔ کیونکہ یہ **شخص مقام نفحات الٰہیہ پر کھڑا ہوتا ہے۔ اور روح القدس اس کے اندر بولتی ہے اور تمام کذب اور دروغ کا حصہ اس کے اندر سے کاٹا جاتا ہے۔** کیونکہ یہ روح سے پاتا اور روح سے بولتا اور روح سے لوگوں پر اثر ڈالتا ہے۔ اور اس حالت میں اس کا نام صدیق ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر سے بکلی کذب کی تاریکی نکلتی اور اس کی جگہ سچائی کی روشنی اور پاکیزگی اپنا دخل کرتی ہے **اور اس مرتبہ پر اعلیٰ درجہ کی سچائیوں کا ظہور اور اعلیٰ معارف کا اس کی زبان پر جاری ہونا اس کے لئے بطور نشان کے ہوتا ہے۔ اسکی پاک تعلیم جو سچائی کے نور سے خمیر شدہ ہوتی ہے۔ دنیا کو حیرت میں ڈالتی ہے۔ اسکے پاک معارف جو سرچشمہ فنا فی اللہ اور حقیقت شناسی سے نکلتے ہیں تمام لوگوں کو تعجب میں ڈالتے ہیں۔ اور اس قسم کا کمال صدیقیت کے کمال سے موسوم ہے۔** (تریاق القلوب۔ ر۔خ۔ جلد 15 صفحہ 419-418)

صادق کامل

قُلۡ لَّوۡ شَآءَ اللّٰہُ مَا تَلَوۡتُہٗ عَلَیۡکُمۡ وَ لَاۤ اَدۡرٰىکُمۡ بِہٖ فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِہٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ۔ (یونس:17)

انبیاء وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنی کامل راست بازی کی قوی حجت پیش کر کے اپنے دشمنوں کو بھی الزام دیا جیسا کہ یہ الزام قرآن شریف میں ہے۔ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے موجود ہے جہاں فرمایا ہے فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِہٖ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (سورہ یونس الجزو 11) **یعنی میں ایسا نہیں کہ جھوٹ بولوں اور افترا کروں۔ دیکھو میں چالیس برس اس سے پہلے تم میں ہی رہتا رہا ہوں کیا کبھی تم نے میرا کوئی جھوٹ یا افترا ثابت کیا۔** پھر کیا تم کو اتنی سمجھ نہیں یعنی یہ سمجھ کہ جس نے کبھی آج تک کسی قسم کا جھوٹ نہیں بولا وہ اب خدا پر کیوں جھوٹ بولنے لگا۔ غرض انبیاء کے واقعات عمری اور ان کی سلامت روشی ایسی بدیہی اور ثابت ہے کہ اگر سب باتوں کو چھوڑ کر ان کے واقعات کو ہی دیکھا جائے تو ان کی صداقت ان کے واقعات سے ہی روشن ہو رہی ہے۔

(براھین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد1 صفحہ 107-108)

اسی طور سے خدا تعالیٰ نے میرے مخالفین اور مکذبین کو ملزم کیا ہے چنانچہ براہین احمدیہ کے صفحہ 512 **میں میری نسبت یہ الہام ہے** جس کے شائع کرنے پر بیس برس گذر گئے اور وہ یہ ہے فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِہٖ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ **یعنی ان مخالفین کو کہہ دے کہ میں چالیس برس تک تم میں ہی رہتا رہا ہوں اور اس مدت دراز تک تم مجھے دیکھتے رہے ہو کہ میرا کام افترا اور دروغ نہیں ہے اور خدا نے ناپاکی کی زندگی سے مجھے محفوظ رکھا ہے تو پھر جو شخص اس قدر مدّت دراز تک یعنی چالیس برس تک ہر ایک افترا اور شرارت اور مکر اور خباثت سے محفوظ رہا اور کبھی اس نے خلقت پر جھوٹ نہ بولا تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ برخلاف اپنی عادت قدیم کے اب وہ خدا تعالیٰ پر افترا کرنے لگا۔** (تریاق القلوب۔ ر۔خ۔ جلد15 صفحہ 283)

الٓرٰ ۟ کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ خَبِیۡرٍ۔ (ہود:2)

قرآن کریم کی تعلیموں کو اللہ تعالیٰ نے کئی طرح پر مستحکم کیا تا کہ کسی قسم کا شک نہ رہے اور اسی لئے شروع میں ہی فرمایا لَا رَیۡبَ فِیۡہِ (البقرہ:3) یہ استحکام کئی طور پر کیا گیا ہے۔

....

....

تیسرا اِحکام نبی کا پاک چال چلن اور راست بازی ہے۔ یہ منجملہ ان باتوں کے ہے جو عقلمندوں کے نزدیک امین ہونا بھی ایک دلیل ہے جیسے حضرت ابوبکر صدیق نے اس سے دلیل پکڑی۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 343)

صدق اور قرآن سے محبت

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ط اِنَّہٗ لَایُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ۔ (یونس:18)

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا یعنی اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اورافترا باندھے یا اس کی آیات کی تکذیب کرے یقیناً یاد رکھو کہ یہ جھوٹ بہت ہی بری بلا ہے انسان کو ہلاک کر دیتا ہے اس سے بڑھ کر جھوٹ کا خطرناک نتیجہ کیا ہوگا کہ انسان خدا تعالیٰ کے مرسلوں اور اس کی آیات کی تکذیب کر کے سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔ پس صدق اختیار کرو...... **جس قدر انسان صدق کو اختیار کرتا ہے اور صدق سے محبت کرتا ہے اسی قدر اس کے دل میں خدا کے کلام اور نبیوں کی محبت اور معرفت پیدا ہوتی ہے۔**

(ملفوظات جلد اول صفحہ 245-246)

صدیق کے مرتبہ پر قرآن کریم کی معرفت اور اس سے محبت اور اس کے نکات و حقائق پر اطلاع ملتی ہے کیونکہ کذب کذب کو کھینچتا ہے اس لئے کبھی بھی کاذب قرآنی معارف اور حقائق سے آگاہ نہیں ہوسکتا یہ وجہ ہے کہ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعة:80) **فرمایا گیا ہے۔** **(ملفوظات جلد اول صفحہ 276)**

قرآنی حقائق و معارف کے بیان کرنے کے لئے قلب کو مناسبت اور کشش اور تعلق حق اور صدق سے ہو جاتا ہے اور پھر یہاں تک اس میں ترقی اور کمال ہوتا ہے کہ وہ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی (النجم:4) **کا مصداق ہو جاتا ہے۔** اس کی نگاہ جب پڑتی ہے صدق پر ہی پڑتی ہے اور اس کو ایک خاص قوت اور امتیازی طاقت دی جاتی ہے جس سے وہ حق و باطل میں فی الفور امتیاز کر لیتا ہے یہاں تک کہ اس کے دل میں ایک قوت آجاتی ہے جس کی ایسی تیز حس ہوتی ہے کہ اسے دور سے ہی باطل کی بو آجاتی ہے یہی وہ سر ہے جو لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعة:80) میں رکھا گیا ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 243)

قرآں کتاب رحمٰن سکھلائے راہِ عرفاں — جو اسکو پڑھنے والے ان پر خدا کے فیضاں
ان پر خدا کی رحمت جو اس پہ لائے ایماں — یہ روز ہے مبارک سبحان من یرانی
ہے چشمۂ ہدایت جس کو ہو یہ عنایت — یہ ہیں خدا کی باتیں ان سے ملے ولایت
یہ نور دل کو بخشے دل میں کرے سرایت — یہ روز ہے مبارک سبحان من یرانی
قرآں کو یاد رکھنا پاک اعتقاد رکھنا — فکرِ معاد رکھنا پاس اپنے زاد رکھنا
اکسیر ہے پیارے صدق و سداد رکھنا — یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

(درثمین اردو)(محمود کی آمین۔ ر۔خ۔ جلد 12 صفحہ 323-324)

دوسرا کمال اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ میں صدیقوں کا کمال ہے۔اس کمال کے حاصل ہونے پر قرآن شریف کے حقائق اور معارف کھلتے ہیں۔ لیکن یہ فضل اور فیض بھی محض الٰہی تائید سے آتا ہے۔ ہمارا تو یہ مذہب ہے کہ خدا تعالیٰ کی تائید اور فضل کے بغیر ایک انگلی کا ہلانا بھی مشکل ہے۔ ہاں یہ انسان کا فرض ہے کہ سعی اور مجاہدہ کرے جہاں تک اس سے ممکن ہے اور اس کی توفیق بھی خدا تعالیٰ ہی سے چاہے۔ کبھی اس سے مایوس نہ ہو کیونکہ مومن کبھی مایوس نہیں ہوتا جیسا کہ خدا تعالیٰ نے خود بھی فرمایا۔ لَا یَایْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ (یوسف:88) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کافر نا امید ہوتے ہیں۔ نا امیدی بہت ہی بری چیز ہے۔ اصل میں نا امید وہ ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ پر بدظنی کرتا ہے یہ خوب یاد رکھو کہ ساری خرابیاں اور برائیاں بدظنی سے پیدا ہوتی ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے بہت منع کیا ہے اور فرمایا اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات:13) (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 246)

جب انسان اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہہ کر صدق اور وفاداری کے ساتھ قدم اٹھاتا ہے تو خدا تعالیٰ ایک بڑی نہر صدق کی کھول دیتا ہے جو اس کے قلب پر آ کر گرتی ہے اور اسے صدق سے بھر دیتی ہے وہ اپنی طرف سے بضاعة مزجاة لاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اعلیٰ درجہ کی گراں قدر جنس اس کو عطا کرتا ہے اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس مقام میں انسان یہاں تک قدم مارتا ہے کہ وہ صدق اس کے لیے ایک خارق عادت نشان ہو۔ اس پر اس قدر معارف اور حقائق کا دریا کھلتا ہے اور ایسی قوت دی جاتی ہے کہ ہر شخص کی طاقت نہیں ہے کہ اس کا مقابلہ کر سکے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 253)

عزیزاں بے خلوص و صدق نکشایند راہے را مصفّا قطرہ باید کہ تا گوہر شود پیدا

اے عزیزو بغیر اخلاص اور سچائی کے کوئی راہ نہیں کھل سکتی۔ مصفا قطرہ چاہیے تا کہ موتی پیدا ہو۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 169)(ازالہ اوہام۔ ر۔ خ۔ جلد 3 صفحہ 546)

معیّت صادق اور فہم قرآن

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ (التوبة:119)

شریعت کی کتابیں حقائق اور معارف کا ذخیرہ ہوتی ہیں لیکن حقائق اور معارف پر کبھی پوری اطلاع نہیں مل سکتی جب تک صادق کی صحبت اخلاص اور صدق سے اختیار نہ کی جاوے اسی لیے قرآن شریف فرماتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور ارتقاء کے مدارج کامل طور پر کبھی حاصل نہیں ہو سکتے جب تک صادق کی معیت اور صحبت نہ ہو کیونکہ اس کی صحبت میں رہ کر وہ اس کے انفاس طیّبہ عقد ہمت اور توجہ سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 163)

یہ کہنا کہ ہمارے لیے قرآن اور احادیث کافی ہیں اور صحبت صادقین کی ضرورت نہیں یہ خود مخالفت تعلیم قرآن ہے **کیونکہ اللہ جلّ شانہ فرماتا ہے وَ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ اور صادق وہ ہیں جنہوں نے صدق کو علیٰ وجہ البصیرت شناخت کیا اور پھر اس پر دل و جان سے قائم ہو گئے اور یہ اعلیٰ درجہ بصیرت کا بجز اس کے ممکن نہیں کہ سماوی تائید شامل حال ہو کر اعلیٰ مرتبہ حق الیقین تک پہنچا دیوے۔ پس ان معنوں کر کے صادق حقیقی انبیاء اور رسل اور محدث اور اولیاء کاملین مکملین ہیں۔ جن پر آسمانی روشنی پڑی اور جنہوں نے خدا تعالےٰ کو اسی جہان میں یقین کی آنکھوں سے دیکھ لیا** اور آیت موصوفہ بالا بطور اشارت ظاہر کر رہی ہے کہ دنیا صادقوں کے وجود سے کبھی خالی نہیں ہوتی کیونکہ دوام حکم کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ دوام وجود صادقین کو مستلزم ہے علاوہ اس کے مشاہدہ صاف بتلا رہا ہے کہ جو لوگ صادقوں کی صحبت سے لاپروا ہو کر عمر گزارتے ہیں ان کے علوم و فنون جسمانی جذبات سے ان کو ہرگز صاف نہیں کر سکتے اور کم سے کم اتنا ہی مرتبہ اسلام کا کہ دلی یقین اس بات پر ہو کہ خدا ہے ان کو ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا اور جس طرح وہ اپنی اس دولت پر یقین رکھتے ہیں جو ان کے صندوقوں میں بند ہو یا اپنے ان مکانات پر جو ان کے قبضہ میں ہوں ہرگز ان کو ایسا یقین خدا تعالیٰ پر نہیں ہوتا۔ وہ سم الفار کھانے سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ یقیناً جانتے ہیں کہ وہ ایک زہر مہلک ہے لیکن گناہوں کی زہر سے نہیں ڈرتے۔

(شہادت القرآن۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 347)

صدق اور تائید الٰہی

غرض صدق ایسی شے ہے جو انسان کو مشکل وقت میں بھی نجات دلا دیتی ہے سعدیؒ نے سچ کہا ہے کہ ؎ کس ندیدم کہ گم شد از رہ راست۔ **پس جس قدر انسان صدق کو اختیار کرتا ہے اور صدق سے محبت کرتا ہے اسی قدر اس کے دل میں خدا تعالیٰ کے کلام اور انبیاء کی محبت اور معرفت پیدا ہوتی ہے** کیونکہ وہ تمام راستبازوں کے نمونے اور چشمے ہوتے ہیں۔ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ (التوبہ:119) کا ارشاد اسی اصول پر ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 246)

صدق را ہر دم مدد آید ز ربّ العالمیں — صادقاں را دستِ حق باشد نہاں در آستیں

سچائی کو ہر دم رب العالمین سے مدد پہنچتی ہے صادقوں کی آستین میں خدا کا ہاتھ پوشیدہ ہوتا ہے۔

ہر بلا کز آسماں بر صادقے آید فرود — آخرش گردد نشانے از برائے طالبیں

ہر وہ مصیبت جو آسمان سے کسی صادق پر آتی ہے وہ آخر میں طالبان حق کے لیے ایک نشان ہو جاتی ہے۔

(ضرورت الامام۔ ر۔خ۔ جلد 13 صفحہ 506)(درثمین فارسی مترجم صفحہ 245)

چوں مرا بخشیدۂ صدق اندریں سوز و گداز — نیست امیدم کہ ناکامم بمیرانی دریں

جب تو نے مجھے اس سوز و گداز میں صدق بخشا ہے تو مجھے یہ امید نہیں کہ تو اس معاملہ میں مجھے ناکامی کی موت دیگا۔

کاروبارِ صادقاں ہرگز نماند ناتمام — صادقاں را دستِ حق باشد نہاں در آستیں

سچوں کا کاروبار ہرگز نامکمل نہیں رہتا۔ صادقوں کی آستین میں خدا کا ہاتھ مخفی ہوتا ہے۔

(فتح اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 46)(درثمین فارسی مترجم صفحہ 158)

فہم قرآن اور مومن کامل

اب جاننا چاہیئے کہ خدائے تعالیٰ نے قرآن کریم میں چار عظیم الشان آسمانی تائیدوں کا کامل متقیوں اور کامل مومنوں کیلئے وعدہ دیا ہے اور وہی کامل مومن کی شناخت کے لئے کامل علامتیں ہیں اور وہ یہ ہیں۔ **اوّل یہ کہ مومن کامل کو خدائے تعالیٰ سے اکثر بشارتیں ملتی ہیں** یعنے پیش از وقوع خوشخبریاں جو اسکی مرادات یا اسکے دوستوں کے مطلوبات ہیں اسکو بتلائی جاتی ہیں **دوم یہ کہ مومن کامل پر ایسے امور غیبیہ کھلتے ہیں** جو نہ صرف اسکی ذات یا اسکے واسطے داروں سے متعلق ہوں بلکہ جو کچھ دنیا میں قضا وقدر نازل ہونے والی ہے یا بعض دنیا کے افراد مشہورہ پر کچھ تغیرات آنیوالے ہیں ان سے برگزیدہ مومن کو اکثر اوقات خبر دیجاتی ہے۔ **سوم یہ کہ مومن کامل کی اکثر دعائیں قبول کی جاتی ہیں** اور اکثر ان دعاؤں کی قبولیت کی پیش از وقت اطلاع بھی دیجاتی ہے **چہارم یہ کہ مومن کامل پر قرآن کریم کے دقائق و معارف جدیدہ و لطائف وخواص عجیبہ سب سے زیادہ کھولے جاتے ہیں۔** ان چاروں علامتوں میں مومن کامل نسبتی طور پر دوسروں پر غالب رہتا ہے۔ اور اگرچہ دائمی طور پر یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ ہمیشہ مومن کامل کو منجانب اللہ بشارتیں ہی ملتی رہیں یا ہمیشہ بلاتخلف ہر ایک دعا اس کی منظور ہی ہو جایا کرے اور نہ یہ کہ ہمیشہ ہر ایک حادثہ زمانہ سے اسکو اطلاع دیجائے اور نہ یہ کہ ہر وقت معارف قرآنی اس پر کھلتے رہیں لیکن غیر کے مقابلہ کے وقت ان چاروں علامتوں میں کثرت مومن ہی کی طرف رہتی ہے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ غیر کو بھی مثلاً جو مومن ناقص ہے شاذ و نادر کے طور پر ان نعمتوں سے کچھ حصہ دیا جاوے مگر اصلی وارث ان نعمتوں کا مومن کامل ہی ہوتا ہے۔

(آسمانی فیصلہ۔ر۔خ۔جلد 4 صفحہ 323)

ہماں زِ نوعِ بشر کامل از خدا باشد   کہ با نشانِ نمایاں خدا نما باشد

انسانوں میں وہی خدا کی طرف سے کامل ہوتا ہے جو روشن نشانوں کے ساتھ خدانما ہوتا ہے۔

بتابد از رخِ او نورِ عشق و صدق و وفا   زِ خلقِ اُو کرم و غربت و حیا باشد

اس کے چہرہ سے عشق اور صدق وصفا کا نور چمکتا ہے۔ کرم انکسار اور حیا اس کے اخلاق ہوتے ہیں۔

صفاتِ او ہمہ ظل صفاتِ حق باشند   ہم استقامت او ہمچو انبیا باشد

اس کی ساری صفات خدا کی صفات کا پرتو ہوتی ہیں اور اس کا استقلال بھی انبیا کے استقلال کی مانند ہوتا ہے۔

روان بچشمۂ او بحرِ سرمدی باشد   عیاں در آئینہ اش روئے کبریا باشد

اس کے سرچشمہ سے ابدی فیضان کا سمندر جاری ہوتا ہے اور اس کے چہرہ میں خدائے بزرگ کا چہرہ نظر آتا ہے۔

(تریاق القلوب۔ر۔خ۔جلد 15 صفحہ 129)(درثمین فارسی مترجم صفحہ 261)

فہم قرآن اور اصحاب عقل و دانش

وَ تِلۡکَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ وَ مَا یَعۡقِلُهَاۤ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ۔ (العنکبوت:44)

جس طرح آفتاب کا قدر آنکھ ہی سے پیدا ہوتا ہے اور روز روشن کے فوائد اہل بصارت ہی پر ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح خدا کی کلام کا کامل طور پر انہیں کو قدر رہتا ہے کہ جو اہل عقل ہیں جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ فرمایا ہے وَ تِلۡکَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُهَا لِلنَّاسِ وَ مَا یَعۡقِلُهَاۤ اِلَّا الۡعٰلِمُوۡنَ یعنی یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں پر ان کو معقول طور پر وہی سمجھتے ہیں کہ جو صاحب علم اور دانشمند ہیں۔ (براهین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد1 صفحہ 300-301 حاشیہ نمبر11)

قرآن کریم میں ان لوگوں کو جو عقل سے کام لیتے ہیں اولوالالباب فرمایا ہے۔ پھر اس کے آگے فرمایا ہے اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ (آل عمران:192) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دوسرا پہلو بیان کیا ہے کہ اولوالالباب اور عقل سلیم بھی وہی رکھتے ہیں جو اللہ جل شانہٗ کا ذکر اٹھتے بیٹھتے کرتے ہیں۔ یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ عقل و دانش ایسی چیزیں ہیں جو یونہی حاصل ہوسکتی ہیں۔ نہیں **بلکہ سچی فراست اور سچی دانش اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیے بغیر حاصل ہی نہیں ہوسکتی۔ اسی واسطے تو کہا گیا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو۔ کیونکہ وہ الٰہی نور سے دیکھتا ہے صحیح فراست اور حقیقی دانش جیسا میں نے ابھی کہا کبھی نصیب نہیں ہوسکتی جب تک تقویٰ میسر نہ ہو۔** اگر تم کامیاب ہونا چاہتے ہو تو عقل سے کام لو۔ فکر کرو۔ سوچو۔ تدبر اور فکر کے لیے قرآن کریم میں بار بار تاکیدیں موجود ہیں۔ کتاب مکنون اور قرآن کریم میں فکر کرو اور پارسا طبع ہو جاؤ۔ جب تمہارے دل پاک ہو جائیں گے۔ اور ادھر عقل سلیم سے کام لو گے اور تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے۔ پھر ان دونوں کے جوڑ سے وہ حالت پیدا ہو جائے گی کہ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (ال عمران:192) تمہارے دل سے نکلے گا۔ اس وقت سمجھ میں آ جائیگا کہ یہ مخلوق عبث نہیں بلکہ صانع حقیقی کی حقانیت اور ثبات پر دلالت کرتی ہے تاکہ طرح طرح کے علوم و فنون جو دین کو مدد دیتے ہیں ظاہر ہوں۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 41-42)

عقل روح کی صفائی سے پیدا ہوتی ہے۔ جس جس قدر انسان روح کی صفائی کرتا ہے اسی اسی قدر عقل میں تیزی پیدا ہوتی ہے اور فرشتہ سامنے کھڑا ہو کر اس کی مدد کرتا ہے مگر فاسقانہ زندگی والے کے دماغ میں روشنی نہیں آ سکتی۔ تقویٰ اختیار کرو کہ خدا تمہارے ساتھ ہو۔ (ملفوظات جلد دوئم صفحہ 717)

تقویٰ اور خدا ترسی علم سے پیدا ہوتی ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا (فاطر:29) **یعنی اللہ تعالیٰ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جو عالم ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی علم خشیت اللہ کو پیدا کر دیتا ہے** اور خدا تعالیٰ نے علم کو تقویٰ سے وابستہ کیا ہے کہ جو شخص پورے طور پر عالم ہوگا اس میں ضرور خشیت اللہ پیدا ہوگی۔ علم سے مراد میری دانس میں علم القرآن ہے اس سے فلسفہ، سائنس یا اور علوم مروجہ مراد نہیں کیونکہ ان کے حصول کے لئے تقویٰ اور نیکی کی شرط نہیں بلکہ جیسے ایک فاسق فاجر ان کو سیکھ سکتا ہے ویسے ہی ایک دیندار بھی۔ لیکن علم القرآن بجز متقی اور دیندار کے کسی دوسرے کو دیا ہی نہیں جاتا۔ پس اس جگہ علم سے مراد علم القرآن ہی ہے جس سے تقویٰ اور خشیت پیدا ہوتی ہے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 599)

فہم قرآن ۔اور عاجزی وانکساری

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔(الحشر:22)

یہ قرآن جو تم پر اتارا گیا اگر کسی پہاڑ پر اتار جاتا تو وہ خشوع اور خوف الٰہی سے ٹکڑہ ٹکڑہ ہو جاتا اور یہ مثالیں ہم اس لئے بیان کرتے ہیں کہ تا لوگ کلام الٰہی کی عظمت معلوم کرنے کے لئے غور اور فکر کریں۔

(سرمہ چشم آریہ۔ر۔خ۔جلد2 صفحہ 63 حاشیہ)

ایک تو اس کے یہ معنے ہیں کہ قرآن شریف کی ایسی تاثیر ہے کہ اگر پہاڑ پر وہ اترتا تو پہاڑ خوف خدا سے ٹکڑے ٹکرے ہو جاتا اور زمین کے ساتھ مل جاتا۔ جب جمادات پر اس کی ایسی تاثیر ہے تو بڑے ہی بیوقوف وہ لوگ ہیں جو اس کی تاثیر سے فائدہ نہیں اٹھاتے **اور دوسرے اس کے معنے یہ ہیں کہ کوئی شخص محبت الٰہی اور رضائے الٰہی کو حاصل نہیں کرسکتا جب تک دو صفتیں اس میں پیدا نہ ہو جائیں۔ اول تکبر کو توڑنا جس طرح کہ کھڑا ہوا پہاڑ جس نے سر اونچا کیا ہوا ہوتا ہے گر کر زمین سے ہموار ہو جائے۔ اسی طرح انسان کو چاہیئے کہ تمام تکبر اور برائی کے خیالات کو دور کرے۔ عاجزی اور خاکساری کو اختیار کرے اور دوسرا یہ ہے کہ پہلے تمام تعلقات اس کے ٹوٹ جائیں جیسا کہ پہاڑ گر کر مُتَصَدِّعًا ہو جاتا ہے۔ اینٹ سے اینٹ جدا ہو جاتی ہے ایسا ہی اسکے پہلے تعلقات جو موجب گندگی اور الٰہی نارضامندی تھے وہ سب تعلقات ٹوٹ جائیں اور اب اس کی ملاقاتیں اور دوستیاں اور محبتیں اور عداوتیں صرف اللہ تعالیٰ کے لئے رہ جائیں۔**

(ملفوظات جلد اول صفحہ 511)

تکبر سے نہیں ملتا وہ دلدار ملے جو خاک سے اس کو ملے یار
کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے کرے پاک آپ کو تب اس کو پاوے
پسند آتی ہے اس کو خاکساری تذلّل ہے رہِ درگاہِ باری

(درثمین اردو صفحہ 84)(حقیقۃ الوحی۔ر۔خ۔جلد22 صفحہ 551)

بہ نخوت ہانمی آید بدست آں دامنِ پاکش کسے عزت از ویابد کہ سوزد رختِ عزت را
اس کا مقدس دامن تکبر سے ہاتھ نہیں آتا۔ اس کے ہاں اسی کو عزت ملتی ہے جو لباس عزت جلا دیتا ہے۔
اگر خواھی رہ مولےٰ ز لافِ علم خالی شو کہ رہ ندہند در کویش اسیرِ کبر ونخوت را
اگر مولا کی راہ چاہتا ہے تو علم کی شیخی ترک کر کہ اس کے کوچہ میں اسیر کبر ونخوت کو گھسنے نہیں دیتے۔
منہ دل در تنعم مہائے دنیا گر خدا خواہی کہ مے خواہد نگارِ من تہید ستانِ عشرت را
اگر خدا کا طلبگار ہے تو دنیوی نعمتوں سے دل نہ لگا کہ میرا محبوب ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے جو عیش کے تارک ہوں۔
☆مصفّا قطرہءِ باید کہ تا گوہر شود پیدا کجا بیند دلِ ناپاک روئے پاک حضرت را
پانی کا مصفا قطرہ چاہئے تا کہ اس سے موتی پیدا ہو۔ ناپاک دل خدا کے چہرہ کو کہاں دیکھ سکتا ہے۔

(درثمین فارسی ترجم صفحہ 186)(آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد5 صفحہ 55)

☆۔ یہ مصرع الہامی ہے۔

وہ دور ہیں خدا سے جوتقویٰ سے دور ہیں ۔۔۔ ہر دم اسیرِ نخوت و کبر و غرور ہیں
تقویٰ یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو ۔۔۔ کبر و غرور و بخل کی عادت کو چھوڑ دو
اس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو ۔۔۔ اس یار کے لئے رہِ عشرت کو چھوڑ دو
لعنت کی ہے یہ راہ سو لعنت کو چھوڑ دو ۔۔۔ ورنہ خیالِ حضرتِ عزت کو چھوڑ دو

(درثمین اردو صفحہ 102-103)(براہین احمدیہ ۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 17-18)

فہم قرآن ۔ پاک اور مطہّر زندگی

مطہرین کی علامتوں میں سے یہ بھی ایک عظیم الشّان علامت ہے کہ علم معارف قرآن حاصل ہو کیونکہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الوقعة:80) (ازالہ اوھام ۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 443)

دینی علم اور پاک معارف کے سمجھنے اور حاصل کرنے کے لئے پہلے سچی پاکیزگی کا حاصل کر لینا اور ناپاکی کی راہوں کا چھوڑ دینا ازبس ضروری ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ **یعنی خدا کی پاک کتاب کے اسرار کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو پاک دل ہیں اور پاک فطرت اور پاک عمل رکھتے ہیں دنیوی چالاکیوں سے آسمانی علم ہرگز حاصل نہیں ہوسکتے۔** (ست بچن ۔ ر۔خ۔ جلد 10 صفحہ 126)

قرآنی حقائق صرف انہی لوگوں پر کھلتے ہیں جن کو خدائے تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف اور پاک کرتا ہے

(براہین احمدیہ ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 613 حاشیہ نمبر 3)

یک قدم دوری ازاں روشن کتاب ۔۔۔ نزدِ ما کفر است و خسران و تباب
اس نورانی کتاب سے ایک قدم بھی دور رہنا ہمارے نزدیک کفر وزیاں اور ہلاکت ہے۔
لیک دوناں رابمغزش راہ نیست ۔۔۔ ہر دلے از سرِّ آں آگاہ نیست
لیکن ذلیل لوگوں کو قرآن کی حقیقت کی خبر نہیں ہر ایک دل اس کے بھیدوں سے واقف نہیں ہے۔
تا نباشد طالبے پاک اندروں ۔۔۔ تا نجوشد عشقِ یارِ بے چگوں!
جب تک طالب حق پاک باطن نہیں ہوتا اور جب تک اس یار بے مثال کا عشق اس کے دل میں جوش نہیں مارتا۔
رازِ قرآں را کجا فہمد کسے ۔۔۔ بہرِ نورے نور مے باید بسے!
تب تک کوئی قرآنی اسرار کو کیونکر سمجھ سکتا ہے نور کے سمجھنے کے لیے بہت سا نور باطن ہونا چاہیئے۔
ایں نہ من قرآں ہمیں فرمودہ است ۔۔۔ اندر و شرطِ تطہّر بودہ است
یہ میری بات نہیں بلکہ قرآن نے بھی یہی فرمایا ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے پاک ہونے کی شرط ہے۔
گر بقرآں ہر کسے را راہ بود ۔۔۔ پس چرا شرطِ تطہّر را فزود
اگر ہر شخص قرآن خود سمجھ سکتا۔ تو خدا نے تطہّر کی شرط کیوں زائد لگائی۔
نور را داند کسے کو نور شد ۔۔۔ واز حجابِ سرکشی ہا دور شد
نور کو وہی شخص سمجھتا ہے جو خود نور ہو گیا ہو۔ اور سرکشی کے حجابوں سے دور ہو گیا ہو۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 226-227)(سراج منیر ۔ ر۔خ۔ جلد 12 صفحہ 96)

کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے | کرے پاک آپ کو تب اس کو پاوے
جو مرتا ہے وہی زندوں میں جاوے | جو جلتا ہے وہی مردے جلاوے
ثمر ہے دور کا کب غیر کھاوے | چلو اوپر کو وہ نیچے نہ آوے
نہاں اندر نہاں ہے کون لاوے | غریقِ عشق وہ موتی اُٹھاوے
وہ دیکھے نیستی رحمت دکھاوے | خودی اور خودروی کب اس کو بھاوے
مجھے تو نے یہ دولت اے خدا دی | فسبحان الذی اخزی الاعادی

(بشیر احمد۔ شریف احمد اور مبارکہ بیگم کی آمین درثمین اردو)

فہم قرآن دنیا پرست کو نہیں ملتا

لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعة:80)

عزیزاں بے خلوص وصدق نکشانید راہے را | مصفا قطرہ باید کہ تا گوہر شود پیدا

اے عزیزو بغیر اخلاص اور سچائی کے کوئی راہ نہیں کھل سکتی مصفا قطرہ چاہیے تا کہ موتی پیدا ہو۔

(ازالہ اوہام ۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 546)

علم دین آسمانی علوم میں سے ہے اور یہ علوم تقویٰ اور طہارت اور محبت الٰہیہ سے وابستہ ہیں اور سگ دنیا کو مل نہیں سکتے۔ سو اس میں کچھ شک نہیں کہ قول موجہ سے اتمام حجت کرنا انبیاء اور مردان خدا کا کام ہے اور حقانی فیوض کا مورد ہونا فانیوں کا طریق ہے اور اللہ جلہ شانہٗ فرماتا ہے **لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ** ۔ پس کیونکر ایک گندہ اور منافق اور دنیا پرست ان آسمانی فیضوں کو پا سکتا ہے جن کے بغیر کوئی فتح نہیں ہو سکتی اور کیونکر اس دل پر روح القدس بول سکتا ہے جس میں شیطان بولتا ہو۔

(البلاغ ۔ ر۔خ۔ جلد 13 صفحہ 373-272)

دوسرے علوم میں یہ شرط نہیں۔ ریاضی، ہندسہ وہیئت وغیرہ میں اس امر کی شرط نہیں کہ سیکھنے والا ضرور متقی اور پرہیزگار ہو بلکہ خواہ کیسا ہی فاسق وفاجر ہو وہ بھی سیکھ سکتا ہے مگر علم دین میں خشک منطقی اور فلسفی ترقی نہیں کر سکتا اور اس پر وہ حقائق اور معارف نہیں کھل سکتے۔ جس کا دل خراب ہے اور تقویٰ سے حصہ نہیں رکھتا اور پھر کہتا ہے کہ علوم دین اور حقائق اس کی زبان پر جاری ہوتے ہیں وہ جھوٹ بولتا ہے ہرگز ہرگز اسے دین کے حقائق اور معارف سے حصہ نہیں ملتا بلکہ دین کے لطائف اور نکات کے لئے متقی ہونا شرط ہے۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 121)

دینی علم اور پاک معارف کے سمجھنے اور حاصل کرنے کے لئے پہلے سچی پاکیزگی کا حاصل کر لینا اور ناپاکی کی راہوں کا چھوڑ دینا ازبس ضروری ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ یعنی خدا کی پاک کتاب کی اسرار کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو پاک دل فطرت اور پاک عمل رکھتے ہیں۔ دنیوی چالاکیوں سے آسمانی علم ہرگز حاصل نہیں ہوسکتے۔ (ست بچن۔ ر۔خ۔ جلد10 صفحہ 126)

مکذبین کے دلوں پر خدا کی لعنت ہے خدا ان کو نہ قرآن کا نور دکھلائے گا۔ نہ بالمقابل دا کی استجابت جو اعلام قبل از وقت کے ساتھ ہو اور نہ امور غیبیہ پر اطلاع دے گا لَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجن:27,28)

(انجام آتھم ر۔خ۔ جلد11 صفحہ 303 حاشیہ)

و لیس ھذا الموطن الا للمتقین۔ و لا تفتح ھذہ الابواب الا علی الصالحین۔ و لا یمسہ الا الذی کان من المطھرین۔ و ان اللہ لا یھدی کید الخائنین۔ الذین یجعلون المکائد منتجعا۔ و الا کاذیب کھفا و مرجعا۔ ولھم قلوب کلیل اردف اذنابہ۔ وظلام مدالی مدی الابصار اطنابہ۔ لا یعلمون ما القران۔ وما العلم و لاعرفان ومن لم یعلم القران وما اوتی البیان۔

ترجمہ:۔ یہ مقام بجز پرہیزگاروں کے کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔ اور یہ دروازہ صالحین کے سوا کسی کے لئے کھولا نہیں جاتا۔ اور جب تک کسی کا ہاتھ پاک نہ ہو وہ وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ (انجام آتھم ر۔خ۔ جلد11 صفحہ 303 حاشیہ)

خدا تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو' جنہوں نے دھوکا دہی کا پیشہ اختیار کیا ہے اور جھوٹ کی پناہ لے لی ہے۔ تا کہ ضرورت کے وقت اس کو اختیار کیا جائے' ہدایت نہیں دیتا۔ ان کے دل ایک تاریک رات کی طرح سے ہیں جو اپنی ظلمت میں کامل ہو۔ ان کو معلوم نہیں کہ قرآن کیا ہے۔ اور جس کو قرآن کا علم اور بیان کی طاقت نصیب نہیں اس کا کیا علم اور کیا عرفان ہے۔ (اعجاز المسیح ر۔خ۔ جلد18 صفحہ 48)

ھل العلم شیء غیر تعلیم ربنا   وای حدیث بعدہ نتخیر

کیا وہ علم کوئی چیز ہے جسے ہمارے رب نے نہ سکھایا ہو اور کونسی بات ہم اس کے بعد اختیار کر سکتے ہیں؟

کتاب کریم احکمت ایاتہ   و حیاتہ یحیی القلوب ویزھر

وہ کتاب کریم ہے اس کی آیات محکم ہیں اور اس کی زندگی دلوں کو زندہ اور روشن کرتی ہے۔

یدع الشقی ولا یمس نکاتہ   ویروی التقی ھدی فینمو و یثمر

وہ بدبخت کو دھکے دیتی ہے اور وہ اس کے نکات کو نہیں چھو سکتا اور وہ پرہیزگار کو ہدایت سے سیراب کرتی ہے سو وہ نشوونما پاتا ہے اور پھل دیتا ہے۔

و متعنی من فیضہ لطف خالقی   و انی رضیع کتابہ و مخفر

اور میرے رب کی مہربانی نے اپنے فیض سے مجھے بہرہ ور کیا ہے۔ میں اس کی کتاب کا شیرخوار ہوں اور اسکی حفاظت میں ہوں۔

کریم فیوتی من یشاء علومہ   قدیر فکیف تکذبن و تھکر

وہ کریم ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنے علوم دیتا ہے' وہ قدیر ہے۔ سو تو (اس بات کی) کیسے تکذیب کرتا ہے اور کیسے (اس پر) تعجب کرتا ہے۔

(کرامات الصادقین ر۔خ۔ جلد7 صفحہ 87) (القصائد الاحمدیہ صفحہ 68)

اے اسیر عقل خود برہستی خود کم نباز کیں سپہر بوالعجائب چوں توبسیار آورد

اے اپنے عقل کے قیدی اپنی ہستی پر ناز نہ کر کہ یہ عجیب آسمان تیری طرح کے بہت سے آدمی لایا کرتا ہے۔

غیر را ہرگز نمے باشد گذر در کوئے حق ہر کہ آیدز آسماں او راز آں یار آورد

خدا کے کوچہ میں غیر کو ہرگز دخل نہیں جو آسمان سے آتا ہے وہی اس یار کے اسرار ہمراہ لاتا ہے۔

خود بخود فہمیدن قرآں گمان باطل است ہر کہ از خو آورد او نجس و مردار آورد

آپ ہی آپ قرآن کو سمجھ لینا ایک غلط خیال ہے جو شخص اپنے پاس سے اس کا مطلب بیان کرتا ہے وہ گندگی اور مردار پیش کرتا ہے۔

(برکات الدعا۔ر۔خ۔جلد6 صفحہ 5)(درثمین فارسی مترجم صفحہ195-196)

باب نہم

اصول تفسیر قرآن کریم

پس اغراض نفسانیہ کے ساتھ زبان پر کیونکر احاطہ ہو سکے اور معارف قرآنیہ کیونکر حاصل ہو سکیں اور لغت عرب جو صرف نحو کی اصل کنجی ہے وہ ایک ایسا ناپیدا کنار دریا ہے جو اسکی نسبت امام شافعی رحمتہ اللہ کا یہ مقولہ بالکل صحیح ہے لَا یَعْلَمُہٗ اِلَّا نَبِیٌّ یعنی اس زبان کو اور اسکے انواع اقسام کے محاورات کو بجز نبی کے اور کوئی شخص کامل طور پر معلوم ہی نہیں کر سکتا۔ اس قول سے بھی ثابت ہوا کہ اس زبان پر ہر ایک پہلو سے قدرت حاصل کرنا ہر ایک کا کام نہیں بلکہ اس پر پورا احاطہ کرنا معجزات انبیاء علیہم السلام سے ہے۔ (نزول المسیح۔ ر۔خ۔ جلد18 صفحہ 436)

اے اسیرِ عقلِ خود برہستیءِ خود کم نباز کیں سپہر بوالعجائب چوں تو بسیار آورد

اپنی عقل کے قیدی اپنی ہستی پر ناز نہ کر کہ یہ عجیب آسمان تیری طرح کے بہت سے آدمی لایا کرتا ہے

غیر را ہر گز نمے باشد گذر در کوئے حق ہر کہ آید ز آسماں اُو رازِ آں یار آورد

خدا کے کوچہ میں غیر کو ہرگز دخل نہیں ہوتا جو آسمان سے آتا ہے وہی اس یار کے اسرار ہمراہ لاتا ہے

خود بخود فہمیدنِ قرآن گمانِ باطل است ہر کہ از خود آورد او نجس و مردار آورد

آپ ہی آپ قرآن کو سمجھ لینا ایک غلط خیال ہے جو شخص اپنے پاس سے اسکا مطلب پیش کرتا ہے وہ گندگی اور مردار ہی پیش کرتا ہے۔

(برکات الدعا۔ ر۔خ۔ جلد6 صفحہ 5) (درثمین فارسی مترجم صفحہ 196-195)

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
1	ضرورت اوراہمیت	761
2	قرآنِ کریم کی صحیح تفسیر کے معیار	762
3	قرآنِ کریم کی غلط تفسیر	763
4	تفسیر قرآنِ کریم کی حدود اور تدبر فی القرآن	764
5	تفسیرِ قرآن اور تائید روح القدس	//
6	تفسیرِ قرآن واقعات اور موقع کے مطابق ہونی چاہیئے	765
7	تفسیرِ قرآن اور سنتِ رسولؐ	766
8	تفسیرِ قرآن۔ فرمودات قرآن، حدیث اور لغت عرب کے مطابق ہونی چاہئے	767
9	قرآن اپنی تفسیر آپ کرتا ہے	//
10	سیاق وسباق آیت کے مطابق معانی	769
11	معانیءِ آیات میں باہم معنوی اختلاف نہ ہو	771
12	قرآن حکیم کی آیات محکمات و متشابہات ہیں	774
13	تعریف آیات محکمات ومتشابہات	775
14	آیات متشابہات قلیل الوجود اور شاذونادر ہیں متواتر اور کثیر آیاتِ قرآنیہ محکمات ہیں	776
15	معانی قرآن آیات محکمات کے مطابق ہونے ضروری ہیں	777
16	قرآن کو یکجائی نظر سے دیکھنا چاہئے	778
17	تفسیرِ قرآن محاوراتِ قرآن اور مصطلحاتِ قرآن کے مطابق ہو	779
18	لغتِ عرب اور محاورۂ عرب کا کامل علم انبیاءؑ کا معجزہ ہے	780
19	اصطلاحات و محاوراتِ قرآن کی چند امثال	//
20	قرآنی معانی کے خلاف معانی کرنا تحریف والحاد ہے	787
21	تحریفِ معنوی	789
22	تحریفِ تقریری	790
23	تحریف اور یہود	791
24	کسی کو کلامِ الٰہی میں تغیر و تبدل کا اختیار نہیں	792
25	تفسیر بالرّائے	//

اصولِ تفسیر قرآن کریم

ضرورت اور اہمیت

صرف قرآن کا ترجمہ اصل میں مفید نہیں جب تک اس کے ساتھ تفسیر نہ ہو مثلاً غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ. کی نسبت کسی کو کیا سمجھ آ سکتا ہے کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جب تک کہ کھول کر نہ بتلایا جاوے اور پھر یہ دعا مسلمانوں کو کیوں سکھلائی گئی اس کا یہی منشا تھا کہ جیسے یہودیوں نے حضرت مسیح کا انکار کر کے خدا کا غضب کمایا۔ ایسے ہی آخری زمانہ میں اس امت نے بھی مسیح موعود کا انکار کر کے خدا کا غضب کمانا تھا اسی لیے اول ہی ان کو بطور پیشگوئی کے اطلاع دی گئی کہ سعید روحیں اس وقت غضب سے بچ سکیں۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 449)

ام يقولون انا لا نرى ضرورة مسيح و لا مهدى و كفانا القران و انا مهتدون. و يعلمون ان القران كتاب لا يمسه الا المطهرون (الواقعة:80) فاشتدت الحاجة الى مفسر زكى من ايدى الله و ادخل فى الذين يبصرون.

ترجمہ:۔ **کہتے ہیں کہ ہم کو مسیح اور مہدی کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ قرآن ہمارے لئے کافی ہے اور ہم سیدھے رستے پر ہیں۔ حالانکہ جانتے ہیں کہ قرآن ایسی کتاب ہے کہ سوائے پاکوں کے اور کسی کی فہم اس تک نہیں پہنچتی۔ اس وجہ سے ایک ایسے مفسر کی حاجت پڑی کہ خدا کے ہاتھ نے اسے پاک کیا ہو۔ اور بینا بنایا ہو۔**

(خطبہ الہامیہ۔ ر۔ خ۔ جلد 16 صفحہ 184-183)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام:۔ یہ خدا کا بڑا فضل ہے اور خوش قسمتی آپ کی ہے کہ آپ ادھر آ نکلے۔ یہ بات واقعی سچ ہے کہ جو مسلمان ہیں یہ قرآن شریف کو بالکل نہیں سمجھتے **لیکن اب خدا کا ارادہ ہے کہ صحیح معنے قرآن کے ظاہر کرے خدا نے مجھے اسی لیے مامور کیا ہے اور میں اس کے الہام اور وحی سے قرآن شریف کو سمجھتا ہوں قرآن شریف کی ایسی تعلیم ہے کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں آ سکتا۔** اور معقولات سے ایسی پُر ہے کہ ایک فلاسفر کو بھی اعتراض کا موقعہ نہیں ملتا مگر ان مسلمانوں نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا ہے اور اپنی طرف سے ایسی ایسی باتیں بنا کر قرآن شریف کی طرف منسوب کرتے ہیں جس سے قدم قدم پر اعتراض وارد ہوتا ہے اور ایسے دعاوی اپنی طرف سے کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں نہیں ہے اور وہ سراسر اس کے خلاف ہیں مثلاً اب یہی واقعہ صلیب کو دیکھو کہ اس میں کسقدر افتراء سے کام لیا گیا ہے اور قرآن کریم کی مخالفت کی گئی ہے اور یہ بات عقل کے بھی خلاف ہے اور قرآن کے بھی برخلاف ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 451-450)

قرآن کریم کی صحیح تفسیر کے معیار

سب سے اوّل معیار تفسیر صحیح کا شواہد قرآنی ہیں یہ بات نہایت توجہ سے یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآن کریم اور معمولی کتابوں کی طرح نہیں جو اپنی صداقتوں کے ثبوت یا انکشاف کے لئے دوسرے کامحتاج ہو۔ وہ ایک ایسی متناسب عمارت کی طرح ہے جس کی ایک اینٹ ہلانے سے تمام عمارت کی شکل بگڑ جاتی ہے۔ اس کی کوئی صداقت ایسی نہیں ہے جو کم سے کم دس یا بیس شاہد اس کے خود اسی میں موجود نہ ہوں سو اگر ہم قرآن کریم کی ایک آیت کے ایک معنے کریں تو ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ ان معنوں کی تصدیق کیلئے دوسرے شواہد قرآن کریم سے ملتے ہیں یا نہیں۔ اگر دوسرے شواہد دستیاب نہ ہوں بلکہ ان معنوں کی دوسری آیتوں سے صریح معارض پائے جاویں تو ہمیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ معنی بالکل باطل ہیں کیونکہ ممکن نہیں کہ قرآن کریم میں اختلاف ہو اور سچے معنوں کی یہی نشانی ہے کہ قرآن کریم میں سے ایک لشکر شواہد بیّنہ کا اس کا مصدق ہو۔

دوسرا معیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ سب سے زیادہ قرآن کے معنے سمجھنے والے ہمارے پیارے اور بزرگ نبی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تفسیر ثابت ہو جائے۔ تو مسلمان کا فرض ہے کہ بلا توقف اور بلا دغدغہ قبول کرے نہیں تو اسمیں الحاد اور فلسفیت کی رگ ہوگی۔

تیسرا معیار صحابہؓ کی تفسیر ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت کے نوروں کو حاصل کرنے والے اور علم نبوت کے پہلے وارث تھے اور خدا تعالیٰ کا ان پر بڑا فضل تھا اور نصرت الٰہی ان کی قوت مدرکہ کے ساتھ تھی کیونکہ ان کو نہ صرف قال بلکہ حال تھا۔

چوتھا معیار خود اپنا نفس مطہر لے کر قرآن کریم میں غور کرنا ہے کیونکہ نفس مطہرہ سے قرآن کریم کو مناسبت ہے۔ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے لا یمسّہٗ الا المطہّرون (الواقعۃ:80) **یعنی قرآن کریم کے حقائق صرف ان پر کھلتے ہیں جو پاک دل ہوں۔ کیونکہ مطہر القلب انسان پر قرآن کریم کے پاک معارف بوجہ مناسبت کھل جاتے ہیں اور وہ ان کو شناخت کر لیتا ہے اور سونگھ لیتا ہے اور اس کا دل بول اٹھتا ہے کہ ہاں یہی راہ سچی ہے اور اس کا نور قلب سچائی کی پرکھ کے لئے ایک عمدہ معیار ہوتا ہے۔** پس جب تک انسان صاحب حال نہ ہو اور اس تنگ راہ سے گذرنے والا نہ ہو جس سے انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں تب تک مناسب ہے کہ گستاخی اور تکبر کی جہت سے مفسّر قرآن نہ بن بیٹھے ورنہ وہ تفسیر بالرائے ہوگی جس سے نبی علیہ السلام نے منع فرمایا ہے اور کہا کہ **من فسر القران برائیۃ فاصاب فقد اخطاء** یعنی جس نے صرف اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی اور اپنے خیال میں اچھی کی تب بھی اس نے بری تفسیر کی۔

پانچواں معیار لغت عرب بھی ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اپنے وسائل آپ اس قدر قائم کر دیئے ہیں کہ چنداں لغات عرب کی تفتیش کی حاجت نہیں ہاں موجب زیادتِ بصیرت بے شک ہے **بلکہ بعض اوقات قرآن کریم کے اسرار مخفیہ کی طرف لغت کھودنے سے توجہ پیدا ہو جاتی ہے اور ایک بھید کی بات نکل آتی ہے۔**

چھٹا معیار روحانی سلسلہ کے سمجھنے کے لئے سلسلہ جسمانی ہے کیونکہ خداوند تعالےٰ کے دونوں سلسلوں میں بکلّی تطابق ہے۔

ساتواں معیار وحی ولایت اور مکاشفات محدثین ہیں۔ اور یہ معیار گویا تمام معیاروں پر حاوی ہے کیونکہ صاحب وحی محدثیت اپنے نبی متبوع کا پورا ہمرنگ ہوتا ہے اور بغیر نبوت اور تجدید احکام کے وہ سب باتیں اس کو دی جاتی ہیں جو نبی کو دی جاتی ہیں اور اس پر یقینی طور پر سچی تعلیم ظاہر کی جاتی ہے اور نہ صرف اس قدر بلکہ اس پر وہ سب امور بطور انعام واکرام کے وارد ہو جاتے ہیں جو نبی متبوع پر وارد ہوتے ہیں۔ سو اس کا بیان محض اٹکلیں نہیں ہوتیں بلکہ وہ دیکھ کر کہتا ہے اور سنکر بولتا ہے اور یہ راہ اس امت کے لئے کھلی ہے **ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وارث حقیقی کوئی نہ رہے اور ایک شخص جو دنیا کا کیڑا اور دنیا کے جاہ وجلال اور ننگ وناموس میں مبتلا ہے وہی وارث علم نبوت ہو کیونکہ خدا تعالیٰ وعدہ کر چکا ہے کہ بجز مطہرین کے علم نبوت کسی کو نہیں دیا جائیگا بلکہ یہ تو اس پاک علم سے بازی کرنا ہے کہ ہر ایک شخص باوجود اپنی آلودہ حالت کے وارث النبی ہونے کا دعویٰ کرے۔** (برکات الدعاء۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 17-21)

قرآن کریم کی غلط تفسیر

آیت اِنَّا عَلٰی ذَھَابٍ بِہٖ لَقٰدِرُوْنَ (المومنون:19) میں 1857ء کی طرف اشارہ ہے جس میں ہندوستان میں ایک مفسدہ عظیم ہو کر آثار باقیہ اسلامی سلطنت کے ملک ہند سے ناپید ہو گئے تھے کیونکہ اس آیت کے اعداد بحساب جمل 1274 ہیں اور 1274 کے زمانہ کو جب عیسوی تاریخ میں دیکھنا چاہیں تو 1857ء ہوتا ہے۔ سو درحقیقت ضعف اسلام کا زمانہ ابتدائی یہی 1857ء ہے جس کی نسبت خدا تعالیٰ آیت موصوفہ بالا میں فرماتا ہے کہ جب وہ زمانہ آئے گا تو قرآن زمین پر سے اٹھایا جائے گا سو ایسا ہی 1857ء میں مسلمانوں کی حالت ہو گئی تھی .... پس اس حکیم وعلیم کا قرآن کریم میں یہ بیان فرمانا کہ 1857ء میں میرا کلام آسمان پر اٹھایا جائے گا یہی معنے رکھتا ہے کہ مسلمان اس پر عمل نہیں کریں گے .... **کتاب الٰہی کی غلط تفسیروں نے انہیں بہت خراب کیا ہے اور ان کے دل اور دماغی قویٰ پر بہت بُرا اثر ان سے پڑا ہے اس زمانہ میں بلاشبہ کتاب الٰہی کے لئے ضروری ہے کہ اس کی ایک نئی اور صحیح تفسیر کی جائے کیونکہ حال میں جن تفسیروں کی تعلیم دی جاتی ہے وہ نہ اخلاقی حالت کو درست کر سکتی ہیں اور نہ ایمانی حالت پر نیک اثر ڈالتی ہیں بلکہ فطرتی سعادت اور نیک روشنی کے مزاحم ہو رہی ہیں۔** اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دراصل اپنے اکثر زوائد کی وجہ سے قرآن کریم کی تعلیم نہیں ہے۔ قرآنی تعلیم ایسے لوگوں کے دلوں سے مٹ گئی ہے کہ گویا قرآن آسمان پر اٹھایا گیا ہے۔ وہ ایمان جو قرآن نے سکھلایا تھا اس سے لوگ بے خبر ہیں۔ وہ عرفان جو قرآن نے بخشا تھا اس سے لوگ غافل ہو گئے ہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ قرآن پڑھتے ہیں مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ انہیں معنوں سے کہا گیا ہے کہ آخری زمانے میں قرآن آسمان پر اٹھایا جائے گا **پھر انہیں حدیثوں میں لکھا ہے کہ پھر دوبارہ قرآن کو زمین پر لانے والا ایک مرد فارسی الاصل ہوگا جیسا کہ فرمایا ہے لو کان الایمان معلقا عند الثریا لناله رجل من فارس۔ یہ حدیث درحقیقت اسی زمانہ کی طرف اشارہ کرتی ہے جو آیت انا علی ذھاب به لقدرون میں اشارۃً بیان کیا گیا ہے۔** (ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 489-493 حاشیہ)

الہام حضرت اقدسؑ

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۔ (الانعام:72)

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ان کو کہدے کہ تمہارے خیالات کیا چیز ہیں ہدایت وہی ہے جو خدا تعالیٰ براہ راست آپ دیتا ہے ورنہ انسان اپنے غلط اجتہادات سے کتاب اللہ کے معنی بگاڑ دیتا ہے اور کچھ کا کچھ سمجھ لیتا ہے۔ وہ خدا ہی ہے جو غلطی نہیں کھاتا لہٰذا ہدایت اسی کی ہدایت ہے انسانوں کے اپنے خیالی معنے بھروسے کے لائق نہیں ہیں۔

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 87-88)

تفسیر قرآن کی حدود اور تدبّر فی القرآن

وَ اقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۔(لقمٰن:20)

ہمارا مطلب و مدعا یہ ہے کہ ایسے امور کی موشگافی اور نہ بینی کی امید سے اپنی عقلوں اور فکروں کو آوارہ مت کرو جو تمہاری بساط سے باہر ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ بہتیرے ایسے لوگ ہیں کہ ناجائز فکروں میں پڑ کر اپنی اس معین اور مقرر وسعت سے جو قدرت نے ان کو دے رکھی ہے باہر چلے جاتے ہیں اور اپنی محدود عقل سے کل کائنات کے عمیق در عمیق رازوں کو حل کرنا چاہتے ہیں۔ سو یہ افراط ہے جیسے بکلی تحقیق و تفتیش سے منہ پھیر لینا تفریط ہے۔ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ یعنی اپنی چال میں توسط اختیار کر نہ ایسا فکر کو منجمد کر لینا چاہیئے کہ جو ہزارہا نکات و لطائف الٰہیات قابل دریافت ہیں ان کی تحصیل سے محروم رہ جائیں اور نہ اس قدر تیزی کرنی چاہیئے کہ ان فکروں میں پڑ جائیں کہ خدائے تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے اور یا اس نے اس قدر ارواح اور اجسام کس طرح بنا لئے ہیں اور یا اس نے کیونکر اکیلا ہونے کی حالت میں اس قدر وسیع عالم بنا ڈالا ہے۔

(سرمہ چشم آریہ۔ ر۔خ۔ جلد 2 صفحہ 166-167)

تفسیر قرآن اور تائید روح القدس

تفسیر نویسی

اس بات کا ذکر آیا کہ آج کل لوگ بغیر سچے علم اور واقفیت کے تفسیریں لکھنے بیٹھ جاتے ہیں۔ اس پر فرمایا:

”تفسیر قرآن میں دخل دینا بہت نازک امر ہے۔ مبارک اور سچا دخل اس کا ہے جو روح القدس سے مدد لے کر دخل دے ورنہ علوم مروّجہ کا لکھنا دنیاداروں کی چالاکیاں ہیں“۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 505)

تفسیر قرآن واقعات اور موقعہ کے مطابق ہونی چاہیئے

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ مِنۡ کُلِّ حَدَبٍ یَّنۡسِلُوۡنَ اس امر کے اظہار کے واسطے کافی ہے کہ یہ کل دنیا کی زمینی طاقتوں کو زیر پا کریں گی ورنہ اس کے سوا اور کیا معنے ہیں۔ کیا یہ قومیں دیواروں اور ٹیلوں کو کودتی اور پھاندتی پھریں گی۔ نہیں بلکہ اس کے یہی معنے ہیں کہ وہ دنیا کی کل ریاستوں اور سلطنتوں کو زیر پا کر لیں گی اور کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔

واقعات جس امر کی تفسیر کریں وہی تفسیر ٹھیک ہوا کرتی ہے۔ اس آیت کے معنے خدا تعالیٰ نے واقعات سے بتا دیئے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اگر کسی قسم کی سیفی قوت کی ضرورت ہوتی تو اب جیسے کہ بظاہر اسلامی دنیا کے امیدوں کے آخری دن ہیں چاہیئے تھا کہ اہل اسلام کی سیفی طاقت بڑھی ہوئی ہوتی اور اسلامی سلطنتیں تمام دنیا پر غلبہ پاتیں اور کوئی ان کے مقابل پر ٹھہر نہ سکتا مگر اب تو معاملہ اس کے برخلاف نظر آتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور تمہید یا عنوان کے یہ زمانہ ہے کہ ان کی فتح اور ان کا غلبہ دنیوی ہتھیاروں سے نہیں ہوسکے گا بلکہ ان کے واسطے آسمانی طاقت کام کرے گی جس کا ذریعہ دعا ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 191)

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۔وَاَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا وَ قَالَ الۡاِنۡسَانُ مَالَهَا۔ (الزلزال:2-4)

آیت موصوفہ میں صاف لکھا ہے کہ انسان کہیں گے کہ زمین کو کیا ہو گیا۔ پھر اگر حقیقتاً یہی بات سچ ہے کہ زمین نہایت شدید زلزلوں کے ساتھ زیروزبر ہو جائے گی تو انسان کہاں ہو گا جو زمین سے سوال کرے گا تو وہ پہلے ہی زلزلہ کے ساتھ زاویہ عدم میں مخفی ہو جائے گا۔ **علوم حسیہ کا تو کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا۔ پس ایسے معنے کرنا جو بداہت باطل اور قرائن موجودہ کے مخالف ہوں گویا اسلام سے ہنسی کرانا اور مخالفین کو اعتراض کے لئے موقع دینا ہے پس واقعی اور حقیقی معنے یہی ہیں جو ابھی ہم نے بیان کئے۔**

(شہادت القرآن۔ر۔خ۔جلد 6 صفحہ 316-315)

قرآن کل دنیا کی صداقتوں کا مجموعہ ہے اور سب دین کی کتابوں کا فخر ہے جیسے فرمایا ہے فِيۡهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ اور يَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً (البینۃ:3) **پس قرآن کریم کے معنی کرتے وقت خارجی قصوں کو نہ لیں بلکہ واقعات کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔**

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 388)

تفسیر قرآن اور سنت رسولؐ

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ط اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ (ہود:113)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو صرف اس ایک حکم نے کہ فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ نے ہی بوڑھا کر دیا۔ کس قدر احساس موت ہے۔ آپ کی یہ حالت کیوں ہوئی صرف اس لئے کہ تا ہم اس سے سبق لیں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک اور مقدس زندگی کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہادی کامل اور پھر قیامت تک کے لئے اور اس پر کل دنیا کے لئے مقرر فرمایا مگر **آپ کی زندگی کے کل واقعات ایک عملی تعلیمات کا مجموعہ ہیں۔ جس طرح پر قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی قولی کتاب ہے اور قانون قدرت اس کی فعلی کتاب ہے اسی طرح پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھی ایک فعلی کتاب ہے جو گویا قرآن کریم کی شرح اور تفسیر ہے۔**

(ریویو آف ریلیجنز جلد سوم صفحہ 11 بابت ماہ جنوری 1904)

ہم حدیث اور سنت کو ایک چیز قرار نہیں دیتے جیسا کہ رسمی محدثین کا طریق ہے بلکہ حدیث الگ چیز ہے اور سنت الگ چیز۔ سنت سے مراد ہماری صرف آنحضرت کی فعلی روش ہے جو اپنے اندر تواتر رکھتی ہے اور ابتدا سے قرآن شریف کے ساتھ ہی ظاہر ہوئی اور ہمیشہ ساتھ ہی رہے گی یا بہ تبدیل الفاظ یوں کہہ سکتے ہیں **قرآن شریف خدا تعالیٰ کا قول ہے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اور قدیم سے عادت اللہ یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام خدا کا قول لوگوں کی ہدایت کے لیے لاتے ہیں تو اپنے فعل سے یعنی عملی طور پر اس قول کی تفسیر کر دیتے ہیں تا اس قول کا سمجھنا لوگوں پر مشتبہ نہ رہے۔** اور اس قول پر آپ بھی عمل کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی عمل کراتے ہیں تیسرا ذریعہ ہدایت کا حدیث ہے اور حدیث سے مراد ہماری وہ آثار ہیں کہ جو قصوں کے رنگ میں آنحضرت سے قریباً ڈیڑھ سو برس بعد مختلف راویوں کے ذریعوں سے جمع کیے گئے ہیں۔

(ریویو برمباحثہ بٹالوی و چکڑالوی۔ ر۔خ۔ جلد 19 صفحہ 209-210)

تفسیر قرآن ۔فرمودات قرآن

حدیث اور لغت عرب کے مطابق ہونی ضروری ہے

موجودہ حالت میں میرا دل گوارا نہیں کرسکتا کہ میں قرآن شریف کے ایسے معنے کروں جو خود قرآن شریف اور لغت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کے خلاف ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک شان کا باعث ہوں۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 160)

اول یہ کہ وہ اسلام کے مقابل پر ان بیہودہ روایات اور بے اصل حکایات سے مجتنب رہیں جو ہماری مسلم اور مقبول کتابوں میں موجود نہیں اور ہمارے عقیدہ میں داخل نہیں اور نیز قرآن کے معنی اپنے طرف سے نہ گھڑ لیا کریں بلکہ وہی معنی کریں جو تواتر آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہوں اور پادری صاحبان اگرچہ انجیل کے معنے کرنے کے وقت ہر یک بے قیدی کے مجاز ہوں۔مگر ہم مجاز نہیں ہیں اور انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارے مذہب میں تفسیر بالرائے معصیت عظیمہ ہے **قرآن کی کسی آیت کے معنی اگر کریں تو اس طور سے کرنے چاہیئے کہ دوسری قرآنی آئتیں ان معنوں کی موید اور مفسر ہوں** اختلاف اور تناقض پیدا نہ ہو۔ کیونکہ قرآن کی بعض آیتیں بعض کے لئے بطور تفسیر کے ہیں اور پھر ساتھ اس کے یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی انہیں معنوں کی مفسر ہو کیونکہ جس پاک اور کامل نبی پر قرآن نازل ہو وہ سب سے بہتر قرآن شریف کے معنی جانتا ہے۔ **غرض اتم اور اکمل طریق معنے کرنے کا تو یہ ہے لیکن اگر کسی آیت کے بارے میں حدیث صحیح مرفوع متصل نہ مل سکے تو ادنئے درجہ استدلال کا یہ ہے کہ قرآن کی ایک آیت کے معنی دوسری آیات بینات سے کئے جاویں۔**

لیکن ہرگز یہ درست نہیں ہوگا کہ بغیر ان دونوں قسم کے التزام کے اپنے ہی خیال اور رائے سے معنی کریں کاش اگر پادری عمادالدین وغیرہ اس طریق کا التزام کرتے تو نہ آپ ہلاک ہوتے اور نہ دوسروں کی ہلاکت کا موجب ٹھہرتے۔

(آریہ دھرم۔ر۔خ۔جلد 10 صفحہ 81-80 حاشیہ)

قرآن اپنی تفسیر آپ کرتا ہے

قرآن کی تفسیر کے متعلق فرمایا کہ

خدا کے کلام کے صحیح معنی تب سمجھ میں آتے ہیں کہ اس کے تمام رشتہ کی سمجھ ہو جیسے قرآن شریف کی نسبت ہے کہ اس کا بعض حصہ بعض کی تفسیر کرتا ہے۔اس کے سوا جو اور کلام ہوگا وہ تو اپنا کلام ہوگا۔دیکھا گیا ہے کہ بعض وقت ایک آیت کے معنے کرنے کے وقت دو سو آیتیں شامل ہوتی ہیں۔ایجادی معنے کرنے والوں کا منہ اس سے بند ہو جاتا ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 170)

اور پھر فرماتا ہے۔اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابھا مثانی تقشعر منه جلود الذین یخشون ربھم ثم تلین جلودھم و قلوبھم الی ذکر اللہ۔ (الزمر:24)

.....اب ان تمام محامد سے جو قرآن کریم اپنی نسبت بیان فرماتا ہے صاف اور صریح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقاصد عظیمہ کی آپ تفسیر فرماتا ہے۔اور اسکی بعض آیات بعض کی تفسیر واقع ہیں یہ نہیں کہ وہ اپنی تفسیر میں بھی حدیثوں کا محتاج ہے۔بلکہ صرف ایسے امور جو سلسلہ تعامل کے محتاج تھے وہ اسی سلسلہ کے حوالہ کر دیئے گئے ہیں اور ماسوا ان امور کے جس قدر امور تھے انکی تفسیر بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ہاں باوجود اس تفسیر کے حدیثوں کے رو سے بھی عوام کے سمجھانے کیلئے جو لا یمسه کے گروہ میں داخل ہیں زیادہ تر وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔لیکن جو اس امت میں الا المطھرون کا گروہ ہے۔وہ قرآن کریم کی اپنی تفسیروں سے کامل طور پر فائدہ حاصل کرتا ہے لیکن اس کا زیادہ لکھنا چنداں ضروری نہیں۔ (الحق۔بحث لدھانہ جلد 4 صفحہ 38-37)

اور پھر فرماتا ہے۔اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متسابھا مثانی تقشعر منه جلود الذین یخشون ربھم ثم تلین جلودھم و قلوبھم الی ذکر اللہ (الزمر:24) یعنی ذالک الکتب کتاب متشابه یشبه بعضه بعضالیس فیه تناقض ولا اختلاف مثنٰی فیه کل ذکر لیکون بعض الذکر تفسیرا لبعضه۔

ترجمہ:۔یعنے یہ کتاب متشابہ ہے جسکی آیتیں اور مضامین ایکدوسرے سے ملتے جلتے ہیں انمیں کوئی تناقص اور اختلاف نہیں ہر ذکر اور وعظ اسمیں دوہرا دوہرا کر بیان کی گئی ہے جس سے غرض یہ ہے کہ ایک مقام کا ذکر دوسرے مقام کے ذکر کی تفسیر ہو جائے۔ (الحق بحث لدھیانہ۔ر۔خ۔جلد 4 صفحہ 38-37)

اس بات کو کبھی بھولنا نہیں چاہیئے کہ قرآن شریف کے بعض حصہ دوسرے کی تفسیر اور شرح ہیں ایک جگہ ایک امر بطریق اجمال بیان کیا جاتا ہے اور دوسری جگہ وہی امر کھول کر بیان کر دیا گیا ہے گویا دوسرا پہلے کی تفسیر ہے۔ پس اس جگہ جو یہ فرمایا۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ تو یہ بطریق اجمال ہے لیکن دوسرے مقام پر منعم علیہم کی خود ہی تفسیر کر دی ہے مِنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (النساء:70) منعم علیہ چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں نبی۔صدیق۔شہدا اور صالح۔انبیاء علیہم السلام میں چاروں شانیں جمع ہوتی ہیں کیونکہ یہ اعلیٰ کمال ہے۔ ہر ایک انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ ان کمالات کے حاصل کرنے کے لیے جہاں مجاہدہ صحیحہ کی ضرورت ہے اس طریق پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے دکھایا ہے کوشش کرے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 236)

یہودیوں کی کارستانیوں کا نمونہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے کہ انہوں نے کلام الٰہی میں تحریف اور الحاد اختیار کر کے کیا نام رکھایا قرآن کریم کی کسی آیت کے ایسے معنے کرنے چاہیئے کہ جو صدہا دوسری آیات سے جو اسکی تصدیق کیلئے کھڑی ہوں مطابق ہوں اور دل مطمئن ہو جائے اور بول اٹھے کہ ہاں یہی منشاء اللہ جلشانہ کا اسکے پاک کلام میں سے یقینی طور سے ظاہر ہوتا ہے۔یہ سخت گناہ اور معصیت کا کام ہے کہ ہم قرآن کریم کی ایسی دور از حقیقت تاویلیں کریں کہ گویا ہم اسکے عیب کی پردہ پوشی کر رہے ہیں یا اسکو وہ باتیں جتلا رہے ہیں جو اسکو معلوم نہیں تھیں۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد 5 صفحہ 229 حاشیہ)

اللہ تعالیٰ کا کلام ایسا کہ اس کی تفصیل بعض آیت کی بعض آیت سے ہوتی ہے اوّل کی تفسیر یہ ہے کہ کَانَ اللّٰہ وَلَمْ یَکُنْ مَّعَهٗ شَیْءٌ اٰخِرَ کے معنے کئے کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ۔ ہم تو انہی معنوں کو پسند کرتے ہیں جو خدا نے بتلائے ہیں۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 334)

قرآن لانے والا وہ شان رکھتا ہے کہ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً۔ فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ (البینة: 4) ایسی کتاب جس میں ساری کتابیں اور ساری صداقتیں موجود ہیں۔ **کتاب سے مراد اور عام مفہوم وہ عمدہ باتیں ہیں جو بالطبع انسان قابل تقلید سمجھتا ہے۔** قرآن شریف ایسی حکمتوں اور معارف کا جامع ہے اور رطب ویابس کا ذخیرہ اس کے اندر نہیں۔ **ہر ایک چیز کی تفسیر وہ خود کرتا ہے** اور ہر ایک قسم کی ضرورتوں کا سامان اس کے اندر موجود ہے۔ وہ ہر پہلو سے نشان اور آیت ہے۔ اگر کوئی انکار کرے تو ہم ہر پہلو سے اس کا اعجاز ثابت کرنے اور دکھلانے کو تیار ہیں۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 52,51)

سب سے اوّل معیار تفسیر صحیح کا شواہد قرآنی ہیں۔ یہ بات نہایت توجہ سے یاد رکھنی چاہئے کہ قرآن کریم اور معمولی کتابوں کی طرح نہیں جو اپنی صداقتوں کے ثبوت یا انکشاف کے لئے دوسرے کا محتاج ہو۔ وہ ایک ایسی متناسب عمارت کی طرح ہے جس کی ایک اینٹ ہلانے سے تمام عمارت کی شکل بگڑ جاتی ہے۔ اس کی کوئی صداقت ایسی نہیں ہے جو کم سے کم دس یا بیس شاہد اس کے خود اسی میں موجود نہ ہوں۔ **سو اگر ہم قرآن کریم کی ایک آیت کے ایک معنے کریں تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ ان معنوں کی تصدیق کیلئے دوسرے شواہد قرآن کریم سے ملتے ہیں یا نہیں۔** اگر دوسرے شواہد دستیاب نہ ہوں بلکہ ان معنوں کی دوسری آیتوں سے صریح معارض پائے جاویں تو ہمیں سمجھنا چاہئے کہ وہ معنی بالکل باطل ہیں کیونکہ ممکن نہیں کہ قرآن کریم میں اختلاف ہو اور سچے معنوں کی یہی نشانی ہے کہ قرآن کریم میں سے ایک لشکر شواہد بینہ کا اس کا مصداق ہو۔

(برکات الدعاء۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 18-17)

سیاق وسباق آیت کے مطابق معانی

جو شخص قرآن کریم کی اسالیب کلام کو بخوبی جانتا ہے اس پر یہ پوشیدہ نہیں کہ بعض اوقات وہ کریم ورحیم جلشانہ اپنے خواص عباد کے لئے ایسا لفظ استعمال کر دیتا ہے کہ بظاہر بدنما ہوتا ہے مگر معناً نہایت محمود اور تعریف کا کلمہ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ جلشانہ نے اپنے نبی کریم کے حق میں فرمایا۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی اب ظاہر ہے کہ ضال کے معنے مشہور اور متعارف جو اہل لغت کے منہ پر چڑھے ہوئے ہیں گمراہ کے ہیں جس کے اعتبار سے آیت کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے (اے رسول اللہ) تجھ کو گمراہ پایا اور ہدایت دی۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی گمراہ نہیں ہوئے اور جو شخص مسلمان ہو کر یہ اعتقاد رکھے کہ کبھی آنحضرت صلعم نے اپنی عمر میں ضلالت کا عمل کیا تھا تو وہ کافر بے دین اور حد شرعی کے لائق ہے **بلکہ آیت کے اس جگہ وہ معنی لینے چاہئے جو آیت کے سیاق اور سباق سے ملتے ہیں** اور وہ یہ ہے کہ اللہ جلّشانہٗ نے پہلے آنحضرت صلعم کی نسبت فرمایا۔ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی۔ (الضحیٰ: 7-9) یعنی خدا تعالیٰ نے تجھے یتیم اور بیکس پایا اور اپنے پاس جگہ دی اور تجھ کو ضال (یعنی عاشق وجہ اللہ) پایا۔ پس اپنی طرف کھینچ لایا اور تجھے درویش پایا پس غنی کر دیا۔ ان معنوں کی صحت پر یہ ذیل کی آیتیں قرینہ ہیں جو انکے بعد آتی ہیں یعنی یہ کہ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ وَ اَمَّا

اَلسَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ وَ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ۔ (الضحیٰ :10-12) کیونکہ یہ تمام آیتیں لف نشر مرتب کے طور پر ہیں اور پہلی آیتوں میں جو مدعا مخفی ہے دوسری آیتیں اسکی تفصیل اور تصریح کرتی ہیں مثلاً پہلے فرمایا۔ **اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی** اس کے مقابل پر یہ فرمایا۔ **فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡهَرۡ** یعنی یاد کر کہ تو بھی یتیم تھا اور ہم نے تجھ کو پناہ دی ایسا ہی تو بھی یتیموں کو پناہ دے۔ پھر بعد اس آیت کے فرمایا۔ **وَ وَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی** اس کے مقابل پر یہ فرمایا۔ **وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ** یعنے یاد کر کہ تو ہمارے وصال اور جمال کا سائل اور ہمارے حقائق اور معارف کا طالب تھا سو جیسا کہ ہم نے باپ کی جگہ ہو کر تیری جسمانی پرورش کی ایسا ہی ہم نے استاد کی جگہ ہو کر تمام دروازے علوم کے تجھ پر کھولدیئے اور اپنے لقا کا شربت سب سے زیادہ عطا فرمایا اور جو تو نے مانگا سب ہم نے تجھ کو دیا سو تو بھی مانگنے والوں کو رد مت کر اور انکو مت جھڑک اور یاد کر کہ تو عائل تھا اور تیری معیشت کے ظاہری اسباب بکلّی منقطع تھے سو خدا خود تیرا متولی ہوا اور غیروں کیطرف حاجت لیجانے سے تجھے غنی کر دیا۔ نہ تو والد کا محتاج ہوا نہ والدہ کا نہ استاد کا اور نہ کسی غیر کیطرف حاجت لیجانے کا بلکہ یہ سارے کام تیرے خدا تعالیٰ نے آپ ہی کر دیئے اور پیدا ہوتے ہی اس نے تجھ کو آپ سنبھال لیا۔ سو اس کو شکر بجالا اور حاجتمندوں سے تو بھی ایسا ہی معاملہ کر۔ اب ان تمام آیات کا مقابلہ کر کے صاف طور پر کھلتا ہے کہ اسجگہ ضال کے معنے گمراہ نہیں ہے بلکہ انتہائی درجہ کے تعشّق کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ حضرت یعقوب کی نسبت اسی کے مناسب یہ آیت ہے **اِنَّکَ لَفِیۡ ضَلٰلِکَ الۡقَدِیۡمِ** (یوسف:96) سو یہ دونوں لفظ ظلم اور ضلالت اگرچہ ان معنوں پر بھی آتے ہیں کہ کوئی شخص جادہ اعتدال اور انصاف کو چھوڑ کر اپنے شہوات غضبیہ یا بہیمیہ کا تابع ہو جاوے۔ لیکن قرآن کریم میں عشاق کے حق میں بھی آئے ہیں جو خدا تعالیٰ کے راہ میں عشق کی مستی میں اپنے نفس اور اسکے جذبات کو پیروں کے نیچے کچل دیتے ہیں۔ اسی کے مطابق حافظ شیرازی کا یہ شعر ہے۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید   قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند

اس دیوانگی سے حافظ صاحب حالت تعشّق اور شدت حرص اطاعت مراد لیتے ہیں۔

(ترجمہ:- آسمان محبت الٰہی کے بوجھ کو برداشت نہ کر سکا تو قرعۂ فال مجھ دیوانے کے نام پر نکلا)

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 170-173)

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا .... وَ یَهۡدِیَکَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا (الفتح:2-3)

یہ آیت فتح مکہ کے وقت اتری ...... عیسائی اس آیت کا اس طرح ترجمہ کرتے ہیں ''ہم نے تجھے ایک صریح فتح دی تا کہ ہم تیرے پہلے اور پچھلے گناہ معاف کریں......'' یہ معنے بالصرحت غلط ہیں کیونکہ اس آیت کا ربط ہی بگڑ جاتا ہے۔ ایک فتح کو گناہ کی معافی سے کیا تعلق ہے گناہوں کی معافی فتح کا کوئی نتیجہ نہیں ہوسکتا۔ **یہاں لفظ ذنب سے وہ عیب مراد ہیں۔ کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا کرتے تھے کہ یہ شخص مفتری اور جھوٹا ہے۔** خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح دی جو کہ آپ کی صداقت کی علامت تھی اور اس طرح خداوند تعالیٰ نے آنحضرت کو فتح دے کر ان تمام الزاموں کو دور کر دیا جو کفار آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کیا کرتے تھے۔ **خدائے تعالیٰ نے آپ کے سلسلہ کو پوری کامیابی دی اور آپ کے دشمنوں کو ہلاک کیا اور اس طرح آپ کی سچائی کی شہادت دی۔ ربط کلام ان معنوں کی تائید کرتا ہے۔** (ریویو آف ریلیجنز جلد دوم نمبر 6 صفحہ 244 ماہ جون 1903)

معانیءِ آیات میں باہم معنوی اختلاف نہ ہو۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ط وَ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَا فًا کَثِیْرًا۔ (النساء:83)

فاشار فی ھذہ الایۃ ان الاختلاف لا یو جد فی القرآن و ھو کتاب اللہ و شانہ ارفع من ھذا و اذ اثبت ان کتاب اللہ منزہ عن الاختلافات فوجب علینا ان لا نختار فی تفسیرہ طریقا یوجب التعارض و التناقض۔ (حمامتہ البشریٰ۔ر۔خ۔جلد7 صفحہ256 حاشیہ الف)

(ترجمہ) اس آیت میں (اللہ تعالیٰ نے) اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قرآن مجید میں اختلاف نہیں پایا جاتا اور وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اللہ کی شان ایسے امور سے بالا ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید اختلافات سے پاک ہے **تو ہم پر واجب ہے کہ اس کی تفسیر کرتے وقت ہم کوئی ایسا طریق اختیار نہ کریں جو تعارض اور تناقض کا موجب ہو۔**

اگر وحی نبوت میں کبھی کچھ بیان ہو اور کبھی کچھ تو اس سے امان اٹھ جاتا ہے

(ایام الصلح۔ر۔خ۔جلد14 صفحہ409)

یعنی کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے اور اگر وہ خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پایا جاتا اور ظاہر ہے کہ جس زمانہ میں قرآن شریف کی نسبت خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اس میں اختلاف نہیں تو اس زمانہ کے لوگوں کا حق تھا کہ اگر ان کے نزدیک کوئی اختلاف ہوتا تو وہ پیش کرتے۔ مگر سب ساکت ہو گئے اور کسی نے دم نہ مارا اور اختلاف کیونکہ اور کہاں سے ممکن ہے جس حالت میں تمام احکام ایک ہی مرکز کے گرد گھوم رہے ہیں یعنی علمی اور عملی رنگ میں اور درشتی اور نرمی کے پیرایہ میں خدا کی توحید پر قائم کرنا اور ہوا و ہوس چھوڑ کر خدا کی توحید کی طرف کھینچنا یہی قرآن کا مدعا ہے۔ (چشمہ معرفت۔ر۔خ۔جلد23 صفحہ198)

ہم علیٰ وجہ البصیرت یقین رکھتے ہیں کہ توفی کے معنی لغت عرب میں نہ کلام خدا اور رسول میں ہرگز مع جسم عنصری اٹھائے جانے کے نہیں ہیں۔ **تمام قرآن شریف کو یکجائی نظر سے دیکھنا چاہیئے قرآن خدائے علیم و خبیر کی طرف سے کامل علم اور حکمت سے نازل کیا گیا ہے اس میں اختلاف ہرگز نہیں۔ بعض آیات بعض کی تفسیر واقع ہوئی ہیں اگر ایک متشابہات ہیں تو دوسری محکمات ہیں۔** (ملفوظات جلد پنجم صفحہ599)

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ ھَادُوۡا وَ النَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمۡ اَجۡرُھُمۡ عِنۡدَ رَبِّھِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۔ (البقرة:63)

یعنی جولوگ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں اور جولوگ یہود ونصاریٰ اور ستارہ پرست ہیں جو شخص ان میں سے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے گا اور اعمال صالحہ بجالائے گا خدا اس کو ضائع نہیں کریگا اور ایسے لوگوں کا اجران کے رب کے پاس ہے اور ان کو کچھ خوف نہیں ہوگا اور نہ غم۔

یہ آیت ہے جس سے بباعث نادانی اور کج فہمی یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی کچھ ضرورت نہیں **نہایت افسوس کا مقام ہے کہ یہ لوگ اپنے نفس امارہ کے پیرو ہو کر محکمات اور بینات قرآنی کی مخالفت کرتے اور اسلام سے خارج ہونے کے لیے متشابہات کی پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ان کو یاد رہے کہ اس آیت سے وہ کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور آخرت پر ایمان لانا اس بات کو مستلزم پڑا ہوا ہے کہ قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جائے** وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اللہ کے نام کی قرآن شریف میں یہ تعریف کی ہے کہ اللہ وہ ذات ہے جو رب العالمین اور رحمٰن اور رحیم ہے جس نے زمین اور آسمان کو چھ دن میں بنایا اور آدم کو پیدا کیا اور رسول بھیجے اور کتابیں بھیجیں اور سب کے آخر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا جو خاتم الانبیاء اور خیر الرسل ہے۔اور یوم آخر قرآن شریف کی رو سے یہ ہے جس میں مردے جی اٹھیں گے اور پھر ایک فریق بہشت میں داخل کیا جائے گا جو جسمانی اور روحانی نعمت کی جگہ ہے۔اور ایک فریق دوزخ میں داخل کیا جاوے گا جو روحانی اور جسمانی عذاب کی جگہ ہے۔اور خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ اس یوم آخر پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جو اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں۔

پس جبکہ اللہ تعالیٰ نے خود لفظ اللہ اور یوم آخر کے تصریح ایسے معنی کر دیئے جو اسلام سے مخصوص ہیں تو جو شخص اللہ پر ایمان لائے گا اور یوم آخر پر ایمان لائے گا اس کے لئے یہ لازمی امر ہوگا کہ قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاوے اور کسی کا اختیار نہیں ہے کہ ان معنوں کو بدل ڈالے اور ہم اس بات کے مجاز نہیں ہیں کہ اپنی طرف سے کوئی ایسے معنے ایجاد کریں کہ جو قرآن شریف کے بیان کردہ معنوں سے مغائر اور مخالف ہوں ہم نے اوّل سے آخر تک قرآن شریف کو غور سے دیکھا ہے اور توجہ سے دیکھا۔اور بار بار دیکھا اور اس کے معنی میں خوب تدبّر کیا ہے ہمیں بدیہی طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف میں جس قدر صفات اور افعال الٰہیہ کا ذکر ہے ان سب صفات کا موصوف اسم اللہ ٹھہرایا گیا ہے مثلاً کہا گیا ہے **اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ** ایسا ہی اس قسم کی اور بہت سی آیات ہیں جن میں یہ بیان ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے قرآن اتارا۔اللہ وہ ہے جس نے محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ پس جبکہ قرآنی اصطلاح میں اللہ کے مفہوم میں یہ داخل ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ جو شخص اللہ پر ایمان لاوے تبھی اس کا ایمان معتبر اور صحیح سمجھا جائے گا۔ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاوے۔ خدا تعالیٰ نے اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ مَنْ اٰمَنَ بِالرَّحْمٰنِ یا مَنْ اٰمَنَ بِالرَّحِیْمِ یا مَنْ اٰمَنَ بِالْکَرِیْمِ بلکہ یہ فرمایا کہ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ اور اللہ سے مراد وہ ذات ہے جو مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے اور ایک عظیم الشان صفت اس کی یہ ہے کہ اس نے قرآن شریف کو اتارا۔ اس صورت میں ہم صرف ایسے شخص کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ وہ اللہ پر ایمان لایا جبکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا ہو اور قرآن شریف پر بھی ایمان لایا ہو اگر کوئی کہے کہ پھر **اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے کیا معنی ہوئے تو یاد رہے کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ جو لوگ محض خدا تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں ان کا ایمان معتبر نہیں ہے جب تک خدا کے رسول پر ایمان نہ لاویں یا جب تک اس ایمان کو کامل نہ کریں۔ اس بات کو یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن شریف میں اختلاف نہیں ہے پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ صدہا آیتوں میں تو خدا تعالیٰ یہ فرماوے کہ صرف توحید کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے نبی پر ایمان لانا نجات کے لیے ضروری ہے بجز اس صورت کے کہ کوئی اس نبی سے بےخبر رہا ہو اور پھر کسی ایک آیت میں برخلاف اس کے یہ بتلاوے کہ صرف توحید سے ہی نجات ہو سکتی ہے** قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی کچھ ضرورت نہیں اور طرفہ یہ کہ اس آیت میں توحید کا ذکر بھی نہیں اگر توحید مراد ہوتی تو یوں کہنا چاہئے تھا کہ مَنْ اٰمَنَ بِالتَّوْحِیْدِ۔ مگر آیت کا تو یہ لفظ ہے کہ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ پس اٰمَنَ بِاللّٰہِ کا فقرہ ہم پر یہ واجب کرتا ہے کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ قرآن شریف میں اللہ کا لفظ کن معنوں پر آتا ہے۔ ہماری دیانت کا یہ تقاضا ہونا چاہئے کہ جب ہمیں خود قرآن سے ہی یہ معلوم ہو کہ اللہ کے مفہوم میں یہ داخل ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے قرآن بھیجا اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تو ہم اسی معنی کو قبول کر لیں جو قرآن شریف نے بیان کیے اور خود روی اختیار نہ کریں۔

(حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 144-147)

قَالَ فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَ فِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ۔ (الاعراف:26)

زمین پر ہی تم زندگی بسر کرو گے۔ اب دیکھو اگر کوئی آسمان پر جا کر بھی کچھ حصہ زندگی کا بسر کرتا ہے تو اس سے اس آیت کی تکذیب لازم آتی ہے۔ (تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ۔ جلد 17 صفحہ 90-91)

قرآن شریف میں اول سے آخر تک جس جس جگہ توفی کا لفظ آیا ہے ان تمام مقامات میں توفی کے معنی موت ہی لیے گئے ہیں۔ (ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 224 حاشیہ)

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ۔۔۔۔۔الاٰخر (المائدہ:118`117)

ہم علیٰ وجہ البصیرت یقین رکھتے ہیں کہ تَوَفِّی کے معنی لغت عرب میں اور کلام خدا اور رسول میں ہرگز مع جسم عنصری اٹھائے جانے کے نہیں ہیں۔ **تمام قرآن شریف کو یکجائی نظر سے دیکھنا چاہیئے قرآن خدائے علیم و خبیر کی طرف سے کامل علم اور حکمت سے نازل کیا گیا ہے اس میں اختلاف ہرگز نہیں۔بعض آیات بعض کی تفسیر واقع ہوئی ہیں اگر ایک متشابہات ہیں تو دوسری محکمات ہیں۔**

جب یہی لفظ اور مقامات میں دوسرے انبیاء کے حق میں بھی وارد ہے تو اس کے معنے بجز موت کے اور کچھ نہیں لیے جاتے تو پھر نہ معلوم کہ کیوں حضرت مسیح کو ایسی خصوصیت دی جاتی ہے کیا ابھی تک مسیح کو خصوصیت دینے کا انہوں نے مزہ نہیں چکھا۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ:599)

قرآنِ حکیم کی آیات محکمات و متشابہات ہیں

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ط فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَایَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔(آل عمران:8)

ایمان اس بات کو کہتے ہیں کہ اس حالت میں مان لینا جبکہ ابھی علم کمال تک نہیں پہنچا اور شکوک اور شبہات سے ہنوز لڑائی ہے پس جو شخص ایمان لاتا ہے یعنی باوجود کمزوری اور نہ مہیا ہونے کل اسباب یقین کے اس بات کو اغلب احتمال کی وجہ سے قبول کر لیتا ہے وہ حضرت احدیت میں صادق اور راستباز شمار کیا جاتا ہے اور پھر اس کو موہبت کے طور پر معرفت تامہ حاصل ہوتی ہے اور ایمان کے بعد عرفان کا جام اس کو پلایا جاتا ہے۔ اس لیے ایک مرد متقی رسولوں اور نبیوں اور مامورین من اللہ کی دعوت کو سن کر ہر ایک پہلو پر ابتداء امر میں ہی حملہ کرنا نہیں چاہتا بلکہ وہ حصہ جو کسی مامور من اللہ ہونے پر بعض صاف اور کھلے کھلے دلائل سے سمجھ آجاتا ہے اُسی کو اپنے اقرار اور ایمان کا ذریعہ ٹھہرا لیتا ہے اور وہ حصہ جو سمجھ میں نہیں آتا اس میں سنت صالحین کے طور پر استعارات اور مجازات قرار دیتا ہے اور اس طرح تناقض کو درمیان سے اٹھا کر صفائی اور اخلاص کے ساتھ ایمان لے آتا ہے۔تب خدا تعالیٰ اس کی حالت پر رحم کر کے اور اس کے ایمان پر راضی ہو کر اور اس کی دعاؤں کو سن کر معرفت تامہ کا دروازہ اس پر کھولتا ہے اور الہام اور

کشوف کے ذریعے سے اور دوسرے آسمانی نشانوں کے وسیلہ سے یقین کامل تک اس کو پہنچا تا ہے لیکن متعصب آدمی جو عناد سے پر ہوتا ہے ایسا نہیں کرتا اور وہ ان امور کو جو حق کے پہچاننے کا ذریعہ ہو سکتے ہیں تحقیر اور توہین کی نظر سے دیکھتا ہے اور ٹھٹھے اور ہنسی میں ان کو اڑا دیتا ہے اور وہ امور جو ہنوز اس پر مشتبہ ہیں ان کو اعتراض کرنے کی دستاویز بناتا ہے اور ظالم طبع لوگ ہمیشہ ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ ہر ایک نبی کی نسبت جو پہلے نبیوں نے **پیشگوئیاں کیں ان کے ہمیشہ دو حصے ہوتے رہے ہیں۔ ایک بینات اور محکمات جن میں کوئی استعارہ نہ تھا اور کسی تاویل کی محتاج نہ تھیں اور ایک متشابہات جو محتاج تاویل تھیں اور بعض استعارات اور مجازات کے پردے میں محجوب تھیں پھر ان نبیوں کے ظہور اور بعثت کے وقت جو ان پیشگوئیوں کے محتاج تھے دو فریق ہوتے رہے ہیں۔ ایک فریق سعیدوں کا جنہوں نے بینات کو دیکھ کر ایمان لانے ہیں تاخیر نہ کی اور جو حصہ متشابہات کا تھا اس کو استعارات اور مجازات کے رنگ میں سمجھ لیا آئندہ کے منتظر رہے اور اس طرح پر حق کو پالیا اور ٹھوکر نہ کھائی۔** (ملفوظات جلد سوم صفحہ 475-474)

تعریف آیات محکمات و متشابہات

پھر یہ بھی واضح ہو کہ قرآن شریف میں دو قسم کی آیات ہیں ایک محکمات اور بینات جیسا کہ یہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَ نَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکَافِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْکَافِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا۔ (النساء:152-151) یعنی جو لوگ ایسا ایمان لانا نہیں چاہتے جو خدا پر بھی ایمان لاوے اور اس کے رسول پر بھی اور چاہتے ہیں کہ خدا کو اس کے رسولوں سے علیحدہ کر دیں اور کہتے ہیں کہ بعض پر ہم ایمان لاتے ہیں اور بعض پر نہیں یعنی خدا پر ایمان لاتے ہیں اور رسولوں پر نہیں یا بعض رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض پر نہیں اور ارادہ کرتے ہیں کہ بین بین راہ اختیار کر لیں یہی لوگ واقعی طور پر کافر ہیں اور پکے کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ یہ تو آیات محکمات ہیں جن کی ہم ایک بڑی تفصیل بھی لکھ چکے ہیں۔

دوسری قسم کی آیات متشابہات ہیں جن کے معنے باریک ہوتے ہیں اور جو لوگ راسخ فی العلم ہیں ان لوگوں کو ان کا علم دیا جاتا ہے اور جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ آیات محکمات کی کچھ پروا نہیں رکھتے اور متشابہات کی پیروی کرتے ہیں اور محکمات کی علامت یہ ہے کہ محکمات آیات خدا تعالیٰ کے کلام میں بکثرت موجود ہیں اور خدا تعالےٰ کا کلام ان سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور ان کے معنے کھلے کھلے ہوتے ہیں اور انکے نہ ماننے سے فساد لازم آتا ہے مثلاً اسی جگہ دیکھ لو کہ جو شخص محض خدا تعالےٰ پر ایمان لاتا ہے اور اس کے رسولوں پر ایمان نہیں لاتا اس کو خدا تعالیٰ کی صفات سے منکر ہونا پڑتا ہے۔ مثلاً ہمارے زمانہ میں برہمو جو ایک نیا فرقہ ہے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کو مانتے ہیں مگر نبیوں کو نہیں مانتے وہ خدا تعالیٰ کے کلام سے منکر ہیں اور ظاہر ہے اگر خدا تعالیٰ سنتا ہے تو بولتا بھی ہے۔ پس اگر اس کا بولنا ثابت نہیں تو سننا بھی ثابت نہیں۔ **اس طرح پر ایسے لوگ صفات باری سے انکار کر کے**

دہریوں کے رنگ میں ہو جاتے ہیں اور صفات باری جیسے ازلی ہیں ویسے ابدی بھی ہیں اور ان کو مشاہدہ کے طور پر دکھلانے والے محض انبیاء علیہم السلام ہیں اور نفی صفات باری نفی وجود باری کو مستلزم ہے۔ اس تحقیق سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کیلئے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا کس قدر ضروری ہے کہ بغیر ان کے خدا پر ایمان لانا ناقص اور ناتمام رہ جاتا ہے اور نیز آیات محکمات کی ایک یہ بھی علامت ہے' کہ ان کی شہادت نہ محض کثرت آیات سے بلکہ عملی طور پر بھی ملتی ہے۔ یعنی خدا کے نبیوں کی متواتر شہادت ان کے بارہ میں پائی جاتی ہے جیسا کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے کلام قرآن شریف اور دوسرے نبیوں کی کتابوں کو دیکھے گا۔ اس کو معلوم ہوگا کہ نبیوں کی کتابوں میں جس طرح خدا پر ایمان لانے کی تاکید ہے ایسا ہی اسکے رسولوں پر بھی ایمان لانے کی تاکید ہے **اور متشابہات کی یہ علامت ہے کہ ان کے ایسے معنی ماننے سے جو مخالف محکمات کے ہیں فساد لازم آتا ہے اور نیز دوسری آیات سے جو کثرت کے ساتھ ہیں مخالف پڑتی ہیں خدا تعالیٰ کے کلام میں تناقض ممکن نہیں اس لئے جو قلیل ہے بہر حال کثیر کے تابع کرنا پڑتا ہے۔**

(حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 175-174)

آیات متشابہات قلیل الوجود اور شاذ و نادر ہیں متواتر اور کثیر آیات قرآنیہ محکمات ہیں

اس اشکال کا جواب یہی ہے کہ ایسے اعتراضات صرف بدظنی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر کوئی حق کا طالب اور متقی طبع ہے تو اس کیلئے مناسب طریق یہ ہے کہ ان کاموں پر اپنی رائے ظاہر نہ کرے **جو متشابہات میں سے اور بطور شاذ نادر ہیں** کیونکہ شاذ نادر میں کئی وجوہ پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور یہ فاسقوں کا طریق ہے کہ نکتہ چینی کے وقت میں اس پہلو کو چھوڑ دیتے ہیں جس کے صدہا نظائر موجود ہیں۔ اور بدنیتی کے جوش سے ایک ایسے پہلو کو لے لیتے ہیں جو نہایت قلیل الوجود اور متشابہات کے حکم میں ہوتا ہے **اور نہیں جانتے کہ یہ متشابہات کا پہلو جو شاذ نادر کے طور پر پاک لوگوں کے وجود میں پایا جاتا ہے یہ شریر انسانوں کے امتحان کے لئے رکھا گیا ہے** اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو اپنے پاک بندوں کا طریق اور عمل ہر ایک پہلو سے ایسا صاف اور روشن دکھلاتا۔ کہ شریر انسان کو اعتراض کی گنجائش نہ ہوتی۔ مگر خدا تعالیٰ نے ایسا نہ کیا تا وہ خبیث طبع انسانوں کا خبث ظاہر کرے۔ نبیوں اور رسولوں اور اولیاء کے کارناموں میں ہزار ہا نمونے ان کی تقویٰ اور طہارت اور امانت اور دیانت اور صدق اور پاس عہد کے ہوتے ہیں۔ اور خود خدا تعالیٰ کی تائیدات ان کی پاک باطنی کی گواہ ہوتی ہیں۔ لیکن شریر انسان ان نمونوں کو نہیں دیکھتا اور بدی کی تلاش میں رہتا ہے۔ آخر وہ حصہ متشابہات کا جو قرآن شریف کی طرح اس کے نسخہ وجود میں بھی ہوتا ہے۔ مگر نہایت کم شریر انسان اسی کو اپنے اعتراض کا نشانہ بناتا ہے۔ اور اس طرح ہلاکت کی راہ اختیار کر کے جہنم میں جاتا ہے۔

(تریاق القلوب۔ ر۔خ۔ جلد 15 صفحہ 425-424 حاشیہ)

وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ۔(الانعام:117)

قرآن کریم کی محکمات اور بینات علم ہے اور مخالف قرآن کے جو کچھ ہے وہ ظن ہے اور جو شخص علم ہوتے ظن کا اتباع کرے وہ اس آیت کے نیچے داخل ہے۔ (الحق مباحثہ لدھیانہ۔ر۔خ۔جلد4 صفحہ94)

معانی قرآن آیات محکمات کے مطابق ہونے ضروری ہیں

سوال(8)۔ اگر چہ ہمارا ایمان ہے کہ نری خشک توحید مدار نجات نہیں ہوسکتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے علیحدہ ہوکر کوئی عمل کرنا انسان کو ناجی نہیں بنا سکتا۔لیکن طمانیت قلب کے لئے عرض پرداز ہیں کہ عبدالحکیم خان نے جو آیات لکھی ہیں انکا کیا مطلب ہے۔مثلاً ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا و النصاریٰ والصابئین من امن باللہ والیوم الاٰخر وعمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم (البقرۃ:63)اورجیسا کہ یہ آیت بلی من اسلم وجھه للّٰہ و ھو محسن فله اجرہ عند ربه۔ (البقرۃ:113) اور جیسا کہ یہ آیت تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ۔(آل عمران:65)

الجواب۔واضح ہو کہ قرآن شریف میں ان آیات کے ذکر کرنے سے یہ مطلب نہیں ہے کہ بغیر اسکے جو رسول پر ایمان لایا جائے نجات ہوسکتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ بغیر اس کے کہ خدائے واحد لاشریک اور یوم آخرت پر ایمان لایا جاوے نجات نہیں ہوسکتی۔اور اللہ پر پورا ایمان تبھی ہوسکتا ہے کہ اسکے رسولوں پر ایمان لاوے۔وجہ یہ کہ وہ اسکی صفات کے مظہر ہیں اور کسی چیز کا وجود بغیر وجود اسکی صفات کے بپایۂ ثبوت نہیں پہنچتا۔لہذا بغیر علم صفات باری تعالیٰ کے معرفت باری تعالیٰ ناقص رہ جاتی ہے۔ (حقیقۃ الوحی۔ر۔خ۔جلد22 صفحہ173-172)

قرآن شریف میں عادت اللہ ہے کہ بعض جگہ تفصیل ہوتی ہے اور بعض جگہ اجمال سے کام لیا جاتا ہے اور پڑھنے والے کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ مجمل آیتوں کے ایسے طور سے معنی کرے کہ آیات مفصلہ سے مخالف نہ ہو جائیں۔مثلاً خدا تعالیٰ نے تصریح سے فرمادیا کہ شرک نہیں بخشا جائیگا۔مگر قرآن شریف کی یہ آیت کہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا (الزمر:54) اس آیت سے مخالف معلوم ہوتی ہے جس میں لکھا ہے کہ شرک نہیں بخشا جائیگا۔پس یہ الحاد ہوگا کہ اس آیت کے وہ معنی کئے جائیں کہ جو آیات محکمات بینات کے مخالف ہیں۔

(حقیقۃ الوحی ۔ر۔خ۔جلد22 صفحہ173 حاشیہ)

قرآن کو یکجائی نظر سے دیکھنا چاہیئے

وَ اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ الآخر(المائدہ:118-117)

ہم علیٰ وجہ البصیرت یقین رکھتے ہیں کہ توفی کے معنی لغت عرب میں اور کلام خدا اور رسول میں ہرگز مع جسم عنصری اٹھائے جانے کے نہیں ہیں۔**تمام قرآن شریف کو یکجائی نظر سے دیکھنا چاہیئے قرآن خدائے علیم وخبیر کی طرف سے کامل علم اور حکمت سے نازل کیا گیا ہے اس میں اختلاف ہرگز نہیں۔بعض آیات بعض کی تفسیر واقع ہوئی ہیں اگر ایک متشابہات ہیں تو دوسری محکمات ہیں۔**

جب یہی لفظ اور مقامات میں دوسرے انبیاء کے حق میں بھی وارد ہے تو اس کے معنے بجز موت کے اور کچھ نہیں لئے جاتے تو پھر نہ معلوم کہ کیوں حضرت مسیحؑ کو ایسی خصوصیت دی جاتی ہے کیا ابھی تک مسیح کو خصوصیت دینے کا انہوں نے مزہ نہیں چکھا۔

دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں صاف یہ لفظ ہیں اِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ (یونس:47) پھر حضرت یوسف کے متعلق بھی قرآن شریف میں یہی توفی کا لفظ وارد ہے اور اس کے معنی بجز موت اور ہرگز نہیں دیکھو تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔(یوسف:102) یہ حضرت یوسف کی دعا ہے تو کیا اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ اے خدا مجھے زندہ مع جسم عنصری آسمان پر اٹھا لے اور پہلے صلحاء کے ساتھ شامل کردے جو کہ زندہ آسمان پر موجود ہیں۔تَعَالَی اللّٰہُ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل میں جو ساحر فرعون نے بلائے تھے ان کے ذکر میں توفی کا لفظ مذکور ہے جہاں فرمایا۔رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ۔(الاعراف:127) اب ایک مسلمان کی یہ شان نہیں کہ خدا اور اس کے کلام کے مقابلہ میں دم مارے۔قرآن حضرت عیسیٰ کو سراسر مارتا ہے اور ان کے وفات پا جانے کو دلائل اور اور براہین قطعیہ سے ثابت کرتا ہے اور رسول اکرم نے اس کو معراج کی رات میں وفات یافتہ انبیاء میں دیکھا۔

جائے غور ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ زندہ مع جسم عنصری آسمان پر اٹھائے جا چکے تھے تو پھر ان کو وفات شدہ انبیاء سے کیا مناسبت۔زندہ کو مردہ سے کیا تعلق اور کیسی نسبت؟ ان کے لئے تو کوئی الگ کوٹھڑی چاہیئے تھی۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 600-599)

تفسیر قرآن محاورات قرآن اور مصطلحات قرآن کے مطابق ہو

بعض چالاکی سے قرآن شریف کے کھلے کھلے ثبوت پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ توفّی کا لفظ لغت کی کتابوں میں کئی معنوں پر آیا ہے حالانکہ اپنے دلوں میں خوب جانتے ہیں کہ **جن لفظوں کو قرآن شریف اصطلاحی طور پر بعض معانی کے لئے خاص کر لیتا ہے اور اپنے متواتر بیان سے بخوبی سمجھا دیتا ہے کہ فلاں معنے کے لئے اس نے فلاں لفظ خاص کر رکھا ہے اس معنے سے اس لفظ کو صرف اس خیال سے پھیرنا کہ کسی لغت کی کتاب میں اس کے اور معنے بھی آئے ہیں صریح الحاد ہے۔** مثلاً کتب لغت میں اندھیری رات کا نام بھی کافر ہے مگر تمام قرآن شریف میں کافر کا لفظ صرف کافر دین یا کافر نعمت پر بولا گیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص کفر کا لفظ الفاظ مروجہ فرقان سے پھیر کر اندھیری رات اس سے مراد لے اور یہ ثبوت دے کہ لغت کی کتابوں میں یہ معنے بھی لکھے ہیں تو سچ کہو کہ اس کا یہ ملحدانہ طریق ہے یا نہیں؟ اسی طرح کتب لغت میں صوم کا لفظ صرف روزہ میں محدود نہیں بلکہ عیسائیوں کے گرجا کا نام بھی صوم ہے اور شتر مرغ کے سرگین کو بھی صوم کہتے ہیں۔ لیکن قرآن شریف کی اصطلاح میں صوم صرف روزہ کا نام ہے۔ اور اسی طرح صلوٰۃ کے لفظ کے معنے بھی لغت میں کئی ہیں مگر قرآن شریف کی اصطلاح میں صرف نماز اور درود اور دعا کا نام ہے۔ یہ بات سمجھنے والے جانتے ہیں کہ ہر یک فن ایک اصطلاح کا محتاج ہوتا ہے اور اہل اس فن کے حاجات کے موافق بعض الفاظ کو متعدد معنوں سے مجرد کر کے کسی ایک معنی سے مخصوص کر لیتے ہیں۔ مثلاً طبابت کے فن کو دیکھئے کہ بعض الفاظ جو کئی معنے رکھتے ہیں صرف ایک معنے میں اصطلاحی طور پر محصور و محدود رکھے گئے ہیں **اور سچ تو یہ ہے کہ کوئی علم بغیر اصطلاحی الفاظ کے چل ہی نہیں سکتا۔ پس جو شخص الحاد کا ارادہ نہیں رکھتا اس کے لئے سیدھی راہ یہی ہے کہ قرآن شریف کے معنے اس کے مروجہ اور مصطلحہ الفاظ کے لحاظ سے کرے ورنہ تفسیر بالرائے ہوگی۔**

(ازالہ اوہام ۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 350-349)

یہ عجیب بات ہے کہ بعض اوقات بعض فقروں میں خدا تعالیٰ کی وحی انسانوں کی بنائی ہوئی صرفی نحوی قواعد کی بظاہر اتباع نہیں کرتی مگر ادنیٰ توجہ سے تطبیق ہو سکتی ہے اسی وجہ سے بعض نادانوں نے قرآن شریف پر بھی اپنی مصنوعی نحو کو پیش نظر رکھ کر اعتراض کئے ہیں مگر یہ تمام اعتراض بیہودہ ہیں زبان کا علم وسیع خدا کو ہے نہ کسی اور کو۔ اور زبان جیسا کہ تغیر مکانی سے کسی قدر بدلتی ہے ایسا ہی تغیر زمانی سے بھی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ آجکل کی عربی زبان کا اگر محاورہ دیکھا جائے جو مصر اور مکہ اور مدینہ اور دیار شام وغیرہ میں بولی جاتی ہے تو گویا وہ محاورہ صرف و نحو کے تمام قواعد کی بیخکنی کر رہا ہے **اور ممکن ہے کہ اسی قسم کا محاورہ کسی زمانہ میں پہلے بھی گذر چکا ہو۔ پس خدا تعالیٰ کی وحی کو اس بات سے کوئی روک نہیں ہے کہ بعض فقرات سے گذشتہ محاورہ یا موجودہ محاورہ کے موافق بیان کرے اسی وجہ سے قرآن میں بعض خصوصیات ہیں۔** (نزول المسیح ۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 436)

اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَھَا (التحریم:13) کے متعلق اس اعتراض کے جواب میں کہ یہ تہذیب کے خلاف ہے فرمایا کہ جو خدا تعالیٰ کو خالق سمجھتے ہیں تو کیا اس خلق کو لغو اور باطل قرار دیتے ہیں۔ جب اس نے ان اعضاء کو خلق کیا اس وقت تہذیب نہ تھی۔ خالق مانتے ہیں اور خلق پر اعتراض نہیں کرتے ہیں تو پھر اس ارشاد پر اعتراض کیوں؟ **دیکھنا یہ ہے کہ زبان عرب میں اس لفظ کا استعمال ان کے عُرف کے نزدیک کوئی خلاف تہذیب امر ہے جب نہیں تو دوسری زبان والوں کا حق نہیں کہ اپنے عرف کے لحاظ سے اسے خلاف تہذیب ٹھہرائیں۔ ہر سوسائٹی کے عرفی الفاظ اور مصطلحات الگ الگ ہیں اور تہذیب اور خلاف تہذیب امور الگ۔** (ملفوظات جلد دوم صفحہ 460)

لغت عرب اور محاورۂ عرب کا کامل علم انبیاءؑ کا معجزہ ہے

پس اغراض نفسانیہ کے ساتھ زبان پر کیونکر احاطہ ہو سکے اور معارف قرآنیہ کیونکر حاصل ہو سکیں اور لغت عرب جو صرف نحو کی اصل کنجی ہے وہ ایک ایسا ناپیدا کنار دریا ہے جو اسکی نسبت امام شافعی رحمۃ اللہ کا یہ مقولہ بالکل صحیح ہے لَا یَعۡلَمُہٗۤ اِلَّا نَبِیٌّ یعنی اس زبان کو **اور اسکے انواع اقسام کے محاورات کو بجز نبی کے اور کوئی شخص کامل طور پر معلوم ہی نہیں کر سکتا۔ اس قول سے بھی ثابت ہوا کہ اس زبان پر ہر ایک پہلو سے قدرت حاصل کرنا ہر ایک کا کام نہیں بلکہ اس پر پورا احاطہ کرنا معجزات انبیاء علیہم السلام سے ہے۔** (نزول المسیح۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 436,437)

اصطلاحات و محاورات قرآن کی چند امثال

آسمان

قرآن شریف کی اصطلاح کی رو سے جو فضا یعنی پول اُوپر کی طرف ہے جس میں بادل جمع ہو کر مینہ برستا ہے اس کا نام بھی آسمان ہے جس کو ہندی میں اکاش کہتے ہیں۔ (نسیم دعوت۔ ر۔خ۔ جلد 19 صفحہ 412 حاشیہ)

اسلام

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ ۟ وَ مَا اخۡتَلَفَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَھُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡیًۢا بَیۡنَھُمۡ ؕ وَ مَنۡ یَّکۡفُرۡ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ۔ (آل عمران:20)

واضح ہو کہ لغت عرب میں اسلام اس کو کہتے ہیں کہ بطور پیشگی ایک چیز کا مول دیا جائے اور یا یہ کہ کسی کو اپنا کام سونپیں اور یا یہ کہ صلح کے طالب ہوں اور یا یہ کہ کسی امر یا خصومت کو چھوڑ دیں۔ اور اصطلاحی معنے اسلام کے وہ ہیں جو اس آیت کریمہ میں اس کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ کہ بَلٰی ٭ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡھَہٗ لِلّٰہِ وَ ھُوَ مُحۡسِنٌ فَلَہٗۤ اَجۡرُہٗ عِنۡدَ رَبِّہٖ ۪ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَ لَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۔ یعنی مسلمان وہ ہے جو خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے تمام وجود کو سونپ دیوے یعنی اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے ارادوں کی پیروی کے لیے اور اس کی خوشنودی کے حاصل کرنے کے لیے وقف کر دیوے۔ اور پھر نیک کاموں پر خدا تعالیٰ کے لیے قائم ہو جاوے۔ اور اپنے وجود کی تمام عملی طاقتیں اس کی راہ میں لگا دیوے۔ مطلب یہ ہے کہ اعتقادی اور عملی طور پر محض خدا تعالیٰ کا ہو جاوے۔

''اعتقادی'' طور پر اس طرح سے کہ اپنے تمام وجود کو درحقیقت ایک ایسی چیز سمجھ لے جو خدا تعالیٰ کی شناخت اور اس کی طاعت اور اس کے عشق اور محبت اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے بنائی گئی ہے اور عملی طور پر اس طرح سے کہ خالصاً للہ حقیقی نیکیاں جو ہر ایک قوت سے متعلق اور ہر یک خدا داد توفیق سے وابستہ ہیں بجالاوے مگر ایسے ذوق وشوق وحضور سے کہ گویا وہ اپنی فرمانبرداری کے آئینہ میں اپنے معبود حقیقی کے چہرہ کو دیکھ رہا ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد5 صفحہ 57-58)

المسیح

اِسۡمُهُ الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ وَجِيۡهًا۔ (آل عمران:46)

(اِسۡمُهُ الۡمَسِيۡحُ) یہ لفظ مسیح ہے جس کے معنے خلیفہ کے ہیں عربی اور عبرانی میں حدیثوں میں مسیح لکھا ہے اور قرآن شریف میں خلیفہ لکھا ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 144)

توفّی

اب چونکہ یہ فرق حقیقت اور مجاز کا صاف طور پر بیان ہو چکا تو جس شخص نے قرآن کریم پر اوّل سے آخر تک نظر ڈالی ہوگی اور جہاں جہاں توفی کا لفظ موجود ہے بنظر غور دیکھا ہوگا وہ ایماناً ہمارے بیان کی تائید میں شہادت دے سکتا ہے۔ چنانچہ بطور نمونہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ آیات (1) امّا نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینّک (یونس:47) (2) توفنی مسلما (یوسف:102) (3) و منکم من یتوفّٰی (الحج:6) (4) توفّٰھم الملئکة (النساء:98) (5) یتوفّون منکم (البقرة:241) (6) توفته رسلنا (الانعام:62) (7) رسلنا یتوفونھم (الاعرف:38) (8) تو فنا مسلمین (الاعراف:127) (9) و تو فنا مع الابرار (آل عمران:194) (10) ثم یتوفکم (النحل:71) کیسی صریح اور صاف طور پر موت کے معنوں میں استعمال کی گئی ہیں مگر قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت بھی ہے کہ ان آیات کی طرح مجرد توفی کا لفظ لکھنے سے اس سے کوئی اور معنے مراد لئے گئے ہوں۔ موت مراد نہ لی گئی ہو۔ **بلاشبہ قطعی اور یقینی طور پر اوّل سے آخر تک قرآنی محاورہ یہی ثابت ہے کہ ہر جگہ درحقیقت توفی کے لفظ سے موت ہی مراد ہے تو پھر متنازعہ فیہ دو آیتوں کی نسبت جو انی متوفیک اور فلما توفیتنی ہیں اپنے دل سے کوئی معنے مخالف عام محاورہ قرآن کے گھڑنا اگر الحاد اور تحریف نہیں تو اور کیا ہے؟** (ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 270)

حیات

یہ مسئلہ ہی غلط ہے جو کہے کہ فلاں شخص زندہ کرتا ہے۔ اگر زندہ کرنے کا مفہوم اور مطلب اور نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ کیوں فَيُمۡسِكُ الَّتِىۡ قَضٰى عَلَيۡهَا الۡمَوۡتَ (الزمر:43) فرماتا اس سے معلوم ہوا کہ یہ محاورہ ہی اور ہے ورنہ اس سے تو تناقض لازم آتا ہے کہ ایک طرف کہے کہ زندہ نہیں ہوتا اور دوسری طرف کہہ دے کہ زندہ ہو جاتا ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 125)

خلق اور امر

(اَلَا لَہُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ) جب خدائے تعالیٰ کسی چیز کو اس طور سے پیدا کرے کہ پہلے اس چیز کا کچھ بھی وجود نہ ہو تو ایسے پیدا کرنے کا نام اصطلاح قرآنی میں امر ہے اور اگر ایسے طور سے کسی چیز کو پیدا کرے کہ پہلے وہ چیز کسی اور صورت میں اپنا وجود رکھتی ہو تو اس طرز پیدائش کا نام خلق ہے خلاصہ کلام یہ کہ بسیط چیز کا عدم محض سے پیدا کرنا عالم امر میں سے ہے اور مرکب چیز کو کسی شکل یا ہیئت خاص سے متشکل کرنا عالم خلق سے ہے جیسے اللہ تعالیٰ دوسرے مقام میں قرآن شریف میں فرماتا ہے اَلَا لَـہُ الۡـخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ (الاعراف: 55) یعنی بسائط کا عدم محض سے پیدا کرنا اور مرکبات کو ظہور خاص میں لانا دونوں خدا کا فعل ہیں اور بسیط اور مرکب دونوں خدائے تعالیٰ کی پیدائش ہے...... یہ کیسی اعلیٰ اور عمدہ صداقت ہے جس کو ایک مختصر آیت اور چند معدود لفظوں میں خدائے تعالیٰ نے بیان کر دیا۔

(سرمہ چشم آریہ۔ ر۔خ۔ جلد2 صفحہ 175-176)

رَبۡوَۃ

وَاٰوَیۡنٰـہُـمَاۤ اِلٰی رَبۡوَۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیۡنٍ (المومنون:51) یعنی ہم نے واقعہ صلیب کے بعد جو ایک بڑی مصیبت تھی عیسیٰ اور اس کی ماں کو ایک بڑے ٹیلہ پر جگہ دی جو بڑے آرام کی جگہ اور پانی خوشگوار تھا یعنی خطۂ کشمیر۔ اب اگر آپ لوگوں کو عربی سے کچھ بھی مس ہے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ **اٰوٰی کا لفظ اسی موقع پر آتا ہے کہ جب کسی مصیبت پیش آمدہ سے بچا کر پناہ دی جاتی ہے۔ یہی محاورہ تمام قرآن شریف میں اور تمام اقوال عرب میں اور احادیث میں موجود ہے۔**

(نزول المسیح۔ ر۔خ۔ جلد19 صفحہ 127)

رفع اور رجوع

تمام قرآن میں یہی محاورہ ہے کہ خدا کی طرف اٹھائے جانے یا رجوع کرنے سے موت مراد ہوتی ہے جیسا کہ آیت اِرۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً (الفجر:29) سے بھی موت ہی مراد ہے۔

(ایام الصلح۔ ر۔خ۔ جلد14 صفحہ 385)

رَفَع

پس جب خدا تعالیٰ کی طرف واپس جانا بموجب نص صریح قرآن شریف کے موت ہے تو پھر خدا کی طرف اٹھائے جانا جیسا کہ آیت بَـلۡ رَفَـعَــہُ اللّٰہُ اِلَیۡــہِ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کیوں موت نہیں۔ یہ تو انصاف اور عقل اور تقوی کے برخلاف ہے کہ جو معنے نصوص قرآنیہ سے ثابت اور متحقق ہوتے ہیں ان کو ترک کیا جائے اور جن معنوں اور جس محاورہ کی اپنے پاس کوئی بھی دلیل نہیں اس پہلو کو اختیار کیا جائے۔ **کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ رفع الی اللہ کے زبان عرب اور محاورہ عرب میں بجز وفات دیئے جانے کے کوئی اور بھی معنے ہیں۔** ہاں اس وفات سے ایسی وفات مراد ہے جس کے بعد روح خدا تعالیٰ کی طرف اٹھائی جاتی ہے جیسے مومنوں کی وفات ہوتی ہے۔ یہی محاورہ خدا تعالیٰ کی پہلی کتابوں میں موجود ہے۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ ر۔خ۔ جلد21 صفحہ 385-386)

زمین

اور یہ عام محاورہ قرآن شریف کا ہے کہ زمین کے لفظ سے انسانوں کے دل اوران کی باطنی قویٰ مراد ہوتی ہیں جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ ایک جگہ فرماتا ہے۔ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا (الحدید:18) اور جیسا کہ فرماتا ہے وَالۡبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخۡرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذۡنِ رَبِّہٖ وَالَّذِیۡ خَبُثَ لَایَخۡرُجُ اِلَّا نَکِدًا (الاعراف:59) ایسا ہی قرآن شریف میں بیسیوں نظیریں موجود ہیں جو پڑھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ماسوا اس کے روحانی واعظوں کا ظاہر ہونا اوران کے ساتھ فرشتوں کا آنا ایک روحانی قیامت کا نمونہ ہوتا ہے جس سے مردوں میں حرکت پیدا ہوجاتی ہے اور جو قبروں کے اندر ہیں وہ باہر آجاتے ہیں اور نیک اور بدلوگ اپنی سزا و جزاء پالیتے ہیں۔ سو اگر سورۃ الزّلزال کو قیامت کے آثار میں قرار دیا جائے تو اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ ایسا وقت روحانی طور پر ایک قسم کی قیامت ہی ہوتی ہے۔ خدائے تعالیٰ کے تائید یافتہ بندے قیامت کا ہی روپ بن کر آتے ہیں اورانہیں کا وجود قیامت کے نام سے موسوم ہوسکتا ہے جس کے آنے سے روحانی مردے زندہ ہونے شروع ہوجاتے ہیں اور نیز اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ جب ایسا زمانہ آجائے گا۔ کہ تمام انسانی طاقتیں اپنے کمالات کو ظاہر کردکھائیں گی اور جس حد تک بشری عقول اور افکار کا پرواز ممکن ہے اس حد تک وہ پہنچ جائیں گی اور جن مخفی حقیقتوں کو ابتداء سے ظاہر کرنا مقدر ہے وہ سب ظاہر ہوجائیں گی تب اس عالم کا دائرہ پورا ہوکر یک دفعہ اس کی صف لپیٹ دی جائے گی۔

کُلُّ مَنۡ عَلَیۡہَا فَانٍ۔ وَّ یَبۡقٰی وَجۡہُ رَبِّکَ ذُو الۡجَلٰلِ وَالۡاِکۡرَامِ۔(الرحمٰن:27-28)

(ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد3 صفحہ 168-169)

شقی اور سعید

یَوۡمَ یَاۡتِ لَا تَکَلَّمُ نَفۡسٌ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ فَمِنۡہُمۡ شَقِیٌّ وَّ سَعِیۡدٌ۔ (ھود:106)

ایسا شخص جو ربّانی فیض کے رنگ سے کم حصہ رکھتا ہے اسی کو قرآنی اصطلاح میں شقی کہتے ہیں اور جس نے کافی حصہ لیا اس کا نام سعید ہے۔ خداتعالیٰ نے اپنی پاک کلام میں مخلوقات کو سعادت اور شقاوت کے دو حصوں پر تقسیم کردیا ہے مگر ان کو حسن اور قبح کے دو حصوں پر تقسیم نہیں کیا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ جو خداتعالیٰ سے صادر ہو اس کو برا تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس نے جو کچھ بنایا وہ سب اچھا ہے۔ ہاں اچھوں میں مراتب ہیں۔ پس جو شخص اچھا ہونے کے رنگ میں نہایت ہی کم حصہ رکھتا ہے وہ حکمی طور پر برا ہے اور حقیقی طور پر کوئی بھی برا نہیں۔

(ست بچن۔ ر۔خ۔ جلد10 صفحہ 138 حاشیہ)

نزول

متصوفین کے مذاق کے موافق صعود اور نزول کے ایک خاص معنے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جب انسان خلق اللہ سے بکلّی انقطاع کر کے خدائے تعالیٰ کی طرف جاتا ہے تو اس حالت کا نام متصوفین کے نزدیک صعود ہے اور جب مامور ہو کر نیچے کو اصلاح خلق اللہ کے لئے آتا ہے تو اس حالت کا نام نزول ہے۔ اسی اصطلاحی معنی کے لحاظ سے نزول کا لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اس آیت میں اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے کہ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ ۔(بنی اسرائیل : 106) (ازالہ اوہام ۔ ر۔ خ۔ جلد 3 صفحہ 420)

خروج اور نزول

دابۃ الارض یعنی وہ علماء و واعظین جو آسمانی قوت اپنے اندر نہیں رکھتے ابتداء سے چلے آتے ہیں لیکن قرآن کا مطلب یہ ہے کہ آخری زمانہ میں ان کی حد سے زیادہ کثرت ہوگی اور ان کے خروج سے مراد وہی ان کی کثرت ہے۔

اور یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جیسی ان چیزوں کے بارے میں جو آسمانی قوت اپنے اندر نہیں رکھتیں اور آخری زمانہ میں پورے جوش اور طاقت کے ساتھ ظہور کریں گی خروج کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایسا ہی اس شخص کے بارے میں جو حدیثوں میں لکھا ہے کہ آسمانی وحی اور قوت کے ساتھ ظہور کریگا نزول کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سو ان دونوں لفظوں خروج اور نزول میں درحقیقت ایک ہی امر مدنظر رکھا گیا ہے۔ یعنی اس بات کا سمجھانا منظور ہے کہ یہ ساری چیزیں جو آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والی ہیں باعتبار اپنی قوت ظہور کے خروج اور نزول کی صفت سے متصف کی گئی ہیں جو آسمانی قوت کے ساتھ آنے والا تھا اُس کو نزول کے لفظ سے یاد کیا گیا اور جو زمینی قوت کے ساتھ نکلنے والا تھا اس کو خروج کے لفظ کے ساتھ پکارا گیا تا نزول کے لفظ کے ساتھ آنے والے کی ایک عظمت سمجھی جائے اور خروج کے لفظ سے ایک خفت اور حقارت ثابت ہو اور نیز یہ بھی معلوم ہو کہ نازل خارج پر غالب ہے۔ (ازالہ اوہام ۔ ر۔ خ۔ جلد 3 صفحہ 373-374)

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ ؕ ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ یَذَّکَّرُوْنَ۔ (الاعراف:27)

ثم انظر انه تعالی قال فی مقام آخر قدانزلنا علیکم لباسا۔ و قال انزلنا الحدید و انزل لکم من الانعام۔ و معلوم ان هذه الاشیاء لا تنزل من السماء فما عزاهاالله الیها الا اشارة الی ان العلة الاولی من العلل التی قدر الله تعالی لخلق تلک الاشیاء و تولدهاو تکونها تاثیرات فلکیة و شمسیة و قمریة و نجومیة و اشارعزوجل فی هذه الایات الی ان الارض کا مراة والسما ع کبعلها و لا یتم فعل احدها الا بالاخری فزو جهماحکمة من عنده و کان الله علیما حکیما۔

(حمامۃ البشریٰ ۔ ر۔ خ۔ جلد 7 صفحہ 289)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا اور پھر فرمایا۔ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ (الحدید: 26) نیز فرمایا۔ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ (الزمر: 7) اور یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ یہ سب چیزیں آسمان سے نہیں اترتیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان کی طرف یہ اشارہ کرنے کے لیے منسوب کیا ہے کہ ان اسباب میں سے جو اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کی تخلیق اور تکوین اور پیدا کرنے کے لیے مقدر فرمائے ہیں ان میں سے پہلی علت آسمان، سورج چاند اور ستاروں کی تاثیرات ہیں اور ان آیات میں اللہ عزوجل نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ زمین عورت کی ماند ہے اور آسمان اس کے خاوند کے مانند ہے ان میں سے ایک کا کام دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ پس ان دونوں کو اللہ تعالےٰ نے اپنی حکمت کے تحت جوڑ دیا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (الطارق: 5)

ترجمہ: ۔نہیں کوئی جی مگر اس پر ایک نگہبان ہے۔

الغرض جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں یہ بات نہایت احتیاط سے اپنے حافظہ میں رکھ لینی چاہئے کہ مقربوں کا روح القدس کی تاثیر سے علیحدہ ہونا ایک دم کے لئے بھی ممکن نہیں کیونکہ ان کی نئی زندگی کی روح یہی روح القدس ہے پھر وہ اپنی روح سے کیونکر علیحدہ ہو سکتے ہیں اور جس علیحدگی کا ذکر احادیث اور بعض اشارات قرآن کریم میں پایا جاتا ہے اس سے **مراد صرف ایک قسم کی تجلی ہے کہ بعض اوقات بوجہ مصالح الٰہی اس قسم کی تجلی میں کبھی دیر ہوگئی ہے اور اصطلاح قرآن کریم میں اکثر نزول سے مراد وہی تجلی ہے۔**

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 90-91 حاشیہ)

نزول سے مراد عزّت وجلال کا اظہار ہوتا ہے۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 396)

ساعة

افسوس کہ سادہ لوح حجرہ نشین مولویوں کی نظر محدود ہے ان کو معلوم نہیں کہ پہلی کتابوں میں اسی ساعت کا وعدہ تھا جو طیطوس کے وقت یہودیوں پر وارد ہوئی اور قرآن شریف صاف کہتا ہے کہ عیسیٰ کی زبان پر ان پر لعنت پڑی اور عذاب عظیم کے واقعہ کو ساعة کے لفظ سے بیان کرنا نہ صرف قرآن شریف کا محاورہ ہے بلکہ یہی محاورہ پہلی آسمانی کتابوں میں پایا جاتا ہے اور بکثرت پایا جاتا ہے پس نہ معلوم ان سادہ لوح مولویوں نے کہاں سے اور کس سے سن لیا کہ ساعة کا لفظ ہمیشہ قیامت پر ہی بولا جاتا ہے۔

(اعجاز احمدی۔ ر۔خ۔ جلد 19 صفحہ 131)

وحی

جا بجا مفسروں نے وحی کے لفظ کو الہام ہی سے تعبیر کیا ہے۔کئی احادیث میں بھی یہی معنے ملتے ہیں۔
......سواد اعظم علماء کا الہام کو وحی کا مترادف قرار دینے میں متفق ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو استعمال کیا ہے تو پھر اس سے انحراف کرنا صریح تحکم ہے......علم شریعت میں اسی طرح صدہا عرفی الفاظ ہیں جن کے مفہوم کو لغوی معنوں میں محدود کرنا ایک ضلالت ہے۔خود وحی کے لفظ کو دیکھئے کہ اس کے وہ معنے جن کی رو سے خدا کی کتابیں وحی رسالت کہلاتی ہیں کہاں لغت سے ثابت ہوتے ہیں اور کس کتاب لغت میں وہ کیفیت نزول وحی لکھی ہے جس کیفیت سے خدا اپنے مرسلوں سے کلام کرتا ہے اور ان پر اپنے احکام نازل کرتا ہے۔

(براھین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 244-245 حاشیہ درحاشیہ نمبر1)

وجیہہ

قولہ'۔مسیح کے دوبارہ آنے پر ایک یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجِیْھًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔(ال عمران:46) حضرت مسیح نے اس زمانہ میں جبکہ وہ یہودیوں کے لیے مبعوث ہوئے عزت نہیں پائی اس لیے ماننا پڑا کہ پھر وہ آویں گے تب دنیا کی وجاہت ان کو نصیب ہوگی۔

اقول۔یہ خیال بالکل بیہودہ ہے۔قرآن شریف میں یہ لفظ نہیں کہ وَجِیْھًا عِنْدَ اَھْلِ الدُّنْیَا۔ دنیاداروں اور دنیا کے کتوں کی نظر میں تو کوئی نبی بھی اپنے زمانے میں وجیہہ نہیں ہوا کیونکہ انہوں نے کسی نبی کو تسلیم نہیں کیا بلکہ قبول کرنے والے اکثر ضعفا اور غرباء ہوئے ہیں جو دنیا سے بہت کم حصہ رکھتے تھے **سو آیت کے یہ معنے نہیں کہ پہلے زمانے میں عیسیٰ کو دنیا کے رئیسوں اور امیروں اور کرسی نشینوں نے قبول نہ کیا لیکن دوسری مرتبہ قبول کریں گے۔** بلکہ قرآن کے عام محاورہ کے رو سے آیت کے یہ معنے ہیں کہ دنیا میں بھی راستباوں میں مسیح کی عزت ہوئی اور وجاہت مانی گئی جیسا کہ یحییٰ نبی نے ان کو مع اپنی تمام جماعت کے قبول کیا اور ان کی تصدیق کی اور بہتوں نے تصدیق کی اور قیامت میں بھی وجاہت ظاہر ہوگی۔ (ایام الصلح۔ر۔خ۔جلد14 صفحہ 412)

یوم

قُلْ لَّکُمْ مِیْعَادُ یَوْمٍ لَا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْہُ سَاعَۃً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ۔ (سبا:31)

یوم سے مراد اس جگہ برس ہے چنانچہ بائبل میں بھی یہ محاورہ پایا جاتا ہے سو پورے برس کے بعد بدر کی لڑائی کا عذاب مکہ والوں پر نازل ہوا جو پہلی لڑائی تھی۔ (ایک عیسائی کے تین سوال اوران کے جوابات صفحہ 18 حاشیہ)

یہود

یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ انجیل اور قرآن شریف میں جہاں یہودیوں کا کچھ خراب حال بیان کیا ہے وہاں دنیاداروں اور عوام کا تذکرہ نہیں بلکہ ان کے مولوی اور فقیہ اور سردار کاہن مراد ہیں جن کے ہاتھ میں کفر کے فتوے ہوتے ہیں اور جن کے وعظوں پر عوام افروختہ ہو جاتے ہیں اسی واسطے قرآن شریف میں ایسے یہودیوں کی اس گدھے سے مثال دی ہے جو کتابوں سے لدا ہوا ہو۔ ظاہر ہے کہ عوام کو کتابوں سے کچھ سروکار نہیں کتابیں تو مولوی لوگ رکھا کرتے ہیں لہذا یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جہاں انجیل اور قرآن اور حدیث میں یہودیوں کا ذکر ہے وہاں ان کے مولوی اور علماء مراد ہیں اور اسی طرح غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ کے لفظ سے عام مسلمان مراد نہیں ہیں بلکہ ان کے مولوی مراد ہیں۔

(تحفہ گولڑویہ۔ ر۔خ۔ جلد 17 صفحہ 330-329)

قرآنی معانی کے خلاف معانی کرنا تحریف والحاد ہے

فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعۡضَ الَّذِیۡ نَعِدُہُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِلَیۡنَا یُرۡجَعُوۡنَ۔ (المومن: 78)

انصاف کی آنکھ سے دیکھنا چاہیئے کہ جس طرح حضرت مسیح کے حق میں اللہ جل شانہٗ نے قرآن کریم میں اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡکَ فرمایا ہے اسی طرح ہمارے سیدو مولیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا ہے فَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعۡضَ الَّذِیۡ نَعِدُہُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّیَنَّکَ (یونس: 48) یعنی دونوں جگہ مسیح کے حق میں اور ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں توفی کا لفظ موجود ہے پھر کس قدر ناانصافی کی بات ہے کہ ہمارے سیدو مولی کی نسبت جو توفی کا لفظ آیا ہے تو اس جگہ تو ہم وفات کے ہی معنے کریں اور اسی لفظ کو حضرت عیسیٰ کی نسبت اپنے اصلی اور شائع متعارف سے پھیر کر اور ان متفق علیہ معنے سے جو اول سے آخر تک قرآن شریف سے ظاہر ہو رہے ہیں انحراف کر کے اپنے دل سے کچھ اور کے اور معنے تراش لیں۔ اگر یہ الحاد اور تحریف نہیں تو پھر الحاد اور تحریف کس کو کہتے ہیں؟

(ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 274)

مِنَ الَّذِیۡنَ ہَادُوۡا یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِہٖ وَیَقُوۡلُوۡنَ سَمِعۡنَا وَ عَصَیۡنَا وَاسۡمَعۡ غَیۡرَ مُسۡمَعٍ وَّرَاعِنَا لَیًّۢا بِاَلۡسِنَتِہِمۡ وَطَعۡنًا فِی الدِّیۡنِ ؕ وَ لَوۡ اَنَّہُمۡ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا وَاسۡمَعۡ وَانۡظُرۡنَا لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ وَاَقۡوَمَ وَلٰکِنۡ لَّعَنَہُمُ اللّٰہُ بِکُفۡرِہِمۡ فَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِیۡلًا۔ (النساء: 47)

یہودی بھی تو ایسے ہی کام کرتے تھے کہ اپنی رائے سے اپنی تفسیروں میں بعض آیات کے معنے کرنے کے وقت بعض الفاظ کو مقدم اور بعض کو موخر کر دیتے تھے جن کی نسبت قرآن مجید میں یہ آیت موجود ہے کہ یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِہٖ ان کی تحریف ہمیشہ لفظی نہیں تھی بلکہ معنوی بھی تھی۔ سو ایسی تحریفوں سے ہر یک مسلمان کو ڈرنا چاہیئے۔

(الحق مباحثہ دہلی۔ ر۔خ۔ جلد 4 صفحہ 215)

دجل یہ ہے کہ اندر ناقص چیز ہو اور اوپر کوئی صاف چیز ہو۔ مثلاً اوپر سونے کا ملمع ہو اور اندر تانبا ہو۔ یہ دجل ابتدائے دنیا سے چلا آتا ہے مکروفریب سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا۔ زرگر کیا کرتے ہیں۔ جیسے دنیا کے کاموں میں دجل ہے ویسے ہی روحانی کاموں میں بھی دجل ہوتا ہے یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ (النساء:47) بھی دجل ہے۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 295)

ان کتابوں (توریت اور انجیل) کی نسبت قرآن مجید میں یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ لکھا ہے وہ لوگ شرح کے طور پر اپنی طرف سے بھی کچھ ملا دیا کرتے تھے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 338)

قرآن مجید کے ہوتے ہوئے ایک مصلح کی ضرورت

پھر اسی نوجوان نے عرض کیا کہ انہوں نے یہ سوال بھی مجھ سے کیا کہ قرآن شریف تو محرف مبدل نہیں ہوا کسی کے آنے کی کیا ضرورت ہے؟

فرمایا کہ:۔

کیا خدا کی طرف سے کسی کے آنے کی ضرورت کا ایک یہی باعث ہے کہ قرآن شریف محرف مبدل ہو اور علاوہ بریں قرآن شریف کی معنوی تحریف تو کی جاتی ہے جبکہ اس میں لکھا ہے کہ مسیح مرگیا اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ زندہ آسمان پر چڑھ گیا اور تحریف کیا ہوتی ہے؟ یہ لوگ تحریف تو کر رہے ہیں اور پھر مسلمانوں کی عملی حالت بہت ہی خراب ہو رہی ہے نیچریوں ہی کو دیکھو۔ انہوں نے کیا چھوڑا ہے بہشت دوزخ کے وہ قائل نہیں۔ وحی اور دعا اور معجزات کے وہ منکر ہیں انہوں نے یہودیوں کے بھی کان کاٹے یہاں تک کہ تثلیث میں بھی نجات مان لی۔ یہ حالت ہو چکی ہے اور پھر کہتے ہیں کہ کسی آنے والے کی ضرورت نہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ دنیا تو گناہ سے بھر گئی ہے مگر ان کی حالت ایسی مسخ ہوئی ہے کہ وہ محسوس ہی نہیں کرتے کہ کسی مصلح کی بھی ضرورت ہے مگر عنقریب وقت آتا ہے کے خدا تعالیٰ ان کو معلوم کرائے گا اور اس کے غضب کا ہاتھ اب نکلتا آتا ہے۔

زمانہ تو ایسا تھا کہ رو رو کر راتیں کاٹتے مگر ان کی شوخی سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے ہی بد بخت ہیں۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 398)

نورِ دل جاتا رہا اک رسم دیں کی رہ گئی — پھر بھی کہتے ہیں کہ کوئی مصلحِ دیں کیا بکار
راگ وہ گاتے ہیں جس کو آسماں گاتا نہیں — وہ ارادے ہیں کہ جو ہیں برخلافِ شہریار

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 132)

تحریف معنوی

مِنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ ...... (النساء:47)

قرآن کریم کے عموم محاورہ پر نظر ڈالنے سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ تمام قرآن میں توفی کا لفظ قبض روح کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے یعنی اس قبض روح میں جو موت کے وقت ہوتا ہے دوجگہ قرآن کریم میں وہ قبض روح بھی مراد لیا ہے جو نیند کی حالت میں ہوتا ہے۔لیکن اس جگہ قرینہ قائم کر دیا ہے۔جس سے سمجھا گیا ہے کہ حقیقی معنے توفی کے موت لئے ہیں۔اور جو نیند کی حالت میں قبض روح ہوتا ہے۔وہ بھی ہمارے مطلب کے مخالف نہیں۔کیونکہ اس کے تو یہی معنے ہیں کہ کسی وقت تک انسان سوتا ہے اور اللہ اس کی روح کو اپنے تصرف میں لے لیتا ہے اور پھر انسان جاگ اٹھتا ہے سو یہ وقوعہ ہی الگ ہے اس سے ہمارے مخالف کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔بہر حال جبکہ قرآن میں لفظ توفی کا قبض روح کے معنوں میں ہی آیا ہے اور احادیث میں ان تمام مواضع میں جو خدا تعالیٰ کو فاعل ٹھہرا کر اس لفظ کو انسان کی نسبت استعمال کیا ہے جا بجا موت ہی معنے لیے ہیں۔تو بلاشبہ یہ لفظ قبض روح اور موت کے لئے قطعتیہ الدلالت ہوگیا۔اور بخاری جو اصح الکتب ہے اس میں بھی تفسیر آیت فلما توفیتنی کی تقریب میں متوفیک کے معنے ممیتک لکھا ہے۔اور یہ بات ظاہر ہے کہ موت اور رفع میں ایک ترتیب طبعی واقع ہے ہر یک مومن کی روح پہلے فوت ہوتی ہے پھر اس کا رفع ہوتا ہے۔اسی ترتیب طبعی پر یہ ترتیب وضعی آیت کی دلالت کر رہی ہے کہ پہلے انی متوفیک فرمایا اور پھر بعد اس کے رافعک کہا اور اگر کوئی کہے کہ رافعک مقدم اور متوفیک مؤخر ہے یعنی رافعک آیت کے سر پر اور متوفیک فقرہ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (ال عمران: 56) کے بعد اور بیچ میں یہ فقرہ محذوف ہے ثُمَّ مُنَزِّلُکَ اِلَی الْاَرْضِ سو یہ ان یہودیوں کی تحریف ہے جن پر بوجہ تحریف کے لعنت ہو چکی ہے۔کیونکہ اس صورت میں اس آیت کو اس طرح پر زیر وزبر کرنا پڑے گا۔یا عیسی انی رافعک الی السماء و مطھرک من الذین کفروا و جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ ثم منزلک الی الارض و متوفیک اب فرمایئے کیا اس تحریف پر کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل مل سکتی ہے ۔**یہودی بھی تو ایسے ہی کام کرتے تھے کہ اپنی رائے سے اپنی تفسیروں میں بعض آیات کے معنے کرنے کے وقت بعض الفاظ کو مقدم اور بعض کو موخر کر دیتے تھے جن کی نسبت قرآن مجید میں یہ آیت موجود ہے کہ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ ان کی تحریف ہمیشہ لفظی نہیں تھی بلکہ معنوی بھی تھی۔سو ایسی تحریفوں سے ہر یک مسلمان کو ڈرنا چاہیئے** اگر کسی حدیث صحیح میں ایسی تحریف کی اجازت ہے تو بسم اللہ وہ دکھلایئے۔غرض آیت یا عیسی انی متوفیک میں اگر قرآن کریم کا عموم محاورہ ملحوظ رکھا جائے اور آیت کو تحریف سے بچایا جائے تو پھر موت کے بعد اور دوسرے معنے کیا نکل سکتے ہیں۔

(الحق مباحثہ دہلی۔ر۔خ۔جلد 4 صفحہ 215-214)

میرا معاملہ اگر سمجھ میں نہیں آتا تو طریق تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگو تا کہ وہ خود تم پر اصل حقیقت کھول دے۔ خدا تعالیٰ کے کلام کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ طریق نجات بھول جانے کا اندیشہ ہے۔ آج وقت ہے بصیرت سے کام لو۔

قرآن شریف قانون آسمانی اور نجات کا ذریعہ ہے۔ اگر ہم اس میں تبدیلی کریں تو یہ بہت ہی سخت گناہ ہے۔ تعجب ہوگا کہ ہم یہودیوں اور عیسائیوں پر بھی اعتراض کرتے ہیں اور پھر قرآن شریف کے لئے وہی روا رکھتے ہیں۔ مجھے اور بھی افسوس اور تعجب آتا ہے کہ وہ عیسائی جن کی کتابیں فی الواقعہ محرف مبدل ہیں وہ تو کوشش کریں کہ تحریف ثابت نہ ہو اور ہم خود تحریف کرنے کی فکر میں!!!

دیکھو افتراء کرنے والا خبیث اور موذی ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کے کلام میں تحریف کرنا۔ یہ بھی افتراء ہے اس سے بچو۔
(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 130)

تحریف تقریری

ابھی میں بیان کر چکا ہوں کہ صحابہ کرام اور سلف صالح کی یہی عادت تھی کہ جب کہیں آیت اور حدیث میں تعارض وتخالف پاتے تو حدیث کی تاویل کی طرف مشغول ہوتے۔ **مگر اب یہ ایسا زمانہ آیا ہے کہ قرآن کریم سے حدیثیں زیادہ پیاری ہو گئیں ہیں اور حدیثوں کے الفاظ قرآن کریم کے الفاظ کی نسبت زیادہ محفوظ سمجھے گئے ہیں۔ ادنیٰ ادنیٰ بات میں جب کسی حدیث کا قرآن کریم سے تعارض دیکھتے ہیں تو حدیث کی طرف ذرہ شک نہیں گذرتا یہودیوں کی طرح قرآن کریم کا بدلانا شروع کر دیتے ہیں** اور کلمات اللہ کو ان کے اصل مواضع سے پھیر کر کہیں کا کہیں لگا دیتے ہیں اور بعضے فقرے اپنی طرف سے بھی ملا دیتے ہیں اور اپنے تئیں **یحرفون الکلم عن مواضعه** (النساء:47) کا مصداق بنا کر اس لعنۃ اللہ سے حصہ لے لیتے ہیں جو پہلے اس سے یہودیوں پر انہیں کاموں کی وجہ سے وارد و نازل ہوئی تھی۔ **بعض تحریف کی یہ صورت اختیار کرتے ہیں کہ فقرہ متوفیک کو مقدم ہی رکھتے ہیں مگر بعد اس کے انی محییک کا فقرہ اپنی طرف سے ملا لیتے ہیں۔** ذرہ خیال نہیں کرتے کہ خدا تعالےٰ نے تحریف کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے اور بخاری نے اپنی صحیح کے آخر میں لکھا ہے کہ اہل کتاب کی تحریف یہی تھی کہ وہ پڑھنے میں کتاب اللہ کے کلمات کو ان کے مواضع سے پھیرتے تھے اور حق بات یہ ہے کہ وہ دونوں قسم کی تحریف تحریری وتقریری کرتے تھے مسلمانوں نے ایک قسم میں (جو تقریری تحریف ہے) ان سے مشابہت پیدا کر لی۔ اور اگر وعدہ صادقہ **انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون** (الحجر:10) تصرف تحریری سے مانع نہ ہوتا تو کیا تعجب کہ یہ لوگ رفتہ رفتہ تحریر میں بھی ایسی تحریفیں شروع کر دیتے کہ فقرہ **رافعک** کو مقدم اور **انی متوفیک** کو مؤخر لکھ دیتے۔ اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ تم پر ایسی مصیبت کیا آ پڑی ہے کہ تم کتاب اللہ کے زیروزبر اور محرف کرنے کی فکر میں لگ گئے تو اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ تا کسی طرح قرآن کریم ان حدیثوں کے مطابق ہو جاوے جن سے بظاہر معارض ومخالف معلوم ہوتا ہے۔

(ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔جلد 3 صفحہ 611)

تحریف۔اور یہود

اللہ تعالیٰ نے توریت میں یہودیوں کو یہ حکم دیا کہ تم نے توریت کی تحریف نہ کرنا سو اس حکم کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض یہود نے توریت کی تحریف کی مگر قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو کہیں یہ حکم نہیں دیا کہ تم نے قرآن کی تحریف نہ کرنا بلکہ یہ فرمایا کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّالَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ (الحجر:10) یعنی ہم نے ہی قرآن شریف کو اتارا اور ہم ہی اس کی محافظت کریں گے۔ اسی وجہ سے قرآن شریف تحریف سے محفوظ رہا۔ غرض یہ قطعی اور یقینی اور مسلم سنت الٰہی ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی کتاب میں کسی قوم یا جماعت کو ایک برے کام سے منع کرتا ہے یا نیک کام کے لئے حکم فرماتا ہے تو اس کے علم قدیم میں یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ اس کے حکم کی مخالفت بھی کریں گے۔

(تذکرۃ الشہادتین۔ ر۔خ۔ جلد 20 صفحہ 15-14)

قرینہ چہارم دابۃ الارض کے طاعون ہونے پر یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ میں ایک رنگ میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ کسی وقت بعض مسلمان بھی وہ یہودی بن جائینگے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں تھے جو آخرکار طاعون وغیرہ بلاؤں سے ہلاک کئے گئے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدیم سے یہ عادت ہے کہ جب ایک قوم کو کسی فعل سے منع کرتا ہے تو ضرور اسکی تقدیر میں یہ ہوتا ہے کہ بعض ان میں سے اس فعل کے ضرور مرتکب ہونگے جیسا کہ اس نے توریت میں یہودیوں کو منع کیا تھا کہ تم نے توریت اور دوسری خدا کی کتابوں کی تحریف نہ کرنا۔ سو آخر ان میں سے بعض نے تحریف کی مگر قرآن میں یہ نہیں کہا گیا کہ تم نے قرآن کی تحریف نہ کرنا بلکہ یہ کہا گیا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّالَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ سو سورت فاتحہ میں خدا نے مسلمانوں کو یہ دعا سکھلائی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ۔ اس جگہ احادیث صحیحہ کے رو سے بکمال تواتر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ المغضوب علیھم سے مراد بدکار اور فاسق یہودی ہیں جنہوں نے حضرت مسیح کو کافر قرار دیا اور قتل کے درپے رہے اور اس کی سخت توہین و تحقیر کی اور جن پر حضرت عیسیٰ نے لعنت بھیجی جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے۔ (نزول المسیح۔ ر۔خ۔ جلد 18 صفحہ 419-418)

پھر وہ دن جب آ گئے اور چودھویں آئی صدی
سب سے اوّل ہو گئے منکر یہی دیں کے منار

پھر دوبارہ آ گئی احبار میں رسمِ یہود
پھر مسیح وقت کے دشمن ہوئے یہ جبّہ دار

تھا نوشتوں میں یہی از ابتدا تا انتہا
پھر مٹے کیونکر کہ ہے تقدیر نے نقشِ جدار

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 138)(درثمین اردو صفحہ 128)

کسی کو کلام الٰہی میں تغیر و تبدل کا اختیار نہیں

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہم الٰہی کلام کی کسی آیت میں تغییر اور تبدیل اور تقدیم اور تاخیر اور فقرات تراشی کے مجاز نہیں ہیں مگر صرف اس صورت میں کہ جب خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہو اور یہ ثابت ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ بذات خود ایسی تغییر اور تبدیل کی ہے اور جب تک ایسا ثابت نہ ہو تو ہم قرآن کی ترصیع اور ترتیب کو زیر وزبر نہیں کر سکتے اور نہ اس میں اپنی طرف سے بعض فقرات ملا سکتے ہیں۔ اور اگر ایسا کریں تو عنداللہ مجرم اور قابل مواخذہ ہیں۔

(اتمام الحجۃ۔ر۔خ۔جلد 8 صفحہ 291)

تفسیر بالرّائے

تفسیر قرآن کریم کے معیار بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

چوتھا معیار خود اپنا نفس مطہّر لے کر قرآن کریم میں غور کرنا ہے کیونکہ نفس مطہّرہ سے قرآن کریم کو مناسبت ہے اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ یعنی قرآن کریم کے حقائق صرف ان پر کھلتے ہیں جو پاک دل ہوں۔ کیونکہ مطہّر القلب انسان پر قرآن کریم کے پاک معارف بوجہ مناسبت کھل جاتے ہیں اور وہ ان کو شناخت کر لیتا ہے اور سونگھ لیتا ہے اور اس کا دل بول اٹھتا ہے کہ ہاں یہی راہ سچی ہے اور اس کا نور قلب سچائی کی پرکھ کے لئے ایک عمدہ معیار ہوتا ہے۔ **پس جب تک انسان صاحب حال نہ ہو اور اس تنگ راہ سے گذرنے والا نہ ہو جس سے انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں تب تک مناسب ہے کہ گستاخی اور تکبر کی جہت سے مفسرِ قرآن نہ بن بیٹھے ورنہ وہ تفسیر بالرائے ہوگی** جس سے نبی علیہ السلام نے منع فرمایا ہے اور کہا ہے مَنْ فَسَّرَ الْقُرْاٰنَ بِرَاْيِهٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَاَ یعنی جس نے صرف اپنی رائے سے قرآن کریم کی تفسیر کی اور اپنے خیال میں اچھی کی تب بھی اس نے بُری تفسیر کی۔

(برکات الدعاء۔ر۔خ۔جلد 6 صفحہ 18-19)

اول یہ کہ وہ اسلام کے مقابل پر ان بیہودہ روایات اور بے اصل حکایات سے مجتنب رہیں جو ہماری مسلم اور مقبول کتابوں میں موجود نہیں اور ہمارے عقیدہ میں داخل نہیں اور نیز قرآن کے معنی اپنے طرف سے نہ گھڑ لیا کریں بلکہ وہی معنی کریں جو تواتر آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہوں اور پادری صاحبان اگرچہ انجیل کے معنے کرنے کے وقت ہر یک بے قیدی کے مجاز ہوں۔ مگر ہم مجاز نہیں ہیں اور **انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارے مذہب میں تفسیر بالرائے معصیت عظیمہ ہے** قرآن کی کسی آیت کے معنی اگر

کریں تو اس طور سے کرنے چاہیئے کہ دوسری قرآنی آئتیں ان معنوں کی موید اور مفسر ہوں اختلاف اور تناقض پیدا نہ ہو۔ کیونکہ قرآن کی بعض آیتیں بعض کے لئے بطور تفسیر کے ہیں اور پھر ساتھ اس کے یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی انہیں معنوں کی مفسر ہو کیونکہ جس پاک اور کامل نبی پر قرآن نازل ہوا وہ سب سے بہتر قرآن شریف کے معنی جانتا ہے۔ غرض اتم اور اکمل طریق معنے کرنے کا تو یہ ہے لیکن اگر کسی آیت کے بارے میں حدیث صحیح مرفوع متصل نہ مل سکے تو ادنئے درجہ استدلال کا یہ ہے کہ قرآن کی ایک آیت کے معنی دوسری آیات بینات سے کئے جاویں۔

لیکن ہرگز یہ درست نہیں ہوگا کہ بغیر ان دونوں قسم کے التزام کے اپنے ہی خیال اور رائے سے معنی کریں کاش اگر پادری عماد الدین وغیرہ اس طریق کا التزام کرتے تو نہ آپ ہلاک ہوتے اور نہ دوسروں کی ہلاکت کا موجب ٹھہرتے۔ (آریہ دھرم۔ ر۔خ۔ جلد 10 صفحہ 81-80 حاشیہ)

یاد رہے کہ کسی قرآنی آیت کے معنے ہمارے نزدیک وہی معتبر اور صحیح ہیں جس پر قرآن کے دوسرے مقامات بھی شہادت دیتے ہوں کیونکہ قرآن کی بعض آیات بعض کی تفسیر ہیں اور نیز قرآن کے کامل اور یقینی معنوں کے لئے اگر وہ یقینی مرتبہ قرآن کے دوسرے مقامات سے میسر نہ آ سکے یہ بھی شرط ہے کہ کوئی حدیث صحیح مرفوع متصل بھی اس کی مفسر ہو غرض ہمارے مذہب میں تفسیر بالرائے ہرگز جائز نہیں پس ہر یک معترض پر لازم ہوگا کہ کسی اعتراض کے وقت اس طریق سے باہر نہ جائے۔

(آریہ دھرم۔ ر۔خ۔ جلد 10 صفحہ 86 حاشیہ)

اے اسیرِ عقلِ خود برہستی خود کم نباز — کیں پہر بوالعجائب چوں تو بسیار آورد

اپنی عقل کے قیدی اپنی ہستی پر ناز نہ کر کہ یہ عجیب آسمان تیری طرح کے بہت سے آدمی لایا کرتا ہے

غیر را ہرگز نمے باشد گذر در کوئے حق — ہر کہ آید ز آسماں اُو رازِ آں یار آورد

خدا کے کوچہ میں غیر کو ہرگز دخل نہیں ہوتا جو آسمان سے آتا ہے وہی اس یار کے اسرار ہمراہ لاتا ہے

خود بخود فہمیدنِ قرآن گمانِ باطل است — ہر کہ از خود آورد او نجس و مردار آورد

آپ ہی آپ قرآن کو سمجھ لینا ایک غلط خیال ہے جو شخص اپنے پاس سے اسکا مطلب پیش کرتا ہے وہ گندگی اور مردار ہی پیش کرتا ہے۔ (برکات الدعا۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 5) (درثمین فارسی مترجم صفحہ 196-195)

باب دہم

سلوک یعنی محبتِ الٰہی

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:۳۲)

خدا کی ذات میں بخل نہیں اور نہ انبیاء اس لئے آتے ہیں کہ ان کی پوجا کی جاوے بلکہ اس لئے کہ لوگوں کو تعلیم دیں کہ ہماری راہ اختیار کرنے والے ہمارے ظل کے نیچے آ جاویں گے جیسے فرمایا۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:۳۲) یعنی میری پیروی میں تم خدا تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر محبوب ہونے کی بدولت یہ سب اِکرام ہوئے، مگر جب کوئی اور شخص محبوب بنے گا تو اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا؟ اگر اسلام ایسا مذہب ہے تو سخت بیزاری ہے ایسے اسلام سے مگر ہرگز اسلام ایسا مذہب نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ مائدہ لائے ہیں کہ جو چاہے اس کو حاصل کرے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 176-177)

بجز اسیریٔ عشق رخش رہائی نیست — بدردِ اُو ہمہ امراض را دوا باشد

اُس کے چہرہ کے عشق کی قید کے سوا کوئی آزادی نہیں اور اُس کا درد ہی سب بیماریوں کا علاج ہے۔

عنایت و کرمش پرورد مرا ہردم — بہ بینی اش اگرت چشمِ خویش وا باشد

اس کا فضل وکرم ہر وقت میری پرورش کرتا ہے اگر تیری آنکھیں کھلی ہیں تو تجھے یہ بات نظر آ جائے گی۔

بکار خانۂ قدرت ہزارہا نقش اند — مگر تجلّیٔ رحماں زنقشِ ما باشد

قدرت کے کارخانے میں ہزاروں نقش ہیں۔ مگر رحمٰن کا جلوہ صرف ہمارے نقش سے نظر آتا ہے۔

بیامدم کہ رہِ صدق را درخشانم — بدلستاں برم آں را کہ پارسا باشد

میں اس لئے آیا ہوں کہ صدق کی راہ کو روشن کروں اور دلبر کے پاس اُسے لے چلوں جو نیک وپارسا ہے۔

بیادم کہ در علم و رشد بکشایم — بخاک نیز نمایم کہ در سما باشد

میں اس لئے آیا ہوں کہ علم وہدایت کا دروازہ کھولوں اور اہل زمین کو وہ چیزیں دکھاؤں جو آسمانی ہیں۔

(تریاق القلوب ر۔خ، جلد 15 صفحہ 134)

دیکھ لو میل و محبت میں عجب تاثیر ہے — ایک دل کرتا ہے جھک کر دوسرے دل کو شکار
کوئی رہ نزدیک تر راہِ محبت سے نہیں — طے کریں اس راہ سے سالک ہزاروں دشتِ خار
اُس کے پانے کا یہی اے دوستو اک راز ہے — کیمیا ہے جس سے ہاتھ آ جائے گا زر بے شمار
تیر تاثیرِ محبت کا خطا جاتا نہیں — تیر اندازو! نہ ہونا سُست اس میں زینہار
ہے یہی اِک آگ تا تم کو بچاوے آگ سے — ہے یہی پانی کہ نکلیں جس سے صدہا آبشار
اس سے خود آ کر ملے گا تم سے وہ یارِ ازل — اس سے تم عرفانِ حق سے پہنو گے پھولوں کے ہار
وہ کتابِ پاک و برتر جس کا فرقاں نام ہے — وہ یہی دیتی ہے طالب کو بشارت باربار

(درثمین اردو۔ صفحہ 141)

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	پہلی فصل	
1	تعریف	801
2	محبتِ الٰہی انسان کی فطرت میں ہے	802
3	محبت کا لفظ حقیقی طور سے خدا کے لئے خاص ہے	804
4	انسان کے معانی ہیں دو اُنس	//
5	خدا تعالیٰ سے محبت کا طریق	//
6	محبت یکطرفہ نہیں ہوتی	805
7	حقیقی محبت الٰہی	806
8	حضرت اقدسؑ کی بعثت کی علت غائی محبتِ الٰہی ہے	//
9	حصولِ دیدار باری تعالیٰ	811
	دوسری فصل	
10	محبتِ الٰہی اور اتباع رسول اکرم ﷺ	812
11	قربِ الٰہی کا واسطہ قرآن اور آنحضرت ﷺ ہیں	813
12	رہبرِ کامل	814
13	محبتِ الٰہی اور نجات اتباع رسولؐ میں ہے	//
14	انبیاء نمونہ قائم کرنے کے لئے آتے ہیں۔ حضرت اقدسؑ رسول اکرمؐ کا کامل نمونہ ہیں	815
15	انبیاء اپنا مثل قائم کرنا چاہتے ہیں	816
16	حضرت اقدسؑ نے یہ مقام آنحضرتؐ کی پیروی سے پایا	817
17	آنحضرت ﷺ کا روحانی مقام	818
	تیسری فصل	
18ر	ذکرِ الٰہی۔ یادِ الٰہی	819
19	حقیقی آداب ذکرِ الٰہی	//
20	درود شریف اور محبتِ الٰہی	820
21	وِرد اور وظائف	821
22	بہترین وظیفہ	822
23	ریاضتیں اور چلہ کشیاں	823
24	حقیقی وظیفہ نماز ہے	824
25	انقطاع الی اللہ۔ موت کو اختیار کرنا	//
26	دنیا کی خواہشات کا ترک کرنا	826
	چوتھی فصل	
27	وحی والہام خدا کا وعدہ ہے	827
28	وحی والہام سچے مذہب کی نشانی ہے	//
29	کامل معرفت کیلئے الہام ضروری ہے	828
30	وحی والہام کا دروازہ کھلا ہے	//
31	وحی والہام کی خواہش کرنا درست نہیں ہے	830
32	ابتدائی الہام پر تسلی نہیں چاہئے	//
33	عشقِ الٰہی اور وحی والہام باری تعالیٰ	831

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	پانچویں فصل	
34	طریقت کی تعریف	832
35	ہدایت اور معرفت کے طریق	833
36	حصولِ معرفت کے تین مدارج	834
37	حقیقی زندگی کا حصول	835
38	امن کی راہ	//
39	طریقت کی چھ حالتیں	836
40	طریقت۔ نفس کے تین درجے	840
41	پاکبازی کی اصل جڑ ایمان باللہ ہے	//
42	مقاماتِ سلوک	841
	چھٹی فصل	
43	سالک تھوڑے ہوتے ہیں	843
44	اولیاء اللہ میں درجات	//
	ساتویں فصل	
45	مجاہدہ ضروری ہے	846
46	مجاہدہ اور الہام حضرت اقدسؑ	847
47	عملی مجاہدہ	848
48	حقیقی مجاہدہ	849
49	مجاہدات کے نتائج	850
50	ابتلاء ضرور آتے ہیں	//
51	ابتلاء کا فلسفہ	852
52	ابتلاء میں لذت ہے	853
53	جہاد مالی اور جانی	854
54	استقامت	855
55	نیکی خالص اللہ کے لئے	857
56	نیکی کا حکم عام ہے	858
	آٹھویں فصل	
57	آدابِ عبادات	859
58	آدابِ نماز	860
59	نماز میں توجہ اور حضوری	861
60	عبادت میں لذت ہے	862
61	نماز سب سے بڑا وظیفہ ہے	//
62	روزہ	//
63	دُعا اور اس کا فلسفہ	864
64	خدا کو خدا سے پانا	865
65	دُعا کی اہمیت	866
66	آدابِ دُعا	867
67	دُعا اور تقویٰ	868
68	دُعا۔ صبر اور استقلال	//
69	سب حاجتیں خدا سے مانگو	869
70	دعا اور تدابیر	//
71	شرائطِ دعا	870
72	اصل دُعا دین کے لئے ہے	//
73	دُعا کی عظمت	871
74	دعا اسم اعظم ہے	872
75	سب دعائیں قبول نہیں ہوتیں	//
76	دُعا مسلمانوں کا فخر ہے	//
77	ہر نبی نے دُعا کی تعلیم دی ہے	873
78	آڑے وقت کی دعا	//
79	مقبولوں کی پہچان قبولیت دعا ہے	874

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ	نمبرشمار	عنوانات	صفحہ
80	دعا کا قبول نہ ہونا	〃		**گیارہویں فصل**	
81	دعا پر اعتقاد نہ رکھنا	875	102	تقویٰ	891
82	دُعا مسلمانوں پر فرض ہے	〃	103	حصولِ تقویٰ	〃
83	امن کی حالت میں دُعا کرنا	〃	104	متقی کو سب نعمتیں ملتی ہیں	893
84	قبولیت دُعا کے آثار	876		**بارہویں فصل** **کیفیاتِ سالکین**	
85	قبولیت دُعا کے ذرائع	〃	105	خدا کے لئے جینا اور مرنا	894
86	غیروں کی دعا بھی قبول ہوتی ہے	877	106	مومن میں آثارِ عبودیت	895
87	احمدیوں کو نصیحت	〃	107	مومن میں تکلّف نہیں آتا	896
88	ہجوم مشکلات میں کامیابی حاصل کرنے کا طریق	〃	108	مقاماتِ مقربینِ الٰہی	〃
			109	مقامِ صدق	898
	نویں فصل		110	مقامِ صالحیّت	899
89	توبہ اور استغفار	878	111	مقامِ شہادت	900
90	توبہ کی معانی	879	112	مقامات مجموعی اعتبار سے	901
91	توبہ کے شرائط	880	113	مقامِ ولایت	〃
92	حضرت اقدسؑ کی بیعت۔ بیعت توبہ ہے	〃	114	ولی بننے کے لئے ابتلا ضروری ہیں	〃
93	توبہ قبول ہوتی ہے	881	115	روحانی مقام موہبت اور فضلِ الٰہی	903
94	توبہ قبول نہ ہونے کا وقت	882		**تیرہویں فصل**	
95	استغفار کی اہمیت	〃	116	اخلاق کا فلسفہ	905
96	استغفار کے معانی	883	117	کل صفات نیک ہیں	〃
97	استغفار سے ردِّ بلا ہوتا ہے	884	118	اخلاق کی تعریف	906
98	حقیقی توبہ اور استغفار	886	119	اخلاق نیکیوں کی ماں ہے	〃
99	استغفار اور توبہ کا فلسفہ	887	120	بُرے اخلاق	907
	دسویں فصل		121	اخلاقِ فاضلہ کی تکمیل	908
100	صحبتِ صالحین	888	122	حقیقی اخلاق	〃
101	مرید اور مرشد کا تعلق	890	123	صبر	909

صفحہ	عنوانات	نمبرشمار	صفحہ	عنوانات	نمبرشمار
919	خدا کی راہ میں خرچ کرنا	132	911	عاجزی۔انکساری	124
〃	صدق اور وفا	133	913	توکل	125
920	غیبت اور سوءِ ظنّ	134	914	توکل کی تعریف	126
921	سلوکِ کامل	135	〃	غصہ پر صبر	127
923	معرفت انسانِ کامل	136	915	عزبت اور مسکینی کی زندگی	128
924	سالکِ کامل	137	〃	ریاء	129
			917	متفرق اخلاق حسنہ	130
				چودھویں فصل	
			918	آنحضرت ﷺ کے اخلاق کا اتباع	131

پہلی فصل

سلوک یعنی محبت الٰہی

تعریف

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔ (آل عمران:32)

سلوک صوفیوں نے ترقیات کی دو راہیں لکھی ہیں۔ایک سلوکؔ دوسرا جذبؔ۔سلوکؔ وہ ہے جو لوگ آپ عقلمندی سے سوچ کر اللہ و رسولؐ کی راہ اختیار کرتے ہیں۔جیسے فرمایا۔قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:32) یعنی اگر تم اللہ کے پیارے بننا چاہتے ہو تو رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرو۔وہ ہادیٔ کامل وہی رسول ہیں جنہوں نے وہ مصائب اٹھائیں کہ دنیا اپنے اندر نظیر نہیں رکھتی۔ایک دن بھی آرام نہ پایا۔اب پیروی کرنے والے بھی حقیقی طور سے وہی ہوں گے۔جو اپنے متبوع کے ہر قول و فعل کی پیروی پوری جدوجہد سے کریں۔متبع وہی ہے جو سب طرح پیروی کرے گا۔سہل انگار اور سخت گذار کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے غضب میں آوے گا۔یہاں جو اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم دیا تو سالک کا کام یہ ہونا چاہئے کہ اول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل تاریخ دیکھے اور پھر پیروی کرے۔اسی کا نام سلوکؔ ہے۔اس راہ میں بہت مصائب و شدائد ہوتے ہیں۔ان سب کو اٹھانے کے بعد ہی انسان سالک ہوتا ہے۔

جذب اہل جذب کا درجہ سالکوں سے بڑھا ہوا ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں سلوک کے درجہ پر ہی نہیں رکھتا بلکہ خود ان کو مصائب میں ڈالتا اور جاذبہ ازلی سے اپنی طرف کھینچتا ہے۔کل انبیاء مجذوب ہی تھے۔جس وقت انسانی روح کو مصائب کا مقابلہ ہوتا ہے ان سے فرسودہ کار اور تجربہ کار ہو کر روح چمک اٹھتی ہے۔جیسے لوہا یا شیشہ اگرچہ چمک کا مادہ اپنے اندر رکھتا ہے۔لیکن صیقلوں کے بعد ہی مجلّی ہوتا ہے۔حتّٰی کہ اس میں منہ دیکھنے والے کا منہ نظر آجاتا ہے۔مجاہدات بھی صیقل کا ہی کام کرتے ہیں۔دل کا صیقل یہاں تک ہونا چاہئے کہ اس میں سے بھی منہ نظر آجاوے۔منہ کا نظر آنا کیا ہے؟ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کا مصداق ہونا۔سالک کا دل آئینہ ہے جس کو مصائب و شدائد اس قدر صیقل کر دیتے ہیں کہ اخلاق الٰہی اس میں منعکس ہو جاتے ہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے۔جب بہت مجاہدات اور تزکیوں کے بعد اس کے اندر کسی قسم کی کدورت یا کثافت نہ رہے تب یہ درجہ نصیب ہوتا ہے۔ہر ایک مومن کو ایک حد تک ایسی صفائی کی ضرورت ہے۔کوئی مومن بلا آئینہ ہونے کے نجات نہ پائے گا۔سلوک والا خود یہ صیقل کرتا ہے اپنے کام سے مصائب اٹھاتا ہے لیکن جذب والا مصائب میں ڈالا جاتا ہے۔خدا خود اس کا مصقّل ہوتا ہے اور طرح طرح کے مصائب و شدائد سے صیقل کر کے اس کو آئینہ کا درجہ عطا کر دیتا ہے۔دراصل سالک و مجذوب دونوں کا ایک ہی نتیجہ ہے۔سو متقی کے دو حصے ہیں۔سلوکؔ و جذبؔ۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 18`17)

محبت الٰہی انسان کی فطرت میں ہے

وَ اِذۡ اَخَذَ رَبُّکَ مِنۡۢ بَنِیۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُہُوۡرِہِمۡ ذُرِّیَّتَہُمۡ وَ اَشۡہَدَہُمۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰی ۚۛ شَہِدۡنَا ۚۛ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنۡ ہٰذَا غٰفِلِیۡنَ۔ (الاعراف:173)

نجات کا تمام مدار خدا تعالیٰ کی محبت ذاتیہ پر ہے اور محبت ذاتیہ اس محبت کا نام ہے جو روحوں کی فطرت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے مخلوق ہے پھر جس حالت میں ارواح پرمیشر کی مخلوق ہی نہیں ہیں تو پھر ان کی فطری محبت پرمیشر سے کیونکر ہو سکتی ہے۔ اور کب اور کس وقت پرمیشر نے ان کی فطرت کے اندر ہاتھ ڈال کر یہ محبت اس میں رکھ دی یہ تو غیر ممکن ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فطرتی محبت اس محبت کا نام ہے جو فطرت کے ساتھ ہمیشہ سے لگی ہوئی ہو اور پیچھے سے لاحق نہ ہو جیسا کہ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے جیسا کہ اس کا یہ قول ہے اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ قَالُوۡا بَلٰی یعنی میں نے روحوں سے سوال کیا کہ کیا میں تمہارا پیدا کنندہ نہیں ہوں تو روحوں نے جواب دیا کہ کیوں نہیں۔ **اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ انسانی روح کی فطرت میں یہ شہادت موجود ہے کہ اس کا خدا پیدا کنندہ ہے۔ پس روح کو اپنے پیدا کنندہ سے طبعاً محبت ہے اس لیے کہ وہ اس کی پیدائش ہے۔**

(چشمۂ مسیحی۔ ر۔خ جلد 20 صفحہ 364`363)

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبدء الانوار کا ۔۔۔ بن رہا ہے سارا عالم آئینۂ ابصار کا
چاند کو کل دیکھ کر میں سخت بے کل ہو گیا ۔۔۔ کیونکہ کچھ کچھ تھا نشاں اس میں جمالِ یار کا
خوبرویوں میں ملاحت ہے ترے اس حسن کی ۔۔۔ ہر گل و گلشن میں ہے رنگ اس ترے گلزار کا
چشمِ مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے ۔۔۔ ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا
تو نے خود روحوں پہ اپنے ہاتھ سے چھڑکا نمک ۔۔۔ اس سے ہے شورِ محبت عاشقانِ زار کا
شورکیسا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر ۔۔۔ خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

(سرمہ چشم آریہ۔ ر۔خ۔ جلد 2 صفحہ 52) (درثمین اردو)

جاں فدائے آنکہ او جاں آفرید دل نثارِ آنکہ زوشد دل پدید
جان اس پر قربان ہے جس نے اس جان کو پیدا کیا دل اس پر نثار ہے جس نے دل کو بنایا۔
جاں ازو پیداست زیں مے جویدش رَبُّنَا اللہ رَبُّنَا اللہ گویدش
جان چونکہ اس کی مخلوق ہے اس لیے اسے ڈھونڈتی ہے اور کہتی ہے کہ تو ہی میرا رب ہے تو ہی میرا رب ہے۔
گر وجودِ جاں نبودے زو عیاں کے شدے مہرِ جمالش نقشِ جاں
اگر جان کا وجود اس کی طرف سے ظاہر نہ ہوتا۔ تو اس کے حسن کی محبت جان پر کس طرح نقش ہوتی۔
جسم و جاں را کرد پیدا آں یگاں زیں دود دل سوئے اوچوں عاشقاں
جسم اور جان کو اسی یکتا نے پیدا کیا ہے اسی لیے عاشقوں کی طرح دل اس کی طرف دوڑتا ہے۔

(ست بچن۔ر۔خ۔جلد10 صفحہ 113)(درثمین فارسی مترجم صفحہ 215)

فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا۔ (الروم :31)

اسلام انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے اور خدا تعالیٰ نے انسان کو اسلام پر پیدا کیا اور اسلام کے لئے پیدا کیا **ہے یعنی یہ چاہا ہے کہ انسان اپنے تمام قویٰ کے ساتھ اس کی پرستش' اطاعت اور محبت میں لگ جائے اسی وجہ سے اس قادر کریم نے انسان کو تمام قویٰ اسلام کے مناسب حال عطا کئے ہیں......انسان کو جو کچھ اندرونی اور بیرونی اعضاء دیئے گئے ہیں یا جو کچھ قوتیں عنایت ہوئی ہیں اصل مقصود ان سے خدا کی معرفت اور خدا کی پرستش اور خدا تعالیٰ کی محبت ہے اسی وجہ سے انسان دنیا میں ہزاروں شغلوں کو اختیار کر کے پھر بھی بجز خدا تعالیٰ کے اپنی سچی خوشحالی کسی میں نہیں پاتا۔ بڑا دولتمند ہو کر' بڑا عہدہ پا کر' بڑا تاجر بن کر' بڑی بادشاہی تک پہنچ کر' بڑا فلاسفر کہلا کر آخر ان دنیوی گرفتاریوں سے بڑی حسرتوں کے ساتھ جاتا ہے اور ہمیشہ دل اس کا دنیا کے استغراق سے اس کو ملزم کرتا رہتا ہے اور اس کے مکروں اور فریبوں اور ناجائز کاموں میں کبھی اس کا کانشنس اس سے اتفاق نہیں کرتا۔** (اسلامی اصول کی فلاسفی۔ر۔خ۔جلد 10 صفحہ 415)

مجھے اس یار سے پیوند جاں ہے وہی جنت وہی دارالاماں ہے
بیان اس کا کروں طاقت کہاں ہے محبت کا تو اک دریا رواں ہے
یہ کیا احساں ہیں تیرے میرے ہادی **فسبحان الذی اخزی الاعادی**
ترے کوچے میں کن راہوں سے آؤں وہ خدمت کیا ہے جس سے تجھکو پاؤں
محبت ہے کہ جس سے کھینچا جاؤں خدائی ہے خودی جس سے جلاؤں
محبت چیز کیا کس کو بتاؤں وفا کیا راز ہے کس کو سناؤں
میں اس آندھی کو اب کیونکر چھپاؤں یہی بہتر کہ خاک اپنی اڑاؤں
کہاں ہم اور کہاں دنیائے مادی **فسبحان الذی اخزی الاعادی**

(بشیر احمد شریف احمد اور مبارکہ کی آمین)(درثمین اردو صفحہ 50)

محبت کا لفظ حقیقی طور سے خدا کے لئے خاص ہے

اور اس سوال کی تیسری جزیہ ہے کہ قرآن شریف میں یہ کہاں لکھا ہے کہ انسان انسان کے ساتھ محبت کرے۔اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن نے اسجگہ بجائے محبت کے رحم اور ہمدردی کا لفظ لیا ہے **کیونکہ محبت کا انتہا عبادت ہے اسلئے محبت کا لفظ حقیقی طور پر خدا سے خاص ہے۔** اور نوع انسان کیلئے بجائے محبت کے خدا کے کلام میں رحم اور احسان کا لفظ آیا ہے کیونکہ کمال محبت پرستش کو چاہتا ہے اور کمال رحم ہمدردی کو چاہتا ہے۔ اس فرق کو غیر قوموں نے نہیں سمجھا۔اور خدا کا حق غیروں کو دیا۔میں یقین نہیں رکھتا کہ یسوع کے منہ سے ایسا مشرکانہ لفظ نکلا ہو۔ بلکہ میرا گمان ہے کہ پیچھے سے یہ مکروہ الفاظ انجیلوں میں ملا دیئے گئے ہیں۔**محبت کا لفظ جہاں کہیں باہم انسانوں کی نسبت آیا بھی ہو اس سے درحقیقت حقیقی محبت مراد نہیں بلکہ اسلامی تعلیم کی رو سے حقیقی محبت صرف خدا سے خاص ہے۔اور دوسری محبتیں غیر حقیقی اور مجازی طور پر ہیں۔**

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ر۔خ۔جلد 12 صفحہ 369 مع حاشیہ)

'انسان' کے معانی ہیں دو اُنس

حکمت الٰہیہ نے آدم کو ایسے طور سے بنایا کہ فطرت کی ابتدا سے ہی اس کی سرشت میں دو قسم کے تعلق قائم کر دیئے۔یعنی ایک تعلق تو خدا سے قائم کیا جیسا قرآن شریف میں فرمایا **فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ** یعنی جب میں اس کو ٹھیک ٹھاک بنالوں اور میں اپنی روح اس میں پھونک دوں تو اے فرشتو اس وقت تم سجدہ میں گر جاؤ۔

مذکورہ بالا آیت سے صاف ثابت ہے کہ خدا نے آدم میں اس کی پیدائش کے ساتھ ہی اپنی روح پھونک کر اس کی فطرت کو اپنے ساتھ ایک تعلق قائم کر دیا۔سو یہ اس لئے کیا گیا کہ تا انسان کو فطرتاً خدا سے تعلق پیدا ہو جاوے۔ ایسا ہی دوسری طرف یہ بھی ضروری تھا کہ ان لوگوں سے بھی فطرتی تعلق ہو جو بنی نوع کہلائیں گے کیونکہ جبکہ ان کا وجود آدم کی ہڈی میں سے ہڈی اور گوشت میں سے گوشت ہوگا تو وہ ضرور اس روح میں سے بھی حصہ لیں گے جو آدم میں پھونکی گئی۔

(ریویو آف ریلیجنز جلد 11 نمبر 5 صفحہ 177-178 بابت مئی 1902)(تفسیر حضرت اقدس جلد پنجم صفحہ 128)

خدا تعالیٰ سے محبت کا طریق

تمام طریق جن کا قرآن شریف میں کوئی ذکر نہیں انسانی اختراع اور خیالات ہیں جن کا نتیجہ کبھی کچھ نہیں ہوا۔**قرآن شریف اگر کچھ بتاتا ہے تو یہ کہ خدا سے یوں محبت کرو۔ اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرة:166) کے مصداق بنو اور فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (ال عمران :32) پر عمل کرو اور ایسی فناء اتم تم پر آ جاوے کہ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا (المزمل:9) کے رنگ سے تم رنگین ہو جاؤ اور خدا تعالیٰ کو سب چیزوں پر مقدم کر لو یہ امور ہیں جن کے حصول کی ضرورت ہے۔** نادان انسان اپنے عقل اور خیال کے پیمانہ سے خدا کو ناپنا چاہتا ہے اور اپنی اختراع سے چاہتا ہے کہ اس سے تعلق پیدا کرے اور یہی ناممکن ہے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 559)

پس مبارک وہ مذہب جس کا نام اسلام ہے۔ ایسا ہی خدا کی محبت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرة:166) یعنے ایماندار وہ ہیں جو سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھتے ہیں۔ پھر ایک جگہ فرماتا ہے۔ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ آبَاءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا (البقرة:201) یعنے خدا کو ایسا یاد کرو جیسا کہ تم اپنے باپوں کو یاد کرتے تھے بلکہ اس سے زیادہ اور سخت درجہ کی محبت کے ساتھ یاد کرو۔ اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے۔ قل ان صلوٰتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العلمین (الانعام:163) یعنے انکو جو تیری پیروی کرنا چاہتے ہیں یہ کہدے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا مرنا اور میرا زندہ رہنا سب اللہ تعالیٰ کیلئے ہے یعنے جو میری پیروی کرنا چاہتا ہے وہ بھی اس قربانی کو ادا کرے۔ اور پھر ایک جگہ فرمایا کہ اگر تم اپنی جانوں اور اپنے دوستوں اور اپنے باغوں اور اپنی تجارتوں کو خدا اور اسکے رسول سے زیادہ پیاری چیزیں جانتے ہو تو الگ ہو جاؤ۔ جب تک خدا تعالیٰ فیصلہ کرے۔ اور ایسا ہی ایک جگہ فرمایا۔ وَ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا۔ اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُکُوْرًا (الدھر 9-10) یعنے مومن وہ ہیں جو خدا کی محبت سے مسکینوں اور یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں اور انہیں کہتے ہیں کہ ہم محض خدا کی محبت اور اسکے منہ کیلئے تمہیں دیتے ہیں۔ ہم تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتے اور نہ شکر گذاری چاہتے ہیں۔ (سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ ر۔خ۔ جلد 12 صفحہ 368-367)

محبت یکطرفہ نہیں ہوتی

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ۔ (الذّٰریٰت:57)

میں نے پرستش کے لئے ہی جن وانس کو پیدا کیا ہے۔ ہاں یہ پرستش اور حضرت عزت کے سامنے دائمی حضور کے ساتھ کھڑا ہونا بجز محبت ذاتیہ کے ممکن نہیں اور محبت سے مراد یکطرفہ محبت نہیں بلکہ خالق اور مخلوق کی دونوں محبتیں مراد ہیں تا بجلی کی آگ کی طرح جو مرنے والے انسان پر گرتی ہے اور جو اس وقت اس انسان کے اندر سے نکلتی ہے بشریت کی کمزوریوں کو جلا دیں اور دونوں مل کر تمام روحانی وجود پر قبضہ کر لیں۔

(براھین احمدیہ حصہ پنجم۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 218-217)

قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (الانعام:163)

یعنی کہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لئے ہے اور جب انسان کی محبت خدا کے ساتھ اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کا مرنا اور جینا اپنے لئے نہیں بلکہ خدا ہی کے لئے ہو جائے۔ **تب خدا جو ہمیشہ سے پیار کرنے والوں کے ساتھ پیار کرتا آیا ہے اپنی محبت کو اس پر اتارتا ہے اور ان دونوں محبتوں کے ملنے سے انسان کے اندر ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کو دنیا نہیں پہچانتی اور نہ سمجھ سکتی ہے اور ہزاروں صدیقوں اور برگزیدوں کا اسی لئے خون ہوا کہ دنیا نے ان کو نہیں پہچانا۔ وہ اسی لئے مکار اور خود غرض کہلائے کہ دنیا ان کے نورانی چہرہ کو دیکھ نہ سکی** جیسا کہ فرماتا ہے۔

یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَ ھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ (الاعراف:199)

یعنی وہ جو منکر ہیں تیری طرف دیکھتے تو ہیں مگر تو انہیں نظر نہیں آتا۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ۔ جلد 10 صفحہ 384)

حقیقی محبت الٰہی

یاد رکھنا چاہئے کہ خدائے تعالیٰ سے کمال محبت کی یہ علامت ہے کہ محبّ میں ظلی طور پر الٰہی صفات پیدا ہو جائیں اور جب تک ایسا ظہور میں نہ آوے تب تک دعویٰ محبت جھوٹ ہے۔ محبت کاملہ کی مثال بعینہٖ لوہے کی وہ حالت ہے جب کہ وہ آگ میں ڈالا جائے اور اس قدر آگ اس میں اثر کرے کہ وہ خود آگ بن جائے۔ پس اگر چہ وہ اپنی اصلیت میں لوہا ہے آگ نہیں ہے مگر چونکہ آگ نہایت درجہ اس پر غلبہ کر گئی ہے اس لئے آگ کے صفات اس سے ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ آگ کی طرح جلا سکتا ہے آگ کی طرح اس میں روشنی ہے۔ پس محبت الٰہیہ کی حقیقت یہی ہے کہ انسان اس رنگ سے رنگین ہو جائے۔

(براھین احمدیہ حصہ پنجم۔ ر۔خ۔ جلد21 صفحہ 124-123)

صوفی کہتے ہیں جب تک محبت ذاتی نہ ہو جاوے ایسی محبت کہ بہشت اور دوزخ پر بھی نظر نہ ہو اس وقت تک کامل نہیں ہوتا اس سے پہلے اس کا خدا بہشت اور دوزخ ہوتے ہیں لیکن جب وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اس کیلئے اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ (حٰمٓ السجدة :41) کا حکم ہوتا ہے کیونکہ ان کی رضا خدا کی رضا ہوتی ہے۔ جب تک یہ حال نہ ہو اندیشہ ہوتا کہ نیکی ضائع نہ ہو جائے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 631)

حضرت اقدس کی بعثت کی علت غائی محبت الٰہی ہے

ہماری بعثت کی علت غائی بھی تو یہی ہے کہ رستہ منزلِ جاناں کے بھولے بھٹکوں، دل کے اندھوں جذام ضلالت کے مبتلاؤں۔ ہلاکت کے گڑھے میں گرنے والے کور باطنوں کو صراط مستقیم پر چلا کر وصال ذات ذوالجلال کا شیریں جام پلایا جاوے اور عرفانِ الٰہی کے اس نقطہ انتہائی تک ان کو پہنچایا جاوے تا کہ ان کو حیات ابدی و راحت دائمی نصیب ہو اور جوار رحمت ایزدی میں جگہ لے کر مست و سرشار رہیں۔

ہماری معیت اور رفاقت کی پاک تاثیرات کے ثمرات حسنہ بالکل صاف ہیں۔ ہاں ان کے ادراک کیلئے فہم رسا چاہیئے۔ ان کے حصول کے لیے رشد وصفا چاہیئے۔ ساتھ ہی استقامت کے لیے اتقا چاہیئے ورنہ ہماری جانب سے تو چار دانگ کے عالم کے کانوں میں عرصہ سے کھول کھول کر منادی ہو رہی ہے۔

بیآمدم کہ رہِ صدق را در خشانم — بدلستاں برم آنزاکہ پارسا باشد
کسیکہ سایہء بالِ ہماش سود نداد — ببایدش کہ دو روزے بظلِ ما باشد
گلے کہ روئے خزاں را گہے نخواہد دید — بباغِ ماست اگر قسمتت رسا باشد

ترجمہ:- میں اس لئے آیا ہوں کہ سچائی کی راہ دکھاؤں۔ اور جو نیک ہے اس کو محبوب تک پہنچاؤں۔ ایسا شخص جس کو ہما کا سایہ بھی فائدہ نہیں چاہتا اس کو چاہئے کہ ایک دو دن میرے سائے میں بیٹھے۔ وہ پھول جو کبھی خزاں کا منہ نہیں دیکھتا وہ میرے پاس ہے۔ اگر تیری قسمت ہے تو لے لے۔

ہم نے تو اس مائدہ الٰہی کو ہر کس و ناکس کے آگے رکھنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا مگر آگے ان کی اپنی قسمت۔ و ما علینا الا البلاغ۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 466)

اِذۡ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔ (البقرہ:132)

میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اپنی جماعت کو وصیت کروں اور یہ بات پہنچا دوں کہ آئندہ ہر ایک کا اختیار ہے کہ وہ اسے سنے یا نہ سنے کہ اگر کوئی نجات چاہتا ہے اور حیات طیبہ اور ابدی زندگی کا طلب گار ہے تو وہ اللہ کے لیے اپنی زندگی وقف کرے اور ہر ایک اس کوشش اور فکر میں لگ جاوے کہ وہ اس درجہ اور مرتبہ کو حاصل کرے کہ کہہ سکے کہ میری زندگی میری موت میری قربانیاں میری نمازیں اللہ ہی کے لیے ہیں اور حضرت ابراہیم کی طرح اس کی روح بول اٹھے اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ **جب تک انسان خدا میں کھویا نہیں جاتا خدا میں ہو کر نہیں مرتا وہ نئی زندگی پا نہیں سکتا۔ پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو تم دیکھتے ہو کہ خدا کے لیے زندگی کا وقف مَیں اپنی زندگی کی اصل اور غرض سمجھتا ہوں پھر تم اپنے اندر دیکھو کہ تم میں سے کتنے ہیں جو میرے اس فعل کو اپنے لیے پسند کرتے اور خدا کے لیے زندگی وقف کرنے کو عزیز رکھتے ہیں۔**

(ملفوظات جلد اول صفحہ 370)

روئے دلبر از طلبگاراں نمی دارد حجاب　　میدرخشد در خورد ے تا بداندر ماہتاب

دلبر کا چہرہ طالبوں سے پوشیدہ نہیں ہے وہ سورج میں بھی چمکتا ہے اور چاند میں بھی۔

لیکن آں روئے حسین از غافلاں ماند نہاں　　عشقے باید کہ بردارند از بہرش نقاب

لیکن وہ حسین چہرہ غافلوں سے پوشیدہ ہے سچا عاشق چاہیے تا کہ اس کی خاطر نقاب اٹھائی جائے۔

دامن پاکش زنخوتہا نمے آید بدست　　ہیچ راہے نیست غیر از عجز و درد و اضطراب

اس کا مقدس دامن تکبر سے ہاتھ نہیں آتا اس کے لیے کوئی راہ سوائے درد اور بے قراری کے نہیں ہے۔

بس خطرناک است راہِ کوچہء یارِ قدیم　　جاں سلامت بایدت از خودروی ہا سر بتاب

اس محبوب ازلی کا راستہ بہت خطرناک ہے اگر تجھے جان کی سلامتی چاہیئے تو خودروی کو ترک کردے۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 198-197)(برکات الدعا۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 33)

قُلۡ اِنۡ کَانَ اٰبَآؤُکُمۡ وَ اَبۡنَآؤُکُمۡ وَ اِخۡوَانُکُمۡ وَ اَزۡوَاجُکُمۡ وَ عَشِیۡرَتُکُمۡ وَ اَمۡوَالُ ۣ اقۡتَرَفۡتُمُوۡهَا وَ تِجَارَۃٌ تَخۡشَوۡنَ کَسَادَهَا وَ مَسٰکِنُ تَرۡضَوۡنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیۡکُمۡ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَجِهَادٍ فِیۡ سَبِیۡلِهٖ فَتَرَبَّصُوۡا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰهُ بِاَمۡرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَایَهۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ۔ (التوبہ:24)

یعنی ان کو کہہ دے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہاری برادری اور تمہارے وہ مال جو تم نے محنت سے کمائے ہیں اور تمہاری سوداگری جس کے بند ہونے کا تمہیں خوف ہے اور تمہاری حویلیاں جو تمہارے دل پسند ہیں خدا سے اور اس کے رسول سے اور خدا کی راہ میں اپنی جانوں کو لڑانے سے زیادہ پیارے ہیں تو تم اس وقت تک منتظر رہو کہ جب تک خدا اپنا حکم ظاہر کرے اور خدا بدکاروں کو کبھی اپنی راہ نہیں دکھائے گا۔

ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ خدا کی مرضی کو چھوڑ کر اپنے عزیزوں اور مالوں سے پیار کرتے ہیں وہ خدا کی نظروں میں بدکار ہیں۔ وہ ضرور ہلاک ہوں گے کیونکہ انہوں نے غیر کو خدا پر مقدم رکھا۔ **یہی وہ تیسرا مرتبہ ہے جس میں وہ شخص باخدا بنتا ہے جو اس کے لیے ہزاروں بلائیں خریدے اور خدا کی طرف ایسے صدق اور اخلاص سے جھک جائے کہ خدا کے سوا کوئی اس کا نہ رہے گویا سب مر گئے۔**

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ۔ جلد10 صفحہ 383-382)

سینہ مے باید تہی از غیرِ یار ! دل ہمے باید پُر از یادِ نگار !

یار کے سوا ہر چیز سے سینہ خالی ہونا چاہیئے اور دل محبوب کی یاد سے بھرا رہنا چاہیئے۔

جاں ہمے باید براہ اُو فدا سر ہمے باید بپائے اُو نثار

جان اس کی راہ میں قربان ہونی چاہیئے اور سر اُس کے قدموں میں نثار ہونا چاہیئے۔

ہیچ دانی چیست دینِ عاشقاں گویمت گر بشنوی عشاق وار

کیا تجھے معلوم ہے کہ عاشقوں کا دین کیا ہوتا ہے؟ میں تجھے بتاتا ہوں اگر تو عاشقوں کی طرح سنے۔

از ہمہ عالم فرو بستن نظر لوحِ دل شستن ز غیرِ دوستدار

وہ یہ ہے کہ سارے جہاں کی طرف سے آنکھ بند کر لینا اور دوست کے سوا ہر چیز سے دل کی تختی کو دھوڈالنا۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 150)(سرمہ چشم آریہ۔ ر۔خ۔ جلد2 صفحہ 258 حاشیہ)

اصل حقیقت اوراصل سرچشمہ نجات کا محبت ذاتی ہے جو وصال الٰہی تک پہنچاتی ہے وجہ یہ کہ کوئی محبؔ اپنے محبوب سے جدا نہیں رہ سکتا اور چونکہ خدا خود نور ہے اس لیے اس کی محبت سے نور نجات پیدا ہو جاتا ہے اور وہ محبت جو انسان کی فطرت میں ہے خدا تعالیٰ کی محبت کو اپنی طرف کھینچتی ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کی محبت ذاتی انسان کی محبت ذاتی میں ایک خارق عادت جوش بخشتی ہے اور ان دونوں محبتوں کے ملنے سے ایک فنا کی صورت پیدا ہو کر بقاء باللہ کا نور پیدا ہو جاتا ہے اور یہ بات کہ دونوں محبتوں کا باہم ملنا ضروری طور پر اس نتیجہ کو پیدا کرتا ہے کہ ایسے انسان کا انجام فنا فی اللہ ہو اور خاکستر کی طرح بے وجود ہو کر (جو حجاب ہے) سراسر عشق الٰہی میں روح غرق ہو جائے۔ اس کی مثال وہ حالت ہے کہ جب انسان پر آسمان سے صاعقہ پڑتی ہے تو اس آگ کی کشش سے انسان کے بدن کی اندرونی آگ یک دفعہ باہر آ جاتی ہے تو اس کا نتیجہ جسمانی فنا ہوتا ہے **پس دراصل یہ روحانی موت بھی اسی طرح دو قسم کی آگ کو چاہتی ہے ایک آسمانی آگ اور ایک اندرونی آگ اور دونوں کے ملنے سے وہ فنا پیدا ہو جاتی ہے جس کے بغیر سلوک تمام نہیں ہو سکتا یہی فنا وہ چیز ہے جس پر سالکوں کا سلوک ختم ہو جاتا ہے** اور جو انسانی مجاہدات کی آخری حد ہے۔ اسی فنا کے بعد فضل اور موہبت کے طور پر مرتبہ بقا کا انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو یہ مرتبہ ملا انعام کے طور پر ملا یعنی محض فضل سے نہ کسی عمل کا اجر اور یہ عشق الٰہی کا آخری نتیجہ ہے جس سے ہمیشہ کی زندگی حاصل ہوتی ہے اور موت سے نجات ہوتی ہے۔ (چشمہ مسیحی۔ ر۔ خ۔ جلد 20 صفحہ 364-365)

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ط وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْئَلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ۔ (محمد:37)

خدا تعالیٰ کے ساتھ انسان کا ایک خاص تعلق ہے۔ اہل عرفان لوگوں نے بشریت اور ربوبیت کے جوڑہ پر بہت لطیف بحثیں کی ہیں۔ اگر بچے کا منہ پتھر سے لگائیں تو کیا کوئی دانشمند خیال کر سکتا ہے کہ اس پتھر میں سے دودھ نکل آئے گا اور بچہ سیر ہو جائے گا ہرگز نہیں۔ **اسی طرح پر جب تک انسان خدا تعالیٰ کے آستانہ پر نہیں گرتا اس کی روح ہمہ نیستی ہو کر ربوبیت سے تعلق پیدا نہیں کرتی اور نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ عدم یا مشابہ بالعدم نہ ہو کیونکہ ربوبیت اس کو چاہتی ہے اس وقت تک وہ روحانی دودھ سے پرورش نہیں پا سکتا۔**

(ملفوظات جلد اول صفحہ 137)

تم اس بات کو سمجھ لو کہ تمہارے پیدا کرنے سے خدا تعالیٰ کی غرض یہ ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے لئے بن جاؤ۔ دنیا تمہاری مقصود بالذات نہ ہو۔ میں اس لئے بار بار اس امر کو بیان کرتا ہوں کہ میرے نزدیک یہی ایک بات ہے اس کے لئے انسان آیا ہے اور یہی بات ہے جس سے وہ دور پڑا ہؤا ہے **میں یہ نہیں کہتا کہ تم دنیا کے کاروبار چھوڑ دو۔ بیوی بچوں سے الگ ہو کر کسی جنگل یا پہاڑ میں جا بیٹھو۔ اسلام اس کو جائز نہیں رکھتا** اور رہبانیت اسلام کا منشا نہیں اسلام تو انسان کو چست' ہوشیار اور مستعد بنانا چاہتا ہے اس لئے میں تو کہتا ہوں کہ تم اپنے کاروبار کو جد وجہد سے کرو۔ حدیث میں آیا ہے کہ جس کے پاس زمین ہو وہ اس کا تردّد نہ کرے تو اس سے مؤاخذہ ہوگا۔ پس اگر کوئی اس سے یہ مراد لے کہ دنیا کے کاروبار سے الگ ہو جاوے وہ غلطی کرتا ہے نہیں اصل بات یہ ہے کہ یہ سب کاروبار جو تم کرتے ہو اس میں دیکھ لو کہ خدا تعالیٰ کی رضا مقصود ہو اور اس کے ارادہ سے باہر نکل کر اپنی اغراض اور جذبات کو مقدم نہ کرنا۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 118)

اِس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو — اُس یار کے لئے رہِ عشرت کو چھوڑ دو
لعنت کی ہے یہ راہ سو لعنت کو چھوڑ دو — ورنہ خیالِ حضرتِ عزت کو چھوڑ دو
تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول — تا تم پہ ہو ملائکہ عرش کا نزول
اسلام چیز کیا ہے ؟ خدا کے لئے فنا — ترکِ رضائے خویش پئے مرضیٔ خدا
جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات — اس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات

(درثمین صفحہ 103) (براہین احمدیہ۔ ر۔ خ۔ جلد 21 صفحہ 18)

وَ يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا۔ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا۔ (الدھر :18-19)

وہ جو نیکوکار ہیں وہ اسی دنیا میں ایسا کافوری شربت پی رہے ہیں جس نے ان کے دلوں میں سے دنیا کی محبت ٹھنڈی کر دی ہے اور دنیا طلبی کی پیاس بجھا دی ہے۔ کافوری شربت کا ایک چشمہ ہے جو ان کو عطا کیا جاتا ہے اور وہ اس چشمہ کو پھاڑ پھاڑ کر نہر کی صورت پر کر دیتے ہیں تا وہ نزدیک اور دور کے پیاسوں کو اس میں شریک کر دیں اور جب وہ چشمہ نہر کی صورت پر آ جاتا ہے اور قوت ایمانی بڑھ جاتی ہے اور محبت الٰہی نشو ونما پانے لگتی ہے تب ان کو ایک اور شربت پلایا جاتا ہے جو زنجبیلی شربت کہلاتا ہے۔ یعنی پہلے تو وہ کافوری شربت پیتے ہیں جس کا کام اس قدر ہے کہ دنیا کی محبت ان کے دلوں پر سے ٹھنڈی کر دے **لیکن بعد اس کے وہ ایک گرم شربت کے بھی محتاج ہیں تا خدا کی محبت کی گرمی ان میں بھڑکے کیونکہ صرف بدی کا ترک کرنا کمال نہیں ہے۔ پس اسی کا نام زنجبیلی شربت ہے اور اس چشمہ کا نام سلسبیل ہے جس کے معنے ہیں خدا کی راہ پوچھ۔** (لیکچر لاہور۔ ر۔ خ۔ جلد 20 صفحہ 159-158)

اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهۡلِهَا وَ اِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُکُمۡ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ۔(النساء:59)

امانت سے مراد انسان کامل کے وہ تمام قویٰ اور عقل اور علم اور دل اور جان اور حواس اور خوف اور محبت اور عزت اور وجاہت اور جمیع نعماء روحانی وجسمانی ہیں جو خدا تعالیٰ انسان کامل کو عطا کرتا ہے اور پھر انسان کامل برطبق آیت اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهۡلِهَا اس ساری امانت کو جناب الٰہی کو واپس دیدیتا ہے یعنی اس میں فانی ہو کر اس کے راہ میں وقف کر دیتا ہے۔......اور یہ شان اعلیٰ اور اکمل اور اتم طور پر ہمارے سید ہمارے مولیٰ ہمارے ہادی نبی امی صادق مصدوق محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی تھی۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد5 صفحہ 161-162)

حصول دیدار باری تعالیٰ

قرآن شریف میں اس تعلیم کو پیش کرتا ہے جس کے ذریعہ سے اور جس پر عمل کرنے سے اسی دنیا میں دیدار الٰہی میسر آ سکتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ مَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا (الکھف:111) یعنی جو شخص چاہتا ہے کہ اسی دنیا میں اس خدا کا دیدار نصیب ہو جائے جو حقیقی خدا اور پیدا کنندہ ہے پس چاہئے کہ وہ ایسے نیک عمل کرے جن میں کسی قسم کا فساد نہ ہو۔ یعنی عمل اس کے نہ لوگوں کے دکھلانے کے لئے ہوں نہ ان کی وجہ سے دل میں تکبر پیدا ہو کہ میں ایسا ہوں اور ایسا ہوں اور نہ وہ عمل ناقص اور ناتمام ہوں اور نہ ان میں کوئی ایسی بدبو ہو جو محبت ذاتی کے برخلاف ہو بلکہ چاہئے کہ صدق اور وفاداری سے بھرے ہوئے ہوں اور ساتھ اس کے یہ بھی چاہئے کہ ہر ایک قسم کے شرک سے پرہیز ہو نہ سورج نہ چاند نہ آسمان کے ستارے نہ ہوا نہ آگ نہ پانی نہ کوئی اور زمین کی چیز معبود ٹھہرائی جائے اور نہ دنیا کے اسباب کو ایسی عزت دی جائے اور ایسا ان پر بھروسہ کیا جائے کہ گویا وہ خدا کے شریک ہیں اور نہ اپنی ہمت اور کوشش کو کچھ چیز سمجھا جائے کہ یہ بھی شرک کے قسموں میں سے ایک قسم ہے بلکہ سب کچھ کر کے یہ سمجھا جائے کہ ہم نے کچھ نہیں کیا۔ اور نہ اپنے علم پر کوئی غرور کیا جائے اور نہ اپنے عمل پر کوئی ناز۔ بلکہ اپنے تئیں فی الحقیقت جاہل سمجھیں اور کاہل سمجھیں اور خدا تعالیٰ کے آستانہ پر ہر ایک وقت روح گری رہے اور دعاؤں کے ساتھ اس کے فیض کو اپنی طرف کھینچا جائے۔ اور اس شخص کی طرح ہو جائیں کہ جو سخت پیاسا اور بے دست و پا بھی ہے اور اس کے سامنے ایک چشمہ نمودار ہوا ہے نہایت صافی اور شیریں۔ پس اس نے افتاں وخیزاں بہرحال اپنے تئیں اس چشمہ تک پہنچا دیا اور اپنی لبوں کو اس چشمہ پر رکھ دیا اور علیحدہ نہ ہوا جبتک سیراب نہ ہوا۔ (لیکچر لاہور۔ر۔خ۔جلد20 صفحہ 154)

دوسری فصل

محبت الٰہی اور اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (اٰل عمران:32)

روحانیت کے نشوونما اور زندگی کے لئے صرف ایک ہی ذریعہ خدا تعالیٰ نے رکھا ہے اور وہ اتباع رسول ہے......قرآن شریف اگر کچھ بتاتا ہے تو یہ کہ خدا سے یوں محبت کرو۔ اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ کے مصداق بنو اور فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ پر عمل کرو ایسی فناء اتم تم پر آ جاوے کہ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيلًا کے رنگ سے تم رنگین ہو جاؤ۔ اور خدا تعالیٰ کو سب چیزوں پر مقدم کرلو۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 559-558)

اللہ تعالیٰ کی محبت کامل طور پر انسان اپنے اندر پیدا نہیں کرسکتا جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور طرز عمل کو اپنا رہبر اور ہادی نہ بنالے چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت فرمایا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ یعنی محبوب الٰہی بننے کے لیے ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جاوے۔ سچی اتباع آپ کے اخلاق فاضلہ کا رنگ اپنے اندر پیدا کرنا ہوتا ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 62)

ان کو کہہ دو کہ تم اگر چاہتے ہو کہ محبوب الٰہی بن جاؤ اور تمہارے گناہ بخش دیئے جاویں تو اس کی ایک ہی راہ ہے کہ میری اطاعت کرو۔

کیا مطلب کہ میری پیروی ایک ایسی شے ہے جو رحمت الٰہی سے ناامید ہونے نہیں دیتی گناہوں کی مغفرت کا باعث ہوتی اور اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے۔ اور تمہارا یہ دعویٰ کہ ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اسی صورت میں سچا اور صحیح ثابت ہوگا کہ تم میری پیروی کرو۔

اس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے کسی خود تراشیدہ طرز ریاضت و مشقت اور جپ تپ سے اللہ تعالیٰ کا محبوب اور قرب الٰہی کا حقدار نہیں بن سکتا انوار و برکات الٰہیہ کسی پر نازل نہیں ہوسکتیں جب تک وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کھویا نہ جاوے۔

اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں گم ہو جاوے اور آپ کی اطاعت اور پیروی میں ہر قسم کی موت اپنی جان پر وارد کرلے اس کو وہ نور ایمان۔ محبت اور عشق دیا جاتا ہے جو غیر اللہ سے رہائی دلا دیتا ہے۔ اور گناہوں سے رستگاری اور نجات کو موجب ہوتا ہے۔ اسی دنیا میں وہ ایک پاک زندگی پاتا ہے۔ اور نفسانی جوش و جذبات کی تنگ و تاریک قبروں سے نکال دیا جاتا ہے اسی کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِیْ یعنی میں وہ مردوں کو اٹھانے والا ہوں جس کے قدموں پر لوگ اٹھائے جاتے ہیں۔
(ملفوظات جلد اول صفحہ 427-426)

ربط ہے جانِ محمدؐ سے مری جاں کو مدام — دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے
مصطفٰے پر تیرا بے حد ہو سلام اور رحمت — اس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے

قرب الٰہی کا واسطہ قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

ہر ایک شخص کو خود بخود خدا سے ملاقات کرنے کی طاقت نہیں اس کے واسطے واسطہ ضرور ہے اور وہ واسطہ قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس واسطے جو آپ کو چھوڑتا ہے وہ کبھی بامراد نہ ہوگا انسان تو دراصل بندہ یعنی غلام ہے غلام کا کام یہ ہوتا ہے کہ مالک جو حکم کرے اسے قبول کرے اسی طرح اگر تم چاہتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض حاصل کرو تو ضرور ہے کہ اس کے غلام ہو جاؤ قرآن کریم میں خدا فرماتا ہے قُلْ يَاعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ (الزمر:54) اس جگہ بندوں سے مراد غلام ہی ہیں۔ نہ کہ مخلوق۔ رسول کریم کے بندہ ہونے کے واسطے ضروری ہے کہ آپ پر درود پڑھو اور آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کرو۔ سب حکموں پر کاربند رہو جیسے کہ حکم ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران :32) اگر تم خدا سے پیار کرنا چاہتے ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے فرماں بردار بن جاؤ اور رسول کریم کی راہ میں فنا ہو جاؤ تب خدا تم سے محبت کریگا۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 234-233)

کل انبیاء۔ اولیاء۔ اتقیا۔ اور صالحین کا ایک یہ مجموعی مسئلہ ہے کہ پاک کرنا خدا کا کام ہے اور خدا کے اس فضل کے جذب کے واسطے اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازبس ضروری اور لازمی ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران :32) سورج دنیا موجود ہے مگر چشم بینا بھی تو چاہیئے۔ خداتعالیٰ کا قانون قدرت لغو اور بے فائدہ نہیں ہے۔ جو ذرائع کسی امر کے حصول کے خدا نے بنائے ہیں آخر انہیں کی پابندی سے وہ نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ کان سننے کے واسطے خدا نے بنائے ہیں مگر دیکھ نہیں سکتے۔ آنکھ جو دیکھنے کے واسطے بنائی گئی ہے وہ سننے کا کام نہیں کرسکتی۔ بس اسی طرح خدا کے فضل کے فیضان کے حصول کی جو راہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے اسے باہر رہ کر کیسے کوئی کامیاب ہوسکتا ہے۔

حقیقی پاکیزگی اور طہارت ملتی ہے اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکہ خود خدا نے فرمادیا کہ اگر خدا کے محبوب بننا چاہتے ہو تو رسول کی پیروی کرو۔ پس وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمیں کسی نبی یا رسول کی کیا ضرورت ہے وہ گویا کہ اللہ تعالیٰ کے قانون قدرت کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 564)

محمدؐ پر ہماری جاں فدا ہے
کہ وہ کوئے صنم کا راہ نما ہے

رہبرِ کامل

سیدِشان آنکہ نامش مصطفٰے است رہبرِ ہر زمرۂ صدق و صفا است

ان لوگوں کا سردار وہ ہے جس کا نام مصطفٰے ہے تمام اہل صدق وصفا کا وہی رہنما ہے۔

مے درخشد روئے حق دررُوئے اُو بوئے حق آید زبام و کوئے اُو

اس کے چہرہ میں خدا کا چہرہ چمکتا نظر آتا ہے اس کے در و دیوار سے خدا کی خوشبو آتی ہے۔

ہر کمالِ رہبری بروئے تمام پاک روی و پاک ردیاں را امام

رہبری کے تمام کمال اس پر ختم ہیں خود بھی مقدس ہے اور سب مقدسوں کا امام ہے۔

اے خدا : اے چارۂ آزارِ ما کن شفاعت ہائے او درکارِ ما

اے خدا۔اے ہماری تکلیفوں کی دوا ہمارے معاملہ میں اس کی شفاعت ہمیں نصیب کر۔

ہر کہ مہرش در دل و جانش فتد ناگہاں جانے در ایمانش فتد

جس کے جان و دل میں اس کی محبت داخل ہوجاتی ہے تو یکدم اس کے ایمان میں ایک جان پڑ جاتی ہے۔

(ضیاء الحق۔ر۔خ۔9 صفحہ 254)(درثمین فارسی مترجم صفحہ 209)

محبت الٰہی اور نجات اتباع رسولؐ میں ہے

جو شخص یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر نجات ہو سکتی ہے۔وہ جھوٹا ہے۔خدا تعالیٰ نے جو بات ہم کو سمجھائی ہے وہ بالکل اس کے برخلاف ہے۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ (آل عمران :32) اے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) **ان لوگوں کو کہہ دے کہ اگر تم خدا سے پیار کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تم خدا کے محبوب بن جاؤ گے۔ بغیر متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شخص نجات نہیں پا سکتا۔ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض رکھتے ہیں ان کی کبھی خیر نہیں۔** (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 24)

قُلۡ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ۔ (الزمر:54)

اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ ماحصل اس آیت کا یہ ہے کہ جو لوگ دل و جان سے تیرے یا رسول اللہ غلام بن جائیں گے ان کو وہ نور ایمان اور محبت اور عشق بخشا جائے گا کہ جو ان کو غیر اللہ سے رہائی دے دے گا اور وہ گناہوں سے نجات پا جائیں گے اور اسی دنیا میں ایک پاک زندگی ان کو عطا کی جائے گی اور نفسانی جذبات کی تنگ و تاریک قبروں سے وہ نکالے جائیں گے۔اسی کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے اَنَا الۡحَاشِرُ الَّذِیۡ یُحۡشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیۡ یعنی میں وہ مردوں کو اٹھانے والا ہوں جس کے قدموں پر لوگ اٹھائے جاتے ہیں۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد 5 صفحہ 194-193)

انبیاءؑ نمونہ قائم کرنے کے لئے آتے ہیں

حضرت اقدسؑ رسول اکرمؐ کا کامل نمونہ ہیں

دل پروچوں مرغ سوئے مصطفےٰ   ہمچنیں عشقم بروئے مصطفےٰ

ایسا ہی عشق مجھے مصطفےٰ کی ذات سے ہے میرا دل ایک پرندہ کی طرح مصطفےٰ کی طرف اُڑ کر جاتا ہے۔

شد دلم از عشقِ اُو زیر و زبر   تا مرا دادند از حسنش خبر

جب سے مجھے اس کے حسن کی خبر دی گئی ہے میرا دل اس کے عشق میں بے قرار رہتا ہے۔

جاں فشانم گر دہد دل دیگرے   منکہ مے بینم رخِ آں دلبرے

میں اس دلبر کا چہرہ دیکھ رہا ہوں۔ اگر کوئی اسے دل دے تو میں اس کے مقابلہ پر جان نثار کردوں۔

ہر زماں مستم کند از ساغرے   ساقی من ہست آں جاں پرورے

وہی روح پرور شخص تو میرا ساقی ہے جو ہمیشہ جام شراب سے مجھے سرشار رکھتا ہے۔

بوئے او آید زبام و کوئے من   محو روئے اُو شد است ایں روئے من

میرا چہرہ اس کے چہرہ میں محو اور گم ہو گیا اور میرے مکان اور کوچہ سے اسی کی خوشبو آ رہی ہے۔

من ہمانم۔ من ہمانم۔ من ہماں   بسکہ من در عشقِ او ہستم نہاں

بسکہ میں اس کے عشق میں غائب ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں۔

از گریبانم عیاں شد آں ذکا!   جانِ من از جانِ اُو یابد غذا

میری روح اس کی روح سے غذا حاصل کرتی ہے اور میرے گریباں سے وہی سورج نکل آیا ہے۔

اسم من گردید آں اسمِ وحید   احمد اندر جانِ احمد شد پدید

میری جان کے اندر احمد ظاہر ہو گیا اس لیے میرا وہی نام ہو گیا جو اس لاثانی انسان کا نام ہے۔

(سراج منیر۔ ر۔ خ۔ جلد 12 صفحہ 97-96) (درثمین فارسی مترجم صفحہ 228)

ان کمالات النبیین لیست ککمالات رب العالمین و ان اللہ احد صمد و حید لا شریک لہ فی ذاتہ ولا فی صفاتہ واما الا نبیاء فلیسوا کذالک بل جعل اللہ لھم وارثین من المتبعین الصادقین۔ فامتھم ورثاء ھم یجدون ما وجد انبیاء ھم ان کانوا لھم متبعین و الی ھذا اشار فی قولہ عزوجل قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ فانظر کیف جعل الامۃ احباء اللہ بشرط اتباعھم و اقتداء ھم بسید المحبوبین۔

(ترجمہ) نبیوں کے کمالات پروردگار عالم کے کمالات کی طرح نہیں ہوتے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا بے نیاز اور یگانہ ہے اس کی ذات اور صفات میں اس کا کوئی شریک نہیں لیکن نبی ایسے نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے سچے متبعین میں سے ان کے وارث بناتا ہے۔ پس ان کی امت ان کی وارث ہوتی ہے وہ سب کچھ پاتے ہیں جو ان کے نبیوں کو ملا ہو بشرطیکہ وہ ان کے پورے پورے متبع بنیں۔ اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے آیت قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران :32) میں اشارہ فرمایا ہے۔ پس دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے افراد امت کو اپنے محبوب قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ محبوبوں کے سردار (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کریں اور آپ کے نمونہ پر چلیں۔ (کرامات الصادقین۔ ر۔خ۔ جلد 7 صفحہ 131)

انبیاءؑ اپنا مثل قائم کرنا چاہتے ہیں

خدا نے انبیاء علیہم السلام کو اسی لیے دنیا میں بھیجا ہے کہ تا دنیا میں ان کے مثیل قائم کرے اگر یہ بات نہیں تو پھر نبوت لغو ٹھہرتی ہے۔ نبی اس لیے نہیں آتے کہ ان کی پرستش کی جائے بلکہ اس لیے آتے ہیں کہ لوگ ان کے نمونے پر چلیں اور ان سے تشبہ حاصل کریں اور ان میں فنا ہو کر گویا وہی بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران :32)۔ پس خدا جس سے محبت کریگا کونسی نعمت ہے جو اس سے اٹھا رکھے گا اور اتباع سے مراد بھی مرتبہ فنا ہے جو مثیل کے درجے تک پہنچاتا ہے۔ اور یہ مسئلہ سب کا مانا ہوا ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کریگا مگر وہی جو جاہل سفیہ یا ملحد بے دین ہوگا۔ (ایام الصلح۔ ر۔خ۔ جلد 14 صفحہ 412-411)

خدا کی ذات میں بخل نہیں۔ اور نہ انبیاء اس لئے آتے ہیں کہ ان کی پوجا کی جاوے۔ بلکہ اس لیے کہ لوگوں کو تعلیم دیں کہ ہماری راہ اختیار کرنے والے ہمارے ظل کے نیچے آ جاویں گے۔ جیسے فرمایا۔ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران :32)۔ یعنی میری پیروی میں تم خدا کے محبوب بن جاؤ گے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر محبوب ہونے کی بدولت یہ سب اکرام ہوئے مگر جب کوئی اور شخص محبوب بنے گا۔ تو اس کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اگر اسلام ایسا مذہب ہے۔ تو سخت بیزاری ہے ایسے اسلام سے۔ مگر ہرگز اسلام ایسا مذہب نہیں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) تو وہ مائدہ لائے ہیں کہ جو چاہے اس کو حاصل کرے۔ وہ نہ تو دنیا کی دولت لائے اور نہ مہاجن بن کر آئے تھے۔ وہ تو خدا کی دولت لائے تھے اور خود اس کے قاسم تھے پس اگر وہ مال دینا نہیں تھا تو کیا وہ گٹھڑی واپس لے گئے۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 177-176)

آنکہ اورا ظلمتے گیرد براہ نیستش چوں روئے احمد مہر و ماہ

وہ شخص جسے تاریکی گھیر لے اس کے لیے احمد کے چہرہ کی طرح اور کوئی چاند سورج نہیں ہے۔

تابعش بحرِ معانی مے شود از زمینی آسمانی مے شود

اس کا پیرو معرفت کا ایک سمندر بن جاتا ہے اور زمینی سے آسمانی ہو جاتا ہے۔

ہر کہ در راہِ محمدؐ زد قدم انبیاء را شد مثیل آں محترم

جس نے محمد کے طریقہ پر قدم مارا۔ وہ قابل عزت شخص نبیوں کا مثیل بن جاتا ہے۔

تو عجب داری زِ فوزِ ایں مقام پائ بندِ نفس گشتہ صبح و شام

تو اس درجہ کی کامیابی پر تعجب کرتا ہے کیونکہ تو ہر وقت اپنے نفس کا غلام ہے۔

(ضیاء الحق۔ ر۔خ۔9 صفحہ 254)

حضرت اقدسؑ نے یہ مقام آنحضرتؐ کی پیروی سے پایا

میں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی۔ اور میرے لیے اس نعمت کا پانا ممکن نہ تھا اگر میں اپنے سید و مولیٰ فخر الانبیاء اور خیر الوریٰ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے راہوں کی پیروی نہ کرتا۔ سو میں نے جو کچھ پایا اس پیروی سے پایا۔ میں اپنے سچے اور کامل علم سے جانتا ہوں کہ کوئی انسان بجز پیروی اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ معرفت کاملہ کا حصہ پا سکتا ہے۔ اور میں اس جگہ یہ بھی بتلاتا ہوں کہ وہ کیا چیز ہے کہ سچی اور کامل پیروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب باتوں سے پہلے دل میں پیدا ہوتی ہے سو یاد رہے کہ وہ قلب سلیم ہے یعنی دل سے دنیا کی محبت نکل جاتی ہے اور دل ایک ابدی اور لازوال لذت کا طالب ہو جاتا ہے پھر بعد اس کے ایک مصفّٰی اور کامل محبت الٰہی بباعث اس قلب سلیم کے حاصل ہوتی ہے اور یہ سب نعمتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے بطور وراثت ملتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ (آل عمران :32) ۔یعنی ان کو کہدے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے بلکہ یکطرفہ محبت کا دعویٰ بالکل ایک جھوٹ اور لاف وگزاف ہے جب انسان سچے طور پر خدا تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو خدا بھی اس سے محبت کرتا ہے تب زمین پر اس کے لیے ایک قبولیت پھیلائی جاتی ہے اور ہزاروں انسانوں کے دلوں میں ایک سچی محبت اس کی ڈال دی جاتی ہے۔ (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد22 صفحہ 64-65)

آں رسولے کش محمد ہست نام دامن پاکش بدستِ ما مدام!

وہ رسول جس کا نام محمد ہے۔اس کا مقدس دامن ہر وقت ہمارے ہاتھ میں ہے۔

مہر او با شیر شد اندر بدن جاں شد و باجاں بدر خواہد شدن

اس کی محبت ماں کے دودھ کے ساتھ ہمارے بدن میں داخل ہوئی وہ جان بن گئی اور جان کے ساتھ ہی باہر نکلے گی۔

ہست او خیر الرسل خیر الانام ہر نبوت را برو شد اختتام

وہی خیرالرسل اور خیرالانام ہے اور ہر قسم کی نبوت کی تکمیل اس پر ہوگئی۔

ما ازو نوشیم ہر آبے کہ ہست زو شدہ سیراب سیرا بے کہ ہست

جو بھی پانی ہے وہ ہم اسی سے لے کر پیتے ہیں جو بھی سیراب ہے وہ اسی سے سیراب ہوا ہے۔

آنچہ مارا وحی و ایمائے بود! آں نہ از خود از ہماں جائے بود!

جو وحی والہام ہم پر نازل ہوتا ہے وہ ہماری طرف سے نہیں وہیں سے آتا ہے۔

ما ازو یابیم ہر نور و کمال! وصلِ دلدارِ ازل بے او محال!

ہم ہر روشنی اور ہر کمال اسی سے حاصل کرتے ہیں محبوب ازلی کا وصل بغیر اس کے ناممکن ہے۔

اقتدائے قولِ او در جانِ ماست ہرچہ زو ثابت شود ایمانِ ماست

اس کے ہر ارشاد کی پیروی ہماری فطرت میں ہے جو بھی اس کا فرمان ہے اس پر ہمارا پورا ایمان ہے۔

(سراج منیر۔ر۔خ۔12 صفحہ 91-95)(درثمین فارسی مترجم صفحہ 225)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی مقام

سوال: مسیح نے اپنی نسبت یہ کلمات کہے ”میرے پاس آؤ تم جو تھکے اور ماندے ہو کہ میں تمہیں آرام دونگا۔“ اور یہ کہ ”میں روشنی ہوں اور میں راہ ہوں میں زندگی اور راستی ہوں۔“ کیا بانی اسلام نے یہ کلمات یا ایسے کلمات کسی جگہ اپنی طرف منسوب کیے ہیں۔

الجواب: قرآن شریف میں صاف فرمایا گیا ہے۔ **قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ ۔ الخ** (ال عمران: 32) یعنی ان کو کہہ دے کہ اگر خدا سے محبت رکھتے ہو تو آؤ میری پیروی کرو تا خدا بھی تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے۔ یہ وعدہ کہ میری پیروی سے انسان خدا کا پیارا بن جاتا ہے مسیح کے گذشتہ اقوال پر غالب ہے۔ **کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں کہ انسان خدا کا پیارا ہو جائے۔ پس جس کی راہ پر چلنا انسان کو محبوب الٰہی بنا دیتا ہے اس سے زیادہ کس کا حق ہے کہ اپنے تئیں روشنی کے نام سے موسوم کرے۔**

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ر۔خ۔جلد 12 صفحہ 372)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا مقام تو یہ تھا کہ آپ محبوب الٰہی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے دوسرے لوگوں کو بھی اس مقام پر پہنچنے کی راہ بتائی جیسا کہ فرمایا۔ **قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ** یعنی ان کو کہہ دو کہ اگر تم چاہتے ہو کہ محبوب الٰہی بن جاؤ تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا۔ اب غور کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع محبوب الٰہی بنا دیتی ہے۔ تو پھر اور کیا چاہیئے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 407)

تیسری فصل

ذکر الٰہی ۔ یاد الٰہی

فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ وَ اشْکُرُوْا لِیْ وَ لَا تَکْفُرُوْنِ۔(البقرة:153)

اے میرے بندو تم مجھے یاد کیا کرو اور میری یاد میں مصروف رہا کرو میں بھی تم کو نہ بھولوں گا تمہارا خیال رکھونگا اور میرا شکر کیا کرو میرے انعام کی قدر کیا کرو اور کفر نہ کیا کرو۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ذکر الٰہی کے ترک اور اس سے غفلت کا نام کفر ہے پس جو دم غافل وہ دم کافر والی بات صاف ہے۔ (ملفوظات جلد سوم 189)

حقیقی آداب ذکر الٰہی

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا۔(البقرة:201)

فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا ۔**یعنی اپنے اللہ جل شانہ کو ایسے دلی جوش محبت سے یاد کرو جیسا باپوں کو یاد کیا جاتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ مخدوم اس وقت باپ سے مشابہ ہو جاتا ہے جب محبت میں غایت درجہ شدت واقعہ ہو جاتی ہے۔** اور حبّ جو ہر یک کدورت اور غرض سے مصفّا ہے دل کے تمام پردے چیر کر دل کی جڑھ میں اس طرح سے بیٹھ جاتی ہے کہ گویا اس کی جز ہے تب جس قدر جوش محبت اور پیوند شدید اپنے محبوب سے ہے وہ سب حقیقت میں مادر زاد معلوم ہوتا ہے اور ایسا طبیعت سے ہمرنگ اور اس کی جز ہو جاتا ہے کہ سعی اور کوشش کا ذریعہ ہرگز یاد نہیں رہتا اور جیسے بیٹے کو اپنے باپ کا وجود تصور کرنے سے ایک روحانی نسبت محسوس ہوتی ہے ایسا ہی اس کو بھی ہر وقت باطنی طور پر اس نسبت کا احساس ہوتا رہتا ہے اور جیسے بیٹا اپنے باپ کا حلیہ اور نقوش نمایاں طور پر اپنے چہرہ پر ظاہر رکھتا ہے اور اس کی رفتار اور کردار اور خو اور بو بصفائی تام اس میں پائی جاتی ہے علیٰ ہذا القیاس یہی حال اس میں ہوتا ہے۔ (سرمہ چشم آریہ۔ ر۔خ۔ جلد 2 صفحہ 260-259 حاشیہ)

یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جس طرح پر تم اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اس جگہ دو رمز ہیں ایک تو ذکر اللہ کو ذکر اباء سے مشابہت دی ہے اس میں یہ سر ہے کہ اباء کی محبت ذاتی اور فطرتی محبت ہوتی ہے۔ دیکھو بچہ کو جب ماں مارتی ہے وہ اس وقت بھی ماں ماں ہی پکارتا ہے گویا **اس آیت میں اللہ تعالیٰ انسان کو ایسی تعلیم دیتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے فطری محبت کا تعلق پیدا کرے اس محبت کے بعد اطاعت امر اللہ کی خود بخود پیدا ہوتی ہے** یہی وہ اصلی مقام معرفت کا ہے جہاں انسان کو پہنچنا چاہیے یعنی اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے فطری اور ذاتی محبت پیدا ہو جاوے۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 556-555)

اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ (الرعد:29)

قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسی شئے ہے جو قلوب کو اطمینان عطا کرتا ہے جیسا کہ فرمایا۔ اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ۔پس جہاں تک ممکن ہو ذکر الٰہی کرتا رہے اسی سے اطمینان حاصل ہوگا ہاں اس کے واسطے صبر اور محنت درکار ہے۔ اگر گھبرا جاتا اور تھک جاتا ہے تو پھر یہ اطمینان نصیب نہیں ہوسکتا۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 240`239)

اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ اس کے عام معنی تو یہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے قلوب اطمینان پاتے ہیں لیکن اس کی حقیقت اور فلاسفی یہ ہے کہ جب انسان سچے اخلاص اور پوری وفاداری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اور ہر وقت اپنے آپ کو اس کے سامنے یقین کرتا ہے۔ اس سے اس کے دل پر ایک خوف عظمت الٰہی کا پیدا ہوتا ہے۔ وہ خوف اس کو مکروہات اور منہیات سے بچاتا ہے اور انسان تقویٰ اور طہارت میں ترقی کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ اُس پر نازل ہوتے ہیں اور وہ اس کو بشارتیں دیتے ہیں اور الہام کا دروازہ اس پر کھولا جاتا ہے اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کو گویا دیکھ لیتا ہے اور اس کی وراءالوراء طاقتوں کو مشاہدہ کرتا ہے۔ پھر اس کے دل پر کوئی ہم وغم نہیں آسکتا اور طبیعت ہمیشہ ایک نشاط اور خوشی میں رہتی ہے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 356`355)

درود شریف اور محبت الٰہی

یہاں ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے وفات پا جانا تھا اس لیے ظاہری طور پر ایک نمونہ اور خدا نمائی کا آلہ دنیا سے اٹھنا تھا اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک آسان راہ رکھ دی کہ قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ ۔کیونکہ محبوب اللہ مستقیم ہی ہوتا ہے۔ زیغ رکھنے والا کبھی محبوب نہیں بن سکتا اور **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی ازدیاد اور تجدید کے لیے ہر نماز میں درود شریف کا پڑھنا ضروری ہوگیا۔ تا کہ اس دعا کی قبولیت کے لیے استقامت کا ایک ذریعہ ہاتھ آئے۔**

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 38)

ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ درود شریف کے پڑھنے میں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں ایک زمانہ تک مجھے بہت استغراق رہا۔ کیونکہ میرا یقین تھا کہ خدا تعالیٰ کی راہیں نہایت دقیق راہیں ہیں وہ بجز وسیلہ نبی کریمؐ کے مل نہیں سکتیں۔ جیسا کہ خدا بھی فرماتا ہے وابتغوا الیہ الوسیلۃ (المائدۃ:36) تب ایک مدت کے بعد کشفی حالت میں میں نے دیکھا کہ دو سقّے یعنی ماشکی آئے اور ایک اندرونی راستے سے اور ایک بیرونی راہ سے میرے گھر میں داخل ہوئے ہیں اور ان کے کاندھوں پر نور کی مشکیں ہیں اور کہتے ہیں ھذا بما صلّیت علٰی محمّدٍ۔ منہ (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 131 حاشیہ) (تذکرہ ایڈیشن چہارم صفحہ 77)

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ (الاحزاب:57)

خدااوراس کے سارے فرشتے اس نبی کریمؐ پر درود بھیجتے ہیں۔اے ایماندارو تم بھی اس پر درود بھیجواور نہایت اخلاص اورمحبت سے سلام کرو۔ (براہین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد1 صفحہ 265 حاشیہ نمبر 11)

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اکرمؐ کے اعمال ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف یا اوصاف کی تحدید کرنے کے لئے کوئی لفظ خاص نہ فرمایا۔لفظ تو مل سکتے تھے لیکن خود استعمال نہ کئے۔یعنی آپؐ کے اعمالِ صالحہ کی تعریف تحدید سے بیروں تھی۔اس قسم کی آیت کسی اور نبی کی شان میں استعمال نہ کی۔آپؐ کی روح میں وہ صدق ووفا تھا اورآپؐ کے اعمال خدا کی نگاہ میں اس قدر پسندیدہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے یہ حکم دیا کہ آئندہ لوگ شکر گزاری کے طور پر درود بھیجیں۔ (ملفوظات جلداول صفحہ 24)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعاتِ پیش آمدہ کی اگر معرفت ہو اوراس بات پر پوری اطلاع ہو کہ اس وقت دنیا کی کیا حالت تھی اورآپؐ نے آکر کیا کیا تو انسان وجد میں آکر اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کہہ اٹھتا ہے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں یہ خیالی اورفرضی بات نہیں ہے قرآن شریف اوردنیا کی تاریخ اس امر کی پوری شہادت دیتی ہے کہ نبی کریمؐ نے کیا کیا ورنہ وہ کیا بات تھی جو آپؐ کے لئے مخصوصاً فرمایا گیا اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کسی دوسرے نبی کے لئے یہ صدانہیں آئی۔پوری کامیابی پوری تعریف کے ساتھ یہی ایک انسان دنیا میں آیا جو محمد کہلایا صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ملفوظات جلداول صفحہ 421)

قبولیتِ دعا کے تین ہی ذریعے ہیں اولؔ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ۔دومؔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاسومؔ موہبتِ الٰہی۔ (ملفوظات جلدسوم صفحہ 38)

وِرد اور وظائف

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا۔ (الا حزاب:22)

میں یہ بھی تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ بہت سے لوگ ہیں جو اپنے تراشے ہوئے وظائف اوراوراد کے ذریعہ سے ان کمالات کو حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو طریق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار نہیں کیا وہ محض فضول ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر منعم علیہ کی راہ کا سچا تجربہ کار اور کون ہوسکتا ہے جن پر نبوت کے بھی سارے کمالات ختم ہوگئے۔آپ نے جو راہ اختیار کیا ہے وہ بہت ہی صحیح اوراقرب ہے اس راہ کو چھوڑ کر اورایجاد کرنا خواہ وہ بظاہر کتنا ہی خوش کرنے والا معلوم ہوتا ہو میری رائے میں ہلاکت ہے اورخدا تعالیٰ نے مجھ پر ایسا ہی ظاہر کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے اتباع سے خدا ملتا ہے اورآپ کے اتباع کو چھوڑ کر خواہ کوئی ساری عمر ٹکریں مارتا رہے گوہر مقصود اس کے ہاتھ میں نہیں آسکتا چنانچہ سعدیؒ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی ضرورت بتاتا ہے۔

بز ہد و ورع کوش و صدق و صفا ولیکن میفزائے بر مصطفٰے

ترجمہ: زہدوورع اور صدق وصفا میں ترقی کرو۔مگر آنخضرتؐ کی سنت کے مطابق۔

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ کو تو نہ چھوڑو۔ میں دیکھتا ہوں کہ قسم قسم کے وظیفے لوگوں نے ایجاد کر لئے ہیں۔الٹے سیدھے لٹکتے ہیں اور جوگیوں کی طرح راہبانہ طریقے اختیار کئے جاتے ہیں لیکن یہ سب بے فائدہ ہیں انبیاء علیہم السلام کی یہ سنت نہیں کہ وہ الٹے سیدھے لٹکتے رہیں یا نفی اثبات کے ذکر کریں اور ارّہ کے ذکر کریں۔ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسوہ حسنہ فرمایا لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلو اور ایک ذرہ بھر بھی ادھر یا ادھر ہونے کی کوشش نہ کرو۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 237-236)

تزکیہ نفس کے لیے چلہ کشیوں کی ضرورت نہیں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے چلہ کشیاں نہیں کی تھیں۔ارّہ اور نفی و اثبات وغیرہ کے ذکر نہیں کیے تھے۔بلکہ ان کے پاس ایک اور ہی چیز تھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں محو تھے جو نور آپ میں تھا وہ اس اطاعت کی نالی میں سے ہو کر صحابہ کے قلب پر گرتا تھا اور ماسوی اللہ کے خیالات کو پاش پاش کرتا جاتا تھا تاریکی کے بجائے ان سینوں میں نور بھرا جاتا تھا۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 121)

بہترین وظیفہ

سوال: ۔بہترین وظیفہ کیا ہے؟

جواب: ۔**نماز سے بڑھ کر اور کوئی وظیفہ نہیں ہے کیونکہ اس میں حمد الٰہی ہے۔**

استغفار ہے اور درود شریف تمام وظائف اور اوراد کا مجموعہ یہی نماز ہے اور اس سے ہر قسم کے غم وہم دور ہوتے ہیں اور مشکلات حل ہوتی ہیں۔

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر ذرا بھی غم پہنچتا تو آپ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے اور اسی لیے فرمایا ہے اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ۔اطمینان وسکینت قلب کے لیے نماز سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں۔لوگوں نے قسم قسم کے ورد اور وظیفے اپنی طرف سے بنا کر لوگوں کو گمراہی میں ڈال رکھا ہے اور ایک نئی شریعت آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مقابلہ میں بنا دی ہوئی ہے۔ مجھ پر تو الزام لگایا جاتا ہے کہ میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے مگر میں دیکھتا ہوں اور حیرت سے دیکھتا ہوں کہ انہوں نے خود شریعت بنائی ہے اور نبی بنے ہوئے ہیں اور دنیا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ان وظائف اور اوراد میں دنیا کو ایسا ڈالا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی شریعت اور احکام کو بھی چھوڑ بیٹھے ہیں۔بعض لوگ دیکھے جاتے ہیں کہ اپنے معمول اور اوراد میں ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ نمازوں کا بھی لحاظ نہیں رکھتے۔ میں نے مولوی صاحب سے سنا ہے کہ بعض گدی نشین شاکت مت والوں کے منتر اپنے وظیفوں میں پڑھتے ہیں۔میرے نزدیک سب وظیفوں سے بہتر وظیفہ نماز ہی ہے۔نماز ہی کو سنوار سنوار کر پڑھنا چاہیئے اور سمجھ سمجھ کر پڑھو اور مسنون دعاؤں کے بعد اپنے لیے اپنی زبان میں بھی دعائیں کرو اس سے تمہیں اطمینان قلب حاصل ہو گا اور سب مشکلات خدا تعالیٰ چاہے گا تو اسی سے حل ہو جائیں گی۔ نماز یاد الٰہی کا ذریعہ ہے۔اس لئے فرمایا ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ۔ (طٰہٰ:15) (ملفوظات جلد سوم صفحہ 311`310)

ریاضتیں اور چلہ کشیاں

وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ۔ (الحدید:28)

خطرناک ریاضتیں کرنا اور اعضاء اور قوٰی کو مجاہدات میں بیکار کر دینا محض نکمی بات اور لاحاصل ہے۔اسی لئے ہمارے ہادیٔ کامل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ یعنی جب انسان کو صفت اسلام (گردن نہادن برحکم خدا و موافقت تامہ بمقادیرالٰہیہ) میسر آ جائے تو پھر رہبانیت یعنی اسے مجاہدوں اور ریاضتوں کی کوئی ضرورت نہیں...... **یہی وجہ ہے کہ اسلام نے رہبانیت کو نہیں رکھا اس لئے کہ وہ معرفت تامہ کا ذریعہ نہیں ہے۔**

(ملفوظات جلد اول صفحہ 214)

رہبانیت اور اباحت انسان کو اس صدق اور وفا سے دور رکھتے تھے جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے اس لئے ان سے الگ رکھ کر اطاعت الٰہی کا حکم دے کر صدق اور وفا کی تعلیم دی جو ساری روحانی لذتوں کی جاذب ہیں۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 700)

لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (النور:38)

ہم یہ نہیں کہتے کہ زراعت والا زراعت کو اور تجارت والا تجارت کو۔ملازمت والا ملازمت کو اور صنعت و حرفت والا اپنے کاروبار کو ترک کر دے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ والا معاملہ ہو۔دست با کار دل بایار والی بات ہو۔تاجر اپنے کاروبار تجارت میں اور زمیندار اپنے امور زراعت میں اور بادشاہ اپنے تخت حکومت پر بیٹھ کر۔غرض جو جس کام میں ہے اپنے کاموں میں خدا کو نصب العین رکھے اور اس کی عظمت اور جبروت کو پیش نظر رکھ کر اس کے احکام اور اوامر و نواہی کا لحاظ رکھتے ہوئے جو چاہے کرے۔اللہ سے ڈر اور سب کچھ کر۔

اسلام کہاں ایسی تعلیم دیتا ہے کہ تم کاروبار چھوڑ کر لنگڑے لُولوں کی طرح نکمے بیٹھ رہو اور بجائے اس کے اوروں کی خدمت کرو خود دوسروں پر بوجھ بنو۔نہیں بلکہ سست ہونا گناہ ہے۔بھلا ایسا آدمی پھر خدا اور اس کے دین کی کیا خدمت کر سکے گا۔عیال و اطفال جو خدا نے اس کے ذمے لگائے ہیں ان کو کہاں سے کھلائے گا۔

پس یاد رکھو کہ خدا کا یہ ہرگز منشاء نہیں کہ تم دنیا کو بالکل ترک کر دو بلکہ اس کا جو منشاء ہے وہ یہ ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس:10) تجارت کرو زراعت کرو ملازمت کرو اور حرفت کرو۔جو چاہو کرو مگر نفس کو خدا کی نافرمانی سے روکتے رہو اور ایسا تزکیہ کرو کہ یہ امور تمہیں خدا سے غافل نہ کر دیں پھر جو تمہاری دنیا ہے وہ بھی دین کے حکم میں آ جاوے گی۔

انسان دنیا کے واسطے پیدا نہیں کیا گیا۔دل پاک ہو اور ہر وقت یہ لو اور تڑپ لگی ہوئی ہو کہ کسی طرح خدا خوش ہو جائے تو پھر دنیا بھی اس کے واسطے حلال ہے۔اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 550)

حقیقی وظیفہ نماز ہے

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ط اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ ط وَ لَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ط وَ اللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ o (العنکبوت:46)

نماز میں لذّت اور سرور بھی عبودیّت اور ربوبیّت کے ایک تعلق سے پیدا ہوتا ہے۔ جب تک اپنے آپ کو عدم محض یا مشابہہ بالعدم قرار دے کر جو ربوبیت کا ذاتی تقاضا ہے نہ ڈال دے اس کا فیضان اور پرتو اس پر نہیں پڑتا اور اگر ایسا ہو تو پھر اعلیٰ درجہ کی لذّت حاصل ہوتی ہے جس سے بڑھ کر کوئی حظ نہیں ہے۔ **اس مقام پر انسان کی روح جب ہمہ نیستی ہو جاتی ہے تو وہ خدا کی طرف ایک چشمہ کی طرح بہتی ہے اور ماسوی اللہ سے اسے انقطاعِ تام ہو جاتا ہے اس وقت خدائے تعالیٰ کی محبت اس پر گرتی ہے۔ اس اتصال کے وقت ان دو جوشوں سے جو اوپر کی طرف سے ربوبیت کا جوش اور نیچے کی طرف سے عبودیت کا جوش ہوتا ہے ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کا نام صلوٰۃ ہے جو سیّئات کو بھسم کر جاتی ہے اور اپنی جگہ ایک نور اور چمک چھوڑ دیتی ہے جو سالک کو راستہ کے خطرات اور مشکلات کے وقت ایک منور شمع کا کام دیتی ہے** اور ہر قسم کے خس و خاشاک اور ٹھوکر کے پتھروں اور خار و خس سے جو اس کی راہ میں ہوتے ہیں آگاہ کر کے بچاتی ہے اور یہی وہ حالت ہے جبکہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ کا اطلاق اس پر ہوتا ہے کیونکہ اس کے ہاتھ میں نہیں۔ نہیں اس کے شمع دان دل میں ایک روشن چراغ رکھا ہوا ہوتا ہے اور یہ درجہ کامل تذلّل کامل نیستی اور فروتنی اور پوری اطاعت سے حاصل ہوتا ہے پھر گناہ کا خیال اسے آ کیونکر سکتا ہے اور انکار اس میں پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ فحشاء کی طرف اس کی نظر اٹھ ہی نہیں سکتی۔ غرض اسے ایسی لذّت، ایسا سرور حاصل ہوتا ہے کہ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اسے کیونکر بیان کروں۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 105)

انقطاع الی اللہ۔ موت کو اختیار کرنا ہے

وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ۔ (الحجر:100)

پس یہ سچی بات ہے کہ نفس امّارہ کی تاروں میں جو یہ جکڑا ہوا ہے اس سے رہائی بغیر موت کے ممکن ہی نہیں۔ اسی موت کی طرف اشارہ کر کے قرآن شریف میں فرمایا ہے وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ۔ اس جگہ یقین سے مراد موت بھی ہے یعنی انسان کی اپنی ہوا و ہوس پر پوری فنا طاری ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت رہ جاوے اور وہ یہاں تک ترقی کرے کہ کوئی جنبش اور حرکت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نہ ہو۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 399)

وَ لَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰہُ بِہَا وَلٰکِنَّہٗۤ اَخۡلَدَ اِلَی الۡاَرۡضِ وَ اتَّبَعَ ہَوٰىہُ ۔ (الاعراف:177)

ابتدائی رؤیا یا الہام کے ذریعہ سے خدا بندہ کو بلانا چاہتا ہے مگر وہ اس کے واسطے کوئی حالت قابل تشفی نہیں ہوتی چنانچہ بلعم کو الہامات ہوتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے کہ **لَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰہُ** ثابت ہوتا ہے کہ اس کا رفع نہیں ہوا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں وہ کوئی برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ ابھی تک نہیں بنا تھا۔ یہاں تک کہ وہ گر گیا۔ **ان الہامات وغیرہ سے انسان کچھ بن نہیں سکتا۔ انسان خدا کا بن نہیں سکتا جب تک کہ ہزاروں موتیں اس پر نہ آویں اور بیضۂ بشریت سے وہ نکل نہ آئے۔**

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 486)

وَالَّذِیۡ یُمِیۡتُنِیۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡنِ۔ (الشعرآء:82)

وہ خدا جو مجھے مارتا ہے اور پھر زندہ کرتا ہے۔ اس موت اور حیات سے مراد صرف جسمانی موت اور حیات نہیں بلکہ اس موت اور حیات کی طرف اشارہ ہے جو سالک کو اپنے مقامات و منازل سلوک میں پیش آتی ہے چنانچہ وہ خلق کی محبت ذاتی سے مارا جاتا اور خالق حقیقی کی محبت ذاتی کے ساتھ زندہ کیا جاتا ہے اور پھر اپنے رفقاء کی محبت ذاتی سے مارا جاتا ہے اور رفیق اعلیٰ کی محبت ذاتی کے ساتھ زندہ کیا جاتا ہے اور پھر اپنے نفس کی محبت ذاتی سے مارا جاتا ہے اور محبوب حقیقی کی محبت ذاتی کے ساتھ زندہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کئی موتیں اس پر وارد ہوتی رہتی ہیں اور کئی حیاتیں یہاں تک کہ کامل حیات کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے سو وہ کامل حیات جو اس سفلی دنیا میں چھوڑنے کے بعد ملتی ہے وہ جسم خاکی کی حیات نہیں بلکہ اور رنگ اور شان کی حیات ہے۔ (ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 432)

ہست آں عالیجنابے بس بلند ۔۔۔ بہر وصلش شورہا باید فگند

وہ بارگاہ نہایت اونچی اور عالی شان ہے اس کے وصل کے لیے بہت آہ وزاری کرنی چاہیئے۔

زندگی در مردن و عجز و بکاست ۔۔۔ ہر کہ افتاد ست او آخر بخاست

زندگی مرنے اور انکسار اور گریہ وزاری میں ہے جو گر پڑا وہی آخر (زندہ ہو کر) اُٹھے گا۔

تا نہ کارِ دردِکس تا جاں رسد ۔۔۔ کے فغانش تا درِ جاناں رسد

جب تک درد کا معاملہ جان لینے تک نہ پہنچے تب تک اس کی آہ وفریاد درِ جاناں تک نہیں پہنچتی۔

تا نہ قربانِ خدائے خود شویم! ۔۔۔ تا نہ محوِ آشنائے خود شویم!

جب تک ہم اپنے خدا پر قربان نہ ہو جائیں اور جب تک اپنے دوست کے اندر محو نہ ہو جائیں۔

تا نہ باشیم از وجودِ خود بروں ۔۔۔ تا نہ گردد پُرز مہرش اندروں

جب تک ہم اپنے وجود سے علیحدہ نہ ہو جائیں اور جب تک سینہ اس کی محبت سے بھر نہ جائے۔

تا نہ برما مرگ آید صد ہزار ۔۔۔ کے حیاتے تازہ بینیم از نگار

ہم پر لاکھوں موتیں وارد نہ ہوں تب تک ہمیں اس محبوب کی طرف سے نئی زندگی کب مل سکتی ہے۔

تا نہ ریزد ہر پرو بالے کہ ہست ۔۔۔ مرغِ ایں رہ راپریدن مشکل است

جب تک اپنے اگلے بال و پر نہ جھاڑ ڈالے تب تک اس راہ کے پرندے کے لیے اُڑنا مشکل ہے۔

(سراج منیر۔ ر۔خ۔ جلد 12 صفحہ 100)(درثمین فارسی صفحہ 237-236)

دنیا کی خواہشات ترک کرنا

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمۡ وَ لِقَآئِہٖ فَحَبِطَتۡ اَعۡمَالُہُمۡ فَلَا نُقِیۡمُ لَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَزۡنًا۔ (الکھف :106)

فَلَا نُقِیۡمُ لَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَزۡنًا۔ میں گناہ کا ذکر نہیں ہے۔اس کا باعث صرف یہ ہے کہ ان لوگوں نے دنیا کی خواہشوں کو مقدم رکھا ہوا تھا۔ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ دنیا کا حظ پا چکے۔وہاں بھی گناہ کا ذکر نہیں بلکہ دنیا کی لذات جن کو خدا تعالیٰ نے جائز کیا ہے ان میں منہمک ہو جانے کا ذکر ہے۔اس قسم کے لوگوں کا مرتبہ عند اللہ کچھ نہ ہوگا اور نہ ان کو کوئی عزت کا مقام دیا جائے گا۔**شیریں زندگی اصل میں ایک شیطان ہے جو کہ انسان کو دھوکہ دیتی ہے۔مومن تو خود مصیبت خریدتا ہے ورنہ اگر وہ مداہنہ برتے تو ہر طرح آرام سے رہ سکتا ہے۔** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس طرح کرتے تو اس قدر جنگیں کیوں ہوتیں لیکن آپ نے دین کو مقدم رکھا اس لئے سب دشمن ہو گئے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 84)

مومن آدمی کا سب ہم وغم خدا کے واسطے ہوتا ہے دنیا کے لئے نہیں ہوتا اور وہ دنیاوی کاموں کو کچھ خوشی سے نہیں کرتا بلکہ اداس سا رہتا ہے اور یہی نجات حیات کا طریق ہے اور وہ جو دنیا کے پھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور ان کے ہم وغم سب دنیا کے ہی لئے ہوتے ہیں ان کی نسبت تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا نُقِیۡمُ لَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَزۡنًا ہم قیامت کو ان کا ذرہ بھر بھی قدر نہیں کریں گے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 306)

اِس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو — اُس یار کے لئے رہِ عشرت کو چھوڑ دو
لعنت کی ہے یہ راہ سو لعنت کو چھوڑ دو — ورنہ خیالِ حضرتِ عزت کو چھوڑ دو
تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول — تا تم پہ ہو ملائکۂ عرش کا نزول

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ر۔خ۔جلد 21 صفحہ 18)

فَلۡیَضۡحَکُوۡا قَلِیۡلًا وَّ لۡیَبۡکُوۡا کَثِیۡرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ۔ (التوبة :82)

صوفیوں نے لکھا ہے کہ اگر چالیس دن تک رونا نہ آوے تو جانو کہ دل سخت ہو گیا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَلۡیَضۡحَکُوۡا قَلِیۡلًا وَّ لۡیَبۡکُوۡا کَثِیۡرًا کہ ہنسو تھوڑا اور رؤو بہت مگر اس کے برعکس دیکھا جاتا ہے کہ لوگ ہنستے بہت ہیں اب دیکھو کہ زمانہ کی کیا حالت ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ انسان ہر وقت آنکھوں سے آنسو بہاتا رہے بلکہ جس کا دل اندر سے رو رہا ہے وہی روتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ دروازہ بند کر کے اندر بیٹھ کر خشوع اور خضوع سے دعا میں مشغول ہو۔اور بالکل عجز و نیاز سے خدا تعالیٰ کے آستانہ پر گر پڑے تا کہ وہ اس آیت کے نیچے نہ آوے۔جو بہت ہنستا ہے وہ مومن نہیں اگر سارے دن کا نفس کا محاسبہ کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ ہنسی اور تمسخر کی میزان زیادہ ہے اور رونے کی بہت کم ہے بلکہ اکثر جگہ بالکل ہی نہیں۔اب دیکھو کہ زندگی کس غفلت میں گذر رہی ہے اور ایمان کی راہ کس قدر مشکل ہے گویا ایک طرح سے مرنا ہے اور اصل میں اسی کا نام ایمان ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 456)

چوتھی فصل

وحی والہام خدا کا وعدہ ہے

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰہِ حَقًّا ؕ وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا O (النساء:123)

اگر خدا کی طرف سے ہمیشہ چپ چاپ ہی ہو تو پھر اگر خدا کی راہ میں کوئی محنت بھی کرے تو کس بھروسہ پر۔ کیا وہ اپنے ہی تصورات کو خدا کے وعدے قرار دے سکتا ہے ہرگز نہیں جس کا ارادہ ہی معلوم نہیں کہ وہ کونسا بدلہ دیگا اور کیونکر دیگا اور کب تک دیگا اس کے کام پر کون خود بخود پختہ امید کر سکتا ہے اور ناامیدی کی حالت میں کیونکر محنتوں اور کوششوں پر دل لگا سکتا ہے انسان کی کوششوں کو حرکت دینے والے اور انسان کے دل میں کامل جوش پیدا کرنے والے خدا کے وعدے ہیں انہیں پر نظر کر کے عقلمند انسان اس دنیا کی محبت کو چھوڑتا ہے اور ہزاروں پیوندوں اور تعلقوں اور زنجیروں سے خدا کے لیے الگ ہو جاتا ہے وہی وعدے ہیں کہ جو ایک آلودہ حرص و ہوا کو یکبارگی خدا کی طرف کھینچ لاتے ہیں جبھی کہ ایک شخص پر یہ بات کھل جاتی ہے کہ خدا کا کلام برحق ہے اور اس کا ہر یک وعدہ ضرور ایک دن ہونے والا ہے تو اسی وقت دنیا کی محبت اس پر سرد ہو جاتی ہے ایک دم میں وہ کچھ اور ہی چیز ہو جاتا ہے اور کسی اور ہی مقام پر پہنچ جاتا ہے خلاصہ کلام یہ کہ کیا ایمان کے رو سے اور کیا عمل کے رو سے اور کیا جزا سزا کی امید کے رو سے کھلا ہوا اور مفتوح دروازہ خدا کے سچے الہام اور پاک کلام کا دروازہ ہے وبس۔

کلامِ پاکِ آن بیچون دہد صد جامِ عرفاں را کسے کو بیخبر زان می چہ داند ذوقِ ایمان را
نہ چشم است آنکہ در کوری ہمہ عمرے بسر کردست نہ گوش ست آنکہ نہ شنیدست گاہے قولِ جانان را

(ترجمہ:- اس یگانہ کا کلام عرفان کے جام پلاتا ہے۔ جس کو یہ علم نہیں اس کو ایمان کا ذوق نہیں۔ وہ کیا آنکھ ہے جس نے اندھے پن میں زندگی گزار دی اور وہ کیا کان ہے جس نے کبھی محبوب کی بات نہیں سنی۔)

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 223-222 حاشیہ)

وحی والہام سچے مذہب کی نشانی ہے

ہے غضب کہتے ہیں اب وحیِ خدا مفقود ہے اب قیامت تک ہے اس امت کا قصوں پر مدار
یہ عقیدہ برخلافِ گفتۂ دادار ہے ! پر اتارے کون برسوں کا گلے سے اپنے ہار
وہ خدا اب بھی بناتا ہے جسے چاہے کلیم اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

گوہر وحیِ خدا کیوں توڑتا ہے ہوش کر — اک یہی دیں کیلئے ہے جائے عِزّ و افتخار
یہ وہ گل ہے جس کا ثانی باغ میں کوئی نہیں — یہ وہ خوشبو ہے کہ قرباں اسپہ ہو مشک تتار
یہ وہ ہے مفتاح جس سے آسماں کے در کھلیں — یہ وہ آئینہ ہے جس سے دیکھ لیں روئے نگار
بس یہی ہتھیار ہے جس سے ہماری فتح ہے — بس یہی اک قصر ہے جو عافیت کا ہے حصار
ہے خدا دانی کا آلہ بھی یہی اسلام میں — محض قصوں سے نہ ہو کوئی بشر طوفاں سے پار
ہے یہی وحیِ خدا عرفان مولیٰ کا نشان — جس کو یہ کامل ملے اسکو ملے وہ دوستدار

(براھین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 137)(درثمین اردو صفحہ 128-127)

کامل معرفت کے لئے الہام ضروری ہے

علاوہ اس کے اگر وحی نہ ہو تو پھر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحة :6-7) کے کیا معنے ہوں گے کیا یہاں انعام سے مراد گوشت پلاؤ وغیرہ ہے یا خلعت نبوت اور مکالمہ الٰہی وغیرہ جو کہ انبیاء کو عطا ہوتا رہا۔ غرضکہ معرفت تمام انبیاء کو سوائے وحی کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ جس غرض کے لیے انسان اسلام قبول کرتا ہے۔ اس کا مغز یہی ہے کہ اسکے اتباع سے وحی ملے۔

اور پھر اگر وحی منقطع ہوئی مانی بھی جاوے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی منقطع ہوئی نہ اس کے اظلال اور آثار بھی منقطع ہوئے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 417)

وحی والہام کا دروازہ کھلا ہے

وہ دلبر کی آواز بن جاتے ہیں — وہ اس جاں کے ہمراز بن جاتے ہیں
وہ ناداں جو کہتا ہے در بند ہے — نہ الہام ہے اور نہ پیوند ہے
نہیں عقل اس کو نہ کچھ غور ہے — اگر وید ہے یا کوئی اَور ہے
یہ سچ ہے کہ جو پاک ہو جاتے ہیں — خدا سے خدا کی خبر لاتے ہیں
اگر اس طرف سے نہ آوے خبر — تو ہو جائے یہ راہ زیر و زبر
طلب گار ہو جائیں اس کے تباہ — وہ مر جائیں دیکھیں اگر بند راہ
مگر کوئی معشوق ایسا نہیں — کہ عاشق سے رکھتا ہو یہ بغض وکیں
خدا پر تو پھر یہ گماں عیب ہے — کہ وہ راحم و عالم الغیب ہے
اگر وہ نہ بولے تو کیونکر کوئی — یقیں کر کے جانے کہ ہے مختفی
وہ کرتا ہے خود اپنے بھگتوں کو یاد — کوئی اس کی رہ میں نہیں نامراد

(ست بچن۔ر۔خ۔جلد10 صفحہ 166)(درثمین اردو صفحہ 21)

اگر خدا تعالیٰ نے حق کے طالبوں کو کامل معرفت دینے کا ارادہ فرمایا ہے تو ضرور اس نے اپنے مکالمہ اور مخاطبہ کا طریق کھلا رکھا ہے۔اس بارے میں اللہ جل شانہ قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے:۔

اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ۔

یعنی اے خدا ہمیں وہ استقامت کی راہ بتلا جو راہ ان لوگوں کی ہے جن پر تیرا انعام ہوا ہے۔اس جگہ انعام سے مراد الہام اور کشف وغیرہ آسمانی علوم ہیں جو انسان کو براہ راست ملتے ہیں۔ایسا ہی ایک دوسری جگہ فرماتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡھِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ۔(حم سجدۃ:31)

یعنی جو لوگ خدا پر ایمان لا کر پوری پوری استقامت اختیار کرتے ہیں۔ان پر خدائے تعالیٰ کے فرشتے اترتے ہیں۔اور یہ الہام ان کو کرتے ہیں کہ تم کچھ خوف اور غم نہ کرو تمہارے لئے وہ بہشت ہے جس کے بارے میں تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔**سو اس آیت میں بھی صاف لفظوں میں فرمایا ہے۔کہ خدائے تعالیٰ کے نیک بندے غم اور خوف کے وقت خدا سے الہام پاتے ہیں**۔اور فرشتے اتر کر ان کی تسلی کرتے ہیں۔اور پھر ایک اور آیت میں فرمایا ہے:۔

لَھُمُ الۡبُشۡرٰی فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ (یونس:65)

یعنی خدا کے دوستوں کو الہام اور خدا کے مکالمہ کے ذریعہ سے اس دنیا میں خوشخبری ملتی ہے اور آئندہ زندگی میں بھی ملے گی۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی۔ر۔خ۔جلد10 صفحہ 437-436)

پھر وہ خدا جو مردہ کی مانند ہے پڑا — پس کیا اُمید ایسے سے اور خوف اس سے کیا
ایسے خدا کے خوف سے دل کیسے پاک ہو — سینہ میں اس کے عشق سے کیونکر تپاک ہو
بن دیکھے کس طرح کسی مہ رخ پہ آئے دل — کیونکر کوئی خیالی صنم سے لگائے دل
دیدار گر نہیں ہے تو گفتار ہی سہی — حسن و جمالِ یار کے آثار ہی سہی

(درثمین اردو صفحہ 101)(براہین احمدیہ پنجم۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 17)

چونکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سفر کرنا ایک نہایت دقیق در دقیق راہ ہے اور اس کے ساتھ طرح طرح کے مصائب اور دکھ لگے ہوئے ہیں اور ممکن ہے کہ انسان اس نادیدہ راہ میں بھول جاوے یا ناامیدی طاری ہو اور آگے قدم بڑھانا چھوڑ دے اس لئے خدا تعالیٰ کی رحمت نے چاہا کہ اپنی طرف سے اس سفر میں ساتھ ساتھ اس کو تسلی دیتی رہے اور اس کی دل دہی کرتی رہے اور اس کی کمر ہمت کو باندھتی رہے اور اس کے شوق کو زیادہ کرے **سو اس کی سنت اس راہ کے مسافروں کے ساتھ اس طرح پر واقع ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے کلام اور الہام سے ان کو تسلی دیتا اور ان پر ظاہر کرتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔تب وہ قوت پا کر بڑے زور سے اس سفر کو طے کرتے ہیں چنانچہ اس بارے میں وہ فرماتا ہے لَھُمُ الۡبُشۡرٰی فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ ۔** (یونس:65)

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ر۔خ۔جلد10 صفحہ 422)

وحی والہام کی خواہش کرنا درست نہیں ہے

انسان کو کشوف اور وحی اور الہام کا بھی طالب نہ ہونا چاہیئے بلکہ یہ سب تقویٰ کا نتیجہ ہیں۔ جب جڑ ٹھیک ہوگی تو اس کے لوازم بھی خود بخود آ جائیں گے۔ دیکھو جب سورج نکلتا ہے تو دھوپ اور گرمی جو اس کا خاصہ ہیں خود بخود ہی آ جاتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان میں تقویٰ آ جاتا ہے تو اس کے لوازم بھی اس میں ضرور آ جاتے ہیں۔ دیکھو جب کوئی دوست کسی کے ملنے کے واسطے جاوے تو اس کو یہ امید تو نہ رکھنی چاہیئے کہ میں اس کے پاس جاتا ہوں کہ وہ مجھے پلاؤ، زردے اور قورمے اور قلیئے کھلائے گا اور میری خاطر تواضع کریگا نہیں بلکہ صادق دوست کی ملاقات کی خواہش ہوتی ہے بجز اس کے اور کسی کھانے یا مکان یا خدمت کی پروا اور خیال بھی نہیں ہوتا مگر جب وہ اپنے صادق دوست کے پاس جو اس سے مہجور تھا۔ جاتا ہے تو کیا وہ اس کی خاطر داری کا کوئی دقیقہ باقی بھی اٹھا رکھتا ہے؟ نہیں ہر گز نہیں بلکہ جہانتک اس سے بن پڑتا ہے وہ اپنی طاقت سے بڑھ کر بھی اس کی تواضع کے واسطے مکلّف سامان کرتا ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 102)

ابتدائی الہام پر تسلی نہیں چاہیئے

وَ لَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخۡلَدَ اِلَى الۡاَرۡضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ (الاعراف :177)

ابتدائی رؤیا یا الہام کے ذریعہ سے خدا بندہ کو بلانا چاہتا ہے مگر وہ اس کے واسطے کوئی حالت قابل تشفی نہیں ہوتی چنانچہ بلعم کو الہامات ہوتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے کہ لَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰهُ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا رفع نہیں ہوا تھا یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں وہ کوئی برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ ابھی تک نہیں بنا تھا۔ یہاں تک کہ وہ گر گیا۔ ان الہامات وغیرہ سے انسان کچھ بن نہیں سکتا۔ انسان خدا کا بن نہیں سکتا جب تک کہ ہزاروں موتیں اس پر نہ آویں اور بیضۂ بشریت سے وہ نکل نہ آئے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 486)

عشقِ الٰہی اور وحی و الہام باری تعالیٰ

ہر کہ ذوق یار جانی یافت است　　آں ز وحی آسمانی یافت است

جس نے اس ولی دوست کے وصل کا لطف اٹھایا۔ اس نے صرف آسمانی وحی کی بدولت اُٹھایا۔

عشق از الہام آمد در جہاں　　درد از الہام شد آتش فشاں

عشق الہام ہی کی وجہ سے دنیا میں آیا اور درد نے بھی الہام ہی کی وجہ سے آتش فشانی کی۔

شوق و اُنس و الفت و مہر و وفا　　جملہ از الہام می دارد ضیا

شوق اُنس الفت اور مہر و وفا ان سب کی رونق الہام کی وجہ سے ہے۔

ھر کہ حق را یافت از الہام یافت　　ہر رُخے کوتافت از الہام تافت

جس کسی نے خدا کو پایا الہام سے پایا۔ ہر ایک چہرہ جو چمکا وہ الہام سے چمکا۔

تو نہء اہل محبت زیں سبب　　از کلامِ یار مے داری عجب !

تو محبت کے کوچہ کا واقف نہیں اس لیے کلام یار پر تعجب کرتا ہے۔

عشق مے خواہد کلامِ یار را　　روبہ پُرس از عاشق ایں اسرار را

عشق تو دوست کے کلام کو چاہتا ہے۔ جا اور عاشق سے اس راز کو پوچھ۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 52-54)(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 172)

پانچویں فصل

طریقت کی تعریف

و قیل ان الطریق لا یسمٰی صراطا عند قوم ذوی قلب و نور حتے یتضمن خمسة امور من امور الدین۔ و هی الا ستقامة و الا یصال الی المقصود بالیقین و قرب الطریق و سعته للمارین و تعیینه طریقا للمقصود فی اعین السالکین۔ و هو تارة یضاف الی اللہ اذ هو شرعه و هو سوی سبله للماشین۔ و تارة یضاف الی العباد لکونهم اهل السلوک و المارین علیها و العابرین۔ (کرامات الصادقین ۔ر۔خ۔جلد7 صفحہ137)

ترجمہ:۔اور کہتے ہیں کہ صاحب دل اور روشن ضمیر لوگوں کے نزدیک طریق (راستہ) کو اس وقت تک صراط کا نام نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ وہ امور دین میں سے پانچ امور پر مشتمل نہ ہو اور وہ یہ ہیں:۔

(1)استقامت (2) یقینی طور پر مقصود تک پہنچانا (3)اس کا نزدیک ترین (راہ) ہونا۔(4) گزرنے والوں کے لیے اس کا وسیع ہونا۔اور(5) سالکوں کی نگاہ میں مقصود تک پہنچنے کے لیے اس راستہ کا متعین کیا جانا۔

اور صراط کا لفظ کبھی تو خدا تعالیٰ کی طرف مضاف کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اس کی شریعت ہے او وہ چلنے والوں کے لیے ہموار راستہ ہے۔اور کبھی اسے بندوں کی طرف مضاف کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اس پر چلنے والے اور گزرنے والے اور اسے عبور کرنے والے ہیں۔

اَلطَّرِیْقَةُ کُلُّھَا اَدَبٌ

ایک شخص نومسلم چکڑالوی کے خیالات کا متبع آیا ہوا تھا۔اس نے نشان دیکھنا چاہا حضرت حجۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے سوال کو طریق ادب وطالب کے خلاف پاکر حکم دیا تھا کہ تم واپس چلے جاؤ۔اس پر اس نے ایک معافی نامہ پیش کیا جس پر حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا:۔

یہ بات محض اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے کہ کوئی بات کسی کو سمجھا دے لیکن اسے سمجھ دیتا ہے جو ادب کے طریق پر سچا طالب ہو کر تلاش کرتا ہے **الطریقة کلها ادب خدا تعالیٰ کا یہ سچا وعدہ ہے کہ جو شخص صدق دل اور نیک نیتی کے ساتھ اس کی راہ کی تلاش کرتے ہیں وہ ان پر ہدایت ومعرفت کی راہیں کھول دیتا ہے** جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے وَ الَّذِیۡنَ جَاھَدُوۡا فِیۡنَا لَنَھۡدِیَنَّھُمۡ سُبُلَنَا (العنکبوت:70) یعنی جو لوگ ہم میں ہو کر مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان پر اپنی راہیں کھول دیتے ہیں۔ہم میں ہو کر سے یہ مراد ہے کہ محض اخلاص اور نیک نیتی کی بناء پر خدا جوئی اپنا مقصد رکھ کر۔لیکن اگر کوئی استہزاء اور ٹھٹھے کے طریق پر آزمائش کرتا ہے۔وہ بدنصیب محروم رہ جاتا ہے۔پس اسی پاک اصول کی بنا پر اگر تم سچے دل سے کوشش کرو اور دعا کرتے رہو تو وہ غفورٌ رحیم ہے لیکن اگر کوئی اللہ تعالےٰ کی پروا نہیں کرتا وہ بے نیاز ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 640)

ہدایت اور معرفت کے طریق

اما قولہ تعالی اھدنا الصراط المستقیم۔ فمعناہ ارنا النھج القویم وثبتنا علی طریق یوصل الی حضرتک ۔ وینجی من عقوبتک ثم اعلم ان لتحصیل الھدایۃ طرقا عندا لصوفیۃ۔ مستخرجۃ من الکتاب والسنۃ۔ احدا طلب المعرفۃ۔ بالدلیل و الحجۃ۔ والثانی تصفیۃ الباطن بانواع الریاضۃ۔

و الثالث الانقطاع الی اللہ و صفاء المحبۃ وطلب المدد من الحضرۃ بالموافقۃ التامۃ و بنفی التفرقۃ و بالتوبۃ الی اللہ و الابتھال و الدعاء و عقدالھمۃ۔ ثم لما کان طریق طلب الھدیۃ والتصفیۃ لا یکفی للوصول من غیر توسل الائمۃ والمھدیین من الامۃ۔ مارضی اللہ سبحانہ علی ھذا القدرمن تعلیم الدعاء ۔ بل حث بقولہ صراط الذین علی تحسس المرشدین والھادین من اھل الاجتھاد والاصطفاء من المرسلین والانبیاء۔ فانھم قوم اثروا دارالحق علی دارالذوروالغرور۔

(اعجازالمسیح۔ر۔خ۔جلد18صفحہ172-171)

ترجمہ: کلام الٰہی اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ کے معنی یہ ہیں کہ (اے ہمارے پروردگار) ہمیں سیدھا رستہ دکھا اور ہمیں اس راستہ پر قائم رکھ جو تیری جناب تک پہنچاتا ہو اور تیری سزا سے بچاتا ہو۔ پھر واضح ہو کہ صوفیوں کے نزدیک ہدایت کے حصول کے کئی طریق ہیں جو کتاب (الٰہی) اور سنت (رسول) سے اخذ کیے گئے ہیں۔ ان میں سے پہلا طریق دلیل اور برہان کے ساتھ خدا کی معرفت طلب کرنا ہے۔ دوسرا طریق مختلف قسم کی ریاضتوں کے ذریعہ اپنے باطن کو صاف کرنا ہے اور تیسرا (طریق) ہے سب سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رخ کرنا اور اس سے اپنی محبت کو خالص کرنا۔ اور اس کی صفات سے پوری موافقت پیدا کر کے اور خدا سے علیحدگی ترک کر کے توبہ، زاری، دعاء اور عقد ہمت کے ساتھ بارگاہ ایزدی سے مدد طلب کرنا ہے۔ پھر چونکہ تلاش ہدایت اور تصفیہء نفس کا طریق ائمہ اور امت کے ہدایت یافتہ لوگوں کے وسیلہ کے بغیر وصول الی اللہ کے لیے کافی نہیں اس لیے خدا تعالیٰ محض اس قدر (یعنی اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ تک) دعاء سکھانے پر راضی نہ ہوا۔ بلکہ اس نے صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ کہہ کر ان مرشدوں اور ہادیوں کی تلاش کی ترغیب دلائی جو صاف باطن اور اجتہاد کرنے والے لوگوں میں سے ہادی اور راہنما ہیں یعنی رسولوں اور نبیوں کی ۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے جھوٹ اور فریب یعنی دارِ دنیا پر دارالحق (آخرت) کو ترجیح دی۔

حصول معرفت کے تین مدارج

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۔ (النحل :91)

پہلے طور پر اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ تم اپنے خالق کے ساتھ اس کی اطاعت میں عدل کا طریق مرعی رکھو ظالم نہ بنو۔ پس جیسا کہ درحقیقت بجز اس کے کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں ۔کوئی بھی محبت کے لائق نہیں۔ کوئی بھی توکّل کے لائق نہیں کیونکہ بوجہ خالقیت اور قیومیت و ربوبیت خاصہ کے ہر یک حق اسی کا ہے اسی طرح تم بھی اس کے ساتھ کسی کو اس کی پرستش میں اور اس کی محبت میں اور اس کی ربوبیت میں شریک مت کرو۔ **اگر تم نے اس قدر کرلیا تو یہ عدل ہے جس کی رعایت تم پر فرض تھی۔**

پھر اگر اس پر ترقی کرنا چاہو تو احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تم اس کی عظمتوں کے ایسے قایل ہو جاؤ اور اس کے آگے اپنی پرستشوں میں ایسے متادب بن جاؤ اور اس کی محبت میں ایسے کھوئے جاؤ کہ گویا تم نے اس کی عظمت اور جلال اور اس کے حسن لازوال کو دیکھ لیا ہے۔

بعد اس کے اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہاری پرستش اور تمہاری محبت اور تمہاری فرماں برداری سے بالکل تکلف اور تصنع دور ہو جائے اور تم اس کو ایسے جگری تعلق سے یاد کرو کہ جیسے مثلاً تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو اور تمہاری محبت اس سے ایسی ہو جائے کہ جیسے مثلاً بچہ اپنی پیاری ماں سے محبت رکھتا ہے۔

اور دوسرے طور پر جو ہمدردی بنی نوع سے متعلق ہے اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ اپنے بھائیوں اور بنی نوع سے عدل کرو اور اپنے حقوق سے زیادہ ان سے کچھ تعرض نہ کرو اور انصاف پر قائم رہو۔

اور اگر اس درجہ سے ترقی کرنی چاہو تو اس سے آگے احسان کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کی بدی کے مقابل نیکی کرے اور اس کی آزار کی عوض میں تُو اس کو راحت پہنچاوے اور مروّت اور احسان کے طور پر دستگیری کرے۔............

سو یہ اخلاقی ترقی کا آخری کمال ہے کہ ہمدردی خلائق میں کوئی نفسانی مطلب یا مدعا یا غرض درمیان نہ ہو بلکہ اخوت و قرابت انسانی کا جوش اس اعلیٰ درجہ پر نشو ونما پا جائے کہ خود بخود بغیر کسی تکلف کے اور بغیر پیش نہاد رکھنے کسی قسم کے شکرگزاری یا دعا یا اور کسی قسم کی پاداش کے وہ نیکی فقط فطرتی جوش سے صادر ہو۔

(ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 552-550)

حقیقی زندگی کا حصول

اِنَّهٗ مَنۡ یَّاۡتِ رَبَّهٗ مُجۡرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَلَا یَحۡیٰی۔ (طٰہٰ:75)

کسی چیز کی بجز خدا کے کوئی ہستی نہیں محض خدا ہے جس کا نام ہست ہے پھر اس کے زیر سایہ ہو کر اور اس کی محبت میں محو ہو کر واصلوں کی روحیں حقیقی زندگی پاتی ہیں اور اس کے وصال کے بغیر زندگی حاصل نہیں ہو سکتی اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں کافروں کا نام مردے رکھتا ہے اور دوزخیوں کی نسبت فرماتا ہے اِنَّهٗ مَنۡ یَّاۡتِ رَبَّهٗ مُجۡرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَلَا یَحۡیٰی (طٰہٰ: 75)۔ یعنی جو شخص مجرم ہونے کی حالت میں اپنے رب کو ملے گا اس کے لئے جہنم ہے۔ نہ اس میں مرے گا نہ زندہ رہے گا یعنی اس لئے نہیں مرے گا کہ دراصل وہ تعبد ابدی کے لئے پیدا کیا گیا ہے لہٰذا اس کا وجود ضروری ہے اور اس کو زندہ بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ حقیقی زندگی وصال الٰہی سے حاصل ہوتی ہے اور حقیقی زندگی عین نجات ہے اور وہ بجز عشق الٰہی اور وصال حضرتِ عزت کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگر غیر قوموں کو حقیقی زندگی کی فلاسفی معلوم ہوتی تو وہ کبھی دعویٰ نہ کرتے کہ تمام ارواح خود بخود قدیم سے اپنا وجود رکھتے ہیں اور حقیقی زندگی سے بہرہ ور ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ علوم آسمانی ہیں اور آسمان سے ہی نازل ہوتے ہیں اور آسمانی لوگ ہی ان کی حقیقت کو جانتے ہیں اور دنیا ان سے بے خبر ہے۔

(چشمہ مسیحی۔ ر۔خ۔ جلد 20 صفحہ 366)

امن کی راہ

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىهَا۔ (الشمس :10)

نہایت امن کی راہ یہی ہے کہ انسان اپنی غرض کو صاف کرے اور خالصتاً روبخدا ہو۔ اس کے ساتھ اپنے تعلقات کو صاف کرے اور بڑھائے اور وجہ اللہ کی طرف دوڑے۔ وہی اس کا مقصود اور محبوب اور تقویٰ پر قدم رکھ کر اعمال صالحہ بجا لاوے پھر سنت اللہ اپنا کام آپ کرے گی۔ اس کی نظر نتائج پر نہ ہو بلکہ نظر تو اسی ایک نقطہ پر ہو۔ اس حد تک پہنچنے کے لئے اگر یہ شرط ہو کہ وہاں پہنچ کر سب سے زیادہ سزا ملے گی تب بھی اسی کی طرف جاوے۔ یعنی کوئی ثواب یا عذاب اس کی طرف جانے کا اصل مقصد نہ ہو محض خدا تعالیٰ ہی اصل مقصد ہو۔ جب وفاداری اور اخلاص کے ساتھ اس کی طرف آئے گا اور اس کا قرب حاصل ہو گا تو یہ وہ سب کچھ دیکھے گا جو اسکے وہم وگمان میں بھی کبھی نہ گذرا ہو گا اور کشوف اور خواب تو کچھ چیز ہی نہ ہوں گے۔ پس میں تو اس راہ پر چلانا چاہتا ہوں اور یہی اصل غرض ہے اسی کو قرآن شریف میں فلاح کہا گیا ہے۔ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىهَا۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 77)

الہام حضرت اقدس:۔

امن است در مکان محبت سرائے ما
ترجمہ:۔ہمارے قیام کی محبت سرا میں امن ہی امن ہے۔
(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 257)

طریقت کی چھ حالتیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ۔ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ۔ وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ۔ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ۔ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ۔ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَ عَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ۔ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَوٰتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ۔ اُوْلٰٓئِکَ ھُمُ الْوٰرِثُوْنَ۔ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ط ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۔(المومنون1 تا 12)

اس تمام تقریر سے ثابت ہے کہ یہ مراتب ستہ عقل سلیم کے نزدیک اس مومن کی راہ میں پڑے ہیں جو اپنے وجود روحانی کو کمال تک پہنچانا چاہتا ہے اور ہر ایک انسان **تھوڑے سے غور کے ساتھ سمجھ سکتا ہے کہ ضرور مومن پر اس کے سلوک کے وقت چھ حالتیں آتی ہیں**۔ وجہ یہ کہ جب تک انسان خدا تعالیٰ سے کامل تعلق نہیں پکڑتا تب تک اس کا نفس ناقص پانچ خراب حالتوں سے پیار کرتا ہے اور ہر ایک حالت کا پیار دور کرنے کے لئے ایک ایسے سبب کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اس پیار پر غالب آ جائے۔اور نیا پیار پہلے پیار کا علاقہ توڑ دے۔

(براھین احمدیہ حصہ پنجم۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 234)

پہلی حالت

چنانچہ پہلی حالت جس سے وہ پیار کرتا ہے یہ ہے کہ وہ ایک غفلت میں پڑا ہوتا ہے اور اسکو بالکل خدا تعالیٰ سے بُعد اور دوری ہوتی ہے اور نفس ایک کفر کے رنگ میں ہوتا ہے اور غفلت کے پردے تکبر اور لاپروائی اور سنگدلی کی طرف اس کو کھینچتے ہیں اور خشوع اور خضوع اور تواضع اور فروتنی اور انکسار کا نام ونشان اس میں نہیں ہوتا اور اسی اپنی حالت سے وہ محبت کرتا ہے اور اس کو اپنے لئے بہتر سمجھتا ہے اور پھر جب عنایت الٰہیہ اس کی اصلاح کی طرف توجہ کرتی ہے تو کسی واقعہ کے پیدا ہونے سے یا کسی آفت کے نازل ہونے سے خدا تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت اور جبروت کا اس کے دل پر اثر پڑتا ہے اور اس اثر سے اس پر ایک حالت خشوع پیدا ہو جاتی ہے جو اس کے تکبر اور گردن کشی اور غفلت کی عادت کو کالعدم کر دیتی ہے اور اس سے علاقہ محبت توڑ دیتی ہے۔

(براھین احمدیہ۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 235-234)

دوسری حالت

پھراس کے بعد دوسری حالت یہ ہے کہ ایسے مومن کو خدا تعالیٰ کی طرف کچھ رجوع تو ہو جاتا ہے مگراس رجوع کے ساتھ لغو باتوں اورلغو کاموں اورلغوشغلوں کی پلیدی لگی رہتی ہے جس سے وہ اُنس اورمحبت رکھتا ہے۔ ہاں کبھی نماز میں خشوع کے حالات بھی اس سے ظہور میں آتے ہیں۔لیکن دوسری طرف لغوحرکات بھی اس کے لازم حال رہتی ہیں اورلغوتعلقات اورلغومجلسیں اورلغوہنسی ٹھٹھا اس کے گلے کا ہار رہتا ہے۔گویا وہ دورنگ رکھتا ہے کبھی کچھ کبھی کچھ۔

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبرمے کنند　　چوں بخلوت مے روندآں کارِ دیگر مے کنند

ترجمہ: واعظ جومحراب اورممبر پر چڑھ کرتقریریں کرتے ہیں جب خلوت میں جاتے ہیں تو غلط کام کرنے لگتے ہیں۔

پھر جب عنایت الٰہیہ اس کوضائع کرنانہیں چاہتی تو پھرایک اورجلوہ عظمت اورہیبت اورجبروت الٰہی کا اس کے دل پرنازل ہوتا ہے جو پہلے جلوہ سے زیادہ تیز ہوتا ہے اورقوت ایمانی اس سے تیز ہو جاتی ہے اور ایک آگ کی طرح مومن کے دل پر پڑ کرتمام خیالات لغواس کے ایک دم میں بھسم کر دیتی ہے۔اور یہ جلوہ عظمت اورجبروت الٰہی کا اس قدرحضرت عزت کی محبت اس کے دل میں پیدا کرتا ہے کہ لغو کاموں اور لغو شغلوں کی محبت پر غالب آجاتا ہے اوران کو دفع اور دورکر کے ان کی جگہ لے لیتا ہے۔اورتمام بیہودہ شغلوں کی محبت پر غالب آجاتا ہے اوران کو دفع اور دور کر کے ان کی جگہ لے لیتا ہے۔اورتمام بیہودہ شغلوں سے دل کوسرد کر دیتا ہے تب لغو کاموں سے دل کوایک کراہت پیدا ہو جاتی ہے۔

(براھین احمدیہ حصہ پنجم۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 236-235)

تیسری حالت

پھرلغوشغلوں اورلغوکاموں کے دور ہونے کے بعدایک تیسری خراب حالت مومن میں باقی رہ جاتی ہے جس سے وہ دوسری حالت کی نسبت بہت محبت رکھتا ہے یعنی طبعاً مال کی محبت اس کے دل میں ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنی زندگی اورآرام کا مدار مال کو ہی سمجھتا ہے اورنیز اس کے حاصل ہونے کا ذریعہ صرف اپنی محنت اورمشقت خیال کرتا ہے۔پس اس وجہ سے اس پرخدا تعالیٰ کی راہ میں مال کا چھوڑنا بہت بھاری اورتلخ ہوتا ہے۔

پھر جب عنایت الٰہیہ اس ورطہءعظیمہ سے اس کو نکالنا چاہتی ہے تو رازقیّتِ الٰہیہ کا علم اس کوعطا کیا جاتا ہے اورتوکل کا بیج اس میں بویا جاتا ہے اورساتھ اس کے ہیبت الٰہیہ بھی کام کرتی ہے اور دونوں تجلیات جمالی اور جلالی اس کے دل کو اپنے قابو میں لے آتی ہیں۔تب مال کی محبت بھی دل میں سے بھاگ جاتی ہے اور مال دینے والے کی محبت کا تخم دل میں بویا جاتا ہے اورایمان قوی کیا جاتا ہے۔

(براہین احمدیہ پنجم۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 236)

چوتھی حالت

پھر بعد اس کے چوتھی حالت ہے جس سے نفس امارہ بہت ہی پیار کرتا ہے۔ اور جو تیسری حالت سے بدتر ہے۔ کیونکہ تیسری حالت میں تو صرف مال کا اپنے ہاتھ سے چھوڑنا ہے۔ مگر چوتھی حالت میں نفس امارہ کی شہوات محرّمہ کو چھوڑنا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مال کا چھوڑنا بہ نسبت شہوات کے چھوڑنے سے انسان پر طبعاً سہل ہوتا ہے۔ اس لئے یہ حالت بہ نسبت حالت گذشتہ کے بہت شدید اور خطرناک ہے اور فطرتاً انسان کو شہوات نفسانیہ کا تعلق بہ نسبت مال کے تعلق کے بہت پیارا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مال کو جو اس کے نزدیک مدار آسائش ہے بڑی خوشی سے شہوات نفسانیہ کی راہ میں فدا کر دیتا ہے۔ اور اس حالت کے خوفناک جوش کی شہادت میں یہ آیت کافی ہے۔ وَ لَقَدۡ ھَمَّتۡ بِہٖ وَ ھَمَّ بِھَا لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّاٰ بُرۡھَانَ رَبِّہٖ (یوسف:25)۔ یعنی یہ ایسا منہ زور جوش ہے کہ اس کا فرو ہونا کسی برہان قوی کا محتاج ہے۔ پس ظاہر ہے کہ درجہ چہارم پر قوت ایمانی بہ نسبت درجہ سوم کے بہت قوی اور زبردست ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت اور جبروت کا مشاہدہ بھی پہلے کی نسبت اس میں زیادہ ہوتا ہے

(براہین احمدیہ پنجم۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 237)

پانچویں حالت

پھر چوتھی حالت کے بعد پانچویں حالت ہے جس کے مفاسد سے نہایت سخت اور شدید محبت نفس امّارہ کو ہے۔ کیونکہ اس مرتبہ پر صرف ایک لڑائی باقی رہ جاتی ہے اور وہ وقت قریب آ جاتا ہے کہ حضرت عزّت جلشانہ کے فرشتے اس وجود کی تمام آبادی کو فتح کر لیں اور اس پر اپنا پورا تصرف اور دخل کر لیں اور تمام نفسانی سلسلہ کو درہم برہم کر دیں۔ اور نفسانی قویٰ کے قریہ کو ویران کر دیں۔ اور اس کے نمبرداروں کو ذلیل اور پست کر کے دکھلاویں اور پہلی سلطنت پر ایک تباہی ڈال دیں۔ اور انقلاب سلطنت پر ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ اِنَّ الۡمُلُوۡکَ اِذَا دَخَلُوۡا قَرۡیَۃً اَفۡسَدُوۡھَا وَ جَعَلُوۡۤا اَعِزَّۃَ اَھۡلِھَاۤ اَذِلَّۃً وَ کَذٰلِکَ یَفۡعَلُوۡنَ (النمل:35) **اور یہ مومن کیلئے ایک آخری امتحان اور آخری جنگ ہے جس پر اس کے تمام مراتب سلوک ختم ہو جاتے اور اس کا سلسلہ ترقیات جو کسب اور کوشش سے ہے انتہا تک پہنچ جاتا ہے۔** اور انسانی کوششیں اپنے اخیر نقطہ تک منزل طے کر لیتی ہیں۔ پھر بعد اس کے صرف موہبت اور فضل کا کام باقی رہ جاتا ہے جو خلق آخر کے متعلق ہے۔

(براہین احمدیہ پنجم۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 238)

چھٹی حالت

پھر بعد اس کے وجود روحانی کا مرتبہ ششم ہے یہ وہی مرتبہ ہے جس میں مومن کی محبت ذاتیہ اپنے کمال کو پہنچ کر اللہ جل شانہ کی محبت ذاتیہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے تب خدا تعالیٰ کی وہ محبت ذاتی مومن کے اندر داخل ہوتی ہے اور اس پر احاطہ کرتی ہے جس سے ایک نئی اور فوق العادت طاقت مومن کو ملتی ہے اور وہ ایمانی طاقت ایمان میں ایک ایسی زندگی پیدا کرتی ہے جیسے ایک قالب بے جان میں روح داخل ہو جاتی ہے بلکہ وہ مومن میں داخل ہو کر درحقیقت ایک روح کا کام کرتی ہے۔ تمام قویٰ میں اس سے ایک نور پیدا ہوتا ہے۔ اور روح القدس کی تائید ایسے مومن کے شامل حال ہوتی ہے کہ وہ باتیں اور وہ علوم جو انسانی طاقت سے برتر ہیں وہ اس درجہ کے مومن پر کھولے جاتے ہیں اور اس درجہ کا مومن ایمانی ترقیات کے تمام مراتب طے کر کے ان ظلّی کمالات کی وجہ سے جو حضرت عزت کے کمالات سے اس کو ملتے ہیں آسمان پر خلیفۃ اللہ کا لقب پاتا ہے۔ ایسا ہی اس درجہ کا مومن جو نہ صرف ترک نفس کرتا ہے بلکہ نفیٔ وجود اور ترک نفس کے کام کو اس درجہ کے کمال تک پہنچاتا ہے کہ اس کے وجود میں سے کچھ بھی نہیں رہتا اور صرف آئینہ کے رنگ میں ہو جاتا ہے۔ تب ذات الٰہی کے تمام نقوش اور تمام اخلاق اس میں مندرج ہو جاتے ہیں اور جیسا کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ آئینہ جو ایک سامنے کھڑے ہونیوالے منہ کے تمام نقوش اپنے اندر لے کر اس منہ کا خلیفہ ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مومن بھی ظلّی طور پر اخلاق اور صفات الٰہیہ کو اپنے اندر لے کر خلافت کا درجہ حاصل کرتا ہے اور ظلّی طور پر الٰہی صورت کا مظہر ہو جاتا ہے اور جیسا کہ خدا غیب الغیب ہے اور اپنی ذات میں وراء الوراء ہے ایسا ہی یہ مومن کامل اپنی ذات میں غیب الغیب اور وراء الوراء ہوتا ہے۔ دنیا اس حقیقت تک پہنچ نہیں سکتی۔ کیونکہ وہ دنیا کے دائرہ سے بہت ہی دور چلا جاتا ہے۔

(براہین احمدیہ پنجم۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 242-241)

خدا راست آں بندگان کرام   کہ از بہر شان مے کند صبح و شام

خدا کے نیک بندے ایسے بھی ہیں جن کے لیے خدا صبح و شام کو پیدا کرتا ہے۔

بدنبال چشمے چومے بنگرند   جہانے بدنبال خودمے کشند

جب وہ کن آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو ایک جہان کو اپنے پیچھے کھینچ لیتے ہیں۔

اثر ہاست در گفتگوہائے شاں   چکد نور وحدت زِ روہائے شاں

ان کے کلام میں اثر ہوتا ہے اور ان کے چہروں سے توحید کا نور ٹپکتا ہے۔

در اوشاں بہ اظہارِ ہر خیر و شر   نہادست حق خاصیت مستتر

ان میں نیکی اور بدی کے اظہار کے لیے خدا تعالےٰ نے مخفی خاصیت رکھ دی ہے۔

بگفتن اگرچہ خدا نیستند   ولے از خدا ہم جدا نیستند

اگرچہ کہنے کو وہ خدا نہیں ہیں۔ لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہیں۔

کسے را کہ او ظلِ یزداں بود   قیاسش بخود جہل و طغیاں بود

جو شخص خدا کا ظل ہو اس کو اپنے پر قیاس کرنا جہالت اور سرکشی ہے۔

(اخبار بدر جلد 8 نمبر 27 مورخہ 29 اپریل 1909ء) (درثمین فارسی صفحہ 322)

طریقت ۔ نفس کے تین درجے

وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۔(یوسف :54)

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس انسانی کی تین حالتیں ہیں ایک امّارہ۔ دوسری لوّامہ۔ تیسری مطمئنہ ۔ نفس امارہ کی حالت میں انسان شیطان کے پنجہ میں گویا گرفتار ہوتا ہے اور اس کی طرف بہت جھکتا ہے لیکن نفس لوامہ کی حالت میں وہ اپنی خطا کاریوں پر نادم ہوتا اور شرمسار ہو کر خدا کی طرف جھکتا ہے مگر اس حالت میں بھی ایک جنگ رہتی ہے کبھی شیطان کی طرف جھکتا ہے اور کبھی رحمان کی طرف مگر نفس مطمئنہ کی حالت میں وہ عبادالرحمان کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ گویا ارتفاعی نقطہ ہے جس کے بالمقابل نیچے کی طرف امارہ ہے۔ اس میزان کے بیچ میں لوامہ ہے جو ترازو کی زبان کی طرح ہے۔ انخفاضی نقطہ کی طرف اگر زیادہ جھکتا ہے تو حیوانات سے بھی بدتر اور ارذل ہو جاتا ہے اور ارتفاعی نقطہ کی طرف جس قدر رجوع کرتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کی طرف قریب ہوتا جاتا ہے اور سفلی اور ارضی حالتوں سے نکل کر علوی اور سماوی فیضان سے حصہ لیتا ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 69-68)

پاکبازی کی اصل جڑ ایمان باللہ ہے

یقیناً سمجھو کہ ہر ایک پاکبازی اور نیکی کی اصلی جڑ خدا پر ایمان لانا ہے۔ جس قدر انسان کا ایمان باللہ کمزور ہوتا ہے اسی قدر اعمال صالحہ میں کمزوری اور سستی پائی جاتی ہے لیکن جب ایمان قوی ہو اور اللہ تعالیٰ کو اس کی تمام صفات کاملہ کے ساتھ یقین کر لیا جائے اسی قدر عجیب رنگ کی تبدیلی انسان کے اعمال میں پیدا ہو جاتی ہے خدا پر ایمان رکھنے والا گناہ پر قادر نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ ایمان اس کی نفسانی قوتوں اور گناہ کے اعضا کو کاٹ دیتا ہے۔ دیکھو اگر کسی کی آنکھیں نکال دی جاویں تو وہ آنکھوں سے بدنظری کیونکر کر سکتا ہے اور آنکھوں کا گناہ کیسے کرے گا اور اگر ایسا ہی ہاتھ کاٹ دیئے جاویں یا شہوانی قویٰ کاٹ دیئے جاویں۔ پھر وہ گناہ جو ان اعضا سے متعلق ہیں کیسے کر سکتا ہے؟ ٹھیک اسی طرح پر جب ایک انسان نفس مطمئنہ کی حالت میں ہوتا ہے تو نفس مطمئنہ اسے اندھا کر دیتا ہے اور اس کی آنکھوں میں گناہ کی قوت نہیں رہتی۔ وہ دیکھتا ہے پر نہیں دیکھتا کیونکہ آنکھوں کے گناہ کی نظر سلب ہو جاتی ہے۔ وہ کان رکھتا ہے مگر بہرہ ہوتا ہے اور وہ باتیں جو گناہ کی ہیں نہیں سن سکتا۔ اسی طرح پر اس کی تمام نفسانی اور شہوانی قوتیں اور اندرونی اعضا کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ اس کی ان ساری طاقتوں پر جن سے گناہ صادر ہو سکتا تھا ایک موت واقع ہو جاتی ہے اور وہ بالکل ایک میّت کی طرح ہوتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ ہی کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔ وہ اس کے سوا ایک قدم نہیں اٹھا سکتا۔ **یہ وہ حالت ہوتی ہے جب خدا تعالیٰ پر سچا ایمان ہو اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کامل اطمینان اسے دیا جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جو انسان کا اصل مقصود ہونا چاہیئے اور ہماری جماعت کو اسی کی ضرورت ہے اور اطمینان کامل کے حاصل کرنے کے واسطے ایمان کامل کی ضرورت ہے پس ہماری جماعت کا پہلا فرض یہ ہے۔** کہ وہ اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان حاصل کرلے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 504)

ہمیں اس یار سے تقویٰ عطا ہے
نہ یہ ہم سے کہ احسانِ خدا ہے
کرو کوشش اگر صدق و صفا ہے
کہ یہ حاصل ہو جو شرط لقا ہے
یہی آئینۂ خالق نما ہے
یہی اک جوہر سیفِ دعا ہے
ہر اک نیکی کی جڑھ یہ اتقا ہے
اگر یہ جڑھ رہی سب کچھ رہا ہے
یہی اک فخر شانِ اولیاء ہے
بجز تقویٰ زیادت ان میں کیا ہے
ڈرو یارو کہ وہ بینا خدا ہے
اگر سوچو ۔ یہی دارالجزاء ہے
مجھے تقویٰ سے اس نے یہ جزا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادي
عجب گوہر ہے جس کا نام تقویٰ
مبارک وہ ہے جس کا کام تقویٰ
سنو! ہے حاصل اسلام تقویٰ
خدا کا عشق ے اور جام تقویٰ
مسلمانو ! بناؤ تام تقویٰ
کہاں ایماں اگر ہے خام تقویٰ
یہ دولت تو نے مجھ کو اے خدا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادي

(درثمین اردو)

مقاماتِ سلوک ۔ مقامِ فنا

اس جگہ یہ نکتہ بھی یاد رہے کہ آیت موصوفہ بالا یعنے بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَ ھُوَ مُحْسِنٌ فَلَہٗٓ اَجْرُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (البقرة:113) سعادت تامّہ کے تینوں ضروری درجوں یعنے فنا اور بقا اور لقا کی طرف اشارت کرتی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں **اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ کا فقرہ یہ تعلیم کر رہا ہے کہ تمام قویٰ اور اعضا اور جو کچھ اپنا ہے خدا تعالیٰ کو سونپ دینا چاہیئے اور اس کی راہ میں وقف کر دینا چاہیئے اور یہ وہی کیفیت ہے جس کا نام دوسرے لفظوں میں فنا ہے۔** وجہ یہ کہ جب انسان نے حسب مفہوم اس آیت ممدوحہ کے اپنا تمام وجود معہ اسکی تمام قوتوں کے خدا تعالیٰ کو سونپ دیا اور اسکی راہ میں وقف کر دیا اور اپنی نفسانی جنبشوں اور سکونوں سے بکلی باز آ گیا۔ تو بلاشبہ ایک قسم کی موت اسپر طاری ہوگئی اور اسی موت کو اہل تصوف فنا کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

مقامِ بقا

پھر بعد اسکے وَھُوَ مُحْسِنٌ کا فقرہ مرتبہ بقا کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ جب انسان بعد فنائے اکمل واتم وسلب جذبات نفسانی ۔ الٰہی جذبہ اور تحریک سے پھر جنبش میں آیا اور بعد منقطع ہو جانے تمام نفسانی حرکات کے پھر ربانی تحریکوں سے پر ہو کر حرکت کرنے لگا تو یہ وہ حیات ثانی ہے جس کا نام بقا رکھنا چاہیئے ۔

مقام لقا

پھر بعد اسکے یہ فقرات فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۔ جو اثبات وایجاب اجر ونفی وسلب خوف وحزن پر دلالت کرتی ہیں یہ حالت لقا کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جس وقت انسان کے عرفان اور یقین اور توکل اور محبت میں ایسا مرتبہ عالیہ پیدا ہو جائے کہ اس کے خلوص اور ایمان اور وفا کا اجر اسکی نظر میں وہمی اور خیالی اور ظنی نہ رہے بلکہ ایسا یقینی اور قطعی اور مشہود اور مرئی اور محسوس ہو کہ گویا وہ اس کو مل چکا ہے اور خدا تعالیٰ کے وجود پر ایسا یقین ہو جائے کہ گویا اس کو دیکھ رہا ہے اور ہر یک آئندہ کا خوف اس کی نظر سے اٹھ جاوے اور ہر یک گذشتہ اور موجودہ غم کا نام ونشان نہ رہے اور ہر یک روحانی تنعم موجود الوقت نظر آوے تو یہی حالت جو ہر یک قبض اور کدورت سے پاک اور ہر یک دغدغہ اور شک سے محفوظ اور ہر یک درد انتظار سے منزہ ہے لقا کے نام سے موسوم ہے اور اس مرتبہ لقا پر محسن کا لفظ جو آیت میں موجود ہے نہایت صراحت سے دلالت کر رہا ہے کیونکہ احسان حسب تشریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت کاملہ کا نام ہے کہ جب انسان اپنی پرستش کی حالت میں خدا تعالیٰ سے ایسا تعلق پیدا کرے کہ گویا اسکو دیکھ رہا ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد5صفحہ 64-63)

چھٹی فصل

سالک تھوڑے ہوتے ہیں

اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا ؕ وَ قَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ۔ (سبا:14)

خوش قسمت وہی انسان ہے جو ایسے مردانِ خدا کے پاس رہ کر (جن کو اللہ تعالیٰ اپنے وقت پر بھیجتا ہے) اس غرض اور مقصد کو حاصل کرے جس کے لئے وہ آتے ہیں۔ ایسے لوگ اگرچہ تھوڑے ہوتے ہیں لیکن ہوتے ضرور ہیں۔ وَ قَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ۔ اگر تھوڑے نہ ہوتے تو پھر بے قدری ہو جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ سونا چاندی لوہے اور ٹین کی طرح عام نہیں ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 412)

خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے قَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ کہ شاکر اور سمجھدار بندے ہمیشہ کم ہوتے ہیں جو کہ حقیقی طور پر قرآن مجید پر چلنے والے ہیں اور خدا تعالیٰ نے ان کو اپنی محبت اور تقویٰ عطا کیا ہے۔ **وہ خواہ قلیل ہوں مگر اصل میں وہی سوادِ اعظم ہے۔** (ملفوظات جلد سوم صفحہ 548)

اللہ تعالیٰ کثرت اور تعداد کے رعب میں نہیں آتا قَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ۔ دیکھو حضرت نوحؑ کے وقت کس قدر مخلوق غرق آب ہوئی اور ان کے بالمقابل جو لوگ بچ گئے ان کی تعداد کس قدر تھی۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 19)

اولیاء اللہ میں درجات

تِلۡکَ الرُّسُلُ فَضَّلۡنَا بَعۡضَھُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ۔ (البقرۃ :254)

یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اولیاء اللہ کے بھی کئی درجات ہوتے ہیں اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَضَّلۡنَا بَعۡضَھُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ بعض بعض پر فضیلت رکھتے ہیں بلکہ بعض اس مقام تک پہنچ جاتے ہیں کہ ادنیٰ درجہ کے صلحاء ان کو شناخت نہیں کر سکتے اور ان کے مقام عالی سے منکر رہتے ہیں اور یہ ان کے لیے ابتلا اور ٹھوکر کا باعث ہو جاتا ہے اصل بات یہ ہے کہ ربوبیت کی تجلیات الگ الگ ہوتی ہیں۔ جو اخص العباد ہوتے ہیں وہ اعلیٰ درجہ کی تجلی سے مخصوص کیے جاتے ہیں دوسروں کو اس تجلی سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔ اگرچہ خدا ایک ہے اور واحد لاشریک ہے مگر پھر بھی مختلف تجلیات کے اعتبار سے ہر ایک کا جدا جدا ربّ ہے یہ نہیں کہ ربّ بہت ہیں ربّ ایک ہی ہے جو سب کا ربّ ہے اور کثرت کا قایل کافر ہے مگر تعلقات کے مختلف مراتب کے لحاظ سے اور صفات الٰہیہ کے ظہور کی کمی بیشی کے لحاظ سے ہر ایک کا جدا جدا ربّ کہنا پڑتا ہے جیسا کہ بہت سے آئینے اگر ایک چہرہ کے مقابل پر رکھے جائیں جن میں سے بعض آئینے اس قدر چھوٹے ہوں کہ جیسے آرسی کا شیشہ ہوتا ہے اور بعض اس سے بھی چھوٹے اور بعض اس قدر چھوٹے کہ گویا آرسی کے آئینہ سے پچاسواں حصہ ہیں اور بعض آرسی کے آئینہ سے کسی قدر بڑے ہیں اور بعض

اس قدر بڑے ہیں کہ ان میں پورا چہرہ نظر آ سکتا ہے پس اس میں شک نہیں کہ اگرچہ چہرہ ایک ہی ہے لیکن جس قدر آئینہ چھوٹا ہوگا چہرہ بھی اس میں چھوٹا دکھائی دیگا۔ یہاں تک کہ بعض نہایت چھوٹے آئینوں میں ایک نقطہ کی طرح چہرہ نظر آئے گا اور ہرگز پورا چہرہ نظر نہیں آئے گا جب تک پورا آئینہ نہ ہو پس اس میں کچھ شک نہیں کہ چہرہ تو ایک ہے اور یہ بات واقعی صحیح ہے لیکن جو بظاہر مختلف آئینوں میں نظر آتا ہے اس کی نسبت یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ وہ باعتبار اس نمائش کے ایک چہرہ نہیں ہے بلکہ کئی چہرے ہیں اسی طرح ربوبیت الٰہیہ ہر ایک کے لیے ایک درجہ پر ظاہر نہیں ہوتی **انسانی نفس تزکیہ کے بعد ایک آئینہ کا حکم رکھتا ہے جس میں ربوبیت الٰہیہ کا چہرہ منعکس ہوتا ہے مگر گو کسی کے لیے تزکیہ نفس حاصل ہو گیا ہو مگر فطرت کے لحاظ سے تمام نفوس انسانیہ برابر نہیں ہیں کسی کا دائرہ استعداد بڑا ہے اور کسی کا چھوٹا۔ جس طرح اجرام سماویہ چھوٹے بڑے ہیں۔ پس جو چھوٹی استعداد کا نفس ہے گو اس کا تزکیہ بھی ہو گیا مگر چونکہ استعداد کی رو سے اس نفس کا ظرف چھوٹا ہے اس لیے ربوبیت الٰہیہ اور تجلیات ربانیہ کا عکس بھی اس میں چھوٹا ہوگا۔** پس اس لحاظ سے اگرچہ ربّ ایک ہے لیکن ظروف نفسانیہ میں منعکس ہونے کے وقت بہت سے ربّ نظر آئیں گے۔ **یہی بھید ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہی کہتے تھے کہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم یعنے میرا ربّ سب سے بڑا اور بزرگ ہے۔ پس اگرچہ ربّ تو ایک ہے مگر تجلیات عظیمہ اور ربوبیت عالیہ کی وجہ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب سب سے اعلیٰ ہے۔** (چشمہ معرفت۔ ر۔خ۔ جلد23 صفحہ 348-347)

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِیَۃٌۢ بِقَدَرِہَا فَاحۡتَمَلَ السَّیۡلُ زَبَدًا رَّابِیًا ؕ وَ مِمَّا یُوۡقِدُوۡنَ عَلَیۡہِ فِی النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡیَۃٍ اَوۡ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُہٗ ؕ کَذٰلِکَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡحَقَّ وَ الۡبَاطِلَ ۬ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذۡہَبُ جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ ؕ کَذٰلِکَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ۔ (الرعد :18)

خدا نے آسمان سے پانی (اپنا کلام) اتارا سو اس پانی سے ہر یک وادی اپنی قدر کے موافق بہ نکلا۔ **یعنی ہر یک کو اس میں سے اپنی طبیعت اور خیال اور لیاقت کے موافق حصہ ملا۔** طبایع عالیہ اسرار حکمیہ سے متمتع ہوئیں اور جو ان سے بھی اعلیٰ تھے ان سے بھی اعلیٰ تھے انہوں نے ایک عجیب روشنی پائی کہ جو حد تحریر و تقریر سے خارج ہے اور جو کم درجہ پر تھے انہوں نے مخبر صادق کی عظمت اور کمالیت ذاتی کو دیکھ کر دلی اعتقاد سے اس کی خبروں پر یقین کر لیا اور اس طرح پر وہ بھی یقین کی کشتی میں بیٹھ کر ساحل نجات تک جا پہنچے اور صرف وہی لوگ باہر رہ گئے جن کو خدا سے کچھ غرض نہ تھی اور فقط دنیا کے ہی کیڑے تھے۔ (براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد1 صفحہ 212 حاشیہ نمبر 11)

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ۔ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِيْ لَهَا اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ط وَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۔ (یٰسٓ 41-40)

ایک اور نکتہ قابل یادداشت ہے اور وہ یہ کہ تیسری قسم کے لوگ بھی جن کا خدا تعالیٰ سے کامل تعلق ہوتا ہے اور کامل اور مصفّٰی الہام پاتے ہیں قبول فیوضِ الٰہیہ میں برابر نہیں ہوتے اور ان سب کا دائرہ استعداد فطرت باہم برابر نہیں ہوتا بلکہ کسی کا دائرہ استعداد فطرت کم درجہ پر وسعت رکھتا ہے اور کسی کا زیادہ وسیع ہوتا ہے اور کسی کا بہت زیادہ اور کسی کا اس قدر جو خیال وگمان سے برتر ہے **اور کسی کا خدا تعالیٰ سے رابطہ محبت قوی ہوتا ہے اور کسی کا اقویٰ اور کسی کا اس قدر کہ دنیا اس کو شناخت نہیں کر سکتی اور کوئی عقل اس کے انتہاء تک نہیں پہنچ سکتی اور وہ اپنے محبوب ازلی کی محبت میں اس قدر محو ہوتے ہیں کہ کوئی رگ وریشہ ان کی ہستی اور وجود کا باقی نہیں رہتا اور یہ تمام مراتب کے لوگ بموجب آیت** كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (الانبیاء:34) **اپنے دائرہ استعداد فطرت سے زیادہ ترقی نہیں کر سکتے** اور کوئی ان میں سے اپنے دائرہ فطرت سے بڑھ کر کوئی نور حاصل نہیں کر سکتا اور نہ کوئی روحانی تصویر آفتاب نورانی کی اپنی فطرت کے دائرہ سے بڑھ کر اپنے اندر لے سکتا ہے اور خدا تعالیٰ ہر ایک کی استعداد فطرت کے موافق اپنا چہرہ اس کو دکھا دیتا ہے اور فطرتوں کی کمی بیشی کی وجہ سے وہ چہرہ کہیں چھوٹا ہو جاتا ہے اور کہیں بڑا۔

(حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 28-27)

من اندر کارِ خود حیرانم و رازش نمے دانم — کہ من بے خدمتے دیدم چنیں نعماء وحشمت را

مگر میں اپنے معاملہ میں حیران ہوں اور اس کا بھید نہیں جانتا کیونکہ بغیر کسی خدمت کے ایسی نعمتیں اور عزتیں مجھے مل گئیں۔

نہاں اندر نہاں اندر نہاں اندر نہاں ہستم — کجا باشد خبر از ما گرفتارانِ نخوت را

میں پوشیدہ در پوشیدہ ہوں۔ پس ہمارے متعلق متکبر انسانوں کو کیا خبر ہو سکتی ہے۔

(درثمین فارسی صفحہ 310)(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 76)

ساتویں فصل

مجاہدہ ضروری ہے

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ

اس سورۃ میں جس کا نام خاتم الکتاب اورام الکتاب بھی ہے صاف طور پر بتا دیا ہے کہ انسانی زندگی کا کیا مقصد ہے اوراس کے حصول کی کیا راہ ہے؟

اِیَّاکَ نَعْبُدُ گویا انسانی فطرت کا اصل تقاضا اورمنشاء ہے اسے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پرمقدم کرکے یہ بتایا ہے کہ **پہلے ضروری ہے کہ جہاں تک انسان کی اپنی طاقت۔ ہمت اور سمجھ میں ہو خدا تعالیٰ کی رضامندی کی راہوں کے اختیار کرنے میں سعی اور مجاہدہ کرے اور خدا تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں سے پورا کام لے اوراس کے بعد پھر خدا تعالیٰ سے اس کی تکمیل اور نتیجہ خیز ہونے کے لیے دعا کرے۔**

(ملفوظات جلد اول صفحہ 235)

وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (العنکبوت: 70)

جو لوگ چاہتے ہیں کہ ہمیں کوئی محنت اور مشقت نہ کرنی پڑے وہ بیہودہ خیال کرتے ہیں اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں صاف فرمایا ہے وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا **۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے دروازوں کے کھلنے کیلئے مجاہدہ کی ضرورت ہے اور وہ مجاہدہ اسی طریق پر ہو جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے۔اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ اور اسوہ حسنہ ہے** بہت سے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور پھر سبز پوش یا گیرو ے پوش فقیروں کی خدمت میں جاتے ہیں کہ پھونک مار کر کچھ بنا دیں۔ یہ بیہودہ بات ہے۔ ایسے لوگ جو شرعی امور کی پابندیاں نہیں کرتے اور ایسے بیہودہ دعوے کرتے ہیں وہ خطرناک گناہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے بھی اپنے مراتب کو بڑھانا چاہتے ہیں کیونکہ ہدایت دینا اللہ تعالےٰ کا فعل ہے اور وہ مشت خاک ہو کر خود ہدایت دینے کے مدعی ہوتے ہیں۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 240)

بموجب تعلیم قرآن شریف ہمیں یہ امر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اپنے کرم۔ رحم' لطف اور مہربانیوں کے صفات بیان کرتا ہے اور رحمٰن ہونا ظاہر کرتا ہے اور دوسری طرف فرماتا ہے کہ اِنَّ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی (النجم:40) اور وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ (العنکبوت:70) فرما کر اپنے فیض کو سعی اور مجاہدہ میں منحصر فرماتا ہے نیز اس میں صحابہ رضی اللہ (عنہم) کا طرز عمل ہمارے واسطے ایک اسوہ حسنہ اور عمدہ نمونہ ہے۔ صحابہؓ کی زندگی میں غور کرکے دیکھو بھلا انہوں نے محض معمولی نمازوں سے ہی وہ مدارج حاصل کر لئے تھے؟ نہیں۔ بلکہ انہوں نے تو خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے واسطے اپنی جانوں تک کی پرواہ نہیں کی اور بھیڑ بکریوں کی طرح خدا کی راہ میں قربان ہو گئے جب جا کر کہیں ان کو یہ رتبہ حاصل ہوا تھا۔ اکثر لوگ ہم نے ایسے دیکھے ہیں وہ یہی چاہتے ہیں کہ ایک پھونک مار کر ان کو وہ درجات دلا دئے جاویں اور عرش تک ان کی رسائی ہو جاوے۔

ہمارے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑھ کر کون ہوگا۔ وہ افضل البشر افضل الرسل والانبیاء تھے جب انہوں نے ہی پھونک سے وہ کام نہیں کئے تو اور کون ہے جو ایسا کر سکے۔ دیکھو آپ نے غار حراء میں کیسے کیسے ریاضات کئے۔ خدا جانے کتنی مدت تک تضرعات اور گریہ وزاری کیا کئے۔ تزکیہ کے لئے کیسی کیسی جانفشانیاں اور سخت سے سخت محنتیں کیا کئے جب جا کر کہیں خدا کی طرف سے فیضان نازل ہوا۔

اصل بات یہی ہے کہ انسان خدا کی راہ میں جب تک اپنے اوپر ایک موت اور حالت فنا وارد نہ کر لے تب تک ادھر سے کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ البتہ جب خدا دیکھتا ہے کہ انسان نے اپنی طرف سے کمال کوشش کی ہے اور میرے پانے کے واسطے اپنے اوپر موت وارد کر لی ہے تو پھر وہ انسان پر خود ظاہر ہوتا ہے اور اس کو نوازتا اور قدرت نمائی سے بلند کرتا ہے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 507)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو کیا کوئی ولی بننا ہے؟ افسوس انہوں نے کچھ قدر نہ کی۔ بے شک انسان نے ولی بننا ہے۔ اگر وہ صراط مستقیم پر چلے گا تو خدا بھی اس کی طرف چلے گا اور پھر ایک جگہ پر اس کی ملاقات ہوگی۔ اس کی اس طرف سے حرکت خواہ آہستہ ہوگی لیکن اس کے مقابل خدا تعالیٰ کی حرکت بہت جلد ہوگی چنانچہ یہ آیت اسی طرف اشارہ کرتی ہے وَ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ الخ

(ملفوظات جلد اول صفحہ 28)

مجاہدہ اور الہام حضرت اقدسؑ

پھر بعد اس کے الہام ہوا۔

قَدِ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

ترجمہ۔ مومنوں پر ایک ابتلا آیا۔ یعنی بوجہ اس مقدمہ[1] کے تمہاری جماعت ایک امتحان میں پڑے گی۔

پھر بعد اس کے یہ الہام ہوا کہ

لِیَعْلَمَنَّ اللہُ الْمُجَاھِدِیْنَ مِنْکُمْ وَ لِیَعْلَمَنَّ الْکَاذِبِیْنَ۔

یہ میری جماعت کی طرف خطاب ہے کہ خدا نے ایسا کیا۔ تا خدا تمہیں جتلا دے کہ تم میں سے وہ کون ہے کہ اس کے مامور کی راہ میں صدق دل سے کوشش کرتا ہے اور وہ کون ہے جو اپنے دعویٰ بیعت میں جھوٹا ہے۔ سو ایسا ہی ہوا۔ ایک گروہ تو اس مقدمہ اور دوسرے مقدمہ میں جو مسٹر ڈوئی صاحب کی عدالت میں فیصلہ ہوا۔ صدق دل سے اور کامل ہمدردی سے تڑپتا پھرا۔ اور انہوں نے اپنی مالی اور جانی کوششوں میں فرق نہیں رکھا۔ اور دکھ اٹھا کر اپنی سچائی دکھلائی۔ اور دوسرا گروہ وہ بھی تھا۔ کہ ایک ذرہ ہمدردی میں شریک نہ ہو سکے سو ان کے لئے وہ کھڑکی بند ہے جو ان صادقوں کے لئے کھولی گئی۔

---

[1] یعنی مقدمہ اقدام قتل منجانب مارٹن کلارک (مرتب)

پھر یہ الہام ہوا کہ

صادق آں باشد کہ ایامِ بلا ے گذارد با محبت باوفا

یعنی خدا کی نظر میں صادق وہ شخص ہوتا ہے کہ جو بلا کے دنوں کو محبت اور وفا کے ساتھ گذارتا ہے۔

پھر اس کے بعد میرے دل میں ایک اور موزوں کلمہ ڈالا گیا۔ لیکن نہ اس طرح پر کہ جو الہام جلی کی صورت ہوتی ہے۔ بلکہ الہام خفی کے طور پر دل اس مضمون سے پھر گیا۔ اور وہ یہ تھا۔

گر قضارا عاشقے گردد اسیر بوسدآں زنجیر را کز آشنا

یعنی اگر اتفاقاً کوئی عاشق قید میں پڑ جائے۔ تو اس زنجیر کو چومتا ہے۔ جس کا سبب آشنا ہوا۔

(تذکرہ صفحہ 307)

عملی مجاہدہ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ (الرعد:12)

جب تک انسان مجاہدہ نہ کرے گا۔ دعا سے کام نہ لے گا وہ غمرہ جو دل پر پڑ جاتا ہے دور نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ (الرعد:12) **یعنی خدا تعالیٰ ہر ایک قسم کی آفت اور بلا کو جو قوم پر آتی ہے دور نہیں کرتا ہے جب تک خود قوم اس کو دور کرنے کی کوشش نہ کرے۔ ہمت نہ کرے۔ شجاعت سے کام نہ لے تو کیونکر تبدیلی ہو۔** اللہ تعالیٰ کی ایک لاتبدیل سنت ہے جیسے فرمایا وَ لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا (الاحزاب:63)۔ **پس ہماری جماعت ہو یا کوئی ہو وہ تبدیل اخلاق اسی صورت میں کر سکتے ہیں جبکہ مجاہدہ اور دعا سے کام لیں ورنہ ممکن نہیں ہے۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 87)

وَ نَادَیۡنٰہُ اَنۡ یّٰۤاِبۡرٰہِیۡمُ۔ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔ (الصّافّات 105-106)

صوفیوں نے لکھا ہے کہ اوائل سلوک میں جو رویا یا وحی ہو اس پر توجہ نہیں کرنی چاہیئے وہ اکثر اوقات اس راہ میں روک ہو جاتی ہے۔ انسان کی اپنی خوبی اس میں تو کوئی نہیں کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو وہ کسی کو کوئی اچھی خواب دکھاوے یا کوئی الہام کرے اس نے کیا کیا؟ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت وحی ہوا کرتی تھی لیکن اس کا کہیں ذکر بھی نہیں کیا گیا کہ اس کو یہ الہام ہوا یہ وحی ہوئی بلکہ ذکر کیا گیا ہے تو اس بات کا اِبۡرٰہِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی وہ ابراہیم جس نے وفاداری کا کامل نمونہ دکھایا یہ کہ یّٰۤاِبۡرٰہِیۡمُ۔ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔ (الصّافّات 106) یہ بات ہے جو انسان کو حاصل کرنی چاہیئے اگر یہ پیدا نہ ہو تو پھر رویا و الہام سے کیا فائدہ؟ مومن کی نظر ہمیشہ اعمال صالحہ پر ہوتی ہے اگر اعمال صالحہ پر نظر نہ ہو تو اندیشہ ہے کہ وہ مکر اللہ کے نیچے آ جائے گا۔ **ہم کو تو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کریں اور اس کے لئے ضرورت ہے اخلاص کی صدق و وفا کی۔ نہ یہ کہ قیل و قال تک ہی ہماری ہمت و کوشش محدود ہو۔** (ملفوظات جلد سوم صفحہ 637)

وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً۔ (الاحزاب:63)

اللہ تعالیٰ ایک تبدیلی چاہتا ہے اور وہ پاکیزہ تبدیلی ہے جب تک وہ تبدیلی نہ ہو عذاب الٰہی سے رستگاری اور مخلصی نہیں ملتی۔ یہ خدا تعالیٰ کا ایک قانون اور سنت ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوتی کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے ہی یہ فیصلہ کر دیا ہے وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً۔ سنت اللہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ **پس جو شخص چاہتا ہے کہ آسمان میں اس کے لئے تبدیلی ہو یعنی وہ ان عذابوں اور دکھوں سے رہائی پائے جو شامت اعمال نے اس کیلئے تیار کئے ہیں اس کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے اندر تبدیلی کرے۔** جب وہ خود تبدیلی کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق جو اس نے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد:12) میں کیا ہے اس کے عذاب اور دکھ کو بدلا دیتا ہے اور دکھ کو سکھ سے تبدیل کر دیتا ہے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 119)

حقیقی مجاہدہ

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى (الحج:38)

ظاہری نماز اور روزہ اگر اس کے ساتھ اخلاص اور صدق نہ ہو کوئی خوبی اپنے اندر نہیں رکھتا جوگی اور سنیاسی بھی اپنی جگہ پر ریاضتیں کرتے ہیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ان میں سے بعض اپنے ہاتھ تک سکھا دیتے ہیں اور بڑی بڑی مشقتیں اٹھاتے اور اپنے آپ کو مشکلات اور مصائب میں ڈالتے ہیں لیکن یہ تکالیف ان کو کوئی نور نہیں بخشتیں اور نہ کوئی سکینت اور اطمینان ان کو ملتا ہے بلکہ اندرونی حالت ان کی خراب ہوتی ہے وہ بدنی ریاضت کرتے ہیں جس کو اندر سے کم تعلق ہوتا ہے اور کوئی اثر ان کی روحانیت پر نہیں پڑتا۔ اسی لئے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تقویٰ پہنچتا ہے۔ حقیقت میں خدا تعالیٰ پوست کو پسند نہیں کرتا بلکہ وہ مغز چاہتا ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تقویٰ پہنچتا ہے تو پھر قربانی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اسی طرح نماز روزہ اگر روح کا ہے تو پھر ظاہر کی ضرورت کیا ہے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ یہ بالکل پکی بات ہے کہ **جو لوگ جسم سے خدمت لینا چھوڑ دیتے ہیں ان کو روح نہیں مانتی اور اس میں وہ نیازمندی اور عبودیت پیدا نہیں ہو سکتی جو اصل مقصد ہے۔ اور جو صرف جسم سے کام لیتے ہیں روح کو اس میں شریک نہیں کرتے وہ بھی خطرناک غلطی میں مبتلا ہیں اور یہ جوگی اسی قسم کے ہیں۔ روح اور جسم کا باہم خدا تعالیٰ نے ایک تعلق رکھا ہوا ہے اور جسم کا اثر روح پر پڑتا ہے**...... غرض جسمانی اور روحانی سلسلے دونوں برابر چلتے ہیں۔ روح میں جب عاجزی پیدا ہوتی ہے پھر جسم میں بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے جب روح میں واقع میں عاجزی اور نیازمندی ہو تو جسم میں اس کے آثار خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں اور ایسا ہی جسم پر ایک الگ اثر پڑتا ہے تو روح بھی اس سے متاثر ہو ہی جاتی ہے۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 696-697)

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا (الشمس:10)

یاد رکھو کہ خدا کا یہ ہرگز منشاء نہیں کہ تم دنیا کو بالکل ترک کر دو بلکہ اس کا جو منشاء ہے وہ یہ ہے کہ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا (الشمس:10) تجارت کرو، زراعت کرو، ملازمت کرو اور حرفت کرو، جو چاہو کرو مگر نفس کو خدا کی نافرمانی سے روکتے رہو اور ایسا تزکیہ کرو کہ یہ امور تمہیں خدا سے غافل نہ کر دیں۔ پھر جو تمہاری دنیا ہے یہی دین کے حکم میں آ جاوے گی۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 550)

مجاہدات کے نتائج

وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ۔ (الرعد:18)

ہر قسم کی راحت، صحت، عمر و دولت یہ سب اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ہے۔ جب انسان کا وجود ایسا نافع اور سود مند ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو ضائع نہیں کرتا جیسے باغ میں کوئی درخت عمدہ پھل دینے والا ہو تو اسے باغبان کاٹ نہیں ڈالتا بلکہ اس کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح نافع اور مفید وجود کو اللہ تعالیٰ بھی محفوظ رکھتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ جو لوگ دنیا کے لئے نفع رساں لوگ بنتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی عمریں بڑھا دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں جو سچے ہیں اور کوئی ان کو جھٹلا نہیں سکتا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سچے اور فرمانبردار بندے ایسی بلاؤں سے محفوظ رہتے ہیں۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 184-183)

ابتلا ضرور آتے ہیں

وَ لَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَ الۡجُوۡعِ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ۔ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَتۡہُمۡ مُّصِیۡبَۃٌ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔ اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ رَحۡمَۃٌ ۟ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُہۡتَدُوۡنَ۔ (البقرۃ:156-158)

یاد رکھو کہ خدا کے فضل کے حاصل کرنے کے دو راہ ہیں۔ ایک تو زہد نفس کشی اور مجاہدات کا ہے۔ اور دوسرا قضاو قدر کا لیکن مجاہدات سے اس راہ کا طے کرنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ اس میں انسان کو اپنے ہاتھ سے اپنے بدن کو مجروح اور خستہ کرنا پڑتا ہے عام طبائع بہت کم اس پر قادر ہوتی ہیں۔ کہ وہ دیدہ و دانستہ تکلیف جھیلیں۔ لیکن قضاء و قدر

کی طرف سے جو واقعات اور حادثات انسان پر آ کر پڑتے ہیں۔ وہ ناگہانی ہوتے ہیں اور جب آ پڑتے ہیں۔ تو قہر درویش برجان درویش ان کو برداشت کرنا ہی پڑتا ہے جو کہ اس کے تزکیہ نفس کا باعث ہو جاتا ہے جیسے شہدا کو دیکھو۔ کہ جنگ کے بیچ میں لڑتے لڑتے جب مارے جاتے ہیں تو خدا کے نزدیک کس قدر اجر کے مستحق ہوتے ہیں۔ یہ درجات قرب بھی ان کو قضاء وقدر سے ہی ملتے ہیں۔ ورنہ اگر تنہائی میں ان کو اپنی گردنیں کاٹنی پڑیں۔ تو شاید بہت تھوڑے ایسے نکلیں جو شہید ہوں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ غربا کو بشارت دیتا ہے وَ لَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ۔ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَتۡہُمۡ مُّصِیۡبَۃٌ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔ اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ رَحۡمَۃٌ وَّ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُہۡتَدُوۡنَ۔ **اس کا یہی مطلب ہے۔ کہ قضاء وقدر کی طرف سے ان کو ہر ایک قسم کے نقصان پہنچتے ہیں۔ اور پھر وہ جو صبر کرتے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ کی عنایتیں اور رحمتیں ان کے شامل حال ہوتی ہیں۔ کیونکہ تلخ زندگی کا حصہ ان کو بہت ملتا ہے۔ لیکن امراء کو یہ کہاں نصیب۔** (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 89-88)

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ۔ (العنکبوت:3)

کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ صرف زبانی قیل وقال پر ہی ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور صرف اتنا کہنے سے ہی کہ ہم ایمان لے آئے دیندار سمجھے جائیں گے اور ان کا امتحان نہ ہوگا بلکہ امتحان اور آزمائش کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ **سب انبیاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ترقی مدارج کے لئے آزمائش ضروری ہے اور جب تک کوئی شخص آزمائش اور امتحان کی منازل طے نہیں کرتا دیندار نہیں بن سکتا۔** (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 330-329)

ہر بلا کیں قوم را او دادہ است زیرِ آں یک گنج ہا بنہادہ است

(ترجمہ:۔قوم کو جو بھی ابتلاء اللہ کی طرف سے آتا ہے اس کے نیچے بہت سے خزانے چھپے ہوئے ہوتے ہیں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تکالیف کا نتیجہ تھا کہ مکہ فتح ہو گیا۔ دعا میں خدا تعالیٰ کے ساتھ شرط باندھنا بڑی غلطی اور نادانی ہے۔ جن مقدس لوگوں نے خدا کے فضل اور فیوض کو حاصل کیا۔ انہوں نے اس طرح حاصل کیا کہ خدا کی راہ میں مر مر کر فنا ہو گئے۔ خدا تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو دس دن کے بعد گمراہ ہو جانے والے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے نفس پر خود گواہی دیتے ہیں جبکہ لوگوں سے شکوہ کرتے ہیں کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوئی۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 299-298)

ابتلاء کا فلسفہ

انسان کے واسطے ترقی کرنے کے دو ہی طریق ہیں

اول تو انسان تشریعی احکام۔ یعنی نماز روزہ زکوٰۃ۔ اور حج وغیرہ تکالیف شرعیہ کی پابندی سے جو کہ خدا کے حکم کے موجب خود بجالا کر کرتا ہے۔ مگر یہ امور چونکہ انسان کے اپنے ہاتھ میں ہوتے ہیں اس لیے کبھی اس میں سستی اور تساہل بھی کر بیٹھتا ہے۔ اور کبھی ان میں کوئی آسانی اور آرام کی صورت ہی پیدا کر لیتا ہے لہٰذا دوسرا وہ طریق ہے۔ جو براہ راست خدا کی طرف سے انسان پر وارد ہوتا ہے۔ اور یہی انسان کی اصلی ترقی کا باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ تکالیف شرعیہ میں انسان کوئی نہ کوئی راہ بچاؤ یا آرام و آسایش کی نکال ہی لیتا ہے دیکھو کسی کے ہاتھ میں تازیانہ دے کر اگر اسے کہا جاوے کہ اپنے بدن پر مارو۔ تو قاعدہ کی بات ہے۔ کہ آخر اپنے بدن کی محبت دل میں آ ہی جاتی ہے کون ہے جو اپنے آپ کو دکھ میں ڈالنا چاہتا ہے؟ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے انسانی تکمیل کے واسطے ایک دوسری راہ رکھدی۔ اور فرمایا وَ لَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ۔ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَتۡہُمۡ مُّصِیۡبَۃٌ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔ (البقرة :157-156) ہم آزماتے رہیں گے۔ تم کو کبھی کسی قدر خوف بھیج کر کبھی فاقہ سے کبھی مال جان اور پھلوں پر نقصان وارد کرنے سے مگر ان مصائب شدائد اور فقر و فاقہ پر صبر کر کے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡن کہنے والے کو بشارت دیدو کہ ان کے واسطے بڑے بڑے اجر خدا کی رحمتیں اور اس کے خاص انعامات مقرر ہیں۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 662-661)

رنگ رلیوں میں رہنے سے آخر خدا کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے خدا کی محبت یہی ہے کہ ابتلاء میں ڈالتا ہے اور اس سے اپنے بندے کی عظمت کو ظاہر کرتا ہے مثلاً کسریٰ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کا حکم نہ دیتا تو یہ معجزہ کہ وہ اسی رات مارا گیا کیسے ظاہر ہوتا اور اگر مکہ والے لوگ آپ کو نہ نکالتے تو فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا کی آواز کیسے سنائی دیتی۔ **ہر ایک معجزہ ابتلا سے وابستہ ہے غفلت اور عیاشی کی زندگی کو خدا سے کوئی تعلق نہیں ہے کامیابی ہو تو تضرع اور ابتہال کا رشتہ تو بالکل رہتا ہی نہیں ہے حالانکہ خدا تعالیٰ اسی کو پسند کرتا ہے اس لیے ضرور ہے کہ دردناک حالتیں پیدا ہوں۔** (ملفوظات جلد سوم صفحہ 587-586)

یہ ضروری ہے کہ ایک آدمی کی ایمانی کیفیتوں کے اظہار کے لئے اس پر ابتلاء آویں اور وہ امتحان کی چکی میں پیسا جاوے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ۔

ہر بلا کیں قوم راحق دادہ اند　　　زیرِ آں گنجِ کرم بنہادہ اند

قوم کو جو بھی ابتلا خدا کی طرف سے پیش آتا ہے　　　اس کے نیچے بہت اکرام کے خزانے چھپے ہوتے ہیں

ابتلاؤں اور امتحانوں کا آنا ضروری ہے بغیر اس کے کشف حقائق نہیں ہوتا۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 376-375)

ابتلاء میں لذت ہے

غرض الفاظ وفا نہیں کرتے جو اس لذت کو بیان کر سکیں جو اخیار و ابرار کو ان بلاؤں کے ذریعہ آتی ہے۔ یہ لذت تمام سفلی لذتوں سے بڑھی ہوئی ہے اور فوق الفوق لذت ہوتی ہے۔ یہ مصیبت کیا ہے؟ ایک عظیم الشان دعوت ہے جس میں قسم قسم کے انعام و اکرام اور پھل اور میوے پیش کیے جاتے ہیں۔ خدا اس وقت قریب ہوتا ہے فرشتے ان سے مصافحہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے مکالمہ کا شرف عطا کیا جاتا ہے اور وحی اور الہام سے اس کی تسلی اور سکینت دی جاتی ہے۔ لوگوں کی نظر میں یہ بلاؤں اور مصیبتوں کا وقت ہے مگر دراصل اس وقت اللہ تعالیٰ کے فیضان اور فیوض کی بارش کا وقت ہوتا ہے۔ سفلی اور سطحی خیال کے لوگ اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ بلاؤں اور غموں ہی کا وقت ہے جو مزا آتا ہے اور راحت ملتی ہے۔ کیونکہ خدا جو انسان کا اصل مقصود ہے اس وقت اپنے بندے کے بہت ہی قریب ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قرآن جو دیا گیا ہے غم کی حالت میں دیا گیا ہے پس تم بھی اس کو غم کی حالت میں پڑھو۔ غرض میں کہاں تک بیان کروں کہ ان بلاوں میں کیا لذت اور مزا ہوتا ہے اور عاشق صادق کہاں تک ان سے محظوظ ہوتا ہے۔ مختصر طور پر یاد رکھو کہ ان بلاؤں کا پھل اور نتیجہ جو ابرار اور اخیار پر آتی ہیں۔ جنت اور ترقی درجات ہے۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 118)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ (البقرۃ:156) کبھی ہم تم کو نہایت فقر و فاقہ سے آزمائیں گے اور کبھی تمہارے بچے مر جاویں گے۔ تو جو لوگ مومن ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا کا ہی مال تھا۔ ہم بھی تو اسی کے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہی لوگوں نے جو صبر کرتے ہیں میرے مطلب کو سمجھا ہے ان پر میری بڑی رحمتیں ہیں جن کا کوئی حد و حساب نہیں۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 373)

وَ لَا اَخْشَى الْعِدَا فِيْ سُبُلِ رَبِّيْ　　　وَ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ بِسَاحٖ

لَنَا عِنْدَ الْمَصَائِبِ يَا حَبِيْبِيْ　　　رِضَاءٌ ثُمَّ ذَوْقٌ وَّ ارْتِيَاحٗ

(ترجمہ:- اور میں اپنے رب کی راہوں میں دشمنوں سے نہیں ڈرتا اور اللہ کی زمین وسیع ہے۔ نہایت وسیع۔ اے میرے پیارے! ہمیں مصائب کے وقت (پہلے) تسلیم و رضا پر ذوق اور فرحت حاصل ہوتی ہے)

(تحفہ بغداد۔ ر۔خ۔ جلد 7 صفحہ 37)

جہاد مالی اور جانی

اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَ اَنۡفُسِكُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ۔ (التوبۃ: 41)

اصل مقصود کے پانے کے لئے خدا تعالیٰ نے مجاہدہ ٹھہرایا ہے۔یعنی اپنا مال خدائے تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی طاقتوں کو خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی جانوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی عقل کو خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اس کو ڈھونڈا جائے۔جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔جَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَ اَنۡفُسِكُمۡ ...... یعنی اپنے مالوں اور اپنی جانوں اور اپنے نفسوں کو مع ان کی تمام طاقتوں کے خدا کی راہ میں خرچ کرو۔(اسلامی اصول کی فلاسفی ر۔خ جلد 10 صفحہ 419`418)

مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِيۡلًا۔(الاحزاب :24)

صحابہؓ...... کے دلی ارادے اور نفسانی جذبات بالکل دور ہو گئے تھے۔ان کا اپنا کچھ رہا ہی نہ تھا۔نہ کوئی خواہش تھی نہ آرزو بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو اور اس کے لئے وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں بکریوں کی طرح ذبح ہو گئے۔قرآن شریف ان کی اس حالت کے متعلق فرماتا ہے مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوۡا تَبۡدِيۡلًا۔(الاحزاب :24)

یہ حالت انسان کے اندر پیدا ہو جانا آسان بات نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کو آمادہ ہو جاوے مگر صحابہؓ کی حالت بتاتی ہے کہ **انہوں نے اس فرض کو ادا کیا۔جب انہیں حکم ہوا کہ اس راہ میں جان دے دو پھر وہ دنیا کی طرف نہیں جھکے۔** (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 595)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُلۡهِكُمۡ اَمۡوَالُكُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُكُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ۔ (المنٰفقون:10)

رزق دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ابتلاء کے طور پر' دوسرے اصطفاء کے طور پر۔رزق ابتلاء کے طور پر تو وہ رزق ہے جس کو اللہ سے کوئی واسطہ نہیں رہتا بلکہ یہ رزق انسان کو خدا سے دور ڈالتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کو ہلاک کر دیتا ہے۔اسی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ کر کے فرمایا ہے لَا تُلۡهِكُمۡ اَمۡوَالُكُمۡ۔تمہارے مال تم کو ہلاک نہ کر دیں۔اور رزق اصطفاء کے طور پر وہ ہوتا ہے جو خدا کے لئے ہو۔ایسے لوگوں کا متولی خدا ہو جاتا ہے اور جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے وہ اس کو خدا ہی کا سمجھتے ہیں اور اپنے عمل سے ثابت کر دکھاتے ہیں۔صحابہؓ کی حالت دیکھو! جب امتحان کا وقت آیا تو جو کچھ کسی کے پاس تھا اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دیا۔حضرت ابو بکر صدیقؓ سب سے اول کمبل پہن کر آ گئے۔پھر اس کمبل کی جزا بھی اللہ تعالیٰ نے کیا دی کہ سب سے اول خلیفہ وہی ہوئے۔غرض یہ ہے کہ اصلی خوبی' خیر اور روحانی لذت سے بہرہ ور ہونے کے لئے وہی مال کام آ سکتا ہے جو خدا کی راہ میں خرچ کیا جاوے۔

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 137-136)

استقامت

(1) اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ۔ (2) اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا......الاية

استقامت......وہی ہے جس کو صوفی لوگ اپنی اصطلاح میں فنا کہتے ہیں اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ کے معنے بھی فنا ہی کے کرتے ہیں۔ یعنی روح۔ جوش اور ارادے سب کے سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہو جائیں اور اپنے جذبات اور نفسانی خواہشیں بالکل مر جائیں۔ بعض انسان جو اللہ تعالیٰ کی خواہش اور ارادے کو اپنے ارادوں اور جوشوں پر مقدم نہیں کرتے وہ اکثر دفعہ دنیا ہی کے جوشوں اور ارادوں کی ناکامیوں میں اس دنیا سے اٹھ جاتے ہیں۔......نماز جو دعا ہے اور جس میں اللہ کو جو خدائے تعالیٰ کا اسم اعظم ہے مقدم رکھا ہے۔ ایسا ہی انسان کا اسم اعظم استقامت ہے۔ اسم اعظم سے مراد یہ ہے کہ جس ذریعہ سے انسانیت کے کمالات حاصل ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ میں اسی کی طرف ہی اشارہ فرمایا ہے اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا (حٰم السجدة:31) یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے نیچے آ گئے اور اس کے اسم اعظم استقامت کے نیچے جب بیضۂ بشریت رکھا گیا پھر اس میں اس قسم کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ ملائکہ کا نزول اس پر ہوتا ہے اور کسی قسم کا خوف و حزن ان کو نہیں رہتا۔ میں نے کہا ہے کہ استقامت بڑی چیز ہے۔ استقامت سے کیا مراد ہے؟ ہر ایک چیز جب اپنے عین محل اور مقام پر ہو وہ حکمت اور استقامت سے تعبیر پاتی ہے مثلاً دوربین کے اجزا کو اگر جدا جدا کر کے ان کو اصل مقامات سے ہٹا کر دوسرے مقام پر رکھ دیں وہ کام نہ دے گی۔ غرض وضع الشئی فی محلّہ کا نام استقامت ہے یا دوسرے الفاظ میں یہ کہو کہ ہیئت طبعی کا نام استقامت ہے پس جب تک انسانی بناوٹ کو ٹھیک اسی حالت پر نہ رہنے دیں اور اسے مستقیم حالت میں نہ رکھیں وہ اپنے اندر کمالات پیدا نہیں کر سکتی۔ دعا کا طریق یہی ہے کہ دونوں اسم اعظم جمع ہوں اور یہ خدا کی طرف جاوے کسی غیر کی طرف رجوع نہ کرے خواہ وہ اس کی ہوا و ہوس ہی کا بت کیوں نہ ہو؟ جب یہ حالت ہو جائے تو اس وقت اُدۡعُوۡنِيۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَكُمۡ (المومن:61) کا مزا آ جاتا ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 37-35)

جو اللہ تعالیٰ کی طرف آ جاتے ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے ہی راستہ پر نہیں آتے بلکہ اس صراط مستقیم پر استقامت بھی دکھلاتے ہیں نتیجہ کیا ہوتا کہ تطہیر و تنویر قلوب کی منزلیں طے کر لیتے ہیں اور بعد انشراح صدر کے جو اللہ تعالےٰ کے فضل سے ان کو حاصل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو اپنی خاص نعمتوں سے متمتع فرماتا ہے۔ محبت و ذوق الٰہی ان کی غذا ہو جاتی ہے۔ مکالمہ الٰہی، وحیٔ الہام و کشف وغیرہ انعامات الٰہی سے مشرف و بہرہ مند کئے جاتے ہیں۔ درگاہ رب العزت سے طمانیت و سکینت ان پر اترتی ہے۔ حزن و مایوسی ان کے نزدیک تک نہیں پھٹکتی۔ ہر وقت جذبہ محبت وولولہ عشق الٰہی میں سرشار رہتے ہیں گویا لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ (البقرة:113) کے پورے مصداق ہو جاتے ہیں۔ مَا دُرُّ مَا قَالَ

کلید ایں ہمہ دولت محبت است و وفا　　خوشا کسیکہ چنیں دولتش عطا باشد

ترجمہ :- ان تمام کامیابیوں کی کنجی محبت اور وفا ہے۔ کیا ہی خوش قسمت وہ ہے جس کو یہ دولت عطا ہو۔

غرض استقامت بڑی چیز ہے۔ استقامت ہی کی بدولت تمام گروہ انبیاء ہمیشہ مظفر و منصور و بامراد ہوتا چلا آیا ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 465-464)

اس سے بھی مراد متقی ہیں ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا یعنی ان پر زلزلے آئے۔ابتلاء آئے۔آندھیاں چلیں مگر ایک عہد جو اس سے کر چکے اس سے نہ پھرے۔ پھر آگے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب انہوں نے ایسا کیا اور صدق اور وفا دکھلائی تو اس کا اجر یہ ملا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یعنی ان پر فرشتے اترے اور کہا کہ خوف اور حزن مت کرو تمہارا خدا متولی ہے وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّۃِ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ اور بشارت دی کہ تم خوش ہو اس جنت سے۔اور اس جنت سے یہاں مراد دنیا کی جنت ہے جیسے قرآن مجید میں ہے وَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ (الرحمٰن:47) پھر آگے ہے نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَۃِ (حٰم السجدۃ :32) دنیا اور آخرت میں ہم تمہارے ولی اور متکفل ہیں۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 559-558)

اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ۔ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۔یعنی اے ہمارے خدا تعالیٰ! ہمیں استقامت کی راہ دکھلا۔وہی راہ جس پر تیرا انعام واکرام مترتب ہوتا ہے اور تو راضی ہو جاتا ہے۔اور اسی کی طرف اس دوسری آیت میں اشارہ فرمایا۔رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَیۡنَا صَبۡرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسۡلِمِیۡنَ۔(الاعراف: 127) اے خدا! اس مصیبت میں ہمارے دل پر وہ سکینت نازل کر جس سے صبر آ جائے۔اور ایسا کر کہ ہماری موت اسلام پر ہو۔**جاننا چاہئے کہ دکھوں اور مصیبتوں کے وقت میں خدا تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کے دل پر ایک نور اتارتا ہے جس سے وہ قوت پا کر نہایت اطمینان سے مصیبت کا مقابلہ کرتے ہیں اور حلاوت ایمانی سے ان زنجیروں کو بوسہ دیتے ہیں جو اس کی راہ میں ان کے پیروں میں پڑیں۔جب با خدا آدمی پر بلائیں نازل ہوتی ہیں اور موت کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے رب کریم سے خواہ نخواہ کا جھگڑا شروع نہیں کرتا کہ مجھے ان بلاؤں سے بچا۔کیونکہ اس وقت عافیت کی دعا میں اصرار کرنا خدا تعالیٰ سے لڑائی اور موافقت تامہ کے مخالف ہے۔بلکہ سچا محبّ بلا کے اترنے سے اور آگے قدم رکھتا ہے۔اور ایسے وقت میں جان کو ناچیز سمجھ کر اور جان کی محبت کو الوداع کہہ کر اپنے مولیٰ کی مرضی کا بکلی تابع ہو جاتا ہے اور اس کی رضا چاہتا ہے۔**اسی کے حق میں اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡرِیۡ نَفۡسَہُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ ۔(البقرۃ:208) یعنی خدا کا پیارا بندہ اپنی جان خدا کی راہ میں دیتا ہے اور اس کے عوض میں خدا تعالیٰ کی مرضی خرید لیتا ہے۔وہی لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کی رحمت خاص کے مورد ہیں۔غرض وہ استقامت جس سے خدا ملتا ہے اس کی یہی روح ہے جو بیان کی گئی۔جس کو سمجھنا ہو سمجھ لے۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی ر۔خ جلد 10 صفحہ 421-420)

نتابد از رہِ جانانِ خود سرِ اخلاص اگرچہ سیلِ مصیبت بزورہا باشد
براہِ یارِ عزیز از بلا نہ پرہیزد اگرچہ در رہِ آں یار اژدہا باشد
بدولتِ دوجہاں سرفرو نمے آرند بعشقِ یار دلِ زارِ شاں دو تا باشد

ترجمہ:- ایسے لوگ محبوب سے اخلاص کو قائم رکھتے ہیں۔خواہ مصیبت کا سیلاب تیزی سے آئے۔وہ اپنے محبوب کی راہ کو نہیں چھوڑتے۔اگرچہ اس راہ میں اژدھا بیٹھا ہو۔ وہ دونوں جہانوں کی دولت سے بے پرواہ ہوتے ہیں۔ان کا دل محبوب کے عشق میں دولخت ہوتا ہے۔(تریاق القلوب ر۔خ۔جلد 15 صفحہ:129)

نیکی خالص اللہ کے لئے

لَا نُرِیۡدُ مِنۡکُمۡ جَزَآءً وَّ لَا شُکُوۡرًا (الدھر :10)

لَا نُرِیۡدُ مِنۡکُمۡ جَزَآءً وَّ لَا شُکُوۡرًا یعنی خدارسیدہ اوراعلیٰ ترقیات پر پہنچے ہوئے انسان کا یہ قاعدہ ہے کہ اس کی نیکی خالصتاً للہ ہوتی ہےاوراس کے دل میں یہ بھی خیال نہیں ہوتا کہ اس کے واسطے دعا کی جاوے یا اس کا شکریہ ادا کیا جاوے۔ نیکی محض اس جوش کے تقاضا سے کرتا ہے جو ہمدردی بنی نوع انسان کے واسطے اس کے دل میں رکھا گیا ہے۔ایسی پاک تعلیم نہ ہم نے توریت میں دیکھی اور نہ انجیل میں۔ورق ورق کر کے ہم نے پڑھا ہے مگر ایسی پاک اور مکمل تعلیم کا نام ونشان نہیں۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 664)

کامل راست باز جب غریبوں اور یتیموں اوراسیروں کو کھانا دیتے ہیں تو محض خدا کی محبت سے دیتے ہیں نہ کسی اورغرض سے دیتے ہیں اور وہ انہیں مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ یہ خدمت خاص خدا کے لئے ہے۔اس کا ہم کوئی بدلہ نہیں چاہتے اور نہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا شکر کرو۔ (لیکچر لاہور۔ر۔خ۔جلد 20 صفحہ 156)

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ (التوبہ :120)

یادرکھو کسی نیکی کو بھی اس لئے نہیں کرنا چاہیئے کہ اس نیکی کے کرنے پر ثواب یا اجر ملے گا کیونکہ اگر محض اس خیال سے نیکی کی جاوے تو وہ ابتغاء لمرضات اللہ نہیں ہوسکتی بلکہ اس ثواب کی خاطر ہوگی۔اوراس سے اندیشہ ہوسکتا ہے کہ کسی وقت وہ اسے چھوڑ بیٹھے۔مثلاً اگر کوئی شخص ہر روز ہم سے ملنے کو آوے اور ہم اس کو ایک روپیہ دے دیا کریں تو وہ بجائے خود یہی سمجھے گا کہ میرا جانا صرف روپے کے لئے ہے۔جس دن سے روپیہ نہ ملے اسی دن سے آنا چھوڑ دے گا۔ غرض یہ ایک قسم کا باریک شرک ہے اس سے بچنا چاہیئے **نیکی کو محض اس لئے کرنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ خوش ہو اوراس کی رضا حاصل ہو اوراس کے حکم کی تعمیل ہو۔قطع نظر اس کے کہ اس پر ثواب ہو یا نہ ہو۔ایمان تب ہی کامل ہوتا ہے جبکہ یہ وسوسہ اور وہم درمیان سے اٹھ جاوے اگرچہ یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا** اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ (التوبہ :120) **مگر نیکی کرنے والے کو اجر مدنظر نہیں رکھنا چاہیئے۔**دیکھو اگر کوئی مہمان یہاں محض اس لئے آتا ہے کہ وہاں آرام ملے گا۔ٹھنڈے شربت ملیں گے یا تکلف کے کھانے ملیں گے تو وہ گویا ان اشیاء کے لئے آتا ہے حالانکہ خود میزبان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ حتی المقدور ان کی مہمان نوازی میں کوئی کمی نہ کرے اوراس کو آرام پہنچاوے اور وہ پہنچاتا ہے لیکن مہمان کا خود ایسا خیال کرنا اس کے لئے نقصان کا موجب ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 562-561)

نیکی کا حکم عام ہے

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔ (الرحمٰن:61)

نیکی کرنے کی پاداش نیکی ہے۔ اگر ہم صرف مسلمان نیکی کرنے والے سے نیکی کریں اور غیر مذہب والوں سے نیکی نہ کریں تو ہم خدا تعالیٰ کی تعلیم کو چھوڑتے ہیں کیونکہ اس نے نیکی کی پاداش میں کسی مذہب کی قید نہیں لگائی بلکہ صاف فرمایا ہے کہ اس شریر پر خدا راضی نہیں کہ جو نیکی کرنے والوں سے بدی کرتا ہے۔

(ایام الصلح۔ر۔خ۔جلد14 صفحہ 367)

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا۔(الدھر:9)

تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو یاد رکھو کہ تم ہر شخص سے خواہ وہ کسی مذہب کا ہو ہمدردی کرو اور بلاتمیز ہر ایک سے نیکی کرو کیونکہ یہی قرآن شریف کی تعلیم ہے وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا (الدھر :9) وہ اسیر اور قیدی جو آتے تھے اکثر کفار ہی ہوتے تھے۔ اب دیکھ لو کہ اسلام کی ہمدردی کی انتہاء کیا ہے۔ میری رائے میں کامل اخلاقی تعلیم بجز اسلام کے اور کسی کو نصیب ہی نہیں ہوئی۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 219)

اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (الممتحنة:10)

خدا نے جو تمہیں ہمدردی اور دوستی سے منع کیا ہے تو صرف ان لوگوں کی نسبت جنہوں نے دینی لڑائیاں تم سے کیں اور تمہیں تمہارے وطنوں سے نکالا اور بس نہ کیا جب تک باہم مل کر تمہیں نہ نکال دیا سو ان کی دوستی حرام ہے کیونکہ یہ دین کو مٹانا چاہتے ہیں۔ اس جگہ یاد رکھنے کے لائق ایک نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تَوَلّی عربی زبان میں دوستی کو کہتے ہیں جس کا دوسرا نام مودت ہے اور اصل حقیقت دوستی اور مودت کی خیر خواہی اور ہمدردی ہے۔ سو مومن نصاریٰ اور یہود اور ہنود سے دوستی اور ہمدردی اور خیر خواہی کر سکتا ہے۔ احسان کر سکتا ہے مگر ان سے محبت نہیں کر سکتا۔ یہ ایک باریک فرق ہے اس کو خوب یاد رکھو۔

(نور القرآن۔ر۔خ۔جلد9 صفحہ 436-435)

آٹھویں فصل

آداب عبادات

اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ ؕ اِنَّنِیۡ لَکُمۡ مِّنۡہُ نَذِیۡرٌ وَّ بَشِیۡرٌ ۔ (ھود:3)

ایک عجیب بات سوال مقدّر کے جواب کے طور پر بیان کی گئی ہے۔یعنی اس قدر تفاصیل جو بیان کی جاتی ہیں ان کا خلاصہ اور مغز کیا ہے؟ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ خدا تعالیٰ کے سوا ہرگز ہرگز کسی کی پرستش نہ کرو۔اصل بات یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کی علت غائی یہی عبادت ہے۔جیسے دوسری جگہ فرمایا ہے وَ مَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَ الۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ (الذّٰریٰت:57) عبادات اصل میں اس کو کہتے ہیں کہ انسان ہر قسم کی قساوت۔کجی کو دور کر کے دل کی زمین کو ایسا صاف بنادے جیسے زمیندار زمین کو صاف کرتا ہے۔عرب کہتے ہیں مَوۡرٌ مُّعَبَّدٌ جیسے سرمہ کو باریک کر کے آنکھوں میں ڈالنے کے قابل بنا لیتے ہیں اسی طرح جب دل کی زمین میں کوئی کنکر۔پتھر۔ناہمواری نہ رہے اور ایسی صاف ہو کہ گویا روح ہی روح ہو اس کا نام عبادت ہے۔چنانچہ اگر یہ درستی اور صفائی آئینہ کی کی جاوے تو اس میں شکل نظر آجاتی ہے اور اگر زمین کی کی جاوے تو اس میں انواع واقسام کے پھل پیدا ہو جاتے ہیں۔پس انسان جو عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اگر دل صاف کرے اور اس میں کسی قسم کی کجی اور ناہمواری۔کنکر پتھر نہ رہنے دے تو اس میں خدا نظر آئے گا۔

میں پھر کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے درخت اس میں پیدا ہو کر نشوونما پائیں گے اور وہ اثمار شیریں وطیب ان میں لگیں گے جو اُکُلُهَا دَآئِمٌ (الرعد:36) کے مصداق ہوں گے۔یادرکھو کہ یہ وہی مقام ہے جہاں صوفیوں کے سلوک کا خاتمہ ہے۔ جب سالک یہاں پہنچتا ہے تو خدا ہی خدا کا جلوہ دیکھتا ہے۔اس کا دل عرش الٰہی بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر نزول فرماتا ہے۔سلوک کی تمام منزلیں یہاں آکر ختم ہو جاتی ہیں کہ انسان کی حالت تعبد درست ہو جس میں روحانی باغ لگ جاتے ہیں اور آئینہ کی طرح خدا نظر آتا ہے اسی مقام پر پہنچ کر انسان دنیا میں جنت کا نمونہ پاتا ہے اور یہاں ہی هٰذَا الَّذِیۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ وَ اُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا (البقرۃ:26) کہنے کا حظّ اور لطف اٹھاتا ہے۔غرض حالت تعبد کی درستی کا نام عبادت ہے۔پھر فرمایا اِنَّنِیۡ لَکُمۡ مِّنۡہُ نَذِیۡرٌ وَّ بَشِیۡرٌ ۔ چونکہ یہ تعبد تام کا عظیم الشان کام انسان بدوں کسی اسوہ حسنہ اور نمونہ کاملہ کے اور کسی قوت قدسی کے کامل اثر کے بغیر نہیں کر سکتا تھا اس لئے **رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ میں اسی خدا کی طرف سے نذیر اور بشیر ہو کر آیا ہوں اگر میری اطاعت کرو گے اور مجھے قبول کرو گے تو تمہارے لئے بڑی بڑی بشارتیں ہیں کیونکہ میں بشیر ہوں اور اگر رد کرتے ہو تو یاد رکھو کہ میں نذیر ہو کر آیا ہوں۔پھر تم کو بڑی بڑی عقوبتوں اور دکھوں کا سامنا ہوگا۔**

(ملفوظات جلد اول صفحہ 346-347)

يٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔ ارْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ۔ وَ ادْخُلِيْ جَنَّتِيْ۔(الفجر: 28 تا31)

اے نفس بحق آرام یافتہ اپنے رب کی طرف واپس چلا آ۔تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔سو میرے بندوں میں داخل ہو اور میرے بہشت میں اندر آ جا۔ **ان دونوں آیات جامع البرکات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ انسان کی روح کے لئے بندگی اور عبودیت دائمی اور لازمی ہے اور اسی عبودیت کی غرض سے وہ پیدا کیا گیا ہے** بلکہ آیت مؤخرالذکر میں یہ بھی فرما دیا ہے کہ جو انسان اپنی سعادت کاملہ کو پہنچ جاتا ہے اور اپنے تمام کمالات فطرتی کو پالیتا ہے اور اپنی جمیع استعدادات کو انتہائی درجہ تک پہنچا دیتا ہے اس کو اپنی آخری حالت پر عبودیت کا ہی خطاب ملتا ہے اور فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ کے خطاب سے پکارا جاتا ہے۔سو اب دیکھئے اس آیت سے کس قدر بصراحت ثابت ہوتا ہے کہ **انسان کا کمال مطلوب عبودیت ہی ہے اور سالک کا انتہائی مرتبہ عبودیت تک ہی ختم ہو جاتا ہے۔** (مکتوبات احمد جلد اول صفحہ 76-75)

آداب نماز

وَ اسْتَعِيْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ۔ (البقرة:46)

نماز اور صبر کے ساتھ خدا سے مدد چاہو نماز کیا چیز ہے وہ دعا ہے جو تسبیح تحمید تقدیس اور استغفار اور درود کے ساتھ تضرّع سے مانگی جاتی ہے **سو جب تم نماز پڑھو تو بے خبر لوگوں کی طرح اپنی دعاؤں میں صرف عربی الفاظ کے پابند نہ رہو کیونکہ ان کی نماز اور ان کا استغفار سب رسمیں ہیں جن کے ساتھ کوئی حقیقت نہیں۔**

(کشتی نوح۔ر۔خ۔جلد19 صفحہ 69-68)

انسان کو جو حکم اللہ تعالیٰ نے شریعت کے رنگ میں دیئے ہیں جیسے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ نماز کو قائم رکھو یا فرمایا وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ ان پر جب وہ ایک عرصہ تک قائم رہتا ہے تو یہ احکام بھی شرعی رنگ سے نکل کر کونی رنگ اختیار کر لیتے ہیں اور پھر وہ ان احکام کی خلاف ورزی کر ہی نہیں سکتا۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 352-351)

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (المومنون:3-2)

جب تک انسان کتاب اللہ کو مقدم نہیں کرتا اور اس کے مطابق عمل درآمد نہیں کرتا تب تک اس کی نمازیں محض وقت کا ضائع کرنا ہے۔ قرآن مجید میں تو صاف طور پر لکھا ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ یعنی جب دعا کرتے کرتے انسان کا دل پگھل جائے اور آستانہ الوہیت پر ایسے خلوص اور صدق سے گر جاوے کہ بس اسی میں محو ہو جاوے اور سب خیالات کو مٹا کر اسی سے فیض اور استعانت طلب کرے اور ایسی یکسوئی حاصل ہو جائے کہ ایک قسم کی رقت اور گداز پیدا ہو جائے تب فلاح کا دروازہ کھل جاتا ہے جس سے دنیا کی محبت ٹھنڈی ہو جاتی ہے کیونکہ دو محبتیں ایک جگہ جمع نہیں رہ سکتیں جیسے لکھا ہے ؎

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں　　　ایں خیال است و محال است و جنوں

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 400)

ترجمہ:۔تم خدا اور دنیا کی محبت دونوں کو چاہتے ہو۔یہ ایک خیال ہے۔اور ناممکن ہے اور دیوانگی ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔(الانعام:163)

کہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لئے ہے اور جب انسان کی محبت خدا کے ساتھ اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کا مرنا اور جینا اپنے لئے نہیں بلکہ خدا ہی کے لئے ہو جائے۔ تب خدا جو ہمیشہ سے پیار کرنے والوں کے ساتھ پیار کرتا آیا ہے اپنی محبت کو اس پر اتارتا ہے اور ان دونوں محبتوں کے ملنے سے انسان کے اندر ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کو دنیا نہیں پہچانتی اور نہ سمجھ سکتی ہے اور ہزاروں صدیقوں اور برگزیدوں کا اسی لئے خون ہوا کہ دنیا نے ان کو نہیں پہچانا۔ وہ اسی لئے مکار اور خود غرض کہلائے کہ دنیا ان کے نورانی چہرہ کو دیکھ نہ سکی۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی ر۔خ جلد 10 صفحہ 384)

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی ؕ وَ عَھِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَھِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَ الْعٰکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ۔ (البقرہ:126)

آیت وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّی ۔اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ جب امت محمدیہ میں بہت فرقے ہو جائیں گے تب آخر زمانہ میں ایک ابراہیم پیدا ہوگا اور ان سب فرقوں میں وہ فرقہ نجات پائے گا کہ اس ابراہیم کا پیرو ہوگا۔ (اربعین۔ر۔خ۔جلد 17 صفحہ 421)

تم اپنی نماز گاہ ابراہیم کے قدموں کی جگہ بناؤ یعنی کامل پیروی کرو تا نجات پاؤ............ یہ ابراہیم جو بھیجا گیا تم اپنی عبادتوں اور عقیدوں کو اس کی طرز پر بجالاؤ۔ اور ہر ایک امر میں اس کے نمونہ پر اپنے تئیں بناؤ۔

(اربعین۔ر۔خ۔جلد 17 صفحہ 421-420)

نماز میں توجہ اور حضوری

دعا میں سورت فاتحہ کے تکرار کا اثر

نماز میں سورۃ فاتحہ کی دعا کا تکرار نہایت مؤثر چیز ہے۔ کیسی بے ذوقی و بے مزگی ہو اس عمل کو برابر جاری رکھنا چاہیے یعنی کبھی تکرار آیت ایاک نعبد وایاک نستعین کا اور کبھی تکرار آیت اھد نا الصراط المستقیم کا اور سجدہ میں یَا حَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ ۔

(تفسیر سورۃ فاتحہ از حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام صفحہ 22)(الحکم 20 فروری 1898 صفحہ 9)

سورت فاتحہ کا ورد نماز میں بہتر ہے۔ بہتر ہے کہ نماز تہجد میں اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم کا بدلی توجہ وخضوع تکرار کریں اور اپنے دل کو نزول انوار الٰہیہ کے لیے پیش کریں اور کبھی تکرار آیت ایاک نعبد و ایاک نستعین کا کیا کریں۔ ان دونوں آیتوں کا تکرار انشاء اللہ القدیر تنویر قلب وتزکیہ نفس کا موجب ہوگا۔ (الحکم 24 جون 1903 صفحہ 3)

عبادت میں لذت ہے

مَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذّٰریٰت:57)۔

اب انسان جب کہ عبادت ہی کے لئے پیدا ہوا ہے ضروری ہے کہ عبادت میں لذت اور سرور بھی درجہ ءغایت کا رکھا ہو۔ اس بات کو ہم اپنے روزمرہ کے مشاہدہ اور تجربے سے خوب سمجھ سکتے ہیں۔مثلاً دیکھو اناج اور تمام خوردنی اور نوشیدنی اشیاءانسان کے لئے پیدا ہوئی ہیں تو کیا ان سے وہ ایک لذت اور حظ نہیں پاتا ہے؟ کیا اس ذائقہ' مزے اور احساس کے لئے اس کے منہ میں زبان موجود نہیں۔کیا وہ خوبصورت اشیاء دیکھ کر نباتات ہو یا جمادات حیوانات ہوں یا انسان حظ نہیں پاتا۔کیا دل خوشکن اور سریلی آوازوں سے اس کے کان محظوظ نہیں ہوتے؟ پھر کیا کوئی دلیل اور بھی اس امر کے اثبات کے لئے مطلوب ہے کہ عبادت میں لذت نہیں۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 101)

نماز سب سے بڑا وظیفہ ہے

اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔(طٰہٰ:15)

نماز سے بڑھ کر اور کوئی وظیفہ نہیں ہے کیونکہ اس میں حمد الٰہی ہے' استغفار ہے اور درود شریف تمام وظائف اور اوراد کا مجموعہ یہی نماز ہے اور اس سے ہر ایک قسم کے غم و ہم دور ہوتے ہیں اور مشکلات حل ہوتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر ذرا بھی غم پہنچتا تو آپ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور اسی لئے فرمایا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔اطمینان' سکینت قلب کے لئے نماز سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 311-310)

روزہ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (البقرة:184)

پس روزے سے یہی مطلب ہے کہ انسان ایک روٹی کو چھوڑ کر جو صرف جسم کی پرورش کرتی ہے دوسری روٹی کو حاصل کرے جو روح کے لیے تسلی اور سیری کا باعث ہے۔اور جو لوگ محض خدا کے لیے روزے رکھتے ہیں اور نرے رسم کے طور پر نہیں رکھتے انہیں چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح اور تہلیل میں لگے رہیں۔جس سے دوسری غذا انہیں مل جاوے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 102)

روزہ اور نماز ہر دو عبادتیں ہیں۔ روزے کا زور جسم پر ہے اور نماز کا زور روح پر ہے۔ نماز سے ایک سوز و گداز پیدا ہوتی ہے اس واسطے وہ افضل ہے۔ روزے سے کشوف پیدا ہوتے ہیں۔ مگر یہ کیفیت بعض دفعہ جوگیوں میں بھی پیدا ہوسکتی ہے۔ لیکن روحانی گدازش جو دعاؤں سے پیدا ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شامل نہیں۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 293-292)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَ الْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ۔ (البقرة:186)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰن سے ماہ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔ صوفیاء نے لکھا ہے کہ یہ ماہ تنویر قلب کے لیے عمدہ مہینہ ہے کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں صلوۃ تزکیہ نفس کرتی ہے اور صوم (روزہ) تجلی قلب کرتا ہے۔ تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس امارہ کی شہوات سے بُعد حاصل ہو جاوے اور تجلی قلب سے یہ مراد ہے کہ کشف کا دروازہ اس پر کھلے کہ خدا کو دیکھ لیوے۔ پس شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰن میں یہی اشارہ ہے اس میں شک و شبہ کوئی نہیں روزہ کا اجر عظیم ہے لیکن امراض اور اغراض اس نعمت سے انسان کو محروم رکھتے ہیں مجھے یاد ہے کہ جوانی کے ایام میں میں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ روزہ رکھنا سنت اہل بیت ہے میرے حق میں پیغمبر خدا نے فرمایا سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلِ الْبَیْتِ سلمان یعنی الصلحان کہ اس شخص کے ہاتھ سے دو صلح ہوں گی ایک اندرونی دوسری بیرونی اور یہ اپنا کام رفق سے کرے گا نہ کہ شمشیر سے اور میں مشرب حسین پر نہیں ہوں کہ جس نے جنگ کی بلکہ مشرب حسن پر ہوں کہ جس نے جنگ نہ کی میں نے سمجھا کہ روزہ کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ میں نے چھ ماہ تک روزے رکھے۔ اس اثنا میں میں نے دیکھا کہ انوار کے ستونوں کے ستون آسمان پر جا رہے ہیں یہ امر مشتبہ ہے کہ انوار کے ستون زمین سے آسمان پر جاتے تھے یا میرے قلب سے۔ لیکن یہ سب کچھ جوانی میں ہوسکتا تھا اور اگر اس وقت میں چاہتا تو چار سال تک روزہ رکھ سکتا تھا...... خدا تعالیٰ کے احکام دو قسموں میں تقسیم ہیں ایک عبادات مالی دوسرے عبادات بدنی۔ عبادات مالی تو اسی کے لیے ہیں جس کے پاس مال ہوا اور جس کے پاس نہیں وہ معذور ہیں۔ اور عبادات بدنی کو بھی انسان عالم جوانی میں ہی ادا کرسکتا ہے ورنہ 60 سال جب گذرے تو طرح طرح کے عوارضات لاحق ہوتے ہیں نزول الماء وغیرہ شروع ہو کر بینائی میں فرق آ جاتا ہے یہ ٹھیک کہا کچھ نہیں کیا اسے بڑھاپے میں بھی صد ہا رنج برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

موئے سفید از اجل آرد پیام۔ انسان کا یہ فرض ہونا چاہیئے کہ حسب استطاعت خدا کے فرائض بجا لاوے روزہ کے بارے میں خدا فرماتا ہے وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ یعنی اگر تم روزہ رکھ بھی لیا کرو تو تمہارے واسطے بڑی خیر ہے۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 563-561)

دعااوراسکافلسفہ

وَ قَالَ رَبُّکُمُ ادۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِیۡ سَیَدۡخُلُوۡنَ جَہَنَّمَ دٰخِرِیۡنَ۔ (المومن:61)

استجابت دعا کا مسئلہ درحقیقت دعا کے مسئلہ کی ایک فرع ہے اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص نے اصل کو سمجھا ہوا نہیں ہوتا اسکو فرع کے سمجھنے میں پیچیدگیاں واقع ہوتی ہیں اور دھوکے لگتے ہیں...... دعا کی ماہیت یہ ہے کہ ایک سعید بندہ اور اس کے رب میں ایک تعلق جاذبہ ہے۔ **یعنی پہلے خدا تعالیٰ کی رحمانیت بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ پھر بندہ کے صدق کی کششوں سے خدا تعالیٰ اس سے نزدیک ہو جاتا ہے اور دعا کی حالت میں وہ تعلق ایک خاص مقام پر پہنچ کر اپنے خواص عجیبہ پیدا کرتا ہے۔** سو جس وقت بندہ کسی سخت مشکل میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کی طرف کامل یقین اور کامل امید اور کامل محبت اور کامل وفاداری اور کامل ہمت کے ساتھ جھکتا ہے اور نہایت درجہ کا بیدار ہو کر غفلت کے پردوں کو چیرتا ہوا فنا کے میدانوں میں آگے سے آگے نکل جاتا ہے۔ پھر آگے کیا دیکھتا ہے کہ بارگاہ الوھیت ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ تب اس کی روح اس آستانہ پر سر رکھ دیتی ہے اور قوت جذب جو اس کے اندر رکھی گئی ہے وہ خدا تعالیٰ کی عنایات کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ **تب اللہ جل شانہ اس کام کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور اس دعا کا اثر ان تمام مبادی اسباب پر ڈالتا ہے جن سے ایسے اسباب پیدا ہوتے ہیں۔ جو اس مطلب کے حاصل ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً اگر بارش کے لئے دعا ہے تو بعد استجابت دعا کے وہ اسباب طبیعہ جو بارش کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اس دعا کے اثر سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور اگر قحط کے لئے بددعا ہے۔ تو قادر مطلق مخالفانہ اسباب کو پیدا کر دیتا ہے۔** اسی وجہ سے یہ بات ارباب کشف اور کمال کے نزدیک بڑے بڑے تجارب سے ثابت ہو چکی ہے کہ کامل کی دعا میں ایک قوت تکوین پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی باذنہ تعالیٰ وہ دعا عالم سفلی اور علوی میں تصرف کرتی ہے اور عناصر اور اجرام فلکی اور انسانوں کے دلوں کو اس طرف لے آتی ہے جو طرف مؤید مطلوب ہے۔

(برکات الدعا۔ ر۔خ جلد 6 صفحہ 10`9)

مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدۡرِہٖۤ ۔ (الانعام :92)

یاد رکھو کہ ہر ایک چیز خدا تعالیٰ کی آواز سنتی ہے۔ ہر ایک چیز پر خدا تعالیٰ کا تصرف ہے اور ہر ایک چیز کی تمام ڈوریاں خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اس کی حکمت ایک بے انتہا حکمت ہے جو ہر ایک ذرہ کی جڑھ تک پہنچی ہوئی ہے اور ہر ایک چیز میں اتنی ہی خاصیتیں ہیں جتنی اس کی قدرتیں ہیں جو شخص اس بات پر ایمان نہیں لاتا وہ اس گروہ میں داخل ہے جو مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدۡرِہٖ کے مصداق ہیں اور **چونکہ انسان کامل مظہر اتم تمام عالم کا ہوتا ہے اس لئے تمام عالم اس طرف وقتاً فوقتاً کھینچا جاتا ہے وہ روحانی عالم کا ایک عنکبوت ہوتا ہے اور تمام عالم اس کی تاریں ہوتی ہیں اور خوارق کا یہی سر ہے۔**

برکاروبار ہستی اثری ست عارفاں رہ   زجہاں چہ دیدآں کس کہ ندید ایں جہاں را

(ترجمہ:۔زندگی کے کاروبار پر عارف مؤثر ہوتے ہیں۔جس نے دنیا میں یہ نہیں دیکھا۔اس نے اس جہان کو نہیں دیکھا۔)

(برکات الدعا۔ر۔خ۔جلد6 صفحہ 31-30 حاشیہ)

جو فاضل اور فلاسفر بنے بیٹھے ہیں وہ دیکھ نہیں سکتے ۔ بچہ کو جو مناسبت ماں سے ہے اس تعلق اور رشتہ کو انسان اپنے ذہن میں رکھ کر اگر دعا کی فلاسفی پر غور کرے تو وہ بہت آسان اور سہل معلوم ہوتی ہے۔ دوسری قسم کا رحم یہ تعلیم دیتا ہے کہ **ایک رحم مانگنے کے بعد پیدا ہوتا ہے مانگتے جاؤ گے ملتا جاوے گا۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ کوئی لفاظی نہیں بلکہ یہ انسانی سرشت کا ایک لازمہ ہے مانگنا انسان کا خاصہ ہے اور استجابت اللہ تعالیٰ کا۔** جو نہیں سمجھتا اور نہیں مانتا وہ جھوٹا ہے۔ بچہ کی جو مثال میں نے بیان کی ہے وہ دعا کی فلاسفی خوب حل کر کے دکھاتی ہے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 82)

خدا کو خدا سے پانا

ہم اس حیّ وقیّوم کو محض اپنی تدبیروں سے ہرگز پا نہیں سکتے بلکہ اس راہ میں صراط مستقیم صرف یہ ہے کہ پہلے ہم اپنی زندگی معہ اپنی تمام قوتوں کے خدائے تعالیٰ کی راہ میں وقف کر کے پھر خدا کے وصال کے لیے دعا میں لگے رہیں تا خدا کو خدا ہی کے ذریعہ سے پاویں۔ اور سب سے پیاری دعا جو عین محل اور موقعہ سوال کا ہمیں سکھاتی ہے اور فطرت کے روحانی جوش کا نقشہ ہمارے سامنے رکھتی ہے وہ دعا ہے جو خدائے کریم نے اپنی پاک کتاب قرآن شریف میں یعنی سورہ فاتحہ میں ہمیں سکھائی ہے اور وہ یہ ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العٰلمین تمام پاک تعریفیں جو ہوسکتی ہیں اس اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا اور قائم رکھنے والا ہے الرحمٰن الرحیم وہی خدا جو ہمارے اعمال سے پہلے ہمارے لیے رحمت کا سامان میسر کرنے والا ہے اور ہمارے اعمال کے بعد رحمت کے ساتھ جزا دینے والا ہے مالک یوم الدین وہ خدا جو جزا کے دن کا وہی ایک مالک ہے کسی اور کو وہ دن نہیں سونپا گیا اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اے وہ جو ان تعریفوں کا جامع ہے ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور ہم ہر ایک کام میں توفیق تجھ ہی سے چاہتے ہیں اس جگہ ہم کے لفظ سے پرستش کا اقرار کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمارے تمام قویٰ تیری پرستش میں لگے ہوئے ہیں اور تیرے آستانہ پر جھکے ہوئے ہیں کیونکہ انسان باعتبار اپنے اندرونی قویٰ کے ایک جماعت اور ایک امت ہے اور اس طرح پر تمام قویٰ کا خدا کو سجدہ کرنا یہی وہ حالت ہے جس کو اسلام کہتے ہیں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ہمیں اپنی سیدھی راہ دکھلا اور اس پر ثابت قدم کر کے ان لوگوں کی راہ دکھلا جن پر تیرا انعام و اکرام ہے اور تیرے مورد فضل و کرم ہو گئے ہیں غیر المغضوب علیہم ولا الضالین اور ہمیں ان لوگوں کی راہوں سے بچا جن پر تیرا غضب ہے اور جو تجھ تک نہیں پہنچ سکے اور راہ کو بھول گئے امین اے خدا ایسا ہی کر۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی۔ر۔خ۔جلد10 صفحہ 382-381)

دُعا کی اہمیت

مبارک وہ قیدی جو دعا کرتے ہیں تھکتے نہیں کیونکہ ایک دن رہائی پائیں گے۔ مبارک وہ اندھے جو دعاؤں میں سست نہیں ہوتے۔ کیونکہ ایک دن دیکھنے لگیں گے۔ مبارک وہ جو قبروں میں پڑے ہوئے دعاؤں کے ساتھ خدا کی مدد چاہتے ہیں۔ کیونکہ ایک دن قبروں سے باہر نکالے جائینگے۔

مبارک تم جب کہ دعا کرنے میں کبھی ماندہ نہیں ہوتے۔ اور تمہاری روح دعا کے لئے پگھلتی اور تمہاری آنکھ آنسو بہاتی اور تمہارے سینہ میں ایک آگ پیدا کر دیتی ہے اور تمہیں تنہائی کا ذوق اٹھانیکے لئے اندھیری کوٹھڑیوں اور سنسان جنگلوں میں لے جاتی ہے اور تمہیں بے تاب اور دیوانہ اور ازخودرفتہ بنا دیتی ہے۔ کیونکہ آخر تم پر فضل کیا جاوے گا۔ وہ خدا جس کی طرف ہم بلاتے ہیں نہایت کریم ورحیم حیا والا صادق وفادار عاجزوں پر رحم کرنے والا ہے۔ **پس تم بھی وفادار بن جاؤ اور پورے صدق اور وفا سے دعا کرو کہ وہ تم پر رحم فرمائے گا** دنیا کے شور وغوغا سے الگ ہو جاؤ۔ اور نفسانی جھگڑوں کا دین کو رنگ مت دو۔ خدا کے لئے ہار اختیار کرلو اور شکست کو قبول کرلو تا بڑی بڑی فتحوں کے تم وارث بن جاؤ۔ دعا کرنے والوں کو خدا معجزہ دکھائے گا۔ اور مانگنے والوں کو ایک خارق عادت نعمت دی جائے گی۔ دعا خدا سے آتی ہے اور خدا کی طرف ہی جاتی ہے۔ دعا سے خدا ایسا نزدیک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ تمہاری جان تم سے نزدیک ہے۔ **دعا کی پہلی نعمت یہ ہے کہ انسان میں پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہے پھر اس تبدیلی سے خدا بھی اپنی صفات میں تبدیلی کرتا ہے اور اس کے صفات غیر متبدل ہیں۔ مگر تبدیلی یافتہ کے لئے اس کی ایک الگ تجلی ہے۔ جس کو دنیا نہیں جانتی۔ گویا وہ اور خدا ہے۔ حالانکہ اور کوئی خدا نہیں۔ مگر نئی تجلی نئے رنگ میں اس کو ظاہر کرتی ہے۔ تب اس خاص تجلی کے شان میں اس تبدیل یافتہ کیلئے وہ کام کرتا ہے جو دوسروں کے لئے نہیں کرتا۔ یہی وہ خوارق ہے۔**
(لیکچر سیالکوٹ۔ ر۔خ جلد 20 صفحہ 223`222)

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ...... الایة (المومن:61)

یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف دہریوں کی طرح تمام امور کو اسباب طبیعیہ تک محدود رکھنا نہیں چاہتا بلکہ خالص توحید تک پہنچانا چاہتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگوں نے دعا کی حقیقت کو نہیں سمجھا اور نہ قضا وقدر کے تعلقات کو جو دعا کے ساتھ ہیں تدبر کی نگاہ سے دیکھا ہے جو لوگ دعا سے کام لیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے لئے راہ کھول دیتا ہے۔ وہ دعا کو رد نہیں کرتا۔ ایک طرف دعا ہے دوسری طرف قضا وقدر۔ خدا نے ہر ایک کے لئے اپنے رنگ میں اوقات مقرر کر دیئے ہیں اور ربوبیت کے حصہ کو عبودیت میں دیا گیا اور فرمایا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن :61) مجھے پکارو میں جواب دوں گا...... **قضا وقدر کا دعا کے ساتھ بہت بڑا تعلق ہے۔ دعا کے ساتھ معلق تقدیر ٹل جاتی ہے۔ جب مشکلات پیدا ہوتے ہیں تو دعا ضرور اثر کرتی ہے۔ جو لوگ دعا سے منکر ہیں ان کو ایک دھوکا لگا ہوا ہے۔ قرآن شریف نے دعا کے دو پہلو بیان کئے ہیں ایک پہلو میں اللہ تعالیٰ اپنی منوانا چاہتا ہے اور دوسرے پہلو میں بندے کی مان لیتا ہے۔**

وَ لَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ ۔ (البقرة :156) میں تو اپنا حق رکھ کر منوانا چاہتا ہے۔
نون ثقیلہ کے ذریعہ جو اظہار تاکید کیا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہے کہ قضائے مُبرم کو ظاہر کریں گے تو اس کا علاج
اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْن (البقرة :157) ہی ہے اور دوسرا وقت خدا تعالیٰ کے فضل وکرم کی امواج کے جوش کا
ہے وہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ میں ظاہر کیا ہے۔

پس مومن کو ان دونو مقامات کا پورا علم ہونا چاہیئے ۔صوفی کہتے ہیں کہ فقر کامل نہیں ہوتا جب تک محل اور موقع کی شناخت حاصل نہ ہو بلکہ کہتے ہیں کہ صوفی دعا نہیں کرتا جب تک کہ وقت کو شناخت نہ کرے۔

سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دعا کے ساتھ شقی سعید کیا جاتا ہے بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ شدید الاختفاء امور مشبہ بالمبرم بھی دور کیے جاتے ہیں۔

الغرض دعا کی اس تقسیم کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ کبھی اللہ تعالیٰ اپنی منوانا چاہتا ہے اور کبھی وہ مان لیتا ہے۔ یہ معاملہ گویا دوستانہ معاملہ ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی عظیم الشان قبولیت دعاؤں کی ہے اس کے مقابل رضا اور تسلیم کے بھی آپ اعلیٰ درجہ کے مقام پر ہیں۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 168-167)

آداب دعا

وَ لَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ ...... الایۃ ۔ (البقرة :218)

خدا کی کتاب نے دعا کے بارہ میں یہ قانون پیش کیا ہے کہ وہ نہایت رحم سے نیک انسان کے ساتھ دوستوں کی طرح معاملہ کرتا ہے یعنی کبھی تو اپنی مرضی کو چھوڑ کر اس کی دعا سنتا ہے جیسا کہ خود فرمایا اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اور کبھی کبھی اپنی مرضی ہی منوانا چاہتا ہے جیسا کہ فرمایا وَ لَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ ایسا اس لیے کیا کہ تا کبھی انسان کی دعا کے موافق اس سے معاملہ کر کے یقین اور معرفت میں اس کو ترقی دے اور کبھی اپنی مرضی کے موافق کر کے اپنی رضا کی اس کو خلعت بخشے اور اس کا مرتبہ بڑھاوے اور اس سے محبت کر کے ہدایت کی راہوں میں اس کو ترقی دیوے۔ (کشتی نوح۔ ر۔خ۔ جلد 19 صفحہ 21 حاشیہ)

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ (المومن:61)

اِیَّاکَ نَعْبُدُ اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ کو ملایا ہے۔ نعبد تو یہی ہے کہ بھلائی اور برائی کا خیال نہ رہے۔سلب امید دامانی ہو۔اور اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں دعا کی تعلیم ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 299)

دعااورتقویٰ

یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔ (المائدہ :28)

دعا کی راہ میں دو بڑے مشکل امر ہیں جن کی وجہ سے اکثر دلوں سے عظمت دعا کی پوشیدہ رہتی ہے

(1) اوّل تو شرط تقویٰ اور راست بازی اور خداترسی ہے جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ پرہیزگار لوگوں کی دعا قبول کرتا ہے۔ (ایام الصلح۔ر۔خ۔جلد14صفحہ260)

تقویٰ کے مدارج اور مراتب بہت ہیں۔لیکن اگر طالب صادق ہو کر ابتدائی مراتب اور مراحل کو استقلال اور خلوص سے طے کرے تو وہ اس راستی اور طلب صدق کی وجہ سے اعلیٰ مدارج کو پالیتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (المائدہ : 28) گویا اللہ تعالیٰ متقیوں کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے یہ گویا اس کا وعدہ ہے اور اس کے وعدوں میں تخلف نہیں ہوتا۔جیسا کہ فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ (الرعد:32) ۔‘‘

(ملفوظات جلداول صفحہ 68)

پناہِ دیں بود و ملجاء مسلماناں بعقدِ ھمتِ خود دافعِ قضا باشد

وہ دین کی پناہ اور مسلمانوں کی جائے حفاظت ہوتا ہے اور اپنی ہمت کے زور سے قضا کو دفع کر دیتا ہے۔

ہزار سرزنی و مشکلے نہ گردد حل چو پیشِ او بروی کاریک دعا باشد

تو ہزار ٹکریں مارتا رہے مگر تری مشکل حل نہیں ہوتی لیکن جب تو اس کے سامنے جاتا ہے تو اس کی ایک دعا کافی ہوتی ہے۔

(تریاق القلوب۔ر۔خ۔جلد15صفحہ 130-129)

دعا۔صبراوراستقلال

میرے خدائے کریم وقدیر کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے ارادوں کو جو دعاؤں کی قبولیت کے بعد ظاہر کرنا چاہتا ہے اکثر دیر اور آہستگی سے ظاہر کرتا ہے تا جو بدبخت اور شتاب کار ہیں وہ بھاگ جائیں اور اس خاص طور کے فضل کا انہیں کو حصہ ملے جو خدا تعالیٰ عزوجل کے دفتر میں سعید لکھے گئے ہیں۔

(مکتوبات احمد جلد پنجم حصہ اول صفحہ 34 مکتوب نمبر82 بنام حضرت سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی)

دعاؤں میں استقلال اور صبر ایک الگ چیز ہے اور اَڑ کر مانگنا اور بات ہے۔یہ کہنا کہ میرا فلاں کام اگر نہ ہوا تو میں انکار کردوں گا یا یہ کہہ دوں گا یہ بڑی نادانی اور شرک ہے اور آداب الدعا سے ناواقفیت ہے۔ایسے لوگ دعا کی فلاسفی سے ناواقف ہیں۔قرآن شریف میں یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ ہرایک دعا تمہاری مرضی کے موافق میں قبول کروں گا۔بیشک یہ ہم مانتے ہیں کہ قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن:61) لیکن ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ اسی قرآن شریف میں یہ بھی لکھا ہوا ہے وَ لَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ الآیہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ میں اگر تمہاری مانتا ہے تو لَنَبْلُوَنَّکُمْ میں اپنی منوانی چاہتا ہے۔یہ خدا تعالیٰ کا احسان اور اسی کا کرم ہے کہ وہ اپنے بندہ کی بھی مان لیتا ہے ورنہ اس کی الوہیت اور ربوبیت کی شان کے یہ ہرگز خلاف نہیں کہ اپنی ہی منوائے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 297-296)

اہل اللہ کے دو ہی کام ہوتے ہیں جب کسی بلا کے آثار دیکھتے ہیں تو دعا کرتے ہیں لیکن جب دیکھتے ہیں کہ قضاوقدر اس طرح پر ہے تو صبر کرتے ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچوں کی وفات پر صبر کیا جن میں سے ایک بچہ ابراہیم بھی تھا جبکہ خدا تعالیٰ نے یہ دو تقسیمیں رکھ دی ہیں اور یہ اس کی سنت ٹھہر چلی ہے اور یہ بھی اس نے فرمایا ہے لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (الفاطر:44) پھر کس قدر غلطی ہے جو انسان اس کے خلاف چاہے۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 297)

سب حاجتیں خدا سے مانگو

ادنیٰ اور اعلیٰ سب حاجتیں بغیر شرم کے خدا سے مانگو کہ اصل معطی وہی ہے۔ بہت نیک وہی ہے جو بہت دعا کرتا ہے کیونکہ اگر کسی بخیل کے دروازہ پر سوالی ہر روز جا کر سوال کرے گا تو آخر ایک دن اس کو بھی شرم آ جاوے گی۔ پھر خدا تعالیٰ سے مانگنے والا جو بیشل کریم ہے کیوں نہ پائے؟ پس مانگنے والا کبھی نہ کبھی ضرور پا لیتا ہے۔ نماز کا دوسرا نام دعا بھی ہے جیسے فرمایا۔ اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔(المومن:61) (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 175)

دعا اور تدابیر

فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا (النازعات:6)

دعا کے ساتھ تدابیر کو نہ چھوڑے کیونکہ اللہ تعالیٰ تدبیر کو بھی پسند کرتا ہے اور اسی لئے فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا کہہ کر قرآن شریف میں قسم بھی کھائی ہے۔ جب وہ اس مرحلہ کو طے کرنے کے لئے دعا بھی کرے گا اور تدبیر سے بھی اس طرح کام لے گا کہ جو مجلس اور صحبت اور تعلقات اس کو حارج ہیں ان سب کو ترک کر دے گا اور رسم عادت اور بناوٹ سے الگ ہو کر دعا میں مصروف ہوگا تو ایک دن قبولیت کے آثار مشاہدہ کر لے گا۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 102)

یاد رکھو کہ غیر اللہ کی طرف جھکنا خدا سے کاٹنا ہے۔ نماز اور توحید کچھ ہی ہو کیونکہ توحید کے عملی اقرار کا نام ہی نماز ہے اس وقت بے برکت اور بے سود ہوتی ہے جب اس میں نیستی اور تذلل کی روح اور حنیف دل نہ ہو۔ سنو وہ دعا جس کے لئے اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (المومن:61) فرمایا ہے اس کے لئے بھی سچی روح مطلوب ہے۔ اگر اس تضرع اور خشوع میں حقیقت کی روح نہیں تو وہ ٹیں ٹیں سے کم نہیں ہے۔

پھر کوئی کہہ سکتا ہے کہ اسباب کی رعایت ضروری نہیں ہے۔ یہ ایک غلط فہمی ہے۔ شریعت نے اسباب کو منع نہیں کیا ہے اور سچ پوچھو تو کیا دعا اسباب نہیں؟ یا اسباب دعا نہیں؟ تلاش اسباب بجائے خود ایک دعا ہے اور دعا بجائے خود عظیم الشان اسباب کا چشمہ انسان کی ظاہری بناوٹ اس کے دو ہاتھ دو پاؤں کی ساخت ایک دوسرے کی امداد کا ایک قدرتی راہنما ہے۔ جب یہ نظارہ خود انسان میں موجود ہے پھر کس قدر حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ وہ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى (المائدہ :3) کے معنے سمجھنے میں مشکلات کو دیکھے۔ ہاں میں یہ کہتا ہوں کہ تلاش اسباب بھی بذریعہ دعا کرو۔ میں نہیں سمجھتا کہ جب میں تمہارے جسم کے اندر اللہ تعالیٰ کا ایک قائم کردہ سلسلہ اور کامل راہنما سلسلہ دکھاتا ہوں تو اس سے انکار کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو اور بھی صاف کرنے اور وضاحت سے دنیا پر

کھول دینے کے لئے انبیاء علیہم السلام کا ایک سلسلہ دنیا میں قائم کیا۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر تھا اور قادر ہے کہ اگر وہ چاہے تو کسی قسم کی امداد کی ضرورت ان رسولوں کو باقی نہ رہنے دے مگر پھر بھی ایک وقت ان پر آتا ہے کہ وہ مَــــنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ کیا وہ ایک ٹکڑا گدا فقیر کی طرح بولتے ہیں؟ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ کہنے کی بھی ایک شان ہوتی ہے وہ دنیا کو ایک رعایت اسباب سکھانا چاہتے ہیں جو دعا کا ایک شعبہ ہے ورنہ اللہ تعالیٰ پر ان کو کامل ایمان اس کے وعدوں پر پورا یقین ہوتا ہے...... دنیا اور دنیا کی مددیں ان لوگوں کے سامنے کلیت ہوتی ہیں اور مردہ کیڑے کے برابر بھی حقیقت نہیں رکھتی ہیں لیکن دنیا کو دعا کا ایک موٹا طریق بتلانے کے لئے وہ یہ راہ بھی اختیار کرتے ہیں۔ (ریویو آف ریلیجنز جلد سوم نمبر 1 صفحہ 8-7)

شرائط دعا

جب تو دعا کے لئے کھڑا ہو تو تجھے لازم ہے کہ یہ یقین رکھے۔ کہ تیرا خدا ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ تب تیری دعا منظور ہوگی۔ اور تو خدا کی قدرت کے عجائبات دیکھے گا۔ جو ہم نے دیکھے۔ اور ہماری گواہی رویت سے ہے۔ نہ بطور قصہ کے اس شخص کی دعا کیوں کر منظور ہو اور خود کیونکر اس کو بڑی مشکلات کے وقت جو اس کے نزدیک قانون قدرت کے مخالف ہیں دعا کرنے کا حوصلہ پڑے۔ جو خدا کو ہر ایک چیز پر قادر نہیں سمجھتا۔۔''

(کشتی نوح۔ ر۔خ۔ جلد 19 صفحہ 21)

قبولیت دعا کے واسطے چار شرطوں کا ہونا ضروری ہے تب کسی کے واسطے دعا قبول ہوتی ہے۔ **شرط اول یہ** ہے کہ اتقا ہو یعنی جس سے دعا کرائی جاوے وہ دعا کرنے والا متقی ہو......

دوسری شرط قبولیت دعا کے واسطے یہ ہے کہ جس کے واسطے انسان دعا کرتا ہو اس کے لیے دل میں درد ہو اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وقت اصفیٰ میسر آوے ایسا وقت کہ بندہ اور اس کے رب میں کچھ حائل نہ ہو......

چوتھی شرط یہ ہے کہ پوری مدت دعا کی حاصل ہو یہاں تک کہ خواب یا وحی سے اللہ تعالیٰ خبر دے۔ محبت و اخلاص والے کو جلدی نہیں چاہیے بلکہ صبر کے ساتھ انتظار کرنا چاہیے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 537-535)

اصل دعا دین کے لئے ہے

دنیا کے لیے جو دعا کی جاتی ہے وہ جہنم ہے۔ دعا صرف خدا کو راضی کرنے اور گناہوں سے بچنے کی ہونی چاہیئے باقی جتنی دعائیں ہیں وہ خود اس کے اندر آجاتی ہیں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ بڑی دعا ہے صراط مستقیم گویا خدا کو شناخت کرنا ہے اور اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کل گناہوں سے بچنا ہے اور صالحین میں داخل ہونا ہے اگر ایک آدمی باخدا ہو تو سات پشت تک خدا تعالیٰ اس کی اولاد کی خبر گیری کرتا ہے...... دعا ایسی کرنی چاہیئے کہ نفس امارہ گداز ہو کر نفس مطمئنہ کی طرف آجاوے اگر وہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (جیسے کہ معنے مذکور ہوئے) طلب کرتا رہے گا تو دوسری جو اسے ضرورتیں ہیں جن کے لیے وہ دعا چاہتا ہے وہ خدا خود پوری کر دے گا۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 603-602 بمعہ حاشیہ)

ہماری جماعت کو چاہیئے کہ راتوں کو رورو کر دعائیں کریں۔ اس کا وعدہ ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ عام لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ دعا سے مراد دنیا کی دعا ہے۔ وہ دنیا کے کیڑے ہیں اس لئے اس سے پرے نہیں جا سکتے اصل دعا دین ہی کی دعا ہے لیکن یہ مت سمجھو کہ ہم گنہ گار ہیں یہ دعا کیا ہوگی اور ہماری تبدیلی کیسے ہو سکے گی یہ غلطی ہے بعض وقت انسان خطاؤں کے ساتھ ہی ان پر غالب آ سکتا ہے اس لئے کہ اصل فطرت میں پاکیزگی ہے دیکھو پانی خواہ کیسا ہی گرم ہو لیکن جب وہ آگ پر ڈالا جاتا ہے تو وہ بہر حال آگ کو بجھا دیتا ہے اس لئے کہ فطرتاً برودت اس میں ہے۔ ٹھیک اسی طرح پر انسان کی فطرت میں پاکیزگی ہے۔ ہر ایک میں یہ مادہ موجود ہے۔ وہ پاکیزگی کہیں نہیں گئی۔ اسی طرح تمہاری طبیعتوں میں خواہ کیسے ہی جذبات ہوں رو کر دعا کرو گے تو اللہ تعالیٰ دور کر دے گا۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 133-132)

دعا کی عظمت

وہ جو عرب کے بیابانی ملک میں ایک عجیب ماجرا گذرا کہ لاکھوں مردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں ایک دفعہ ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا۔ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس امی بیکس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ **اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ بِعَدَدِ ھَمِّہٖ وَ غَمِّہٖ وَ حُزْنِہٖ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَاَنْزِلْ عَلَیْہِ اَنْوَارَ رَحْمَتِکَ اِلَی الْاَبَدِ** اور میں اپنے ذاتی تجربہ سے بھی دیکھ رہا ہوں کہ دعاؤں کی تاثیر آب و آتش کی تاثیر سے بھی بڑھ کر ہے۔ بلکہ اسباب طبعیہ کے سلسلہ میں کوئی چیز ایسی عظیم التاثیر نہیں جیسی کہ دعا ہے۔''

(برکات الدعا۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 10-11)

قرآن شریف سے جو عقیدہ نجات کے بارے میں استنباط ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ نجات نہ تو صوم سے ہے نہ صلوٰۃ سے نہ زکوٰۃ اور نہ صدقات سے بلکہ محض دعا اور خدا کے فضل سے ہے اسی لیے خدا تعالیٰ نے دعا اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ تعلیم فرمائی ہے کہ جب وہ قبول ہو کر خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرتی ہے اعمال صالحہ اس کے ساتھ شرائط ہیں مگر لوازم میں سے نہیں یعنی جب انسان کی دعا قبول ہوتی ہے تو اس کے ساتھ تمام شرائط خود ہی مرتب ہوتی ہیں ورنہ اگر اعمال پر نجات کا مدار رکھا جائے تو یہ باریک شرک ہے اور اس سے ثابت ہوگا کہ انسان خود بخود نجات پا سکتا ہے کیونکہ اعمال تو انسان کے اختیاری امور ہیں اور انسان خود بخود اسے بجا لاتے ہیں...... دعا جب تمام شرائط کے ساتھ ہوتی ہے تو وہ فضل کو جذب کرتی ہے اور فضل کے بعد شرائط خود بخود پورے ہوتے جاتے ہیں اسلامی نجات یہی ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 389-388)

دعا اسم اعظم ہے

دعا کرنا اور کرانا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ دعا کے لئے جب درد سے دل بھر جاتا ہے اور سارے حجابوں کو توڑ دیتا ہے اس وقت سمجھنا چاہیئے کہ دعا قبول ہوگئی۔ **یہ اسم اعظم ہے۔ اس کے سامنے کوئی انہونی چیز نہیں ہے۔ ایک خبیث کے لئے جب دعا کے ایسے اسباب میسر آجائیں تو یقیناً وہ صالح ہو جاوے اور بغیر دعا کے وہ اپنی توبہ پر بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ بیمار اور محجوب اپنی دستگیری آپ نہیں کر سکتا۔** سنت اللہ کے موافق یہی ہوتا ہے کہ جب دعائیں انتہا تک پہنچتی ہیں تو ایک شعلہ نور کا اس کے دل پر گرتا ہے جو اس کی خباثتوں کو جلا کر تاریکی دور کر دیتا ہے اور اندر ایک روشنی پیدا کر دیتا ہے کہ یہ طریق استجابت دعا کا رکھتا ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 100)

سب دعائیں قبول نہیں ہوتیں

یہ خیال کہ مقبولین کی ہر ایک دعا قبول ہو جاتی ہے یہ سراسر غلط ہے بلکہ حق بات یہ ہے کہ مقبولین کے ساتھ خدا تعالیٰ کا دوستانہ معاملہ ہے کبھی وہ ان کی دعائیں قبول کر لیتا ہے اور کبھی وہ اپنی مشیت ان سے منوانا چاہتا ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ دوستی میں ایسا ہی ہوتا ہے بعض وقت ایک دوست اپنے دوست کی بات کو مانتا ہے اور اسکی مرضی کے موافق کام کرتا ہے اور پھر دوسرا وقت ایسا بھی آتا ہے کہ اپنی بات اس سے منوانا چاہتا ہے اسی کی طرف اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اشارہ فرماتا ہے جیسا کہ ایک جگہ قرآن شریف میں مومنوں کی استجابت دعا کا وعدہ کرتا ہے اور فرماتا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن:61) یعنی تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا اور دوسری جگہ اپنی نازل کردہ قضا و قدر پر خوش اور راضی رہنے کی تعلیم کرتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ وَ لَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ (البقرۃ :156) (حقیقۃ الوحی۔ ر۔ خ۔ جلد 22 صفحہ 21)

دعا مسلمانوں کا فخر ہے

دوسرا طریق حقیقی پاکیزگی کے حاصل کرنے اور خاتمہ بالخیر کے لئے جو خدا تعالیٰ نے سکھایا ہے وہ دعا ہے اس لئے جس قدر ہو سکے دعا کرو یہ طریق بھی اعلیٰ درجہ کا مجرب اور مفید ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے خود وعدہ فرمایا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن:61) تم مجھ سے دعا کرو میں تمہارے لئے قبول کروں گا۔ **دعا ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے ساتھ مسلمانوں کو فخر کرنا چاہیئے۔ دوسری قوموں کو دعا کی کوئی قدر نہیں اور نہ انہیں اس پاک طریق پر کوئی فخر اور ناز ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہ فخر اور ناز صرف صرف اسلام ہی کو ہے۔ دوسرے مذاہب اس سے بکلی بے بہرہ ہیں۔**

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 202)

دعا خدا سے آتی ہے اور خدا کی طرف ہی جاتی ہے۔ دعا سے خدا ایسا نزدیک ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ تمہاری جان تم سے نزدیک ہے۔ دعا کی پہلی نعمت یہ ہے کہ انسان میں پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہے پھر اس تبدیلی سے خدا بھی اپنی صفات میں تبدیلی کرتا ہے اور اس کے صفات غیر متبدل ہیں۔ مگر تبدیلی یافتہ کے لئے اس کی ایک الگ تجلی ہے۔ جس کو دنیا نہیں جانتی۔ گویا وہ اور خدا ہے۔ حالانکہ اور کوئی خدا نہیں۔ مگر نئی تجلی نئے رنگ میں اس کو ظاہر کرتی ہے۔ تب اس خاص تجلی کے شان میں اس تبدیل یافتہ کیلئے وہ کام کرتا ہے جو دوسروں کے لئے نہیں کرتا۔ یہی وہ خوارق ہے۔ (لیکچر سیالکوٹ ر۔خ جلد 20 صفحہ 223)

ہر نبی نے دعا کی تعلیم دی ہے

دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا جس نے دعا کی تعلیم نہیں دی۔ یہ دعا ایک ایسی شئی ہے جو عبودیت اور ربوبیت میں ایک رشتہ پیدا کرتی ہے۔ اس راہ میں قدم رکھنا بھی مشکل ہے۔ لیکن جو قدم رکھتا ہے پھر دعا ایک ایسا ذریعہ ہے کہ ان مشکلات کو آسان اور سہل کر دیتا ہے۔...... جب انسان خدا تعالیٰ سے متواتر دعائیں مانگتا ہے تو وہ اور ہی انسان ہو جاتا ہے اس کی روحانی کدورتیں دور ہو کر اس کو ایک قسم کی راحت اور سرور ملتا ہے اور ہر قسم کے تعصب اور ریاکاری سے الگ ہو کر وہ تمام مشکلات کو جو اس کی راہ میں پیدا ہوں برداشت کر لیتا ہے خدا کے لئے ان سختیوں کو جو دوسرے برداشت نہیں کرتے اور نہیں کر سکتے صرف اس لیے کہ خدا تعالیٰ راضی ہو جاوے برداشت کرتا ہے تب خدا تعالیٰ جو رحمان رحیم خدا ہے اور سراسر رحمت ہے اس پر نظر کرتا ہے اور اس کی ساری کلفتوں اور کدورتوں کو سرور سے بدل دیتا ہے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 492)

آڑے وقت کی دعا

حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی فرماتے ہیں۔

مجھ حقیر اور ناچیز کو خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل و احسان سے کثرت کے ساتھ دعائیں کرنے کی توفیق بخشی ہے اور میری بہت سی عاجزانہ دعاؤں کو محض اپنی ازلی و ابدی اور بے پایاں رحمت سے شرف قبولیت بھی بخشا ہے میں نے اپنی التجاؤں میں قرآن کریم و احادیث کی دعاؤں کے علاوہ سیدنا حضرت مسیح موعود کی آڑے وقت کی دعا سے بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ دعا حضرت اقدس کے ایک خط سے جو آپ نے حضرت مولانا نورالدین صاحب کے نام تحریر فرمایا ماخوذ کی گئی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

''اے میرے محسن اور اے میرے خدا میں ایک تیرا ناکارہ بندہ پُر معصیت اور پُر غفلت ہوں۔ تو نے مجھ سے ظلم پر ظلم دیکھا اور انعام پر انعام کیا اور گناہ پر گناہ دیکھا اور احسان پر احسان کیا تو نے ہمیشہ میری پردہ پوشی کی اور اپنی بے شمار نعمتوں سے متمتع کیا۔ سو اب بھی مجھ نالائق اور پُر گناہ پر رحم کر اور میری بیباکی اور ناسپاسی کو معاف فرما اور مجھ کو میرے اس غم سے نجات بخش کہ بجز تیرے اور کوئی چارہ گر نہیں'' آمین۔ (حیات قدسی جلد 3 صفحہ 12)

مقبولوں کی پہچان قبولیت دعا ہے

مقبولوں کی اول علامت مستجاب الدعوات ہونا ہے خاص کر اس حالت میں جب کہ ان کا درد دل نہایت تک پہنچ جائے۔ پھر اس بات کو سوچیں کہ کیونکر ممکن ہے کہ باوجودیکہ حضرت مسیح علیہ السلام نے مارے غم کے بیجان اور ناتواں ہو کر ایک باغ میں جو پھل لانے کی جگہ ہے بکمال درد ساری رات دعا کی اور کہا کہ اے میرے باپ اگر ممکن ہو تو یہ پیالہ مجھ سے ٹال دیا جائے مگر پھر بھی باایں ہمہ سوز و گداز اپنی دعا کا پھل دیکھنے سے نامراد رہا۔ یہ بات عارفوں اور ایمانداروں کے نزدیک ایسی جھوٹ ہے جیسا کہ دن کو کہا جائے کہ رات ہے یا اُجالے کو کہا جائے کہ اندھیرا ہے یا چشمۂ شیریں کو کہا جائے کہ تلخ اور شور ہے۔ جس دعا میں رات کے چار پہر برابر سوز و گداز اور گریہ وزاری اور سجدات اور جانکاہی میں گذریں کبھی ممکن نہیں کہ خدائے کریم و رحیم ایسی دعا کو نامنظور کرے خاص کر وہ دعا جو ایک مقبول کے منہ سے نکلی ہو۔ (تریاق القلوب۔ ر۔خ۔ جلد 15 صفحہ 242-241)

دعا کا قبول نہ ہونا

بعض اوقات انسان کسی دعا میں ناکام رہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے دعا رد کر دی حالانکہ خدائے تعالیٰ اس کی دعا کو سن لیتا ہے اور وہ اجابت بصورت رد ہی ہوتی ہے کیونکہ اس کے لئے در پردہ اور حقیقت میں بہتری اور بھلائی اس کے رد ہی میں ہوتی ہے۔ انسان چونکہ کوتاہ بین اور دور اندیش نہیں بلکہ ظاہر پرست ہے اس لئے اس کو مناسب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا کرے اور وہ بظاہر اس کے مفید مطلب نتیجہ خیز نہ ہو تو خدا پر بدظن نہ ہو کہ اس نے میری دعا نہیں سنی۔ وہ تو ہر ایک کی دعا سنتا ہے اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ۔ (المومن :61) فرماتا ہے۔ راز اور بھید یہی ہوتا ہے کہ داعی کے لئے خیر اور بھلائی رد دعا ہی میں ہوتی ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 67)

وَ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِہٖ ۚ وَ اَنّٰی لَہُمُ التَّنَاوُشُ مِنۡ مَّکَانٍۭ بَعِیۡدٍ۔ (سبا:53)

جو مجھ سے دور ہو اس کی دعا کیونکر سنوں۔ یہ گویا عام قانون قدرت کے نظارہ سے ایک سبق دیا ہے۔ یہ نہیں کہ خدا سن نہیں سکتا۔ وہ تو دل کے مخفی در مخفی ارادوں سے بھی واقف ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوئے مگر یہاں انسان کو قرب الٰہی کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جیسے دور کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اسی طرح پر جو شخص غفلت اور فسق و فجور میں مبتلا رہ کر مجھ سے دور ہوتا جاتا ہے۔ جس قدر وہ دور ہوتا ہے اسی قدر حجاب اور فاصلہ اس کی دعاؤں کی قبولیت میں ہوتا جاتا ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 436)

دعا پر اعتقاد نہ رکھنا

از دُعا کن چارۂ آزارِ انکارِ دُعا　　چوں علاجِ مے زمے وقتِ خمار والتہاب

انکارِ دعا کے مرض کا علاج دعا ہی سے کر جیسے خمار کے وقت شراب کا علاج شراب سے ہی کیا جاتا ہے۔

ایکہ گوئی گر دعاہارا اثر بودے کجاست　　سوئے من بشتاب نمایم ترا چوں آفتاب

اے وہ شخص جو کہتا ہے کہ اگر دعاؤں میں اثر ہے تو دکھاؤ کہاں ہے۔ پس میری طرف دوڑ تا کہ میں تجھے سورج کی طرح وہ اثر دکھاؤں۔

ہاں مکن انکار زیں اسرار قدرتہائے حق　　قصہ کوتاہ کن ببیں از ما دعائے مستجاب

خدا کی قدرتوں کے بھیدوں کا انکار نہ کر بات ختم کر۔ اور ہم سے دعائے مستجاب دیکھ لے۔

(برکات الدعا۔ ر۔خ۔ جلد 6 صفحہ 33)

دعا مسلمانوں پر فرض ہے

دعا جو خدا تعالیٰ کی پاک کلام نے مسلمانوں پر فرض کی ہے۔ اس کی فرضیت کے چار سبب ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ تا ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت میں خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر توحید پر پختگی حاصل ہو۔ کیونکہ خدا سے مانگنا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ مرادوں کا دینے والا صرف خدا ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ تا دعا کے قبول ہونے اور مراد کے ملنے پر ایمان قوی ہو۔

۳۔ تیسرے یہ کہ اگر کسی اور رنگ میں عنایت الٰہی شامل حال ہو۔ تو علم اور حکمت زیادت پکڑے۔

۴۔ چوتھے یہ کہ اگر دعا کی قبولیت کا الہام اور رویا کے ساتھ وعدہ دیا جائے اور اسی طرح ظہور میں آوے تو معرفت الٰہی ترقی کرے اور معرفت سے یقین اور یقین سے محبت اور محبت سے ہر ایک گناہ اور غیر اللہ سے انقطاع حاصل ہو جو حقیقی نجات کا ثمرہ ہے۔　(ایام الصلح ر۔خ جلد 14 صفحہ 242)

امن کی حالت میں دعا کرنا

اللہ کا رحم ہے اس شخص پر جو امن کی حالت میں اسی طرح ڈرتا ہے جس طرح کسی مصیبت کے وارد ہونے پر ڈرتا ہے۔ **جو امن کے وقت خدا تعالےٰ کو نہیں بھلاتا۔ خدا تعالیٰ اسے مصیبت کے وقت نہیں بھلاتا۔** اور جو امن کے زمانہ کو عیش میں بسر کرتا ہے۔ اور مصیبت کے وقت دعائیں کرنے لگتا ہے تو اس کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں۔ جب عذاب الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے پس کیا ہی سعید وہ ہے۔ جو عذاب الٰہی کے نزول سے پیشتر دعا میں مصروف رہتا ہے۔ صدقات دیتا ہے۔ اور امر الٰہی کی تعظیم اور خلق اللہ پر شفقت کرتا ہے۔ اپنے اعمال کو سنوار کر بجا لاتا ہے یہی سعادت کے نشان ہیں۔ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح سعید اور شقی کی شناخت بھی آسان ہوتی ہے۔　(ملفوظات جلد دوم صفحہ 539)

قبولیت دعا کے آثار

عَسٰی اَنۡ تَکۡرَھُوۡا شَیۡئًا وَّ ھُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ۔ (البقرہ:217)

دعا جب قبول ہونے والی ہوتی ہے۔تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے دل میں ایک سچا جوش اور اضطراب پیدا کر دیتا ہے۔اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ خود ہی ایک دعا سکھاتا ہے۔ اور الہامی طور پر اس اس کا پیرایہ بتا دیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ فتلقی ادم من ربه کلمات (البقرہ: 38) اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے راستباز بندوں کو قبول ہونے والی دعائیں خود الہاماً سکھا دیتا ہے۔ بعض وقت ایسی دعا میں ایسا حصہ بھی ہوتا ہے جس کو دعا کرنے والا ناپسند کرتا ہے مگر وہ قبول ہو جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس آیت کے مصداق ہے عَسٰی اَنۡ تَکۡرَھُوۡا شَیۡئًا وَّ ھُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 164)

دعا کے اندر قبولیت کا اثر اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ انتہائی درجہ کے اضطرار تک پہنچ جاتی ہے **جب انتہائی درجہ اضطرار کا پیدا ہو جاتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی قبولیت کے آثار اور سامان بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔** پہلے سامان آسمان پر کئے جاتے ہیں اس کے بعد وہ زمین پر اثر دکھاتے ہیں۔ یہ چھوٹی سی بات نہیں بلکہ ایک عظیم الشان حقیقت ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جس کو خدائی کا جلوہ دیکھنا ہو اسے چاہئے کہ دعا کرے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 618)

قبولیت دعا کے ذرائع

قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ ۔ (آل عمران:32)

قبولیت دعا کے تین ہی ذریعے ہیں۔اول قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ ۔ دوم یٰۤاَیُّھَا الّذی آمنوا صلّوا علیه و سلّموا تسلیما۔(الاحزاب:57) تیسرا موہبت الٰہی۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 38)

قبولیت دعا کے طریق

دعا اسی حالت میں دعا کہلا سکتی ہے کہ جب درحقیقت اس میں ایک قوت کشش ہو اور واقعی طور پر دعا کرنے کے بعد آسمان سے ایک نور اترے جو ہماری گھبراہٹ کو دور کرے اور ہمیں انشراح صدر بخشے اور سکینت اور اطمینان عطا کرے۔ ہاں حکیم مطلق ہماری دعاؤں کے بعد دو طور سے نصرت اور امداد کو نازل کرتا ہے **(1) ایک یہ کہ اس بلا کو دور کر دیتا ہے جس کے نیچے ہم دب کر مرنے کو تیار ہیں (2) دوسرے یہ کہ بلا کی برداشت کے لئے ہمیں فوق العادت قوت عنایت کرتا ہے بلکہ اس میں لذت بخشتا ہے اور انشراح صدر عنایت فرماتا ہے۔ پس ان دونوں طریقوں سے ثابت ہے کہ دعا سے ضرور نصرت الٰہی نازل ہوتی ہے۔**

(ریویو آف ریلیجنز جلد سوم نمبر 2 صفحہ 48 تفسیر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سورۃ المومن جلد 7 صفحہ 208)

غیروں کی دعا بھی قبول ہوتی ہے

دعا وہ ہوتی ہے جو خدا کے پیارے کرتے ہیں ورنہ یوں تو خدا تعالیٰ ہندوؤں کی بھی سنتا ہے اور بعض ان کی مرادیں پوری ہو جاتی ہیں مگر ان کا نام ابتلاء ہے دعا نہیں۔ مثلاً اگر خدا سے کوئی روٹی مانگے تو کیا نہ دے گا؟ اس کا وعدہ ہے۔ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ (سورۃ ھود :7) کتے بلی بھی تو اکثر پیٹ پالتے ہیں۔ کیڑوں مکوڑوں کو بھی رزق ملتا ہے مگر اِصْطَفَيْنَا۔ (فاطر:33) کا لفظ خاص موقعوں کے لئے ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 682)

احمدیوں کو نصیحت

ہماری جماعت کو چاہیئے کہ راتوں کو رو رو کر دعائیں کریں۔ اس کا وعدہ ہے اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن :61) عام لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ دعا سے مراد دنیا کی دعا ہے۔ وہ دنیا کے کیڑے ہیں اس لئے اس سے پَرے نہیں جا سکتے اصل دعا دین ہی کی دعا ہے لیکن یہ مت سمجھو کہ ہم گنہ گار ہیں یہ دعا کیا ہوگی اور ہماری تبدیلی کیسے ہو سکے گی یہ غلطی ہے بعض وقت انسان خطاؤں کے ساتھ ہی ان پر غالب آ سکتا ہے اس لئے کہ اصل فطرت میں پاکیزگی ہے دیکھو پانی خواہ کیسا ہی گرم ہو لیکن جب وہ آگ پر ڈالا جاتا ہے تو وہ بہر حال آگ کو بجھا دیتا ہے اس لئے کہ فطرتاً برودت اس میں ہے۔ ٹھیک اسی طرح پر انسان کی فطرت میں پاکیزگی ہے۔ ہر ایک میں یہ مادہ موجود ہے۔ وہ پاکیزگی کہیں نہیں گئی۔ اسی طرح تمہاری طبیعتوں میں خواہ کیسے ہی جذبات ہوں رو کر دعا کرو گے تو اللہ تعالیٰ دور کر دے گا۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 133-132)

ہجوم مشکلات میں کامیابی حاصل کرنے کا طریق

ذیل میں جو نظم درج کی جاتی ہے یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک صاحب شیخ محمد بخش رئیس کڑیانوالہ ضلع گجرات کو لکھ کر عطا فرمائی تھی جبکہ وہ سخت مالی مشکلات میں مبتلا تھے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کے طفیل ان کی تکالیف دور کر دیں۔ (منقول از اخبار "الفضل" 13/جنوری 1928ء)

اِک نہ اِک دن پیش ہو گا تو فنا کے سامنے
چل نہیں سکتی کسی کی کچھ قضا کے سامنے

چھوڑنی ہو گی تجھے دنیائے فانی ایک دن
ہر کوئی مجبور ہے حکمِ خدا کے سامنے

مستقل رہنا ہے لازم اے بشر تجھ کو سدا
رنج و غم یاس و الم فکر و بلا کے سامنے

بارگاہِ ایزدی سے تُو نہ یوں مایوس ہو
مشکلیں کیا چیز ہیں مشکل کُشا کے سامنے

حاجتیں پوری کریں گے کیا تری عاجز بشر
کر بیاں سب حاجتیں حاجت روا کے سامنے

چاہیئے تجھ کو مٹانا قلب سے نقشِ دُوئی
سر جھکا بس مالکِ ارض و سما کے سامنے

چاہیئے نفرت بدی سے اور نیکی سے پیار
ایک دن جانا ہے تجھ کو بھی خدا کے سامنے

راستی کے سامنے کب جھوٹ پھلتا ہے بھلا
قدر کیا پتھر کی لعلِ بے بہا کے سامنے

نویں فصل

توبہ اور استغفار

وَّ اَنِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡهِ یُمَتِّعۡكُمۡ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّیُؤۡتِ كُلَّ ذِیۡ فَضۡلٍ فَضۡلَهٗ وَ اِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡكُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ كَبِیۡرٍ۔ (ھود:4)

طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مشکل کام کیونکر حل ہو۔ اس کا علاج خود ہی بتلایا و ان استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ ۔(ھود:4) یادرکھو کہ یہ دو چیزیں اس امت کو عطا فرمائی گئی ہیں۔ ایک قوت حاصل کرنے کے واسطے۔ دوسری حاصل کردہ قوت کو عملی طور پر دکھانے کے لئے۔ قوت حاصل کرنے کے واسطے استغفار ہے جس کو دوسرے لفظوں میں استمداد اور استعانت بھی کہتے ہیں۔ صوفیوں نے لکھا ہے کہ جیسے ورزش کرنے سے مثلاً مگدروں اور موگریوں کو اٹھانے اور پھیرنے سے جسمانی قوت اور طاقت بڑھتی ہے۔ اسی طرح روحانی مگدر استغفار ہے۔ اس کے ساتھ روح کو ایک قوت ملتی ہے اور دل میں استقامت پیدا ہوتی ہے۔ جسے قوت لینی مطلوب ہو وہ استغفار کرے۔ غفر ڈھانکنے اور دبانے کو کہتے ہیں۔ استغفار سے انسان ان جذبات اور خیالات کو ڈھانپنے اور دبانے کی کوشش کرتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ سے روکتے ہیں۔ پس استغفار کے یہی معنے ہیں کہ زہریلے مواد جو حملہ کر کے انسان کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ ان پر غالب آوے اور خدا تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری کی راہ کی روکوں سے بچ کر انہیں عملی رنگ میں دکھائے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں دو قسم کے مادے رکھے ہیں۔ ایک سمّی مادہ ہے۔ جس کا موکّل شیطان ہے اور دوسرا تریاقی مادہ ہے۔ جب انسان تکبر کرتا ہے اور اپنے تئیں کچھ سمجھتا ہے اور تریاقی چشمہ سے مدد نہیں لیتا۔ تو سمّی قوت غالب آجاتی ہے لیکن جب اپنے تئیں ذلیل وحقیر سمجھتا ہے اور اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک چشمہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے اس کی روح گداز ہو کر بہہ نکلتی ہے اور یہی استغفار کے معنی ہیں۔ یعنی یہ کہ اس قوت کو پا کر زہریلے مواد پر غالب آجاوے۔

غرض اس کے معنی یہ ہیں کہ عبادت پر یوں قائم رہو۔ اول رسول کی اطاعت کرو۔ دوسرے ہر وقت خدا سے مدد چاہو۔ ہاں پہلے اپنے ربّ سے مدد چاہو۔ جب قوت مل گئی تو تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡهِ یعنی خدا کی طرف رجوع کرو۔

استغفار اور توبہ دو چیزیں ہیں۔ ایک وجہ سے استغفار کو توبہ پر تقدم ہے کیونکہ استغفار مدد اور قوت ہے جو خدا سے حاصل کی جاتی ہے اور توبہ اپنے قدموں پر کھڑا ہونا ہے۔ عادۃ اللہ یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے گا تو خدا تعالیٰ ایک قوت دے دے گا اور پھر اس قوت کے بعد انسان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جاوے گا اور نیکیوں کے کرنے کے لیے اس میں ایک قوت پیدا ہو جاوے گی جس کا نام تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡهِ ہے۔ اس لیے طبعی طور پر بھی یہی ترتیب ہے۔ غرض اس میں ایک طریق ہے جو سالکوں کے لئے رکھا ہے کہ سالک ہر حالت میں خدا تعالیٰ سے استمداد

چاہیے۔سالک جب تک اللہ تعالیٰ سے قوت نہ پائے گا۔کیا کر سکے گا۔توبہ کی توفیق استغفار کے بعد ملتی ہے۔اگر استغفار نہ ہو تو یقیناً یاد رکھو کہ توبہ کی قوت مر جاتی ہے۔پھر اگر اس طرح پر استغفار کرو گے اور پھر توبہ کرو گے تو نتیجہ یہ ہو گا۔ **یُمَتِّعْکُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی** (ھود:4) سنت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ اگر استغفار اور توبہ کرو گے تو اپنے مراتب پالو گے۔ہر ایک شخص کے لئے ایک دائرہ ہے جس میں وہ مدارج ترقی کو حاصل کرتا ہے۔ہر ایک آدمی نبی، رسول، صدیق، شہید نہیں ہوسکتا۔

غرض اس میں شک نہیں کہ تفاضل درجات امر حق ہے۔اس کے آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان امور پر مواظنت کرنے سے ہر ایک سالک اپنی اپنی استعداد کے موافق درجات اور مراتب کو پالے گا۔یہی مطلب ہے آیت کا **وَ یُؤْتِ کُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ** لیکن اگر زیادت لے کر آیا ہے تو خدا تعالیٰ اس مجاہدہ میں اس کو زیادت دے دیگا اور اپنے فضل کو پالے گا جو طبعی طور پر اس کا حق ہے۔ذی الفضل کی اضافت ملکی ہے۔مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ محروم نہ رکھے گا۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 348-349)

توبہ کے معانی

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ۔ (ال عمران:91)

توبہ کا لفظ نہایت لطیف اور روحانی معنے اپنے اندر رکھتا ہے جس کی غیر قوموں کو خبر نہیں **یعنی توبہ کہتے ہیں اس رجوع کو کہ جب انسان تمام نفسانی جذبات کا مقابلہ کر کے اور اپنے پر ایک موت کو اختیار کر کے خدا تعالیٰ کی طرف چلا آتا ہے۔**سو یہ کچھ سہل بات نہیں ہے اور ایک انسان کو اسی وقت تائب کہا جاتا ہے جبکہ وہ بکلی نفس امارہ کی پیروی سے دست بردار ہو کر اور ہر ایک تلخی اور ہر ایک موت خدا کی راہ میں اپنے لیے گوارا کر کے آستانہ حضرت احدیت پر گر جاتا ہے تب وہ اس لائق ہو جاتا ہے کہ اس موت کے عوض میں خدا تعالیٰ اس کو زندگی بخشے۔

(قادیان کے آریہ اور ہم۔ر۔خ۔جلد 20 صفحہ 448)

توبہ کے معنے ہی یہ ہیں کہ گناہ کو ترک کرنا اور خدا کی طرف رجوع کرنا۔بدی چھوڑ کر نیکی کی طرف آگے قدم بڑھانا۔توبہ ایک طرف (موت) کو چاہتی ہے جس کے بعد انسان زندہ کیا جاتا ہے اور پھر نہیں مرتا۔توبہ کے بعد انسان ایسا بن جاوے کہ گویا نئی زندگی پا کر دنیا میں آیا ہے نہ اس کی وہ چال ہو نہ اس کی وہ زبان نہ ہاتھ نہ پاؤں سارے کا سارا نیا وجود ہو جو کسی دوسرے کے ماتحت کام کرتا ہوا نظر آ جاوے۔دیکھنے والے جان لیں کہ یہ وہ نہیں یہ تو کوئی اور ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ یقین جانو کہ توبہ میں بڑے بڑے ثمرات ہیں۔یہ برکات کا سرچشمہ ہے۔درحقیقت اولیاء اور صلحاء یہی لوگ ہوتے ہیں جو توبہ کرتے اور پھر اس پر مضبوط ہو جاتے ہیں وہ گناہ سے دور اور خدا کے قریب ہوتے جاتے ہیں کامل توبہ کرنے والا شخص ہی ولی قطب اور غوث کہلا سکتا ہے۔اسی حالت میں وہ خدا کا محبوب بنتا ہے۔اس کے بعد بلائیں جو انسان کے واسطے مقدر ہوتی ہیں ٹل جاتی ہیں۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 146-147)

توبہ کی شرائط

توبہ دراصل حصول اخلاق کے لئے بڑی محرک اور مؤید چیز ہے اور انسان کو کامل بنا دیتی ہے یعنی جو شخص اپنے اخلاق سیئہ کی تبدیلی چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ سچے دل اور پکے ارادے کے ساتھ توبہ کرے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ توبہ کیلئے تین شرائط ہیں بدوں ان کی تکمیل کے سچی توبہ جسے توبۃ النصوح کہتے ہیں حاصل نہیں ہوتی۔ان ہر سہ شرائط میں سے پہلی شرط جسے عربی زبان میں اقلاع کہتے ہیں **یعنی ان خیالات فاسدہ کو دور کرلیا جاوے جو ان خصائل ردیہ کے محرک ہیں۔......**

دوسری شرط ندم ہے یعنی پشیمانی اور ندامت ظاہر کرنا۔ ہرانسان کا کانشنس اپنے اندر یہ قوت رکھتا ہے کہ وہ اس کو ہر برائی پر متنبہ کرتا ہے مگر بدبخت انسان اس کو معطل چھوڑ دیتا ہے پس گناہ اور بدی کے ارتکاب پر پشیمانی ظاہر کرے اور یہ خیال کرے کہ یہ لذات عارضی اور چندروزہ ہیں اور پھر یہ بھی سوچے کہ ہر مرتبہ اس لذت اور حظ میں کمی ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ بڑھاپے میں اگر جبکہ قویٰ بیکار اور کمزور ہو جاویں گے آخر ان سب لذات دنیا کو چھوڑنا ہو گا۔پس جب کہ خود زندگی ہی میں یہ سب باتیں چھوڑ جانے والی ہیں تو پھر ان کے ارتکاب سے کیا حاصل ہے۔بڑا ہی خوش قسمت ہے وہ انسان جو توبہ کی طرف رجوع کرے اور جس میں اول اقلاع کا خیال پیدا ہو یعنی خیالات فاسدہ و تصورات بے ہودہ کو قلع وقمع کرے تب یہ نجاست اور ناپاکی نکل جاوے تو پھر نادم ہو اور اپنے کئے پر پشیمان ہو۔

تیسری شرط عزم ہے۔یعنی آئندہ کے لئے مصمم ارادہ کرلے کہ پھر ان برائیوں کی طرف رجوع نہ کروں گا اور جب وہ مداومت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے سچی توبہ کی توفیق عطا کرے گا یہاں تک کہ وہ سیئات اس سے قطعاً زائل ہو کر اخلاق حسنہ اور افعال حمیدہ اس کی جگہ لے لیں گے اور یہ فتح ہے اخلاق پر۔اس پر قوت اور طاقت بخشنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے کیونکہ تمام طاقتوں اور قوتوں کا مالک وہی ہے جیسے فرمایا اِنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (البقرة :166)

(ملفوظات جلد اول صفحہ 88-87)

حضرت اقدسؑ کی بیعت۔بیعتِ توبہ ہے

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ (البقرة:223)

اسی طرح بیعت میں عظیم الشان بات توبہ ہے۔جس کے معنے رجوع کے ہیں۔توبہ اس حالت کا نام ہے۔کہ انسان اپنے معاصی سے جس سے اس کے تعلقات بڑھے ہوئے ہیں۔اور اس نے اپنا وطن انہیں مقرر کرلیا ہوا ہے۔گویا کہ گناہ میں اس نے بود و باش مقرر کرلی ہوئی ہے۔تو توبہ کے معنے یہ ہیں۔کہ اس وطن کو چھوڑنا اور رجوع کے معنے پاکیزگی کو اختیار کرنا۔ اب وطن کو چھوڑنا بڑا گراں گزرتا ہے۔اور ہزاروں تکلیفیں ہوتی ہیں۔ایک گھر جب انسان چھوڑتا ہے تو کس قدر اسے تکلیف ہوتی ہے اور وطن کو چھوڑنے میں تو اس کو سب یار دوست سے قطع تعلق کرنا

پڑتا ہے۔اور سب چیزوں کو مثل چارپائی فرش وہمسائے وگلیاں کوچے بازار سب چھوڑ چھاڑ کر ایک نئے ملک میں جانا پڑتا ہے۔یعنی اس وطن میں کبھی نہیں آنا۔اس کا نام توبہ ہے۔معصیت کے دوست اور ہوتے ہیں۔اور تقویٰ کے دوست اور۔اس تبدیلی کو صوفیاء نے موت کہا ہے۔جو توبہ کرتا ہے اسے بڑا حرج اٹھانا پڑتا ہے اور سچی توبہ کے وقت بڑے بڑے حرج اس کے سامنے آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ رحیم کریم ہے وہ جب تک اس کل کا نعم البدل عطا نہ فرماوے نہیں مارتا۔**اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ میں یہی اشارہ ہے کہ وہ توبہ کر کے غریب بیکس ہوجاتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اسے محبت اور پیار کرتا ہے اور اسے نیکوں کی جماعت میں داخل کرتا ہے۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 2)

توبہ قبول ہوتی ہے

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ (البقرۃ:223)

یہ سچی بات ہے کہ توبہ اور استغفار سے گناہ بخشے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ سچی توبہ کرنے والا معصوم کے رنگ میں ہوتا ہے پچھلے گناہ تو معاف ہوجاتے ہیں پھر آیندہ کے لیے خدا سے معاملہ صاف کرلے۔اس طرح پر خدا تعالیٰ کے اولیاء میں داخل ہوجائے گا اور پھر اس پر کوئی خوف وحزن نہ ہوگا۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 595-594)

وَ ھُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۔(الشوریٰ26)

تمہارا خدا وہ خدا ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی بدیاں ان کو معاف کر دیتا ہے۔کسی کو یہ دھوکا نہ لگے کہ قرآن شریف میں یہ آیت بھی ہے وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ (الزلزال:9) یعنی جو شخص ایک ذرہ بھی شرارت کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا۔**پس یاد رہے کہ اس میں اور دوسری آیات میں کچھ تناقض نہیں کیونکہ اس شر سے وہ شر مراد ہے جس پر انسان اصرار کرے اور اس کے ارتکاب سے باز نہ آوے اور توبہ نہ کرے اسی غرض سے اس جگہ شرّ کا لفظ استعمال کیا ہے نہ ذنب کا تا معلوم ہو کہ اس جگہ کوئی شرارت کا فعل مراد ہے جس سے شریر آدمی باز آنا نہیں چاہتا۔ورنہ سارا قرآن شریف اس بارہ میں بھرا پڑا ہے کہ ندامت اور توبہ اور ترک اصرار اور استغفار سے گناہ بخشے جاتے ہیں بلکہ خدا تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے پیار کرتا ہے۔** (چشمہ معرفت۔ر۔خ۔جلد 23 صفحہ 24)

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَ قَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ ط فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ ط وَ اللّٰہُ لَایَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۔ (الصف:6)

جب انہوں نے کجی اختیار کی تو خدا نے ان کو کج کر دیا۔اسی کا نام مُہر ہے لیکن ہمارا خدا ایسا نہیں کہ پھر اس مُہر کو دور نہ کر سکے۔چنانچہ اس نے اگر مُہر لگنے کے اسباب بیان کئے ہیں تو ساتھ ہی وہ اسباب بھی بتلا دیئے ہیں جن سے یہ مُہر اُٹھ جاتی ہے جیسے کہ یہ فرمایا ہے اِنَّہٗ کَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا۔ (بنی اسرائیل:26) (ملفوظات جلد سوم صفحہ 425)

توبہ قبول نہ ہونے کا وقت

وَ لَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنٰى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (السجدة:22)

ایسے وقت میں جبکہ شرارت انتہاء کو پہنچتی ہے اور قطعی فیصلے کا وقت آ جاتا ہے تو مخالفوں کے حق میں انبیاء علیہم السلام کی بھی دعا قبول نہیں ہوتی۔ دیکھو حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان کے وقت اپنے بیٹے کنعان کے لئے جو کافروں اور منکروں سے تھا دعا کی اور قبول نہ ہوئی (دیکھو سورہ ہود رکوع 4) اور ایسا ہی جب فرعون ڈوبنے لگا تو خدا پر ایمان لایا مگر قبول نہ ہوا۔ **ہاں اس خاص وقت سے پہلے اگر رجوع کیا جاوے تو البتہ قبول ہوتا ہے** وَ لَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنٰى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ **یعنی جب خفیف سے آثار عذاب کے ظاہر ہوں تو اس وقت کی توبہ قبول ہوتی ہے۔** (حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد22 صفحہ 427)

استغفار کی اہمیت

روحانی سرسبزی کے محفوظ اور سلامت رہنے کے لئے یا اس سرسبزی کی ترقیات کی غرض سے حقیقی زندگی کے چشمہ سے سلامتی کا پانی مانگنا یہی وہ امر ہے جس کو قرآن کریم دوسرے لفظوں میں استغفار سے موسوم کرتا ہے۔

(نور القرآن ر۔خ جلد 9 صفحہ 357)

جو شخص دعویٰ سے کہتا ہے کہ میں گناہ سے بچتا ہوں وہ جھوٹا ہے جہاں شیرینی ہوتی ہے وہاں چیونٹیاں ضرور آتی ہیں اسی طرح نفس کے تقاضا ہائے تو ساتھ لگے ہی ہیں ان سے نجات کیا ہو سکتی ہے **خدا کے فضل اور رحمت کا ہاتھ نہ ہو تو انسان گناہ سے نہیں بچ سکتا نہ کوئی نبی نہ ولی اور نہ ان کے لئے یہ فخر کا مقام ہے کہ ہم سے گناہ صادر نہیں ہوتا بلکہ وہ ہمیشہ خدا کا فضل مانگتے تھے** اور نبیوں کے استغفار کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ خدا کے فضل کا ہاتھ ان پر رہے ورنہ اگر انسان اپنے نفس پر چھوڑا جاوے تو وہ ہرگز معصوم اور محفوظ نہیں ہو سکتا اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ خَطَايَايَ۔ اور دوسری دعائیں بھی استغفار کے اس مطلب کو بتلاتی ہیں۔ عبودیت کا سرّ یہی ہے کہ انسان خدا کی پناہ کے نیچے اپنے آپ کو لے آوے جو خدا کی پناہ نہیں چاہتا ہے وہ مغرور اور متکبر ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 346)

پس استغفار کیا چیز ہے۔ یہ اس آلہ کی مانند ہے جس کی راہ سے طاقت اترتی ہے۔ تمام راز توحید اس اصول سے وابستہ ہے کہ صفت عصمت کو انسان کی ایک مستقل جائیداد قرار نہ دیا جائے بلکہ اس کے حصول کے لئے محض خدا کو سرچشمہ سمجھا جائے ذات باری تعالیٰ کو تمثیل کے طور پر دل سے مشابہت ہے جس میں مصفا خون کا ذخیرہ جمع رہتا ہے اور انسان کامل کا استغفار ان شرائین اور عروق کی مانند ہے جو دل کے ساتھ پیوستہ ہیں اور خون صافی اس میں سے کھینچتی ہیں اور تمام اعضاء پر تقسیم کرتے ہیں جو خون کی محتاج ہیں۔ (ریویو آف ریلیجنز جلد 1 نمبر 5 صفحہ 193-187)

استغفار کے معانی

ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسۡتَغۡفِرُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ۔ (البقرہ:200)

استغفار جسکے ساتھ ایمان کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں قرآن شریف میں دو معنے پر آیا ہے۔ ایک تو یہ کہ اپنے دل کو خدا کی محبت میں محکم کر کے گناہوں کے ظہور کو جو علیحدگی کی حالت میں جوش مارتے ہیں خدا تعالیٰ کے تعلق کے ساتھ روکنا اور خدا میں پیوست ہو کر اس سے مدد چاہنا۔ یہ استغفار تو مقرّبوں کا ہے۔ جو ایک طرفۃ العین خدا سے علیحدہ ہونا اپنی تباہی کا موجب جانتے ہیں اس لئے استغفار کرتے ہیں تا خدا اپنی محبت میں تھامے رکھے۔ **اور دوسری قسم استغفار کی یہ ہے کہ گناہ سے نکل کر خدا کی طرف بھاگنا اور کوشش کرنا** کہ جیسے درخت زمین میں لگ جاتا ہے ایسا ہی دل خدا کی محبت کا اسیر ہو جائے تا پاک نشوونما پا کر گناہ کی خشکی اور زوال سے بچ جائے اور ان دونوں صورتوں کا نام استغفار رکھا گیا۔ کیونکہ **غفر جس سے استغفار نکلا ہے ڈھانکنے اور دبانے کو کہتے ہیں۔ گویا استغفار سے یہ مطلب ہے کہ خدا اس شخص کے گناہ جو اسکی محبت میں اپنے تئیں قائم کرتا ہے دبائے رکھے۔ اور بشریت کی جڑیں ننگی نہ ہونے دے۔ بلکہ الوہیت کی چادر میں لیکر اپنی قدوسیت میں سے حصہ دے۔ یا اگر کوئی جڑ گناہ کے ظہور سے ننگی ہو گئی ہو پھر اسکو ڈھانک دے۔ اور اسکی برہنگی کے بداثر سے بچائے۔** (سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب۔ ر۔خ جلد 12 صفحہ 347`346)

جب انسان کے اندر محبت کا چشمہ جوش مارتا ہے تو وہ محبت طبعاً یہ تقاضا کرتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ خدا تعالیٰ کی رضا حاصل ہو پس محبت کی کثرت کی وجہ سے استغفار کی بھی کثرت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا سے کامل طور پر پیار کرنے والے ہر دم اور ہر لحظہ استغفار کو اپنا ورد رکھتے ہیں اور سب سے بڑھ کر معصوم کی یہی نسانی ہے کہ وہ سب سے زیادہ استغفار میں مشغول رہے۔ (چشمہ مسیحی ر۔خ جلد 20 صفحہ 379)

اَلصّٰبِرِیۡنَ وَ الصّٰدِقِیۡنَ وَ الۡقٰنِتِیۡنَ وَ الۡمُنۡفِقِیۡنَ وَ الۡمُسۡتَغۡفِرِیۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ ۔ (آل عمران:18)

خدا ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ تم ہر روز صبح کے وقت استغفار کیا کرو۔ وہ فرماتا ہے **اَلصّٰبِرِیۡنَ وَ الصّٰدِقِیۡنَ وَ الۡقٰنِتِیۡنَ وَ الۡمُنۡفِقِیۡنَ وَ الۡمُسۡتَغۡفِرِیۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ** پھر فرماتا ہے **اِنَّھُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِکَ مُحۡسِنِیۡنَ کَانُوۡا قَلِیۡلًا مِّنَ الَّیۡلِ مَا یَھۡجَعُوۡنَ وَ بِالۡاَسۡحَارِ ھُمۡ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ ۔** ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ ہمیں یہی حکم نہیں کرتا کہ جس وقت تم سے کوئی گناہ سرزد ہو اس وقت استغفار کیا کرو۔ بلکہ یہ بھی چاہتا ہے کہ بغیر گناہوں کے ارتکاب کے بھی ہم استغفار کیا کریں۔ (ریویو جلد 2 بابت جون 1903ء صفحہ 243)

سایہ بھی ہو جائے ہے اوقاتِ ظلمت میں جدا — پر رہا وہ ہر اندھیرے میں رفیق و غمگسار
اس قدر نصرت تو کاذب کی نہیں ہوتی کبھی — گر نہیں باور نظیریں اس کی تم لاؤ دو۲ چار
پھر اگر ناچار ہو اس سے کہ دو کوئی نظیر — اس مہیمن سے ڈرو جو بادشاہِ ہر دو۲ وار
یہ کہاں سے سن لیا تم نے کہ تم آزاد ہو — کچھ نہیں تم پر عقوبت گو کرو عصیاں ہزار
نعرۂ اِنَّا ظَلَمۡنَا سنت ابرار ہے — زہر منہ کی مت دکھاؤ تم نہیں ہو نسلِ مار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ر۔خ جلد 21 صفحہ 135)

استغفار سے ردّ بلا ہوتا ہے

مَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ (انفال:34)

یہ تمام اقوام کا مذہب ہے کہ صدقہ سے ردّ بلا ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ بھی فرماتا ہے۔ مَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ۔استغفار عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ ہمارے تجربوں کی طرف کوئی جائے تو ایک منذر امر صبح کو ہو تو شام کو منسوخ ہو جاتا ہے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 212)

تمام انبیاء کرام کا اجماعی مسئلہ ہے کہ صدقہ و استغفار سے ردّ بلا ہوتا ہے۔ بلا کیا چیز ہے یعنی وہ تکلیف دہ امر جو خدا کے ارادہ میں مقدر ہو چکا ہے۔ اب اس بلا کی اطلاع جب کوئی نبی دے تو وہ پیشگوئی بن جاتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے۔ وہ تضرّع کرنے والوں پر اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے۔ اس لیے ہمارا یہ عقیدہ نہیں کہ وعید کی پیشگوئیاں اٹل ہیں۔ بلکہ وہ ٹل جاتی ہیں۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 630)

جو لوگ قبل از نزول بلا دعا کرتے ہیں اور استغفار کرتے اور صدقات دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرتا ہے اور عذاب الٰہی سے ان کو بچا لیتا ہے۔ میری ان باتوں کو قصہ کے طور پر نہ سنو میں نصحاً للہ کہتا ہوں اپنے حالات پر غور کرو۔ اور آپ بھی اور اپنے دوستوں کو بھی دعا میں لگ جانے کے لئے کہو۔ استغفار عذاب الٰہی اور مصائب شدیدہ کے لئے سپر کا کام دیتا ہے قران شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ اس لئے اگر تم چاہتے ہو کہ اس عذاب الٰہی سے تم محفوظ رہو تو استغفار کثرت سے پڑھو۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 134)

فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَکُمْ وَ مَثْوٰیکُمْ۔ (محمد:20)

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ ۔ذَنب کے معنی (الف) عیسائی بیان کرتے ہیں کہ قرآن شریف انبیاء کو ایسا ہی گنہ گار ٹھہراتا ہے جیسا کہ معمولی آدمیوں کو۔ یہ صریحاً غلط ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو قران شریف ایسے الفاظ کو مثلاً جرم، فسق، جناح، اثم وغیرہ انبیاء کے متعلق کیوں استعمال نہیں کرتا حالانکہ ایسے الفاظ اکثر دوسرے لوگوں کی نسبت استعمال ہوئے ہیں۔ اگر قرآن شریف ان کو ایسا ہی گنہ گار سمجھتا ہے جیسا کہ دوسرے آدمیوں کو تو کیوں وہ ان کے متعلق ویسے الفاظ استعمال کرنے سے پرہیز کرتا ہے جو دوسرے گنہ گاروں کے متعلق اکثر استعمال کرتا ہے۔ لفظ فسق، جرم، اثم، جناح وغیرہ قرآن میں قریباً دو سو دفعہ آئے ہیں لیکن باوجود ان کی اس قدر کثرت استعمال کے کسی نبی کی نسبت وہ ایک دفعہ بھی استعمال نہیں کئے گئے۔ اگر لفظ ذنب اور جرم وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہے تو کیا وجہ ہے کہ قرآن شریف نے انبیاء کے لئے صرف ذنب کا لفظ چن لیا ہے اور ہمیشہ جرم وغیرہ الفاظ کے استعمال سے پرہیز کی ہے۔ قرآن شریف میں جرم، فسق، اثم وغیرہ کی نسبت ذنب کا استعمال بہت کم ہے لیکن باوجود اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن شریف دوسرے لفظوں کو چھوڑ کر انبیاء کی نسبت صرف ذنب کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ قرآن شریف نے صریحاً انبیاء کے متعلق جرم اور ذنب کے لفظ کے استعمال میں تمیز رکھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کبھی انبیاء کی نسبت ذنب کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو وہ جرم وغیرہ کا مترادف نہیں ہوتا۔

(تفسیر حضرت اقدسؑ جلد 7 صفحہ 337) (ریویو آف ریلیجنز جلد 2 نمبر 6 صفحہ 240)

وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (البقرہ:200)

استغفار کے معنی یہ ہیں کہ خدا سے اپنے گذشتہ جرائم اور معاصی کی سزا سے حفاظت چاہنا۔ اور آیندہ گناہوں کے سرزد ہونے سے حفاظت مانگنا۔ استغفار انبیاء بھی کیا کرتے ہیں اور عوام بھی۔

بعض نادان پادریوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار پر اعتراض کیا ہے اور لکھا ہے ان کے استغفار کرنے سے نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گناہ کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ استغفار تو ایک اعلیٰ صفت ہے۔ انسان فطرتاً ایسا بنا ہے کہ کمزوری اور ضعف اس کا فطری تقاضا ہے۔ انبیاء اس فطرتی کمزوری اور ضعف بشریت سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ دعا کرتے ہیں کہ یا الٰہی تو ہماری ایسی حفاظت کر کہ وہ بشری کمزوریاں ظہور پذیر ہی نہ ہوں۔ غفر کہتے ہیں ڈھکنے کو۔ **اصل بات یہی ہے کہ جو طاقت خدا کو ہے وہ نہ کسی نبی کو ہے نہ ولی کو اور نہ رسول کو۔ کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں اپنی طاقت سے گناہ سے بچ سکتا ہوں۔ پس انبیاء بھی حفاظت کے واسطے خدا کے محتاج ہیں پس اظہار عبودیت کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور انبیاء کی طرح اپنی حفاظت خدا سے مانگا کرتے تھے۔**......استغفار ایک عربی لفظ ہے۔ اس کے معنے ہیں۔ طلب مغفرت کرنا۔ کہ یا الٰہی ہم سے پہلے جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں۔ ان کے بدنتائج سے ہمیں بچا کیونکہ گناہ ایک زہر ہے۔ اور اسکا اثر بھی لازمی ہے۔ اور آیندہ ایسی حفاظت کر کہ گناہ ہم سے سرزد ہی نہ ہوں۔ صرف زبانی تکرار سے مطلب حاصل نہیں ہوتا...... پس چاہئے کہ توبہ استغفار منتر جنتر کی طرح نہ پڑھو بلکہ ان کے مفہوم اور معانی کو مدنظر رکھ کر تڑپ اور سچی پیاس سے خدا کے حضور دعائیں کرو۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 608`607)

فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ اسۡتَغۡفِرۡہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا۔ (النصر:4)

یہ سورۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب زمانہ وفات میں نازل ہوئی تھی اور اس میں اللہ تعالیٰ زور دیکر اپنی نصرت اور تائید اور تکمیل مقاصد دین کی خبر دیتا ہے کہ اَب تو اے نبی خدا کی تسبیح کر اور تحمید کر اور خدا سے مغفرت چاہ۔ وہ تواب ہے۔ اس موقع پر مغفرت کا ذکر کرنا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اَب کام تبلیغ ختم ہو گیا۔ **خدا سے دعا کر کہ اگر خدمت تبلیغ کے دقائق میں کوئی فروگذاشت ہوئی ہو تو خدا اس کو بخش دے۔** موسیٰ بھی توریت میں اپنے قصوروں کو یاد کر کے روتا ہے اور جس کو عیسائیوں نے خدا بنا رکھا ہے کسی نے اس کو کہا کہ اے نیک استاد۔ تو اس نے جواب دیا کہ تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے نیک کوئی نہیں مگر خدا۔ یہی تمام اولیاء کا شعار رہا ہے۔ سب نے استغفار کو اپنا شعار قرار دیا ہے بجز شیطان کے۔ (براہین احمدیہ ۔ ر۔خ جلد 21 صفحہ 271)

حقیقی توبہ اور استغفار

حقیقی توبہ انسان کو خدا تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے اور اس سے پاکیزگی اور طہارت کی توفیق ملتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَ یُحِبُّ الۡمُتَطَہِّرِیۡنَ (البقرۃ:223)۔ یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور نیز ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو گناہوں کی کشش سے پاک ہونے والے ہیں۔ توبہ حقیقت میں ایک ایسی شے ہے کہ جب وہ اپنے حقیقی لوازمات کے ساتھ کی جاوے تو اس کے ساتھ ہی انسان کے اندر ایک پاکیزگی کا بیج بویا جاتا ہے جو اس کو نیکیوں کا وارث بنا دیتا ہے۔ یہی باعث ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے کہ گویا اس نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ یعنی توبہ سے پہلے کے گناہ اس کے معاف ہو جاتے ہیں۔ اس وقت سے پہلے جو کچھ بھی اس کے حالات تھے۔ اور جو بے جا حرکات اور بے اعتدالیاں اس کے چال چلن میں پائی جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو معاف کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک عہد صلح باندھا جاتا ہے اور نیا حساب شروع ہوتا ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 432)

خوب یاد رکھو کہ لفظوں سے کچھ کام نہیں بنے گا اپنی زبان میں بھی استغفار ہو سکتا ہے کہ خدا پچھلے گناہوں کو معاف کرے اور آئندہ گناہوں سے محفوظ رکھے اور نیکی کی توفیق دے اور یہی حقیقی استغفار ہے کچھ ضرورت نہیں کہ یونہی استغفر اللہ استغفر اللہ کہتا پھرے اور دل کو خبر تک نہ ہو۔ یاد رکھو کہ خدا تک وہی بات پہنچتی ہے جو دل سے نکلتی ہے۔ اپنی زبان میں ہی خدا سے بہت دعائیں مانگنی چاہئیں۔ اس سے دل پر بھی اثر ہوتا ہے۔ زبان تو صرف دل کی شہادت دیتی ہے اگر دل میں جوش پیدا ہو اور زبان بھی ساتھ مل جائے تو اچھی بات ہے بغیر دل کے صرف زبانی دعائیں عبث ہیں ہاں دل کی دعائیں اصلی دعائیں ہوتی ہیں۔ جب **قبل از وقت بلا انسان اپنے دل ہی دل میں خدا سے دعائیں مانگتا رہتا ہے اور استغفار کرتا رہتا ہے۔ تو پھر خداوند رحیم و کریم ہے وہ بلا ٹل جاتی ہے لیکن جب بلا نازل ہو جاتی ہے پھر نہیں ٹلا کرتی۔ بلا کے نازل ہونے سے پہلے دعائیں کرتے رہنا چاہئے اور بہت استغفار کرنا چاہئے اس طرح سے خدا بلا کے وقت محفوظ رکھتا ہے۔** (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 282)

استغفار اور توبہ کا فلسفہ

فَاَقِمۡ وَجۡهَکَ لِلدِّیۡنِ حَنِیۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡهَا ؕ لَاتَبۡدِیۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِکَ الدِّیۡنُ الۡقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَایَعۡلَمُوۡنَ۔ (الروم:31)

سواس طور کی طبیعتیں بھی دنیا میں پائی جاتی ہیں جن کا وجود روزمرہ کے مشاہدات سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کے نفس کا شورش اور اشتعال جو فطرتی ہے کم نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جو خدا نے لگا دیا اس کو کون دور کرے۔ ہاں خدا نے ان کا ایک علاج بھی رکھا ہے۔ وہ کیا ہے؟ توبہ و استغفار اور ندامت یعنے جب کہ برا فعل جو ان کے نفس کا تقاضا ہے ان سے صادر ہو۔ یا حسب خاصہ فطرتی کوئی برا خیال دل میں آوے۔ تو اگر وہ توبہ اور استغفار سے اس کا تدارک چاہیں تو خدا اس گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔ جب وہ بار بار ٹھوکر کھانے سے بار بار نادم اور تائب ہوں تو وہ ندامت اور توبہ اس آلودگی کو دھوڈالتی ہے۔ یہی حقیقی کفارہ ہے جو اس فطرتی گناہ کا علاج ہے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ ومن یعمل سوء او یظلم نفسہ ثم یستغفر اللہ یجد اللہ غفورا رحیما۔ (النساء:111) الجزو نمبر ۵۔ یعنے جس سے کوئی بدعملی ہو جائے یا اپنے نفس پر کسی نوع کا ظلم کرے اور پھر پشیمان ہو کر خدا سے معافی چاہے تو وہ خدا کو غفور و رحیم پائے گا۔ اس لطیف اور پُر حکمت عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے لغزش اور گناہ نفوس ناقصہ کا خاصہ ہے جو ان سے سرزد ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ پر خدا کا ازلی اور ابدی خاصہ مغفرت و رحم ہے۔ اور اپنی ذات میں وہ غفور و رحیم ہے یعنے اس کی مغفرت سرسری اور اتفاقی نہیں۔ بلکہ وہ اس کی ذات قدیم کی صفت قدیم ہے جس کو وہ دوست رکھتا ہے اور جوہر قابل پر اس کا فیضان چاہتا ہے۔ یعنے جب کبھی کوئی بشر بروقت صدور لغزش و گناہ بہ ندامت و توبہ خدا کی طرف رجوع کرے تو وہ خدا کے نزدیک اس قابل ہو جاتا ہے کہ رحمت اور مغفرت کے ساتھ خدا اس کی طرف رجوع کرے۔ اور یہ رجوع الٰہی بندہ نادم تائب کی طرف ایک یا دو مرتبہ میں محدود نہیں بلکہ یہ خدائے تعالیٰ کی ذات میں خاصہ دائمی ہے اور جب تک کوئی گنہگار توبہ کی حالت میں اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وہ خاصہ اس کا ضرور اس پر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ پس خدا کا قانون قدرت یہ نہیں ہے کہ جو ٹھوکر کھانے والی طبیعتیں ہیں وہ ٹھوکر نہ کھاویں۔ یا جو لوگ قویٰ بہیمیہ یا غضبیہ کے مغلوب ہیں ان کی فطرت بدل جاوے۔ بلکہ اس کا قانون جو قدیم سے بندھا چلا آتا ہے یہی ہے کہ ناقص لوگ جو بمقتضائے اپنے ذاتی نقصان کے گناہ کریں وہ توبہ اور استغفار کر کے بخشے جائیں۔ لیکن جو شخص بعض قوتوں میں فطرتاً ضعیف ہیں وہ قوی نہیں ہوسکتا۔ اس میں تبدیل پیدائش لازم آتی ہے اور وہ بداہتاً محال ہے اور خود مشہود و محسوس ہے۔

(براہین احمدیہ ر۔خ جلد 1 صفحہ 187`186 حاشیہ)

دسویں فصل

صحبتِ صالحین

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ (التوبہ:119)

شریعت کی کتابیں حقائق اور معارف کا ذخیرہ ہوتی ہیں لیکن حقائق اور معارف پر کبھی پوری اطلاع نہیں مل سکتی جب تک صادق کی صحبت اخلاص اور صدق سے اختیار نہ کی جاوے اسی لیے قرآن شریف فرماتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور ارتقاء کے مدارج کامل طور پر کبھی حاصل نہیں ہو سکتے جب تک صادق کی معیت اور صحبت نہ ہو کیونکہ اس کی صحبت میں رہ کر وہ اس کے انفاس طیبہ عقد ہمت اور توجہ سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 163)

حقیقی پاکیزگی کے حاصل کرنے اور خاتمہ بالخیر کے لیے تیسرا پہلو جو قرآن سے ثابت ہے وہ صحبت صادقین ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ **یعنی صادقوں کے ساتھ رہو۔** صادقوں کی صحبت میں ایک خاص اثر ہوتا ہے ان کا نور صدق و استقلال دوسروں پر اثر ڈالتا ہے اور ان کی کمزوریوں کو دور کرنے میں مدد دیتا ہے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 208)

صادقوں اور راست بازوں کے پاس رہنے والا بھی ان میں ہی شریک ہوتا ہے۔اس لیے کس قدر ضرورت ہے اس امر کی کہ انسان کے كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ کے پاک ارشاد پر عمل کرے۔ **حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کو دنیا میں بھیجتا ہے۔ وہ پاک لوگوں کی مجلس میں آتے ہیں اور جب واپس جاتے ہیں تو اللہ تعالےٰ ان سے پوچھتا ہے کہ تم نے کیا دیکھا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک مجلس دیکھی ہے جس میں تیرا ذکر کر رہے تھے مگر ایک شخص ان میں سے نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہیں وہ بھی ان میں ہی سے ہے کیونکہ** اِنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ **اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صادقوں کی صحبت سے کس قدر فائدے ہیں۔ سخت بدنصیب ہے وہ شخص جو صحبت سے دور ہے۔**

غرض نفس مطمئنہ کی تاثیروں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اطمینان یافتہ لوگوں کی صحبت میں اطمینان پاتے ہیں۔ امارہ والے میں نفس امارہ کی تاثیریں ہوتی ہیں اور لوامہ والے میں لوّامہ کی تاثیریں ہوتی ہیں۔ اور جو شخص نفس مطمئنہ والے کی صحبت میں بیٹھتا ہے اس پر بھی اطمینان اور سکینت کے آثار ہونے لگتے ہیں اور اندر ہی اندر اسے تسلی ملنے لگتی ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 507)

اگر خدا سے ملنا چاہتے ہو تو دعا بھی کرو اور کوشش بھی کرو اور صادقوں کی صحبت میں بھی رہو۔ کیوں کہ اس راہ میں صحبت بھی شرط ہے۔ (لیکچر لاہور۔ ر۔خ۔ جلد 20 صفحہ 159-160)

دل کی پاکیزگی کا حاصل کرنا ضروری ہے اور یہ حاصل نہیں ہو سکتی جب تک منہاج نبوت پر آئے ہوئے پاک انسان کی صحبت میں نہ بیٹھے۔ اس کی صحبت کی توفیق نہیں مل سکتی۔ اوّلاً انسان یہ یقین نہ کرے کہ وہ ایک مرنے والی ہستی ہے۔ یہی ایک بات ہے جو اس کو صادق کی صحبت کی توفیق عطا فرماوے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے لیے نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک واعظ پیدا کر دیتا ہے۔ سب سے بڑھکر واعظ یہ ہے کہ وہ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ کی حقیقت کو سمجھ لے۔

صحابہ کرام کی حالت کو دیکھو کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کے لیے کیا کچھ نہ کیا۔ جو کچھ انہوں نے کیا اسی طرح پر ہماری جماعت کو لازم ہے کہ وہی رنگ اپنے اندر پیدا کریں۔ بدوں اس کے کہ وہ اس اصلی مطلب کو جس کے لیے میں بھیجا گیا ہوں' پا نہیں سکتے کیا ہماری جماعت کو زیادہ حاجتیں اور ضرورتیں لگی ہوئی ہیں جو صحابہ کو نہ تھیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے اور آپ کی باتیں سننے کے واسطے کیسے حریص تھے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 405)

مرو بہ بےخردی نزدِما بیاو نشیں　　　که ظلِّ اہل صفا موجبِ شفا باشد

بے وقوفی سے چلا نہ جا بلکہ ہمارے پاس آ کر بیٹھ کہ اہل اللہ کا سایہ شفا کا موجب ہوا کرتا ہے۔

مقیم حلقہء ابرار باش روزے چند　　　مگر عنایتِ قادر گرہ کشا باشد

کچھ دن نیکوں کے حلقہ میں آ کر بسر کر شاید اس قادر کی مہربانی تیری گرہ کو کھول دے۔

زہے خجستہ زمانے کہ سوئے ما آئی　　　زہے نصیب تو گر شوق و التجا باشد

وہ کیسا اچھا زمانہ ہوگا جب تو ہماری طرف آئے گا زہے قسمت اگر تجھے شوق اور آرزو پیدا ہو جائے۔

(درثمین فارسی صفحہ 278) (تریاق القلوب۔ ر۔خ۔ جلد 15 صفحہ 137)

مریداور مرشد کا تعلق

وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ۔ (طه:115)

مرشداور مرید کے تعلقات استاداور شاگرد کی مثال سے سمجھ لینے چاہییں جیسے شاگرد استاد سے فائدہ اٹھاتا ہے اسی طرح مرید اپنے مرشد سے لیکن شاگرد اگر استاد سے تعلق تو رکھے مگر اپنی تعلیم میں قدم آگے نہ بڑھائے تو فائدہ نہیں اٹھا سکتا یہی حال مرید کا ہے۔ پس اس سلسلہ میں تعلق پیدا کر کے اپنی معرفت اور علم کو بڑھانا چاہیئے طالب حق کو ایک مقام پر پہنچ کر ہرگز ٹھہرنا نہیں چاہیئے ورنہ شیطانِ لعین اَور طرف لگا دے گا اور جیسے بند پانی میں عفونت پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح اگر مومن اپنی ترقیات کے لئے سعی نہ کرے تو وہ گر جاتا ہے۔ پس سعادت مند کا فرض ہے کہ وہ طلب دین میں لگا رہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی انسان کامل دنیا میں نہیں گزرا لیکن آپ کو بھی رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ : 115) کی دعا کی تعلیم ہوئی تھی پھر اور کون ہے جو اپنی معرفت اور علم پر کامل بھروسہ کر کے ٹھہر جاوے اور آئندہ ترقی کی ضرورت نہ سمجھے۔ جوں جوں انسان اپنے علم اور معرفت میں ترقی کرے گا اسے معلوم ہوتا جاوے گا کہ ابھی بہت سی باتیں حل طلب باقی ہیں۔ بعض امور کو وہ ابتدائی نگاہ میں (اس بچے کی طرح جو اقلیدس کے اشکال کو محض بیہودہ سمجھتا ہے) بالکل بیہودہ سمجھتے تھے لیکن آخر وہی امور صداقت کی صورت میں ان کو نظر آئے اس لئے کس قدر ضروری ہے کہ اپنی حیثیت کو بدلنے کے ساتھ علم کو بڑھانے کے لئے ہر بات کی تکمیل کی جاوے۔

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 142-141)

پس اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت میں اسے ذوق شوق پیدا ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ کی نسبت صحیح علم حاصل کرنا چاہیئے اور یہ علم کبھی حاصل نہیں ہوتا جب تک انسان صادق کی صحبت میں نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کی تازہ بتازہ تجلیات کا ظہور مشاہدہ نہ کرے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 311)

گیارہویں فصل

تقویٰ

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَ الَّذِیۡنَ ھُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ۔ (النحل :129)

اللہ تعالیٰ ان کی حمایت اور نصرت میں ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کریں۔ **تقویٰ کہتے ہیں بدی سے پرہیز کرنے کو۔ اور محسنون وہ ہوتے ہیں جو اتنا ہی نہیں کہ بدی سے پرہیز کریں بلکہ نیکی بھی کریں۔** اور پھر یہ بھی فرمایا لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰی (یونس:27) یعنی ان نیکیوں کو بھی سنوار سنوار کرتے ہیں۔ مجھے یہ وحی بار بار ہوئی اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَ الَّذِیۡنَ ھُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ اور اتنی مرتبہ ہوئی ہے کہ میں گن نہیں سکتا۔ خدا جانے دو ہزار مرتبہ ہوئی ہو اس سے غرض یہی ہے کہ تا جماعت کو معلوم ہو جاوے کہ صرف اس بات پر ہی فریفتہ نہیں ہونا چاہئے کہ ہم اس جماعت میں شامل ہو گئے ہیں یا صرف خشک خیالی ایمان سے راضی ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی معیت اور نصرت اسی وقت ملے گی جب سچی تقویٰ ہو اور پھر نیکی ساتھ ہو۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 653-652)

تقویٰ کیا ہے؟ ہر قسم کی بدی سے اپنے آپ کو بچانا۔ پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابرار کے لئے پہلا انعام شربت کافوری ہے۔ اس شربت کے پینے سے دل بُرے کاموں سے ٹھنڈے ہو جاتے ہیں اس کے بعد ان کے دلوں میں برائیوں اور بدیوں کے لئے تحریک اور جوش پیدا نہیں ہوتا۔ ایک شخص کے دل میں یہ خیال تو آجاتا ہے کہ یہ کام اچھا نہیں یہانتک کہ چور کے دل میں کبھی یہ خیال آ ہی جاتا ہے مگر جذبہ دل سے وہ چوری بھی کر ہی لیتا ہے لیکن جن لوگوں کو شربت کافوری پلا دیا جاتا ہے ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ ان کے دل میں بدی کی تحریک ہی پیدا نہیں ہوتی بلکہ دل بُرے کاموں سے بیزار اور متنفر ہو جاتا ہے۔ گناہ کی تمام تحریکوں کے مواد دبا دیئے جاتے ہیں۔ یہ بات خدا کے فضل کے سوا میسر نہیں آتی۔ جب انسان دعا اور عقدِ ہمت سے خدا تعالیٰ کے فضل کو تلاش کرتا ہے اور اپنے نفس کو جذبات پر غالب آنے کی سعی کرتا ہے تو پھر یہ سب باتیں فضل الٰہی کو کھینچ لیتی ہیں اور اسے کافوری جام پلایا جاتا ہے...... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ (المائدہ:28) بیشک اللہ تعالیٰ متقیوں ہی کی عبادات کو قبول فرماتا ہے۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ نماز روزہ بھی متقیوں ہی کا قبول ہوتا ہے...... **پس پہلی منزل اور مشکل اس انسان کے لئے جو مومن بننا چاہتا ہے یہی ہے کہ بُرے کاموں سے پرہیز کرے۔ اسی کا نام تقویٰ ہے۔** (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 656-655)

حصولِ تقویٰ

قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ۔ (المائدہ :28)

تقویٰ کے مدارج اور مراتب بہت ہیں۔ لیکن اگر طالب صادق ہو کر ابتدائی مراتب اور مراحل کو استقلال اور خلوص سے طے کرے تو وہ اس راستی اور طلب صدق کی وجہ سے اعلیٰ مدارج کو پالیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ۔ (المائدہ :28) گویا اللہ تعالیٰ متقیوں کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔ یہ گویا اس کا وعدہ ہے۔ اور اس کے وعدوں میں تخلف نہیں ہوتا جیسے کہ فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ (الرعد :32)

(رپورٹ جلسہ سالانہ صفحہ 133)

وَ مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا . وَّیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ (الطلاق:3-4)

تقویٰ اس بات کا نام ہے کہ جب وہ دیکھے کہ میں گناہ میں پڑتا ہوں تو دعا اور تدبیر سے کام لیوے ورنہ نادان ہوگا۔خدا تعالیٰ فرماتا وَ مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا۔ وَّیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ (الطلاق:3-4) کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ ہر ایک مشکل اور تنگی سے نجات کی راہ اس کے لئے پیدا کر دیتا ہے۔متقی درحقیقت وہ ہے کہ جہاں تک اس کی قدرت اور طاقت ہے وہ تدبیر اور تجویز سے کام لیتا ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 486)

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ فُرۡقَانًا وَّیُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ۔(الانفال:30)

اے ایمان لانے والو اگر تم متقی ہونے پر ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کے لئے اتقاء کی صفت میں قیام اور استحکام اختیار کرو تو خدا تعالیٰ تم میں اور تمہارے غیروں میں فرق رکھ دے گا۔وہ فرق یہ ہے کہ تم کو ایک نور دیا جائے گا۔ جس نور کے ساتھ تم اپنی تمام راہوں میں چلو گے یعنی وہ نور تمہارے تمام افعال اور اقوال اور قویٰ اور حواس میں آ جائے گا۔تمہاری عقل میں بھی نور ہوگا اور تمہاری ایک اٹکل کی بات میں بھی نور ہوگا اور تمہاری آنکھوں میں بھی نور ہوگا اور تمہارے کانوں اور تمہاری زبانوں اور تمہارے بیانوں اور تمہاری ہر ایک حرکت اور سکون میں نور ہوگا اور جن راہوں میں تم چلو گے وہ راہ نورانی ہو جائیں گی۔غرض جتنی تمہاری راہیں تمہارے قویٰ کی راہیں تمہارے حواس کی راہیں ہیں وہ سب نور سے بھر جائیں گی اور تم سراپا نور میں ہی چلو گے۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ جلد 5 صفحہ 177-178)

وَ لَا تَسۡتَوِی الۡحَسَنَۃُ وَ لَا السَّیِّئَۃُ ؕ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ۔(حم السجدہ:35)

تقویٰ کے بہت سے اجزاء ہیں۔عجب۔خود پسندی۔مال حرام سے پرہیز اور بداخلاقی سے بچنا بھی تقویٰ ہے۔جو شخص اچھے اخلاق ظاہر کرتا ہے اس کے دشمن بھی دوست ہو جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ۔

اب خیال فرمائیے یہ ہدایت کیا تعلیم دیتی ہے اس ہدایت میں اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہے کہ اگر مخالف گالی دے تو اس کو جواب گالی سے نہ دو بلکہ صبر کرو۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمہاری فضیلت کا قائل ہو کر خود ہی نادم اور شرمندہ ہوگا اور یہ سزا اس سزا سے کہیں بڑھ کر ہوگی جو انتقامی طور پر تم اس کو دے سکتے ہو یوں تو ایک ذرا سا آدمی اقدام قتل تک نوبت پہنچا سکتا ہے لیکن انسانیت کا تقاضا اور تقویٰ کا منشاء یہ نہیں۔خوش اخلاقی ایک ایسا جوہر ہے کہ موذی سے موذی انسان پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔کیا اچھا کہا ہے کہ ؎

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش (ملفوظات جلد اول صفحہ 50-51)

متقی کو سب نعمتیں مل جاتی ہیں

وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق:3-4)

ہم ایسے مہوسوں کو ایک کیمیا کا نسخہ بتلاتے ہیں بشرطیکہ وہ اس پر عمل کریں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ پس تقویٰ ایک ایسی چیز ہے کہ جسے یہ حاصل ہو اسے گویا تمام جہاں کی نعمتیں حاصل ہو گئیں۔ یاد رکھو متقی کبھی کسی کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ وہ اس مقام پر ہوتا ہے کہ جو چاہتا ہے خدا تعالیٰ اس کے لئے اس کے مانگنے سے پہلے مہیا کر دیتا ہے۔ میں نے ایک دفعہ کشف میں اللہ تعالیٰ کو تمثل کے طور پر دیکھا۔ میرے گلے میں ہاتھ ڈال کر فرمایا۔

جے توں میرا ہور ہیں سب جگ تیرا ہو

یہ وہ نسخہ ہے جو تمام انبیاء و اولیاء و صلحاء کا آزمایا ہوا ہے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 201)

ہمیں اس یار سے تقویٰ عطا ہے — نہ یہ ہم سے کہ احسانِ خدا ہے
کرو کوشش اگر صدق و صفا ہے — کہ یہ حاصل ہو جو شرطِ لقا ہے
یہی آئینہ خالق نما ہے — یہی اک جوہرِ سیفِ دعا ہے
ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے — اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے
یہی اک فخرِ شانِ اولیاء ہے — بجز تقویٰ زیادت ان میں کیا ہے
ڈرو یارو کہ وہ بینا خدا ہے — اگر سوچو۔ یہی دارالجزاء ہے
مجھے تقویٰ سے اس نے یہ جزا دی — فسبحان الذی اخزی الاعادي
عجب گوہر ہے جس کا نام تقویٰ — مبارک وہ ہے جس کا کام تقویٰ
سنو! ہے حاصلِ اسلام تقویٰ — خدا کا عشق مے اور جام تقویٰ
مسلمانو! بناؤ تام تقویٰ — کہاں ایماں اگر ہے خام تقویٰ
یہ دولت تو نے مجھ کو اے خدا دی — فسبحان الذی اخزی الاعادي

(درثمین اردو)

بارہویں فصل

کیفیاتِ سالکین

خدا کے لئے جینا اور مرنا

قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔ (الانعام:163)

کہہ میری نماز میری قربانی اور میرا زندہ رہنا اور میرا مرنا سب خدا کے لیے ہے اور جب انسان کی محبت خدا کے ساتھ اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کا مرنا اور جینا اپنے لیے نہیں بلکہ خدا ہی کے لیے ہو جائے تب خدا جو ہمیشہ سے پیار کرنے والوں کے ساتھ پیار کرتا آیا ہے اپنی محبت کو اس پر اُتارتا ہے اور ان دونوں محبتوں کے ملنے سے انسان کے اندر ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کو دنیا نہیں پہچانتی اور نہ سمجھ سکتی ہے اور ہزاروں صدیقوں اور برگزیدوں کا اسی لیے خون ہوا کہ دنیا نے ان کو نہیں پہچانا۔ وہ اسی لیے مکار اور خود غرض کہلائے کہ دنیا ان کے نورانی چہرہ کو دیکھ نہ سکی۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ۔ جلد10 صفحہ 384)

فٰکِہِیۡنَ بِمَاۤ اٰتٰـہُمۡ رَبُّہُمۡ وَوَقٰـہُمۡ رَبُّہُمۡ عَذَابَ الۡجَحِیۡمِ۔ (الطور:19)

وَوَقٰـہُمۡ رَبُّہُمۡ عَذَابَ الۡجَحِیۡمِ۔ خدا ان کو جہنم کے آگ سے بچائے گا۔ اس میں بھید یہ ہے کہ مومن متقی کا مرنا چار پایوں اور مویشیوں کی طرح نہیں ہوتا **بلکہ مومن خدا کے لئے ہی جیتے ہیں اور خدا کے لئے مرتے ہیں اسلئے جو چیزیں وہ خدا کے لئے کھوتے ہیں وہ ان کو واپس دی جاتی ہیں** جیسا کہ امام المؤمنین سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جلشانہٗ نے فرمایا۔ قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (الانعام:163) یعنی کہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا مرنا اور میرا جینا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔

(ست بچن۔ ر۔خ۔ جلد10 صفحہ 229)

وَ اِذَا مَرِضۡتُ فَہُوَ یَشۡفِیۡنِ۔ (الشعرآء:81)

اصل میں انسان جوں جوں اپنے ایمان کو کامل کرتا ہے اور یقین میں پکا ہوتا جاتا ہے توں توں اللہ تعالیٰ اس کے واسطے خود علاج کرتا ہے اس کو ضرورت نہیں رہتی کہ دوائیں تلاش کرتا پھرے وہ خدا کی دوائیں کھاتا ہے اور خدا خود اس کا علاج کرتا ہے۔ بھلا کوئی دعویٰ سے کہہ سکتا ہے کہ فلاں دوا سے فلاں مریض ضرور ہی شفا پا جاوے گا ہرگز نہیں بلکہ بعض اوقات دیکھا جاتا ہے کہ دوا الٹا ہلاکت کا موجب ہو جاتی ہے۔ بعض وقت تشخیص میں غلطی میں غلطی ہوتی ہے بعض وقت دواؤں کے اجزاء میں غلطی ہو جاتی ہے۔ غرض حتمی علاج نہیں ہو سکتا۔ ہاں خدا تعالیٰ جو علاج

فرماتا ہے وہ حتمی ہوتا ہے اس سے نقصان نہیں ہوتا مگر یہ بات ذرا مشکل ہے کامل ایمان کو چاہتی ہے اور یقین کے پہاڑ سے پیدا ہوتی ہے۔ایسے لوگوں کا اللہ تعالیٰ خود معالج ہوتا ہے۔ **مجھے یاد ہے ایک دفعہ دانت میں سخت درد تھا میں نے کسی سے دریافت کیا کہ اس کا کیا علاج ہے۔اس نے کہا کہ موٹا علاج مشہور ہے علاج دنداں اخراج دنداں۔اس کا یہ فقرہ میرے دل پر بہت گراں گزرا کیونکہ دانت بھی ایک نعمت الٰہی ہے اسے نکال دینا ایک نعمت سے محروم ہونا ہے۔اسی فکر میں تھا کہ غنودگی آئی اور زبان پر جاری ہوا وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ اس کے ساتھ معاً درد ٹھہر گیا اور پھر نہیں ہوا۔** (ملفوظات جلد دوم صفحہ 539-540)

فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ (الکھف:106)

مومن آدمی کا سب ہم وغم خدا کے واسطے ہوتا ہے دنیا کے لئے نہیں ہوتا اور وہ دنیاوی کاموں کو کچھ خوشی سے نہیں کرتا بلکہ اداس سا رہتا ہے اور یہی نجات حیات کا طریق ہے اور وہ جو دنیا کے پھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں اوران کے ہم وغم سب دنیا کے ہی لئے ہوتے ہیں ان کی نسبت تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے **فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا** ہم قیامت کو ان کا ذرہ بھر بھی قدر نہیں کریں گے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 306)

مومن میں آثار عبودیت

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۔ (الفتح:30)

جو لوگ خدائے تعالیٰ کے نزدیک فی الحقیقت مومن ہیں اور جن کو خدائے تعالیٰ نے خاص اپنے لئے چن لیا ہے اور اپنے ہاتھ سے صاف کیا ہے اور اپنے برگزیدہ گروہ میں جگہ دے دی ہے **اور جن کے حق میں فرمایا ہے سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ان میں آثار سجود اور عبودیت کے ضرور پائے جانے چاہئیں کیونکہ خدائے تعالےٰ کے وعدوں میں خلا اور تخلّف نہیں۔** (آسمانی فیصلہ۔ر۔خ۔جلد 4 صفحہ 321-322)

مومن کلمۃ اللہ ہوتا ہے

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۔ (یٰس:83)

روح کی لذت اس وقت ملتی ہے جب انسان گداز ہو کر پانی کی طرح بہنا شروع ہوتا ہے اور خوف وخشیت سے بہہ نکلتا ہے۔اس مقام پر وہ کلمہ بنتا ہے اور اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ کا مفہوم اس میں کام کرنے لگتا ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 270-271)

مومن میں تکلّف نہیں آتا

قُلْ مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ۔ (صٓ:87)

اولیاء اللہ کی بھی ایسی ہی حالت ہوتی ہے کہ ان میں تکلفات نہیں ہوتے۔ وہ بہت ہی سادہ اور صاف دل لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے لباس اور دوسرے امور میں کسی قسم کی بناوٹ اور تصنع نہیں ہوتا مگر اس وقت اگر پیرزادوں اور مشائخوں کو دیکھا جاوے تو ان میں بڑے بڑے تکلفات پائے جاتے ہیں ان کا کوئی قول اور فعل ایسا نہ پاؤ گے جو تکلف سے خالی ہو گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ امت محمدیہ ہی میں سے نہیں ہیں ان کی کوئی اور ہی شریعت ہے ان کی پوشاک دیکھو تو اس میں خاص قسم کا تکلف ہوگا یہاں تک کہ لوگوں سے ملنے جلنے اور کلام میں بھی ایک تکلف ہوتا ہے۔ ان کی خاموشی محض تکلف سے ہوتی ہے گویا ہر قسم کی تاثیرات کو وہ تکلف ہی سے وابستہ سمجھتے ہیں برخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ اور ایسا ہی دوسرے تمام انبیاء و رسل جو وقتاً فوقتاً آئے وہ نہایت سادگی سے کلام کرتے اور اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کے قول و فعل میں کوئی تکلف اور بناوٹ نہ ہوتی تھی مگر ان کے چلنے پھرنے اور بولنے میں تکلف ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اپنی شریعت جدا ہے جو اسلام سے الگ اور مخالف ہے۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 417)

مقامات مقربین الٰہی

وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا۔ (النساء:70)

ہم نماز میں یہ دعا کرتے ہیں کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ۔ اس سے یہی مطلب ہے کہ خدا سے ہم اپنے ترقی ایمان اور بنی نوع کی بھلائی کے لیے چار قسم کے نشان چار کمال کے رنگ میں چاہتے ہیں۔ نبیوں کا کمال صدیقوں کا کمال۔ شہیدوں کا کمال۔ صلحاء کا کمال۔ سو نبی کا خاص کمال یہ ہے کہ خدا سے ایسا علم غیب پاوے جو بطور نشان کے ہو۔ اور صدیق کا کمال یہ ہے کہ صدق کے خزانہ پر ایسے کامل طور پر قبضہ کرے یعنی ایسے اکمل طور پر کتاب اللہ کی سچائیاں اس کو معلوم ہو جائیں کہ وہ بوجہ خارق عادت ہونے کے نشان کے صورت پر ہوں اور اس صدیق کے صدق پر گواہی دیں۔ اور شہید کا کمال یہ ہے کہ مصیبتوں اور دکھوں اور ابتلاؤں کے وقت میں

ایسی قوت ایمانی اور قوت اخلاقی اور ثابت قدمی دکھلاوے کہ جو خارق عادت ہونے کی وجہ سے بطور نشان کے ہو جائے اور مرد صالح کا کمال یہ ہے کہ ایسا ہر ایک قسم کے فساد سے دور ہو جائے۔ اور مجسم صلاح بن جائے کہ وہ کامل صلاحیت اس کی خارق عادت ہونے کی وجہ سے بطور نشان مانی جائے۔ سو یہ چاروں قسم کے کمال جو ہم پانچ وقت خدا تعالیٰ سے نماز میں مانگتے ہیں یہ دوسرے لفظوں میں ہم خدا تعالیٰ سے آسمانی نشان طلب کرتے ہیں اور جس میں یہ طلب نہیں اس میں ایمان بھی نہیں۔ ہماری نماز کی حقیقت یہی طلب ہے جو ہم چار رنگوں میں پنج وقت خدا تعالےٰ سے چار نشان مانگتے ہیں اور اس طرح پر زمین پر خدا تعالیٰ کی تقدیس چاہتے ہیں تا ہماری زندگی انکار اور شک اور غفلت کی زندگی ہو کر زمین کو پلید نہ کرے اور ہر ایک شخص خدا تعالیٰ کی تقدیس تبھی کر سکتا ہے کہ جب وہ یہ چاروں قسم کے نشان خدا تعالیٰ سے مانگتا رہے۔ حضرت مسیح نے بھی مختصر لفظوں میں یہی سکھایا تھا۔ دیکھو متی باب 8 آیت 9۔ پس تم اسی طرح دعا مانگو کہ اے ہمارے باپ جو آسمان پر ہے تیرے نام کی تقدیس ہو۔ (مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ 182-181)

نبوت کیا ہے یہ ایک جوہر خداداد ہے اگر کسب سے ہوتا تو سب لوگ نبی ہو جاتے ان کی فطرت ہی اس قسم کی نہیں ہوتی کہ وہ ان بے جا سلسلہ کلام میں مبتلا ہوں۔ وہ نفسی کلام کرتے ہی نہیں دوسرے لوگوں میں تو یہ حال ہوتا ہے کہ وہ ان سلسلوں میں کچھ ایسے مبتلا ہوتے ہیں کہ خدا کا خانہ ہی خالی رہتا ہے لیکن نبی ان دونوں سلسلوں سے الگ ہو کر خدا میں کچھ ایسے گم ہوتے ہیں اور اس کے مخاطبہ مکالمہ میں ایسے محو ہوتے ہیں کہ ان سلسلوں کے لئے ان کے دل و دماغ میں سمائی اور گنجایش ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ اُن کے دل و دماغ میں صرف خدا ہی کا سلسلہ کلام رہ جاتا ہے چونکہ وہی حصہ باقی ہوتا ہے اس لیے خدا ان سے کلام کرتا ہے اور وہ خدا کو مخاطب کرتے رہتے ہیں تنہائی اور بیکاری میں بھی جب ایسے خیالات کا سلسلہ ایک انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے اس وقت اگر نبی کو بھی ویسی ہی حالت میں دیکھو تو شاید غلطی اور ناواقفی سے سمجھ لو کہ اب اس کا سلسلہ تو خدا سے کلام کا نہ ہوگا؟ مگر نہیں وہ ہر وقت خدا ہی سے باتیں کرتا ہے کہ اے خدا میں تجھ سے پیار کرتا ہوں اور تیری رضا کا طالب ہوں۔ مجھ پر ایسا فضل کر کہ میں اس نقطہ اور مقام تک پہنچ جاؤں جو تیری رضا کا مقام ہے۔ مجھے ایسے اعمال کی توفیق دے جو تیری نظر میں پسندیدہ ہوں دنیا کی آنکھ کھول کہ وہ تجھے پہچانے اور تیرے آستانے پر گرے۔ یہ اس کے خیالات ہوتے ہیں اور یہ اسکی آرزوئیں اس میں ایسا محو اور فنا ہوتا ہے کہ دوسرا اس کو شناخت نہیں کر سکتا۔ وہ اس سلسلہ کو ذوق کے ساتھ دراز کرتا ہے اور پھر اسی میں اس مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کا دل پگھل جاتا ہے اور اس کی روح بہ نکلتی ہے وہ پورے زور اور اطاعت کے ساتھ آستانہ الوہیت پر گرتی اور اَنتَ رَبِّیْ اَنتَ رَبِّی کہہ کر پکارتی ہے تب اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحم جوش میں آتا ہے اور وہ اس کو مخاطب کرتا اور اپنے کلام سے اس کو جواب دیتا ہے۔ یہ ایسا لذیذ سلسلہ ہے کہ ہر شخص اس کو سمجھ نہیں سکتا اور یہ لذت ایسی ہے کہ الفاظ اس کو ادا نہیں کر سکتے۔ پس وہ بار بار مستسقی کی طرح باب ربوبیت ہی کو کھٹکھٹاتا رہتا ہے اور وہاں ہی اپنے لیے راحت و آرام پاتا ہے۔ وہ دنیا میں ہوتا ہے لیکن دنیا سے الگ ہوتا ہے۔ وہ دنیا کی کسی چیز کا آرزومند نہیں ہوتا لیکن دنیا اس کی خادم ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ اس کے قدموں پر دنیا کو لا ڈالتا ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 240-239)

من میزیم بوحی خدائے کہ بامن است   پیغامِ اوست چوں نفسِ روح پرورم

میں تواس خدا کی وحی کے سہارے جیتا ہوں جو میرے ساتھ ہے اس کا الہام میرے لیے زندگی بخش سانس کی طرح ہے۔

من رخت بردام بعماراتِ یار خویش   دیگر خبر مپرس ازیں تیرہ کشورم

میں نے تو اپنے دوست کے گھر میں ڈیرہ ڈال دیا ہے پس تو اس اندھیرے جہان کے متعلق مجھ سے کچھ نہ پوچھ۔

عشقش بتاروپودِ دلِ من دروں شداست   مہرش شداست در رہِ دیں مہرِ انورم

اس کا عشق میرے دل کے رگ وریشہ میں داخل ہوگیا ہے اوراس کی محبت راہ دین میں میرے لیے چمکتا ہوا سورج بن گئی ہے۔

رازِ محبتِ من و او فاش گرشدے   بسیار تن کہ جاں بفشاندے بریں ورم

اگر میری اوراس کی محبت کا راز ظاہر ہو جاتا۔تو بہت سی خلقت میرے دروازہ پر اپنی جانیں قربان کر دیتی۔

(ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد3 صفحہ 183-182)(درثمین فارسی مترجم صفحہ 163)

مقام صدق

صدیق وہ ہوتا ہے جس کو سچائیوں کا کامل طور پر علم بھی ہو اور پھر کامل اور طبعی طور پر ان پر قائم بھی ہو۔ مثلاً اس کو ان معارف کی حقیقت معلوم ہو کہ وحدانیت باری تعالیٰ کیا شے ہے اور اس کی اطاعت کیا شے اور محبت باری عزاسمہ کیا شے اور شرک سے کس مرتبہ اخلاص پر مخلصی حاصل ہو سکتی ہے اور عبودیت کی کیا حقیقت ہے اور اخلاص کی حقیقت کیا اور توبہ کی حقیقت کیا اور صبر اور توکل اور رضا اور محویت اور فنا اور صدق اور وفا اور تواضع اور سخا اور ابتہال اور دعا اور عفو اور حیا اور دیانت اور امانت اور اتقا وغیرہ اخلاق فاضلہ کی کیا کیا حقیقتیں ہیں۔ پھر ماسوا اس کے ان صفات فاضلہ پر قائم بھی ہو۔ (تریاق القلوب۔ر۔خ۔جلد 15 صفحہ 420)

صدیق مبالغہ کا صیغہ ہے۔یعنی جو بالکل راست بازی میں فنا شدہ ہو اور کمال درجہ کا پابند راست بازی اور عاشق صادق ہو۔اس وقت وہ صدیق کہلاتا ہے۔یہ ایک ایسا مقام ہے جب ایک شخص اس درجہ پر پہنچتا ہے تو وہ ہر قسم صداقتوں اور راست بازیوں کا مجموعہ اور ان کو کشش کرنے والا ہو جاتا ہے جس طرح پر آتشی شیشہ سورج کی شعاعوں کو اپنے اوپر جمع کر لیتا ہے اسی طرح پر صدیق کمالات صداقت کا جذب کرنے والا ہوتا ہے۔بقول شخصے۔زرزرکشد درجہاں گنج گنج۔☆ جب ایک شی بہت بڑا ذخیرہ پیدا کر لیتی ہے تو اسی قسم کی اشیاء کو جذب کرنے کی قوت اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 242)

☆ ترجمہ:۔سونا سونے کو اور خزانہ خزانے کو کھینچتا ہے۔

اسی طرح پر جب عام طور پر انسان راستی اور راست بازی سے محبت کرتا ہے اور صدق کو اپنا شعار بنا لیتا ہے تو وہی راستی اس عظیم الشان صدق کو کھینچ لاتی ہے جو خدا تعالیٰ کو دکھا دیتی ہے اور وہ صدق مجسم قرآن کریم ہے اور پیکرِ صدق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے ایسا ہی خدا تعالیٰ کے مامور و مرسل حق اور صدق ہوتے ہیں پس وہ اس صدق تک پہنچ جاتے ہیں تب ان کی آنکھ کھلتی ہے اور ایک خاص بصیرت ملتی ہے جس سے معارف قرآنی کھلنے لگتے ہیں۔

میں اس بات کے ماننے کے لئے کبھی طیار نہیں ہوں کہ وہ شخص جو صدق سے محبت نہیں رکھتا اور راست بازی کو اپنا شعار نہیں بناتا وہ قرآن کریم کے معارف کو سمجھ بھی سکے اس واسطے کہ اس کے قلب کو مناسبت ہی نہیں یہ تو صدق کا چشمہ ہے اس سے وہی پی سکتا ہے جس کو صدق سے محبت ہو۔ (ملفوظات جلد اول 243)

صدق کامل اس وقت تک جذب نہیں ہوتا جب تک توبۃ النصوح کے ساتھ صدق کو نہ کھینچے قرآن کریم تمام صداقتوں کا مجموعہ اور صدق تام ہے جب تک خود صادق نہ بنے صدق کے کمال اور مراتب سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے۔

صدیق کے مرتبہ پر قرآن کریم کی معرفت اور اس سے محبت اور اس کے نکات و حقائق پر اطلاع ملتی ہے کیونکہ کذب کذب کو کھینچتا ہے اس لیے کبھی بھی کاذب قرآنی معارف اور حقائق سے آگاہ نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ فرمایا گیا ہے۔(الواقعۃ:80) (ملفوظات جلد اول صفحہ 276)

من درحریمِ قدسِ چراغِ صداقتم دستش محافظ است زہر بادِ صرصرم

میں درگاہ قدس میں صداقت کا چراغ ہوں۔اسی کا ہاتھ ہر تیز ہوا سے میری حفاظت کرنے والا ہے۔

ہر دم فلک شہادتِ صدقم ہمے دہد زینم کدام غم کہ زمیں گشت منکرم

آسمان ہر وقت میری سچائی کی گواہی دیتا ہے پھر مجھے اس بات کا کیا غم کہ اہل زمین مجھے نہیں مانتے۔

(درثمین فارسی مترجم صفحہ 167-166)(ازالہ اوہام۔ر۔خ۔جلد 3 صفحہ 185)

مقام صالحیت

صالحین وہ ہوتے ہیں جن کے اندر سے ہر قسم کا فساد جاتا رہے جیسے تندرست آدمی جب ہوتا ہے تو اس کی زبان کا مزہ بھی درست ہوتا ہے پورے اعتدال کی حالت میں تندرست کہلاتا ہے کسی قسم کا فساد اندر نہیں رہتا۔اسی طرح پر صالحین کے اندر کسی قسم کی روحانی مرض نہیں ہوتی اور کوئی مادہ فساد کا نہیں ہوتا اس کا کمال اپنے نفس میں نفی کے وقت ہے اور شہید۔صدیق۔نبی کا کمال ثبوتی ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 342)

صلاح کی حالت میں انسان کو ضروری ہوتا ہے کہ ہر ایک قسم کے فساد سے خواہ وہ عقائد کے متعلق ہو یا اعمال کے متعلق پاک ہو جیسے انسان کا بدن صلاحیت کی حالت اس وقت رکھتا ہے جبکہ سب اخلاط اعتدال کی حالت پر ہوں اور کوئی کم زیادہ نہ ہو لیکن اگر کوئی خلط بھی بڑھ جائے تو جسم بیمار ہو جاتا ہے اسی طرح پر روح کی صلاحیت کا مدار بھی اعتدال پر ہے اسی کا نام قرآن شریف کی اصطلاح میں صراط مستقیم ہے **صلاح کی حالت میں انسان محض خدا کا ہو جاتا ہے جیسے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حالت تھی اور رفتہ رفتہ صالح انسان ترقی کرتا ہوا مطمئنہ کے مقام پر پہنچ جاتا ہے اور یہاں ہی اس کا انشراح صدر ہوتا ہے۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 120-119)

مقام شہادت

شہید کا کمال یہ ہے کہ مصیبتوں اور دکھوں اور ابتلاؤں کے وقت میں ایسی قوت ایمانی اور قوت اخلاقی اور ثابت قدمی دکھلاوے کہ جو خارق عادت ہونے کی وجہ سے بطور نشان کے ہو جائے

(تریاق القلوب۔ ر۔ خ۔ جلد 15 صفحہ 516)

مرتبہ شہادت سے وہ مرتبہ مراد ہے جبکہ انسان اپنی قوت ایمان سے اس قدر اپنے خدا اور روز جزا پر یقین کر لیتا ہے کہ گویا خدا تعالیٰ کو اپنی آنکھ سے دیکھنے لگتا ہے تب اس یقین کی برکت سے اعمال صالحہ کی مرارت اور تلخی دور ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کی ہر ایک قضاء وقدر بباعث موافقت کے شہد کی طرح دل میں نازل ہوتی اور تمام صحن سینہ کو حلاوت سے بھر دیتی ہے اور ہر ایک ایلام انعام کے رنگ میں دکھائی دیتا ہے۔ سو شہید اس شخص کو کہا جاتا ہے وہ قوت ایمانی کی وجہ سے خدا تعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہو اور اس کے تلخ قضا وقدر سے شہد شیریں کی طرح لذت اٹھاتا ہے اور اسی معنے کے رو سے شہید کہلاتا ہے۔ اور یہ مرتبہ کامل مومن کے لیے بطور نشان کے ہے۔

(تریاق القلوب۔ ر۔ خ۔ جلد 15 صفحہ 421-420)

ہماں بہ کہ جاں در رہ او فشانم   جہاں را چہ نقصاں اگر من نمانم

یہی بہتر ہے کہ میں اس کی راہ میں جان قربان کر دوں۔ اگر میں نہ رہوں تو دنیا کا کیا نقصان ہے۔

(آسمانی فیصلہ۔ ر۔ خ۔ جلد 4 صفحہ 340)

عام لوگوں نے شہید کے معنی صرف یہی سمجھ رکھے ہیں کہ جو شخص لڑائی میں مارا گیا۔ یا دریا میں ڈوب گیا۔ یا وبا میں مر گیا وغیرہ مگر میں کہتا ہوں کہ اسی پر اکتفا کرنا اور اسی حد تک اس کو محدود رکھنا مومن کی شان سے بعید ہے۔ **شہید اصل میں وہ شخص ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ سے استقامت اور سکینت کی قوت پاتا ہے اور کوئی زلزلہ اور حادثہ اس کو متغیر نہیں کر سکتا وہ مصیبتوں اور مشکلات میں سینہ سپر رہتا ہے یہاں تک کہ اگر محض خدا تعالیٰ کے لیے اس کو جان بھی دینی پڑے تو فوق العادت استقلال اس کو ملتا ہے** اور وہ بدوں کسی قسم کا رنج یا حسرت محسوس کیے اپنا سر رکھ دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ بار بار مجھے زندگی ملے اور بار بار اُس کو اللہ کی راہ میں دوں ایک ایسی لذت اور سرور اُس کی روح میں ہوتا ہے کہ ہر تلوار جو اُس کے بدن پر پڑتی ہے اور ہر ضرب جوان کو پیس ڈالے ان کو پہنچتی ہے وہ ان کو ایک نئی زندگی نئی مسرت اور تازگی عطا کرتی ہے یہ ہیں شہید کے معنی۔

پھر یہ لفظ شہد سے بھی نکلا ہے عبادت شاقہ جو لوگ برداشت کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں ہر ایک تلخی اور کدورت کو جھیلتے ہیں اور جھیلنے کے لیے طیار ہو جاتے ہیں وہ شہد کی طرح ایک شیرینی اور حلاوت پاتے ہیں اور جیسے شہد فِيۡهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (النحل:70) کا مصداق ہے یہ لوگ بھی ایک تریاق ہوتے ہیں۔ ان کی صحبت میں آنے والے بہت سے امراض سے نجات پا جاتے ہیں۔

اور پھر شہید اس درجہ اور مقام کا نام بھی ہے جہاں انسان اپنے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے یا کم از کم خدا کو دیکھتا ہوا یقین کرتا ہے اس کا نام احسان بھی ہے۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 276)

یارب مرا بہر قدمم استوار دار واں روز خود مبادکہ عہدِ تو بشکنم

اے رب مجھے ہر قدم پر مضبوط رکھ اور ایسا کوئی دن نہ آئے کہ میں تیرا عہد توڑوں۔

در کوئے تو اگر سرِ عشاق رازنند اول کسیکہ لافِ تعشق زند منم!

تیرے کوچہ میں عاشقوں کے سر اتارے جائیں تو سب سے پہلے جو عشق کا دعویٰ کرے گا وہ میں ہوں گا۔

ہر زمانے قتیلِ تازہ بخواست غازۂ روئے او دمِ شہداست

ہر وقت وہ ایک نیا قتیل چاہتا ہے اس کے چہرہ کا غازہ شہیدوں کا خون ہوتا ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ر۔خ۔جلد 5 صفحہ 658)

ایں سعادت چو بود قسمتِ ما رفتہ رفتہ رسید نوبتِ ما

سعادت چونکہ ہماری قسمت میں تھی رفتہ رفتہ ہماری نوبت بھی آ پہنچی۔

کربلا ہست سیر ہر آنم صد حسینِ است در گریبانم

کربلا میری ہر آن کی سیر گاہ ہے۔کئی سو حسین میرے گریبان کے اندر ہیں۔

(نزول المسیح۔ر۔خ۔جلد 18 صفحہ 477)

مقامات۔مجموعی اعتبار سے

منعم علیہم لوگ چار قسم کے لوگ ہوتے ہیں نبی۔صدیق۔شہدا اور صالح۔انبیاء علیہم السلام میں چاروں شانیں جمع ہوتی ہیں کیونکہ یہ اعلیٰ کمال ہے۔ ہر ایک انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ ان کمالات کے حاصل کرنے کے لیے جہاں مجاہدہ صیحیہ کی ضرورت ہے اس طریق پر جو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے دکھایا ہے کوشش کرے......اور ہماری جماعت کو خصوصیت سے اس طرف متوجہ ہونا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کے قایم کرنے سے یہی چاہا ہے کہ وہ ایسی جماعت تیار کرے جیسی آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کی تھی تا کہ اس آخری زمانہ میں یہ جماعت قرآن شریف اور آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور عظمت پر بطور گواہ ٹھہرے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 237-236)

مقام ولایت

اَلَا اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۔ (یونس:63)

ولی کیا ہوتے ہیں یہی صفات تو اولیا کے ہوتے ہیں۔ان کی آنکھ۔ہاتھ۔پاؤں غرض کوئی عضو ہو منشاء الٰہی کے خلاف حرکت نہیں کرتے۔ خدا کی عظمت کا بوجھ ان پر ایسا ہوتا ہے کہ وہ خدا کی زیارت کے بغیر ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں جاسکتے۔پس تم بھی کوشش کرو۔خدا بخیل نہیں ۔

ہر کہ عارف تر است ترساں تر (ملفوظات جلد سوم صفحہ 105)

ولی بننے کیلئے ابتلا ضروری ہیں۔

بہت سے لوگ یہاں آتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ پھونک مار کر عرش پر پہنچ جائیں اور واصلین سے ہو جاویں۔ایسے لوگ ٹھٹھا کرتے ہیں وہ انبیاء کے حالات کو دیکھیں یہ غلطی ہے جو کہا جاتا ہے کہ کسی ولی کے پاس جا کر صد ہا ولی فی الفور بن گئے۔اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے: **اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ** (العنکبوت:3) **جبتک انسان آزمایا نہ جاوے فتن میں نہ ڈالا جاوے وہ کب ولی بن سکتا ہے۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 16)

خبردار ہو یعنی یقیناً سمجھ کہ جو لوگ اللہ (جل شانہٗ) کے دوست ہیں۔ یعنی جو لوگ خدائے تعالیٰ سے سچی محبت رکھتے ہیں اور خدائے تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے تو ان کی یہ نشانیاں ہیں کہ نہ ان پر خوف مستولی ہوتا ہے کہ کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے یا فلاں بلا سے کیونکر نجات ہوگی کیونکہ وہ تسلی دیئے جاتے ہیں اور نہ گذشتہ کے متعلق کوئی حزن واندوہ انہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ صبر دیئے جاتے ہیں۔ دوسری یہ نشانی ہے کہ وہ ایمان رکھتے ہیں یعنی ایمان میں کامل ہوتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں یعنی خلاف ایمان وخلاف فرماں برداری جو باتیں ہیں ان سے بہت دور رہتے ہیں۔

(ایک عیسائی کے تین سوال اوران کے جوابات صفحہ 46 حاشیہ طبع اول)

خدا تعالیٰ نے ان کو اپنا ولی کہا ہے حالانکہ وہ بے نیاز ہے اس کو کسی کی حاجت نہیں اس لئے استثنا ایک شرط کے ساتھ ہے وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ (بنی اسرائیل :112) یہ بالکل سچی بات ہے کہ خدا تعالیٰ تھڑک کر کسی کو ولی نہیں بناتا بلکہ محض اپنے فضل اور عنایت سے اپنا مقرب بنالیتا ہے اس کو کسی کی کوئی حاجت نہیں ہے اس ولایت اور قرب کا فائدہ بھی اسی کو پہنچتا ہے...... **یادرکھو اللہ تعالیٰ کا اجتبا اور اصطفا فطرتی جوہر سے ہوتا ہے۔ ممکن ہے گزشتہ زندگی میں وہ کوئی صغائر یا کبائر رکھتا ہو لیکن جب اللہ تعالیٰ سے اس کا سچا تعلق ہو جاوے تو وہ کل خطائیں بخش دیتا ہے اور پھر اس کو کبھی شرمندہ نہیں کرتا نہ اس دنیا میں اور نہ آخرۃ میں۔** یہ کس قدر احسان اللہ تعالیٰ کا ہے کہ جب وہ ایک دفعہ درگذر کرتا اور عفو فرماتا ہے پھر اس کو کبھی ذکر ہی نہیں کرتا اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔ پھر باوجود ایسے احسانوں اور فضلوں کے بھی اگر وہ منافقانہ زندگی بسر کرے تو پھر سخت بدقسمتی اور شامت ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 596)

اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ۔ لَھُمُ الۡبُشۡرٰی فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ ؕ لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ ھُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ۔ (یونس :64-65)

تیسری ان (اللہ اور رسول کے تابع لوگوں) کی یہ نشانی ہے کہ انہیں (بذریعہ مکالمہ الٰہیہ و رویائے صالحہ) بشارتیں ملتی رہتی ہیں اس جہاں میں بھی اور دوسرے جہاں میں بھی خدائے تعالیٰ کا ان کی نسبت یہ عہد ہے جو ٹل نہیں سکتا اور یہی پیارا درجہ ہے جو انہیں ملا ہوا ہے یعنی مکالمہ الٰہیہ اور رویائے صالحہ سے خدائے تعالیٰ کے مخصوص بندوں کو جو اس کے ولی ہیں ضرور حصہ ملتا ہے اور ان کی ولایت کا بھاری نشان یہی ہے کہ مکالمات ومخاطبات الٰہیہ سے مشرف ہوں (یہی قانون قدرت اللہ جل شانہٗ کا ہے)

(ایک عیسائی کے تین سوال اوران کے جوابات صفحہ 46-47 حاشیہ)

چونکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سفر کرنا ایک نہایت دقیق در دقیق راہ ہے اور اس کے ساتھ طرح طرح کے مصائب اور دکھ لگے ہوئے ہیں اور ممکن ہے انسان اس نادیدہ راہ میں بھول جاوے یا ناامیدی طاری ہو اور آگے قدم بڑھانا چھوڑ دے **اس لئے خدا تعالیٰ کی رحمت نے چاہا کہ اپنی طرف سے اس سفر میں ساتھ ساتھ اس کو تسلی دیتی رہے اور اس کی دل دہی کرتی رہے اور اس کی کمر ہمت کو باندھتی رہے اور اس کے شوق کو زیادہ کرے سو اس کی سنت اس راہ کے مسافروں کے ساتھ اس طرح پر واقع ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے کلام اور الہام سے ان کو تسلی دیتا اور ان پر ظاہر کرتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں** تب وہ قوت پا کر بڑے زور سے اس سفر کو طے کرتے ہیں چنانچہ اس بارے میں وہ فرماتا ہے لَھُمُ الۡبُشۡرٰی فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ۔ جلد 10 صفحہ 422)

جو لوگ قرآن شریف پر ایمان لائیں گے ان کو مبشر خوابیں اور الہام دیئے جائیں گے یعنی بکثرت دیئے جائیں گے ورنہ شاذو نادر کے طور پر کسی دوسرے کو بھی کوئی سچی خواب آ سکتی ہے مگر ایک قطرہ کو ایک دریا کے ساتھ کچھ نسبت نہیں اور ایک پیسہ کو ایک خزانہ کے ساتھ کچھ مشابہت نہیں .... چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قدیم سے خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوتا چلا آتا ہے اور اس زمانہ میں ہم خود اس کے شاہد رویت ہیں۔

(چشمہ معرفت۔ ر۔خ۔جلد23 صفحہ 410)

روحانی مقام موہبت اور فضل الٰہی

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّۃَ اَھْلِھَآ اَذِلَّۃً وَ کَذٰلِکَ یَفْعَلُوْنَ۔ (النمل:35)

پھر چوتھی حالت کے بعد پانچویں حالت ہے جس کے مفاسد سے نہایت سخت اور شدید محبت نفسِ امارہ کو ہے کیونکہ اس مرتبہ پر صرف ایک لڑائی باقی رہ جاتی ہے اور وہ وقت قریب آ جاتا ہے کہ حضرت عزت جلّ شانہٗ کے فرشتے اس وجود کی تمام آبادی کو فتح کر لیں اور اس پر اپنا پورا تصرف اور دخل کر لیں اور تمام نفسانی سلسلہ کو درہم برہم کر دیں اور نفسانی قویٰ کے قریہ کو ویران کر دیں اور اس کے نمبرداروں کو ذلیل اور پست کر کے دکھلاویں اور پہلی سلطنت پر ایک تباہی ڈال دیں اور انقلاب سلطنت پر ایسا ہی ہوا کرتا ہے قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّۃَ اَھْلِھَآ اَذِلَّۃً وَ کَذٰلِکَ یَفْعَلُوْن اور یہ مومن کے لئے ایک آخری امتحان اور آخری جنگ ہے جس پر اس کے تمام مراتب سلوک ختم ہو جاتے ہیں اور اس کا سلسلہ ترقیات جو کسب اور کوشش سے ہے انتہا تک پہنچ جاتا ہے اور انسانی کوششیں اپنے اخیر نقطہ تک منزل طے کر لیتی ہیں پھر بعد اس کے صرف موہبت اور فضل کا کام باقی رہ جاتا ہے جو خلق آخر کے متعلق ہے۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ ر۔خ۔جلد21 صفحہ 238)

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ط اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ ط ھُوَ اَعْلَمُ بِکُمْ اِذْ اَنْشَاَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّۃٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ ط ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی ۔ (النجم :33)

تزکیۂ نفس ایک ایسی شئی ہے کہ خود بخود نہیں ہو سکتا اس لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی کہ تم یہ خیال نہ کرو کہ ہم اپنے نفس یا عقل کے ذریعہ سے خود بخود مزکّٰی بن جاویں گے۔ یہ بات غلط ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کون متقی ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 429)

کوئی آدمی کسی کو متقی کیونکر یقین کرسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ اورفرماتا ہے هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى اورفرماتا ہےاللہ تعالیٰ ہی عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (المائدہ:8) ہے۔ہاں مامور من اللہ کے متقی ہونے اورنہ ہونے کے نشانات بیّن ہوتے ہیں نہ اوروں کے۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 56)

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام عبد بھی ہے اوراس لئے خدا نے عبد نام رکھا کہ اصل عبودیت کا خضوع اور ذُلّ ہے اورعبودیت کی حالت کاملہ وہ ہے جس میں کسی قسم کا غلو اور بلندی اورعُجب نہ رہے اورصاحب اس حالت کا اپنی عملی تکمیل محض خدا کی طرف سے دیکھے اورکوئی ہاتھ درمیان نہ دیکھے۔عرب کا محاورہ ہے کہ وہ کہتے ہیں مَوْرٌ مُّعَبَّدٌ وَ طَرِيْقٌ مُّعَبَّدٌ جہاں راہ نہایت درست اورنرم اورسیدھا کیا جاتا ہے اس راہ کو طریق معبد کہتے ہیں۔پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے عبد کہلاتے ہیں کہ خدا نے محض اپنے تصرف اورتعلیم سے ان میں عملی کمال پیدا کیا اوران کے نفس کو راہ کی طرح اپنی تجلیات کے گزر کے لئے نرم اورسیدھا اور صاف کیا اور اپنے تصرف سے وہ استقامت جو عبودیت کی شرط ہے ان میں پیدا کی۔پس وہ علمی حالت کے لحاظ سے مہدی ہیں اورعملی کیفیت کے لحاظ سے جو خدا کے عمل سے ان میں پیدا ہوئی عبد ہیں کیونکہ خدا نے ان کی روح پر اپنے ہاتھ سے وہ کام کیا ہے جو کوٹنے اور ہموار کرنے کے آلات سے اس سڑک پر کیا جاتا ہے جس کو صاف اور ہموار بنانا چاہتے ہیں اور چونکہ مہدی موعود کو بھی عبودیت کا مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے حاصل ہوا اس لئے مہدی موعود میں عبد کے لفظ کی کیفیت غلام کے لفظ سے ظاہر کی گئی یعنی اس کے نام کو غلام احمد کر کے پکارا گیا۔یہ غلام کا لفظ اس عبودیت کو ظاہر کرتا ہے جو ظلی طور پر مہدی موعود میں بھی ہونی چاہیئے۔فتدبر (ایام الصلح۔ر۔خ۔جلد14 صفحہ 395-394 حاشیہ)

تیرہویں فصل

اخلاق کا فلسفہ

وَ لَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ ۔ (القیمۃ:3)

اخلاقی حالتوں کے سرچشمہ کا نام قرآن شریف میں نفس لوامہ ہے جیسا کہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔وَ لَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَۃِ یعنی میں اس نفس کی قسم کھاتا ہوں جو بدی کے کام اور ہر ایک بے اعتدالی پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے۔ یہ نفس لوامہ انسانی حالتوں کا دوسرا سرچشمہ ہے جس سے اخلاقی حالتیں پیدا ہوتی ہیں اور اس مرتبہ پر انسان دوسرے حیوانات کی مشابہت سے نجات پاتا ہے اور اس جگہ نفس لوامہ کی قسم کھانا اس کو عزت دینے کے لئے ہے گویا وہ نفس امارہ سے نفس لوامہ بن کر بوجہ اس ترقی کے جناب الٰہی میں عزت پانے کے لائق ہو گیا اور اس کا نام لوامہ اس لئے رکھا کہ وہ انسان کو بدی پر ملامت کرتا ہے اور اس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ انسان اپنے طبعی لوازم میں شتر بے مہار کی طرح چلے اور چار پایوں کی زندگی بسر کرے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے اچھی حالتیں اور اچھے اخلاق صادر ہوں اور انسانی زندگی کے تمام لوازم میں کوئی بے اعتدالی ظہور میں نہ آوے اور طبعی جذبات اور طبعی خواہشیں عقل کے مشورہ سے ظہور پذیر ہوں۔ پس چونکہ وہ بُری حرکت پر ملامت کرتا ہے اس لئے اس کا نام نفس لوامہ ہے یعنی بہت ملامت کرنے والا۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ر۔خ۔جلد10 صفحہ 318-317)

کل صفات نیک ہیں

مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۔اصل میں صفات کل نیک ہوتے ہیں جب ان کے بے موقع اور ناجائز طور پر استعمال کیا جاوے تو وہ بُرے ہو جاتے ہیں اور ان کو گندہ کر دیا جاتا ہے لیکن جب ان ہی صفات کو افراط تفریط سے بچا کر محل اور موقع پر استعمال کیا جاوے ثواب کا موجب ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا ہے اور **مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ** (الفلق :6) اور دوسری جگہ۔ **اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ** ۔اب سبقت لے جانا بھی تو ایک قسم کا حسد ہی ہے۔سبقت لے جانے والا کب چاہتا ہے کہ اس سے اور کوئی آگے بڑھ جاوے۔ یہ صفت بچپن ہی سے انسان میں پائی جاتی ہے۔اگر بچوں کو آگے بڑھنے کی خواہش نہ ہو تو وہ محنت نہیں کرتے اور کوشش کرنے والے کی استعداد بڑھ جاتی ہے۔سابقون گویا حاسد ہی ہوتے ہیں لیکن اس جگہ حسد کا مادہ مصفّٰی ہو کر سابق ہو جاتا ہے۔اسی طرح حاسد ہی بہشت میں سبقت لے جاویں گے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 197)

اخلاق کی تعریف

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ۔ (القلم :5)

خَلق بفتح خا سے مراد وہ صورتِ ظاہری ہے جو انسان کو حضرت واہب الصّور کی طرف سے عطا ہوئی جس صورت کے ساتھ وہ دوسرے حیوانات کی صورتوں سے ممیّز ہے۔اور خلق بضم خا سے مراد وہ صورت باطنی یعنی خواص اندرونی ہیں جن کی رو سے حقیقت انسانیہ حقیقت حیوانیہ سے امتیاز کلی رکھتی ہے۔ پس جس قدر انسان میں من حیث الانسانیت اندرونی خواص پائے جاتے ہیں اور شجرۂ انسانیت کو نچوڑ کر نکل سکتے ہیں جو کہ انسان اور حیوان میں من حیث الباطن مابہ الامتیاز ہیں ان سب کا نام خُلق ہے۔اور چونکہ شجرۂ فطرت انسانی اصل میں توسط اور اعتدال پر واقع ہے اور ہر ایک افراط وتفریط سے جو قویٰ حیوانیہ میں پایا جاتا ہے منزہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۔(التین:5) اس لئے خُلق کے لفظ سے جو کسی مزمت کی قید کے بغیر بولا جائے ہمیشہ اخلاق فاضلہ مراد ہوتے ہیں اور وہ اخلاق فاضلہ جو حقیقت انسانیہ ہے۔تمام وہ خواص اندرونی ہیں جو نفس ناطقہ انسان میں پائے جاتے ہیں جیسے عقل ذکا۔ سرعت فہم ۔ صفائی ذہن ۔ حسن تحفظ ۔ حسن تذکر ۔ عفت ۔ حیا۔ صبر ۔ قناعت ۔ زہد۔ ۔ تورع ۔ جوانمردی۔ استقلال ۔ عدل ۔ امانت ۔ صدق لہجہ۔ سخاوت فی محلہ ۔ ایثار فی محلہ ۔ کرم فی محلہ ۔ مروت فی محلہ ۔ شجاعت فی محلہ ۔ علو ہمت فی محلہ ۔ حلم فی محلہ ۔ تحمل فی محلہ ۔ حمیت فی محلہ ۔ تواضع فی محلہ ۔ ادب فی محلہ ۔ شفقت فی محلہ ۔ رافت فی محلہ ۔ رحمت فی محلہ ۔ خوف الٰہی محبت الٰہیہ۔ انس باللہ۔ انقطاع الی اللہ وغیرہ وغیرہ۔ (براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 1 صفحہ 195-194 حاشیہ)

اخلاق نیکیوں کی ماں ہے

اخلاق کی درستی بہت ضروری چیز ہے کیونکہ نیکیوں کی ماں اخلاق ہی ہے۔ خیر کا پہلا درجہ جہاں سے انسان قوت پاتا ہے اخلاق ہے۔ دو لفظ ہیں ایک خَلق اور دوسرا خُلق۔ خَلق ظاہری پیدائش کا نام ہے اور خُلق باطنی پیدائش کا جیسے ظاہر میں کوئی خوبصورت ہوتا ہے اور کوئی بہت ہی بدصورت ۔ اسی طرح پر کوئی اندرونی پیدائش میں نہایت حسین اور دلربا ہوتا ہے اور کوئی اندر سے مجذوم اور مبروص کی طرح مکروہ۔ لیکن ظاہری صورت چونکہ نظر آتی ہے اس لئے ہر شخص دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے اور نہیں چاہتا کہ بدصورت اور بدوضع ہو مگر چونکہ اس کو دیکھتا ہے اس لئے اس کو پسند کرتا ہے اور خُلق کو چونکہ دیکھا نہیں اس لئے اس کی خوبی سے ناآشنا ہو کر اس کو نہیں چاہتا۔ ایک اندھے کے لئے خوب صورتی اور بدصورتی دونوں ایک ہی ہیں۔ اسی طرح پر وہ انسان جس کی نظر اندرونہ تک نہیں پہنچتی اس اندھے کی ہی مانند ہے۔

خَلق تو ایک بدیہی بات ہے مگر خُلق ایک نظری مسئلہ ہے اگر اخلاقی بدیاں اور ان کی لعنت معلوم ہو تو حقیقت کھلے۔

غرض اخلاقی خوبصورتی ایک ایسی خوبصورتی ہے جس کو حقیقی خوبصورتی کہنا چاہیئے بہت تھوڑے ہیں جو اس کو پہچانتے ہیں۔ اخلاق نیکیوں کی کلید ہے۔ جیسے باغ کے دروازے پر قفل ہو دور سے پھل پھول نظر آتے ہیں مگر اندر نہیں جاسکتے لیکن اگر قفل کھول دیا جاوے تو اندر جا کر پوری حقیقت معلوم ہوتی ہے اور دل و دماغ میں ایک سرور اور تازگی آتی ہے۔ اخلاق کا حاصل کرنا گویا اس قفل کو کھول کے اندر داخل ہونا ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 355-354)

برے اخلاق

وَلَاتَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ لَاتَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ۔ (الحجرات:12)

ایک قوم دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ کرے ہوسکتا ہے کہ جن سے ٹھٹھا کیا گیا ہے وہی اچھے ہوں بعض عورتیں بعض عورتوں سے ٹھٹھا نہ کریں ہوسکتا ہے کہ جن سے ٹھٹھا کیا گیا ہے وہی اچھی ہوں اور عیب مت لگاؤ۔ اپنے لوگوں کے برے برے نام مت رکھو۔ بدگمانی کی باتیں مت کرو اور نہ عیبوں کو کرید کرید کر پوچھو۔ ایک دوسرے کا گلہ مت کرو۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ۔ جلد 10 صفحہ 350)

تم ایک دوسرے کا چڑ کے نام نہ لو یہ فعل فساق و فجار کا ہے۔ جو شخص کسی کو چڑاتا ہے وہ نہ مرے گا جبتک وہ خود اس طرح مبتلا ہو گا۔ اپنے بھائیوں کو حقیر نہ سمجھو جب کل ایک ہی چشمہ سے پانی پیتے ہو تو کون جانتا ہے کہ کس کی قسمت میں زیادہ پانی پینا ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 23)

تم دیکھ کر بھی بد کو بچو بدگمان سے ڈرتے رہو عقابِ خدائے جہان سے
شاید تمہاری آنکھ ہی کر جائے کچھ خطا شاید وہ بد نہ ہو جو تمہیں ہے وہ بدنما
شاید تمہاری فہم کا ہی کچھ قصور ہو! شاید وہ آزمائش ربِّ غفور ہو

(درثمین اردو صفحہ 104)(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 19-18)

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ (الکہف:111)

وہ قرآن شریف میں اس تعلیم کو پیش کرتا ہے جس کے ذریعہ سے اور جس پر عمل کرنے سے اسی دنیا میں دیدار الٰہی میسر آسکتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ یعنی جو شخص چاہتا ہے کہ اسی دنیا میں اس خدا کا دیدار نصیب ہو جائے جو حقیقی خدا اور پیدا کنندہ ہے پس چاہیئے کہ وہ ایسے نیک عمل کرے جس میں کسی قسم کا فساد نہ ہو یعنی عمل اس کے نہ لوگوں کے دکھلانے کے لئے ہوں نہ ان کی وجہ سے دل میں تکبر پیدا ہو کہ میں ایسا ہوں اور ایسا ہوں۔ اور نہ وہ عمل ناقص اور ناتمام ہوں اور نہ ان میں کوئی ایسی بدبو ہو جو محبت ذاتی کے برخلاف ہو بلکہ چاہیئے کہ صدق اور وفاداری سے بھرے ہوئے ہوں اور ساتھ اس کے یہ بھی چاہیئے کہ ہر ایک قسم کے

شرک سے پرہیز ہو۔ (لیکچر لاہور۔ ر۔خ۔جلد 20 صفحہ 154)

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا۔ (الشمس: 9) یعنی ہر یک انسان کو ایک قسم کا خدا نے الہام عطا کر رکھا ہے جس کو نور قلب کہتے ہیں اور وہ یہ کہ نیک اور بدکام میں فرق کر لینا۔ جیسے کوئی چور یا خونی چوری یا خون کرتا ہے تو خدا اس کے دل میں اسی وقت ڈال دیتا ہے کہ تو نے یہ کام برا کیا اچھا نہیں کیا لیکن وہ ایسے القاء کی کچھ پرواہ نہیں رکھتا کیونکہ اس کا نور قلب نہایت ضعیف ہوتا ہے اور عقل بھی ضعیف اور قوت بہیمیہ غالب اور نفس طالب۔

(براہین احمدیہ۔ ر۔خ۔جلد 1 صفحہ 186 حاشیہ)

اخلاق فاضلہ کی تکمیل

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ .... الاخر۔ (سورۃ الناس)

اس میں اللہ تعالیٰ نے حقیقی مستحق حمد کے ساتھ عارضی مستحق حمد کا بھی اشارۃً ذکر فرمایا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ اخلاق فاضلہ کی تکمیل ہو چنانچہ اس سورت میں تین قسم کے حق بیان فرمائے ہیں۔ اول فرمایا کہ تم پناہ مانگو اللہ کے پاس جو جامع جمیع صفات کاملہ ہے اور جو رب ہے لوگوں کا۔ اور مالک بھی ہے اور معبود و مطلوب حقیقی بھی ہے۔ یہ سورت اس قسم کی ہے کہ اس میں اصل توحید کو تو قائم رکھا ہے مگر معاً یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ دوسرے لوگوں کے حقوق بھی ضائع نہ کریں جو ان اسماء کے مظہر ظلی طور پر ہیں۔ رَبّ کے لفظ میں اشارہ ہے کہ **گو حقیقی طور پر خدا ہی پرورش کرنے والا اور تکمیل تک پہنچانے والا ہے لیکن عارضی اور ظلی طور پر دو اور بھی وجود ہیں جو ربوبیت کے مظہر ہیں ایک جسمانی طور پر دوسرا روحانی طور پر۔ جسمانی طور پر والدین ہیں اور روحانی طور پر مرشد اور ہادی ہیں۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 315-314)

حقیقی اخلاق

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ (النحل: 91)

اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ تم عدل کرو اور عدل سے بڑھ کر یہ ہے کہ باوجود رعایت عدل کے احسان کرو اور احسان سے بڑھ کر یہ ہے کہ تم ایسے طور سے لوگوں سے مروت کرو کہ جیسے کہ گویا وہ تمہارے پیارے اور ذوالقربی ہیں۔ اب سوچنا چاہیئے کہ مراتب تین ہی ہیں۔ اول انسان عدل کرتا ہے یعنی حق کے مقابل حق کی درخواست کرتا ہے پھر اگر اس سے بڑھے تو مرتبہ احسان ہے اور اگر اس سے بڑھے تو احسان کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے اور ایسی محبت سے لوگوں کی ہمدردی کرتا ہے جیسے ماں اپنے بچہ کی ہمدردی کرتی ہے یعنی ایک طبعی جوش سے نہ کہ احسان کے ارادہ سے۔

(جنگ مقدس۔ ر۔خ۔جلد 6 صفحہ 127)

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ۔ (آل عمران:93)

بیکار اور نکمی چیزوں کے خرچ کرنے سے کوئی آدمی نیکی کرنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ نیکی کا دروازہ تنگ ہے۔ پس یہ امر ذہن نشین کر لو کہ نکمی چیزوں کے خرچ کرنے سے کوئی اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نص صریح ہے۔ لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡن جب تک عزیز سے عزیز اور پیاری سے پیاری چیزوں کو خرچ نہ کرو گے اس وقت تک محبوب اور عزیز ہونے کا درجہ نہیں مل سکتا۔ اگر تکلیف اٹھانا نہیں چاہتے اور حقیقی نیکی کو اختیار کرنا نہیں چاہتے تو کیونکر کامیاب اور بامراد ہو سکتے ہو؟ کیا صحابہ کرام مفت میں اس درجہ تک پہنچ گئے جو ان کو حاصل ہوا۔ دنیاوی خطابوں کے حاصل کرنے کے لیے کس قدر اخراجات اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں تو پھر کہیں جا کر ایک معمولی خطاب جس سے دلی اطمینان اور سکینت حاصل نہیں ہو سکتی ملتا ہے۔ پھر خیال کرو کہ رضی اللہ عنہم کا خطاب جو دل کو تسلی اور قلب کو اطمینان اور مولا کریم کی رضامندی کا نشان ہے کیا یونہی آسانی سے مل گیا؟ بات یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی رضامندی جو حقیقی خوشی کا موجب ہے حاصل نہیں ہو سکتی جب تک عارضی تکلیفیں برداشت نہ کی جاویں خدا ٹھگا نہیں جاتا۔ مبارک ہیں وہ لوگ! جو رضائے الٰہی کے حصول کے لیے تکلیف کی پروا نہ کریں۔ کیونکہ ابدی خوشی اور دائمی آرام کی روشنی اس عارضی تکلیف کے بعد مومن کو ملتی ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 47)

صبر

رضوان و قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے دو ہی طریق ہیں۔ ایک تو تشریعی احکام سے ترقی ہوتی ہے اسی لئے تشریعی تکالیف فرمائیں مگر یہ وہ تکالیف ہیں جن سے انسان بچ سکتا ہے دوسرے وہ تکالیف ہیں جو خدا انسان کے سر پر ڈالتا ہے۔ کسی کے ہاتھ میں تازیانہ دے کر اسے کہا جاتا ہے کہ تو اپنے بدن پر آپ مار تو وہ حتی الامکان ایسا نہ کرے گا کیونکہ انسان اپنے تئیں دکھ نہیں دینا چاہتا پس **جو تکالیف اختیار میں ہیں ان سے بچ کر وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا مگر جو تکالیف خدا کی طرف سے ہوں وہ جب انسان پر پڑتی ہیں اور وہ ان پر صبر کرتا ہے تو اس کی ترقی کا موجب ہو جاتی ہیں**۔.....غرض تکالیف دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ حصہ ہے جو احکام پر مشتمل ہے مگر اس میں بہانوں کی گنجائش ہے۔ صوم و زکوۃ و صلوۃ و حج جب تک پورا اخلاق نہ ہو۔ انسان ان سے پہلو تہی کر سکتا ہے پس اس کسر کو نکالنے کے لئے تکالیف سماویہ کا ورود ہوتا ہے تا کہ جو کچھ انسانی ہاتھ سے پورا نہیں ہوا وہ خدا کی مدد سے پورا ہو جائے۔ آریہ کہتے ہیں تکالیف کسی پچھلے کرم کی سزا میں ہیں ہم کہتے ہیں یہ آئندہ ترقیات کے لئے ہیں ورنہ جپ تپ کرنا بھی ایک سزا ہوگا۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 662-661)

وَ فَدَيۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِيۡمٍ۔ (الصفّٰت:108)

انبیاءاوررسل کو جو بڑے بڑے مقام ملتے ہیں وہ ایسی معمولی باتوں سے نہیں مل جاتے جو نرمی سے اور آسانی سے پوری ہو جائیں بلکہ ان پر بھاری ابتلاءاورامتحان وارد ہوئے جن میں وہ صبر اور استقلال کے ساتھ کامیاب ہوئے تب خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کو بڑے بڑے درجات نصیب ہوئے۔ دیکھو حضرت ابراہیم پر کیسا برا ابتلاء آیا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں چھری لی کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرے اور اس چھری کو اپنے بیٹے کی گردن پر اپنی طرف سے پھیر دیا مگر آگے بکرا تھا۔ ابراہیم امتحان میں پاس ہوا اور خدا نے بیٹے کو بھی بچالیا۔ تب خدا تعالیٰ ابراہیم پر خوش ہوا کہ اس نے اپنی طرف سے کوئی فرق نہ رکھا۔ یہ خدا تعالیٰ کا فضل تھا کہ بیٹا بچ گیا ورنہ ابراہیم نے اس کو ذبح کر دیا تھا۔ اس واسطے اس کو صادق کا خطاب ملا۔ اور توریت میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم تو آسمان کے ستاروں کی طرف نظر کر کیا تو ان کو گن سکتا ہے۔ اسی طرح تیری اولاد بھی نہ گنی جائے گی۔ تھوڑے سے وقت کی تکلیف تھی وہ تو گزر گئی اسکے نتیجہ میں کس قدر انعام ملا۔ آج تمام سادات اور قریش اور یہود اور دیگر اقوام اپنے آپ کو ابراہیم کا فرزند کہتے ہیں۔ گھڑی دو گھڑی کی بات تھی وہ تو ختم ہوگئی اور اتنا بڑا انعام ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملا۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 417-416)

وَ مَا تَنۡقِمُ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتۡنَا ؕ رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ ۔ (الاعراف:127)

اے خدا اس مصیبت میں ہمارے دل پر وہ سکینت نازل کر جس سے صبر آ جائے اور ایسا کر کہ ہماری موت اسلام پر ہو۔ جاننا چاہیئے کہ دکھوں اور مصیبتوں کے وقت میں خدا تعالےٰ اپنے پیارے بندوں کے دل پر ایک نور اتارتا ہے جس سے وہ قوت پا کر نہایت اطمینان سے مصیبت کا مقابلہ کرتے ہیں اور حلاوت ایمانی سے ان زنجیروں کو بوسہ دیتے ہیں جو اس کی راہ میں ان کے پیروں میں پڑیں۔ **جب باخدا آدمی پر بلائیں نازل ہوتی ہیں اور موت کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے رب کریم سے خواہ نخواہ کا جھگڑا شروع نہیں کرتا کہ مجھے ان بلاؤں سے بچا کیونکہ اس وقت عافیت کی دعا میں اصرار کرنا خدا تعالیٰ سے لڑائی اور موافقت تامہ کے مخالف ہے بلکہ سچا محبّ بلا کے اترنے سے اور آگے قدم رکھتا ہے اور ایسے وقت میں جان کو ناچیز سمجھ کر اور جان کی محبت کو الوداع کہہ کر اپنے مولیٰ کی مرضی کا بکلّی تابع ہو جاتا اور اس کی رضا چاہتا ہے** اسی کے حق میں اللہ جلّ شانہ فرماتا ہے وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ ‌ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوۡفٌ ۢ بِالۡعِبَادِ(البقرة: 208) یعنی خدا کا پیارا بندہ اپنی جان خدا کی راہ میں دیتا ہے اور اس کے عوض میں خدا تعالیٰ کی مرضی خرید لیتا ہے وہی لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کی رحمت خاص کے مورد ہیں۔ غرض وہ استقامت جس سے خدا ملتا ہے اس کی یہی روح ہے جو بیان کی گئی جس کو سمجھنا ہو سمجھ لے۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔ خ۔ جلد 10 صفحہ 421-420)

تا نہ قربانِ خدائے خود شویم! تا نہ محوِ آشنائے خود شویم!

جب تک ہم اپنے خدا پر قربان نہ ہو جائیں اور جب تک اپنے دوست کے اندر محو نہ ہو جائیں۔

تا نہ باشیم از وجودِ خود بروں تا نہ گردد پُر ز مہرش اندروں

جب تک ہم اپنے وجود سے علیحدہ نہ ہو جائیں اور جب تک سینہ اس کی محبت سے بھر نہ جائے۔

تا نہ بر ما مرگ آید صد ہزار کے حیاتے تازہ بینیم از نگار

جب تک ہم پر لاکھوں موتیں وارد نہ ہوں تب تک ہمیں اس محبوب کی طرف سے نئی زندگی کب مل سکتی ہے۔

(سراج منیر۔ ر۔خ۔ جلد 12 صفحہ 100)(درثمین فارسی صفحہ 237)

مصیبتوں کو برا نہیں ماننا چاہیئے کیونکہ مصیبتوں کو برا سمجھنے والا مومن نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ لَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَ بَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ (البقرۃ:157-156)۔ یہی تکالیف جب رسولوں پر آتی ہیں تو ان کو انعام کی خوشخبری دیتی ہیں اور جب یہی تکالیف بدوں پر آتی ہیں۔ ان کو تباہ کر دیتی ہیں غرض مصیبت کے وقت قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنا چاہیئے کہ تکالیف کے وقت خدا تعالیٰ کی رضا طلب کرے۔

مومن کی زندگی کے دو حصے

جو نیک کام مومن کرتا ہے اس کے لیے اجر مقرر ہوتا ہے مگر صبر ایک ایسی چیز ہے جس کا ثواب بے حد و بے شمار ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے یہی لوگ صابر ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے خدا کو سمجھ لیا۔ **خدا تعالیٰ ان لوگوں کی زندگی کے دو حصے کرتا ہے جو صبر کے معنے سمجھ لیتے ہیں۔ اول جب وہ دعا کرتا تو خدا تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے جیسا کہ فرمایا اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ (المومن:61) اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ (البقرۃ:187)**

(البدر جلد 2 نمبر 9 مورخہ 20 مارچ 1903 صفحہ 67)(تفسیر سورۃ البقرۃ صفحہ 222-221)

عاجزی۔انکساری

پسند آتی ہے اس کو خاکساری تذلّل ہے رہِ درگاہِ باری

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ (الذّٰریٰت:57)

عاجزی اختیار کرنی چاہیئے۔ عاجزی کا سیکھنا مشکل نہیں ہے۔ اس کا سیکھنا ہی کیا ہے انسان تو خود ہی عاجز ہے اور وہ عاجزی کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ تکبّر وغیرہ سب بناوٹی چیزیں ہیں اگر اس بناوٹ کو اتار دے تو پھر اس کی فطرت میں عاجزی ہی نظر آوے گی۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 232)

خدا تعالیٰ کی یہ عادت ہرگز نہیں ہے کہ جو اس کے حضور عاجزی سے گر پڑے وہ اسے خائب و خاسر کرے اور ذلت کی موت دیوے۔ جو اس کی طرف آتا ہے وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے ایسی نظیر ایک

بھی نہ ملے گی کہ فلاں شخص کا خدا سے سچا تعلق تھا اور پھر وہ نامراد رہا۔ خدا تعالیٰ بندے سے یہ چاہتا ہے کہ وہ بھی نفسانی خواہش اس کے حضور پیش نہ کرے اور خالص ہو کر اس کی طرف جھک جاوے جو اس طرح جھکتا ہے اسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور ہر ایک مشکل سے خود بخود اس کے واسطے راہ نکل آتی ہے جیسے کہ وہ خود وعدہ فرماتا ہے مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا وَّ یَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ (الطلاق:3-4) اس جگہ رزق سے مراد صرف روٹی وغیرہ نہیں بلکہ عزت علم وغیرہ سب باتیں جن کی انسان کو ضرورت ہے اس میں داخل ہیں۔ خدا تعالیٰ سے جو ذرہ بھر بھی تعلق رکھتا ہے وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ (الزلزال:8) ہمارے ملک ہندستان میں نظام الدین صاحب اور قطب الدین صاحب اولیاء اللہ کی جو عزت کی جاتی ہے وہ اسی لئے ہے کہ خدا تعالیٰ سے ان کا سچا تعلق تھا اور اگر یہ نہ ہوتا تو تمام انسانوں کی طرح وہ بھی زمینوں میں ہل چلاتے۔ معمولی کام کرتے مگر خدا تعالیٰ کے سچے تعلق کی وجہ سے لوگ ان کی مٹی کی بھی عزت کرتے ہیں۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 220)

اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما جو خاک میں ملے اسے ملتا ہے آشنا

ذٰلِکَ وَ مَنۡ یُّعَظِّمۡ حُرُمٰتِ اللّٰہِ فَہُوَ خَیۡرٌ لَّہٗ عِنۡدَ رَبِّہٖ ؕ وَ اُحِلَّتۡ لَکُمُ الۡاَنۡعَامُ اِلَّا مَا یُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ وَ اجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ۔ (الحج:31)

مجھے اس وقت اس نصیحت کی حاجت نہیں کہ تم خون نہ کرو کیونکہ بجز نہایت شریر آدمی کے کون ناحق کے خون کی طرف قدم اٹھاتا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ ناانصافی پر ضد کر کے سچائی کا خون نہ کرو۔ حق کو قبول کر لو اگرچہ ایک بچہ سے اور اگر مخالف کی طرف حق پاؤ تو پھر فی الفور اپنی خشک منطق کو چھوڑ دو۔ سچ پر ٹھہر جاؤ اور سچی گواہی دو جیسا کہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ وَ اجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ یعنی بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹ سے بھی کہ وہ بت سے کم نہیں۔ جو چیز قبلہ حق سے تمہارا منہ پھیرتی ہے وہی تمہاری راہ میں بت ہے۔ سچی گواہی دو اگرچہ تمہارے باپوں یا بھائیوں یا دوستوں پر ہو۔ چاہیئے کہ کوئی عداوت بھی تمہیں انصاف سے مانع نہ ہو۔

(ازالہ اوہام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 550)

تکبر ایسی بلا ہے کہ انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ یاد رکھو تکبر شیطان سے آتا ہے اور تکبر کرنے والے کو شیطان بنا دیتا ہے۔ جب تک انسان اس راہ سے قطعاً دور نہ ہو۔ قبول حق و فیضان الوہیت ہرگز پا نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ تکبر اس کی راہ میں روک ہو جاتا ہے۔ پس کسی طرح سے بھی تکبر نہیں کرنا چاہیئے۔ علم کے لحاظ سے نہ دولت کے لحاظ سے نہ وجاہت کے لحاظ سے نہ ذات اور خاندان اور حسب نسب کی وجہ سے۔ کیونکہ زیادہ تر تکبر انہیں باتوں سے پیدا ہوتا ہے۔ جب تک انسان اپنے آپ کو ان گھمنڈوں سے پاک وصاف نہ کرے گا اس وقت تک وہ اللہ جل شانہ کے نزدیک پسندیدہ و برگزیدہ نہیں ہو سکتا۔ اور وہ معرفت الٰہی جو جذبات نفسانی کے مواد ردّیہ کو جلا دیتی ہے اس کو عطا نہیں ہوتی کیونکہ یہ گھمنڈ شیطان کا حصہ ہے اس کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ شیطان نے بھی یہی گھمنڈ کیا اور اپنے آپ کو آدم علیہ السلام سے بڑا سمجھا اور کہہ دیا اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ (الاعراف:13) (میں

اس سے اچھا ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اسکو مٹی سے) نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ بارگاہ الٰہی سے مردود ہو گیا۔ اس لیے ہر ایک کو اس سے بچنا چاہیئے۔ جب تک انسان کو کامل معرفت الٰہی حاصل نہ ہو وہ لغزش کھاتا ہے اور اس سے متنبہ نہیں ہوتا مگر معرفت الٰہی جس کو حاصل ہو جائے اگرچہ اس سے کوئی لغزش ہو بھی جاوے تب بھی اللہ تعالیٰ اس کی محافظت کرتا ہے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش پر اپنی کمزوری کا اعتراف کیا اور سمجھ لیا کہ سوائے فضل الٰہی کے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے دعا کر کے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا وارث ہوا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ (الاعراف:24) (اے رب ہمارے ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تیری حفاظت ہمیں نہ بچاوے اور تیرا رحم ہماری دستگیری نہ کرے تو ہم ضرور لوٹے والوں میں سے ہو جاویں)

(تقریر جلسہ سالانہ 29 دسمبر 1904 صفحہ 19-20) (تفسیر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام جلد چہارم صفحہ 149)

تکبّر سے نہیں ملتا وہ دلدار — ملے جو خاک سے اسکو ملے یار
کوئی اس پاک سے جو دل لگا وے — کرے پاک آپ کو تب اسکو پاوے
عجب ناداں ہے وہ مغرور و گمراہ — کہ اپنے نفس کو چھوڑا ہے بے راہ
بدی پر غیر کی ہردم نظر ہے — مگر اپنی بدی سے بے خبر ہے

(حقیقۃ الوحی۔ ر۔خ۔ جلد 22 صفحہ 551)

توکل

مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ (الطلاق:3-4)

ہم ایسے مہوسوں کو ایک کیمیا کا نسخہ بتلاتے ہیں بشرطیکہ وہ اس پر عمل کریں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۔ (الطلاق:3-4) پس تقویٰ ایک ایسی چیز ہے کہ جسے یہ حاصل ہوا سے گویا تمام جہاں کی نعمتیں حاصل ہو گئیں۔ یاد رکھو متقی کبھی کسی کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ وہ اس مقام پر ہوتا ہے کہ جو چاہتا ہے خدا تعالیٰ اس کے لئے اس کے مانگنے سے پہلے مہیا کر دیتا ہے۔ **میں نے ایک دفعہ کشف میں اللہ تعالیٰ کو تمثل کے طور پر دیکھا۔ میرے گلے میں ہاتھ ڈال کر فرمایا۔**

جے توں میرا ہور ہیں سب جگ تیرا ہو

پس یہ وہ نسخہ ہے جو تمام انبیاء و اولیاء و صلحاء کا آزمایا ہوا ہے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 201)

توکل کرنے والے اور خدا تعالیٰ کی طرف جھکنے والے کبھی ضائع نہیں ہوتے۔ جو آدمی صرف اپنی کوششوں میں رہتا ہے اس کو سوائے ذلت کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہمیشہ سے سنت اللہ یہی چلی آتی ہے کہ جو لوگ دنیا کو چھوڑتے ہیں وہ اس کو پاتے ہیں اور جو اس کے پیچھے دوڑتے ہیں وہ اس سے محروم رہتے ہیں۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے وہ اگر چندروز مکر و فریب سے کچھ حاصل بھی کر لیں تو وہ لا حاصل ہے کیونکہ آخران کو سخت ناکامی دیکھنی پڑتی ہے۔ **اسلام میں عمدہ لوگ وہی گذرے ہیں جنہوں نے دین کے مقابلہ میں دنیا کی کچھ پرواہ نہ کی۔ ہندوستان میں قطب الدینؒ اور معین الدینؒ خدا کے اولیاء گذرے ہیں ان لوگوں نے پوشیدہ خدا تعالیٰ کی عبادت کی مگر خدا تعالیٰ نے ان کی عزت کو ظاہر کر دیا۔** (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 248-249)

توکل کی تعریف

توکل یہی ہے کہ اسباب جو اللہ تعالیٰ نے کسی امر کے حاصل کرنے کے واسطے مقرر کیے ہوئے ہیں ان کو حتی المقدور جمع کرو اور پھر خود دعاوں میں لگ جاؤ کہ (اے) خدا تو ہی اس کا انجام بخیر کر۔ صدہا آفات ہیں اور ہزاروں مصائب ہیں جو ان اسباب کو بھی برباد و تہ و بالا کر سکتے ہیں ان کی دست برد سے بچا کر ہمیں سچی کامیابی اور منزل مقصود پر پہنچا۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 146)

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ ؕ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔ (آل عمران:160)

ایک شخص نے اپنی خانگی تکالیف کا ذکر کیا فرمایا پورے طور پر خدا پر توکل یقین اور امید رکھو تو سب کچھ ہو جاوے گا اور ہمیں خطوط سے ہمیشہ یاد کراتے رہا کرو ہم دعا کریں گے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ 550)

انسان کو مشکلات کے وقت اگرچہ اضطراب ہوتا ہے مگر چاہیئے کہ توکل کو کبھی بھی ہاتھ سے نہ دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بدر کے موقع پر سخت اضطراب ہوا تھا چنانچہ عرض کرتے تھے کہ يَا رَبِّ اِنْ اَهْلَكْتَ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ فَلَنْ تُعْبَدَ فِي الْاَرْضِ اَبَدًا ۔مگر آپ کا اضطراب فقط بشری تقاضا سے تھا کیونکہ دوسری طرف توکل کو آپ نے ہرگز ہاتھ سے نہیں جانے دیا تھا۔ آسمان کی طرف نظر تھی اور یقین تھا کہ خدا تعالیٰ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ یاس کو قریب نہیں آنے دیا تھا۔ ایسے اضطرابوں کا آنا تو انسانی اخلاق اور مدارج کی تکمیل کے واسطے ضروری ہے مگر انسان کو چاہیئے کہ یاس کو پاس نہ آنے دے۔ کیونکہ یاس تو کفار کی صفت ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 133)

اَمِتْنِی فِی الْمَحَبَّةِ و الوداد　　و کُنْ فی هذه لی و المَعادِ

و لم یبقَ الهُمُومَ لَنَا بِاَنَّا　　توکلنا علی ربّ العبادِ

(ترجمہ از مرتب) مجھے اپنی محبت میں مار۔ اور اس دنیا اور آخرت میں تو میرا ہو جا۔ اور ہمیں کوئی غم نہیں رہے۔ کیونکہ ہم نے ربّ العباد پر توکل کی۔ (تذکرہ صفحہ 779)

غصہ پر صبر

وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۔ (الفرقان:73)

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب انسان کسی کا مقابلہ کرتا ہے تو اسے کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑتا ہے جیسے مقدمات میں ہوتا ہے۔ اس لئے آرام اسی میں ہے کہ تم ایسے لوگوں کا مقابلہ ہی نہ کرو۔ **سدِّ باب کا طریق رکھو اور کسی سے جھگڑا مت کرو۔ زبان بند رکھو۔ گالیاں دینے والے کے پاس سے چپکے گذر جاؤ گویا سنا ہی نہیں اور ان لوگوں کی راہ اختیار کرو جن کے لئے قرآن شریف نے فرمایا وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۔ اگر یہ باتیں اختیار کرلو گے تو یقیناً یقیناً اللہ تعالیٰ کے سچے مخلص بن جاؤ گے۔** (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 131)

غربت اور مسکینی کی زندگی

اہل تقویٰ کے لیے یہ شرط تھی کہ وہ غربت اور مسکینی میں اپنی زندگی بسر کرے یہ ایک تقویٰ کی شاخ ہے۔ جس کے ذریعہ ہمیں غضب ناجائز کا مقابلہ کرنا ہے۔ بڑے بڑے عارف اور صدیقوں کے لیے آخری اور کڑی منزل غضب سے ہی بچنا ہے۔ عجب و پندار غضب سے پیدا ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی کبھی خود غضب و پندار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ کیونکہ غضب اس وقت ہوگا۔ جب انسان اپنے نفس کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 23-22)

تقویٰ یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو ۔۔۔ کبرو غرور و بخل کی عادت کو چھوڑ دو
اِس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو ۔۔۔ اُس یار کے لئے رہِ عشرت کو چھوڑ دو
لعنت کی ہے یہ راہ سو لعنت کو چھوڑ دو ۔۔۔ ورنہ خیالِ حضرتِ عزت کو چھوڑ دو
تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول ۔۔۔ تا تم پہ ہو ملائکۂ عرش کا نزول
اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا ۔۔۔ ترکِ رضائے خویش پئے مرضی خدا

(براہین احمدیہ جلد پنجم۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 18-17)

ریاء

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ۔ (الماعون:5 تا7)

عُجب اور ریا بہت مہلک چیزیں ہیں ان سے انسان کو بچنا چاہیئے۔ انسان ایک عمل کر کے لوگوں کی مدح کا خواہاں ہوتا ہے۔ بظاہر وہ عمل عبادت وغیرہ کی صورت میں ہوتا ہے جس سے خدا تعالیٰ راضی ہو مگر نفس کے اندر ایک خواہش پنہاں ہوتی ہے کہ فلاں فلاں لوگ مجھے اچھا کہیں۔ اس کا نام ریا ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 567)

خدا کا یہی منشاء ہے کہ لفظی اور زبانی مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنایا جاوے۔ یہودی کیا توریت پر ایمان نہیں لاتے تھے؟ قربانیاں نہ کرتے تھے؟ مگر خدا تعالیٰ نے ان پر لعنت بھیجی اور کہا کہ تم مومن نہیں ہو۔ بلکہ بعض نمازیوں کی نماز پر بھی لعنت بھیجی ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ۔ یعنی لعنت ہے ایسے نمازیوں پر جو نماز کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔ صلوٰۃ اصل میں آگ میں پڑنے اور محبت الٰہی اور خوف الٰہی کی آگ میں پڑ کر اپنے آپ سے جل جانے اور ماسوی اللہ کو جلا دینے کا نام ہے اور اس حالت کا نام ہے کہ صرف خدا ہی خدا اس کی نظر میں رہ جاوے اور انسان اس حالت تک ترقی کر جاوے کہ خدا کے بلانے سے بولے اور خدا کے چلانے سے چلے۔ اس کے کل حرکات اور سکنات اس کا فعل اور ترک فعل سب اللہ ہی کی مرضی کے مطابق ہو جاوے خودی دور ہو جاوے۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 590)

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ۔ (الصّف: 3-4)

اسلام کا دعویٰ کرنا اور میرے ہاتھ پر بیعت توبہ کرنا کوئی آسان کام نہیں کیونکہ جب تک ایمان کے ساتھ عمل نہ ہو کچھ نہیں۔ منہ سے دعویٰ کرنا اور عمل سے اس کا ثبوت نہ دینا خدا تعالیٰ کے غضب کو بھڑکانا ہے اور اس آیت کا مصداق ہو جانا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ۔ یعنی اے ایمان والو تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم نہیں کرتے ہو۔ یہ امر کہ تم وہ باتیں کہو جن پر تم عمل نہیں کرتے خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑے غضب کا موجب ہے۔

پس وہ انسان جس کو اسلام کا دعویٰ ہے یا جو میرے ہاتھ پر توبہ کرتا ہے اگر وہ اپنے آپ کو اس دعویٰ کے موافق نہیں بناتا اور اس کے اندر کھوٹ رہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے بڑے غضب کے نیچے آ جاتا ہے اس سے بچنا لازم ہے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 351)

مقت خدا کے غضب کو کہتے ہیں۔ یعنی بڑا غضب ان پر ہوتا ہے جو اقرار کرتے ہیں اور پھر کرتے نہیں۔ ایسے آدمی پر خدا تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔ اس لئے دعائیں کرتے رہو۔ کوئی ثابت قدم نہیں رہ سکتا جب تک خدا نہ رکھے۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 174)

اصل بات یہ ہے کہ انسان کو اپنی صفائی کرنی چاہیئے۔ صرف زبان سے کہہ دینا کہ میں نے بیعت کر لی ہے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا جب تک عملی طور کچھ کر کے نہ دکھلایا جاوے۔ صرف زبان کچھ نہیں بنا سکتی۔ قرآن شریف میں آیا کہ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ۔ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ۔ (الصف :3-4) یہ وقت ہے کہ سابقون میں داخل ہو جاؤ یعنی ہر نیکی کے کرنے میں سبقت لے جاؤ۔ اعمال ہی کام آتے ہیں زبانی لاف و گزاف کسی کام کی نہیں۔ دیکھو حضرت فاطمہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ فاطمہ اپنی جان کا خود فکر کر لے میں تیرے کسی کام نہیں آ سکتا۔ بھلا خدا کا کسی سے رشتہ تو نہیں وہاں یہ نہیں پوچھا جاوے گا کہ تیرا باپ کون ہے بلکہ اعمال کی پرسش ہو گی۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 453)

متفرق اخلاق حسنہ

نیک عمل کی مثال ایک پرند کی طرح ہے۔اگر صدق اور اخلاص کے قفس میں اسے قید رکھو گے تو وہ رہے گا ورنہ پرواز کر جاوے گا اور یہ بجز خدا کے فضل کے حاصل نہیں ہو سکتا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ (الکھف:111) عمل صالح سے یہاں یہ مراد ہے کہ اس میں کسی قسم کی بدی کی آمیزش نہ ہو صلاحیت ہی صلاحیت ہو۔نہ عُجب ہو۔نہ کِبر ہو۔نہ نخوت ہو۔نہ تکبّر ہو۔نہ نفسانی اغراض کا حصہ ہو۔نہ رو بخلق ہو۔حتیٰ کہ دوزخ اور بہشت کی خواہش بھی نہ ہو صرف خدا کی محبت سے وہ عمل صادر ہو۔جب تک دوسری کسی قسم کی غرض کو دخل ہے تب تک ٹھوکر کھائے گا اور اس کا نام شرک ہے کیونکہ وہ دوستی اور محبت کس کام کی جس کی بنیاد صرف ایک پیالہ چائے یا دوسری خالی محبوبات تک ہی ہے۔ایسا انسان جس دن اس میں فرق آتا دیکھے گا اسی دن قطع تعلق کر دے گا۔جو لوگ خدا سے اس لئے تعلق باندھتے ہیں کہ ہمیں مال ملے یا اولاد حاصل ہو یا ہم فلاں فلاں امور میں کامیاب ہو جاویں ان کے تعلقات عارضی ہوتے ہیں اور ایمان بھی خطرہ میں ہے جس دن ان کے اغراض کو کوئی صدمہ پہنچا اسی دن ایمان میں بھی فرق آ جاوے گا۔اس لئے پکا مومن وہ ہے جو کسی سہارے پر خدا کی عبادت نہیں کرتا۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 102)

وہ دور ہیں خدا سے جو تقویٰ سے دُور ہیں ہر دم اسیرِ نخوت و کبر و غرور ہیں
تقویٰ یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو کبر و غرور و بخل کی عادت کو چھوڑ دو
اِس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو اُس یار کے لئے رہِ عشرت کو چھوڑ دو
لعنت کی ہے یہ راہ سو لعنت کو چھوڑ دو ورنہ خیالِ حضرتِ عزت کو چھوڑ دو
تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول تا تم پہ ہو ملائکۂ عرش کا نزول
اسلام چیز کیا ہے ؟ خدا کے لئے فنا ترکِ رضائے خویش پے مرضی خدا
جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات اس راہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات
شوخی و کبر دیوِ لعیں کا شعار ہے آدم کی نسل وہ ہے جو وہ خاکسار ہے
اے کرمِ خاک ! چھوڑ دے کبر و غرور کو زیبا ہے کبر حضرت ربّ غیور کو
بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں
چھوڑو غرور و کبر کہ تقویٰ اسی میں ہے ہو جاؤ خاک مرضی مولیٰ اسی میں ہے

(براہین احمدیہ جلد پنجم۔ر۔خ۔جلد21 صفحہ 17-18)

چودھویں فصل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کا اتباع

اللہ تعالیٰ کی محبت کامل طور پر انسان اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتا جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور طرز عمل کو اپنا رہبر اور ہادی نہ بناوے چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت فرمایا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰہُ (ال عمران:32) **یعنی محبوب الٰہی بننے کے لیے ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جاوے۔ سچی اتباع آپ کے اخلاق فاضلہ کا رنگ اپنے اندر پیدا کرنا ہوتا ہے۔**

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 62)

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت و پیروی وتصدیق رسالت اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے اوران انعامات کا وارث جو اگلے برگزیدہ انبیاء پر ہوئے چنانچہ فرمایا **یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا** (الانفال :30) یعنی وہ تمہیں ایک فرقان دیگا۔ پس دوسرے مذاہب اوراس میں ایک مابہ الامتیاز اسی جہان میں ہونا ضروری ہے۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 633)

اللہ جل شانہٗ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

اِنَّکَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم:5)

یعنی تو ایک بزرگ خُلق پر قائم ہے سواس تشریح کے مطابق اس کے معنے ہیں یعنی یہ کہ تمام قسمیں اخلاق کی سخاوت، شجاعت، عدل، رحم، احسان، صدق، حوصلہ وغیرہ تجھ میں جمع ہیں غرض جس قدر انسان کے دل میں قوتیں پائی جاتی ہیں جیسا کہ ادب، حیا، دیانت، مروت، غیرت، استقامت، عفت، زیادت، اعتدال، مواسات یعنی ہمدردی، ایسا ہی شجاعت، سخاوت، عفو، صبر، احسان، صدق، وفا وغیرہ جب یہ تمام طبعی حالتیں عقل اور تدبر کے مشورہ سے اپنے اپنے محل اور موقع پر ظاہر کی جائیں گی تو سب کا نام اخلاق ہوگا اور یہ تمام اخلاق درحقیقت انسان کی طبعی حالتیں اور طبعی جذبات ہیں اور صرف اس وقت اخلاق کے نام سے موسوم ہوتے کہ جب محل اور موقع کے لحاظ سے بالا رادہ ان کو استعمال کیا جائے۔ چونکہ انسان کے طبعی خواص میں سے ایک یہ بھی خاصہ ہے کہ وہ ترقی پذیر جاندار ہے اس لئے وہ سچے مذہب کی پیروی اور نیک صحبتوں اور نیک تعلیموں سے ایسے طبعی جذبات کو اخلاق کے رنگ میں لے آتا ہے اور یہ امر کسی اور جاندار کے لئے نصیب نہیں۔

(اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ۔ جلد 10 صفحہ 334-333)

جب سے یہ نور ملا نورِ پیمبرؐ سے ہمیں — ذات سے حق کی وجود اپنا ملایا ہم نے
مصطفیٰؐ پر ترا بیحد ہو سلام اور رحمت — اس سے یہ نور لیا بارِ خدایا ہم نے
ہم ہوئے خیرِ اُمم تجھ سے ہی اے خیرِ رسلؐ — تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 226-225) (درثمین اردو صفحہ 14-13)

خدا کی راہ میں خرچ کرنا

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ۔(آل عمران:93)

دنیا میں انسان مال سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔اسی واسطے علم تعبیر الرویا میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص دیکھے کہ اس نے جگر نکال کر کسی کو دیا ہے تو اس سے مراد مال ہے۔یہی وجہ ہے کہ حقیقی اتقا اور ایمان کے حصول کے لیے فرمایا لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ حقیقی نیکی کو ہرگز نہ پاؤ گے جب تک کہ تم عزیز ترین چیز خرچ نہ کرو گے کیونکہ مخلوق الٰہی کے ساتھ ہمدردی اور سلوک کا ایک بڑا حصہ مال کے خرچ کرنے کی ضرورت بتلاتا ہے اور ابنائے جنس اور مخلوق الٰہی کی ہمدردی ایک ایسی شے ہے جو ایمان کا دوسرا جزو ہے جس کے بدوں ایمان کامل اور راسخ نہیں ہوتا۔جب تک انسان ایثار نہ کرے دوسرے کو نفع کیونکر پہنچا سکتا ہے دوسرے کی نفع رسانی اور ہمدردی کے لیے ایثار ضروری سے ہے اور اس آیت میں لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ میں اسی ایثار کی تعلیم اور ہدایت فرمائی گئی ہے۔پس مال کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا بھی انسان کی سعادت اور تقویٰ شعاری کا معیار اور محک ہے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں للّٰہی وقف کا معیار اور محک وہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ضرورت بیان کی اور وہ کل اثاث البیت لے کر حاضر ہو گئے۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 368-367)

کیا تمہیں خبر نہیں کہ تمہیں تو یہ حکم دیا وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ (الضحی:11) اور سائل خواہ گھوڑے پر ہی سوار ہو کر آیا ہو پھر بھی واجب نہیں کہ اس کو رد کیا جاوے تیرے لئے یہ حکم ہے کہ تو اس کو جھڑک نہیں ہاں خدا تعالیٰ نے اس کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ سوال نہ کرے۔وہ اپنی خلاف ورزیوں کی خود سزا پا لے گا لیکن تمہیں یہ مناسب نہیں کہ تم خدا تعالیٰ کے ایک واجب العزت حکم کی نافرمانی کرو۔غرض اس کو کچھ دے دینا چاہیئے اگر پاس ہو اور اگر پاس نہ ہو تو نرم الفاظ سے اس کو سمجھا دو۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 375-374)

صدق اور وفا

وَ اِبۡرٰهِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی۔ (النجم:38)

نامرد ٔ بزدل ٔ بیوفا جو خدا تعالیٰ سے اخلاص اور وفاداری کا تعلق نہیں رکھتا بلکہ دغا دینے والا ہے وہ کس کام کا ہے اس کی کچھ قدر و قیمت نہیں ہے ساری قیمت اور شرف وفا سے ہوتا ہے۔ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جو شرف اور درجہ ملا وہ کس بناء پر ملا؟ قرآن شریف نے فیصلہ کر دیا ہے وَ اِبۡرٰهِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی ابراہیم وہ ہے جس نے ہمارے ساتھ وفاداری کی آگ میں ڈالے گئے مگر انہوں نے اس کو منظور نہ کیا کہ وہ ان کافروں کو کہہ دیتے کہ تمہارے ٹھاکروں کی پوجا کرتا ہوں۔خدا تعالیٰ کے لئے ہر تکلیف اور مصیبت کو برداشت کرنے پر آمادہ ہو گئے۔خدا تعالیٰ نے کہا کہ اپنی بیوی کو بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ آ۔انہوں نے فی الفور اس کو قبول کر لیا۔ہر ایک ابتلاء کو انہوں نے اس طرح پر قبول کر لیا کہ گویا عاشق اللہ تھا۔درمیان میں کوئی نفسانی غرض نہ تھی۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 516)

صوفیوں نے لکھا ہے کہ اوائل سلوک میں جو رویا یا وحی ہو اس پر توجہ نہیں کرنی چاہیئے وہ اکثر اوقات اس راہ میں روک ہو جاتی ہے۔ انسان کی اپنی خوبی اس میں تو کوئی نہیں کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو وہ کسی کو کوئی اچھی خواب دکھاوے یا کوئی الہام کرے۔ اس نے کیا کیا؟ **دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہت وحی ہوا کرتی تھی لیکن اس کا کہیں ذکر بھی نہیں کیا گیا کہ اس کو یہ الہام ہوا یہ وحی ہوئی بلکہ ذکر کیا گیا ہے تو اس بات کا کہ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى وہ ابراہیم جس نے وفاداری کا کامل نمونہ دکھایا۔** (ملفوظات جلد سوم صفحہ 637)

الہامی اشعار

صادق آں باشد کہ ایامِ بلا   مے گذارد با محبت با وفا

صادق وہ ہوتا ہے کہ ابتلاؤں کے دن محبت اور وفاداری سے گذارتا ہے۔

گر قضا را عاشقے گردد اسیر!   بوسد آں زنجیر را کز آشنا!

اگر قضائے الٰہی سے عاشق قید ہو جاتا ہے تو وہ اس زنجیر کو چومتا ہے جس کا سبب آشنا ہو۔

(کتاب البریّہ۔ ر۔خ۔ جلد 13 ٹائیٹل پیج) (درثمین فارسی صفحہ 220)

مزید فرمایا

یارب مرا بہر قدمم استوار دار   واں روز خود مباد کہ عہدِ تو بشکنم

اے رب مجھے ہر قدم پر مضبوط رکھ اور ایسا کوئی دن نہ آئے کہ میں تیرا عہد توڑوں۔

در کوئے تو اگر سرِ عشاق را زنند   اوّل کسیکہ لافِ تعشق زند منم!

اگر تیرے کوچہ میں عاشقوں کے سر اتارے جائیں تو سب سے پہلے جو عشق کا دعویٰ کرے گا وہ میں ہوں گا۔

(آئینہ کمالات اسلام۔ ر۔خ۔ جلد 5 صفحہ 658) (درثمین فارسی مترجم صفحہ 195)

غیبت اور سوءِ ظنّ

وَ لَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ (الحجرات:13)

اپنے بھائی کا گلہ کرنا مردہ کھانا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے وَ لَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ (الحجرات:13) یعنی ایک مسلمان کو چاہیئے کہ دوسرے مسلمان کا گلہ نہ کرے۔ کیا کوئی مسلمان اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھاوے۔ (ست بچن۔ ر۔خ۔ جلد 10 صفحہ 260)

فساد اس سے شروع ہوتا ہے کہ انسان ظنون فاسدہ اور شکوک سے کام لینا شروع کرے۔ اگر نیک ظن کرے تو پھر کچھ دینے کی توفیق بھی مل جاتی ہے۔ جب پہلی ہی منزل پر خطا کی تو پھر منزل مقصود پر پہنچنا مشکل ہے۔ **بدظنی بہت بُری چیز ہے انسان کو بہت سی نیکیوں سے محروم کر دیتی ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ انسان خدا پر بدظنی شروع کر دیتا ہے۔** (ملفوظات جلد اول صفحہ 375)

بعض گناہ ایسے باریک ہوتے ہیں کہ انسان ان میں مبتلا ہوتا ہے اور سمجھتا ہی نہیں۔ جوان سے بُوڑھا ہو جاتا ہے مگر اسے پتہ نہیں لگتا کہ گناہ کرتا ہے مثلاً گلہ کرنے کی عادت ہوتی ہے ایسے لوگ اس کو بالکل ایک معمولی اور چھوٹی سی بات سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن شریف نے اس کو بہت ہی بُرا قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡهِ مَیۡتًا فَکَرِهۡتُمُوۡهُ (الحجرات:13) خدا تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے کہ انسان ایسا کلمہ زبان پر لاوے جس سے اس کے بھائی کی تحقیر ہو اور ایسی کارروائی کرے جس سے اس کو حرج پہنچے۔ ایک بھائی کی نسبت ایسا بیان کرنا جس سے اس کا جاہل اور نادان ہونا ثابت ہو یا اس کی عادت کے متعلق خفیہ طور پر بے غیرتی یا دشمنی پیدا ہو یہ سب بُرے کام ہیں۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ 654-653)

تم دیکھ کر بھی بد کو بچو بد گمان سے ۔۔۔ ڈرتے رہو عقابِ خُدائے جہان سے
شاید تمھاری آنکھ ہی کر جائے کچھ خطا ۔۔۔ شاید وہ بد نہ ہو جو تمھیں ہے وہ بد نما
شاید تمہارے فہم کا ہی کچھ قصور ہو ! ۔۔۔ شاید وہ آزمائش ربّ غفور ہو

(براہین احمدیہ جلد پنجم۔ ر۔خ۔ جلد 21 صفحہ 19-18)

سلوکِ کامل

اِذۡ قَالَ رَبُّکَ لِلۡمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ۔ فَاِذَا سَوَّیۡتُهٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِیۡنَ۔ فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِکَةُ کُلُّهُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ۔ اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ اِسۡتَکۡبَرَ وَ کَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ۔ (صٓ: 72 تا 75)

سو یہ اس قدیم قانون کی طرف اشارہ ہے جو خدائے تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کے ساتھ ہمیشہ جاری رکھتا ہے۔ **جب کوئی شخص کسی زمانہ میں اعتدال روحانی حاصل کر لیتا ہے اور خدائے تعالیٰ کی روح اس کے اندر آباد ہوتی ہے یعنی اپنے نفس سے فانی ہو کر بقاء باللہ کا درجہ حاصل کرتا ہے تو ایک خاص طور پر نزول ملائکہ کا اس پر شروع ہو جاتا ہے۔** اگرچہ سلوک کی ابتدائی حالت میں بھی ملائک اس کی نصرت اور خدمت میں لگے ہوئے ہوتے ہیں لیکن یہ نزول ایسا اتم اور اکمل ہوتا ہے کہ سجدہ کا حکم رکھتا ہے **اور سجدہ کے لفظ سے خدائے تعالیٰ نے یہ ظاہر کر دیا کہ ملائکہ انسان کامل سے افضل نہیں ہیں بلکہ وہ شاہی خادموں کی طرح سجدات تعظیم انسان کامل کے آگے بجا لا رہے ہیں۔** (توضیح مرام۔ ر۔خ۔ جلد 3 صفحہ 77-76)

فَاِذَا سَوَّیۡتُهٗ وَ نَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِیۡنَ۔ (الحجر:30)

یعنی جب میں نے اس کا قالب بنا لیا اور تجلیات کے تمام مظاہر درست کر لئے اور اپنی روح اس میں پھونک دی تو تم سب لوگ اس کے لئے زمین پر سجدہ کرتے ہوئے گر جاؤ سو اس آیت میں بھی یہی اشارہ ہے کہ جب اعمال کا پورا قالب تیار ہو جاتا ہے تو اس قالب میں وہ روح چمک اٹھتی ہے جس کو خدائے تعالیٰ اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے کیونکہ دنیوی زندگی کے فنا کے بعد وہ قالب تیار ہوتا ہے اس لئے الٰہی روشنی جو پہلے دھیمی تھی یک دفعہ بھڑک اٹھتی ہے اور واجب ہوتا ہے کہ خدا کی ایسی شان کو دیکھ کر ہر ایک سجدہ کرے اور اس کی طرف کھنچا جائے۔ سو ہر ایک اس نور کو دیکھ کر سجدہ کرتا ہے اور طبعاً اس طرف آتا ہے بجز ابلیس کے جو تاریکی سے دوستی رکھتا ہے۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ر۔خ۔ جلد 10 صفحہ 322)

چوصوفِ صفا در دل آمیختند — مداد از سوادِ عیون ریختند

جب صفائی کا صوف دل میں ملاتے ہیں تو آنکھوں کی سیاہی سے روشنی ڈالتے ہیں۔

دو چیز است چوپانِ دنیا و دیں — دلِ روشن و دیدۂ دُوربیں

دو چیزیں دین و دنیا کی محافظ ہیں۔ایک تو روشن دل دوسرے دوراندیش نظر۔

خدا راست آں بندگانِ کرام — کہ از بہرِ شان مے کند صبح و شام

خدا کے نیک بندے ایسے بھی ہیں جن کے لیے خدا صبح وشام کو پیدا کرتا ہے۔

بدنبالِ چشمے چومے بنگرند — جہانے بدنبالِ خود مے کشند

جب وہ کن انکھیوں سے دیکھتے ہیں تو ایک جہان کو اپنے پیچھے کھینچ لیتے ہیں۔

اثرہاست در گفتگو ہائے شاں — چکد نورِ وحدت زِروہائے شاں

ان کے کلام میں اثر ہوتا ہے اوران کے چہروں سے توحید کا نور ٹپکتا ہے۔

در او شاں بہ اظہارِ ہر خیر و شر — نہادست حق خاصیت مستتر

ان میں نیکی اور بدی کے اظہار کے لیے خدا تعالیٰ نے مخفی خاصیت رکھ دی ہے۔

بگفتن اگرچہ خدا نیستند — ولے از خدا ہم جدا نیستند

اگرچہ کہنے کو وہ خدا نہیں ہیں۔لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہیں۔

کسے را کہ او ظلِ یزداں بود — قیاسش بخود جہل و طغیاں بود

جو شخص خدا کا ظل ہو اس کو اپنے پر قیاس کرنا جہالت اور سرکشی ہے۔

(درثمین فارسی صفحہ 322-321)(اخبار البدر صفحہ نمبر 27 مورخہ 29 اپریل 1909)

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ (النجم:18)

انتہائی درجہ (ترقیات کاملہ کا) وہ ہے جس کی نسبت لکھا ہے مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔انسان زمانہ سیر سلوک میں اپنے واقعات کشفیہ میں بہت سے عجائبات دیکھتا ہے اور انواع و اقسام کی واردات اس پر وارد ہوتی ہیں مگر اعلیٰ مقام اس کا عبودیت ہے جن کا لازمہ صحو اور ہوشیاری سے اور سکر اور شطح سے بکلّی بیزاری ہے۔

(مکتوبات احمد جلد اول صفحہ 12 مکتوب نمبر 8)

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (الاعراف:144)

جب طالب کمال وصال کا خدا کے لیے اپنے تمام وجود سے الگ ہوجاتا ہے اور کوئی حرکت اور سکون اس کا اپنے لیے نہیں رہتا بلکہ سب کچھ خدا کے لیے ہوجاتا ہے تو اس حالت میں اس کو ایک روحانی موت پیش آتی ہے جو بقا کو مستلزم ہے پس اس حالت میں گویا وہ بعد موت کے زندہ کیا جاتا ہے اور غیر اللہ کا وجود اس کی آنکھ میں باقی نہیں رہتا یہاں تک کہ غلبہ مشہود ہستی الٰہی سے وہ اپنے وجود کو بھی نابود ہی خیال کرتا ہے پس یہ مقام عبودیت و فناء اتم ہے جو غایت سیر اولیاء ہے اور اسی مقام میں غیب سے باذن اللہ ایک نور سالک کے قلب پر نازل ہوتا ہے جو تقریر اور تحریر سے باہر ہے۔

غلبہ شہود کی ایک ایسی حالت ہے کہ جو علم الیقین اور عین الیقین کے مرتبہ سے برتر ہے۔صاحب شہود تام کو ایک علم تو ہے مگر ایسا علم جو اپنے ہی نفس پر وارد ہو گیا ہے جیسے کوئی آگ میں جل رہا ہے۔سو اگرچہ وہ بھی جلنے کا ایک علم رکھتا ہے مگر وہ علم الیقین اور عین الیقین سے برتر ہے۔کبھی شہود تام بے خبری تک بھی نوبت پہنچا دیتا اور حالت سُکر اور بیہوشی کی غلبہ کرتی ہے اس حالت سے یہ آیت مشابہ ہے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا لیکن حالت تام وہ ہے جس کی طرف اشارہ ہے مَازَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى ۔ (النجم :18) یہ حالت اہل جنت کے نصیب ہوگی۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 413-412)

معرفتِ انسانِ کامل

ہماں زِ نوعِ بشر کامل از خدا باشد　　که بانشانِ نمایاں خدانما باشد

ان میں وہی خدا کی طرف سے کامل ہوتا ہے جو روشن نشانوں کے ساتھ خدا نما ہوتا ہے۔

بتابد از رخِ اُو نورِ عشق و صدق و وفا　　ز خلقِ اُو کرم و غربت و حیا باشد

اس کے چہرہ سے عشق اور صدق وصفا کا نور چمکتا ہے کرم ۔انکسار اور حیا اس کے اخلاق ہوتے ہیں۔

صفاتِ اُو ہمہ ظلِ صفاتِ حق باشند　　ہم استقامتِ اُو ہمچو انبیاء باشد

ان کی ساری صفات خدا کی صفات کا پرتو ہوتی ہیں اور اس کا استقلال بھی انبیا کے استقلال کی مانند ہوتا ہے۔

روان بچشمہء او بحرِ سرمدی باشد　　عیاں در آئینہ اش روئے کبریا باشد

اسی سرچشمہ سے ابدی فیضان کا سمندر جاری ہوتا ہے اور اس کے چہرہ میں خدائے بزرگ کا چہرہ نظر آتا ہے۔

صعودِ اُو ہمہ سوئے فلک بود ہردم　　وجوداو ہمہ رحمت چو مصطفٰے باشد

اس کی پرواز ہر وقت آسمان کی طرف ہی ہوتی ہے۔اور اس کا وجود مصطفٰے کی طرح سراسر رحمت ہوتا ہے۔

خبر دہد بقدومش خدا بہ مصحفِ پاک　　ہم از رسول سلامے بصد ثنا باشد

خدا اس کی تشریف آوری کی خبر قرآن مجید میں دیتا ہے اور رسول کی طرف سے بھی سینکڑوں ثنا اور سلام بھیجے جاتے ہیں۔

نتا بد از رہِ جانانِ خود سرِ اخلاص　　اگرچہ سیلِ مصیبت بزورہا باشد

وہ اپنے معشوق کی راہ میں کبھی اخلاص میں کمی نہیں آنے دیتا۔خواہ مصیبتوں کا طوفان کتنے ہی زوروں پر ہو۔

براہِ یارِ عزیز از بلا نہ پرہیزد　　اگرچہ در رہِ آں یار اژدہا باشد

اس عزت والے دوست کی راہ میں وہ کسی بلا سے نہیں ڈرتا خواہ اس یار کے راستے میں اژدہا بیٹھا ہو۔

کند حرام ہمہ عیش و خواب را بر نفس　　چو جملہ عارف و عامی دراں بلا باشد

وہ نیند اور عیش کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے جبکہ سب نیک و بد اس عیش وعشرت کی بلا میں گرفتار ہوئے۔

(تریاق القلوب ۔ر۔خ۔جلد 15 صفحہ 129)(درثمین فارسی مترجم صفحہ 262-261)

سالک کامل

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَ الۡفَتۡحُ۔ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا۔(النصر :2-3)

سو در حقیقت ایک ہی کامل انسان دنیا میں آیا جس نے ایسے اتم اور اکمل طور پر یہ روحانی قیامت دکھلائی اور ایک زمانہ دراز کے مردوں اور ہزاروں برسوں کے عظم رمیم کو زندہ کر دکھلایا اس کے آنے سے قبریں کھل گئیں اور بوسیدہ ہڈیوں میں جان پڑ گئی اور اس نے ثابت کر دکھلایا کہ وہی حاشر اور وہی روحانی قیامت ہے جس کے قدموں پر ایک عالم قبروں میں سے نکل آیا اور بشارت اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَ الۡفَتۡحُ۔ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا۔ (النصر :2-3) تمام جزیرہ عرب پر اثر انداز ہوگئی اور پھر اس قیامت کا نمونہ صحابہؓ تک ہی محدود نہ رہا بلکہ اس خداوند قادر قدیر نے جس نے ہر قوم اور ہر زمانہ اور ہر ملک کے لئے اس بشیر و نذیر کو مبعوث کیا تھا ہمیشہ کے لئے جاودانی برکتیں اس کے سچے تابعداروں میں رکھ دیں اور وعدہ کیا کہ وہ نور اور وہ روح القدس جو اس کامل انسان کے صحابہؓ کو دیا گیا تھا آنے والے متبعین اور صادق الاخلاص لوگوں کو بھی ملے گا۔ (آئینہ کمالات اسلام ۔ ر۔خ ۔ جلد 5 صفحہ 207-208)

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۔ (الاحزاب:73)

وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا یعنی انسان کامل کو وہ ملائک میں نہیں تھا' نجوم میں نہیں تھا قمر میں نہیں آفتاب میں بھی نہیں تھا' وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں بھی نہیں تھا۔ وہ لعل اور یاقوت اور زمرد اور الماس اور موتی میں بھی نہیں تھا۔ غرض وہ کسی چیز ارضی اور سماوی میں نہیں تھا صرف انسان میں تھا یعنی انسان کامل میں جس کا اتم اور اکمل اور اعلیٰ اور ارفع فرد ہمارے سید و مولیٰ سید الانبیاء سید الاحیاء محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سو وہ نور اس انسان کو دیا گیا اور حسب مراتب اس کے تمام ہمرنگوں کو بھی یعنی ان لوگوں کو بھی جو کسی قدر وہی رنگ رکھتے ہیں اور امانت سے مراد انسان کامل کے وہ تمام قویٰ اور عقل اور علم اور دل اور جان اور حواس اور خوف اور محبت اور عزت اور وجاہت جمیع نعماء روحانی اور جسمانی ہیں جو خدا تعالیٰ انسان کامل کو عطا کرتا ہے اور پھر انسان کامل برطبق آیت اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهۡلِهَا۔ (النساء:59) اس ساری امانت کو جناب الٰہی کو واپس دے دیتا ہے یعنی اس میں فانی ہو کر اس کے راہ میں وقف کر دیتا ہے۔

(آئینہ کمالات اسلام ۔ ر۔خ ۔ جلد 5 صفحہ 160-161)

غور سے دیکھنا چاہئے کہ جس حالت میں اللہ جل شانہ' آنحضرت صلی علیہ وسلم کا نام اول المسلمین رکھتا ہے اور تمام مطیعوں اور فرمانبرداروں کا سردار ٹھہراتا ہے اور سب سے پہلے امانت کو واپس دینے والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیتا ہے تو پھر کیا بعد اس کے کسی قرآن کریم کے ماننے والے کو گنجائش ہے کہ آنحضرت صلی اللہ کی شان اعلیٰ میں کسی طرح کا جرح کر سکے۔ **خدا تعالیٰ نے آیت موصوفہ بالا میں اسلام کے لئے کئی مراتب رکھ کر سب مدارج سے اعلیٰ درجہ وہی ٹھہرایا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت کو عنایت فرمایا۔ سُبۡحَانَ اللّٰهِ مَا اَعۡظَمَ شَاۡنُکَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ ۔**

موسیٰ و عیسیٰ ہمہ خیلِ تواند   جملہ دریں راہ طفیلِ تواند

(ترجمہ:- موسیٰؑ اور عیسیٰؑ تیرے پیرو ہیں۔ اس راہ میں سب تیرے طفیل سے ہیں۔)

(آئینہ کمالات اسلام ۔ ر۔خ ۔ جلد 5 صفحہ 163-164)

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی۔ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (النجم10,9)

اور جو تشبیہات قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ظلّی طور پر خداوند قادر مطلق سے دی گئی ہیں ان میں سے ایک یہی آیت ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی۔ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (النجم10,9) یعنی وہ (حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی ترقیات کاملہ قرب کی وجہ سے دو قوسوں میں بطور وتر کے واقع ہے بلکہ اس سے نزدیک تر اب ظاہر ہے کہ وتر کی طرف اعلیٰ میں قوس الوہیت ہے سو جب کہ نفس پاک محمدی اپنے شدت قرب اور نہایت درجہ کی صفائی کی وجہ سے وتر کی حد سے آگے بڑھا اور دریائے الوہیت سے نزدیک تر ہوا تو اس ناپیدا کنار دریا میں جا پڑا اور الوہیت کے بحر اعظم میں ذرہ بشریت گم ہو گیا اور یہ بڑھنا نہ مستحدث اور جدید طور پر بلکہ وہ ازل سے بڑھا ہوا تھا۔ اور ظلی اور مستعار طور پر اس بات کے لائق تھا کہ آسمانی صحیفے اور الہامی تحریریں اس کو مظہر اتم الوہیت قرار دیں اور آئینہ حق نما اس کو ٹھہرا دیں۔

(سرمہ چشم آریہ۔ ر۔خ۔ جلد2 صفحہ 275-274 حاشیہ)

شفیع کا لفظ شفع سے نکلا ہے جس کے معنے جفت کے ہیں۔ اس لئے شفیع وہ ہو سکتا ہے جو دو مقامات کا مظہر اتم لاہوت اور ناسوت کا ہو۔ لاہوتی مقام کا مظہر کامل ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس کا خدا کی طرف صعود ہو۔ وہ خدا سے حاصل کرے۔ اور ناسوتی مقام کے مظہر کا یہ مفہوم ہے کہ مخلوق کی طرف اس کا نزول ہو جو خدا سے حاصل کرے وہ مخلوق کو پہنچا دیا اور مظہر کامل ان مقامات کا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسی کی طرف اشارہ ہے دَنَا فَتَدَلّٰی۔ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (النجم10,9)

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 170)

و لا ریب ان نبینا سمی محمدا لما اراد اللہ ان یجعلہ محبوبا فی اعینہ و اعین الصلحین۔ و کذلک سماہ احمد لما اراد سبحانہ ان یجعلہ محب ذاتہ و محب المومنین۔ فھو محمد بشان و احمد بشان و اختص احد ھذین الاسمین بزمان والاخر بزمان۔ و قد اشار الیہ سبحانہ فی قولہ دنا فتدلی ۔ و فی قاب قوسین او ادنی۔ (اعجاز المسیح۔ ر۔خ۔ جلد18 صفحہ 109)

ترجمہ از مرتب:۔ بلاشک ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد رکھا گیا تا کہ آپ کو (اللہ تعالیٰ) اپنی نظر میں اور لوگوں کی نظر میں محبوب ٹھہرائے۔ اور اسی طرح آپ کا نام احمد رکھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا کہ آپ کو اپنی ذات اور مسلمان لوگوں کا محبّ قرار دے۔ پس آپ کی دو شانیں ہیں ایک شان کے لحاظ سے آپ محمد ہیں اور دوسری شان کے لحاظ سے آپ احمد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ایک نام کو ایک زمانہ سے اور دوسرے نام کو دوسرے زمانہ سے خاص کر دیا۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے قول ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی۔ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی میں اشارہ کیا ہے۔

وہ انسان جو سب سے زیادہ کامل انسان اور انسان کامل تھا اور کامل نبی تھا اور کامل برکتوں کے ساتھ آیا جس سے رُوحانی بعث اور حشر کی وجہ سے دُنیا کی پہلی قیامت ظاہر ہوئی اور ایک عالم کا عالم مَرا ہوا اُسکے آنے سے زندہ ہوگیا وہ مبارک نبی حضرت خاتم الانبیاء امام الاصفیاء ختم المرسلین فخر النبیین جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔اے پیارے خُدا اِس پیارے نبی پر وہ رحمت اور دُرود بھیج جو ابتداءِ دُنیا سے تُو نے کسی پر نہ بھیجا ہو۔اگر یہ عظیم الشان نبی دُنیا میں نہ آتا تو پھر جسقدر چھوٹے چھوٹے نبی دُنیا میں آئے جیسا کہ یونس اور ایوب اور مسیح ابن مریم اور ملاکی اور یحیٰی اور ذکریا وغیرہ وغیرہ اُن کی سچائی پر ہمارے پاس کوئی بھی دلیل نہیں تھی اگرچہ سب مقرب اور وجیہ اور خدا تعالیٰ کے پیارے تھے۔یہ اُسی نبی کا احسان ہے کہ یہ لوگ بھی دُنیا میں سچے سمجھے گئے۔اللّٰھم صلی وسلّم و بارک علیہ واٰلہ و اصحابہ اجمعین واٰخر دعوانا ان الحمدللہ ربّ العٰلمین ہ

(اتمام الحجہ۔روحانی خزائن جلد8 صفحہ308)

نعت رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا — نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر — لیک از خُدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے
پہلوں سے خُوب تر ہے خوبی میں اک قمر ہے — اس پر ہر اک نظر ہے بدر الدجیٰ یہی ہے
پہلے تو راہ میں ہارے پار اس نے ہیں اتارے — میں جاؤں اس کے وارے بس ناخدا یہی ہے
پردے جو تھے ہٹائے اندر کی رہ دکھائے — دل یار سے ملائے وہ آشنا یہی ہے
وہ یارِ لامکانی وہ دلبر نہانی — دیکھا ہے ہم نے اس سے بس رہنما یہی ہے
وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیںؐ ہے — وہ طیبؐ و امیںؐ ہے اس کی ثناء یہی ہے

(قادیان کے آریہ اور ہم۔ر۔خ۔جلد20 ص456)

انڈیکس آیات قرآن کریم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ [311]

الفاتحہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَo (2)
[421] [298] [295] [155] [146] [129] [125]
[865] [772] [652] [623] [570]

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِo (3)
[570][421] [409] [295][146] [132] [125]
[652][772][865]

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِo (4)
[421] [409] [295] [146] [140][126][125]
[865] [846] [865] [772] [652] [622] [570]

اِيَّاكَ نَعْبُدُوَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُo(5)
[418] [295] [155] [154] [153] [149][147]
[622] [576]

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ...... o (6-7)
[119] [118] [115] [111][106] [47] [46]
[161] [160] [158] [157] [156] [143][121]
[168] [167] [166] [165] [164] [163] [162]
[175] [174] [173] [172] [171] [170] [169]
[183] [181] [180] [179] [178] [177] [176]
[190] [189] [188] [187] [186] [185] [184]
[293] [252] [226][218] [205] [196] [191]
[422] [409] [401] [347] [316] [296] [295]
[703][603][520] [462][461] [426][417] [423]
[828][809] [791] [768] [761][748] [712]
[896] [870] [865] [856] [855][846]

البقرۃ

الم (2)
[746][739] [619] [413][385][358][325][309]

ذلک الکتاب لا ریب فیہ ھدی للمتقین۔ (3)
[385] [368] [358] [325] [315] [309] [16]
[746] [739] [619] [595] [413]

اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ......(4)
[746] [739] [619] [358] [315]

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ...... (5)
[746] [739] [619][610] [233] [21]

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ...... (8) [545]

كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ...... (21) [654]

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ......(24`25) [382]

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...... (26)[859][691]

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ......(31) [587] [196]

لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (33)[729]

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ (35)[657]

وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ (37) [481]

فتلقی ادم من ربه کلمات (38)[876]

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ...... (40) [543]

یبنی اسراء یل اذکر ......(41)[690]

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ...... (42) [317]

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ...... (44)[632]

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ...... (46) [860] [453]

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى...... (54) [309]

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى......(62)[204]

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ......(63)[777] [772]

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّن.. (86) [432] [325]

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ...... (88) [204]
[711] [463]

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ...... (99) [586]

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ......(103) [356]

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا......(107) [359]

بلی من اسلم وجهه لله و ......(113)
[777][841] [842][855]

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَالْهُدٰى ......(121) [16]

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً ......o (126)

[203] [684] [861]
اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ...... (132)[807]
قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ ...... (145)[662]
فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ....(153) [819]
وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ ...... (156-158)
[850] [851] [852] [853] [867] [872] [911]
اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ ...... (165) [581]
اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (166)[805] [804] [433]
اِنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا (166)[880] [814] [808]
اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ ......(174)[560] [559]
لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا ......(178) [586] [569]
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ...... (184)[862] [628]
اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ......(185) [630][350]
شَهْرُ رَمَضَانَ ......(186)[631] [863][16]
وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ......(187) [911] [584]
و قاتلوا فی سبیل اللہ ...... (191)
[496] [500] [506] [552]
وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ ......(196) [548] [247] [39]
ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ ...... (200)[885] [883]
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ......(201)[819][805][672]
رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا ...... (202) [660]
وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْ......(208)[910][856]
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ (210)[672]
عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا ...... (217)[876]
اِن اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ ......223)
[880] [881] [886]
اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ ......(219) [484]
نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ...... (224) [551]
اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ...... (230) [555] [554]
وَ الَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ ......(235) [556]
یتوفون منکم ......(241) [781] [650][475]
تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا......254)[843][687] [654]
اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ...... (256) [699][618][571]
اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا......(258) [522]
یُّؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ ......(270)
[310] [400] [434] [618] [672] [720] [735]
لَآ اِكْرَاهَ فِی الدین ......(257)
[486] [487] [490] [498]
اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا...... (276-280)
[557] [559]
اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ...... (286) [595][567]
لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ (287) [512]

آل عمران

الٓمّٓ۔ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ ......(2تا4) [571]
هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ......(8)[774] [680][348]
اَلصّٰبِرِیْنَ وَ الصّٰدِقِیْنَ ...... (آل عمران18)[883]
اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ...... (20)[780]
فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ......(21) [494]
تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ ...... (28)[695][462]
قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ ...... (32)
[170] [440] [599][795] [801] [804] [812]
[813][814][816][817][818][821][876] [918]
اِسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ...... (46)[786][781]
اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ...... (50) [528]
اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰٓى ...... (56)
[61] [177][223] [244] [416] [437] [474]
[475] [647] [789]
اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ آدَمَ (60)[31]
قُلْ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا......(65) [777] [327]
وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ....(82)[597]
اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ......91)[879]
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى ......93)[909]۔[919]
فِیْهِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ ...... 98) [635][634]
وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ ......(104) [441] [16]
[443]

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ...... (111)

[173] [180] [395][460][461][603]

اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً-(131) [559]

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ....(135)[486]

وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ...... (145)

[476] [479] [480] [481] [483]

فَاِذَا عَزَمْتَ ......(160)[914]

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِه...... (165)[714]

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا......(192)[751]

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰه ...... (192)[751]

و توفنا مع الابرار (194)[781] [650][475]

النساء

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُم...... (2) [244]

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى ...... (4)[552] [509]

حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ- (16) [473]

وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْف...... (20) [553]

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ- (25) [657] [551]

وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ...... (26) [551]

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى...... (35) [554] [552]

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا...... (36) [556]

وجئنابک علىٰ هولا شهيدًا (42) [313]

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا......(47)

[377] [419] 787 [788] [789] [790]

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ ...... (59)924] [811] [689]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ......(60)[659] [510]

وَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ......(65)[196]

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ......(70)

[165] [226] [742] [768] [896]

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ...... (83)

[350] [427] [771]

توفهم الملائکة (98) [781] [650] [475]

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ ......(102)[625]

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ...... (104)[626]

ومن يعمل سوء ......(111)[887]

وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن ......(114) [600] [434]

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰت(123) [827]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا....(137) [594]

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ......(151-152)[775]

وَمَا صَلَبُوْهُ .....(158) [609]

وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَاب ...... (160) [318]

يٰايها لناس قد جآء کم....(171) [597]

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْجَآءَ(175)[729] [309]

المائده

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى (3) [869]

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ......(4)

[87] [372] [377] [387] [388] [389] [458]

[463] [649]

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِه(14) [378] [377]

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْر.....(16)[731] [687]

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى......(19) [679]

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ......(20)[705]

يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ- (28)868-891]

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْر......(33) [486]

وابتغوا اليه الوسيلة(36) [820]

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ ......(65)[693]

وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ...... (68) [548] [345]

يٰاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا......(106)[73]

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْن......(111)[673]

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى...... (118-117)

[61] [108][473][661] [774] [778] [647] [649]

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ ......(120)[661] [240]

الانعام

لِاُنْذِرَكُمْ بِه وَ مَنْ بَلَغَ(20) [373] [270] [86]

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی......(22)[678] [236]

ولو تریٰ اذوقفوا علی النار(28)[661]

و لو تری ازوقفوا......(31)[661]

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ...... (39) [718] [390]

وَ عِنْدَه' مَفَاتِحُ الْغَیْبِ ...... (60)

[717] [402] [331] [309] [27]

هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ ......(61)[677]

تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (62)[781] [560] [475] [473]

قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ۔ (72)[764]

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی...... (91) [6010] [91]

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (92)[864] [529]

لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ ...... (104)[670] [573]

قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ (110) [535]

اَفَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَکَمًا......(115)[660]

وَ اِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی ......(117)[777] [435]

اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ ......(123)[706]

قل ان صلوتی و نسکی......(163)

[894] [861] [805]

لا تزروازرة وزر اخری (165) [445]

وَ بِذَالِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (164) [434]

الاعراف

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ...... (4) [440]

اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ ...... (13)[912] [347]

قَالَ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ...... (15`16) [348]

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا......۔ (24)[913]

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُکُمْ...... (25) [479]

قَالَ فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَ فِیْهَا......(26)

[773] [481] [477]

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا ...... (27)[784] [701]

حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَهُمْ...... (38)

[781] [650] [475] [473]

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ ...... (41) [470]

ونادی اصحاب الجنة......(45)[661]

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِکِتٰبٍ......(53) [68][14]

اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ ......(55) [782] [672] [549]

وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ ...... (59)

[783] [696] [692] [283]

وَ مَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا ......(127)

[910] [856] [781][778] [475]

وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا ......(144)

[923] [922] [693]

وَ اکْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ ......(157) [543]

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ(158)[740]

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ......(159)

[327] [326] [271] [270] [260] [243][89]

[486] [380] [376] [373]

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ ......(173)[580]

[802] [581]

اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ (177)

[830] [825] [90] [12]

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ۔(186) [439] [16]

یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَ هُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ (199)[805]

وَ اِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِاٰیَةٍ...... (204) [309]

الانفال

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ ......(18) [272]

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ......(25) [702]

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ ...... (30)

[918] [892] [705]

وَ اِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ......(31) [496]

مَا کَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ ...... (34)[884]

وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ ...... (40) [494]

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ ...... (46) [405]

وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ ......(62)

[500] [491] [489]

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ ...... (63) [486] [376]

التوبة

وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ....(:6) [499]

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْا...... (13)
[489] [491] [495]

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ......(24)[808]

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ...... (29) [497]

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمْ (33)[13]

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ ......(41)[854]

وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ ..... (54) [596]

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا .... (82) [826]

وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ ...... (98) [535] [533]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ ......وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔ (119)
[65] [464] [748] [743] [749] [888] [889]

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ......(120)[857][133]

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ...... (128)
[135] [319] [607]

وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ...... [499]

يونس

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ۔ (2) [434]

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَo (15) [347] [205]

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ......(17)[746] [225]

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى......(18)[747]

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى (27) [891]

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ۔ (33) [351]

اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ......(47)
[650][778] [781]

وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ......(54) [361]

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ......(58) [398] [310]

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ...... (59) [434] [43]

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (63) [901]

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا ...... (64-65)[902] [829]

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ (100) [486]

وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (105)[25]

وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ يَتَوَفّٰكُمْ۔ (105) [473]

امانرینک بعض الذی ...... (147) [475]

هود

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ......(2)
[65] [332] [358] [368] [427] [746]

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ۔ (3)
[427-859]

وَّ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا...... (4)
[326] [878] [879]

مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ.... (7) [877]

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْا...... (15) [383]

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ...... (106)[783]

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ......(113)[766]

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (115)[621]

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ ......(124) [429]

يوسف

اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ (11) [183]

وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا....(25) [838]

وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ......(54) [840]

وَ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ (85) [534]

لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ...... (88) [748]

لا تثريب عليكم اليوم...... (93) [364]

اِنِّیْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ...... (95) [534] [516]

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ......(96)
[408] [699] [703] [770]

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔ (102)

[475] [650] [778] [781]

حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَ لٰکِنْ تَصْدِیْقَ......(112) [393]

الرعد

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ...... (3) [578]

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ (12)[848-849]

مَادُعَآءُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ (15) [583]

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ ......(18)

[460] [335] [685] [687] [712] [844] [850]

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (29)

[624] [820] [822]

وَ لَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا......(32)

[54] [464] [868] [891]

اُکُلُهَا دَآئِمٌ ......(36) [859]

یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ...... (40) [583]

وَ اِنْ مَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ......(41)[655]

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ (42)[655]

کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا بَیْنِیْ...... (44) [526]

ابراهیم

الٓرٰ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ ...... (2)[728] [326]

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَ فِی اللّٰهِ ...... (11) [581]

وَ اسْتَفْتَحُوْا وَ خَابَ...... (16) [606] [238]

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ ...... (25تا28)

[388] [649] [690] [691]

رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ ......(42)[660]

یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ ......(49) [241]

الحجر

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۰)

[42][48] [57] [58][59][61][63] [64] [188]
[206] [265] [269] [343] [364] [365] [366]
[367] [370] [371] [378][399] [419] [443]
[462] [717] [790] [791]

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا...... (22) [12] [338] [735]

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ ...... (30) [921] [354]

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ(37) [242]

قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ۔(38) [242]

اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (39) [242]

الا عبادک منهم المخلصین (41) [446]

ان عبادی لیس لک علیهم سلطان (43) [446]

ونزعنا ما فی صدورهم من ......(48)[661]

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ ...... (88)

[116] [421] [426]

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ(95) [25]

وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی...... (100)[702]

النحل

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ ...... (29) [482]

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ طَیِّبِیْنَ (33) [482]

یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ یَفْعَلُوْنَ....(51)

[587] [591] [[623]

وَ اللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ......(66)[685]

وَ اَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ...... (69) [521]

فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (70) [900]

ثم یتوفکم (71) [781] [650] [475]

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ......(75) [680] [577]

وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ...... (90)] [718]

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ......(91)[908]

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ ......(129)[891]

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّکْرِ ...... (44) [394]

بنی اسرائیل

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ ......(2)

[105] [227] [535] [537]

وَجَعَلْنَا الَّیْلَ وَالنَّهَارَ اٰیَتَیْنِ ......(13)[694]

وَ کُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ ...(14) [545]

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ ...... (16)
[54][237] [464] [546]
وَقَضٰى رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا......(24 تا25) [660]
اِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا۔ (26) [881]
اِنْ مِّنْ شَىْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ ...... (45)
[580] [587] [588]
اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ ...... (48)[604 [442]
وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا......(59) [239]
وَ اِذْ قُلْنَا لَکَ اِنَّ رَبَّکَ...... (61) [536]
وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْٓ اٰدَمَ......(71)[670]
مَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى ......(73)
[353] [430] [625] [666]
وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ ....(82) [309]
قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ (86) [549]
قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ...... (89) [444] [383]
وَ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ ......(106) [784] [323]
قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْلَا تُؤْمِنُوْا ......(108) [228]
وَ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ ......(110) [397]
وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِىٌّ ......(112)[902]

الكهف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ...... اِلَّا كَذِبًاo(2 تا6) [252]
اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ ......(10)
[253] [256] [259] [261] [263]
وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ .....(17) [656]
وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ ......(27)[656]
كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ ......(34) [656] [645]
وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا ...... (51) [589]
فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا......(66)
[27] [253] [256] [259] [261] [263] [717]
وَيَسْــَٔلُوْنَکَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ
مِّنْهُ ذِكْرًاo (84)
[253] [256] [259] [261] [263] [255] [355]
اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ...... (85)
[253] [254] [256] [259] [261] [263] [355]
فَاَتْبَعَ سَبَبًاo (86)
[253] [255] [256] [259] [261] [263] [355]
حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ ...... (87)
[253][255][256][259][261] [263] [335] [676]
قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ ...... (88)
[253] [255] [256] [259] [261] [263] [355]
وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ...... (89)
[253] [255] [256] [259] [261] [263]
ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًاo (90)
[253] [256] [259] [261] [263]
حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ...... (91)
[253] [256] [259] [261] [263]
كَذٰلِکَ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًاd (92)
[253] [256] [259] [261] [263]
ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًاo (93)
[253] [256] [259] [261] [263]
حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ ...... (94)
[253] [256] [259] [261] [263]
قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ...... (95)
[253] [256] [259] [261] [263]
قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ ......(96)
[253] [256] [259] [261] [263]
اٰتُوْنِىْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ......(97)
[253] [256] [259] [261] [263]
فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ......(98)
[253] [256] [259] [261] [263]
قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ...... سَمْعًا۔(99 -103)
[114][244] [253] [256] [259] [261] [263]
[392][686][672]
فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ (106)[895]
قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ ......(110) [339]
مَنْ كَانَ يَرْجُوْا ......(111)[917] [907] [811]

مريم

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ......(13)
[14] [203] [438]
و سلام عليه يوم ولد...... (16) [446]
فَاَجَآءَ هَا الْمَخَاضُ اِلٰى ...... (24) [232]
وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاس......(22) [161]
لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا (28) [161]
قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِىَ......(31) [699]
وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا o (89) [233]
لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا o(90) [233]
تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ (91)
[183] [233] [299] [421]
اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا o(92) [233]

طٰهٰ

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى (6) [682] [575]
اِنَّنِىْ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا......(15) [822] [862]
اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ ......(40)[667]
قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى(62) [234]
قالو ان هٰذٰين لسٰحرٰن يريدٰن...... (64)[659]
اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى (طٰهٰ69) [657]
وَ اَلْقِ مَا فِىْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ...... (70) [442]
مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا۔ (75) [544]
اَ فَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ...... (90) [835] [583]
قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ......(98)[663]
فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَق............(115)
[321] [434] [605] [890]
وَ لَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ ....(116)[604]
وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِى............(125)
[16] [441] [443]

الانبياء

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ......(6) [245]
لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ......(23) [585]
اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ ...... (31)
[33] [245] [684]
كُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (34) [845]
بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَاءِ ...... (45) [246]
وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ ......(51) [435] [340]
وَ الَّتِىْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا ....(92)
[113] [208] [697]
قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ ...... (70)
[246] [453] [528] [529]
وَ ذَاالنُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ ...... (88) [345]
اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ...... (93تا94) [113]
حَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ ......(96) [479] [350]
وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ۔(97)
[113] [211] [394]
وَ اقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ ......(98) [113]
اِنَّ فِىْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ۔ (107) [434]
وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (108)
[60][134][141][147] [221] [272] [376] [380]

الحج

وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى......(6) [781] [550] [475]
ذٰلِكَ وَ مَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ...... (31)[912]
لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا ......(38) [849]
اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ ...... (40)
[484] [485] [489] [490] [491] [493] [496]
[497] [498] [507] [508]
وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ ......(41)
[489] [491] [497] [507] [509] [663]
وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَاب......(48) [288][198]
مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ ...... (53) [27] [366]
وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا......(56) [531]
وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ...... (153) [318] [27]

المؤمنون

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔...... (2-3)[860]

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ (4) [385]
ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ......(15,16) [645][335] [701]
وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ......(19)
[43] [410] 665 [763]
فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْکَ ......(28) [201]
ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا (45) [711] [463]
وَ اٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ...... (51)[782.656
وَ مَا کَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰـهٍ (92) [585]

النور

وَاحْفَظُوْآ اَيْمَانَكُمْ(7`8) [361]
وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ(27) [413]
اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ......(36)
[329] [342][403] [676][731]
رِجَالٌ لَّاتُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ...... (38)] [823][618]
قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا.... (55)[603]
وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ....(56)
[54] [57][109] [185] [189] [204] [205] [219]
[220] [364] [464] [532]

الفرقان

تَبٰرَکَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ ......(2) [243]
وَ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ ...... (4,3) [582] [574]
وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ...... (31) [312] [34]
وَ قَالَ الَّذِيْنَ کَفَرُوْا ......(33) [321] [320][605]
اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّکَ کَيْفَ......(46 تا48) [321]
وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ا ......(49,50) [401]
وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ ......(51) [405]
وَ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ ......(55) [341]
مَآاَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ(58) [147] [141]
وَ اِذَا مَرُّوْا بِا للَّغْوِ......(73)[914]

الشعراء

لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ......(4) [243] [607][599]
وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَيَشْفِيْنِ۔ (81)[894]
وَالَّذِىْ يُمِيْتُنِىْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ۔ (82)[825]
وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ...... لِلْغٰوِيْنَ۔ (92-91) [543]
اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى ...... (139) [472]

النمل

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا...... (35)[903]
اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ......(63) [584]
وَ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْکَ......(65) [432]
وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ...... (72) [534]
انک لا تسمع الموتی (81) [446]
وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِم......(83)
[228] [240] [334]
وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ ...... (91) [540]

القصص

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى اَنْ...... (8) [230]
سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا......(37) [231]
وَهُوَاللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ......(71) [193] [151]

العنكبوت

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَکُوْآ ......(3)
[563] [567] [851] [901]
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا......(......10)[663]
وَ تِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا......(44) [751] [330]
اُتْلُ مَآ اُوْحِىَ اِلَيْکَ......(46) [824][623]
وَ قَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ ......(51تا54)
[382] [535]
يٰٓايّها الّذی آمنوا صلّوا علیه(57) [876]
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا...... (70)
[27] [46] [133] [520] [664][690] [712] [717]
[832] [846] [847]

الروم

الٓمّٓ۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ۔ فِىْ ...... (2-5)
[219] [344] [344] [673]

يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (20)[462] [369]
فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا......(31)
[341] [803] [887]
مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ......(32) [446]

لقمٰن

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ......(لقمٰن20)[764]

السجده

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى ......(6) [199]
قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ......(12) [483] [482]
وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ......(22)[882]

الاحزاب

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ .... (22) [821]
مِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ......(24)[854]
مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ ......(41)
[86][108] [212] [291] [326] [386] [457]
[458] [459] [460] [461] [466] [467] [520]
وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ......(47)
[457] [687] [688] [706][731]
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ..(57)[821] [602]
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا-(63)
[471] [531] [848][849]
اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى......(73)
[689] [698] [924]

سبا

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا......(11) [527]
اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا....(سبا:14)[843]
فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ ......(15) [200]
وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً......(29) [725] [221]
قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ ......(31)[786]
وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ....(44)[396]
قُلْ جَآءَ الْحَقُّ......(50) [387]
وَقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ ......(53) [874]
وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ (55) [697]

فاطر

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ ....(11)[700]
اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (25) [462] [374]
اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهٖ...... (29) [751]
ثم اور ثنا الكتب ......(33)[877] [727] [645]
اِسْتِكْبَارًا فِى الْاَرْضِ ......(44)[869 [471]

يٰسٓ

و القران الحكيم (3) [312]
اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى......(13) [401]
قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ...... (27-28) [542]
يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ...... (31) [224]
فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ...... (51) [479]
ونفخ فى الصور......(52)[661]
اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا...... (83)[895]

الصّٰفّٰت

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا ......(36) [429]
اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا...... (63)[692] [691]
وَنَادَيْنٰهُ اَنْ ...... (105-106)[848] [512]
وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ- (108) [910]
وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ- 165)[591]

صٓ

مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ (51) [470]
اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ......(72 تا75)[921]
قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ ...... (صٓ87)[896]

الزمر

وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ...... (7) [785] [657]
اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ......(24)

[398] [677] [768]
اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ۔ (31) [480]
فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ (43)
[350] [781]
قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا .... ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا (54)] [777] [813] [814]
وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ ......(69) [335]

المؤمن

وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ ......(29)
[530] [531] [532] [533]
اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ (37)[517]
وَ قَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ ...... (61)
[164] [548] [620] [855] [864] [866] [867]
[868] [869] [872] [874] [877] [911]
فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ ......(78)[787]
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ ......(79)[97]
لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ...... (85)[678]

حٰمٓ السجدہ

ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ ...... (12`13) [197]
اَلَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ......(31)
[164][511][514][519][520][829][855] [856]
نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ ......(32) [856]
وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ ......(35) [892] [886]
اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ (41)] [806
اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالذِّکْرِ ......(42) [385]

الشوریٰ

فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّۃِ.... (8)[611][610]
فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ.... (12) [680] [579 [577]
اَللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ ......(18) [381]
اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ ......(25) [519]
وَ ھُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ ......(26) [881] [547]
وَ ھُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ....(29)[692]
وَ مَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ ......(31) [544]
وَ مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ ...... (32) [516]
وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ ......(52)
[465] [401] [384] [381] [379] [322] [24]
[512] [514] [659] [671]
وَ کَذٰلِکَ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ ......(53) [729][25]
اَنْزَلَ الْکِتَابَ بِالْحَقِ...... (118) [16]

الزخرف

وَ قَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ ......(33-32)[322]
وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ......(37) [17]
فَاسْتَمْسِکْ بِالَّذِیْ......(44) [443][16]
وَاِنَّہٗ لَذِکْرٌ لَّکَ وَلِقَوْمِکَ۔ (45) [443] [16]
وَتَبٰرَکَ الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ....(86)[613]

الدّخان

حٰمٓ o وَالْکِتَابِ الْمُبِیْنِ o ...... (2 تا7) [247]
فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی (11 '12) [248]
رَبَّنَا اکْشِفْ عَنَّا ......(13 تا16) [238]

الجاثیہ

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰہِ ......(7) [440]

الجاثیہ

علی کل شیء قدیر(34)[579]
فصبر کما صبر اولوالعزم(36)[547]

محمد

و الذین امنوا و عملوا الصالحات (2-3)[598]
فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ ......(5)
[229] [272] [500]
مَثَلُ الْجَنَّۃِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ...... (16)
[683] [540]
فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ......(20)

[428] [574] [617][617] [884]
اِنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِب......(37) [809]

الفتح

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا۔ ......(2 تا 4)
[409] [548] [770][852]
یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ (الفتح11)[672]
مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ ......(30)
[139] [215] [216] [217] [346] [895]

الحجرات

وَلَاتَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ......(12)[907]
وَ لَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا ......(13)
[561] [667] [748][920] [921]
یایھا الناس انا....(14)[606]
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ ......(16)
[568] [596] [618]

قٓ

واحیینا بہ بلدۃ میتا ......(الجزو نمبر26) [401]

الذّٰریٰت

کَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَالَّیْلِ ...(19-18)[548]
وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ ...... (57)
[427] [512] [642] [805][859] [862][911]

الطور

فٰکِھِیْنَ بِمَآ اٰ تٰـھُمْ ......(19)[894]

النجم

وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی o ...... فَاسْتَوٰی o(2تا7)
[27][517] [27] [26] [742] [747]
ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی۔ ......(10,9)[925] [136]
مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (18)[923] [922]
اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ ...(29)[667] [439]
اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ ......(33)[903]
وَ اِبْرٰھِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰیٓ۔ (38)[919] [605]

اِنَّ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی (40) [846]
وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی۔ (43) [583]

القمر

اقتربت الساعۃ....(2)[612]
حِکْمَۃٌ بَالِغَۃٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ۔(6) [435]
وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ(القمر:23)[404]
اَکُفَّارُکُمْ خَیْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِکُمْ ......(44 تا46) [346]
فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ ...... (56) [476]

الرحمٰن

اَلرَّحْمٰنُ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔(2`3)[729][93]
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔(14) [404]
کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا .. (27`28)[769][783] [283]
یَسْئَلُہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ...... (30) [579] [578]
وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ (47)
[430] [541] [856]
ھَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ ...... (61)[858]

الواقعہ

بِاَکْوَابٍ وَّاَبَارِیْقَ......(20-19) [541]
ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ...... (41-40)
[150] [169] [204] [216] [217] [234] [437]
فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ ...... الْمُطَھَّرُوْنَo (76 تا80)
[32][61][95] [249][250] [310] [328] [329]
[340] [310] [328] [332] [333] [340] [341]
[343] [368] [369] [391] [415] [437] [707]
[714] [715] [716] [720] [732] [733] [792]
[736] [740] [742] [743] [753] [747] [754]
[755] [761] [762] [768] [792] [899]
اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ حَقُّ الْیَقِیْنِ۔(ا 96) [341]

الحدید

لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰت وَالْاَرْضِ(3)[582]
اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ یُحْیِ الْاَرْضَ...... (18)
[63] [241] [277] [283] [323] [335] [401]

[463] [695] [696] [783]

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ......(19)[666]

وَ یَجْعَلْ لَکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِہٖ (29) [465]

وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ ـ (26) [470]

المجادلہ

کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا......(22)

[222] [232] [463]

ا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ......(23) [702]

الحشر

وَ مَآ اٰتٰیکُمُ الرَّسُوْلَ ...... (8) [444]

لَوْاَنْزَلْنَا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ ......(22)[752] [397]

الممتحنہ

لَا یَنْھٰیکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْن ......9) [499]

اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ ......(10)[858]

الصّف

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ ...... (4-3)[916][73]

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی ......6) [881] [545]

وَاِذْقَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِی ......(7)

[215] [219] [228] [479]

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ...... (9)[90]

ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ ...... (10)

[13] [44] [69][84][87] [89][106][107] [113]

[208] [228] [244] [336] [339]

ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْکُمْ ...... (11)[694]

مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ[870]

الجمعة

ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖن......(3)

[22][34][47][50][57][61][62] [264] [266]

[333] [714] [715] [735]

وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا ...... (4)

[12] [22] [34][42][47][50][52] [58] [61] [66]

[75] [86] [87][88][89] [94][108] [121] [127]
[139] [149] [150] [175] [190] [195] [212]
[213] [214] [215] [264] [265] [266] [267]
[268] [269] [271] [272] [295][422]
[465][600]

وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا ...... (11) [404]

المنافقون

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتُلْھِکُمْ...... (10)[854]

الطلاق

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ......(4-3)

[503] [560] [892] [893] [912] [913]

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُما ......(11`12)[657]

التحریم

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ....(7)[593]

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ ...... (9) [539]

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلاً لِلَّذِیْنَ ......11تا13)

[207] [689][704] [780]

وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ...... (13) [109]

الملک

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ ...... (3)[703]

القلم

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ـ (5)[918] [906]

وَلَا تَکُنْ کَصَاحِبِ الْحُوْتِ ـ (49)[548]

الحاقہ

خُذُوْہُ فَغُلُّوْہُ...... فَاسْلُکُوْہُ (31-33)[697]

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ......

حٰجِزِیْنَo(45-48) [469] [235]

وَ اِنَّہٗ لَتَذْکِرَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ـ (49) [343]

نوح

قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ـ (3) [344]

مَالَكُمْ لَ ...... اَطْوَارًا۔(14-15) [328]

بِمَّا خَطِيْئٰتِهِمْ......(26) [542]

وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَر...... (27)

[606] [546] [238]

رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ -- (29) [660]

الجن

وَ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ...... (9) [588]

قُلْ اِنْ اَدْرِيْ اَقَرِيْب...... (26) [681] [534]

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ......(28`27)

[755] [695] [518] [457] [171] [236] [166]

المزمل

اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ ......(6) [515]

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ ......(9) [804] [430] [231]

اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا......(16) [209] [106]

[210]

المدثر

قُمْ فَاَنْذِرْ۔...... فَاهْجُرْ۔ (3تا6) [700]

و قال و ما يعلم......(32) [589] [586]

القيٰمة

وَ لَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۔ (3) [905]

اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ(24) [670]

الدهر

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا...... (5) [696]

يفجرونها تفجيرا۔(7) [353]

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ ..(9-10) [858] [857] [805]

وَ يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا ...... (18-19) [810]

المرسلات

وَالْمُرْسَلٰتِ ......عُذْرًا اَوْنُذْرًا o(2 تا6)

[239]

وَاِذَالرُّسُلُ اُقِّتَتْ۔(المرسلٰت12)

[336] [224]

اَ لَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ...... (26-27) [536] [479]

اِنْطَلِقُوْا اِلٰى ...... (30تا32) [705]

النبا

يوم يقوم الروح ...... (39) [661]

النّٰزعٰت

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (6)

[869] [593] [592] [586]

فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى (38-40) [539]

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ...... (41-42) [539]

عبس

وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ ...... (39-43) [543]

التكوير

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۔(2) [274] [273]

وَاِذَاالنُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۔(3) [274] [273]

وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ۔(4) [273]

وَاِذَاالْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۔(5) [347] [273]

وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ۔ (6) [273]

وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ۔ (7) [273]

وَاِذَاالنُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۔(8) [347] [273]

وَاِذَاالصُّحُفُ نُشِرَتْ ۔(11) [274] [273]

وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ۔(18) [275]

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۔(19) [275]

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ۔ (25) [400]

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ۔ (26) [400]

فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ۔ (27) [400]

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ...... (28`29) [397] [328]

الانفطار

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۔(2) [681] [275]

وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۔(3) [698][681] [275]

وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۔(4) [681] [275]

اَلَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰیکَ فَعَدَلَکَ(8) [657]

اِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ۔ ...... (11-13) [593]

الانشقاق

اِذَاالسَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۔(2) [683] [666] [276]

وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّت (4) [276]

وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّت (5) [276]

الطارق

وَ اِنْ کُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا...... (5) [785] [593] [587]

وَالسَّمَآء...... الصَّدْعِ۔ (13-12)

[524] [521] [363] [362]

اِنَّه' لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۔(14)

[524] [390] [363] [362] [352] [16]

الاعلیٰ

ان ھذالفی الصحف......(19`20) [406]

الغاشیه

اَفَلاَ یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ (18) [723]

الفجر

وَجَآءَ رَبُّکَ وَالْمَلَکُ صَفًّا صَفًّا۔(23) [591]

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ...... جَنَّتِیْ (28 - 31)

[782] [860] [542] [541] [476][475]

البلد

ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْن...... (18) [431]

الشمس

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا (9) [908] [512]

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا (الشمس10)[850] [514]

قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔(11) [514] [431]

الضحٰی

اَلَمْ یَجِدْکَ......فَاَغْنٰی (9-7) [556] [406]

[769] [701]

فَاَمَّا الْیَتِیْم...... فَحَدِّثْ۔ (12-10)

[919] [770] [769] [657] [406]

التین

لَقَدْخَلَقْنَا الْاِنْسَان......۔(5)[906]

القدر

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِالْقَدْرِ ۔(2)

[462] [337] [324] [279][278] [276]

وَمَآ اَدْرٰلکَ مَا لَیْلَةُالْقَدْرِ۔(3)

[462] [337] [324] [279]][276]

لَیْلَةُالْقَدْرِ ،خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۔(4)

[337] [324] [288] [276]

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَةُ ......(5)

[337] [324] [279] [276]

هِیَ حَتّٰی ......(6) [337] [324][276]

البیّنه

لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا......(2) [390]

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰه......(3-4)

[769] [765] [699] [391] [390] [356]

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا......(8) [513]

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ۔ (9)[601]

الزلزال

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۔ (2)

[765][696] [681] [283] [281]

وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا۔ (3)

[765] [283] [281]

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا۔ (4)[765] [281]

یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا۔ (5) [281]

بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْ حٰی لَهَا ۔ (6) [281]

یَوْمَئِذٍیَّصْدُرُالنَّاس...... (7) [281]

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًایَّرَہٗ ۔(8)
[133] [281] [285] [544] [912]

وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ۔(9)
[133] [284] [544] [547] [881]

التکاثر

کَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ ......(6 تا8) [568]

العصر

وَالْعَصْرِ o(2) [286]

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ o (3) [613] [286]

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ وَعَمِلُو ......(4) [286]

الھمزہ

نا ر اللہ الموقدۃ ......(7-8) [545] [540] [353]

الفیل

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ......(2) [289]

قریش

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ۔(2) [290]

اٖلٰفِھِمْ رِحْلَۃَ الشِّتَاءِ وَالصَّیْفِ۔(3) [290]

فَلْیَعْبُدُوْارَبَّ ھٰذَاالْبَیْتِ۔(4) [290]

الَّذِیْٓ اَطْعَمَھُمْ مِّنْ جُوْعٍ۔(5) [290]

وَّاٰمَنَھُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۔(6) [290]

الماعون

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ۔ ......(5 تا7)[915]

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ۔ ......(5-6)[627]

الَّذِیْنَ ھُمْ یُرَآءُ وْنَ۔ (7)[915]

الکوثر

اِنَّآاَعْطَیْنٰکَ ......2 تا4) [467] [459] [291]

الکافرون

قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکَافِرُوْن ...... (2`3) [505]

النصر

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہ ......[885][924] [547]

اللھب

تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَب ...... (2-3)
[662] [661] [422][293] [191][190]

الاخلاص

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ (2)
[415] [301] [295] [294] [191] [183][176]
[572] [422] [421]

اللّٰہُ الصَّمَد(3)
[572] [422] [421] [301] [295] [294] [191]

لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْ لَد(4)
[421] [301] [295] [294][191] [190][121]
[572] [422]

وَلَمْ یَکُنْ لَہٗ کُفُوًا اَحَدٌ(5)
[572] [422] [301] [295] [294] [191]

الفلق

قُلْ اَعُوْ ذُ بِرَ بِّ الْفَلَق ...... (2تا اخر)
[905] [654] [301] [297]

الناس

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس(2)
[908] [301] [300] [298] [183]

مَلِکِ النَّاسِ o (3)
[908] [301] [300] [298]

اِلٰهِ النَّا س o (4) [908] [301] [300] [298]

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ o (5)
[908] [301] [300] [298]

الَّذِیْ یُوَسْوِ سُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ o (6)
[908] [301] [300] [298]

مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ o (7)
[908] [301] [300] [298]

انڈیکس الہامات

(عربی،اردو،فارسی)

ا

اِنِّیْ مَعَکَ حَیْثُ مَا کُنْتَ وَ اِنِّیْ نَاصِرُکَ وَ اِنِّیْ یُدُّکَ اِلَّا زِمُ وَ عَضُدُکَ الْاَقْوٰی ۔ وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَدْعُوَالْخَلْقَ اِلَی الْفُرْقَانِ وَ دِیْنِ خَیْرِ الْوَرٰی
[7]

اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۔ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔
[19][82][303]

انّ اللّٰہ معک انّ اللّٰہ یقوم اینما قمت
[20] [82]

الرحمن علم القران۔ یا احمد فاضت الرحمة علی شفتیک۔
[29]

اَرَدْتُ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فخلقْتُ آدَم
[31] [83]

آگ سے ہمیں مت ڈراؤ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے
[39]

اور مجھے آگ سے مت ڈراؤ۔ کیونکہ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام[1] ہے
[96] [247]

اَرَدْتُ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ لِیُقِیْمَ الشَّرِیْعَةَ وَیُحْیِ الدِّیْنَ۔ کِتَابُ الْوَلِیِّ ذُوالْفِقَارِ عَلِیٍّ۔ وَلَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَنَالَهٗ رَجُلٌ مِّنْ اَبْنَاءِ الْفَارِسِ یَکَادُ زَیْتُهٗ یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ۔ جَرِیُّ اللّٰهِ فِیْ حُلَلِ الْمُرْسَلِیْن
[42]

اِنَّنِیْ فِی الْکُتُبِ مَسْطُوْرٌ [105]

اِنَّآ اَنْزَلْنَاهُ قَرِیْبًا مِّنَ الْقَادِیَانِ۔ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ۔ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا۔ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ تَمْتَرُوْنَ ۔
[105]

اَرَدْتُ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ ۔ یُحْیِ الدِّیْنَ وَیُقِیْمُ الشَّرِیْعَةَ۔ *چو دورِ خسروی آغاز کردند مسلماں را مسلماں باز کردند۔* اِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا۔
[83]

اِنِّیْ مُهِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِهَانَتَکَ۔ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ۔
[110]

ایک عزت کا خطاب۔ ایک عزت کا خطاب لَکَ خِطَابُ الْعِزَّةِ۔ *ایک بڑا نشان اسکے ساتھ ہوگا۔ ”مجھے امتیازی مرتبہ بخشنے کے لئے خدا نے میرا نام نبی رکھ دیا ہے اور مجھے یہ ایک عزت کا خطاب دیا گیا ہے۔*
[169]

اِصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِم
[201]

اذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ واصنع الفلک باعیننا و وحینا ۔الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدیھم ۔
[202]

اَنْتَ اَشَدُّ مُنَاسَبَةً بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ وَاَشْبَهُ النَّاسِ بِهٖ خُلُقًا وَّخَلْقًا وَّزَمَانًا
[282]

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ۔اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَھُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ۔ اِنَّکَ بِمَنْزِلَۃِ رَحَی الْاِسْلَامِ۔ اٰثَرْتُکَ وَ اخْتَرْتُکَ

[289]

اِنِّیْ مَعَکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ

[292]

انما امرک اذا اردت شیئا ان تقول لہ کن فیکون۔

[ ]

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ

[517]

امن است درمکان محبت سرائے ما

[836]

ب

بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد۔ پاک محمد مصطفٰے نبیوں کا سردار۔ خدا تیرے سب کام درست کر دیگا۔ اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔ رب الافواج اس طرف توجہ کریگا۔ اس نشان کا مدعا یہ ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔ جنابِ الٰہی کے احسانات کا دروازہ کھلا ہے اور اُس کی پاک رحمتیں اس طرف متوجہ ہیں۔ وہ دن آتے ہیں کہ خدا تمہاری مدد کرے گا۔ وہ خدا جو ذوالجلال اور زمین وآسمان کو پیدا کرنے والا ہے........

[36]

بیت اللہ

[44]

بُوْرِکْتَ یَا اَحْمَدُ

[109]

برتر گمان و وہم سے احمد کی شان ہے
جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے

[168]

ت

تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ وَّ تَبَّ۔ مَا کَانَ لَہٗ اَنْ یَّدْخُلَ فِیْھَا اِلَّا خَائِفًا وَّ مَا اَصَابَکَ فَمِنَ اللّٰہِ

[293]

ج

جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَآءِ

[109][110] [194] [221] [254]

جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو

[893] [913]

چ

چو دَورِ خسروی آغاز کردند
مسلماں را مسلماں باز کردند
مقامِ او مبیں از راہِ تحقیر
بدورانش رسولاں ناز کروند

[66][82]

جَعَلْنَاکَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ۔

[207]

ح

حٰمٓ۔تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ۔

[357]

د

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہیں کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا

[10]

دنی فتدلی فکان قاب قوسین اوادنی یحیی الدین ویقیم الشریعته

[76]

ڈ

راز کھل گیا۔

[357]

س

سلام علی ابراھیم صافیناہ ونجیناہ من

الـغم۔و اتخذوا من مقام ابراہیم مصلی۔ قل رب لا تذر نی فردا وانت خیر الوارثین
[156]

سب مسلمانوں کو جو روئے زمین پر ہیں جمع کرو۔ عَـلٰـی دِیْنٍ وَاحِدٍ
[292]

ص

صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَکَانَ وَعْدًامَّفْعُوْلًا
[188]

صادق آں باشد کہ ایامِ بلا
مے گذارد با محبت باوفا

[848]920]

ف

فَاَجَآءَ ھَاالْـمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَۃِ قَالَتْ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا وَکُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا
[232]

فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ اَفَلَاتَعْقِلُوْنَ ۔
[746]

ق

قُـلْ اِنَّـمَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحیٰ اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِیْ الْقُرْآنِ ۔ لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْ نَ ۔
[7][67]

قُلْ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی
[35] [764]

قل جاء الحق وز ھق الباطل ان الباطل کان زھـوقاً۔ کل برکۃ من محمد ﷺ فتبارک من عـلّم وتـعّلم ۔ قل ان افتریتہٗ فعلی اجرامی ۔ ھـوالذی ارسل رسولہ با لھدٰی ودین الحق لیظھـرہٗ عـلـی الـدین کلہ لا مبدّل لکلمات اللّٰہ۔ظُلمواوان اللّٰہ علٰی نصر ھم لقدیر
[36] [60] [268]

قُـلْ اِنْ کُـنْتُـمْ تُـحِبُّوْنَ اللّٰہ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ
[468]

قَدِ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔
[847]

ک

کـلّ بـرکـۃ مـن محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتبـارک مـن عَلّمَ وَتَعَلّمط خدا کی فیلنگ اور خدا کی مہر نے کتنا بڑا کام کیا۔ انّی معک ومع اھلک
[51]

کُـنْـتُ کَـنْزًا مَّخْفِیًّا فَاَ حْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ ۔اِنَّ السَّـمٰـوَاتِ وَالْاَ رْضَ کَا نَتَا رَتْقًافَفَتَقْنٰھُمَا ۔ وَ اِنْ یَّتَّـخِـذُوْ نَکَ اِلَّا ھُـزُوًا ۔ اَھـٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ الـلّٰہُ ۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ اِنَّمَآ اِلٰھُـکُمْ اِلٰـہٌ وَّاحِـدٌ ۔ وَالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ لَا یَـمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ۔ وَلَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْن
[67]

کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیح کے
جس کی مما ثلت کو خدا نے بتا دیا
حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب
خُو بوں کو بھی تو تم نے مسیحا بنا دیا

[106]

کَتَـبَ اللّٰہُ لَاَ غْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ۔ وَ ھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ
[110]

کُـلُّ بَـرَ کَۃٍ مِنْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَبَا رَکَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّم
[268]

گ

گر قضا را عاشقے گردد اسیر
بوسد آں زنجیر را کز آشنا

[848]920]

ل

لِيَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الْمُجَاھِدِیْنَ مِنْکُمْ وَ لِیَعْلَمَنَّ الْکَاذِبِیْنَ۔

[847]

م

مَااَنَا اِلَّا کَالْقُرْاٰنِ وَسَیَظْھَرُ عَلٰی یَدَیَّ مَا ظَھَرَ مِنَ الْفُرْقَانِ۔

[28]

مُبَارَکٌ وَّ مُبَارِکٌ وَکُلُّ اَمْرٍ مُّبَارَکٍ یُّجْعَلُ فِیْہِ

[106][227]

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ۔

[109]

و

وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَ

[201]

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاس

[247]

وَ کَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا۔ صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ۔ وَکَانَ اَمْرًا مَّفْعُوْلًا

[467]

وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ

[517]

ہ

ھُوَالَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَہٗ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ

[70]

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

[250] [315]

ی

یَایَحْیٰ خُذِالْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ (اور فرمایا) وَالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ

[438] [203] [14] [7]

یَا اَحْمَدُ بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ ۔مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا اُنْذِرَ اٰبَآءُ ھُمْ وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ۔قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ

[70] [68] [60] [19] [11]

یَا اَحْمَدُ بَارَکَ اللّٰہ فیکَ۔ الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اٰبَآءُ ھُمْ وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ ۔ قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بَالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ۔

[19]

یکے پائے من می بوسید و من میگفتم کہ حجر اسود منم

[44]

یلقی الروح علی من یشاء من عبادہٖ ط کلّ برکۃ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم

[45]

ینقطع اباوک و یبدء منک

[156] [197]